فیوض الرحمٰن

اُردو ترجمہ

تفسیر روح البیان

شیخ القرآن والحدیث فیض ملت حضرت علامہ مفتی

محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ

مکتبہ اویسیہ رضویہ
سیرانی روڈ بہاول پور

ابو[illegible] محمد زین العابدین قادری

فیوض الرحمٰن

پارہ نمبر ۲۱، ۲۲ - اردو ترجمہ

روح البیان

مفسر و مؤلف

سراج العلماء، زبدۃ الفضلا حضرت علامہ مولانا شیخ اسماعیل حقی البروسوی
قدس سرہٗ

مترجم

شیخ التفسیر والحدیث حضرت علامہ مولانا مفتی محمد فیض احمد
اویسی رضوی

ناشر

مکتبہ اویسیہ رضویہ ○ سیرانی روڈ ○ بہاولپور

نام کتاب ____ فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ تفسیر روح البیان
پارہ ____ ۲۱ ـ اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ ـ ۲۲، وَمَنْ یَّقْنُتْ ـ
مؤلف ____ حضرت علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ
مترجم ____ حضرت مولانا الحاج محمد فیض احمد اویسی
خطاط ____ محمد شریف گل، کڑیال کلاں براہ شیخوپورہ
مصحح ____ چودھری مشتاق محمد خاں، لاہور
سن طباعت ____ اپریل ۱۹۸۸ء
ناشر ____ مکتبہ اویسیہ رضویہ، سیرانی روڈ، بہاولپور
باہتمام ____ صاحبزادہ محمد عطاءُ الرسول اویسی ـ

پارہ نمبر ۲۱

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ
اے محبوب پڑھو جو کتاب تمہاری طرف وحی کی گئی اور نماز قائم فرماؤ بے شک نماز منع کرتی ہے بے حیائی

الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَ لَا تُجَادِلُوْۤا
اور بری بات سے اور بے شک اللہ کا ذکر سب سے بڑا اور اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو اور اے مسلمانوں

اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۗ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَ قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا
کتابیوں سے نہ جھگڑو مگر بہتر طریقہ پر مگر وہ جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا اور کہو ہم ایمان لائے اس

بِالَّذِیْۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَ اِلٰهُنَا وَ اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾
پر جو ہماری طرف اترا اور جو تمہاری طرف اترا اور ہمارا تمہارا ایک معبود ہے اور ہم اس کے حضور گردن رکھے ہیں

وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَ مِنْ
اور اے محبوب یونہی تمہاری طرف کتاب اتاری تو وہ جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی اس پر ایمان لاتے ہیں اور

هٰۤؤُلَآءِ مَنْ یُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَ مَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا
کچھ ان میں سے ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں اور ہماری آیتوں سے منکر نہیں ہوتے مگر کافر اور اس سے پہلے تم کوئی

مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾ بَلْ هُوَ
کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے یوں ہوتا تو باطل والے ضرور شک لاتے بلکہ وہ روشن

اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَ مَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾
آیتیں ہیں ان کے سینوں میں جن کو علم دیا گیا اور ہماری آیتوں کا انکار نہیں کرتے مگر ظالم

وَ قَالُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا
اور بولے کیوں نہ اتریں کچھ نشانیاں ان پر ان کے رب کی طرف سے تم فرماؤ نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں اور

نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵۰﴾ اَوَ لَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰى عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ
میں تو یہی صاف ڈر سنانے والا ہوں اور کیا یہ انہیں بس نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب اتاری جو ان پر پڑھی جاتی ہے بے شک اس

لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰى لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ ع ۵
میں رحمت اور نصیحت ہے ایمان والوں کے لیے

تفسیر عالمانہ اُتۡلُ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡکَ مِنَ الۡکِتٰبِ۔ التلاوۃ بمعنے پے در پے پڑھنا۔ الایحاء بمعنے اعلام فی الخفاء۔ اور شرع میں اس کلمۂ الٰہیہ کو کہا جاتا ہے جو انبیاء عظام علیہم السلام و اولیاء کرام سے القاء ہوتا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! وہ قرآن مجید جو آپ پر نازل ہُوا آپ اسے تقرب' اس کے الفاظ کی حفاظت کرنے اور اس کے معانی و حقائق سمجھنے کے ارادے پر پڑھیے اس لیے کہ اس کے غور و فکر کی تلاوت سے وہ معانی و حقائق منکشف ہوتے ہیں جو اس سے پہلے معلوم نہیں ہوتے نیز اسے پڑھ کر لوگوں کو پڑھنے اور اس کے جملہ احکام پر عمل کرنے کی ترغیب دیجئے اور انہیں اس کے محاسن آداب و مکارم اخلاق کے سمجھائیے۔

حکایت مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک چور کو گرفتار کر کے لایا گیا۔ آپ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم فرمایا۔ اس نے عرض کی: "میرے ہاتھ کاٹنے کا حکم کیوں؟" وہ اگرچہ قرآن مجید پڑھا ہوا تھا لیکن اس کے احکام سے بے خبر تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں حکم فرمایا۔" اس نے عرض کیا: "وہ کہاں ہے؟" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھا:

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ۔ والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیہما جزاء بما کسبا نکالاً من اللہ و اللہ عزیز حکیم۔

چور نے کہا: "بخدا! میں نے آج تک یہ حکم نہیں سُنا تھا اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا تو میں چوری نہ کرتا۔"

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا عذر قبول نہ کیا اور ہاتھ کاٹ دیا۔

نکتہ: تراویح کی جماعت میں بھی یہی حکمت ہے تاکہ عوام پورا قرآن مجید سُن کر اس کے احکام سے آگاہ ہوں۔

مسئلہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص قرآن مجید کو کھڑے ہو کر نماز میں پڑھتا ہے اسے ایک حرف کے بدلے سَو نیکی کا ثواب نصیب ہوتا ہے اور جو نماز میں بیٹھ کر پڑھتا ہے اسے ہر حرف کے عوض پچاس نیکیوں کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ اور جو نماز سے باہر باوضو ہو کر قرآن مجید پڑھتا ہے تو اسے ہر حرف پر پچاس نیکیاں ملتی ہیں۔ اور جو نماز کے بغیر بلا وضو قرآن مجید پڑھتا ہے اسے ایک حرف کے بدلے دس نیکیوں کا اجر ملتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نماز میں قرأۃ مختصر ہو اس سے بلا صلوٰۃ قرآن کی تلاوہ افضل ہے جیسے طویل قرأۃ والی نماز مختصر قرأت والی نماز سے افضل ہے۔

مسئلہ: فقہاء کرام نے فرمایا، طویل قیام والی نماز کثرتِ سجود والی سے افضل ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

"افضل نماز وہ ہے جو طویل قیام کے ساتھ ہو۔"

(القنوت بمعنے القیام ہے) اس لیے کہ طویل سجود و رکوع میں تسبیحات کی کثرت ہوگی اور قیام میں قرأت کی

کثرت ہوگی اور تسبیحات سے قرأتِ قرآن افضل [له] ہے ۔

له ہم یہاں پر چند فضائل و آدابِ تلاوت و مسائل عرض کرتے ہیں تاکہ ناظرین کو مزید فائدہ ہو ۔

کتابِ مقدس تمام علوم کی جامع ہے اس کا ایک ایک صفحہ اور ایک ایک حرف بے نہایت برکات کا سرچشمہ ہے ۔

حدیث شریف ۱ : سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

" قرآن کریم کی قرأت کرو وہ روزِ قیامت اپنے رفیقوں کا شفیع ہوگا ۔" (مسلم)

حدیث شریف ۲ : حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے :

" جس شخص نے قرآنِ کریم کا ایک حرف پڑھا اس کے لیے نیکی ہے دس نیکیوں کے برابر ۔" (ترمذی)

حدیث شریف ۳ : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے :

" اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ فرماتا ہے : جس شخص کو قرآن اور میرا ذکر ایسا مشغول کرے کہ وہ مجھ سے مانگنے اور سوال کرنے کی فرصت بھی نہ پاتے میں اس کو مانگنے والوں سے زیادہ دیتا ہوں ۔"

حدیث شریف ۴ : " جس گھر میں قرآن پڑھا جاتا ہے وہ اہلِ آسمان کے لیے ایسی زینت ہوتا ہے جیسے ستارے زمین والوں کے لیے ۔" (بیہقی)

حدیث شریف ۵ : " اپنے مکانوں کو نماز سے اور قرآن کریم کی قرأت سے منور کرو ۔"

حدیث شریف ۶ : " میری امت کی بہترین عبادت قرآن کی قرأت ہے ۔" (بیہقی)

حدیث شریف ۷ : سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

" تم میں بہتر وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا ۔" (بخاری)

اتقان میں ہے کہ تمام قرآنِ کریم کا حفظ کرنا اُمت پر فرضِ کفایہ ہے تاکہ قرآن کریم کا تواتر باقی رہے اور تبدیل و تحریف کو اس میں راہ نہ ہونے پائے ۔ اگر اس فرض کی ادائیگی کے لیے اتنے لوگ قایم ہوں جن کی تعداد کثرت و تواتر کو پہنچتی ہے تو ان کے حفظ کر لینے سے باقی مسلمانوں کے ذمہ فرض نہیں رہے گا اور اگر حافظوں کی تعداد اس حد سے کم ہو تو سب لوگ گنہگار ہوں گے

قرآن کریم کی تعلیم بھی فرضِ کفایہ اور افضل ترین قربات و طاعات ہے ۔ جیسا کہ حدیث مسلم میں ارشاد ہوا جو اوپر گزر چکی ہے ۔

قرآن کریم کی تلاوت بکثرت کرنا مستحب ہے ۔

حدیث شریف ۸ : " دو ہی چیزیں رشک کے قابل ہیں ان میں سے ایک وہ شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم عطا فرمایا وہ صبح و شام اس کی تلاوت کرتا ہے ۔" (بخاری و مسلم)

جس روز قرآنِ کریم ختم ہو اس دن روزہ رکھنا سنت ہے اور یہ بھی سنت ہے کہ اپنے گھر والوں اور دوستوں کو جمع کرے ۔

حدیث شریف ۹ : " حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب قرآن ختم کرتے اپنے اہل کو جمع کرتے اور دعا کرتے ۔" (طبرانی)

(بقیہ صفحہ ۴)

حکم بن عُیَینہ سے مروی ہے کہ مجاہد نے انہیں بُلایا اور ان کے پاس ابن ابی اُمامہ بھی تھے ان دونوں حضرات نے فرمایا ہم نے تمہیں اس لیے بلایا کہ ہمارا ارادہ قرآن ختم کرنے کا ہے اور ختمِ قرآن کے وقت دعا مستجاب ہے۔

قرأتِ قرآن میں اسلاف کی عادتیں جدا گانہ تھیں بعض تو اتنی کثرت کرتے تھے کہ رات دن میں آٹھ ختم کر لیتے تھے، چار دن میں چار رات میں۔ بعض حضرات شب و روز میں چار ختم کرتے تھے بعض تین، بعض دو، بعض ایک، بعض حضرات دو راتوں میں ایک ختم کرتے تھے، بعض تین میں بعض چار میں، بعض پانچ میں، بعض چھ میں بعض سات میں؛ اور یہ اکثر صحابہ کا معمول تھا۔ احوال اور ذوق مختلف ہیں۔ بعض حضرات اس پر قادر ہیں کہ قرآن کریم کو نہایت جلد پڑھنے میں بھی حروف کو ان کے مخارج سے صحیح ادا کریں اور معانی کا بھی لحاظ کرتے جائیں۔ بعض کو اس مقصد کے لیے زیادہ وقت صرف کرنا اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا ضروری ہوتا ہے۔

مسئلہ: قرآن کریم کی تلاوت اگرچہ بے وضو بھی جائز ہے لیکن اس کے لیے وضو کرنا مستحب ہے کیونکہ قرآن پاک کی قرأت افضل اذکار سے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ذکرِ الٰہی کو با طہارت پسند فرماتے تھے۔

مسئلہ: جنب (وہ شخص جسے غسل کی حاجت ہو اور حیض و نفاس والی عورت) ان سب کے لیے قرآن کریم کی قرأت حرام ہے بغیر ہاتھ لگائے دیکھنا اور دل میں تصور کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: جس کا منہ ناپاک ہو جیسے کہ شرابی۔ اس کو بھی قرآنِ کریم کی تلاوت جائز نہیں۔

مسئلہ: ناپاک شخص کو قرآن کریم کا چھونا جائز نہیں۔

مسئلہ: سنّت ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت پاک جگہ پر ہو، اور مسجد میں زیادہ بہتر ہے۔ مستحب ہے کہ تلاوت کرنے والا قبلہ رُو ہو اور نہایت عجز و انکسار اور خشوع و حضورِ قلب سے سر جھکا کر با اطمینان پڑھے۔ پڑھنے سے قبل مسواک سے منہ کو خوب صاف کر لے۔ تلاوت سے قبل اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے اور سوائے سورۃ برأت کے ہر سورت کے اوّل میں بسم اللہ پڑھا کرے، سننے والا خاموشی سے دل لگا کر سُنے۔

لہٰذا ہم بھی چند آداب و مسائل یہاں بیان کرتے ہیں:

قرأت میں ترتیل سنّت ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں ہے کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح قرأت فرماتے تھے کہ ایک ایک حرف صاف معلوم ہوتا تھا۔ (ابو داؤد)

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: قرآن شریف جب دل میں اترتا ہے اس میں جمتا ہے اور نفع دیتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

حدیث شریف میں ہے کہ روزِ قیامت قاریِ قرآن سے کہا جائے گا کہ قرآن پڑھ اور درجات میں ترقی کرتا چلا جا۔ جس سکون و اطمینان کے ساتھ دنیا میں آہستہ آہستہ پڑھتا تھا ویسا ہی پڑھ۔ پڑھتے پڑھتے جہاں تک پہنچے گا وہ سب ملک تجھے عطا کیا جائے گا۔

مسئلہ: قرآن کریم کو تدبر و فہم کے ساتھ پڑھنا اور اس کے معنی پر نظر رکھنا مقصودِ اعظم ہے (باقی برصفحہ ۷)

آدابِ تلاوت

بہتر ہے کہ تلاوت با وضو ہو کر قبلہ کی طرف منہ کر کے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر کی جائے۔ نہ پالتی لگائے نہ کسی چیز سے ٹیک لگا کر، نہ ہی متکبرانہ طور پر۔ بلکہ ایسے خشوع و خضوع سے ہو گویا کہ وہ کسی بارعب شخصیت کے سامنے بیٹھا ہے۔

سورۂ نمل میں ہم نے تلاوت و آداب اسرار بیان کر دیئے ہیں۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ نماز کی ادائیگی پر مداومت کرو۔ یعنی وہ نمازیں جو فرض ہیں انہیں ان کی شرائط کے ساتھ باجماعت ادا کیا جائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کر کے آپ کی امت کو اس کی اقامت کا حکم فرمایا گیا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ) اسی سے شرح صدر اور نورانیتِ قلب حاصل ہوتی ہے اور معنی پر نظر رکھنے سے مراد یہ ہے کہ جو پڑھتا ہے اس کے معنی سمجھے اور امر و نہی میں غور کرے اور دل میں اس کے ماننے اور اطاعت کرنے کا اعتقاد جمائے اور گزرے ہوئے زمانے میں جو تقصیر ہوئی ہو اس سے استغفار کرے اور جب آیتِ رحمت آئے تو خوش ہو اور اللہ تعالیٰ سے رحمت طلب کرے اور جب آیتِ عذاب آئے تو ڈرے اور اس سے پناہ مانگے۔

مسئلہ: قرآن کریم کی تلاوت کے وقت دل حاضر کرے اور خشوع کے ساتھ پڑھے یہاں تک کہ رقت آئے، آنکھوں سے آنسو جاری ہوں۔

مسئلہ: قرآن مجید کو خوش آوازی کے ساتھ پڑھے اگر خوش آواز نہ ہو تو کوشش کرے کہ خوبی سے ادا ہو، مگر یہ لحاظ رکھے کہ حروف اپنی حد سے متجاوز نہ ہو جائیں کہ ممنوع ہے۔

مسئلہ: خوش آواز سے قرآن شریف پڑھوانا اور سننا مستحب ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ایک جماعت قرأت کے لیے جمع ہو اور تھوڑا تھوڑا سب لوگ پڑھیں جیسا کہ بیچ آیت میں معمول ہے۔

مسئلہ: قرآن شریف پر دیکھ کر پڑھنا حفظ پڑھنے سے افضل ہے کیونکہ قرآن کریم کا دیکھنا بھی عبادت ہے۔

مسئلہ: قرآن کریم کی قرأت کو کسی سے بات کرنے کے لیے قطع کرنا مکروہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن کریم کی قرأت کے دوران میں کلام نہ فرماتے جب تک کہ فارغ نہ ہو جاتے۔

مسئلہ: قرأت کے درمیان ہنسنا، بے فائدہ عبث حرکات کرنا اور لہو کی طرف نظر کرنا مکروہ ہے۔

قرآنِ کریم ختم کرنے کے بعد قاری کو چاہیے کہ دوسرا قرآن شروع کر دے یعنی سورۃ فاتحہ پڑھ کر سورہ بقرہ ھم المفلحون تک پڑھے پھر دعا کرے۔ ایسا ہی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ (دارمی)

مسئلہ: ختمِ قرآن کے وقت معمول ہے کہ سورۂ اخلاص کو تین مرتبہ پڑھتے ہیں اس کا سبب یہ ہے کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ ایک بار سورۂ اخلاص پڑھنے سے دس پاروں کا ثواب ملتا ہے (ملخصاً مشکوٰۃ شریف)

مسئلہ: تجوید کی رعایت قرآن کریم میں بہت ضروری ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ قرآن کریم کو تجوید سے ادا کرو۔ قراء کا قول ہے کہ تجوید یعنی حروف کو ان کے صحیح مخارج سے جیسا چاہیے ویسا ادا کرنا قرآن مجید کی زینت ہے۔

اویسی غفرلہٗ

اور اقامۃ الصلوٰۃ کی علت بتاتے ہوئے فرمایا اِنَّ الصَّلٰوۃَ بے شک نماز جس کی ہیئت کذائیہ بسبب کو معلوم ہے اگر اسے اپنے جملہ شرائط ظاہری و باطنی کے ساتھ ادا کیا جاتے تَنْھٰی تو اس کی شان اور اس کی خصوصیات سے ہے کہ وہ روکتی ہے عَنِ الْفَحْشَآءِ اس فعل سے جو عقلاً بُرا ہے وَالْمُنْکَرِ اور اس فعل سے جو شرعاً ممنوع ہے۔

ف : الوسیط میں ہے کہ المنکر وہ عمل جو نہ شرع سے ثابت ہو اور نہ سنّت سے۔ فعلاً یا قولاً۔ اس کی نقیض المعروف آتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ نماز برائیوں سے اس لیے روکنے کا سبب ہے کہ اس میں انسان ذکرِ الٰہی پر مداومت کرتا ہے اور بحضورِ حق حاضری کی وجہ سے دل میں خشیت پیدا ہوتی ہے ایسے موجبات گناہوں سے روکنے والے ہوتے ہیں۔

حکایت ایک نوجوان انصاری نماز تو پڑھتا تھا لیکن ہر بُرائی کا ارتکاب بھی کرتا تھا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اس کی شکایت کی گئی تو فرمایا "اسے اس کی نماز عنقریب برائیوں سے روک دے گی۔" چنانچہ تھوڑے عرصے کے بعد وہ اپنے گناہوں سے تائب ہُوا اور قلیل مدت کے بعد اس کا معاملہ سُلجھ گیا اور وہ اچھے لوگوں میں شمار ہونے لگا۔ بلکہ اب زہاد صحابہ میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

ف : فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ یہ مسلّم ہے کہ ہر عمل اچھا ہو یا بُرا اس کی کوئی خاصیت ہوتی ہے۔ نماز کا خاصہ یہ ہے کہ وہ خشیتِ الٰہی دل میں پیدا کرتی ہے اور برائیوں سے روکتی ہے جیسے کفر جو اسی نماز کا بالمقابل ہے کہ وہ معاصی پر ابھارتا ہے اور خشیتِ ایزدی دل سے خارج کرتا ہے۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترکِ صلوٰۃ کو کفر سے تعبیر فرمایا، کما قال علیہ السلام :

من ترك الصلوٰة متعمدًا فقد كفر۔

(جس نے عمداً نماز ترک کی وہ کافر ہوگیا)

اور ایسے کفر کا خاصہ یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں سے تو ڈراتا ہے لیکن خوفِ خدا دل میں رہنے نہیں دیتا اسی لیے ایسا انسان منہیات کے ارتکاب میں جرأت اور دلیری رکھتا ہے۔ چنانچہ آیت سنلقی فی قلوب الذین کفروا الرعب بما اشرکوا باللہ ما لم ینزل بہ سلطانا (ہم عنقریب کافروں کے دل میں رُعب ڈالیں گے بوجہ ان کے اس شرک کے کہ وہ ایسی اشیاء کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا ہے جس کی کوئی سند نہیں)

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "جس شخص کو نماز برائیوں سے نہیں روکتی اُسے اللہ تعالیٰ کے بُعد کے سوا اور کچھ نصیب نہ ہوگا۔"

یعنی نماز الٹا اس کے لیے وبال ہوگی اور جو شے اس کے لیے قربِ الٰہی کا سبب تھی وہی بُعد کا سبب ہوگئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا شخص نماز کی حقیقت سے عہدہ برآنہ ہو سکا جیسا کہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ نماز کی حقیقت یہ ہے کہ

نماز حضورِ قلب سے ادا کی جائے اس لیے کہ ظاہری ذکر سے فکر پیدا ہوتی ہے اور بالخصوص نماز کے اندر کا ذکر غفلت کو دُور کرتا ہے اور غفلت کا دوسرا نام فحشا ہے اور فکر خواطر مذمومہ کو دفع کرتی ہے انہی خواطرِ مذمومہ کو صوفیاء کرام المنکر سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسے یہ نماز نمازی کو مذکورہ خرابیوں سے روکتی ہے ایسے ہی اسے خارجی خرابیوں سے مثلاً اپنے اعمال کو بہتر سمجھنا یا ان اعمال کا بدلہ طلب کرنا۔ جسے ایسی نماز نصیب ہوتی ہے اسے عارفین فرماتے ہیں کہ اس خوش قسمت کو آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہُوئی اس لیے کہ نماز معائنہ و مشاہدہ سے تعبیر کی جاتی ہے اور اس کی نقیض مغائبہ آتی ہے۔

مسئلہ: نماز فرضی ہو یا نفلی ہو وہ تمام عبادات بدنیہ سے افضل ہے اس لیے کہ نماز کو اصلاحِ نفس میں بہت بڑی تاثیر حاصل ہے اور نفس ہی تمام فحشا و منکر کی جڑ ہے۔

ف: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بندہ فرائض ادا کر کے مجھ سے نجات پاتا ہے اور نوافل سے اسے میرا قرب حاصل ہوتا ہے۔

نماز صوفیانہ نماز کئی قسم ہے:

(۱) بدن کی نماز ارکانِ معلومہ ہیں،

(۲) نفس کی نماز خشوع اور خوف و رجا کے درمیان اطمینان سے،

(۳) اور قلب کی نماز حضور و مراقبہ سے،

(۴) اور سِر کی نماز مناجات و مکالمہ سے،

(۵) اور رُوح کی نماز مشاہدہ و معائنہ سے،

(۶) اور خفی کی مناغات و ملاطفت سے

اور ساتویں مقام میں نماز ہوتی ہی نہیں کیونکہ وُہ مقام فنا ہے اور محبۃ خالصہ نصیب ہو تو انسان کو عین وحدت کا مقام حاصل ہوجاتا ہے۔ نماز کے ظاہر کی انتہا موت ہے جسے قرآن نے یقین سے تعبیر کیا۔ کما قال:

واعبد ربك حتى يأتيك اليقين۔

یہاں پر الیقین بمعنے موت ہے اور نماز حقیقی کی انتہا فناء مطلق پر ہے۔ جسے اہلِ تصوّف حق الیقین سے تعبیر کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ہر نماز، ظاہری ہو یا باطنی مرتبہ ظاہر و باطن کے فحشا و منکر سے روکتی ہے۔ بدن کی نماز معاصی و ملاہی سے اور نفس کی نماز رذائل و علائق و اخلاق ردیہ و ہیئات مظلمہ سے اور نماز دل فضول و وفور غفلت سے اور نماز سر التفات ماسوائے حضرت کو اور نماز روح استقرار بملاحظہ اغیار سے اور نماز خفی شہود اثنینیت و ظہور سے منع کرتی ہے۔

جز یکے نیست نقد ایں عالم
بازبیں و بعالمش مفروش

ترجمہ: اس جملہ عالم میں ایک کے سوا اور کوئی نہیں اسے اچھی طرح دیکھئے ایک کو تمام عالم کے ساتھ مت بیچ۔

فائدہ صوفیانہ ارباب حقیقت فرماتے ہیں: نماز کے ظاہر کی رعایت صحت مطلقہ کا سبب ہے۔ اگر نمازیں ترک نہ ہوتیں تو کسی کو موت نہ آتی۔

شرح الفائدہ المذکورہ فقیر (اسماعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ مذکورہ بالا بیان کے دو معانی ہو سکتے ہیں:

(۱) اگر بالفرض و التقدیر دنیا میں باقی رہنے کا اگر کوئی سبب ہوتا تو یہ نماز ہی ہوتی۔ اسی وجہ سے ترک نماز گویا موت کا سبب ہوئی۔

حدیث شریف جیسے حدیث شریف میں ہے:
"صدقہ اور صلہ رحمی زندگی بڑھاتے ہیں"

یہاں بھی یہی معنیٰ ہے کہ اگر بالفرض والتقدیر عمر کو کوئی شے بڑھاتی تو وہ یہی صدقہ و صلہ رحمی ہوتی۔ اس سے احکام شرعیہ کے فضائل بیان کرنا مطلوب ہے بالخصوص نماز، صدقہ اور صلہ رحمی۔

(۲) ہر زندہ شے اور بے جان چیز، مثلاً پتھر، جماد وغیرہا کی ایک میعاد مقرر ہے۔ جن کی موت انقطاع من الذکر ہے اس لیے کہ ہر شے اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتی ہے (کذا فی الحیٰوۃ الحیوان)

یہی وجہ ہے کہ درخت اس وقت کاٹا جاتا ہے جب وہ ذکرِ الٰہی سے غفلت کرتا ہے، ایسے ہی ہر انسان قتل کیا جاتا ہے یا مارا جاتا ہے (یعنی ذکر الٰہی سے غفلت پر)۔

حدیث شریف: ہر شے کی میعاد مقرر ہے فلہٰذا تم اپنی لونڈیوں کو برتن توڑنے پر مت مارو۔

ف: خلاصہ یہ کہ جس نے نماز ترک کی گویا اس نے ذکر اور حضور مع اللہ سے توجہ ہٹالی کیونکہ انسان کا بہتر معاملہ کامل بیداری میں ہے۔ جب نفس غفلت میں پڑتا ہے تو اس سے حیات اور اس کے اسباب منقطع ہو جاتے ہیں جیسے بیداری اور نیند کا فرق ظاہر ہے ایسے ہی غافل و ذاکر و شاغل کا حال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ ہر وقت نماز میں ہیں ان پر تو موت صرف ان کے ظاہر پہ طاری ہوتی ہے۔ ان کے باطن ویسے ہی زندہ ہوتے ہیں اور وہ مرتے نہیں، بلکہ وہ ایک دار (فنا) سے منتقل ہو کر دوسرے دار (بقا) میں چلے جاتے ہیں (کذا ورد فی الآثار) اور میرے نزدیک یہی توجیہ موزوں ہے (واللہ اعلم)

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ یعنی نماز تمام طاعات الٰہی سے عظیم تر ہے۔ اسے ذکر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

جیسا کہ دوسرے مقام پہ فرمایا:

فاسعوا الیٰ ذکر اللہ۔

وہ اس لیے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اس میں ذکرِ الٰہی ہے اور وہ تمام اذکار سے افضل و اعلیٰ بلکہ تمام طاعات و عبادات سے بہتر و برتر اور جُملہ برائیوں سے روکنے والا ہے۔ اسی معنے پر اسے افضل الطاعات والعبادات کہا گیا ہے۔ کیونکہ ذکر سے اسی کی یاد نصیب ہوتی ہے۔ کما قال تعالیٰ:

فاذکرونی اذکرکم۔

حدیثِ قدسی حضور علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"میں بندے کے گمان کے مطابق ہُوں جب وُہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہُوں۔ اگر وہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اکیلا یاد کرتا ہُوں۔ اگر وہ جماعت میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں اسے ایسی جماعت میں یاد کرتا ہُوں جو اس سے بہتر ہے۔ بلکہ اس کی یاد سے کئی گُنا زیادہ یاد کرتا ہُوں۔"

ف: اس سے خالص ذکر مراد ہے۔ وہ اس طرح کہ وہ ہر نوع کی ریا' اور شہرت بلکہ دیگر طاعاتِ ظاہرہ کی ملاوٹ سے مبرّا اور منوّر ہے۔ ایسا ذکر کفار کی گردن زدنی کی عبادت سے بہتر ہے بلکہ گردن آزاد کرنے اور احباب پر مال لٹانے سے افضل ہے۔ ذکر کا پہلا مرتبہ توحید پھر تجرید پھر تفرید ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"المفردون سبقت لے گئے۔ عرض کی گئی: المفردون کون ہیں؟ فرمایا: وہ مرد اور عورتیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرتے ہیں۔"

حضرت شیخ عطار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ؎

(۱) اصل تجرید ست وداع شہوتست
بلکہ کلی انقطاع لذّت ست

(۲) گر تو ببریدی ز موجودات امید
آنکہ از تفرید کردی مستفید

ترجمہ: (۱) اصل تجرید شہوت سے دُور رہنا بلکہ جملہ لذات سے کُلی انقطاع کرنا (۲) اگر تم جملہ موجودات سے امیدیں ختم کردو تو پھر تمہیں تفرید سے کچھ فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔

ف: ذکر تمام غفلتوں کو مار بھگاتا ہے۔ اسی لیے صوفیہ کرام نے فرمایا کہ جنّت میں ذکر نہیں اس لیے کہ وہاں غفلت سرے سے ہی نہیں۔ بلکہ اہلِ جنّت دائم الحضور ہیں۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ فحشاء و منکر قلب کے امراض میں سے ہیں اور قلب کے لیے سب سے بڑا مرض نسیان ہے اور اس کے ازالہ کے لیے سب سے بڑا علاج ذکرِ الٰہی ہے۔ اگرچہ تلاوتِ قرآن اور نماز اس کا ازالہ کرتے ہیں۔ لیکن ذکرِ الٰہی اس سے فزوں تر ہے۔ اس لیے اطباء کا قاعدہ ہے علاج بالضد زیادہ مفید ہوتا ہے۔

سوال : ذکر اور تلاوتِ قرآن اور نماز سب کا صدور قلب سے ہوتا ہے اور وُہ خود بیمار ہے اور بیمار کا ہر فعل کمزور ہوتا ہے۔ پھر وہ قلب کے مرض کا ازالہ کس طرح کریں گے۔

جواب : ذکرِ الٰہی بمنزلہ اکسیر ہے۔ کما قال تعالیٰ :

فاذکرونی اذکرکم۔

یعنی گویا اللہ تعالیٰ کا بندے کو یاد کرنا ایک اکسیر ہے کہ جونہی وُہ (ذکر) کمزور قلب پر اثر انداز ہُوا تو اس کی جملہ کمزوریاں دور ہو کر خالص سونا بن گئیں۔ گویا اس کی یہ کمزوری ذات (مذکور) کی برکت سے دُور ہوئی۔ خلاصہ یہ کہ بندے کا ذکر ذکرِ حق میں فنا ہو گیا۔ اسی معنے پر ذکر اللہ اکبر ٹھہرا۔

ف : بعض مشایخ نے فرمایا : ذکر الذات مقام فنا محض میں اور صلاۃ الحق عند التمکین مقام بقا میں جمیع الاذکار سے اکبر اور جمیع صلوات میں افضل ہے۔

ف : حضرت ابنِ عطاء رحمہ اللہ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ کا یاد کرنا تمہاری یاد سے اکبر بایں معنیٰ ہے کہ اس کا یاد کرنا محض اس کا فضل و کرم ہے اور ہماری یاد میں آرزوئیں اور اسباب و علل و سوالات مضمر ہوں گے۔

ف : بعض مشایخ نے فرمایا : جب تم نے کہا کہ ذکرِ الٰہی بندے کے ذکر سے اکبر ہے تو تم نے حادث و قدیم کا مقابلہ کیا اور تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ اللہ مخلوق سے احسن ہے تو یہ غلط ہے اس لیے نہ قدیم کا موازنہ قدیم سے ہونا چاہیے اور اسی طرح اس کا ذکر ذکرِ الٰہی کا موازنہ کر سکے گا۔ پھر کون کا مکوّن کے ساتھ موازنہ کیسا!

ف : بعض مشایخ نے فرمایا کہ ذکرِ الٰہی دوسروں کے ذکر سے بہتر ہے اس لیے کہ ذکرِ الٰہی طاعت ہے اور غیروں کا ذکر طاعت نہیں۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

اوقات خوش آں بود کہ با دوست بسر رفت
باقی ہمہ بے حاصل و بے خبری بود

ترجمہ : بہتر اوقات وہی ہیں جو دوست کے ساتھ بسر ہوں۔ ورنہ باقی جملہ اوقات بے سُود اور بے خبری پر مبنی ہیں۔

تفسیرِ عالمانہ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ○ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے وُہ جو تم ذکرِ الٰہی و دیگر طاعات عبادات کرتے ہو۔ اس سے کوئی شے مخفی نہیں۔ اس پر وہ تمہیں بہتر جزا دے گا۔

تفسیر صوفیانہ بعض مشایخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ احوال و مقامات کو جانتا ہے جو تم یقین رکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کو معاصی و سیئات سے بچنے والے اور طاعات و عبادات بالخصوص نماز کی طرف متوجہ اور عالم سرّ و خفیات کی طرف راغب ہونے والے کا علم ہے۔ اسی لیے سالک پر لازم ہے کہ دل کو تمام مشاغل سے فارغ رکھے۔ اسی لیے مشایخ نے فرمایا کہ حضورِ قلب کی نماز دیگر نمازوں سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

حکایت ایک شخص رو رو کر بارگاہِ ایزدی میں عرض کرتا ہے کہ اسے کوئی ایک نماز مقبول نصیب ہو۔ ایک دن اس نے حضرت حبیب عجمی رحمہ اللہ کے ساتھ نماز پڑھی لیکن دل میں کہا کہ ان کی تو قرأت اچھی نہیں۔ اس کے بعد نماز میں مشغول ہُوا۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ تجھے ایک نماز مقبول نصیب ہُوئی لیکن افسوس کہ تُو نے اس کی قدر نہ کی۔

سبق اصلاحِ باطن ایک اہم امر ہے اسی سے ہی لوگوں کے درجات مراتب اور نیکیوں کے درجات مختلف ہوتے ہیں اور فلاحِ حقیقی اپنے وجود کو وجود واجب الوجود میں محو کرنے میں ہے۔ بندہ ارکانِ شریعت و آدابِ طریقت کو بجا لا کر کمالیۃً جزءًا کا ادراک کر کے عالمِ حقیقی تک نہیں پہنچ سکتا ہے نہ ہی اسے اس کا ادراک ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ مفتاحِ شریعت و بضاعۃِ طریقت کو تم کس طرح استعمال کرتے ہو کہ وجودِ مجازی کے ابواب کو کھولا جا سکے اور وجودِ حقیقی کے کنزِ مخفی کا وصال نصیب ہو۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وُہ ہمیں فعلِ حسن اور وضعِ جمیل کی توفیق بخشے اور ہمیں مقامِ ارفع اور اجرِ جزیل عطا فرمائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ ۔ المجادلہ والجدال بمعنے ایک دوسرے سے سخت جنگ کرنا (کذا فی التاج)

امام راغب نے فرمایا: الجدال بمعنے المعارضۃ علی سبیل المنازعۃ والمغالبۃ (ایک دُوسرے کو ایک دوسرے کے منازعۃ و مغالبۃ کے طور سپرد کرنا) یہ جَدَلْتُ الْحَبْلَ سے ہے بمعنے اَحْكَمْتُ فَتْلَهٗ گویا کہ وہ لڑنے والے ایک دوسرے کو اپنی رائے پر مجبور کر کے جکڑنا چاہتا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اہلِ کتاب کے ساتھ مت جھگڑو اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۖ مگر ساتھ ایسے طریقے کے جو سنجیدہ ہو۔ مثلاً سختی کے بجائے نرمی سے اور جوش اور غیظ و غضب کے بجائے حوصلہ سے اور شر انگیزی کے بجائے پند و نصیحت سے اور عجلت کے بجائے تاخیر و احتیاط سے معاملات سلجھاؤ تاکہ درمیان میں الجھنیں نہ پیدا ہو جائیں اور نہ ہی ان کے ساتھ دنیوی امور کے بڑے بڑے اور اہم معاملات کا لین دین کرو اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ مگر ان میں سے وہ جو ظالم ہیں یعنی وُہ جو عناد اور تجاوز عن الحد میں زیادتی کرتے ہیں۔ کافر کو یہاں پر ظلم سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ کافر جب فسق و فجور کا ارتکاب کرے تو اس کو مبالغہ سے یاد کیا جاتا ہے اور کافر کا مبالغہ ظالم ہی ہے یا وہ ظالم بایں معنیٰ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا اثبات کرتے تھے یا اس سے عہد شکن اور جزیہ نہ دینے والے وغیرہ مراد ہیں۔ ایسے ظالموں کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جائے جس کے وُہ اہل ہیں۔ مثلاً زبانی گفتگو سختی سے ہو یا تلوار

سے یا تیروں سے وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا اور کہو کہ ہم صدق و اخلاص کے ساتھ ایمان لائے ہیں بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْنَا ساتھ اس کے جو ہمارے ہاں نازل ہُوا یعنی قرآن مجید پہ وَاُنْزِلَ اِلَیْکُمْ اور اس پہ جو تمہارے ہاں نازل ہُوا یعنی تورات و انجیل ۔

شانِ نزول حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سُنا کہ اہلِ کتاب اپنی کتابیں اہلِ اسلام کو عربی میں پڑھ کر سُناتے اور اپنی رائے پر تفسیر گھڑ کر سمجھاتے ہیں تو فرمایا ، نہ اہلِ کتاب کی تصدیق کرو اور نہ ہی تکذیب ، بلکہ کہو کہ ہمارا اللہ تعالیٰ ، اس کی کتابوں اور رسولوں پر ایمان ہے اگر وہ اہلِ کتاب باطل قول پیش کریں تو اس کی تصدیق نہ کرو اگر وُہ حق بات پیش کریں تو تکذیب نہ کرو۔

ف : ابن الملک نے فرمایا کہ ان کی تصدیق و تکذیب سے اس لیے روکا گیا ہے کہ انھوں نے اپنی کتابوں میں تحریف کر رکھی تھی اور ہر بات تحریف شدہ مضامین سے پڑھ کر سُناتے ۔ اگر اہلِ اسلام ان کی تصدیق کرتے تو باطل کی تصدیق لازم آتی اگر وہ تکذیب کرتے تو ان کی بعض باتیں حق ہوتیں تو حق کی تکذیب لازم آتی ۔

قاعدہ : اسی سے فقہاء کرام نے وُہ قاعدہ ثابت کیا ہے کہ جس امر کا علم نہ ہو اس پر توقف لازم ہے نہ اس کے جواز کا فتویٰ دیا جائے نہ ہی اسے باطل ٹھہرایا جائے ۔ یہی ہمارے اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ کا دستور رہا ۔

وَاِلٰـهُنَا وَاِلٰـهُكُمْ وَاحِدٌ اور ہمارا تمہارا ایک معبود ہے اس کی اُلوہیت میں اس کا کوئی شریک نہیں وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ اور ہم صرف اسی کے مطیع و فرمانبردار ہیں ۔ اس میں اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کو تنبیہ ہے کہ انھوں نے اپنے احبار و رہبان کو معبود بنا رکھا تھا وَكَذٰلِكَ یہ اشارہ اسی مصدر کی طرف ہے جو آنے والے فعل میں ہے یعنی مثل اسی انزال بدیع کے جو تمام کتب منزّل من السماء کے موافق ہے اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ ہم نے کتاب کو نازل کیا یعنی قرآن کو فَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ پس وہ لوگ کہ جنہیں ہم نے کتاب دی ، اس سے یہود و نصاریٰ دونوں گروہ مراد ہیں یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں ۔ اس سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی مراد ہیں کہ انھوں نے یہودیت سے تائب ہو کر اسلام قبول کیا ان کے ماسوا کو کتاب عطا ہی نہیں ہُوئی کیونکہ انھوں نے اس پر عمل نہ کیا اور عمل نہ کرنے والے کو قرآن مجید جاہل سے تعبیر کرتا ہے یا اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس سے پہلے گزرے ہیں کیونکہ یہ لوگ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب کی تصدیق کرتے تھے جیسے قیس بن ساعدہ و بحیرا و نسطورا و ورقہ وغیرہم ۔ ان مذکورہ اور ان جیسے حضرات کو کتاب دینے کی خبر میں اشارہ ہے کہ اصلی کتاب توراۃ ، انجیل ان کے ہاں تھی ورنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصرین سے تو اصلی کتاب منسوخ ہو چکی تھی اور اس کی بھی وُہ لوگ تحریف کر چکے تھے ۔ اس معنے پر حضور علیہ السلام کے معاصرین کو کتاب دی ہی نہیں گئی اور فاء مابعد ماقبل کی ترتیب کے لیے ہے اس لیے کہ ایمان لانا قرآن مجید کے انزال کے بعد ہی مرتب ہونا تھا وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ اور اہلِ عرب میں سے بعض مَنْ یُّؤْمِنُ بِهٖ وہ ہیں جو قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں وَمَا یَجْحَدُ ۔

حل لغات : الجحد بمعنے قلبی نفی کا اثبات کرنا۔

بِاٰیٰتِنَا ہماری آیات کا انکار نہیں کرتے۔ اس سے قرآن مجید مراد ہے۔ اس کی عظمت شان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف منسوب فرمایا اور اسے آیات سے تعبیر کرنے میں تنبیہ ہے کہ اس کے معانی کی دلیلیں واضح اور روشن ہیں اور ساتھ ہی بتانا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے ہی آیا ہے۔ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ○ گروہ جو کفر میں بہت زیادہ منہمک اور اس کے دوام پر مصمم ارادہ رکھنے والے ہیں۔ یہی بات انھیں اس میں نہ غور و فکر کا موقعہ دیتی ہے اور نہ ہی اس رکاوٹ کی معرفت حقیقت کی طرف پہنچ سکتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں ارباب واصحاب علوم باطنیہ کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے علوم اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں اسی لیے ان پر لازم ہے کہ وہ ظاہری علوم سے گفتگو فرمائیں کہ جس میں انہیں طریق بحث درایتہ کا نرمی اور حوصلہ اور سکون کا طریقہ ہو تاکہ فتنہ نہ اُٹھے اور نہ ہی انہیں انکار کی گنجائش ہو جس پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوتا ہے وہ دلائل کشفیہ اور براہین حقیہ کی تصدیق کرتا ہے کہ واقعی وہ منجانب اللہ ہیں اور اسی میں حق ہے اور اسی سے ہدایت نصیب ہوتی ہے، اور جسے اللہ تعالیٰ محروم کرتا ہے وہ ایسے کشفیہ دلائل کا انکار کرتا ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچنے سے بعید ہوتا رہتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱ ہر کرا مشک نصیحت سود نیست — لا جرم با بوئے بد خو کرد نیست

۲ مغز را خالی کن از انکار یار — تاکہ ریحان یابد از گلزار یار

۳ کاشکے چوں طفل از حیل پاک آمدی — تا چو طفلاں چنگ در مادر زدی

ترجمہ : (۱) جسے نصیحت جیسی خوشبو سود مند نہیں اسے بدبو سے عادت بنانی ہے۔

(۲) مغز کو انکار یار سے خالی کر تاکہ تجھے گلزار کا ریحان (پھول) نصیب ہو۔

(۳) کاشکے تم بچوں کی طرح حیلوں سے پاک ہوتے تاکہ تم اپنے ہاتھ بچوں کی طرح ماں کے دامن میں ڈالتے۔

مسئلہ : مجادلہ فی الدین ناجائز ہے بلکہ ایسا مجادلہ اعمال حبط کرتا ہے جبکہ وہ تعنتاً اور باطل کی ترویج کے لیے ہو اگر اظہار حق کے لیے ہو تو شرع مطہرہ نے اس کا حکم دیا ہے۔

وہابی عقیدہ خارجی اصول والے کے ساتھ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا مناظرہ ایک شخص نے کہا کہ غیر اللہ کسی شے کا مالک نہیں، یہاں تک کہ میں اپنے حرکات و سکنات اور عورت کی طلاق اور لونڈی آزاد کرنے کا بھی مالک نہیں۔ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا کہ کیا اپنی لونڈی کا مالک بحیثیت غیر مالک کے ہے یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اگر تو کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا غیر ہو کر اس کا مالک ہوں تب بھی تو نے غیر اللہ کی ملکیت ثابت کی اگر یہ کہتا ہے کہ میں اس کے ساتھ مالک ہوں تو تو نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے آپ کو شریک بنایا (اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا) (کذا فی شرح المواقف)

حکایت سعدی رحمہ اللہ ایک شخص درویش صفت کو مجلس میں دیکھا وہ دولت مندوں کی مذمت میں گفتگو کر رہا تھا۔ میں نے کہا اسے دوست دولتمند تو زائرین کا مقصود اور مسافروں کی جائے پناہ ہے ان کی عبادت قبولیت کے قریب تر ہے کیونکہ ان کی خاطر جمع ہے اور بے فکر ہیں یہ لوگ پریشان خاطر نہیں ہیں حدیث شریف میں ہے: الفقر سواد الوجہ فی الدارین (تنگدستی دونوں جہانوں میں سیاہ روئی کا موجب ہے) میں نے کہا چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فقر میں اس گروہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو مرد میدانِ رضا اور تیر قضا کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے والے ہیں اور تنگدست فقیر کا حال تو یہ ہے کہ ایسے لوگ تو پریشانی سے کفر کا انجام پاتے ہیں (کاد الفقر ان یکون کفرا یعنی فقیر کو قریب ہے کہ وہ کفر کا موجب بنے) ؎

باگرسنگی قوت و پرہیز نماند   افلاس عنان از کف تقوی بستاند

ترجمہ: بھوک میں قوت و پرہیزگاری نہیں رہتی تنگدستی تقوی کے ہاتھ سے باگ چھین لیتی ہے۔

کہا کہ دولتمندوں کا گروہ مغرور ہے کسی کی طرف دیکھتے ہیں تو کراہت کی نگاہ سے، جو بات کہتے ہیں تو بیوقوفی سے، اور علماء کرام کو گداگری کی طرف منسوب کرتے ہیں اور فقراء عظام پر بے سروسامانی کا عیب لگاتے ہیں۔ میں نے کہا دولتمندوں کو بُرا نہ کہہ کیونکہ یہ لوگ صاحبِ کرم ہیں۔ کہا غلط کہہ رہے ہو یہ لوگ تو پیسے کے غلام ہیں ان سے کوئی فائدہ نہیں یہ ساون کا بادل ہیں لیکن برستے نہیں۔ میں نے کہا آپ بھی بخل والے فقیروں سے بے خبر ہیں ورنہ جسے طمع کا مرض نہ ہو اس کے لیے بخیل و کریم یکساں ہیں۔ اس نے کہا میں تجربے سے کہہ رہا ہوں اس لیے کہ دروازے پر نوکر کھڑا کر دیتے ہیں تاکہ صاحب عزیز کے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہہ دیں کہ صاحب یہاں نہیں ہیں۔ اور وہ بھی سچے ہیں اس لیے کہ ؎

آنرا کہ عقل وہمت و تدبیر ورائے نیست   خوش گفت پردہ دار کہ کس در سرائے نیست

ترجمہ: جسے عقل وہمت وتدبیر ورائے نہ ہو، صحیح کہا اس پردہ دار نے کہ سرائے میں کوئی نہیں۔

تفسیر عالمانہ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهٖ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سے قبل یعنی انزالِ قرآن سے پہلے آپ کی عادت نہ تھی کہ آپ پڑھتے مِنْ كِتٰبٍ آسمان سے نازل شدہ کتابوں میں سے کسی کتاب کو وَّلَا تَخُطُّهٗ اور کتابوں میں سے کسی شے کو لکھتے۔

حلِ لغات: الخط بمعنے درازی جسے کسی حیثیت سے درازی حاصل ہو اس پر لفظِ خط بولتے ہیں۔ یہاں پر کتابت (لکھنا) مراد ہے۔

بِيَمِيْنِكَ سیدھے ہاتھ سے۔ جیسا کہ عادت ہے کہ عموماً سیدھے ہاتھ سے لکھا جاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اُلٹے ہاتھ سے لکھتے ہیں اس لیے کہ اُلٹے ہاتھ سے لکھنا بھی نوادر میں سے ہے، بلکہ یہاں مطلقاً لکھنے کی نفی ہے۔

ردِّ شیعہ شیعہ کا عقیدہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نزولِ وحی سے پہلے لکھنا جانتے تھے لیکن نزولِ وحی کے بعد آپ کو لکھنے سے منع کیا گیا اور دلیل میں کہتے ہیں کہ و لا تخطہ نہی کا صیغہ ہے اور صیغہ نہی سے لکھنے کا ثبوت ملتا ہے ورنہ نہی کا کیا معنیٰ!

چنانچہ کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ طاء کو مفتوح پڑھا گیا ہے۔ یہ روایت شاذہ ہے۔ اور اہلسنت کا عقیدہ ہے

کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نزولِ وحی سے پہلے لکھنا نہیں جانتے تھے۔
الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ شیعہ کا قول مردود ہے اس لیے کہ اگر لا تخطہ' نہی کا صیغہ ہوتا تو طاء کو مفتوح یا مکسور یا بفک الادغام یا اسے بصیغۂ تفعیل پڑھا جاتا۔

اِذًا یعنی اگر آپ کی لکھنے پڑھنے کی عادت ہوتی تو اس وقت **لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝**

حلِ لغات: المختار میں ہے کہ الریب بمعنے الشک۔
امام راغب نے لکھا کہ الریب بمعنے کسی شے کے بارے میں وہم کرنا کہ اسی کے وہم کے مطابق منکشف ہوجائے گی۔ اور الارابۃ بمعنے وہم کرنا کہ اس کے وہم کے مطابق شے منکشف نہ ہوگی اور ارتیاب، ارابۃ کے قایم مقام ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان سے ارتیاب سے نفی کی ہے۔ کما قال تعالیٰ:
ولا یرتاب الذین اوتوا الکتٰب والمؤمنون۔ (اہلِ کتاب اور مومن شک نہیں کرتے)
المبطل ہر وہ شخص جو باطل کو لائے اس کی نقیض المحق آتی ہے اور المحق ہر وہ شخص جو حق لائے، اس لیے کہ باطل کی نقیض حق آتی ہے۔ المفردات میں ہے کہ ابطال بمعنے شے کو فساد اور زائل کرنا وہ شے حق ہو یا باطل۔

قال تعالیٰ لیحق الحق و یبطل الباطل۔
اور المبطل ہر اس شخص کو بھی کہتے ہیں جو ایسی بات کہے جس کی کوئی حقیقت نہ ہو۔
اب مطلب یہ ہُوا کہ اگر آپ بظاہر لکھے پڑھے ہوتے تو کافر مشرک کہتے کہ نبی علیہ السلام نے یہ قرآن مجید کسی سے سیکھا ہوگا یا پُرانی کتابوں میں سے مضامین تیار کرلیے ہوں گے۔ جب ہم نے آپ کو اُمّی بنا کر بھیجا تو اب باطل پرستوں کو آپ کے حق میں چہ میگوئی کی گنجایش ہی نہیں اور نہ ہی انہیں ایسے باطل گوئی کے شک و شبہ کا موقعہ دیا گیا ہے۔

ف: کاشفی صاحب نے لکھا کہ تباہ کار اور کجرو یعنی مشرکینِ عرب شک میں پڑجاتے اور کہتے ہیں جب یہ نبی پڑھا لکھا ہے تو اس نے پُرانی کتابوں سے قرآن مجید کے مضامین تیار کرلیے ہیں اور وہی مضامین پڑھ کر ہمیں سناتے ہیں یا پھر یہودیوں کو شک گزرتا کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق پڑھا تھا کہ آپ اُمّی ہوں گے اور یہاں معاملہ برعکس ہے کہ آپ پڑھے لکھے ہیں فلہٰذا وہ آپ کی نبوت کا انکار کردیتے اب انہیں بھی انکار کی گنجائش نہیں اور نہ ہی شک و شبہ کا موقعہ ملا۔

سوال: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو المبطل کیوں کہا، اگر آپ اُمّی نہ ہوتے تو یہود اپنے دعوے میں سچے ہوتے کہ ہم نے تو انھیں تورات میں اُمّی پڑھا تھا لیکن یہ تو پڑھے لکھے ہیں۔ اب یہودیوں کو بھی المبطلون میں شامل کیا گیا اور کفارِ مکہ کو بھی کہ وہ اپنے دعوے میں سچے ہوتے اگر آپ پڑھے لکھے ہوتے تو کہتے ہیں کہ کسی سے پڑھ کر یا کہیں مضمون دیکھ کر تیار کرلیا ہے، ایسا نہیں ہوا۔ اس طرح سے کفارِ مکہ کو بھی المبطل کہا گیا۔ وجہ کیا ہے؟

جواب: دراصل انہیں کافر و مبطل وغیرہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کفر و تکذیب کی وجہ سے کہا گیا ہے کافروں کو جب یقین تھا کہ آپ پڑھے لکھے ہوئے نہیں اور نہ ہی کسی سے پڑھ کر، سُن کر قرآن مجید ... [illegible]

دروازے بند کردئے گئے لیکن اس کے باوجود آپ کی مخالفت پہ ڈٹے ہوئے تھے فلہذا انہیں مبطل کہنا حق تھا اسی طرح یہودیوں نے جب اپنی تورات کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمّی پایا تب بھی انکار کیا تو مبطل ٹھہرے۔

سوال : الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمّی کہہ کر احسان جتلایا ہے حالانکہ آپ کو لکھنا پڑھنا آتا تو وہی کمال تھا نہ کہ نقص وعیب۔

جواب :(۱) آپ کو اُمّی کہنے میں ایک وجہ تو وہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے یہود کو تورات میں بتا دیا تھا کہ میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی بن کر تشریف لائیں گے۔ اسی طرح نصاریٰ کو انجیل میں بتا دیا تھا۔ یہاں اسی وعدہ کو محقق کرنے کے لیے فرمایا کہ اے اہلِ کتاب! یہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کے متعلق میں نے تمہیں کہا تھا کہ وہ اُمّی ہوں گے فلہذا پورے طور غور وفکر کر لو اگر ان کا انکار کرو گے تو مارے جاؤ گے۔

(۲) یہ بھی معلوم کرانا تھا کہ لکھنا پڑھنا ایک صنعت ہے اور صنعت ایک دنیوی امر ہے جسے مدح و ذم سے کوئی تعلق نہیں۔

(۳) لکھنے پڑھنے کی غرض وغایت یہی ہوتی ہے کہ انسان اپنے امور کو لکھ پڑھ لے تاکہ بعد کو غفلت کی وجہ سے فراموشی کا شکار نہ ہو جائے اور حضور آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایسی غفلت و فراموشی سے منزہ اور مبرا تھے اسی لیے آپ کو لکھنے پڑھنے سے کیا غرض، جیسے ایک شخص کی آنکھ تندرست ہو تو اسے کسی سہارے یا ہاتھ پکڑ کر لے جانے والے کی کیا ضرورت!

سوال : الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لکھی ہوئی عبارات کو جانتے اور بسا اوقات اس کی خبر بھی دیتے تھے لیکن اس کے باوجود آپ سے لکھنا ثابت نہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب : وہی بات جو پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کہتے کہ یہ وہ نبی علیہ السلام نہیں جن کے اوصاف تورات و انجیل میں لکھے گئے تھے اور کافر و مشرک بھی کہہ دیتے کہ انہوں نے قرآن پرانی کتابوں سے تیار کر لیا ہے۔

(ہم اہلسنّت اسی مضمون یعنی یہود و نصاریٰ کے لیے علامت کے اظہار کو ایک قاعدہ کے طور وہابیہ نجدیہ دیوبندیہ کو پیش کرتے ہیں جب وہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلم کے علم مبارک اور تصرف واختیار پر حملہ کرتے ہیں۔ تفصیل تصانیف اہلسنت یا فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھئے [1])

سایۂ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نفی کا نکتہ اور جواب

نیساپوری نے لکھا کہ آپ نے لکھنا اس لیے اختیار نہیں فرمایا کہ جس وقت آپ لکھتے تو قلم اور ہاتھ کا سایہ اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی پر پڑتا آپ نے اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کی بے ادبی کے باعث لکھنا اختیار ہی نہ فرمایا تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا! اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ اپنے ہاتھ اور قلم کے سایہ کو میرے اسم پر پڑنے کو گوارا نہیں فرماتے تو میں بھی آپ کے لیے آپ کے غلاموں کو حکم فرماتا ہوں کہ وہ آپ کے سامنے اونچا نہ بولیں اور آپ کا سایہ

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

بھی زمین پر پڑنے نہیں دیتا تاکہ آپ کے سایہ پر کسی کے قدم نہ پڑیں تاکہ آپ کی بے ادبی نہ ہو۔
(یہ تھے اسلاف صالحین جنہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کا یقین تھا اور یہ ہیں آج کے موحد مومن کہلوانے والے وہابی، نجدی، دیوبندی، مودودی جو آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تاریک سایہ کے اثبات میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں)[1]

نورانیت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور نفیِ سایہ کا حوالہ

(صاحب روح البیان قدس سرہٗ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی دلیل میں لکھتے ہیں کہ)

وقیل انہ نور محض ولیس للنور ظل وفیہ اشارۃ الی انہ افنی الوجود الکونی الظلی وھو نور متجسد فی صورۃ البشر وکذلک الملک اذا تجسد بصورۃ البشر لا یکون لہ ظل وبذلک علم بعض العارفین تجسد الارواح القدسیۃ۔	اور کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خالص نور ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ اس میں اشارہ ہے کہ آپ نے وجودِ کونی ظلی کو فانی بنادیا اور وہ نورانی جسم میں بشری صورت ہیں اور ایسے ہی فرشتہ جب بشری صورت اختیار کرتا ہے تو اس کا سایہ نہیں ہوتا ایسے ہی بعض عارفین کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ آپ کی ارواح جن اجسام میں جلوہ گر تھیں ان کے بھی سائے نہ تھے۔
(روح البیان ج ۶ ص ۴۰۸ مطبوعہ مصر)	

(ف: غور کیجئے کہ اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ تو فرمائیں کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مجسم نور بشکل بشر تھے۔ اسی لیے سایہ نہ تھا۔ اور آج کے موحد مومن کہلوانے والے وہابی کہیں کہ وہ ہم جیسے خاکی بشر تھے، ان میں اور ہم میں صرف نبوت کا فرق ہے۔ فیصلہ ناظرین خود فرمائیں۔ صاحبِ روح البیان تو بعض اولیاً کے لیے بھی سایہ کی نفی کر گئے ہیں)[2]

نحوست بھرے ارواح جب ارواحِ خبیثہ جسمانیت سے متعلق ہوتے ہیں تو ان کے سایہ کی ظلمت و کثافت بہ نسبت دوسرے اظلال کونیہ کے زیادہ ہوتی ہے۔ اس بحث کو خوب یاد کر لو اور سمجھ لو۔

اُمّی ہونا معجزہ تھا تیسیر میں لکھا ہے کہ لکھنا اور پڑھنا فضیلت و کمال کا موجب تھا لیکن دوسرے پیغمبرانِ عظام علیہم السلام کے لیے اور ہمارے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہ لکھنا پڑھنا معجزہ تھا اور جب معجزہ ظاہر ہو گیا تو آپ کے اُمّی ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہا۔ تو آخر عمر میں اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت اور کمال بھی عطا فرمایا تاکہ آپ کا دوسرا معجزہ ظاہر ہو۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ [2] ایضاً

حدیث شریف اور دلیلِ اہلسنت

ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں نقل کیا کہ حضرت عون بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ:

ما مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی کتب وقرأ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصال سے پہلے لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

(روح البیان ج ۶ ص ۴۸۰ مطبوع مصر)

اور آپ کا لکھا پڑھا ہوا ہونا آیت قرآنی کے منافی نہیں اس لیے کہ آپ سے ان دونوں کی نفی کرنا مقید بہ قبل نزول ہے اور اثبات بعد از نزول کے لیے ہے۔ لیکن صحیح اور قریب تر مذہب یہ ہے کہ آپ از اول تا آخر عمر اُمی رہے۔ کذا قال الکاشفی ؎

۱ بقلم گر نرسید انگشتش
بود لوح و قلم اندر مشتش

۲ از سواد خط اگر دیدہ بست
بکمالش نرسد ہیچ شکست

۳ بود او نور خط تیرہ ظلم
نشود نور و ظلم جمع بہم

ترجمہ: (۱) قلم کو آپ کی انگلی نہ لگی لیکن لوح و قلم آپ کی مٹھی میں تھی۔
(۲) اگرچہ لکھنے پڑھنے سے تعلق نہ رکھا لیکن آپ کے کمال میں کوئی کمی نہ آئی۔
(۳) لکھنا تو تاریکی اور ظلمات ہے اور آپ تو نورِ مجسم تھے۔ نور و ظلمات یکجا کیسے اکٹھے ہو سکتے تھے!

شانِ ارفع واعلیٰ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بعض مشایخ نے فرمایا کہ جس ذات کی خادم قلم اعلیٰ ہو اور جن کی نگاہ لوح پر ہو انہیں ظاہری لکھائی اور علوم کی کیا ضرورت ہے جبکہ ان علوم اور کتابت کو آلاتِ جسمانیہ کی محتاجی ہے اس لیے کہ صنعۃ وغیرہ اور قوتِ طبعیہ آلاتِ جسمانیہ سے صادر ہوتے ہیں۔

حدیث شریف

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ایک نوجوان انصاری نے اپنے ضعفِ حافظہ کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا:

اِسْتَعِنْ بِيَمِيْنِكَ (اپنے ہاتھ سے مدد لیا کرو) یعنی لکھ لیا کرو۔

دُنیا کا پہلا کاتب

منقول ہے کہ سب سے پہلے عربی، فارسی، سریانی، عبرانی، حمیری، یونانی، رومی، قبطی، بربری، اندلسی، ہندی، چینی آدم علیہ السلام نے مٹی کے گارے پر لکھ کر اسے آگ پر پکایا اور جونہی اسے زمین پر رکھا تو ہر لغت کا لکھا ہوا ٹکڑا علیحدہ ہو کر کتابی شکل میں ہوا، جسے

(اپنی بولی کو) ہر قوم نے لکھ لیا۔ اور عربی بولی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حصے میں آئی۔

سوال: مشہور ہے کہ سب سے پہلے کاتب ادریس علیہ السلام ہیں۔

جواب: ادریس علیہ السلام رمل کے فن کے مُوجد تھے اور وہ اس فن کے لحاظ سے پہلے کاتب مشہور ہو گئے، ورنہ حقیقۃً سب سے پہلے کاتب آدم علیہ السلام ہی ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات النجمیہ میں ہے کہ جب انسان کا قلب معلومات سے اور سِر مرقومات سے متجرد ہوتا ہے اور روح موہومات سے پاک ہو تو یہ فطرت سے قریب تر ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے وہ نفوس سفلیہ یعنی حسیات و خیالات و توہمات میں مشغول نہیں ہوتے۔ پھر ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ مغیبات ربانی سے حصہ نصیب ہوتا ہے۔ ان میں پھر نہ طبع کی ملاوٹ ہوتی ہے اور نہ ہی کسب کی مشارکت اور تکلفِ بشریہ کو کوئی دخل ہوتا ہے۔

ہذا حظ الشیطان منک حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر کا ابتدا دحال میں ہر عمل جبریل علیہ السلام کی حاضری سے مشروط تھا۔ اسی لیے انہوں نے حضور علیہ السلام کے قلبِ اطہر سے کوئی شے نکالی اور عرض کی:

هذا حظ الشيطان منك۔

(یہ حصہ آپ میں شیطان کا حصہ تھا جو میں نے باہر نکال دیا ہے)

لیکن جب قلب کا حال انتہا کو پہنچا تو لکھنے پڑھنے کے نقوش تعلیمیہ سے محفوظ ہو گیا بلکہ انزالِ قرآن کے قابل تھا۔ اسی لیے یہ صرف آپ کا خاصہ تھا کہ قرآن کا نزول قلبِ اطہر پر ہوتا۔ کما قال:

نزل به الروح الامين علىٰ قلبك۔

(آپ کے قلب مبارک پر روح الامین نے نازل کیا)

اور یہ خصوصیت دوسرے انبیاء علیہم السلام کو نصیب نہ تھی۔

ربط: مذکورہ بالا کمال آپ کے طفیل آپ کے فرمانبرداروں کے لیے ثابت فرماتے ہوئے فرمایا:

تفسیر عالمانہ بَلْ هُوَ بلکہ وہ قرآن اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ آیات بینات واضحات ثابتات راسخات ہیں فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ان کے سینوں میں ہیں جنہیں علم عطا ہوا کہ وُہ کتاب یعنی قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھنے کے محتاج نہیں ہوتے کیونکہ وہ اسے حفظ کر لیتے ہیں اسی لیے کسی قرآن مجید کی تحریف کا امکان نہیں۔

ف: جناب کاشفی نے لکھا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جن لوگوں کے سینے میں علوم ہیں ان سے مومن اہلِ کتاب یا صحابہ کرام مراد ہیں۔ وہ قرآن مجید کو حفظ کرتے ہیں تاکہ اس میں تحریف کا امکان نہ رہے۔

فائدہ عجیبہ قرآن مجید کو یاد کرلینا اسی اُمتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا التحیہ والاثنیہ کا خاصہ ہے ۔ پہلی امتیں اپنی کتابوں کو یاد نہیں کرتی تھیں بلکہ انھیں دیکھ کر پڑھتی تھیں۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ قرآن مجید کا سینے میں محفوظ ہونا اسی کا خاصہ ہے کیونکہ پہلی امم کے افراد اپنی کتب دیکھ کر پڑھتے تھے سوائے انبیاء علیہم السلام کے کسی اور کو یاد نہ ہوتی تھیں۔

ازالۂ وہم : قارون کے متعلق مشہور ہے کہ وہ حافظِ توراۃ تھا۔ یہ شہرت روایاتِ صحیحہ سے ثابت نہیں۔

ف : موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ حق میں دُعا کی :

اے اللہ العالمین ! میں نے تورات میں ایک ایسی اُمت کا نام پڑھا ہے جن کے سینوں میں قرآن مجید محفوظ ہوگا اور وہ اسے دیکھ کر بھی پڑھیں گے الخ

(اس سے اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا التحیہ والثناءُ مراد ہے)

اگر سابقہ اُمتوں بالخصوص موسیٰ علیہ السلام کی اُمت کے ہاں لکھی ہُوئی کتابیں نہ ہوتیں تو وہ اپنے انبیاء علیہم السلام کی شریعت کے احکام یاد کرلیتے کیونکہ ان کی استعداد بھی باکمال تھی اور قوتِ حافظہ بھی تیز تھی لیکن انہیں یہ دولت نصیب نہ ہُوئی۔ اسی لیے جُونہی انبیاء علیہم السلام کا وصال ہوتا تو عرصہ کے بعد ان کی شریعتوں کے معاملات میں گڑبڑ ہو جاتی۔ ایسے ہی توراۃ وانجیل کا معاملہ ہُوا۔

ف : یہود ونصاریٰ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت سے اسی حفظِ قرآن کی وجہ سے حسد ہے۔ (ایسے ہی شیعہ پارٹی حفظِ قرآن مجید کی دولت سے محروم ہے)[1]

حافظِ قرآن مجید کے فضائل

(۱) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ اس جسم کو آگ سے محفوظ رکھے گا جس کے دل میں قرآن مجید محفوظ ہوگا۔

(۲) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : وہ قلب کہ جس میں قرآن مجید کی آیت نہ ہو ویران گھر کی طرح ہے۔

(۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : قرآن مجید کو یاد کرو قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے وہ سینوں سے اونٹ بندھے ہوئے کے چھوٹنے سے بہت جلد نکلنے والا ہے یعنی جیسے ہی اونٹ کے پاؤں سے رسّی کھولی جاتی ہے تو وہ فوراً بھاگ جاتا ہے۔

اور حدیث شریف میں تعاھدوا واقع ہوا ہے۔ از تعہد بمعنے تحفظ یعنی محافظت و تجدید الامر بہ۔ اس سے تلاوتِ قرآن مجید کی محافظت اور اس کے تکرار پر مداومت مراد ہے۔

مسئلہ : قرآن مجید کا کچھ حصہ رات اور دن میں پڑھ لینا چاہیے تاکہ بھول نہ جائے۔

حدیث شریف حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"میری اُمت کے گناہ میرے سامنے پیش کیے گئے اس کے گناہوں میں سب سے

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

بڑا گناہ مجھے ان کا قرآن مجید کی کوئی سورۃ یا آیۃ بھولنا نظر آیا۔"

بھولنے کا یہ معنیٰ ہے کہ پھر وہ قرآن مجید کو دیکھ کر بھی نہ پڑھ سکے۔ (کذا فی القنیہ)

ف : ابن عُیَینہ فرماتے ہیں : قرآن یا اس کی سُورۃ یا آیۃ کا بھولنے والا ملامت کا مستحق ہے، اسے گناہ کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس سے ترکِ عمل مراد ہے۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے : نسیان بمعنے ترک آتا ہے۔ کما قال تعالیٰ :

فلما نسوا ما ذکروا بہ۔

یہاں پر نسوا بمعنے ترکوا ہے۔ اور فرمایا :

نسوا اللہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طاعت و عبادت ترک کی فنسیھم تو اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کرنا ترک فرمائے گا۔

مسئلہ : شارح جزریہ نے لکھا ہے : قرآن مجید زبانی پڑھنے سے دیکھ کر پڑھنا افضل ہے۔ یہی سلف صالحین سے مشہور ہے لیکن یہ علی الاطلاق نہیں ہے اس لیے کہ جس حافظِ قرآن کو زبانی پڑھنے سے تدبر و تفکر نصیب ہوتا ہے اور جمعیت قلبی اور بصیرت نصیب ہوتی ہے وہ اس دیکھ کر پڑھنے والے سے افضل ہے جو دیکھ کر تو پڑھتا ہے مگر اسے تدبر و تفکر نصیب نہیں ہوتا۔ اگر کسی کے لیے دونوں طریقے ایک سے ہوں تو دیکھ کر پڑھنا افضل ہے اس لیے کہ اس میں قرآن مجید کے دیکھنے اور پڑھنے کے دو ثواب ہیں۔ اور زبانی پڑھنے کا ایک ثواب۔

مسئلہ : دُوسرے سے قرآن مجید سُننا سُنّت ہے ؎

دل از شنیدن قرآن بگیردت ہمہ وقت
چو باطلان ز کلام حقت ملول چیست

ترجمہ : ہر وقت قرآن مجید کے سُننے میں دل لگائیں۔ باطلوں کی طرح حق کے سننے سے دل تنگ نہ کیجئے۔

تفسیر صُوفیانہ

کشف الاسرار میں ہے کہ عرفاء کاملین کے قلوب غیبی خزائنِ الٰہی ہیں ان میں حق کے براہین اور سرِّ الٰہی کے بیّنات اور توحید کے دلائل و ربوبیت کے شواہد ہوتے ہیں۔ ان کے قلوب حقائق کے قانون ہیں۔ اسی لیے ہر شے ان کے قلوب سے طلب کی جاتی ہے۔ اس لیے کہ چمکیلے موتی صدف سے اور آفتاب تاباں برج فلک سے اور شہد خالص شہد کی مکھی اور نورِ معرفت و وصف ذات احدیت عارفین کاملین کے قلوب سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ عارفین کے قلوب معرفتِ الٰہی کے قانون اور تجلی صفات کا مرکز ہیں۔ بلکہ خود ذاتِ حق کو خواص عباد کے قلوب سے طلب کیا جاتے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پُوچھا :

"الٰہ العٰلمین ! میں آپ کو کہاں تلاش کروں ؟"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا : "میں اُن قلوب میں ہوتا ہُوں جو محض میری وجہ سے منکسر و خاشع ہیں۔"

مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱ از درون د اہلِ دل آب حیات
چند نوشیدی و واشد چشمہات

۲ پس غذائے سکر و وجد و بیخودی
از در اہلِ دلاں بر جان زدی

ترجمہ : (۱) اہلِ دل سے ہی آب حیات کا پیالہ پی لے، پھر دیکھ تیری آنکھیں کیسی کھلتی ہیں۔
(۲) غذائے سکر و وجد بیخودی کے لیے اہلِ دل پر جان قربان کر دے۔

عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

نکتۂ عرفاں مجو از خاطر آلودگاں
گوہرِ مقصود را دلہائے پاک آمد صدف

ترجمہ : گناہ سے ملوث قلوب سے عرفان مت تلاش کرو گوہرِ مقصود پاک صاف دل سے نصیب ہوگا۔

تفسیر عالمانہ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ باوجودیکہ آیات واضح اور روشن ہیں لیکن ان کا انکار نہیں کرتے اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۝ مگر وہ جو شر و مکابرہ و فساد کی حد میں تجاوز کرنے والے ہیں۔

شانِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم از لسانِ عیسٰے علیہ السلام اور شہادت برائے علمِ غیب مروی ہے کہ عیسٰی علیہ السلام نے اپنے حواریین سے فرمایا کہ میں آسمان پر جاتا ہوں میرے بعد تمہارے ہاں فارقلیط یعنی حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے، وہی روح حق ہیں وہ از خود نہیں بولیں گے ان کی گفتگو شنیدنی ہوگی وہ تمہارے ساتھ حق کی گفتگو کریں گے اور تمہیں حق راہ پر چلائیں گے۔ اور تمہیں الحوادث والغیوب کی خبریں دیں گے اور میری حقانیت کی گواہی دیں گے جیسے میں ان کی نبوت کی گواہی دے کر جا رہا ہوں۔ میں نے تمہیں امثال سنائیں۔ وہ تاویل بتائیں گے بلکہ ہر شے کی تفسیر واضح طور پر سمجھائیں گے۔

ف : الحوادث بمعنے وہ واقعات جو آنے والے زمانوں میں واقع ہوں گے۔ جیسے خروجِ دجال وظہورِ دریہ و طلوعِ شمس وغیرہ۔ الغیوب سے امورِ قیامت مراد ہیں جیسے حساب و کتاب، جنت و دوزخ وغیرہ۔ یہ بیانات توراۃ، انجیل، زبور میں نہیں یہ صرف ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے (کذا فی کشف الاسرار)

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ رؤیۃ آیات سے جحد و انکار کے زنگ کی خصوصیت ہے کہ جب یہ کسی قلب پر چڑھ جاتا ہے تو قلب ایسے کالا سیاہ ہو جاتا ہے جیسے شیشے پر زنگ چڑھ جائے تو وہ کالا سیاہ ہو جاتا ہے۔ ایسے قلوب پر غیوب کے نقوش ظاہر نہیں بلکہ رؤیتِ آیات سے اندھے ہو جاتے ہیں۔

حضرت کمال خجندی رحمہ اللہ نے فرمایا:

لہ فی کل موجود علامات و آثار دو عالم پر ز معشوقست گو یک عاشق صادق

ترجمہ: ہر شے میں علامات و آثار ہیں۔ دو عالم معشوق سے پُر ہے اگرچہ ان کا ایک عاشق ہے۔

حضرت شیخ مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا:

۱ نخست دیدہ طلب کن پس آنگھے دیدار ازانکہ یار کند جلوہ بر اولوا الابصار
۲ تراکہ چشم نباشد حاصل از شاہد تراکہ گوش نباشد چہ سود از گفتار
۳ اگرچہ آئینہ داری از برائے رخش ولے چہ سود کہ داری ہمیشہ آئینہ تار
۴ بیا بصیقل توحید ز آئینہ بزدای غبار شرک کہ تاپاک گردد از زنگار

ترجمہ: (۱) پہلے دید طلب کر پھر دیدار، اس لیے کہ جلوۂ یار آنکھ والوں کو نصیب ہوتا ہے۔
(۲) جب تجھے دید نصیب نہیں تو پھر محبوب کا تجھے کیا فائدہ۔ جب تیرے کان نہیں تو تجھے کسی کی گفتار سے کیا حاصل!
(۳) اگرچہ تُو نے چہرہ دیکھنے آئینہ لے رکھا ہے تو کیا فائدہ جبکہ تجھے ہمیشہ تاریک بنائے رکھتا ہے۔
(۴) آیئے آئینہ کو توحید کے صیقل سے صاف کیجئے شرک کی غبار سے تاکہ تیرا آئینہ زنگ سے صاف ہو۔

رُوحانی نسخے حضرت ابراہیم خواص رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قلب کے تصفیہ کے پانچ نسخے ہیں:
(۱) تدبر کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت (۲) قیام اللیل (۳) سحر کے وقت تضرع الی اللہ
(۴) خلوت نشینی (۵) نیک لوگوں (اولیاء اللہ) کی صحبت

اللہ تعالیٰ ہمیں اصلاح وفلاح سے بناتے بے شک وہی قادر فتاح، فالق الاصباح، خالق المصباح ہے۔

تفسیر عالمانہ وَقَالُوْا اور کفارِ قریش نے کہا لَوْلَآ تخصیص کے لیے ہے بمعنے ھلا بمعنے کیوں نہیں اُنْزِلَ بھیجی جاتیں عَلَيْهِ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ اس کے رب سے آیات جیسے ناقۂ صالح وعصائے موسٰی ومائدہ عیسٰی علیہ السلام قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ فرمایئے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک آیات اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت اور اس کے حکم کے تابع میں وہ انہیں جیسے چاہتا ہے نازل فرماتا ہے۔ میرے ہاتھ میں تو نہیں کہ میں انہیں تمہارے مطالبے پر لاؤں وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ○ بے شک میں کھُلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔ یعنی میرا کام ہے کہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈراؤں اور خوفِ خدا سے تمہیں آگاہ کروں ان آیات کے ذریعے جو مجھے اللہ تعالیٰ سے عطا ہوئی ہیں یعنی میں تمہیں اس زبان میں خوفِ الٰہی سناتا ہوں جو تم سمجھتے ہو۔ یہی بیّنات کا مطلب ہے۔

نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ اور ردِّ وہابیہ کشف الاسرار میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخالفین کا مطالبہ کرنا اور پھر آپ کا اسے پورا نہ کرنا مبنی برحکمت تھا (نہ جیسا کہ وہابیہ نے سمجھا کہ حضور علیہ السلام کو کوئی اختیار نہ تھا ورنہ جبکہ فرماں

نے مطالبہ کیا تو آپ ان کا مطالبہ پُورا کر دیتے)[1]

پہلی حکمت تو یہ تھی کہ کفار کا مقصد ان آیات کا حصول نہ تھا بلکہ محض ضد تھی اور حضور نبی علیہ السلام کو پریشان کرنا مطلوب تھا۔ اگر آپ ان کا مطالبہ پُورا کرتے تو پھر وہ اور مطالبہ کر دیتے۔ اسی طرح یہ سلسلہ غیر متناہی ہو جاتا اور یہ بعثت نبویہ کے مقصد کے سراسر منافی تھا۔

دوسری حکمت یہ کہ انہوں نے ایسی آیات کا مطالبہ کیا جن پر ایمان لانا فرض ہوتا اگر وہ اس سے انکار کرتے تو فوراً عذاب کے مستحق ٹھہرتے۔ جیسا کہ صالح علیہ السلام و دیگر انبیاء علیہم السلام کی اُمتوں کا حشر ہُوا۔ یعنی اگر وہ انکار کرتے تو ان کی جڑ کٹ جاتی اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ انکار پر ان کے ساتھ ایسا ہو گا حالانکہ اس سے قبل خود حضور علیہ السلام نے بڑی الحاح وزاری سے اللہ تعالیٰ سے منوایا کہ رہتی دنیا تک آپ کی اُمت پر عذاب نازل نہ ہو اور آپ کے صدقے تو نزولِ عذاب نہ کرنے کا وعدہ تو اللہ تعالیٰ سے ہو گیا۔ اگر آپ کفار کا مطالبہ پُورا کرتے تو پہلے اپنے پروگرام کی خلاف ورزی کرتے دوسرا اللہ تعالیٰ کے لیے خلافِ وعدہ لازم آتا۔ اور یہ سراسر محال ہے۔ (یہ جوابات وہابیہ کو سنائے جائیں، مانیں گے تو نہیں البتہ حجت ضرور قائم ہو جائے گی)[2]

ربط: اب کفار کے مطالبہ کا بطلان بیان فرمایا۔

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ ہمزہ انکار کے لیے اور واؤ عاطفہ ہے۔ اس کا عطف فعل مقدر پر ہے جیسا کہ مقام کا تقاضا ہے۔

حلِ لغات: الکفایۃ بمعنے کسی شے کے خلل کو بند کرنا اور مقصد و مراد کو پہنچنا، دراصل اقصر ولم یکفہم الخ تھا یعنی پچھلے مضمون کو رہنے دیجئے۔

کیا انہیں ہماری آیت کفایت نہیں کرتی جس کا وُہ مطالبہ کر رہے ہیں **اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ** بیشک ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل فرمائی جو حق بولتی ہے اور دیگر کتب سماویہ کی تصدیق کرتی ہے حالانکہ آپ نے وہ کتابیں پڑھی نہ سُنی تھیں **يُتْلٰى عَلَيْهِمْ** ان کے سامنے ان کی لغت میں ہر زمان و مکان میں پڑھی جاتی ہے اس لیے یہ آیت ان کے لیے لازوال اور انمٹ ہے بخلاف دوسری آیات کے کہ وہ ہمیشہ نہیں رہتیں اور ایک عرصہ کے بعد ختم ہو جاتی ہیں اور وہ ہر جگہ بھی نہیں ہوتیں۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ ان کے دلوں کی آنکھیں اندھی ہو گئی ہیں کہ کوئی آیت انہیں نظر ہی نہیں آتی حالانکہ وہ آیت روشن تر ہے یعنی قرآن ایک واضح اور روشن دلیل ہے لیکن باوجود انہم دیگر آیات کا مطالبہ کر رہے ہیں حالانکہ خود دیکھ رہے ہیں کہ یہ قرآن وہ شخص پیش کر رہا ہے جو بظاہر لکھا پڑھا نہیں لیکن وہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے نازل ہُوا اور وُہ اُمّی ہونے کے باوجود انہیں فر فر سُناتا ہے۔ اور پھر اس کی وضاحت ایسے روشن طریقے سے

---

[1] و [2] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ
تم فرماؤ اللہ بس ہے میرے اور تمہارے درمیان گواہ جانتا ہے جو
مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ
کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ جو باطل پر یقین لائے اور اللہ کے منکر ہوئے وہی گھاٹے
هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ
میں ہیں اور تم سے عذاب کی جلدی کرتے ہیں اور اگر ایک ٹھہرائی مدت نہ ہوتی تو ضرور ان پر عذاب
الْعَذَابُ ۭ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٥٣﴾ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ
آجاتا اور ضرور ان پر اچانک آئے گا جب وہ بے خبر ہوں گے تم سے عذاب کی جلدی مچاتے ہیں
وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٤﴾ يَوْمَ يَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ
اور بے شک جہنم گھیرے ہوئے ہے کافروں کو جس دن انہیں ڈھانپے گا عذاب ان کے اوپر
وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٥٥﴾ يٰعِبَادِيَ
اور ان کے پاؤں کے نیچے سے اور فرمائے گا چکھو اپنے کئے کا مزہ اے میرے بندو
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴿٥٦﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ
جو ایمان لائے بیشک میری زمین وسیع ہے تو میری ہی بندگی کرو ہر جان کو موت کا مزہ
الْمَوْتِ ۣ ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ
چکھنا ہے پھر ہماری ہی طرف پھرو گے اور بیشک جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ضرور ہم انہیں
مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ نِعْمَ اَجْرُ
جنت کے بالاخانوں پر جگہ دیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ہمیشہ ان میں رہیں گے کیا ہی
الْعٰمِلِيْنَ ﴿٥٨﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٥٩﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ
اچھا اجر کام والوں کا وہ جنہوں نے صبر کیا اور اپنے رب ہی پر بھروسا رکھتے ہیں اور زمین پر کتنے ہی چلنے والے
لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ڰ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ڮ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦٠﴾ وَلَىِٕنْ
ہیں کہ اپنی روزی ساتھ نہیں رکھتے اللہ روزی دیتا ہے انہیں اور تمہیں اور وہی سنتا جانتا ہے اور اگر تم
سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ
ان سے پوچھو کس نے بنائے آسمان اور زمین اور کام میں لگائے سورج اور چاند
اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٦١﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ
تو ضرور کہیں گے اللہ نے تو کہاں اوندھے جاتے ہیں اللہ کشادہ کرتا ہے رزق اپنے بندوں میں جس کے لیے چاہے اور تنگی

لَهٗ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۲﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
فرماتا ہے جس کے لیے چاہے بے شک اللہ سب کچھ جانتا ہے اور جو تم ان سے پوچھو کس نے اتارا آسمان سے پانی تو

فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ
اس کے سبب زمین زندہ کر دی مرے پیچھے ضرور کہیں گے اللہ نے تم فرماؤ سب خوبیاں اللہ کو بلکہ ان

اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ ع
میں اکثر بے عقل ہیں

تفسیر عالمانہ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ با زائدہ صلہ کی ہے۔ اللہ، کفیٰ کا فاعل ہے بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا فرماتیے کہ اللہ تعالیٰ کافی ہے مجھ سے اور تم سے جو کچھ صادر ہوگا اس سے وہ مطلع ہے يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جانتا ہے ان امور کو جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں منجملہ ان کے میرا اور تمہارا حال ہے وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ اور وہ لوگ جو ایسی چیزوں پر ایمان لائے جو باطل ہیں جیسے بت اور شیطان وغیرہما۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جو نفس کی آنکھ سے دیکھتا ہے وہ اسی پر ایمان لاتا ہے۔

ص ۲۶ سے آگے

کرتا ہے جس سے ان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ یہ آیۃ واضحہ نہیں تو اور کیا ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ بے شک اس عظیم الشان کتاب میں، جو رہتی دنیا تک رہنے والی ہے لَرَحْمَةً رحمت اور نعمتِ عظیمہ ہے وَّذِكْرٰى اور پند و نصیحت ہے لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ ایسے لوگوں کے لیے جن کا ارادہ ایمان لانے کا ہے انہیں سرکشی اور ہٹ دھرمی سے کوئی غرض نہیں یعنی یہی مطالبہ کر کے محض ضدی اور ہٹ دھرم ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

پند گفتن با جہول خابناک
تخم افگندن بود در شورۂ خاک

ترجمہ: جاہل غافل کو نصیحت کرنا ایسے ہے
جیسے شور زمین میں بیج ضائع کیا جائے۔

وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ اور کفر کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ، حالانکہ اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس

تفسیر عالمانہ کے ایمان لانے کے موجبات و دلائل و براہین بھی قوی اور مضبوط ہیں اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۝

وہی لوگ خاسر ہیں یعنی آخرت کی بیع میں وہ گھاٹا پانے والے ہیں اس لیے کہ ایمان دے کر کفر کو خریدا اور فطرت اصلیہ اور ادلہ سمعیہ کو ضائع کیا جو ایمان کا موجب ہیں ؎

عمر تو گنج ہر نفس از وے بطل گہر
گنجی چنیں لطیف مکن رائگاں

ترجمہ: تیری زندگی ایک خزانہ ہے اس سے ہر لحظہ موتی بکھیرے جاتے ہیں ایسے خزانہ کو مفت ضائع مت کر۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ۔ الاستعجال بمعنے شے کو وقت سے پہلے طلب کرنا یعنی آپ سے کفار وقت سے پہلے عذاب مانگتے ہیں۔ اس سے نضر بن الحارث اور اس کے ہمجولی مراد ہیں وُہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور استہزا کہتے کہ یہ ڈراوے جو آپ ہمیں سناتے ہیں وہ کب واقع ہوں گے اگر ہم آپ کی بات نہیں مانتے تو ہمارے اوپر آسمان سے عذاب کی بارش برسائیے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ جو عافیت پر صبر نہ کرتے ہوئے وقت سے پہلے عذاب مانگے تو وہ ضرور عذاب میں مبتلا ہوگا اور یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ عادۃً جلد باز ہے۔ اسی لیے دُکھ درد اور تکالیف پر صبر نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ جس پر مہربانی فرماتا ہے اُسے صبر کی توفیق بخشتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مہربانی نہ ہو تو ہر انسان اپنی فطرت کے مطابق بے صبری کا مظاہرہ کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کو صبر کی تلقین فرمائی۔ کما قال:

واصبر وما صبرك الا باللّٰه۔

ہم اللہ تعالیٰ سے ہر بلا سے حفاظت اور پناہ مانگتے ہیں۔

وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى اور اگر ان کے لیے عذاب کا وقت مقرر نہ ہوتا۔ اس سے قیامت کا دن مراد ہے۔ کما قال:

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ۔

اور یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا کہ آپ کی امت کو ہمہ گیر عذاب میں مبتلا نہیں فرمائے گا بلکہ ان کا عذاب قیامت کے دن تک مؤخر کر دیا گیا ہے۔ اس ارادہ قدیمہ کو حکمتِ ازلیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسی لیے ہر مقدور کے لیے ایک وقت مقرر فرما دیا۔ اس سے نہ وہ مقدم ہوگا نہ مؤخر۔

لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ تو انہیں بہت جلد عذاب میں مبتلا کیا جاتا۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ وقتِ مقرر سے پہلے عذاب کا مطالبہ غیر مفید بلکہ مذموم ہے۔

سبق: سالک کو چاہیے کہ وقت سے پہلے اپنے نفس کے شہوات اور اس کی مراد کے مطابق کوئی شے طلب

نہ کرے۔ اور وقت سے پہلے شے طلب کرنا مذموم کیوں نہ ہو!

وَلَیَاْتِیَنَّھُمْ حالانکہ جس عذاب کا وقت مقرر ہے وُہ لازماً اپنے وقت پر آئے گا **بَغْتَۃً** اچانک۔

امام راغب نے فرمایا: یہ البغت سے ہے یعنی شے کے متعلق آنے کا وہم وگمان نہ ہو اور وہ آجائے۔ **وَھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ○** اور وہ اس کے آنے کو نہیں سمجھتے کہ ان پر اچانک عذاب آتے گا۔

سوال: (صاحبِ روح البیان نے فرمایا) قیامت کے عذاب کو اچانک کہنا نا مناسب ہے اس لیے کہ اس کے متعلق ہم سب کا عقیدہ ہے کہ اس نے ایک وقت پر آنا ہے۔

جواب: اس سے موت مراد ہے اس لیے کہ وہ عذابِ آخرت کے لیے بمنزلہ مقدمۃ الجیش کے ہے۔ اور وہ ایسے وقت میں آتا ہے کہ اس کے آنے کا وہم وگمان تک نہیں ہوتا۔ اور موت کے بعد فوراً عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

اسی لیے احادیث میں قبر کو آخرت کی پہلی منزل کہا گیا ہے اور اس دعوٰی کی دلیل یہ حدیث شریف ہے:

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مر گیا اس کے لیے قیامت قایم ہو گئی۔

مسئلہ: برزخ (قبر) میں بھی عذاب ہو گا اگرچہ وہ آخرت کے عذاب کی نسبت آدھا ہو گا اس لیے کہ یہاں قبر میں صرف رُوح کو عذاب ہو گا۔

ف: بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ عذاب ان کے مطالبہ کے مطابق نہ ہو گا اور نہ ہی ان کے کہنے پر فوراً آجائے گا۔ بلکہ اگر ایسا ہو تو پھر ان کی رائے کو ترجیح ہو گی اور ان کے شعور کے مطابق بات ماننی پڑے گی۔

جو شخص موت سے پہلے اپنے امور کی اصلاح کرے اور موت کے لیے ہر وقت تیار رہے اسے اچانک کی موت نہیں آئے گی اگرچہ نیند میں بھی مر جائے اور جو شخص کہ اپنے امور کی تصحیح نہ کرتا ہو اور موت کے لیے تیار بھی نہ ہو تو اس کی موت اچانک کی موت ہو گی اگرچہ سال بھر بستر پر پڑا رہے۔

حکایت لطائف المنن میں ہے حضرت امام شعرانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میری ایک طالب علم سے گفتگو ہوئی، میں نے کہا، علم میں خلوصِ نیت ضروری ہے ورنہ تحصیلِ علم بے سُود۔ اس کی خلوصِ نیت کی علامت یہ ہے کہ اسے جب کہا جائے کہ تم کل مر جاؤ گے، تو وہ سُن کر کتاب بند کر دے بلکہ پڑھنے میں لگا رہے۔

مسئلہ: سب سے بہتر موت وُہ ہے جو تحصیلِ علم کے دوران واقع ہو۔ انسان پر لازم ہے کہ ایسی موت کے لیے ہر وقت متمنی رہے ؎

۱ تو غافل در اندیشۂ سود و مال
کہ سرمایۂ عمر شد پائمال

۲ طریقے بدست آر و صلحی بجوئے
شفیعی بر انگیز و عذرے بگو

۳   کہ یک لحظہ صورت نہ بندد امان
چو پیمانہ پرشد بدور زمان

ترجمہ : (۱) تو غافل ہوکر سود و مال کے چکر میں ہے ایسے ہی تیری عمر برباد ہو گئی۔
(۲) کوئی طریقہ ہاتھ میں لے اور صلح تلاش کر۔ سفارشی کھڑا کر کے اور عذر کر
(۳) کہ ایک لحظہ بھی امان نہ ملے گی۔ جب پیمانہ بھر گیا تو وقت نہ ملے گا۔

یَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ آپ سے عذاب لانے کی جلدی کرتے ہیں وَاِنَّ جَهَنَّمَ حالانکہ جہنم عذاب کا ایسا سخت مقام ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی سخت نہیں لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ کفار کو گھیر لے گی یعنی وہ جہنم عنقریب انہیں اپنی لپیٹ میں لے لے گی کیونکہ آخرت کا وقت بہت جلد آنے والا ہے۔

ف : یہاں جملہ اسمیہ لانے میں اشارہ ہے کہ جہنم کا عذاب لازماً ہوگا اور دائمی ہوگا۔ سبب کو بمنزلہ مسبب کے لایا گیا ہے وہ اس طرح کہ کفر و معاصی دخولِ جہنم کے موجب ہیں۔ اور جہنم کا عذاب کافروں کو محیط ہے۔ (کذا فی الارشاد)

ف : بعض مشایخ نے فرمایا : کفر و معاصی ہی نارِ جہنم بنیں گے جو آخرت میں اسی صورت میں ظاہر ہوں گے۔

يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ ـــــ یہ ظرف فعل مضمر سے متعلق ہے یعنی قیامت میں ان پر وہی عذاب محیط چڑھ جائے گا اور انہیں ڈھانپ لے گا جس کا ذکر اوپر ہوا جس میں بہت بڑی وحشتناک اور خوفناک سزائیں ہوں گی کہ جن کا بیان نہیں ہو سکتا مِنْ فَوْقِهِمْ ان کے سروں کے اوپر سے وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ اور ان کے پاؤں کے نیچے سے۔ اس سے محض سر اور پاؤں ہی مراد نہیں بلکہ جملہ جہات مراد ہیں وَيَقُوْلُ اور اللہ تعالیٰ یا بعض فرشتے بحکمِ الٰہی فرمائیں گے ذُوْقُوْا چکھو۔

حلِ لغات : الذوق کھانے کی چیز کا منہ میں ہونا۔ دراصل اس شے کو کہا جاتا ہے جو منہ میں تھوڑی سی ہو۔ اگر بہت زیادہ ہو تو اسے الاکل سے تعبیر کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں عذابِ الٰہی کو ذوق سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے وہ عذاب اگرچہ بظاہر تھوڑا نظر آئے گا لیکن اس کی شدت و کثرت بیان سے باہر ہے اور یہاں اس طرح سے بیان کرنے میں عذاب کی قلت و کثرت کا اظہار مطلوب ہے (کذا فی المفردات)

مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ یعنی چکھو ان برائیوں کی سزا جن کا تم دنیا میں دائمی طور پر ارتکاب کرتے تھے منجملہ ان کے یہی ہے جو تم عذاب کی طلب جلدی کرتے تھے۔ کاشفی نے لکھا کہ دنیا دارِ عمل ہے اور آخرت دار الجزا۔ جو کچھ دنیا میں بویا جائے گا آخرت میں وہی کاٹا جائے گا ؎

تو تخمے بیفشان کہ چوں بدروے
ز محصول خود شاد و خرم شوے

ترجمہ : تم بیج بونے کی کرو اس لیے کہ جب اس کا پھل اٹھاؤ گے تو شاد و آباد ہو گے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات النجمیہ میں ہے کہ یستعجلونک بالعذاب میں عذاب والوں کو عذاب لعجلت مانگنے پر عذاب ہوگا۔ اس سے نفس کا فرماد ہے اسے منوانا آسان کام نہیں **وَاِنَّ جَہَنَّمَ** نفس کو عذاب جہنم میں مبتلا کیا جائے گا یعنی اسے حرص، ہوا، شہوت، کبر، حسد، غضب اور کینہ کا خوگر بنایا جائے گا **لَمُحِیۡطَۃٌۢ بِالۡکٰفِرِیۡنَ ۙ** عذاب مذکور نفوس کافرہ کو محیط ہو جائے گا۔ یعنی نفوس مذکورہ بالا امور میں ہر وقت منہمک رہیں گے **یوم یغشٰھم العذاب** نفوس کافرہ کو اپنی صفات کا احاطہ ڈھانپ لے گا **من فوقھم** ان کے اوپر حرص وکبر و غضب غالب ہوجائیں گے **ومن تحت ارجلھم** اور انہیں پیروں تک حرص و ہوا اور شہوت وکبر گھیرا کر جائیں گے لیکن وہ ان امور سے غافل ہیں خواب غفلت میں محو ہیں جو نیند والے کی طرح انہیں عذاب کا ذائقہ محسوس نہیں ہوتا جیسے نیند والے کو کوئی شعور نہیں ہوتا باہر ہونے والے کاموں سے وہ بالکل بے خبر ہوتا ہے ایسے ہی نفس امارہ کی شرارت کے شکار کا حال ہے اس لیے کہ ایسے شخص کی کیفیت نیند والے کی سی ہے جیسے نیند والا نیند سے بیدار ہو کر عذاب وغیرہ کو محسوس کرتا ہے ایسے ہی نفس امارہ کی بیماریوں میں مبتلا کا حال ہے۔ چنانچہ فرمایا **ویقول** اور قیامت میں فرمائے گا **ذوقوا ماکنتم تعملون ۝** چکھو اس معاملے کا عذاب جو تم خلق اور خالق کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ ہماری تاویل کو وان الفجار لفی جحیم میں مؤکد کیا گیا ہے یعنی آج انہیں اس عذاب کا شعور نہیں یصلونھا یوم الدین اس دن کہ انہیں آگ میں داخل ہونا ہوگا یعنی قیامت میں انہیں معلوم ہوگا وماھم عنھا اور وہ آج عذاب جہنم سے لاشعور ہیں ہاں جس کے مشرق قلب سے ہدایت وعنایت الٰہی کا سورج طلوع ہوتا ہے وہ لیل الدین سے نکل کر یوم الدین میں داخل ہو جاتا ہے اور اس کی بشریت کی زمین نور ربانی سے چمک اٹھتی ہے تو وہ اپنے نفس کو اخلاق رذیلہ کی آگ میں گھرا ہوا پاتا ہے اسے ہدایت کا ذوق نصیب ہوتا تو وہ ان برے اخلاق سے جان چھڑانے اور بد اخلاقی کی آگ سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ اللہ کی زمین فراخ ہے۔ چنانچہ ابھی اس کا بیان آتا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ ہم اللہ تعالیٰ سے جملہ خرابیوں سے بچنے کی التجا کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ **یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا** یہ خطاب تشریفیہ ہے جو اہل ایمان کو نصیب ہوا لیکن وہ دینی امور میں پختہ اور مضبوط ہیں جن کے لیے کفر کا کوئی معاملہ مانع نہیں اور انہیں ارشاد کا بہتر طریقہ سمجھایا گیا ہے۔

شان نزول کاشفی نے لکھا، منقول ہے کہ اہل ایمان کی جماعت مکہ معظمہ میں مقیم تھی قلت زاد وکمی استعداد ومحبت وطن یا صحبت دوستاں کی بنا پر ہجرت نہیں کرتے تھے۔ لیکن کفار مکہ سے ڈر کے مارے چھپ کر عبادت الٰہی بجا لاتے تھے۔

ف: دینی امور بجا لانے کے باوجود قیامت میں سزا پائیں گے۔ ان کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور فرمایا:

اے میرے مومن بندو! جب تمہیں کسی شہر میں عبادت کی آسانی میسر نہ ہو نہ ہی تم دینی امور کو با سہولت ظاہر کرسکو تو اس شہر سے ہجرت کر جاؤ جہاں تم آسانی سے دینی امور سر انجام دے سکو۔

اِنَّ اَرْضِىْ بیشک میری زمین۔ اس سے مراد وہ حصہ ہے جو آسمان کے بالمقابل ہے۔ یعنی تم زمین کے ان حصوں میں ہجرت کر جاؤ جو تمہارے لیے پیدا ہوئے وَاسِعَةٌ فراخ ہے اس میں تمہارے لیے کوئی تنگی نہیں۔ اگر تم خالص ہو کر اس زمین پر میری عبادت نہیں کر سکتے فَاِيَّایَ فَاعْبُدُوْنِ ○ تو میری زمین کے دوسرے خطے میں چلے جاؤ اور وہاں جا کر مخلصانہ عبادت کرو۔ اس معنے پر حرفِ فاء شرط محذوف کا جواب ہے۔ پھر شرط بھی حذف کر دی گئی ہے۔ اس کے قائم مقام مفعول بہ کو مقدم کیا گیا ہے جس میں اختصاص و اخلاص کا معنیٰ بھی دیتا ہے حضرت کاشفی نے لکھا کہ اگر تم اہل و عیال، اولاد و اسباب اور شہر کی محبت میں گرفتار ہو کر ہجرت نہیں کرتے، بالآخران سے ایک دن جدا ہو گے کیونکہ كُلُّ نَفْسٍ ہر نفس انسانی ہو یا اس کا غیر۔ یہ مبتدا ہے اور نکرہ کو مبتدا بنانا جائز ہے اس لیے کہ اس میں عموم کا معنیٰ پایا جاتا ہے ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ موت کا کڑوا پن پائیں گے اور جدائی کے گھونٹ پئیں گے۔ موت کو چکھی ہوئی شے سے تشبیہ دی ہے اس لیے کہ ذوق کا اطلاق قلیل و کثیر دونوں پر ہوتا ہے (کذا قال الراغب)

ف: بعض نے کہا کہ ذوق در اصل منہ سے ہوتا ہے تھوڑا ہو یا زیادہ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ نفوس کو بہ ملابست بدن سے موت سے نکالا جائے گا۔

ف: انسان کا جسم دو چیزوں سے مرکب ہے یعنی جسم اور روح سے۔ ان کے درمیان ایک لطیف بخار ہے جسے روحِ حیوانی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جب تک انسان میں وہ بخار اسی تعلق خاص کے ساتھ موجود ہے تو زندگی قائم ہے۔ جب وہ بخار مٹ جاتا ہے یا ان کے ساتھ تعلق کی صلاحیت نہیں رکھتا تو زندگی ختم ہو جاتی ہے اور روح جسم سے اضطراری طور پر جدا ہو جاتا ہے ایسی موت صوری کہلاتی ہے۔ جسم کے اندر روح کے ہونے اور اس کے جدا ہونے کی کیفیت کسی کو معلوم نہیں۔ ہاں جب وہ جسم سے جدا ہوتا ہے تو اس مفارقت کو موت کہا جاتا ہے۔

ف: جسم کے روح سے نکلنے کے وقت دیکھنے والوں کو معمولی سا احساس ہوتا ہے کہ اب روح جسم سے جدا ہونے والا ہے۔ وہ بھی قرائن سے۔ البتہ اللہ والوں کو باذن اللہ تعالیٰ کیفیت معلوم ہوتی ہے۔

ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ ○ پھر ہمارے ہاں جزا و سزا کے لیے لوٹائے جاؤ گے۔ ترجعون الرجع سے ہے بمعنے الرد یعنی لوٹائے جاؤ گے۔

سبق: جسے اپنے نیک انجام کی خواہش ہے اس پر لازم ہے کہ وہ آخرت کے لیے سرمایہ جمع کرے اور ہر وقت اس کے لیے تیار رہے اور اس عالم دنیا کے وطن کو ترک کرنے کا سوچے اور سمجھے کہ آنے والا سفر لازمی ہوگا۔

مسئلہ: کوئی شخص کسی دار الشرک میں ہو یا کسی ایسے علاقے میں ہو جہاں کے لوگ معاصی و بدعات میں مبتلا ہوں اور وہ ان کی اصلاح نہیں کر سکتا تو اس پر لازم ہے کہ وہاں سے ہجرت کر کے ایسے علاقہ میں چلا جائے

جہاں کے لوگ نیک اور اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار ہوں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع ہے ۔

سفر کن چو جائے تو ناخوش بود
گزین جائے رفتن بداں تنگ نیست

وگر تنگ گردد ترا جائگاہ
خدائے جہاں را جہاں تنگ نیست

ترجمہ : جب تیرے علاقے میں دینی خرابی ہو تو وہاں سے چلا جائے تو کوئی حرج نہیں ۔ اگر تیرے علاقے میں دینی پریشانی ہو تو اللہ تعالیٰ کا ملک تنگ نہیں فلہذا اور جگہ چلے جا ۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے منجلہ ان کے ہجرت دینی ہے لَنُبَوِّئَنَّهُمْ ہم انہیں جگہ دیں گے ۔

حل لغات : التبوء سے ہے بمعنے کسی کو جگہ دینا ۔

مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا یہ لنبوئنہم کا مفعول بہ ہے ۔ اس سے بہشت کے اونچے اور بہترین مکانات مراد ہیں جو موتیوں ، زبرجد اور یاقوت سے بنے ہوئے ہیں اور اسے غرفاً اس لیے فرمایا کہ بہشت اوپر کی جہت میں ہے اور دوزخ نیچے کی طرف ۔ اور قاعدہ ہے کہ اوپر سے نیچے کی طرف پانی اور سبزیاں لذیذتر اور زیادہ خوشنما نظر آتی ہیں ۔ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ یہ غرفاً کی صفت ہے خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ان کے نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ لوگ ان میں ہمیشہ رہیں گے نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ اعمال صالحہ والوں کے لیے بہت اچھا اجر ہے یہی بہشت کے بالاخانے الَّذِيْنَ صَبَرُوْا یہ عاملین کی صفت ہے یا اس کا منصوب ہو علی المدح ہے یعنی وہ لوگ جنہوں نے کفار و مشرکین کی اذیتوں اور دینی ہجرت میں تکالیف و دیگر دکھ درد برداشت کیے ۔ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اور وہ اپنے جملہ امور میں نہیں بھروسہ کرتے مگر اللہ تعالیٰ پر ۔ اور یہ توکل قوتِ ایمانی سے ہوتا ہے جب انسان ایمان میں کمال حاصل کرتا ہے تو وہ نہ صرف کفر و معاصی سے بلکہ اموال و ارزاق کے تفکرات سے فارغ ہو جاتا ہے ۔ اس کے لیے وطن اور غربت برابر ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے لیے جملہ تکالیف کا مداوا اللہ تعالیٰ کے اجر و ثواب میں سمجھتا ہے ۔

حدیث شریف جو شخص کفر و معاصی سے بچنے کے لیے ایک علاقے سے دوسرے علاقے کو چلا جاتا ہے اگرچہ ایک بالشت ہی سہی ، تو اس کے لیے بہشت واجب ہو جاتی ہے اور بہشت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیق ہوگا ۔

ف : بہشت اور بالاخانے صرف اپنے وطن اور مکانات کو ترک کرنے کی وجہ سے جو اس نے دین کی خاطر اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں انہیں چھوڑا اور ہو پیارے محبوبوں کی رفاقت اس لیے کہ اس نے

ہجرت کر کے ان کی سنت پر عمل کیا ۔ اسی لیے ابراہیم علیہ السلام ارضِ مقدسہ کو اور ہمارے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کو ہجرت کر گئے ۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ سالک پر لازم ہے کہ وہ ارض جاہ یعنی مخلوق کو اپنے تابع دیکھنے کو ترک کر کے ارضِ خمول کو چلا جائے ۔

حکایت حضرت ابو سعید خراز سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ میں ایک شہر میں رہتا تھا وہاں میری کافی شہرت ہوگئی اور لوگ میری تعظیم وتکریم میں ایسے حد سے بڑھ گئے کہ میرے ہاتھ سے اگر خربوزے کا چھلکا بھی گرتا تو تبرک سمجھ کر ایک ہزار دینار میں خرید کر کے غنیمت سمجھنے لگے ۔ بلکہ عقیدت مند اس سے مزید اضافہ کر کے حاصل کرنے کی کوشش کرتے میں نے خیال کیا کہ میرا یہاں رہنا مناسب نہیں اس لیے یہاں سے ہجرت کر کے ایسی جگہ جانا چاہیے جہاں لوگ مجھے زندیق سمجھیں اور مجھے مجرم سمجھ کر مجھ پر پتھر برسائیں ۔ اسی لیے ایسے مقام پر پہنچ کر میں نے مدتوں تک خوشی سے مصائب ومشکلات سر پر اٹھائے ۔

حکایت ۲ حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : میں نے دنیا میں صرف تین خوشیاں منائیں باذن اللہ تعالیٰ جب نفس کی سرکوبی کر کے غالب ہوا ۔

(۱) ایک دفعہ میں جب انطاکیہ میں پہنچا تو سر وپا برہنہ تھا ۔ مجھے لوگ طعنہ دیتے تھے کہ یہ کسی کا بھگوڑا غلام ہے ۔ مجھے ان کی یہ بات بہت بھلی لگی اور میں نے اپنے نفس سے کہا : بتائیے کیا حال ہے ؟ اگر تو بھگوڑا ہے اور اپنے مالک سے جھگڑا کیا ہے تو اس سے صلح صفائی کر لے اسی میں تیری بہتری ہے ۔

(۲) ایک دفعہ میں کشتی میں بیٹھا تھا ، اس میں ایک مسخرہ تھا وہ لوگوں کو خوش کر رہا تھا ، کشتی میں مجھے حقیر ترین سمجھ کر اپنی ہنسی مذاق کا مجھے نشانہ بنایا ۔ اسی لیے میں جب بھی اٹھتا تو وہ میرے گلے میں پھندنا ڈال دیتا ۔

(۳) شہر عطیہ کی ایک مسجد میں گریبان میں سر ڈال کر بیٹھا تھا اور اپنے نفس کی ذلت وخواری کا سوچ رہا تھا کہ کوئی بے غیرت انسان آیا ، آتے ہی اس نے مجھ پر پیشاب کر دیا اور کہا لیجئے گلاب کا پانی پیجئے ۔ میرا نفس اپنی اس تحقیر سے بہت خوش ہوا اور اللہ تعالیٰ سے بے شمار تحائفِ سعادت نصیب ہوئے ۔

ف : پیر طریقت فرماتے ہیں کہ بہت سے سیر الی اللہ اور نعمت اللہ میں داخل انسان دھوکا کھا جاتے ہیں ، جب ان کی خلقِ خدا تعریف کرتی ہے ۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ نفس کو موت کے گھاٹ اتار دے فنا صوری سے پہلے ہی فناء معنوی کا درد کھائے اس لیے کہ دنیا دار الفنا ہے اور ہر شخص نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے ہر ایک کو اس راہ پر لازماً چلنا ہے اور اس پل سے ضرور گزرنا ہے اور اس کے گھونٹ پینے ہیں ۔ حضور سید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اپنی امت کو وصیت فرماتے کہ لذات کو مٹانے والی موت کو بہت زیادہ یاد کرو ، اسے ہرگز

نہ بھلاؤ اور نہ اس سے غفلت برتو۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا: حضرت! آپ نے یہ کیا کیا کہ شاہی تخت کو ٹھکرا کر اور لباس شاہی اتار کر تنگدستی اختیار کی اور گدڑی پہن لی اور پھر دنیا کے دکھ اور درد سر پر اٹھالئے۔ آپ نے جواب میں فرمایا: ایک دن میں تختِ شاہی پر بیٹھا تھا کہ اچانک شیشہ میرے سامنے رکھ دیا گیا۔ شیشہ میں میں نے دیکھ کر سوچا کہ میری صورت اور میرا تمام جسم خاک میں مل جائے گا وہاں کے لیے ساتھی اور مونس کوئی نہیں۔ سفر بھی دراز ہے میرے پاس زادِ راہ بھی نہیں۔ سامنے قید خانہ ہے اس کی سزا کی مجھے طاقت بھی نہیں۔ وہاں کے فیصلہ کنندہ کو عادل پایا اس کے سامنے مجھے جواب دینے کا سلیقہ بھی نہیں۔

سبق: انسان کی آرزو اور تمنا کی کوئی حد نہیں اسے اگر بستر کی طرح بچھایا جائے تو قاف سے قاف کو پھیل جائے گی۔ تمہیں تو صاحبِ قاب قوسین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی یاد رکھنا چاہیے۔ فرمایا:

میں نے زمین سے کوئی قدم نہیں اٹھایا لیکن پھر یقین نہ تھا کہ ممکن ہے موت سے پہلے اسے زمین پر نہ رکھ سکوں اور کوئی لقمہ منہ میں نہیں ڈالا لیکن پھر یقین نہ تھا ممکن ہے موت سے پہلے نگل نہ سکوں۔

سبق: غور کیجئے وہ سید اولین و آخرین اور مقتدائے اہلِ سماوات و ارضین صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ فرمائیں اور ہم مغرور ہو کر زمین پر دھوکا میں رہیں کہ لمبی آرزوئیں پیشِ نظر رکھیں اور ہزار سالہ امور کی سرانجامی کا سوچیں اور سمجھیں۔ بس یہی ہمارا مطمحِ نظر ہے حالانکہ ظاہر ہے کہ دنیا غدار اور سرائے فریب و غرور ہے۔ اس میں راحت و سرور مفقود۔ یہاں سے بالآخر جانا ہے۔ کسی کو اس میں قرار و اطمینان نہیں ؎

۱ تا کے از دار الغرور ساختن دار السرور
تا کے از دار الفرار ساختن دار القرار

۲ اے خداوندان مال الاعتبار الاعتبار
وے خداوندان قال الاعتذار الاعتذار

۳ پیش ازاں کیں جان عذر آرد فرو ماند ز نطق
پیش از کیں چشم عبرت بین فرو ماند ز کار

ترجمہ: (۱) دار الغرور کو کب تک دار السرور بناتے رہو گے۔ کب تک دار الفرار کو دار القرار بناتے پھرو گے!

(۲) اے مال والو عبرت حاصل کرو، اے بات بنانے والو عذر کرو۔

(۳) اس وقت سے پہلے جب بول نہ سکو گے۔ جب تمہارا معاملہ ختم ہو جائے گا اس وقت سے پہلے ہی توبہ کرو۔ (کذا فی کشف الاسرار)

وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا کاین تکثیر کے لیے ہے کم خبریہ کے معنی میں واقع ہوا ہے۔ یہ

کاف تشبیہ اور ای سے مرکب ہے لیکن اسے افرادی معنی سے مجرد کیا گیا ہے کل مجموعہ ملا کر گویا اسم مبنی علی السکون ہے اس کے آخر میں مَن کی طرح نون ساکن ہے اس کی تنوین ممکن نہیں اسی لیے یاؔ کے بعد نون صاف لکھا گیا ہے حالانکہ صورتِ خطی تنوین کی کوئی اپنی شکل وصورت نہیں ہے اور یہ مبتدا اور اس کی خبر اللّٰہ یرزقہا الخ ہے اور لا تحمل دابۃ کی صفت ہے۔

حلِ لغات الدابۃ ہر وہ جانور جو زمین پر چلے یا متحرک ہو ذوی العقل ہو یا نہ۔ الحمل بمعنے سر اور پیٹھ پر کوئی شے اٹھانا بالکسر اس بوجھ کا نام ہے جو سر یا پیٹھ پر رکھا جائے۔ الرزق وہ شے جس سے نفع اٹھایا جائے اور اصطلاح میں ہر وہ شے جسے اللّٰہ تعالیٰ جاندار شے کے لیے بھیجے تاکہ اسے وہ کھائے۔

شانِ نزول مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے جب مکہ معظمہ کے اہلِ ایمان کو ہجرت کا فرمایا تو انہوں نے جواب دیا ہم ایسے شہر میں کیسے ہجرت کریں جہاں ہماری معاش تنگ ہے۔ ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ بہت سے جانور غذا کے حاجتمند اور ضعف کی وجہ سے اپنے رزق کو اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے یا اسے ذخیرہ کے طور نہیں رکھتے اور صبح کے وقت اُٹھتے ہیں تو رزق سے خالی ہاتھ ہوتے ہیں۔

اعجوبے تین جانور ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں :

(۱) انسان (۲) چیونٹی (۳) چوہا

یہ بھی لکھا ہے کہ سیاہ چوہا ذخیرہ کرکے پھر اسے بھول جاتا ہے۔

کشاف میں لکھا ہے کہ ہم نے بلبل کو دیکھا کہ وہ اپنی غذا بالوں میں چھپائے ہوئے تھی۔

خلاصہ یہ کہ بہت سے جانور، طیور، وحوش، سباع، ہوام اسی طرح حیوانات بحری غذا کا ذخیرہ نہیں کرتے اور نہ ہی اپنا رزق سر یا پیٹھ پر اٹھائے پھرتے ہیں۔

اَللّٰہُ یَرْزُقُہَا اور اللّٰہ تعالیٰ روزانہ انہیں رزق پہنچاتا ہے وہ جہاں بھی ہوں وَاِیَّاکُمْ اور تمہیں بھی رزق عطا فرماتا ہے جہاں بھی ہو۔ پھر باوجودیکہ دیگر حیوانات ضعیف اور کمزور وناتواں ہیں انہیں اللّٰہ تعالیٰ پر بھروسا ہے اور تم باوجودیکہ قوت وطاقت کے مالک اور کمانے کی قدرت رکھتے ہو لیکن بے صبر ہو حالانکہ اللّٰہ تعالیٰ نے انہیں اور تمہیں رزق دینا ہے۔ ہاں رزق اسباب سے متعلق ہے اور مسبب (سبب کا مالک) وہی خود ہے۔ پھر ہجرت اور دارِ غربت کی طرف ہجرت سے خطرہ کیوں ؎

ہست زفیض کرم ذوالجلال

مشرب ارزاق پر آب زلال

شاہ وگدا روزی ازاں میخوا اند

مور و ملخ قسمت از و می برند

ترجمہ : ذوالجلال کے فیض وکرم سے رزق کا گھاٹ ایک صاف وستھرے ماحول ست سے ۔ شاہ و گدا اس سے رزق پاتے ہیں ۔ چیونٹی اور مکڑی اسی سے اپنا حصہ لیتے ہیں۔

وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ○ وہی خوب سننے والا ہے اس لیے تمہیں رزق کے معاملے میں جو توہمات پیش ہیں وہ انہیں بھی سنتا ہے اور وہ خوب جانتا ہے اسی لیے جو مخفی باتیں تمہارے قلوب میں ہیں انہیں بھی جانتا ہے۔ کاشفی نے لکھا کہ وہ جانتا ہے کہ تمہاری روزی کہاں سے آئے گی وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ اگر آپ اہل مکہ سے پوچھیں مَنْ استفہامیہ ہے خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کس نے آسمان زمین کو پیدا کیا اور کس نے سورج اور چاند کو مسخر کیا کہ بندوں کی مصلحتوں کے مطابق ہمیشہ اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔

حل لغات التسخیر بمعنے کسی شے کو دوسرے کے تابع فرمان بنانا اور مجبور کر کے اسے خاص غرض کے لیے کام میں لگانا۔

لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ تو کافر کہیں گے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے اس امر پر انکار کی گنجائش ہی نہیں اس لیے کہ جملہ عقول کے ہاں ثابت ہو چکا ہے کہ جملہ کائنات کی انتہا صرف ایک ذات پر ہونا واجب ہے اور وہ ذات وہی واجب الوجود یعنی اللہ تعالیٰ ہے فَاَنّٰى پس کہاں يُؤْفَكُونَ○ یہ الافك (بالفتح) سے ہے بمعنے الصرف و القلب یعنی پھرنا اور بالکسر بمعنے ہر وہ شے جو حق سے پھری ہوئی ہو۔ اب معنی یہ ہوا کہ کہاں پھر جائیں گے جبکہ اقرار نہیں کریں گے کہ واقعی الوہیت کا حق صرف اللہ ہے۔ کیونکہ انہیں اقرار ہے کہ خلق و تسخیر کا مالک وہی ہے۔ اگر انکار کر رہے ہیں تو پھر وہ اپنے علم کے موجب سے ہٹ رہے ہیں اور یہ ناموزوں بات ہے۔ اس میں انہیں زجر و توبیخ کی گئی ہے اور ان کے انکار سے اہل ایمان کو ان پر تعجب دلایا گیا ہے اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ اللہ تعالیٰ رزق کشادہ فرماتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے مِنْ عِبَادِهٖ اپنے بندوں میں سے مومن ہوں یا کافر ؎

ادیم زمین سفرۂ عام اوست
برین خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

ترجمہ : زمین پر اس کا خوانِ نعمت عام بچھا ہوا ہے اس خوانِ نعمت پر دشمن دوست برابر ہیں۔

وَيَقْدِرُ اور تنگ کرتا ہے لَهٗ جس کے لیے رزق تنگ کرنا چاہتا ہے جو بھی ہو مومن ہو یا کافر۔ یہ اس لیے کہ لہ کی ضمیر مبہم ہے اسی لیے مرجع بھی مبہم ہوگا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے ایک ہی فرد مراد ہو کہ اسے پہلے رزق میں وسعت دی جائے پھر تنگدست بنایا جائے یا اس کے برعکس۔

ف : حضرت حسن رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو رزق میں وسعت دیتا ہے تاکہ وہ دھوکا کھائیں اور قیامت میں سزا پائیں اور اپنے دوستوں کو رزق کی تنگی میں مبتلا فرماتا ہے۔ یہ اس کی شفقت و رحمت ہے

مبارکباد کا مستحق ہے وہ خوش بخت انسان جس پر اللہ تعالیٰ کی نظرِ عنایت ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ۝ بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے کو خوب جانتا ہے اسے معلوم ہے کہ رزق کی کشادگی کا مستحق کون ہے تو پھر اس کے لیے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے جانتا ہے کہ یہ تنگ روزی کا حقدار ہے تو پھر اس کی روزی تنگ کر دیتا ہے اور یہ بھی اسے معلوم ہے کہ یہ وقت فلاں بندے کے لیے رزق فراخ کرنے کا اور فلاں کے لیے رزق تنگ کرنے کا ہے۔ اس میں حکمت و مصلحت ہے اور وہ ہر کام ہزاروں حکمتوں اور مصلحتوں کے تحت جب چاہتا ہے کرتا ہے۔

حدیثِ قدسی میرے بہت سے بندے ہیں جنہیں میں غنی رکھتا ہوں اگر انہیں تھوڑی دیر کے لیے تنگدست کروں تو ان کا ایمان خراب ہونے لگتا ہے اور میرے بہت سے بندے فقر و فاقہ کے لائق ہوتے ہیں اور اسی سے ہی ان کا ایمان کامل رہتا ہے اگر میں انہیں دولت مند بنا دوں تو ان کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ اگر آپ مشرکینِ عرب سے سوال کریں کہ مَّنۡ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً آسمان سے پانی کس نے اتارا فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ اس سے آباد کیا زمین کو انگوریوں اور کھیتوں اور درختوں سے مِنۡۢ بَعۡدِ مَوۡتِهَا بعد اس کی ویرانی یعنی خشکی اور قحط سے۔ قاعدہ ہے کہ جو زمین انگوری نہ دے اسے میتۃ (مردار) سے تعبیر کیا جاتا ہے اس لیے کہ جب مردار سے کسی قسم کا نفع نہیں اٹھایا جاتا ایسے ہی اس سے۔ لَيَقُوۡلُنَّ تو ضرور کہیں گے اللّٰهُ اللہ تعالیٰ نے پانی اتارا اور اسی نے ہی ویران زمین کو آباد کیا یعنی مشرکین اقراری تھے کہ جملہ کائنات اصول ہوں یا فروع، کا موجد (خالق) صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کے باوجود اس کے ساتھ اس کی مخلوق کے ایسے بعض افراد کو اس کا شریک بناتے جن میں ذرہ بھر بھی قدرت و طاقت، وہم و گمان تک نہ تھا قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! جملہ محامد اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اس لیے کہ حق ہمارے ہاں ہے کہ جس کے انکار پر اہلِ باطل کو انکار کی گنجایش نہیں۔ اس میں کفار و مشرکین کو اظہارِ حجت کا حکم دیا گیا ہے بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ بلکہ کفار و مشرکین کے اکثر لَا يَعۡقِلُوۡنَ ۝ کسی شے کو بھی نہیں سمجھتے کیونکہ وہ اپنے اقرار کے مقتضیٰ کو نہیں جانتے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی خسیس اور رذیل اشیاء کو شریک ٹھہرا رہے ہیں جن کی خباست ظاہر ہے یعنی بتوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرا کر اپنی بے عقلی اور بے وقوفی کا ثبوت دے رہے ہیں۔

نکتہ (صاحبِ روح البیان نے فرمایا) اللہ تعالیٰ نے رزق کی آیت کے بعد توحید کی آیت بیان فرمائی اور پھر دو سورتوں میں بار بار ذکر فرما کر اشارہ کیا کہ رزق کفر و شرک اور معاصی و جرائم کی وجہ سے بند نہ ہوگا، اس سے اہلِ ایمان و طاعات سوچیں کہ جب وہ اپنے باغیوں کا رزق بند نہیں کرتا تو پھر اپنے دوستوں کے رزق سے کیسے بے خبر رہ سکتا ہے ۝

اے کریمی کہ از خزانۂ غیب
گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

ترجمہ :۔ اے کریم! تیرے خزانۂ غیب سے کافر، بت پرست سبھی کھا رہے ہیں تو تُو دوستوں کو کس طرح محروم کر سکتا ہے جبکہ تیری نظرِ کرم دشمنوں پر بھی ہے۔

مسئلہ : اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے صرف اور صرف توحید اور تقویٰ و توکّل چاہتا ہے اور رزق کا معاملہ اس نے اپنے ذمۂ کرم لگایا ہے اور تمام مخلوق کی تقدیر کا ذرہ تخلیق کائنات سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دی تھی اور اس نے جو کچھ رزق اور پیدائش اور اجل کے بارہ میں لکھا اس میں کسی طرح بھی تغیر واقع نہ ہوگا خواہ اس کے خلاف جملہ کائنات جدوجہد کرے۔ ذرا غور تو کرو کہ یہ پرندے، درندے اور وحشی جانور صبح کو خالی پیٹ اُٹھتے ہیں لیکن شام تک پیٹ بھر کر اپنے گھونسلوں اور رہائش گاہوں کو لوٹتے ہیں۔ اس لیے کہ انہیں اللہ تعالیٰ پر پورا بھروسا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے قلوب میں نورِ معرفت ہے کہ رزق کا خطرہ کاہے کا جبکہ ان کا خالق موجود ہے۔

سبق : انسان کو حیوانات سے سبق سیکھنا چاہیے کہ یہ رزق پیچھے مارا مارا پھر رہا ہے اور حرام و حلال کی تمیز کئے بغیر ذخیرہ اندوزی میں لگا ہوا ہے اسے نہ رزق کی حقیقت کی طرف دھیان ہے نہ ہی اپنی اجل کو سمجھتا ہے، کیونکہ بہت سے انسانوں کا ذخیرہ جمع کیا ہوا دھرا رہتا ہے اور وہ عالمِ برزخ کو سدھار جاتا ہے۔ پھر اس کا جمع کیا ہوا غیر کھا جاتے ہیں۔ بلکہ ایسے لوگ بھی اس کے ذخیرہ کے مالک بنتے ہیں جنہیں وہ ایک آنکھ دیکھنا گوارا نہ کرتا تھا۔

حدیث شریف ۱ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
کل کے لیے ذخیرہ مت کرو کیونکہ جیسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر لمحہ ہر سانس جدید نصیب ہوتا ہے ایسے ہی رزق بھی روزانہ وہاں سے آتا ہے۔ جیسے بندہ رزق کی تلاش میں پھرتا ہے ایسے ہی اجل اس کی تلاش میں رہتی ہے۔

حدیث شریف ۲ خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
اے لوگو! رزق ازل سے تقسیم ہو کر مل رہا ہے تمہارے مقسوم میں کمی نہ ہوگی، نہ زیادتی۔ نہ ہی ایک کا رزق دوسرے کے پاس جائے گا۔ البتہ تلاش تمہارے ذمہ لگائی گئی ہے۔ لیکن اسے طاعتِ الٰہی کے تحت تلاش کرو۔ نافرمانی میں تلاش کی گئی (یعنی حرام طریقے سے روزی حاصل کی گئی) تو اس کی سزا ملے گی۔ قناعت میں فراخی ہے۔ اپنے رزق کے حصول اور خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرو۔ اسے کفایت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وہ زہد میں ہے اور زہد میں راحت ہے

اس لیے اس میں حساب کی خفت ہے اور قیامت میں ہر عمل کا حساب ہوگا اور وہ وقت عنقریب آئے گا۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

در خرابہ مکش بہر گنج غصہ و رنج
چو نقد وقت تو شد فقر خاک بر سر گنج
بقصر عشرت و ایوان عیش شاہان بین
کہ زاغ نغمہ سرا گشت و جغد قافیہ سنج

ترجمہ: دنیا میں خزانوں کی خاطر دکھ درد مت اٹھا جب تیرا قیمتی وقت ضائع ہوگیا تو خزانہ تیرے کیا کام آئے گا۔ تم شاہوں کے محلات کو دیکھ لو کہ اب ان پر کوا کائیں کائیں کر رہا ہے اور اُلّو بول رہا ہے۔

حکایت ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں اور میرا ساتھی پہاڑ کے ایک گوشے میں عرصہ تک عبادت میں مشغول رہے۔ میرا ساتھی مجھ سے کچھ فاصلے پر تھا ایک دن آیا اور کہا کہ ہمارے پڑوس میں بدوی آئے ہیں آئیے ان سے ملیں، ممکن ہے ان سے کچھ کھانے پینے کے لیے مل جائے۔ میں نے ہر چند انکار کیا مگر اس نے بعد الحاح وزاری مجھے رضامند کر لیا۔ ہم ان کے ہاں پہنچے تو انہوں نے ہمیں کھلایا پلایا۔ جب ہم لوٹے تو ہم دونوں اپنی اپنی عبادت گاہ میں چلے گئے۔ میں نے حسبِ معمول دوسرے روز ہرنی کا انتظار کیا، جو روزانہ میرے لیے غیب سے کھانا لاتی تھی، وہ نہ آئی۔ میں اور چند روز تک اس کا انتظار کرتا رہا، اس نے نہ آنا تھا، نہ آئی۔ میں نے سمجھا کہ یہ نحوست اسی کی ہے جبکہ ہم نے توکل کے خلاف کر کے بدویوں سے کھانا طلب کیا تھا۔

سبق: اس غلطی سے تین نصیحتیں حاصل ہوئیں:

(۱) توکل کو توڑنے کی نحوست

(۲) طمع ولالچ سے قناعت کو چھوڑا جس کی برکت سے غیب سے رزق ملتا تھا۔

(۳) حرام رزق کی نحوست سے حلال طیب رزق کی بندش جو منجملہ کرامات کے تھی جو اس بندۂ خدا کو نصیب ہوئی تھی۔ (ذکرہ الیافعی فی الریاض)

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ۭ وَاِنَّ

اور یہ دنیا کی زندگی تو نہیں مگر کھیل کود اور بیشک

الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِىَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾ فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ

آخرت کا گھر ضرور وہی سچی زندگی ہے کیا اچھا تھا اگر جانتے پھر جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں

دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڬ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾

اللہ کو پکارتے ہیں ایک اسی پر عقیدہ لاکر پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف بچا لاتا ہے جبھی شرک کرنے لگتے ہیں

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا

کہ ناشکری کریں ہماری دی ہوئی نعمت کی اور برتیں تو اب جانا چاہتے ہیں اور کیا انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ ہم نے

حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ

حرمت والی زمین پناہ بنائی اور ان کے آس پاس والے لوگ اچک لیے جاتے ہیں تو کیا باطل پر یقین لاتے ہیں اور اللہ

اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ

کی دی ہوئی نعمت سے ناشکری کرتے ہیں اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا

كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ۭ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾

حق کو جھٹلائے جب وہ اس کے پاس آئے کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانا

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ

نہیں اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھا دیں گے اور بے شک

لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾

اللہ نیکوں کے ساتھ ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اس میں دنیا کی تحقیر کی طرف اشارہ ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مچھر کے پر کے برابر بھی اس کی قدر و قیمت نہیں۔

ف : امام راغب نے فرمایا کہ حیاۃ دنیا و آخرت کی وجہ سے دو قسم ہے۔

(۱) حیاتِ دُنیا

(۲) حیاتِ آخرت

حیاتِ دنیا سے مراد یہ ہے کہ اوّل ہے بوجہ اس کے بالمقابل دوسری حیات یعنی حیاتِ آخرت۔ اسی لیے دُنیوی زندگی کو ادنیٰ اور اُخروی زندگی کو آخر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پہلی زندگی سے موت سے پہلے کے اوقات مراد ہیں اور چونکہ یہی اوقات انسان کو قریب ہیں اسی لیے اسے دنیا سے تعبیر کیا گیا اور دوسری زندگی سے مرنے کے بعد کے

اوقات مراد ہیں اور وہ آخر اس لیے ہے کہ وہ دنیوی زندگی سے متاخر ہے۔ یعنی نہیں دُنیوی زندگی اِلَّا لَھْوٌ مگر کھیل۔ اور لہو ہر اس شئے کو کہا جاتا ہے جو انسان کو مقصود و مطلوب سے باز رکھے اور ملاہی لہو کے آلات کا نام ہے وَّ لَعِبٌ یہ لعب فلان سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اپنے فعل سے کسی مقصد صحیح کو سامنے نہ رکھے۔

ف : کاشفی نے ترجمہ لکھا کہ مگر مشغولی و بیکاری و لعب و بازی یعنی دنیا سرعۃ انقضا و زوال میں بچوں کے کھیل کے مشابہ ہے کہ وہ ایک جگہ اکٹھے ہو کر کھیلتے ہیں تو خوش و خرم، لیکن تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے منتشر ہو کر محزون و مغموم ہوتے ایسے ہی دنیا کا حال ہے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا : ؎

بازیچۂ طفل قریب ایں متاعِ دہر
بے عقل مرد ماں کہ بدیں مبتلا می شوند

ترجمہ : عالم دنیا کا تمام سامان بچوں کے کھیل کی طرح ہے لیکن بے عقل ہیں وہ لوگ جو اس میں مبتلا ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ حیاتِ دنیا جس میں انسان عیش اڑاتا ہے وہ بہ مقابلہ حیاتِ آخرت کے کہ جس میں اللہ والے اللہ کے قرب و جوار میں ہوں گے، اور اسے لہو و لعب سے تعبیر کرنے کی دو وجہیں ہیں :

(۱) ظاہر ہے لہو و لعب کا معاملہ سریع الزوال ہے کہ اس میں مداومت نہیں ہوتی۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ دنیا اور اس کی زینت و شہوات ڈھلنے والے سائے کی طرح ہے کہ اس میں بقا نہیں۔ اسی لیے اس میں دل لگانا مناسب نہیں بلکہ اسے جھانک کر بھی نہ دیکھا جائے۔

(۲) لہو و لعب بچوں اور پاگلوں کا کام ہے عقلاً اور سمجھدار لوگ اس سے متنفر ہوتے ہیں اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"نہ میں لہو و لعب سے ہوں اور نہ لہو و لعب مجھ سے ہے۔"

ف : حدیث شریف میں لفظ "الدد" واقع ہوا ہے بمعنے لہو و لعب۔ سمجھدار انسان لہو و لعب یعنی دنیا سے دامن بچانے کی کوشش کرتا ہے۔

سوال : کشف الاسرار میں ہے کہ دنیا کو اللہ تعالیٰ نے لہو و لعب کیوں فرمایا حالانکہ اسے کسی حکمت و مصلحت کے تحت پیدا فرمایا ہے اور اس کی حکمت میں لہو و لعب کیسا؟

جواب : اسے اغلب و اعم کی بنا پر لہو و لعب فرمایا کہ اس میں عموماً اور غالباً لہو و لعب ہوتا ہے۔ اسی لیے حدیث شریف میں ہے کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ دُنیا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، جو شے تجھے اللہ تعالیٰ سے غافل کرے وہی دُنیا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱	چیست دنیا از خدا غافل شدن	نے قماش نقرہ فرزند و زن
۲	مال را گر بہر دیں باشی حمول	نعم مال صالح خواندش رسول
۳	آب در کشتی ہلاکِ کشتی است	آب اندر زیر کشتی پشتی است
۴	چونکہ مال ملک را از دل براند	زاں سلیمان خویش جز مسکین نخواند
۵	کوزۂ سربستہ اندر آب رفت	از دل پر باد فوق آب رفت

ترجمہ :(۱) دنیا کیا ہے خدا سے غافل ہونا، نہ کھیل تماشا نہ اولاد اور عورت ۔

(۲) اگر مال دین کے لیے اٹھایا ہوا ہے یہ اچھا مال ہے ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

(۳) پانی کا کشتی میں ہونا تباہی ہے ۔ پانی کشتی کے نیچے ہو تو اس کی پشت پناہی ہے ۔

(۴) چونکہ سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے مال کو دل سے صاف کر دیا تھا اسی لیے وہ خود کو مسکین کہلواتے تھے ۔

(۵) کوزہ سربستہ پانی میں ڈال دیا جائے تو وہ چونکہ اندر سے صاف ہے اسی لیے پانی کے اوپر آجائے گا ۔

تفسیر عالمانہ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ اور بے شک دارِ آخرت یعنی بہشت حیاتِ حقیقیہ کا گھر ہے کیونکہ وہاں نہ موت ہے نہ فنا ہے یا اس میں مبالغہ ہے وہ یہ کہ جسے حیات کہا جا سکتا ہے وہ صرف آخرت ہے ۔

حلِ لغات الحیوان ، حیی کا مصدر ہے ۔ جس شے میں حیات ہو اسے بھی الحیوان سے تعبیر کرتے ہیں یہ دراصل حییان تھا ۔ دوسری یاء کو واؤ سے تبدیل کیا گیا تاکہ صرفی قاعدہ سے ایک یاء الف سے تبدیل ہو کر التقائے ساکنین کی وجہ سے گر نہ جائے ۔ اور الحیٰوۃ سے یہ بلیغ تر ہے اس لیے کہ صیغہ فعلان میں مبالغہ ہوتا ہے اور اس کی حرکت اضطراب و تحرک پر دلالت کرتی ہے جو حیوان کا خاصہ ہے اسی مبالغہ کے پیش نظر حیاۃ پر حیوان کو لایا گیا ہے ۔

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ○ اگر انہیں علم ہوتا تو وہ دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دیتے کیونکہ دنیا تو عدمِ محض ہے اور اس کے اندر جتنے امور ہیں سب عارضی اور فانی اور سریع الزوال ہیں ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ دارِ دنیا دراصل موت ہی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے کافر کو مُردہ کہا ہے اگرچہ وہ دنیا میں زندہ ہے ۔ کما قال :

لا تسمع الموتیٰ ۔

اور فرمایا : لتنذر من کان حیاء ۔

اس سے ثابت ہوا کہ دنیا میں جو بھی ہے وہ مُردہ ہے ۔ مگر جسے اللہ تعالیٰ نورِ ایمان سے زندہ فرمائے تو وہ زندہ ہے اور آخرۃ سے عالمِ ارواح اور ملکوت مراد ہے اس لیے کہ اس کا ہر حصہ حیاۃ ہے اور اسے حیوان سے اسی لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہ زندہ ہوتا ہے اور زندہ کے ہر حصہ میں حیوٰۃ ہوتی ہے اور آخرۃ بھی

اسی لیے حیوان ہے کہ اس کا ہر جُز زندہ وحی ہے۔

حدیث شریف بے شک بہشت اور اس کے اشجار و اثمار اور محلات اور دیواریں اور نہریں یہاں تک کہ اس کی مٹی اور پتھر باں سب کی سب حیوٰۃ ہی حیوٰۃ ہیں۔

اس معنی پر حیوٰۃ حقیقی کو نہ تو تکالیف لاحق ہوتی ہیں اور نہ مصائب اور نہ امراض نہ علل بلکہ وہاں نہ موت ہے نہ فوت، اور اہلِ جنات و قربات کی حیوٰۃ یہی ہے اگر وہ اس کی قدر و قیمت اور اس کی غایتہ کمالیۃ اور حقیقی عزت سے باخبر ہوتے تو اس کے حاصل کرنے میں بہت زیادہ حریص ہوتے اور جسے ایسی حیاۃ حاصل نہ ہوئی وہ اسے آخرت میں حاصل نہیں کر سکے گا۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اہلِ نار کی صفت یہ ہے کہ وہ اس میں نہ مریں گے نہ جئیں گے یعنی انہیں حیوٰۃ حقیقی نصیب نہ ہوگی جس سے راحت و قرار حاصل کر سکیں اور پھر وہ موت کی آرزو کریں گے لیکن وہاں موت کہاں!

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ اے غافل! کب تک حصولِ مراد کے تصور میں رہو گے اور کب تک خام آرزو میں رہو گے کبھی تو تم شیریں جاتے ہو کہ جو چیز سامنے آئی توڑ دی اور کبھی بھیڑیا کہ جو چیز سامنے آئی پھاڑ دی۔ کبھی کبک کہ پہاڑوں میں اڑتا پھرتا ہے کبھی ہرن کہ کھیتوں میں دوڑتا ہے۔ تم نے کبھی سوچا نہیں کہ یہ دُنیا کیا ہے کہ جس پر تم نازاں ہو۔ یہی تمہیں فریب دے رہی ہے اور اپنے دامِ تزویر میں تمہیں پھنسانا چاہتی ہے۔ یہ سراسر لہو و لعب اور بے سر و سامان لوگوں کی سرائے ہے اور کنگالوں کا سرمایہ اور بیکاروں کا کھیل، فتنہ انگیزوں کی محبوبہ اور تنگدستوں کی معشوقہ ہے۔ بے وفا دوست ظالم دایہ دشمن ضرر رساں ہے۔ صبح کسی کی ہوتی ہے تو شام کو کسی اور کی۔ کسی کے ساتھ ایک دن خوشی سے پیش آتی ہے تو دُوسرے روز اسے ذلیل و خوار کر کے مارتی ہے ؎

احلام نوم او کظل زائل

ان اللبیب بمثلها لا یخدع

ترجمہ: دنیا محض خواب خیال یا ڈھلنے والے سائے کی طرح ہے۔ سمجھدار ایسی شے سے دھوکا نہیں کھاتا۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ صوفی در باغ از بہرے کشاد	صوفیانہ روئے بر زانو نہاد
۲ پس فرو رفت او بخود اندر نغول	شد ملول از صورت خوابش فضول
۳ کہ چہ خسپے آخر اندر از نگر	ایں درختاں بین و آثار خضر
۴ امر حق بشنو کہ گفتست انظروا	سوئے ایں آثارِ رحمت آرزو
۵ گفت آثارش دلست اے بوالہوس	آں بروں آثار آثار است و بس

ترجمہ: (۱) ایک صوفی باغ میں قلب کی کشادگی کے لیے صوفیانہ طور گھٹنوں پر سر رکھ کر بیٹھ گیا۔

(۲) بیٹھتے ہی سوگیا بیدار ہوا تو اپنے خواب فضول پر غمگین ہوا (اور خود سے کہا کہ)

(۳) تو اس باغ میں کیوں سوگیا تو ان درختوں اور سبز پتوں کے نشانات دیکھ

(۴) امر حق سن کر اس نے فرمایا انظروا (دیکھو) ان آثار کو اور رحمت کی جانب منہ کر۔

(۵) پھر کہا کہ آثار تو دل ہے اے ابوالہوس! باہر والے تو صرف نام کے آثار ہیں اور بس۔

ف: اس زندگی (دنیا) کو وہ لہو و لعب سے گذارتا ہے جسے حیات طیبہ اور حقیقی زندگی کا علم نہیں اللہ تعالیٰ کے بعض بندے ایسے بھی ہیں جن کا ہر لمحہ اس کے ذکر میں بسر ہوتا ہے جس کا صلہ قیامت میں یہ نصیب ہوگا کہ ان کا ہر لمحہ مشاہدہ و معاینہ میں بسر ہوگا کیونکہ ذکر و فکر کی زندگی کا صلہ انس اور شہود و فا کا ثمرہ فنا یہی حضرات ہیں کہ وہ تھوڑی دیر کے لیے اللہ تعالیٰ سے محجوب نہیں ہوتے اور جو محجوب ہوں گے انہیں دائمی زندگی نصیب نہ ہوگی ؎

غم کے خورد آنکہ شادمانیش توئی

یا کے میرد آنکہ زندگانیش توئی

ترجمہ: اے غم کیسا جس کی خوشی کا سامان تو ہے اور وہ کب مرتا ہے جس کی زندگی تیرا دیدار ہے۔

سبق عاقل وہ ہے جو اپنی پیاری زندگی خواہشات نفسانی اور اشغال دنیا میں ضائع نہیں کرتا بلکہ وہ باقی رہنے والے اجر و صلہ کے حصول کے لیے جد و جہد کرتا ہے۔

ف: حضرت فضیل رحمہ اللہ نے فرمایا: دنیا اگرچہ سراسر سونا ہو تب بھی اسے فنا ہے اور آخرت اگرچہ ٹھیکری کی مانند ہے تب بھی بہتر ہے کہ اسے بقا ہے بنا بریں ہم پر لازم ہے کہ ہم اسے اختیار کریں جسے بقا ہے اگرچہ ٹھیکری کی مانند سہی۔

ف: مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: مومن کے عملنامہ کی ایک تسبیح ابن داؤد یعنی سلیمان (علیہ السلام) کی شاہی سے بہتر ہے اس لیے کہ شاہی کو فنا ہے اور مومن کی تسبیح کو بقاء۔

ف: موت کے بعد انسان کے ساتھ صرف تین صفتیں باقی رہتی ہیں:

(۱) صفاء القلب یعنی دنیوی کدورت سے قلب کا خالی ہونا۔

(۲) ذکر الٰہی کے ساتھ انس

(۳) محبت حق تعالیٰ، وہ اس لیے کہ قلب کی صفائی یعنی قلب کا دنیا کی گرد و غبار سے پاک و صاف ہونا صرف معرفت الٰہی سے نصیب ہوتا ہے اور معرفت الٰہی کو بقا ہے اور معرفت الٰہی ذکر حق تعالیٰ کے بغیر نصیب نہیں ہوتی۔ اس لیے لازم ہے کہ انسان ہر وقت ذکر و فکر میں مشغول رہے اور افضل الذکر توحید الٰہی ہے۔

تفسیر عالمانہ فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ یہ کفار کے شرح حال پر دلالت کرنے والے مضمون کے متصل ہے۔

حلِ لغات الرکوب بمعنے متحرک شے کے اُوپر ہونا اور یہ فعل متعدی بنفسہٖ ہے مثلاً والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا لیکن یہاں پر اسی طرح کئی دوسرے مقامات پر لفظ فی سے متعدی ہیں اس طرف اشارہ ہے کہ مرکوب ایک ایسی شے ہے جو مکانیت سے تعلق رکھتی ہے اور اس کی حرکت قسریہ غیرارادیہ ہے۔

اب معنی یہ ہُوا کہ وُہ کفار جن کے اوصاف مذکور ہوئے وہ اپنی تجارات و دیگر ضروریات کے لیے جب کشتیوں پر سوار ہوتے ہیں اور ہوا کے جھونکوں اور دریا کی موجوں سے جب کشتیاں چکر کاٹتی ہیں اور انہیں ڈوبنے کا خطرہ لاحق ہوتا ہے یعنی جب کفار و مشرکین کشتیوں میں بیٹھے ہوتے ہیں اور امواجِ دریا سے کشتیاں چکر میں گھرتی ہیں دَعَوُا اللّٰہَ تو وہ اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ ۚ درانحالیکہ وُہ دین میں اہلِ ایمان کی طرح خلوص ظاہر کرتے ہیں۔ اس وقت ان کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ غیراللہ کو نہیں پکارتے کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ شدائد و مصائب کو صرف وہی ٹالتا ہے۔

سوال: الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ کفار سے اخلاص کیسا، اخلاص ایمان کے بغیر کہاں؟

جواب: اس سے مراد یہ ہے کہ بوقتِ ضرورت وہ اللہ تعالیٰ کے حضور خوب گڑگڑاتے ہیں اور اس وقت عزم کر لیتے ہیں کہ اگر غرق ہونے سے بچ گئے تو پکے اور سچے مسلمان بن جائیں گے لیکن ان کی بدبختی کہ جونہی غرق ہونے سے بچ نکلتے ہیں تو پھر اسی غفلت اور اصرار علی الکفر میں لگ جاتے ہیں۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ آیت میں اخلاص سے وہ اخلاص مراد نہیں جو ایمان کے ثمرات سے ہے۔

تفسیر قرآنی از عکرمہ آیت کے مضمون کی تصدیق حضرت عکرمہ کے قول سے ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اہلِ جاہلیت جب دریائی سفر کو جاتے تو کشتی پر سوار ہوتے وقت اپنے ساتھ بُت رکھتے۔ جب ہوا زور پکڑتی اور کشتی کو خطرہ لاحق ہوتا تو بُتوں کو دریا میں پھینک کر زور زور سے پکارتے: یاخدا! یاخدا! (کذا فی الوسیط) اور کشف الاسرار میں ہے کہ وہ پکارتے: یارب! یارب!

فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ۔

حلِ لغات البرّ بحر کی نقیض ہے۔ اس سے وسعتِ مکانی مراد ہے اور البر (نیکی) بھی اسی سے مشتق ہے بمعنے فعل الخیر میں توسّع (کذا فی المفردات)

یعنی جب انہیں اللہ تعالیٰ نجات دیتا ہے اور دریا میں غرق ہونے سے سلامتی بخشتا ہے اور وہ صحیح سالم میدانوں میں آجاتے ہیں اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ۙ اس کے بعد اپنی پرانی عادت شرک کی طرف لوٹ آتے ہیں لِيَكْفُرُوْا بِمَا اٰتَيْنٰهُمْ ۚ یہ لام کے کی ہے یعنی تاکہ ہو جائیں ہماری دی ہوئی نعمت نجات کے ساتھ بوجہ شرک کفر کرنے والے حالانکہ ان پر لازم تھا کہ نجات پانے کے بعد شکرِ خداوندی میں

مشغول رہتے وَلِيَتَمَتَّعُوا تاکہ عبادتِ اصنام اور ان کی محبت کے انہماک میں مجتمع ہو کر نفع اٹھائیں، اور یہ بھی ہے کہ ان دونوں میں لام امر کی ہو۔ اس معنے پر یہ امر وعید و تہدید کا ہوگا جیسے اعملوا ما شئتم وہ امر تہدیدی ہے۔ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝ اس کا انجام اور نافرمانی کا نتیجہ جان لیں گے جب عذابِ الٰہی اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فاذا رکبوا فی الفلك میں اشارہ ہے کہ انسان اپنے قلب کو ماسوی اللہ سے فارغ کر دے اور یقین کرے نفع وضرر کا مالک صرف وہی ہے اور یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب قلب پر بلائیں نازل ہوتی ہیں اور وہ دکھ درد اور ہلاکت و تباہی کے گھاٹ اترتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو بھیجا تاکہ وہ جوہرِ انسانی کو صاف ستھرا کر کے فیضِ الٰہی کے قبول کرنے کے قابل اور ان سے کونین کے تعلقات چھڑا کر صرف خالق کی طرف رجوع رکھنے کا اہل بنائیں۔ اس لیے کہ رجوع الی اللہ کا جوہر انسانی قلب میں موجود ہے صرف طبع یعنی خواہشاتِ نفسانی کو ہٹانے کی دیر ہے۔ کما قال:

ان الی ربك الرجعیٰ۔

ف: مومن و کافر کے اخلاص میں یہی فرق ہے کہ اہلِ ایمان کے اخلاص میں تائیدِ ایزدی کو دخل ہوتا ہے۔ اسی لیے کہ نزول البلاء سے پہلے یعنی راحت و خوشی میں اس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کو خلوص سے ادا کیا اس کے اس اخلاص کو حق کی تائید نصیب ہوئی۔

چنانچہ حدیث قدسی میں ہے:

حدیث قدسی "اخلاص ایک ایسا راز ہے جو صرف میرے اور بندے تک محدود ہے اس کا علم نہ کسی ملک مقرب کو ہوتا ہے نہ نبی مرسل کو۔"

یہی وجہ ہے کہ مخلص بندے کے اخلاص میں کوئی فرق نہیں پڑتا رنج و راحت اس کے لیے برابر ہوتا ہے لیکن کافر کا اخلاص طبعی ہوتا ہے جو صرف بلا اور خوف ہلاکت کے وقت ہوتا ہے پھر ختم کیونکہ رنج و بلا کے وقت اسے طبیعت مجبور کرتی ہے کہ وہ اخلاص کرے۔ اسی لیے اس کے اخلاص کو ربانی تائید نصیب نہیں ہوتی بلکہ وہ تعلقات دنیویہ میں ہر وقت گرفتار رہتا ہے صرف اسی وقت اخلاص کا اظہار کرتا ہے جب ضرورت پڑتی ہے جیسے کشتی سواروں کا حال تھا کہ غرقابی کے خطرے سے دعوا اللہ مخلصین لہ الدین مخلص ہو کر اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے اور ان کا یہ پکارنا اضطراری تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاکت و تباہی سے نجات بخشی فلما نجٰھم الی البر پھر جب ان سے خوف اضطرار زائل ہوا تو وہ اپنی منحوس عادت کی طرف لوٹ آئے اذا ھم یشرکون لیکفروا بما اٰتینٰھم اس وقت پھر وہ شرک میں مبتلا ہو گئے اور ہماری دی ہوئی نعمت کا کفران کرنے لگے۔ یعنی وہ نعمتِ ایزدی سے کفر کر کے عذابِ الٰہی کے مستحق

ٹھہرے ولیتمتعوا چندروز نفع اٹھائیں فسوف یعلمون پھر عنقریب انہیں اپنے انجام اور دائمی عذاب میں مبتلا ہونے کا علم ہوگا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

۱ راہ راست باید نہ بالائے راست
که کافر از روئے صورت چو ماست

۲ ترا آنکہ چشم و دہاں داد و گوش
اگر عاقلی در خلافش مکوش

۳ مکن گردن از شکر منعم مپیچ
کہ روز پسیں سر بر آرے بہیچ

ترجمہ : (۱) سیدھا راستہ چاہیے نہ کہ بلندی کا، کیونکہ کافر بظاہر ہمارے جیسا ہے۔
(۲) اللہ تعالیٰ نے تجھے آنکھ، منہ اور کان بخشے ہیں اگر سمجھ دار تو اس کے خلاف عمل کی کوشش نہ کر۔
(۳) اس کے خلاف نہ کر شکر منعم سے گردن نہ ہٹا ورنہ کل بیکاری اور ذلت اٹھائے گا۔

شرح حزب البحر حضرت شیخ زروق حزب البحر کی شرح میں لکھتے ہیں کہ دریائی سفر، جیسا کہ دورِ حاضرہ کا تقاضا ہے اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں اگرچہ اس کی مشقت کی وجہ سے اختلاف ہے لیکن پانچ عوارض اگر لاحق ہوں تو ممنوع ہے :

(۱) ادائیگی فرض میں رکاوٹ یا اس میں کوتاہی یا کمی واقع ہوتی ہے۔
(۲) جہاں کشتی وغیرہ کے غرق ہونے کا خطرہ ہو، کیونکہ یہ خودکشی کے مترادف ہے۔ یہ شمس کا عقرب میں دخول سے لے کر مشتا کے آخر تک۔
(۳) جہاں قید ہوجانے یا جان و مال کی ہلاکت کا خطرہ ہو دشمن سے یا کسی اور وجہ سے۔ ہاں اگر راستہ پُرامن اور سلطنت اسلامی ہو تو کوئی حرج نہیں اس لیے کہ اسلامی سلطنت میں غیروں سے کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ ہاں جو ممالک غیر مسلمانوں کی جان کے ضامن ہوں تو وہاں بھی کوئی حرج نہیں۔
(۴) جس سفر میں غیروں کے تحت چلنا پڑے اور وہ ذلیل وخوار کرنے کے درپے ہوں یا مشاعرِ اسلام کی توہین کرتے ہوں اگرچہ ان سے جان و مال کی حفاظت کی ضمانت بھی ہو تب بھی سفر کرنا ممنوع ہے۔ آج کے دور میں مسلمانوں کی غیرت کو چیلنج ہے کہ وہ غیروں سے مشاعرِ اسلام کی توہین آنکھوں سے دیکھتے ہیں تب بھی ان کے ساتھ نہ صرف میل جول بلکہ ان سے دوستی کا دم بھرتے ہیں۔ اگرچہ بعض علماء کرام نے اسے جائز سمجھا ہے اور دلیل میں لکھا ہے کہ دار الحرب میں جب تجارتی لین دین جائز ہے تو پھر سفر کی رکاوٹ کیوں؟ اس کے جواب میں

ہم کہیں گے کہ جواز کی دلیل غلط ہے کیونکہ دار الحرب میں تجارتی لین دین مکروہ ہے۔ زیادہ سے زیادہ ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ بوجہ ضرورت جائز ہے۔ اسی جواز کے پیش نظر بعض علما و مشائخ نے حربیوں کے ساتھ دریائی سفر اختیار فرمایا اور اسی سے حج کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے دریائی سفر کو جائز رکھا گیا ہے وہاں بھی سفری سہولتیں غیروں کے قبضے میں ہیں وہ اگرچہ مکروہ ہے لیکن چونکہ فرض کی ادائیگی کی ضرورت ہے اس کے بالمقابل کراہت کے ارتکاب میں کوئی حرج نہیں۔

(۵) جہاں عورتوں کو ستر کے معاملہ میں خطرہ ہو جیسے چھوٹی کشتیوں میں عورتوں کو ایسا حرج واقع ہوتا ہے۔ اسی لیے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایسے سفر سے روکا ہے اگرچہ حج کی بھی ضرورت ہو۔ ہاں اگر عورتوں کے ستر و حجاب کا اہتمام ہو سکتا ہے، جیسے بڑی کشتیوں اور جہازوں میں ہوتا ہے تو جائز ہے۔

اوراد و وظائف دریائی سفر کرتے وقت پڑھا جائے:

بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا ان ربی لغفور رحیم۔ اور وما قدروا اللہ حق قدرہ والارض جمیعا قبضتہ یوم القیٰمۃ والسمٰوٰت مطویات بیمینہ سبحانہ و تعالیٰ عما یشرکون۔

ان آیات کے پڑھنے سے کشتی غرق ہونے سے محفوظ رہے گی۔ اور یہ آیات مسافر کے لیے امان بن جائیں گی۔

تفسیر عالمانہ اَوَلَمْ يَرَوْا کیا اہل مکہ نے دیکھا نہیں، اور کیا انہیں مشاہدہ نہیں ہوا اَنَّا جَعَلْنَا بے شک ہم نے ان کے شہر کو بنایا حَرَمًا حرمت والا اٰمِنًا امن والا۔ ہر زیادتی سے امن والا اور ہر تعدی سے سلامتی والا اور اس کے اہل کو ہر تکلیف سے محفوظ رکھنے والا۔

وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ط

حلِ لغات التخطف بمعنے ربودن اور حول شے کی وہ جانب جسے آسانی سے پھرا جائے۔ اس وقت یہ حال تھا کہ عرب کے گرد و نواح کے لوگ اس لوٹ مار سے محفوظ تھے کوئی ڈاکو، چور انہیں نہ لوٹتا تھا نہ مارتا تھا۔

اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ یعنی ظہور حق (کہ جس کے متعلق ذرہ برابر بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں) کے بعد باطل پر ایمان لاتے ہیں یعنی کفار باطل پر ایمان رکھتے ہیں اس سے شیطان یا بُت مراد ہیں یعنی کفار باطل پر ایمان رکھتے اور حق سے منہ موڑتے ہیں اور صلہ کی تقدیم میں ان کے فعل کی شناعت و مذمت مطلوب ہے وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ اور وہ نعمت جو شکریہ کی مستوجب تھی، مراد ہے يَكْفُرُوْنَ ○ سے کفر کرتے ہیں بایں طور کہ ذات حق کے ساتھ غیروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ افبالباطل میں باطل سے نفس کے جملہ مشارب ماسوی اللہ مراد ہیں یؤمنون صدق کو غیر اللہ میں صرف کرتے ہیں وبنعمۃ اللہ

اس سے مشاہدۂ حق مراد ہے یکفرون کفر کرتے ہیں یعنی مشاہدہ کو طلب نہیں کرتے۔ ہم نے باطل سے ماسوی اللہ اس لیے مراد لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز باطل ہے اور مجازی اس کا بطلان۔ تو ظاہر ہے کہ وہ عدم محض ہے اور مجازی اس لیے کہ وجود اضافی کا آئینہ ہے۔

ف : اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا بہ نسبت اس کی نعمتوں کے ساتھ کفر کرنے سے سخت تر ہے اس لیے پہلا دوسرے کو لازم ہے بخلاف ثانی کے کہ ضروری نہیں کہ نعمتوں کے کفر سے کفرِ الٰہی لازم آئے۔ اور کفار نے دونوں کا ارتکاب کیا اس لیے وہ مذموم ترین ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَمَنْ اَظْلَمُ اور اس سے اور کون زیادہ ظالم ہوگا مِمَّنِ افْتَرٰی جس نے ازخود گھڑ لیا عَلَی اللّٰہِ اللہ واحد صمد پر کَذِبًا جھوٹ۔ مثلاً اس کے لیے گمان کیا کہ اس کا کوئی شریک ہے۔ یعنی مشرک تمام ظالموں سے بدترین ظالم ہیں اَوْ کَذَّبَ بِالْحَقِّ یا اس نے حق کو جھٹلایا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یا قرآن مجید کو لَمَّا جَآءَہٗ جبکہ اس کے پاس آیا تو اس نے بلا تاخیر عناد کے طور پر انکار کر دیا۔

ف : لفظ لمّا میں ان کی سفاہت وحماقت کا اظہار ہے کہ انہوں نے سوچے سمجھے بغیر حق کا انکار کر دیا، حالانکہ ان پر لازم تھا کہ جونہی حق آیا تھا اس میں غور وفکر کرتے۔ اگر خامی دیکھتے تو کہتے کچھ کہنے کے حقدار تھے لیکن انہوں نے تو سنتے ہی فوراً انکار کر دیا۔ یہ ان کی حماقت وسفاہت ہے۔

اَلَیْسَ فِیْ جَھَنَّمَ مَثْوًی لِّلْکٰفِرِیْنَ ۝ یہ ان کے جہنم میں ٹھہرنے کی تقریر ہے یعنی جہنم میں کافروں ہی نے ٹھہرنا ہے۔ یہ استفہام انکاری ہے اور اس کا قاعدہ ہے کہ جب نفی پر داخل ہوتا ہے تو ایجاب کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی کیا اب بھی یہ لوگ جہنم میں داخل ہونے کے مستحق نہیں ہیں جبکہ انہوں نے حق کے انکار و تکذیب میں حماقت وسفاہت کا ثبوت دیا اور افترا علی اللہ کی بھی مثال قائم کر دی۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کافروں کو معلوم نہیں کہ وہ جہنم میں ٹھہریں گے اس لیے کہ انہوں نے تکذیب و افترا علی اللہ جیسے قبیح و شنیع افعال کے ارتکاب کی جرأت کی۔

تفسیر صوفیانہ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اور اس شخص سے اور بڑا ظالم کون ہے جو اپنے ظن فاسد سے سمجھتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی حال یا وقت یا کشف یا مشاہدہ کا تعلق ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسے تعلقات انسان کے کہاں! اور مزید اللہ تعالیٰ پر یہ افترا کہ برائیوں کے ارتکاب کے بعد کہتے ہیں کہ اسی طرح ہمارے آباؤ اجداد کرتے چلے آئے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ جاہل صوفی جو کہا کرتے ہیں کہ ہم خلافِ شرع وسنت جو کچھ کرتے ہیں ہمارے لیے روا ہے اس لیے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے ایسے ہی حکم ہوا ہے (معاذ اللہ) بلکہ اس سے تجاوز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم اپنے مشائخ طریقت کو ایسے ہی دیکھتے چلے آئے ہیں اسی لیے ہماری حرکات وسکنات قرب الٰہی اور ہماری ولایت

کاملہ کی دلیل ہے۔ گناہوں کا ارتکاب ہمارے لیے مضر نہیں اور اعمالِ صالحہ ہمیں کچھ فائدہ نہیں دے سکتے
او کذب بالحق یا اس نے حق یعنی شریعت اور مشایخِ طریقت اور ان کی سیرت کی تکذیب کی جبکہ ان کے
ہاں حق آیا الیس فی جہنم کیا نہیں جہنم یعنی نفسِ امارہ میں مثوی قیدخانہ للکفرین دین الٰہیہ
اور شریعت و طریقت کے ساتھ کفر کرنے والوں کا بوجہ اس کے کہ وہ من گھڑت افسانے گھڑتے اور ایسے
دعاوی کرتے جن کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی بلکہ وہ اپنے دعاوی کی اپنے منہ سے تکذیب بھی کرتے تھے۔
حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

مدعی خواست کہ آید بتماشہ کہ راز
دستِ غیب آمد و بر سینۂ نامحرم زد

ترجمہ : مدعی نے چاہا کہ وہ تماشا دکھائے لیکن دستِ غیب نے نامحرم کو رسوا و خوار کیا۔

خلاصہ یہ کہ جھوٹا مدعی معنی کے حرم کے داخلہ سے بیگانہ اور اجنبی ہے جیسے اجنبی کو بادشاہ کے حرم میں داخل نہیں ہونے دیا جاتا۔ ایسے ہی حقیقت سے بے خبر کو حقیقت کے حرم میں داخلہ کی اجازت نہیں ملتی۔

حضرت کمال خجندی رحمہ اللہ نے فرمایا : ؎

مدعی نیست محرم در یار
خادم کعبہ بو لہب نبود

ترجمہ : محبوب کے حرم کو جھوٹے مدعی کو محرم نہیں بنایا جاتا جیسے ابو لہب کو کعبہ کی دربانی نصیب نہ ہوئی۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ خالی دعووں اور جھوٹی باتوں سے اجتناب کرے اور نفس کے جملہ صفات رذیلہ سے دور رہنے کی جد و جہد کرے اور معنی و صدق کے حصول کی سعی کرے بلکہ اوصاف قلب سے متجلی ہونے میں کوئی کسر نہ چھوڑے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

طریق صدق بیاموز از آب صافی دل
براستی طلب آزادگی چو سرو چمن

ترجمہ : صاف قلب سے صدق کے طریق کو سیکھئے سرو چمن کی طرح، سچائی سرو چمن کی طرح آزادی طلب کیجئے۔

حکایت حضرت ابراہیم خواص رحمہ اللہ تعالیٰ جب سفر کا ارادہ فرماتے تو کسی کو علم تک نہ ہوتا اور نہ ہی آپ کسی سے کہتے کہ میں سفر کو جا رہا ہوں۔ بس لوٹا اُٹھایا اور چل پڑتے۔ حضرت حامد الاسود فرماتے ہیں کہ ہم مسجد میں بیٹھے تھے کہ آپ نے آ کر لوٹا اٹھایا اور چل پڑے۔ میں نے سمجھا کہ آپ سفر کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں بھی آپ کے پیچھے ہولیا جب آپ قادسیہ میں پہنچے تو مجھے دیکھ کر فرمایا: اے حامد! تم کہاں؟ میں نے عرض کی: حضرت! میں آپ کے سفر کے کوائف معلوم کرنے کے لیے آپ کے پیچھے ہولیا تھا۔ آپ نے فرمایا: میں تو کعبہ معظمہ کی زیارت کو جا رہا ہوں۔ میں نے عرض کی تو میں بھی آپ کے ساتھ ہوں (ان شاء اللہ تعالیٰ) اس کے بعد ہم دونوں کعبہ معظمہ کی طرف چل پڑے۔ راستے میں ہمیں ایک نوجوان ملا جو وہ بھی کعبہ معظمہ جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ چنانچہ وہ شب و روز ہمارا ہم سفر رہا۔ لیکن وہ نماز نہیں پڑھتا تھا۔ میں نے اس کی شکایت حضرت ابراہیم رحمہ اللہ سے کی آپ نے اسے فرمایا: بیٹے! تم نماز کیوں نہیں پڑھتے حالانکہ حج کے فریضہ سے زیادہ اہمیت نماز کی ہے۔ اس نے عرض کی: حضرت! مجھ پر نماز فرض ہی نہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا تم مسلمان نہیں ہو؟ اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: تو پھر کون ہو؟ کہا: نصرانی ہوں اور اس جنگل میں اس لیے پہنچا کہ میرے نفس نے توکل علی اللہ کا دعویٰ کیا تو میں نے اس کی تصدیق نہیں کی بلکہ اسے آزمانے کے لیے جنگل میں لایا ہوں تاکہ اسے اسبابِ دُنیوی کے تعلقات سے وابستگی نہ ہو اور صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسے کا امتحان دے۔ حضرت ابراہیم نے اس کی باتیں سنیں اور مجھے فرمایا: چلئے اسے اپنے حال پہ چھوڑیئے۔ ہم دونوں چل پڑے اور وہ بھی ہمارے پیچھے ہولیا۔ یہاں تک کہ جب ہم وادی مرو میں پہنچے حضرت ابراہیم یہاں ٹھہرے اور کپڑے دھوئے اور اس نوجوان سے پوچھا: تیرا نام کیا ہے؟ کہا: عبد المسیح۔ آپ نے اسے فرمایا: اے عبد المسیح! یہی حرمِ مکّہ ہے اور تیرے جیسے اس میں داخل نہیں ہو سکتے اس لیے کہ تو مشرک ہے اور مشرک کو اللہ تعالیٰ نے نجس (پلید) کہا ہے اور اپنی مسجد حرام میں اس کا داخلہ ممنوع فرمایا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا۔

اور جس طرح تُو نے اپنے نفس کا امتحان لینا چاہا تھا وہ پُورا ہوگیا۔ لیکن کعبہ معظمہ میں داخل ہونے کی کوشش نہ کرنا۔ اگر ہم نے آپ کو کہیں دیکھا تو تمہیں سزا دیں گے۔ حضرت حامد نے فرمایا: ہم نے اسے ڈرا دھمکا کر وہیں چھوڑا اور مکہ معظمہ کے حرم میں داخل ہوگئے اور موقف میں پہنچے۔ ہم عرفات میں بیٹھے تھے اچانک اسی نوجوان کو احرام باندھے ہوئے عرفات میں دیکھا اور وہ ہمیں تلاش کر رہا تھا، ہمیں دیکھ کر خوش ہوگیا اور آتے ہی حضرت ابراہیم کے قدموں میں گر گیا۔ آپ نے اسے فرمایا: اے عبد المسیح! اپنا حال سنائیے۔ اس نے عرض کی، حضرت! اب مجھے عبد المسیح مت کہئے، میں اس کا عبد ہوں جس کا عبد مسیح (علیہ السلام) ہے۔ آپ نے فرمایا: اچھا سنائیے، تجھے یہ دولتِ اسلام کیسے نصیب ہوئی؟ اس نے کہا: میں ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا کہ حجاج کا قافلہ گزرا، انہیں دیکھ کر اٹھا

اور اپنے آپ کو غیر اسلامی لباس میں پایا جو مجھے بُرا لگا۔ پھر اچانک میری نگاہ کعبہ معظمہ پر پڑی تو میرا دل بھر آیا میں نے سوائے اسلام کے باقی جملہ ادیان کو بُرا محسوس کیا تو فوراً کلمۂ اسلام پڑھا اور غسل کر کے احرام باندھ کر یہاں آگیا ہوں۔ آپ کو تلاش کیا۔ الحمد للہ آپ کو پا لیا۔ حضرت ابراہیم نے مجھے دیکھ کر فرمایا: اے حامد! دیکھ لیجئے، یہ ہے صدق و سچائی کی برکت، اور وہ بھی نصرانیت میں۔ اگر کوئی اسلام میں رہ کر سچائی اور صدق کو اپنائے تو اس کی کیا شان ہوگی! وہ نوجوان ہمارے ساتھ رہا۔ چند دنوں کے بعد فوت ہوا اور اللہ والوں کے ساتھ مدفون ہُوا۔

فوائد الحکایت

فقیر (اسماعیل حقی قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اس حکایت سے چند فوائد حاصل ہوئے:

(۱) کعبہ معظمہ میں شرکت کی غلاظت والا داخل نہیں ہوسکتا ایسے ہی حرم قلب میں بھی جھوٹا مدعی داخل نہیں ہوسکتا جبکہ صرف باتونی ہو اور حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے ولی کے ساتھ ایک نصرانی نے ظاہری صحبت اختیار کی تو اسے دولت اسلام سے نوازا گیا تو پھر جو مسلمان صدق و صفا اور عقیدت و خلوص کے ساتھ حاضری دے تو اس کا کیا حال ہوگا!

(ف: وہابی دیوبندی مودودی سوچیں اور اہلسنت والجماعت جھوٹے پیروں فقیروں اور شریعت مطہرہ کے خلاف چلنے والے سجادہ نشینوں سے بچیں)[1]

(۳) سچائی جب ایک نصرانی کو ایمان کی دولت سے نواز سکتی ہے اور کفر سے دُور کر سکتی ہے تو پھر اسلام کے شیدائیوں کو کیوں نہ معرفت و حقیقت سے نوازے گی!

(۴) جس کی نظر صحیح ہو اسے مشاہداتِ حق سے حصہ نصیب ہوتا ہے پھر اس کی برکت سے حق کو پا لیتا ہے اور آیاتِ ربانی کی تکذیب سے بچ جاتا ہے۔ جیسے نصرانی مذکور کو نصیب ہُوا کہ اس نے جونہی کعبہ معظمہ کو دیکھا جو کہ سرالذات کی ظاہری صورت ہے ایسے ہی عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جبکہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس کو دیکھا تو کہا یہ چہرہ کذاب کا نہیں ہوسکتا ہے اس طرح سے انہیں حقیقت کی راہ نصیب ہوئی۔

(ہم اللہ تعالیٰ سے حقیقت صدق و اخلاص اور اہلِ اختصاص کے ثمرہ سے نفع حاصل کرنے کی عرض کرتے ہیں)

تفسیر عالمانہ

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا ۔ الجهاد والمجاهدہ بمعنی دشمن کے معارضہ میں اپنی جملہ طاقت کو صرف کرنا۔ اب معنی یہ ہُوا کہ وہ لوگ جنہوں نے ہمارے لیے یعنی ہماری رضا حاصل کرنے کے لیے اپنی جملہ وسعتوں کو خرچ کیا اور ہم نے مجاہدہ کا عام معنیٰ لیا کہ اعدائے ظاہری و باطنی کے مقابلہ کو شامل ہو۔ ظاہری دشمنوں کا جہاد یہی ہے کہ کفار سے جنگ و جدال کرنا۔ اور باطنی یہ ہے کہ نفس و شیطان کا مقابلہ کرنا۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

حدیث شریف میں ہے :
جاھدوا اھوا ءکم کما تجاھدون اعداءکم۔
(اپنی خواہشات نفسانیہ سے ایسے مقابلہ کرو جیسے دشمنوں (کفار) کا مقابلہ کرتے ہو)
جہاد زبان اور ہاتھ دونوں سے کیا جانا چاہیئے۔
مسئلہ : جہاد جیسے ہاتھ سے ہوتا ہے ویسے ہی زبان سے بھی۔
حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
جاھدوا الکفار بایدیکم والسنتکم۔
(کفار کے ساتھ ہاتھ اور زبان سے جہاد کرو)
یعنی زبان سے مقابلہ یوں ہوسکتا ہے کہ انہیں وہ باتیں کہی سنائی جائیں جو انہیں بُری لگیں جیسے ہجو وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

ف : حضرت ابن عطار رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ماسوی اللہ سے عاجزانہ منقطع ہونے کا نام جہاد ہے۔
حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ خدمت کے آداب کو جہاد اس لیے کہا جاتا ہے کہ آداب خدمت بجا لانا اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز و مکرم ہے۔
الکواشی میں ہے کہ مجاہدہ سے آنکھ بند رکھنے اور زبان کی حفاظت اور خطرات قلب کی نگرانی اور اسے جمع رکھنے اور عادات بشریہ سے فارغ ہونے کا نام ہے۔ اس میں غرض وقصد بھی داخل ہے۔ یعنی انسان اپنے جملہ اغراض و مقاصد کو رضائے الٰہی کے تابع کردے۔

لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا الھدایۃ بمعنے موصل الی المطلوب کی دلالت۔ السبل سبیل کی جمع ہے۔ وہ راستہ جس پر عادۃً چلنا سہولت سے ہو۔ امام راغب نے لکھا : السبیل الطریق الذی فیہ سہولۃ۔ اسے جمع اس لیے لایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والے راستے مخلوق کی سانسوں کی گنتی کے برابر ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم ان کی اپنے ہاں کے چلنے کی راہوں اور اپنی جناب تک پہنچنے کی رہبری کریں گے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے مہاجرین و انصار مراد ہیں۔
اب معنیٰ یہ ہُوا کہ وُہ حضرات جنہوں نے مشرکین کے ساتھ جہاد اور جنگ کی محض ہمارے دین کی خاطر، تو ہم ان کی شہادت و مغفرت و رضوان کی رہبری کریں گے۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر ھدایۃ بمعنے ہدایت پر ثابت قدمی اور اس میں اضافہ مراد ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ مجاہدین کی ہدایت میں اور کفار کی گمراہی میں اضافہ فرماتا ہے۔
اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم سبل الخیر کی ہدایت میں ان کے لیے اضافہ فرمائیں گے اور ان پر چلنے کی توفیق بخشیں گے۔
جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : والذین اھتدوا زادھم ھدی۔

حدیث شریف میں ہے:

من عمل بما علم ورثه الله علم ما لم یعلم۔

(جو شخص اپنے علم پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ایسے علم کا وارث بناتا ہے جس کا اسے پہلے علم نہ ہو)

حدیث شریف ۲ میں ہے:

من اخلص لله اربعین صباحا انفجرت ینابیع الحکمة من قلبه علی لسانه۔

(جو شخص اللہ تعالیٰ سے چالیس روز مسلسل خلوص رکھے تو اس کے قلب سے زبان پر حکمت کے چشمے اُبلیں گے)

ف: حضرت سعد بن عبداللہ تستری قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جو لوگ اقامتِ سنّت کے متعلق جہاد کرتے ہیں تو ہم انھیں بہشت کا راستہ دکھائیں گے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ دُنیا میں سنّت کی مثال ایسی ہے جیسے آخرت میں بہشت۔ جو شخص آخرت میں بہشت میں داخل ہوگا۔ اور جو شخص دنیا میں سنّت کا پابند ہوا وہ نجات پا گیا۔

مختلف تفاسیر (۱) جو لوگ توبہ کے ساتھ ہمارے لیے جہاد کرتے ہیں ہم انہیں اخلاص کی دولت سے نوازیں گے۔

(۲) جو لوگ طلبِ علم میں جہاد کرتے ہیں ہم انہیں اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشیں گے۔

(۳) جو شخص ہماری خوشنودی کے لیے مجاہدہ کرتا ہے ہم اسے محلِ رضوان تک پہنچنے کی رہبری کریں گے۔

(۴) جو شخص ہماری خدمت کے لیے جدوجہد کرتا ہے ہم اس پر مناجات کی راہیں اور اپنے ساتھ انس اور مشاہدہ کی راہیں وا کریں گے۔

(۵) جو شخص ظاہری اوراد و اعمال کی ادائیگی میں مشغول رہتا ہے ہم اُسے اسرار و لطائف تک پہنچائیں گے۔ اُس بندۂ خدا پہ تعجب ہے جو ظاہری اعمال سے تو کوتاہی کرتا ہے لیکن باطنی اسرار و رموز کے حصول سے پُرامید ہے۔ جو اپنی زندگی کے اوائل میں مجاہدہ نہیں کرتا اس کا انجام نفسانی خواہشات کے پُورا کرنے پر ہوگا۔ پھر وہ جُونہی قُربِ الٰہی کی آرزو کرے گا اُسے بُعد نصیب ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ مجاہدہ کی مقدار پر انسان کو مراتب و کمالات حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً جو شریعت پر عمل کرتا ہے اسے بہشت نصیب ہوگی اور جو طریقت کا پابند ہوگا اسے ہدایتِ حق ملے گی۔ اور جو معرفت حاصل کرے گا اور ماسوٰی سے انقطاع پائے گا اسے ذاتِ عین اور بقا سے نوازا جائے گا۔

ف: جو شخص مشاہدہ سے مجاہدہ کو مقدم کرتا ہے جیسے آیت میں اشارہ ہے تو وہ شخص مرید ہوگا تو مراد بن جائے گا اگر مجذوب ہوگا تو سالک بن جائے گا اور وہ مشاہدہ کو مجاہدہ پر مقدم رکھتا ہے اس سے یہی شخص مرتبہ کے لحاظ سے

بلند ہے جو مجاہدہ کو مشاہدہ پر مقدم سمجھتا ہے اسس کا معاملہ کمزور پڑجاتا ہے۔ مثلاً وہ مراد ہوگا تو مرید ہو جائے گا اگر سالک ہوگا تو مجذوب ہو جائے گا اس لیے کہ سلوک کا ہونا عادۃ الہیہ کے موافق ہونا ضروری ہے اس لیے کہ پہلا یعنی مجاہدہ کو مشاہدہ پر مقدم کرنے والا متمکن و ہاضم ہوتا ہے بخلاف دوسرے کے کہ وہ متلون ومغلوب ہے اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو محل کشف کے لیے پہلے تیار نہ ہو تو اچانک کشف الحاد وجنون کا سبب بن جاتا ہے (العیاذ باللہ)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے لنھدینھم سبلنا یعنی ہم انہیں اپنے وجدان کے راستوں کی رہبری کریں گے۔

حدیث قدسی : چنانچہ حدیث قدسی میں ہے (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے)، جو مجھے طلب کرتا ہے مجھے پاتا ہے اور جو میرے ہاں ایک بالشت قریب ہوتا ہے میں ایک گز اس کے قریب ہوجاتا ہوں۔

کاشفی نے زبور سے نقل کیا : ؎

انا المطلوب فاطلبنی تجدنی

انا المقصود فاطلبنی تجدنی

اگر در جست وجوے من شتابد

مراد خود بزودے باز یابد

ترجمہ : میں ہی مطلوب ہوں مجھے طلب کرو گے تو مجھے پاؤ گے۔ میں ہی مقصود ہوں، مجھے طلب کرو گے تو مجھے پاؤ گے۔ اگر میری تلاش میں دوڑو گے تو مجھے جلد پا لو گے۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

گر گران و گر شتابندہ بود

آنکہ جوئندہ است یابندہ بود

در طلب زن دائما تو ہر دو دست

کہ طلب در راہ نیکو رہبر ست

ترجمہ : (۱) اگر آہستہ چل کر یا دوڑ کر تو مجھے تلاش کرے گا تو مجھے ضرور پائے گا۔

(۲) طلب میں تم ہمیشہ ہاتھ پاؤں مارتے رہو کیونکہ نیک راہ میں یہی طلب بہتر راہ ہے۔

روحانی علاج : مشایخ نے فرمایا کہ مجاہدات سے مشاہدۂ الٰہی نصیب ہوتا ہے۔

سوال : براہمہ و فلاسفہ تو بہت بڑے مجاہدے کرتے ہیں بلکہ مجاہدے کا حق ادا کرتے ہیں انھیں تو کوئی مشاہدہ نصیب نہیں ہوتا۔

جواب : بے شک انہوں نے مجاہدہ تو کیا لیکن شرط ادا نہیں کی۔ یعنی فینا (رضائے الٰہی) سے محروم ہیں اور جہاد کے لیے بہت بڑی شرط رضائے الٰہی ہے اور براہمہ و فلاسفہ نے اسے ترک کر دیا بلکہ ان کا مجاہدہ خواہش نفسانی اور خلقِ خدا کے لیے ریاء و سمعۃ و شہرت و طلب ریاست و علو فی الارض اور تکبر علیٰ خلق اللہ کی بنا پر۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے جہاد کرتا ہے اس پر لازم ہے کہ محرمات کو چھوڑے پھر شبہات کو پھر فضلات کو، اس کے بعد تعلقات کو منقطع کرے۔ پھر تزکیۂ نفس کرے پھر شور و غل سے قلب کو جملہ اوقات میں فارغ رکھے اور اوصافِ مذمومہ سے قلوب کو پاک رکھنا ضروری ہے۔ اس کے بعد ضروری ہے التفات الی الکونین و طمع عن الدارین سے قطع تعلق کرے تاکہ رُوح کو رونق و روشنی نصیب ہو۔

خلاصہ یہ کہ جو لوگ انقطاع و انفصال عن الاغیار سے قطع تعلق کر لیں تو ہم وصول و وصال الی اللہ کی جانب ان کی راہنمائی کریں گے۔

ف : ہدایت کی دو اقسام ہیں :

۱۔ متعلق بہ مواہب

۲۔ متعلق بہ مکاسب

جو مواہب سے متعلق ہے وہ منجانب اللہ ہے۔ اور یہ ازل میں لکھا ہُوا تھا۔

جو مکاسب سے متعلق ہے اس میں بندے کے کسب کو دخل حاصل ہوتا ہے اس ہدایت کو مسبوق کہا جاتا ہے اس لیے کہ اس میں پہلے کسب کا ہونا ضروری ہے۔

اس آیت والذین جاھدوا فینا لنھدینھم میں ہدایت سے ہدایت موہبۂ الٰہی مراد ہے اور جہد انسانی سے موہبۂ الٰہی کو سبقت ہوتی ہے۔ انسانی جہد بمنزلۂ بیج کے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی ہدایت الٰہی کا بیج انسان کی قلبی زمین میں نہ ڈالا جائے تو انسانی جہد کیا کام کرے گی اور کب اس کے کسب کو طاقت نصیب ہو گی۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

قومے بجد و جہد نہادند وصل دوست
قومے دگر حوالہ بتقدیر مے کنند

ترجمہ : بعض لوگ وصالِ دوست کے لیے جد و جہد کرتے ہیں اور بعض اسے تقدیر الٰہی کے حوالے کرتے ہیں۔

ف : بعض مشایخ نے فرمایا کہ نبوت و رسالت بمنزلہ سلطنت کے ہے کہ عطیۂ الٰہی کے بغیر کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ اس میں بندے کے کسب کو دخل نہیں اور ولایت بمنزلہ وزارت کے ہے کہ اس میں بندے کے

کسب کو دخل ہے۔ یعنی جیسے وزارت بندے کو جد وجہد سے حاصل ہوتی ہے ایسے ہی ولایت انسانی جدّ جہد سے ملتی ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ اللہ تعالیٰ کی معیت محسنین کے لیے ہے یہاں معیت سے دنیا میں نصرت و اعانت وعصمت اور آخرت میں ثواب و مغفرت مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہاں پر تین منزلیں ہیں:

(۱) جہاد اندر باطن با ہوا ونفس

(۲) جہاد بظاہر اعدائے دین وکفار زمین

(۳) اجتہاد با قامت حجۃ وطلب حق کشف شبہات

اس ظاہری اقامت حجۃ کو اجتہاد سے اور رعایت عہد الٰہی کو جہد سے تعبیر کرتے ہیں۔ (کشف الاسرار)

جاھدوا فینا میں مذکورہ بالا منازل کا بیان ہے اس لیے کہ جو بظاہر جہاد کرتا ہے اسے رحمت نصیب ہوتی ہے اور جو اجتہاد کرتا ہے اسے عصمت سے بہرۂ وافر حاصل ہوتا ہے اور جو جہد کرتا ہے اسے وصال الٰہی نصیب ہوتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ تینوں منازل میں رضائے الٰہی مدِّ نظر رکھنا ضروری ہے اسی لیے شرط لگائی ہے کہ وان اللہ لمع المحسنین یعنی جب میں بندے کو ہدایت دیتا ہوں تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں اور وہ میرے ساتھ ہوتا ہے۔ پھر وُہ بندہ زبانِ حال سے عرض کرتا ہے: اے اللہ تعالیٰ! تُو نے اپنے لُطف وکرم سے مجھے ہدایت بخشی اور اپنی کرم نوازی سے مجھے خدمت کا موقعہ بخشا اور پھر اسے قبول بھی فرمایا اور نظرِ عنایت و میوۂ وفا ومحبت سے نوازا، اب میں چاہتا ہُوں کہ مجھے ہر طرح کے مکروفریب سے بچالے۔ الٰہی! تو ضعیفوں کی پناہ اور قصد کرنے والوں کا رہبر اور واصلین کا گواہ ہے۔ فلہٰذا مجھ بیکس کو بلند فرما، گھٹانا نہیں۔

۱ روضۂ روح من رضائے تو باد
قبلہ گاہم در سرائے تو باد

۲ سرمۂ دیدۂ جہاں بینم
تا بود گرد خاکپائے تو باد

۳ گر ہمہ رائے تو فنائے منست
کار من بر مراد رائے تو باد

۴ شد دلم ذرہ وار در ہوست
دائم ایں ذرہ در ہوائے تو باد

ترجمہ: (۱) میری رُوح کا باغ تیری رضا ہو میرا قبلہ تیری قیام گاہ ہو (۲) میری آنکھ جہاں بین کا سُرمہ تیرے پاؤں کی گرد ہو۔

(۳) اگر تیری رائے مجھے فنا کرنے کے لیے ہے تو میرا کام اور مراد تیری رائے پر ہے۔
(۴) تیری چاہت پر میرا دل ذرہ وار ہے ہمیشہ میرا یہ ذرۂ دل تیری چاہت پر قربان ہو۔
انتہی فی کشف الاسرار لحضرۃ الشیخ رشید الدین الیزدی قدس سرہٗ۔

یہ جلد ثانی آخری مضمون ہے میں نے تفسیر میں امانتیں رکھی ہیں وہ تفسیر جس کا نام روح البیان ہے اور وہ امانتیں معانی کے موتی ہیں جنہیں میں نے عبارت واشارات والہام ربانی کے فوائد میں پرو دیا ہے۔ اس پر عاقل میری تعریف کریں گے (ان شاء اللہ تعالیٰ) یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ مالک و بے نیاز کی مدد سے ہوا۔ اس کی لکھائی سے اتوار کی صبح دن چڑھے سن ہجری کے الف ثانی کے عقد ثانی کے عشر اول کے تاسع کے نصف اول کے خامس کے سدس کے ثلث ثانی کے عشر اول کی نویں تاریخ میں فراغت پائی (یعنی ۱۰۱۹ھ میں)
(جیسا کہ خود صاحب روح البیان رحمہ اللہ نے اپنے اشعار میں فرمایا)

۱ چو ز ہجرت گزشت بے کم و کاست
نہ و صد سال یعنی بعد ہزار
۲ آخر فصل خزاں شد موسم
کہ نماند ورقے از گلزار
۳ در جمادائے نخستن آخر
بلبل خامہ دم گرفت از زار
۴ بہ نہایت رسید جلد دوم
شد بتاریک روز ایں بازار
۵ جد و جہدے کہ او فتادہ دریں
شد بنوک قلم حقی زار

ترجمہ: (۱) جب ہجری سن میں بغیر کسی کمی بیشی کے ایک ہزار کے بعد انیس گزرے (۱۰۱۹ھ)
(۲) موسم خزاں کا آخری دور تھا یہاں تک کہ باغات کے پتے جھڑ چکے تھے۔
(۳) جمادی الاُخریٰ کی آخری تاریخیں تھیں بلبل زار و نزار ہو کر آواز بند کر چکی تھی۔
(۴) تفسیر کی جلد دوم ختم ہوئی اگرچہ اس کا بازار اب تاریکی میں ہے۔
(۵) اس میں بہت محنت کرنا پڑی حقی (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے قلم کی نوک سے یہ تمام تحریر نکلی۔

فقیر اویسی غفرلہٗ نے سورہ عنکبوت کے ترجمہ سے ۲۱ محرم ۱۳۹۸ھ بروز سوموار دس بجے صبح مدرسہ انوار الاسلام کوٹ ادو (ضلع مظفر گڑھ) میں فراغت پائی۔ فقیر یہاں بہ سلسلۂ وعظ و تبلیغ حاضر ہوا۔
فللہ الحمد والمنۃ والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہ الاکرم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔
الفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی غفرلہٗ۔ بہاولپور

سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ سِتُّوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
سورت روم مکی ہے اور اس میں ساٹھ آیتیں اور چھ رکوع ہیں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

الٓمّٓ ﴿١﴾ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿٢﴾ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ﴿٣﴾
رومی مغلوب ہوئے پاس کی زمین میں اور اپنی مغلوبی کے بعد عنقریب غالب ہونگے
فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۬ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ۭ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿٤﴾
چند برس میں حکم اللہ ہی کا ہے آگے اور پیچھے اور اس دن ایمان والے خوش ہوں گے
بِنَصْرِ اللّٰهِ ۭ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿٥﴾ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ
اللہ کی مدد سے مدد کرتا ہے جس کی چاہے اور وہی ہے عزت والا مہربان اللہ کا وعدہ اللہ اپنا وعدہ
اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦﴾ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا
خلاف نہیں کرتا لیکن بہت لوگ نہیں جانتے جانتے ہیں آنکھوں کے سامنے
مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ښ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ﴿٧﴾ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا
کی دینوی زندگی اور وہ آخرت سے پورے بے خبر ہیں کیا انہوں نے اپنے
فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۣ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ
جی میں نہ سوچا کہ اللہ نے پیدا نہ کئے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر
وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ﴿٨﴾
حق اور ایک مقرر میعاد سے اور بیشک بہت سے لوگ اپنے رب سے ملنے کا انکار رکھتے ہیں
اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ
اور کیا انہوں نے زمین میں سفر نہ کیا کہ دیکھتے کہ ان سے اگلوں کا انجام کیسا ہوا
قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا
وہ ان سے زیادہ زور آور تھے اور زمین جوتی اور آباد کی ان کی آبادی سے زیادہ
وَجَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
اور ان کے رسول ان کے پاس روشن نشانیاں لائے تو اللہ کی شان نہ تھی کہ ان پر ظلم کرتا ہاں وہ خود ہی اپنی
يَظْلِمُوْنَ ﴿٩﴾ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوا السُّوْۗآٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
جانوں پر ظلم کرتے تھے پھر جنھوں نے حد بھر کی برائی کی ان کا انجام یہ ہوا کہ اللہ کی آیتیں جھٹلانے لگے
وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١٠﴾
اور ان کے ساتھ تمسخر کرتے

سورہ روم مکیہ ہے سوائے فسبحان اللہ الخ کے اس کی ساٹھ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اللہ کے نام سے شروع وہ رحمان ورحیم ہے۔

تفسیر عالمانہ

الٓمّٓ ○

(۱) ابن الجوزا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ حروف مقطعہ آیاتِ ربانیہ ہیں۔ ہر حرف کا اشارہ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی طرف ہے کہ اس سے اس طرح سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی گئی ہے مثلاً الف الوہیت سے، لام لطف سے، میم ملک سے کنایہ ہے۔

(۲) یہ بھی کہا گیا ہے کہ الف اسم اللہ کی طرف اور لام اسم جبریل علیہ السلام کی طرف اور میم اسم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے بواسطہ جبریل (علیہ السلام) حضور سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی بھیجی۔

تفسیر صوفیانہ

(۳) تاویلات نجمیہ میں ہے کہ الف طبع اہل ایمان کی الفت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ایک دوسرے سے الفت کرتے ہیں اور لام کافروں کی طبع لئیمی کی طرف اشارہ ہے اور میم رب العالمین کی مغفرت کی طرف اشارہ ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ چونکہ اہلِ ایمان کی الفت اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے اسی لیے یہ آپس میں الفت ومحبت کرتے ہیں۔ ان کی الفت ومحبت اس انتہا تک پہنچی کہ ان کو اور اہلِ کتاب کو، ایک وقت ایمان سے بہرہ ور تھے اگرچہ اب خالی ہیں، آپس میں اُنس اور پیار ہے۔ چونکہ کفار کی لئیمی طبعی اور پیدائشی ہے اس لیے وہ آپس میں بغض وعناد رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں۔ مثلاً اہلِ روم اور اہلِ فارس کہ وہ جنسِ کفر میں ایک ہیں اگرچہ الفت میں مختلف اور عداوت میں متفق ہیں کہ ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں اور چونکہ رب العالمین کی مغفرت اس کے فضلِ عمیم اور احسانِ قدیم سے ہے اسی لیے وہ اس انتہا کو پہنچی ہے کہ وہ دونوں فریق بچ گئے اور ان میں سے سرکش کی توبہ قبول کرتا ہے اور دونوں کو خطاب عام ہے کہ من یغفر الذنوب جمیعا (وہ سب کے گناہ بخشتا ہے)

(۴) کشف الاسرار میں ہے کہ الٓمّٓ کا ترجمہ یوں ہے گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الف بلایانا من عرف کبریانا ولزم بابنا من شہد جمالنا ومکن من قربتنا من اقام علی خدمتنا۔

(جس نے ہماری کبریائی کو پہچانا وہ ہماری بلاؤں سے الفت کرے گا اور ہمارے دروازے کو نہیں چھوڑے گا جس نے ہمارے جمال کا مشاہدہ کیا اور ہمارے قرب تک پہنچ جائے گا جو ہماری خدمت میں قایم رہے گا)

حکایت زمانۂ سابق میں ایک نوجوان اپنے زمانے کا بادشاہ تھا اس کا نام عامر بن قیس تھا۔کثرتِ نوافل سے اس کے پاؤں میں سیاہ خون جم گیا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ اپنا پاؤں کٹوا دے ورنہ بیماری تمام جسم کو گھیرلے گی۔ اس نے کہا، میں کون ہوں کہ اپنا اختیار درمیان میں لاؤں میرے مالک کی جو رضا ہو گی اسی پر عمل کروں گا۔ لیکن اس بیماری سے اس کے فرائض و نوافل میں خلل واقع ہونے لگا۔ اس نے دعا کی: الٰہ العالمین! اگرچہ میں بلا کی سختی برداشت کر سکتا ہوں لیکن تیری خدمت سے محرومی کی تاب مجھ میں نہیں، پاؤں کٹوانا منظور ہے لیکن تیری عبادت سے محرومی منظور نہیں۔ یہ کہہ کر فرمایا کہ کسی قرآن پڑھنے والے کو بلائیے تاکہ وہ مجھے کچھ سنائے۔ اور کہا، جب وہ قرآن پڑھے اور مجھے وجد شروع ہو تو میرا پاؤں کاٹ دینا۔ چنانچہ جب اسے قرآن سننے پر وجد شروع ہوا تو اس کا پاؤں کاٹ دیا گیا اور اسے خبر تک نہ ہوئی۔ جب شیخ نے فراغت پائی اور دیکھا کہ پاؤں کٹ چکا ہے۔ پوچھا: یہ کیا حال ہوا؟ حال سنایا گیا۔ کہا کہ میرے اس پاؤں کو خوشبو لگا دیجئے تاکہ اس کی عزت ہو، کیونکہ اس نے کبھی بھی خدمت کے بغیر وقت نہیں گزارا۔

(۵) فقیر (اسماعیل حقی علیہ الرحمۃ) کہتا ہے کہ الف میں عالمِ امر کی طرف اشارہ ہے اور عالمِ امر جمیع تعینات کا مبدا ہے اور لام عالمِ ارواح کی طرف اشارہ ہے اور عالمِ امر وجودیات کے درمیان ہے اور میم عالمِ ملک کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ تنزلات و استرسالات کا آخری عالم ہے جیسے فعل نحویوں کے نزدیک حروف مخارج ثلاثہ یعنی حلق، وسط اور فم پر مشتمل ہے۔ ایسے ہی اسم اہلِ محو کے نزدیک حروف مراتب ثلاثہ جبروت، ملکوت، ملک پر مشتمل ہے۔ دونوں کلمات لفظیہ و معنویہ میں فرق ہے وہ یہ اہلِ محو کے کلمات مستوی اور مرتب ہیں اور اہلِ نحو کے کلمات ٹیڑھے اور غیر مرتب ہیں۔

عقیدۂ اہلسنّت دربارہ مقطعہ حروف و متشابہات

(الحمد للہ ہم اہلسنت کا وہی عقیدہ ہے جو صدیوں پہلے اہلِ اسلام کا تھا۔ چنانچہ روح البیان ج ۷، ص ۴ پر مرقوم ہے:)[1]

ثم اسرار الحروف المقطعة	پھر حروفِ مقطعہ و متشابہات القرآنیہ
المتشابهات القرآنية مما ينكشف	کے اسرار و رموز وہ ہیں جو غایۃ المراتب تک
لاهل الله بعد الوصول الى غاية	پہنچنے کے بعد اولیاء اللہ کو منکشف ہو جاتے ہیں
المراتب وان كان بعض لوازمها	اگرچہ اس کے بعض لوازم اہلِ وسط کو بھی
قد يحصل لاهل الوسط ايضا فلا	حاصل ہو سکتے ہیں لیکن وہ ان کے حقائق میں

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

يطمع في حقائقها من توغل في الرسوم واشتغل بالعلوم عن المعلوم۔ [1]

طمع نہ رکھے جو رسوم میں منہمک ہے اور جو صرف علوم کے ظاہر میں مشغول ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان تعلقات وجودیہ کی تاریکیوں سے نجات دے جو امور شہودیہ کے مانع ہیں (آمین)

تفسیر عالمانہ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ۔

حلِ لغات: الغلبۃ بمعنے القھر ہے (کذا فی المفردات) لیکن قرآن میں اس غلبہ کو کہا جاتا ہے جو جنگ میں مقابلہ کے وقت کسی بالمقابل کو حاصل ہو (کذا فی کشف الاسرار) روم کا لفظ کبھی صنف معروف کے لیے اور کبھی رومی کی جمع کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے فارسی و فارس۔

روم کا نسب نامہ روم کا نسب نامہ یوں ہے:
روم بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہم السلام۔

اور روم دو ہیں:
ایک یہی جو مذکور ہوا۔

دوسرا روم بن یونان بن یافث بن نوح علیہ السلام۔ اسے روم اول سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

فرس کی تحقیق الفرس (بسکون الراء) وہ مشہور قوم جو فارس بن سام بن نوح علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ اس کا نسب نامہ یوں ہے:

فرس بن سام بن نوح علیہ السلام۔

ادنیٰ کی تحقیق ادنیٰ کا الف واؤ سے منقلب ہے۔ یہ دنا' ید نو سے مشتق ہے اور کئی معانی میں مستعمل ہے۔ کبھی یہ سب سے کم اور سب سے چھوٹے پر آتا ہے۔ اس کا بالمقابل لفظ اکثر و اکبر استعمال ہوتا ہے اور کبھی احقر و اذل کے معنی میں آتا ہے اس کا بالمقابل اعلیٰ و افضل ہے اور کبھی اوّل کے معنی میں آتا ہے اس کا بالمقابل البعد ہے۔ یہاں پر یہی آخری معنی اقرب مراد ہے۔ یعنی روم جو کہ عرب کے علاقوں کو قریب تر ہے کیونکہ جب بھی وہ لفظ روم بولتے تو یہی علاقہ مراد لیتے تھے اور کبھی شام کا اطراف مراد ہوتا ہے یا اس سے ارضِ روم کی قریب ترین زمین مراد ہوتی ہے وہ بھی عرب سے ہے یا الف و لام مضاف کا عوض ہے۔ یعنی دجلہ وفرات کا درمیانی علاقہ جو ایک جزیرہ پر مشتمل ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ رومی لوگ مغلوب ہو گئے اور فارسی لوگ ان پر غالب ہوئے بہ نسبت روم کی زمین کے۔

---

[1] ہمارے دور کے خوارج تو نبی علیہ السلام کے لیے ان کے اسرار و رموز کے منکر ہیں اور صاحب روح البیان تو اولیاء اللہ کے لیے ثابت کر رہے ہیں بلکہ ان کے طفیل بہت سے ان کے تابعداروں کو بھی ان کے اسرار و رموز حاصل ہیں۔

شاہِ فارس کا تعارف اس غلبہ کے دوران بادشاہ فارس ابرویز بن ہرمز بن انوشروان بن قباذ (یعنی شیریں کا عاشق جو خسرو کے نام سے مشہور تھا) اور ابرویز، عربی میں مظفر، اور انوشروان بمعنے مجدد الملک، اور فارسیوں کا آخری بادشاہ جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قتل کیا گیا۔ اس کا نام یزدجرد بن شہریار بن ابرویز تھا اور روم کا بادشاہ ہرقل بروزن سجل و زبرج تھا۔ یہی وہ ہے جس نے سب سے پہلے دراہم و دنانیر پر مہریں لگائیں۔ اور سب سے پہلے اسی نے بیعہ (گرجا) بنایا۔

ف: بعض کے نزدیک فارس و روم عجم کے قریش ہیں۔

حدیث شریف میں ہے:
لوکان الایمان معلقا بالثریا لناله اصحاب فارس۔
(اگر ایمان ثریا (کہکشاں) سے لٹکا ہوتا تو بھی اسے فارس والے حاصل کر لیتے۔)

حضور علیہ السلام کا والا نامہ بنام قیصر روم مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے قیصر روم کو والا نامہ لکھ کر اسلام کی دعوت دی۔ جب نامہ مبارک قیصر روم کے پاس پہنچا تو اس نے خط پڑھ کر اسے آنکھوں سے لگایا سر پر رکھا۔ اس کے بعد مہر لگا کر مضبوط کر کے سینہ پر رکھ لیا۔ پھر جواب لکھا:

انا نشهد انك نبي ولكنا لا نستطيع ان نترك الدين القديم الذي اصطفاه الله لعيسى عليه السلام۔

(ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ نبی ہیں لیکن ہم سے ممکن نہیں کہ ہم اس قدیم دین کو چھوڑیں جو عیسیٰ علیہ السلام سے چلا آرہا ہے)

اس بات سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم متعجب ہوئے اور فرمایا:

لقد ثبت ملكهم الى يوم القيامة ابدا۔

(بے شک تمہارا ملک قیامت تک ثابت رہے گا)

اور حضور علیہ السلام نے فارس والوں کو فرمایا:

نطحة او نطحتان ثم لا فارس بعدها۔

(چند لمحات یعنی چند سالوں کے بعد فارس نہ ہوگا (یعنی شاہی نہیں رہے گی)

اور روم صاحبِ قرون ہے کہ ایک قرن کے بعد دوسرا قرن شروع ہو گیا ایسے تا قیامت رہے گا۔ (کذا فی

لہ اس ادب کی وجہ سے اس کا ملک تا دیر سلامت رہا۔ تفصیل فقیر کی کتاب "با ادب با نصیب" میں پڑھیے۔ اویسی غفرلہ

سوال : یہ تو اذا ھلک قیصر لا قیصر بعدہ کے خلاف ہے کیونکہ پہلی حدیث میں قیصر کی ابدیت ثابت ہے اور اس حدیث میں قیصر کی نفی ہے۔

جواب : اس دوسری حدیث کا مطلب ہے کہ جب اس کا قبضہ شام سے ختم ہو جائے گا تو پھر اس کا کوئی جانشین نہ ہوگا۔ جیسے فرمایا ویسے ہی ہُوا۔ اور بلادِ روم کے سوا یہ سلسلہ نہیں رہا۔ (کذا فی انسان العیون)

اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک والا نامہ فارس کے بادشاہ کسریٰ کو بھی لکھا، اس وقت کا کسریٰ خسرو مذکور تھا اور کسریٰ خسرو کا معرب ہے۔ اس بدبخت نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا والا نامہ پھاڑ ڈالا اور قاصد کو بھی قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن خالی لوٹا دیا۔ حضور علیہ السلام نے اسے بے ادبی کی بات سُن کر فرمایا :

ان یمزق کل ممزق فمزق اللہ ملکھم فلا ملک لھم ابدا۔
(اللہ تعالیٰ اس کے ملک کو پھاڑ ڈالے اور تا ابد اسے ملک نصیب نہ ہو)

وَهُمْ اور وہ رُومی **مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ** فارس سے مغلوب ہونے کے بعد۔ یہ اضافہ المصدر الی المفعول والفاعل کے قبیل سے ہے۔ دراصل بعد فارس ایاھم تھا اور الغلب والغلبۃ ہر دو مصدر ہیں۔ **سَيَغْلِبُونَ ۝ لا** عنقریب فارس پر رومی غالب ہوں گے **فِي بِضْعِ سِنِينَ ۝ ط**

تحقیق البضع البضع بالفتح بمعنے گوشت کاٹنا اور بالکسر وہ حصہ جو دس سے منقطع کیا جائے اور تین سے دس تک اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ بعض نے پانچ سے اوپر دس سے نیچے کو بضع کہا۔ اور قاموس میں ہے کہ تین سے نو تک اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

کشف الاسرار میں ہے کہ البضع تین اور پانچ اور سات اور نو کا نام ہے۔ اور تفسیر المناسبات میں ہے کہ عدد کا ادنیٰ درجہ ہے کیونکہ وہ مرتبۂ اُولیٰ میں ہے یعنی مرتبۂ احاد کے مرتبۂ اُولیٰ میں سے ہے۔

نکتہ : اس میں بندوں کو تعیین ظاہر نہیں فرمائی تاکہ اس قسم سے انہیں جاہل رکھ کر ان کے عجز کا اظہار کیا جا سکے۔ (جیسے یہ جہالتِ عوام رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے منافی نہیں ایسے ہی دوسرے علوم کی نفی از عوام رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے منافی نہیں ہو گی جیسے علم الساعۃ والروح وغیرہ تفصیل فقیر اویسی غفرلہٗ کی کتاب "احسن التحریر" میں ہے) [1]

ف : مروی ہے کہ فارس کے بادشاہ یعنی خسرو پرویز نے شہریار اور فرخان (جو دونوں بھائی تھے) کو بڑا بھاری لشکر دے کر روم کی جنگ کے لیے بھیجا۔ جب ہرقل روم کے بادشاہ کو معلوم ہُوا کہ میرے لیے

---

[1] اضافہ از مترجم غفرلہٗ

ایسے ہو گیا ہے، تو اس نے مقابلہ کے لیے اپنے غنس نامی کو امیرِ لشکر بنا کر لڑائی کے لیے بھیجا۔ دونوں لشکروں کا آمنا سامنا اذرعات میں ہوا۔ یہ عرب و عجم کے علاقوں میں سے شام کو زیادہ قریب ہے۔ اس جنگ میں غلبہ فارس کو حاصل ہوا اور رومی مغلوب ہوئے۔ رومیوں کے چند شہروں پر بھی فارسیوں نے قبضہ کر لیا۔ یہ خبر اہلِ مکہ کو پہنچی تو مشرکین بہت خوش ہوئے اور مسلمان مغموم۔

شانِ نزول

آیت کے شانِ نزول میں لکھا ہے کہ ایک بار روم اور فارس میں مقام اذرعات و بصریٰ کے درمیان لڑائی ہوئی اور رومی مغلوب ہو گئے۔ مشرکینِ مکہ مسلمانوں سے کہنے لگے کہ تم اور رومی اہلِ کتاب ہو اور ہم اور فارسی غیر اہلِ کتاب۔ پس روم پر فارس کا غالب آنا فال ہے اس کی کہ ہم بھی تم پر غالب رہیں گے۔ اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ ان میں بتایا گیا کہ اے کافرو! تمہارا خیال پورا نہ ہوگا۔

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا عقیدہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کافروں کی ڈینگیں سن کر آیت کے نزول کے بعد کفار و مشرکین سے فرمایا:

لایقرن اللہ اعینکم فواللہ لیظھرن الروم علی فارس بعد بضع سنین۔

(تمہاری آنکھیں ٹھنڈی نہیں ہوں گی بخدا چند سالوں بعد رومی فارسیوں پر غلبہ پا جائیں گے)[1]

لعین ابی بن خلف کافر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں کھڑا ہو گیا اور کہا:

کذبت اجعل بیننا اجلا اناحبك علیه والمناحبة المخاطرة فناحبه علی عشرة ناقة شابة من کل واحد منهما۔

(تم جھوٹ بولتے ہو ہمارے اور اپنے درمیان ایک معاہدہ کر لو میں تمہارے ساتھ شرط لگاتا ہوں ہم میں سے جو بھی سچا نکلے اس کو دوسرا دس اونٹنیاں دے گا)[2]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی شرط قبول کر لی اور پہلے دس نوجوان اونٹنیوں پر شرط طے پائی کہ تین سال میں اگر یہ بات ظاہر ہو گئی تو بہ مطابق شرط دس نوجوان اونٹنیاں دیں گے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ آپ نے فرمایا:

بضع کا اطلاق تین سے نو تک پر ہوتا ہے۔

(فلھذا شرط کو اسی گنتی کے مطابق کر لو۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کا اشارہ قابلِ غور ہے کیونکہ رومیوں کی فتح تین سے اوپر چند سالوں کے بعد ہوئی تھی اس لیے حضور علیہ السلام نے شرط میں اضافے کا فرمایا)[3]

---

[1] کیونکہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خبر دی ہے (خزائن العرفان)
[2] اسے قمار کہا جاتا ہے۔ اس وقت قمار کی حرمت نازل نہ ہوئی تھی۔ [3] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

چنانچہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شرط اور مدت میں اضافہ کا فرمایا تو دونوں سو اونٹنیوں اور نو سال پر متفق ہو گئے۔ اس کے بعد ابی بن خلف لعین کو خطرہ محسوس ہوا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تو عنقریب مدینہ طیبہ کو ہجرت کرنے والے ہیں اسی لیے آپ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ اگر نہ ہوں اور میرا دعویٰ صحیح نکلا تو! تو آپ نے فرمایا: میرا لڑکا عبدالرحمن ضامن ہے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سُنا کہ ابی بن خلف اُحد کی طرف جانے والا ہے تو آپ نے اپنے صاحبزادے کو بھیجا کہ اس سے ضمانت لے۔ چنانچہ ابی بن خلف نے اُحد کو جانے سے پہلے ضامن دے دیا۔ جب ابی بن خلف اُحد سے واپس ہُوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیر مارنے سے مرگیا۔ اس کے بعد رومیوں کو فارسیوں پر ساتویں سال فتح ہُوئی۔

اس کا قصہ یُوں ہُوا کہ جب شہریار و فرخان روم کے بعض بلاد پر غلبہ پا گئے تو پرویز ان دونوں بھائیوں پر بعض اسباب خاص نے اُکسانے پر بدظن ہوگیا۔ اسی لیے چاہا کہ کسی طریقہ سے ان کو آپس میں لڑا کر تباہ کر دے۔ جب ان دونوں بھائیوں کو پرویز کے اس منصوبے کا علم ہُوا تو دونوں نے قیصرِ روم سے گٹھ جوڑ کر لیا۔ اور بادشاہ روم کے سپہدار بن گئے۔ اس طرح سے ان کو فارسیوں پر غلبہ حاصل ہوگیا اور ان سے بعض شہر بھی چھین لیے اور عراق میں رومیہ نامی شہر کی بنیاد رکھی۔

ف: یہ واقعہ یوم الحدیبیہ میں ہُوا، اور الوسیط میں ہے کہ جبریل علیہ السلام خوشخبری لائے کہ رومی غالب اور فارسی مغلوب ہو گئے اور یہی بدر کی فتح کا دن تھا۔ اس کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ابی بن خلف کے وارثوں سے شرط کے مطابق سو اونٹنیاں لے لیں اور وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوئے۔ آپ نے فرمایا: انہیں صدقہ کر دو۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر ان سب کو راہِ خدا میں تقسیم کر دیا۔ اور یہ انما الخمر والمیسر الخ کے حکم کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے۔

مسئلہ: قمار یہ ہے کہ دو بازی کھیلنے والے آپس میں شرط لگائیں کہ جو غالب ہوگا اس کو اتنا مال ملے گا۔ تفصیل فقہ کے ابواب کراہیۃ میں ہے۔

ردِّ وہابیہ و دیوبندیہ

(صاحبِ روح البیان نور اللہ مرقدہٗ لکھتے ہیں:)

والآیۃ من دلائل النبوۃ لانہا اخبار عن الغیب[1]

---

[1] روح البیان پ ۲۱ تحت آیت الٓم غلبت الروم ۱۲۔ اس سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کا عقیدہ صدیوں پہلے کا ہے۔ فقیر یہاں تبرکاً چند احادیث مبارکہ لکھتا ہے تاکہ ناظرین کو مزید تسکین اور قوتِ ایمانی نصیب ہو:

(۱) عن الزھری قال اخبرنی انس بن مالک ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من احب ان یسأل عن شیٔ فلیسأل عنہ فو اللہ لا تسئلونی عن شیٔ الا اخبرتکم بہ ما دمت فی مقامی ھذا۔ (بخاری شریف ج ۲ ص ۱۰۸۳)

یعنی آپ نے قیامت کا ذکر فرمایا پھر فرمایا کہ جس کا دل چاہے وہ کسی قسم کا سوال کرلے۔ قسم خدا کی جب تک میں اس مقام پر کھڑا ہوں مجھ سے جو بھی تم کسی چیز کے متعلق سوال کرو گے تو میں تمہیں خبر دوں گا۔

(۲) حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ما من شئ لم اره و قد رأیته فی مقامی هذا حتی الجنة و النار۔ (ایضاً ص ۱۰۸۲)

(کوئی ایسی چیز جس کو میں نے نہیں دیکھا اُس کو میں نے اس مقام پر دیکھ لیا ہے حتیٰ کہ جنت اور دوزخ بھی)

معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم کُلی ہے۔

(۳) قال علیہ السلام ان اللہ زوی لی الارض حتی رئیت مشارقها و مغاربها۔ (مسلم شریف ج ۲ ص ۳۱۰)

(بے شک اللہ نے میرے لیے زمین کو اکٹھا کیا ہوا ہے۔ میں نے اُس کے تمام مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا ہے)

(۴) عن ابی زید (یعنی عمر بن اخطب) قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر وصعد المنبر فخطبنا حتی حضرت الظهر فنزل فصلی ثم صعد المنبر فخطبنا حتی حضرت العصر ثم نزل فصلی ثم صعد المنبر فخطبنا حتی غربت الشمس فاخبرنا بما کان و بما هو کائن فاعلمنا احفظنا۔

(ایضاً ج ۲ ص ۳۹۰)

(حضرت عمر بن اخطبؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فجر کی نماز پڑھائی اور منبر پر چڑھے تو آپ نے ہمیں ظہر تک خطاب فرمایا۔ پھر منبر سے اترے تو ہمیں نماز پڑھائی پھر منبر پر تشریف لے گئے تو عصر تک ہمیں خطاب فرمایا۔ پھر اُترے اور نماز پڑھائی۔ پھر منبر پر تشریف لے گئے حتیٰ کہ سورج غروب ہوگیا، تو آپ نے جو کچھ بھی پہلے ہوچکا تھا اور جو کچھ بھی آئندہ ہونے والا تھا تمام بیان فرمادیا۔ جو ہم سے زیادہ حافظے والا تھا وہ ہم سے زیادہ عالم ہوگیا)

اس حدیث پاک سے ثابت ہُوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی معجزانہ طاقت پر ایک ہی دن میں غیب کُلی کو بیان فرمادیا۔

(۵) عن عمر قال قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقاماً فاخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اهل الجنة منازلهم و اهل النار منازلهم حفظ ذالك من حفظه و نسیه من نسیه۔ (بخاری شریف ص ۴۵۳ و مشکوٰۃ ص ۷۷)

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مقام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مجلس میں کھڑے

ہوئے تو آپ نے ابتدائے خلقت سے لے کر جنتیوں کے جنت کے مقامات میں داخل ہونے تک اور دوزخیوں کے دوزخ کے مقامات میں داخل ہونے تک تمام خبریں ہمارے سامنے بیان فرمادیں جس کو یاد رہا رہا، جس کو بھول گیا بھول گیا)

اس حدیث سے بھی جس کے راوی حضرت عمر ہیں ثابت ہوا کہ آپ کو علم کلی تھا جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادیا۔

(۶) عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اتقاکم واعلمکم باللہ انا۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۷)

(حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ آپ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ میں تم تمام سے زیادہ متقی اور زیادہ جاننے والا ہوں)

(۷) عن عبداللہ بن عمرو قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفی یدہ کتابان فقال اتدرون ما ھذان الکتابان فقلنا لا یارسول اللہ الا ان تخبرنا فقال الذی فی یدہ الیمنی ھذا کتاب من رب العالمین فیہ اسماء اهل الجنۃ واسماء اٰبائھم وقبائلھم ثم اجمل علی اٰخرھم فلا یزاد فیھم ولا ینقص منھم ابداً ثم قال للذی فی شمالہ ھذا کتاب من رب العلمین فیہ اسماء اھل النار واسماء اٰبائھم وقبائلھم ثم اجمل علی اخرھم فلا یزاد فیھم ولا ینقص منھم ابداً الخ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۳۶)

(عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ہم پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں۔ تو آپ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو یہ کتابیں کیسی ہیں تو ہم نے عرض کی، نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ مگر یہ کہ آپ ہمیں ارشاد فرمائیں تو آپ نے فرمایا یہ کتاب جو میرے دائیں ہاتھ میں ہے یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔ اس میں تمام جنتیوں کے نام اور ان کے آباء کے نام اور ان کے قبیلوں کے نام درج ہیں پھر ان کے اخیر پر میزان لگائی گئی ہے۔ تو ان میں نہ زیادہ کیا جائے گا اور نہ کم کیا جائے گا ہمیشہ تک، پھر فرمایا یہ جو کتاب میرے ہاتھ میں ہے یہ رب العالمین کی طرف سے ہے اس میں تمام دوزخیوں کے نام ہیں اور ان کے آباء کے نام اور ان کے قبیلوں کے نام۔ پھر ان کے اخیر پر میزان لگائی گئی ہے نہ ان میں کچھ زیادہ کیا جائے گا اور نہ کم ہمیشہ کے لیے)

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام جنتیوں اور تمام دوزخیوں کی فہرستیں اللہ تعالیٰ

نے عطا کر دی ہوئی ہیں جن میں ان کے اعمال بھی شامل ہیں۔

(۸) عن ابی ھریرۃ قال قلت یا رسول اللہ انی اسمع منک حدیثا کثیرا انساہ قال ابسط رداءک فبسطتہ فغرف بیدہ ثم قال ضمہ فضممتہ فما نسیت شیئاً بعد۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۲)

(ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ سے بہت حدیثیں سنتا ہوں تو ان کو بھول جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ۔ تو میں نے چادر پھیلائی۔ آپ نے اپنے دستِ پاک کا ایک چُلّو لیا۔ پھر فرمایا: ملا لو اس کو۔ میں نے ملا لیا اس کو، تو میں اس کے بعد کچھ نہیں بھولا)

جن کے چُلّو سے نسیان دُور ہو جائے اور قوتِ حافظہ بڑھ جائے تو ان کی ذات کو کوئی بھولنے والا کہے تو اس جیسا بدبخت دُنیا میں اور کون ہوگا!

(۹) عن ابن عباس قال ضمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال اللھم علمہ الکتاب۔ (بخاری شریف)

(ابن عباسؓ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ بغلگیر کیا اور فرمایا کہ اے اللہ! اس کو کتاب (قرآن شریف) کا علم سکھا دے)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو بغلگیر کر کے استاد المفسرین بنا دیا۔

(۱۰) عن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما نسیت۔

(کنز العمال ج ۱ ص ۳۰۵)

(حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے کبھی نسیان نہیں ہوا)

(۱۱) عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ قد رفع اسے اظھر وکشف (لی الدنیا) بحیث احطت بجمیع ما فیھا فانا انظر الیھا والیٰ ما ھو کائن فیھا الیٰ یوم القیامۃ کانما انظر الیٰ کفی ھٰذہٖ (اشارۃ الیٰ انہ نظر حقیقۃً)۔ (زرقانی شریف ج ۷ ص ۲۰۷)

(ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے لیے اللہ تعالےٰ نے تمام دنیا کو ظاہر فرمایا تو جو کچھ اُس تمام دُنیا میں تھا میں نے اس کا احاطہ کر لیا۔ تو میں اُس تمام دنیا کی طرف دیکھ رہا ہوں اور قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے دیکھ رہا ہوں۔ جیسا کہ اس ہاتھ کی ہتھیلی کو دیکھتا ہوں (یہ آپ نے حقیقۃً دیکھا)

(اور آیت نبوت کے دلائل سے ہے اس لیے کہ یہ غیب کی خبر دینے پر مشتمل ہے)

ف: آیۃ مذکورہ کی یہی قرأۃ مشہور ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اسے غلبت بصیغہ معروف پڑھا جائے۔ اس معنی پر کہ ضمیر فارس کی ہے اور الروم اس کا مفعول بہ ہے۔ یعنی فارسی رومیوں پر غالب ہوئے۔ پھر فارسی رومیوں سے مغلوب ہوں گے اور یہ بھی جائز ہے کہ روم غلبت کا فاعل ہے جبکہ یہ صیغہ فاعل ہے یعنی رومی غالب ہوئے فارسیوں پر یعنی رومی مغلوب ہونے کے بعد غالب ہوں گے سیغلبون مجہول کا صیغہ ہے۔ یعنی عنقریب وہ اہل اسلام سے مغلوب ہوں گے۔ اور یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ اقدس میں ہوا۔ یہ ۱۵ھ یا ۱۶ھ تھا اور یہ ملک ۴۷۷ سال تک اہلِ اسلام کے قبضہ میں رہا۔ اس کے بعد اس پر فرنگی قابض ہوگیا۔ یہ ماہ شعبان ۴۹۲ھ میں ہوا۔ اور یہ ملک ان کے قبضے میں ۹۱ سال رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے سلطان نامور صلاح الدین یوسف بن ایوب کو فتح بخشی۔ وہ جمعہ کا دن ۱۷ رجب ۵۸۳ھ تھا۔ قاضی محی الدین بن البرکی قاضیِ دمشق نے ان کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے: ؎

فتوحکم حلبا بالسیف فی صفر
مبشر بفتوح القدس فی رجب

ترجمہ: تم نے تلوار سے صفر میں حلب کو فتح کیا اور قدس کی فتح کی خوشخبری رجب میں سنائی گئی۔

ف: قاضی مرحوم نے جیسا لکھا ویسا ہوا کہ بیت المقدس رجب میں فتح ہوا۔ اس سے پوچھا گیا کہ آپ نے اس فتح کی خوشخبری قبل از وقت کیوں سنا دی؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے ابنِ مرجان کی تفسیر الم غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین سے سمجھا ہے۔

---

(۱۲) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

انی لاعرف اسماءھم واسماء اٰبائھم والوان خیولھم
ھم خیر فوارس علی ظھر الارض یومئذ۔ (مسلم شریف ج ۲ ص ۳۹۲)

(نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے قریب دس اسپ سوار نکلیں گے۔ آپ نے مزید فرمایا کہ میں ان کے ناموں کو بھی جانتا ہوں اور ان کے آبا کے ناموں کو بھی۔ اور ان کے گھوڑوں کے رنگوں کو بھی۔ وہ اس دن تمام زمین کے اسپ اسواروں سے بہتر ہوں گے۔

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ما فی غد اور ما فی الارحام کے علوم قیامت تک بیان فرمادیے۔
مزید مطالعہ علمائے اہلسنت کی تصانیف سے کیجئے۔
اویسی غفرلہٗ

حضرت امام ابوالحکم بن مرجان اندلسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر مذکور ۵۲۰ھ میں تصنیف فرمائی۔

اعجوبہ اس وقت بیت المقدس فرنگی ملعون کے قبضہ میں تھا اور شیخ سعدالدین حموی رحمہ اللہ نے مغلوبیتِ روم ۵۸۰ھ کا استخراج ادنی الارض سے کیا۔ اسی سال میں تیمور رومیوں پر غالب ہوا۔

فقیر (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ اکثر غالبیت ومغلوبیت ہمیشہ کے لیے بضع کے حساب

اعجوبہ کے اندر رہی ہے اور رہے گی خواہ صدیوں کے لحاظ سے ہو یا باعتبار احاد کے۔ ایسے ہی ایک بار اہلِ اسلام ۸۰۲ھ میں غالب ہوئے۔ جیسا کہ چند غلبہ والوں نے اشارات بھی کئے۔ جیسا کہ سیغلبون سے بھی سمجھا جاتا ہے لیکن پھر اہلِ اسلام پر ۹۰۷ھ میں کفار نے غلبہ پایا۔

قاعدہ: ہر حادثہ قرآن مجید میں کسی نہ کسی آیت میں اشارۃً ضرور پایا جاتا ہے۔ یہ علم الحروف کے جاننے والے جانتے ہیں۔ اور یہ اس پر منکشف ہوتا ہے جو اس علم کا ماہر ہے۔ چنانچہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ؎

العلم بالحروف سر اللہ یدرکہ
من کان بالکشف والتحقیق متصفا

ترجمہ: علم الحروف بھی رازِ الٰہی ہے اسے وہ پا سکتا ہے جسے کشف وتحقیق نصیب ہو۔

لِلّٰهِ اللہ وحدہٗ کے لیے ہے الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ ط امر پہلے کا ہو یا بعد کا، یعنی دونوں اوقات کا، اول وآخر اسی کے ہاتھ میں ہے کوئی مغلوب ہو یا غالب۔

خلاصہ یہ کہ کسی کا غالب ومغلوب ہونا کسی کے بس میں نہیں۔ یہ سب امور اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔

وَيَوْمَئِذٍ اور اس دن کہ جب رومی فارسیوں پر غالب ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ لا اہلِ ایمان خوش ہوں گے۔

حل لغات: امام راغب نے فرمایا کہ لذتِ عاجلہ کے حصول پر انشراحِ صدر کا نام فرح ہے اور اس کا اکثر استعمال لذت بدنیۃ الدنیویہ پر ہوتا ہے اور سوائے فبذٰلك فليفرحوا[1] کے ہمیں کسی جگہ پر فرح کی اجازت نہیں دی گئی اور دوسرا مقام فرحت کا یہی مقام ویومئذ یفرح المومنون ہے۔

بِنَصْرِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی مدد پر کہ اس نے اہلِ کتاب کو ان لوگوں پر فتح دینی ہے جن کے ہاں کتاب نہیں ہے تاکہ کفارِ مکہ غیظ وغضب میں جلیں کہ وہ رومیوں کے مغلوب ہونے پر خوشیاں منا رہے ہیں اور تاکہ دلیل بن جائے کہ اہلِ ایمان کافروں پر غالب ہوتے رہیں گے۔

مسئلہ: دراصل فتح ونصرت ایک اعلیٰ منصب ہے جو صرف اہلِ ایمان کے لائق ہے۔

ف: بعض نے کہا اہلِ ایمان کو اس لیے خوشی ہوگی کہ کافر ایک دوسرے کو قتل کریں گے کیونکہ اس طرح سے

---

[1] مکمل آیت قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذٰلك فليفرحوا هو خير مما يجمعون۔

کفار کی شان و شوکت کم ہوگی۔ ان کی خوشی اس سے نہیں ہوگی کہ کافروں کا ایک گروہ دوسرے گروہ پر غلبہ پا لے گا یہ خوشی ایسے ہے جیسے ایک ظالم گروہ دوسرے گروہ کو قتل کر ڈالے (تو یہ خوشی ظلم و ستم کی طاقت کی کمزوری سے ہوگی)

روحانی نسخے کشف الاسرار میں ہے کہ: (۱) آج غم ہے تو کل خوشی۔ (۲) آج عبرت ہے تو راحت۔ (۳) آج رونا ہے تو کل دیدار نصیب ہوگا۔

ف : دوستانِ خدا کو آج دنیا میں دُکھ درد اور تکالیف اور پریشانیاں اور حسرت و افسوس ہے لیکن یہ لوگ دکھ درد اور سوز و گداز کے خریدار ہیں بلکہ ہو سکتا ہے اپنا سب کچھ اس درد و غم پر نچھاور کرتے ہوں۔ چنانچہ ایک نوجوان نے کہا کہ دکھ اور درد نقد سودا ہے کہ درد پر ہزاروں درمان نصیب ہوں گے۔

حکایت سیدنا داؤد علیہ السلام سے جب خلافِ اولیٰ عمل سرزد ہوا تو تازیست اپنا سر اوپر اٹھا کر نہ دیکھا، ہر لحظہ تضرع و زاری میں بسر کرتے تھے اور بارہِ ایزدی میں دُعا کرتے: الٰہی! میرے لیے خوش مزاج اور خوش درد یہی ہے۔

ف : اے مسکین! اگر ہمیشہ تُو بے درد رہا تو کیا فائدہ! اگر تو درد و سوز کی نعمت سے محروم ہے تو بے خبر ہے اگر تجھے غم اور گریہ کا علم ہوتا تو رونے میں زندگی گزار دیتا۔ اگر ہنسنے کا نقصان جانتا تو کبھی نہ ہنستا۔

من گریہ بخندہ در ہمی پیوندم
پنہان گریم و بآشکارا خندم
اے دوست گمان مبر کہ من خرسندم
آگاہ نہ کہ من نیاز مندم

ترجمہ: میں رونے اور ہنسنے کو ملاتا رہتا ہوں چپکے چپکے روتا ہوں اور بہ ظاہر ہنستا ہوں۔ اے دوست! یہ گمان مت کر کہ میں خوش ہوں، تجھے کیا خبر کہ میں تو نیاز مند ہوں۔

يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ وہ جس کی چاہے مدد کرے، کمزور ہو یا طاقت ور۔ جملہ مستانفہ اور لله الامر من قبل و من بعد کے مضمون کی تقریر کرتا ہے **وَهُوَ الْعَزِيْزُ** اور وہ بہت بڑے غلبہ و عزت والا ہو اسے کوئی بھی عاجز نہیں کر سکتا جب وہ کسی کی مدد کرنا چاہے **الرَّحِيْمُ** لا بہت بڑی رحمت والا ہے، جس کی وہ مدد کرنا چاہے مدد کرتا ہے یا یہ کہ وہ اسے عزت نہیں دیتا جو اس سے عداوت رکھے اور اسے ذلیل نہیں کرتا جو اس سے محبت کرے (کذا فی المناسبات) یہ اس پر محمول ہے کہ وہ صرف اہلِ ایمان کو مشرکین پر مدد دیتا ہے۔ جیسے بدر میں ہُوا۔ (کذا فی الوسیط) اور الارشاد میں ہے کہ رحمت سے دنیوی رحمت مراد ہے۔ یہ قرأۃ مشہورہ ہو تو ظاہر ہے اس لیے کہ دونوں گروہ (مسلمان و کافر) رحمتِ دنیویہ کے مستحق ہیں اور قرأۃ اخیرہ پر یوں ہے کہ اہلِ اسلام اگرچہ خصوصی طور پر رحمت کے مستحق ہیں۔ لیکن اس سے مراد یہ ہوگا

کہ وہ دنیوی رحمت کے آثار کے خصوصیت سے مستحق ہیں عزت کی تقدیم اس لیے ہے کہ دنیوی اعتبار سے وہ رحمت سے مقدم ہے۔ وَعْدَ اللّٰهِ مصدر موکد لنفسہ ہے کیونکہ اس کا ماقبل ویومئذ الخ وعدہ کے معنی میں ہے۔

حل لغات: الوعد بمعنے وقوع سے پہلے نافع شے کے خبر دینا اور یہی یومئذ یفرح المؤمنین کا مقصد ہے۔ ایسے مصادر کا عامل ہمیشہ محذوف ہوتا ہے دراصل عبارت تھی:

وعد اللّٰہ وعداً۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو دیکھو۔ اس کے بعد جملہ مستانفہ لایا گیا تاکہ وعدہ کی تقریر و تاکید ہو۔ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا خواہ روم کا واقعہ ہو یا دنیا کا کوئی اور، یا آخرت کا۔ کیونکہ اس کی ذات سے کذب ناممکن بالکل محال ہے۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ اور لیکن اکثر مشرکین واہلِ اضطراب (منافقین) لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ اللہ تعالیٰ کے وعدے کی صحت کو نہیں جانتے اپنی جہالت اور عدم تفکر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بے انتہا شانوں کے بارے میں وعدہ کی صحت کو نہیں جانتے يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وہ جانتے ہیں صرف حیوٰۃ دنیا کے ظاہر کو، یعنی دنیا کے نقش و نگار اور اس کی چمک دمک کو۔ اور ایسے ہی وہ احوال جو ان کی شہوات کے موافق اور ان کی نفسانی خواہشات کے مطابق ہیں کیونکہ وہ دنیا کے معاملات میں نہایت سخت منہمک ہیں بلکہ اس پر ٹوٹ پڑے ہیں ظاھراً کی تنکیر و تحقیر کی وجہ سے ہے یعنی دنیا جو کہ نہایت خسیس و حقیر ہے۔

ف: حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کافر ایک درہم لے کر کہتا ہے کہ اس کا وزن اتنا ہے اور وہ واقعی ٹھیک کہتا اور ایسے ہی وہ کھرے کھوٹے کو جانتا تھا لیکن حقیقت سے ناآشنا تھا۔ جناب ضحاک رحمہ اللہ نے فرمایا: کافر دنیا میں اپنے مکانات کی بلندیوں کو اور نہریں جاری ہونے کو اور بہت اونچے اونچے درختوں کو دیکھتے ہیں شے کے عدم علم اور صرف دنیا کے علم تک محدود ہونے میں فرق ہے۔

ف: التیسیر میں ہے کہ علم کی نفی امورِ دین کی وجہ سے ہے۔ پھر یعلمون میں دنیوی امور کا علم ہے۔ فلہذا اس میں کوئی تناقض نہیں اس لیے کہ پہلے یعلمون میں انتفاع علم کی نفی ہے دوسرے میں علم کو ایسے امور میں استعمال کرنا ہے جو علم کے شایانِ شان ہے۔

ف: یہ کم علمی کی دلیل ہے کہ انسان سردی کے امور گرمی میں تیار کرے اور گرمی کے امور سردی میں۔ لیکن اسے یہ کب یقین ہے کہ وہ اس تک ضرور پہنچ جائے گا۔ فلہذا اسے اُخروی امور کے لیے تیاری کرنی چاہیے جو اس کے لیے ضروری ہے۔

وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ اور وہ آخرت سے، جو کہ اصلی مقصد اور اعلیٰ غرض ہے هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝

غافل ہیں کہ ان کے دل میں کھٹکا نہیں ہوتا۔ اور دنیا سے ایسی باتیں حاصل نہیں کرتے جو اس کی معرفت اور اس کے احوال کی حقیقت تک پہنچائیں، اور اس میں تفکر نہیں کرتے۔

دوسرا هُم پہلے هُم کی تاکید کے لیے ہے۔ یہ بتاتا ہے کہ وہ لوگ آخرت سے غفلت کے مخزن ہیں یا وہ مبتدا ہے۔ اور غٰفلون اس کی خبر ہے اور یہ پہلے جملہ کی تاکید ہے۔

ف : آیت میں غافلوں کو جانوروں سے تشبیہ دی گئی ہے کہ آخرت سے غفلت کے ادراکات ظواہر حسیہ پر مقصود ہیں کہ احوال پر جو مبادی علم کے مبادی ہیں اہلِ ایمان کی غفلت از آخرت بوجہ ترک استعداد کے ہے اور کافرین اس کے انکار کرنے سے۔

مسئلہ : جو آخرت سے غافل ہوگا وہ اللہ تعالیٰ سے اور زیادہ غافل ہوگا۔ اور جو اللہ سے غافل ہے وہ اس کے بندوں کی صف سے گرایا جاتا ہے۔

آخرت میں اہلِ دُنیا کا حال

حدیث شریف میں وارد ہے کہ کل قیامت میں دنیا کو بارگاہِ خداوندی میں لایا جائے گا جس کی شکل بوڑھی عورت سی ہوگی اور آراستہ و پیراستہ ہو کر آئے گی۔ عرض کرے گی : آج مجھے کمتر سے کمتر بندہ عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں تجھے اپنے خسیس سے خسیس تر بندہ کو بھی تجھے نہیں دوں گا۔ پھر اسے فرمائے گا، مٹی ہوجا۔ وہ وہیں پر ایسی مٹی ہو جائے گی کہ اس کا کہیں نام ونشان تک نظر نہ آئے گا۔

طالبانِ دُنیا

عارفین فرماتے ہیں کہ طالبانِ دنیا تین قسم کے ہیں،

(۱) دنیا کو حرام طریقہ سے جیسے بن پڑتا ہے بقہر و جبر و غضب جمع کرتے ہیں۔ انہیں اپنے انجام کی بربادی کا فکر نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ عذاب کے مستحق ہیں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "وہ شخص جو کہ دنیا حلال طریق سے اس نیت سے جمع کرتا ہے کہ وہ دوسروں پر فخر وناز کرے گا جب وہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس سے منہ پھیر لے گا اور اظہارِ ناراضی فرمائے گا" (اس سے اندازہ کیجئے کہ جو حرام طریقے سے دنیا جمع کرتا ہے اس کا کیا حال ہوگا!)

(۲) جو مباح طریقہ سے دنیا جمع کرتا ہے مثلاً تجارت وکسبِ حلال وغیرہ سے، اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے چاہے حساب لے یا نہ لے۔

حدیث شریف میں ہے،

من نوقش فی الحساب عذب۔

(جو حساب کے لیے کھڑا کیا گیا وہ عذاب میں مبتلا ہوا)

(۳) جو اتنی دنیا کماتا ہے کہ بھوکوں مرے اور تن ڈھانپے اور قناعت سے زندگی بسر کرے۔

کہیں اس کا قدم ڈگمگا نہ جائے بلکہ اپنی صداقتِ طلب کو ثبات و دوام بخشے۔ وھم من بعد غلبھم سیغلبون اور وہ روم (قلب) بعد مغلوبیت کے فارس (نفس) پر غالب ہوگی اللہ تعالیٰ تائیدوں سے فی بضع سنین چند سالوں میں ایام طلب میں للہ الامر من قبل غلبۂ فارس (نفس) کے روم (قلب) پر پہلی بار وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم و تقدیر سے تھا اور اس کی اس میں حکمت بلیغہ ہے کہ اصلاح حال و تل میں جس طرح چاہے ورنہ جمیع انبیاء و اولیاء کے نفوس ابتدا میں قلوب پر غالب تھے پھر بعد میں ان کے قلوب نفوس پر غلبہ پا گئے و من بعد یعنی بعد کو غلبۂ روم (قلب) کا فارس (نفس) پر یہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم پر ہے۔ اس کا ایسا حکم ہے کہ اسے کوئی ٹالنے والا نہیں ویومئذ اس دن یعنی جب روم غالب ہوئے یفرح المؤمنون خوش ہوں گے اہلِ ایمان یعنی رُوح، سر، عقل بنصر اللہ اللہ کی مدد پر جو اس نے قلب کو نفس پر بخشی ایسے ہی اہلِ ایمان کی مدد کافروں پر وھو العزیز اور وُہ عزیز ہے کہ اپنے اولیاء کی مدد اور اپنے اعداء کو ذلیل کرتا ہے الرحیم وہ رحمت والا ہے کہ وہ اہلِ محبت یعنی اربابِ قلوب کی مدد فرماتا ہے وعد اللہ لایخلف اللہ وعدہ ولکن اکثر الناس اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور وہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر وہ جو اس کے الطاف کو فراموش کرنے والے ہیں لا یعلمون اس کے صدق وعدہ اور وفائے عہد کو نہیں جانتے کیونکہ یعلمون ظاہرا من الحیٰوۃ الدنیا وہ حیات دنیا کے صرف ظاہر کو جانتے ہیں یعنی حواس ظاہرہ کے ساتھ شہوات دنیا کے شہد کی حلاوت کی لذت پاتے ہیں وھم عن الاخرۃ اور حواس باطنہ کے ساتھ وہ آخرت اور اس کے کمالات اور وجدان شوق شہوات سے، کیونکہ وہ بقائے ابدی کا موجب ہے اور شہوات دنیا کا شہد زہریلا اور مہلک ہے ھم غٰفلون وُہ غافل ہیں کیونکہ وہ بحرِ بشریت میں غرق اور اس کے اوصاف کی موجوں میں غوطہ زن ہیں۔ حضرت کمال خجندی رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

جہان وجملہ لذاتش بزنبور عسل ماند
کہ شیرینیش بسیار است وزاں افزوں شر و شورش

ترجمہ: جہانِ دنیا اور اس کی تمام لذات شہد کی مکھی کی طرح ہیں کہ اس میں مٹھاس تو بہت ہے لیکن اس سے بڑھ کر اس کا شر اور شور ہے۔

تفسیر عالمانہ اَوَلَمْ یَتَفَکَّرُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ کیا انہوں نے غور و فکر نہیں کیا، واؤ اور اس کا عطف فعل مقدر پر ہے تفکر بمعنے مطلوب تک پہنچنے کے لیے معانی اشیاء کا دل کی طرف متوجہ کرنا۔ یہ عقل کے تصفیہ سے پہلے ہوتا ہے اور تذکر تصفیۂ عقل کے بعد۔ اسی لیے قرآن مجید میں عقل کے ساتھ تذکر کا ذکر ہے تفکر کے ساتھ نہیں۔

اعجوبہ لغت بعض ادباء نے کہا کہ فکر دراصل الفرک کا مقلوب ہے۔ اسی لیے کہ اس کا استعمال معانی میں ہوتا ہے یعنی امور میں غور و فکر اور بحث کرنا تاکہ ان کی تہ تک پہنچا جا سکے (اور

فواد کا اطلاق غیر معانی میں ہوتا ہے)

فی انفسھم تفکر کے متعلق ہے۔ اس کا ذکر اس لیے ہے کہ اس کا ظہور اس کے غیر میں محال ہے کیونکہ متفکر کا حال بوقت فکر یونہی ہوتا ہے اور یہ قرآن کی وسعت استعمالات سے ہے۔ مثلاً فرمایا:

ویقولون بافواھھم۔

(اور وہ منہ سے بولتے ہیں)

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ کفار مکہ نے اپنی نظروں کو زندگی کے ظاہر حالات پر جما لیا اور اپنے دلوں میں فکر کو گنجائش نہ دی ورنہ انہیں معلوم ہو جاتا کہ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اور ہم نے آسمان اور ایسے ہی جمیع اجرام علویہ اور سماوات ارواح اور زمین ایسے ہی جمیع اجرام سفلیہ اور ارض اجسام وَمَا بَيْنَهُمَآ اور جو ان کے درمیان میں مخلوق ہے اور دیگر قوی پیدا نہیں کئے اِلَّا بِالْحَقِّ مگر حق کے ساتھ اور حکمت و مصلحت پر تاکہ ان سے یہ لوگ عبرت پکڑیں اور صانع حقیقی کے وجود اور اس کی وحدت پر استدلال کریں اور جانیں کہ اس کی صفات کی جولانگاہیں اور اس کی قدرت کے مناظر ہیں۔

سوال : ظرف کا متعلق تفکر کیوں؟

جواب : تفکر کے لائق خلق ہے نہ کہ خالق۔ کیونکہ وہ تو اس سے منزّہ ہے کہ اسے قلب میں کسی صورت سے متصور کرکے لایا جائے۔

حدیث شریف : اسی لیے حدیث شریف میں ہے:

تفکروا فی آلاء اللّٰہ تعالیٰ ولا تتفکروا فی ذات اللّٰہ۔

(اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں فکر کرو لیکن اس کی ذات میں فکر مت کرو)

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ عالم خلقست با سوئے جہات
بے جہت دان عالم امر و صفات

۲ بے تعلق نیست مخلوقے بدو
آن تعلق ہست بیچون اے عمو

۳ این تعلق را خرد چون پے برد
بستۂ فصلست و وصلست این خرد

۴ زین وصیت کرد ما را مصطفیٰ
بحث کم جوئید در ذات خدا

۵ آنکہ در ذاتش تفکر کرد نیست
در حقیقت آن نظر در ذات نیست

۶ ہست آن پندار او زیرا براہ
صد ہزاران پردہ آمد تا الٰہ

۷ ہر یکے در پردۂ موصول جو ست
وہم او آنست کہ آن عین ہوست

۸ پس پیمبر دفع کرد این وہم ازو
تا نباشد در غلط سودا پز او

۹ در عجائب ہاش فکر اندر روید
از عظیمے وز مہابت گم شوید

۱۰ چونکہ صنعش ریش و سبلت کم کند
حد خود داند ز صانع تن زند

۱۱ جز کہ لا احصی نگوید او ز جان
کز شمار و حد برونست آن بیان

ترجمہ: (۱) عالم خلق جہات رکھتا ہے لیکن عالم امر و صفات جہت سے منزّہ ہے۔
(۲) مخلوق کو اس سے تعلق لازمی ہے وہ تعلق ہستی کا ہے اے نابینا!
(۳) اس تعلق کے لیے جب عقل راہ لیتی ہے تو فصل و وصل کا پابند ہوتا ہے۔
(۴) اسی لیے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں بحث نہ کرو۔
(۵) ہاں وہ جو ہم اس کی ذات میں تفکر کرتے ہیں وہ اس کی ذات میں تفکر نہیں۔
(۶) وہ صرف ہمارا اپنا وہم و گمان ہے ورنہ اس کی ذات تو ہزاروں پردوں میں چھپی ہوئی ہے۔
(۷) ہر ایک اسی پردے والے کا متلاشی ہے پھر اسی پردے کو سمجھنے لگتا ہے کہ شاید یہ وہی ہے۔
(۸) اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وہم کا ازالہ فرمایا تاکہ کسی غلطی کا شکار نہ ہو جائے۔
(۹) ہاں اس کے عجائبات میں فکر کرتے جاؤ۔ لیکن اس کی عظمت و ہیبت سے آگے نہ بڑھو۔
(۱۰) چونکہ اس کی صنعت ہی ہمارے لیے کافی ہے۔ صانع کی حد تک پہنچنا مشکل ہے۔
(۱۱) سوائے لا احصی کہنے کے چارہ نہیں اس لیے کہ یہ بیان شمار اور حد سے باہر ہے۔

نکتہ صوفیانہ در اطلاق اسم حق (صوفیہ کرام رحمہم اللہ کے اپنے اکثر احوال میں اطلاق اسم حق سے شبہ پڑتا تھا کہ اس کی تخصیص کیوں، حالانکہ اس کے اسماء بھی تو ہیں۔ صاحب روح البیان رحمہ اللہ نے فرمایا:

حق کا معنیٰ ہے وہ ذات ثابت الوجود ہے اور وہ زوال و عدم کو قبول نہیں کرتی اور نہ تغییر کے قابل ہے۔
پھر یہ حضرات ذات حقیقیہ کے ہر وقت تصور میں رہتے ہیں یعنی ما سوی اللہ جو سراسر باطل و ہالک ہے کی طرف تھوڑی سی دیر کے لیے بھی دھیان نہیں کرتے۔ اسی لیے ان کے اطلاقات میں یہی اسم زیادہ استعمال ہوتا ہے۔

وَاَجَلٍ مُّسَمًّى اس کا عطف حق پر ہے یعنی ان کی تخلیق ایک میعاد مقرر کے لیے ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے خود مقرر فرمایا ہے کہ فلاں وقت تک باقی رہیں گے اس کے بعد مٹ جائیں گے یعنی ان کے مٹنے کے لیے ایک انتہائی سرحد ہے اور وہ ہے قیام الساعۃ۔ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ اور بہت سے لوگ اہل غفلت اور تفکر آخرت کے سمجھنے کی رہبری کرتا ہے' سے اعراض کی وجہ سے بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ اپنے رب کی حاضری سے یعنی اس کے حساب و جزا کے لیے اور مرنے کے بعد اُٹھنے کے منکر ہیں۔

ف: بِاَ لَكٰفِرُوْنَ ۝ کے متعلق ہے۔ لکافرون بمعنے منکرون جاحدون ہے کیونکہ ان کا گمان ہے کہ دنیا ابدی ہے اور آخرت تو تب ہو جب اس کے لیے ختم ہونا ہو۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا سیر بمعنے زمین پر چلنا۔ یعنی اہل مکہ نے چل کر نہیں دیکھا فِى الْاَرْضِ زمین پر فَيَنْظُرُوْا کہ دیکھیں یعنی ان سابقہ کافروں کے رہنے سہنے کے مقامات پر چل کر دیکھیں یہ اس لیے کہ یہ لوگ اپنی تجارات کے وقت زمین کے چپہ چپہ کو چھان ڈالتے اور ان مقامات سے گزرتے۔ اسی لیے حکم ہوا کہ انہیں دیکھو اور پھر سوچو كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کیسے ہے انجام ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گزرے ہیں یعنی وہ اُمتیں جو تباہ و برباد ہوئیں جیسے عاد و ثمود۔

قاعدہ عاقبۃ عاقبۃ کا لفظ علی الاطلاق ہو تو وہاں ثواب مراد ہوگا، جیسے والعاقبۃ للمتقین۔ اگر اضافت کے ساتھ ہو تو سزا کے معنی میں ہوگا، جیسے اسی آیت میں ہے۔ اس سے انجام کار مراد ہوتا ہے۔

ربط: اس کے بعد امم سابقہ کے انجام کار کی تفصیل بتائی ہے وہ یہ کہ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وہ ان سے قوت (طاقت) میں زیادہ طاقتور تھے۔ یعنی وہ اہل مکہ سے زندگی کے حالات کے اعتبار سے عیش و عشرت میں زیادہ قوت رکھتے تھے وَاَثَارُوا الْاَرْضَ۔

حل لغات یہ ثار الغبار و السحاب سے مشتق ہے یعنی چمک کے غبار اور بادل منتشر ہوا۔ یعنی کسی شے کو ایسی حرکت دینا یہاں تک کہ غبار اڑے۔ فارسی میں برانگیختن گرد و شورانیدن زمین و میغ آوردن باد (گرد کا اڑنا زمین کا شور کرنا اور ہوا کا بادل لانا) کما فی تاج المصادر۔
الثور اس بیل کو کہتے ہیں جو زمین کو کھودے۔ گویا وہ اس کام میں لگا رہتا ہے کہ اسے مصدر کے

معنیٰ میں مستعمل ہے۔ جیسے عدل بمعنے عادل مصدر بمعنے اسم فاعل مبالغہ کے لیے ہے۔
البقر، بقوسے ہے بمعنے شق یعنی چیرا۔ کیونکہ وہ کھیتی کے لیے زمین کو چیرتا ہے۔ اسی لیے حضرت محمد بن حسین رضی اللہ عنہ کو باقر کہاجاتا ہے کیونکہ وُہ گویا علم کے ماہر وحاذق تھے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ انہوں نے اب معنی یہ ہُوا کہ انہوں نے زمین کو کھیتی کے لیے الٹادیا اور اس پر پانی بہایا اور اس کے خزانے نکالے۔

وَعَمَرُوْهَا۔

حلِ لغات العمارۃ خراب وویران کی نقیض۔ یعنی انہوں نے زمین کو مختلف عمارات اور کھیتوں اور باغوں (و دیگر وہ امور جن کا آبادی سے تعلق ہے) سے آباد کیا۔

اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا اس سے زیادہ جو کہ کے مشرکین نے زمین کو آباد کیا ہے اور اہل مکہ کی آبادی سے ان کی مناسبت کیسے ہوسکتی ہے جبکہ یہ اس وادی میں رہتے ہیں جس میں کھیتی وغیرہ نہیں ہوتی اور پھر ان کا گزر اوقات بھی صرف اسی میں ہے وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ اور ان کے پاس ان کے رسل کرام علیہم السلام معجزات اور واضح آیات لائے اور انہوں نے ان کی تکذیب کی اور انہیں اللہ تعالیٰ نے تباہ و برباد کردیا فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وہ جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عذاب میں مبتلا کرکے تباہ و برباد کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بلاجرم ظلم نہیں کیا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ؕ لیکن وُہ اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے کیونکہ انہوں نے ایسے معاصی وجرائم کا ارتکاب کیا جو ان کی تباہی و بربادی کا موجب بنے ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا جنہوں نے بُرے عمل کیے یعنی کفر وشرک کیا، ان کا انجام ہوا السُّوْٓاٰى ای سخت بُرا۔

حلِ لغات السّوأی تمام سزاؤں سے زیادہ بُری سزا کو کہا جاتا ہے۔ یعنی وہ سزا جو دوزخ میں کفار کو دی جائے گی وہی سوأی (سزا) ہے۔ السوئی، اسوء کی تانیث ہے جیسے حُسنیٰ احسن کی تانیث ہے یا بُشریٰ کی طرح مصدر ہے مبالغہ کے طور صیغۂ صفت سے ہے گویا وہ عذاب سزا کا عین ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ جہنم کا نام ہے جیسے حُسنیٰ بہشت کا نام ہے اور جہنم کو سوئی اس لیے کہاجاتا ہے کہ وُہ اپنے آنے والے کو سخت سے سخت تکلیف پہنچاتی ہے (پناہ بخدا)۔

ف: امام راغب نے فرمایا: السوء ہر طرح کی بری تکلیف کو کہاجاتا ہے وہ امورِ دنیویہ سے ہو یا امورِ اُخرویہ سے، وہ احوال نفسیہ سے ہو یا بدنیہ سے۔ اور انسان کو جو خارجی طرق سے تکلیف پہنچے جیسے مال ضائع ہوجائے یا دوست (محبوب) جُدا ہو جائے غرضیکہ جو امر ابھی قبیح ہو اسی لیے بالمقابل حسنیٰ کا اطلاق ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

ثم کان عاقبۃ الذین اساؤا السوأی۔

اور فرمایا:

للذین احسنوا الحسنیٰ۔

السوئی مرفوع ہے اس لیے کہ کان کا اسم اور اس کی خبر عاقبۃ ہے۔ اس کے برعکس

ترکیب بھی پڑھا گیا ہے۔ اختصار کے تقاضا پر یہی ترکیب زیادہ موزوں ہے کذا فی الارشاد۔

اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ یہ کہ انہوں نے آیاتِ الٰہی کی تکذیب کی۔ یہ علت ہے اس کی جو کہ انہیں دنیوی و اُخروی عذاب میں مبتلا کیا گیا۔ یعنی انہوں نے آیات منزل علی الرسل اور معجزات باہرہ کی تکذیب کی تو ان پر عذاب ہوگا وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اس کا عطف کذبوا پر ہے اور علت کے حکم میں داخل ہے استہزاء میں صیغۂ مضارع میں لانے میں اس کے استمرار و تجدد کی طرف اشارہ ہے۔

خلاصۂ تفسیر خلاصۂ تفسیر یہ کہ اُمم گزشتہ میں جو تکذیب کرنے والے تھے انھیں دنیا و آخرت میں عذاب دیا گیا ان کی تکذیب و استہزاء و دیگر جرائم و معاصی کی وجہ سے، تو انہیں ان کی قوت و طاقت اور اموال نے نفع نہ دیا، انہیں کوئی شے عذاب و ہلاکت سے بچا نہ سکی۔ پھر اہلِ مکہ تو کچھ بھی نہیں، نہ ان کے پاس مال و دولت اور نہ دیگر قوت و طاقت، اور ہیں بھی گنتی کے، اور جسمانی لحاظ سے بھی کمزور۔

ف: ان کے قلوب پر مُہریں لگ جانا اور کفر پر مرنا ان کی برائیوں کی سزا ہے جیسا کہ ابن عُیینہ نے فرمایا کہ تکذیبِ رسل کا انجام بُرا ہے۔ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ دھبہ اس کے دل پر جم جاتا ہے۔ اس کے بعد ایسے لوگوں کی موت کفر پر واقع ہوتی ہے۔

منطق و فلسفہ اور دیگر علوم غیر نافعہ اس میں اشارہ ہے کہ وہ طالبانِ علم جو غیر نافعہ بلکہ ضرر رساں علوم و فنون جیسے کلام و منطق و معقولات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہ علوم ان کے عقائد کو خراب کر ڈالتے ہیں اور عقائدِ اہلسنّت و جماعت سے دُور لے جاتے ہیں اس لیے کہ عقیدۂ اہلسنّت پر معمولی طور شک و شبہ کیا تو کفر پر موت واقع ہوگی ؎

علم بے دیناں رہا کن جہل را حکمت مخواں

از خیالات و ظنون اہل یونان دم مزن

ترجمہ: بے دینوں کے علم کو چھوڑ دے کیونکہ یہ علم نہیں جہل ہے اور جہل کو حکمت مت کہہ۔

اہلِ یونان (فلاسفہ) کے خیالات و ظنون کا دم نہ مار۔

تفسیر صُوفیانہ جیسے سیر و سلوک سے ایمان حقیقی کا نور نصیب ہُوا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ اُن سے پہلے جو فلاسفہ حکماء گزرے ہیں اُن کا کیا انجام ہُوا حالانکہ وہ علم العقل کی بہت زیادہ قوت رکھتے تھے اور انہوں نے بشریت کی زمین کو ریاضت و مجاہدات سے خُوب الٹ پلٹ کیا اور تبدیل اخلاق میں اُسے خوب سنوارا اور براہینِ قاطعہ اور دلائل ساطعہ قائم کئے۔ اور ان کی طرح ان متاخرین کو ذرہ بھر بھی نصیب ہُوا کیونکہ ایک تو ان کی عمریں طویل تھیں دوسرے ان کے دلوں میں شیطان نے وسوسے ڈال رکھے تھے اور انھیں علوم عقلیہ پر اُبھارا اور ان کے ذہنوں میں یہ بات سماگئی تھی کہ انھیں شریعتِ مطہرہ کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی

انبیاء علیہم السلام کی اتباع کے وہ محتاج ہیں پھر ان کے پاس انبیأ علیہم السلام معجزات لے کر آئے تو انہوں نے انہیں جادو اور نیرنج سے تعبیر کیا۔ اسی لیے انہوں نے معجزات پر شک و شبہ کیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم اپنی علمی و فنی مہارت سے معجزات کو غلط ثابت کر رہے ہیں حالانکہ وہی علم و فن ان کی تباہی و بربادی کا موجب بنا اور وہ خود ہی شکوک و شبہات کے گڑھے میں جا گرے **فما کان اللّٰہ لیظلمہم** پس نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو آفات و بلیات میں مبتلا کرے بایں طور کہ انہیں شیاطین کے وساوس کے سپرد کر دیا اس نے ان کے نفوس کو وساوس کا شکار کر لیا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف رسل کرام علیہم السلام بھیجے نہ کتابیں **ولکن کانوا انفسہم یظلمون** لیکن وہ اپنے نفوس پر ظلم کرتے تھے کہ انھوں نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب اور شیطان کی تابعداری اور خواہشاتِ نفسانیہ کی پرستش کی پھر تکذیبِ انبیا کی شامت سے ان کا انجام برباد ہوا اور رنجے عذاب میں مبتلا ہوئے بایں طور کہ وہ کفر کے سربراہ بنے اور کفر کی تائید میں کتابیں لکھیں۔ ان کتابوں میں انبیأ علیہم السلام کی مخالفت میں اور ان کے لائے ہوئے احکام پر بھرپور حملے کئے اور ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور اپنے اس کارنامے کا نام حکمت رکھا اور خود کو حکما سے تعبیر کرتے تھے۔

انتباہ اب بھی بعض طلبہ ان کے فنون و حکمت کے حصول میں بڑی جدوجہد کرتے ہیں تاکہ احکامِ شرع کی تکالیف سے بچ جائیں یا اپنے جوہر کی خباثت پر مجبور تھے۔ اسی لیے وہ ان فلاسفہ کی کتابوں کے تعلیم و تعلّم میں زندگیاں ضائع کر دیتے ہیں پھر ان کی کتابوں سے شکوک و شبہات کی بھرمار شریعت پر کرتے ہیں جس سے وہ کفر کے گڑھے میں گر کر ہلاک و تباہ ہو جاتے ہیں بلکہ بہت سے بدقسمت ایسی کتابوں کے مطالعہ سے اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں[1] اور یہ بیماری متقدمین و متاخرین کے حکما میں عام تھی ان کی کتابوں کی نحوست جس پر پڑتی ہے وہ اسلام سے بیگانہ ہو جاتا ہے بلکہ ان فلاسفہ کفار کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے اور یہ بیماری حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں بھی گھس گئی اور تا قیامت یہ بیماری میں رہے گی[2] اور اس بیماری کی شدت اس قدر وسعت پذیر ہو جائے گی کہ طلبۂ علومِ اسلام کا دل تفسیر و حدیث اور فقہ اور دیگر اسلامی فنون سے ہٹ رہا ہے[3] اور فلسفہ و زندیقیت کی طرح شوق بڑھ رہا ہے اور جسے وہ اصول سے تعبیر کرتے ہیں (عوام اسے سائنس کی ترقی

---

[1] اسی لیے ہم اہلسنت عوام کو بار بار تنبیہ کرتے ہیں کہ بدمذاہب کی کتابوں کے مطالعہ سے پرہیز کرو۔

[2] یہ وہی بیماری ہے جو آج شریعت کے ہر مسئلے کو اجتہاد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اور کہیں معجزات کا انکار کیا جا رہا ہے۔ نیچریت، پرویزیت، وہابیت جیسے مذاہب بڑھ رہے ہیں۔

[3] دیکھئے آج ہمارے دینی طلبہ کا حال کچھ اسی طرح ہو رہا ہے اور عوام علوم اسلامیہ کے بجائے فنونِ دنیویہ اور انگریزی تعلیم کے دلدادہ بن گئے ہیں۔ فالی اللّٰہ المشتکی — اویسی غفرلہٗ

کہتے ہیں) سے

علم دین فقہست و تفسیر و حدیث
ہر کہ خواند غیر ازیں گردد خبیث

ترجمہ: دینی علم تو فقہ و تفسیر و حدیث ہے جو اس کے علاوہ پڑھتا ہے وہ خبیث ہو جائے گا۔

(غور کیجئے کہ اب ہم میں سے کتنے لوگ ایسے ہیں جو فقہ و تفسیر و حدیث پڑھتے ہیں اور وہ کتنے ہیں جو ان علوم دینیہ سے رُوگردانی کر کے دوسرے علوم کے حصول کے خبط میں ہیں)[1]

ملفوظ شافعی رحمہ اللہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:

من تکلم تزندق ثم وبال ھذہ جملہ الی قیام الساعۃ یکتب فی دیوان من سن ھٰذہ السنۃ السیئۃ و من اوزار من عمل بہا من غیران ینقص من اوزارھم شئ علی ان کذبوا بالقراٰن وسموا الانبیاء علیہم السلام اصحاب النوامیس و سموا الشرائع الناموس الاکبر علیہم لعنات اللّٰہ تترٰی۔ کذا فی تاویلات حضرۃ الشیخ نجم الدین قدس سرہٗ۔[2]

(جو علم کلام نہ پڑھے گا وہ زندیق ہو جائے گا اس کا وبال تاقیامت اس کے سر پر رہے گا اور اس زمرہ میں لکھا جائے گا جس کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جو بُرا طریقہ ایجاد کرتا ہے اس کا گناہ اس کے کھاتے میں جائے گا اور ان لوگوں کے گناہ بھی اس کے نام لکھے جائیں گے جو اس بُری ایجاد پر عمل کرتے رہے اور تاقیامت اس کے لیے یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ گناہوں کی سزا عمل والوں سے بھی کم نہ ہوگی اور پھر یہ سزا مذکوران کے اعمال نامے میں لکھی جائے گی جنہوں نے قرآن کی تکذیب کی اور انبیاء علیہم السلام کو جھٹلا کر ان کو اصحاب نوامیس اور ان کی شریعتوں کو ناموس اکبر سے موسوم کیا۔ کذا فی تاویلات حضرت الشیخ نجم الدین قدس سرہٗ)

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

[2] تفسیر روح البیان، ج ۷، ص ۱۲

اویسی غفرلہٗ

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾
اللہ پہلے بناتا ہے پھر دوبارہ بنائے گا پھر اسی کی طرف پھرو گے
وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ
اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرموں کی آس ٹوٹ جائے گی اور ان کے شریک ان کے سفارشی
شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾
نہ ہوں گے اور وہ اپنے شریکوں سے منکر ہو جائیں گے اور جس دن قیامت قائم ہوگی اس دن الگ ہو جائیں گے
فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّا
تو وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے باغ کی کیاری میں ان کی خاطرداری ہوگی اور جو
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾
کافر ہوئے اور ہماری آیتیں اور آخرت کا ملنا جھٹلایا وہ عذاب میں لا دھرے جائیں گے
فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ
تو اللہ کی پاکی بولو جب شام کرو اور جب صبح ہو اور اسی کی تعریف ہے آسمانوں
وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ
اور زمین میں اور کچھ دن رہے اور جب تمہیں دوپہر ہو وہ زندہ کو نکالتا ہے مردے سے اور مردے کو
الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾ ع
نکالتا ہے زندہ سے اور زمین کو جلاتا ہے اس کے مرے پیچھے اور یوں ہی تم نکالے جاؤ گے

تفسیر عالمانہ

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ اللہ تعالیٰ ہی دنیا میں ابتداءً پیدا کرتا ہے۔ اس سے انسان مراد ہے جسے نطفہ سے پیدا کیا گیا ثُمَّ يُعِيْدُهٗ پھر اسے مرنے کے بعد زندہ کر کے جیسے وہ پہلے تھا، آخرت میں اٹھائے گا بغیر اس کے کہ اس کے گناہوں میں کمی آئے جو اس نے قرآن کی تکذیب کی اور انبیاء علیہم السلام کو اصحاب نوامیس میں رکھا مذکر واحد کی ضمیر خلق کے لفظ کی وجہ سے ہے ثُمَّ اِلَيْهِ پھر اسی کی طرف یعنی اس کے حساب اور سزا و جزا کے میدان میں تُرْجَعُوْنَ ۝ لوٹائے جاؤ گے ترہیب کی وجہ سے مبالغہ کے طور التفات سے ہے صیغۂ غائب (یا) کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور جمع کا صیغہ باعتبار خلق کے معنیٰ کی وجہ سے ہے وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اور اس وقت کہ قیامت قائم ہوگی اور یہی مخلوق (انسان) کے لوٹائے جانے کا وقت ہے کہ اس میں جا کر حساب دیں گے اور جزا و سزا پائیں گے۔

ف: ساعۃ بمعنے وقت کا ایک حصہ۔ قیامت کو ساعۃ سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہاں بہت ہی تھوڑی دیر میں بندوں کا حساب و کتاب ہو جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وھو اسرع الحاسبین۔
(اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے)
یا اس لیے کہ جس کی تنبیہ خود فرمائی؛
کانھم یرونہا لم یلبثوا الا ساعۃ من نہار۔
گویا وہ اسے یوں محسوس کریں گے کہ نہیں ٹھہرے مگر پل بھر۔
یُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ○ نا امید ہو جائیں گے مُجرم یعنی اس شخص کی طرح ہو جائیں گے جو اپنی تمام حجتیں ختم کر کے نا امید ہو کر حیران و سرگردان ہو جائے کہ اب کے بعد تو کوئی حجت ہی نہیں جسے میں پیش کروں یا یہ کہ وہ ہر بھلائی سے نا امید ہو جائیں گے۔

حلِ لغات امام راغب نے فرمایا کہ ابلاس یعنے وہ حزُن جو انسان کو نا امیدی کے بعد لاحق ہو۔ اسی سے ابلیس مشتق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو کوئی اپنے ایسے دلائل قایم کرے جو جواب ملنے پر اسے ساکت کردیں پھر اسے کوئی ایسی دلیل نہ سُوجھے جو اس کو مفید ہو۔ ابلس فلان یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی حجت باقی نہ رہے تو خاموش ہو بیٹھے۔
وَلَمْ یَکُنْ لَّھُمْ مِّنْ شُرَکَآئِھِمْ اور نہیں ہوں گے ان کے شرکا یعنی بت جن کی عبادت سے شفاعت کی امید کرتے تھے شُفَعٰٓؤُا ان کے سفارشی جو انہیں عذابِ الٰہی سے چھڑا سکیں۔

نکتہ صیغہ ماضی اس لیے ہے کہ وہ علمِ الٰہی میں محقق ہو چکا اور جمع کا صیغہ، صیغہ جمع کے بالمقابل کی وجہ سے ہے یعنی نہیں ہو گا ان ہر ایک کے لیے کوئی سفارشی۔

ف: مصحف میں شفعٰٓؤُا لکھا ہے۔ یعنی الف سے پہلے واؤ۔ جیسے سورۂ شعرا میں علمٰٓؤُا بنی اسرائیل پڑھا جاتا ہے اور السوٓای میں یا سے پہلے ہمزہ کے لیے الف اور پر صورت اس حرف کے کہ جس سے اس کی حرکت ہے۔
وَکَانُوْا بِشُرَکَآئِھِمْ کٰفِرِیْنَ ○ اور ہوں گے اپنے شرکا یعنی بتوں کے ساتھ کفر کرنے والے بوجہ نا امیدی کے۔ یعنی جب وہ اپنے مطلب کو نہ پا سکیں گے تو پھر وہ اپنے معبودوں سے بیزاری کا اظہار کریں گے وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَۃُ اور اس وقت قیامت قایم ہو گی اس کی ہولناکی کی وجہ سے۔ اسے دوبارہ لایا گیا ہے یَوْمَئِذٍ یَّتَفَرَّقُوْنَ ○ اس وقت متفرق ہو جائیں گے۔ چونکہ اس وقت انہیں سخت سے سخت ہولناکی پیش آئے گی۔ اسی لیے بار بار ایسے مضامین پیش کیے جا رہے ہیں نیز یہ تفرق ان کے بعض سے ہو گا اور جمع کی ضمیر تمام مخلوق کے لیے ہو گی جیسا کہ ما تقدم یبدٔ و اعادۃ و رجوع دلالت کرتا ہے۔ یہ صرف مجرمین سے خاص نہیں بلکہ عام ہے۔ یعنی حساب کے بعد مومن و کافر متفرق ہو کر بہشت کی طرف جائیں گے پھر وہ ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے سے ایسے جُدا ہو جائیں گے کہ پھر کبھی بھی ان کا اجتماع

نہ ہو سکے گا۔

ف : حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مومن و کافر دنیا میں تو اکٹھے رہے لیکن آخرت میں جدا جدا ہو کر گزاریں گے کیونکہ اہلِ ایمان اعلیٰ علیین میں اور کفار سجین میں ہوں گے۔ ایک کو وصال کے مزے ایک فرقت کے عذاب میں۔ یا یُوں کہو کہ ایک محبت کے تخت پر آرام فرما ہوگا ایک دُکھ کی چٹائی پر عذاب میں مبتلا۔ ایک کو طرح طرح کی نعمتیں و راحتیں دوسرے کو طرح طرح کا عذاب۔ کیا نہیں دیکھتے ہو ایک دولتِ ملاقات پر نازاں ایک آتشِ فراق میں جل رہا ہوتا ہے ؎

یکے خنداں بعد عشرت

یکے نالاں بعد عسرت

یکے در راحت وصلت

یکے در شدت ہجرت

ترجمہ : ایک ہزاروں عیش و عشرت میں شاداں، ایک ہزاروں دُکھ درد میں نالاں۔ ایک وصال کی راحت میں ایک شدتِ فراق میں گریاں۔

؎ [1]

فرقست میان آنکہ یارش در بر

وان دگر دو چشم انتظار بر در

ترجمہ : ان دو کا فرق ظاہر ہے کہ ایک کا محبوب بغل میں اور دوسرا غریب دروازے پر آنکھیں لگائے بیٹھا ہے کہ نہ معلوم محبوب کب آئے۔

تفسیر صُوفیانہ

حضرت ابوبکر بن طاہر رحمہ اللہ نے فرمایا : ہر ایک اپنے مقدر کی طرف متفرق ہو جائے گا۔ اہلِ سعادت اپنی سعادت کی منزل کی طرف اور اہلِ شقاوت اپنی شقاوت کی طرف، اور اس کا تفرقہ جمع کی طرف ہے وہ سِرّ (راز) کا مجمع ہے کہ اسے مخلوق سے کبھی الفت نہ ہو سکے گی بلکہ وہ اہلِ سعادت کی منازل کی طرف لوٹے گا۔

تفسیر عالمانہ

ربط : ان آیات میں ان دونوں کے احوال اور ان کے تفرق کی کیفیت بیان فرمائی جائے گی۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ بہرحال اہلِ ایمان اور نیک اعمال والے بڑے بڑے باغات میں ہوں گے۔

ف : روضۃ وہ زمین جس میں کھیتیاں اور پانی اور رونق اور خوش منظر ہو۔ اس سے بہشت مراد ہے۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

حلِ لغات الروض صاف شفاف پانی والی اور سرسبز جگہ۔ اور یہاں پر روضہ سے جنت کے باغات، ان کے محاسن اور رہنے سہنے اعلیٰ مقامات مراد ہیں۔

نکتہ روضۃ کی تخصیص اس لیے ہے کہ اہلِ عرب کے ہاں سب سے اعلیٰ منظر اور اطیب شے یہی ہے اور ان کے فہم و فکر کو قریب لانے کے لیے بھی اس کا ذکر کیا گیا۔

اب معنٰی یہ ہُوا کہ وہ ایسے باغات ہیں جن میں بہترین خوشبودار پھُول اور نہریں ہوں گی یُحۡبَرُوۡنَ جس میں وہ ایسے مفرور و مفروح ہوں گے کہ ان کے چہرے چمکتے دمکتے نظر آئیں گے۔ یعنی وہ اس میں ایسے خوش ہوں گے کہ ان کے چہرے سے رونق محسوس ہوگی۔

حلِ لغات الحبور بمعنے سرور ہے۔ حبرہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی خوشی محسوس کرے اور خوشی سے اس کا چہرہ چمک اُٹھے۔ المفردات میں ہے کہ وہ ایسے خوش ہوں گے کہ ان کے چہروں سے نعمت کے آثار ہویدا ہوں گے۔ اہلِ عرب حبر فلاں اس وقت بولتے ہیں جب کسی کے جسم پر زخم کے کچھ نشانات باقی رہ جائیں۔ الحبر اس عالمِ دین کو کہتے ہیں جس کے علوم کے آثار لوگوں کے دلوں پر اثر انداز ہو کر عرصہ تک باقی رہیں اور لوگ اس کے آثار کی اقتدا اور اس کے افعال و اقوال کی اتباع کریں۔ اسی طرف امیر المومنین کا اشارہ ہے۔

امیر المومنین کا ملفوظ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

العلماء باقون ما بقی الدھر اعیانھم مفقودۃ و آثارھم فی القلوب موجودۃ۔

(علماء رہتی دنیا تک موجود ہیں اگرچہ ان کے اجسام اب ہمارے سامنے نہیں بلکہ ان کے آثار لوگوں کے دلوں میں موجود رہتے ہیں)

اور عالمِ دین کو حبر اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے اخلاقِ حسنہ کی پیروی کی جاتی ہے۔ اور سیاہی کو بھی حبر اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس سے اوراق کے حسن و جمال میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حبرۃ ہر اچھی نعمت کو کہا جاتا ہے۔

نکتہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اس میں مختلف اقوال اس کے مختلف وجوہ کے سبب ہیں۔

یُحۡبَرُوۡنَ کی تفاسیر (۱) حضرت ابن عباس و مجاہد رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ یحبرون بمعنے مکرمون۔ (یعنی بہشت میں ان کی تعظیم و تکریم کی جائے گی)

(۲) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یحبرون بمعنے ینعمون (یعنی بہشت ان لوگوں کو انعام و اکرام سے نوازا جائے گا)

(۳) حضرت ابوبکر بن عیاش رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یحبرون بمعنے یتوجون (یعنی بہشت میں وہ لوگ تاج پہنائے جائیں گے)

(۴) حضرت وکیع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یحبرون بمعنے یسرون بالسماع یعنی بہشت میں انہیں سماع سے خوش کیا جائے گا اور ظاہر ہے کہ سماع کے برابر کی اور کوئی لذت نہیں ہے۔

ف: مذکور ہے کہ باکرہ لڑکیاں بہشت میں ترنم سے کچھ گائیں گی اس جیسی خوش آواز کبھی نہیں سنی گئی ہوگی، اور یہ بہشت کی بہترین لذات میں سے ہے۔

ف: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ بہشت میں وہ لڑکیاں کیا گائیں گی؟ فرمایا: تسبیح خداوندی۔ حضرت یحییٰ بن رازی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ کو کون سی نعمت پسند ہے؟ فرمایا: وہ مزامیر انس جو محلات قدس میں الحان تحمید و ریاض تجید میں سنائے جائیں۔

بہشتی سماع مروی ہے کہ بہشت میں چند ایسے درخت ہیں جن پر سونے کی گھنٹیاں ہیں۔ جب اہل بہشت سماع کی خواہش کریں گے تو اللہ تعالیٰ عرش سے ہوا چلائے گا جو ان درختوں کو متحرک کردے گی جس سے وہ گھنٹیاں ایسی خوش الحانی سے بجیں گی کہ اگر اسے اہل دنیا سن لیں تو خوشی سے مرجائیں۔

حدیث شریف میں ہے: الجنة مائة درجة ما بين كل درجتين منها كما بين السماء و الارض و الفردوس اعلاها سموا و اوسطها محلا و منها يتفجر انها و الجنة وعليها يوضع العرش يوم القيامة۔

(بہشت کے ایک سو درجات ہیں ہر درجہ کی درمیانی مسافرت اتنی ہے جیسے آسمان و زمین کا درمیانی حصہ۔ اور تمام بہشتوں سے بلند فردوس ہے جس کے محلات متوسط ہیں۔ اسی سے ہی تمام بہشتوں میں نہریں آتی ہیں۔ قیامت میں عرش الٰہی اس کے اوپر رکھا جائے گا)

یہ سن کر ایک شخص نے اُٹھ کر عرض کی: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں خوش الحانی سننے کا شوقین ہوں کیا بہشت میں خوش الحانی بھی ہوگی؟ آپ نے فرمایا:

اى نعم والذى نفسى بيده ان الله سبحانه ليوحى الى شجرة فى الجنة ان اسمعى عبادى الذين اشتغلوا بعبادتى و ذكرى عن عزف البرابط والمزامير فترفع صوتا لم يسمع الخلائق مثله قط من تسبيح الرب و تقديسه۔

(ہاں، مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ بہشت میں ایک درخت کو حکم دے گا کہ میرے ان بندوں کو سارنگی اور مزامیر سنا جو دنیا میں میری عبادت و ذکر میں مشغول رہے۔ وہ درخت ایسی خوش الحانی سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس بیان کرے گا

کہ اس جیسی آواز کبھی کسی نے سُنی نہ ہوگی)

ف : کل بہشت میں بندگانِ خدا سماع کی خواہش کریں گے تو اللہ تعالیٰ داؤد علیہ السلام کو حکم فرمائے گا کہ اے داؤد! وہ الحان جو میں نے عطا فرمایا اس لحن سے زبور پڑھیے۔ اور اے موسیٰ! آپ تورات پڑھیے۔ اے عیسیٰ! تم انجیل کی تلاوت کرو، اور اے طوبیٰ! تم اپنی آوازِ دلکشا سے میری تسبیح پڑھو۔ اے اسرافیل! تم قرآن پڑھو۔ (ان آوازوں سے اہلِ بہشت کو سرور و مستی حاصل ہوگی)

اسرافیل کی آواز حضرت اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام کی آواز ایسی دلکش ہے کہ جب وہ کچھ پڑھتے ہیں تو ساتوں آسمانوں کے فرشتے ان کی آواز سن کر مست ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ انہیں تسبیح و تقدیس کا ہوش تک نہیں رہتا۔

پھر فردوس نشینوں کو حکم ہوگا کہ اے چاند کے چہرے والو! اٹھو میرے دوستوں کا استقبال کرو اور مشک خالص اور کافور عنبری میرے مشتاقوں اور عاشقوں پر نچھاور کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو فرمائے گا اے درویشو! جو تم نے دُنیا میں غم کے کانٹے کھائے اب تمہارے غم کی گھڑیاں ختم ہو گئیں اور تمہاری خوشی کے درخت کا پھل پک چکا ہے اٹھو اور حظیرۂ قدس میں خوشیاں مناؤ اور خلوتگاہِ اُنس میں ناز کرو۔ اے مستانِ مجلس مشاہدہ! اے مخمورانِ شرابِ عشق! اے عاشقانِ سوختہ! بوقتِ سحر اٹھ کر رکوع و سجود میں رہنے والو! گریۂ سحرگاہی سے مجلس گرم رکھنے والو! میرے وصال کے دلوں کو گرمانے والو! مبارک گھڑی آگئی ہے کہ میرے مشاہدے کے مزے لوٹو گے اور اپنے درد و آلام کی گرد و غبار دُور کرو گے۔ اب خوشیاں مناؤ۔ اے میری طلب میں زندگیاں بسر کرنے والو! تسلی رکھو اور سکون و اطمینان سے رہو۔ ادھار کا وقت ختم ہو گیا اور اب نقد ہی نقد ہے۔ اب رات ڈھلنے کو ہے وصل کا سورج طلوع ہونے والا ہے۔ اے میرے مشتاقو! تمہیں مژدۂ بہار سُناتا ہُوں کہ اب دیدارِ یار ہونے والا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ اپنے حجابات ہٹا دے گا اور بندگانِ خدا کو بہشت کے کسی باغیچے میں دیدارِ الٰہی کا شرف نصیب ہوگا اور فرمائے گا کہ میں وُہ ہُوں جو وعدے کا ایفا کر رہا ہوں اور اپنی نعمتیں تمہارے لیے عنایت فرما رہا ہُوں۔ یہی میری عزّت افزائی سمجھو اب جو چاہو مجھ سے مانگ لو۔

روزے کہ سراپردہ بروں خواہی کرد

دانم کہ زمانہ را زبوں خواہی کرد

گر زیب و جمال ازیں فزوں خواہی کرد

یارب چہ جگرہست کہ خوں خواہی کرد

ترجمہ : اس دن کہ تو پردے کو ہٹائے گا مجھے علم ہے کہ دُنیا کو برباد کرے گا۔ اگر زیب و جمال میں اور اضافہ کرو گے تو وہ کون سا جگر ہے جسے تُو ختم کر ڈالے گا۔

خلاصہ یہ کہ دیدارِ الٰہی کے بعد بہشت میں سب سے بڑی نعمت سماع ہوگا۔ اسی لیے اہلِ دل کہتے ہیں کہ

شرح مثنوی میں لکھا ہے کہ دنیا میں بیابانِ محنت کے تھکے ماندے لوگوں کا منادی سماع ہے جو انہیں آخرت کے نورانی عیش و عشرت کی آگاہی بخشتا ہے ۔

۱ مومناں گویند کآثار بہشت

نغز گردانید ہر آواز زشت

۲ ما ہمہ اجزاء آدم بودہ ایم

در بہشت آں لحن را بشنودہ ایم

۳ گرچہ برما ریخت آب و گل شکے

یاد ما آید ازانہا اندکے

۴ پس نے و چنگ و رباب و سازہا

چیزکے ماند بداں آوزھا

۵ عاشقاں کیں نغمہا را بشنوند

جزؤ بگزارند و سوے کل روند

ترجمہ :(۱) اہلِ ایمان کہتے ہیں کہ یہ بہشت کے آثار ہیں ہر آوازِ زشت انہی کی طرف اشارہ کرتی ہے ۔

(۲) ہم سب آدم علیہ السلام کے اجزأ تھے بہشت میں یہ آواز سُنا کرتے تھے

(۳) اگرچہ ہم کو آب و گل نے شک میں ڈال دیا ہے لیکن وہاں کچھ نہ کچھ یاد آ ہی جاتا ہے ۔

(۴) پس یہ نَے اور چنگ اور رباب اور دوسرے ساز ان آوازوں سے معمولی سی مشابہت رکھتے ہیں ۔

(۵) عشاق یہ جو آواز سُنتے ہیں وہ جزٗ کو چھوڑ کر کُل کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں ۔

ف : بعض عارفین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جُود و فضل سے اپنے عشاق کے اوقات کو ہر زبان کے ذریعے سے دنیا میں خوش فرمایا اور آخرت میں ہر اچھی آواز سے خوش فرمائے گا ۔ بہت سے دنیا کے باغات میں عارف حق کے جلوے دیکھتا ہے بلکہ بلاواسطہ ان سے اس کی آواز سنتا ہے ۔ کبھی عارف کو بالواسطہ آوازِ حق سُنائی دیتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ اسے عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک مختلف آوازوں سے قدوسیہ سبوحیہ آواز سناتا ہے ۔

سبق : حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے سالک ! تو ہر صبح کا آغاز اور ہر شام کا اختتام تسبیح سے کر ۔ کیونکہ جس کی ابتدأ و انتہا تسبیح ہو گی وہ اس کے درمیانی اوقات میں کبھی شقاوت کا شکار نہ ہو گا ۔

تفسیر صُوفیانہ حضرت البقلی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ جود کو ایمان اور عمل صالح سے موصوف فرمایا ہے تو ان کے ایمان کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کے ارواح نے مشاہدہ ازل کا عہد ے

ظہور اول کے وقت مشاہدہ کیا اور آن کے اعمال صالحہ کا مطلب عشق و محبت و شوق ہے ان کے منازل کمال کا آخری درجہ مشاہدۂ الٰہی سے فرحت و سرور پانا ہے کہ وہ اس کے قرب سے مشرف ہوں گے اور ان کا بہترین عیش سماع سے ہوگا جو اس کا کلام سنیں گے۔ جبکہ حق تعالیٰ انہیں اپنی ہم کلامی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے شرف بخشے گا۔ اسی کو وصال کہا جاتا ہے اسی وقت ہی اس کے جمال کے پردے اُٹھیں گے۔

تفسیر عالمانہ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اور بہرحال وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی آیاتِ قرآنیہ کی تکذیب کی، منجملہ ان کے چند یہ بھی ہیں جن کی تفصیل فرمائی وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ اور آخرت کی حاضری کو جھٹلایا یعنی مرنے کے بعد اٹھنے کا انکار کیا۔

ف : اگرچہ یہ مذکورہ آیات میں مندرج تھی لیکن اس کی اہمیت کے مدنظر اسے صراحت کے ساتھ ذکر کیا گیا۔

فَاُولٰٓئِكَ یہی لوگ جو کفر و تکذیب سے موصوف ہیں فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ○ عذاب میں حاضر کیے جائیں گے۔ یعنی عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے داخل ہوں گے۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ احضار کا اطلاق اس حاضری پر ہوتا ہے جو بالجبر و الاکراہ ہو۔ یعنی انہیں مجبور کر کے عذاب کے لیے لایا جائے گا۔ جبکہ اہلِ ایمان کو اس وقت سرور و فرحت سے نوازا جائے گا اور انہیں اعزاز و اکرام کے ساتھ بہشت میں داخل کیا جائے گا۔ پھر کافر تو ہر وقت عذاب و تکالیف و تباہی میں مبتلا رہیں گے اور اہلِ ایمان ثواب و سماع اور انعامات میں مسرور و مفرح ہوں گے۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ قیل و قال سے بچ کر وجد و حال کی زندگی بسر کرے اور اعمال صالحہ میں ہر وقت مشغول رہے۔ اس لیے ہر عمل صالح کو اثر اور ہر ورع و تقویٰ کو ثمر ہے۔ پس جس نے اپنے آپ کو عبادت و طاعت میں مشغول رکھا اور ذکر و فکر کی مجالس گرم رکھیں وہ باغِ جناں میں خوش زندگی بسر کرے گا اور اسے دُنیا کی تکلیفیں اور مشقتیں بھول جائیں گی اور جس نے لہو و لعب سے اپنے آپ کو دُور رکھا اور دنیوی گیت گانوں سے اپنے کانوں پر مُہر لگائی اسے اللہ تعالیٰ بہشت میں اپنے کلام کی خوش آوازوں سے نوازے گا۔ ورنہ اس لذت سے محروم رہے گا۔

بہ از روے زیبا ست آواز خوش
کہ آں حظ نفس ست و ایں قوتِ روح

ترجمہ : حسین چہرے سے خوش آواز بہتر ہے اس لیے کہ وہ نفس کی حظ اور یہ روح کی غذا ہے۔

مسئلہ : جو دنیا میں شراب پئے گا اسے آخرت کے شرابِ طہور سے ایک گھونٹ بھی نصیب نہ ہوگا۔

جیل خانۂ خداوندی الاحضار میں اشارہ ہے کہ آخرت میں مجرموں کا ایک جیل خانہ ہے۔ جیسے ہم دنیا میں قیدیوں کے لیے جیل خانے بناتے ہیں۔ تو پھر جیسے دنیا میں قیدیوں کو جیل خانہ

کی طرف کھینچ کر لے جایا جاتا ہے ایسے ہی آخرت میں مجرموں کو جہنم کے جیل خانہ میں گھسیٹ کر لے جایا جائیگا اور وہاں کا گھسیٹنا یُوں ہوگا کہ مجرم کے پاؤں میں بیڑیاں اور گلے میں لوہے کی زنجیر پہنائی جائے گی۔
اُس وقت کا فر کو کفر اور انبیاء علیہم السلام کی تکذیب اور مجرم کو جرائم و معاصی کے وبال کا پتہ چلے گا (پناہ بخدا)

ف: بعض لوگ جرائم و معاصی کے مرتکب تو نہیں ہوں گے لیکن ان کے جرائم و معاصی کے مرتکبین سے مشابہت رکھتے ہوں گے۔ ان کو بھی ان کے ساتھ ملا کر عذاب دیا جائے گا اور جیل خانے میں اسی طرح گھسیٹ لائے جائیں گے جیسے اصلی مجرم۔ کیونکہ ان میں اگرچہ جرائم و معاصی نہیں ہوں گے لیکن ان کی جھلک تو پائی جائے گی بنا بریں وُہ بھی ان کے ساتھ عذاب میں شریک ہوں گے لیکن ان کو دائمی عذاب نہ ہوگا۔ سزا کے بعد انہیں معافی ملے گی اور وُہ بہشت میں داخل کئے جائیں گے۔

مسئلہ: معاصی و جرائم پر اصرار کفر کی طرف لے جاتا ہے۔ (العیاذ باللہ)

سبق اے شریعت والو! عذاب کے موجب اعمال کو چھوڑو۔ اے طریقت والو! ان فضول امور کو ترک کردو جو تنزلات کی طرف لے جاتے ہیں۔ ہمیں اپنے ہمعصر مجرموں کی جرأت ایسی غلطیوں کے ارتکاب پر مجبور نہ کرے۔ خبردار کسی کے دھوکا و فریب میں نہ آجانا۔

نام نہاد جاہل صُوفیوں کا رد کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ بہت سے جاہل صوفیہ گناہ کو گناہ بھی نہیں سمجھتے بلکہ ان کی مجالس کو دیکھو تو غیر شرعی امور سے مزیّن۔
ان کے مشاغل دیکھو تو لہو و لعب سے بھرپور۔ یُوں محسوس ہوتا ہے کہ انہیں آخرت کی حاضری کا خیال تک نہیں گزرتا اسی لیے ان کے مشاغل امور ظاہر پر مبنی ہوتے ہیں۔ لیکن درحقیقت وہ طلب عشق کے منافی ایسے اعمال کر گزرتے ہیں جن سے انہیں عشق کی بُو تک نصیب ہونا درکنار الٹا عشقِ الٰہی کو مٹانے والے ہیں جیسے ان کا سرود گانوں میں منہمک رہنا اور ذکرِ الٰہی سے روگردانی کرنا، کبھی تم نے ان کی ذکر کی مجالس نہیں دیکھی ہوں گی، توحید کی بات ان میں ذرہ بھر نہیں حالانکہ ذکرِ الٰہی اور توحید کا مشغلہ ایسی لذّت ہے کہ زندگی بھر صفحہ ہستی سے مٹنے والی نہیں۔ بخدا جو بھی رتی بھر عقل رکھتا ہے وہ ان نام نہاد جہال صوفیوں کے طریقے کو اپنانا تو درکنار ان کی مجالس میں جانے تک گوارا نہیں کرے گا اس خوف سے کہ کہیں وُہ بھی ان کے ساتھ تباہ و برباد نہ ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔

(ظالموں کی طرف میلان نہ رکھو ورنہ تم بھی ان کی طرح جہنم کے عذاب میں مبتلا کئے جاؤ گے)

اور سب سے بڑا عذاب ہجر و فراق کی آگ کا ہے کیونکہ یہ وہ آتش ہے کہ جو ہر وقت جان و جگر کو جلاتی رہتی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان اعمال کی توفیق بخشے جو دین میں خلل ڈالنے سے روکیں اور غافل لوگوں کی غلطیوں سے روگردانی پر مدد کریں اور ہمیں اُن لوگوں میں رکھے جو شریعت کی رسّی کو مضبوط پکڑتے

اور طریقت کی راہ پر گامزن ہیں اور ہمیں وہ زندگی بخشے جو نیک لوگوں کے طریقے پر گزارنے کی ہے اور ہمیں مرنے کے بعد ان لوگوں کے ساتھ اٹھائے جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں۔ اور ہمیں ان لوگوں سے دُور رکھے جو بُرے اعمال کے مرتکب ہوکر شفاعت سے محروم ہوجاتے ہیں۔ وہ کریم اور بلند قدر رب سے (ہم اُمید کرتے ہیں کہ وہ ہماری اس دُعا کو ضرور قبول فرمائے گا)

تفسیر عالمانہ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ فاء مابعد کو ماقبل کی ترتیب کے لیے ہے۔

حل لغات: التسبیح بمعنے پانی میں تیزی سے گزرنا یعنی تیرنا یا ہوا میں اڑنا۔ اور تسبیح بمعنے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ۔ دراصل تسبیح بمعنے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں تیز رفتاری۔ پھر عام طور پر ہر عبادت کے لیے مستعمل ہے، وہ عبادت قولی ہو یا فعلی، اس کا تعلق نیّت سے ہو۔

ف: سبّوح و قدّوس اللہ تعالیٰ کے اسمأ ہیں۔

اعجوبہ: کلامِ عرب میں فُعُول کے وزن پر ان دو اسموں کے سوا اور کوئی کلمہ نہیں۔

تحقیق لفظ سُبحان سبحان دراصل غفران کی طرح مصدر ہے جیسے فضرب الرقاب کی طرح امر کے قایم مقام ہے۔ اور لفظ تسبیح اپنے حقیقی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر بُرائی سے منزّہ اور ہر خیر و بھلائی سے موصوف سمجھنا۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اے عقل و تمیز والو! جب تمہیں یقین ہے کہ ثواب و نعمتیں اہلِ ایمان اور صالحین کے لیے، اور عذاب اور جہنم کفار اور تکذیب کرنے والوں کے لیے ہے تو پھر اللہ کی تسبیح کرو۔ اسے ہر اس امر سے منزّہ سمجھو جو اس کی شان کے لائق نہیں۔

حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَحِیْنَ تُصْبِحُوْنَ ○ شام اور صبح کو۔

حلِ لغات الحین بالکسر، وہ وقتِ مبہم جس میں جمیع ازمان کی گنجائش ہو، تھوڑا ہو یا زیادہ اس کی تخصیص اس کے مضاف الیہ سے ہوگی جیسے اسی مقام پر الامساء بمعنے وقت کا شام میں داخل ہو۔ جیسے الاصباح بمعنے وقت کا صباح (صبح) میں داخل ہونا۔

ف: صبح و مساء آپس میں ضدین ہیں۔

اوقات کے اسماء دن کے پہلے وقت کو فجر، اس کے بعد صباح، اس کے بعد غداۃ، اس کے بعد بکرۃ، اس کے بعد ضحی، اس کے بعد ضحوۃ، اس کے بعد ہجیر، اس کے بعد ظہر، اس کے بعد رواح، اس کے بعد عصر، اس کے بعد مساء، اس کے بعد اصیل، اس کے بعد عشاء اولیٰ، اس کے بعد عشاء اخیرہ، اس کے بعد شفق کے غائب ہونے تک (عشاء ہی عشاء) کہا جاتا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو جب تمہارا شام کے وقت میں دخول ہو۔ جب تم صبح کے وقت میں داخل ہو وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین

بالخصوص اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں۔ یعنی اے لوگو! تم اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتوں پر ہر آن اور ہر گھڑی حمد کرو۔

سوال: جملہ اسمیہ سے امر کا معنیٰ تم نے کہاں سے نکال لیا؟

جواب: حمد کی یوں خبر دینا کہ پیدا کرنے والے کی حمد سماوات وارض کے اہلِ تمیز ہی کر سکتے ہیں تو پھر یہ امر کے صیغے سے زیادہ بلیغ ہے کہ اہلِ فہم خود ہی اس کے وجوب سے واقف ہو کر اپنے اوپر حمدِ الٰہی بجالانا ضروری اور لازمی سمجھے گا۔

نکتہ: تسبیح کی تقدیم تحمید پر اس لیے ہے کہ تخلیہ (بالخا المعجمہ) صفائی کرنے کے بعد ہی تحلیہ (بالحا المہملہ، سنگارنا) ہوتا ہے جیسے بیمار کو پہلے مسہل (جلاب) دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد دیگر مناسب ادویہ مثلاً شربت وغیرہ۔ یا یوں سمجھو مکان کے لیے پہلے بنیاد کھودی جاتی ہے پھر دیواریں کھڑی کی جاتی ہیں پھر نقش ونگاری ہوتی ہے۔

وَعَشِیًّا اور شام کے وقت یعنی دن کے آخری لمحات میں۔

حلِ لغات: یہ عشی العین سے ہے۔ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب آنکھ کی روشنی کم ہو جائے۔ اسی سے ہے اعشیٰ بمعنے کمزور بینائی والا۔ اس کا عطف حین تمسون پر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تسبیح شام کے وقت کرو۔

سوال: اس کی حین تظہرون پر تقدیم کیوں؟

جواب: آیات کے فواصل کی رعایت کرتے ہوئے۔

وَحِیْنَ تُظْهِرُوْنَ ○ اس کی حمد کرو جب تم ظہیرہ میں داخل ہو اور الظہرہ بمعنے دن کا درمیانی حصہ۔

سوال: عشیاً کے بعد پھر طریقۂ استعمال کیوں تبدیل کیا گیا۔ یعنی جس طرح عشیاً کہا گیا۔ اس کے بعد کوئی مصدر وغیرہ لایا جاتا نہ کہ جملہ فعلیہ۔

جواب: تظہرون کے لیے دخول فی الظہر کا استعمال اس کے کسی فعل میں نہیں ہوتا، جیسے المساء یعنی الدخول فی المسائ، اور الصباح بمعنے الدخول فی الصباح۔ اور الظہیرۃ بمعنے الظہیرہ میں، ہوتا ہے۔

ف: اوقاتِ تسبیح میں حمد کو درمیان میں لانے میں راز یہ ہے کہ ان کے لیے حق یہی ہے کہ یہ کلمات ہر جگہ ساتھ ہوں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے،

فسبح بحمد ربك۔

(اپنے پروردگار کی تسبیح حمد کے ساتھ کیجئے)

حدیث شریف ۱: اور ارشادِ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہے،

من قال حين يصبح وحين يمسي سبحان الله وبحمده مائة مرة غفرت له خطاياه وان كانت مثل زبد البحر۔

(جو شخص صبح وشام سبحان اللہ کے ساتھ الحمد للہ ملا کر سَو بار پڑھا کرے گا اس کے تمام گناہ بخشے جائیں گے خواہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں)

حدیث شریف ۲: اور فرمایا:

کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔

(دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر خفیف اور میزان میں بوجھل ہیں وہ یہ ہیں: سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم)

ف: ان اوقات میں تسبیح وتحمید کی تخصیص اس لیے ہے کہ معلوم ہو کہ ہر نئے وقت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی آیات اور اس کی رحمت ونعمت کے احکام کے شواہد موجود ہوتے ہیں جو بتاتے ہیں کہ تنزیہ صرف اسی کو ہے اور حمد کا مستحق صرف وہی ہے۔ پھر ان ہی امور سے یقین ہوگا کہ حمد وتسبیح صرف اسی کو لائق ہے۔

حدیث شریف ۳: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من سرہ ان یکال لہ بالقفیز الاوفی فلیقل فسبحان اللہ حین تمسون۔

(جو چاہتا ہے کہ اس کے اعمال بوریوں سے بھرے جائیں (یعنی بہت زیادہ ہوں) تو اسے چاہیے کہ فسبحان اللہ حین تمسون الخ زیادہ سے زیادہ پڑھے)

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ یہاں پر تسبیح وتحمید سے نماز کی ادائیگی مراد ہے کیونکہ نماز میں یہی افعال ہوتے ہیں۔

السبحۃ بمعنے الصلوٰۃ آیا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے، سبحۃ الضحیٰ (نماز چاشت)۔ اور قرآن مجید میں السبحۃ کا صلوٰۃ پر اطلاق ہوتا ہے، جیسے: فلولا انہ کان من المسبحین۔ (اگر نہ ہوتے وہ نماز ادا کرنے والوں سے)

ف: القرطبی (جو بہت جلیل القدر مفسرین سے ہیں) نے فرمایا: المسبحین بمعنے المصلین یعنی نماز پڑھنے والوں سے۔

پرویزی ٹولے کا رد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آیت میں پانچ نمازوں اور ان کے اوقات کا ذکر ہے۔ مثلاً تمسون سے صلوٰۃ المغرب والعشاء، اور تصبحون سے صلوٰۃ الفجر، اور عشیا سے صلوٰۃ العصر، اور تظہرون سے نماز ظہر مراد ہے۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ ان اوقات میں نماز ادا کرو۔

مسئلہ: جملہ ائمہ کرام متفق ہیں کہ دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔ اور اس میں بھی ان کا اتفاق ہے کہ نمازوں کی کل سترہ رکعات ہیں۔

۱۔ ظہر چار رکعت ۳۔ مغرب تین رکعت ۵۔ فجر دو رکعت
۲۔ عصر چار رکعت ۴۔ عشاءٗ چار رکعت

ف: شبِ معراج پانچوں نمازیں چار چار رکعت فرض ہُوئیں سوائے مغرب کے کہ بعد کو تین۔ اور سوائے فجر کے کہ بعد کو دو رکعات مقرر ہوئیں۔ ایسے ہی نمازِ جمعہ کہ وہ بھی بعد میں دو رکعات ہوئیں۔ ایسے ہی سفر میں بھی دو رکعات کی تخفیف ملی۔

مسئلہ: غیر معذور کو اول وقت میں ایسے ہی آخر وقت میں ان نمازوں کو ادا کرنا جائز ہے۔ (اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے)

مسئلہ: امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک صبح کے وقت کے خروج کے بعد نماز باطل ہو جاتی ہے بخلاف دوسری نمازوں کے کہ اگر انہیں وقت میں شروع کیا جائے پھر وقت نکل جائے نماز ہو جائے گی۔

مسئلہ: قدر واجب پر زاید ادائیگی نفل میں شمار ہوگی۔ مثلاً قیام وغیرہ یعنی قرأۃ و دیگر فرائض بقدر ضرورت سے زاید عمل سے نفل کا ثواب ملے گا۔ کذا فی فتح الرحمٰن

فضائلِ نماز

(۱) حدیث شریف میں ہے:

ما افترض الله على خلقه بعد التوحيد احب اليه من الصلاة ولو كان شئ احب اليه من الصلاة لتعبد به ملائكته فمنهم راكع وساجد وقائم وقاعد۔

(اللہ تعالیٰ کے نزدیک توحید کے بعد محبوب تر عبادت نماز ہے کیونکہ اس سے بڑھ کر محبوب اور کوئی عبادت نہیں۔ ملائکہ اسی کام پر مامور ہیں بعض رکوع میں ہیں بعض سجود میں بعض قیام میں اور بعض قعود میں)

(۲) حدیث شریف میں ہے:

من حافظ على الصلوات الخمس باكمال طهورها ومواقيتها كانت له نورا وبرهانا يوم القيامة ومن ضيعها حشر مع فرعون وهامان۔

(جو شخص مکمل طہارت اور وقت کی پابندی کے ساتھ پانچوں نمازوں کی حفاظت کرتا ہے قیامت میں اس کے لیے نور اور بُرہان ہوگی اور جو انہیں ضائع کرتا ہے اس کا حشر فرعون اور ہامان کے ساتھ ہوگا)

مسئلہ: نماز باجماعت سنّتِ مؤکدہ قریب بہ واجب ہے۔ یعنی دلیل کی قوت کی وجہ سے واجب

کے مشابہ ہے۔حضور علیہ السلام نے فرمایا :

الجماعة من سنن الھدیٰ لا یتخلف عنھا الا منافق۔

(نماز باجماعت سنن ہدیٰ سے ہے اس سے رہ جانے والا منافق ہی ہو سکتا ہے)

مسئلہ : اکثر مشائخ کے نزدیک یہ واجب ہے۔اسے سنت اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ سنت سے ثابت ہے۔ہاں اگر اپنی مسجد میں جماعت نہ مل سکی تو دوسری مسجد میں اس کی تلاش ضروری نہیں۔کذا فی الفقہ۔

حکایت حضرت ابو سلیمان دارانی قدس سرہ نے فرمایا کہ مجھے بیس سال تک احتلام نہ ہوا، ایک دفعہ مکہ معظمہ میں مجھ سے ایک غلطی سرزد ہوئی جس کی نحوست سے مجھے احتلام ہوگیا۔ وہ نحوست یہ تھی کہ میں عشاء کی نماز جماعت سے نہ پڑھ سکا۔مثنوی شریف میں ہے : ؎

ہر چہ آید بر تو از ظلمات غم
آن ز بے شرمی و گستاخیست ہم

ترجمہ : جو کچھ تجھ سے ظلمات غم وارد ہوتے ہیں وہ تیری بے شرمی اور گستاخی کی وجہ سے ہے۔

کیونکہ ہر عمل کا کوئی اثر اور اس کی جزا و اجر ہوا کرتا ہے ؎

در آنکہ شاکر را زیادت وعدہ ہست
آنچنانکہ قرب مزد سجدہ است
گفت واسجد واقترب یزدان ما
قرب جان شد سجدۂ ابدان ما

ترجمہ : جبکہ شکر گزار کو زیادتی کا وعدہ ہے جیسا کہ سجدہ کا اجر قربِ الٰہی ہے، اسی لیے ہمارے معبود نے فرمایا کہ سجدہ کر اور قریب ہو جا۔ابدان کا سجدہ روح کے قرب کا سبب ہے۔

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وہ زندہ کو مُردے سے نکالتا ہے جیسے انسان کو نطفے سے اور پرندے کو انڈے سے۔ایسے ہی مومن کو کافر سے، مصلح کو مفسد سے اور عالم کو جاہل سے۔ایسے ہی وہ قلب جو نورِ الٰہی سے منور ہے نفس مردار کے صفات اور اخلاق ذمیمہ سے تاکہ اس کی رحمت و عزت کا اظہار ہو **وَيُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا** اور زمین کو بارش اور انگوری سے آباد کرتا ہے بعد اس کے ویران ہو جانے کے۔یعنی خشک اور بیکار ہو جانے کے بعد۔ **وَكَذٰلِكَ** ایسے اخراج کی طرح **تُخْرَجُونَ** تم نکالے جاؤ گے قبور سے زندہ کر کے میدان حساب

کی طرف۔ کیونکہ یہ بھی مرنے کے بعد زندہ اٹھنا ہوگا۔
خلاصہ یہ کہ ابتداً شئی تخلیق اور اعادہ اس کی قدرت کے آگے برابر ہیں۔

ف : جناب مقاتل نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دو نفخوں کے درمیان ساتویں آسمان کے بحرِ مسجور سے آبِ حیات نازل فرمائے گا جس سے مردہ ہڈیاں زندہ ہوکر اُٹھیں گی۔ چنانچہ فرمایا: **وكذالك تخرجون**۔ یہ ایسے ہوگا جیسے بارش کے پانی سے زمین کے اندر سے انگوری اُگتی ہے ایسے ہی انسان قبروں سے اٹھیں گے اور آبِ حیات انسان کی منی کی طرح ہے جو بحرِ مسجور سے نکلا مردہ ہڈیوں پر پڑے گا تو مُردے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔

تفسیر صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دلوں کو ان کے مرنے کے بعد زندہ کرے گا جیسے انہیں اپنی قدرتِ کاملہ سے عدم سے وجود دیا۔

سُبحان اللہ پڑھنے کے فضائل حدیث شریف میں ہے:

من قال حين يصبح فسبحان الله حين تمسون الى قوله وكذالك تخرجون ادرك مافات من ليلته ومن قالها حين يمسي ادرك مافاته في يومه۔

(جو شخص صبح کو فسبحان اللہ حین تمسون (الآیۃ) پڑھتا ہے تو اس سے وہ اوراد جو رات کو فوت ہوگئے اس آیت پاک کے پڑھنے کی برکت سے ان کا ثواب پائے گا، ایسے ہی جو اس آیت کو شام کو پڑھ لیتا ہے تو دن کے فوت شدہ اعمال کا ثواب حاصل کرلے گا۔

مسئلہ : کشف الاسرار میں ہے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من قال سبحان الله حين تمسون وحين تصبحون۔

یعنی جو شخص تینوں آیات سورہ روم اور سورہ صافات کی آخری، ہر نماز کے بعد پڑھ لیتا ہے تو اس کے نامۂ اعمال میں آسمان کے ستاروں اور بارش کے قطرات اور درختوں کے پتّوں اور مٹی کے ذرات کے برابر نیکیاں لکھی جائیں گی جب وہ مرے گا تو اسے قبر میں ایک نیکی کے عوض دس نیکیاں ملیں گی۔

وظیفۂ ابراہیمی : حضرت ابراہیم علیہ السلام آیاتِ مذکورہ کو دن میں سات بار روزانہ پڑھتے تھے۔

سوال : اس وقت تو عربی زبان کا وجود ہی نہ تھا تو پھر وہ آیات کیسے پڑھتے تھے؟

جواب : ان آیات کا مضمون سریانی زبان میں پڑھا کرتے تھے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ
اور اس کی نشانیوں سے ہے یہ کہ تمہیں پیدا کیا گیا مٹی سے پھر جبھی تم انسان ہو دنیا میں پھیلے ہوئے اور اس کی نشانیوں
اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً
سے ہے کہ تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے کہ ان سے آرام پاؤ اور تمہارے آپس میں محبت اور
وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ
رحمت رکھی بے شک اس میں نشانیاں ہیں دھیان کرنے والوں کے لیے اور اس کی نشانیوں سے ہے آسمانوں
وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ﴿۲۲﴾
اور زمین کی پیدائش اور تمہاری زبانوں اور رنگتوں کا اختلاف بے شک اس میں نشانیاں ہیں جاننے والوں کے
وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاۗؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ
لیے اور اس کی نشانیوں میں ہے رات اور دن میں تمہارا سونا اور اس کا فضل تلاش کرنا بے شک اس میں
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا
نشانیاں ہیں سننے والوں کے لیے اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ تمہیں بجلی دکھاتا ہے ڈرتی اور امید
وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
دلاتی اور آسمان سے پانی اتارتا ہے تو اس سے زمین کو زندہ کرتا ہے اس کے مرے پیچھے بے شک اس میں نشانیاں
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَاۗءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ
ہیں عقل والوں کے لیے اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ اس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں پھر
ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ڰ مِّنَ الْاَرْضِ ڰ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَلَهٗ مَنْ فِي
جب تمہیں زمین سے ایک ندا فرمائے گا جبھی تم نکل پڑو گے اور اسی کے ہیں جو کوئی
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ
آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اس کے زیر حکم ہیں اور وہی ہے کہ اول بناتا ہے پھر اسے دوبارہ بنائیگا
وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ۭ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ
اور یہ تمہاری سمجھ میں اس پر زیادہ آسان ہونا چاہیئے اور اسی کے لیے ہے سب سے برتر شان آسمانوں اور زمین میں اور
الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾
وہی عزت و حکمت والا ہے

تفسیر عالمانہ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ اور اللہ تعالیٰ کی وہ آیات جو مرنے کے بعد اُٹھنے پر دلالت کرتی ہیں۔ کاشفی مرحوم نے اس کا ترجمہ یوں کیا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بعض

نشانیاں یہ ہیں کہ اَنْ خَلَقَکُمْ تمہیں اس نے پیدا فرمایا یعنی آدم علیہ السلام کی تخلیق کے ساتھ ان کی ذریات کو بھی اجمالاً پیدا فرمایا۔ الخلق بمعنے ترکیب الاجزا و تسویۃ الاجسام۔ اجزا کو مرکب کرنا اور اجسام کو برابر بنانا مِّنْ تُرَابٍ مٹی سے، جس نے کبھی بھی حیات کی بو نہ سونگھی تھی اور نہ ہی اسے تمہاری اس کیفیت سے کوئی مناسبت تھی، کہاں تمہاری ذات وصفات اور کہاں مٹی!

ف: انسان کو مٹی سے اس لیے پیدا کیا گیا تاکہ وہ متواضع و متخاشع ہو اور مٹی کی طرح دوسروں کا بوجھ اٹھانے والا ہو۔ کیونکہ زمین اور اس کے حقائق کا یہی طریقہ ہے کہ وہ ہمیشہ مطمئن اور اپنے وجود سے دوسروں کے ساتھ احسان کرے اسی لیے یہ ہمیشہ ساکن و ساکت رہتی ہے۔ اسی وجہ سے یہ اپنے مطلوب میں کامیاب ہے اس معنیٰ پر مرتبہ میں اعلیٰ ہے اگرچہ سفل میں ہے لیکن مرتبہ کے لحاظ سے بلند ہے کیونکہ اسے رضا و تسلیم نصیب ہے۔

ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ پس اب تم بشر یعنی آدمی ہو گوشت پوست اور خون سے، اور عقلاً و ناطق۔

بشر کا معنی المفردات میں امام راغب نے فرمایا کہ البشرۃ ظاہر چمڑے کو کہا جاتا ہے اور انسان کو اس لیے بشر کہتے ہیں کہ اس کا چمڑہ بالوں سے صاف ہوتا ہے بخلاف دیگر حیوانات کے کہ ان پر یا اون ہوتی ہے یا بال ہوتے ہیں وغیرہ۔ اور لفظ بشر کا اطلاق واحد و جمع کے لئے برابر ہوتا ہے۔

قاعدۂ لفظ بشر: قرآن میں ہر جگہ لفظ بشر کا اطلاق انسان کے جثہ اور اس کے ظاہر پر ہوتا ہے۔

تَنْتَشِرُوْنَ ۝ (الانتشار)

حل لغات: الانتشار بمعنے پراگندہ ہونا۔ امام راغب نے فرمایا، انسان کے پراگندہ ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ حاجات میں تصرف کرنا۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے بنو آدم! اس کے بعد اچانک تم بشر ہو کر اپنی حاجات کے لیے منتشر ہوئے۔ تمہاری یہ ابتداء دلالت کرتی ہے کہ تم پھر اسی طرح اٹھائے جاؤ گے یہ اس کا اجمال ہے جسے سورۂ حج کے اوّل میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا۔ کما قال تعالیٰ:

یاایہا الناس ان کنتم فی ریب من البعث فانا خلقنا کم من تراب ثم من نطفۃ ثم من علقۃ ثم من مضغۃ مخلقۃ وغیر مخلقۃ لنبین لکم۔

(اے لوگو! اگر تم مرنے کے بعد اٹھنے کے متعلق شک میں ہو تو سنو ہم نے تمہیں مٹی سے بنایا پھر نطفے سے پھر علقہ سے پھر گوشت کے لوتھڑے سے کہ اس وقت تمہارا کچھ

حصہ منقش تھا اور کچھ غیر منقش، تاکہ ہم تم پر واضح کریں)
یعنی اگر تمہیں مرنے کے بعد اُٹھنے میں شک ہے تو تم اپنی ابتدائی تخلیق کو دیکھو کہ تمہیں ہم نے مختلف اطوار سے بنایا تاکہ ہم تمہیں اپنی قدرت دکھائیں کہ ہم تمہیں مرنے کے بعد کیسے اٹھائیں گے یہ صرف اس لیے کہ تم ایمان لاؤ۔ کسی شاعر نے اسے یُوں ادا کیا ہے، ؎

خلقت من التراب فصرت شخصا
بصیرا بالسؤال و بالجواب
وعدت الی التراب فصرت فیہ
کأنی ما برحت من التراب

ترجمہ: میں مٹی سے پیدا کیا گیا تو ایک شخص بنا ایسے کہ جسے سوال وجواب کی پوری سمجھ ہے پھر مٹی میں لوٹ جاؤں گا اس میں ایسا ہو جاؤں گا کہ گویا میں ہمیشہ مٹی ہی تھا۔
شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا،

بامرش وجود از عدم نقش بست
کہ داند جز او کردن از نیست ہست
دگر رہ بکتم عدم در برد
واز آنجا بصحرائے محشر برد

ترجمہ: اس کے حکم سے وجود نے عدم سے نقش باندھا ہے اس کے سوا کون جانتا ہے نیست سے ہست کرنا۔ دوبارہ پھر عدم کے جنگل میں لے جائے گا وہاں سے پھر محشر کے جنگل میں لے جائے گا۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مٹی سے پیدا کرنے میں اشارہ ہے کہ موجودات میں حضرت حق سے بعید تر یہی مٹی اور قریب تر عالمِ ارواح ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے ارواح کو پھر عرش کو پیدا فرمایا کیونکہ یہی استوائے صفت رحمانیہ کا محل ہے اس کے بعد کرسی اس کے بعد ساتواں آسمان اس کے بعد تمام آسمان اس کے بعد فلک الاثیر اس کے بعد فلک زمہریر یعنی کرۂ ہوا اس کے بعد پانی اس کے بعد مٹی کو پیدا فرمایا۔ یہی وُہ جماد ہے کہ اس میں نہ حس ہے نہ حرکت، اور اسے ذات وصفات کی تغییر پر قدرت ہے جب ہم نے اسے اس کی ذات کو وصف ترابیہ سے صورتاً و معناً متغیر پایا مثلاً اس کی صورت بشری شکل میں دیکھی اور اس کے صفات بشری صفات میں متغیر پائے تو اس سے ہمیں یقین ہو گیا کہ اس کا کوئی مغیر و مبدل ہے تو وُہ ہے حق سبحانہٗ وتعالیٰ۔ جیسا کہ ثم اذا انتم بشر تنتشرون میں اس کا اشارہ ہے

کہ تم مٹی اور جمادِ محض اور لاشئی تھے اور حق تعالیٰ کے حضور سے تمام موجودات میں حضرت حق سے
بالکل بعید تر تھے تو ہم نے تمہیں بشر بنایا اور اس میں وُہ رُوح پھونکی جسے ہماری طرف منسوب
ہونے کا شرف ہے اور وُہ موجودات میں حضرتِ حق کو قریب تر ہے پھر یہ قدرتِ کاملہ نہیں کہ اس نے
ابعد الابعدین کو اقرب الاقربین کے ساتھ ملا دیا اور اس میں حکمتِ بالغہ بھی ہے کہ ایسا کام کر دکھایا کہ
جس کا تصور تک بھی نہیں ہو سکتا تھا پھر ہم نے تمہیں مقربین ملائکہ کا سجود بلکہ جمیع صفاتِ جلالی وجمالی
کا مظہر بنایا۔ اسی راز پر ہم نے تمہیں ہی زمین پر اپنا جانشین بنایا۔

صاحبِ روح البیان کی بہترین تقریر

فقیر (اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ غیب وُہ ہوتا ہے جو ایک وطن سے دوسرے
وطن کو احکامِ اسلامیہ کے اجرا کے لیے بھیجا جائے اور اس کا دنیوی وطن اسم ظاہر کے آثار سے ہے
پھر اس کا برزخ میں جانا اسمِ باطن کے احکام سے ہے جبکہ ابتدائے ظہور اور اس کے اوّل دَور میں
بہ نسبت وطن اول غیب شہادت ہو گیا ہے۔ اسی طرح انتہائے ظہور اور اس کے دور ثانی میں نسبت
وطن اوّل غیب شہادت ہو جائے گا یعنی جب بعث و حشر ہو گا تو دنیا غیب ہو جائے گی اور اس کا
رجوع اسمِ باطن کی طرف ہو جائے گا اور دوسرا وطن اس کے بعد اس کے بعد شہادت ہو جائے گا
حالانکہ وہ اس سے قبل غائب تھا اب وہ بمنزلہ قلب کے ہے۔ لیکن جب معاملہ اُلٹا تو قلب قالب
ہو جائے گا اور قالب قلب۔ ہم اللہ تعالیٰ سے کمال تام کا انتقال اور نشأۃ آخرت کا ظہور وجود
محیط عالم کے ساتھ مانگتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

وَمِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ اور اس کے بعض آیات سے جو بعث اور
اس کے مابعد کی جزا پر دلالت کرتے ہیں تمہاری خاطر پیدا کئے مِّنْ اَنْفُسِکُمْ
تمہارے نفسوں سے ہی، یعنی تمہارے اجسام سے اَزْوَاجًا عورتیں۔

سوال: نفسِ واحد سے بی بی حوّا رضی اللہ تعالیٰ عنہا پیدا ہوئیں۔ اب یہ خطاب عام کیوں؟
جواب: بی بی حوّا کے تضمن میں تمام عورتوں کی تخلیق ہے۔ اسی بنا پر عام خطاب کیا گیا۔

حلِ لغات

ازواج، زوج کی جمع ہے وہ فرد واحد جو دوسرے کے ساتھ ہو اور مرد و عورت
سے ایک دُوسرے کے قرین۔ اور زوجہ لغت ردیئہ سے ہے اس کی جمع
زوجات ہے کما فی المفردات۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ من انفسکم بمعنے من جنسکم ہو۔ یعنی
تمہاری عورتیں تمہاری جنس سے ہیں وہ کوئی دوسری جنس نہیں۔ یہی لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَیْهَا کو زیادہ موافق ہے
تاکہ تم ان عورتوں سے سکون پاؤ اور ان سے مانوس ہو کیونکہ ہم جنس ہونا ایک دوسرے کے میل ملاپ
اور تعارف کو موزوں ہے جیسا کہ مخالف جنس ہونا تفرق و تنافر کا موجب ہے

بجنس خود کشد ہر جنس آہنگ
ندارد ہیچکس از جنس خود ننگ
بجنس خویش دارد میل ہر جنس
فرشتہ با فرشتہ انس با انس

ترجمہ : ہر ہم جنس اپنے ہم جنس سے ہم آہنگ ہوتا ہے اپنی جنس سے کسی کو ننگ و عار نہیں ہوتی۔ ہر جنس اپنی جنس کی طرف مائل ہوتی ہے۔ فرشتہ فرشتہ کی طرف، انسان انسان کی طرف۔

بعض علماء و فقہاء وغیرہم کا مذہب ہے کہ انسان کا جنیہ سے نکاح جائز ہے اور اس میں **ازالہ وہم** انسان کے نطفہ ٹھہرنے کا بھی جواز ہے تو اس سے ثابت ہو گیا کہ جنس کا غیر جنس سے تعلق ہوتا ہے۔ فقیر (صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ یہ نوادر سے ہے اور نوادرات کا کوئی اعتبار نہیں اور پھر اگر انسان کا جنیہ سے نکاح ہو بھی تو ان کی آپس میں اُنس و محبت نہیں ہوتی جو مرد کو عورت سے ہوتی ہے اگرچہ وہ بھی انسانی صورت میں متمثل ہوتی ہے۔

وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً اور بنائی تمہارے اور تمہاری ازواج کے درمیان مؤدت و محبت و شفقت، باوجودیکہ اس سے قبل تمہیں عموماً ان سے سابقہ واسطہ اور رابطہ اور تعارف وغیرہ نہ تھا اور عموماً تمہاری ان سے قرابت و رشتہ داری نہ تھی اب ہر طرح کی رشتہ داری اور قرابت ہو گئی۔

ف : حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا :

مودّۃ سے جماع کی طرف اور **رحمۃ** سے اولاد کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ پر عیسٰی علیہ السلام کے متعلق فرمایا :

ورحمة منّا۔

(اور یہ (عیسٰی علیہ السلام) ہماری طرف سے رحمت ہیں)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ المودّۃ بڑی اولاد کے لیے اور الرحمۃ چھوٹی کے لئے ہوتا ہے۔

اِنَّ فِي ذٰلِكَ بیشک مذکورہ بالا بیان مثلاً مٹی سے پیدا کرنا اور ان کی ازواج کو ان کے نفوس سے بنانا اور ان کا آپس میں محبت و مودت کا القا کرنا **لَاٰيٰتٍ** بہت بڑی نشانیاں ہیں **لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ** ۝ ان لوگوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی صفت اور اس کے افعال میں غور و فکر کیا کرتے ہیں تو پھر وہ معلوم کر لیتے ہیں کہ ان میں کیا حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔

نکتہ: مضمون کو یتفکرون پر ختم کرنے میں اشارہ ہے کہ فکر ان معانی مذکورہ کی واقفیت حاصل کراتا ہے
کما فی برہان القرآن۔

نکتہ: فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ ان مذکورہ بالا آیات کا ادراک علماء سے خاص نہیں بلکہ جسے بھی فکر کی دولت نصیب ہے وہ ان امور کا ادراک کر لیتا ہے۔ تفکر تدبر سے مرتبہ میں کم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں تذکر آیا ہے تو اولوا الالباب کے لیے' اور تفکر عام ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ رُوح کو نفس کے ساتھ بیاہا گیا اس لیے کہ اللہ تعالےٰ نے نفس اور رُوح کو پیدا کر کے ان کا نکاح کر دیا تاکہ ارواح نفوس سے سکون پائیں جیسے آدم علیہ السلام نے بی بی حوا سے سکون پایا۔ اگر بی بی حوا نہ ہوتیں تو آدم علیہ السلام بہشت میں اقامت رکھنے کے باوجود وحشت میں رہتے اور انھیں کبھی بھی سکون نہ ملتا اور پھر روح و نفس کے درمیان الفت و اُنس پیدا فرمایا تاکہ دونوں جسم میں گھل مل کر رہ سکیں۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو فکرِ سلیم کے ساتھ سوچتے ہیں کہ انسان میں اللہ تعالیٰ نے راز و نیاز کی معرفت کیسے امانت رکھی جبکہ دُوسری تمام مخلوق اس کی اتباع میں معرفت پاتی ہے کما فی التاویلات النجمیہ۔

تفسیر عالمانہ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ اور اللہ تعالیٰ کی بعض وُہ آیات جو مذکورہ بالا بیان پر دلالت کرتی ہیں کہ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنا ان کی عظمت اور کثافت اور کثرت اجزاء بلا مادّہ کے بتاتے ہیں کہ انہیں کسی بڑی قدرت والے نے بنایا ہے اور یہ اس کی قدرت پر بہت بڑی اور واضح دلیلیں ہیں کہ جب وُہ اتنی بڑی چیزوں کو بنا سکتا ہے تو پھر انسان کو قیامت کے میدان میں لوٹانا اس کے لیے کون سا مشکل ہے۔

ربط: یہ آیات آفاقیہ ہیں اب آیات انفسیہ کا ذکر فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ اور تمہاری مختلف بولیوں کا ہونا مثلاً عربی، فارسی، ہندی، ترکی وغیرہ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر صنف کی الگ زبان بنائی۔

ف: امام راغب نے فرمایا کہ زبانوں کے مختلف ہونے میں اختلاف اللغات و اختلاف النغمات کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ ہر زبان کا اپنا نغمہ ہے جس کا امتیاز کان کرتا ہے، جیسے ہر انسان کی اپنی صورت ہے جس کا فرق آنکھ کرتی ہے۔ تم نے کبھی ایسا نہیں پایا کہ دو بولنے والے ایک طرح بولیں کہ جن کی کیفیت ہر طرح سے برابر ہو بلندی و پستی میں' فصاحت و لکنت وغیرہ میں۔

ف: حضرت وہب نے فرمایا کہ کل بہتر زبانیں ہیں۔ سام کی اولاد کو انیس (۱۹)، حام کی اولاد کو سترہ (۱۷) اور یافث کی اولاد کو چھتیس (۳۶) لغات ملیں۔

وَاَلْوَانِكُمْ اور تمہارے رنگوں کا مختلف ہونا کہ کوئی سفید ہیں تو کوئی سیاہ، اور کوئی گندمی رنگ

کے ہیں تو کوئی سرخ وغیرہ۔

ف: امام راغب نے فرمایا کہ الوان کے اختلاف میں ہر انسان کی ہیئت کذائیہ کے مختلف ہونے کی طرف اشارہ ہے کہ ہر انسان کی ہیئت کذائیہ ہر دوسرے انسان سے مختلف ہوتی ہے باوجود کثیر ہونے کے ایک دوسرے کی ہیئت کذائیہ میں یک جہتی نہیں ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی وسعتِ قدرت کی تنبیہ ہے۔ یعنی انسانوں کے مختلف رنگوں میں اشارہ ہے کہ دیکھیے ان کے اعضاء کو کیسے جوڑا گیا ہے پھر ان کی ہیئات کیسی عجیب ہیں اور ان کو ایسا سنگارا گیا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ مثلاً جڑواں بچوں کو دیکھیے باوجودیکہ ان کے موادو اسباب اور امورِ ملاقیہ فی التخلیق میں توافق ہے مگر پھر بھی ان کے کسی نہ کسی معاملہ میں تخالف ضرور ہے اگرچہ ایک دوسرے کے بہت متشابہ ہیں۔ اگر ایسے نہ ہوتے تو اشخاص کا امتیاز مشکل ہو جاتا اور بہت سے امور میں مشکلات پیش آتیں اور اس طرح سے دنیوی معاملات تعطل کا شکار ہو جاتے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ چونکہ سیدنا آدم علیٰ نبینا وعلیہ السلام مختلف مٹیوں سے تیار ہوئے اسی لیے آپ کی اولاد کے مختلف رنگ ہیں کوئی کالے ہیں تو کوئی سُرخ ہیں اور کوئی سفید۔ جس طرح کی مٹی سے پیدا ہوئے اسی طرح کے رنگ کو اختیار کیا۔ ہر قوم کو اس کے اجداد کی صورت پر بنایا گیا یہاں تک کہ ان کا تعلق آدم علیہ السلام کے ذرّات سے جاملا اور ان کی تصویر کسی رحم کے اندر ہی بنائی جاتی ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے اس قول "فی ایّ صورۃ ما شاء رکبک" سے استدلال کیا ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ بیشک اس میں جو مذکور ہوا یعنی زمین و آسمان کا پیدا کرنا اور زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا لَاٰیٰتٍ البتہ بہت بڑی آیات اور بے شمار ہیں لِّلْعٰلِمِیْنَ ○ (بکسر اللام) وہ لوگ جو علم سے موصوف ہیں۔ جیسے دُوسرے مقام پر فرمایا:

وما یعقلها الا العالمون۔

(اور اسے نہیں سمجھتے مگر علم والے)

نکتہ: اہلِ علم کی تخصیص اس لیے کہ وہی اہلِ نظر و استدلال ہوتے ہیں بخلاف جاہلوں کے کہ وُہ اس کی اہلیت وصلاحیت نہیں رکھتے بلکہ وُہ دنیا کے مشاغل میں نہ صرف مشغول بلکہ منہمک ہوتے ہیں اور اس کی رنگینیوں میں پھنسے رہتے ہیں اور پھر چونکہ مذکورہ بالا امور کی معرفت علم سے ہی ہو سکتی ہے اسی لیے آیت کو العالمین پر ختم کیا ہے۔

ف: بعض قرأتوں میں بفتح اللام آیا ہے اس میں اشارہ ہے کہ یہ آیات اتنی واضح اور روشن ہیں کہ جن میں کسی قسم کا خفاء نہیں انہیں ہر ایک جان سکتا ہے نہ وہ فرشتوں سے پوشیدہ ہیں نہ انسانوں سے اور نہ جنوں سے۔

تفسیر صُوفیانہ ۱ اس میں اشارہ ہے کہ السنۂ قلوب و السنۂ نفوس آپس میں مختلف ہیں کیونکہ قلوب کی زبانیں علویات کی طرف میلان رکھتی ہیں اسی لیے وہاں کی بولی بولتی ہیں اور نفوس کی زبانیں سفلیات سے متعلق ہیں۔ اسی لیے یہ سفلیات کی طلب میں رہ کر یہاں کی باتیں کرتی ہیں جیسا کہ اہلِ دُنیا و آخرت کی محفلوں سے مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ حضرت مولانا قدس سرہٗ کے ارشادات سے ہے : ؎

ما را چہ ازیں قصہ کہ گاؤ آمد و خر رفت
ایں وقت عزیز ست ازیں عربدہ باز آے

ترجمہ : ہمیں اس سے کیا کہ گائے آئی اور گدھا گیا، یہ وقت عزیز ہے ایسے جھگڑوں کو چھوڑ دے۔

تفسیر صُوفیانہ ۲ اختلافِ الوان میں اشارہ ہے کہ انسان کے طبائع مختلف ہیں بعض ان میں وہ ہیں جو دنیا کے خواہشمند ہیں اور بعض آخرت کے اور اللہ تعالیٰ کے۔ اس میں ان عارفین کی نشانیاں ہیں جو نفوس کی حقیقتوں اور ان کی کمالیت کو جانتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ کا عرفان ہے اور وہ آیاتِ الٰہی اللہ تعالیٰ کے دکھانے پر دیکھتے ہیں جیسا کہ فرمایا :

سنریھم آیاتنا فی الآفاق و انفسھم۔

(ہم انہیں آفاق کی اور ان کے نفوس کی آیات دکھائیں گے)

سوال : اللہ تعالیٰ کی آیات مذکورہ اتنی واضح اور روشن ہیں کہ کسی احمق اور پاگل کو ان کے وجود و وضوح کا انکار ہو سکتا ہے ورنہ صاحب سمجھ انہیں جانتا ہے۔ پھر بار بار ان کی نشان دہی کا کیا فائدہ؟

جواب : تاکہ ناظرین کو تنبیہ، جاہلوں کو تعلیم اور اہلِ عرفان کی تکمیل ہو۔ آنکھ والا آنکھ سے دیکھے گا اور دل والا دل سے سمجھے گا۔

ف : تمام ادیان متفق ہیں اور ہر زمانہ اس پر یکساں متفق رہا ہے کہ چار عادات قابلِ ستائش ہیں :

۱ - علم ۲ - زہد ۳ - احسان ۴ - امانت

یاد رہے کہ علم کے بغیر عبادت ایسے ہے کہ جیسے گدھا چکی کے گرد گھومتا رہے کہ وہ جتنا گھومتا رہے گا سفر طے نہ کر سکے گا جہاں پہلے تھا وہیں رہ جائے گا۔

علم کے فضائل علمِ حقیقی وہ ہے جو عرفانِ الٰہی سے مزین ہو۔ ایسا علم ملکوت کی سیر کراتا ہے۔ یہی علم آیاتِ کبریٰ میں شمار ہوتا ہے۔ جسے یہ علم نصیب ہوتا ہے وہ شواہدِ عظمیٰ کا روشن تر بصیرت سے مشاہدہ کرتا ہے بلکہ وہ آنے والے واقعات کو قبل از وقت جانتا اور باقاعدہ ان کے متعلق حالات

سناتا اور بتاتا ہے۔

جاہل صوفیوں کا رد ہمارے دور (علامہ اسمٰعیل حقی نور اللہ مرقدہ کا زمانہ) میں بعض ایسے جاہل صوفی بھی ہیں کہ ان بیوقوفوں کا حلقہ بھی وسیع ہے (جیسے فقیر اویسی غفرلہٗ کے دور میں ایسے جاہلوں کی کمی نہیں بلکہ وہ بہت عروج پر ہیں، اچھے بُرے میں تمیز کرنا خاصا مشکل ہو گیا ہے)[۱] ان پر جہل کا اتنا غلبہ ہے کہ وُہ کہا کرتے ہیں کہ علم حجاب اکبر ہے یعنی علم و عرفان کے آگے ایک آڑ ہے یہ نہ ہو تو عرفانِ الٰہی حاصل ہوتا ہے یہ ان کی خواہشاتِ نفسانیہ کا شکار ہو جانے کی واضح دلیل ہے[۲]

نکتہ: علم حجاب بھی لیکن غفلت اور معصیت سے ہے کہ قلب پر غفلت کو نہیں آنے دیتا اور نفس کو معصیت کے قریب نہیں پھٹکنے دیتا (العلم الحجاب الاکبر کا یہی معنیٰ لیا جائے تو موزوں ہے اور جو بعض جاہل صوفیوں نے سمجھ رکھا ہے وُہ بالکل غلط ہے)[۳]

کون کس کے لیے رحمت حضرت عبداللہ بن سہل تستری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ آسمان زمین کے لیے اور زمین کا اندر باہر کے لیے اور آخرت دُنیا کے لیے اور علماءُ جاہلوں کے لیے اور بڑے چھوٹوں کے لیے اور نبی علیہ السلام مخلوق کے لیے اور اللہ تعالیٰ جملہ کائنات کے لیے رحمت ہے۔

علوم کی اقسام علم کی اجناس کا تو کوئی شمار نہیں ہو سکتا ہے مثلاً علم النظر، علم الخبر، علم النبات، علم الحیوان، علم الرصد وغیرہ۔ پھر ان میں ہر ایک پر فصول ہیں جو ان کے مقوم و مقسم ہیں ہم ان علوم پر غور کریں گے کہ کون سے علوم ہمارے لیے مفید اور سعادت ابدیہ کا موجب ہیں تاکہ ہم انہیں حاصل کریں اور فضول علوم کو چھوڑ دیں تاکہ زندگی برباد نہ ہو۔ یاد رہے کہ جملہ علوم کی اجناس سے ہمیں دو قسم کے فصل چاہئیں:

ایک تو وہ جو نظر سے تعلق رکھتا ہے، جیسے علم الکلام۔

دوسرا وُہ جو خبر سے متعلق ہے، جیسے علم الشرع۔

اور وہ علوم جو ان کے ماتحت ہیں کہ ان کے حاصل کرنے میں سعادت ہے وُہ آٹھ ہیں:[۲]

۱۔ علم الواجب	۳۔ علم المستحیل	۵۔ علم الصفات	۷۔ علم السعادۃ
۲۔ علم الجائز	۴۔ علم الذات	۶۔ علم الافعال	۸۔ علم الشقاوۃ

ان آٹھ علوم کا حاصل کرنا ہر انسان پر واجب ہے تاکہ نجاتِ ابدی اور سعادتِ دائمی نصیب ہو۔ لیکن یاد رہے کہ سعادت و شقاوت ذیل کی معرفت پر موقوف ہے:

۱۔ واجب ۲۔ محظور ۳۔ مندوب ۴۔ مکروہ ۵۔ مباح

[۱و۳] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

[۲] تفصیل کے لیے فقیر کی کتاب "پیری مریدی" ملاحظہ ہو۔ اویسی غفرلہٗ

یادگار ہے کہ ان امور کے اصول تین ہیں :

(۱) کتاب اللہ

(۲) احادیث متواترہ

(۳) اجماعِ اُمت

کذا فی مواقع النجوم للشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر۔

دعا : اللہ تعالیٰ ہم سب کو علومِ نافعہ کے حاصل کرنے کی توفیق بخشے اور فیوض و اسرار سے ہمارے سینے کھول دے اور ان لوگوں سے بنائے جن کے علوم کی روشنی زندگی بھر بلکہ تا قیامت روشن رہے گی۔

تفسیر عالمانہ وَمِنْ اٰیٰتِهٖ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ان نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وُہ قیامت میں اپنے بندوں کو ان کے اعمال کی جزا و سزا دے گا مَنَامُكُمْ منام بروزن مفعل نوم سے ہے۔ یعنی تمہاری وُہ موت جس سے تم اپنے ابدان کی راحت پاتے ہو اور اس کی وجہ سے اپنے اشغال کو ختم کرتے ہو تاکہ اس کی وجہ سے تم اپنی طبعی عمر پا سکو بِالَّيْلِ رات کے وقت جیسا کہ عام عادت ہے وَالنَّهَارِ اور دن کے وقت جبکہ ضرورت ہو، جیسے قیلولہ وغیرہ۔ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اور تمہارا اس کے فضل کو تلاش کرنا۔ فضل سے معاش مراد ہے یعنی تم ان دن اور رات میں معاش تلاش کرتے ہو۔ دونوں کو دو کاموں پر منقسم فرمایا بہ بنائے اکثریت ہے ورنہ عموماً نیند رات کو اور معاش کی تلاش اور کاروبار دن کو ہوتا ہے۔

نکتہ : نیند و بیداری کو حیات بعد الممات سے مشابہت ہے کہ وہاں بھی گویا یُونہی ہے کہ بندے بیداری کے بیداری کے بعد معاش کی تلاش میں ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

نوم ما چون شد اخ الموت ای فلان
زین برادر آن برادر را بدان

ترجمہ : ہماری نیند موت کے جھٹکے کی طرح ہے اسے اس کا بھائی ہی سمجھئے۔

نکتہ : اللیل کی تقدیم اس لیے ہے کہ رات مولیٰ کی خدمت کے لیے اور دن مخلوق کی خدمت کے لیے۔ مخلوق سے مولیٰ کی تقدیم ضروری ہے۔ دُوسرا یہ کہ عموماً حضرات انبیاء علیہم السّلام کو معراج راتوں کو ہُوئی۔ اسی لیے امام نیشاپوری نے فرمایا : رات دن سے افضل ہے۔

نکتہ : فقیر (صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ رات محلِ سکون ہے اور یہ اصل ہے اور دن محل الحرکۃ ہے۔

جیسا کہ حدیث شریف :

حدیث شریف کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق۔

(میں مخفی خزانہ تھا تو چاہا کہ پہچانا جاؤں، اسی لیے مخلوق کو پیدا کیا)

میں اشارہ ہے کہ خلق حرکت معنویہ کی مقتضی ہے اور تخلیق سے پہلے سکون ہی سکون تھا یعنی عالم ذات بحت تھا، اس بنا پر لیل کو آیت میں مقدم کیا گیا۔

سوال : النہار حرف پر جارہ کیوں نہ داخل کیا گیا جیسے باللیل میں ہے ایسے ہی بالنہار ہوتا۔

جواب : بعض مشایخ نے اس کا جواب دیا کہ یہ ثابت ہو کہ ہم جاگ رہے ہیں تب بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک نیند میں ہیں۔ گویا یوں فرمایا : اے میرے بندو! تم اس دنیا میں خواب میں ہو اگرچہ بیدار رہتے ہو تب بھی میرے نزدیک نیند میں ہو۔ اگر اس میں حرفِ جارہ داخل ہوتا تو معنیٰ مذکور متعین نہ ہوتا کیونکہ حرفِ جارہ کے وقت یہ احتمال بھی ہوتا کہ جار مجرور محذوف کے متعلق ہے اور اس کا عطف مبتدا پر ہے۔

دراصل عبارت یوں ہوگی :

ویقظتکم بالنہار (اور دن میں تمہارا بیدار رہنا)

اس کے بعد متعلق کو محذوف کیا گیا جب کہ اس کا معمول اس پر دلالت کرے گا یا اس کا مقابل اس کے متعلق خبر دے گا۔ جیسے کہا جاتا ہے :

علفتہا تبنا وماء بارداً۔

اصل میں یوں ہے :

علفتہا تبنا وسقیتہا ماء بارداً۔

(میں نے گھاس کھلایا اور ٹھنڈا پانی پلایا)

سقیتہا کو حذف کیا گیا کہ اس کا بالمقابل علفتہا دلالت کرتا ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ بے شک اس امرِ عظیم میں جو بہت بڑے مرتبے والا ہے یعنی بیداری کے بعد خواب اور خواب کے بعد بیداری جو کہ نیند بمنزلہ چھوٹی موت کے ہے اور رات و دن کا آنا جانا، اور اسی طرح شب و روز میں طلبِ معاش، اگرچہ ان دونوں کی تحصیل میں فرق ہے لیکن ہیں دونوں امر عظیم۔ لَاٰیٰتٍ بے شمار قدرتوں اور حکمتوں بالخصوص مرنے کے بعد اُٹھنے کی نشانیاں ہیں لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ایسے لوگوں کے لیے جو سُنتے ہیں، یعنی اُن کی شان یہ ہے کہ وہ ناصح کی بات سُنتے ہیں اُس شخص کی طرح جو نیند سے جاگے تو اس کا جسم ہلکا پھلکا اور راحت سے بھرپور اور ہر طرح کی سُستی و کاہلی سے فارغ ہوتا ہے ایسے ہی اس کو نصیحت سُننے سے کوئی شے منع نہیں کرتی نہایت غور و فکر سے نصیحت کو سُنتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جو ان آیات میں غور و فکر نہیں کرتا وہ نیند والے کی طرح ہے۔ وہ ایسی آیات سُننے کا اہل نہیں۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ~

۱ کسے راکہ پندار در سر بود
میندار ہرگز کہ حق بشنود

۲ زعلمش ملال آید از وعظ ننگ
شقایق بباران نروید بسنگ

۳ گرت در دریاے فضلست خیز
بتذکیر در پاسے درویش ریز

۴ نہ بینی کہ در پاسے افتادہ خار
بروید گل و بشگفد نو بہار

ترجمہ :(۱) کسی کے دل میں غلط تصورات ہوں تو وہ گمان نہ کر کہ وہ حق سن سکے۔
(۲) اسے علم سے ملال آتا ہے اور وعظ سے ننگ۔ پتھریلی زمین میں گلِ گلاب پیدا نہیں ہوتے۔
(۳) اگر تجھے فضل کا دریا میسر ہے تو اُٹھ اور درویش کی نصیحت حاصل کرنے کے لیے اس کے پاؤں پکڑ۔
(۴) کیا نہیں دیکھا کہ کانٹا گل کے پاؤں کو چمٹا ہوا ہے۔ اسی سے ہی گلِ گلاب پھوٹتے ہیں اور اسی سے بہار ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

چہ نسبت است برندی صلاح و تقویٰ را
سماع وعظ کجا نغمۂ رباب کجا

ترجمہ : رند کو صلاح و تقویٰ سے کیا نسبت ! وعظ کا سننا کہاں اور طبلہ کی آواز کہاں !

نکتہ : برہان القرآن میں لکھا ہے کہ آیت کو یسمعون پر ختم کرنے میں ایک حکمت یہ ہے کہ جو سمجھے گا کہ نیند بھی اللہ تعالیٰ کی صنعت سے ہے تو وہ اس کی تحصیل میں جدوجہد نہ کرے گا جبکہ اس کی آنکھوں سے نیند اُڑ جائے اور نہ ہی اُسے روکے گا جب اس پر اس کا حملہ ہو گا کیونکہ جب اُسے یقین ہے کہ اس کے لانے والے کا اسے اس طرح کا حکم ہے۔

ف : الخطیب نے فرمایا کہ یہاں یسمعون بمعنے یستجیبون ہے یعنی وہ لوگ قرآن مجید سن کر اس پر ایمان لاتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔

سبق : جب معلوم ہوا کہ نیند بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے تو بندوں پر لازم ہے کہ بلا ضرورت نہ سوئیں صرف اتنا سوئیں کہ صحت بحال رہے اور عبادت میں رکاوٹ نہ ہو ؎

سرآنکہ ببالین نہد ہوشمند
کہ خوابش بقہر آورد درکمند

ترجمہ : دانا اس وقت اپنا سر تکیے پر رکھتا ہے جب نیند اسے جبراً سُلا دیتی ہے۔

ف : اہلِ بطلان کی مذمت میں کسی نے کہا ہے ۔ ؎

زسنّت نہ بینی در ایشاں اثر
مگر خواب پیشین و نان سحر

ترجمہ : ان میں سنّت کا کوئی نشان نہیں ملتا سوائے اس کے کہ وہ رات کو سو جاتے ہیں اور دن کو کھا لیتے ہیں۔

مسئلہ : سونے سے پہلے وضو کرنا مستحب ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

من بات طاھرا بات فی شعارہ ملك لا یستیقظ ساعۃ من اللیل الا قال الملك اللھم اغفر لعبدك فلان فانہ بات طاھرا۔

(جو بھی رات کو باوضو سوتا ہے تو اس کے بستر پر ایک فرشتہ مقرر ہوتا ہے جب بھی وہ کسی وقت نیند سے جاگتا ہے تو فرشتہ اس کے لیے دُعائیں دیتا ہوا کہتا ہے : اللھم اغفر لعبدك فلان فانہ بات طاھرا۔ (اے اللہ ! اپنے فلاں بندے کو بخش دے اس لیے کہ وہ باوضو ہو کر سویا ہے)

مسئلہ : جس سے ہو سکتا ہے وہ ہمیشہ باوضو رہے اس لیے کہ باوضو انسان مرتا ہے تو شہیدوں میں داخل ہو جاتا ہے۔

مسئلہ : پہلی بار قبلہ رُخ دائیں کروٹ پر سوئے پھر بیدار ہونے پر معلوم ہو کہ کروٹ بدل گئی ہے تو بھی دائیں کروٹ بدل جائے اور لیٹنے وقت پڑھے :

بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شئ فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم۔

(اللہ تعالیٰ کے نام پر سوتا ہوں وہ اللہ جس کے نام کے ساتھ کوئی نقصان نہیں ہو سکتا نہ زمینوں کا نہ آسمانوں کا ، وہی سمیع و علیم ہے)

حدیث شریف اور سوتے وقت کی دُعا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سوتے وقت پڑھا کرتے تھے :

باسمك ربی وضعت جنبی وبك ارفعہ ان امسكت نفسی فارحمھا وان

امسکتہا فاحفظہا۔
(تیرے نام پر اے میرے پروردگار! میں نے اپنی کروٹ زمین پر رکھی اور تیرے نام پر اسے زمین سے اٹھاؤں گا اگر تو میری رُوح کو روک لے تو اس پر رحم فرمانا اگر اسے چھوڑ دے تو پھر اس کی حفاظت فرمانا)

نیند سے اُٹھنے کی دُعا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے اُٹھنے کے بعد یہ دُعا پڑھا کرتے تھے:

الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا ورد الینا ارواحنا والیہ البعث والنشور۔
(تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے جس نے ہمیں مرنے کے بعد اُٹھایا اور پھر ہماری روحیں ہمیں واپس کر دیں اور اسی طرح اُٹھنا ہے)

صُوفی کا سونا اور جاگنا اور وضو کرنا اور نماز پڑھنا نرالا ہے نیند اور بیداری غفلت اور قلب کی بیداری کی طرف اشارہ ہے۔ جاگنا ایسے ہے جیسے قلب غفلت سے بیدار ہو پھر وضو کی طرف جانا ایسے ہے جیسے تائب ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف جانا ہو۔ وضو کے بعد نماز میں داخل ہونے کے لیے تکبیر اُولیٰ ایسے ہے جیسے توجہ الٰہی نصیب ہُوئی کہ گویا بندہ عالمِ ناسُوت کو عبور کر کے عالمِ ملکوت میں پہنچ گیا ہے۔ پھر رکوع میں جانا ایسے ہے جیسے انسان عالمِ ملکوت سے عالمِ جبروت میں پہنچ جائے اور سجدے میں جانا ایسے ہے جیسے بندے کو عالمِ لاہوت میں حاضری نصیب ہُوئی ہو، اور یہی فنائے کُلی کا مقام ہے یہاں سے ہی بندہ وطن اصلی کے لیے اُوپر کی منزلیں طے کرتا ہے پھر سجدے سے قیام کی طرف جانے میں فنا کے بعد بقا کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اس حالت میں رجوع الی الورٰی ہی ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ صورۃً نزول عروج ہوتا ہے جیسے عروج میں نزول۔ یاد رہے کہ رکوع مقام قاب قوسین کا نام ہے یہی ذات واحد کا مقام ہے اور سجدہ اَو ادنیٰ کا مقام ہے اور یہی ذات احدیت کا مقام ہے۔

ف: حرکاتِ ستہ:

(۱) قیام سے رکوع کی طرف
(۲) رکوع سے قومہ کی طرف
(۳) قومہ سے سجدہ اُولیٰ کی طرف
(۴) سجدہ اولیٰ سے جلسہ کی طرف
(۵) جلسہ سے سجدہ ثانیہ کی طرف
(۶) سجدہ ثانیہ سے قیام کی طرف اشارہ ہے کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں چھ دنوں میں بنائی گئیں۔

نکتہ: اس سے ثابت ہُوا کہ نمازی کی پہلی رکعت میں ہی سارے کا سارا سلوک طے ہو جاتا ہے نمازی

کو صور دحقایق دنیوی و اُخروی اور حقایق علمی و عینی و کونی و الٰہی سب کے سب پہلی رکعت میں ہی نصیب ہو جاتے ہیں ۔

ف : رات و دن کے آنے جانے میں نیکی و بدی کے واردات کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جیسے دنیا کا بقا نہ صرف دن پر ہے نہ رات پر بلکہ دونوں لازم و ملزوم ہیں ۔ ایسے ہی انسان سے نیکی کا صدور ہوتا ہے تو گویا اسے نور مل گیا لیکن خطا بھی سرزد ہو جاتی ہے جو کہ بمنزلہ رات کے ہے ۔

اعجوبہ قیامت میں اللہ تعالیٰ دن کو بہشت میں اور رات کو جہنم میں داخل کرے گا اسی لیے بہشت میں دن ہی دن ہوگا اور جہنم میں رات ہی رات ۔

مومن کامل کی شان درحقیقت بہشت میں جو نور ہوگا وہ مومن کامل کے ایمان کی روشنی ہو گی پھر جس کے جتنے اعمالِ صالح ہوں گے اسی قدر اس کے لیے بہشت میں روشنی ہو گی ۔ ایسے کفر کے مطابق جہنم میں اندھیرا ہوگا اور عمل فاسد کی نحوست سے بھی تاریکی ہو گی ۔

ف : جیسے دن کا رات ہونا ناممکن ہے ایسے ہی رات کا دن ہونا ناممکن ہے ۔ تو پھر یُوں سمجھیے کہ ایمان کبھی کفر نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کفر ایمان ہو سکتا ہے ۔ اسی طرح جس پر جو صفت غالب ہو گی وہ اسی کے مطابق بہشت اور دوزخ میں رہے گا اگر ایمان کی صفت غالب ہے تو بہشت ورنہ دوزخ ۔

صُوفیانہ تقریر مومن کے قلب کا نور تجلیاتِ حق کے مطابق ہوتا ہے لیکن اس کے غلبۂ حال کا اعتبار ہوتا ہے اس لیے کہ اس کے نہارِ معنوی پر لیل کا ورود نہیں ہوتا اگر بعض اوقات ان تجلیات کے آگے کوئی پردہ حائل ہو جاتا ہے تو وہ عارضی ہوتا ہے ۔ اس کے لیے محجوبین کی طرح وُہ زحمت نہیں بلکہ رحمت ہی رحمت ہوتا ہے ۔ ایسے ہی اس کے قلب کا حال ہے کہ وہ صرف ایک امر کو نہیں بلکہ مُوسیٰ علیہ السلام کی طرح شجرہ موجودات کے ہر ذرّے سے سُنا کرتے ہیں درحقیقت یہی لوگ سامع ہیں ۔

تفسیر عالمانہ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ اور اللہ تعالیٰ کی آیات سے ہے کہ وُہ تمہیں بجلی دکھاتا ہے ۔ یہ دراصل ان یریکم تھا ان حذف کر دیا گیا ۔ اس کے حذف کرنے پر یاء کو ساکن کیا گیا تا کہ اَن محذوف پر دلالت کرے کذافی برہان القرآن ۔ اس کے علاوہ تفاسیر میں اور بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے ۔

حلِ لغات : البرق بادل کا چمکنا بمعنے حاصل مصدر ، یعنی بادل کی چمک ۔ اور اخوان الصفاء میں ہے برق نار و ہوا کا مجموعہ ہے ۔

خَوْفًا مفعول لہ ہے بمعنے اخافۃ ۔ جیسے کہا جاتا ہے :

فعلته رغما للشيطان ای ارغاما له - یعنی میں نے اسے اس لیے کیا تاکہ شیطان کو ذلت و رسوائی ہو۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ تمہیں چمک اس لیے دکھاتا ہے تاکہ تمہیں کڑک سے ڈرائے بالخصوص وہ مسافر جو جنگلوں وغیرہ میں ہوں۔

ف: صاعقہ وہ ہولناک آواز کہ جس میں آگ تو ہو لیکن اس میں دھواں اور انگارے نہ ہوں جہاں پہنچے جلا کر راکھ کر دے۔

وَّطَمَعًا اور بارش کی طمع دلانے کے لیئے بالخصوص ان لوگوں کے لیے جو گھروں میں مقیم ہیں۔

سوال: ہم نے مانا کہ مقیم کو اس کا طمع ہوتا ہے کہ اسے ضرورت ہوتی ہے کہ بارش ہوگی تو کھیتیاں اور باغ باغیچے سرسبز ہوں گے اور مسافر کو اس میں داخل نہ کیا جائے تو کیا حرج ہے اگرچہ عمومی تقاضا یہ اس کا دخول ہونا چاہیے۔

جواب: مسافر کو بھی اس کا یُوں طمع ہوتا ہے کہ ویران زمین آباد ہوگی اور اس کا سفر خوشگوار ہوگا۔ اس معنیٰ پر آیت کے عموم میں مسافر داخل رہے گا۔

وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ اور آسمان سے نازل فرماتا ہے بادل کے ذریعے **مَآءً** پانی کو۔

ف: اخوان الصفا میں ہے کہ المطر اجزائے مائیہ کو کہا جاتا ہے جبکہ وُہ ایک دوسرے سے چمٹ کر سرد و ثقیل ہو کر زمین کی طرف آئیں۔

فَيُحْيِ بِهِ پھر اسی پانی یعنی بارش کے سبب سے آباد کرتا ہے **الْاَرْضَ** زمین کو کھیتی سے **بَعْدَ مَوْتِهَا** بعد اس کے ویران (خشک) ہونے کے۔

زمین کیا ہے زمین ایک غلیظ سے غلیظ تر (گاڑھا) جسم ہے۔ تمام گاڑھے اجسام سے زیادہ گاڑھا جسم زمین کا ہے۔ مرکز عالم میں اس جیسا گاڑھا جسم کسی شے کا نہیں۔ اس کی چھ جہتیں ہیں:

۱۔ مشرق، جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے۔
۲۔ مغرب، جہاں سورج غروب ہوتا ہے۔
۳۔ شمال، جہاں جدی ستارے کا مدار ہے۔
۴۔ جنوب، جہاں سہیل ستارے کا مدار ہے۔
۵۔ فوق، جو محیط کو متصل ہے۔
۶۔ اسفل، جو مرکز ارض کو متصل ہے۔

انگوری کیا ہے وہ شے جس پر مادۂ مائیہ غالب ہو۔ اہلِ فارس کہتے ہیں: وادیوں میں پانی کی کثرت ہوگی تو ثمرات کی بہتات ہوگی اور جب ہوائیں خُوب چلیں گی تو اناج

بہت ہوگا۔

ف : یاد رہے کہ ثمرات اور درخت بارش کے فیض سے ہیں اور یہ سب کے سب زمین پر اللہ تعالیٰ کی شانوں کے آثار ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مکہ معظمہ میں ایک کھجور بوئی۔ یہ آپ کی خلافت کا آخری دور تھا۔

حکایت فرمایا : اسے بونے پر مجھے یہ طمع نہیں کہ میں اس کا پھل کھاؤں گا بلکہ مجھے اسے بونے پر اسدی کا قول یاد آگیا ہے : ؎

لیس الفتی بفتی لا یستضاء بہ ولا تکون لہ فی الارض آثار

ترجمہ : وہ جواں مرد نہیں جس سے کوئی روشنی نہ پھیلے اور نہ زمانے میں اس کی کوئی یادگار ہو۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ بیشک ان امور مذکورہ بالا میں لَاٰیٰتٍ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی علامات ہیں لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ان لوگوں کے لیے جو عقلمند ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی دلیلیں اور حجتیں سمجھتے ہیں۔

ف : جناب کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ لوگ جو جملہ حادثات کے حق میں عقل کو استعمال کرتے ہیں جس سے انہیں ہر حادثہ میں صانع کی صنعت کے کمالات معلوم ہوتے ہیں تو جیسے اللہ تعالیٰ ویران زمین کو آباد کرنے کی قدرت رکھتا ہے ایسے ہی قبور سے مُردوں کو زندہ کرسکتا ہے۔

نکتہ : برہان القرآن میں ہے کہ آیت میں یعقلون پر ختم کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان جملہ معاملات میں عقل موقوف علیہ ہے پھر وہی علم تک پہنچاتا ہے۔

ف : بعض علماء و مشائخ نے فرمایا کہ عاقل وہ ہے جو پہلی بار دیکھتے ہی شے کی کُنہ تک پہنچ جائے اور اس کی حقیقت اور اس کے انجام کو معلوم کرلے اور اس سے جملہ تاریکیاں اور پردے ہٹالے اور دقائق القلوب کا مطالعہ کرلے اور غیوب کے جملہ ودائع سے آگاہ ہوجائے۔

ف : کسی دانشور نے فرمایا کہ عقل و تجربہ انسان کے لیے ایسے ہیں جیسے انگوری اگانے کے لیے پانی اور زمین دونوں درکار ہیں۔ پانی اور زمین جب تک دونوں نہ ہوں انگوری نہیں اُگے گی۔ یہ خود بھی ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱ پس نکو گفت آں رسول خوش جواز
ذرۂ عقلت بہ از صوم و نماز

۲ زانکہ عقلت جوہرست ایں دو عرض
ایں دو در تکمیل آں شد مفترض

۳ تا جلا باشد مراں آئینہ را
کہ صفا آید ز طاعت سینہ را

۴ لیک گر آئینہ ازیں فاسد ست
صیقل اُو را دیر باز آرد بدست

۵ ایں تفاوت عقلہا را نیک داں
در مراتب از زمیں تا آسماں

۶ ہست عقلے ہمچو قرص آفتاب
ہست عقلے کمتر از زہرہ شہاب

۷ ہست عقلے چوں چراغ سرخوشی
ہست عقلے چوں ستارہ آتشی

۸ عقل جزوی عقل را بدنام کرد
کام دنیا مرد را بے کام کرد

ترجمہ: (۱) کیا خوب فرمایا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تھوڑی سی عقل نماز و روزے سے بہتر ہے۔
(۲) اس لیے کہ عقل جوہر اور یہ دونوں عرض ہیں۔ یہ دونوں تکمیل میں عقل کے محتاج ہیں۔
(۳) جب تک اس آئینے میں روشنی رہے گی تب تک سینے میں طاعت سے روشنی پہنچے گی۔
(۴) اگر آئینہ ابتداً سے ہی خراب ہو تو وہ مصقلہ سے بڑی دیر کے بعد روشن ہو سکے گا۔
(۵) یہ جو انسانوں میں فرق ہے یہ عقل کی وجہ سے ہے۔
(۶) بعض تو اتنے روشن ہیں جیسے سُورج اور بعض زہرہ ستارے کی روشنی سے بھی کم۔
(۷) عقل ایک روشن چراغ ہے۔ عقل ایک آتشی ستارہ ہے۔
(۸) دراصل عقل جزوی نے عقل کو بدنام کیا ہے اور انسان دنیوی خرابیوں سے ناکام ہو جاتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے ومن اٰیٰتہ یریکم البرق خوفاً وطمعاً یعنی شواہد حق کی بجلی چمکتی ہے جب حجاباتِ بشریت کے بادل چلتے ہیں اور انوارِ روحانیت کی چمک ظاہر ہوتی ہے۔ ان میں پہلی کا نام بروق ہے، دوسری کا لوامع اور تیسری کا طوالع۔ چوتھی کا نام اشراق ہے اور پانچویں کا تجلی۔ انسان نورِ برق سے شہواتِ دنیا کو دیکھ لیتا ہے کہ وہ آگ ہی آگ ہیں۔ ان سے انسان کو بچنا چاہیے بلکہ ان کے چھوڑنے پر ایڑی چوٹی کا زور لگانا چاہیے۔ ایسے آدمی کو محسوس ہوتا ہے کہ جن تکالیف شرعیہ سے نفس کراہت کرتا ہے وہ تو بہشت کے باغیچے ہیں اسی لیے وہ ان کی تحصیل میں جدوجہد

کرتا ہے وینزل من السماء اور نازل کرتا ہے آسمان یعنی روح سے ماء رحمت فیحی به الارض تو اس سے زندہ کرتا ہے زمین یعنی قلوب کو بعد موتہا بعد ان کے ویران ہو جانے کے معاصی و ذنوب اور بحرِ دنیا میں مستغرق ہونے اور خذلان کی ہواؤں سے شہوات کے چکر سے انّ فی ذٰلک لاٰیٰت لقوم یعقلون بیشک اس میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو آخرت کو دنیا سے نہیں بیچتے اور نہ ہی مولیٰ کے دیدار کو جنّت کی نعمتوں کے عوض بیچتے ہیں۔

دُعا: اے اللہ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جو ہر وقت تیرے ذکر اور حسنِ طاعت میں لگے رہتے ہیں، اور ہمیں اپنے ماسوا کے خیالات سے پھیر دے اس لیے کہ تُو ہی دلوں کو زندہ کرنے والا ہے اپنے غیوب کے فیوض سے۔

تفسیر عالمانہ وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ اور اللہ تعالیٰ کی آیات سے ہیں آسمانوں اور زمینوں کا قیام و استمرار، جن ہیئتوں پر ایک میعادِ مقررہ تک کھڑے ہیں یعنی تاقیامِ قیامت بِاَمْرِهٖ اس کے حکم و ارادے پر۔

سوال: ارادے کو امر سے کیوں تعبیر کیا ہے؟

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ وُہ بہت بڑی قدرت والا ہے اور اسے مبادی و اسباب کی محتاجی نہیں ہے۔

ف: امر عام ہے اقوال کو اور افعال کو۔ کذا فی المفردات۔

ثُمَّ اِذَا دَعَاکُمْ دَعْوَةً ۖ مِّنَ الْاَرْضِ۔

ترکیب: من الارض کا تعلق دعاکم سے ہے کیونکہ مدعو فیہ ہونے میں یہ کفایت کرتی ہے۔ یہ اس محاورہ سے ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

دعوته من اسفل الوادی فطلع الیّ۔

(میں نے اسے وادی کے نچلے حصّے سے بُلایا تو اس نے جھانک کر دیکھا)

اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ پھر جب میعاد مقرر آئے گی تو اللہ تعالیٰ تمہیں ایک ہی بار میں بلائے گا، اور کہے گا: ایها الموتیٰ اخرجوا (اے مردے! نکلو) یعنی قبور سے باہر آجاؤ۔

ف: حقیقی داعی اللہ تعالیٰ ہے اس لیے اپنا نام لیا ورنہ اس وقت اسرافیل علیہ السلام خلقِ خدا کو بُلائیں گے جب کہ آپ صخرۂ بیت المقدس پر کھڑے ہوں گے اور دوسرا صور پھونکیں گے۔

اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ۝ اس وقت تم نکلوگے۔ یہ اذا مفاجاتیہ ہے اسی لیے اس کے جواب میں فاء آتی ہے۔ یہ دونوں افادہ تعقیب میں مشترک ہیں یعنی پھر تمہارا اچانک قبور سے نکلنا ہوگا جس میں کسی قسم کی تاخیر بھی نہیں ہوگی اور نہ ہی انکار کی گنجائش۔ اسی لیے فرمایا:

ترا اس دن یہ لوگ داعی کا اتباع کریں گے)

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ آسمان سے قلب اور ارض سے نفس مراد ہے اور وہ رُوح سے قائم ہیں کیونکہ وُہ عالمِ امر کی شے ہے۔ اور بلانے سے اپنے خطاب ارجعی کا جذبہ مراد ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ وہ کریم جب نفس و قلب و روح کو اسی جذبہ (خطاب ارجعی) سے بلاتا ہے تو وہ انانیت الوجود کی قبر سے نکل کر عرصۂ وجود و شہود میں پہنچ جاتے ہیں اور یہی اخص الخواص میدانِ محشر ہے۔ یاد رہے کہ محشر کے کئی مراتب ہیں:

(۱) مرتبۂ عام —— قیامت میں اجسام کا قبور سے میدانِ محشر کی طرف نکلنا۔

(۲) مرتبۂ خاص —— دنیوی زندگی میں سیر و سلوک کے ذریعہ سے قبورِ اجسام دنیویہ سے ارواح اخرویہ کا عالمِ روحانیت کی طرف نکلنا، اس لیے کہ وُہ اپنے ارادے سے ہی حیوانی صورت کی موت سے پہلے ہی اپنے ارادے سے صفاتِ حیوانیہ نفسانیہ سے مر چکے ہیں۔

(۳) مرتبۂ اخص —— قبورِ انانیہ روحانیہ سے ہویتِ ربانیہ کی طرف نکلنا اور یہ وہ محبوبانہ مقام ہے کہ جہاں محبوبِ خدا کے ساتھ بلا ھو بقا پاتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ ہین کہ اسرافیل وقتند اولیا
مردہ را زیشان حیاتست و نما

۲ جان ہر یک مردہ اندر گور تن
می جہد ز آوازشان اندر کفن

۳ گوید ایں آواز ز آواز ہا جداست
زندہ کردن کار آواز خداست

۴ ما بمردیم و بکلے کاستیم
بانگِ حق آمد ہمہ برخاستیم

۵ بانگ حق اندر حجاب و بے حجیب
آں دہد کو داد مریم را ز جیب

۶ اے فنا تان نیست کردہ زیر پوست
باز گردید از عدم ز آواز دوست

۷ مطلق آں آواز خود از شہ بود
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

۸ گفتہ او را من زبان چشم و تو

من حواسی و من رضا و خشم تو

ترجمہ : (۱) خبردار ! یہ اولیاً اپنے وقت کے اسرافیل ہیں۔ مردے کو انہی سے حیاتِ نما نصیب ہوتی ہے۔

(۲) ہر مُردے کا جسم قبر میں پڑا ہوتا ہے جب ان کی آواز گونجتی ہے تو وہ اپنے کفن میں متحرک ہوتا ہے۔

(۳) کہتا ہے یہ آواز دوسری آوازوں سے جُدا ہے اور مُردے کو زندہ کرنا تو اللہ تعالیٰ کی آواز کا کام ہے۔

(۴) ہم مرگئے اور بالکل ختم ہو گئے تھے جونہی اللہ تعالیٰ کی آواز پہنچی تو ہم اُٹھ بیٹھے۔

(۵) آوازِ حق حجاب میں ہو یا بلا حجاب، وہی ہے جس نے مریم کو گریبان کی طرف سے بچہ دیا۔

(۶) اے فنا ہونے والو ! تمہیں تمہارے جسموں میں فنا کیا گیا اب زندہ ہو جاؤ اور دوست کی آواز سے عدم سے وجود میں آجاؤ۔

(۷) یہ مطلق آواز در حقیقت بادشاہِ حقیقی کی ہے اگرچہ بظاہر بندۂ خدا کے حلقوم سے ہے۔

(۸) اس لیے کہ اس نے خود فرمایا ہے کہ اسے میرے محبوب ! میں تیری زبان اور آنکھ ہوں میں تیرے حواس ہوں اور تیری رضا اور ناراضگی میں ہوں[1]

تفسیر عالمانہ وَلَهٗ اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وہ جو آسمانوں میں ہیں یعنی ملائکہ کرام وَالْاَرْضِ اور وہ جو زمینوں میں ہیں یعنی انسان اور جن۔ کیونکہ یہ سب اسی کی تخلیق سے ہیں اور اسی کی مِلک ہیں ان پر اسی کا تصرف ہے اس میں کسی کا کسی قسم کا حصہ نہیں كُلٌّ تمام کے تمام جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں لَهٗ یہ قٰنِتُوْنَ کے متعلق ہے۔ یعنی اسی کے لیے ہیں فرماں بردار۔ یہ القنوت سے ہے بمعنے فرمانبرداری۔ اس سے طاعۃ الارادہ مراد ہے نہ کہ طاعۃ العبادۃ۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ وہ اسی طرح کرتے ہیں جیسے وہ ان کے لیے ارادہ کرتا ہے موت کا حیات کا اور مرنے کے بعد اُٹھنے کا اور صحت کا اور بیماری کا وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ ہر حال میں یہ اس کے تابع حکم ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ وہ جو آسمان روحانیت میں ارباب قلوب ہیں اور بشریت کی زمین میں اصحاب نفوس ہیں سب کے سب اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان ہیں بایں طور

---

[1] حدیث قدسی کی طرف اشارہ ہے۔ اویسی غفرلہٗ

کہ پہلے گروہ کو صفات اللطف کا مظہر بنایا دوسرے گروہ کو صفات قہر کا مظہر بنایا اور اسی لیے ہی انہیں پیدا فرمایا۔

تفسیر عالمانہ وَهُوَ الَّذِي يَبْدَؤُا الْخَلْقَ اور وہ اللہ تعالیٰ جو مخلوق کو ابتداءً پیدا کرتا ہے یعنی دنیا میں ابتداءً انہیں پیدا کیا جیسے آدم علیہ السلام اور بی بی حوا علیہما السلام کو کہ ان سے بہت سے مرد و عورت پیدا ہوئے۔ پھر انہیں مارے گا جب ان کے آجال ختم ہوں گے۔ ثُمَّ يُعِيدُهُ پھر انہیں لوٹائیں گے۔ واحد کی ضمیر لفظِ خلق کی وجہ سے ہے یعنی نفخ صورِ اسرافیل سے انہیں آخرت کی طرف لوٹائے گا پھر وہ پہلے کی طرح زندہ ہو جائیں گے۔ وَهُوَ یعنی اعادہ (لوٹانا) ضمیر واحد کی ہے اس لیے کہ یعید بتاویل (ان یعید وا) مصدر کے معنیٰ میں ہے اَهْوَنُ عَلَيْهِ اللہ تعالیٰ پر بہ نسبت پیدا کرنے کے آسان تر ہے۔ یعنی تمہارا اصول ہے اے انسانو! کہ تم تخلیق کو بہ نسبت لوٹانے کے مشکل سمجھتے ہو لیکن اس کے نزدیک دونوں پہلو برابر ہیں اور تم ایک کو مشکل سمجھتے ہو اور دوسرے کو آسان۔ لیکن اُس کے لیے یہ کچھ بھی نہیں کیونکہ جب وہ کسی شے کے پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اُسے کہتا ہے؛ ہو جا۔ تو وہ ہو جاتی ہے۔ اسے مادہ کی بھی ضرورت نہیں۔ اس تقریر پر یہ آیت مخلوق کے اعتقاد کے مطابق لائی گئی ہے کہ وہ کسی کام کو مشکل جانتی ہے اور کسی کو آسان۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے لیے کاہے کا مشکل اور کاہے کا آسان! اسی لیے کاشفی مرحوم نے لکھا کہ اے انسانو! تمہارے لیے اعادہ آسان ہے اور تخلیق ابتدائی مشکل۔ لیکن مشکل کو تو اس کے لیے مانتے ہو پھر آسان کے لیے کیوں نہیں مانتے، جبکہ اس کی قدرت دونوں کے لیے یکساں ہے ؎

۱ چوں قدرت او منزّہ از نقصانست
آوردن خلق و بردنش یکسانست

۲ نسبت بمن و تو ہر چہ دشوار بود
در قدرت پر کمال او آسانست

ترجمہ: (۱) جب اس کی قدرت ہر نقصان سے منزّہ ہے تو پھر اسے مخلوق کا پیدا کرنا اور پھر لوٹانا دونوں برابر ہیں۔

(۲) ہمارے لیے جو شے مشکل ہے وہ اس کی قدرتِ باکمال کے آگے آسان سے آسان تر ہے۔

ف: بعض نے کہا کہ یہاں افعل بمعنے فعیل ہے۔ یعنی اھون بمعنے ھیّن ہے۔ جیسے اللہ اکبر میں اکبر بمعنے کبیر ہے۔ فرزدق نے کہا؎

ان الذی سمك السماء بنی لنا

بیتا دعائمہ اعز و اطول

ترجمہ : وہ ذات جس نے آسمان کو بلند کیا اس نے ہمارے لیے ایک گھر بنا دیا ہے جس کے ستون عزیز و طویل ہیں۔

ف : (مذکورہ بالا) شعر میں اعز بمعنے عزیزہ اور اطول بمعنے طویلۃ (دعائمۃ) ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اعادہ بہ نسبت بداۃ کے اس کے لیے بایں معنی آسان ہے کہ انسان سمجھتا ہے کہ جو کام خود کرے وہ مشکل ہوتا ہے اور جو دوسرا کرے وہ آسان۔ تو انسان کے تصور کو سامنے رکھ کر فرمایا کہ بداۃ الخلق میں نے خود کی اور اعادہ اسرافیل کے نفخ سے ہوگا، تو تمہارے تصور و خیال کے مطابق دوسرا کام پہلے کی بہ نسبت آسان ہے اور میرے لیے دونوں برابر۔ اور اسرافیل کا فعل بھی میری تخلیق ہے۔ پھر تمہیں اعادہ یعنی مرنے کے بعد اٹھنے میں اشکال کیوں!

دوسری تقریر اس تقریر میں دقت و لطافت ہے۔ یعنی اعادہ آسان تر ہے اور ابتداءً تخلیق مشکل، بایں معنی کہ ابتدا میں تم لوث حدوث سے متلوث تھے اور وجود کی گرد و غبار کی تمہیں معمولی سی خوبو نہ تھی اس سے شرکت کا احتمال بھی نہ تھا اسی لیے اس فعل کو بلا واسطہ کیا۔ اب جبکہ تم دنیا میں آئے اور وجود پایا اور وجود میری صفت ہے اس میں اشتراک کا احتمال پایا گیا اگرچہ لفظی سہی، اسی لیے اس کا اعادہ اسرافیل کے ذمہ لگایا۔

حل لغات : قاموس میں ہے ھان، ھونا (بالضم) وھوانا ومھانۃ بمعنے ذل، وھونا بمعنے سھل فھو ھیّن (بالتشدید والتخفیف و اھون)

تفسیر عالمانہ وَلَهُ اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہے **الْمَثَلُ الْاَعْلٰى** صفت بلند مرتبہ۔ مثل بمعنے صفت ہے جیسے مثل الجنۃ التی یعنی جنت کی صفت، اور و مثلہم فی التوراۃ (یعنی ان کی صفت توراۃ میں) یعنی اللہ تعالیٰ کی صفت اعلیٰ اور عجیب الشان ہے۔ مثلاً اس کی قدرت کو دیکھو تو باکمال اور عام ہے اور حکمت کو دیکھو تو تام ہے ایسے ہی اس کی جملہ صفات کا حال ہے کہ کوئی بھی اس کے مثل نہیں ہوتا چہ جائیکہ کوئی اس کی برابری کا دم بھرے۔

ف : بعض نے کہا اس سے لا الٰہ الا اللہ مراد ہے تو ان کا مطلب یہ ہے کہ وہ صفت وحدانیت میں بے مثال ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور نہ اس جیسا کوئی پروردگار ہے **فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** آسمانوں اور زمینوں میں۔ یہ جملہ سابقہ کے مضمون کے متعلق ہے بایں معنی کہ اس کی صفات کمالیہ کا ذکر اور بیان جملہ مخلوق کی زبانوں پر ہے اور دلائل کی زبانیں واضح طور پر بول رہی ہیں کہ وہ صفات کمالیہ کا مالک ہے **وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ**ؑ اور وہ قادر ہے کہ اسے ممکن کے ابتداءً پیدا کرنے کی طاقت ہے تو اعادہ کی بھی۔ الحکیم یعنی وہ حکیم ہے کہ اس کے جملہ امور حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتے۔

ف: فقیر (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ آیت دلالت کرتی ہے کہ آسمان و زمین سب کے سب شواہد سے پُر ہیں اور بیانگِ دہل کہہ رہے ہیں کہ وہی واحد لاشریک ہے اور ان میں روشن دلائل موجود ہیں جو اس کی قدرت کاملہ پر دال ہیں ؎

ز ہر ذرّہ بدو روے و راہیست
بر اثبات وجود او گواہیست

ترجمہ: ہر ذرہ اس کی طرف رہنما ہے اور ہر ذرّہ اس کا راستہ بتاتا ہے اور ہر ذرہ اس کے وجود کے اثبات پر گواہ ہے۔

تفسیرِ صُوفیانہ

اہلِ بصیرت ہر وقت اس کے انوار کے جمال کے مطالعہ کُناں ہیں اور ہر وقت اس کے اسرار کی حقیقت ان کے سامنے منکشف ہے اسے کوئی نہیں مانتا تو اسے کہا جائے گا کہ اے بیوقوف! تُو جب کسی امیر کے محل میں داخل ہوتا ہے تو پھر اس کے نقش و نگار دیکھتا ہے تو پھر تیری زبان اس محل کی تعریف و توصیف میں بند نہیں ہوتی۔ سُن لے کہ اب تو اللہ تعالیٰ کے رنگین اور مزیّن محل میں گزار رہا ہے کہ اس کے اسماء صفات و آثار جو کہ قدرت کاملہ کی نقش و نگاری سے مزیّن اور اس کے عجیب آثار کی آرائش سے سنگارے گئے ہیں۔ اس کے باوجود تو ان کا مشاہدہ نہیں کرتا، تو پھر تیرا دل اندھا ہے اسی اندھے پن کے باعث تُو اپنے قلب کے بیت میں داخل نہیں ہو سکتا کہ جس سے تجھے غور و فکر کا موقعہ نصیب ہوتا جبکہ دل میں حقائق موجود ہیں جن کو عمل میں لا کر انسان کو غور و فکر کی توفیق ملتی ہے اور اسی سے اسے شہود نصیب ہوتا ہے جس سے وُہ آیات کو دیکھتا اور بیّنات کو پاتا ہے اگر ہدایتِ حق نصیب نہ ہو تو بندہ ہمیشہ گمراہی کے اندھیروں میں اور پردۂ جلال کے باہر بھٹکتا پھرے۔

حکایتِ غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ

ایک بزرگ لکھتے ہیں کہ میں بستر پر سو رہا تھا کہ میں نے پرندوں سے تسبیح کی آواز سنی تو اس سے ہی مجھے توبہ کا موقعہ میسر آیا۔ آواز سُنتے ہی میں دُنیا سے کنارہ کش ہو گیا اور مرشد کامل کی تلاش میں نکل کھڑا ہُوا۔ مجھے ابوالعباس حضرت خضر علیہ السلام ملے اور فرمایا: تُو شیخ عبدالقادر (جیلانی محبوبِ سبحانی رضی اللہ عنہ) کے پاس چلا جا۔ میں ابھی ان کی مجلس میں ہی تھا اور آپ فرما رہے تھے: ایک بندۂ خدا کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنا بنا لیا ہے اور مجھے فرمایا کہ تمہیں وہ مل جائے تو اسے میرے پاس بھیج دینا۔ فرماتے ہیں، حضرت خضر علیہ السلام سے پیام سُن کر میں حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچ گیا آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: مرحبا! تُو وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی تسبیح سے ہدایت کا موقعہ بخشا اور تیرے لیے خیر کثیر جمع فرمائی۔

سبق: اس سے معلوم ہوا کہ جملہ عالم کی ہر شے اللہ تعالیٰ کی روشن دلیل ہے اس سے بندہ مولیٰ کو

مل سکتا ہے۔ اے سالک! تم پر لازم ہے کہ توحید کا دامن تھامے، رات دن اسی مشغلہ میں زندگی بسر کرے۔ تمام اوراد و وظائف سے بہتر و برتر یہی وظیفہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ولذکر اللہ اکبر۔

اور ذکرِ الٰہی ہی حضورِ الٰہی کا اعلیٰ سبب ہے بلکہ اس کے مشاہدہ کا بہترین عمل۔ لیکن یہ سب کچھ اس کی مہربانی پر موقوف ہے ورنہ جسے اس کی عنایت حاصل نہ ہو وہ محروم ہی محروم ہے

یاذا الذی انس الفؤاد بذکرہ

انت الذی ما ان سواک ارید

تفنی اللیالی و الزمان باسرہ

وھواک غض فی الفؤاد جدید

ترجمہ: اے وُہ ذات جس کے ذکر سے دل بہلتا ہے تو وہ ہے کہ میں تیرے سوا کسی کو نہیں چاہتا ہُوں، تمام راتیں اور زمانے مٹ جائیں گے اور تیری ہی محبت میرے دل میں ہے اور تُو ہی باقی رہنے والا ہے۔

حکایت ذوالنون مصری قدس سرہٗ

سیّدنا ذوالنون مصری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں نے جبلِ لکام پر ایک حسین و جمیل اور شیریں زبان نوجوان کو دیکھا جو محبّت اور عشق سے جل کر سُوکھ گیا تھا۔ میں نے اسے السلامُ علیکم کہا۔ وہ سلام کا جواب دے کر مجھے جھانک کر کہنے لگا:

۱ اعمیت عینی عن الدنیا و زینتھا

فانت و الروح شئ غیر مفترق

۲ اذا ذکرتک وافی مقلتی ارق

من اول اللیل حتی مطلع الفلق

۳ وما تطابقت الاحداق عن سنۃ

الارأیتک بین الجفن و الحدق

ترجمہ: (۱) میری آنکھیں دنیا اور اس کی زینت سے اندھی ہوگئیں، بس تُو اور میری رُوح مجھ سے جُدا ہونے والے نہیں۔

(۲) جب میں تجھے یاد کرتا ہُوں تو میری آنکھیں آنسو بہاتی ہیں جو لگاتار اول رات سے صبح تک جاری رہتی ہیں۔

(۳) اور نہ ہی میری آنکھیں نیند سے بند ہوتی ہیں اس طرح میں گویا تجھے اپنی آنکھوں میں بٹھا کر دیکھتا رہتا ہُوں۔

(بقیہ صہ ۱۲۸ پر)

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۭ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ
تمہارے لیے ایک کہاوت بیان فرماتا ہے خود تمہارے اپنے حال سے کیا تمہارے لیے تمہارے ہاتھ
مِّنْ شُرَكَاۗءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۭ
کے مال غلاموں میں سے کچھ شریک ہیں اس میں جو ہم نے تمہیں روزی دی تو تم سب اس میں برابر ہو تم ان سے ڈرو جیسے آپس میں
كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٢٨﴾ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَاۗءَهُمْ
ایک دوسرے سے ڈرتے ہو ہم ایسی مفصل نشانیاں بیان فرماتے ہیں عقل والوں کے لیے بلکہ ظالم اپنی خواہشوں کے پیچھے ہو لیے بے
بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٢٩﴾ فَاَقِمْ
جانے تو اسے کون ہدایت کرے جسے خدا نے گمراہ کیا اور ان کا کوئی مددگار نہیں تو اپنا منہ
وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۭ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ
سیدھا کرو اللہ کی اطاعت کے لیے ایک اکیلے اسی کے ہو کر اللہ کی ڈالی ہوئی بنا جس پر لوگوں کو پیدا کیا اللہ کی بنائی چیز نہ
لِخَلْقِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ڎ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٠﴾ مُنِيْبِيْنَ
بدلنا یہی سیدھا دین ہے مگر بہت لوگ نہیں جانتے اس کی طرف
اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٣١﴾ مِنَ الَّذِيْنَ
رجوع لاتے ہوئے اور اس سے ڈرو اور نماز قائم رکھو اور مشرکوں سے نہ ہو ان میں سے جنہوں نے اپنے
فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿٣٢﴾ وَاِذَا مَسَّ
دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ہو گئے گروہ گروہ ہر گروہ جو اس کے پاس ہے اسی پر خوش ہے اور جب لوگوں کو تکلیف
النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً اِذَا
پہنچتی ہے تو اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی طرف رجوع لاتے ہوئے پھر جب وہ انہیں اپنے پاس سے رحمت کا مزہ دیتا
فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿٣٣﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۪
ہے جبھی ان میں سے ایک گروہ اپنے رب کا شریک ٹھہرانے لگتا ہے کہ ہمارے دیے کی ناشکری کریں تو برت لو
فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٣٤﴾ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ
اب قریب جاننا چاہتے ہو یا ہم نے ان پر کوئی سند اتاری کہ وہ انہیں ہمارے شریک بتا رہی
يُشْرِكُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ۭ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ
ہے۔ اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا مزہ دیتے ہیں اس پر خوش ہو جاتے ہیں اور اگر انہیں کوئی برائی پہنچے
بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ﴿٣٦﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ
بدلہ اس کا جو ان کے ہاتھوں نے بھیجا جبھی وہ ناامید ہو جاتے ہیں اور کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ

الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٣٧﴾
اللہ رزق وسیع فرماتا ہے جس کے لیے چاہے اور تنگی فرماتا ہے جس کے لیے چاہے بیشک اس میں نشانیاں ہیں
فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۚ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ
ایمان والوں کے لیے تو رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو یہ بہتر ہے ان کے لیے جو اللہ
يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا
کی رضا چاہتے ہیں اور انہیں کا کام بنا اور تم جو چیز زیادہ لینے کو دو
لِّيَرْبُوَا۠ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ
کہ دینے والے کے مال بڑھیں تو وہ اللہ کے یہاں نہ بڑھے گی اور جو تم خیرات دو اللہ کی رضا
تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿٣٩﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ
چاہتے ہوئے تو انہیں کے دونے ہیں اللہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا
ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۖ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ
پھر تمہیں روزی دی پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں جلائے گا کیا تمہارے شریکوں میں بھی کوئی ایسا ہے
مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۚ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٤٠﴾
جو ان کاموں میں سے کچھ کرے پاکی اور برتری ہے اسے ان کے شرک سے

تفسیر عالمانہ ضَرَبَ لَكُمْ اے مشرکو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے بیان فرمائی ہے مَّثَلًا کہاوت جس سے شرک کا بطلان واضح فرمایا ہے مِّنْ اَنْفُسِكُمْ تمہارے نفسوں سے۔ مِن ابتدائیہ ہے۔ یعنی یہ کہاوت تمہارے نفوس کو باقی امور و احوال سے قریب تر جسے تم بھی خوب جانتے ہو ضرب المثل، ضرب الدرھم سے ہے جیسے درہم پر مہر کا اثر دیرپا ہے ایسے ہی مثال کا اثر قلب پر دیرپا رہتا ہے یا جیسے درہم پر مہر کا اثر دوسرے کو اپنے نشان کی خبر دیتا ہے ایسے ہی کہاوت دوسروں کو عبرت دلاتی ہے۔ اور کہاوت ہر وہ قول جو دوسرے کے مشابہ ہو کہ ایک کے ذکر سے دوسرے کو ظاہر کیا جاسکے۔

شانِ نزول حضرت ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ آیت اُن کفار کے متعلق نازل ہوئی جو بُتوں کی پرستش کے باوجود حج پڑھتے اور احرام باندھ کر کہتے ،

لبيك لا شريك لك الا شريك هو لك تملكه وما ملك ۔

(میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس کے جو وہ تیرا ہے اور تو اس کا مالک ہے اور اس کے دیگر امور کا بھی تو مالک ہے)

ربط : مثل مذکور کی مزید وضاحت فرمائی کہ هَلْ لَّكُمْ کیا تمہارا کوئی ہے مِّنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ جن کے تم مالک ہو اپنے غلاموں اور کنیزوں کے مِّن شُرَكَاءَ شریکوں میں سے ۔ من زائدہ ہے اس نفی کی تاکید کرتا ہے جو استفہام میں ہے فِي مَا رَزَقْنَاكُمْ ان امور میں جو ہم نے تمہیں عطا فرمائے ہیں اموال واسباب میں سے تو بتاؤ تم اپنے معاملات میں کسی دوسرے کی شرکت پہ راضی ہو۔

اب شرکت کی تحقیق فرمائی فَأَنتُمْ فِيهِ بتاؤ کیا وہ اور تم اپنے مملوکہ امور میں جو ہمارے عطا کردہ ہیں سَوَاءٌ برابر ہو سکتے ہیں کہ جیسے تم ان میں تصرف کرتے ہو ویسے وہ بھی کرتے ہیں ۔

ترکیب : الکواشی میں ہے کہ یہ جملہ محلاً منصوب استفہام کا جواب ہے۔

تَخَافُونَهُمْ یہ انتم کی دوسری خبر ہے اور یہ بھی استفہام انکاری میں داخل ہے۔ یعنی تم مملوکہ امور کے متعلق خوفزدہ ہو جاتے ہو کہ کہیں وہ تصرف کر کے مستقل طور پر مالک نہ بن جائیں كَخِيفَتِكُمْ أَنفُسَكُمْ یہاں انفسکم بمعنے امثالکم ہے یعنی وہ جو تمہارے جیسے امور واشیا کے مالک ہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ تم اپنے جیسے لوگوں سے خوفزدہ ہوتے ہو جبکہ وہ تمہارے امور واشیائ مذکورہ کے تمہارے ساجھی ہو جائیں ۔ یہ ایسے ہے جیسے لا تلمزوا انفسکم (ایک دوسرے پر عیب نہ لگاؤ) یہاں پر جملہ مذکورہ کے مضمون کی نفی مراد ہے ۔

خلاصہ تفسیر تم اپنے مملوکہ اموال واسباب (جو تمہارا چند روزہ عاریت کے طور ہے اور تمہارا پیدا کردہ بھی نہیں) میں اپنے جیسے انسانوں کی شرکت پسند نہیں کرتے تو پھر تم اپنے معبود حقیقی کی معبودیت (جو اس کی ذاتی خصوصیت ہے) میں انہیں کیوں اس کا شریک ٹھہراتے ہو جو اس کی پیدا کردہ بلکہ وہ ایسی اشیائ ہیں جنہیں تم خود اپنے ہاتھ سے بناتے ہو پھر انہیں پوجتے ہو۔

ص ۱۲۵ سے آگے

حضرت ذوالنون قدس سرہٗ نے فرمایا، میں نے اس سے پوچھا، وہ کون ہے جس کی محبت میں تو دنیا سے علیحدہ ہو گیا اور دوستوں سے دور جنگلوں اور ویرانوں میں حیران پھرتا ہے اور پہاڑوں میں بسیرا کر لیا۔ جواب دیا کہ میرا وہی محبوب ہے جس نے مجھے حیران کر ڈالا اور اس کے شوق نے مجھے اس طرح بنا دیا اور اس کے عشق نے مجھے تنہا کر ڈالا۔ اس کے بعد کہا : اے ذوالنون ! تمہیں پاگلوں کی باتیں بھلی لگتی ہیں ۔ میں نے کہا : بخدا آپ کی باتوں نے مجھے نڈھال کر دیا ۔ اس کے بعد وہ غائب ہو گیا، نجانے کہاں گیا ! اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو، اور ہمیں بھی اس کے حال سے کچھ حصہ نصیب فرمائے اور اس کا طریقہ ہم کو بھی حاصل ہو، وہی عزیز وحکیم جواد ورؤف بالعباد اور قیامت کے دن ان پہ رحیم، دارین کی مرادوں تک پہنچانے والا ہے ۔

توضیحِ کاشفی مرحوم مُلّا کاشفی مرحوم بعض تفاسیر سے نقل کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

کلّا و اللہ لا یکون ذٰلک ابدا ۔

یعنی ہرگز ایسا نہ ہوگا ۔ پھر کفارِ قریش کو فرمایا :

جب تم اپنے جیسے بندوں کو اپنے مال میں شریک کرنا گوارا نہیں کرتے تو پھر اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اس کی عبادت میں کیوں شریک کرتے ہو !

۱ خلق چوں بندگان سر در پیش
ماندہ در بند حکم خالق خویش

۲ جملہ ہم بندہ اند و ہم بندی
نرسد بندہ را خداوندی

ترجمہ :(۱) مخلوق اپنے خالق کے حکم کے آگے بندوں کی طرح سر جھکائے ہوئے ہے۔
(۲) تمام بندے اسی کی قید میں ہیں کسی بندے کو خداوندی لائق نہیں ۔

مسئلہ : آیت میں اشارہ ہے کہ بندے کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے کیونکہ بتایا گیا ہے کہ بندوں کو اس کے ساتھ کوئی مشارکت نہیں اس نے ہمیں جو مال و اسباب عطا فرمایا ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

تفسیرِ صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے پر اپنے کمال وجمال کے انوار کی تجلّی ڈالتا ہے حتیٰ کہ بندے کے ظلمانی اوصاف مٹ جاتے ہیں ۔ اس معنیٰ پر اس کی ذات وصفات کے کمال میں اس کا کوئی شریک نہ ہوگا کیونکہ درحقیقت تمام کمالات اللہ تعالیٰ کے ہیں ۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ تجلّی میں حلول کرتا ہے یا وہ اللہ تعالیٰ کا جزو بن جاتا ہے یا بندہ خدا یا خدا بندہ ہو جاتا ہے اس لیے کہ اس کی شانِ کبریائی کے خلاف ہے کہ وہ کسی کا جز یا مثل ہو ۔ اس کی شان عظیم ہے کوئی شے اس کا جز یا مثل نہیں، وہ سمیع بصیر ہے ۔

تفسیرِ عالمانہ كَذٰلِكَ اسی تفصیل واضح کی طرح نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ ہم توحید کے ایسے دلائل بیان کرتے ہیں کہ اس جیسی اور کوئی تفصیل نہ ہوگی کیونکہ تمثیل محض معانی معقولہ کو صورتِ محسوسہ سے مثال دے کر سمجھنا آسان ہو جاتا ہے لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○ ان لوگوں کے لیے جو عقلمند ہیں یعنی وہ لوگ جو امور و امثال کے تدبر میں عقول کو عمل میں لاتے ہیں اور رجاہل ظالم ایسی باتوں کی حقیقت سے بےخبر ہیں۔

ربط : اب ان کے خطاب سے اعراض کرکے ان کی حق کی اتباع کا محال ہونا بتایا کہ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا بلکہ انھوں نے کچھ نہ سمجھ کر اتباع کیا اَهْوَآءَهُمْ اپنی خواہشات کا ۔

ف : الھوٰی بمعنے شہوت کی طرف نفس کا میلان ۔

سوال : ضمیر کی بجائے الذین اسمِ موصول کیوں لایا گیا ؟

جواب: تاکہ مہر ثبت ہو کہ وہ صرف اتباعِ خواہشات کی وجہ سے ہی ظالم ہیں بِغَیۡرِ عِلۡمٍ ج ان کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے کرتوت میں ایسے جاہل ہیں کہ انہیں اس بُری عادت سے کوئی شے نہیں روک سکتی اس لیے کہ عالم جب خواہشِ انسانی کی اتباع کرتا ہے تو اسے علم اس سے روک لیتا ہے۔

فَمَنۡ یَّهۡدِیۡ مَنۡ اَضَلَّ اللّٰهُ ط جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے تو پھر اسے کون ہدایت دے سکتا ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ بندے کے اپنے اختیار پر گمراہی پیدا کرتا ہے تو اس کا کوئی ہادی نہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے گمراہ کردہ کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا وَمَا لَهُمۡ اور جنہیں اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے ان کے لیے کوئی نہیں۔ ھُم — من کے جمع کے معنی کی وجہ سے ہے۔ اس سے مشرکین مراد ہیں مِنۡ نّٰصِرِیۡنَ ۝ کوئی مددگار جو انہیں گمراہی سے نجات دلائیں یا آفات و عذابِ الٰہی سے نجات دلائے یا آفات و عذابِ الٰہی سے حفاظت کرے۔ یعنی ان کا کوئی ایک مددگار بھی نہیں۔ جیسے قاعدہ ہے کہ جمع کے مقابلے میں جمع کا صیغہ ہو تو ہر ایک فرد اپنے دوسرے ہر فرد کے بالمقابل آتا ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ آیت میں اضلال اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے اور دوسری آیت قد ضلوا میں بندوں کی طرف منسوب ہے۔ قدریہ اس کے منکر ہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف اضلال کی نسبت کے منکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ گمراہی بندوں کی اپنی پیدا کردہ ہے۔ اور جبریہ اس کے منکر ہیں کہ گمراہی بندے کی طرف منسوب ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بندے کو کسی قسم کا اختیار نہیں کیونکہ ہر فعل اللہ تعالیٰ کا ہے۔ لیکن مذہبِ حق اہلسنت میں یہ ہے کہ اضلال یعنی تخلیق ہدایت اللہ تعالیٰ کی ہے اور ضلال (کسب گمراہی) بندے کی۔ اور اسی طرح دونوں قرآن مجید میں واقع ہیں اور اس کا قاعدہ ہم نے بیان بھی کر دیا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ در ہر آں کارے کہ میلشت بداں
قدرت خود را ہمی بینی عیاں

۲ در ہر آں کارے کہ میلت نیست خواست
اندراں جبری شدی کیں از خداست

۳ انبیا در کار دنیا جبریند
کافراں در کارِ عقبیٰ جبریند

۴ انبیا را در کار عقبا اختیار
جاہلاں را کارِ دنیا اختیار

ترجمہ: (۱) جس کام کا تجھے میلان ہے اپنی طاقت اس میں ظاہر دیکھتا ہے۔
(۲) جس میں تیرا میلان نہیں اس میں تو جبری بن جاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے

اختیار میں ہے۔

(۳) انبیاء دنیا کے کاموں میں جبری ہیں اور کافر آخرت کے امور میں جبری ہیں۔

(۴) انبیاء کو آخرت کے امور پسند ہیں اور جاہلوں کو دنیا کے کام مرغوب ہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ عمل اگر عقلِ سلیم کے مطابق ہو تو وہ ہدایت ہے اور تقلید جہالت سے ہو تو ہوا (خواہشِ نفسانی) ہے جیسے اہلِ ہدایت ہمیشہ منصور (فتحیاب) ہیں تو ایسے ہی اہلِ ہوا دائماً مخذول (رسوا) ہیں اور خذلان اور اتباعِ ہوا دنیا میں معنوی عذابِ الٰہی ہے۔ اسی لیے توبہ سے عفو کا دروازہ کھٹکھٹانا اور طریقِ تحقیق کی راہ چلنا اور ہوا و بدعت سیئہ سے اعراض ضروری ہے کیونکہ یہ دونوں بُرے رفیق ہیں۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

۱ غبارِ ہوی چشمِ غفلت بدوخت
سمومِ ہوس کشتِ عمرت بسوخت

۲ وجودِ تو شہریست پر نیک و بد
تو سلطان و دستور دانا خرد

۳ ہوا و ہوس را نماند ستیز
چو بینند سرپنجۂ عقل تیز

ترجمہ: (۱) غبارِ خواہشات نے تیری عقل کو سی دیا ہے۔ ہوس کی لُو نے تیری عمر کی کھیتی جلا دی ہے۔

(۲) تیرا وجود نیک اور بُروں سے پُر ایک شہر ہے تو خود بادشہ ہے اور تیری عقل وزیر ہے۔

(۳) ہوا و ہوس کو جنگ کی طاقت نہیں رکھیں گے جب دیکھیں گے کہ عقل کا سرپنجہ تیز ہے۔

ف: وہ خواہشِ نفسانی مذموم ہے جس میں دنیاوی خواہشات یا ماسوی اللہ کا میلان شامل ہو اور وہ خواہش ممدوح ہے جس میں عقبیٰ اور اس کے درجات بلکہ ماسوی اللہ سے قلب خالی کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف میلان ہو۔

کرامت ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں نے ایک صاحبِ حال نوجوان کو چند پیسے دئے اس نے لینے سے انکار کیا۔ میں نے بہت الحاح و زاری کی اس نے ریت کی مٹھی بھر کر اپنے تھیلے میں ڈال کر دیکھا تو وہ پانی سے پُر تھا۔ پھر میں نے کہا: کھانے کو جی چاہے تو کھا لو۔ میں نے غور سے دیکھا تو بہت میٹھی سویاں تھیں۔ پھر فرمایا: جس کا یہ حال ہو وہ چند ٹکوں کا کیا کرے گا! اس کے بعد یہ اشعار پڑھے ؎

۱ بحق الهوى يا اهل ودى تفهموا
لسان وجود بالوجود غريب

۲ حرام علی قلب تعرض للهوی

یکون لغیر الحق فیہ نصیب

ترجمہ: (۱) محبت کے صدقے محبت والو مجھو وجود کی زبان وجود سے غریب ہے۔

(۲) وہ دل جو خواہش کے درپے ہے اسے غیرِ حق سے حصہ نصیب ہو گا۔

سبق سالک پر لازم ہے محبّت و عشق کی ہدایت اور مقصد صدق میں منزلِ ذوق پہ پہنچنے کا سوال کرے اس لیے کہ ماسوی اللہ وبال اور وہم و خیال ہے جو حقیقت کا خواہشمند ہے تو اسے چاہیے کہ وہ لفظ کو چھوڑ کر معنیٰ کا طلب گار رہو۔

تفسیر عالمانہ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ تو اپنے چہرے کو دین کی طرف سیدھا رکھے۔

حلِ لغات: الاقامۃ بمعنے برپا اور سیدھا کرنا، کما فی تاج المصادر۔ الوجہ بمعنے عضو مخصوص۔ کبھی اس سے ذات مراد ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ومن یسلم وجھہ۔

(اور جو اس کی ذات کی طرف جھک جائے)

الدین در اصل طاعت کو کہا جاتا ہے اور جزا کو بھی دین کہتے ہیں۔ اور شریعت کے لیے استعارہ کے طور پر بولتے ہیں اور دین وملّت کے درمیان اعتباری فرق ہے۔ شریعت بایں معنیٰ ہے کہ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی جاتی ہے اور اس حیثیت سے کہ وہ لکھی جاتی ہے وہ ملّت ہے اور املال بمعنے املاء (کہنے والے کی بات کو لکھنا) اور اقامۃ الوجہ للدین بمعنیٰ دین کی طرف متوجہ ہونا، اس پر استقامت اور اس کے اسباب کی ترتیب کے اہتمام کی تمثیل ہے اس لیے کہ جو بھی کسی محسوس بالبصر شے کا اہتمام کرتا ہے تو اسے ٹکٹکی لگا کر دیکھنا اور چہرے کو اس طرف پھیر لینا اور اس کی طرف مکمل طور متوجہ ہو جاتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے محبوب مدنی صلی اللہ علیہ وسلم! جب مشرکین کا یہ حال ہو کہ وہ خواہشاتِ نفسانی میں منہمک ہوں اور ہدایت سے روگردانی کریں تو آپ دینِ حق (جو کہ دین اسلام ہے) کی طرف متوجہ ہو جائیے بلکہ دائیں بائیں جانب توجہ کیے بغیر دین کی اشاعت میں ہمہ تن مشغول ہو جائیے۔

حَنِیْفًا درانحالیکہ آپ تمام ادیانِ باطلہ سے منہ موڑ کر دینِ حق کی طرف اپنے چہرے کو پھیر لیے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حنیفاً، دین سے حال ہو۔ حنیف وہ ہوتا ہے جو اسلام کی طرف صحیح طور پہ میلان رکھے اور اس پر ثابت قدم ہو۔

حلِ لغات: قاموس میں ہے کہ الحنف بمعنے گمراہی سے راہِ حق کی طرف مائل ہونا۔

مفردات میں ہے:

الحنف میل عن الضلال الی الاستقامت و تحنف فلان تحری طریق الاستقامة و سمت العرب کل من اختتن او حج حنیفا تنبیہا علی انہ علیٰ دین ابراھیم علیہ السلام۔

(حنف گمراہی سے دور رہنا اور ثابت قدم رہنا۔ فلاں نے طریق استقامت کی سعی کی اور اہلِ عرب ختنہ اور حج کرنے والے کو حنیف کہتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہے)

زمخشری کی بلاغات سے ہے کہ الجود والحلم حاتمی واحنفی اور دین وعلم حنیفی وحنفی ہاں اس لیے کہ جُود حاتم طائی کی طرف اور حلم احنف بن قیس کی طرف اور دینِ ابراہیم علیہ السلام حنیف کی طرف اور علم ابوحنیفہ (رضی اللہ عنہ) کی طرف منسوب ہیں۔

ف : آیت میں الوجہ واقع ہے بمعنے وُہ شے جس کی طرف توجہ کی جاتے۔ اور عمل اور دین بھی وُہ ہیں کہ جن کی طرف انسان کی توجہ ہوتی ہے کہ اس میں سیدھا جانا اور قائم ہونا پڑتا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اپنے دین میں خلوص کیجئے اور عمل کو صحیح رکھئے درانحالیکہ آپ منسوخہ اور باطلہ و تحریف شدہ ادیان سے مکمل طور پر مُنہ پھیر لیجئے۔

فِطْرَتَ اللّٰہِ

حلِ لغات : فطرۃ بروزن وبمعنے الخلقۃ ہے۔ فطرہ کے صدقہ کو اس لیے فطرہ کہا جاتا ہے کہ وہ انسان مفطور بمعنے مخلوق کا صدقہ ہے اس لیے اس کا انجام یہی ہے کہ وہ صدقہ انسان کے سر کی زکوٰۃ ہے اور یہاں پر فطرۃ بمعنے توحید اور دین اسلام کی قابلیت جس میں کسی قسم کا انکار نہ ہو۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی فطرۃ کا معنیٰ یہ ہے کہ اس نے نئی ایجاد فرمائی اور انسان کی قوتِ فعلی کو معرفتِ ایمان پر مرکوز فرمایا جس کا اشارہ آیتِ ذیل میں ہے:

ولئن سألتھم من خلقھم لیقولن اللہ۔

(ان سے پُوچھو کہ انہیں کس نے پیدا فرمایا تو وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ نے)

ترکیب : فطرۃ اللہ کا منصوب ہونا فعلِ محذوف کی وجہ سے ہے جو کہ الزموا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی فطرت کو لازم پکڑو، اور یہ خطاب سب کو ہے جیسا کہ اس کے بعد منیبین کی تصریح بتاتی ہے۔

سوال : اگر یہ خطاب سب کو ہے تو پھر اس کے بعد اَقِمْ واحد کا صیغہ کیوں؟

جواب : نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تمام اُمّت کے امام ہیں اس لیے آپ کا یہ خطاب گویا تمام کو ہے۔ اور اس پر التزام کا مطلب یہ ہے کہ اس کے احکام کے مطابق عمل کرنا اور اس میں کسی قسم کا

خلل نہ ڈالنا۔ ایسا نہ ہو کہ دعویٰ تو اسلام کا ہو لیکن اس کے خلاف اتباعِ نفس اور شیطان کے زیرِ فرمان ہو۔

اَلَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا وہ فطرت جس پر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا فرمایا۔ یہ فطرۃ اللہ کی صفت اور اس کے امر محذوف کی تاکید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا پیدا کرنا اس لیے کہ اس کے بندے حق کو قبول کریں اور اس پر پورے طور استقامت اور مضبوطی رکھیں یا اس لیے کہ بندے ملّتِ اسلام کے تمام موجبات پر عمل کریں اور قطعی طور انھیں مضبوطی سے تھامے رکھیں اس لیے کہ اگر وہ اسلام پر مضبوط رہیں گے تو وہ اس کے لوازمات پر عمل کر سکیں گے پھر وہ اس ملّتِ اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب نہیں کریں گے اگر کوئی اس سے منہ پھیریں گے تو انہیں شیاطین (جن و انس) گمراہ کردیں گے۔

حدیثِ قدسی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کل عبادی خلقت حنفاء فاجتالتھم الشیاطین عن دینھم و امروھم ان یشرکوا بی غیری۔

(تمام بندے حنیف (سیدھے راہ والے ہوکر) پیدا ہوتے ہیں پھر انہیں شیاطین (جن و انسان) انہیں سچے دین سے گمراہ کرتے ہیں اور انہیں حکم دیتے ہیں کہ وہ میرے (اللہ کے) ساتھ غیر کو شریک کریں)

حلِ لغات: الاجتیال جیم کے ساتھ، الجول سے مشتق ہے۔ یعنی شیطان انہیں جھٹکا مارتا تو وہ اس کے قابو میں آجاتے ہیں۔ اہلِ عرب کہتے ہیں:

اجتال الرجل الشئ بمعنے ذھب بہ و ساقہ۔

یعنی وہ شخص اسے لے گیا۔ کذا فی تاج المصادر۔

ابن الکمال اپنی کتاب نگارستان میں یوں رقمطراز ہیں:

۱ پُر سلامت زاید از مادر پسر
آں سقامت را پذیرد از پدر

۲ صدق محض است ایں کہ گفتم شاہدش
در خبر وارد شد از خیر البشر

ترجمہ: (۱) بچہ تو ماں سے سلامتی پر پیدا ہوتا ہے پھر وہ باپ کے طریقے پر چلتا ہے۔
(۲) یہ بات سچی ہے اس پر میں گواہ پیش کرتا ہوں وہ یہ کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف ما من مولود الا وقد یولد علی فطرۃ الاسلام ثم ابواہ یہودانہ او ینصرانہ و یمجسانہ کما تنتج البھیمۃ بھیمۃ ھل تحسون فیھا من جدعاء۔

(ہر بچہ فطرۃ الاسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر ماں باپ اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی یا مجوسی۔ اس کی مثال اس جانور کے بچے کی طرح ہے کہ وہ صحیح و سالم پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ جب وہ بڑا ہوتا ہے تو پھر تم خود ہی اس کا کان اور ناک کاٹتے ہو)

شرح الحدیث اس حدیث کا معنیٰ یہ ہُوا کہ انسان ابتدائے تخلیق میں فطرۃِ سلیمہ پر ہوتا ہے اس میں ایسی طبیعت رکھی گئی ہے کہ وہ دین کو قبول کرے ۔ اگر اسے اسی حالت میں چھوڑا جاتا تو وُہ کبھی اصل سے جُدا نہ ہوتا اس لیے کہ دین کا اصل حسین و جمیل ہے لیکن وُہ جب آفاتِ بشریہ اور تقلیدِ سوء کا شکار ہوتا ہے تو پھر دینِ حق سے رُوگردانی کرتا ہے ۔

ف

۱   با بدان یار گشت ہمسر لوط
خاندان نبوتش گم شد

۲   سگِ اصحابِ کہف روزے چند
پے نیکان گرفت و مردم شد

ترجمہ :(۱) لُوط علیہ السلام کی زوجہ بُروں کے ساتھ ہُوئی تو نبوت کے خاندان سے دفع ہوگئی۔

(۲) اصحابِ کہف کے ساتھ کُتّے نے چند روز نیک لوگوں کے ساتھ گزارے تو وہ آدمی بن گیا۔

سوال : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ان الغلام الذی قتلہ الخضر طبع کافرا ۔

(بے شک وُہ بچہ جسے خضر علیہ السلام نے قتل کیا اس کی طبیعت میں کفر تھا)

جواب :(۱) حضور علیہ السلام نے فرمایا :

کل مولود یولد علی الفطرت ۔

(سب مولود فطرت پر پیدا ہوتے ہیں)

یہاں پر فطرت سے مراد قبولِ اسلام کی استعداد ہے جیسا کہ اوپر گزرا ہے۔ یہ اس کے منافی نہیں جو جبلۃً بدبخت ہو جاتے ۔

(۲) آیت میں فطرۃ سے الست بربکم کا جواب لفظ بلیٰ مراد ہے۔

(۳) امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا:

چونکہ اس لڑکے کے ماں باپ مومن تھے اس لیے وُہ لڑکا بھی مومن تھا۔ لیکن اس کی تاویل یہ ہوسکتی ہے کہ اگر وُہ لڑکا زندہ رہتا تو کافر ہوجاتا۔

سوال: اگر فطرۃً اسلام حاصل ہوتا ہے تو اصل کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ عوارض کا، کیونکہ عوارض بالکفر عوارض ہیں۔

جواب: (۱) دنیا کے احکام انہی عوارض پر مرتّب ہوتے ہیں اس لیے یہاں عوارض کا اعتبار ہوگا نہ کہ فطرت اسلام کا۔ اسی لیے اس ایمان کا اعتبار ہے جو اسے اپنے ارادہ کے طور حاصل ہوتا ہے۔

(۲) حدیث شریف میں اس کا جواب موجود ہے وہ یہ کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فابواہ یہودانہ۔

(اسے اس کے والدین یہودی بنا دیتے ہیں)

اس میں اس کے پاس ایمان فطری ہے تو اس کے والدین اسے یہودی وغیرہ بنا رہے ہیں۔ کما فی کشف الاسرار۔

۳ مذہب ہر انسان کی زندگی میں تین مذاہب ہوتے ہیں:

(۱) مذہب مادر پدر اور عوام شہر جسے ما من مولود الخ میں ذکر کیا گیا ہے۔

(۲) مذہب بادشہ، اگر ولایت کا بادشاہ عادل ہوگا تو اس کے اکثر افسران عادل ہوتے ہیں اگر وُہ ظالم ہوگا تو اس کے اکثر افسران ظالم ہوتے ہیں اگر وُہ زاہد ہوگا تو وہ بھی زاہد ہوگا اگر دانا ہوگا تو وہ دانا ہوں گے۔ اگر وُہ حنفی مذہب ہوگا تو وُہ بھی حنفی۔ اگر وُہ شافعی ہوگا تو وُہ بھی شافعی ہوں گے۔ یہ ان کا حال ہے جو بادشہ کا قُرب حاصل کرنا چاہتا ہے اور اکثریت بادشاہوں کے قُرب کی خواہاں ہوتی ہے یہی الناس علی دین ملوکہم کا معنیٰ ہے۔

(۳) مذہب یار، اس لیے کہ دوست کے مذہب کا اثر دوست پر پڑتا ہے۔ لیکن یہاں پر دوستی سے وُہ مراد ہے جو ظاہری و باطنی طور اپنے دوست سے مشابہت رکھتا ہو۔ المرء علیٰ دین خلیلہ سے یہی مراد ہے۔

عن المرء لا تسأل و ابصر قرینہ

فکل قرین بالمقارن یقتدی

ترجمہ: کسی کو سمجھنا ہے تو اس کے دوست کو دیکھ لے۔ کیونکہ دوست دوست کی

اقتداء کرتا ہے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے : ؎

نفس از ہم نفس بگیرد خوے

بر حذر باش از لقاے خبیث

باد چوں برفضاے بد گزرد

بُوے بدگیرد از ہواے خبیث

ترجمہ : (۱) انسان کو انسان کی عادت لے جاتی ہے فلہٰذا خبیث انسان کا دیکھنا بھی گوارا نہ کرنا۔

(۲) ہوا جب گندی جگہ سے گزرتی ہے تو وہ بھی بدبودار ہو جاتی ہے۔

لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں۔ یہ لزوم فطرت کے امر کی تعلیل ہے یعنی کوئی پُوچھے کہ لزوم فطرت کیوں؟ تو جواب میں فرمایا : لا تبدیل لخلق اللہ۔ یعنی اسلام کی صحت و استقامت میں کسی قسم کا خلل نہیں آئے گا اور جیسے اس کے تقاضے ہیں اسی طرح ہوگا۔ نہ اس میں خواہشات کی اتباع ہوتی ہے نہ اس میں وسوسہ کو دخل ہوتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے لا تبدیل لخلق اللہ اللہ تعالیٰ کی وہ تخلیق جو اس نے فطرت کے طور پیدا فرمائی اس میں تبدیلی نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو توحید پر پیدا فرمایا ہے جس کے لیے چاہا کہ اس کا قلب صحیح ہو تو اس کا دل سیدھا رکھا۔ اور جو دل کھوٹا ہوتا ہے اس پر الحاد و شقاوت سوار ہو جاتے ہیں۔

صاحبِ روح البیان قدس سرّہٗ کی تقریر فقیر (اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ عالم الشہادۃ لوحِ محفوظ کا شیشہ ہے۔ اور لوحِ محفوظ کی صورتوں میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے اور رحم الام، عالم الغیب کا آئینہ ہے اور حقیقت میں ان کی صورتوں میں کوئی تغیر و تبدل نہیں۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے :

السعید سعید فی بطن امہ و الشقی شقی فی بطن امہ۔

(سعید وُہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ میں سعید ہے اور بدبخت وُہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ میں بدبخت ہے)

۱ مشکل آید خلق را تغییر خلق

آنکہ بالذات است کے زائل شود

۲ اصل طبعیت و ہمہ اخلاق فرع
فرع لابد اصل را مائل شود

ترجمہ: (۱) خلق کو تبدیلی مشکل ہے وہ جو کسی میں ذاتی ہے کبھی زائل نہیں ہوتی۔
(۲) طبیعت انسانی اصل ہے اور اخلاق فرع ہے اور فرع کو اصل کی طرف میلان ہوتا ہے۔

دُعا: اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو بیمار دل کا علاج کرتے ہیں اور ان سے نہ بنائے کہ جن کے دل کو وعظ و تذکیر تکلیف پہنچاتے۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ یہ اشارہ دین قویم کی طرف ہے جس کے لیے کہا گیا ہے کہ سیدھا رکھنے کا حکم ہے یا فطرۃ اللہ کی طرف ہے جس کے لیے ترغیب دی جا رہی ہے یا اس فطرت کی طرف ہے جس کی ملت سے تعبیر کی گئی ہے۔

سوال: اگر ملت مراد ہو تو پھر مذکر اشارہ کیوں؟

جواب: اسے مذکور یا خبر کا اعتبار کر کے تاویل کی گئی ہے۔

ف: دین قیم سے مراد ہے وہ سیدھا راستہ جس میں ٹیڑھا پن نہ ہو۔ جسے مستقیم و مستوی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ۔ النّاس سے کفارِ مکہ مراد ہیں یعنی ان کے اکثر دین کی استقامت کو لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ نہیں جانتے۔ اسی لیے اس سے منحرف ہو رہے ہیں اور وہ اس لیے کہ وہ تدبر کرتے ہیں نہ تفکر مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ۔ فطرۃ اللہ کے فعل مقدر کی ضمیر سے حال ہے یا اقم سے جبکہ اس سے امت مراد ہو۔ اس کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ منیبؔ وہ ہے جو بار بار رجوع کرے۔ اب معنی یہ ہوا کہ فطرۃ یہ التزام کر دیا یہ کہ اپنا رُخ دین کی طرف رکھو درانحالیکہ تمہارا رجوع اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور صرف طاعت الٰہی کی طرف دھیان رکھو۔

ف: شیخ ابو سعید خراز قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ انابت بمعنے خلق سے منہ موڑ کر حق کی طرف رجوع ہو۔ اب منیب کا معنیٰ یہ ہوا کہ سوائے حق کے کسی طرف توجہ نہ کرو ۔

تو مرجعی ہمہ را من رجوع با کہ کنم
گرم تو در نپذیری کجا روم چہ کنم

ترجمہ: تیرا رُخ تو دوسرے کی طرف ہے پھر میں کس طرف توجہ کروں اگر تُو مجھے قبول نہیں کرنا تو پھر بتائیے میں کہاں جاؤں اور کیا کروں!

ف: حضرت ابن عطا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہر ایک سے منہ موڑ کر صرف حق کی طرف متوجہ ہو جاؤ بالخصوص

یہ وہ لوگ ہیں جو ظلمات نفوس سے منہ موڑ کر آداب عبودیت کی حد میں رہ کر حق کی بارگاہ میں ایسے حاضر باش ہیں کہ کسی وقت بھی لمحہ بھر اس سے جدا نہیں ہوتے اور نہ ہی اس کے ماسوا سے ڈرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب بندہ خلوص سے توبہ کرتا ہے تو وہ منیب کہلاتا ہے اس لیے توبہ کے بعد دوسرا درجہ انابت کا ہے۔

وَاتَّقُوْهُ اور صرف اسی کے حکم کی پاسداری کرو۔ اس کا الزموا محذوف پر عطف ہے وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ اور نماز قایم کرو یعنی نماز کو شرائط و آداب بجالا کر مقررہ اوقات پر ادا کرو۔

ف: امام راغب نے فرمایا اقامۃ بمعنے شئے کا حق ادا کرنا۔

نکتہ: نماز کا بیان جہاں بھی ہوا ہے اس کی سب سے بڑی مدح اقامت کے ساتھ فرمائی ہے۔ وہ بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ درحقیقت نماز ہے بھی وہی جسے شرائط و آداب کے ساتھ ادا کیا جائے نہ یہ کہ صرف ظاہری طور پر پڑھی جائے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اور مشرکین سے نہ ہو جاؤ۔ یعنی فطرتِ الٰہی کو تبدیل نہ کرو۔

ف: جناب کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ اسے (نماز کو) عمداً ترک کر کے مشرک نہ ہو جاؤ۔ یہ خطاب امت کو ہے۔

حکایت: تفسیر تیسیر میں ہے کہ شیخ محمد اسلم طوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ جو حدیث شریف قرآنی مضمون کے مطابق ہو گی اسے روایت کروں گا ورنہ نہیں۔ جب سے میں نے

حدیث شریف: من ترك الصلوٰة متعمداً فقد كفر (جس نے عمداً نماز ترک کی وہ کافر ہے[1])

سنی تو اس کی تحقیق پر میں نے تیس سال گزار دئے۔ بالآخر جب آیت ہذا مجھے ملی تو میں نے روایت مذکور کو روایت کیا۔

مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ یہ ولا تکونوا من المشرکین سے بدل ہے اور حرف جارہ کو دوبارہ تاکید کے لیے لایا گیا ہے۔ اور ان لوگوں سے نہ ہو جاؤ جنہوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور دین کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا ان کا وہ اختلاف ہے جو عبادات کے طریقوں میں آپس میں انہوں نے کیا۔ اور یہ سب کچھ انہوں نے خواہشات نفسانی کے تحت کیا۔

نکتہ: ان دونوں جملوں کو بدل مبدل منہ بنانے میں اشارہ ہے کہ مشرکین اور دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے والے

---

[1] کافر بمعنے ناشکرہ ہے کیونکہ ہمارے نزدیک بے نماز کافر نہیں فاسق ہے۔ کافر اس وقت ہو گا جب نماز کی فرضیت کا منکر ہو گا۔ اویسی غفرلہٗ

گمراہی میں برابر ہیں۔
وَكَانُوْا شِيَعًا وہ مختلف فرقے ہو گئے اور ہر ایک اپنے سربراہ کی اتباع میں سرمست تھا۔
كُلُّ حِزْبٍ حزب بمعنے گروہ۔
ف: قاموس میں ہے، حزب، لوگوں کی ایک جماعت۔
بِمَا لَدَيْهِمْ ہر گروہ اس دین ٹیڑھے پر مضبوطی سے قایم تھا جس کی بنیاد اُنہوں نے باطل امور پر رکھی تھی فَرِحُوْنَ ۝ مسرور اس بات پر کہ وہ حق پر تھے۔ حق و باطل کا فرق سب کو معلوم ہے۔

؎

ہر کسے را در خور مقدار خویش
ہست نوعے خوشدلی در کار خویش
میکند اثبات خویش و نفی غیر
چہ امام صومعہ چہ پیر دیر

ترجمہ: ہر ایک کو اپنی قدر پہچانی چاہیے لیکن ہر ایک کو اپنے کارناموں سے خوشی ہوتی ہے اپنا اثبات دُوسروں کی نفی کرتا ہے وہ گرجا کا پیشوا ہو یا دَیر کا مقتدا۔

ف: حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے زمانے تک ایک ہی دین چلا آرہا ہے اسے دینِ اسلام سے تعبیر کیا جاتا ہے اگرچہ اہم و اعصار میں چند مسائل و احکام رہے لیکن انہیں اختلاف سے تعبیر نہیں کیا جاتا جب یہود و نصاریٰ اور مجوس اور بُت پرست اور ستارہ پرست اور ملائکہ کے پجاری وغیرہ پیدا ہوتے تو اختلاف برپا ہُوا اور لوگ ٹولیوں میں بٹ گئے۔

ابراہیمی تہتّر فرقے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وصال کے بعد ان کی امت کے تہتّر فرقے ہو گئے۔ ان میں سے بہتّر جہنم میں جائیں گے صرف ایک بہشت میں جائے گا اور وہ ایک فرقہ وہی تھا جو ابراہیم علیہ السلام کے اصول و فروع (عقاید و مسائل) پر کاربند تھے۔

مُوسوی اکہتّر فرقے حضرت مُوسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد آپ کی امت کے اکہتّر فرقے ہو گئے ان میں سے صرف ایک فرقہ بہشت میں جائے گا باقی سب جہنمی ہوں گے۔ اور بہشت میں جانے والا فرقہ وُہ ہو گا جو موسیٰ علیہ السلام کے عقاید و مسائل کے مطابق تھا۔

عیسوی بہتّر فرقے[1] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت بہتّر فرقوں میں بٹ گئی سب جہنم میں جائیں گے سوائے ان کے جو عیسیٰ علیہ السلام کے عقاید و مسائل کے مطابق تھے۔

---

[1] اس مسئلہ کی تفصیل فقیر کی کتاب "فرقے ہی فرقے" میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ

اُمّتِ محمّدیہ صلی اللہ علیہ وسلّم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے تہتّر فرقے ہوں گے۔ بہتّر جہنم میں جائیں گے ایک فرقہ بہشت میں جائے گا۔ یہ وُہ فرقہ ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عقاید و مسائل کے مطابق ہوگا۔ اسے فرقہ ناجیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ازالہ وہم ان فرقوں سے اصولی فرقے مراد ہیں ورنہ ان کے جزئیات لا تعد و لا تحصٰی ہیں۔ ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں نے فارس کے ایک علاقے میں پورے ایک سَو مذاہب دیکھے ہیں جنہیں بظاہران تہتّر فرقوں سے بال برابر بھی تعلق نہ تھا۔ یہ صرف ایک علاقے کا حال ہے اندازہ کیجئے باقی ممالک کا حال کیا ہوگا!

قاعدہ ان بہتّر جہنمی فرقوں کے اصولی فرقے چھ ہیں:

(۱) تشبیہ	(۳) جبر	(۵) رفض (رافضی)
(۲) تعطیل	(۴) قدر	(۶) نصب (ناصبی)

(۱) تشبیہ وہ فرقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو غیر متعلق صفات سے موصوف کرکے مخلوق کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے۔

(۲) اہلِ تعطیل وُہ ہیں جو خدا کو مانتے ہیں نہ اس کے صفات کو۔

(۳) اہلِ جبر وُہ ہیں جو بندوں کے فعل و اختیار کا انکار کرتے ہیں اور اپنی بندگی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم بندگی کرنے میں بھی کوئی اختیار نہیں رکھتے۔

(۴) اہلِ قدر' وہ خدائی کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اپنے افعال کے خود خالق ہیں۔

(۵) اہلِ رفض (شیعہ) وہ ہیں جو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو گالیاں دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بلا فصل بیعت کی وہ خلافت کا حقدار نہیں، بلکہ بیعت لینے دینے والے سب دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔

(۶) اہلِ نصب (ناصبی) صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما سے محبت کرتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملعون ٹھہراتے ہیں بلکہ وُہ کہتے ہیں کہ جس نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی وُہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

قاعدہ چھ مذکورہ فرقوں سے بارہ بارہ فرقے نکلے جن کا مجموعہ بہتّر ہوا۔ یہ اب تک موجود ہیں۔ ہر ایک کا دعوٰی قرآن و حدیث سے ہے اور ہر ایک کہتا ہے کہ قرآن کا ایک ایک کلمہ ہمارے مذہب کا مؤید ہے لیکن ہمارے مخالفین کو سمجھ نہیں۔

ف: یہ فرقے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے پیدا ہوئے کہ آپ نے فرمایا کہ

ہمارا معبود موجود ہے اور وہ صفات سے موصوف بھی ہے۔ یہ سُن کر ہر فرقہ اپنے وہم و گمان پر براہین اور دلائل کے انبار لگا دیتے۔ لیکن وُہ جملہ فرقے اس غلط خیالی سے سراسر غلط و باطل تھے اس لیے کہ سب کو معلوم ہے کہ عقل کا طریق ایک ہی ہے تو جب صرف عقل کا طریق ایک سے دو نہیں ہوسکتا تو پھر دین میں متعدد مذاہب کیسے ہو سکتے ہیں۔ یہ مسئلہ ایک حکایت سے واضح ہوسکتا ہے۔

حکایت نابینایان

منقول ہے کہ کسی شہر کے تمام شہری اندھے تھے انہیں خیال ہُوا کہ ہاتھی دیکھا جائے کہ وہ کیسا ہوتا ہے۔ اسی آرزو میں تھے کہ اچانک کہیں سے قافلہ آیا ان کے پاس ہاتھی تھا اندھوں کو اطلاع ہُوئی۔ اندھوں نے اپنے میں سے دانشوروں کا انتخاب کر کے انھیں ہاتھی دیکھنے کے لیے بھیجا۔ جب وہ ہاتھی کے قریب پہنچے ایک کا ہاتھ ہاتھی کے کان پر پڑا وہ سمجھا کہ ہاتھی ڈھال کی طرح ہے۔ دوسرے کا ہاتھ سونڈ پر پڑا اس نے سمجھا کہ ہاتھی ستون جیسا ہے۔ تیسرے کا ہاتھ پیٹھ پر پڑا وہ سمجھا کہ وہ تختے جیسا ہے۔ چوتھے کا ہاتھ پاؤں پر پڑا وہ سمجھا کہ یہ تو پایۂ تخت کی طرح ہے۔ سارے خوشی خوشی اپنے شہر کو لوٹے۔ دوسرے اندھوں کو حال سنانے لگے۔ ہر ایک نے اپنا اپنا خیال ظاہر کیا۔ اس پر تمام شہر میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ جس نے کان دیکھا اس سے سننے والے ہاتھی کو ڈھال کی طرح ماننے لگے اور دوسروں کے خیالات کی تکذیب کرتے اس طرح دوسرے دوسروں کی تکذیب کرتے۔ یوں اختلاف پیدا ہوگیا۔ ہر ایک نابینا اور اس کی جماعت اپنے اپنے عقلی دلائل قائم کرتے۔ مثلاً ایک نے کہا ہاتھی ڈھال کی طرح ہے وہ کہتا کہ ہاتھی کو جنگ میں لاؤ وہ ڈھال کی طرح کام نہ دے تو۔ جس نے کہا ہاتھی ستون کی طرح ہے وہ کہتا کہ اسے جنگ میں لاؤ دشمن کا حملہ نہ روکے تو۔ جس نے کہا ہاتھی پایۂ تخت کی طرح ہے اس کی دلیل یہ تھی کہ جس طرح پایۂ تخت بوجھ اٹھاتا ہے ایسے ہی ہاتھی ہے کہ جس پر بوجھ رکھو وہ بھی اٹھاتا ہے۔ جس نے کہا کہ یہ تخت کی طرح ہے اس نے دلیل یہ دی کہ جیسے تخت پر بہت سے لوگ بیٹھتے ہیں اس پر بھی بہت سے لوگ بیٹھتے ہیں اسی لیے ہاتھی تخت کی طرح ہے وغیرہ وغیرہ۔

انتباہ

اس حکایت سے نتیجہ نکالنا آسان ہے کہ اندھے اپنے دلائل میں سچے تھے لیکن ہاتھی کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکے۔ اگر ان کے تمام مقدمات کو یکجا کر کے مان لیا جائے تب بھی ہاتھی کی حقیقت سے بے خبری ہی رہے گی بلکہ ایسے لوگ اگر ہاتھی کی حقیقت سمجھانے کے لیے بکثرت دلائل دیتے جائیں تب بھی مقصد حاصل نہ ہوگا اور اختلاف بڑھے گا۔

ہاں اگر ان میں کوئی بینا ہو جائے یا انہیں کوئی آنکھ والا مل جائے اور وہ ہاتھی کی شکل و صورت دیکھ کر کہے بھائیو (اندھو) ! تم جو کچھ ہاتھی کی حقیقت سمجھے ہو غلط ہے اس کی حقیقت اب مجھے معلوم ہے کہ میں اسے آنکھوں سے دیکھ رہا ہُوں کہ ہاتھی کیسا ہے۔ تم جو کچھ کہتے ہو تمہاری دماغی اختراع ہے اور تمہیں پاگل کہا جائے تو بجا ہے مختصر یہ کہ جو اس نابینا کی طرح بات نہ مانے وہ اسی طرح اختلاف میں رہے گا اور جو قبول کرے گا وہ اختلاف سے بچ جائے گا۔ (اندھوں کے ہاں صرف خبر کی حیثیت تھی اور بینا نے معائنہ کیا۔ فرقیت از

اختلاف مذاہب کا حال جب ہم نے سُنا کہ جُملہ کائنات کا ایک خدا ہے اور وُہ ذات و صفات والا ہے۔ ہر مذہب والے نے اس کی ذات و صفات کو قرآن و حدیث سے سمجھا اسی لیے کوئی اللہ تعالیٰ کی صفات کسی طرح کرتا ہے کوئی کسی طرح (تشبیہ، تعطیل، جبر و قدر میں مبتلا ہوگئے) اور حقیقت یہ ہے کہ ان کے دلائل نہ عقلاً صحیح ہیں نہ نقلاً۔ کیونکہ عقل و نقل کا تقاضا یہ ہے کہ عقیدہ میں اختلاف نہ ہو اور ان کے عقاید میں ہزاروں اختلاف ہیں۔ اس سے معلوم ہُوا کہ اُنھوں نے نہ ذاتِ باری تعالیٰ کو سمجھا ہے نہ اس کی صفات کو۔ واضح ہُوا کہ یہ اپنے بڑوں کے پھندے میں پھنسے ہُوئے ہیں۔ اسے کہا جاتا ہے اندھی تقلید۔ یہی اندھی تقلید مجبور کرتی ہے کہ ایک دُوسرے کو کافر اور بے ایمان کہیں۔ اگر غور کیا جائے تو اس اندھی تقلید کے اعتبار سے سب برابر ہیں[1]۔

عقایدِ صحابہ کا نمونہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عقاید یہ ہیں؛

(۱) اللہ ایک ہے۔

(۲) ان صفات سے موصوف ہے جو اس کے لائق ہیں۔

(۳) اس کی ذات و صفات قدیم ہیں۔

(۴) اس کی صفات اس کی غیر بھی نہیں جیسے ایک دس کا غیر نہیں۔

(۵) اس کی ضد و ند اور مثل و شریک اور زن و فرزند اور حیز و مکان نہیں۔ (اور نہ یہ امور اس کے لیے ممکن ہیں)

(۶) وہ کسی چیز سے نہیں اور نہ وہ کسی چیز پر ہے اور نہ کسی چیز میں ہے اور نہ کسی چیز کے ساتھ ہے بلکہ تمام اشیاءٔ اسی سے ہیں اور اس کے ساتھ قائم و باقی ہیں۔

(۷) وہ چشمِ سر سے نہیں دیکھتا اور نہ یہ اس کے لائق ہے۔

(۸) اس کا دیدار دنیا میں جائز نہیں۔

(۹) آخرت میں ہر ایمان دار کو بہشت میں اس کا دیدار نصیب ہوگا۔

(۱۰) اس کا کلام قدیم ہے۔

(۱۱) وہ خود مختار ہے۔

(۱۲) وہی خیر و شر اور کفر و ایمان کا خالق ہے۔ اس کے سوا اور کوئی خالق نہیں۔

(۱۳) بندگان اور ان کے افعال کا خالق وہی اللہ ہے نہ کہ بندے (خلافاً للمعتزلہ)۔ ہاں بندے اپنے افعال میں مختار ہیں۔

(۱۴) کوئی صفت بھی مخلوق کی صفات میں سے اس کی صفت سے مشابہ نہیں۔

---

[1] جیسے ہمارے دُور میں ہو رہا ہے کہ دیوبندی مودودی آپس میں ایک دوسرے کو گمراہ اور کافر کہنے سے بھی اجتناب نہیں کرتے۔ ہم کہتے ہیں دونوں سچے ہیں۔ اس کی تحقیق فقیر نے تفسیر اویسی میں لکھ دی ہے۔ اویسی غفرلہٗ

(۱۵) جو خیال اور تصور کسی کے ذہن میں آتا ہے کہ وُہ ایسے ہوگا وہ اس سے منزّہ ہے۔ نہ وہ اس طرح ہو سکتا ہے۔

(۱۶) وہ سب کا خالق ہے[1]

لیس کمثلہٖ شیٔ اس کی مثل کوئی شے نہیں اور اس کا فعل علت و غرض سے منزّہ اور پاکیزہ ہے۔ اس پر کوئی شے نہیں اور انبیاء علیہم السلام کا بھیجنا اس کا فضل و کرم ہے۔

معتقداتِ اہلسنت انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں۔ ان کے سوا انسانوں میں کوئی معصوم نہیں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاءؑ ہیں۔ آپ کے بعد خلیفہ برحق اور امام برحق سیدنا ابوبکرؓ، ان کے بعد حضرت عمرؓ، ان کے بعد حضرت عثمانؓ، ان کے بعد

---

[1] فقیر اپنی کتاب "الاصابہ" سے صحابہ کرام کے عقائد و معمولات سے ایک آدھ اقتباس مشتے از خروارے کے طور پر ہدیۂ ناظرین کرتا ہے ؏

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

مذکورہ عقائد و معمولاتِ صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو مومنانہ دل سے پڑھ کر فیصلہ فرمائیے کہ مذکورہ بالا عقائد و معمولات دورِ حاضرہ میں کس جماعت میں پائے جاتے ہیں بعدہٗ اپنے لیے فیصلہ فرمائیے کہ آپ ان عقاید و معمولات کو عین اسلام سمجھتے ہیں یا شرک و بدعت کی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

نماز میں تصوّرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم دیوبندیوں وہابیوں کے نزدیک نماز میں تصوّرِ رسول شرک ہے، ہمارے نزدیک عین اسلام۔

ایک مرتبہ حضور علیہ السلام صلح کرانے قبا تشریف لے گئے۔ بعد میں آپ کی جگہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے امامت کر کے نماز شروع کرائی تو آپ بھی تشریف لے آئے اور صف میں کھڑے ہو گئے۔ چنانچہ نماز میں شامل صحابہ نے دائیں ہاتھ کو بائیں کی پشت پر مار کر تصفیح فرمائی۔ اس پر صدیق اکبر کو آپ کی آمد کا احساس ہُوا تو آپ مصلّے سے ہٹ کر پیچھے صف میں کھڑے ہو گئے اور حضور نے مصلّے پر تشریف لے جا کر نماز پوری کرائی اور نماز کے بعد صحابہ کو فرمایا کہ جب نماز میں امام کو توجہ دلانے کی ضرورت ہو تو تصفیح کی بجائے سبحان اللہ کہیں۔ پھر صدیق اکبر کو فرمایا: اے ابوبکر! میرے اشارہ کرنے کے باوجود آپ نے نماز کیوں نہیں پڑھائی؟ عرض کی "ابی قحافہ کے بیٹے (ابوبکر) کو لائق نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کھڑے ہو کر نماز پڑھائے۔" (بخاری شریف، جزو اوّل)

معلوم ہُوا کہ صدیق اکبر اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے مسلک میں بحالتِ نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم نماز کے منافی نہیں۔ جب تصفیح کر کے اور مصلّے سے پیچھے ہٹ کر عملاً تعظیمی مظاہرہ نماز کے خشوع و خضوع کے خلاف نہیں۔ تو محض تعظیم کے ساتھ خیال مبارک میں تو بدرجۂ اولیٰ کوئی حرج نہیں۔ تفصیل کے لیے فقیر کی کتاب "تصورِ رسول" ملاحظہ ہو۔
اویسی غفرلہٗ

حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں، ان پر امامت ختم ہوئی۔ اجماعِ صحابہ حق ہے ان کے بعد علماءٔ کا اجماع بھی حق اور حجت ہے اور اجتہاد و قیاس از علماءٔ بھی شرعاً درست ہے۔ یہ جو کچھ کہا گیا ہے ان معتقدات پر امام ابوحنیفہ و امام شافعی رضی اللہ عنہما کا اتفاق ہے۔

ائمۂ اہلسنّت کا تعارف شیخین کاملین اہلِ حق سے ہیں۔ ایک کا اسم گرامی شیخ ابو الحسن اشعری ہے جو حضرت ابوموسیٰ اشعری صحابی رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں۔ جو ان کے عقاید کی پیروی کرے اسے اشعری کہا جاتا ہے۔

دوسرے کا اسم گرامی شیخ ابومنصور ماتریدی ہے (رحمہ اللہ)۔ جو ان کے عقاید کے موافق ہے اسے ماتریدی کہتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عقاید انہی کے موافق ہیں اگرچہ یہ امام صاحب سے بعد پیدا ہوئے۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ کے معتقدات امام ابوالحسن اشعری کے مطابق ہیں اگرچہ یہ بھی امام شافعی کے بعد پیدا ہوئے اور ماتریدی فروع میں امام ابوحنیفہ کی فقہ پر عمل کرتے ہیں، اور اشعری امام شافعی کی فقہ پر۔ (رحمہم اللہ تعالیٰ)

تقلید شخصی مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک پر التزام (تقلید) واجب ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم۔

(اللہ اور اس کے رسول (علیہ السلام) اور اولی الامر کی اطاعت کرو)

اور ان میں سے انحراف کا ترک بھی واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وما آتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا۔

(اور وُہ جو تمہیں رسول (علیہ السلام) دیں وہ لو اور جس سے روکیں اس سے رُک جاؤ)

بدمذاہب کی صحبت سے بچو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدمذاہب کے ساتھ نشست و برخاست سے منع فرمایا ہے اور بیزاری کا اظہار فرمایا ہے۔

حدیث شریف یجیئ قوم یمیتون السنة ویغلون فی الدین فعلیٰ اولٰئک لعنة اللہ ولعنة اللاعنین والملائکة والناس اجمعین۔

(عنقریب ایک گروہ پیدا ہوگا جو سنّت کو مٹائے گا اور دین میں رخنہ اندازی کرے گا۔ وہ یہی ہے جس پر اللہ کی لعنت اور تمام لعنت کرنے والوں اور جملہ ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے)

صُوفیہ کے گروہ اہلِ تصوّف کے بھی بارہ گروہ ہوگئے ان میں سے ایک اہلسنّت کا گروہ ہے اس کے عقائد علماءٔ کے موافق ہیں۔ باقی گیارہ بدعتی ہیں:

۱ - جلوتیہ	۴ - شمراخیہ	۷ - اباحیہ	۱۰ - واقفیہ
۲ - حالیہ	۵ - حبیبہ	۸ - متکاسلہ	۱۱ - الہامیہ
۳ - اولیائیہ	۶ - حوریہ	۹ - متجاہلہ	

مسئلہ: جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے اہلِ جذبہ تھے ان سے یہ جذبہ مشایخ کرام (اہلسنّت) کو نصیب ہُوا جو مختلف سلاسل طیبہ (قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سُہروردیہ، اویسیہ) میں پھیلا، پھُولا پھلا یہاں تک کہ بعد میں کچھ کمزور پڑ گیا اور سوائے چند محبوبانِ خدا کے یہ نعمت منقطع ہو گئی (پھر رہ گئی رسمِ اذاں رُوحِ بلالی نہ رہی) ایسے رسمی مجیب مقبّب پیر بہت پھر رہے ہیں جن کو تصوّف کی بُو تک بھی نصیب نہیں اور وہ اپنے آپ کو یا تو قلندر کہتے ہیں یا حیدر کے مرید اور بعض اپنے آپ کو شیخ ادھم سے منسوب کرتے ہیں وغیرہ۔ ہمارے دَور میں ایسے پیروں کی تو بہتات ہے لیکن حقیقت شناسوں کا کال ہے[۱]۔ ہاں ان کو پانا ہے تو دو گواہوں کی شہادت لیں:

۱ - ظاہر ۲ - باطن

ظاہر یہی کہ وہ شریعتِ مطہرہ پر استحکام رکھتے ہوں۔

باطن یہ کہ سلوک علی البصیرۃ کے مالک ہوں۔ اور ان میں اقتدائے مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روح جھلکتی ہو[۲]۔

ایسے مشایخ اللہ و رسول (جل جلالہٗ، وصلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاں پہنچنے کا بہترین وسیلہ ہیں۔ ورنہ اگر وہ خود اندھے ہیں تو دوسروں کو خاک راہ دکھائیں گے!

تصوّف وسلوک کے بارہ گُر مشایخ نے فرمایا جب دیکھو کہ اعتقادات و اختلافات کی بھرمار ہے اور تمام علاقے سچے مشایخ سے محروم ہوں تو پھر مندرجہ ذیل بارہ گُر عمل میں لائیے کہ یہ تمام اہل اللہ کے بتائے ہُوئے اور ہدایت کے مینار ہیں:

۱ - صحبتِ نیکاں[۳]

۲ - ان کی فرماں برداری کرنا

۳ - راضی بہ رضائے خدا رہنا[۴]

---

[۱] اور آج ۱۴۰۴ھ میں اس سے بھی بُرا حال ہے۔ اویسی غفرلہٗ

[۲] اور آج (۱۴۰۴ھ) کے اکثر مدعیانِ مشیخت شریعت مطہرہ پر پھبتیاں کستے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الاّ باللہ۔

[۳] ان کے حالات وملفوظات پڑھنا سُننا بھی یہی اثر رکھتے ہیں۔

[۴] ان کے احوال واعمال کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنا بھی یہی اثر رکھتا ہے۔ اویسی غفرلہٗ

۴۔ خلقِ خدا سے صُلح وصفائی رکھنا
۵۔ کسی کو دُکھ اور رنج نہ دینا
۶۔ حتی المقدور خلقِ خدا کو راحت پہنچانا
یہ چھ گر التعظیم لامر اللہ والشفقۃ علیٰ خلق اللہ کی تفسیر ہیں۔
۷۔ متقی و پرہیزگار اور حلال خور ہونا
۸۔ ترکِ طمع و حرص
۹۔ کسی کی بلا ضرورت بدگوئی نہ کرنا اور اپنے آپ کو نیک نہ سمجھنا
۱۰۔ ہمیشہ ریاضات و مجاہدات میں مشغول رہنا
۱۱۔ نیک اخلاق کے حصول کی جدوجہد کرنا
۱۲۔ غلط دعووں سے بچنا بلکہ ہمیشہ ہر ایک کا نیاز مند رہنا

دراصل یہی گُر تمام سعادتوں کا اصل اور جملہ درجاتِ عُلیا کا بیج ہیں۔ جس میں یہ بارہ گُر ہوں اسے مردانِ خدا سے سمجھنا۔ بلکہ یہی سالکِ راہِ ہُدیٰ ہے۔ جس میں یہ گُر نہ ہوں وہ چاہے عوام کی نظروں میں کتنا ہی بلند مرتبت ہو اور جبہ و قبہ و دستار سے مزیّن ہو وہ شیطان بصورتِ انسان ہے۔ یعنی یہی وہ خناس ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنۃ والناس۔

(وہ خناس جو جنوں اور انسانوں سے لوگوں کے دلوں میں وساوس ڈالتا ہے)

تفسیر صُوفیانہ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ اور نہ ہو جاؤ ان لوگوں سے جو غیر اللہ کی طرف متوجہ ہیں مِنَ الَّذِينَ فرقوا دینھم وہ جو اس دن جُدا ہو گئے۔ جو فطرت الٰہی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو تفرید و تجرید و توحید اور مراقبہ فی مجلس الانس اور ملازمۃ للمکالمۃ مع الحق پر پیدا فرمایا وکانوا شیعا اور وُہ ہو گئے مختلف گروہ، بعض ان میں نعیم جنان کو مائل ہُوئے اور بعض نعیم دُنیا کو چلے گئے انہیں رُسوائی کے سوا کچھ نصیب نہ ہُوا اور ان کا ایک گروہ شیطان کے پنجے میں پھنس گیا اس نے انہیں جب شہوات کے سبز باغ دکھا کر جہنم کے درکات میں لے گیا کل حزب بما لدیھم یہ تمام فرقے اپنی خواہشاتِ نفسانی اور مقتضائے طبع شہوانی میں خوش ہیں فرحون اسی لیے وہ غفلت کے میدانوں میں بھٹک رہے ہیں اور شہوات کے دریاؤں میں ڈبکیاں کھا رہے ہیں اور جھوٹے اور غلط خیالوں میں بھٹک رہے ہیں حتیٰ کہ جب انہیں سعادت نے جھٹکا دیا، ان کی آنکھ کھلی تو انہیں پتہ چلا کہ ان کی تمام خوشی تو سراسر غم و حُزن تھا اور انہیں یقین ہوا کہ وُہ تو گمراہی کے دلدل میں پھنسے ہُوئے ہیں۔ لیکن اب کیا ہو سکتا ہے جب کہ وُہ جہالت کے گڑھے میں دیں

چکے تھے۔ کسی نے کیا خوب کہا : ؂

سوف تری اذا انجلی الغبار

افرس تحتك ام حمار

ترجمہ : عنقریب جب گرد وغبار ہٹ جائے گی تو تجھے معلوم ہوگا کہ تم گھوڑ سوار ہو یا گدھے کے سوار۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا مَسَّ النَّاسَ اور جب مشرکین مکہ کو پہنچتا ہے ضُرٌّ نقصان یعنی بھوک اور بارش کی بندش اور بیماری اور فقر و فاقہ، اور دیگر طرح طرح کی آفات وبلیات۔

المفردات میں ہے المس بمعنے ہر وُہ ایذا جو انسان کو پہنچے۔

دَعَوْا رَبَّهُمْ تو اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ درانحالیکہ وُہ اس کی طرف رجوع کرنے والے ہوتے ہیں کبھی دعاؤں سے کبھی زاریوں سے۔ کیونکہ انہیں یقین ہے کہ ان کا دُکھ درد اس کے سوا کوئی نہیں ٹالتا اور نہ ہی ان کے بُت اس کی کوئی قدرت اور طاقت رکھتے ہیں ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ اور جب وہ انہیں چکھاتا ہے مِّنْهُ اپنی طرف سے رَحْمَةً رحمت، یعنی دکھ اور درد سے نجات اور انہیں رزق کی وسعت اور تونگری اور تندرستی وغیرہ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ اس وقت ایک گروہ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ اپنے پروردگار کے ساتھ شرک کرنے لگ جاتا ہے۔ یعنی اس کے بعد اچانک ان کا گروہ اس پروردگار کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے جس نے انہیں تندرستی وغیرہ بخشی حالانکہ ان کا پختہ یقین تھا کہ اس بلائے عظیم سے صرف اسی نے چھٹکارا بخشا ہے۔

سوال : یہاں ایک گروہ کی تخصیص کیوں؟

جواب : مذکورہ بالا طریقہ صرف ایک گروہ سے ہوا سب کے سب ایسے نہ تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دُوسرے مقام پر فرمایا :

فلما نجاهم الی البر فمنهم مقتصد۔

(جب اللہ نے انہیں نجات دی تو ان کا ایک گروہ میانہ رو ہوا)

یعنی صحیح راہ پر چلنے والا یعنی کفر میں معتدل، اس لیے کہ اس نے بیماری وغیرہ کی زجر و توبیخ سے اعتدال کو پسند کیا۔

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ تاکہ اس کے ساتھ کفر کریں جو ہم نے انہیں عافیت اور تندرستی دی ہے۔ لام عاقبت کی اور موصول سے نعمت خلاص وعافیت ہے فَتَمَتَّعُوْا تو اپنے اوقات مقررہ تک تم اپنے کفر سے نفع حاصل کر لو۔ یہاں پر غیب سے خطاب کی طرف التفات ہے۔ یعنی زندگی کا

پھل کھالو پھر موت تمہارے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ اے کافرو! چند روز دنیوی نعمتوں سے نفع اٹھالو فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ عنقریب جان لوگے کہ تمہیں آخرت میں اس دنیوی نفع اٹھانے پر کتنی سزا ملتی ہے!

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں انسان کی طبیعت کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ہدایتِ روح اور اطاعتِ الٰہی اور ضلالتِ نفس اور اس کی گمراہی و سرکشی کی دونوں عادتیں رکھتی ہے کہ جب اس پر اسے محنت و مشقت اور آفت پہنچے تو نہایت متواضع منکسر ہوجاتی ہے اور رُوح ظلمانی شہوات سے نکل کر اپنی اصلی فطرت کی طرف رجوع کرکے حضرت حق کے دربار کی حاضری کے لائق ہوجاتی ہے اور نفوس ارواح کے موافق اور طبائع کے مخالف ہوکر دفع بلیات کے لیے راجع الی اللہ ہوجاتے ہیں اور اس کے لطف کے چاہنے اور محنت و مشقت سے پناہ مانگنے اور اسی سے دکھ درد ٹلنے کی التجا کرنے والے ہوجاتے ہیں۔ جب ان سے بلائیں ٹل جاتی ہیں اور حق تعالیٰ انہیں نظرِ عنایت سے نوازتا ہے اذا فریق منہم تو ان کا ایک گروہ، اس سے نفوس متمردہ مراد ہیں یعنی پھر وُہ اپنی عادتِ مذمومہ اور طبیعتِ ذلیل اور کفرانِ نعمت پر اُتر آتے ہیں لیکفروا بما اٰتینٰھم تاکہ وُہ ہماری دی ہُوئی نعمت و رحمت سے ناشکری کریں۔ پھر ان کی تہدید فرمائی کہ فتمتّعوا فسوف تعلمون نفع اٹھالو عنقریب تمہیں اس کی سزا ملے گی جو تم اپنی خواہشات نفسانی کی اتباع میں طبائع کے موافق عمل کیے۔

تفسیر عالمانہ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَیْهِمْ سُلْطٰنًا کیا ہم نے ان پر کوئی دلیل اتاری ہے۔ سلطان سے حجتِ واضحہ مراد ہے جیسے کتاب وغیرہ فَهُوَ یَتَكَلَّمُ تو وُہ ان سے بولتی ہے۔ اس سے دلالت مراد ہے۔ جیسے دوسری جگہ پر فرمایا:

ھذا کتابنا ینطق علیکم بالحق۔

(یہ ہماری کتاب تمہارے ساتھ حق بولتی ہے)

بِمَا كَانُوْا بِهٖ یُشْرِكُوْنَ ۝ ان کے شرک کرنے کی صحت پر۔ اس معنیٰ پر یہ ما مصدریہ ہے یا اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ الوہیت میں شریک ٹھہرائیں۔ اس معنیٰ پر یہ ما موصولہ ہے اور استفہام سے نفی و انکار مراد ہے۔ خلاصہ یہ کہ ہم نے مشرکین پر کچھ نہیں اتارا۔

تفسیر صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ بندوں کے اعمال اگر منزل من اللہ کی حجت سے ثابت ہوں تو وہ ان کے لیے مفید ہیں اگر وہ ان کی طبائع خبیثہ کے نتائج ہوں تو پھر وہی اعمال ان کے لیے وبال ہوں گے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ جو عمل خواہشِ نفسانی پر ہو وُہ سزا ہے اور اگر حجت حق کے مطابق ہوں تو وہ ہدایت ہی ہدایت ہے۔ اس قاعدہ سے انسان عمل صالح و فاسد کا

اندازہ خود لگاتے اگر وہ اس سے بے خبر ہو تو بہت سے اعمالِ خبیثہ کو طیبہ سمجھنے لگ جائیں گے جبکہ ان کے ہاں کوئی ایسی دلیل نہ ہو جو اسے بتائے کہ یہ عمل طیب ہے یا نہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے باطل کے خوض سے اور ایسے عقیدے سے کہ جس سے فائدہ نہ ہو پناہ مانگتے ہیں ؎

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
کین رہ کہ تو میروی بترکستانست

ترجمہ: مجھے ڈر ہے اے اعرابی! کہ تو کعبہ شریف نہ پہنچ سکے گا اس لیے کہ جس راہ پر تو چل رہا ہے وہ تو ترکستان کو جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً اور جب ہم لوگوں کو رحمت چکھاتے ہیں یعنی نعمت و صحت اور تونگری عطا فرماتے ہیں فَرِحُوْا بِهَا تو اس سے خوش ہوتے ہیں یعنی اتراتے اور اکڑتے ہیں حالانکہ انھیں چاہیے تھا کہ وہ اس پر حمد و شکر کرتے۔ یہ صرف اس لیے کہ انھیں دنیوی زندگی نے دھوکا دیا ہے اسی لیے عبودیتِ مولیٰ سے رُوگرداں ہیں وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ اور اگر انہیں تکلیف پہنچتی ہے بلا اور تنگی سے بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ان کے برے اعمال کی شامت سے اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ ۝ تو وہ اچانک ناامید ہو جاتے ہیں۔

حلِ لغات: القنوط والیاس بمعنے رحمتِ باری تعالیٰ سے ناامیدی۔ یعنی ایسے موقعہ پر اچانک وہ ناامید ہو کر جزع و فزع کرنے لگ جاتے ہیں نعمتوں پر شکر اور تکالیف پر صبر نہیں کرتے۔ یہ اللہ تعالیٰ سے غافل و محجوب لوگوں کا کام ہے۔ اور اہلِ محبت تو وہ ہیں کہ ان کے نزدیک رحمت و زحمت برابر ہے نہ انھیں نعمت کے ملنے پر خوشی اور نہ نہ ہونے کا غم۔ چنانچہ فرمایا:

لکیلا تأسوا علیٰ ما فاتکم ولا تفرحوا بما اٰتاکم۔

(تاکہ وہ فوت شدہ نعمت سے غم نہ کھائیں اور نہ ہی دی ہوئی نعمت سے خوش ہوں)

جب انہیں قوۃ اعتماد علی اللہ نصیب ہوتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ظاہری و باطنی سے ناامید نہیں ہوتے بلکہ وہ تنزلات کو تلوینات سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی لیے وہ ہر وقت اپنے حالات کی تصحیح کے لیے ریاضات و مجاہدات سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے اور ظہورِ تمکینات و ترقیات پر صبر کرتے رہتے ہیں ؎

بصبر کوش دلا روز ہجر فائدہ نیست
طبیب شربت تلخ از برائے فائدہ ساخت

ترجمہ: ہجر پر اے دل! صبر کیجئے ورنہ اس کے سوا اور کوئی فائدہ نہیں۔ طبیب نے کڑوا شربت کسی فائدہ کے لیے ہی تیار کیا ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا کیا انہوں نے نہیں دیکھا اور ان کو مشاہدہ نہیں ہوا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ بے شک اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے رزق بڑھاتا ہے، جس میں صلاحیت دیکھتا ہے اسے رزق کی وسعت عطا فرماتا ہے پھر اس کا امتحان لیتا ہے کہ وہ شکر کرتا ہے یا نہیں وَيَقْدِرُ اور جس کے لیے چاہتا ہے رزق گھٹا دیتا ہے یوں بھی اس کا امتحان لیتا ہے کہ صبر کرتا ہے یا نہیں۔ خلاصہ یہ کہ بندوں سے صبر و شکر دیکھنا چاہتا ہے کہ وہ نعمت ملنے پر شکر کرتا ہے یا نہیں، ایسے ہی دکھ درد اور فاقہ پر صبر کرتا ہے یا جزع فزع۔ یعنی انہیں کیا ہو گیا ہے کہ اہلِ ایمان کی طرح نعمتوں پر شکر نہیں کرتے۔ کیا انہیں شکر پر ثواب کی امید نہیں یا تکالیف پر صبر کریں تو انہیں اجرِ عظیم نصیب ہو۔

نکتہ: حضرت شقیق رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب تو اپنی تخلیق و حیات کے متعلق کوئی اضافہ نہیں کر سکتا ایسے ہی رزق کو بھی نہیں بڑھا سکتا۔ اس لیے طلبِ رزق میں کیوں مارا مارا پھر رہا ہے ؎

رزق اگر بر آدمی عاشق نمی باشد چرا
از زمین گندم گریباں چاک می آید چرا

ترجمہ: اگر آدمی پر رزق عاشق نہیں تو بتائیے یہ گندم کا دانہ زمین کا دامن چاک کر کے کیوں باہر آتا ہے!

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ بیشک رزق گھٹانے بڑھانے میں لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ اہلِ ایمان کے لیے آیات ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت پر استدلال کریں۔

حضرت ابوبکر محمد بن سابق مرحوم نے فرمایا: ؎

۱ فکم قوی قوی فی تقلبه
مهذب الرای عنه الرزق ینحرف

۲ وکم ضعیف ضعیف فی تقلبه
کانه من خلیج البحر یغترف

۳ هذا دلیل علیٰ ان الاله له
فی الخلق سر خفی لیس ینکشف

ترجمہ: (۱) بڑے طاقتور اپنی طاقت کے بل بوتے زمین پر چل پھر رہے ہیں اور رائے و فکر میں اعلیٰ ہیں لیکن رزق ان کے ہاتھ نہیں آتا۔

(۲) بہت زیادہ کمزور جو اپنی کمزوری سے چلنے سے عاری ہیں ان کی وسعتِ رزق کا یہ حال ہے کہ مال و دولت کے دریا سے اپنے گھر بھر رہے ہیں۔

(۳) یہ اس کی واضح دلیل ہے کہ معبودِ حقیقی کا کوئی مخفی راز ہے جو کسی پر منکشف نہیں ہو رہا۔

وجودِ باری تعالیٰ کسی بزرگ سے پُوچھا گیا کہ تمہیں کیسے معلوم ہُوا کہ عالم کا صانع ایک ہے؟ انہوں نے فرمایا: تین اشیاء سے:

ذل اللبیب و فقر الادیب و سقم الطبیب۔

(دانا کا ذلت کی زندگی گزارنا اور دانشور کا فقر و فاقہ اور طبیب کا بیمار رہنا)

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ بندوں پر لازم ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی سے دل نہ لگائیں اس لیے کہ ہر دُکھ درد کا ٹالنے والا اور راحت و سرور بخشنے والا صرف وہی ہے۔ اگر کسی کو رزق میں کشادگی عطا فرماتا ہے تو وہی، اور اگر رزق میں تنگی کرتا ہے تو وہی۔ اسی لیے واجب ہے کہ اس کے در پر پڑے رہو اور اغیار سے تصورات و خیالات کو توڑ دو۔ کیونکہ اپنے جیسے عاجز و ذلیل سے طلبِ مراد بیوقوفی ہے۔ طلبِ مراد ایسی ذات سے ہو جو قادر مطلق ہو۔ اور وہ ہے ذاتِ حق تعالیٰ۔

صُوفیانہ چٹکلہ حضرت ابراہیم بن ادھم قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہم نے فقر و فاقہ طلب کیا تو تونگری نے ہمارے قدم چُومے لیکن لوگوں نے تونگری کو چاہا تو انہیں فقر و فاقہ ملا۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ سکونِ قلب اور فناعن الارادات کے حصول کی جد و جہد کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جو اس کے علم و حکمت کا تقاضا ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

انما یخشی المؤمن الفقر مخافۃ الآفات علیٰ دینہ۔

(مومن فقر سے صرف اس لیے خوفزدہ ہوتا ہے کہ کہیں دین کا نقصان نہ ہو)

سبق ۱: انسان پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت دین کی تحقیق کی فکر میں رہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب بندہ اوامرِ حق کی فرماں برداری کو مدِنظر رکھے۔ یہ بھی اس کا حکم ہے کہ صرف اسی پر توکل کرو اور رزق کے بارے میں اسی پر یقین رکھو۔

سبق ۲: انسان پر لازم ہے کہ ہر وقت فرمانبردار رہے اور دل سے اغیار کے افکار بالکل نکال دے کیونکہ جسے اس کی رزاقیت پر شک ہے وہ اس کی خالقیت پر بھی شک رکھتا ہے۔

معروف کرخی نے نماز لوٹائی حضرت معروف کرخی قدس سرہٗ نے ایک امام کے پیچھے نماز پڑھی، فراغت کے بعد امام نے پُوچھا: تم رزق کہاں سے کھاتے ہو؟ حضرت معروف نے فرمایا: ٹھہریئے، میں نماز لوٹا لوں پھر بتاؤں گا۔ فراغت کے بعد فرمایا: جسے رزاق کی رزاقیت پر شک ہے اسے اس کی خالقیت پر شک ہے۔ اور جو امام اپنے خالق پر ایمان نہیں رکھتا اس کے پیچھے نماز ناجائز ہے کیونکہ وہ امام اپنے عقیدے میں متردد و متزلزل ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لقوم

یؤ منون ۔ اس لیے کہ غیر مسلم آیات کو نہیں جانتا اور نہ ہی وہ اس کی دلالات سے استدلال کر سکتا ہے۔ اسی لیے وہ ہمیشہ شک و تردد و ظلمات میں رہے گا۔

سیدنا اویس و ہرم رضی اللہ عنہما حضرت ہرم نے حضرت اویس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ مجھے فرمائیے کہ میں کس علاقے میں رہوں ؟ آپ نے فرمایا : شام کے ملک میں۔ عرض کی : وہاں رزق کا کیا بنے گا ؟ آپ نے فرمایا : ایسے قلوب پر افسوس جن پر شک و شبہ کا داغ ہے۔ جب تمہارا یہ حال ہے تو پھر وعظ و نصیحت بے سود ہے۔ اس لیے کہ وعظ ایک شکاری باز ہے اور وہ صرف زندہ جانور کو پکڑتا ہے، جس دل میں شک ہے وہ مردہ ہے اسے وعظ و نصیحت کوئی فائدہ نہ دے گی۔

دعا : ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں غفلت کی نیند سے بیداری نصیب فرمائے اور ان لوگوں سے نہ بنائے جنہیں جہالت کے عذاب میں مبتلا کیا۔ (وہ کریم ہے، رؤف ہے، رحیم ہے)

تفسیر عالمانہ فَاٰتِ اے صاحب باوسعت رزق دے ذَا الْقُرْبٰی رشتہ داروں کو حَقَّهٗ اس کا حق، صلہ رحمی کے طور صدقہ اور میراث سے جو اس کا حق بنتا ہے۔

استدلالِ احناف اس آیت سے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے استدلال فرمایا ہے کہ ذی رحم کا نفقہ واجب ہے جب انہیں ضرورت ہو۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ اس مسئلہ کو ابن العم پر قیاس کرتے ہیں اس لیے ان کے نزدیک نفقہ صرف اولاد اور والدین کا واجب ہے اور بس۔

وَالْمِسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ اور مسکین اور مسافر کو جو وہ صدقات کا حق رکھتے ہیں اور بطور اعانت و ضیافت بھی۔ کیونکہ مسافر بھی مہمان ہے۔ کما فی کشف الاسرار۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اہلِ قرابت دو قسم ہیں :

۱۔ قرابتِ نسبی

۲۔ قرابتِ دینی

قرابتِ دینی ضرورت کے لحاظ سے اہم اور رعایت کی زیادہ حقدار ہے کیونکہ یہ اللہ کے عطا کردہ بھائی ہیں اور مریدین جنہوں نے مرشدین کاملین کا دامن تھاما ہے وہ بھی ان کی معنوی اولاد ہے کیونکہ وہ اب طلبِ الٰہی میں مسافر اور دنیا سے فارغ اور معیشت کے حصول سے عاری ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے معنوی غنا سے سرفراز فرمایا ہے ان پر واجب ہے کہ وہ اپنی ایسی اولاد کے حقوق ادا کریں تاکہ وہ فارغ البال ہو کر طلبِ الٰہی کے اسباب حاصل کر سکیں۔ اور مسکین وہ ہے جو طلب صادق سے محروم ہے یہ بھی اہلِ طاعت سے۔ فلہٰذا ان کی مدد بھی ضروری ہے اور طالبانِ علوم اسلامیہ کی حتی المقدور مدد کرنی چاہیے، ان کے حسب حال مدد ضروری ہے۔ اور ابن السبیل سے مسافر اور مہمان مراد ہیں ان کی وقت کی ضرورت کے پیش نظر مدد کرنی چاہیے جو طلب حق میں بلند ہمت ہو وہ مدد کے لحاظ سے مقدم ہے۔ یہی رشتہ داروں میں اقرب ہے

ایسوں پر وقت کی قربانی ضروری ہے۔ ان کا حق سب سے فائق ہے اور ایسوں کا ہر طرح سے خیال رکھنا ضروری ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ دینی رشتہ داروں کی خبرگیری نسبی رشتہ داروں کی بہ نسبت زیادہ ضروری ہے کیونکہ نسبی رشتہ داروں سے تو انقطاع ہو سکتا ہے لیکن دینی قرابت والوں سے انقطاع ممکن نہیں۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کل نسب و سبب ینقطع الا نسبی و سببی

(قیامت میں تمام نسب وسبب منقطع ہو جائیں گے سوائے میرے نسب وسبب کے)

ف: قرابتِ دینی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف منسوب فرمایا ہے اس لیے کہ بحکم آیت ہذا دینداروں اور اپنے رشتہ داروں اور قرابت داروں سے گنا ہے جو بھی اپنا منہ عبادت کی طرف رکھتا ہے اور وظائف طاعات پر مواظبت اور نعمتِ الٰہی میں خیال رکھتا ہے اور ہر وقت ذکرِ الٰہی میں لگا رہتا ہے۔ چنانچہ ایسے لوگوں کو تجارت وکسبِ معیشت حائل نہیں ہوتی۔ جیسا کہ اللہ تعالٰی نے فرمایا:

رجال لا تلهيهم تجارة و لا بيع عن ذكر الله۔

(وہ ایسے ہیں کہ انہیں اللہ تعالٰی کے ذکر سے نہ تجارت غافل کرتی ہے نہ بیع وشرا)

ایسے حضرات کی مدد لوگوں پر واجب ہے ان کی ہر طرح کی رعایت ضروری ہے تاکہ ان کے دل عبادتِ الٰہی کے لیے فارغ ہوں۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصحابِ صُفّہ کے ساتھ کیا کرتے تھے اور وہ حضراتؓ بھی صفہ مبارک کو اپنا وطن سمجھتے تھے۔

تعارف صُفّہ مبارک

صُفّہ مبارک مدینہ پاک میں ایک جگہ ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں وہ قبا شریف میں ہے جو مدینہ منورہ سے دو[1] فرسنگ ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ ماحضر اپنے پاس رکھتے ان کو بھجوا دیتے اور اپنے گھر والوں سے فرماتے:

لا اعطيكم وادع اصحاب الصفه تطوى بطونهم من الجوع۔

(میں تمہیں کچھ نہیں دیتا کیونکہ میں اصحابِ صُفّہ کو اس حال میں کیسے چھوڑ دوں جبکہ وہ خالی پیٹ ہوں)

اصحابِ صفہ چالیس[2] افراد تھے۔ دنیا سے یکسر منہ پھیر چکے تھے۔ طلبِ معیشت کو چھوڑ کر صرف عبادت

---

[1] صحیح یہ ہے کہ وہ تین میل ہے اور صفہ شریف گنبدِ خضرا کے متصل بجانبِ شمال اب بھی موجود ہے۔ اویسی غفرلہٗ

[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے ہاں ٹھہرایا ہوا تھا۔ اصحابِ صُفّہ کبھی بسبب خروج یا اختیار

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)
مسافرت کے کم اور کبھی زیادہ بھی ہو جاتے۔ حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے "حلیہ" میں اصحاب صفہ کے سَو سے زیادہ نام شمار کئے ہیں۔ یہ حضرات رات کو بھی اسی مسجد مبارک میں سوتے تھے کیونکہ مسجد مبارک کے سوا ان کے لیے اور کوئی جگہ نہ تھی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ مطابق حکم الٰہی :

واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم الخ

یعنی محبوب! اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ شامل رکھو جو اپنے رب کو پکارتے ہیں۔

آپ ان سے مجلسِ خاص اور محبت مخصوص رکھتے تھے ؎

دلا خوش باش کاں سلطان دیں را
بدرویشاں و مسکیناں سرے ہست

بسا اوقات یہ حضرات شدتِ بھوک کی وجہ سے درِ اطہرِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑ جاتے۔ آتے جاتے لوگ انہیں دیوانے سمجھتے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لاکر انہیں تسلی و تشفی دیتے اور فرماتے :

تم لوگ میرے ساتھ ہو اگر تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنی قدر و منزلت کو پہچانتے کہ تمہاری کتنی قدر ہے تو تم ضرور فقر و فاقہ کو دوست رکھتے۔

آپ کبھی کبھار اصحابِ صفہ میں سے ایک دو کو غنی صحابہ کے سپرد فرما دیتے تاکہ وہ ان کے مہمان ہوں، جو باقی بچتے ان کو اپنے ساتھ شریک فرما لیتے اور صدقات سے جو کچھ حاصل ہوتا ان کے حوالے فرما دیتے اور ہدیوں سے بھی ان کا حصہ نکالا جاتا تھا۔ ان کو 'مسلمانوں کے مہمان' کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا تھا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، اصحابِ صفہ سے ہیں، روایت کرتے ہیں کہ میں نے ستر آدمی اصحابِ صفہ کے دیکھے کہ ان میں سے کسی کے پاس سوائے ایک ازار کے، وہ بھی نصف پنڈلی تک پہنچتی تھی، کچھ بھی پہننے کو نہ تھا۔ سجدہ کرتے وقت وہ اس کو سمیٹتے تاکہ کشفِ برہنگی نہ ہو۔

ایک اور روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ شدتِ بھوک کی وجہ سے مجھے پیٹ پر پتھر بھی باندھنا پڑتا اور جگر کو زمین پر ٹیکنا پڑتا، یہاں تک کہ ایک دن میں راستہ میں بیٹھا ہوا تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ اس راہ سے گزرے میں نے قرآن پاک کی ایک آیت پڑھی تاکہ وہ توجہ فرمائیں۔ انہوں نے التفات نہ فرمائی اور چل دئے۔ اس کے ابوالقاسم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گزرے۔ جب آپ نے مجھے اس حال میں دیکھا تو مسکرائے اور فرمایا : ابوہریرہ! میں نے کہا : لبیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فرمایا : اِدھر آ۔ میں اُٹھ کھڑا ہوا اور آپ کے پیچھے حجرہ شریف تک گیا۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و

(باقی بر صفحہ آئندہ)

اور اطاعت میں لگے رہتے تھے۔ فتوحات سے غنیمت حاصل کرتے یا فارغ رہتے۔ ان میں سے اکثر لباس تک بھی نہیں رکھتے تھے۔ نماز کے وقت دوسروں سے لباس لے کر نماز ادا کرتے تھے۔ اہل تصوف نے ان سے مذہب کی بنیاد رکھی۔ دُنیا سے رُوگردانی کرنا، کسی سے نہ جھگڑنا، توکل پر گزرِ اوقات کرنا، قناعت کرنا، حرص و ہوا کو چھوڑنا ان سے سیکھا۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

براوجِ فلک چون پرد چرہ باز
کہ بر شہپرش بستہ سنگ آز

بقیہ حاشیہ

آلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں دودھ کا ایک پیالہ ہدیہ کے طور پر لایا گیا، آپ نے فرمایا: جا اور اصحابِ صُفّہ کو بُلا لا۔ میں دل میں کہتا تھا کہ یہ دودھ زیادہ تو ہے نہیں کہ اصحابِ صفّہ کو مدعو کیا جا رہا ہے۔ یہ تو اگر مجھے ہی دے دیا جائے تو میں ہی پی لُوں تاکہ کچھ وقت تو سکون سے گزرتا۔ خیر اطاعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے چارہ نہ تھا، میں اصحابِ صُفّہ کے پاس گیا اُن کو حضور پرُنور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آیا۔ بیتِ نبوی میں جہاں جہاں کسی کو جگہ ملی سب کے سب بیٹھ گئے۔ آپ نے فرمایا: ابو ہریرہ! میں نے کہا: لبیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! فرمایا: شیر کا پیالہ اُٹھا کر دودھ کو تقسیم کر دو۔ میں نے پیالہ اٹھایا اور اصحابِ صُفّہ کو دیا سب نے سیر ہو کر پیا اور دودھ بھی کچھ کم نہ ہوا۔ اس کے بعد پیالہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: اب ہم اور تم باقی رہ گئے ہیں اور بس۔ میں نے عرض کیا:

صدقت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

فرمایا: بیٹھ، جتنی بھُوک ہے کھا۔ میں جتنا پی سکتا تھا اتنا دودھ پیا اور باقی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس دے دیا۔ آپ نے خطبۂ شکر پڑھا اور باقی پیالے والا دودھ نوش فرمایا۔

واقعہ تکثیرِ طعام بھی اصحابِ صُفّہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حق میں واقع ہوا جس کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں، اور بھی کئی روایات میں آیا ہے ہر ایک انصاری اپنے درختِ خرما سے ایک ایک خوشہ لاتا تھا۔ آپ نے سب خوشوں کو ایک رسّی سے باندھ کر دو ستونوں کے درمیان لٹکوا دیتے، ان کے نیچے اصحابِ صفّہ کو بٹھا کر خوشوں کو ایک لکڑی سے جھاڑتے تھے تاکہ بے تکلف ہو کر کھائیں۔ ایک روز ایک آدمی نے ایک خراب خوشہ لا کر لٹکا دیا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس صدقے کا مالک اس سے اچھے خوشے لاتا تو لا بھی سکتا تھا۔ لیکن اس نے قیامت کے دن اچھے میوے کھانے پسند نہ کیے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

اویسی غفرلہٗ

۲ ندارند تن پروران آگہی
که پُر معدہ باشد ز حکمت تہی

ترجمہ :(۱) باز کا آسمان کی طرف اُڑنا کیسے ہو اگر اس کے پروں پہ حرص کا پتھر بندھا ہو۔
(۲) پیٹ کے پجاری اس راز کی کب آگاہی حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ معدہ جس کا پُر ہو وُہ حکمت سے خالی ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِكَ یہ اشارہ ادائیگی حق اور مال راہِ خدا کے لیے نکالنے کی طرف ہے خَیْرٌ روکنے سے بہتر ہے لِّلَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ان لوگوں کے لیے جو رضائے الٰہی کے طالب ہیں یعنی صرف رضائے الٰہی کی طلب پر نیکی کرتے ہیں۔ یہاں پر وجہ بمعنے ذات یا اس کا تقرب مراد ہے۔ یعنی عبادت میں ان کی کوئی دنیوی غرض مطلوب نہیں اور نہ ہی اس کے عوض وہ کوئی شے حاصل کرنے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ اس معنی پر وجہ بمعنے جہت ہے۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ مرید وُہ ہے جو حقوق اللہ کو خواہشاتِ نفسانی پر ترجیح دیتا ہے۔
حضرت جنید رضی اللہ عنہ اپنے مریدوں کو وصیت فرماتے کہ خلقِ خدا کے لیے رحمت اور اپنے لیے مصیبت بن جاؤ اس لیئے کہ اہلِ ایمان اور دوستانِ خدا خلقِ خدا کے لیے رحمت ہوتے ہیں۔ ایسے ہو جاؤ کہ سایہ میں بیٹھنا چاہو لیکن دوسروں کو سائے کی ضرورت ہو تو خود دھوپ میں بیٹھو اور خلقِ خدا کو سایہ میں بٹھاؤ۔

حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ سے پُوچھا گیا : مرید کون ہے اور مراد کون ؟ آپ نے فرمایا :
المرید یطلب والمراد یھرب۔
(مرید طلب کرے مراد بھاگے)

یعنی مرید وُہ ہے جو ہر وقت طلب میں اور ہزاروں طرح کی نیاز میں ہو اور مراد وہ ہے جو اس سے بھاگے اور ہزاروں ناز رکھے۔ اور مرید کو دل سوز ہونا ضروری ہے اور مراد وہ ہے جو مقصد میں کامیاب اور فرحاں و خنداں ہو اور مرید ہمیشہ خبروں کی طرف کان لگائے رکھے اور مراد وہ ہے جو ہمیشہ معائنہ و مشاہدہ سے سرفراز ہو۔

کسی بزرگ سے پُوچھا گیا کہ حقیقتِ تفرید میں مرید بہتر ہے یا مراد ؟
انہوں نے فرمایا : نہ کوئی مرید ہے نہ مراد ، نہ ہی کوئی خبر ہے نہ استخبار۔ یہاں نہ حد ہے نہ رسم۔ وہی کُل بہ کُل ہے۔ اسے کسی نے یوں ادا کیا ہے : ؎

این جائے نہ عشقست نہ شوق نہ یار

خود جملہ توئی خصومت از رہ بردار

ترجمہ: یہاں نہ عشق ہے نہ شوق یار، سب کچھ تو ہے بس تمام جھگڑے چھوڑ دے۔

وَاُولٰٓئِكَ اور وہی خرچ کرنے والے هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وہی کامیاب ہیں یعنی آخرت میں اپنے مطلوب پر فائز ہیں کیونکہ انہیں دائمی نعمتیں نصیب ہوگئیں اور دنیا میں بھی انہیں خیر و بھلائی حاصل ہوئی کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں مال میں برکت ہوتی ہے ؎

زکوٰۃ مال بدر کن کہ فضلۂ رز را

چو باغبان ببرد بیشتر دہد انگور

ترجمہ: مال کی زکوٰۃ ادا کر کیونکہ جب باغبان انگور کے پودے کو جونہی صاف کرتا ہے تو وہ پودا بہت زیادہ پھل دیتا ہے۔

اور آخرت میں زکوٰۃ ادا کرنے والا طاعتِ الٰہی بجالانے کی وجہ سے جنّت میں فائز ہوگا ؎

توانگرا چو دل و دست کامرانت ہست

بخور ببخش کہ دنیا و آخرت بردی

ترجمہ: اے دولت مند! جب تیرا دل و ہاتھ کامیاب ہے تو کھا اور دوسروں کو بھی دے تاکہ دُنیا و آخرت کی کامیابی حاصل ہو۔

ملفوظ حضرت علی رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ان المال حرث الدنیا والعمل الصالح حرث الاٰخرۃ وقد یجمعھما اللہ لاقوام۔

(مال دنیا کی کھیتی ہے اور عمل صالح آخرت کی۔ یہ دونوں دولتیں اللہ تعالیٰ کسی خاص بندے میں جمع کرتا ہے)

لقمان حکیم کا مقولہ حضرت لقمان رحمہ اللہ جب دولتمندوں سے گزرتے تو فرماتے:

اے دولتمندو! سب سے بڑی نعمت کو نہ بھلاؤ۔

اور جب تنگدستوں سے گزرتے تو انہیں فرماتے:

اے تنگدستو! غبن کرنے سے بچنا۔

فرمانِ علی کرم اللہ وجہہٗ سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں:

فرض فی اموال الاغنیاء اقوات الفقراء فما جاع فقیر الا بما منع غنی واللہ یسألھم عن ذٰلك۔

(اغنیا کے اموال میں فقرا کا خرچ فرض ہے اگر کوئی غنی کسی فقیر کو کچھ نہیں دیتا تو اس کے متعلق غنی سے سوال ہوگا)

روزے کی فرضیت کا آغاز کسی بزرگ نے فرمایا : سب سے پہلے فقرا کے لیے اغنیا پر روزے رکھنے کا حکم بادشاہ طہمورث کے زمانے میں ہوا۔ یہی آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے تیسرا بادشاہ تھا۔ ایک دفعہ اس کے زمانے میں قحط پڑا تو دولتمندوں کو فرمایا کہ صرف رات کو کھانا کھایا کرو، دن کا کھانا فقرا کو دے دیا کرو ۔ یہ ان کی فقرا پر شفقت اور بطور عبادت اور رضائے الٰہی کے ارادہ پر ہوا سہ

۱ توانگراں را وقعنست و بذل و مہمانی
زکاۃ و فطرہ و اعتاق و ہدی و قربانی

۲ تو کے بدولت ایشاں رسی کہ نتوانی
جز ایں دو رکعت و آں ہم بصد پریشانی

۳ شرف نفس بجود ست و کرامت بسجود
ہر کہ ایں ہر دو ندارد عدمش بہ ز وجود

ترجمہ : (۱) اغنیا کے لیے وبذل و مہمانی اور زکوٰۃ و فطرانہ اور اعتاق و ہدی اور حج کی قربانی وغیرہ وقف ہے ۔

(۲) تم ایسی دولت تک کب پہنچ سکتے ہو، تمہارا حال تو یہ ہے کہ دوگانہ پڑھتے ہو اور وہ بھی رو رو کر۔

(۳) انسان کی شرافت جود سے اور کرامت سجود سے ہے۔ اگر ان میں سے کوئی بھی نہیں رکھتا تو ایسے جینے سے مرنا بہتر ہے۔

وَمَآ اٰتَيْتُمْ اور وہ جو تم دیتے ہو مِّنْ رِّبًا سود سے۔

ف : ربٰو کو واؤ کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ یہ اس لغت سے ہے جس میں ایسے مواقع پر واؤ تفخیم کے طور پر لکھا جاتا ہے جیسے صلوٰۃ و زکوٰۃ۔ یا اس میں تنبیہ ہے کہ یہ واؤ ی ہے ۔ ربا بمعنے زاد، اور الف زاید آخر میں ہے۔ وہ بھی اسی لیے ہے کہ وہ جمع کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے ۔

سود کی تعریف اصل مقدار سے زیادہ لینا، جیسے کوئی کھانے کی شے یا نقد کے اصل کو اس جنس سے زاید وصول کیا جائے۔ زاید کو سود کہا جاتا ہے ۔ یا میعاد میں مہلت کی وجہ سے زاید رقم وصول کی جائے ۔ اسے عربی میں نسا (ادھار) کہا جاتا ہے ۔ یہ دونوں صورتیں شرعاً حرام ہیں۔ معنی یہ ہے کہ معاملہ میں عوض کے علاوہ زاید شے وصول کی جائے ۔

لِّيَرْبُوَا۠ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ تاکہ وہ لوگوں کے مال سے اپنا مال بڑھا سکے ۔ یعنی اگرچہ وہ بظاہر

اپنے مال بڑھا رہا ہے لیکن درحقیقت وُہ مال گھٹا رہا ہے ۔ چنانچہ فرمایا فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہیں بڑھتا اور اس میں برکت نہیں ہوتی ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

يمحق الله الربٰو ۔

(اللہ تعالیٰ سُود کو مٹاتا ہے)

جائز سُود کا حیلہ کسی کو اصل مال کی ادائیگی پر ہدیۃً کچھ بڑھا کر دے دے یا اس سے افضل و اعلیٰ شے دے دے تو یہ جائز ہے لیکن قیامت میں اس کا ثواب نہ ملے گا کیونکہ اس سے اس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہیں دیا ۔ اسی لیے یہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے حرام تھا ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ولا تمنن تستكثر (اور نہ منت لگایئے اور نہ ہی زاید لیجئے)

ایسی شے کسی کو نہ دو کہ جس سے تم اپنے دئے گئے مال سے زاید طلب کرو (کشف الاسرار)

فیصلہ از صاحبِ روح البیان اور سُود دینے کا حیلہ فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول "من ربٰو" میں اشارہ ہے کہ کوئی کسی کو عوض کا زاید مال دے کر کہے کہ میں تجھے حلال طریقے سے دے رہا ہُوں، تو اس کا ایسا کہنا اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال نہیں کرسکتا، نہ ہی یہ حرمت حلت سے تبدیل ہوسکتی ہے کیونکہ کوئی اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال نہیں کرسکتا ۔ یہ خالص سُود ہے ۔ اس میں دینے اور لینے والا دونوں وعید (جرم) میں برابر کے شریک ہیں ۔ ہاں جب شدید ضرورت ہو اور سُود کے بغیر کوئی قرضہ نہیں دیتا تو اب بوجہ ضرورت اور بقدرِ ضرورت سود پر قرضہ حاصل کرنا جائز ہے ۔

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ اور وہ جو تم زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ۔ زکوٰۃ سے فرض مراد ہے یا صدقہ ۔ اُسے زکوٰۃ اس لیے کہتے ہیں کہ وُہ مال کو صاف اور بابرکت کرتی ہے تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرتے ہو ۔ وجہ سے ثواب اور رضا مراد ہے یعنی تم خالص رضائے الٰہی کی طلب میں زکوٰۃ ادا کرتے ہو ۔ نہ اس میں ریا کو دخل ہوتا ہے اور نہ شہرت مقصود ہوتی ہے فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ○ وہی لوگ ہیں جنہیں کئی گنا ثواب ہوتا ہے ۔ جیسا کہ فرمایا :

ويربي الصدقات ۔

(اور صدقات کو برکت بخشتا ہے)

اس کی ذی قوت نظیر ہے جسے مقوی کہا جاتا ہے ۔ ایسے ہی الیسار جسے موسر کہتے ہیں ۔ یا وہ لوگ جنہوں نے اپنے ثواب و اموال کو زکوٰۃ کی برکت سے بڑھایا ۔

سوال : خطاب کے صیغے کے بعد هم المضعفون غائب کا صیغہ کیوں ؟

جواب : اس میں اشارہ ہے کہ اس ثواب کے مستحق صرف مخاطب نہیں بلکہ عام ہے جو قیامت تک تمام مکلفین کو شامل ہے۔

ف : حضرت سہل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ تضعیف رضائے الٰہی اور خلوص کی وجہ سے ہے نہ صرف ادائیگی زکوٰۃ کی وجہ سے۔ بدن کی زکوٰۃ، اسے گناہوں سے پاک رکھنے کا نام ہے اور مال کی زکوٰۃ یہ ہے کہ اسے شبہات سے پاک رکھا جائے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ انفاق المال فی سبیل اللہ کا مطلب یہ ہے کہ نفس کو حُبِّ دنیا سے فارغ رکھا جائے۔ جیسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا طریقہ کار تھا کہ وہ مالِ دنیا سے بالکل فارغ ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کے ہو گئے۔ خود اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فرمایا:

وسیجنبہا الاتقی الذی یؤتی مالہ یتزکی وما لاحد عندہ من نعمۃ تجزی الا ابتغاء وجہ ربہ الاعلیٰ۔

(عنقریب اللہ تعالیٰ اپنے اس بڑے متقی بندے کو جہنم سے دُور رکھے گا جو وہ اپنے مال خرچ کرتا کہ ستھرا ہو کسی پر اس کا کچھ احسان نہیں کہ اس کا بدلہ دیا جائے صرف اپنے رب کی رضا چاہتا ہے)

ف : وجہ ربہ سے اس کے دیدار کا شوق مراد ہے۔

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ○ وہی کئی گنا ثواب دئے جائیں گے جس کی انہیں امید ہے اور وہ اس کی آرزو رکھتے ہیں کیونکہ وہ اپنی ہمت اور بحسبِ نظر امید رکھتے ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل و کرم سے اتنا عطا فرمائے گا جس کا کوئی حساب نہیں۔

سبق : مال چند روزہ ہے پھر چھین لیا جائے گا۔ وہ انسان بہت بیوقوف ہے جو دائمی عذاب سے بچنے کی جدوجہد نہیں کرتا، حالانکہ وُہ کریم اس مال کے خرچ کرنے پر بہت بڑا معاوضہ دینے کا وعدہ فرما رہا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱ گفت پیغمبر کہ دائم بہر پند
دو فرشتہ خوش منادی میکند

---

۲ کاے خدایا منفقاں را سیر دار
ہر درمشانرا عوض دہ صد ہزار

۳ اے خدایا ممسکانرا در جہان
تو مدہ الا زیان اندر زیان

۴ گر نماند از جود در دست تو مال
کے کند فضل الٰہت پایمال
۵ ہر کہ کارد کرد د انبارش تہی
لیکش اندر مزرعہ باشد بہی
۶ وانکہ در انبار ماند و صرفہ کرد
اشپش و موش و حوادثہاش خورد

ترجمہ :(۱) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نصیحت کے لیے دائماً دو فرشتے ندا دیا کرتے ہیں۔
(۲) اے اللہ! خرچ کرنے والوں کو بہت دے، ایک درم کے بدلے ہزاروں درم عطا فرما۔
(۳) اے اللہ! بخیلوں کو جہان میں کچھ نہ دے۔ اگر دینا ہے تو نقصان در نقصان دے۔
(۴) اگر سخاوت سے مال نہ رہے تو اللہ تعالیٰ کا فضل کہیں نہیں جائے گا۔
(۵) جو بھی کاشت کرتا ہے پہلے تو اس کا اناج ختم ہوجاتا ہے لیکن بعد کو اسے بہت سا اناج حاصل ہوجاتا ہے۔
(۶) اور جس نے اناج کو کھیتی میں خرچ نہ کیا تو اسے چوہے، کیڑے مکوڑے اور گھر کے جانور کھا جائیں گے۔

اور بوستان میں ہے: ؎

۱ پریشان کن امروز گنجینہ چست
کہ فردا کلیدش نہ در دست تست
۲ تو با خود ببر توشہ خویشتن
کہ شفقت نیاید ز فرزند و زن
۳ کنوں بر کف دست نہ ہر چہ ہست
کہ فردا بدنداں گزی پشت دست
۴ بحال دل خستگاں در نگر
کہ روزے دلت خستہ باشد مگر
۵ فروماندگاں را دروں شاد کن
ز روز فروماندگی یاد کن
۶ نہ خواہندۂ بر در دیگراں
بشکرانہ خواہندہ از در مراں

ترجمہ : (۱) آج ہی جلدی سے خزانہ لٹا دے کہ کل مرنے کے بعد چابی تیرے ہاتھ میں نہ ہو گی۔
(۲) قبر کا سامان تو خود لے جا اس لیے کہ تجھ پر تیری عورت اور بیٹے رحم نہ کھائیں گے۔
(۳) جو کچھ تیرے ہاتھ میں ہے آج ہی اسے خرچ کر ڈال ورنہ مرنے کے بعد افسوس کے ہاتھ ملو گے۔
(۴) عاجزوں کا حال غور سے دیکھ، ممکن ہے تیرا حال اسی طرح ہو جائے۔
(۵) عاجزوں کا دل خوش کر، اپنے عاجزی کے دن یاد کر۔
(۶) تو تو کسی کے در کا بھکاری نہیں۔ بھکاریوں کو شکرانہ کے ساتھ اپنے دروازے سے نہ لوٹا۔

تفسیر عالمانہ اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وہ اللہ جس نے تمہیں پیدا کیا یعنی تم کچھ نہ تھے، تمہیں عدم سے وجود بخشا ثُمَّ رَزَقَکُمْ پھر تمہیں روزی دی۔ یعنی جب تک تم دنیا میں زندہ رہے تمہیں رزق بخشا۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ وہ کسی کی روزی کا رزاق ہے اور کسی کے شہود کا رزاق۔ عوام روزی کی فکر میں ہیں جب پیٹ خالی ہوتا ہے تو کھانا پینا چاہتے ہیں۔ اور خواص دل کی روزی مانگتے ہیں۔ یعنی طاعات کی توفیق اور عبادات میں اخلاص چاہتے ہیں۔ جو کم ہمت ہے وہ کھانا پینا مانگتا ہے۔ افسوس ہے کہ وہ ایسی شے مانگتا ہے جو کھانے کے بعد گندگی بن کر باہر نکلتی ہے۔

کسی نے کیا خوب فرمایا ہے : ؎

۱ اے توانگر بکنج خرسندی
زیں بخیلاں کنارہ گیر و کنار
۲ ایں بخیلاں عہد ما ہمہ بار
راح خوردند و مستراح انبار

ترجمہ (۱) اے تونگر! تو اپنے گوشہ تنہائی میں خوش ہے لیکن ان بخیلوں سے دور رہنا۔
(۲) ہمارے زمانے کے بخیل بہت کچھ کھا کر گندگی کے ڈھیر نکالتے ہیں۔

ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ پھر اجل کے اختتام پر تمہیں مارے گا ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ پھر نفخۂ اخیرہ میں تمہیں زندہ اٹھائے گا تاکہ تمہیں دنیا کے اعمال پر جزا و سزا دے کیونکہ یہ جزا و سزا کے لیے ہے هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ کیا تمہارے شریک ہیں جن کے لیے تمہارا گمان تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ یہ تخلیق و ترزیق اور اماتت و احیاء کون کر سکتا ہے مِّنْ شَیْءٍ یعنی یہ امور سوائے اس کے اور کوئی نہیں کر سکتا تو پھر بتوں کو اس کا شریک بنانے کا کیا معنیٰ!

ف : پہلا اور دوسرا مِنْ جنس شرکاء و افعال میں شیوع احکام کا فائدہ دیتے ہیں اور تیسرا زائد تعمیم منفی کے لیے ہے ویسے سب کے سب شرکاء کی تعجیز کے لیے تاکید کرتے ہیں سُبْحٰنَهٗ اس کو پاکی ہے وَتَعٰلٰی

اور وُہ بلند ہے عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ؑ اس سے کہ اس کے ساتھ شریک ٹھہرائے جائیں۔

تفسیر صُوفیانہ اللہ الّذی خلقکم وُہ اللہ جس نے تمہیں پیدا کیا یعنی تمہیں عدم سے عالمِ ارواح کی طرف نکالا ثمّ رزقکم پھر تمہیں الست بربکم کے خطاب سے بلا واسطہ اپنا کلام سنایا یہ تمہارے کانوں کا اور تمہاری آنکھوں کا رزق شواہدِ ربوبیت کا مشاہدہ ہے اور تمہارے قلوب کا رزق اس کے خطاب کا فہم اور مراد کو پہنچنا ہے اور زبانوں کا رزق اس کے سوال کی اجابت اور توحید کی شہادت ہے ثم یمیتکم پھر وہ تمہیں نورِ ایمان و ایقان و عرفان سے موت دیتا ہے هل من شرکائکم کیا تمہارے بتوں اور دوستوں میں سے من یفعل من ذالکم من شئ کوئی ایسا ہے جو مذکورہ بالا امور سے کسی ایک کو کر سکے سبحٰنہٗ اس کی ذات و صفات منزّہ ہے عمّا یشرکون اس سے جو اس کے اعداء اس کی عبادت میں بتوں کو شریک کرتے ہیں اور جو اس کے بناوٹی اولیاء خواہشِ نفسانی کی ملاوٹ سے عبادت کرتے ہیں۔

حدیثِ قدسی میں ہے:

انا اغنی الشرکاء عن الشرک۔

(میں شرکاء سے غنی ہوں)

یعنی میں اس سے بے پروا ہوں کہ امور میں کوئی میری مدد کرے بخلاف تمہارے کہ تم اپنے امور میں دوسروں کے تعاون کے محتاج ہو۔

اس سے ثابت ہُوا کہ جہاں بھی اللہ تعالیٰ افعل کا صیغہ مضاف کر کے اپنے لیے استعمال فرمائے وہاں مطلق زیادتی مراد ہوتی ہے کہ وہاں مضاف الیہ کا مضاف کے ساتھ مقابلہ مطلوب نہیں ہوتا اور افعل کو اپنے معنے میں رہنے دینا بھی جائز ہوتا کیونکہ اس وقت مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی وقت بھی کسی کی کوئی ضرورت نہیں بخلاف اس کے مضاف الیہ کے کہ وہ کسی نہ کسی وقت اسے محتاج ضرور ہوتی ہے۔

اور فرمایا:

من عمل عملا اشرک فیہ معی غیری ترکتہ و شرکہ۔

شرح مع ترجمہ شرکہ کے کاف کو فتح سے بمعنے مع شرکہ اور ترکتہ کی ضمیر من کی طرف راجع ہے یعنی وُہ بندہ جو ایسا عمل کرتا ہے جس میں وہ میرے ساتھ دوسرے کو شریک کرتا ہے میں اس کے شرک کے ساتھ اسے چھوڑ دوں گا یعنی ریاکار کو اس کے عمل کا کوئی ثواب عطا نہ ہوگا۔

شرک کے اقسام (۱) سب سے بڑا شرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو اس کی ذات میں شریک سمجھنا۔
(۲) اس کے افعال میں کسی کو شریک ماننا، جیسے ایک فرقہ کہتا ہے کہ بندے اپنے افعالِ اختیاریہ کے خود خالق ہیں۔
(۳) اس کی عبادت میں کسی دوسرے کی مدح و تعریف کا تصوّر کرنا، جسے ریاء کہا جاتا ہے۔ حدیثِ قدسی میں یہی مراد ہے۔

مسئلہ: شیخ ابوحامد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب ریاء کے ساتھ ثواب کی امید غالب ہو تو ہمارا گمان یہ ہے کہ ثواب ضائع نہ ہوگا (واللہ اعلم) اگرچہ ثواب کامل نہ سہی لیکن کچھ اجر ملے گا ضرور۔ ہاں حدیث قدسی میں وہ ریاء مراد ہے جو عمل میں بندوں کی تعریف کا خیال غالب ہو۔

مسئلہ: شیخ کلاباذی رحمہ اللہ نے فرمایا، جب عمل کی ابتدا میں ثواب کی نیت ہو تو بعد کا ریاکار مضر نہیں، نہ ہی اس عمل کو کوئی شے ضائع کر سکتی ہے کیونکہ ریاء وہ ہے جو عبادت کے شروع میں کسی دوسرے کی تعریف کرنے کے ارادہ پر ہو۔ اہلِ سنّت کے نزدیک اس آیت خلطوا عملاصالحا و آخر سیئا (انہوں نے عمل صالح میں برائی کو ملا دیا) سے یہی مراد ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ برائیوں سے اعمال صالح ضائع ہو جاتے ہیں ہم ان کے جواب میں کہتے ہیں کہ اگر ایسے ہو تو پھر کسی بھی بندۂ خدا کے اعمال صالحہ دنیا سے بچ کر نہیں جا سکتے کذا فی مشارق الانوار لابن الملک۔

مسئلہ: اشباہ میں تاتارخانیہ سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ اگر کسی نے شروع میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے ارادے پر نماز کا آغاز کیا پھر دل میں ریاء کا خیال آیا تو اس کا دارومدار اسی شروع کی نیت پر ہوگا۔ اس لیے کہ ریاء یہ ہے کہ اگر لوگ ہیں تو نماز پڑھتا ہے ورنہ نہیں یا لوگوں میں تو نہایت خشوع و خضوع سے عبادت کرتا ہے اور تنہائی میں ایسا نہیں کرتا اگرچہ اسے نماز کا ثواب ملے گا لیکن رُوحِ صلوٰۃ سے محروم رہے گا۔

مسئلہ: روزہ میں ریاء کو دخل نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ: ایسے ہی درود شریف پڑھنے میں بھی ریاء کو دخل نہیں ہوتا۔

سبق: عاقل پر لازم ہے وہ کشف و عیان میں جد و جہد کرے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ نصیب ہو۔ اور یہ اسے ہر فعل مامور بہ کے عمل پر ہو۔ اعمال کی ادائیگی میں مخلوق میں سے کسی کا بھی خیال تک دل میں نہ ہو۔ تم نے کسی اللہ والے کو نماز پڑھتے دیکھا ہوگا کہ وہ نماز کے وقت اللہ تعالیٰ سے لَو لگا لیتا ہے اسے کسی شے کا تصوّر نہیں رہتا اس وقت اس کے لیے ہر شے کا وجود و عدم برابر ہوتا ہے۔ بہرحال ریاء ایک وہم و خیال ہے اللہ تعالیٰ نے بندوں کو بند کر کے ان میں قدرت علی الحرکۃ پیدا فرمائی اور رزق اپنے ذمۂ کرم لگایا تو پھر شرک اور ریاء کیوں؟

اگر جز بحق میرود جادہ است
در آتش فشانند سجادہ است

(بقیہ ص ۱۶۸ پر)

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا
چمکی خرابی خشکی اور تری میں ان برائیوں سے جو لوگوں کے ہاتھوں نے کمائیں تاکہ انہیں ان کے بعض کوتکوں کا مزہ چکھائے
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٤١﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
کہیں وہ باز آئیں تم فرماؤ زمین میں چل کر دیکھو کیسا انجام ہوا
الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ ۚ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ﴿٤٢﴾ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ
اگلوں کا ان میں بہت مشرک تھے تو اپنا منہ سیدھا کر عبادت کے
الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ ۖ يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ ﴿٤٣﴾
لیے قبل اس کے کہ وہ دن آئے جسے اللہ کی طرف سے ٹلنا نہیں اس دن الگ پھٹ جائیں گے
مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِأَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُونَ ﴿٤٤﴾
جو کفر کرے اس کے کفر کا وبال اسی پر اور جو اچھا کام کریں وہ اپنے ہی لیے تیاری کر رہے ہیں
لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ
تاکہ صلہ دے انہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اپنے فضل سے بے شک وہ کافروں کو
الْكَافِرِينَ ﴿٤٥﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ وَلِيُذِيقَكُمْ مِنْ
دوست نہیں رکھتا اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ ہوائیں بھیجتا ہے مژدہ سناتی اور اس لیے کہ تمہیں
رَحْمَتِهِ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٤٦﴾
اپنی رحمت کا ذائقہ دے اور اس لیے کہ کشتی اس کے حکم سے چلے اور اس لیے کہ اس کا فضل تلاش کرو
وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ فَجَاءُوهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ
اور اس لیے کہ تم حق مانو اور بے شک ہم نے تم سے پہلے کتنے رسول ان کی قوم کی طرف بھیجے تو وہ ان کے پاس
فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرَمُوا ۖ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٧﴾ اللَّهُ
کھلی نشانیاں لائے پھر ہم نے مجرموں سے بدلہ لیا اور ہمارے ذمۂ کرم پر ہے مسلمانوں کی مدد فرمانا اللہ ہے کہ
الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ
بھیجتا ہے ہوائیں کہ ابھارتی ہیں بادل پھر اسے پھیلا دیتا ہے آسمان میں جیسا چاہے اور اسے پارہ پارہ کرتا ہے
كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ ۖ فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ
تو تو دیکھے کہ اس کے بیچ میں سے مینہ نکل رہا ہے پھر جب اسے پہنچاتا ہے اپنے بندوں میں جس کی طرف
عِبَادِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿٤٨﴾ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ
چاہے جبھی وہ خوشیاں مناتے ہیں اگرچہ اس کے اتارنے سے پہلے آس توڑے ہوئے تھے

مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿٤٩﴾ فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ
تو — کی — رحمت — کے — اثر — دیکھو کیونکر زمین — اللہ — کو جلاتا ہے

مَوْتِهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٥٠﴾ وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا
اس کے مرے پیچھے بے شک یہ مُردوں کو زندہ کرے گا اور وہ سب کچھ کرسکتا ہے اور اگر ہم کوئی ہوا

رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿٥١﴾ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا
بھیجیں جس سے وہ کھیتی کو زرد دیکھیں تو ضرور اس کے بعد ناشکری کرنے لگیں اس لیے کہ تم مردوں کو نہیں

تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاۗءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿٥٢﴾ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ۭ
سناتے اور نہ بہروں کو پکارنا سناؤ جب وہ پیٹھ دیکر پھریں اور نہ تم اندھوں کو ان کی گمراہی سے راہ پر لاؤ

اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٥٣﴾ ع
تو تم اسی کو سناتے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے تو وہ گردن رکھے ہوئے ہیں

تفسیر عالمانہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فساد پھیل گیا فِی الْبَرِّ جنگلوں میں، جیسے قحط اور کھیتوں کی کمی اور تجارت میں منافع کی قلت اور کثرتِ اموات اور کھیتوں میں کیڑے پڑ جانے اور حیوانات میں دودھ اور نسل کی کمی اور ہر شے سے برکات کے اٹھ جانے کے۔

ف: اور وقوع الموتان بضم المیم کبطلان الموت الشائع فی الماشیہ (وہ موت جو جانوروں میں پھیل جاتے) اور لوگوں میں وبا اور طاعون کا ظہور ہونا۔ ایسے ہی آگ کے شعلے بھڑک اٹھنا بھی فساد فی الارض ہے۔ وکثرۃ الحرق بفتحتین۔ احراق کا اسم ہے ایسے ہی دشمنوں کا غلبہ اور جنگیں و دیگر حوادث (جیسے آجکل ایکسیڈنٹ ہو رہے ہیں اور دیگر عوارض جیسے مہنگائی، جھگڑے، فسادات وغیرہ) بھی فساد فی الارض کا نتیجہ ہے۔

وَالْبَحْرِ اور دریا کا فساد۔ جیسے ڈوب کر مرنا۔ الغرق بفتحتین ۔ اغراق کا اسم ہے۔ اور بارش کے انقطاع سے دریائی جانوروں کا اندھا ہونا کیونکہ ایسے جانوروں کے لیے بارش ایسے ہے جیسے انسانی آنکھوں کے لیے سُرمہ۔ ایسے ہی دریائی شکاریوں کا موتیوں سے محروم ہونا، اس لیے کہ یہ موتی بہار کی بارش سے پیدا ہوتے ہیں اگر اس موسم میں بارش نہ ہو تو موتی نہیں بنتے۔

موتیوں کی تحقیق بہار کے موسم میں ہوائیں چلتی ہیں تو دریاؤں میں موجیں اٹھتی ہیں اور دریا خود بڑی موج میں ہوتا ہے۔ چیت کی اٹھارھویں تاریخ کو صدف منہ کھولتا ہے یہ زیادہ تر بحر الہند و الفارس میں ہوتے ہیں۔ ان کی عجیب سی آواز ہوتی ہے ان کے پیٹ میں

ایک چھوٹا سا کیڑا ہوتا ہے اور صدف کے دونوں کناروں پر دو پر ہوتے ہیں جو انہیں دشمنوں سے بچاتے ہیں ان کے دشمن سرطان البحر ہیں جو انہیں کھانے کے درپے رہتے ہیں۔ وہ انہیں پکڑنے کے لیے عجیب وغریب طریقہ اپناتے ہیں کبھی وہ ان کے قریب ہوکر ان کے پر کھولتے وقت اپنے پنجے ان کے پروں کے درمیان ڈال کر انہیں کھا جاتے ہیں کبھی اپنے پنجے میں مٹی کا ایک گول ڈھیلا رکھتے ہیں جب وہ پر کھولتے ہیں تو وہ ڈھیلا ان کے پروں کے درمیان رکھ دیتے ہیں جس سے ان کے پر کمزور ہو جاتے ہیں تو یہ انہیں لقمہ بنا لیتے ہیں اٹھارہ چیت کو تمام اصداف جن میں موتی حاصل کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے دریا کی گہرائی سے نکل کر دریا کے اوپر آجاتے ہیں یہاں تک کہ دریا کا وہ حصہ موتیوں کی طرح سفید نظر آتا ہے ان پر ایک بادل چھا جاتا ہے اور بارش برساتا ہے ان میں جس کی قسمت میں موتی ہوتا ہے وہ منہ کھولتا ہے، بارش کے قطرات اس کے پیٹ میں چلے جاتے ہیں۔ کسی میں ایک کسی میں دو کسی میں تین یہاں تک کہ دو سو قطرات تک بھی ایک صدف کے پیٹ میں چلے جاتے ہیں بلکہ اس سے زیادہ بھی۔ یہ اصداف منہ بند کرتے ہیں۔ لیکن زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتے۔ بلکہ جن کے پیٹ میں قطرے پہنچتے ہیں وہ فوراً مر جاتے ہیں اور دریا کی گہرائی میں چلے جاتے ہیں جہاں پہنچ کر ٹھہر جاتے ہیں۔ دریا کا پانی انہیں اِدھر اُدھر نہیں لے جا سکتا یہاں تک کہ موتی کے اردگرد کا حصہ خود بخود گل جاتا ہے لیکن پانی موتی کے اندر نہیں جا سکتا۔ یہاں تک کہ تمام اصداف کا گوشت پوست پانی میں حل ہو جاتا ہے اور صرف موتی باقی رہتے ہیں۔

بہترین اور ردّی موتی ان سب میں بہترین اور قیمتی موتی وہ ہوتا ہے جو صدف کے بطن میں اکیلا ہوتا ہے اس کے بعد [illegible] پھر تین، اسی طرح جتنے زیادہ ہوتے جاتے ہیں اتنے ہی ردّی ہوتے جاتے ہیں۔ وہ اکیلا موتی موٹا اور سب سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ جتنے قطرات صدف میں زیادہ ہوں گے اُتنے ہی وہ چھوٹے اور قیمت میں کم ہوں گے۔ درِ یتیم وہی ہے جو تنہا ہے۔ اس کی قیمت کا کیا کہنا۔ اس کے بعد نمبر ان کا ہے جو دو ٹھہرے، پھر تین کا الخ

صـ ۱۶۵ سے آگے

ترجمہ: اگر تیرا طریقہ عمل غیر حق کے لیے ہے تو تیرے مصلّے کو آگ میں پھینک ماریں گے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے خلاص عن الاغیار اور ملاحظات وافکار قلب سے نکالنے کی دعا کرتے ہیں کہ ہم سوائے اس کی طرف توجہ اور اس کے غیر کے حضور سے پناہ مانگتے ہیں ؎

ترا بکو ہر دل کردہ اند امانتدار
ز دزد امانت حق را نگاہ دار مخسپ

ترجمہ: تجھے دل کے امور کا پہرے دار مقرر کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کی امانت کے چور پر نگاہ رکھ، سو نہ جا (یعنی غافل نہ ہو)

۱ ز برِ افگند قطرۂ سُوئے یم
ز صلب او افگند نطفہ در شکم

۲ ازاں قطرہ لؤلؤ لالا کند
و زیں صورتے سرو بالا کند

ترجمہ: (۱) آسمان سے دریا کی طرف پانی کا قطرہ گراتا ہے۔ انسان کی پیٹھ سے نطفہ عورت کے شکم میں گراتا ہے۔
(۲) اُس قطرے سے چمکدار موتی بناتا ہے اور اس نطفے سے حسین شکل سرو کی طرح بناتا ہے۔

صدف کے اطوار صدف تین اطوار سے تبدیل ہوتا ہے:
(۱) حیوانیت میں جب وہ بارش کا قطرہ پیٹ میں لیتا ہے تو مرکر پتھر ہو جاتا ہے اسی لیے دریا کی تہہ میں جاکر قرار پکڑتا ہے۔
(۲) اس کا پتھر میں تبدیل ہونا ہی دوسرا طور ہے۔
(۳) درخت کے طور پر بدلتا ہے جب کہ پتھر سے پھٹ کر دریا میں درخت کی طرح پھیلتا ہے۔ یعنی اس کی جڑیں دریا میں ادھر ادھر پھیل جاتی ہیں۔ یہ عزیز علیم کی قدرت ہے وہ جس طرح چاہے کرے۔

موتی نکالنے کا موسم ان موتیوں کا اصداف کے پیٹ میں جانے اور پھر ان کے پختہ ہونے کی مدت کو غواص ہی جانتے ہیں اسی لیے موسمِ خاص میں وہ دریا پر جمع ہوکر قسمت آزمائی کرتے ہیں جن کی قسمت میں جو لکھا ہوتا ہے وہ غوطہ لگا کر نکال لیتا ہے۔ اس موسم میں تجار بھی آتے ہیں جو حسب قدر و منزلت قیمت دے کر موتی لے جاتے ہیں۔

جنگل کے موتی اٹھارھویں چیت کو ان سانپوں کے بچے زمین پر ظاہر ہوتے ہیں جو اسی سال اپنی ماؤں کے پیٹ میں تھے۔ پھر وہ بچے دریا کے اصداف کی طرح زمین پر کھلے میدان میں منہ کھولتے ہیں ان کے منہ میں بارش کے قطرات پہنچتے ہیں۔ یہ قطرات لے کر زمین کی تہہ میں چلے جاتے ہیں۔ پھر جب دریا کے اصداف کے حمل کی مدت مکمل ہوتی ہے اور وہ صاف موتی ہوتے ہیں تو ان سانپوں کی زہر اور بیماری بنتی ہے۔

سبق قدرتِ ایزدی پہ قربان کہ پانی ایک ہے لیکن برتن مختلف۔ ایک میں موتی بن گئے دوسرے میں زہر اور بیماری۔ اسی قدرت کی شان کو دیکھ کر کسی شاعر نے کہا ہے: ؎

ارى الاحسان عند الحرّ دينا
وعند النذل منقصة وذمّا

کقطر الماء فی الاصداف درّا

وفی جوف الافاعی صار سما

ترجمہ : میں اللہ تعالیٰ کے احسان کو مخلص کے ہاں دین دیکھتا ہوں۔ لیکن بدبخت کے نزدیک وہی احسان نقص اور مذمت بن جاتا ہے جیسے پانی کے قطرات اصداف میں موتی بنتے ہیں لیکن سانپوں کے جوف میں زہر قاتل۔

کذا فی خریدۃ العجائب وفریدۃ الغرائب للشیخ العلامہ ابی حفص الوردی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں بر (جنگل) سے نفس اور بحر (دریا) سے قلب مراد ہے اور فسادِ نفس سے اکلِ حرام وارتکابِ ممنوعات واتباعِ شہوات مراد ہے اور قلب کے فساد سے بُرے عقاید اور لزوم الشبہات اور خواہشاتِ نفسانیہ کا تمسک اور بدعات سیئہ اتباع اور اوصافِ مذمومہ سے موصوف ہونا اور حُبِّ دنیا اور اس کی زینت پہ فریفتہ ہونا اور طلبِ شہوات اور دنیاوی منافع کا عشق مراد ہے اور قلب کا سب سے بڑا فساد مخالفاتِ احکامِ الٰہیہ پہ کمربستہ ہونا ہے جیسے اس کے بہت بڑے خیروخیرات سے توجہ الی الحق واعراض عن الباطل ہے۔

ف : علمائے ظاہر کی زبان بڑا فساد ہے جب وہ تاویلاتِ فاسدہ کے درپے ہوں۔ اور علمائے باطن کا فساد یہ ہے کہ وہ باطل اور غلط دعاوی کا اظہار کریں۔ ؎

ماہ نادیدہ نشانہا می دہند

ترجمہ : وہ نادیدہ چاند کی نشان دہی کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ بسبب نحوست ان معاصی کے، جن کا بحر و بر میں لوگ ارتکاب کرتے ہیں۔

ف : ایدی کی تخصیص اس لیے کہ عموماً اعمال ان کے ذریعے سے ہوتے ہیں۔

مسئلہ : اس میں اہلسنّت کے مذہب کی تائید ہے کہ کسب بندے کا کام ہے اور خلق و تقدیر اللہ کی۔

تفسیر صوفیانہ طاعت سورج کی مانند ہے کہ جس طرح اس کے انوار سے آفاق روشن ہے ایسے ہی طاعات کی برکات سے عالمِ دنیا پھلتا پھولتا ہے کیونکہ طاعات اللہ تعالیٰ کا لطف خاص ہے اور معصیت اندھیری رات کی طرح ہے جیسے رات کی تاریکی ہر سمت پھیل جاتی ہے ایسے ہی نحوست اقارب وغیر اقارب کو گھیر لیتی ہے۔ یہ قہرِ الٰہی کی تاثیرات سے ہے۔

زمین پر پہلا فساد زمین پر جو سب سے پہلا فساد ہُوا وہ قابیل کا ہابیل کو قتل کرنا ہے۔

دریا میں پہلا فساد بادشاہ جلندی کا کشتیاں چھیننا دریا کا پہلا فساد ہے۔ اسی لیے مثال مشہور ہے: اظلم من ابن الجلندی۔

(فلاں ابن الجلندی سے زیادہ ظالم ہے)

ف: مثال میں ابن کا لفظ زائد ہے۔ کما فی انسان العیون

اعجوبہ: یہ ظالم حجاج بن یوسف کے اجداد سے ہے۔ درمیان ستر پشتوں کا فاصلہ ہے۔

بے ادبی کی نحوست پہلے تمام زمین سرسبز اور شاداب تھی۔ ہر درخت صاحبِ ثمر تھا۔ ابنائے آدم جس درخت سے چاہتے پھل حاصل کر لیتے۔ دریا کا پانی میٹھا تھا اور شیر بکری گائے اکٹھے چرتے تھے۔ لیکن جب سے قابیل نے ہابیل کو قتل کیا زمین پر تغیر آ گیا اور درخت کانٹے دار بن گئے اور دریا کا پانی نمکین اور کڑوا ہو گیا۔ اور بعض جانور بعض دوسروں کی جان کے دشمن بن گئے۔

حکایت کسی نبی علیہ السلام کو کانٹا چبھا تو انہوں نے اس پر لعنت کی۔ تو کانٹے نے کہا: یہ میرا قصور نہیں۔ میں تو ابنائے آدم کے گناہوں کی شامت ہوں۔

فقیر (اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے:

چوں عمل نیکو بود گلہا دمد

چونکہ زشت آید بروید خار زار

گر بد و گر نیک باشد کار تو

ہر چہ کاری بدروی انجام کار

ترجمہ: جب عمل نیک ہوں تو گل پیدا ہوتے ہیں اگر بُرے ہوں تو کانٹے۔
تیرا کام نیک ہو یا بُرا۔ اگر بُرائی کرے گا تو انجام بُرا ہوگا۔

لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا تاکہ انہیں بعض اعمال کا مزہ چکھائے۔ لام علت کی ہے۔ الذوق منہ کا مزہ کڑوا یا میٹھا۔ لیکن اس کا اکثر استعمال میٹھے کے لیے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دنیوی اسباب فاسد بنا دئے بسبب ان کے بُرے اعمال کے، تاکہ انہیں بُرے اعمال اور اعراض عن الحق کی سزا کا مزہ چکھائے اور خوف و رنج اور مصائب کے ذریعے انہیں عذاب دے۔ اور یہ بھی بعض گناہوں کی سزا ہے ورنہ ان کے تمام جرائم کی سزا تو انہیں قیامت میں ملے گی۔ یا لام عاقبت کی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ ان کے بُرے اعمال کی سزا انجام بد ہے (نعوذ باللہ) لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ تاکہ اس سے لوٹ آئیں جو ان سے شرک معاصی، غفلتیں، اتباعِ شہوات اور تضییعِ اوقات جیسی بُرائیاں سرزد ہو رہی ہیں اور توحید و طاعت و طلبِ حق اور جہد فی العبودیت و تعظیم الشرع اور فوت شدہ نیک اعمال پر تاسف جیسی نیکیوں میں لگ جائیں۔ اس کی مثال موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے متعلق ارشادِ گرامی ہے

ولقد اخذ نا آل فرعون بالسنین ونقص من الثمرات لعلهم یذکرون۔

(اور بے شک ہم نے فرعون والوں کو قحط سالی اور ثمرات کی کمی کر کے پکڑا تاکہ وہ لوٹ آئیں) یعنی نصیحت حاصل کریں۔ لیکن نہ لوٹے یعنی نصیحت حاصل نہ کی۔

سبق: اس میں تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قحط اور نقص ثمرات و بنات میں مبتلا کرنا اس کا لطف و کرم ہے تاکہ بندے برائی سے بچ کر نیکیوں کی طرف متوجہ ہوں ؎

۱ بارہا پوشد پے اظہار فضل
باز گیرد از پے اظہار عدل

۲ تا پشیمان مے شوی از کار بد
تا حیا داری ز اللہ الصمد

ترجمہ: (۱) کئی بار اپنے فضل سے بندے کی عیب پوشی کرتا ہے لیکن اسے بطور عدل پکڑ بھی لیتا ہے۔

(۲) تاکہ تم گناہوں سے پشیمان ہو کر چھوڑ دو تاکہ تمہیں اللہ بے نیاز سے حیا آئے۔

نہ تنہا خودرا داشت بد

اللہ تعالیٰ نے معاصی کی نحوست سے اشیاء کثیرہ کو بدلا:

(۱) ابلیس کی صورت اور نام کو بدلا، اس کا نام حارث اور عزازیل تھا۔

(۲) حام بن نوح علیہ السلام کو سیاہ حبشی بنا دیا جب اس نے نوح علیہ السلام کو نیند کی حالت میں ننگا دیکھا اور ہنس دیا۔ پھر والدِ گرامی کو بتایا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے کالا سیاہ بنا دیا۔ اس سے ہندی وحبشی پیدا ہوتے۔

(۳) موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو بندر بنا دیا۔

(۴) عیسٰی علیہ السلام کی قوم کو خنزیر بنا دیا۔

(۵) قبطیوں کے پانی اور رمال کو خون اور پتھر سے بدل دیا۔

(۶) امیہ بن ابی الصلت باوجودیکہ فصیح و بلیغ تھا، نیند میں تھا، پرندے نے اس کے منہ میں چونچ ڈال کر تمام علم چھین لیا، جاگا تو جاہلِ مطلق تھا۔

(۷) ایک شخص کو ماں نے بلایا تو جواب نہ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے گونگا بنا دیا۔

(۸) برصیصا کی ولایت اور ایمان چھین لیا جب اس نے شراب پی اور زنا کیا، حالانکہ یہ دو سو برس سالہ عابد تھا۔

گندم کا دانہ شتر مرغ کے انڈے کے برابر تھا

جب آدم علیہ السلام زمین پہ تشریف لائے تو میکائیل علیہ السلام آپ کے ہاں شتر مرغ

کے انڈے کے برابر گندم کا ایک دانہ لاتے اور عرض کی ، یہ آپ کا اور آپ کی اولاد کا رزق ہے اسے زمین میں بوئیے۔ پھر اس وقت سے ادریس علیہ السلام کے زمانے تک شتر مرغ کے انڈے کے برابر رہا ۔ پھر ابنائے آدم کے معاصی کی نحوست سے گھٹتا ہوا مرغی کے انڈے کے برابر رہ گیا ، پھر کبوتر کے انڈے کے برابر ، پھر پستہ کے برابر ہوگیا ۔ حضرت عزیر علیہ السلام کے زمانے میں چنے کے برابر تھا کذا قال کعب الاحبار ۔

بعض جرائم کی سزا احادیث صحیحہ میں وارد ہے :

(۱) ان ظہور الفاحشۃ فی قوم و اعلانہا سبب لفشو الطاعون والاوجاع ۔

(۲) ونقص المیزان والمکیال سبب للقحط وشدۃ المؤنۃ وجور السلطان ۔

(۳) ومنع الزکاۃ سبب لانقطاع المطر ولولا البہائم لم یمطروا ۔

(۴) ونقض عہد اللہ وعہد رسولہ سبب لتسلط العدو ۔

(۵) واخذ الاموال من ایدی الناس وعدم حکم الائمۃ بکتاب اللہ سبب لوقوع السیف والقتال بین الناس ۔

(۶) واکل الربا سبب للزلزلۃ والخسف فضرر البعض یسری الی الجمیع ۔

(ترجمہ : (۱) فاحشہ کا ظہور و اعلان قوم میں طاعون اور درد و الم کا سبب بنتا ہے۔

(۲) اور بھر تول کی کمی سے قحط اور عیال کی پریشانی اور جورِ سلطان پیدا ہوتا ہے ۔

(۳) اور زکوٰۃ نہ دینے سے بارش کی بندش ہوتی ہے اگر جانور نہ ہوتے تو کبھی بارش نہ ہوتی۔

(۴) عہد اللہ وعہدِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو توڑنا دشمن کے تسلط کا سبب بنتا ہے ۔

(۵) اور لوگوں کا ناحق مال چھیننا اور حکام کا کتاب اللہ وسنتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر عمل نہ کرنا جنگ وجدال اور قتل وخون کا موجب ہے۔

(۶) اور سود سے زلزلہ وخسف ہوتا ہے بعض کرداروں کے اثرات سب پر پڑتے ہیں ۔

خشک و تر تمام برابر بُروں کی برائی سب لوگوں پر اثر انداز ہوتی ہے ۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ جو شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے قیامت میں تمام مخلوق انسان ، جانور اور وحوش و طیور اور چیونٹیاں اس کے مدعی ہوں گے ۔

سبق : لازم ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کی طرف رجوع اور توبہ کرے اور اپنی اصلاح کرے ۔ اسی میں اس کی فوز وفلاح ہے ۔

حکایت حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ میں نے ایک عابد کو دیکھا کہ اس کا ایک پاؤں عبادت خانہ سے باہر پڑا ہے اور اس سے پیپ بہہ رہی ہے ۔ میں نے اس سے اس کا

سبب پُوچھا تو اس نے کہا کہ ایک دفعہ میرے ہاں ایک عورت زیارت کے لیے آئی اور میری عبادتگاہ کے قریب باہر سو گئی میرا اس کے ساتھ زنا کا ارادہ ہُوا۔ اس ارادے سے میں نے یہ پاؤں باہر نکالا تو مجھ پر خوفِ خدا طاری ہو گیا۔ میں نے قسم کھائی کہ اب اس فاجر پاؤں کو اپنے ساتھ نہ ملاؤں گا۔

سبق: اسے کہتے ہیں حقیقی توبہ!

ہم اللہ تعالیٰ سے عفو و عافیت اور سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔ مثنوی شریف میں نصوح کی توبہ کا مقولہ اس شعر میں بند کیا گیا ہے: ؎

توبہ کردم حقیقت با خدا
نشکنم تا جان شدن از تن جدا

تفسیر عالمانہ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! فرمائیے کہ اے مشرکو! زمین میں گزشتہ اقوام کے انجام دیکھنے کے لیے مختلف علاقوں کا سفر کرو فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ط پھر دیکھو ان کا انجام جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔

سوال: فانظروا فیہ او الیہ کیوں نہیں فرمایا؟

جواب: تاکہ اس طرف اشارہ ہو کہ ان کے احوال و مشاہدات و آثار دکھانے مطلوب ہیں نہ کہ صرف علاقے۔

كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ○ جو لوگ پہلے گزرے ہیں ان میں سے اکثر مشرک تھے اور تباہ و برباد ہُوئے۔ تو بھی شرک اور کفر کی نحوست سے یہ جملہ مستانفہ ہے تاکہ دلالت ہو کہ انھیں یہ سزا محض شرک کے ارتکاب سے ملی۔ یا معنیٰ یہ ہے کہ ان میں شرک کی بُرائی بہت تھی بخلاف دیگر معاصی کے کہ ان میں بہ نسبت شرک کے کم تھے۔ فلہذا اے قریشِ مکہ! تم بھی شرک سے بچو تاکہ تمہارا انجام برباد نہ ہو فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اپنا چہرہ اس دین کے لیے سیدھا کیجئے جو نہایت درجے کا مستقیم ہے اس میں کسی قسم کا ٹیڑھا پن نہیں۔ اس سے دین اسلام مراد ہے مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ اس سے پہلے کہ قیامت کا دن آئے لَّا مَرَدَّ لَهٗ جسے کوئی رکاوٹ نہیں یعنی کسی کو ایسی ہمت نہیں کہ اسے روک سکے اور نہ ہی اس وقت کا ایمان لانا نفع نہ دے گا مِنَ اللّٰهِ یہ یاتی کے متعلق ہے یا مردّ کے، کیونکہ وہ مصدر ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اسے اللہ تعالیٰ کبھی رَدّ نہ کرے گا اس لیے کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ارادے کا تعلق ہو چکا ہے اور اس کے وعدے میں کبھی خلاف نہیں ہوتا يَوْمَئِذٍ اہل المواقف کے حساب کے بعد قیامت میں يَّصَّدَّعُوْنَ ○ دراصل یہ یتصدعون تھا، تاء کو صاد میں مدغم کر کے مشدّد کیا گیا ہے۔ الصدع بمعنے سخت اشیاء، ذی اجسام اشیاء کا پھٹنا جیسے شیشہ، لوہا وغیرہ اسی سے استعارہ ہے صدع الامر بمعنے جُدا ہو گیا۔ یعنی فیصلہ ہو گیا الصداع

بیٹے سر کا درد سے پھٹنا اور الفجر کو الصدیع کہتے ہیں کیونکہ وُہ رات سے چھٹ کر باہر آتی ہے اب معنیٰ یہ ہُوا کہ قیامت میں دو گروہ ہو جائیں گے، ایک بہشت میں جائے گا اور دوسرا جہنم میں چنانچہ فرمایا مَنْ كَفَرَ جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کُفر کرتا ہے فَعَلَيْهِ تو صرف اسی پر ہوگا كُفْرُهٗ اس کے کفر کا وبال اور اس کی جزا دائمی جہنم ہوگی وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا اور جو عمل صالح کرتا ہے یعنی توحید کے بعد طاعتِ خالص فَلِاَنْفُسِهِمْ تو وہ صرف اپنے لیے يَمْهَدُوْنَ ۙ المھد دراصل بچے کے لیٹنے کی جگہ کی اصلاح کو کہا جاتا ہے۔ پھر بطورِ استعارہ ہر چھوٹے بڑے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ وُہ اپنی بہتر جگہ بہشت میں بناتے ہیں۔ یعنی اعلیٰ بستر بہشت کے تیار کر رہے ہیں۔ یا یہ تمہید سے ہے۔ یعنی یہ نیک عمل ان کے لیے قبر میں لیٹنے کی بہتر جگہ کی تمہید ہیں کیونکہ اعمال صالحہ قبر اور جنت کے بہتر اور اعلیٰ منزل و ماویٰ ہیں۔

قبور کے مقیم کا حال مروی ہے کہ برزخ میں بہترین بستر جن میں عطر و کستوری اور اعلیٰ سرہانے جن کے اندر باہر کے حصے سندس و استبرق کے ہیں جو قیامت تک اہل عمل صالح کو نصیب ہوں گے۔

حدیث شریف میں ہے:

ان عمل الانسان یدفن معه فی قبره فان کان العمل کریما اکرم صاحبه وان کان لئیما اسلمه۔

(عمل انسان کی قبر میں اس کے ساتھ دفن کیا جاتا ہے۔ اگر نیک عمل ہے تو اہلِ عمل کی عزّت افزائی ہوگی اگر بُرا ہے تو وہ حُزن و ملال میں مبتلا ہوگا)

شرح الحدیث اگر نیک عمل ہے تو اہلِ عمل سے مانوس ہوگا اور اسے خوشخبری دے گا اور اس کی قبر کو فراخ اور منور کر دے گا اور ہر درد اور دُکھ سے اس کی حفاظت کرے گا۔ اگر بُرا عمل ہے تو اس کے اہل کو ڈرائے گا اور اس کی قبر کو تاریک و تنگ بنا دے گا اور ہر قسم کے دُکھ درد میں مبتلا رکھے گا اور وبال و عذاب اس کے سوا ہے

برگ عیشے بگور خویش فرست
کس نیارد زپس ز پیش فرست

ترجمہ: عیش و عشرت کے سامان اپنی قبر میں خود بھیج تیرے پیچھے کوئی نہیں لائے گا۔ اپنے جانے سے پہلے خود ہی بھیج۔

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تاکہ دُنیا میں ایمان لانے والوں وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور نیک عمل والوں

کو جزا دے۔ اس سے وہ اعمال صالحہ مراد ہیں جو صرف رضائے الٰہی پر ہوں مِنْ فَضْلِهٖ اپنے فضل و کرم سے۔ اس کا تعلق یجزی سے ہے یعنی تاکہ ہر نیک و بد کو ان کے اعمال کے مطابق جزا و سزا دے۔

تائیدِ اہلسنّت: چونکہ اہلِ ایمان کی جزا مقصود بالذات ہے اسی لیے اس کا ذکر کر کے اسے فضل سے متعلق فرمایا۔ یہی اہلسنّت کا مذہب ہے کہ اعمالِ صالحہ پر جزائے خیر عطا فرمانا بھی اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے بخلاف معتزلہ کے، کہ وہ کہتے ہیں کہ اعمال کی جزا دینا اس پر واجب ہے۔

اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ۝ وہ کافروں کو پسند نہیں فرماتا۔ یہ دُوسرے فریق (کفار) کی سزا کا بیان ہے اس لیے کہ ان سے محبت نہ کرنا ان سے بغض کرنے کا اشارہ ہے اور اس کا بغض لامحالہ غضب کا داعی ہے اور یہی اس کی سزا و عذاب کی علامت ہے۔

ف: بعض نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کافروں سے یہ سلوک ہو گا کہ اہلِ ایمان سے جُدا کر کے انہیں دوزخ میں بھیجا جائے گا۔

وحیِ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا: میرا دوزخ کا پیدا کرنا بخل کی علامت نہیں بلکہ اس لیے ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ میرے محبوب و مبغوض یکجا ہوں، اس لیے اپنے دشمنوں کو دوزخ میں بھیجوں گا اور دوستوں کو بہشت میں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے دوستوں کی رہائش گاہ کا اور دشمنوں کی رہائش گاہ سے پناہ کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیرِ صُوفیانہ

آیات میں چند اشارات ہیں:

(۱) نظرِ عبرت سے دیکھنا طریقِ حق میں ترقیِ اسباب سے ہے۔

(۲) اس لیے کہ بعض سالکین بعض احوال میں پہنچ کر سکون پاتے ہیں اور بعض ان کے بعض مقامات کو طے کر کے غیر اللہ کی طرف التفات کر کے شرک کا ارتکاب کر جاتے ہیں جو کامل استعداد کے مالک ہیں وہ ان مقامات کو طے کرتے وقت شریعت و طریقت کے ذریعے آگے بڑھنے کی کوشش میں رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے نہ وُہ ڈگمگاتے ہیں اور نہ ہی گر کر تباہ و برباد ہو جاتے ہیں جیسا کہ بہت سے اس راہ پر چلنے والے تباہ و برباد دیکھے گئے ہیں [۱]

---

[۱] اسی کو امام اہلسنت فاضل بریلوی رحمہ اللہ نے فرمایا:

رضاؔ نفس دشمن ہے دم میں نہ آنا
کہاں ہم نے دیکھے ہیں چندرانے والے

(اویسی غفرلہٗ)

اے برادر بے نہایت درگہیست
ہر کجا کہ می رسی باللہ مأیست

ترجمہ: اے بھائی! یہ درگاہ غیر منتہا ہے جہاں تک پہنچو بخدا ٹھہرنا نہیں (بلکہ آگے بڑھنے کی کوشش کرنا)

(۲) سالک پر استقامت وسچی توجہ ضروری ہے اور یہ شریعت کی اتباع سے ہوگا۔ اپنی رائے وقیاس کو دخیل بنانے اور بدعت سیئہ کی اقتدا سے بربادی ہوگی جو شیخ کامل کا دامن نہ تھا، وہ کبھی منزلِ مقصود تک نہ پہنچے گا۔ اور شیخ سے کامل ولی مراد ہے جو خدا رسیدہ ہو۔ ورنہ نفع کے بجائے نقصان ہوگا ؎

زمن اے دوست ایں یک پند بپذیر
برو فتراک صاحب دولتے گیر
کہ قطرہ تا صدف را در نیابد
نگردد گوہر و روشن نتابد

ترجمہ: میرے بھائی! مجھ سے صرف ایک نصیحت یاد رکھ، وہ یہ کہ کسی صاحبِ دل کا دامن تھام۔ جیسے پانی کا قطرہ جب تک صدف کے منہ میں نہیں جاتا وہ گوہر اور روشن نہیں ہوتا۔

(۳) جو کسی اہلِ دل پر انکار کرتا ہے اس کا وبال خود اٹھائے گا، وہ یہ کہ ایمان کے حقائق سے محروم رہے گا اور اللہ تعالیٰ منکرینِ اولیاء کو پسند نہیں کرتا۔ اگر ان سے محبت کرتا تو ان کو صدق وطلب عطا فرماتا اور نہ ہی ہمیشہ کی محرومی اور رسوائی اور نقصان کا طوق ان کے گلے میں ڈالتا ؎

مغز را خالی کن از انکار یار
تاکہ ریحان یابد از گلزار یار

ترجمہ: مغز کو انکار یار سے خالی کر تاکہ تجھے بھی محبوب کے باغ سے پھول نصیب ہو۔

حدیث شریف میں ہے:

الاصل لا یخطیٔ۔

(اصل کبھی خطا نہیں کرتا)

یعنی اہلِ اقرار صفاتِ لطف سے نوازے جاتے ہیں اور اہلِ انکار صفاتِ قہر میں مبتلا ہوتے ہیں اس لیے کہ پہلے کی تخلیق پہلے یعنی اقرار سے اور دوسرے کی دوسرے یعنی انکار سے ہے ؎

شراب داد خدا مرمرا و سرکہ ترا
چو قسمت است چہ جنگ است مرمرا و ترا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ہمیں شرابِ حقیقت سے نوازا اور تمہیں سرکہ سے۔ جب یہ تقسیم ازلی ہے تو پھر ہماری اور تمہاری جنگ کیوں!

دعا: ہم اللہ تعالیٰ سے عشق و اشتیاق اور سلوک الی طریقۃ العشاق کا سوال کرتے ہیں اور ہر حال میں زیغ و ضلال سے پناہ مانگتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اور اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کی وحدت و قدرت سے ہے اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ یہ کہ چھوڑتا ہے ہواؤں کو شمال و جنوب و صبا سے، اس لیے کہ رحمت بھری ہوائیں ہیں۔ اور ریح دبور عذاب کی ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے دعا مانگی:

اللّٰھمّ اجعلھا ریاحا ولا تجعلھا ریحا۔

(اے اللہ! اسے ریاح بنا ریح نہ بنا)

ہواؤں کی تحقیق قاموس میں ہے: الشمال بالفتح و بالکسر۔ وہ جو مطلع الشمس و نبات النعش کے درمیان سے یا مطلع الشمس سے مسقط النسر الطائر تک چلے یہ رات کو بہت کم چلتی ہے اور جنوب کی ہوا شمال کی ہوا کی مخالف سمت سے چلتی ہے۔ یہ مطلع سہیل سے مطلع ثریا کے درمیان چلتی ہے اور صبا مطلع شمس سے اس وقت چلتی ہے جب دن رات برابر ہوں۔ اس کے بالمقابل دبور ہے۔ اور صبا طیب و رُوح سے موصوف ہوتی ہے کیونکہ شمال کی ٹھنڈک سے کم اور جنوب کی گرمی سے زائد ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

الریح من روح اللہ تأتی بالرحمۃ وتأتی بالعذاب فلا تسبوھا وسلوا اللہ خیرھا واستعیذوا باللہ من شرھا۔

(ریح، رُوح اللہ سے ہے یہ رحمت بھی لاتی ہے اور عذاب بھی۔ فلہٰذا اسے گالی نہ دو بلکہ اس کی رحمت مانگو اور اس کے شر سے پناہ طلب کرو)

حکایت متوکل خلیفہ کا ایک مکان تھا جسے بیت الشمال کے نام سے موسوم کرتا تھا۔ جب شمال کی ہوا چلتی تو وہ اس وقت ایک ہزار درہم خیرات کرتا۔

دریائے نیل کا اعجوبہ دریائے نیل کی درازی کا ایک راز یہ بتایا جاتا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ باد شمالی چلاتا ہے تو دریا کا پانی میٹھا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ ہمہ گیر ہو کر تمام شہروں میں پھیل جاتا ہے جب وہ اپنی طغیانی پر پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنوب کی ہوا چلاتا ہے تو پھر وہ پیچھے کو ہٹتا ہے یہی وجہ ہے کہ دُنیا میں اس جیسا کوئی ایسا دریا نہیں جو شمالاً جنوباً لمبا ہو بالخصوص گرمیوں میں جبکہ دُوسرے دریا موسم کے لحاظ سے گھٹتے بڑھتے ہیں سوائے نیل کے، یہ وہ مبارک دریا ہے کہ شہد سے زیادہ میٹھا اور مُشک سے زیادہ خوشبودار۔ شاید ہی کوئی ایسی جگہ ہو جہاں اس کی مٹھاس یا بُو میں تبدیلی ہو۔

ف: حضرت وکیع رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اگر ہوائیں اور مکھیاں نہ ہوں تو زمین پر بدبُو پھیل جائے۔

ف: بعض نے کہا کہ ہواؤں کا چلنا بہ تاثیر کواکب ہے کہ جونہی وہ مختلف سمتوں کو آتے جاتے ہیں ہوا میں مختلف

اطوار پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن اہلِ شرع کے نزدیک صحیح وہی ہے جو ہم نے اُوپر بیان کیا ہے کہ ہوائیں روح اللہ سے ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ رجاء کی ہوائیں عوام کے قلوب پر چلاتا ہے جس سے ان کے قلوب جرائم و معاصی سے دُھل جاتے ہیں اور ان سے نااُمیدی منقطع ہو جاتی ہے اور انہیں ان کے قلوب میں نورِ ایمان کی خوشخبری سناتا ہے اور بسط کی ہوائیں خواص کے ارواح پر چلاتا ہے جو انہیں قبض کے وحشت سے دھوتی ہیں اور ملاحظات الی الغیر کی گرد و غبار سے صاف کرتی ہیں۔ پھر انہیں درک وصال کی خوشخبری سناتا ہے۔

تفسیر عالمانہ چنانچہ فرمایا مُبَشِّرٰتٍ درانحالیکہ مخلوق کو بارش وغیرہ کی خوشخبری سُناتی ہیں وَلِيُذِيْقَكُمْ اور تاکہ تمہیں چکھائے مِّنْ رَّحْمَتِهٖ اپنی رحمت سے۔ اس سے وہ منافع مراد ہیں جو ہواؤں سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس کا معنیٰ مبشرٰت پر عطف ہے۔ گویا دراصل عبارت یہ تھی؛

لیبشرکم بہا ولیذیقکم۔

وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ اور تاکہ کشتیاں دریاؤں میں ہواؤں کے ذریعے چلیں بِاَمْرِهٖ اس کے حکم سے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ کشتیاں ہواؤں سے اور ہوائیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے چلتی ہیں جو درحقیقت کشتیاں بھی اللہ تعالےٰ کے حکم سے چلتی ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ اسرارِ محمدیہ میں ہے کہ کشتیوں کے چلنے میں ہواؤں پر سہارا نہ ہو کیونکہ یہ بھی توحید افعال اور حقایق الامور میں شرک ہے جسے عالم امر کا انکشاف ہوتا ہے۔ اسے یقین ہے کہ ہوا خود بخود نہیں چلتی بلکہ وُہ کسی دوسرے سے متحرک ہوتی ہے ایسے ہی اس کا بھی حرکت دینے والا ہے۔ یہاں تک کہ ان سب کا وہ متحرک ہے جسے کسی کی حرکت کی ضرورت نہیں بلکہ وہ حرکت و اوصاف سے منزّہ ہے بلکہ ان جملہ اوصاف سے جو مخلوق کے مشابہ ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ اور تاکہ اس کا فضل تلاش کریں۔ اس سے دریائی تجارت مراد ہے۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہُوا کہ تجارت کے لیے دریا کا سفر جائز ہے۔ اس کی شرائط جلد ثانی میں بیان ہو چکی ہیں۔

سود دریا نیک بودے گر نبودے بیم موج
صحبت گل خوش بدی گر نیستی تشویش خار

ترجمہ: دریا میں منافع بہت ہیں اگر اس کی موج کا خطرہ نہ ہو۔ گل کی صحبت بہتر ہے اگر کانٹا چُبھنے کا خوف نہ ہو۔

حضرت عطارؒ رحمہ اللہ کے اشعار سے ایک مشہور شعر ہے:

بدریا در منافع بے شمار ست
اگر خواہی سلامت در کنار ست

ترجمہ: دریا میں منافع بے شمار ہیں۔ اگر سلامتی چاہتے ہو تو کنارے پر رہو۔

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا شکر کرو جن کا ابھی ذکر ہوا۔ اور اس کی اطاعت کرو۔ اور اسے واحد لاشریک لہ مانو

مکن گردن از شکر منعم مپیچ
کہ روز پسیں سر برآرے بہیچ

ترجمہ: غلطی نہ کر اور نہ ہی اس کے شکر سے گردن پھیر، اس لیے کہ آخر دم میں تیرا سر کوئے عدم کو جائے گا۔

ربط: اگلی آیات میں ان لوگوں کا بیان ہے جو موجب شکر میں خلل انداز ہوئے۔ چنانچہ فرمایا:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ اور بے شک ہم نے تم سے پہلے پیغمبران عظام علیہم السلام کو ان کی اپنی قوموں میں بھیجا جیسے تمہیں اپنی قوم کا رسول بنا کر بھیجا فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ باء تعدیہ کی بھی ہو سکتی ہے اور ملابست کی بھی۔ یعنی ہر رسول علیہ السلام اپنی قوم کے ہاں اس کے لائق براہین و دلائل لایا جیسے تم اپنی قوم کے ہاں روشن دلائل و براہین دلائل لائے ہو فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا النقمہ بمعنے العقوبۃ، اس سے انتقام بمعنے کینہ کھینچنا۔ اور فا فصیحیہ ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ کافروں نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تو ہم نے مجرموں سے انتقام لیا۔ اجرموا کا مادہ الجرم ہے۔ اس سے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب اور پھر اس کا اصرار مراد ہے۔ یعنی ہم نے سزا دی اور تباہ و برباد کیا۔

سوال: منهم کے بجائے الذین اجرموا کیوں لایا گیا؟

جواب: تاکہ تنبیہ ہو کہ یہ محذوف کے قائم مقام ہے اور معلوم ہوا کہ ان کے عذاب کی علت کیا ہے۔ وہ یہی جرائم و معاصی ہیں۔

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا اور ہمارے لائق شان ہے۔

ف: اللہ تعالیٰ پر کوئی شے لازم نہیں۔ ایسے مقام پر یہی معنیٰ ہوگا کہ اس کے ذمہ کرم اور لائق شان ہے الوسیط میں ہے کہ یہ ایجاب از جبر نہیں بلکہ اس نے اپنے طور اپنے لیے لازم فرمایا ہوا ہے۔ اور کشف الاسرار میں ہے کہ یہ اس محاورے سے ہے،

لہ یہ شعر گلستان میں سعدی علیہ الرحمۃ نے بھی نقل فرمایا ہے۔ خدا جانے دونوں میں سے کس کا ہے۔ اویسی غفرلہٗ

کما یقال علی قصد ھذا الامر ای انا افعلہ۔

(جیسے کوئی کہے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ یہ کام کرکے چھوڑوں گا یعنی ضرور کروں گا)

اور حقاً، کان کی خبر ہے اور اس کا اسم ہے۔

نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ ○ اہلِ ایمان کو دشمنوں اور مصیبتوں کے عذاب سے عظیم نجات دینا۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ اہل اللہ نے اہلِ ایمان کی نصرت اپنے لیے واجب قرار دے کر ان کی عزت افزائی اور ان کی کرامت و شرافت کا اظہار فرمارہا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

مامن امرئ مسلم یرد عن عرض اخیہ الا کان حقا علی اللہ ان یرد عنہ نار جہنم۔

(جب بھی کوئی اپنے بھائی کے احترام کے پیشِ نظر اس کی عزت بچاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم ہے کہ اس کی مدد فرمائے اسے جہنم کی آگ سے بچائے)

یہ فرما کر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا:

وکان حقا علینا نصر المؤمنین۔

محبوبانِ خدا کی خدمت کا صلہ حضرت الشیخ ابو علی رودباری قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میرے ہاں چند فقراء تشریف لائے ان میں سے ایک بیمار ہوگیا اور اس کی بیماری کے ایام حد سے طویل ہوگئے۔ اس کے ساتھی اس سے تنگدل ہوگئے اور شیخ سے شکایت کی اور شیخ کے لائق نہ تھا کہ اتنے بڑے منصب کے برعکس ایک معمولی درویش کی خدمت کرے۔ لیکن انھوں نے اپنے نفس کے خلاف کرکے اس درویش کی خدمت اپنے ذمے لگائی۔ چند دنوں کے بعد وہ درویش جاں بحق ہوگیا تو شیخ نے اپنی نگرانی میں غسل اور کفن و دفن کا انتظام کیا۔ جب قبر میں لٹایا تو اس کے چہرے سے کپڑا ہٹایا گیا تو اس درویش کی آنکھیں کھلی نظر آئیں اور وہ شیخ ابو علی سے کہہ رہا ہے:

یا ابا علی لانصرنک بجاھی یوم القیامۃ کما نصرتنی فی مخالفتک نفسک۔

(اے ابو علی! قیامت میں میں اپنی وجاہت کے مطابق آپ کی مدد کروں گا جیسے آپ نے اپنی نفسانیت پر زور دے کر میری مدد فرمائی)

ف: حکایت سے چند فوائد حاصل ہوئے:

(۱) محبوبانِ خدا اپنی قبروں میں زندہ ہیں اگرچہ وہ ہماری نظروں میں مُردہ ہیں لیکن درحقیقت وہ ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہوتے ہیں۔

(۲) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اتخذوا الایادی عند الفقراء قبل ان تجیئ دولتھم فاذا کان یوم القیامۃ یجمع

الله الفقراء والمساكين فيقال تصفحوا الوجوه فكل من اطعمكم لقمة او سقاكم شربة اوكساكم خرقة او دفع عنكم غيبة فخذوا بيده وادخلوا الجنة۔
(فقراء کی مدد کرو اس سے پہلے کہ انہیں دولت سے نوازا جائے کیونکہ قیامت میں اللہ تعالیٰ فقراء و مساکین کو جمع کرکے حکم دے گا کہ ان لوگوں میں انہیں تلاش کرو جنہوں نے تمہیں ایک لقمہ دیا یا پانی کا ایک گھونٹ پلایا یا تمہیں کپڑا پہنایا یا تم سے تمہاری غیبت کا دفیعہ کیا تو انہیں بہشت میں لے جاؤ)

(۳) شفاعت بھی نصرۃ الٰہیہ کا ایک باب ہے۔

(۴) آیت میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خوشخبری ہے کہ بالآخر فتح آپ کی ہے اور ان کی مدد میرے ذمۂ کرم ہے جو آپ کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور جو تکذیب کرتا اسے ہلاک کروں گا۔

(۵) اس میں اہلِ ایمان کو تنبیہ ہے کہ ان کا انجام بخیر ہوگا کیونکہ یہی اہلِ تقویٰ ہیں۔ اور فرمایا:
والعاقبة للمتقين۔
(اور نیک انجام متقین کو نصیب ہوگا) ؎

سروش عالم غیبم بشارتے خوش داد
کہ کس ہمیشہ بگیتی دژم نخواہد ماند

ترجمہ: کل مجھے فرشتہ غیبی خوشخبری سنا رہا تھا کہ اس ویران گیتی میں کسی نے ہمیشہ نہیں رہنا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ولقد ارسلنا من قبلك رسلا الى قومهم یعنی تم سے پہلے بھی بہت سے مشائخ گزرے ہیں جو مریدین کی تربیت کرتے رہے فجاءوهم بالبينٰت وہ اہلِ تصدیق کے لیے بیانِ طریق میں لسانِ تحقیق کے ذریعے دلائل لائے جو ان کی تصدیق کرتا وہ خلاصۂ تحقیق تک پہنچ جاتا اور جو ان کی تکذیب و انکار کرتا وہ دائمی عذاب وعید و جمود میں مبتلا کیا جاتا۔ چنانچہ فرمایا: فانتقمنا من الذين اجرموا یعنی جنہوں نے انکار کیا تو ہم نے ان سے بدلہ لیا اور فرمایا وكان حقا علينا نصر المؤمنين اور جو ہمارے مقرب ہیں ہم نے ان کی اپنی قربت کے لیے مدد فرمائی۔

دعا: اے اللہ! ہمیں منصورین سے بنا اور ہمیں اپنے دروازے کی طرف متوجہ فرما اور ہمیں یقین ہے کہ تو ناصرین و معین اور یقین کی جانب دلوں کو پھیرنے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ وہ اللہ جو ریاح رحمت جیسے صبا وغیرہ کو چلاتا ہے فَتُثِيْرُ سَحَابًا اثارة ثار الغبار والسحاب سے ہے یعنے چمک کر پھیلا اور

اور کہتے ہیں اثرتہ (میں نے اسے پھیلایا ہے)

اور تاج المصادر میں ہے: الاثارۃ بمعنے گرد پھیلا، زمین کا شور کرنا اور ہوا کا بادل لانا۔ اور السحاب اسم جنس ہے اس کا ایک بادل اور اس سے زاید پر اطلاق ہوتا ہے۔

المفردات میں ہے: السحب بمعنے کھینچنا۔ اسی سے السحاب ہے بمعنے اسے ہوا کھینچ کر لاتی ہے یا وہ بارش لاتا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ ہوائیں بادل کو پھیلاتی، انہیں ابھارتی اور اپنی جگہوں سے نکالتی ہیں۔

ف: درحقیقت بادلوں کو لانے والا تو اللہ تعالیٰ ہے۔ لیکن چونکہ یہ ہوائیں سبب ہیں اسی لیے فعل کی نسبت ان کی طرف کی گئی۔ کیونکہ کبھی افعال اپنے اسباب کی طرف منسوب ہوتے ہیں[1] **فَيَبْسُطُهٗ** تو پھر اللہ تعالیٰ بادل کو پھیلاتا ہے یعنی کبھی کر ان کو ایک دوسرے کے متصل کرتا ہے **فِي السَّمَآءِ** آسمان کی سمت میں **كَيْفَ يَشَآءُ** جیسے چاہتا ہے کہ وہ چلتے ہیں کبھی ایک دن کی مسافت میں کبھی دو دنوں کی راہ میں کبھی اس سے کم و بیش، کبھی شمال کو کبھی جنوب کو، کبھی صبا کی جانب کبھی دبور کی طرف وغیرہ وغیرہ۔ اور کبھی اسی طرح ٹھہرے رہتے ہیں۔

وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا اور کبھی بادل کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے وہ بھی اسی طرح کہ کبھی ادھر اور کبھی اُدھر۔ کِسَفًا، کِسْفَۃ کی جمع ہے بمعنے بادل اور روئی کے ٹکڑے۔ ایسے ہی ان اشیاء کے ٹکڑے جو کھوکھلے اجسام والی ہوں کما فی المفردات۔ **فَتَرَى الْوَدْقَ** تو اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا ہر وہ شخص جس میں دیکھنے کی صلاحیت ہے! دیکھتے ہو بارش کے قطرات کو۔

حلِ لغات: الودق دراصل بارش کے قطرات کی درمیانی شے کو کہا جاتا ہے جو غبار کی طرح محسوس ہوتی ہے۔ لیکن یہاں پہ بارش کے قطرات مراد ہیں۔

يَخْرُجُ وہ امرِ الٰہی سے نکلتا ہے **مِنْ خِلٰلِهٖ** بادل میں سے۔

حلِ لغات: خلال بمعنے دونوں حالتوں (یعنی بوقتِ اتصال و افتراق) میں بادل کے سوراخ۔

امام راغب نے فرمایا: الخلل بمعنے دو سوراخوں کے درمیان سوراخ۔ جیسے دار اور بادل کے سوراخ۔ اس کی جمع خلال آتی ہے۔ اسی لیے بعض نے کہا کہ بادل چھلنی کی مانند ہے۔ اگر وہ ایسا نہ ہوتا تو بارش زمین کو تباہ و برباد کر ڈالتی۔

قطرات کی صورت میں بارش کے آنے کی ابتدا

مروی ہے کہ ایامِ طوفانِ نوح میں باری تعالیٰ نے بارش بلاحساب یکبارگی بھیجی تو وہ

---

[1] اسی معنیٰ پر ہے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ کی مشکلکشائی اور دافع البلائی۔ ولکن الوہابیۃ قوم لایعقلون۔ اویسی غفرلہٗ

اُس کا غضب بن کر زمین پر اُتری تو زمین کا چہرہ چھل گیا اور اس میں دراڑیں پڑ گئیں ۔ تو زمین نے بارگاہِ الٰہی میں شکایت کی ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : آئندہ بادل کو چھلنی بنا دُوں گا تجھے بارش سے کوئی تکلیف نہ پہنچے گی ۔ اسی روز سے اللہ تعالیٰ نے بادل کو چھلنی کی طرح بنا دیا اور بارش قطرات کی صورت میں اترنے لگی ۔

فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ با تعدیہ کی اور ہ کا مرجع الودق ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بارش نازل فرماتا ہے اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ؗ اس وقت وُہ بندے خوش ہوتے ہیں یعنی اچانک وہ خوش ہو جاتے ہیں کہ اس سے انہیں خوشحالی نصیب ہوگی اور قحط سالی دُور ہوگی وَاِنْ اور ان کا حال یہ تھا كَانُوْا اس وقت وہ تھے مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ بارش کے نزول سے پہلے لَمُبْلِسِيْنَ ٥ نا اُمید ۔۔۔۔ یہ کانوا کی خبر ہے قبل کا تکرار تاکید اور بارش کے نہ ہونے پر بہت عرصہ گزر جانے اور مایوس ہو جانے کی وجہ سے ۔ اور لام فارقہ کی ہے اور ابلاس کا معنیٰ اوائل سُورۃ میں گزر چکا ہے ۔

فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ تو اللہ کی رحمت کے آثار دیکھو ۔ یہ خطاب اگرچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہے ۔ لیکن اس سے مراد تمام مکلفین ہیں ۔ اور رحمت اللہ سے بارش مراد ہے کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نازل فرماتا ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ دیکھو انگوریوں اور درختوں اور مختلف پھلوں اور پھولوں پر بارش کے آثار ۔ اور فا ان اشیاء کی تنزیلِ مطر کے ترتّب پر دلالت کرنے کے لیے ہے كَيْفَ يُحْيِ اللہ تعالیٰ کیسے آباد کرے گا الْاَرْضَ زمین کو بارش کے آثار سے بَعْدَ مَوْتِهَا بعد اس کے ویران ہو جانے کے ۔

ف : الارشاد میں ہے کہ کیف الخ منصوب ہے ۔ اس سے حرفِ جر حذف کر دیا گیا ہے اور کیف انظر سے متعلق ہے ۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ زمین کی ویرانی کے بعد اس کے آباد ہونے کے عجیب عجیب طریقے دیکھو اور نظر سے اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اور وسیع رحمت کی طرف اشارہ ہے ۔ اور اس میں امرِ بعث کی تمہید ہے ۔ اِنَّ ذٰلِكَ بیشک وہ عظیم الشان قدرت والا ہے جو زمین کو ویران ہونے کے بعد آباد کرتا ہے لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ آخرت میں مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے ۔ یعنی وہ ان کے ابدان کے مواد یعنی قوائے حیوانیہ پیدا کرتا ہے یہ ایسے ہے جیسے وُہ زمین کے اندر قوائے نباتیہ پیدا کرتا ہے وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ٥ اور وہ ہر شے پر قادر ہے یعنی کوئی شے اس کی قدرت سے باہر نہیں منجملہ اس کے مرنے کے بعد حشر میں انسان کے جسم کو زندہ کرنا ہے ۔ ایسے ہی دنیا میں مُردے دل کو زندہ کرتا ہے کیونکہ قدرت کا تعلق ممکنات سے ہے یعنی ہر ممکن اسی کی قدرت کے تحت ہے کہ کوئی شے بھی اس کی قدرت سے باہر نہیں ہو سکتی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ ہے بخلاف انسان کے کہ اس کی قدرت ناقص ہے اور وہ قدرت ایزدی سے استفادہ کے بعد ۵

تعالیٰ اللہ زہے قیوم و دانا
توانائی دِہ ھمہ ناتوانا

ترجمہ: وُہ قیوم و دانا ہر عاجز کو قدرت عطا کرنے والا ہے۔

ف: ابھی اس کا بیان آتا ہے کہ انسان ضعف سے پیدا ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ ہی اسے قدرت و قوت بخشتا ہے۔

ف: اللہ تعالیٰ نے زمین کو آثارِ قدرت اور انوارِ فعل و حکمت سے سنگارا ہے کہ سبزی اُگائی اور پھولوں سے رونق بخشی۔ اس سے عارفین کی آنکھوں میں جلوہٴ حقانی نظر آتا ہے۔ اسی لیے وُہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

چنانچہ شیخ مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

مغربی زاں میکند میلے بگلشن کاندر او
ہرچہ را رنگے و بُوئے ہست رنگ و بوئے اوست

ترجمہ: مغربی کو گلشن سے اس لیے محبت ہے کہ اس کے ہر رنگ و بُو میں اللہ تعالیٰ کا جلوہ نظر آتا ہے۔

بنی اسرائیل کا سوال اور موسیٰ علیہ السلام کا جواب

بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے پُوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ کوئی رنگ بھی بنا سکتا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم نے پھلوں اور پھُولوں کو نہیں دیکھا کہ ان میں سُرخ بھی ہیں اور زرد بھی اور سفید بھی۔ رنگریز تو صرف سفید کو سیاہ بنا سکتا ہے لیکن وُہ بڑی قدرت والا ہے کہ سیاہ کو سپید بناتا ہے۔ کیا نہیں دیکھتے ہو کہ جوانی کے سیاہ بال بڑھاپے میں سپید ہو جاتے ہیں۔ تو یہ اسی کی قدرت ہے۔ ایسے ہی دل کی سیاہی کو بھی سفیدی میں وہی بدلتا ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر احسن اور کون ہو سکتا ہے!

مجوسیوں کو دولتِ اسلام نصیب ہُوئی

حضرت ابُو حفص قدس سرہٗ بحکم فانظر الی آثار رحمۃ اللہ باغ میں تشریف لے گئے اور وہ باغ کسی مجوسی کا تھا۔ آپ کے مریدین باغ کی بہار سے متاثر ہُوئے تو آپ نے فرمایا: پڑھو:

کم ترکوا من جنات وعیون الآیۃ
(کتنے لوگ ہیں جنہوں نے باغ اور چشمے چھوڑے)

آپ باغ سے باہر نکلے ہی تھے تو مجوس نے کہا:
کنبے سمیت ہمیں کلمہٴ اسلام پڑھاتے جایئے۔

اس وقت آپ کے ہاتھوں اٹھارہ افراد مسلمان ہوئے۔ حضرت ابوحفص رحمہ اللہ نے فرمایا، جب تم باغ کی سیر کو جاؤ تو یوں جاؤ کہ خواہش نفسانی کو دخل نہ ہو۔ ورنہ اس کا اچھا اثر نہ ہوگا۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ آنکھ سے دُنیا کی رونق کو دیکھے لیکن دل سے اس کے فنا ہونے اور بہار کے موسم کو عبرت سے دیکھے کہ ویرانی کے بعد کیسے شادمانی حاصل ہوتی۔ ایسے ہی قبور سے اٹھنے کا سبق حاصل کرے۔

(نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:)

حدیث شریف "جب تم بہار کو دیکھو تو قبور سے اُٹھنے کو یاد کرو یعنی مُردوں کا قبور سے اُٹھنا ایسے ہوگا جیسے بہار میں انگوریوں کا سرسبز ہونا اور یہ ربیع یعنی بہار کے موسم میں ہوگا۔ گرمی کی شدت سے قیامت کی گرمی کو یاد کرو۔ جب گرمی کی شدت میں انسان کہے:

لا الٰہ الا اللہ ما اشد برد ھذا الیوم اللھم اجرنی من زمھریر جہنّم۔

(آج کیسی غضب کی سردی ہے اللہ ہمیں جہنم کی سردی سے بچا)

تو اللہ فرماتا ہے: میرے بندے نے جہنّم کی سردی سے پناہ مانگی فلہذا اے جہنم! گواہ ہو جا، میں نے اسے پناہ دی۔" لوگوں نے پوچھا کہ جہنم کی سردی کا کیا مطلب؟ تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "وہ ایک جگہ ہے جہاں کافر کو ڈالا جائے گا تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔"

سبق: بارش کے قطرات کو دیکھتے ہوئے لوگوں کی پل صراط کی گریہ زاری اور ان کے آنسو بہانے کو یاد کیا جائے۔

رابعہ کی باتیں بی بی رابعہ قیسیہ رحمہا اللہ تعالیٰ فرماتی ہیں: جب اذان سنتی ہوں تو مجھے قیامت کے دن منادی کی پکار آجاتی ہے۔ اور جب ژالہ باری دیکھتی ہوں تو مجھے قیامت کے اعمال نامے بکھرتے یاد آجاتے ہیں اور جب ٹڈیوں کو پھیلا ہوا دیکھتی ہوں تو مجھے میدانِ حشر کا پھیلاؤ یاد آجاتا ہے۔

دیگر عجیب باتیں ریحان احمر کو دیکھ کر عشاق کے چہروں کی سُرخی کو یاد کر لیا کرو اور ریحان اصفر سے عاصیوں کے چہرے کی زردی سے عبرت پکڑو اور ریحان ابیض سے اہلِ ایمان کے چہرے کی سفیدی کو یاد کرو اور خاکستری ریحان سے نوجوان اور حسین عورتوں کے وہ چہرے یاد کرو جو قبروں میں ساتویں دن ایسی صورت اختیار کر لیتے ہیں کہ وہ گرد آلود ہو کر خاکستری ریحان کی طرح ہو جاتے ہیں۔

اعجوبے
(۱) گُلِ زرد بیماروں کی شفا ہے لیکن خود بیمار رہتا ہے۔
(۲) گُلِ سُرخ سے دماغ کو ہشیاری نصیب ہوتی ہے لیکن خود مخمور اور مست وار ہے۔
(۳) گُلِ سفید گویا زمانے کا ستم رسیدہ اور جوانی برباد کردہ اور بڑھاپے کی حد تک پہنچ گیا ہے۔

مومن کا دل گویا بلبل کا گُل ہے سالِ اعتدال میں دو آفتاب غیب سے طلوع ہوتے ہیں:
(۱) جمالِ فلکی کا آفتاب

(۲) جمالِ ملکی کا آفتاب

خورشید جمالِ فلکی گلاب پر چمکتا ہے تو وہ پھولتا ہے۔ جمالِ ملکی کا آفتاب دل پر چمکتا ہے تو دل روشن ہو جاتا ہے۔ جب گلاب پھولتا ہے تو اس پر بلبل عاشق ہو جاتی ہے اور جب دل چمکتا ہے تو اس میں خود خالق جلوہ گر ہو جاتا ہے۔ گل تو مٹ جاتا ہے جس وجہ سے بلبل اس کے فراق سے ماتم کرتی رہتی ہے دل اگر مرجھائے تو اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے اُسے نوازتا ہے۔ اس لیے مومن کا دل کبھی نہیں مرتا۔

چشمے کہ ترا دید شد از درد معاف
جانے کہ ترا یافت شد از مرگ مسلم

ترجمہ: وہ آنکھ جو تجھے درد سے صحیح و سالم نصیب ہوئی۔ وہ جان جو تو نے مرگ سے پائی۔

حکایت ۱ ابن السماک رحمہ اللہ موسمِ بہار میں حجرے سے باہر نکلے تو ان کی نگاہ پھولوں پر پڑی۔ ان کی چیخ نکل گئی اور کہا: اے درختوں پر پھولوں کو سجانے والے پروردگار! میرا دل بھی اپنے ذکر و طاعت سے منور فرما۔

حکایت ۲ ایک بزرگ موسمِ بہار میں اللہ تعالیٰ کے شوق میں آنسو بہاتے رہتے تھے اور ایک دوسرے بزرگ فراقِ الٰہی سے آہ و فغاں میں وقت بسر کرتے۔

شیخ شبلی کی کہانی حضرت شیخ شبلی قدس سرہٗ کو آپ کے مریدوں نے ایک درخت کے نیچے روتا پا کر سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا: میں اس درخت کے پاس سے گزرا تو اچانک اس کی ٹہنی کٹ کر نیچے گر پڑی لیکن وہ اسی طرح ہرا بھرا ہے۔ اسے خبر بھی نہیں کہ اسے کاٹا گیا ہے۔ ایسے ہی ہماری حالت ہے کہ ہم نے اپنے نفس سے گریہ کیا کہ اسے بھی حق سے کاٹ کر علیحدہ کر دیا گیا ہو۔ جس کا اسے علم نہ ہو تو پھر آپ کے مریدوں نے آپ کی تقریر سُنی تو وہ بھی آپ کے ساتھ رونے لگے۔

بہارِ جنّت کی یادگار مشایخ فرماتے ہیں کہ بہار بہشت اور اس کی نعمتیں یاد دلاتی ہے اسی لیے انسانِ کامل بہار میں افسوس و حیرت سے ہاتھ ملتا ہے۔ لیکن بظاہر ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اسے خبر نہیں۔ اصل وجہ یہ ہے کہ بہشت میں تمام ارواح صلبِ آدم علیہ السلام میں تھے۔ جب وہ زمین پر تشریف لائے اور ارواح بٹ کر اپنے آباء کی پشتوں میں چلے گئے اور جب وہ بہار کی رونقیں اور مختلف پھول دیکھتے ہیں تو ان کو جنت کی نعمتیں، اس کے پھول اور رونقیں یاد آتی ہیں۔ اسی لیے کفِ افسوس ملتا ہے اور بہشت سے نکلنے پر جزع فزع کرتا ہے۔

مُردے کی کہانی ایک عالمِ دین گلاب کو دیکھ کر رو پڑا۔ کسی نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ مُردہ قبر میں روتا رہتا ہے اور اس کی آنکھ کی سفیدی کھلی رہتی ہے۔ جب بہار آتی ہے اور گلاب کا پھول شگوفے سے باہر آتا ہے تو اس کی آنکھ پھٹتی ہے۔ اسی طرح جب مُردے کی زوجہ کا کسی سے نکاح ہوتا ہے تو اس کا

دل پھٹتا ہے (اسی وجہ سے رو رہا ہوں)۔

تفسیر صوفیانہ کیف یحی الارض میں اشارہ ہے کہ مومن کے مردہ نفس کو وہ کیسے زندہ کرتا ہے جبکہ وہ طاعت کی وجہ سے خشک ہو جاتا ہے!

حدیث شریف میں ہے؛

من احیی ارض میتۃ فھی لہ۔

(جو عام زمین کو آباد کرتا ہے وہ اسی کی ہے)

اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے جس بندے کا دل اور نفس زندہ فرماتا ہے تو وہ اسی کا ہے شیطان کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ ایسے ہی جو بندہ اپنے نفس کو طاعت اور توبہ سے آباد کرتا ہے وہ بہشت میں جائے گا، اسے دوزخ سے بہت دور رکھا جائے گا۔ بعض مشایخ نے اس کا یہ مطلب بتایا ہے کہ وہ نفوس کی کوتاہیوں کے بعد صدق ارادات سے اور قلوب کو غفلتوں کے بعد انوارِ محاضرات سے اور ارواح کو محجوب ہونے کے بعد دوامِ مشاہدات سے زندہ کرتا ہے ؎

اموت اذا ذکرتک ثمّ احیی

فکم احیی علیک وکم اموت

ترجمہ: میں مرجاتا ہوں لیکن جب تجھے یاد کرتا ہوں تو زندہ ہو جاتا ہوں۔ نہ معلوم کتنی بار تجھ پر فدا ہو کر مرتا ہوں اور کتنی بار تیرا نام لے کر زندہ ہوتا ہوں۔

ف: عارف کا دل باغ ہے اور اس کی جنّت وحیات معرفتِ الٰہی۔ جو اس کے انوار کو دیکھ پاتا ہے وہ دنیا اور اس کی رونقوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے؛ ؎

۱ صوفیِ در باغ از بہرِ کشاد
صوفیانہ روے بر زانو نہاد

۲ پس فرورفت او بخود اندر نغول
شد ملول از صورت خوابش فضول

۳ کہ چہ خسپی آخر اندر رز ذ ببجر
این درختان بین و آثار خضر

۴ امرِ حق بشنو کہ گفت است انظروا
سوے این آثار رحمت آر رو

۵ گفت آثارش دلست اے بوالہوس
آن برون آثار آثار ست وبس

[illegible]

بھلائی حاصل ہوتی ہے تو بجائے شکر کرنے کے حد سے زیادہ خوش ہوتے ہیں اور اگر ان پر کوئی معمولی سی تکلیف آتی ہے تو جزع فزع کرنے لگ جاتے ہیں انہیں تھوڑا سا صبر بھی نصیب نہیں بلکہ سابقہ نعمتوں کو بھی بھلا دیتے ہیں حالانکہ اس وقت انہیں استغفار کرنا چاہیے تھا لیکن اہلِ ایمان کا حال اس کے برعکس ہے کہ وہ نعمتوں پر شکر کرتے اور تکلیف و مصیبت کے وقت صبر کرتے بلکہ وہ کسی وقت بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید نہیں ہوتے اور طاعت و عبادت و استغفار میں لگے رہتے ہیں تا کہ شب و روز کی نعمت سے حصۂ وافر نصیب ہو۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ چوں فرود آید بلا بے دافعی
چوں نباشد از تضرع شافعی

---

۲ جز خضوع و بندگی و اضطرار
اندریں حضرت ندارد اعتبار

---

۳ چونکہ غم بینی تو استغفار کن
غم بامر خالق آمد کار کن

ترجمہ: (۱) جب دفع نازل ہو اور اسے روکنے والا کوئی نہ ہو اور تضرع و زاری کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔

(۲) جب عاجزی اور بندگی اور اضطراری سے کام نہ بنتے اور اس بے نیاز بارگاہ میں یہ باتیں کام نہ آئیں۔

(۳) غم و الم کے وقت استغفار بکثرت کر۔ کیونکہ غم بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے آیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جب شقاوۃ ازلیہ کی ہوا قہر و غضب سے اہلِ شقاوت کے معاملات کے کھیتوں پر چلے اگرچہ وہ سبز ہوں یعنی شرع مطہرہ پر ہوں تو بھی زرد ہو جاتی ہیں اور انہیں یہ ہوائیں منافقین کے اعمال کی طرح ضائع کر کے چھوڑتی ہیں پھر ایمان تقلیدی کے بعد یہ لوگ نفاق میں گرفتار ہو جاتے ہیں، اسی لیے کفر کرنے سے انہیں کوئی باک نہیں ہوتا پھر وہ نعمتوں کی ناشکری کرتے رہتے ہیں یہ عام کفر سے قبیح تر ہوتا ہے۔ ہم شقاوت اور بُرے حال اور بُرے اعمال و افعال سے پناہ مانگتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وہ کافر جن کے اوصاف ہم نے بیان کیے ہیں تو اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ان سے اپنی بات سمجھانے اور منوانے کی امید نہ کیجیے کیونکہ تم مُردوں کو نہیں سنا سکتے۔ کافروں کو مُردوں سے تشبیہ میں اشارہ ہے کہ حق قبول نہ کرنے میں ان کے

مشاعر بیکار ہو چکے ہیں اور ان کی تخلیق سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ ایمان لانے والے نہیں۔

ردِّ وہابیہ فی الآیۃ دلیل علیٰ ان الاحیاء قد تسمون امواتا اذا لم یکن لھم منفعۃ الحیاۃ [۱]

(آیت میں دلیل ہے کہ کبھی زندوں کو مُردہ کہا جا سکتا ہے جب ان میں منفعِ حیوٰۃ ختم ہو) [۲]

---

[۱] اس سے ثابت ہُوا کہ وجہِ تشبیہ عدم منفع از حیات ہے نہ کہ سماع، جیسا کہ وہابیہ کہتے ہیں فثبت انھم قوم لا یعقلون۔

[۲] ہمارے دور میں سماعِ موتٰی کے انکار میں وہابیہ کی طرف سے یہی آیت پیش کی جاتی ہے۔ فقیر نے اس مسئلہ پر ایک کتاب لکھی ہے۔ آیت ہذا کی توضیح مختصراً یہاں عرض کی جاتی ہے:

احادیثِ مبارکہ

(۱) عن ابن عباس قال ضرب بعض اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم خباءہ (اے خیمۃ) علی قبر وھو لا یحسب انہ قبر فاذا فیہ انسان یقرء سورۃ تبارک الذی بیدہ الملک حتی ختمھا فاتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھی المانعۃ ھی المنجیۃ تنجیہ من عذاب اللہ۔ (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ فی کتاب فضائل القرآن)

(روایت ہے ابن عباسؓ سے کہ ایک صحابی نے قبر پر خیمہ قائم کیا ان کو معلوم نہ تھا کہ یہاں قبر ہے سنا ہے کہ ایک شخص زمین کے اندر سورۃ الملک پڑھتا ہے وہ نبی علیہ السلام کے پاس گئے اور یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ نے اس کی تصدیق کی اور فرمایا کہ یہ سورۃ عذابِ قبر سے نجات دیتی ہے)

یوسف بن محمد کہتے ہیں کہ ابو الحسن جو بزرگ متقی ہیں، انہوں نے مجھے ایک جگہ دکھائی اور کہا کہ میں ہمیشہ اس جگہ سے سورہ ملک کی آواز سنتا ہوں۔ (شرح الصدور)

(۲) عن حماد عن سلمۃ عن ثابت البنانی قال اللھم ان کنت اعطیت احد الصلوٰۃ فی القبر فاعطنی وقال جبیر نا دخلت علیہ فی لحدہ فلما سوینا علیہ باللبن سقطت اللبنۃ فاذا ھو یصلی فی قبرہ۔ (رواہ احمد فی کتاب الزھد و ابو نعیم فی الحلیۃ)

(روایت ہے کہ ثابت بنانی ہمیشہ دُعا کرتے تھے کہ یا اللہ! اگر تو قبر میں کسی میت کو نماز پڑھنے کی اجازت دیتا ہے تو مجھ کو بھی اس نماز کی اجازت دے۔ جبیرؓ کہتے ہیں کہ ثابت بنانی کا

(باقی برصفحہ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ) جب انتقال ہوا میں نے غسل کفن دے کر لحد میں رکھا اور تختے برابر کئے اتفاقاً ایک تختہ گر پڑا میں نے کیا دیکھا کہ وہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں)

اور ابراہیم حبلی کہتے ہیں کہ میرے پاس آنے جانے والوں نے بیان کیا جب ہم لوگ ثابت بنانی کی قبر سے گزرتے ہیں تو قبر سے قرآن شریف پڑھنے کی آواز سُنا کرتے ہیں۔ (شرح الصدور)

قاعدہ: لا تبطل رسالتهم بالموت فكما ان النبوة وكذا الولاية لا تنقطع بالنوم فكذا بالموت برلیقہ ج ۱ ص ۲۰۳۔

(اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ رسالت نبوت موت پر قطع نہیں ہوتے ہیں اس طرح ولایت نیند پر اور موت پر قطع نہیں ہوتے ہیں)

اسی طرح حدیقہ شرح طریقہ محمدیہ میں ہے:

الولاية لا تنقطع بالموت كما ان النبوت لا تنقطع بالموت۔

(جس طرح پیغمبر علیہ السلام قبر میں پیغمبر ہیں اسی طرح ایک ولی بعد الوفات بھی ولی ہی رہتا ہے)

(۳) عن انس ان النبي صلى الله عليه وسلم ليلة المعراج مر بموسى وهو قائم يصلي في قبره (رواه مسلم)

(حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرے آپ نے دیکھا کہ وہ قبر میں نماز پڑھتے ہیں)

شرح الصدور میں علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں، روایت ہے عاصم سقطی سے کہ بلخ میں ہم نے ایک میت کے واسطے قبر کھودی۔ ایک طرف دیوار میں سوراخ ہوگیا، اس سے ہم نے دیکھا کہ پرانی قبر ہے اس میں ایک بوڑھا آدمی سبز لباس پہنے قبلہ رُخ بیٹھا ہے قبر کی دیواریں، زمین اور چھت بھی سبز ہے وہ قرآن شریف کی تلاوت کرتا ہے۔

(۴) غزوۂ بدر میں مسلمانوں نے کفار کی لاشیں جمع کر کے ایک کنوئیں میں ڈال دیں۔ حضور کی عادت کریمہ تھی جب کسی مقام کو فتح فرماتے تھے وہاں تین دن قیام فرماتے تھے۔ یہاں سے تشریف لے جاتے وقت اس کنوئیں پر تشریف لے گئے جس میں کافروں کی لاشیں پڑی تھیں اور انھیں نام بنام آواز دے کر فرمایا:

"ہم نے تو پا لیا جو سچا وعدہ (نصرت کا) ہمارے رب نے ہم سے فرمایا تھا، کیا تم نے بھی پا لیا جو سچا وعدہ (نار کا) تم سے تمہارے رب نے کیا تھا"

امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کی:

یا رسول الله اجسادا لا ارواح فيها۔

(یا رسول اللہ! کیا آپ بے جان جسدوں سے کلام فرماتے ہیں)

(باقی برصفحہ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ما انتم باسمع منهم ....

(تم ان سے کچھ زیادہ نہیں سنتے مگر انہیں طاقت نہیں کہ تجھے لوٹ کر جواب دیں)

ف : مومن تو مومن ہے کافر تک سُنتے ہیں اور پھر اولیاء کی شان تو ارفع و اعلیٰ ہے۔

ف : رُوح ایک پرندہ ہے اور جسم پنجرہ ۔ پرندہ جس وقت تک پنجرے میں ہے اس کی پرواز اسی قدر ہے جب روح پنجرے سے نکل جائے اس وقت اس کی قوتِ پرواز دیکھیے ۔ اپنے مُردوں کو بزرگوں کے پاس دفن کرو کہ ان کی برکت کے سبب ان پر عذاب نہیں کیا جاتا ۔ ھم القوم لا شیقیٰ بھم جلیسھم (وہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے سبب ان کا ہم نشیں بھی بدبخت نہیں ہوتا ادفنوا اموا تاکم وسط قوم صالحین ، (اپنے مُردوں کو نیکوں کے درمیان دفن کرو)۔

حکایت ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ ایک جگہ کوئی قبر کھُل گئی اور مُردہ نظر آنے لگا ۔ دیکھا کہ گلاب کی دو شاخیں اس کے بدن سے لپٹی ہیں اور گلاب کے دو پھُول اس کے نتھنوں پر رکھے ہیں ۔ اس کے عزیزوں نے اس خیال سے کہ قبر پانی کے صدمے سے کھل گئی دوسری جگہ قبر کھود کر اس میں رکھ دیں ۔ اب جو دیکھیں تو دو اژدہے اس کے بدن سے لپٹے اپنے پھنوں سے اس کا منہ بھنبھوڑ رہے ہیں حیران ہوئے ۔ کسی صاحبِ دل سے یہ واقعہ بیان کیا ۔ اُنھوں نے فرمایا وہاں بھی اژدہا ہی تھا مگر ایک ولی اللہ کے مزار کا قرب تھا ۔ اس کی برکت سے وُہ عذاب رحمت ہو گیا تھا ۔ وُہ اژدہے درختِ گل کی طرح ہو گئے تھے اور ان کے پھن گلاب کے پھُول ۔ اس کی خیریت چاہتے ہو تو وہیں لیجا کر دفن کرو ۔ وہیں لے جا کر رکھا پھر وہی قبر درختِ گل تھے اور وہی پھن گلاب کے پھُول ۔ یہ اس حدیث کا ثمرہ ہوا جو اوپر بیان کی گئی ہے یعنی ھم لقوم لا یشقیٰ بھم جلیسھم ۔

ولی کی تعریف

علامہ تفتازانی نے لکھا کہ ،

والولی ھو العارف باللہ تعالیٰ وصفاته حسب ما یمکن المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی المعرض عن الانهماك فی اللذات والشهوات و کرامته ظهور امر خارق للعادۃ (شرح العقاید لنسفی ص ۱۰۱)

(ولی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات (حسبِ امکان) کا عارف ہو اور طاعات پر مواظبت کرتا ہو اور برائیوں سے اجتناب کرتا ہو اور لذات وشہوات کے انہماک سے روگرداں ہو اس کی کرامت یہ ہے کہ اس سے کوئی امر عادت کے خلاف

(باقی بر صفحہ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ)

صادر نہ ہو)

کرامتِ فاروق

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر پر کھڑے ہو کر آواز دی اور وہ لشکر دُور سے آواز سُنتا اور ان کے کہنے پر عمل کرتا ہے۔

مثل رواية عمر وهو على المنبر فى المدينة و جيشه بنها وند حتى قال لامير جيشه يا سارية الجبل الجبل تحذيراً له من وراء الجبل لمكر العدو هناك وسماع سارية كلامه مع بعد المسافة (شرح العقايد نسفی)

(جیسے حضرت عمر کی روایت جبکہ آپنے منبر پر لشکر کو نہاوند میں امیر لشکر کو فرمایا: اے ساریہ! پہاڑ کی اوٹ میں چلا جا۔ آپ اسے دشمن کے لشکر سے ڈرا رہے تھے۔ بُعدِ مسافت کے باوجود ساریہ نے آپ کا کلام سُن لیا)

فـ: مدینہ منورہ اور لشکر کے درمیان فاصلہ پانچ سو فرسخ تھا۔

اسی طرح خالد بن ولید کا زہر کھا کر کچھ نقصان نہ ہونا اور رودِ نیل کو عمر فاروق کا خط لکھنا۔

کراماتِ اولیاء کا کوئی منکر نہیں سوائے معتزلہ کے۔

ف: ان دلائل سے ولی اللہ کی کرامت واضح ہوئی اور یہی اہلسنت والجماعت کا مسلک ہے اور بعد الوفات بھی ثابت ہے۔

کرامت نجاشی بعد الوفات

(۱) حدیث شریف میں ہے:

عن عائشة قالت لما مات النجاشى كنا نتحدث انه لا يزال يرى على قبره نور

(رواه ابو داؤد، مشکوٰة فی باب الکرامات)

یعنی نجاشی مرا ہُوا تھا اور اس کی قبر پر نور (روشنی) دکھائی دیتا تھا۔

(۲) شرح الصدور میں ہے، زین الدین بوشی کہتے ہیں کہ عبد الرحمان فقیہ مقام منصورہ میں رہتے تھے۔ اس وقت اہلِ فرنگ نے کتنے مسلمانوں کو قید کیا اور کتنوں کو شہید کیا۔ عبد الرحمان قرآن شریف تلاوت کرتے تھے، یہ آیت پڑھی:

ولا تحسبن الذين قتلوا فى سبيل الله امواتا ط بل احياء عند ربهم يرزقون۔

یعنی جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہُوئے ان کو مُردہ خیال نہ کرو وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس

(باقی برصفحہ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ)

روزی پاتے ہیں۔
پھر جب عبدالرحمان فقیہ قتل کئے گئے تو ایک فرنگی آیا، اس کے ہاتھ میں نیزہ تھا۔ اس نے نیزہ سے ان کو چھوا اور طعنہ دے کر کہا: اے مسلمانوں کے پیشوا! تم کہتے تھے کہ "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم لوگ زندہ ہو اور روزی پاتے ہو"
اب یہ بات کہاں گئی؟ فقیہ نے سر اٹھا کر دوبارہ کہا:
حیٌّ و رب الکعبۃ ۔ (ربِ کعبہ کی قسم! میں زندہ ہوں)
یہ سُن کر فرنگی گھوڑے سے اُتر پڑا اور ان کے سر کو بوسہ دیا اور اپنے غلام کو حکم دیا کہ ان کی لاش ہمارے شہر میں لے چلو۔

کرامتِ امام حسین رضی اللہ عنہ

روایت ہے، سنہال بن عرو فرماتے ہیں کہ میں دمشق میں تھا قسم خدا کی میں نے دیکھا جب امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر کو دمشق سے روانہ کیا گیا تو ایک شخص سورۂ کہف تلاوت کر رہا تھا، جب اس نے یہ آیت پڑھی:
ان اصحاب الکہف والرقیم کانوا من اٰیاتنا عجباً
(کیا تُو نے خیال کیا کہ اصحابِ کہف اور رقیم والے ہماری نشانیوں سے عجیب تھے)
سرِ مبارک سے آواز آئی:
اعجب من اصحاب الکہف قتلی وحملی۔
یعنی اصحابِ کہف سے زیادہ تعجب کے قابل میرا قتل کرنا اور میرے سر کو روانہ کرنا ہے۔
مسئلہ: رسالہ انیس الارواح میں لکھا ہے:
بدانکہ سماع موتیٰ ثابت است ہر کہ انکار کرد از جملہ زنادقہ است۔
(اگر اس زمانے میں کوئی سماعِ موتیٰ سے انکار کرے تو وہ زندیقوں میں سے ہے)
صاحبِ کنز نے بھی ایسے ہی فرمایا ہے۔

کرامت

شرح الصدور میں لکھا ہے، روایت کی ابنِ عساکر نے عمیر بن حباب سلمیؓ سے کہ بنو امیہ کی لڑائی کے زمانہ میں ہم سب نو آدمیوں کو گرفتار کر کے روم کے بادشاہ کے پاس لے گئے اس نے سب کی گردن مارنے کا حکم دیا۔ چنانچہ آٹھ آدمیوں کی گردن مار دی گئی، جب میری نوبت آئی تو ایک چوب دار نے بادشاہ کا

ف : امیر المؤمنین علی کرّم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ مال جمع کرنے والے بھی بظاہر زندہ ہیں لیکن درحقیقت وہ بھی مُردے ہیں اور علماء (اولیاء اللہ اور باعمل علماء) ہمیشہ زندہ ہیں اگرچہ بظاہر ان کے اجسام ہماری نظروں سے اوجھل ہو جائیں کیونکہ ان کے آثار (کارنامے) دنیا میں موجود ہیں۔

مسئلہ : کفر قلب کی موت ہے ایسے ہی معصیت اس کی بیماری ہے۔ جس کا دل کفر سے مرجاتا ہے اس کا سننے کا مادہ ختم ہو جاتا ہے اسی لیے اسے نصیحت کوئی فائدہ نہیں دیتی ہاں جس کا دل گناہوں سے بیمار ہے وہ سنتا ہے مگر تھوڑا، جیسے بیمارِ جسمانی کی کیفیت ہوتی ہے یہ بھی ایسے ہی سمجھیے۔ پھر جیسے ظاہری بیمار علاج سے تندرست ہو جاتا ہے ایسے ہی یہ بھی روحانی علاج سے تندرست ہو سکتا ہے۔

وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ۔

ربط : یہ دُوسری تشبیہ ہے فرمایا : اور نہ ہی تم بہرے کو سُنا سکتے ہو۔

حلِ لغات : الصم، اصم کی جمع ہے صَمَمٌ سے مشتق ہے بمعنے سمع کی حس کا ختم ہو جانا۔ اس سے اس

سر اور پیر چُوم کر عرض کی کہ اس کو مجھے دیجئے۔ بادشاہ نے مجھے اس کے حوالے کر دیا وہ مجھے اپنے گھر لے گیا اس کی ایک لڑکی نہایت حسین و جمیل تھی اس کو بُلایا اور مجھ سے کہا : تُو جانتا ہے کہ بادشاہ کے نزدیک میرا کیسا مرتبہ ہے اگر تُو میرا دین قبول کر لے تو میں اس لڑکی سے تیری شادی کر دوں گا اور اپنا مال و دولت تیرے حوالے کر دُوں گا۔
میں نے جواب دیا : بی بی کے لیے میں اپنا دین نہیں بدلوں گا اور نہ دُنیا کی دولت کے واسطے میں اپنا مذہب چھوڑوں گا۔ میں کئی دن اس کے ہاں رہا وہ ہر روز مجھے یہی سمجھاتا رہا۔ ایک رات اس کی لڑکی مجھے اپنے باغ میں لے گئی اور کہا میرے باپ کی بات کیوں نہیں سُنتے؟ میں نے کہا بیوی اور دولت کے لیے اپنا دین ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ پھر اس نے کہا : تم یہاں رہنا پسند کرتے ہو یا اپنے شہر جانے کو۔ میں نے کہا اپنے شہر کو جانا پسند کرتا ہُوں۔ اور میرے شہر کا راستہ بہت دنوں کا تھا۔ اس نے مجھے آسمان سے ایک ستارہ دکھایا اور کہا اس ستارے کی سیدھ میں جانا اور جب صبح ہو تو چھُپ رہنا۔ پھر جب رات ہو تو راستہ چلنا یُوں تم شہر پہنچ جاؤ گے۔ میں وہاں سے روانہ ہُوا۔ تمام رات چلتا اور صبح ہوتے چھُپ رہتا۔ چوتھے دن ایک جگہ چھُپا تھا، دیکھا کہ چند سوار آئے میں ڈرا کہ شاید دشمن میری تلاش میں آ پہنچا ہے۔ جب میرے قریب آئے تو یہ وہی میرے ساتھی تھے جن کو شاہِ روم نے قتل کیا تھا، کچھ اور سوار بھی ان کے ساتھ سفید گھوڑوں پر سوار تھے۔ ان لوگوں نے مجھ کو پکارا کہ عمیر! میں نے کہا ہاں میں عمیر ہُوں۔ تم تو قتل کر دئیے گئے تھے پھر کیوں کر آئے؟ کہا ہاں ہم لوگ قتل کیے گئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے شہیدوں کو زندہ رکھا ہے اور ان کو حکم دیا ہے کہ وہ عمر بن عبدالعزیز کے جنازے میں شریک ہوں۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا : اے عمیر! اپنا ہاتھ دو۔ میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا اس نے مجھے اپنے گھوڑے پر سوار کر لیا۔ تھوڑی دُور جا کر اتار دیا، میں اپنے مکان کے پاس تھا۔ (شرح الصدور، ص ۱۰۸)
مزید تفصیل فقیر کی کتاب "الفتوح فیما فی الروح" اور سماعِ موتیٰ میں ہے۔ (اویسی غفرلہٗ)

کی تشبیہ دی جاتی ہے جو حق کی طرف توجہ نہ دے اور نہ اسے قبول کرے۔ کذا فی المفردات

الدُّعَآءِ بمعنے دعوۃ یعنی سُننا اِذَا وَلَّوْا جب وہ داعی سے پیٹھ پھیر جاتے ہیں درانحالیکہ وہ مُدْبِرِیْنَ ۝ حق کو پسِ پشت ڈالتے اور اس سے بھاگتے ہیں۔

ف : حکم کو اذا سے مقید کرنے میں کافروں کے سوءِ حال کا اظہار اور تنبیہ ہے کہ یہ برائی کی دونوں خصلتوں کے جامع ہیں اس لیے کہ اسماع عن الحق سے دُور اور اس کی طرف کان لگانے سے رُوگردان ہیں جس میں ایک کیفیت ہو اس کو دُوری از حق کے لیے کافی ہے جس میں دونوں ہو اس کا کیا کہنا!

نکتہ : بہرے سے اتنی امید ہو سکتی ہے کہ وہ بات نہ بھی سُنے تب بھی متکلم کے لب ولہجہ سے اندازہ کرکے کچھ تو سمجھ جائے گا لیکن جو بہرے سے متکلم کی طرف پیٹھ کرکے کھڑا ہو جائے تو وہ خاک سمجھے گا!

وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِی الْعُمْیِ اور تم اندھے پن سے ہدایت دینے والے نہیں۔

ربط : یہ اور تشبیہ ہے۔ اور تُو اندھے کو راہ دکھانے والا نہیں۔

حلِ لغات : العمی، اعمی کی جمع ہے یعنی اندھا۔

عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ یہ ہدایت کے متعلق ہے باعتبار معنیٰ صرف کے۔

نکتہ : کافروں کو اندھا اس لیے کہا گیا ہے کہ ان کی آنکھوں سے معبودِ حقیقی مفقود ہو گیا، یا اس لیے کہ ان کے قلوب اندھے ہو گئے (الارشاد) یعنی تم دل کے اندھوں کو گمراہی سے راہِ حق دکھانے والے نہیں ہو اور نہ ہی مشرکوں کو توفیقِ ایمان دہی کی قدرت رکھتے ہو۔ کیونکہ وہ تو مر چکے ہیں اور مُردہ نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ سُن سکتا ہے۔ پھر وہ خاک ہدایت پائے گا۔

اِنْ نافیہ ہے بمعنے ما۔ تُسْمِعُ تم نہیں سُناتے قرآن کے مواعظ ونصائح اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا مگر انہیں جو ہماری آیات پر ایمان لائے پھر ان کا ایمان ان میں تدبّر اور انہیں قبول کرنے کی طرف بلائے گا۔ یعنی ایمان قلب کی حیات ہے۔ جب دل زندہ ہو تو سمع وبصر اور زبان کو بھی زندگی حاصل ہے۔

ف : مومن سے وُہ مراد ہے جو ایمان کے لیے مستعد ہے۔

اب معنیٰ یہ ہو گا کہ تم انہیں سنا سکتے ہو جو ایمان کی استعداد رکھتے اور اس کی طرف متوجہ ہیں۔

فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ع وہی ہیں ماننے والے۔ یہ ان کے ایمان کی علّت ہے یعنی وہ سرِ تسلیم خم کرتے ہیں اس کے لیئے جو تم انہیں حق کی بات کہو۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ توجہ عالم حقیقت میں وہ احکامِ شریعت و آدابِ طریقت کو مانتے ہیں اس لیے وہ سالک (جو اللہ تعالیٰ کی طرف اڑ رہا ہے) کے لیے احکامِ شریعت و آدابِ طریقت دو پر ہیں۔ طریقِ جنان کا سالک ہو یا قربِ رحمان کے طریق کا، دونوں نفس و شیطان سے روگردانی کرتے اور داعیِ حق کی طرف بدل و جان متوجہ ہوتے ہیں۔

حضرت شیخ عطار الٰہی نامہ میں لکھتے ہیں :ـ

۱ یکے مرغیست اندر کوہ پایہ
کہ در سالے نہد چل روز خایہ
۲ بحد شام باشد جاے اُو را
بسوے بیضہ نبود راے اُو را
۳ چو بنہد بیضہ در چلے روز بسیار
شود از چشم مردم ناپدیدار
۴ یکے بیگانہ مُرغے آید نہ راہ
نشیند بر سر آں بیضہ آنگاہ
۵ چناں آں بیضہ در زیر پر آرد
کہ تا روزے از و بچہ برآرد
۶ چنانش پرورد آں دایہ پیوست
کہ ندہد ہیچ کس را آنچناں دست
۷ چو جوقے بچہ او پر برآرند
بیکدہ رُوے در یک دیگر آرند
۸ در آید زود مادر شان بپرواز
نشیند بر سر کوہے سرافراز
۹ کند بانگے عجب از دور ناگاہ
کہ آں خیل بچہ کردند آگاہ
۱۰ چو بشنوند بانگ مادر خویش
شوند از مرغ بیگانہ بر خویش
۱۱ بسوے مادر خود باز کردند
وزاں مرغ دگر ممتاز کردند
۱۲ اگر روزے دگر ابلیس مغرور
گرفتہ زیر پر ہستی تو معذور
۱۳ کہ چوں کردہ خطاب خود بدیدار
بسوے حق شود ز ابلیس بیزار

(بقیہ صفحہ)

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ
اللہ ہے جس نے تمہیں ابتداء میں کمزور بنایا پھر تمہیں ناتوانی سے طاقت
بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ
بخشی پھر قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا اور
شَیْبَةً یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ وَهُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ﴿٥٤﴾ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُقْسِمُ
بناتا ہے جو چاہے اور وہی علم و قدرت والا ہے اور جس دن قیامت قائم ہوگی مجرم قسم
الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَةٍ كَذٰلِكَ كَانُوْا یُؤْفَكُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا
کھائیں گے کہ نہ رہے تھے مگر ایک گھڑی وہ ایسے ہی اوندھے جاتے تھے اور بولے وہ جن کو علم اور
الْعِلْمَ وَالْاِیْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى یَوْمِ الْبَعْثِ فَهٰذَا یَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ
ایمان ملا بے شک تم رہے اللہ کے لکھے ہوئے میں اٹھنے کے دن تک تو یہ ہے وہ دن
كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٥٦﴾ فَیَوْمَىٕذٍ لَّا یَنْفَعُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿٥٧﴾
اٹھنے کا لیکن تم نہ جانتے تھے تو اس دن ظالموں کو نفع نہ دے گی ان کی معذرت اور نہ ان سے کوئی راضی کرنا مانگے
وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ وَلَىٕنْ جِئْتَهُمْ بِاٰیَةٍ لَّیَقُوْلَنَّ
اور بے شک ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کی مثال بیان فرمائی اور اگر تم ان کے پاس کوئی نشانی لاؤ
الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿٥٨﴾ كَذٰلِكَ یَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِیْنَ
تو ضرور کافر کہیں گے تم تو نہیں مگر باطل پر یوں ہی مہر کر دیتا ہے اللہ جاہلوں کے دلوں پر
لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿٥٩﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا یَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ ﴿٦٠﴾ ع
پر تو صبر کرو بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور تمہیں سبک نہ کردیں وہ جو یقین نہیں رکھتے

تفسیر عالمانہ اَللّٰهُ مبتدا، اس کی خبر اَلَّذِیْ خَلَقَكُمْ ہے۔ اللہ وہ جس نے اے انسانو! تمہیں پیدا فرمایا مِّنْ ضُعْفٍ ضعف سے نطفہ یا مٹی مراد ہے۔ یہاں مصدر بمعنے اسم فاعل ہے۔ الضعف بالفتح والضم قوت کی نقیض۔ بعض نے فرق بتایا ہے وہ یہ کہ اگر ضعف بالفتح ہو تو وہ تمیم کی لغت ہوگی۔ اسی کو حمزہ اور عاصم نے تینوں جگہوں میں اختیار کیا ہے۔ اگر بالضم ہو تو وہ قریش کی لغت ہے۔ اسی کو تمام نے قبول کیا۔ اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے بالفتح پڑھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بالضم پڑھایا ثُمَّ تراخی کا ہے زمانہ کی تراخی مراد ہے جَعَلَ پھر پیدا فرمایا۔

قاعدہ: جب جعل بمعنے خلق ہو تو مفعول واحد کی طرف متعدی ہوتا ہے۔

مِنۢ بَعۡدِ ضُعۡفٍ دوسرے ضعف سے۔ اس سے یہی موجودہ ضعف مراد ہے۔ یعنی پیٹ میں ہونا اور بچپن کا دور قُوَّةً اس سے وہ قوت مراد ہے جو بچے کو حاصل ہوتی ہے۔ پیدائش کے بعد حرکت کرتا ہوا دودھ کی طلب کرتا ہے اور رو کر اپنی تکلیف ہٹانے کی استدعا کرتا ہے۔

ف: بعض علماء نے فرمایا کہ ایک سال تک بچے میں طاقت باطنی طور پر ہوتی ہے پھر اعضاء میں سرایت کرتی ہے اس کے بطش (پکڑنے کی) اور اشیا کے حصول کی قدرت حاصل ہوتی ہے۔

ثُمَّ جَعَلَ مِنۢ بَعۡدِ قُوَّةٍ پھر اس قوت کے بعد پیدا کرتا ہے۔ اس سے سنِ بلوغ کے بعد جوانی کی قوت مراد ہے ضُعۡفًا اس ضعف سے بڑھاپا وغیرہ مراد ہے وَّشَيۡبَةً اس سے ہرم یعنی ساٹھ سالہ زندگی مراد ہے شیب اور مشیب بالوں کی سفیدی کو کہا جاتا ہے۔

ف: ضعف و قوت سے اس کی ایک حالت سے دوسری مخالف حالت مراد ہے۔

حسب ۱۹۸ سے آگے

ترجمہ: (۱) پہاڑوں میں ایک پرندہ ہے جو سال میں صرف چالیس روز انڈے دیتا ہے۔
(۲) شام کے علاقوں میں ہوتا ہے اسے انڈے دینے کا خیال نہیں ہوتا۔
(۳) لیکن ان چالیس دنوں میں خوب انڈے دیتا ہے پھر لوگوں کی نگاہوں سے چھپ جاتا ہے۔
(۴) پھر کوئی اور پرندہ آکر اس کے انڈوں پر بیٹھ جاتا ہے۔
(۵) جو انڈے اس کے پروں کے نیچے ہوتے ہیں کئی دنوں کے بعد ان میں سے بچے نکل آتے ہیں۔
(۶) وہ ان انڈوں کو ایسے پالتا ہے جیسے شفیق دایہ بچوں کو پالتی ہے۔
(۷) بچے انڈوں سے نکل کر ایک دوسرے سے چونچ ملاتے ہیں۔
(۸) پھر ان کی ماں پرواز کر کے پہاڑ پر جا بیٹھتی ہے۔
(۹) اچانک دور سے وہ ایک عجیب سی آواز نکالتی ہے جسے وہ تمام بچے سنتے ہیں۔
(۱۰) جب ماں کی آواز سنتے ہیں تو وہ بیگانے پرندے سے بیزار ہو جاتے ہیں۔
(۱۱) اور اپنی ماں کی طرف بھاگتے ہیں اور اس پرندے سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔
(۱۲) اگر کسی روز ابلیس مغرور نے تجھ پر دھوکا سے پنجہ گاڑ دیا ہے تو وہ معذور ہے۔
(۱۳) لیکن جب اللہ تعالیٰ کے دیدار کی آواز آئے گی تو تو بھی ابلیس سے بیزار ہو کر دیدار کی طرف بھاگ کر آجائے گا۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ فرع سے اصل کی طرف رجوع کرے اور کوشش کرے تاکہ اس کی روح کو سننے کی طاقت حاصل ہو جائے اس سے قبل کہ اس کے حواس ختم اور اس کے جسم کی احساس مٹ جائے۔

قاعدہ ۱: نکرہ کو جب دوبارہ معرفہ کر کے لایا جائے تو اس سے وہی پہلا مراد ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے:

رأیت رجلا فقال لی الرجل۔

(میں نے ایک مرد کو دیکھا تو اسی مرد نے مجھے کہا)

قاعدہ ۲: اگر نکرہ کو دوبارہ نکرہ لایا جائے تو اس سے پہلے کا غیر مراد ہوتا ہے۔ اسی لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

فان مع العسر یسرا ان مع العسر یسرا کہ انسان کی دو یُسروں پر ایک عُسر غالب نہیں آئے گا۔ ایسے ہی امام راغب اصفہانی نے تحقیق فرمائی اور بہت بڑے جلیل القدر مفسرین نے آپ کا اتباع کیا۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے خلقکم من ضعف پیدا کیا تمہیں بدایۃ میں۔ اس سے ضعف العقل مراد ہے ثم جعل من بعد ضعف قوۃ پھر ضعف کے بعد تمہارے اندر قوت پیدا فرمائی یعنی براہین و حجج عقل میں پیدا فرمائے ثم جعل من بعد قوۃ ضعفاً و شیبۃ پھر قوت کے بعد تمہارے اندر ضعف (بڑھاپا) پیدا فرمایا یعنی ایمان میں ضعف پیدا فرماتا ہے جب عقل سے معقولات کے علاقہ سے سمجھتا ہے تو اسے شہوات کے اسباب سے دیکھتا ہے جس میں وہم و خیال کی ملاوٹ ہوتی ہے تو شبہات کی ظلمات میں گر جاتا ہے اس لیے اس کا قدم سیدھے راستے سے ڈگمگا جاتا ہے اور وہ دین قویم سے ہٹ کر ہلاک اور برباد ہو جاتا ہے۔ ہزاروں اس طرح تباہ و برباد لوگوں کے حالات پڑھے سُنے جاتے ہیں کہ انہوں نے معقولات کی تعلیم و تعلم میں زندگی تباہ کی ان کی کوشش ہوتی تھی کہ کسی طرح شریعت کا نور بجھ جائے اپنے طور ظلمت طبیعت کے تحت ابطالِ شرع میں سر کی بازی لگا دی لیکن نورِ الٰہی مٹانے والے خود مٹ کے رہ گئے اللہ تعالیٰ نے اس کے نور کو اور چمکا دیا اگرچہ کافروں کو ناپسندیدہ اور گندا بنا دیا۔ نیز خلقکم من ضعف سے طلب تحیّر و تردّد بھی مراد ہو سکتا ہے ثم جعل من بعد ضعف قوۃ پھر صدق طلب میں ضعف کے بعد قوت بخشی ثم جعل من بعد قوۃ پھر طلب میں قوت کے بعد ضعفاً ضعف پیدا کیا کہ قول ثقیل کی برداشت نہ رہی۔

ف: قول ثقیل سے لا الٰہ الا اللہ کی حقیقت مراد ہے کیونکہ یہ فنا حقیقی اور اس ضعف حقیقی کا موجب ہے کہ عشق میں محبوب و محب کے درمیان معاتبات و معاشقات ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

شیبتنی سورہ ھود و اخوانھا۔

(مجھے سورۂ ہُود اور اس جیسی اور سورتوں نے بوڑھا کر دیا)

کیونکہ اس میں فاستقم کما امرت (جیسے تمہیں حکم ہے اسی پر مستقیم رہو) انہی معاشقات و معاتبات کی طرف اشارہ ہے۔

تفسیر عالمانہ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے منجملہ ان کے وہی ہے جو انسان میں ضعف و قوت اور جوانی و بڑھاپا پیدا فرماتا ہے۔ یعنی یہ ادوار طبعی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے۔

تفسیر صوفیانہ یخلق مایشاء پیدا کرتا ہے سعید و شقی میں قوت و ضعف۔ مثلاً سعید میں قوت ایمانیہ اور ضعف بشریہ، اور شقی میں وہ قوتِ بشریہ جو کفر کو قبول کرتی ہے اور وہ ضعف روحانیہ جو قبولِ ایمان سے عاجز ہے۔

تفسیر عالمانہ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ ۝ اور وہ اپنی تخلیق کو جانتا ہے اور اس کے ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پھیرنے پر قدرت رکھتا ہے نیز اہلِ سعادت و شقاوت کو خوب جانتا ہے اور ان کے اسباب وشقاوت کی تخلیق پہ قادر ہے۔

ف: انسان بہ نسبت غیر کے اپنے سے عبرت حاصل کرنے میں زیادہ قریب ہے اسی لیے انسان کو اپنے حالات کی تغییر و تبدیل کی خبر دی ہے تاکہ وہ اِن حالات کے پیشِ نظر اپنے صانع کامل کی معرفت سے آگاہ ہو کہ وہ علم و قدرت والا ہے اور حدوث و امکان سے منزّہ ہے۔ اس طرح سے طاعت و عبادت میں اس کا جی زیادہ نہیں لگے گا۔

ف: ایک بزرگ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرماتا ہے جو اپنی قوت کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں صرف کرتا ہے اگر وہ ضعیف ہے تو پھر اپنے آپ کو گناہوں سے بچاتا ہے۔

سبق: ساٹھ سال کے بعد انسان بیماریوں کے جھٹکوں میں ہوتا ہے عمل کرنے کے لائق نہیں رہتا۔ مقاصد کے حصول سے عاجز ہوتا ہے اور اجل سر پہ سوار نظر آتی ہے۔ اسی لیے نوجوانوں پہ لازم ہے کہ عبادت میں سُستی نہ کریں اور نہ ہی عبادت میں خلل کو گھسنے دیں۔

جوانی نعمت ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اوصیکم بالشان خیرا ثلاثہ فانھم ارق افئدۃ الاوان اللہ ارسلنی شاھدا و مبشرا و نذیرا فحالفنی الشبان وخالفنی الشیوخ۔

(میں تمہیں نوجوانوں کے لیے خیر کی وصیّت کرتا ہوں تین بار تاکید فرمائی اس لیے بعض نوجوان رقیق القلب ہوتے ہیں آگاہ رہو کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے شاہد و مبشر و نذیر بنا کر بھیجا ہے ابتدائے اسلام میں میری مدد اکثر نوجوانوں نے کی اور اکثر بوڑھوں نے مخالفت)

خضاب کی ممانعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بوڑھوں کی تعریف فرمائی کہ جو شخص اسلام میں بوڑھا ہوا اسے اس کے سفید بالوں کے عوض نور نصیب ہو گا بشرطیکہ وہ سفید بالوں کو سیاہ خضاب نہ لگائے اور نہ ہی انہیں اکھیڑے۔

مسئلہ: سیاہ خضاب غازیوں کے سوا سب کے لیے حرام ہے[1]۔ غازیوں کے لیے اس لیے حلال ہے کہ وہ دشمنوں کو ہیبت ناک نظر آئیں گے (یہ اس وقت تھا جب جنگ آمنے سامنے ہوتی تھی اب گولہ بازی و دیگر آلات سے جنگ ہوتی ہے، آمنے سامنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہاں اب قوت و ہنر کی ضرورت ہے لیکن میرے زمانے کے علماء کا غازی ہونا کچھ اور طریقے کا ہے)[2]

مسئلہ: خضاب سرخ جیسے مہندی اور زرد خضاب کا استعمال مستحب ہے۔

نکتہ: یخلق ما یشاء میں دلیل ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی میں بڑھاپا نہ آنے دے تو اس پر بڑھاپا آ ہی نہیں سکتا[3]۔

سوال: تم کہتے ہو بڑھاپا اللہ تعالیٰ لاتا ہے لیکن ذیل کے شعر میں زمانے کی گردش کو بتایا ہے۔ چنانچہ کہا: ؎

اشاب الصغیر وافنی الکبیر
کر الغداۃ و مر العشی

---

[1] میرے دور میں بہت سے بوڑھے علماء خضاب لگا کر اپنے لیے غازی بننے کی ایک ایسی علت بتاتے ہیں جسے لکھنے یا بتانے سے مجھے شرم آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نفس کی شرارت سے بچائے۔ آمین

[2] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

[3] جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترسیٹھ برس کی عمر کے باوجود سر اور داڑھی مبارک میں چند سفید بال تھے اور خود رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ اقدس کی برکت نے بہت سے صحابہ کو بعض اوصاف میں بڑھاپے کے قریب نہ پھٹکنے دیا۔ چند واقعات ملاحظہ ہوں:

(۱) حضرت عمرو بن ثعلب کے چہرے اور سر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ مبارک پھیرا، انھوں نے سو سال کی عمر پائی اور سر کے وہ بال جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ مبارک نے چھوا وہ سفید نہ ہوئے۔

(۲) حضرت یزید بن قافہ طائی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہ گنجے تھے، آپ نے ان کے سر پر ہاتھ مبارک رکھا تو اسی وقت بال اُگ آئے۔ اس لیے ان کا لقب ہلب (بسیار مُو) تھا۔

(۳) یسار بن ازیہر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ مبارک پھیرا۔ حضرت یسار کی صاحبزادی عمیرہ فرماتی ہیں کہ میرے باپ کے بال عمر بھر سفید نہ ہوئے۔

(۴) حضرت ابو زید اخطب انصاری رضی اللہ عنہ کے سر اور چہرے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پھیرا تو ان کی سو سال کی عمر ہوئی لیکن بال سفید نہ ہوئے۔

مزید فقیر کی کتاب "الاصابہ" میں پڑھیے۔ اویسی غفرلہٗ

ترجمہ: بچوں کو جوان کیا اور بوڑھوں کو مار دیا صبح و شام کی آمد و رفت نے۔
جواب: یہ اسناد مجازی ہے۔

حکایت سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے اپنا چہرہ آئینے میں دیکھ کر فرمایا کہ افسوس بال تو سفید ہو گئے لیکن عیب نہ گیا، نہ معلوم آگے کیا ہونا ہے ؎

یا عامر الدنیا علی شیبہ

فیك اعاجیب لمن یعجب

ما عذر من یعمر بنیانہ

وجسمہ مستھدم یخرب

ترجمہ: اے بڑھاپے میں دُنیا کو آباد کرنے والے! تیرے اُوپر تعجب والے تعجب کر رہے ہیں۔ اس کے ہاں کیا عذر ہے، جو مکان تو تعمیر کر رہا ہے لیکن اس کا جسم مٹی میں مل کر مٹی ہو جائے گا۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ کنوں باید اے خفتہ بیدار بود

چو مرگ اندر آرد زخوابت چہ سود

۲ چو شیب اندر آمد بروے شباب

شبت روز شد دیدہ برکن زخواب

۳ من آں روز برکندم از عمر امید

کہ افتادم اندر سیاہی سپید

۴ دریغا کہ بگزشت عمر عزیز

بخواہد گزشت ایں دمے چند نیز

۵ فرو رفت جم را یکے نازنین

کفن کرد چوں کرمش ابریشمین

۶ بدخمہ در آمد پس از چند روز

کہ بروے بگرید بزارے و سوز

۷ چو پوشیدہ دیدش حریر کفن

بفکرت چنیں گفت با خویشتن

۸ من از کرم برکندہ بودم بزور

بکندند از و باز کرمان گور

ترجمہ: (۱) اے سونے والے! اب تجھے بیدار ہونا چاہیے ورنہ جب تجھے موت نے جگایا تو پھر کیا فائدہ!

(۲) جب چہرے پر بڑھاپا آگیا تیری رات گئی دن آگیا اب تو نیند سے آنکھ کھول۔

(۳) میں تو زندگی سے اس وقت سے ہاتھ دھو بیٹھا ہوں جب میرے سیاہ بال سفید ہوئے۔

(۴) افسوس ہے تیری پیاری زندگی گزر گئی اور یہ باقی چند لمحات بھی گزر جائیں گے۔

(۵) جمشید کا ایک لڑکا مر گیا اس نے اس کا کفن ریشم کا تیار کرایا۔

(۶) چند دنوں کے بعد اس کی قبر کھود کر خیال کیا کہ اسے دیکھ کر خوب آنسو بہاتے۔

(۷) جب اس کا کفن بوسیدہ دیکھا تو فکر میں ڈوب کر کہا

(۸) میں نے تو کیڑوں سے بزور ریشم کا کفن بنوایا لیکن قبر میں کیڑوں نے اس کا کفن چھین لیا۔

روایت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو خوب روتے یہاں تک کہ آپ کی داڑھی تر ہو جاتی۔ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ جنت و دوزخ پر اتنا نہیں روتے قبر سے کیوں زیادہ روتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان القبر اول منزل من منازل الاخرة فان نجا منه فما بعده ایسر منه وان لم ینج منه فما بعده اشد منه۔

(قبر آخرت کی پہلی منزل ہے اگر اس سے نجات پا گیا تو باقی منازل طے کرنا آسان ہوگا۔ اگر اس سے ہی نجات نہ ملی تو پھر آگے کی منازل شدید تر ہیں)

حکایت حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے ایک لڑکی کو بین کرتے سنا، وہ کہہ رہی تھی، ابا! تیرا بستر میں بچھاتی تھی اب تیرا بستر کون بچھائے گا۔ ابا! تجھے کھانا پکا کر کھلاتی تھی اب تیرا کھانا کون پکائے گا وغیرہ وغیرہ۔ آپ نے فرمایا، یوں کہو کہ ہم نے تیرا چہرہ قبلہ رُخ رکھا تھا اب نہ معلوم اسی حالت پہ ہے یا پھر گیا ہے، ابا! نہ معلوم تیری قبر بہشت کا باغیچہ ہے یا جہنم کا گڑھا۔ ابا! نہ معلوم تُو نے نکیرین کو صحیح جواب دیا یا غلط۔ لڑکی نے کہا: آپ نے سچ فرمایا اب یوں ہی کہوں گی۔

سبق سمجھدار ہمیشہ موت کو یاد کرتا اور بعد سفر کی فکر میں رہتا ہے بلکہ اس کی تیاری میں یعنی ایمان سلامت اور عمل صالح جیسے نماز و روزہ اور شب بیداری یعنی تہجد وغیرہ کی ادائیگی میں مصروف رہتا ہے ان تمام اعمال سے اصلاح نفس اور لوگوں کو ایذا دینے سے مثلاً غیبت و کذب سے بچنے رہنا افضل عمل ہے اور ہر عمل میں خلوص ضروری ہے اور یہ توحید کی پختگی سے نصیب ہوتا ہے اور توحید کی پختگی رات دن قلب کی صفائی سے ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اور اس وقت کہ قیامت قائم ہوگی۔

ف : اسے ساعت اس لیے کہتے ہیں کہ یہ دنیا کی آخری گھڑی ہے یا اس لیے کہ یہ اچانک آئے گی۔ ویسے تو ہر گھڑی ساعت ہے۔ لیکن اب قیامت کا علم مستعمل ہے جیسے النجم اور الکواکب ہر ستارے کو کہتے ہیں لیکن اب پہلا ثریا کے لیے اور دوسرا زہرہ کے لیے علم بن گئے ہیں۔ فتح الرحمٰن میں اس کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ دن کی وہ گھڑی جس میں قیامت قایم ہوگی۔

يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مجرم قسمیں کھائیں گے۔ اقسم سے ہے بمعنے حلف۔ دراصل یہ اس قسامت سے ہے جو مقتول کے قتل پر متہمین سے قسمیں لی جاتی ہیں۔ لیکن اب ہر قسم پر اس کا اطلاق ہوتا ہے مَا لَبِثُوْا قبروں میں نہیں ٹھہرے ما نافیہ ہے اور لبث بالمکان سے ماخوذ ہے۔ اس کے لیے بولتے ہیں جو اسی مکان میں دائمی مقیم ہو غَيْرَ سَاعَةٍ سوائے ایک لمحہ کے جھوٹ بولیں گے یا ان کو بھول جائے گا یا بطور تخمینہ کہیں گے۔

ف : بعض نے کہا یہ انکار دنیا میں ٹھہرنے کا ہے لیکن صحیح پہلا قول ہے کیونکہ اس ٹھہرنے کا بیان یوم یبعثهم اللہ میں آرہا ہے۔ اور پھر ان کا دنیا میں ٹھہرنا اس طرح کا نہیں ہے۔

كَذٰلِكَ اسی پھیرنے کی طرح یعنی آخرت میں صحیح بات سے ہٹنے کی طرح كَانُوْا تھے وہ دنیا میں مرنے کے بعد اٹھنے کے انکار اور اس کے بطلان پر قسم کھانے میں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

واقسموا باللہ جهد ایمانهم لا یبعث اللہ۔

(اور انہوں نے پکی قسمیں کھائیں کہ اللہ تعالیٰ مُردوں کو قبروں سے نہیں اٹھائے گا)

يُؤْفَكُوْنَ ۝

حل لغات : اہلِ عرب کہتے ہیں : افك فلان - بمعنے فلاں صدق اور خیر سے پھر گیا۔

اب معنیٰ یہ ہے کہ وہ حق اور صدق سے ہٹ کر باطل اور بہتان اور جھوٹ میں لگ جائیں گے۔ یعنی جیسے وہ دنیا میں جھوٹ بولتے ہیں ایسے ہی آخرت میں جھوٹ بولیں گے۔ غرضیکہ ان کا کام ہی جھوٹ بولنا ہے دنیا ہو یا آخرت۔

نکتہ : اللہ تعالیٰ نے صدق پیدا فرمایا تو اس کے سایہ سے ایمان و اخلاص ظاہر ہوتے اور جھوٹ پیدا فرمایا تو اس کے سایہ سے کفر و نفاق ظاہر ہوتے۔ وہ ایمان جو صدق سے پیدا ہوا اس کا نتیجہ وہی نکلے گا جو قیامت میں اہلِ ایمان کہیں گے :

الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ وهذا ما وعد الرحمٰن وصدق المرسلون۔

(سب تعریف اس کے لیے جس نے ہمارے ساتھ وعدہ سچ کر دکھلایا یہ وہی ہے جو رحمان نے وعدہ فرمایا اور رسل کرام نے سچ فرمایا)

وغیرہ وغیرہ۔ اور جس جھوٹ سے کفر نکلا اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کافر بولیں گے :

واللہ ماکنا مشرکین۔
(بخدا ہم تو مشرک نہیں تھے)

اور:
وما لبثوا غیر ساعۃ۔
(وہ تو لحہ بھر بھی نہیں ٹھہرے)
اس طرح اور جھوٹ وغیرہ۔
حضرت حافظ رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

بصدق کوش کہ خورشید زاید از نفست
کہ از دروغ سیہ روئے گشت صبح نخست

ترجمہ: سچ بولنے کی کوشش کرتا کہ تجھ سے سورج (ایمان) کا طلوع ہو صبح کاذب اسی لیے سیاہ ہے کہ اس نے جھوٹ بولا۔
یعنی سچ کا نتیجہ نور ہے جیسے جھوٹ کا نتیجہ سیاہی۔ صبح کاذب کو دیکھ لو۔

تفسیر عالمانہ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ اور اہل علم وایمان اور ملائکہ ان کا رد کرتے ہوئے کہیں گے لَقَدْ لَبِثْتُمْ بخدا تم ٹھہرے فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ بحکم تقدیر ربانی جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے علم وقضاً کے موافق لکھا ہے اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ قیامت میں اُٹھنے تک۔ یہ بہت بڑی مدت اور طویل عرصہ ہے اس سے کوئی خاص مدت مراد نہیں۔

حدیث شریف میں ہے:
ما بین فناء الدنیا والبعث اربعون۔
(قیامت اور دنیا کے فنا ہونے کے درمیان چالیس کا عرصہ ہے)

شرح الحدیث اس سے چالیس ساعات یا چالیس دن یا چالیس سال مراد ہے۔ یہی زیادہ ظاہر ہے یا اس سے چالیس ہزار سال مراد ہیں۔

فَهٰذَا ربط: اس سے خبر دیں گے کہ جس کا تمہیں انکار تھا وہ یہ ہے۔ یہ شرط محذوف کی جزا ہے یعنی اگر تم اُٹھنے کے منکر ہو تو یہی ہے يَوْمُ الْبَعْثِ اُٹھنے کا دن جس کا تم انکار کرتے تھے اور تمہیں دنیا میں اس سے ڈرایا جاتا۔ لیکن اب تمہارے بطلان کا اظہار ہو گیا وَلٰكِنَّكُمْ لیکن تم اپنی جہالت کے زور اور کوتاہ نظری سے كُنْتُمْ تھے تم دنیا میں لَا تَعْلَمُوْنَ۝ نہیں جانتے کہ وہ حق ہے۔ اور یقیناً ہوگا اپنی جہالت سے استہزا کرتے ہوئے اس کے آنے میں جلد بازی کرتے تھے فَيَوْمَئِذٍ تو قیامت میں لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ظالمین یعنی مشرکین کو نفع نہ دے گا مَعْذِرَتُهُمْ ان کا عذر۔ یہ لا ینفع

کا فاعل ہے عذر بمعنے انسان کا اپنی غلطیوں کو زائل کرنے کی کوشش کرنا مثلاً کہے کہ میں نے یہ کیا ہی نہیں اور اس کے کرنے کی فلاں وجہ ہے غرضیکہ اپنے آپ کو غیر مجرم ثابت کرے ۔ یا میں نے یہ غلطی کی ہے لیکن آئندہ ہرگز نہیں کرے گا ۔ اس قسم کا نام توبہ ہے ہر توبہ کو عذر کہہ سکتے ہیں لیکن ہر عذر کو توبہ نہیں کہا جا سکتا (ان میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے) عذر؛ العذرۃ سے ماخوذ ہے بمعنے گندگی ۔ مثلاً کہا جاتا ہے،

عذرت الصبی۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب بچے کو گندگی سے پاک صاف کرے ۔ ایسے ہی کہتے ہیں ،

عذرت فلانا۔

یعنی میں نے اس سے معافی طلب کرکے اپنی غلطی کی گندگی دھو ڈالی ہے (المفردات)

ف ؛ کشف الاسرار میں ہے کہ یہ العذار سے ہے بمعنے ڈھانپنا۔

وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ۝ یہ الاعتاب سے ہے بمعنے ازالۃ العتب والغضب ۔ (کسی سے عتاب و غضب زائل کرنا) یعنی کسی کو خوش کرنا ۔ استعتاب (اسی کی طلب کرنا) یعنی اسے خوش کرنے کی طلب کرنا ۔ مثلاً کہا جاتا ہے ؛

استعتبنی فلان فاعتبته ۔

(فلاں نے مجھ سے رضامندی چاہی تو میں نے اسے راضی کیا)

یعنی انہیں اس طرف نہیں بلایا جائے گا کہ ایسا کام کریں جس سے ان سے بذریعہ توبہ وطاعت غضب و عتاب زائل ہو جائے جیسا کہ انہیں دنیا میں اس طرف بلایا جاتا تھا کیونکہ اب آخرت میں نہ توبہ کام دے گی نہ طاعت اور نہ ہی انہیں دنیا کی طرف جانے کی اجازت ہو گی تاکہ کھوئی ہوئی دولتِ ایمان اور عمل صالح حاصل کریں ۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؛ ؎

۱ کنونت کہ چشم است اشکے ببار
زباں در دہانست عذرے بیار

۲ کنون بایدت عذر تقصیر گفت
نہ چوں نفس ناطق ز گفتن بخفت

۳ بشہر قیامت مرو تنگ دست
کہ وجہے ندارد بحسرت نشست

ترجمہ ؛ (۱) ابھی تیری آنکھیں ہیں آنسو بہا ، زبان منہ میں ہے عذر لا ۔

(۲) ابھی تجھے تقصیر کے عذر کہنے کی طاقت ہے نہ اس وقت جب زبان بولنے سے رہ جائے گی ۔

(۳) قیامت کے شہر تنگدست ہو کر نہ جا وہاں حسرت سے بیٹھنا فائدہ نہ دے گا ۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ انسان کا جسم قبر کی طرح ہے اسی لیے قیامت میں دنیوی زندگی کو محض چند لمحات تصوّر کریں گے اگرچہ انہیں بہت طویل وقت گزارنے کو ملا بالخصوص قیامت میں اُٹھنے تک۔

حدیث شریف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛
الدنیا ساعۃ فاجعلہا طاعۃ۔

(دنیا ایک لمحہ ہے اسے طاعت میں صرف کر دے)

حکایت ایک عابد پر نزع طاری ہوئی تو رونے لگا اور فرمایا، مجھے حُزن اور ملال اور غم اور خطاء و ذنوب پر افسوس نہیں ہو رہا بلکہ اس رات پر رو رہا ہوں جس میں میں جاگ نہ سکا اور اس دن پر جس میں میں روزہ نہ رکھ سکا اور گھڑی پر جس میں ذکرِ الٰہی سے غفلت میں گزر گئی۔

قیامِ[1] قیامت کی خبر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا؛
الدنیا جمعۃ من جمع الاٰخرۃ سبعۃ اٰلاف سنۃ وقد مضی ستۃ اٰلاف ولیأتین علیہا مئون من سنین لیس علیہا موحد۔ (ص ۵۹ ج ۷)

(دنیا آخرت کے جمعات میں سے ایک جمعہ ہے یعنی دنیا سات ہزار سال ہے اب تک چھ ہزار سال گزر گئے اور اس پر دو سو سال ایسے ہیں جن میں ایک بھی اہلِ توحید (مسلمان) نہ ہوگا)

یعنی جب اللہ تعالیٰ دنیا کو مٹانا چاہے گا تو قربِ قیامت میں اہلِ ایمان نہیں رہیں گے پھر سنبلہ کا دور غالب ہو کر ظہور سے بطون کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ پھر برزخ کی مدّت ختم ہو کر نفخ صور ہوگا۔ اس پر اہلِ ایمان اس عقیدہ پر اُٹھیں گے جس پر انہیں موت آئے گی یعنی توحید (ایمان) پر، اور اہلِ کفر کفر پر اٹھیں گے جیسے کہ وہ کفر پر مرے تھے۔ اب دنیا کی زندگی اور اس کا دُکھ سکھ بھُولا بسرا ہو جائے گا۔

سبق: اسے مبارک ہو جو دن بھر روزے رکھتا ہے یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ بڑے طویل دن میں اپنی خاص نعمتوں سے کھلائے پلائے گا۔ اور مبارک ہو اس بندۂ خدا کو جو ساری رات بیدار رہتا ہے، یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ عرشِ الٰہی کے سائے تلے جگہ دے گا جو قیامت کی تاریکی سے راحت پائے گا اور مبارک ہو اس عاشقِ زار کو جو محبّتِ الٰہی کی نار میں جلتا رہا تو قیامت میں اللہ تعالیٰ اسے نارِ محبت کی جلن سے آزاد کر کے اپنے نور سے مسرور فرمائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت میں متقی کو شدّتِ دنیا اور آخرت کی تپش سے محفوظ رکھا جائے گا۔

---

[1] ہمارے دَور کے معتزلہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعتِ علم کے منکر ہیں اور کہتے ہیں انہیں قیامِ قیامت کا علم نہیں اور آیت "وعندہٗ علم الساعۃ" سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ اس میں نفی کا ایک لفظ نہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے علم ساعۃ کا اثبات فرمایا ہے اور بس۔ اویسی غفرلہٗ

حضرت شیخ عطار قدس سرہٗ نے الٰہی نامہ میں فرمایا ؎

۱ مگر یک روز در بازارِ بغداد
بغایت آتشے سوزندہ افتاد

۲ فغان برخاست از مردم بیکبار
وزاں آتش قیامت شد بدیدار

۳ بزہ بر پیرہ زالے مبتلا ئے
عصا در دست مے آید زجا ئے

۴ یکے گفتا مگر دیوانۂ تو
کہ افتاد آتش اندر خانۂ تو

۵ زنش گفتا توے دیوانۂ من
کہ حق ہرگز نسوزد خانۂ من

۶ بآخر چوں بسوخت عالم جہانے
نبود آں زال را ز آتش زیانے

۷ بدو گفتند ہاں اے زال دمساز
بگو کز چہ بدانستی تو ایں راز

۸ چنیں گفت آنگہے زال فرو تن
کہ یا خانہ بسوزد یا دل من

۹ چو سوخت آں غم دل دیوانۂ را
نخواہد سوخت آخر خانۂ را

ترجمہ (۱) ایک دن اچانک بغداد میں آگ بھڑک اُٹھی اور بازار جل رہا تھا۔

(۲) لوگوں نے یکبارگی شور اٹھایا کہ آگ نے قیامت بپا کردی ہے۔

(۳) لیکن ایک بڑھیا اپنے گھر سے عصا ہاتھ میں لے کر اطمینان سے باہر نکلی۔

(۴) کسی نے اسے کہا کہ شاید تُو پاگل ہے کہ گھر آگ سے جل رہا ہے اور تُو اطمینان سے جا رہی ہے کسی قسم کا واویلا نہیں کرتی۔

(۵) اسے بڑھیا نے کہا تُو ہی دیوانہ ہے کیونکہ مجھے یقین ہے اللہ تعالیٰ میرا گھر نہیں جلائے گا۔

(۶) بالآخر بغداد کا بازار جل کر راکھ ہو گیا لیکن بڑھیا کی جھونپڑی محفوظ رہی۔

(۷) اسے کہا گیا اے بی بی پاکدامن! بتائیے یہ راز کیا ہے؟

(۸) اس بڑھیا نے کہا کہ وہ یا میرا گھر جلاتا یا دل ۔
(۹) لیکن وہ میرا دل تو پہلے ہی جلا چکا ہے تو پھر میرا گھر کیسے جلائے گا !

سبق عاقل کو چاہیے احکام و اوامر وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کے ارادے پر گامزن ہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ پھر اس کی مراد پر چلے کہ جیسے وہ نارِ جہنم سے نجات چاہے اسے نجات بخشے ۔ اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا صرف دنیا میں ہے ۔ جب موت آئے تو بندے کے منہ اور دیگر اعضا پر مہر لگا دی جاتی ہے اور حواس قویٰ اور تمام تدارک کے طرق بند کر دئیے جاتے ہیں اب ہر بندہ اپنے کردار کا پابند ہوتا ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ اور ہم نے لوگوں کے لیے قرآن میں ہر طرح کی کہاوتیں بیان کی ہیں ۔ لقد قسم کی طرف اشارہ ہے یعنی بخدا ہم نے بیان کیں الخ ۔ انہیں کہاوتوں سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے جیسے کہاوت ایک عجیب و غریب مضمون پر مشتمل ہوتی ہے ایسے ہی قرآن پاک کا ہر مضمون عجائب و غرائب سے بھرپور ہے جیسے توحید اور قیامت میں اٹھنا اور رسل کا صدق ایسے ہی دنیا و دین کے امور کہ جن کے یہ محتاج ہیں ایسے اچھوتے طریق سے بیان کیے گئے ہیں کہ اہلِ تفکر آسانی سے ہدایت پا سکتے ہیں اور اہلِ تدبر باحسن وجوہ عبرت حاصل کر سکتے ہیں وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ اور اگر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ! ان معاندین و منکرین کے لیے لائیں بِاٰیَةٍ قرآن کی کوئی آیت جو انہیں ایسی باتیں کھول کر بتائے لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا تو جہالت کے زور اور قساوۃ قلبی سے یہی کافر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام سے کہیں گے ۔ اِنْ نافیہ ہے اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ۝ نہیں ہو تم مگر بناوٹی بات بتانے والے ۔ ابطل الرجل سے ہے بمعنے باطل بات لایا و اکذب اور جھوٹ لایا ۔

المفردات میں ہے : الابطال بمعنے افساد الشئ وازالتہ حقا کان ذالک الشئ او باطلا ۔ یعنی شے کو فاسد کرنا یا اس کے وجود کو ختم کر ڈالنا یا اسے باطل کرنا ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

لیحق الحق ویبطل الباطل ۔

(تاکہ حق کو ثابت کرے اور باطل کو مٹائے)

اور کبھی ایسی شے کو کہا جاتا ہے جس کی کوئی حقیقت نہ ہو ۔

لہ علامہ اقبال مرحوم نے کہا : ؎

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

اویسی غفرلہٗ

كَذٰلِكَ اسی طرح يَطْبَعُ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ ان کے اختیاری کفر کی وجہ سے مُہر لگاتا ہے عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ان کے دلوں پر جو علم طلب نہیں کرتے بلکہ اپنے گندے اعتقادات پر اور اپنی نکالی ہوئی غلط بدعات پر اصرار کرتے ہیں اس لیے کہ جہل مرکب انہیں ادراکِ حق سے روکتا اور حق والوں کی تکذیب پر اُبھارتا ہے۔

طبع کی تحقیق طبع بمعنے کسی شے کو دوسری صورت سے مصوّر کیا جاتے جیسے طبع السکہ سکہ کی مہر اور طبع الدراھم پیسوں کی مُہر۔ یہ اختم سے اعم اور النقش سے اخص ہے۔ طابع وخاتم وہ شے جس سے مُہر لگائی جائے یعنی آلہ ختم وطبع، فاعل کا وزن اسی معنیٰ کے لیے آتا ہے۔ الطبیعۃ کو اسی لیے طبیعت کہتے ہیں کہ وہ نفس میں ایک مُہر کی مانند ہے خلقۃً ہو یا عادۃً۔ لیکن جو خلقۃً (پیدائشی) ہو وہ اس میں اکثر استعمال ہوتی ہے۔

نکتہ اللہ تعالیٰ نے نفوس کفار کے اندر کفر و معاصی سے محبت کرنے اور ایمان و طاعت سے نفرت کرنے پر مُہر لگانے برتنوں وغیرہ پر مُہر لگانے سے اس لیے تشبیہ دی ہے کہ جس طرح برتنوں وغیرہ پر مُہر کے بعد وُہ تصرف سے محفوظ ہو جاتے ہیں ایسے ہی کفار کے دل حق کو قبول کرنے سے محروم ہو گئے ہیں۔ بس ہیئت کو طبع سے تشبیہ دے کر لطبع کو اس سے مشتق کر کے استعارہ کیا گیا ہے۔ یہ استعارہ تبعیہ ہے۔

فَاصْبِرْ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! صبر کیجئے ان کی ایذاؤں پر جو وہ زبان یا ہاتھ وغیرہ سے آپ کو پہنچا رہے ہیں اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ بے شک اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ جو آپ کے ساتھ ہے کہ آپ کی مدد کروں گا اور آپ کے دین کو غالب رکھوں گا حق ہے اس کا ایفا ضروری ہے لیکن وقت کا انتظار کیجئے، کیونکہ ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر ہے ــــــ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ اور تمہیں خفت اور قلق و جزع فزع پر برانگیختہ نہ کرے۔

المفردات میں ہے: لا یستخفنك بمعنے لا یزعجنك ولا یزیلنك بمعنے لا یحملنك (تمہیں ہٹا نہ دے) تمہارے عقاید سے ان کے شبہات وغیرہ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ۝ وہ لوگ جو یقین نہیں رکھتے۔ الایقان بمعنے بے گمان ہونا۔ یقین در اصل صاف پانی کو کہا جاتا ہے۔ کما فی کشف الاسرار یعنی تکذیب کی وجہ سے آیات پر یقین نہیں رکھتے اور اپنی غلط باتوں کی وجہ سے جو کہا کرتے ہیں ان انتم الا مبطلون آیاتِ الٰہی کا اعتبار نہیں کرتے کیونکہ یہ شقی اور گمراہ ہیں اور یہ ان کی کوئی بات نہیں بلکہ یہ ہمیشہ اس طرح کرتے رہتے ہیں۔

نکتہ: بظاہر تو ان کے استخفاف سے نہی ہے لیکن درحقیقت ان کے اثرات قبول کرنے سے روکا جا رہا ہے۔

کفار کی ایذا رسانی کا ایک نمونہ مروی ہے کہ جب ابُو طالب مر گیا تو کفار کی اذیتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑھ گئیں یہاں تک کہ قریش مکہ کے بعض احمقوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر مٹی ڈال دی آپ اسی حالت میں دولت کدہ میں تشریف لے گئے تو آپ کی صاحبزادی سر سے مٹی ہٹاتی رہی اور روتی بھی رہی۔ آپ نے فرمایا: "بیٹی! نہ رو تیرے باپ کا پروردگار ان کفار کو عنقریب روک دے گا۔" یہی حال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا۔ الحمد للہ سب نے صبر کیا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے۔ پھر ایک عرصہ کے بعد دولت نے ان کے قدم چُومے پھر تو دین و دنیا و آخرت کے جامع ہُوئے۔

حضرت حافظ قدس سرّہٗ نے فرمایا: ؎

ولا در عاشقی ثابت قدم باش
کہ دریں راہ نباشد کار بے اجر

ترجمہ: اے دل! عاشقی میں ثابت قدم رہ اس راہ کا کام بے اجر نہیں ہوتا۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فاصبر میں طالبِ صادق کو اشارہ ہے کہ نفس کو مالوفات سے بچانے کی تکالیف برداشت کرنے میں صبر کر اس لیے کہ اس طرح سے اس کا تزکیہ ہوگا اور دل کو صفاتِ نفس کی گرد و غبار سے دُور رکھ کہ اس طرح سے اس کا تصفیہ ہوگا، جود کے حصول میں وجود کو خرچ کر روح کی مدد کر کہ اس طرح سے اس کو تخلیہ نصیب ہوگا ان وعد اللہ حق بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے کہ اس نے فرمایا ہے:

أ لا من طلبنی وجدنی۔

(جو مجھے طلب کرے گا وُہ مجھے پالے گا)

ولا یستخفنك الذین لا یوقنون اس میں اشارہ ہے کہ کافروں کا کام ہے کہ وُہ اہلِ حق کی تحقیر و تجہیل و تکذیب کیا کرتے ہیں ایسے لوگ کبھی ایقان سے نہیں ہو سکتے اگرچہ وہ ایمان تقلیدی بھی رکھتے ہوں اور تمہیں ان کا استخفاف و استحقار طریقِ حق سے منقطع نہ کر دے اگرچہ وُہ تمہارے اوپر سو بار استہزاء و انکار کریں۔ جیسا کہ ہر زمانے میں ایسے لوگوں کی عادت رہی ہے کہ وُہ طالبانِ حق کا تمسخر اڑاتے رہتے ہیں اور انھیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور انہیں فریب کار اور کاذب مشہور کیا کرتے ہیں اور ان کے ہر فعل پر غلط کاری کا الزام لگاتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں یہ ترکِ دنیا' اور اہل و عیال اور عزیز و اقارب سے دُور رہنا کہاں کی درویشی ہے! یہ تو رہبانیت ہے اور اس کی شریعت میں کوئی گنجایش نہیں وغیرہ۔ اور ان کی یہ بکواس محض اس لیے ہوتی ہے کہ وہ طلبِ حق کے وجوب سے بے خبر ہیں حالانکہ طلبِ حق میں سب سے پہلے تجرید ضروری ہے۔ چنانچہ اللہ تعالٰی نے فرمایا:

ان من ازواجکم و اولادکم عدوا لکم فاحذروھم -
(تمہاری بعض اولاد اور ازواج تمہارے دشمن ہیں ان سے بچو)
پھر ظاہری تجرید کے بعد تفرید لازم ہے یعنی دل کو دارین کی سعادت کے تعلق سے بچانا۔ تجرید و تفرید سے اللہ
توحید تک پہنچنا نصیب ہوتا ہے جیسا کہ بعض نے فرمایا،

خطوتان وقد وصلت -
(منزل مقصود تو صرف دو قدم ہی تو تھے جنہیں میں نے طے کر کے مقصد کو پا لیا)
حضرت شیخ عطار قدس سرہٗ نے فرمایا، ؎

۱ مگر سنگ و کلوخے بود در راہ
بدریاے درافتادند ناگاہ
۲ بزارے سنگ گفتا غرقہ گشتم
کنوں با قعر گویم سرگزشتم
۳ ولیکن آں کلوخ از خود فنا شد
ندانم تا کجا رفت و کجا شد
۴ کلوخے بے زبان آواز برداشت
شنود آں راز او ہر کو خبر داشت
۵ کہ از من در دو عالم تن نماندست
وجودم یک سر سوزن نماندست
۶ ز من نہ جان و نہ تن می تواں دید
ہمہ دریاست روشن می تواں دید
۷ اگر ہم رنگ دریا گردے امروز
شوی در وے تو ہم در شب افروز
۸ ولیکن تا تو خواہی بود خود را
نخواہی یافت جانرا و خرد را

ترجمہ: (۱) شاید پتھر اور مٹی کا ڈھیلا ساتھی تھے دونوں اچانک دریا میں گر پڑے۔
(۲) زاری سے پتھر نے کہا ہائے میں غرق ہو گیا اور دریا کی تہ تک پہنچ گیا ہوں۔
(۳) لیکن وہ ڈھیلا تو بالکل فنا ہو گیا۔ واللہ اعلم وہ کہاں گیا اور کیسے ہوا۔
(۴) بے زبان ڈھیلے نے آواز دی کہ یہ راز وہ سنتا ہے جو کان رکھتا ہے۔

(۵) (چونکہ وہ ڈھیلا اپنی ذات سے فنا ہو چکا تھا اسی لیے کہہ رہا تھا کہ) دونوں جہانوں میں میرا وجود نہیں رہا۔ میرا وجود سُوئی کے ناکے کے برابر بھی باقی نہیں رہا۔

(۶) اب نہ میری جان نظر آئے گی نہ جسم۔ اچھی طرح دیکھو تو اب سب کچھ دریا ہی دریا ہے۔

(۷) اگر آج تو دریا کے ہمرنگ ہو جائے گا تو تو بھی نورانی ہو کر رات کو روشن کرے گا۔

(۸) اگر تو اپنے آپ کو دیکھتا رہا تو پھر نہ تیری جان رہے گی نہ عقل۔

اور مثنوی شریف میں ہے :

۱ آں یکے نحوی بکشتی در نشست
رو بکشتیبان نہاد آں خود پرست

۲ گفت ہیچ از نحو خواندی گفت لا
گفت نیم عمر تو شد در فنا

۳ دل شکستہ گشت کشتیبان ز تاب
لیک اندم کرد خاموش از جواب

۴ باد کشتی را بگردابے فگند
گفت کشتیباں بآں نحوی بلند

۵ ہیچ دانی آشنا کردن بگو
گفت نے از من تو سیاہی مجو

۶ گفت کل عمرت اے نحوی فناست
زانکہ کشتی غرق ایں گردابہاست

۷ محو می باید نہ نحو ایںجا بداں
گر تو محوی بے خطر در آب راں

۸ آب دریا مردہ را بر سر نہد
ور بود زندہ ز دریا کے رہد

۹ چوں بمردے تو ز اوصاف بشر
بحر اسرارت نہد بر فرق سر

ترجمہ : (۱) ایک نحوی کشتی میں بیٹھا وہ خود پرست کشتی بان سے گویا ہوا

(۲) کہ کیا تم نے نحو بھی پڑھی ہے؟ کشتی بان نے کہا، نہیں۔ نحوی نے اسے کہا، تیری آدھی عمر ضائع ہو گئی۔

(۳) نحوی کے طعنے سے کشتی بان کا دل پریشان ہُوا لیکن اس وقت اسے کوئی جواب نہ دیا، خاموش ہو گیا۔

(بقیہ صـ۲۱۷)

سُوْرَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ ۚ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اٰيَاتُهَا ۳۴ رُكُوْعَاتُهَا ۴

سورہ لقمان مکی ہے اور اس میں ۔ اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ۔ چونتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں

الٓمّٓ ۝۱ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝۲ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۝۳ الَّذِيْنَ

یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں ہدایت اور رحمت ہیں نیکوں کے لیے وہ

يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴ اُولٰٓئِكَ عَلٰى

نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں اور آخرت پر یقین لائیں وہی اپنے رب

هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ

کی ہدایت پر ہیں اور انہیں کا کام بنا اور کچھ لوگ کھیل کی باتیں خریدتے ہیں

الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ

کہ اللہ کی راہ سے بہکا دیں بے سمجھے اور اُسے ہنسی بنالیں اُن کے لیے ذلت

مُّهِيْنٌ ۝۶ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ

کا عذاب ہے اور جب اس پر ہماری آیتیں پڑھی جائیں تو تکبر کرتا ہوا پھرے جیسے انہیں سنا ہی نہیں

وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۷ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۝۸

جیسے اس کے کانوں میں ٹینٹ ہے تو اُسے دردناک عذاب کا مژدہ دو بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان کے

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۹ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ

لیے چین کے باغ ہیں ہمیشہ ان میں رہیں گے اللہ کا وعدہ ہے سچا اور وہی عزت و حکمت والا ہے اس نے آسمان بنائے بے ایسے

تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۭ

ستونوں کے جو تمہیں نظر آئیں اور زمین میں ڈالے لنگر کہ تمہیں لے کر نہ کانپے اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلائے

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝۱۰ هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ

اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا تو زمین میں ہر نفیس جوڑا اگایا یہ تو اللہ کا بنایا ہوا ہے

فَاَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۱

مجھے وہ دکھاؤ جو اس کے سوا اوروں نے بنایا بلکہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم والا ہے۔

تفسیر عالمانہ

الٓمّٓ ۝ یہ سورۃ الٓمّٓ ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ حروفِ مقطعات سورتوں کے مبادی اور عبرتوں کے خزائن کی چابیاں ہیں۔ انہی حروف میں اشارات ہیں۔

مثلاً الف میں انا اللہ اور لام میں لہ جمیع صفات الکمال اور میم میں منی الغفران والاحسان کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اللہ ہوں اور جمیع صفات وکمالات میرے لائق ہیں اور غفران واحسان مجھ سے ہے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ الف میں الفة العارفین کی طرف اور لام میں لطف صنعه مع المحسنین کی طرف اور میم میں معالم محبة قلوب المحبین کی طرف اشارہ ہے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ الف میں آلائہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں) اور لام میں لطفه وعطائه (اس کے لطف وعطا) اور میم میں مجدہٖ وثنائہ (اس کی مجد وثنا) کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے قلوبِ اولیأ سے انکار کا مادہ اٹھایا جاتا ہے اور اس کی لطیف عطا سے اسرار اصفیا میں محبت ثبت ہوتی ہے اور مجد وثنا میں اشارہ ہے کہ وہ بوصفِ کبریائی اپنی جمیع مخلوق سے مستغنی ہے ؎

مراورا رسد کبریا و منی
کہ ملکش قدیمست وذاتش غنی

ترجمہ: کبریائی وبڑائی اسی کے لائق ہے اس لیے کہ اس کا ملک قدیم اور اس کی ذات غنی ہے۔

تِلْكَ یہ سورتیں اور ان کی آیات اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝ حکمت والی کتاب کی آیات ہیں اور یہ حکمت والی کتاب اس لیے ہے کہ یہ اَن گنت حکمتوں پر مشتمل ہے۔ یا حکیم بمعنے محکم اور تغیر وتبدیل سے

ص۲۱۱ سے آگے

(۴) مخالف ہوا کشتی کو گرداب میں لے گئی کشتیبان نے نحوی سے بلند آواز سے کہا

(۵) اے نحوی صاحب! آپ کچھ تیرنا جانتے ہیں؟ نحوی نے کہا: نہیں، مجھ سے ایسی بات نہ پوچھ۔

(۶) کشتی بان نے کہا: نحوی صاحب! اب آپ کی کل عمر گئی کیونکہ کشتی اب گرداب میں غرق ہونے والی ہے۔

(۷) یہاں محویت چاہیے نحو کا اب کوئی فائدہ نہیں اگر تو محوی ہے تو پانی میں بے خطر چھلانگ لگا دے۔

(۸) مُردے کو دریا سر پر اٹھاتا ہے زندہ دریا سے جان نہیں بچا سکتا۔

(۹) جب تم اوصافِ بشریت سے مٹ جاؤ گے تو دریا اپنے اسرار تیرے سر پر رکھ دے گا۔

اتمام تفسیر سورۃ روم (صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ) اللہ کی مدد، جو تمام بندوں کی مدد فرماتا ہے، سے سورۂ روم کی تفسیر ۶ رجب ۱۱۰۹ھ بروز ہفتہ ختم ہوئی۔

اور فقیر اویسی غفرلہٗ اس کے ترجمہ سے ۲۱ ربیع الآخر ۱۴۰۴ھ شبِ خمیس مطابق ۲۵ جنوری ۱۹۸۴ء بعد نمازِ عشا فارغ ہوا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک وصلی اللہ علیٰ حبیبہ الکریم الرؤف الرحیم وعلیٰ آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔

بہاول پور۔ پاکستان

محفوظ اور فساد و بطلان سے کوسوں دور۔ اس معنے پر فعیل بمعنے مفعول ہوگا اگرچہ یہ قلیل الاستعمال ہے، چنانچہ اہلِ عرب کہتے ہیں:

اعقدت اللبن فھو عقید ای معقد۔

(میں نے لبن کو باندھا تو بندھ گیا)

هُدًى یہ کتاب گمراہی و ضلالت سے ہدایت دینے والی ہے اس کا منصوب ہونا بہ بنائے حال ہے اس کا ذوالحال الاٰیٰت اور اس کا عامل اسم اشارہ کا معنی ہے وَّرَحْمَةً اور یہ کتاب عذاب سے نجات دلانے والی پُر از رحمت ہے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ قرآن مجید کو هُدًى اس لیے کہا گیا ہے کہ اس میں فلاح اور وہ الطاف ہو بھلائیوں تک پہنچانے والے اسباب ہیں۔ اس معنے پر یہ کتاب عابدین کے لیے ہدایت و رحمت اور عارفین کے لیے دلیل و حجت ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے یہ کتاب اس لیے ہے کہ وہ حق کی راہ دکھاتی ہے اور رحمت اس لیے کہ جو شخص اسے مضبوطی سے پکڑتا ہے اسے اپنے اندر امانت رکھے ہوئے اسرار و جذبات سے اللہ تعالیٰ تک پہنچاتی ہے۔

تفسیر عالمانہ لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۙ نیکی کرنے والوں کے لیے۔

قاعدہ: لفظ محسن مطلقاً اہل ایمان کی مدح میں واقع ہوتا ہے۔

ف: کتاب کو ھدًی و رحمۃ للمحسنین کہہ کر اشارہ فرمایا کہ یہ صرف اہلِ ایمان کے لیے ہدایت و رحمت ہے غیروں کو اس کی ہدایت و رحمت سے محروم رکھا گیا ہے (بوجہ ان کے اختیار کفر و شرک کے)۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ محسن وہ ہے جو قرآن مجید کی رسّی کو مضبوط پکڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کی تفسیر بتائی جب آپ سے حضرت جبریل علیہ السلام نے احسان کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا:

ان تعبد اللہ کانک تراہ۔

(اللہ تعالیٰ کی عبادت یوں کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو)

جسے یہ طریقہ نصیب ہو گیا اس کے لیے یقین کرو کہ واقعی متوجہ الی اللہ ہے یہاں تک کہ وہ کسی وقت تجلیات ربانیہ سے ضرور شرمسار ہوگا اور جو متوجہ الی اللہ ہونا چاہتا ہے اس کے لیے لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رسّی کو مضبوط پکڑے ورنہ اللہ تعالیٰ تو جہات سے منزّہ اور پاک ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ یا اللہ! میں تجھے ملوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب بھی میری ملاقات کا ارادہ کرو گے اس وقت مجھ کو پالو گے

اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جہت و مکانیت سے پاک ہے ؎

صوفی چہ فغانست کہ من این الیٰ این

این نکتہ عیانست من العلم الی العین

جامی مکن اندیشہ ز نزدیکی و دُوری

لا قُرب و لا بُعد و لا وصل و لا بین

ترجمہ: اے صوفی! فریاد کیوں کرتے ہو کہ اسے کہاں اور کیسے ملا جائے۔ یہ نکتہ علم وعین سے ظاہر ہے۔ اے جامی! نزدیکی و دُوری کا فکر مت کرو اس لیے کہ وہاں نہ قرب ہے نہ بُعد اور نہ وصال ہے نہ فراق۔

ف: یہاں پر حسنات سے وہ امورِ خیر مراد ہیں جو دینِ اسلام میں مقرر ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ یہ محسنین کی صفت کا شعبہ ہے اور ان کی حسنات کا بیان ہے اور المحسنین کی لام تعریف جنس کے لیے ہے۔ اگر اس سے جملہ حسناتِ اعتقادیہ و عملیہ مراد ہوں تو لام استغراق کی ہوگی لیکن صرف ان تینوں نیکیوں کی تخصیص ان کی افضلیت کے اظہار کے لیے ہے یعنی تاکہ معلوم ہو کہ یہ تینوں باقی تمام حسنات سے افضل ہیں۔

ف: اقامۃ الصلوٰۃ سے نماز کی ادائیگی مراد ہے اور ادا کو اقامت سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ نماز دین کا ستون ہے۔

حلِ لغات المفردات میں ہے کہ اقامۃ الشئ بمعنے شے کا پورا پورا حق ادا کرنا جس میں اس کے جملہ شرائط کو ملحوظ رکھا جائے نہ یہ کہ اسے اس کی ہیئت کے طور ادا کیا جائے۔

مسئلہ: شرائطِ نماز دو قسم ہے:

(۱) شرائطِ جواز، جیسے فرائض وحدود و اوقاتِ نماز۔

(۲) شرائطِ قبول، جیسے تقویٰ وخشوع واخلاص وتعظیم وحُرمتِ نماز۔

کما قال تعالیٰ:

انما یتقبل اللہ من المتقین۔

(اللہ تعالیٰ متقین ہی سے قبول فرماتا ہے۔)

جب تک مذکورہ دونوں شرائط بجا نہیں لائے گا اس وقت تک اقامۃ الصلوٰۃ کا معنیٰ صادق نہیں آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ نے نماز کا حکم یا اس کی ترغیب دی ہے تو اسے اقامۃ الصلوٰۃ سے تعبیر فرمایا۔ کما قال: اقیموا الصلوٰۃ و یقیمون الصلوٰۃ۔ ورنہ صلّوا و یُصلّون فرماتا۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ویقیمون الصلٰوۃ یعنی وُہ لوگ صدق توجہ وحضورِ قلب اور ماسوی اللہ کے اعراض پر مداومت کرتے ہیں اس میں اقامۃ کا دیگر معنی کیا ہے یعنی اقام بمعنے ادام ہے ۔ کذا قال الجوہری ۔

حدیث شریف میں ہے :

ان بین یدی الخلق خمس عقبات لا یقطعها کل ضامر و مهزول۔

(انسان کو پانچ گھاٹیاں طے کرنی ہیں وہ نہیں طے نہیں کریں گی اونٹنیاں کمزور اور دبلی)

پس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا : یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! وہ (گھاٹیاں) کون سی ہیں؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اولاها الموت وغصته، وثانيتها القبر ووحشته وضيقه، وثالثتها سؤال منكر ونكير وهيبتها، ورابعتها الميزان وخفته، وخامستها الصراط ودقته۔

(۱۔ موت اور اس کا غصّہ،
۲ ۔ قبر اور اس کی وحشت اور تنگی
۳ ۔ منکر نکیر کا سوال اور ان کی ہیبت
۴ ۔ میزان اور اس کی خفت
۵ ۔ پُل صراط اور اس کی دقت

جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور سرورِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم سے یہ سُنا تو بہت روئے ۔ یہاں تک کہ آپ کے گریہ سے ساتوں آسمان اور ان کے اندر رہنے والے تمام فرشتے رو پڑے ۔ اس پر حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کی : اے محمد عربی صلی اللہ علیک وسلّم ! ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمائیے کہ وہ نہ روئیں اس لیے کہ انہوں نے سُنا ہوگا :

كل داء له دواء الا الموت۔

(ہر بیماری کا علاج ہے مگر موت کا کوئی علاج نہیں)

پھر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

من صلى صلاة الفجر هان عليه الموت وغصته ومن صلى صلاة العشاء هان عليه الصراط ودقته ومن صلى صلاة الظهر هان عليه القبر وضيقه ومن صلى صلاة العصر هان عليه سؤال منكر نكير وهيبتها ومن صلى صلاة المغرب هان عليه الميزان وخفته،

(جو شخص صبح کی نماز پڑھتا ہے تو اس سے موت اور اس کا غصّہ آسان ہوگا اور جو شخص عشاء

کی نماز پڑھتا ہے اس پر پل صراط اور اس کی دقت سے آسانی ہوگی اور جو ظہر کی نماز پڑھتا ہے اس پر قبر اور اس کی تنگی آسان ہوگی اور جو عصر کی نماز پڑھتا ہے اس پر منکر نکیر کے سوال اور ان کی ہیبت سے آسانی ہوگی اور جو مغرب کی نماز پڑھتا ہے اس پر میزان اور اس کی خفت سے آسانی ہوگی)

اور یہ بھی ہے :

من تهاون فی الصلاة منع الله منه عند الموت قول لا اله الا الله۔

(جو نماز سے سستی کرتا ہے مرتے وقت اس کی زبان پر کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ جاری نہ ہونے دیا جائے گا)

تفسیر عالمانہ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ شرائط کے مطابق مستحقین کو زکوٰۃ دیتے ہیں۔

مسئلہ: زکوٰۃ صرف اہل سنت و جماعت کے مستحق فقرأ کو دینے سے ادا ہوگی جملہ اہلِ بدع (بد مذاہب) کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کما فی الاشباہ۔

ف: اگر کسی بد مذہب کو زکوٰۃ دے دی تو اس پر لازم ہے کہ وہ دوبارہ زکوٰۃ ادا کرے۔

مسئلہ: جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کے مال سے اپنی حفاظت کو روک لیتا ہے۔ اور جو صدقات نہیں دیتا وہ عافیت سے محروم ہوگا۔

حدیث شریف حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

حصنوا اموالکم بالزکاة وداووا مرضاكم بالصدقة و من منع العشر منع الله منه برکة ارضه۔

(زکوٰۃ ادا کرکے اپنے مال کی حفاظت کرو اور اپنے بیماروں کا صدقات سے علاج کرو۔ اور جس نے عشر روکا وُہ اپنی زمین کی برکت سے محروم ہوگیا)

تفسیر صوفیانہ تاویلات النجمیہ میں ہے يؤتون الزكوٰة میں زکوٰۃ سے تزکیۂ نفس مراد ہے عوام کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ بیس دیناروں سے آدھا دینار فقراء اور مساکین کو دیں تاکہ وہ نفوس کو بخل کی نجاست سے پاک کریں۔ کما قال تعالیٰ :

خذ من اموالهم صدقة تطهرهم و تزكيهم بها۔

(ان کے مالوں سے صدقہ وصول کیجئے۔ جس کے ذریعے انہیں پاک صاف کر دیجئے۔

اس معنے پر عوام اگر حقوق و شرائط کو مدِ نظر رکھیں تو ان کی زکوٰۃ کی ادائیگی جہنم کی آگ سے نجات کا موجب ہے کہ وُہ اپنے جملہ مال و اسباب کو راہِ خدا میں لٹا دیں تاکہ اپنے قلوب دُنیا کے زنگ سے صاف کر سکیں۔ اور اخص الخواص کی زکوٰۃ یہ ہے کہ وہ وجود و مقصود کو ترک کریں۔

حدیث شریف میں ہے :
من کان للہ کان اللہ لہ۔
(جو اللہ تعالیٰ کا ہو جائے اللہ تعالیٰ اس کا ہو جاتا ہے)
مثنوی شریف میں ہے : ؎

چوں شدی من کان للہ از ولہ
من ترا باشم کہ کان اللہ لہ

ترجمہ : جب تم من کان اللہ کا مصداق ہو جاؤ گے تو کان اللہ لہ کا مرتبہ تمہیں نصیب ہو جائے گا۔ جیسا کہ حدیث پاک نے سبق دیا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ اور وہ دارِ آخرت اور اعمال کی جزا میں۔ اسے آخرت اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ وہ بہ نسبت دنیا کے متاخر ہے هُمْ يُوْقِنُوْنَ ؕ وہ یقین رکھتے ہیں۔ انہیں بعث و حساب کے متعلق ذرہ بھر بھی شک نہیں رکھتے۔ الایقان بمعنے بے گمان ہونا۔ یعنی وہ لوگ آخرت کے متعلق کوئی شک و شبہ نہیں رکھتے اور بعث و جزا کی تصدیق کرتے ہیں اور لفظ ھُمْ کا اعادہ تاکید کے لیے ہے تاکہ انہیں بعث و جزا کا یقین پختہ ہو۔ اگرچہ اس کے اور اس کی خبر کے درمیان بالاٰخرۃ حائل ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وھم بالاٰخرۃ ھم یوقنون کا معنیٰ یہ ہے کہ ان لوگوں کو یقین ہے کہ انھیں دنیا سے کوچ کرنا ہے اسی لیے ان کی مولا کی طرف توجہ ہے اور آخرت سالکِ راہِ خدا کی دوسری منزل ہے۔ جب وہ دنیا سے پہلی منزل سے کوچ کرتا ہے تو سالک اسی دوسری منزل میں پہنچتا ہے۔ اسی لیے مومن کو یقین ہوتا ہے کہ دنیا کو چھوڑ کر آخرت میں حاضر ہونا ہے۔

فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اہل اللہ کے نزدیک دنیا جسمانیہ ظلمانیہ کے پردوں میں سے ایک پردہ ہے اور آخرت روحانیہ نورانیہ کے پردوں میں سے ایک پردہ ہے۔ اسی لیے سالک پر لازم ہے کہ ان پردوں کو ہٹا کر اکوان کے راستے طے کرتا ہوا عالمِ ارواح کو پہنچے پھر وہاں سے عالمِ حقیقت میں پہنچنے کی کوشش کرے اس لیے کہ عالمِ حقیقت ان دونوں سے آگے کا ملک ہے۔ جب سالک عالمِ ارواح میں پہنچتا ہے تو اس کا ایمان ایقان سے اور علم عین سے تبدیل ہو جاتا ہے اور جب سالک عالمِ حقیقت میں پہنچ جاتا ہے وہاں عیان عین ہو جاتا ہے۔ (والحمد للہ تعالیٰ)

تفسیر عالمانہ اُولٰٓئِكَ اس سے محسنین مراد ہیں جو ان جلیلہ اوصاف مذکورہ سے موصوف ہیں عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ہدایت پر ہیں جو ہونے والی ہے ان کے

رب سے۔ یعنی اس ہدایت پر ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بیان فرمائی ہے اور اس پر چلنے کی انہیں توفیق بخشی ہے۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ وہ اس راہ پر ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے ان کی رہبری فرمائی ہے علیٰ ھدیً میں عبودیت کا اور من ربھم میں ربوبیت کا بیان ہے یعنی ان کے نیک کردار اور حسن معاملات تحصیلِ عبادات کے بعد ان کے انجام کار کی تعریف فرمائی ہے۔ اور اشارہ فرمایا کہ عبادات وغیرہ اس وقت قبول ہوں گی جب انسان سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل رکھے اور اعتقاد صحیح رکھے۔

مسئلہ : آیت میں اشارہ ہے کہ بندے کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی جب تک توفیقِ حق اس کی رہبری نہ کرے۔ اس میں معتزلہ کا رد بھی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بندہ خود بہ خود ہدایت پاتا ہے۔

ف : شاہ شجاع قدس سرہٗ نے فرمایا : ہدایت پر ہونے کی تین علامتیں ہیں :

(۱) مصیبت کے وقت انا للہ و انا الیہ راجعون کہنا۔

(۲) نعمت کے وقت عجز و نیاز ظاہر کرنا۔

(۳) کسی کو کچھ عطا کرنے پر احسان نہ جتلانا۔

وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وہی لوگ ہر مطلوب پر فائز اور ہر مشقت و تکلیف سے نجات پانے والے ہیں اس لیے کہ وہ عقیدۂ حق اور عمل صالح کے جامع ہیں۔

حلِ لغات المفردات میں ہے کہ فلاح بمعنے ظفر اور تحصیل المطلوب ہے اور وہ دو قسم ہے :

(۱) دُنیوی

(۲) اُخروی

دنیوی تو یہ ہے کہ انسان ان سعادات سے کامران ہو جن سے اس کی دنیوی زندگی خیر و برکت کے ساتھ بسر ہو۔

اور اُخروی کامرانی کی چار چیزیں ہیں :

(i) بقاً بلا فناً

(ii) غناً بلا فقر

(iii) عزت بلا ذلت

(iv) علم بلا جہل اور کہا جاتا ہے، عیش تو صرف آخرت ہی کا ہے۔

اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا :

المومن لایخلو عن قلۃ او علۃ او ذلۃ۔

(مومن قلت علت یا ذلت سے خالی نہیں)

یعنی مومن جب تک دُنیا میں ہے اس کے لیے یہ تینوں (قلت ، علت ، ذلت) عارضی ہوتی ہیں، اس لیے کہ دنیا دار البلایا والمصائب والاوجاع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی :

لکیلا یعلم بعد علم شیئا۔

(تاکہ تجھے علم کے بعد کسی شئے کی خبر نہ رہے)

بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یعنی انسان جب عمر کے آخری مراحل تک پہنچتا ہے تو اسے طفولیت کے عوارض لاحق ہو جاتے ہیں جیسے جہل و نسیان وغیرہ اس لیے کہ اس کا علم حصولی تھا وہ بڑھاپے کی وجہ سے چلا گیا، بخلاف علم حضوری کے کہ بڑھاپے و دیگر عوارض سے نہیں جاتا اس لیے کہ وہ علوم وہبیہ ہوتے ہیں اور وہ خواص اہل ایمان کو نصیب ہوتے ہیں اور وہ حصول کے بعد زائل ہونے سے محفوظ ہو جاتے ہیں کیونکہ علم وہبی لدنی عقل جزی کے قبضہ سے باہر ہوتا ہے اور بڑھاپے کے وقت نسیان وغیرہ کے اثرات عقلی جزی اور اس کے علوم کو نقصان تو دے سکتے ہیں لیکن علوم وہبیہ لدنیہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اولیاء اللہ کو بڑھاپے میں جنون وغیرہ نہیں ہوتا بخلاف عوام اور بعض علماء (بے عمل) کے کہ اکثر وہ بڑھاپے میں نسیان و بے عقلی اور جنون کا شکار ہو جاتے ہیں۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ اپنے آپ کو اہلِ فلاح میں داخل کرنے کی جدوجہد کرے۔ یہ دنیا میں تزکیۂ نفس سے نصیب ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ آخرت میں یوں ہوتا ہے کہ ایسے شخص کو مقربین کے وہ مقامات نصیب ہوں گے جو انہیں جنات عدن اور جنت الفردوس میں عطا ہوتے ہیں اور یہی مراتب تمام مرتبوں سے اعلیٰ ہوں گے اور جو صرف اہلِ ہمت کو حاصل ہوں گے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ابرار میں داخل فرمائے۔ (آمین)

وَمِنَ النَّاسِ یہ مبتدا ہے اس کی خبر مَنْ يَّشْتَرِىْ ہے۔

حلِ لغات الاشتراء بمعنے ثمن دے کر مثمن (خرید شدہ شے) لینا، اور البیع بمعنے مثمن دے کر ثمن لینا۔ اور کبھی شراء و اشتراء کا اطلاق اس شے پر ہوتا ہے جس سے کسی شے کو حاصل کیا جائے۔ یہاں پر یشتری بمعنے یستبدل و یختار ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ بعض لوگ وہ ہیں جو اختیار کرتے ہیں لَهْوَ الْحَدِيْثِ فضول باتوں کو۔ یعنی وہ باتیں جو مقصد سے کوسوں دُور ہوں۔ جیسے وہ باتیں جن کی کوئی اصل نہ ہو اور الحدیث کلام کو کہتے ہیں قلیل ہو یا کثیر۔ اور کلام کو حدیث اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ منہ سے تھوڑی تھوڑی ہو کر خارج ہوتی ہے۔

ف : حضرت ابوعثمان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کتاب اللہ وسنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرۃ صالحین کے سوا باقی ہر کلام لھو (فضول) ہے۔

مسئلہ: عرائس البیان میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ علومِ فلسفہ جیسے علم اکسیر و سحر و نیرنجات اور اباطیلِ زنادقہ اور ان کی تحقیقات سب کی سب لہو (فضول) ہیں اس لیے کہ یہ جملہ فنون خلقِ خدا کی گمراہی کا موجب ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جو ذکر اللہ میں مشغول رکھے اور جس بات کا سننا اللہ تعالیٰ سے حجاب بنے وہی 'لھو الحدیث' ہے۔ لھو الحدیث کی اضافت بیانیہ ہے اگر اس سے بُری باتیں مراد ہوں اس لیے کہ لہو، حدیث وغیرہ سے ہوتی ہے۔ اس معنے پر عام کی خاص کی طرف اضافت کی گئی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ کون ہے جو اس لہو کو اختیار کرتا ہے جو باتوں میں سے ہے۔ یا مِن تبعیضیہ ہے اگر اس سے ہر طرح کی لہو مراد ہو۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ وہ کون ہے جو ان باتوں کو اختیار کرتا ہے جو لہو کا بعض حصّہ ہیں۔

شانِ نزول اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت نضر بن حارث بن کلدہ کے حق میں نازل ہوئی۔ چنانچہ مروی ہے کہ ایک سنگدل کافر تھا جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر وقت برسرپیکار رہتا تھا۔ اسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کی فراغت کے بعد قتل کر دیا۔ نیز بعض روایات میں ہے کہ یہی کافر فارس میں چلا گیا وہاں جاکر اس نے قصے کہانیاں کلیلہ و دمنہ، رستم، اسفندیار اور دوسرے بڑے بڑے بادشاہوں کی حکایات کی کتابیں خریدیں اور واپس آکر اس نے قریش میں مختلف مجلسوں میں سنانی شروع کر دیں۔ یہ بھی ہے کہ ان کا عربی میں ترجمہ ہُوا تھا جنہیں وہ قریش کو سناتا اور کہتا کہ (حضرت) محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں عاد و ثمود کے قصے سناتے ہیں اور میں تمہیں رستم اور اسفندیار کی کہانیاں سناتا ہوں۔ چنانچہ جہال عرب اسفندیار اور رستم کی کہانیوں سے دل چسپی لیتے اور قرآن مجید سننا گوارا نہ کرتے (تقریباً) آج کل ہمارے مسلمانوں کی یہی عادت بن گئی ہے کہ قصے کہانیوں اور فحش اور مخرب اخلاق باتوں کو دل لگا کر سُنتے ہیں لیکن قرآن مجید سُننا گوارا نہیں کرتے انا للہ و انا الیہ راجعون۔ (اویسی غفرلہ)

تفسیر عالمانہ: لِيُضِلَّ تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے اور انہیں پھیر دے عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ اللہ کی راہ سے یعنی دینِ حق سے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتا ہے یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ انہیں گمراہ کرے اور انہیں کتابوں کے ذریعے لوگوں کو اس کتاب کے پڑھنے سننے سے باز رکھے جو سراسر ہدایت ہی ہدایت ہے اور ظاہر ہے جو دوسروں کو گمراہ کرتا ہے تو وہ لازماً خود بھی گمراہ ہوگا بِغَيْرِ عِلْمٍ درانحالیکہ وُہ ایسی باتوں کی خرید اور ان کے پسند کرنے میں جاہل ہے یا ایسی تجارت میں جہالت سے کام لے رہا ہے اس لیے کہ وہ فضول کلام کو قرآن مجید پر ترجیح دے رہا ہے وَيَتَّخِذَهَا منصوب ہے اس کا عطف لیضل پر ہے اور ضمیر السبیل کی طرف راجع ہے اس لیے کہ لفظ السبیل ان اسماء سے ہے جو نہ مذکر ہیں نہ مؤنث۔ یعنی تاکہ وہ اس راہ کو بنائے هُزُوًا

ایسی شے جس سے تمسخر اڑایا جائے اُولٰٓئِكَ وُہ لوگ جو اضلال واشترا کے اوصاف سے موصوف ہیں لَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِينٌ ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے اس لیے کہ انہوں نے حق پر باطل کو ترجیح دے کر حق کی اہانت کی اور لوگوں کو باطل کی ترغیب دلاتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ دنیا میں انہیں قید وقتل کی تکالیف میں مبتلا کیا گیا اور آخرت میں انہیں رسوائی کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا وَاِذَا تُتۡلٰی عَلَيۡهِ اور جب مشتری پر پڑھی جاتی ہیں یہاں اور اس کے بعد کے افعال ثلاثہ میں ضمیر مفرد اور اولٰئك کو جمع کے اشارہ میں مَن کے لفظ اور معنیٰ کا اعتبار کیا گیا ہے کشف الاسرار میں ہے کہ اس سے ثابت ہُوا کہ یہ آیت سابقہ نضر بن حارث کے حق میں نازل ہُوئی اٰيٰتُنَا ہماری کتاب کے آیات وَلّٰی تو وُہ غیر معتبر باتوں کی طرف چلا جاتا ہے مُسۡتَكۡبِرًا درانحالیکہ وہ تکبر کرنے والا اور اپنے آپ کو طاعتِ حق سے ہٹانے والا اور باطل سے لو لگانے والا ہوتا ہے كَاَنۡ لَّمۡ يَسۡمَعۡهَا یہ ولّٰی یا مستکبرًا کی ضمیر سے حال ہے۔ یہ دراصل کانّہٗ تھا ضمیر شان کی محذوف ہے اور ان مخففہ ہے یعنی ایسے شخص کا حال اس کے مشابہ ہے جس نے کچھ سنا نہ ہو حالانکہ وہ سُن رہا ہوتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ قرآن مجید کے ایسے مؤثر مضامین ہیں جو بھی اسے جی لگا کر سنتا ہے اس سے رُوگردانی اور تکبر کا تصور تک نہیں ہوسکتا اس لیے کہ اس میں ایسے عجیب وغریب امور ہیں کہ سامع کو غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں جن کو سمجھ کر اس کے ماننے پر مجبور ہوسکتا ہے كَاَنَّ فِىۡۤ اُذُنَيۡهِ وَقۡرًا یہ شخص اس کے مشابہ ہے جس کے کانوں میں بوجھ ہو جو اسے کوئی شے سُننے نہیں دیتا۔

ف: فتح الرحمٰن میں ہے کہ الوقر کان کے اس بوجھ کو کہا جاتا ہے جو ادراک مسموعات کو متغیر کر دیتا ہے۔ المفردات میں ہے کہ الوقر بمعنے کان کے اندر کا ثقل۔

حضرت شیخ سعدی نے فرمایا:

ازانرا کہ گوش ارادت گراں آفریدہ است چہ کند کہ بشنود وانرا کہ بکمند سعادت کشیدہ اند چوں کند کہ نرود۔

(جس کے کان ارادت کے بہرے بنائے گئے تو وہ بےچارا کیا سنے اور جسے ازل سے محروم رکھا گیا ہے وہ کس طرح راہِ راست پر جاسکتا ہے)

کشف الاسرار میں ہے کہ انسان دو قسم ہیں:

۱۔ آشنا

۲۔ بیگانے

آشنا کے لیے قرآن مجید ہدایت کا سبب بنتا ہے اور بیگانوں کو گمراہی نصیب ہوتی ہے۔ کما قال تعالیٰ:
یضل بہ کثیرا و یہدی بہ کثیرا۔

(اس سے بہتوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت دیتا ہے)

بیگانے جب قرآن مجید سنتے ہیں تو روگردانی کرتے ہیں اور وہ کافروں کی طرح اس سے دلچسپی نہیں لیتے بلکہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ :

و اذا تتلیٰ علیہ اٰیاتنا ولّٰی الخ

دل از شنیدن قرآن بگیردت ہمہ وقت

چو باطلان ز کلام حقت ملولے چیست

ترجمہ : قرآن مجید کے سننے سے ہر وقت کیوں گھبراتا ہے باطلوں کی طرح حق کے کلام سے تجھے ملال کیوں ہے !

آشنا جب قرآن مجید سنتے ہیں تو سجدہ وار سربسجود ہو جاتے ہیں اور زندہ دلوں کی طرح اسے سن کر زار و قطار روتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ :

اذا یتلیٰ علیہم یخرون للاذقان سجدا ۔

(جب ان پر تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑی کے بل سجدہ کرتے ہوئے گرتے ہیں)

ف

ذوق سجدہ در دماغ آدمی

دیو را دہد او از غمی

ترجمہ : سجدہ کا ذوق آدمی کے دماغ میں ہوتا ہے دیو کو الٹا تلخی اور غمی حاصل ہوتی ہے ۔

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ انہیں خبر دیجئے کہ انہیں ایسے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا جو سخت اذیت پہنچائے گا اور لازماً انہیں لاحق ہوگا۔ یہاں پر بشارت کا ذکر تہکماً ہے ۔

ربط : کفار اور ان کے عذاب کے بیان کی فراغت کے بعد اب ان کی نقیض یعنی اہل اسلام اور ان کے انعامات کا ذکر فرمایا۔ کما قال :

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بیشک وہ لوگ ہمارے آیات پر ایمان لائے اور ان کے موجب پر اچھے عمل کیے ۔

مسئلہ : کشف الاسرار میں ہے کہ ایمان تصدیق قلبی کو کہتے ہیں اور وہ اعمال صالحہ سے محقق ہوتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ ساتھ اعمالِ صالحہ کو بھی بیان فرمایا اور بہشت کے استحقاق کا دارومدار ان دونوں کو ہی بنایا۔

کما قال تعالیٰ :

الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ ۔

(اللہ تعالیٰ کی طرف طیب کلمات اور عمل صالح چڑھتے ہیں اللہ تعالیٰ انھیں بلند فرماتا ہے)

لَهُمْ ان کے ایمان وعمل صالح کے بدلے میں ان کے لیے جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ؕ بہشتیں ہیں جو نعمتوں سے لبریز ہیں یا بہشت کی نعمتیں مراد ہیں کذا قال البیضاوی یعنی یہ دراصل نعیم جنات تھا مبالغہ کے لیے الٹایا گیا ہے۔

ف : بعض علماء نے فرمایا کہ یہ آٹھ بہشتوں میں سے ایک بہشت کا نام ہے۔ اور آٹھ بہشتوں کے اسمائے یہ ہیں :

۱ - دارالجلال	۵ - جنۃ الماویٰ
۲ - دارالسلام	۶ - جنۃ الخلد
۳ - دارالقرار	۷ - جنۃ الفردوس
۴ - جنۃ عدن	۸ - جنۃ النعیم

اسی طرح وہب بن منبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ یہ لہم کی ضمیر سے حال ہے وَعْدَ اللّٰهِ یہ دراصل وعد اللہ جنات النعیم تھا وعداً مفعول مطلق مؤکد لنفسہٖ ہے اس لیے کہ معنیٰ یہ ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ نے بہشت کی نعمتوں کا وعدہ فرمایا ہے حَقًّا ؕ یہ دراصل حق ذالک الوعد حقاً تھا۔ یہ بھی لہم جنات النعیم کی تاکید ہے۔ لیکن یہ مفعول مطلق مؤکد لغیرہ ہے اسی لیے کہ لہم جنات النعیم وعدہ ہے اور ضروری نہیں کہ ہر وعدہ حق ہو وَهُوَ الْعَزِيْزُ اور وُہ ہے جس پر کوئی شے غالب نہیں جو اسے ایفائے عہد اور تحقیق وعید سے مانع ہو الْحَكِيْمُ ۝ حکیم وُہ ہے جس کا ہر فعل حکمت ومصلحت کے تقاضا کے مطابق ہو ؎

نہ در وعدۂ اوست نقض و خلاف
نہ در کار او ہیچ لاف و گزاف

ترجمہ : اس کے وعدہ میں نہ نقض ہے نہ خلاف، اور اس کے کام میں کوئی لاف و گزاف نہیں۔

سرود وغنا کی تحقیق[1]

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آیت سابقہ میں لھو الحدیث سے سرود وغنا مراد ہے۔ سرود اور گانا بجانا فاسقوں کا کام ہے اور اس مجلس ومحفل کو فسق سے

---

[1] ہمارے دور میں گانے بجانے کا دور دورہ ہے بالخصوص جب سے ریڈیو، ٹیلی ویژن کا سلسلہ جاری ہوا اس وقت سے قدم قدم پر گانے بجانے سنائی دیتے ہیں۔ عوام کی حالت تو ہمیشہ قابلِ رحم ہوتی ہے۔ لیکن سب سے قابلِ رحم وہ لوگ ہیں جو سلسلہ چشتیہ عالیہ قدسیہ کی آڑ میں سرود اور گانے بجانے کو نہ صرف مباح بلکہ اپنے لیے بہترین عبادت سمجھتے ہیں اور وہ نہ صرف معمولی پڑھے لکھے لوگ ہیں بلکہ ان میں بعض اپنے آپ کو

بقیہ حاشیہ آگے

تعبیر کیا جاتا ہے جس میں گانا بجانا ہو۔ اور یہ آیت بھی اس شخص کے حق میں نازل ہوئی جو ان غلاموں اور کنیزوں کو خریدتا تھا جو گانے بجانے کے ماہر ہوتے تاکہ فاسقوں اور فاجروں کو ان کا گانا بجانا خوش کرے۔ اب آیت سابقہ کا معنیٰ یہ ہوا کہ کون ہے جو لہو الحدیث والوں کو خریدتا ہے۔

مسئلہ : امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کسی نے لونڈی خریدی اور اسے گانے بجانے والی پایا تو اس کے لیے جائز ہے کہ اسے مالک کو واپس کر دے اس لیے کہ گانا بجانا عیب ہے اور عیب والی مبیع بائع کو واپس کی جاتی ہے۔

مسئلہ : کتبِ فقہ میں ہے کہ جو شخص لوگوں کو گانا سنائے اس کی گواہی قابلِ قبول نہیں اس لیے کہ وہ لوگوں کو گناہ کے ارتکاب پر جمع کرتا ہے۔ مگر وہ شخص جو اپنی وحشت و حُزن کے ازالہ کے لیے گاتا بجاتا ہے اس کی گواہی قابلِ قبول ہے اس لیے کہ اس کی عدالت زائل نہ ہوئی کیونکہ وہ دوسروں کو گناہ میں مبتلا نہیں کر رہا (اگر خود ارتکاب کر رہا ہے تو وہ بھی ایک ضرورت کے تحت۔ اور ایسی ضروریات کے لیے محذورات مباح ہو جاتے ہیں۔ اس مسئلہ سے معلوم ہوا کہ غنا حرام لعینہٖ نہیں بلکہ لغیرہٖ ہے۔ والتفصیل فی التفسیر الاویسی) یہی صحیح ہے۔

مسئلہ : گانے بجانے والی عورت کی گواہی قابلِ قبول نہیں۔ اس کا گانا بجانا دوسروں کے لیے ہو یا اپنے لیے، اس لیے کہ عورت کو آواز بلند کرنا حرام ہے، وہ اس کا ارتکاب کر رہی ہے اسی لیے کہ اس کی عدالت ساقط ہو گئی۔ جب عدالت ساقط ہو گئی تو وہ گواہی کے قابل نہ رہی۔

حدیث شریف میں ہے :
لا یحل تعلیم المغنیات ولا بیعھن ولا شراؤھن وثمنھن حرام۔

(گانے بجانے والی عورتوں کو گانے بجانے کی تعلیم اور ان کی بیع و شراء ناجائز اور ان کا ثمن حرام ہے)

مسئلہ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کُتّے کے ثمن اور گانے بجانے کے کسب سے منع فرمایا ہے۔

مسئلہ : فقہاء کرام نے فرمایا کہ وہ مال جو گانے بجانے والوں اور قوالوں کو مال وغیرہ دینے اور نوحہ کرنے والی عورتوں کو جو روپے پیسے دئے جاتے ہیں وہ رشوت میں دئے جانے والے روپوں پیسوں کے گناہ سے کچھ کم نہیں ہیں اس لیے کہ دینے والوں نے بلا عقد اور اپنے اختیار سے دیا ہے۔

مسئلہ : حضرت مکحول رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص لونڈی اس ارادہ پر خریدے کہ اس سے گانا وغیرہ سُنے گا اور اس کی خدمت صرف یہی گانا بجانا ہو گی تو میں ایسے شخص کی نمازِ جنازہ ہرگز نہیں پڑھوں گا۔

حاشیہ گزشتہ

ہمچو ما دیگرے نیست سے بھی کچھ آگے سمجھتے ہیں۔ فقیر نے اپنی تفسیر اویسی میں اس پر تحقیق کی ہے۔
اویسی غفرلہٗ

اس کی دلیل یہی آیت و من الناس من یشتری الخ ہے۔

حدیث شریف ۱ میں ہے:
ان اللہ بعثنی ھدی ورحمۃ للعالمین وامرنی بمحو المعازف والمزامیر والاوتار والصنج وامر الجاھلیۃ وحلف ربی بعزتہ لا یشرب عبد من عبیدی جرعۃ من خمر متعمدا الا سقیتہ من الصدید مثلھا یوم القیامۃ مغفورا لہ او معذبا ولا یترکھا من مخافتی الا سقیتہ من حیاض القدس یوم القیامۃ۔

(بے شک مجھے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا اور رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا اور ساتھ حکم فرمایا کہ میں گانے بجانے کے آلات اور بانسریوں اور سازو سامان کی تاروں اور چنگ کو توڑ ڈالوں اور رسومِ جاہلیت کو مٹادوں اور میرے رب نے قسم یاد فرمائی کہ میرے جس بندے نے عمداً شراب پی اگرچہ ایک گھونٹ ہی سہی تو میں اسے قیامت میں جہنم کی پیپ پلاؤں گا قابلِ بخشش ہو گا یا عذاب میں مبتلا کروں گا، اور جو شراب کو میرے خوف سے ترک کرے گا قیامت میں اسے قدس کے حوضوں سے پلاؤں گا)

حدیث شریف ۲ میں ہے:
بعثت بکسر المزامیر وقتل الخنازیر۔

(میں گانے بجانے کے آلات توڑنے اور خنزیر کو قتل کرنے کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔

ف: ابن الکمال نے فرمایا کہ مزامیر سے گانے بجانے کے جملہ آلات مراد ہیں اور اس کا اکثر استعمال انہی آلات پر ہوتا ہے اگرچہ دراصل یہ ان چیزوں کے نام ہیں جن سے پھونک لگائی جائے جیسے بگل اور دیگر ایسی اشیاء۔ اور کسر (توڑنا) سے حقیقی معنی مراد نہیں جیسا کہ اس کے ساتھ والے مضمون سے معلوم ہوتا ہے بلکہ اس سے نہی میں مبالغہ مطلوب ہے۔

حدیث شریف میں ہے:
من ملأ مسامعہ من غناء لم یؤذن لہ ان یسمع صوت الروحانیین یوم القیامۃ۔

(جو شخص اپنے کان سرود سے پُر کرتا ہے تو قیامت میں اسے روحانیوں کی آواز سننے کی اجازت نہیں دی جائے گی)

عرض کی گئی:
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! روحانیین کون ہیں؟

آپ نے فرمایا :

قراء اھل الجنۃ۔

(وہ اہلِ جنت کے قاری ہیں)

یعنی وہ ملائکہ اور حورعین وغیرہ ہیں۔

مسئلہ : اہلِ معانی فرماتے ہیں کہ آیت میں وُہ بھی داخل ہیں جو قرآن مجید سننے پر لہو ولعب اور مزامیر اور گانے بجانے کو ترجیح دیں۔ اشتراء کا اطلاق استبدال و اختیار پر بہت زیادہ آتا ہے۔ کذا فی الوسیط

مسئلہ : نصاب میں اہلِ ذمہ کو مزامیر اور طنبور اور سرود گانے کی بیع وغیرہ سے روکا۔

مجوزین کے جوابات

غنا[1] کے ثبوت میں وہ احادیث پیش کرنا جو ایامِ عید میں وارد ہوئیں وہ متروک اور آج کے دن قابلِ عمل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شرعاً حکومت کے پہرے دار کو حکم ہے کہ وہ عید کے دن آلاتِ غنا توڑ ڈالے۔

ف : قرآن مجید اصدق الاحادیث بلکہ ہر کلام سے ملیح تر ہے۔ اس کے پڑھنے سننے پر نزولِ رحمتِ باری تعالیٰ ہوتا ہے اسی لیے اسے بہتر لہجہ میں پڑھنا مستحب ہے۔

عربی میں التغنی بمعنے تحسین الصوت وتطییبہ ہے۔ اس لیے اچھا لہجہ رقتِ قلبی اور خشیتِ الٰہی پر ابھارتا ہے۔ یہی امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے کما فی فتح القریب۔

مسئلہ : تحسین صوت میں ایسا لہجہ نہ پیدا کرے جس سے قرأۃ کی حد سے نکل کر غلطی کا ارتکاب کرے یہی وجہ ہے کہ قرأت میں افراط و تفریط حرام ہے۔ مثلاً کسی حرف کو بڑھانا یا کسی حرف کو ہلکا کرنا یہ سب شرعاً حرام ہے۔ کما فی ابکار الافکار۔

قنیہ میں لکھا ہے کہ حسین آواز والے امام کے پیچھے اگر نماز پڑھ لی جائے تو اس کا اعادہ ضروری ہے۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ وُہ امام قرأت میں افراط و تفریط کرتا ہو تو ، ورنہ حسین آواز اور صحیح پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا افضل ہے۔

مسئلہ : بزازیہ میں ہے کہ جو شخص قرآن مجید کو الحان سے پڑھتا ہے وہ کسی اجر وثواب کا مستحق نہیں۔ اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ وُہ الحان میں افراط و تفریط کرتا ہے ورنہ خوش الحانی سے پڑھنا افضل ہے اس لیے کہ اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ بشرطِ صحت تلفظ قرآن مجید کی تلاوت سے بڑھ کر اور کوئی عبادت نہیں۔

مسئلہ : اس میں بھی کسی کو اختلاف نہیں کہ مزامیر اور دیگر آلاتِ غنا کا سُننا حرام ہے۔

---

[1] مصنف رُوح البیان رحمہ اللہ نے اس کا اجمالی جواب لکھا، مَیں نے تفصیل سے تفسیر اویسی میں لکھ دیا ہے۔
اویسی غفرلہٗ

مسئلہ : یاد رہے کہ بعض علماء کے نزدیک غناء کی حرمت شراب و زنا کی طرح حرام لعینہ نہیں بلکہ اس کی حرمت لغیرہ ہے۔ اسی لیے علماء کرام نے جہاد کے طبل اور طریق حج کے طبل وغیرہ کو اس حرمت سے مستثنیٰ کیا ہے۔

مسئلہ : لہو ولعب کے طریق پر ہر سرود اور گانا بجانا حرام ہے۔ جب غناء میں لہو ولعب نہ ہو گی تو اس میں حرمت کا حکم زائل ہو جائے گا۔

مسئلہ : العوارف میں ہے کہ اگرچہ دف اور شبابہ کے جواز پر مذہب امام شافعی (رحمہ اللہ) میں وسعت ہے لیکن ان کا ترک بھی اولیٰ ہے اس لیے کہ احوط کو لینا اور خلاف سے نکلنا بہتر ہوتا ہے بالخصوص جب دف میں جلاجل وغیرہ ہوں اس لیے کہ وہ بالاتفاق مکروہ ہے کذا فی البستان۔

مسئلہ : الحان ونغموں کے ساتھ سماعِ اشعار میں اختلاف ہے پھر اگر انہیں عورتوں اور انسانی اعضاء مثلاً چہرہ اور قدوقامت کا ذکر ہو تو متدین (دین کے عاشق) کو سننا ناجائز ہے اس لیے کہ ایسے اذکار شہوات کو برانگیختہ کرتے ہیں بالخصوص جب انہیں لہو ولعب ہو اور اہلِ موسیقی کے عادات کے مطابق ہو مثلاً وہ گاتے وقت عجیب وغریب لہجے اختیار کرتے اور نہایت گندے خرافات و بکواسات بکتے ہیں جب وہ شرابیوں و فسادیوں کی مجلس میں گاتے ہیں۔ کذا فی حواشی المعارف للشیخ زین الدین الحافی قدس سرہٗ۔

مسئلہ : اشباہ میں ہے کہ فنِ موسیقی ویسے ہی حرام ہے جیسے فلسفہ، شعبدہ، تنجیم، رمل اور دیگر اس طرح کے فنون حرام ہیں۔

مسئلہ : ایسے قصائد جن میں جنت و دوزخ اور دارالقرار کے تشویق کا ذکر ہو اسی طرح مالک الملک کی نعمتوں اور اس کی عبادت اور خیرات کی ترغیب کے قصائد سننے میں کسی کو انکار نہیں ایسے نمازیوں کے قصائد اور حجاج کے اذکار اور مسائلِ جہاد و حج پر مشتمل قصائد کہ جن میں جنگ اور حج کے بیان سے غازیوں اور حاجیوں کو شوق پیدا ہو کو سننا بھی جائز ہے۔

مسئلہ : اگر قوال بے ریش ہو تو اس کی طرف شہوانی طبائع کا میلان ہو گا اور عورتیں بھی ایسی مجلس میں حاضر ہوں تو ایسی قوالی عین فسق ہو گی۔ ایسی قوالی کی حرمت پر اجماع ہے۔

لوطی کے اقسام (۱) لوطی ایک وہ ہوتے ہیں جو صرف نظروں سے نظریں ملا کر خواہشِ نفسانی سے کھیلتے ہیں۔
(۲) دوسرے وہ ہوتے ہیں جو ہاتھوں سے ہاتھ ملا کر شہوت رانی کرتے ہیں۔
(۳) تیسرے وہ جو اس فعل خبیث کا ارتکاب کرتے ہیں۔

مسئلہ : جیسے روزہ دار کو روزہ کی حالت میں بوسہ دینے سے روکا جاتا ہے وہ اس لیے کہ حرام فعل کے

سبب کے قریب بھی نہ پھٹکنا چاہیے ایسے ہی اجنبی مرد کو اجنبی عورت کے ساتھ خلوت سے روکا جاتا ہے کہ خلوت کہیں زنا کا سبب نہ بن جائے۔ ایسے ہی بے ریش اور عورت کی قوالی اور گانے سے فتنہ اُٹھے گا۔ اور متعدد بار دیکھا گیا ہے ایسے اجتماع میں طعام کا انتظام کیا جاتا ہے اسی وجہ سے اجتماع ہو جاتا ہے جس میں قلبی طور سماع سُننا نہیں ہوتا پھر وہی سماع الٹا وبالِ جان بن جاتا ہے یعنی ایسا سماع شہواتِ نفسانی میں مبتلا کر دیتا ہے اور وہ سماع بجائے نیکی کے لہو و لعب یعنی بُرائی کا موجب بنتا ہے اور سماع کے شرائط میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ سامع اپنے نفس کو خواہشِ نفسانی سے دُور رکھے۔

سماع بہ تکلف (ہمارے دور میں بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ اگرچہ ہم سماع کے اہل نہیں لیکن چونکہ اسلاف کا طریقہ ہے اسی لیے ہم سُنتے ہیں تاکہ ہم بھی اس گروہ میں شمولیت کا شرف حاصل کریں۔ اس کے متعلق صاحبِ روح البیان تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱) جب مستمع کے خیال میں جاہ و مرتبہ ہو یا کوئی منفعتِ دنیویہ اس کے پیشِ نظر ہو تو اس طرح کا سماع مکر و فریب اور دھوکا ہو گا۔

(۲) بہ تکلف سماع کی دوسری قسم یہ ہے کہ سماع سے حقیقت مقصود ہو۔ جیسے انسان وجد کے حصول کے لیے بہ تکلف وجد کرتا ہے۔ ایسے ہی رونے کی عادت پیدا کرنے کے لیے رونی شکل بناتا ہے۔ جب یہ طریقہ شرعاً مندوب ہے تو پھر بہ تکلف سماع وغیرہ سننا بھی جائز ہے بشرطیکہ اس میں غرض صحیح ہو تو کوئی حرج نہیں۔ اس کی نظیر معزز شخصیت کی تشریف آوری کے لیے قیام مستحب ہے اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں یہ طریقہ نہیں تھا۔ اگر کسی کا دل خوش کرنے اور مدارا اور دفعِ وحشت کے لیے قیام کیا جائے اگر ایسے شہروں میں ایسی عادت ہو اور ان کے معاشرے اور حسنِ صحبت میں قیام شامل ہو۔

مسئلہ: اگر کسی کے باہر قرآن پڑھا جا رہا ہو اور وہ بوقتِ اختتام وجد کرے اور وہ اس معاملہ میں سچا ہو تو ثواب پائے گا ورنہ اسے ریاکاری سے اجتناب لازم ہے اس لیے کہ امورِ صالحہ میں ریا کرنا شیطان کو اپنے پیٹ میں جگہ دینا ہے ایسے ہی ریا و شہرت کے طور پہ گانا بجانا سننا اور اس پہ نعرہ مارنا، ایسے ہی تالی بجانا اور کپڑے پھاڑنا اور رقص کرنا وغیرہ۔ سب سے بچنا لازم ہے۔

مسئلہ: اہلِ ریا کے سماع کے متعدد گناہ ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ پہ افترا ہو گا جبکہ وہ کہتا ہے کہ ایسے واردات اللہ تعالیٰ نے بخشے ہیں حالانکہ اسے اللہ تعالیٰ سے کچھ نصیب نہیں ہوا اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا قبیح ترین گناہ ہے۔

(۲) اپنے لیے عوام کو متوجہ کرنا ہوا کہ وہ سمجھیں کہ یہ بہت بزرگ آدمی ہے اور عوام کو اس طرح سے خیانت کا ارتکاب ہو گا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

من غش فلیس منّا۔

(جس نے دھوکا اور خیانت کی وہ ہم میں سے نہیں)

(۴) سماع کے وقت ریا کے طور قعود و قیام کرے گا تو لوگ اس میں اس کی موافقت کریں گے اور یہ ان کے لیے حرج ہوگا اس طرح سے خود تکلف میں ہے تو دوسروں کو بھی تکلیف میں ڈالے گا خود بھی گنہ گار دوسرا بھی مجرم اور اسے اپنے گناہ کے علاوہ دوسروں کے گناہ بھی سر پہ۔ اسی لیے ایسے شخص پر لازم ہے کہ بہ تکلف وجد و سماع سے احتراز کرے۔

مسئلہ: اگر کسی کو وجد میں مرتعش (جس کے عضو بے ساختہ حرکت کرتے ہوں) سی کیفیت ہو یعنی وجد میں اس کی اپنی حرکت ارادی کو دخل نہ ہو یہاں تک کہ اسے خبر تک نہ ہو کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ اور جب حرکت ہو تو اسے روکنا مشکل ہو جائے تو ایسے شخص کو وجد جائز ہے۔ اس کی مثال چھینک والے کی ہے کہ جیسے وہ چھینک کے وقت مجبور محض ہوتا ہے ایسے ہی بلا تکلف وجد کرنے والا۔

سماع کے اقسام

سماع کی چند قسمیں ہیں:

(۱) صوت حسن سننے کے لیے طبیعت کا ذاتی تقاضا ہو اور اس میں شہوت نفسانی کو دخل ہو۔ ایسا سماع حرام ہے اس لیے کہ ایسا سماع شیطانی ہے ؎

چہ مرد سماعست شہوت پرست
بآواز خوش خفتہ خیزد نہ مست

ترجمہ: شہوت پرست سماع کا اہل نہیں ہوسکتا اس لیے کہ وہ خوش آواز سے ہی سرمست ہوتا ہے۔

(۲) نفس کے تقاضے، خوش نغمات اور خوش الحانی سے سماع کا ارتکاب ہو۔ ایسے سماع میں بھی چونکہ خواہش نفسانی کو دخل ہے اسی لیے حرام ہے کیونکہ ایسا سماع شیطانی ہے اور دل کو مردہ کرے گا اور نفس کو زندہ۔ (العیاذ باللہ)

اور مردہ قلب کی علامت یہ ہے کہ رب بھول جائے اور موت بالکل یاد نہ رہے اور دنیا کے امور میں سرمست ہو اور خواہشات نفسانی پر مرمٹے، جس کی کیفیت یہ ہو کہ وہ دنیوی امور کے عشق میں محو ہو تو اس کا سماع نفسانی شہوانی نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا[1] ؎

اگر مردے بازی و لہوست ولاغ
قوی تر بود دیوش اندر دماغ

ترجمہ: اگر کوئی کھیل کود اور تماشا کا خوگر ہو تو اس کے دماغ میں شیطان اور زیادہ

---

[1] ہمارے دور میں اکثر سماع کے عشاق کا یہی حال ہے۔ (العیاذ باللہ)

شیطنت مضبوط اور قوی کرے گا۔

(۳) افعالِ حق کے نور کے مطالعہ کی وجہ سے سماع کا میلان ہو اسے صوفیہ کی اصطلاح میں عشق سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ایسا سماع حلال ہے، یہی سماع رحمانی ہے اور ایسا سماع زندہ دلوں کو نصیب ہوتا ہے ایسے سماع سے نفس مرتا ہے لیے

(۴) اللہ تعالیٰ کے نورِ صفاتی کے مطالعہ کی وجہ سے روح کو سماع کا میلان ہو، اسے محبۃ اور حضور و سکون سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ بھی حلال ہے۔

(۵) نورِ ذات کے مشاہدہ کی وجہ سے سِر کو سماع کی خواہش ہو اسے انس سے تعبیر کرتے ہیں، یہ بھی حلال ہے۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

نگویم سماع اے برادر کہ چیست
مگر مستمع را بدانم کہ کیست
گر از برج معنی پرد طیر او
فرشتہ فروماند از سیر او

ترجمہ: اے بھائی! میں نہیں کہتا کہ سماع کیا ہے، ہاں میں جانتا ہوں کہ سماع سُننے والا کون ہے، وہ ہے جس کی رُوح برج معنے کی طرف پرواز کرے کہ اس کی پرواز سے فرشتہ بھی عاجز ہو۔

دراصل ایسی کیفیت سچے عاشقانِ خدا اور اصحابِ حال کو نصیب ہوتی ہے اس لیے کہ ان کے قلوب میں اعمالِ صالحہ کے انوار کا اثر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اعمالِ صالحہ کا بدلہ عشق و وجد اور ذوق سے دیتا ہے جس کا انجام بشرطِ استقامت کشف و مشاہدہ و معائنہ و معرفت ہے۔

سماع کا صوفیانہ فیصلہ حضرت زین الدین الحافی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے دل میں ایسا نور محسوس کرے تو سماع سُننے میں اباحت کے فتویٰ پر عمل کرے ورنہ اسے مکروہ جانے اور ان مفتیوں کے فتویٰ کو اپنے لیے حرزِ جاں بنائے جو سماع کے بارے میں کراہت کا فتویٰ صادر فرماتے ہیں۔

سماع کسے کہتے ہیں خوش اور موزوں آواز جو قلب کو گرمانے والی ہو، کے سُننے کا نام سماع ہے (لوگوں کے ذہنوں میں مزامیر، گانا بجانا وغیرہ سے سماع کا مفہوم بیٹھ گیا ہے جو غلط ہے لے) کبھی اس حرکت کو بھی سماع کہتے ہیں جو سماع سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ تسمیۃ المسبب باسم

لے یہی وہ سماع ہے جو سلسلہ چشتیہ میں مروّج ہے۔ اویسی غفرلہٗ

لے اضافہ از اویسی غفرلہٗ

السبب کے قبیل سے ہے۔

ف : فطرتِ انسانی میں سے ہے یہاں تک کہ لا یعقل بھی خوش آواز کو نہایت غور و فکر سے سننے کے خوگر ہیں۔ چنانچہ مشہور ہے کہ سیدنا داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی سے پرندے بھی آپ کے سرِ مبارک پر بیٹھ جاتے تو محوِ سماع ہو جاتے ہے

بر از روئے خوب ست آواز خوش
کہ ایں حظِ نفس است و آں قوتِ رُوح

ترجمہ : حسین چہرے سے خوش آواز بہتر ہے اس لیے کہ حسین چہرہ نفس کی لذّت ہے اور خوش آواز رُوح کی غذا۔

حکایت ۱ حضرت الاستاذ امام ابو علی بغدادی قدس سرہٗ کو اللہ تعالیٰ نے خوش الحانی سے نوازا یہاں تک کہ جب آپ خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھتے تھے تو بے شمار یہود و نصاریٰ (انگریز) مسلمان ہو گئے اور واقعی حسنِ صوت میں یہ تاثیر لازمی امر ہے اس لیے کہ جب قبیح آواز سے طبیعت منغص ہو جاتی ہے تو خوش آواز سے راحت و فرحت کیوں نہ ہو !

حکایت ۲ امام تقی الدین مصری سے منقول ہے جو تجوید کے اُستاد تھے، ایک دن صبح کی نماز میں انہوں نے وتفقد الطیر فقال مالی لا اری الھد ھد بار بار پڑھا تو ایک پرندہ اڑ کر ان کے سرِ مبارک پر آ بیٹھا جب تک شیخ موصوف نے سورۃ ختم نہ کی وُہ پرندہ آپ کے سر پر بیٹھ کر قرآن سُنتا رہا۔ غور سے دیکھا گیا تو وہ ہُدہُد پرندہ تھا۔

ف : مشایخ فرماتے ہیں کہ جب روح آوازِ خوش سنتی ہے تو اس سے اس لیے لذّت پاتی ہے کہ الست بربکم کا خطاب حق یاد آ جاتا ہے جس سے وہ اس خطاب کے ذوق میں اسی عالمِ قدس یعنی حضرت ربوبیت کی طرف لَوٹنا چاہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وجد کے وقت بشریت کے گھونسلا سے نکل کر حضرت صمدیہ کی طرف اڑ کر جانا چاہتا ہے ہے

چہ گو نہ جان نپرد سوئے حضرت متعال
ندائے لطفِ الٰہی رسد کہ عبدی تعال

ترجمہ : حضرت تعالیٰ کی طرف رُوح کیوں نہ پرواز کرے جب اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئے کہ اے میرے بندے ! آ جا۔

سماع کا شرعی فیصلہ حضرت شیخ ابو طالب مکی قُوت القلوب میں لکھتے ہیں کہ اگر ہم سماع کا مجملاً مطلقاً غیر مقید کے طور انکار کریں تو ستر صدیق پر اعتراض کرنا لازم آتا ہے اگرچہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارا یہ انکار اقرب الی الفتویٰ اور علمائے شرع کے حکم کے مطابق ہے

لیکن پھر بھی انکار نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ اگرچہ علمائے ظاہر اپنے شرع کے فتوے پر مجبور ہیں کہ ہمارے اکابر صوفیہ مشایخ رحمہم اللہ تعالیٰ سماع سُنتے تھے پھر ہم کون ہیں کہ ان کو طعن و تشنیع کا مورد ٹھہرائیں۔

اس کے بعد موصوف نے سماع کے جواز پر اخبار و آثار کے انبار لگا دیے۔ آخر میں فیصلہ کرتے ہوئے لکھا کہ جواز معتبر ہے، جیسا کہ عوارف میں ہے کہ عوارف کے مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ علم میں وافر اور احوال سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کے کمال حال سے زیادہ واقف اور شریعت و تصوف کے ماہر تھے۔ علاوہ ازیں مصنف تقویٰ اور پرہیزگاری میں بھی مشہور زمانہ ہے اسی لیے سماع کے لیے بشرائط جواز کا فتویٰ راجح ہے ہاں اسے مسجد میں نہ سُنا جائے، ایسے ہی دُوسرے مقامات مقدسہ پر بھی، جیسے مدارس وغیرہ۔

سبق: عوام بلکہ خواص پر لازم ہے کہ اس مسئلہ میں قیل وقال کو ترک کریں۔ حتی الامکان قوتِ حال مضبوطی بھی ضروری ہے۔

خَلَقَ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے **السَّمٰوٰتِ** ساتوں آسمان، ایسے ہی کرسی اور عرش **بِغَيْرِ عَمَدٍ** بفتحتین عماد کی جمع ہے، جیسے اَهَبٌ، اہاب کی جمع ہے۔ ہر وہ شے جس کے ساتھ سہارا لگایا جائے۔ مثلاً:

عمدت الحائط۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب دیوار سے سہارا لگایا جائے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو ستونوں کے بغیر پیدا فرمایا۔ یہ جمع آسمانوں کے تعدّد پر دلالت کرتی ہے **تَرَوْنَهَا** یہ جملہ مستانفہ ہے اسے استشہاداً لایا گیا ہے۔ تاکہ مشاہدہ کریں کہ واقعی آسمان ستونوں کے بغیر پیدا کیے گئے ہیں۔ یا یہ عَمَدٍ کی صفت ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ انھیں ستونوں کے بغیر پیدا کیا گیا ہے اور ہر ایک انھیں دیکھ رہا ہے کہ واقعی وہ ستونوں کے بغیر کھڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں بندوں کو تنبیہ فرمائی کہ ان کی کیفیت دیکھ کر یقین کریں کہ واقعی وہ بہت بڑی قدرت کا مالک ہے۔

ف: آسمانوں اور زمینوں کا نظام بتاتا ہے کہ یہ بہت بڑا کارخانہ جو عرصہ سے چالُو ہے، جس کے نظام میں کبھی ذرہ برابر کمی بیشی نہیں ہُوئی۔ تو ذی شعور یقین کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ جو ذات اتنی بڑی قدرت رکھتی ہے عبادت بھی صرف اسی کے لائق ہے۔

بندگانِ خدا (اولیاءُ اللہ) کی شان اللہ تعالیٰ کے بعض مخصوص ایسے بندے بھی ہیں جو اس کی قدرتِ کاملہ کے مظاہر ہیں دراصل وہی ان ساتوں آسمانوں کے معنوی ستون اور نظامِ عالم کے مطلقاً سبب ہیں اور وہ ہر زمانے میں موجود رہتے ہیں۔ جب قیامت قریب ہوگی تو ان میں ایک بھی زندہ نہ رہے گا پھر عالم دنیا ایسے ہوگا جیسے رُوح کے بغیر جسم۔ چونکہ جان کے بغیر جسم کی بقا محال ہے اسی لیے اولیاءُ اللہ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد نظامِ عالم میں خلل اور

نقصان واقع ہو جائے گا۔ جیسے رُوح نکل جانے کے بعد میت کا جسم مٹی میں مٹی ہو جاتا ہے ایسے ہی عالم دنیا کا حال ہو جائے گا۔ پھر عالمِ ظہور عالمِ بطون کی طرف رجوع کرے گا اور اس مسئلہ کا وہی انکار کرے گا جسے حقیقتِ معرفت سے لاعلمی اور جہالت ہے۔ ہم انکار و اصرار سے پناہ مانگتے ہیں۔

وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اور ڈالے زمین پر لنگر۔

حلِ لغات الالقاء بمعنے شے کو ایسی جگہ پھینکنا جسے دیکھا اور پھر اسے حاصل کیا جا سکے۔ پھر مطلقاً ہر پھینکنے پر استعمال ہونے لگا۔ الرواسی، راسیۃ کی جمع ہے، رسا الشئی یرسو سے مشتق ہے بمعنے ثبت۔ اور الجبال سے ثوابت مراد ہیں کیونکہ وہی زمین پر ثابت ہیں انہی سے زمین ساکن ہے۔ پہاڑوں کو رواسی سے تشبیہ دینے سے ان کی حقارت کا اظہار مطلوب ہے اور یہ ظاہر کرنا ہے کہ وُہ زمینیں اگرچہ بہت بڑی مخلوق ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے انہیں چند پتھریوں سے ایسا مضبوط کر دیا کہ اب ان میں ہلنے کی سکت تک نہیں۔ یہ اس کی قدرتِ کاملہ کی بہت بڑی دلیل ہے اس لیے کہ جس کی عظمت کا ایسا حال ہو تو اس میں عقول و افہام دنگ رہ جاتے ہیں باوجودیکہ اینھمہ اس کی شان کے آگے کچھ بھی نہیں۔

ف: اللہ تعالیٰ نے زمین سے فرمایا: عالمِ وجود میں آجا۔ جب وُہ عدم میں عالمِ وجود میں آئی تو تھرتھرانے لگی تو اس پر پہاڑوں کو گاڑ دیا گیا جس سے وُہ ٹھہر گئی۔ لیکن یہ کسی کو معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کس طرح پیدا کی گئی۔

اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ یہ المید سے مشتق ہے۔ کسی بہت بڑی عظیم شے کا تھرتھرانا، جیسے زمین تھرتھرائی۔ اہلِ عرب کہتے ہیں: ماد۔ یمید۔ میدا و میدانا بمعنے اضطرب و تحرک بمعنے تھرتھرانا اور ڈھلکنا۔ بکم کی باء تعدیہ کی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ زمین پر لنگر اس لیے ڈالے کہ وُہ تمہیں لے نہ جائے۔ اس لیے قاعدہ ہے کہ جس شے کے اجزاء بسیط ہوں وہ چاہتی ہے کہ وہ اپنے حیز اور وضع کو بدل ڈالے۔ اس لیے کہ ایسی شے کے اجزاء ذاتی طور یا التزام حیز مخصوص و وضع مخصوص میں نہیں رہ سکتے۔

خلاصہ یہ کہ زمین کو پہاڑوں سے جکڑا گیا تاکہ وُہ اپنی حرکت سے ایک جگہ سے دُوسری جگہ پر نہ لے جائے کیونکہ زمین پانی پر ایک جگہ پر نہیں رہ سکتی جیسے کشتی پانی پر ہوتی ہے تو وہ ایک جگہ نہیں ٹھہر سکتی۔ اسی لیے زمین پر پہاڑ گاڑ دئے گئے تاکہ وہ ساکن ہو۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

چو می گسترانید فرش تراب
چو سجادۂ نیک مردان بر آب
زمیں از تب لرزہ آمد ستوہ
فرو کوفت بر دامنش میخ کوہ

ترجمہ: مٹی کا فرش بچھایا جیسے نیک آدمی کا مصلّٰی پانی پر ہو۔ زمین نے لرزہ کے تپ سے آرام پایا جب اس پر پہاڑ کی میخ گاڑی۔

ف : موضح میں ضحاک سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام رُوئے زمین پر صرف انیس پہاڑ گاڑے ان میں سے مشہور پہاڑ یہ ہیں :

کوہ قاف ، ابوقبیس ، جُودی ، لبنان ، سینین ، طورسینا ، فیران۔

لیکن بعض اور روایات میں انیس سے زاید بھی مروی ہیں جیسا کہ سُورۃ الحجر میں ہم نے تفصیل سے لکھا ہے۔

ف : بعض علماً فرماتے ہیں کہ پہاڑ زمین کی ہڈیاں اور رگیں ہیں ۔ یہ قول اہلِ سلوک کے اس قول کے موافق ہے کہ سُورج اور چاند اسی تعیین (عالم کائنات) کی آنکھیں ہیں۔ اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ ستارے زمین پر مرکوز نہیں بلکہ یہ زمین کی بعض لطیف رگوں کے انوار کا عکس ہیں ۔ اس راز سے حکماً مطلع نہیں ہوئے۔ یہ اہلِ کشف کے علوم سے منکشف ہوا ہے ۔

وَ بَثَّ اور پھیلایا فِيْهَا زمین میں مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ دابہ کے جملہ انواع جن کی کثرت اور مختلف اجناس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہے ۔

حلِ لغات : البعث بمعنے اثارۃ الشیٔ و تفریقہ یعنی شے کو بکھیرنا، جیسے مٹی کے قطرات کو ہوا بکھیرتی ہے ایسے ہی نفس اپنے اندر کے غم اور شر کو بکھیرتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ عالمِ کائنات کا کوئی ذرہ موجود نہ تھا۔ یہ تمام اللہ تعالیٰ کی ایجاد و تخلیق سے موجود ہوئے۔ اور الدب والدبیب بمعنے آہستہ چلنا۔ اس کا استعمال حیوانات میں عموماً اور حشرات میں اکثر ہوتا ہے وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ اور ہم نے بادل سے نازل کیا ۔ ہر وُہ شے جو سر کے اُوپر ہو اُسے السماء سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مَآءً اس سے بارش کا پانی مراد ہے فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا تو ہم نے زمین میں اسی پانی کے سبب سے اگائے ۔ جمع متکلم کے صیغہ سے اس معاملہ میں اہمیت کا اظہار ہے مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ○ ہر قسم کے کثیر المنافع جوڑے۔

المفردات میں ہے کہ ہر وُہ شے جو اپنے معاملہ میں شرافت کی حامل ہو اسے لفظ کرم سے موصوف کیا جاتا ہے۔ اسی لیے اسے کریم سے موصوف کیا گیا۔ ہر شے عالمِ دنیا میں زوج ہے اس لیے کہ کم از کم اس کی نقیض ہوتی ہے ۔ یا اس کی دوسری مثال ہو گی یا جوہر و عرض اور مادہ و صورت سے مرکب ہو گی اور اس میں تنبیہ ہے کہ مرکب سے مرکب ہو وہی بے نظیر صانع ہے جس نے اس قسم کی مصنوعات بنائیں۔

ف : اللہ تعالیٰ نے ہمیں توفیق بخشی ہے کہ ہم اس کی صنعت کے عجائب و قدرت کے غرائب میں غور و فکر کر سکتے ہیں ورنہ بہت بڑے عقول و افہام کے حاملین حیران ہیں کہ اس قادرِ مطلق نے نباتات اشجار میں کیسے عجائبات رکھے ہیں ۔ اور کیسے اعلیٰ فوائد پر مشتمل ہیں اور بے شمار منافع و مضار کو متضمن ہے۔ اور واقعی اس میں تحیر کا ہونا لازمی امر ہے کہ یہ اشیاء مختلف اشکال ، مختلف الوان اور ان کے اوراق کی صورتوں کے عجائبات اور ان کے اوراق کی صورتوں کے عجائبات اور ان کے پھولوں کی رنگ برنگی خوشبوئیں ہیں اور ہر پھول کے مختلف رنگ ہیں مثلاً سُرخ رنگ کی کئی قسمیں ہیں جیسے گلابی ، ارگوانی ، سوسنی ، شقائقی ، حمری ، عنابی ، عقیقی ، دموی ، لکی

وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام رنگ مختلف اقسام کے باوجود سُرخ رنگ میں ایک نام رکھتے ہیں پھر ان کی خوشبو کے عجائب غرائب ہیں اور آپس میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن خوشبو دینے میں مشترک ہیں ایسے ہی ان شگوفوں اور دانے اور پتّوں کے عجائبات ہیں کہ ہر ایک کا رنگ اور خوشبو اور ذائقے اور ثمر اور رونق اور دانے مختلف ہیں، پھر ان کی خاصیتیں مختلف ہیں ایسی مختلف کہ ایک کو دوسرے سے کوئی مشابہت نہیں ہے اور ان کی حقیقت کا کسی کو علم نہیں اور انسان جو کچھ ان کے حقائق کو جانتا ہے وہ ان کی اصلی حقیقتوں کے نہ جاننے کے برابر ہے اس کے علم کو ان کی حقیقتوں کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

ف: اللہ تعالیٰ نے آدم و حوّا علیہما السلام کو جب بہشت سے نکالا تو عرصۂ دراز تک رہتے ان دونوں کی گریہ وزاری سے اللہ تعالیٰ نے گرم انگوریاں پیدا فرمائیں جیسے سونٹھ وغیرہ اس لیے کہ ان کے آنسوؤں کو ایک نطفوں کی طرح ضائع نہ فرمایا یہاں تک کہ یاجُوج و ماجُوج بھی انہی کے نطفوں سے پیدا فرمائے گئے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ نطفہ شہوت سے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ نبی علیہ السلام احتلام سے محفوظ رہے۔ اس کی تفصیلی بحث ہم نے پہلے بیان کی ہے۔

هٰذَا یہی جو آسمان و زمین، پہاڑ، حیوان، نباتات کی تخلیق کا بیان ہُوا **خَلْقُ اللّٰهِ** اللہ تعالیٰ کی خلق ہے۔ خلق بمعنے مخلوق ہے۔ جیسے ضرب الامیر بمعنے مضروب ہے مصدر توسعاً مفعول کے قائم مقام ہے۔

فَاَرُوْنِیْ اے مشرکو! مجھے دکھادو۔

حلِ لغات: ارِیتہ الشئ سے ہے یہ دراصل آرأیتہ تھا۔

مَاذَا خَلَقَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهٖ اللہ تعالیٰ کے غیروں کو تم نے شریک بنا رکھا ہے اور سمجھتے ہو کہ وہ عبادت کے مستحق ہیں تو پھر دکھاؤ کہ انہوں نے کیا پیدا کیا ہے۔

حلِ لغات: ماذا بمنزلہ ایک اسم کے ہے بمعنی ای شئ۔ خلق کی وجہ سے منصوب ہے یا مرفوع مبتداء بوجہ ابتدا کے، اور ذا اس کی خبر اور صلہ ہے دونوں تقریروں پر۔ یہ ارونی کے متعلق ہے۔

بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ان کی تبکیت سے اعراض کرتے ہُوئے ان کی گمراہی پر مُہر ثبت فرمائی کہ ان کا غیروں کو پُوجنا اس معنے پر کہ وُہ ظالم کُھلی گمراہی میں مبتلا ہیں اور ان کی گمراہی کسی سے مخفی نہیں بلکہ واضح و لائح ہے کہ وُہ حق سے کوسوں دُور چلے گئے ہیں اور ابان بمعنے بان ہے۔ یہاں پر اسم ظاہر کو مضمر کے بجائے لانے میں اشارہ ہے کہ ان کی گمراہی بوجہ شرک میں مبتلا ہونے کے ہے۔

ف: فتح الرحمان میں اس کا معنیٰ یہ ہے کہ بلکہ یہ وہی قریش ہیں جو گمراہی میں ظاہر ہیں۔ انہیں ایک صفت سے موصوف کرنے میں اشارہ ہے تاکہ یہ حکم عام ہو کہ یہ لوگ ان لوگوں کے مشابہ ہیں جو ان سے پہلے شرک میں مبتلا رہے۔

ف: کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا: بلکہ یہ مشرک گمراہی میں ظاہر اور آشکار ہیں کہ عاجز کو قادر اور مخلوق کو

خالق کی پرستش میں شریک کرتے ہیں ؎

ہر کہ ہست آفریدہ او بندہ است

بندہ در بند آفرینندہ است

پس کجا بندۂ کہ در بندہ است

لائق شرکت خداوندا است

ترجمہ: ہر شے اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہے اور بندہ اپنے پیدا کرنے والے کی بندگی کا پابند ہوتا ہے وُہ بندہ کیسا جو اپنے جیسے بندے کی بندگی میں مبتلا ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو پرستش میں شریک کرنا نہایت قبیح امر ہے۔

ف: توحید افضل الفضائل ہے جیسے شرک اکبر الکبائر ہے توحید میں نور اور شرک میں نار ہے۔ نورِ توحید موحدین کے گناہوں کو جلا کر راکھ بنا دیتا ہے ایسے ہی نار مشرکین کی نیکیوں کو۔ اور توحید افضل العبادات اور ذکر اللہ اقرب القربات ہے یہ کسی زمان و مکان سے مقید نہیں انہیں جب بھی عمل میں لایا جائے روا ہے بخلاف دیگر عبادات کے مثلاً روزہ، نماز وغیرہ وقت کے محتاج ہیں۔ گمراہی سے بچنے کا واحد نسخہ توحید کے دامن کو مضبوطی سے پکڑنا اور توحید و عبادت میں اخلاص پیدا کرنے سے ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

من قال لا الٰہ الا اللہ وکفر بما یعبد من دون اللہ حرم مالہ ودمہ وحسابہ علی اللہ۔

(جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور عبادت غیر اللہ سے کنارہ کیا تو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی جان و مال محفوظ ہو گئے اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے)

یعنی آخرت میں اس کے دل کا اخلاص و عدمِ اخلاص منظرِ عام پر آ جائے گا۔

مسئلہ: مشرک کا علم و عمل کتنا ہی حسین کیوں نہ ہو وہ مردود و مبعود ہے۔ ایسے ہی ریا کار کا علم و عمل کتنا ہی بہتر کیوں نہ ہو وہ بھی بیکار اور مردود ہے۔

ریاکار کو پند و موعظت ریاؤ و سمعۃ زمین و آسمان کے درمیان سے پھر پھرا کر ریاکار کے منہ پر مارے جاتے ہیں اور مخلص کا خلوص اور عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب و مرغوب ہیں۔

اعمالِ حسنہ کا مقام مروی ہے کہ انسان کی مقبول نیکی عرشِ الٰہی تک پہنچنے کی پہلی منزل سدرۃ المنتہیٰ ہے وہاں سے بعض اعمال آگے بڑھ کر بہشت میں پہنچتے ہیں اور بعض عرشِ الٰہی تک بھی پہنچ جاتے ہیں اور بندے کے بعض وہ اعمال بھی ہیں جن پر صفات روحانیہ اور ان کے قویٰ کا غلبہ

ہوتا ہے جب ان کے ساتھ علمِ محقق یا وہ اعتقاد جو تصورِ صحیح جو متصور کے عین مع حضور و جمعیت اور صدق ہو تو وہاں عرش سے تجاوز ہو کر عالمِ مثال میں پہنچ کر یوم الجمع کے لیے ذخیرہ بن جاتا ہے بعض خوش بختوں کے اعمالِ صالحہ مقامِ قلم سے مقامِ عماد تک پہنچتے ہیں۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وُہ اپنے اعمالِ صالحہ میں اخلاص پیدا کرے تاکہ انہیں ایسے بلند مقامات پر پہنچنے کا موقعہ نصیب ہو۔ اس پر بھی لازم ہے کہ شرک سے بچ کر اعمالِ سفلیہ کے ارتکاب سے احتراز کرے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

رہ راست رو تا بمنزل رسی
تو بر رہ نۂ زین قبل واپسی
چو گاوے کہ عصار چشمش بہ بست
دوان تا بہ بشب شب ہم آنجا کہ ہست
کسے گر بتابد ز محراب روے
بکفرش گواہی دہند اہل کوے
تو ہم پشت بر قبلہ کن در نماز
گرت در خدا نیست روے نیاز

ترجمہ: سیدھی راہ چلو تاکہ منزل کو پہنچو۔ چونکہ تم صحیح راہ نہیں چلے اسی لیے منزلِ مقصود تک پہنچنے سے عاری ہو۔ تمہاری مثال تیلی کے بیل سی ہے کہ جب تیلی اس کی آنکھیں باندھتا ہے تو وہ ساری رات دوڑ لگانے کے باوجود وہیں پر ہوتا ہے جہاں سے اس نے سفر کا آغاز کیا تھا اگر کوئی آستانِ حق سے منہ پھیرتا ہے تو لوگ اسے کافر کہتے ہیں تمہیں قبلہ سے منہ پھیرنے والا سمجھا جائے گا اگر تیرا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاص نہیں۔

ف: جب ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی خالق ہے اور نہ اس کے سوا کوئی کسی کو اجر و ثواب دے سکتا ہے تو پھر اس کے غیر کی پرستش کا کیا معنیٰ! اسی لیے لازم ہے کہ ہم سب اسی کی طرف رجوع کریں تاکہ ہم اہلِ منازلِ علیا کی منزلوں تک پہنچ سکیں اور وہیں پر ہمیں امن و سکون اور چین نصیب ہو گا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ

اور بیشک ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی کہ اللہ کا شکر کر اور جو شکر کرے وہ اپنے بھلے کو شکر کرتا ہے اور جو ناشکری

فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ

کرے تو بیشک اللہ بے پرواہ ہے سب خوبیوں سراہا۔ اور یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا اور وہ نصیحت کرتا تھا

بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ

اے میرے بیٹے اللہ کا کسی کو شریک نہ کرنا بیشک شرک بڑا ظلم ہے اور ہم نے آدمی کو اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید فرمائی اس کی ماں

وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۱۴﴾

نے اسے پیٹ میں رکھا کمزوری پر کمزوری جھیلتی ہوئی اور اس کا دودھ چھوٹنا دو برس میں ہے یہ کہ حق مان میرا اور اپنے ماں باپ کا آخر مجھی تک

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا

آنا ہے۔ اور اگر وہ دونوں تجھ سے کوشش کریں کہ میرا شریک ٹھہرائے ایسی چیز کو جس کا تجھے علم نہیں تو ان کا کہنا نہ مان اور

فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۫ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ

دنیا میں اچھی طرح ان کا ساتھ دے اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا پھر میری ہی طرف تمہیں پھر آنا ہے تو میں

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾ يٰبُنَيَّ اِنَّهَاۤ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ

بتادوں گا جو تم کرتے تھے اے میرے بیٹے برائی اگر رائی کے دانہ برابر ہو پھر وہ پتھر کی چٹان میں یا

صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۶﴾

آسمانوں میں یا زمین میں کہیں ہو اللہ اسے لے آئے گا بیشک اللہ ہر باریکی کا جاننے والا خبردار

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ ؕ

ہے اے میرے بیٹے نماز برپا رکھ اور اچھی بات کا حکم دے اور بری بات سے منع کر اور جو افتاد تجھ پر پڑے اس

اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ

پر صبر کر بیشک یہ ہمت کے کام ہیں اور کسی سے بات کرنے میں اپنا رخسارہ کج نہ کرو اور زمین میں اتراتا نہ چل

مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ

بے شک اللہ کو نہیں بھاتا کوئی اتراتا فخر کرتا اور میانہ چال چل اور اپنی آواز

مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿۱۹﴾

کچھ پست کر بے شک سب آوازوں میں بری آواز گدھوں کی

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اور بیشک ہم نے لقمان کو حکمت بخشی۔ منقول ہے کہ قصہ ہائے و وصیت ہائے لقمان یہودیوں میں بہت مشہور ہیں۔ اور اہل عرب بھی

ان کی حکمتوں سے متاثر ہیں اس لیے کہ جب بھی کسی حکمت کی کہاوت بیان کرتے ہیں تو اس میں حضرت لقمان کا نام لیتے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق بیان فرمایا۔

تعارفِ لقمان حکیم لقمان بن باعور بن باحور بن تارخ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد گرامی جو بعض علماء کے نزدیک آزر نامی تھے لیکن اہلِ اسلام کے نزدیک آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا تھے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کی اولاد سے ہیں۔ حضرت لقمان حکیم نے ہزار برس زندگی بسر فرمائی یہاں تک کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا زمانہ پایا اور ان سے علومِ دینیہ کا استفادہ کیا اور داؤد علیہ السلام کی بعثت سے پہلے شرعی فتاویٰ کے مفتی تھے لیکن داؤد علیہ السلام کی بعثت کے بعد آپ نے فتویٰ نویسی کا عُہدہ چھوڑ کر فرمایا کہ اب میرے فتاویٰ کی ضرورت نہیں۔ کذا قال محمد اسحاق فی مغازیہ۔

سیاہ فام حضرت لقمان بعض علماء نے فرمایا کہ لقمان بن عنقا بن سرون اہلِ ایلہ سے ایک سیاہ فام غلام تھے۔ لیکن یاد رہے کہ رنگ کی سیاہی کسی کے مرتبہ و کمال کے لئے نقصان دِہ نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت و ولایت اور حکمت کے لیے حُسن و جمال کی شرط نہیں لگائی ہاں وہ مالک ان مراتب و کمالات کے لیے جسے چاہتا ہے چُن لیتا ہے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا: ؎

چہ غم ز منقصت صورت اہل معنی را
چو جان ز روم بود گو تن از حبش می باش

ترجمہ: اہلِ معنیٰ کو ظاہری صورت کی کمی نقصان نہیں دیتی اس لیے کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ قلب کو نورانی اور روشن رکھے خواہ جسم حبشیوں کی طرح سیاہ ہو۔

حضرت لقمان کا مزید تعارف جمہور کے نزدیک حضرت لقمان طب اور حقیقی علم و حکمت کے حکیم تھے۔ آپ بنی اسرائیل میں نہایت نیک انسان مشہور تھے۔ خلقِ خدا کو وعظ و نصیحت اور حکمت بھری باتیں سُناتے تھے لیکن یہ معلوم نہیں کہ وُہ بنی اسرائیل کے کس قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے بہرحال وُہ نبی اور پیغمبر تھے البتہ ایک ہزار انبیاء علیہم السلام سے علمی استفادہ کیا اور ایک ہزار انبیاء علیہم السلام نے ان سے علمی فوائد حاصل کیے۔

لقمان حکیم کی حکمتوں کا بیان حضرت لقمان حکیم نے فرمایا: میں نے چار ہزار پیغمبرانِ عظام کی خدمت کی اور ان سے صرف آٹھ سبق سیکھے:

(۱) نماز میں قلب کی حفاظت (۲) طعام میں حلق کی حفاظت

(۳) غیر کے گھر میں ہو تو آنکھ کو بچا کر رکھو۔

(۴) لوگوں کے درمیان میں ہو تو زبان کو محفوظ رکھو۔

دو چیزوں کو یاد کرو:

(۵) اللہ تعالیٰ کو

(۶) موت کو

دو چیزوں کو بھول جاؤ:

(۷) کسی پر احسان کر کے

(۸) جو کوئی تمہیں ایذا پہنچائے

حضرت لقمان نبی نہیں تھے حضرت لقمان کی نبوت کی نفی میں اتنی دلیل کافی ہے کہ آپ سیاہ فام تھے اور کوئی نبی علیہ السلام سیاہ فام نہیں تھا بلکہ سب کے سب شکیل، حسین وجمیل اور خوش آواز تھے۔ کسی نے حضرت لقمان سے پوچھا کہ آپ بہت سیاہ فام ہیں آپ نے فرمایا: تم نقش پر نہیں بلکہ نقاش پر اعتراض کر رہے ہو۔ حضرت لقمان نبی تو نہیں تھے البتہ حکمت میں بے نظیر اور اعلیٰ درجے کے مفکر اور حسن الیقین بے عدیل تھے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے محبوب تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں علم وحکمت کی نعمت سے نوازا اور حکمت حق بولنے اور حق کی سوچ بچار کو کہا جاتا ہے۔ بلکہ صاحبِ حق کے ہر عضو کی حرکت مبنی بر حق ہوتی ہے۔ وُہ بولتا ہے تو اس کی زبان سے حکمت کی باتیں ظاہر ہوتی ہیں اور سوچتا ہے تو حکمت کی باتیں سوچتا ہے غرضیکہ اس کی ہر حرکت حکمت سے بھری ہوتی ہے اس لیے امام راغب نے فرمایا:

الحکمۃ اصابۃ الحق بالعلم والفعل۔

(حکمت بمعنے علم وفعل میں مصیب ہونا)

اللہ تعالیٰ سے جسے ایسی حکمت نصیب ہوتی ہے وہ اشیأ اور ان کی ایجاد کی معرفت میں یکتا ہوتا ہے۔ اور انسان کی حکمت کا معنیٰ یہ ہے کہ اسے موجودات کی ماہیت وفعل الخیرات معرفت نصیب ہو۔ حضرت لقمان اسی حکمت سے موصوف تھے۔

حکیم حقیقی حضرت امام غزالی قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ جسے جملہ اشیاء کی معرفت تو حاصل ہو لیکن معرفتِ الٰہی سے کورا ہو تو وہ حکیم کہلوانے کا حقدار نہیں اس لیے کہ وُہ اجل وافضل اشیاء کی معرفت سے محروم رہا۔ قاعدہ ہے کہ علم کی بزرگی معلوم کی جلالتِ شان پر موقوف ہے اور اللہ تعالیٰ سے اجل وافضل اور کون ہو سکتا ہے! ہاں جو معرفتِ الٰہی سے نوازا گیا حقیقۃً وہی حکیم ہے اگرچہ اس نے رسمی علوم نہ پڑھے ہوں یا توتلی زبان رکھتا ہو اور بولنے میں قادر الکلام نہ ہو اور عارف باللہ کا کلام غیر عارف سے نرالا ہوتا ہے اس لیے کہ اگروہ جزئیات پر بظاہر قدرت نہیں رکھتا ہے لیکن جُملی پر تو قادر ہے اسے دنیوی امور سے واسطہ نہیں ہوتا بلکہ وُہ اُخروی امور کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ کلمات کلیہ جو حکیم کے احوال سے ہیں

لوگوں کے ہاں اطہر و اطیب ہوتے ہیں اس لیے کہ وہ معرفتِ الٰہی سے بولتا ہے اور شریعتِ پاک بھی ایسے کلماتِ کلیہ کو حکمت سے تعبیر کرتی ہے اور ایسے کلماتِ کلیہ کے متکلم کو شریعت میں حکیم کہا جاتا ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

راس الحکمۃ مخافۃ اللہ۔

(حکمت کی اصل خوفِ الٰہی ہے)

ایسی حکمت تھوڑی ہو تو بھی بے کار اور فضول امور سے افضل و اعلیٰ ہے۔ اسی لیے بزرگوں نے فرمایا: پرہیزگار بن جاؤ، لوگوں میں عابد ترین انسان سمجھے جاؤ گے اور متقی بن جاؤ اللہ تعالیٰ کے زیادہ شکر گزار بندے مانے جاؤ گے۔ انسان پر بلائیں بولنے کی وجہ سے نازل ہوتی ہیں۔ سعادت مند وہ ہے جو دوسروں سے عبرت حاصل کرتا ہے۔ اور قناعت ختم نہ ہونے والا مال ہے۔ یقین تو ایمان ہی ہے۔ ایسے کلمات کو حکمت اور اس کے عامل کو حکیم کہا جاتا ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ حکمت وحی کے برابر کا حکم رکھتی ہے۔ چنانچہ حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اوتیت القرآن وما یعدلہ۔

(میں قرآن اور اس کے برابر کی شے دیا گیا ہوں)

اس سے حکمت مراد ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد و یعلمھم الکتاب والحکمۃ سے معلوم ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ حکمت عطیۂ ایزدی ہے جو صرف اولیاء اللہ کو نصیب ہوتی ہے۔ جیسے وحی عطیۂ ربانی ہے اور وہ صرف انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوتی ہے۔ حکمت اور نبوت کسبی نہیں بلکہ یہ فضلِ الٰہی ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اسے عطا ہوتی ہے فرق صرف یہ ہے کہ حکمت کے حصول میں بندہ جدّ وجہد کرتا ہے۔ اس میں تعلیمِ انبیاء علیہم السلام کو دخل نہیں یعنی وہ اس کی تعلیم کے لیے مبعوث نہیں ہوتے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کے متعلق یوں خبر دی ہے:

من اخلص للہ اربعین صباحا ظھرینا بیع الحکمۃ من قلبہ علی لسانہ۔

(جو بندہ چالیس دن اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلوص کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل میں حکمت کے چشمے اگاتا ہے جن کا ظہور اس کے دل سے ہوتا ہے)

جیسے قلب وحیِ الٰہی کے اُترنے کا مرکز ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے حکمت کا سرچشمہ قلب کو بنایا ہے اور عطیہ اسی سے ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کے لیے فرمایا:

ولقد اتینا لقمان الحکمۃ۔ (بیشک ہم نے لقمان کو حکمت دی)

اور فرمایا: ومن یؤتی الحکمۃ من یشاء ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیرا۔

(اور جسے چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے اور جو حکمت دیا جاتا ہے وہ یقیناً دیا جاتا ہے ۔)

اس سے معلوم ہوا کہ حکمت عطایائے حق ہے اس میں کسب کو کوئی تعلق نہیں اس لیے کہ وہ اقوال سے ہے مقامات سے نہیں ۔

ف : وہ معقولات جسے حکما حکمت سے تعبیر کرتے ہیں وہ حکمت نہیں اس لیے کہ فکر سلیم کا نتیجہ ہے جس میں وہم و خیال کو بہت زیادہ دخل ہوتا ہے اور یہ مومن و کافر دونوں کو حاصل ہوسکتی ہے ۔

اور ایسے فکرات غلط شوائب سے محفوظ نہیں رہ سکتے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے عقاید و دلائل میں اختلاف ہوجاتا ہے اور وہ حکمت جو بعض حکما حفظ کرتے ہیں وہ بھی حکمت نہیں اس لیے کہ وہ منجانب اللہ بطور عطیہ نصیب نہیں ہوئی اور جو منجانب اللہ ایسے طریق سے حاصل نہ ہو اسے حکیم نہیں کہا جا سکتا ۔

حکمت کی قسمیں

عرائس البیان میں ہے کہ حکمت تین قسم ہے :

(۱) حکمۃ القرآن ، اس سے اس کے حقایق مراد ہیں ۔

(۲) حکمۃ الایمان ، اس سے معرفتِ الٰہی مراد ہے ۔

(۳) حکمۃ البرہان ، اس سے افعال میں صنعتِ حق کے لطائف کا ادراک مراد ہے ۔

اور اصلی حکمت وہ ہے جس کا بوصفِ الہام خطاب حق کا ادراک ہو ۔

ف : حضرت شاہ شجاع نے فرمایا کہ حکمت کی تین علامات ہیں :

(۱) لوگوں کے درمیان اپنے نفس کو اپنے مرتبہ پہ رکھنا ۔

(۲) لوگوں کے مراتب کے بالمقابل اپنے نفس کو اپنے مرتبہ پر رکھنا ۔

(۳) لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنا لیکن ان کے عقول و فہوم کو مدِ نظر رکھ کر ، تاکہ انھیں نقد فائدہ نصیب ہو ۔

ف : حضرت حسین بن منصور رحمہ اللہ نے فرمایا :

حکمت تیر ہیں اور قلوب اس کے نشانات ۔ اور ایسے تیر پھینکنے والا خود اللہ تعالیٰ ہے ۔ یہاں تیر کے خطا کا امکان تک نہیں ۔

بعض مشایخ نے فرمایا کہ حکمت ایک نور ہے جو الہام و وسواس کے درمیان فرق بتاتی ہے اور اسی نور سے قلب میں فکر و عبرت پیدا ہوتی ہے اور یہی وہ دونوں چیزیں ہیں جن پر انسان کو حزن و جوع نصیب ہوتے ہیں ۔

ف : حکما فرماتے ہیں کہ کھانا پینا اجسام کی غذا ہے اور عقل کی غذا علم و حکمت ہے اور انسان کو دنیا میں بہترین عطیات سے جو عطیہ نصیب ہوا وہ یہی حکمت ہے اور آخرت میں بہترین عطیات میں سے جو عطیہ نصیب ہوگا وہ رحمت ہے اور حکمت اخلاق کے لیے ایسے ضروری ہے جیسے طب اجسام کے لیے ۔

ف : حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

قلوب کو راحت پہنچاؤ اور اس کے عجائبات حکمت سے حاصل کرو اس لیے کہ جیسے اجسام تھک جاتے ہیں

ایسے ہی قلوب کو بھی تھکان لاحق ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے: ما زھد عبد فی الدنیا الا انبت اللہ الحکمۃ فی قلبہ وانطق بھا لسانہ وبصرہ عیوب الدنیا وعیوب نفسہ فاذا رأیتم اخاکم قد زھد فاقربوا الیہ فاستمعوا منہ فانہ یلقی الحکمۃ۔

(جو ترکِ دنیا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل میں حکمت اگاتا ہے جو اس کی زبان سے ظاہر ہوتی ہے ایسے انسان کے سامنے دنیا کے عیوب ہوتے ہیں۔ جس بھائی کو دیکھو کہ وہ تارکِ دنیا ہے اس کا قرب حاصل کرو اور اس کی حکمت بھری باتوں کو سنو)

ف: زھد لغت میں شے کی طرف میلان کا ترک مراد ہے اور اصطلاحِ تصوّف میں دنیا کا بغض اور اس کا ترک مراد ہے اور زاہد کے لیے شرط ہے کہ دُنیوی امور کی طرف ذرّہ برابر بھی نہ جُھکے اور نہ ہی ان کی مذمت کرے اس لیے کہ وہ بھی منجملہ از افعال اللہ ہے اور ہر وقت اپنے نفس کا مشغلہ ترک امور دنیویہ کا بناتے اور اس میں رضائے الٰہی کو مدِّ نظر رکھے۔

لطیفہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پُوچھا: اناج کہاں پیدا ہوتا ہے؟ سب نے کہا: زمین میں۔ آپ نے فرمایا: حکمت قلب میں ایسے پیدا ہوتی ہے جیسے زمین سے اناج پیدا ہوتا ہے۔

تواضع کا بیان تواضع اسرارِ الٰہیہ سے ہے اور یہ علیٰ طریق الکمال صرف نبی علیہ السلام یا صدیق کو نصیب ہوتی ہے۔ اور ہر تواضع کو تواضع نہیں کہا جا سکتا اور یہ طریقت کے اعلیٰ مقامات سے ہے بلکہ یہی آخری مقام ہے جو منتہی سالک کو نصیب ہوتا ہے اور اولیاء اللہ اسی مقام کو طے کرنے کے بعد رجال اللہ کہلانے کے مستحق بنتے ہیں اور علم حقیقت یہ ہے کہ نفس میں عبودیت کا نشان نمایاں ہو اور عبودیت میں ریاست وحکومت کے تصوّرات مِٹ جاتے ہیں اس لیے کہ ریاست وحکومت عبودیت کی نقیض ہے اسی لیے حضرت ابومدین نے فرمایا: صدیقین کے قلوب سے سب سے آخر میں حبِ ریاست وحکومت خارج ہوتی ہے۔

ازالۂ وہم عوام اور بعض صالحین میں تواضع کا پایا جانا ضروری نہیں کہ اسے حقیقی تواضع کہا جائے اس لیے کہ ممکن ہے کہ وُہ اپنے کسی مقصد کے لیے ایسا کر رہے ہوں جیسے تملق، چاپلوسی اور خوشامد کہا جاتا ہے اور ہر خوشامد اپنے مقصد کی مقدار پر ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ تواضع ایک بہترین مرتبہ اور بزرگ ترین مقام ہے۔ اس پر ہر ایک کو قدرت نصیب نہیں ہوتی یہ صاحب تمکین فی العالم اور تحقیق فی التخلیق پر موقوف ہے۔ کذا فی مواقع النجوم لحضرۃ الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر۔

حکایت لقمان حکیم منقول ہے کہ حضرت لقمان حکیم ایک دن دوپہر کے وقت آرام فرما رہے تھے کہ انھیں غیب سے ندا آئی کہ اے لقمان! اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کا نائب بنایا جائے تو کیا تم لوگوں کے درمیان حق فیصلہ کر سکو گے؟ اس پر لقمان نے جواب دیا کہ اگر مجھے اللہ تعالیٰ سے اختیار کے اظہار کی اجازت ہو تو میں عافیت کو تو قبول کر سکتا ہوں لیکن آزمائش سے پناہ مانگتا ہوں۔ اگر اس کا لازمی حکم ہے تو بندے کو انکار کی گنجائش کہاں! پھر تو وہی امداد فرمائے گا اور مجھے غلط فیصلوں سے محفوظ فرمائے گا۔ پھر فرشتوں نے حضرت لقمان سے پوچھا کہ اے لقمان! ایسا کیوں کہتے ہو؟ (حضرت لقمان فرشتوں کو دیکھ نہیں رہے تھے پوشیدہ طور پر ملائکہ حضرت لقمان سے گفتگو کر رہے تھے) حضرت لقمان نے کہا، وہ اس لیے کہ فیصلہ کنندہ بہت سخت اور کٹھن منزل میں ہوتا ہے اس کے لیے ہر سُو تاریکیاں چھا جاتی ہیں اگر وہ صحیح فیصلہ کرتا ہے تو تاریکیوں کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور وہ نجات پا جاتا ہے۔ اگر وُہ غلط فیصلہ کرتا ہے تو بہشت کے سیدھے راستے سے ہٹ جاتا ہے۔ جو دنیا میں امورِ دنیوی میں ذلیل ہو وہی بہتر ہے کہ اسے دنیوی امور میں انہماک ہو اور وہ شریف کہلاتا ہو۔ جو آخرت پر دنیا کو ترجیح دیتا ہے اسے دنیا اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اور آخرت کے بلند مراتب اسے نصیب نہ ہوں گے۔ فرشتے حضرت لقمان کی حکیمانہ گفتگو اور فصیح و بلیغ کلام سے متعجب ہُوئے۔ اس کے بعد لقمان حکیم سو گئے اور بیدار ہوئے تو حکمت سے نوازے گئے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے لقمان حکیم کو اپنا پسندیدہ بندہ بنا کر انھیں حکمت سے نوازا، یہاں تک کہ ان کی حکمت کے دس ہزار کلمات منقول ہیں اور ایک کلمہ کی قیمت تمام عالم کے برابر ہے۔

سبق: حضرت لقمان کی قابلیت اور حُسنِ استعداد صرف اسی لیے تھی کہ ان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاص تھا۔

اعجوبہ ایک فصیح و بلیغ مشہورِ زمانہ امیہ بن صلت تھا جسے امید تھی کہ وہی آخر الزماں نبی ہوگا۔ ایک دن سویا تو اس کے پاس ایک پرندہ آیا اور اس نے اپنی چونچ اس کے منہ میں ڈال کر کوئی شے اندر سے نکالی۔ جونہی بیدار ہُوا جمیع علوم سے کورا تھا یہ صرف اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاص نہیں رکھتا تھا۔

ف: یہی حکم حضرت داؤد علیہ السلام پر اُترا۔ یعنی وہ گفتگو جو فرشتوں نے حضرت لقمان حکیم سے کی وہی گفتگو حضرت داؤد علیہ السلام سے ہُوئی۔ لیکن داؤد علیہ السلام نے بلا شرط اللہ تعالیٰ کے حکم کو مانا تو انہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت سے نوازا پھر بعد کو اگرچہ اُن سے فیصلوں میں بظاہر کوتاہیاں ہوتیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں معاف فرما دیا۔

ف: بعض روایات میں ہے کہ حضرت لقمان حضرت داؤد علیہ السلام کے وزیر تھے جو امورِ حکمت میں ان سے تعاون کرتے۔ ایک دن حضرت داؤد علیہ السلام نے حضرت لقمان سے فرمایا کہ آپ حکمت سے نوازے گئے ہیں اور جو امتحان آپ پر نازل ہُوا تھا وُہ میں نے آپ سے ہٹا کر اپنے ذمے لگایا اور وہ خلافت میرے سپرد ہُوئی اسی لیے مَیں بہت بڑی بلاؤں اور آزمائشوں میں مبتلا ہُوا ہُوں۔

در قصرِ عافیت چہ نشینیم اے سلیم
مارا کہ ہست معرکہائے بلا نصیب

ترجمہ: اے دوست! قصرِ عافیت میں میں کس طرح بیٹھ سکتا ہوں جبکہ ہمیں بلا کے معرکے نصیب ہیں۔

اور کہا گیا ؎

دانم کہ شاد بودنِ من نیست مصلحت
جز غم نصیب جان و دل ناتوان مباد

ترجمہ: میرا ہمیشہ خوش رہنا اچھا نہیں جان و دل ناتواں کو غم کے سوا اور کوئی شے نصیب ہو۔

تفسیر عالمانہ ربط: حضرت لقمان کو چونکہ حکمت ایک انعام کے طور پر عطا فرمائی گئی اور نعمت کی ادائیگی شکر لازم ہے۔ اسی لئے فرمایا:

اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ یعنی ہم نے انہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر کیجئے اس لیے کہ اس نے تجھے حکمت سے نوازا جبکہ آپ نیند میں تھے اس سے پہلے بالکل بے خبر اور غافل تھے وَمَنْ یَّشْكُرْ اور جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کرتا ہے فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ بیشک وہ اپنے لیے ہی شکر کرتا ہے اس لیے کہ اس کا نفع اسے ہی ہوگا کیونکہ شکر کرنے سے وہ نعمت اس کے لیے ہمیشہ تک رہے گی بلکہ اس سے مزید نعمت اسے نصیب ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو اس کی نعمتوں پر شکر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اور نعمتوں سے نوازتا ہے ویسے ناشکری انسان کی فطرت و عادت میں ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اسے ظلوم کفار سے موصوف فرمایا ہے اور شکر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ چنانچہ شاکرٌ علیم اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بارہا فرمایا ہے۔ جو شخص شکر کرتا ہے وہ اپنے سے کفران (ناشکری) کو دور کرکے اپنے آپ میں صفتِ حق یعنی شاکریت پیدا کرتا ہے اور یہی منشائے ایزدی ہے وَمَنْ كَفَرَ اور جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے تو اس کا وبال اسی پر عائد ہوگا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ کیونکہ اللہ تعالیٰ بندے اور اس کی شکرگزاری سے بے نیاز ہے حَمِیْدٌ ○ وہ اپنی ذات وصفات افعال میں محمود ہے بندے اس کی حمد اور شکر کریں یا ناشکری کریں اسے کوئی ضرورت نہیں ہے کوئی بھی اس کی اس طرح حمد نہیں کرتا جیسے وہ خود اپنی حمد فرماتا ہے۔ حمید کے بعد شکوراً کی صفت نہ لانا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ ہر حمد شکر ہے یعنی حمد شکر کو متضمن ہے بلکہ حمد شکر کا راس ہے۔

حدیث شریف: حدیث شریف میں ہے:

الحمد راس الشکر لم یشکر اللہ عبد لم یحمدہ۔

(الحمد شکر کی راس ہے جو شکر نہیں کرتا وہ گویا اللہ تعالیٰ کی حمد بھی نہیں کرتا)

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ راس الحکمۃ شکرِ الٰہی ہے پھر خوفِ خداوندی پھر اس کی طاعت کی پابندی اور ظاہر ہے کہ حضرت لقمان نے شکر کرکے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا حق ادا کیا اور عبودیت کو بجا لانے میں بھی کمال پیدا کیا اس لیے کہ حضرت لقمان ادب میں باکمال اور عبادت میں بے مثال اور سینہ آباد اور دل پُر نور اور حکمت روشن رکھتے تھے۔ عوام الناس کے لیے شفیق اور خلقِ خدا کے اصلاح کنندہ اور ہر وقت پند و نصیحت میں مشغول رہتے اور زیادہ تر پوشیدہ رہتے۔ اپنے بال بچوں کی موت اور مال و اسباب کے نقصان سے غمگین نہیں ہوتے تھے اور لوگوں کو علم و حکمت کی باتیں سکھلانے سے تھکتے نہیں تھے۔ خلاصہ یہ کہ لقمان حکیم علیم رحیم کریم تھے۔

پاخانہ پھرنے کے آداب اور حضرت لقمان کی حکمت

منقول ہے کہ سب سے پہلے طب میں ان کی حکمت یوں ظاہر ہوئی کہ اُن کا آقا پاخانہ میں گیا تو دیر لگا دی۔ حضرت لقمان نے آواز دی اور فرمایا: "پاخانہ میں تا دیر بیٹھنے سے جگر کو نقصان پہنچتا ہے اور ناسور پیدا ہوتا ہے اور گرمی سر کو چڑھ جاتی ہے۔ فلہٰذا پاخانہ میں جلدی جاؤ اور بہت جلد فراغت پا کر باہر نکلو۔" حضرت لقمان کے اس نسخہ کو لکھ کر پاخانہ کے دروازے پر لٹکا دیا گیا۔ بہرحال لقمان خیر کثیر کے مالک تھے ان کی گواہی اللہ تعالیٰ نے دی اور ساتھ یہ بھی فرمایا: ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔

حضرت لقمان کی عقلی حکمت کا اظہار

سب سے پہلے حکمت عقلی کا ظہور یوں ہوا کہ آپ بکریاں چراتے تھے آپ سے آپ کے آقا نے آزمائش کے طور فرمایا کہ بکری ذبح کرکے بہترین گوشت لائیے۔ آپ نے بکری ذبح کی اور اس کے دل اور زبان کا گوشت آقا کے پیش کر دیا۔ پھر اس نے فرمایا کہ جاؤ بکری ذبح کرکے سب سے گندا اور خراب گوشت لائیے۔ آپ پہلے کی طرح بکری ذبح کرکے دل اور زبان کا گوشت لائے۔ آقا نے سبب دریافت کیا تو فرمایا: ان دونوں سے اطیب بھی کوئی نہیں اور اخبث بھی اس سے بڑھ کر اور کوئی شے نہ ہوگی۔ آقا نے آپ کی حکمت کو دیکھ کر آزاد کر دیا۔

حضرت لقمان کا اختیارِ نبوت و حکمت: حضرت لقمان کو نبوت و حکمت کے لیے اختیار دیا گیا تو آپ نے حکمت کو اختیار کیا۔

حکایت

ایک دفعہ حضرت لقمان لوگوں کو وعظ سُنا رہے تھے کہ بنی اسرائیل کا ایک سردار وہاں سے گزرا، اس نے لوگوں سے پُوچھا: یہ اجتماع کیسا ہے؟ جواب ملا کہ لوگ حضرت لقمان کی تقریر سُن رہے ہیں سردار نے آگے بڑھ کر حضرت لقمان سے کہا: آپ وہی سیاہ فام غلام نہیں ہیں جو ہماری بکریاں چراتے تھے؟ آپ نے فرمایا: ہاں وہی ہوں۔ سردار نے پُوچھا: تو پھر یہ بلند مرتبہ تمہیں کہاں سے ملا؟ حضرت لقمان نے جواب دیا: سچ بولنے، دیانت داری سے اور باتوں کے ترک کرنے سے۔ یعنی جو امور دین سے متعلق نہیں اور ان سے دین کو کوئی فائدہ نہ تھا اسے میں نے ترک کر دیا۔

حضرت لقمان کی عمر حضرت لقمان نے طویل عمر پائی یہاں تک کہ داؤد علیہ السلام کے ساتھ تیس سال گزارنے کے بعد یونس علیہ السلام کا زمانہ پایا۔ کذا فی کشف الاسرار

خاموشی کا فائدہ ایک دفعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاں حضرت لقمان بیٹھے ان کی زرہیں بننے کو دیکھ رہے تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں میں لوہا موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا اور یہی ان کا معجزہ تھا۔ زرہوں کو حضرت لقمان نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام سے پوچھنا خلافِ حکمت سمجھا۔ دیر کے بعد دیکھا کہ اسے داؤد علیہ السلام نے پہن لیا تب حضرت لقمان نے سمجھا کہ اسے جنگ کے لیے پہنا جاتا ہے۔ اور فرمایا: خاموشی میں بھی حکمت ہے لیکن اس کے عامل بہت کم لوگ ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

ہر آنچہ دانی کہ ہر آئینہ معلوم تو خواہد شد بپرسیدن او تعجیل مکن کہ حکمت را زیان کند۔

(جس بات کے متعلق تمہیں معلوم ہو کہ یہ بعد کو معلوم ہو جائے گی تو اس کے متعلق پوچھنے میں عجلت نہ کیجیے تاکہ حکمت ضائع نہ ہو)

؎

چو لقمان دید کاندر دستِ داؤد
ہمی آہن بمعجز موم گردد
نپرسیدش چہ می سازی کہ دانست
کہ بے پرسیدنش معلوم گردد

ترجمہ: جب حضرت لقمان نے داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں دیکھا کہ معجزہ کے طور پر لوہا موم ہوتا جا رہا ہے آپ نے ان سے نہ پوچھا کہ یہ کیا کر رہے ہیں اس لیے کہ انھیں معلوم تھا کہ یہ پوچھے بغیر بھی معلوم ہو جائے گا۔

ف: حضرت لقمان کی حکمت سے ایک یہ ہے کہ ایک دفعہ ان سے داؤد علیہ السلام نے پوچھا: کیا حال ہے؟ آپ نے فرمایا کہ غیر کے ہاتھوں میں گرفتار ہوں۔ حضرت داؤد علیہ السلام آپ کے اس جواب سے حیران ہوئے اور سوچا تو نعرہ مار کر بے ہوش ہو گئے اس لیے کہ حضرت لقمان کے دانشمندانہ جواب نے آپ کو متحیر کر دیا کیونکہ قبضۂ غیر سے ان کی مراد عدل و فضلِ الٰہی تھا۔ کذا فی تفسیر الکاشفی

ف: حضرت لقمان نے فرمایا:

(۱) صحت جیسا اور کوئی مال نہیں۔

(۲) نفس کی خوشی سے اور کوئی بڑی نعمت نہیں۔

(۳) باپ کا بیٹے کو مارنا ایسے ہے جیسے کسان کھیتی کی تیاری کے لیے بیل کو مارتا ہے۔

تفسیر ثعلبی میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت لقمان کو مالک نے دُوسرے غلاموں کے ساتھ باغ
حکایت عجیب میں میوہ توڑنے کے لیے بھیجا اور حضرت لقمان تمام غلاموں سے کم مرتبہ تھے ؂

بود لقمان پیش خواجۂ خویشتن
درمیان بندگانش خوار تن
بود لقمان در غلامان چوں طفیل
پُر معانی تیرہ صورت، ہمچو لیل

ترجمہ: حضرت لقمان اپنے آقا کے سامنے تمام غلاموں سے کمترین تھے، دوسرے غلاموں میں طفیلی حیثیت رکھتے تھے وُہ معانی سے پُر تھے اگرچہ بظاہر رات کی طرح سیاہ فام تھے۔

باغ سے میوہ توڑ کر لوٹے تو تمام میوہ جات کھا کر انہوں نے حضرت لقمان پر الزام لگایا کہ اس نے سارے میوہ جات کھا لیے ہیں۔ آقا حضرت لقمان پر سخت ناراض ہُوا۔ آپ نے فرمایا: آقا! آپ ناراض نہ ہوں میوہ جات انہوں نے کھائے ہیں اور نام میرا لگا دیا ہے۔ آقا نے کہا: یہ کیسے معلوم ہو کہ آپ واقعی سچ بول رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اس کی آسان صورت یہ ہے کہ آپ ہم سب کو گرم پانی پلا کر جنگل میں دوڑایئے جس نے میوے کھائے ہیں وُہ قے کر کے باہر نکال دے گا۔ چنانچہ ایسے ہی کیا گیا اور کھانے والوں کے پیٹوں سے تمام میوے باہر آگئے۔ یوں ان کی بددیانتی ظاہر ہو گئی (اور حضرت لقمان کی سچائی اور حکمت ظاہر ہو گئی)

۱ گشت ساقی خواجہ از آبِ حمیم
مر غلامان را و خوردند آن زہیم
۲ بعد ازاں می راند شان در دشت ہا
می دویدند آں نفر تحت و علا
۳ قے در افتادند ایشاں از عنا
آب می آورد زیشان میوہا
۴ چونکہ لقمان را در آمد قے ز ناف
می برآمد از درونش آبِ صاف
۵ حکمت لقمان چو داند ایں نمود
پس چہ باشد حکمت ربِ ودود
۶ یوم تبلی السرائر کلہا
بان منکم کامن لا یشتہی

۷ چوں سقوا ماء حمیما قطعت
جملہ الاستار مما افضحت

ترجمہ: (۱) سردار نے گرم پانی غلاموں کو پلایا اور وہ اس کے خوف سے گرم پانی پی گئے۔
(۲) اس کے بعد انہیں جنگل میں دوڑایا۔ وہ سب جنگل میں اونچی نیچی جگہوں پر دوڑتے رہے۔
(۳) تھکان سے انہیں قے آگئی، پانی تمام میوہ جات لے آیا۔
(۴) لقمان کو قے پیٹ سے آئی لیکن صرف صاف پانی۔
(۵) لقمان کی حکمت کا جب یہ حال ہے تو اب وددود (تعالیٰ) کی حکمت کیسی ہوگی۔
(۶) اس دن کے تمام پوشیدہ راز کھلیں گے جبکہ کوئی اپنے راز کا کھلنا نہیں چاہے گا۔
(۷) جب گرم پانی پلائے جائیں گے تو تمام پردے کھل جائیں گے جس سے انھیں رسوائی ہوگی۔

ے

ہر چہ پنہاں باشد آں پیدا شود
ہر کہ او خائن بود رسوا شود

ترجمہ: جو کچھ پوشیدہ ہوگا وہ ظاہر ہو جائے گا، جو خیانتی ہوگا شرمسار ہوگا۔

حکایت حضرت عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت لقمان سفر سے لوٹے تو راستہ میں آپ کو آپ کا غلام ملا۔ آپ نے اس سے پوچھا: والد صاحب کا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا: وہ تو فوت ہو چکے ہیں۔ حضرت لقمان نے کہا: الحمد للہ کہ میں اپنے معاملے کا مالک ہوگیا۔ اس کے بعد والدہ کا پوچھا تو اس نے کہا: وہ بھی چل بسیں۔ آپ نے فرمایا: الحمد للہ! میرا غم کم ہوگیا۔ اس کے بعد اپنی عورت کا پوچھا تو اس نے کہا: وہ بھی اللہ کو پیاری ہوگئی۔ آپ نے کہا: الحمد للہ میرا بستر فارغ ہوگیا۔ پھر پوچھا: میری بہن کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا: وہ بھی جاں بحق ہوگئیں۔ آپ نے فرمایا: الحمد للہ میرا ستر ڈھانپا گیا۔ پھر بھائی کا پوچھا۔ اس نے کہا: وہ بھی راہیِ ملکِ عدم ہو چکا ہے۔ آپ نے فرمایا: میری کمر اور بازو ٹوٹ گیا۔ پھر بیٹے کے بارے میں پوچھا۔ اس نے کہا: وہ بھی مر گیا۔ آپ نے فرمایا: میرا دل چھد گیا۔

قبرِ لقمان حضرت لقمان کی قبر مبارک فلسطین میں شہر رملہ کی بستی صرفند میں واقع ہے۔ فلسطین بکسر الفا وفتح اللام وسکون السین۔ یہ شہر مصر و شام کے درمیان میں واقع اسی میں الرملہ، غزہ اور عسقلان ہیں۔

حضرت لقمان کا مزار مبارک مشہد میں ہے۔ (فتح الرحمان)

ف : حضرت قتادہ نے فرمایا : حضرت لقمان کی قبر مبارک رملہ میں ہے ۔ رملہ کی مسجد اور بازار کے درمیان واقع ہے اور یہاں پر ستر انبیاء علیہم السلام کی قبریں ہیں جن کا وصال لقمان حکیم کے بعد ہوا ۔ مروی ہے کہ ان حضرات کا ایک ہی دن میں بھوک سے وصال ہوا جنہیں بنی اسرائیل نے القدس سے نکالا اور وہ مجبور ہو کر رملہ میں آ گئے ۔ بنی اسرائیل نے ان کا محاصرہ کر لیا اور وہ حضرات بھوک کے پیاسے یہیں فوت ہوئے اور یہیں مدفون ہوئے ۔ ؎

جہاں جائے راحت نشد اے فتی

شدند انبیا اولیا مبتلا

ترجمہ : اے بیٹے ! جہان راحت گاہ نہیں اس میں انبیاء و اولیا بڑی بڑی مصیبتوں میں مبتلا ہوئے ۔

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ! اپنی اُمت کو یاد دلائیے لقمان حکیم کی وہ بات جو انہوں نے کہی لِابْنِهٖ اپنے بیٹے سے ، جس کا نام انعم تھا ۔ اسی لیے حضرت لقمان کی کنیت ابو انعم تھی وَهُوَ يَعِظُهٗ اور وہ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے تھے ۔

حلِ لغات : الوعظ بمعنے ایسی زجر جو تخویف کو مقترن ہو ۔

يٰبُنَيَّ اے میرے بیٹے ۔ یہ بہ صیغۂ تصغیر یائے متکلم کی طرف مضاف ہے یا کو بالفتح و بالکسر دونوں طرح پڑھنا جائز ہے ۔ یہ تصغیر رحمۃ و عطوفۃ کی ہے اسی لیے اسے وہ وصیتیں کیں جو اس کے لئے سعادت کا موجب تھیں جبکہ وہ اس پر عمل کرے لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک مت ٹھہرانا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ اس لیے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے کیونکہ اس میں بے نعمت والی شے کو نعمت والے رب کے ساتھ برابر کرنا ہے ۔ کشف الاسرار میں اس کا ترجمہ یوں مرقوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اپنے اوپر ظلم کرنا ہے ۔ اور شرک کی سزا یہ ہے کہ مشرک کو ہرگز نہیں بخشا جائے گا ۔ کسی شاعر نے کہا : ؎

الحمد للہ لا شریک لہ

ومن اباھا فنفسہ ظلما

ترجمہ : جملہ محامد اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس کا کوئی شریک نہیں جو اس کا منکر ہے اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا ۔

ف : حضرت لقمان کی بیوی اور بیٹا دونوں کافر تھے لیکن حضرت لقمان کی جد و جہد اور نصیحت کی بدولت دونوں مسلمان ہو گئے بخلاف حضرت نوح علیہ السلام کی زوجہ اور بیٹے کے کہ وہ کافر ہی رہے اور کافر ہی مرے ۔ بعض روایتوں میں تو یوں آیا ہے کہ نوح علیہ السلام کی زوجہ ایمان نہ لائی تو مسخ ہو کر پتھر ہو گئی ۔

ف: حضرت لقمان نے شرک سے بچنے کی تلقین کی، بعد میں اور وعظ و نصیحت فرمائی۔ الوعظ بمعنے ماسوی اللہ کے اشتغال سے نفس کو روکنا یعنی بالکلیہ حق کا ہو جانا نفساً بھی اور قلباً و روحاً بھی۔ گویا حضرت لقمان نے بیٹے سے فرمایا کہ نفس کو صرف خدمتِ حق میں لگا دو اور قلب کو ماسوی اللہ کی طرف متوجہ نہ ہونے دو اور روح کو صرف مشاہدۂ حق میں مشغول رکھو۔ اسی کو مقام التفرید فی التوحید کہا جاتا ہے ؎

ہر کہ در دریائے وحدت غرق باشد جان او
جوہر فرد حقیقت یافت از جانان او

ترجمہ: جس کی جان دریائے وحدت میں غرق ہوئی اس نے ہی جوہر فرد حقیقت اپنے محبوب سے پالیا۔

اے اللہ! ہمیں تفرید والوں سے بنا۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ الی آخرہ یہ حضرت لقمان کی وصیت کے درمیان میں جملہ معترضہ ہے نہی عن الشرک کے معنے کی تاکید ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے:

وصیت زیدا بعمرو۔ یعنی میں نے اسے کام کی محافظت کا حکم فرمایا۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے لوگوں کو ان کے ماں باپ کے حقوق کی پاسداری کا حکم فرمایا۔ اس کے بعد ماں کے حقوق کو ترجیح دی اس لیے کہ ماں کا بیٹے پر بہت بڑا احسان ہے۔ چنانچہ فرمایا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ عامین تک مفسِّر اور مفسَّر کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ مفسِّر اور مفسَّر سے توصیۃ و شکر مراد ہے۔ اس جملہ کا معنیٰ یہ ہے کہ اسے ماں نے پیٹ میں اٹھائے رکھا وَهْنًا یہ امّہ سے حال ہے۔ اور الوهن بمعنے ضعف کمزوری۔ یہ اس لیے فرمایا کہ عورت من حیث الخَلق والخُلق کمزور اور ضعیف ہے عَلَىٰ وَهْنٍ اس میں اشارہ ہے کہ بچے کو جونہی پیٹ میں وقت گزرتا ہے اس سے ماں کی کمزوری اور ضعف میں اضافہ ہوتا ہے وَّفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ۔ اور دو سالوں میں اس کا دودھ چھڑانا۔

حل لغات: الفصال بمعنے بچے کا دودھ چھڑانا۔ الفصیل اسی سے مشتق ہے۔ اونٹنی کے اس بچے کو کہا جاتا ہے جس کا دودھ چھڑایا جائے۔ اور العام بالتخفیف بمعنے السنۃ یعنی سال۔ اور العام ہر اس سال کو کہا جاتا ہے جس میں انسان کو خوشحالی حاصل ہو۔

مسئلہ: بچے کو ولادت کے بعد ماں کا دودھ پلایا جاتا ہے اور اس کی مدت دو سال ہے۔ یہی امام شافعی کا مذہب ہے۔ اس کے بعد اگر بچہ کسی عورت کا دودھ پیئے گا تو رضاع ثابت نہ ہوگا۔

مسئلہ: امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جب تک بچے کو دودھ کی ضرورت ہو اس مدت تک دودھ پلانا واجب ہے۔ جب ضرورت ختم ہو جائے تو دو سال پورے کرنا مستحب ہے اور دو سال پر چھ ماہ مزید بھی دودھ پلانا جائز ہے۔

مسئلہ : بعض ائمہ دو سال اور بعض اڑھائی سال دُودھ پلانے کی مدت بتلاتے ہیں۔ یہ اختلاف صرف مدت رضاع کی حیثیت سے ہے ورنہ جواز کے لیے دونوں مدتوں پر سب کا اتفاق ہے۔

مسئلہ : استحقاق اجرت رضاع بھی دو سال تک ہوگا۔ اسی لیے باپ کو دو سال بعد رضاع کی اجرت و نفقہ وغیرہ دینا ضروری نہ ہوگا رضاع کے مسائل فقہ کی کتابوں کے باب رضاع میں مکمل طور لکھے جا چکے ہیں۔

مسئلہ : الوسیط میں ہے کہ دو سال کی مدت بچے کی ولادت کے وقت سے شمار ہوگی۔

اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ یہ وَصَّيْنَا کی تفسیر ہے یعنی ہم نے فرمایا کہ میرے لیے اور اپنے والدین کے لیے شکر کر دیہ علت ہے۔ یعنی شکر گزاری علت ہے اس کی کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے یہ رضاع جیسی نعمت بخشی۔ اور جملہ معترضہ ہے اور والدہ کی شکر گزاری کے متعلق تاکید کے طور پر یہ جملہ لایا گیا ہے

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پُوچھا، انسان کی شکر گزاری کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ نے فرمایا:

امّك ثم امك ثم امك۔

(تیری ماں پھر تیری ماں پھر تیری ماں)

پھر اس کے بعد (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ثم اباك۔ (پھر تیرا باپ)

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اے انسان! میرا شکر کیجیے اس لیے کہ میں نے تجھے عدم سے موجود فرمایا اور اسلام کی ہدایت بخشی اور اپنے والدین کا شکریہ ادا کیجئے کہ اُنہوں نے تیری تربیت کی جبکہ تُو چھوٹا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے شکر کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کی تعظیم و توقیر کے ساتھ ان پر شفقت و رحمت کی جائے۔

ف : شرح الحکم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر کے ساتھ والدین کے شکر کو اس لیے ملایا کہ اللہ تعالیٰ نے حقیقی وجود بخشا تو والدین نے تربیت کر کے وجود مجازی بخشا۔ اس معنیٰ پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم حقیقی ہوگا اور والدین و دیگر لوگوں کا احسان و کرم مجازی ہوگا۔[1]

حدیث شریف میں ہے:

لا یشکر اللہ من لا یشکر الناس۔

(جس نے لوگوں کا شکر نہ کیا اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر نہ کیا)

حدیث مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر کو بندوں کے شکر پر موقوف فرمایا۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے شکر کے ثواب کو بندوں کے شکریہ ادا کرنے پر موقوف فرمایا۔

---

[1] یہ حقیقت و مجاز انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا و علیہم السلام کے متعلقات پر بھی منطبق کیجئے، جیسے اختیار و استمداد وغیرہ۔ اویسی غفرلہٗ

مسئلہ: استاد کا شکریہ والدین کے شکریہ پر فوقیت رکھتا ہے۔ (لیکن افسوس کہ دورِ حاضرہ میں عوام، خواص (بعض علماء و مشائخ) نے بھی اساتذہ کے حقوق کو نظر انداز کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ہدایت بخشے)

حکایت حضرت سکندر سے پوچھا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ اپنے والدین پر اپنے استاد کو تعظیم و تکریم پر ترجیح دیتے ہیں۔ حضرت سکندر نے جواب دیا: وہ اس لیے کہ والدین نے مجھے آسمان سے زمین پر گرایا اور استادِ گرامی نے زمین سے آسمان پر پہنچایا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

من ملک بودم و فردوس بریں جایم بود
آدم آورد دریں دیر خراب آبادم

ترجمہ: میں عالمِ قدس میں بادشاہ تھا اور جنۃ الفردوس میری جاگیر تھی لیکن افسوس کہ میرے ابا آدم علیہ السلام نے مجھے وہاں سے نکالا اور اس ویران دنیا میں پھینک دیا۔

حکایت بزرجمہر سے پوچھا گیا کہ آپ والدین کی بجائے استاد کی زیادہ تعظیم و توقیر کیوں کرتے ہیں انہوں نے جواب دیا کہ والدین میری فانی زندگی کا سبب ہیں اور میرا استادِ گرامی میری بقا والی زندگی کا سبب ہے۔

اِلَیَّ الْمَصِیْرُ ۝ یہ امرِ الٰہی کی فرماں برداری کی علت ہے یعنی تمہارا صرف میری طرف رجوع ہے اسی لیے میں ہی تمہیں جزا و سزا دوں گا۔ رجوع الی اللہ کا معنیٰ یہ ہے کہ اے آدم زادو! تم اس ملک میں پہنچو گے جہاں اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی مالک ہو گا نہ حاکم۔

مسئلہ: حضرت سفیان بن عُیینہ رحمہ اللہ نے فرمایا: جو پانچ نمازیں پابندی سے پڑھتا ہے تو یقین کر لو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکر ادا کر چکا۔ اور پانچوں نمازوں کے بعد والدین کے لیے جو دعائے مغفرت کرتا ہے اس نے اپنے والدین کے احسان کا شکریہ ادا کر لیا۔

مسئلہ: جو چاہتا ہے کہ میں اپنے والدین کی وفات کے بعد ان کے ساتھ احسان کروں تو اسے چاہیے کہ ان کے دوستوں، عزیزوں، رشتہ داروں اور متعلقین پر احسان و کرم کرے۔

مسئلہ: (۱) زندگی میں جس سے ماں باپ ناراض رہے اور اسی حالت میں وہ فوت ہو گئے پھر وہ چاہتا ہے کہ وہ ان کے ساتھ احسان کنندگان اور شکر گزاروں میں شمار ہو تو اسے چاہیے کہ وہ ان کے لیے بہت زیادہ استغفار کرے اور ان کے لیے زیادہ سے زیادہ صدقہ و خیرات بطور ایصالِ ثواب کرے تو اسے والدین کے فرمانبرداروں میں لکھا جائے گا۔

(۲) جو شخص ہر جمعہ اپنے والدین کے مزارات کی زیارت کرتا ہے وہ بھی فرماں برداروں میں شمار ہو گا۔

حدیث شریف میں ہے:

من احب ان یصل اباہ فی قبرہ فلیصل اخوان ابیہ من بعدہ و من مات والداہ و ھولھما غیربار و ھو حی فلیستغفر لھما و یتصدق لھما حتی یکتب بارا لوالدیہ و من زار قبرا بویہ او احدھما فی کل جمعہ کان بارا۔

(جس کی خواہش ہو کہ وہ قبر میں اپنے باپ کو خوش کرے تو اسے چاہیے کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کے دوستوں کو خوش رکھے اور جس کے ماں باپ مر گئے اور وہ ان کی خدمت نہ کر سکا جب تک زندہ ہے ان کے لیے اتنا استغفار اور صدقہ وخیرات کرے کہ وہ خدمت گزاروں میں لکھا جائے اور جو ہر جمعہ اپنے والدین کی قبور کی زیارت کرے وہ بھی خدمت گزاروں میں لکھا جائے گا)

حدیث شریف میں ہے:

من صلی لیلۃ الخمیس ما بین المغرب والعشاء رکعتین یقرأ فی رکعۃ فاتحۃ الکتاب مرۃ و ایۃ الکرسی خمس مرات و قل ھو اللہ احد خمس مرات والمعوذتین خمسا خمسا فاذا فرغ من صلاتہ استغفر اللہ خمس عشرۃ مرۃ و جعل ثوابہ لوالدیہ فقد ادی حق والدیہ علیہ وان کان عاقا لھما و اعطاہ اللہ تعالیٰ ما یعطی الصدیقین والشھداء۔ کذا فی الاحیاء و قوت القلوب۔

(جو شخص جمعرات کی شب کو مغرب و عشاء کے درمیان دو رکعتیں پڑھے اور فاتحہ کے بعد پانچ بار آیۃ الکرسی، پانچ بار سورۂ اخلاص اور پانچ بار معوذتین (سورۃ فلق و سورۃ ناس) پڑھے اور ان کا ثواب ماں باپ کی روح کو بخشے تو اس نے اپنے ماں باپ کا حق ادا کر لیا اگرچہ وہ دنیا میں ان کا نافرمان رہا۔ اللہ تعالیٰ اسے اس دوگانہ کے صدقے صدیقین و شہداء کا ثواب عطا فرمائے گا)

وَاِنْ جَاھَدٰكَ - المجاھد بمعنے اللہ کے دشمن سے بچنے کے لیے اپنی تمام طاقت صرف کرنا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے انسان سے فرمایا کہ اگر تیرے ماں باپ تیرے لیے جدوجہد کر کے تجھے اکسائیں عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ کہ تم عبادت میں میرے ساتھ انہیں شریک ٹھہراؤ جن کا تمہیں علم نہیں فَلَا تُطِعْهُمَا تو تم شرک کرنے میں ان کی اطاعت مت کرنا یعنی اگرچہ والدین کی خدمت ایک عظیم امر ہے لیکن اولاد کو جائز نہیں کہ شرک کرے یا کسی اور گناہ میں ان کی اطاعت کرے ۔

چوں نبود خویش را دیانت و تقویٰ
قطع رحم بہتر از مودت قربیٰ

ترجمہ: جب رشتہ داریں دیانت و تقویٰ نہ ہو تو ایسے رشتہ سے محبت کرنے کے بعد قطع رحمی ضروری ہے۔

وَصَاحِبْهُمَا اور ان سے مصاحبت اور اچھی معاشرت کیجئے فِي الدُّنْيَا دنیا میں معاشرت کے لحاظ سے مَعْرُوفًا نیکی یعنی ان سے اس طرح کی معاشرت کیجئے جس میں شریعت کی اجازت ہو اور نیز ان کے ساتھ نیک معاشرے کا ایک حصہ انہیں نان نفقہ دینا بھی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

حسن المصاحبة ان يطعمهما اذا جاعا وان يكسوهما اذا عريا۔

(والدین کے ساتھ نیک مصاحبت (برتاؤ) کا معنیٰ یہ ہے کہ جب وُہ بھوکے ہوں تو انھیں کھانا کھلاؤ اور اگر وہ ننگے ہوں تو انہیں کپڑے پہناؤ)

مسئلہ: انسان پر والدین کا نان و نفقہ اور لباس واجب ہے اگرچہ وُہ کافر ہوں۔ اسی طرح ان کے ساتھ احسان و مروّت، ان کی خدمت اور ان کی زیارت ضروری ہے بشرطیکہ وُہ کفر و معصیت پر مجبور نہ کریں۔ اگرکسی کے والدین کفر کے ارتکاب پر مجبور کریں تو ایسے والدین کی زیارت اور ملاقات ضروری نہیں۔

اگر کسی کے والدین کافر ہوں اور وہ اسے کفر کی عبادت گاہ (مثلاً مسجد وغیرہ) میں جانے کا حکم دیں تو ان کا ایسا حکم ہرگز نہ ماننا چاہیے اس لیے کہ کفر کی اعانت میں خدمت کرنا بھی گناہ ہے ہاں عبادت گاہ کفر سے گھر کی طرف لانا جائز ہے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر المعروف کا معنیٰ یہ ہے کہ انہیں دین کی غلطی اور خطأ سے بچاکر توحید اور دین کی باتوں سے آگاہ کیا جائے جبکہ وہ عرفانِ الٰہی اور دین کے امور سے ناواقف ہوں۔

ف: المفردات میں ہے کہ المعروف دراصل ہر اس نیکی کو کہا جاتا ہے جسے عقل و شرع اچھا کہے۔ اور المنکر ہر وہ برائی جسے عقل و شرع بُرا کہیں۔ اسی لیے جُود و سخا کو المعروف کہا جاتا ہے اس لیے کہ اسے عقل و شرع دونوں نے اچھا کہا ہے۔

وَاتَّبِعْ اور دین میں تلاش کرو سَبِيلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ان لوگوں کا راستہ جو میرے ہاں توحید و اخلاص فی الطاعۃ کے لحاظ سے رجوع کرتے ہیں۔ اس سے مومنین کاملین مراد ہیں ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ پھر میری طرف تمہارا اور ان سب کا رجوع ہے فَاُنَبِّئُكُمْ پھر رجوع کے بعد میں تمہیں خبر دُوں گا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ جو تم نے دنیا میں خیر و شر کا ارتکاب کیا میں تمہیں اس کا بدلہ دُوں گا۔

شانِ نزول یہ آیت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (جو عشرہ مبشرہ سے ہیں) کے حق میں نازل ہوئی۔ جب آپ نے اسلام قبول کیا تو آپ کی والدہ نے قسم کھائی کہ میں اُس وقت تک نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی جب تک سعد اسلام کو ترک نہ کرے۔ منقول ہے کہ حضرت سعد کی والدہ نے تین دن رات تک نہ کچھ کھایا نہ پیا یہاں تک کہ لوگوں نے ان کے منہ کو لکڑیوں سے کھول کر منہ میں پانی ڈالا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو معلوم ہُوا تو آپ نے فرمایا کہ اگر میری والدہ کی ستّر ارواح ہوں اور وہ اسی طرح بار بار مرتی رہے تب بھی میں اسلام کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اور یہ قصہ سورۂ عنکبوت کے اوائل میں تفصیل کے ساتھ اور بہت بڑے فوائد پر مشتمل بیان ہو چکا ہے۔

مسئلہ: توحید کے بعد اہم الواجبات سے والدین کی خدمت گزاری ہے۔

حکایت و روایت مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میری والدہ بُوڑھی ہو گئی یہاں تک کہ میں اسے کھلاتا پلاتا ہُوں، اور وہ چل پھر بھی نہیں سکتی اس لیے اسے اٹھاتا بٹھاتا ہُوں۔ کیا اس طرح سے میں نے اپنی والدہ کا حق ادا کر دیا۔ آپ نے فرمایا، ہرگز نہیں بلکہ صرف ایک سو میں سے ایک حق بھی ادا ہو تو تیری سعادت۔ عرض کی، اس کی کیا وجہ؟ آپ نے فرمایا، تیری والدہ نے تیری خدمت اس لیے کی کہ تیری عمر دراز ہو اور تو اس کی اس لیے خدمت کرتا ہے کہ وہ کب مرے گی! لیکن چونکہ تُو نے اس کی خدمت کی ہے اس لیے اللہ تعالےٰ تمہیں اس کا ثواب عطا فرمائے گا۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

۱ جوانی سر از رائے مادر بتافت
دل دردمندش بآزر بتافت

۲ چو بیچارہ شد پیشش آورد مہد
کہ اے سست مہر و فراموش عہد

۳ نہ گریان و درماندہ بودے و خرد
کہ شبہا ز دست تو خوابم نبرد

۴ نہ در مہد نیروے حالت نبود
مگس راندن از خود مجالت نبود

۵ توانی کہ از یک مگس رنجہ
کہ امروز سالار سرپنجہ

۶ بحالی شوی باز در قعر گور
که نتوانی از خویشتن دفع مور

۷ دگر دیدہ چوں بر فروزد چراغ
چو کرم لحد خورد پیه دماغ

۸ چو پوشیدہ چشمے نه بینی که راہ
نداند ہمی وقت رفتن ز چاہ

۹ تو گر شکر کردی که با دیدۂ
وگرنه تو ہم چشم پوشیدۂ

ترجمہ: (۱) ایک نوجوان نے ماں سے منہ موڑا تو ماں کا دردمند دل آگ سے جل گیا۔

(۲) بیچاری سے اور تو کچھ نہ ہو سکا گہوارہ لائی اور کہا کہ بے رحم اور عہد فراموش

(۳) تو روتا رہتا؛ عاجز اور چھوٹا تھا، تیری وجہ سے میں نے کئی راتوں کی نیند حرام کر دی تھی۔

(۴) گہوارے میں تجھے اپنے حال درست کرنے کی طاقت نہ تھی بلکہ تُو اپنے سے مکھیاں بھی نہ ہٹا سکتا تھا۔

(۵) تُو وہی تو ہے کہ ایک مکھی سے چیخ پڑتا تھا لیکن اب تُو بڑی طاقت کا مالک ہے۔

(۶) ابھی وقت آنے والا ہے کہ تُو قبر کے گڑھے میں جائے گا اس وقت بھی تجھے چیونٹی ہٹانے کی طاقت نہ ہوگی۔

(۷) پھر تیری آنکھیں کہاں سے چمکیں گی جب تیرے دماغ کی چربی کیڑے کھا جائیں گے۔

(۸) تُو اندھے کی طرح راستہ نہیں دیکھ رہا جبکہ وہ کنوئیں میں گر پڑے تو اسے کہیں سے راستہ نہیں دکھائی دیتا۔

(۹) اگر تُو شکر بجا لائے گا تو سمجھ کہ تُو آنکھ والا ہے ورنہ تُو بھی اندھا ہی ہے۔

چار ضروری باتیں

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے اپنے بعد تمہارے تغیر احوال کا خطرہ نہ ہوتا تو میں تمہیں حکم فرماتا کہ چار شخصوں کے بہشتی ہونے کی گواہی دو:

(۱) وہ عورت جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے شوہر کو مہر معاف کر دے اور شوہر اس سے راضی ہو۔

(۲) بڑا عیالدار جو اپنے کنبے کی معاش کے لیے جدوجہد کرے اور انہیں رزقِ حلال کھلائے۔

(۳) گناہ سے توبہ کرنے والا اور توبہ میں ایسا پختہ کہ اس گناہ کے ارتکاب کا ارادہ تک نہ کرے۔ بلکہ اسے اس سے ایسی نفرت ہو کہ جیسے بچے کا دودھ چھڑا کر پھر اسے دودھ کے لیے پستان پیش کیے جائیں اور وہ پستانوں کو منہ نہ لگائے۔

(۴) ماں باپ کا خدمت گزار۔

اس کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مبارک ہو اُسے جو ماں باپ کی خدمت کرتا ہے اور بُرا ہو اُس کا جو ماں باپ کا بے فرمان ہے۔

ماں کے گستاخ کی سزا حضرت عطا بن یسار رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بعض لوگ سفر کو گئے۔ جنگل میں ایک جھونپڑے میں قیام کیا۔ رات کو جھونپڑے میں گدھے کی ڈِھیچوں ڈھیچوں کی آواز سُنتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح ہوئی۔ انہوں نے جھونپڑے والی بی بی سے پُوچھا کہ تمہارے ہاں گدھا تو ہے نہیں لیکن ہم ساری رات ڈھیچوں ڈھیچوں کی آواز سُنتے رہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ بُڑھیا نے کہا: یہ میرا لڑکا ڈھیچوں ڈھیچوں کرتا ہے۔ اس لیے کہ ایک دن اس نے مجھے گدھا کہا۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے بددُعا کی کہ اسے گدھا بنا دیا جائے۔ پھر جب سے وُہ مرا ہے اس وقت سے اس کی قبر سے ہر رات ایسے ہی گدھے کی سی آواز سُنائی دیتی ہے اور صبح تک ایسے ہی آواز آتی رہتی ہے۔

نوح علیہ السلام کے بے ادب بیٹے کی سزا حضرت وہب سے مروی ہے کہ جب نوح علیہ السلام کشتی سے باہر تشریف لائے تو آرام فرمایا۔ نیند کی حالت میں ان کا ستر کُھل گیا جسے دیکھ کر آپ کا بیٹا حام ہنس پڑا اور آپ کے ستر کو نہ ڈھانپا۔ جب آپ کے بیٹے سام و یافث کو معلوم ہُوا تو آکر والد گرامی پر کپڑا ڈال دیا۔ نوح علیہ السلام بیدار ہُوئے تو آپ کو تمام حال سُنایا گیا۔ آپ نے حام سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تیرے جسم کو تبدیل کرے۔ چنانچہ کالے سُوڈانی اور حبشی انہی کی اولاد سے ہیں۔ بلکہ قیامت تک انہیں دنیوی ذلّت میں مبتلا رکھا گیا۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

دختران را ہمہ جنگست و جدل با مادر
پسراں را ہمہ بد خواہ پدر می بینم

ترجمہ: بیٹیوں کی ماں سے جنگ ہے اور بیٹوں کی باپ سے لڑائی ہے۔

مسئلہ: آیت میں کفار و فساق کی صحبت سے روکا گیا ہے اور صالحین اور نیک لوگوں کی صحبت کی ترغیب دی گئی ہے اس لیے کہ صحبت و رفاقت کو طبائع سے گہرا تعلق ہے اس لیے کہ طبائع جذاب اور امراض اثر انداز ہوتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

لا تساکنوا المشرکین ولا تجامعوھم فمن ساکنھم او جامعھم فھو منھم ولیس منّا۔

(مشرکین کو اپنے ہاں مت ٹھہراؤ اور ان کے ساتھ مت بیٹھو۔ جو ان کے ساتھ بیٹھتا اٹھتا ہے وُہ ہم سے نہیں)

ف: مشرکین (ایسے ہی جملہ بد مذاہب) کے ساتھ ایک ہی گھر میں نہ ٹھہرو اور نہ ہی ان کے ساتھ

ایک مجلس میں بیٹھو تاکہ ان کے اخلاقِ خبیثہ و عاداتِ قبیحہ کے اثرات تمہارے اندر گھس نہ جائیں سہ

بادچوں بر فضائے بد بگذرد
بُوئے بدگیرد از ہوائے خبیث

ترجمہ: جب ہوا گندی فضا سے گزرتی ہے تو خبیث ہوا سے گندی بُو لے کر گزرتی ہے۔

حضرت ابراہیم خواص رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بیمار دل کے لیے پانچ دوائیاں ہیں:

بیمار قلب کا علاج

(۱) تدبّر کے ساتھ تلاوتِ قرآن

(۲) پیٹ کو طعام سے خالی رکھنا۔

(۳) رات کے وقت نوافل میں قیام

(۴) سحر کے وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے گریہ و زاری

(۵) نیک لوگوں کی صحبت و رفاقت (کذا فی البستان) سہ

۱ پے نیک مردان بباید شتافت
کہ ہر کہ ایں سعادت طلب کرد یافت

۲ ولیکن تو دنبال دیو خسی
ندانم کہ در صالحان کے رسی

ترجمہ: (۱) نیک لوگوں کی سیرت طلب کرو جو ایسی سعادت طلب کرے گا اسے پالے گا۔

(۲) لیکن تُو تو کم بخت شیطان کے پیچھے پھر رہا ہے نہ معلوم تو کب نیک لوگوں میں پہنچے گا۔

یٰبُنَیَّ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے انعم (لفم العین) سے فرمایا: اے میرے بیٹے!

ف: الارشاد میں ہے کہ یہاں سے حضرت لقمان کی وصایا کے بقایا کا آغاز ہوتا ہے جبکہ پہلے شرک سے منع فرمایا اور جملہ معترضہ میں چند تاکیدیں کر کے فرمایا:

اِنَّھَا بے شک بُری خصلت یا اس سے ماں باپ کا احسان مراد ہے۔

ف: حضرت مقاتل نے فرمایا کہ حضرت لقمان کے بیٹے نے اپنے والد گرامی سے عرض کی کہ ابّا جی! اگر میں چُھپ کر بُرائی کروں تو پھر اسے اللہ تعالیٰ کیسے جان سکے گا! اس کے رد میں حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا:

اے بیٹے! اِنْ تَکُ یہ دراصل تکونُ تھا واؤ کو اجتماع الساکنین کی وجہ سے گرا دیا گیا اور نون حرفِ شرط کی وجہ سے ساکن ہے اس لیے ہم نے دو ساکنوں کا نام لیا اور پھر کثرتِ استعمال کی وجہ سے تخفیفاً نون حذف کر دیا گیا لیکن یہ صرف نون کان کے ساتھ خاص ہے اسی لیے ہر نون کو حذف نہیں کر دیا جاتا یہی وجہ ہے لم یکن و لم یصن میں محذوف نہیں ہوتا یہی کان کا نون جب کسی ساکن کے ساتھ متصل ہوگا تو نون واپس آ جائے گا اور متحرک ہوگا۔ مثلاً لم یکن الذین (الآیۃ)

مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ - مثقال وہ شے جس سے کسی شے کا وزن کیا جائے۔ یہ الثقل سے مشتق ہے۔ ہر وزن والی شے کو مثقال کہا جاتا ہے۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ مثقال ہر وہ شے جو دوسری شے کے وزن میں برابر ہو۔ لیکن اب دنیا کی مقدار میں مستعمل ہے۔

الحبّہ بمعنے دانہ - خردل مشہور دانہ ہے (یعنی رائی کا دانہ)

اب معنٰی یہ ہوا کہ جن مقداروں سے اشیاء کی معمولی مقداریں وزن کی جاتی ہیں، مثلاً رائی کا دانہ جو مقداروں میں سب سے گھٹیا درجے کا ہے فَتَكُنْ وہ باوجود اپنی ادنیٰ مقدار کے ہو فِي صَخْرَةٍ پہاڑ میں۔ صخر بمعنے سخت پتھر۔ یعنی وہ رائی کے دانہ کے برابر کی شے کسی بھی پوشیدہ ترین اور محفوظ ترین جگہ میں ہو، مثلاً کسی بھی سخت ترین پتھر کے اندر ہو۔

ف : حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ صخر جملہ مرکبہ اشیأ سے سخت تر اور اپنے اندر والی شے کو باہر نکالنے سے بہت زیادہ مانع ہو۔ اور صخرہ سے بھی ہر صخرہ (پتھر) مراد ہے، جو بھی ہو کیونکہ نکرہ ہے (اور نکرہ سے عام مراد ہوتا ہے)

اعجوبہ زمین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ زمین مچھلی پر اور مچھلی پانی پر اور پانی صفاۃ پر اور صفاۃ فرشتے کی پیٹھ پر اور فرشتہ صخرہ (پتھر) پر ہے اور جس پتھر کا ذکر حضرت لقمان (رضی اللہ عنہ) نے کیا ہے وہ نہ آسمانوں میں ہے نہ زمینوں میں۔ (التکملہ)

اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ یا آسمانوں میں یا ان کے ماوراً میں۔ بعض تفاسیر میں ہے اس سے عالم علوی یعنی آسمانوں کا محدب مراد ہے اَوْ فِي الْاَرْضِ یا زمین کے طول وعرض میں۔ بعض تفاسیر میں ہے اس سے عالم سفلی یعنی زمین کا مقعر مراد ہے يَأْتِ بِهَا اللّٰهُ اسے اللہ تعالیٰ لائے گا اور اس سے حساب لے گا کیونکہ جو بھی ذرہ برابر بھلائی کرتا ہے اسے دیکھے گا ایسے ہی جو ذرہ برابر برائی کرتا ہے دیکھ لے گا۔ اس معنٰی پر باء تعدیہ کی ہے۔

ف : حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے شرح فصوص الحکم میں لکھا کہ انہا میں ضمیر قصہ کی ہے۔ اور حبّۃ مرفوع ہے جیسا کہ امام نافع کی قرأت میں ہے۔ اس معنٰی پر کان تامہ ہے اور انہا کی ضمیر مونث بوجہ اضافت مثقال الی حبۃ کے یأت بہا اللہ میں دانہ لانا غذا کے لیے ہوگا اِنَّ اللّٰهَ یہ لقمان رضی اللہ عنہ کا قول ہے بیشک اللہ تعالیٰ لَطِيفٌ لطیف ہے اس کا علم ہر خفی کو محیط ہے کیونکہ لطیف کا ایک معنٰی عالم بخفیات الامور بھی ہے جس کا عقیدہ ہے کہ وہ عالم بخفیات الامور ہے تو وہ خود کو ہر حال میں اس کے آگاہی کے پیشِ نظر برائیوں سے بچائے گا اور اسے یقین ہو گا کہ جو امور مجھے معلوم نہیں ان کا عالم اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ : ؎

بروعلم یک ذرّہ پوشیدہ نیست
کہ پیدا و پنہاں بنزدش یکیست

ترجمہ: اس کے علم کے آگے کوئی شے پوشیدہ نہیں کیونکہ ظاہر اور پنہاں اس کے نزدیک یکساں ہیں۔

خَبِیْرٌ ۝ وُہ ہر شے کی کُنہ کو جانتا ہے۔ شرح حزب البحر میں ہے کہ خبیر وُہ ہے جو ان دقائق کو جانے جن تک سوائے اس کے کسی کی رسائی نہ ہو۔ اور جس کا عقیدہ ہوگا کہ وہ خبیر ہے تو وہ نہ ریا کرے گا اور نہ تصنع اس کے ساتھ اخلاص کرے گا۔ خلاصہ یہ کہ آسمان وزمین کی کوئی شئے اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں وہ ضمائر کے اسرار اور خواطر کے بطون کو محیط ہے وہ ہر شے کا حساب لے گا خواہ وہ صخرۂ نفوس میں ہو یا سمائے ارواح میں یا ارض القلوب ہیں۔

ف: اس میں اہلِ مراقبہ کو تنبیہ اور نوادر خطرات وبطون الحرکات کی اطلاع کے لیے جھانکنے پر تحذیر ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یٰبُنَیَّ اِنَّھَا میں ارزاق و اخلاصات انسانیہ ومواہب الہیہ کے مقسومات ازلیہ کی طرف اشارہ ہے ان تک مثقال حبّۃ تا فی صخرۃ میں صخرۂ عدم کی طرف اشارہ ہے او فی السمٰوٰت سے صورۃ ومعنیٰ مراد ہے او فی الارض سے بھی صورۃ ومعنیٰ مراد ہے یأت بھا اللہ مقسومات ازلیہ میں جو بھی کسی کے مقدر میں ہے وہ صخرۂ عدم میں سے جہاں بھی ہو اللہ تعالیٰ لائے گا جو بھی کسی کی قسمت میں ہے اسباب سعادت یا شقاوت اسے نصیب ہوگا چاہے تو بندے کو بذریعہ اس کے کسب کے عطا کرے چاہے اس کے لیے ایسے ذرائع پیدا کردے جس کی اسے خبر تک نہ ہو انّ اللہ لطیفٌ خبیر بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے لطیف وخبیر ہے جو بھی اس نے بندے کے لیے لطفِ ربوبیت سے مقدر فرمایا ہے اسے عطا فرمائے گا

سبق سالک پر لازم ہے کہ وُہ اللہ تعالیٰ کے وعدے پر بھروسا رکھے اور جو کچھ اس کے لیے مقدر فرمایا ہے اس کے کرم پر سہارا کرے۔ اور لازم ہے کہ وہ صرف اور صرف قیامِ عبودیت میں جدوجہد کرے۔

لقمان رضی اللہ عنہ کی موت کا سبب بعض کتب میں ہے کہ حضرت لقمان رضی اللہ عنہ کا یہ آخری کلمہ تھا جو بیٹے کو کہتے ہوئے اس کلمے کی ہیبت سے ان کا جگر پھٹ گیا اور وُہ اسی وقت جاں بحق ہو گئے۔

ف: فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ مقام ہیبت کا حضور مقربین کے صفات سے ہے سیدنا ابراہیم (علیٰ نبینا وعلیہ السلام) جب نماز پڑھتے تو آپ کے سینے سے ہنڈیا کے اُبلنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ یہ بھی ہیبت کے استیلاء سے تھا۔ ایسے جوش (سینہ) کو صوفیہ کی اصطلاح میں بُرہان الصدر کہا جاتا ہے اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مرتبۂ اکملیت میں حاصل تھا۔ ہم جلیسوں پر تعجب اور افسوس ہے کہ ہم

ایسے مرتبے سے محروم ہیں کیوں نہ ہوں جب ہمارے وعظ اثر نہیں کرتے ہمارے قلوب الفاظ کے معانی حاصل نہیں کرتے یہ سب غفلت و نسیان و کثرتِ نسیان کا نتیجہ ہے ؎

تا نیابی رتبہ لقمان را
آتش ہیبت نسوزد جان را
جان عاشق ہمچو پروانہ بود
نزد شمع آید اگر سوزان شود

ترجمہ: جب تک رتبہ لقمان نہ پاؤ گے آتش ہیبت جان کو نہ جلائے گی۔ عاشق کی جان پروانے کی طرح ہے جیسے وہ شمع کے قریب پہنچتا ہے تو جل جاتا ہے۔

وصایائے لقمان رضی اللہ عنہ کشف الاسرار میں ہے کہ حضرت لقمان رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے فرمایا: بیٹے! بڑے قلعوں (بلند و بالا کوٹھیوں) میں نہ جایا کرو اس لیے کہ اس سے دنیا کی رغبت اور آخرت سے غفلت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اے بیٹے! اگر آخرت کی سعادت چاہتے ہو تو دنیا سے کنارہ کشی کرو اور جنازے میں شریک ہو کر کچھ دور اس کے ساتھ جایا کرو اور موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو۔ اور دنیا میں یوں گزارو کہ تمہاری نظروں میں عیال وبال محسوس ہو دنیا سے اتنا لے جس سے صرف گزارہ ہو سکے۔ زائد از ضرورت کو ہاتھ مت لگا اور عورتوں سے حتی الامکان دور رہو بالخصوص بری عورتوں سے، کیونکہ بری عورتیں شیطان کے دام تزویر اور فتنہ کی اسباب ہیں۔

تفسیر عالمانہ یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ اے میرے بیٹے! نماز قایم کر، کیونکہ یہ اکمل العبادات ہے، اور نفس کی علم و اعتقادیات کے بعد من حیث العمل تکمیل اسی سے ہوتی ہے اس لیے کہ شرک سے روکنے میں اعتقادیات کے متعلق وصیت پہلے گزر چکی ہے اب عمل میں مکمل ترین عبادت کا بیان فرمایا ہے۔ اور شرک سے بچنا اور اعتقاد میں راسخ ہونا ہر انسان پر واجب ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اے بیٹے! نماز پر مداومت کر۔ مداومت سے مراد یہ ہے کہ فحشاء و منکر سے بچا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نماز کا ایک وصف یہ بتایا ہے کہ وہ فحشاء و منکر سے روکتی ہے۔ جو ان دونوں سے بچتا ہے وہ گویا نماز میں ہے اگرچہ نماز کی ظاہری ہیئت پر نہ بھی ہو۔ اور جو ان سے نہیں بچتا وہ چاہے نماز ادا کرتا بھی ہو نماز سے محروم سمجھا جائے گا۔

لقمان رضی اللہ عنہ کی وصیتیں حضرت لقمان کی وہ وصیتیں جو کشف الاسرار میں ہیں، سے ایک یہ ہے: بیٹے! روزہ یوں رکھو کہ اس سے شہوات کم ہوں نہ کہ قوت کا خاتمہ، اور ضعف ہو تو ضعف سے نماز ادا نہ ہو گی۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک نماز روزے سے بہتر ہے اس لیے کہ روزہ صرف طبیعت کی اصلاح کرتا اور اخلاق کو سنوارتا ہے اور نماز نفس کی اصلاح کرتی ہے اور

نفس ہی تو ہر شر کا مادّی اور ہر خواہش کا سرچشمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک باطل معبودوں میں سے مبغوض ترین معبود خواہشات ہیں جن کی پرستش کی جائے۔

تفسیر عالمانہ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ اور اس امر کا حکم دے جو شرعاً مستحسن ہو اور عبد کو مولا سے ملائے والا ہو وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ اور اس بُرائی سے روک جو شرعاً و عقلاً قبیح ہو تاکہ تم دوسروں کو کامل بنا سکو اور حقیقت میں نہی وُہ ہے کہ بندے کو ایسے امر سے روکا جائے جو اللہ تعالیٰ سے دوری کا سبب بنے وَاصْبِرْ وہ امر جس سے رُکنے کے لیے شرع و عقل کا تقاضا ہے۔ نفس کو روکنے کا نام صبر ہے عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ اور صبر کیجئے مصائب پر۔ شدائد و محن میں سے جیسے امراض و فقر اور غم و ہم بالخصوص امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے وقت جو لوگوں کی طرف سے پہنچیں۔ مثلاً تم کسی کو نیکی کا حکم دو اور بُرائی سے روکو تو وہ تمہیں اذیت پہنچائے إِنَّ ذَٰلِكَ بیشک وصایا مذکورہ یعنی امر و نہی اور صبر مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ پختہ امور سے ہیں۔

حلِ لغات عزم و عزیمت: کام جاری کرنے پر دل کی پختگی، اور عزم الامور سے وہ امور مراد ہیں جن میں شُبہ نہ آسکے اور نہ ہی انہیں شک روک سکے۔

عصر کی چار رکعت سنّت کی فضیلت

حدیث شریف میں ہے:

من صلی قبل العصر اربعا غفر اللہ له مغفرة عزما۔

(جو عصر سے پہلے چار رکعت پڑھے گا اللہ تعالیٰ اسے یقیناً بخش دے گا)

ف: عزمًا کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ سچّا اور پختہ ہے۔

دعائے نبوی

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور دعا ہے:

اسئلك عزائم مغفرتك۔

(اے اللہ! میں تیری پختہ مغفرت کا سوال کرتا ہوں)

ف: یعنی مجھے ایسے اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرما جن سے ان کے عامل کی یقینی بخشش ہو۔ یہاں عزم مصدر بمعنے معزوم (مفعول) ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کے معزومات الامور یعنی اس کے وہ امور جو قطعی ہیں یعنی جن کا اللہ تعالیٰ نے حتمی طور پر ارادہ فرمایا ہے کہ یہ ہوگا۔ اور اپنے بندوں کو قطعی اور حتمی طور پر حکم فرمایا ہے کہ وہ امور ہونے چاہئیں۔

ف: نیز یہاں عزم بمعنے عازم یعنی مصدر بمعنے فاعل بھی ہوسکتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ عازمات الامور یعنی وہ امور جو واجب و لازم ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے: عزم الامر بمعنے جدّه (اس کی کوشش کی)

ف: یہاں سے معلوم ہُوا کہ سابقہ اُمم میں بھی عبادات کو اہمیت حاصل تھی اور اس امت کے لیے بتایا

گیا ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کریں۔ اور اس میں یہ ہے کہ جو کچھ تکلیف اس میں پہنچے اس پہ صبر کرنا چاہیے اور اس سے صرف اور صرف رضائے الٰہی مطلوب ہو۔ جو کچھ اس میں تکلیف درپیش ہو تو سمجھے یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس سے ثابت ہوا کہ بلاء و محنت محبت کے لوازم سے ہے۔ مرید صادق پر لازم ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف از راہِ ابتلاءً مصیبت پہنچے یا دشمنوں سے ظاہراً و باطناً تکلیف و اذیت پہنچے یا ظاہری بھوک ستائے یا باطنی بھوک پریشان کرے۔ مثلاً کشوف و مشاہدات (جو قلب کی غذا ہیں) کی قلت ہو یا نقص الاموال و الانفس درپیش ہو مثلاً جانی جدا ہو جائیں، آل اولاد سے مفارقت ہو اور دوست احباب اور بہن بھائی اور دیگر اعزہ و اقارب جدائی ڈال دیں یا کھیتی اور باغات کے ثمرات کم ہو جائیں تو صبر کرے۔ ثمرات سے مجاہدات کے ثمرات مراد ہیں اور ایسے احوال پہ صابرین کو خوشخبری دو کہ ان پہ ان کے پروردگار سے صلوات اور رحمت ہے۔ وہی حضرتِ حق کی طرف ہدایت پانے والے ہیں۔

حضرت لقمان رضی اللہ عنہ کی عجیب و غریب کہانی کشف الاسرار میں ہے کہ حضرت لقمان کی وصیتوں میں سے ہے کہ آپ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا: جو محمود و مکروہ تیرے پیش آئے تو عقیدہ رکھنا کہ اس میں تیری بھلائی ہے۔

صاحبزادے نے کہا: اس وصیت کی پابندی کا میں معاہدہ نہیں کرتا جب تک اس کا مشاہدہ نہ ہو۔

حضرت لقمان نے فرمایا کہ میں از خود نہیں فرماتا حضرت پیغمبر علیہ السلام سے میں نے سنا تھا ان کی خدمت میں چلتے ہیں جیسے وہ فرمائیں گے اس پہ کاربند رہنا ہوگا۔ وہ دونوں پیغمبر علیہ السلام کے شہر کی طرف گھوڑے پر سوار ہو کر زادِ راہ لے کر چل پڑے۔ سارا دن چلتے رہے۔ سخت گرمی تھی۔ شام تک زادِ راہ ختم ہو گیا اور گھوڑا بھی مرگیا۔

اب بجائے سواری کے پیدل چل پڑے۔ دور سے لقمان رضی اللہ عنہ نے شہر سے دھواں نکلتا دیکھا اور شہر کے آثار نظر آئے تو تیز قدم اٹھائے تاکہ جلد پہنچ جائیں۔ لیکن اچانک صاحبزادے کے پاؤں میں ایسا پتھر چبھ گیا کہ چلنے سے عاجز ہو گیا بلکہ زخم سے خون جاری ہو گیا اور بیہوشی سے گر پڑا۔ حضرت لقمان نے پاؤں سے پتھر نکالا اور عمامہ پھاڑ کر زخم پہ باندھا۔ دیکھ کر بے ساختہ آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور صاحبزادے کے چہرے پر آنسو گرے تو صاحبزادے نے آنکھ کھول کر عرض کی: مجھے تو صبر کی وصیت فرماتے ہیں اور خود رو رہے ہیں اور فرماتے تھے کہ ہر دکھ اور تکلیف میں خیر و بھلائی ہوتی ہے۔ اب آپ نے دیکھ لیا ہمیں کون سی بھلائی ملی۔ زادِ راہ ختم ہو گیا اور یہاں ویرانے میں ہم دونوں حیران و سرگرداں ہیں۔ اگر مجھے اکیلا چھوڑ کر جاتے ہو تو میرا غم آپ کو ہمیشہ ستاتا رہے گا۔ اگر بیٹھتے ہو تو ہم دونوں یہاں سسک سسک کر مر جائیں گے۔ حضرت لقمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیٹے! میرا رونا صرف شفقتِ پدری سے ہے اگر میں تجھ پر تمام دنیا فدا کروں بلکہ اپنی جان

بھی دے دوں تو بھی روا ہے کیونکہ شفقتِ پدری کا تقاضا یہی ہے۔ باقی رہا تیرا سوال کہ اس میں کیا خیر و بھلائی ہے تو وہ تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ ممکن ہے کہ جس مصیبت میں ہم مبتلا ہوئے ہیں اس سے بڑھ کر ہمیں مبتلا ہونا لکھا ہو گا جس سے آسان بلا میں مبتلا ہوئے۔ ممکن ہے اس سے زیادہ مصیبت کے زمرہ نہیں ہو سکتے۔ یہی بات ہو رہی تھی کہ حضرت لقمان رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ اس سے قبل جو ہمیں دُور سے شہر کے مینار نظر آتے اور وہاں سے دُھواں نکلتا محسوس ہوا وہ کہاں گیا۔ اِدھر اُدھر دیکھا کچھ نظر نہ آیا۔ اندریں اثنا اچانک ایک نوجوان گھوڑے پر سوار سامنے سے گزرا اور فرمایا: آپ ہی لقمان ہیں؟ آپ نے کہا: ہاں۔ پھر پوچھا: آپ ہی حکیم ہیں؟ کہا: ہاں۔ اس نے کہا: آپ کا بیٹا نا سمجھ ہے جو کچھ کہتا ہے غلط ہے اسے یقین نہیں آ رہا کہ انسان پر جو مصیبت آتی ہے اس میں اس کی بھلائی ہوتی ہے یا بڑی مصیبت سے اسے بچا کر آسان مصیبت میں مبتلا کیا جاتا ہے تمہارے لیے یہ آسان مصیبت ہے کیونکہ اگر تم شہر تک اس سے قبل پہنچ جاتے تو دوسروں کی طرح تم بھی زمین میں دھنس جاتے۔ یہ سُن کر حضرت لقمان رضی اللہ عنہ بیٹے سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: بیٹے دیکھ اور سُن لیا۔ بہرحال جو کچھ ہوتا ہے وہ ہمارے لیے خیر و بھلائی ہوتی ہے۔ پھر دونوں چل دیئے۔

ملفوظِ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شام کو سوتے وقت مجھے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کل کیا ہوگا۔ بھلائی برائی جو بھی ہوگی اس میں خیر بھلائی ہوگی۔ کیونکہ ہمیں کیا خبر کہ بھلائی کس امر میں ہے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا ارشادِ گرامی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی کہ مجھے اس بندے سے آگاہی بخشی جائے جو دنیا میں بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کرتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ شخص جو بذریعہ استخارہ مجھ سے بھلائی کا خواہاں ہوتا ہے وہ میری تقدیر اور حکم پر راضی نہیں۔ حضرت صائب نے فرمایا: ؎

چو سرو در مقامِ رضا ایستادہ ام
آسودہ خاطرم ز بہار و خزانِ خویش

ترجمہ: میں سرو کی طرح مقامِ رضا میں کھڑا ہوں بہار و خزاں دونوں موسموں سے خوش ہوں۔

تفسیرِ عالمانہ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ اور لوگوں کے لیے چہرے کو نہ پھیرئے۔

حلِ لغات: تصعّر بمعنے التواء و میل (جھکنا) یعنی گردن کا خلقۃً یا بوجہ بیماری کے جھکنا یا بوجہ تکبّر کے انسان اور اونٹ کا گردن پھیرنا۔ التصعیر بمعنے تکبّر سے کسی سے آنکھ پھیر لینا۔ اور تاج المصادر میں ہے، تصعیر بمعنے تکبّر سے منہ پھیرنا۔ خد بمعنے ناک کے دائیں بائیں چہرے کا حصہ یا موخر العینین سے لے کر منتہی الشدق یا محجر (ٹھوڑی) سے لحی (ڈاڑھی کی ہڈی) کے آخری حصے تک۔ کما فی القاموس

اب معنی یہ ہوا کہ سلام و کلام اور ملاقات کے وقت بطورِ تواضع اپنا پورا چہرہ مبارک لوگوں کے سامنے

دیتے ان سے چہرہ مبارک نہ ہٹا لیتے اور نہ ہی اس کا کچھ حصہ چھپا لیتے۔ متکبرین کی عادت ہوتی ہے کہ لوگوں کو ایسے ہی حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور فقراء و مساکین کو غصہ سے دیکھتے ہیں۔ بلکہ تمہارے ہاں غنی و فقیر دونوں یکساں ہوں۔ اسی کا نام حُسنِ معاملہ ہے۔

تفسیر صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ تکبر و تجبر کے طور اپنا چہرہ نہ پھیر اس عجب سے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل پر واردات مفتوح فرمائے ہیں ایک لحظہ میں وہ سرمایہ برباد کر دے گا جو تُو مدتوں تک اس کی اصلاح میں لگا تا رہا۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

بال و پر مرو از راہ کہ تیر پُرتابے
ہوا گرفت زمانے ولے بخاک نشست

ترجمہ : بال و پر سے راہ سے نہ ہٹ اس لیے کہ بڑی آب و تاب سے جانے والے تیر کو ہوا ہٹا کر نیچے بٹھا دیتی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اور زمین پر اکڑتا ہُوا نہ چل۔

حلِ لغات : المرح بمعنے بہت زیادہ اِترانا۔ اور وہ خفت جو نعمت سے حاصل ہو۔

یعنی اتراتا اور اکڑتا ہُوا نہ چل جب کہ تمہیں حد سے زیادہ خوشی اور فرحت اور عجب و خفت حاصل ہو۔ یعنی ان لوگوں کی طرح نہ چل جو اتراتے ہُوئے چلتے ہیں جیسا کہ عام طور پر اس قسم کے لوگ چلتے ہیں بشرطیکہ اس میں کوئی دینی و دنیوی مصلحت نہ ہو۔ یعنی جاہلوں اور دنیا پرست لوگوں کی طرح نہ چل اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ ۔ الاختیال والخیلاء بمعنے تکبر یعنی خود کو بہت بڑا سمجھنے والے کو مختال کہا جاتا ہے۔ الخیل اسی سے ہے جیسے مشہور ہے کہ جو بھی گھوڑے پر سوار ہوتا ہے وُہ اپنے میں کبر اور بڑائی پاتا ہے[۱] اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ تکبر کی چال چلنے والے کو پسند نہیں کرتا بلکہ الٹا اس پر ناراض ہوتا ہے۔ یعنی ہر وُہ انسان جو چلتے وقت متکبرانہ چال چلتا ہے۔ یہ لا تمش مرحا کے لیے ہے فَخُوْرٍ ۚ یہ لا تصعر خدك کے لیے ہے۔ اس کو مؤخر لانا بوجہ فواصل کے ہے۔ الفخر بمعنے خارجی اشیاء پر فخر و ناز کرنا جیسے مال و جاہ۔ اور فخور وُہ ہے جو فخر و ناز کے طور ان اشیاء کو اپنے لیے مناقب تصور کرے اور جس کے پاس نہ ہوں اسے حقارت کی نگاہ سے دیکھے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اسبابِ تنعم سے لوگوں پر ناز کرتے ہُوئے فخر کرنے والا۔

---

[۱] جیسے آج کل موٹر کار کے سوار کا حال ہوتا ہے الّا من شاء اللہ۔ ورنہ عموماً یونہی ہوتا ہے، ایسے ہی فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے والا، وغیرہ۔ یعنی ہر وہ سواری جس سے عوام کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے کا احتمال ہو۔ اللّٰھم احفظنا من ہذہ البلاد۔ آمین اویسی غفرلہٗ

حدیث شریف میں ہے:
خرج رجل یتبختر فی الجاھلیۃ علیہ حلۃ فامر اللہ الارض فاخذتہ فھو یتجلجل فیھا الی یوم القیامۃ۔
(زمانۂ جاہلیت میں پوشاک پہن کر ایک شخص فخر و ناز سے چلتا تھا اللہ تعالیٰ نے زمین سے فرمایا کہ اسے پکڑ لے۔ چنانچہ وہ قیامت تک زمین میں دھنسا جا رہا ہے) ؎

چو صبیان مباز و چو صنوان مناز
برو مرد حق شو ز روے نیاز

ترجمہ: بچوں کی طرف کھیل کود نہ کر اور نہ ہی عورتوں کی طرح ناز نخرے کر۔ نیاز و عاجزی کر کے مردِ حق آگاہ ہو۔

نکتہ: بعض حکماء نے فرمایا اگر تمہیں گھوڑے پر ناز ہے تو غلط ہے کیونکہ یہ حسن و رونق گھوڑے کی ہے نہ کہ تیری۔ اگر تجھے کپڑوں اور آلات پر فخر ہے تو بھی غلط ہے اس لیے کہ یہ حسن و خوبی کپڑوں اور آلات کی ہے نہ کہ تیری۔ اگر تجھے آباؤ اجداد کی بزرگی کی وجہ سے فخر و ناز ہے تو بے سُود ہے۔ ایسا کمال پیدا کر جو تیرا اپنا ہو۔ اگر یہ چیزیں بولنا جانتی ہوتیں تو تجھے کہتیں کہ ہماری وجہ سے تیرا فخر و ناز کیسا! یہ حُسن و خوبی تو ہماری ہے نہ کہ تیری۔

سبق: اسی لیے لازم ہے کہ تم ایسی چیز فخر و ناز کرو جو تمہارے اندر ہو نہ کہ ان اشیاء پر جو تم سے علیحدہ ہیں۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

قلندران حقیقت بنیم جو نخرند
قبائے اطلس آنکس کہ از ہنر عاریست

ترجمہ: حقیقی قلندروں کو میں نے دیکھا ہے کہ وہ جَو کے برابر بھی اس کی اطلسی قبا کو نہیں لیتے جو ہُنر سے خالی ہو۔

درس عبرت اگر تجھے دنیا کی کوئی شے پسند آئے تو اپنی فنا اور اس کی بقا یا اپنی بقا اور اس کے زوال یا اپنی اور اس کی دونوں کی فنا کو یاد کر۔ اگر کوئی شے تجھے تعجب میں ڈالے اور وہ تیری ملکیت ہے تو یہ خیال کر لے کہ وہ عنقریب تیرے ہاتھوں سے نکل جائے گی اور نہ معلوم پھر تیرے ہاتھ لگے یا نہ لگے۔ لیکن یاد رکھ اس کا حساب دیر تک دینا ہوگا۔ یہ اس وقت ہے جب تیرا اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان ہے ؎

انما الدنیا کرؤیا فرحت
من رآھا ساعۃ ثم انقضت

ترجمہ : دنیا اس خواب کی طرح ہے جو نظر آئے تو خوش کر دے لیکن دیکھنے والے نے ایک ساعت وہ فرحت دیکھی تو جاگتے ہی ختم ہو گئی۔

تفسیر عالمانہ وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ اور چلنے میں درمیانی چال چلو۔

حلِ لغات : القصد افراط و تفریط کی نقیض ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ اکڑنے سے ہٹ کر چلنے میں میانہ رو ہو، نہ نہایت کمزور چیونٹی کی رفتار میں نہ دوڑنے کی حد میں۔ یعنی ان زاہدین کی طرح نہ چلو جو کثرتِ ریاضت و عبادات کی وجہ سے چلنے میں ضعف ظاہر کرتے ہیں گویا وہ مُردے ہیں۔ وہ اس طرح ریاء کے ارادہ پر چلتے ہیں اسی لیے ان کی تمام کارروائی بیکار ہوتی ہے اور نہ ہی شاطروں عیاروں کی طرح دوڑو سکینہ و وقار کو لازم پکڑو۔

حدیث شریف میں ہے :

سرعة المشی تذهب بهاء المؤمن۔

(تیز رفتاری مومن کا وقار لے جاتی ہے)

سوال : بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب آدمی چلے تو تیزی کرے۔

جواب : ان کی مراد وہ تیز رفتاری نہیں جو معروف ہے بلکہ آپ کی مراد یہ ہے کہ چلنے میں سُستی نہ کرے۔

ف : بعض علماء نے فرمایا کہ شیطان کے بنو آدم پر دو حملے مشہور ہیں۔ وہ کسی ایک سے اس پر فتح یاب ہو جاتا ہے افراط و تفریط سے۔ کیونکہ افراط و تفریط سے کمی بیشی کر کے شیطان انسان پر غالب ہوتا ہے اور یہ دو حملے ہر قول و فعل (بلکہ ہر شے) میں ہوتے ہیں۔

وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ

حلِ لغات : غض صوته و غض بصره عربی میں مشہور محاورہ ہے۔ بمعنے اس نے آواز اور آنکھ کو نیچا رکھا۔ المفردات میں ہے :

الغض بمعنے آنکھ و صوت (آواز) میں کمی۔

اب معنی یہ ہوا نیچی رکھئے آواز۔ الصوت دو جسموں کے ٹکرانے سے ہوا کا مل کر خارج ہونا۔

ف : بعض نے کہا کہ وہ ہوا جو انسان سے خارج ہو اگر طبع کے دفع کرنے سے ہو تو اس کا نام نفس (بفتح الفاء) ہے اگر بالارادہ ہو اور اسے دو جسموں کے تصادم کا تموّج عارضی ہو تو اسے صوت کہتے ہیں اور جب اسبابِ معلومہ سے آواز کی کیفیات مخصوص عارضی ہوں تو انہیں حروف کہا جاتا ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ آواز کو کم کیجئے اور گھٹائیے محلِ کلام و خطاب میں نیچا رکھئے بالخصوص امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور دعاء و مناجات میں۔

ف : انجیل میں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو فرمایا :

اے عیسٰی (علیہ السلام) ! میرے بندوں کو فرمایئے کہ جب وہ مجھے پکاریں تو آواز نیچی رکھیں کیونکہ جو کچھ ان کے دلوں میں ہے میں اسے جانتا اور سُنتا ہوں۔

خلاصہ یہ کہ آیت کا معنٰی یہ ہے کہ آواز پست رکھو، نہ فریاد کرو نہ نعرہ مارو اور نہ زبان درازی کرو اور نہ سخت گوئی کرو۔

مسئلہ: اس سے دشمن وغیرہ کو ڈرانا یا اس جیسے اور امور میں بلند آواز کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: محمد بن طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حکماً نے شاہانِ وقت کو اپنی گفتگو میں آواز سخت اور بلند کرنے کو جائز رکھا ہے تاکہ سامعین پر ہیبت اور ان کے دلوں پر زیادہ اثر ہو۔ (العقد الفرید)

مسئلہ: الخلاصہ میں ہے امام کو ضرورت سے زائد آواز سے نہیں پڑھنا چاہیئے ورنہ گنہگار ہوگا۔ کما فی الکشف۔

ف: اساءۃ کراہت سے زیادہ فاحش ہے۔

ف: مؤذنین کو تبلیغ تکبیر کے لیے آواز بلند کرنا جائز ہے تاکہ پیچھے والوں کو امام کی نقل وحرکت کا علم ہو اس لیے کہ اس میں نفع ہے بخلاف اس کے کہ خود امام کی آواز بہ تکلف پیچھے والوں کو پہنچ جائے[1] کیونکہ یہ بدعت منکرہ (سیئہ) ہے بالاتفاق ائمہ اربعہ یہاں منکرہ سے مکروہ (بدعت مکروہہ) مراد ہے۔ کما فی انسان العیون

مسئلہ: انوار المشارق المختار میں ہے، اخیار کے نزدیک نماز میں تکبیر وغیرہ کے وقت آواز بلند کرنا اور مبالغہ اور زور لگانا مکروہ ہے۔ اس میں درمیانی چال یعنی جہر واخفا کے درمیان آواز نکالنا مستحسن ہے کیونکہ اس میں تضرع و تذلل مطلوب ہے اور ایسی عاجزی کہ اس میں ریاء کا شائبہ نہ ہو تو جائز ہے، مکروہ نہیں باتفاق العلماء۔

تطبیق بین الجہر والخفاء امام نووی رحمہ اللہ نے ان روایات کے بارے میں جو ذکرِ جہر و خفاء کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں، تطبیق دیتے ہوئے فرمایا کہ جہاں ریاء کاری اور نمازیوں کی اذیت اور نیند والوں کی تکلیف کا شائبہ ہو وہاں ذکر آہستہ کرنا مستحب ہے ورنہ ذکر بالجہر افضل ہے اس لیے کہ اس میں مشقت زیادہ ہے تو ثواب بھی زیادہ۔ وہ اس لیے کہ ذکر بالجہر سے سامعین کو سننے کا ثواب ہوگا۔ اس سے قلب بیدار ہوتا ہے اور اس سے فکر کی ہمت جمع ہوتی ہے اور سمع متوجہ ہوتی ہے اور نیند ہٹتی ہے اور خوشی بڑھتی ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے کہتے:
لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ لہ الملک و لہ الحمد وھو علٰی کل شیٔ قدیر[2]

---

[1] اس سے لاؤڈ سپیکر کے ذریعے امام کی آواز پہنچانے والوں کے لیے عبرت کا موقعہ ہے۔

[2] اسی سے ہمارے اہلسنت نماز کے بعد ذکر اور درود شریف پڑھنے کا اثبات کرتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

حکایت حجاج نے اپنے جلیسوں سے پُوچھا کہ سب سے رقیق آواز کس کی ہے۔ کسی نے کہا، وہ قاری جو رات کو اُٹھ کر تلاوتِ قرآن کرتا اور نوافل پڑھتا ہے اس کی آواز مجھے بھلی لگتی ہے۔ حجاج نے کہا، خوب۔ دوسرے نے کہا، وہ آواز مجھے بھلی محسوس ہوتی ہے کہ میری عورت وضع حمل میں مبتلا ہو اور میں صبح کی نماز کے لیے گنگناتا ہُوا مسجد میں جاؤں پھر مجھے کوئی خوشخبری دے کہ تیرے گھر لڑکا پیدا ہُوا ہے۔ حجاج نے کہا، خوب۔ شعبہ بن علقمہ تمیمی نے کہا: بخدا مجھے تو وہ آواز اچھی لگتی ہے کہ مجھے بھوک لگی ہو اور ادھر دستر خوانوں سے کھانے کی تھالیوں کی آواز کان میں پہنچے۔ حجاج نے کہا: اسے تمیمو تم ہمیشہ کھانے کی محبت میں رہتے ہو۔

اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ بے شک سب سے زیادہ پُر وحشت اور قبیح ترین آواز وہ ہے جس سے عقل صحیح کو انکار ہو اور اس کے قبح کا فتویٰ دے **لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ** گدھے کی آواز ہے۔ حمیر، حمار کی جمع ہے۔ بعض نے حمار کو اسی لیے حمار کہا ہے کہ اس میں شدت ہے۔ یہ طعنة حمراء سے ہے بمعنے شدت شدیدہ۔ اور کہا جاتا ہے: حمارة القیظ یعنے اس کی شدت۔

سوال، حمار، حمیر کی جمع ہے تو صوت کو بھی جمع ہونا چاہیے۔

جواب: یہاں ہر ایک گدھے کی علٰحدہ علٰحدہ آواز کا اظہار مطلوب نہیں کہ اسے جمع لایا جائے بلکہ یہاں اسی جنس کی آواز کا اظہار مطلوب ہے کہ تمام دوسری اجناس سے گدھے کی آواز وحشت ناک ہے۔

ف: ابواللیث نے فرمایا کہ چونکہ عرب میں گدھے کی آواز معروف ہے بلکہ تمام لوگ جانتے ہیں کہ گدھے کی آواز وحشت ناک ہے۔ اگرچہ بعض اور حیوانات کی آواز اس سے بھی بدتر ہے لیکن ضرب المثل گدھے کی آواز ہے اور لوگوں میں بھی یہی مشہور ہے کیونکہ اس کی پہلی آواز باریک اور آخر میں بھاری ہو جاتی ہے۔ اور یہی آواز جہنمیوں کی ہو گی جسے سن کر وحشت ہو گی اور اس سے کلی طور پر نفرت ہو گی۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ جب لوگ باہم گفتگو کریں تو ان میں سب سے زیادہ قبیح اور وحشت ناک آواز اس کی ہے جو گدھے کی سی آواز نکالتا ہے۔ وہ ایسے اُونچی آواز سے بولتا ہے جیسے گدھا۔ اس میں حد سے زیادہ آواز نکالنے والے کو گدھے کی آواز سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ان کی آواز کو گدھے کی ڈھیچوں ڈھیچوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اسے حرفِ تشبیہ سے خالی کر کے استعارہ کے قائم مقام کیا گیا ہے۔ ان کی گدھے کی ڈھیچوں ڈھیچوں سی آواز سے ان کی مذمت میں مبالغہ اور زائد از حاجت بولنے سے زجر و توبیخ کی گئی ہے اور تنبیہ کی گئی ہے کہ ایسی گفتگو اللہ کے نزدیک نہایت مکروہ ہے۔ اسے کسی طور وہ پسند نہیں فرماتا۔

ف: حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اونچی آواز ہر طرح سے ناپسند ہے جیسے گدھے کی آواز باوجودیکہ وہ اونچی ہے تاہم ہے ناگوار، اسے سُنتے ہی وحشت ہوتی ہے۔

شانِ نزول عین المعانی میں ہے کہ مشرکین عرب اونچا بولنے کو فخر سمجھتے تھے۔ اس آیت میں ان کے اس فخریہ طریقے کا رد فرمایا گیا ہے۔

ف : فقیر (صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ صرف اونچی آواز کا رد نہیں بلکہ حضرت لقمان رضی اللہ عنہ کی جملہ وصیتوں میں جو امورِ قبیحہ ہیں اور انہیں فخر سے تعلق ہے سب کا رد ہے کیونکہ وُہ جملہ مذکور بالا کے مرتکب تھے مثلاً شرک و دیگر قبائح وُہ بدبخت برائیوں کے خوگر تھے اور نماز کا تو نام و نشان نہ تھا امر بالمعروف و نہی عن المنکر تو اُن سے کیا ہونا تھا اور مصائب کے وقت جزع فزع خُوب کرتے تھے۔

ف : گدھے کو ہمیشہ مذموم امور میں مثال کے طور بیان کیا جاتا ہے۔ ایسے ہی اس کی آواز کو۔ اسی لیے جب کنایہ کے طور بیان کیا جائے تو طویل الاذنین سے یاد کیا جاتا ہے۔

الاعجوبہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہر آواز میں تسبیحِ الٰہی ہوتی ہے سوائے گدھے کی آواز کے کہ وُہ شیطان کو دیکھ کر چیختا ہے اسی لیے اس کی آواز کو قرآن میں اسے منکر (انکر الاصوات) کہا گیا۔

حدیث شریف میں ہے:

اذا سمعتم نہاق الحمیر۔

(جب تم گدھے کی آواز سنو)

نُہاق بالضم بمعنے گدھے کی آواز۔

فتعوذوا باللہ من فضلہ فانہا رأت شیطانا واذا سمعتم صیاح الدیکۃ۔

(تو شیطان رجیم سے پناہ مانگو (کیونکہ وُہ شیطان کو دیکھ کر ڈھیچوں ڈھیچوں کرتا ہے) اور جب تم مرغ کی آواز سُنو)

الدیکہ بفتح الیاٗ دیک کی جمع ہے بمعنے مرغ۔

فاسئلوا اللہ من فضلہ فانہا رأت ملکا

(تو اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگو کیونکہ وہ فرشتے کو دیکھ کر آواز نکالتا ہے)

اللہ والوں کی شان حدیث شریف سے ثابت ہُوا کہ محبوبانِ خدا کی محفل و مجلس میں نزولِ رحمت ہوتا ہے اسی لیے ان کے حضور میں دعا مانگنا مستحب[1] ہے اور اسی سے یہ بھی ثابت ہُوا کہ بُروں کی مجلس و محفل میں جانا غضبِ الٰہی کو دعوت دینا ہے۔ ایسی محافل و مجالس سے پناہ مانگنی چاہیے۔ کما فی شرح المشارق لابن الملک۔

ف : فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] اسی لیے ہم اہلسنّت والجماعت زندہ اولیاء کرام کے علاوہ اہلِ قبور کے ہاں حاضر ہوتے ہیں وہ ہیں تو قبور میں مگر ہیں زندہ۔ اسی لیے وہاں اللہ تعالیٰ کے ہاں سے دُعا مانگنا محبوب فعل ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ اکثر دعائیں مستجاب ہوتی ہیں۔ اویسی غفرلہ

يقطع الصلاة المرأة والحمار والكلب۔
(نماز کو قطع کرتی ہے عورت، گدھا اور کتّا)

یعنی اس کے کمال قطع کرتی ہے اور ان کے نمازی کے آگے سے گزر جانے سے نماز کے کمال میں نقص آجاتا ہے عورت اس لیے کہ وُہ انسان کی شہوت کا سرچشمہ ہے اور نمازی کے وسوسہ میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے اس سے نماز کے فساد کا قوی امکان ہے۔ اور کلب (کتّا) سے سیاہ کتّا مراد ہے کیونکہ اسے حدیث شریف میں شیطان کہا گیا ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
الكلب الاسود شيطان۔
(کالا کتّا شیطان ہے)

اور اسے شیطان اس لیے فرمایا کہ یہ بہ نسبت دوسروں کے زیادہ کاٹنے والا اور اخبث ہے۔ اس سے نفع کی اُمید بہت کم ہے اور یہ بہت زیادہ اُونگھتا ہے۔ اسی لیے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کے ساتھ شکار نہ کیا جائے (یعنی اسے شکاری نہ بنایا جائے۔ گدھا اس لیے (نماز کو قطع کرتا ہے) کہ جب نُوح علیہ السلام کی کشتی میں حیوانات بیٹھے تو شیطان گدھے کی دُم پکڑ کر کشتی میں گھُس گیا۔ علاوہ ازیں شیطان اکثر اوقات گدھے کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔

نکتہ: گدھے کے شیطان کو دیکھنے میں راز یہی ہے (کہ وُہ اکثر اس کے ساتھ رہتا ہے) ایسے ہی مرغ کا فرشتے کو دیکھنا، اس میں بھی راز یہی ہے کہ مُرغ کی آواز عرش کے مرغ فرشتے کی آواز کے تابع ہے۔ جیسا کہ بعض روایاتِ صحیحہ سے ثابت ہے۔ اس معنیٰ پر فرشتہ اکثر حالات میں مُرغ کے ساتھ رہتا ہے اس سے بہت کم جدا ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:
ان الله يبغض ثلاثة اصواتها نهقة الحمير و نباح الكلب و الداعية بالحرب۔
(اللہ تعالیٰ تین آوازوں کو ناپسند فرماتا ہے:
(۱) گدھے کی آواز
(۲) کتے کا بھونکنا
(۳) جنگ کا اعلان)

ف: حضرت مولانا رومی قدس سرہٗ نے فرمایا: گدھے کی آواز کی انکریت کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ بیکار جانور ہے کہ یا صرف کھانے پینے سے کام یا اجزائے شہوت کا خُوگر ہے یا پھر اپنے ہم جنس سے لڑنا جھگڑنا۔
(فیہ ما فیہ مولانا رومی قدس سرہٗ)

ف : وہ آواز جو صفاتِ بہیمی سے ہو زشت تر سمجھی جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ وُہ آواز صاحبِ اخلاقِ روحانی و ملکی سے ہو وُہ خوب ترین آواز ہے۔ ایسے ہی نغمہائے عاشقانہ دلکش ہوتے ہیں کہ ان کے سننے سے روحانی اور قلبی سرور نصیب ہوتا ہے۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نرم آواز سے محبّت کرتے تھے اور اونچی آواز سے کراہت فرماتے تھے۔

مسئلہ : اس سے چھینک کا مسئلہ بھی واضح ہو گیا کہ زور سے چھینکنا مکروہ ہے۔ اسی لیے حکم ہے کہ حتی الامکان آہستہ آواز سے چھینکنے کی کوشش کرے زور سے چھینکنا یا اس میں مختلف قسم کی آوازیں نکالنا جیسے عموماً طبیعت کے تقاضے سے بھی ہوتا ہے چھینکنا نہیں چاہیے۔ غلبہ حال سے ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

تفسیر صُوفیانہ اس میں اس شخص کی طرف اشارہ ہے جو بلا اجازت لسان معرفت میں بولتا ہے اور بے ہنگام بولتا ہے اور جو اس طرح کرتا ہے اس کی خیر نہیں ہوتی۔

وصایائے لقمان رضی اللہ عنہ حضرت لقمان نے صاحبزادے کو فرمایا کہ جب تم بندگانِ خدا پر قدرت رکھتے ہوئے سزا دینے پر آمادہ ہو تو پھر قدرتِ ایزدی کا تصوّر کرو کہ تم پر بھی کوئی قادر ہے وُہ چاہے تو تمہیں بھی اس قسم کی سزا دے سکتا ہے اور اپنے بندے کا تم سے بدلہ لے سکتا ہے فلہذا اس کے انتقام کی فکر میں رہو کیونکہ وہ بہت بڑا منتقم ہے۔ ہاں گردن کشوں سے انصاف لے اور ظالموں کے ساتھ کینہ رکھ۔ یقین کر لے کہ مظلوم پر تیرا ظلم چل تو جائے گا اور وہ اس کی تکلیف چند لمحات کے لیے اٹھائے گا لیکن اس کا عذاب و انتقام ربانی تیرے لیے ہمیشہ تیرے سر رہے گا۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا:

۱ شنیدم کہ لقمان سیہ فام بود
نہ تن پرور و نازک اندام بود

۲ یکے بندۂ خویش پنداشتش
ببغداد در کار گِل داشتش

۳ بہ سالے سرائے بپر داختش
کس از بندۂ خواجہ نشاختش

۴ چو پیش آمدش بندۂ رفتہ باز
ز لقمانش آمد نہیبی فراز

۵ بہ پایش در افتاد و پوزش نمود
بخندید لقمان کہ پوزش چہ سود

۶ بسالے ز جورت جگر خون کنم
بیک ساعت از دل بدر چوں کنم

۷ ولیکن ببخشایم اے نیک مرد
کہ سود تو ما را زیاں نکرد

۸ تو آباد کردی شبستان خویش
مرا حکمت و معرفت گشت بیش

۹ غلامیست درخیلم اے نیک بخت
کہ فرمایش وقتہا کار سخت

۱۰ دگر رہ نیازارمش سخت دل
چو یاد آیدم سختیٔ کار گل

۱۱ ہر آنکس کہ جور بزرگاں نبرد
نسوزد دلش بر ضعیفاں خرد

۱۲ کہ از حاکماں سخت آید سخن
تو بر زیر دستاں درشتی مکن

۱۳ مہا زورمندی مکن بر کہاں
کہ بر یک نمط می نماند جہاں

ترجمہ: (۱) میں نے سنا ہے کہ لقمان سیاہ شکل کے تھے نہ تن پرور تھے نہ نازک اندام۔
(۲) کسی نے آپ کو اپنا غلام سمجھ کر بغداد میں گارہ وغیرہ کے کام پر لگادیا۔
(۳) ایک سال تک آپ اس کا مکان بناتے رہے کسی نے نہ پہچانا کہ یہ غلام ہیں یا آزاد۔
(۴) جب اس شخص کا بھاگا ہوا غلام واپس آگیا تو حضرت لقمان کو دیکھ کر اسے گھبراہٹ ہوئی۔
(۵) وہ آپ کے قدموں میں گر پڑا اور معذرت چاہی۔ حضرت لقمان ہنس پڑے اور فرمایا اب معذرت کا کیا معنیٰ!
(۶) سال بھر میں تیرے ظلم سے جگر خون کرتا رہا اب صرف ایک منٹ میں اس درد کو کیسے باہر کروں۔
(۷) ہاں اے نیک بندے! میں نے تجھے معاف کردیا کہ تیرے کام نے مجھے نقصان نہیں پہنچایا۔
(۸) تُو نے اپنا مکان بنایا لیکن اس سے میری حکمت و معرفت میں اضافہ ہوا ہے۔
(۹) میرا بھی ایک غلام ہے نیک بخت، میں اسے بہت سخت کام میں لگاتا تھا۔
(۱۰) اب میں اس کا دل نہ دکھاؤں گا جب مجھے گارے کے سخت کام کی یاد [illegible]
(۱۱) جو بڑوں کے دکھ نہیں اٹھاتا اس کا ضعیف لوگوں پ[illegible]یں جلتا۔

(۱۲) حکام سے تجھے سختی نہ ملے گی اگر تو اپنے سے کمزوروں پر سختی نہ کرے گا۔
(۱۳) اے بڑے! چھوٹوں پر زور آزمائی نہ کر کیونکہ جہانِ دنیا ایک سا نہیں رہتا۔
ف: حضرت لقمان رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے ادب کہاں سے سیکھا؟ فرمایا کہ بے ادبوں سے، کیونکہ جو فعل و قول مجھے ان سے غلط نظر آتا میں اس سے احتراز کرتا ہوں۔

۱ نگیرند از سر بازیچہ حرفے
کزاں پندے نگیرد صاحبِ ہوش
۲ وگر صد باب حکمت پیش نادان
بخوانند آیدش بازیچہ درگوش

ترجمہ: (۱) وہ کوئی حرف بھی کھیل تماشے کا نہیں کہتے جس سے ہوشمند نصیحت حاصل نہ کرتا ہو۔
(۲) نادان کے آگے سو باب حکمت کے پڑھو اس کے کان میں کھیل کود کی آواز ہی گونجے گی۔

ملفوظ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مومن کی گم شدہ حکمت حاصل کیجئے خواہ مشرکین سے۔ یعنی ایک گم شدہ شے کے طلبگار کی طرح مومن ہمیشہ حکمت کا طالب رہتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ارشادِ گرامی سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ نہ کہو کہ علم تو آسمان پر ہے اسے کون جا کر لائے۔ اور یہ نہ کہو کہ زمین کے اندر ہے کہ کون اسے نکالے۔ اور نہ کہو کہ وہ دریاؤں کے پار ہے کہ کون دریا عبور کر کے لائے بلکہ علم تو تمہارے دلوں میں ہے۔ صرف اتنا کرلو کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے روحانی لوگوں کی طرح ادب سے رہو۔ پھر تم پر اس طرح ظاہر ہوگا جیسے دوسرے سائرین الی المنازل پر ظاہر ہوتا ہے۔ کما فی شرح منازل السائرین روحانیوں (اہل اللہ) کے عادات میں سے ایک یہ ہے کہ وہ امورِ طبعیہ کو ترک کر دیتے ہیں اور مقامِ صمدیت میں قیام رکھتے ہیں۔

حکایت کسی عابد کی کہانی مشہور ہے کہ وہ رات کو دس سیر طعام کھا کر صبح تک (نوافل) پڑھتے گزارتا۔ کسی بزرگ نے اس کا حال سنا تو فرمایا کہ یہ شخص اگر آدھ سیر کھانا کھاتا اور ساری رات سوتا رہتا تو اس کیفیت و حالت سے بہتر ہوتا۔

۱ اندروں از طعام خالی دار
تا درو نور معرفت بینی
۲ تہی از حکمتے بعلت آں
کہ پری از طعام تا بینی

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ نے تمہارے لیئے کام میں لگائے جو کچھ
الْأَرْضِ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۗ وَمِنَ
کام میں لگائے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہیں اور تمہیں بھرپور دیں اپنی نعمتیں ظاہر اور چھپی اور بعضے
النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿٢٠﴾ وَإِذَا قِيْلَ
آدمی اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں یوں کہ نہ علم نہ عقل نہ کوئی روشن کتاب اور جب ان سے کہا
لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۗ أَوَلَوْ كَانَ
جائے اس کی پیروی کرو جو اللہ نے اتارا تو کہتے ہیں بلکہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا
الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ إِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿٢١﴾ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ إِلَى اللّٰهِ وَهُوَ
کو پایا کیا اگرچہ شیطان ان کو عذاب دوزخ کی طرف بلاتا ہو تو جو اپنا منہ اللہ کی طرف جھکا دے اور ہو
مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ وَإِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُوْرِ ﴿٢٢﴾ وَمَنْ
نیکوکار تو بیشک اس نے مضبوط گرہ تھامی اور اللہ ہی کی طرف ہے سب کاموں کی انتہا اور جو
كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ۗ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۗ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ
کفر کرے تو تم اس کے کفر سے غم نہ کھاؤ انہیں ہماری ہی طرف پھرنا ہے ہم انہیں بتادیں گے جو کرتے تھے بے شک اللہ
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٢٣﴾ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿٢٤﴾ وَلَئِنْ
دلوں کی بات جانتا ہے ہم انہیں کچھ برتنے دیں گے پھر انہیں بے بس کرکے سخت عذاب کی طرف لیجائیں گے اور
سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۗ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ۗ بَلْ
اگر تم ان سے پوچھو کس نے بنائے آسمان اور زمین تو ضرور کہیں گے اللہ نے تم فرماؤ سب خوبیاں اللہ کو بلکہ
أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٥﴾ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿٢٦﴾
ان میں اکثر جانتے نہیں اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے بیشک اللہ ہی بے نیاز ہے سب
وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ
خوبیوں سراہا اور اگر زمین میں جتنے پیڑ ہیں سب قلمیں ہو جائیں اور سمندر اس کی سیاہی ہو اس کے پیچھے
أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٧﴾ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا
سات سمندر اور تو اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں گی بے شک اللہ عزت و حکمت والا ہے تم سب کا پیدا کرنا اور قیامت میں اٹھانا
كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۗ إِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ﴿٢٨﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ
ایسا ہی ہے جیسا ایک جان کا بے شک اللہ سنتا دیکھتا ہے اے سننے والے کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ رات لاتا ہے دن

وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ
کے حصے میں اور دن کرتا ہے رات کے حصے میں اور اس نے سورج اور چاند کام میں لگائے ہر ایک ایک مقرر میعاد تک چلتا
مُّسَمًّى وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا
ہے اور یہ کہ اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور اس کے سوا
يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾
جن کو پوجتے ہیں سب باطل ہیں اور اس لیے کہ اللہ ہی بلند بڑائی والا ہے

تفسیر عالمانہ

اَلَمْ تَرَوْا اے بنو آدم! تمہیں معلوم نہیں اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ (بیشک اللہ نے تمہارے لیے مسخر فرمایا ہے) التسخیر بمعنے کسی شے کو جبراً کسی مخصوص غرض کے لیے کسی کے قابو میں دینا۔ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وہ جو آسمانوں میں ہے کواکب سیارے جیسے سورج چاند وغیرہما اور ملائکہ مقربین کہ انہیں تمہارے منافع حاصل کرنے کے اسباب بنائے ہیں ستاروں کا مسخر ہونا بایں معنیٰ ہے کہ انہیں افلاک پر بروج میں چلایا ہے وُہ افلاک جن میں سے ہر ایک کے لیے علیحدہ فلک ہے اور ان کے لیے قرانات و اتصالات مقرر فرمائے ہیں اور انہیں عالم سفلی کے لیے زمانہ کے لحاظ سے مدبر بنایا ہے مثلاً سرما، گرما، ربیع، خریف۔ ایسے ہی مکان کے لحاظ سے' جیسے معدنیات، نباتات، حیوانات اور انسان، اور ان میں کواکب کی سیر کی وجہ دائماً سے مختلف احوال ظاہر ہوتے ہیں اور وہ انسان کے منافع کے لیے ہو رہا ہے۔

ف : حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تابع کیا ہے تمہارے منافع کے لیے وہ جو آسمانوں میں ہے جیسے سورج، چاند، ستارے۔ تاکہ تم ان کی روشنی سے بہرہ مند ہو ؎

زمشرق مغرب مہ و آفتاب
روان کرد و گسترد گیتی بآب

صہ ۲۸۰ سے آگے

ترجمہ : (۱) اندر طعام سے خالی رکھ تاکہ اس میں نورِ معرفت دیکھو۔
(۲) حکمت سے اس لیے خالی ہو کہ ناک تک طعام سے پُر ہو۔

ف : یاد رکھو کہ حکمت کبھی لفظیؔ ہوتی ہے جیسے احکام شرعیہ جو قرآن سے متعلق ہیں۔ کبھی مسکوت عنہ ہے یعنی اسے عوام کے سامنے ظاہر نہیں کیا جاتا جیسے وُہ اسرارِ الٰہیہ جو غیروں سے پوشیدہ ہیں اور ان کا تعلق قرآن کے بواطن کے ساتھ ہے جو اسے اس کے طریقے سے تلاش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی توفیق سے معرفت میں داخل ہو جائے گا۔

ترجمہ: مشرق سے مغرب کو چاند و سورج روانہ کئے اور زمین پانی پر بچھائی۔
اور ستارے بنائے تاکہ ان کی روشنی سے تم راہ پاؤ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
وبالنجم هم يهتدون۔
(اور ستاروں سے تم راہ پاتے ہو)

ملائکہ کی تسخیر الانسان ملائکہ کی تسخیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و حکمت سے ملائکہ کی جمیع اصناف کو مدبرات کی انواع مقرر فرمائی ہیں جو ان کی مدد کریں، مثلاً بعض وہ فرشتے ہیں جو سورج و چاند اور نجوم و افلاک پر مؤکل ہیں بعض بادلوں اور بارشوں پر۔

ہر قطرۂ بارش کا علیحدہ فرشتہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بارش کے ہر قطرہ کے لئے علیحدہ علیحدہ فرشتہ مقرر فرمایا ہے تاکہ وہ قطرہ وہاں رکھے جہاں کا اسے حکم ہے۔ بعض ملائکہ دریاؤں اور جنگلوں اور ہواؤں پر مقرر ہیں بعض انسانوں کے عملنامے لکھنے کے لیے مؤکل مقرر ہیں۔ بعض وہ ہیں جو انسانوں کے آگے پیچھے دائیں بائیں حفاظت کے لیے مقرر ہیں، یہاں تک کہ ارحام کے لیے بھی فرشتے مقرر ہیں کہ نطفہ رحم میں پہنچے تو اسے بھی فرشتہ لے کر پہنچاتے۔ ایک فرشتہ مرد کا نطفہ دائیں ہاتھ میں لے کر اور دوسرا عورت کا نطفہ بائیں ہاتھ میں لے کر رحم کے اندر پہنچائے۔ اگر اس سے بچے کی تخلیق مطلوب ہوتی ہے تو ان دونوں نطفوں کو ملانے کے لیے ایک فرشتہ ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج۔

(بیشک ہم نے انسان کو اس نطفہ سے پیدا کیا جو ایک دوسرے سے ملایا گیا ہے)۔

بعض ملائکہ بہشت پر اور بعض دوزخ پر، یہ سب انسان کے منافع کے لیے مؤکل ہیں یہاں تک کہ بہشت و دوزخ بھی انسان کے لیے مسخر ہیں تاکہ بہشت کی طمع کرے اور دوزخ سے ڈرے۔ اس لیے کہ انسان طمع و خوف سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ انسان کے لیے مسخر کیا ہے سماوات القلوب کو صدق و اخلاص، توکّل، یقین، صبر، شکر سے، ایسے ہی جمیع مقامات قلبیہ روحانیہ اور مواہب ربانیہ۔ اور ان کی تسخیر کا یہ معنیٰ ہے کہ جس کے لیے ان کا عبور کرنا آسان مطلوب ہوتا ہے تو اس کے لیے آسان کر دیتا ہے جس سے اسے سلوک و سیر کے ساتھ جذبہ و انتفاع بالمنافع و اجتناب عن المغرورات کے آسان ہو جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَا فِي الْأَرْضِ اور وہ جو زمین ہے جیسے پہاڑ اور جنگلات اور دریا اور نہریں اور حیوانات و نباتات اور معادن کہ ان سے بالواسطہ یا بلاواسطہ منافع حاصل کرنے کی تمہیں

قدرت دی ہے۔

تفسیر صوفیانہ انسان کو ارض نفوس پر مسخر کیا ہے کہ اس کے اندر جو اوصافِ ذمیمہ ہیں جیسے کبر، حسد، حقد (کینہ)، بخل، حرص، شہوت وغیرہ یہ انسان کے مسخر بایں معنیٰ ہیں کہ انہیں اخلاقِ کریمہ سے تبدیل کرسکتا ہے اور ان پر عبور کر کے ان کے خواص سے متمتع اور ان کے مضرات سے احتراز کرسکتا ہے

تفسیر عالمانہ وَاَسْبَغَ عَلَیْکُمْ اور تم پر مکمل کیں نِعَمَہٗ اپنی نعمتیں۔ انعم، نعمت کی جمع۔ وہ اصل حالت جس سے انسان لذت پائے۔ اس کا اطلاق ان امورِ لذیذہ پر ہوتا ہے جو طبع کے مناسب اور حالتِ طبعیہ کی طرف لے جاتے ہیں ظَاھِرَۃً درانحالیکہ وہ نعمتیں ظاہر یعنی محسوس مشاہد ہیں جیسے حسنِ صورت اور قدوقامت کی موزونیت اور اعضاء کا کمال ؎

دہد نطفہ را صورت چوں پری

کہ کرداست بر آب صورت گری

ترجمہ: نطفہ کو پری کی سی شکل دیتا ہے، پانی پر صورت گری کون کرسکتا ہے۔

نعمتیں ظاہرہ حواسِ ظاہرہ یہ ہیں: سمع، بصر، شمہ (سونگھنا)، ذوق (چکھنا)، لمس، نطق (بولنا)، ذکر اللسان، رزق، مال، جاہ، خدام، اولاد، صحت، عافیت، امن، وزر (بوجھ) ہلکا کرنا اور رفع الذکر۔ ادب حسن، تنفس بلاذلہ، قدم بلا ذلت، اقرار و اسلام، اور ان کی گواہی دینا صلوٰۃ، صوم، زکوٰۃ، حج، قرآن، اس کا حفظ اتباع رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اولیاء اللہ کے لیے تواضع، دنیا سے اعراض

آیات کا بیان اہلِ ایمان کا علو علی الکفار وغیرہم۔ جیسا کہ فرمایا:

وانتم الاعلون۔

(اور تم ہی اعلیٰ (غالب) ہو)

یعنی انہیں نصرت، غلبہ وغیرہ وہ دیگر وہ امور جنہیں انسان جانتا ہے۔

وَّبَاطِنَۃً اور باطنی نعمتیں یعنی وہ نعمتیں جنہیں عقل سے تعلق ہے جو محسوس نہیں ہوتیں۔ جیسے بدن میں روح نفخ عقل و فہم فکر، معرفت سے روشن کرنا، تزکیۂ نفس، فضائل سے قلوب کا سنگارنا۔ اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اے اللہ! جیسے تو نے میرا ظاہر سنگارا ہے ایسے ہی میرا باطن مزین فرما۔

حب (عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم) جس سے اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو مزین فرمایا ہے۔ شہادہ سابقہ جیسا کہ فرمایا:

اولئك المقربون۔ (وہی مقرب ہیں)

شرح الصدور، متنعم کا شہود، جہاد میں ملائکہ کی امداد وغیرہ ۔ ویسے ہی صحۃ الدین والبصیرۃ اور صفاء الاحوال و الولایۃ ۔ یہ تمام باطنی نعمتیں بہ نسبت نبوت کے اور فطرت سلیمہ اور طلب الحقیقۃ اور قبول الفیض کے لئے استعداد۔ اتصال علی الدوام، رضا، غفران، قلب، غفلت و توجہ بلا علت، فیض بلا قلت۔

حدیث شریف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی، یا رسول اللہ! ظاہرہ و باطنہ نعمتوں سے کیا مراد ہے؟ آپ نے فرمایا، ظاہرہ تو یہی اسلام ہے اور حسن خلق اور جو تمہیں رزق عطا ہوا، اور باطنہ وہ جو تیری برائیوں پہ ستاری کی گئی اور تمہیں دنیا میں رسوا نہیں کیا گیا۔

پس پردہ بیند عملہا ئے بد
ہم او پردہ پوشد بآلائے خود

ترجمہ: پس پردہ بُرے اعمال دیکھ کر وہی اپنی مہربانیوں سے پردہ پوشی کرتا ہے۔

اے ابن عباس (رضی اللہ عنہما)! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اہل ایمان سے تین بھلائیاں کی ہیں:

(۱) اس کے اپنے عمل دنیا سے چلے جانے کے بعد منقطع ہو جاتے ہیں تو اہل ایمان کی دعائیں اُسے پہنچتی ہیں جن کی وجہ سے میں اس کی خطا معاف فرماتا ہوں۔

(۲) اس کے مال کو اس کی خطا کے معاف کرانے کا سبب بناتا ہوں۔

(۳) اس کے بُرے اعمال پہ پردہ ڈالتا ہوں کہ اگر اس کے کردار ظاہر کر دوں تو اسے اپنے (عزیز و اقارب) بھی اسے گھر سے نکال دیں۔

وَمِنَ النَّاسِ اور بعض لوگ وہ ہیں۔ من بمعنے بعض۔ اور یہ مبتدا اور اس کی خبر **مَنْ يُّجَادِلُ** ہے، وہ ہیں جو جھگڑتے ہیں۔

حلِ لغات: اہل عرب کہتے ہیں:

جدلت الحبل۔ (میں نے رسی کو مضبوط کیا)

اسی سے الجدال ہے کہ گویا دونوں مخاصمین اپنی رائے کو دوسرے کی رائے کی بہ نسبت مضبوط کر رہا ہے، فِی اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے بارے میں۔ یعنی اس کی توحید و صفات کے بارے میں۔ اور وہ شرک کی طرف جھکتے ہیں بایں معنی کہ ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ثابت کرتے ہیں۔

ف: حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فی اللہ سے مراد فی الکتب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بارے میں۔

شانِ نزول نضر بن الحارث کہتا تھا کہ یہ قرآن تو گزشتہ لوگوں کے افسانے ہیں۔ عین المعانی میں ہے کہ ایک یہودی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور

عرض کی، آپ کا خدا کیسا ہے؟ وہ جیسا بھی ہے اُسے تو کرنا کے نے گھیرے میں لے لیا ہے (معاذ اللہ) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں جھگڑتے ہیں بِغَيْرِ عِلْمٍ علم کے بغیر کہ ان کے پاس کوئی دلیل نہیں وَلَا هُدًى اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ انہیں کوئی ہدایت ہے وَلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝ اور نہ ان کے پاس کوئی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر نازل کی ہو، حجت سے روشن ہو، بلکہ یہ تو محض پچھلے لوگوں کی تقلید میں جھگڑتا ہے جیسا کہ فرمایا وَإِذَا قِيْلَ لَهُمُ جب جھگڑنے والوں کو کہا جاتا ہے ھُم ضمیر بوجہ من کے معنی کی وجہ سے ہے اتَّبِعُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ اس کی اتباع کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اپنے نبی علیہ السلام پر قرآن جو واضح اور نور بیّن ہے تو اس پر ایمان لاؤ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا کہتے ہیں بلکہ ہم اس کی اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا۔ یعنی وہ جو گزشتہ لوگ ہیں اس سے ان کی بت پرستی مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتا ہے اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اگرچہ شیطان انہیں بلاتا ہو۔ یہ استفہام انکار و تعجب کا ہے اس معنیٰ پر کہ وہ اس سے تعلق جوڑ رہے ہیں جو نہایت درجے بُعد میں ہے جیسا کہ عقل کا تقاضا بھی یہی ہے۔ ضمیر آبا کی طرف عائد ہے اور جملہ حیز النصب علی سبیل الحالیۃ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا وہ ان کی تابعداری کرتے ہیں اگرچہ شیطان انہیں ایسے امر کی طرف بلاتا ہے جو شرک ہی شرک ہے اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝ جہنم کے عذاب کی طرف۔ تو وہ انہیں اس کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں۔

حلِ لغات السعر بمعنے آگ کا شعلہ۔ اور عذاب السعیر بمعنے دوزخ کا عذاب کما فی المفردات۔

مسئلہ: آیت میں توحید وصفاتِ باری تعالیٰ اور اصولِ اسلام کی تقلید سے منع کیا گیا ہے۔

تقلید کی تحقیق لغت میں تقلید بمعنے کسی شے کو کسی کے گلے میں ایسے طریق سے ڈالنا کہ وہ شے اس کی گردن کو محیط ہو جائے۔ قلادہ (پھندنا) اسی سے ہے۔ عرف عام میں امور کو غیر کے سپرد کرنا وہ بھی اسی لیے کہ گویا اس نے اپنے امور اس کے گلے میں پھندے کی طرح ڈالے ہیں اور عرف شرع میں قبول قول الغیر بلا حجۃ یعنی کسی کا قول بلا حجت قبول کرنا۔ ہماری اس تعریف سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام کے اقوالِ کریمہ پر عمل کرنے کو تقلید نہیں کہا جا سکتا اس لیے کہ ان کے جملہ اقوال حجت ہیں۔ (اس سے غیر مقلدین کی عبادت کا اندازہ کیجئے کہ وہ ہم مقلدین احناف وغیرہ کو کہتے ہیں کہ ہم صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقلد ہیں۔ تفصیل کے لیے فقیر اویسی غفرلہ کا رسالہ "تقلید" دیکھئے۔ اویسی غفرلہٗ)

ف: التعریفات میں ہے کہ التقلید عبارۃ عن اتباع الانسان غیرہ فیما یقول او یفعل معتقدا

الحقیقۃ فیہ من غیر نظر و تامل فی الدلیل یعنی قول و فعل میں اتباع کرنا بایں طور کہ اس کے متعلق اعتقاد ہو کہ وہ جو کچھ کہتا ہے وہ حق ہے۔ اس کی دلیل میں نظر و تامل کو دخل نہ دے۔ اس اعتبار سے گویا اتباع کرنے والے نے غیر کے قول و فعل کو اپنی گردن میں پھندنے کی طرح ڈالا۔

مسئلہ: فروع اور عملیات میں تقلید جائز ہے لیکن اصول الدین والاعتقادیات میں ناجائز ہے بلکہ اصول و اعتقادیات نظر و استدلال ضروری ہے۔

مسئلہ: ایمان تقلیدی بھی قابلِ قبول ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ظاہریہ فرقہ کا مذہب ہے وہ اس لیے کہ جن عقاید پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے انہیں وہ دل سے مانتا اور زبان سے اقرار کرتا ہے مثلاً اس کا عقیدہ ہے کہ عالم حادث ہے اور صانع اور اس کے صفات موجود ہیں اور ارسال الرسل حق اور وُہ احکام جو وہ حضرات لائے ہیں وہ حق ہیں۔ ان عقاید کو من حیث العقاید ماننے کا نام ایمان ہے اگرچہ عامی انسان نہیں انھیں دلائل دے کر نہیں سمجھا سکتا لیکن مانتا اور زبان سے تو اقرار کرتا ہے اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسے ایمان کو قبول فرمایا۔ چنانچہ آپ کے زمانۂ اقدس کے بچوں اور عورتوں اور گنواروں اور غلاموں اور لونڈیوں کا یہی حال تھا۔ جیسے آج ہمارے عوام کا ہے۔ ہاں وہ ایسے عقاید پر دلائل نہ سیکھنے سے گنہگار ہوں گے کیونکہ انہیں عقاید پر دلائل سیکھنا واجب تھا اور بوجہ ترک وجوب کے گنہگار ہوئے لیکن ایسا ترکِ وجوب ان کے ایمان کو مُضر نہیں۔

ف: فصل الکتاب میں لکھا ہے کہ اسلامی شہروں میں عامی مسلمان جب صنائع باری تعالیٰ دیکھتا ہے تو کہتا ہے: سبحان اللہ۔ تو اس کا ایمان تقلیدی نہ ہوگا بلکہ تحقیقی ہوگا اس لیے صنائع باری تعالیٰ کو دیکھ کر اس نے وجودِ صانع پر استدلال کی بنا پر سبحان اللہ کہا ہے اگرچہ وُہ اپنے طریقۂ استدلال سے ناآشنا ہے اور اسے یہ بھی نہ کہا جائے گا کہ اس نے استدلال کے ترک کا ارتکاب کیا ہے فلہذا گنہگار رہے بلکہ یقین سے کہا جائے گا کہ اس نے استدلال سے ایمان قبول کیا ہے اس لیے کہ اس کا صنائع باری تعالیٰ کو دیکھ کر سبحان اللہ کہنا ہی اس کے استدلال کی دلیل ہے گویا وہ سبحان اللہ کہہ کر ثابت کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ایسے عجیب و غریب صنائع کا خالق ہے اس کے سوا اس طرح کی تخلیق اور کوئی نہیں کر سکتا اور نہ کسی کے بس میں ہے کہ وہ ایسی تخلیق کر سکے۔ گویا اس نے اثر سے موثر کے وجود پر استدلال کر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت و ارادہ و دیگر صفاتِ ذاتی کا اثبات کیا ہے اور استدلال بھی اسی کو کہتے ہیں کہ مصنوعات کے تصورات سے صانع کا اعتراف ہو، منطقیوں کی طرح صغریٰ، کبریٰ، ترتیب المقدمات اور نتیجہ نکالنا کوئی ضروری امر نہیں۔ ہماری اس تقریر سے ثابت ہوا کہ ہمارے دَور میں کوئی بھی مومن تقلیدی نہیں بلکہ بحمدہٖ تعالیٰ سب کے سب مومن تحقیقی ہیں۔ (فقیر کی تقریر مذکور یاد رہی تو کمیونسٹ (دہریہ) اور غیر مقلدین وہابیہ و دیگر مخالفینِ اہلسنت کا جواب آسانی سے دیا جا سکے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ (حاشیہ آگے)

مسئلہ: جو شخص پہاڑ کی چوٹی یا کسی غار میں چھپا رہا اور ایمان کے دلائل کسی سے نہ سیکھے تو وہ گنہگار ہوگا۔ اگر طریقہ مذکورہ سے اسے اپنے ایمان پر دلائل موجود ہیں تو گنہگار نہ ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے جو طریقت و معرفت کی منزلیں عقل قاصر کے ذریعہ طے کرنا چاہتا ہے وہ صوفیائے کرام کے نزدیک مقلد ہے اس کی اقتداء (پیری و مریدی) ناجائز ہے (ہمارے دور کے بعض حضرات پیری و مریدی کا دھندا تو کرتے ہیں لیکن معرفت و طریقت کی منزلوں سے کوسوں دور، بلکہ ان منازل سے الٹے پاؤں جا رہے ہیں)[1]

خواہی بصوب کعبۂ تحقیق رہ بری

پے بر پے مقلد گم کردہ رہ مرو

ترجمہ: اگر تم کعبۂ تحقیق کو جانا چاہتے ہو تو اندھے مقلد گم کردہ راہ کے پیچھے مت چلو۔

بلکہ صاحب ولایت عالم ربانی واقف اسرار طریقت منازل کے عارف حقیقت سے آشنا حقائق قرآن کے مکاشف معانی فرقان سے آگاہ کی اقتدا ضروری ہے اس لیے کہ ایسے صفات کا موصوف ظلمات انسانیہ سے نکال کر نور ربانی کی طرف لے جا سکتا ہے اور ایسا بزرگ نفس امارہ کے عذاب سے نجات دلا سکتا ہے اور ایسا کامل ہی قلب کی نعمتوں سے مشرف فرما سکتا ہے۔

سبق: وہ سالک جو مطلب حقیقی تک پہنچنے کا طالب ہے تو اسے یاد رکھنا چاہیے کہ یہ راہ بہت دور اور اس کی منازل کی برازخ کثیر ہیں وہاں اہل جدل اور وہ لوگ جن کے عقول وہم و خیال شبہات میں گرفتار ہیں اپنے عقول کی رہبری سے وہاں تک نہیں پہنچ سکیں گے اس لیے کہ انسان کا ہاتھ کتنا لمبا کیوں نہ ہو لیکن کہکشاں تک نہیں پہنچ سکتے ایسے عقل کے گرفتاروں کے پلے راہ طریقت و معرفت کا سمجھنے ان کے ہوائی قید ہیں۔ ایسے لوگ عنقا کو کہاں پا سکتے ہیں اس لیے کہ عنقا تو وجود کے (کوہ) قاف میں ہے اور ظاہر ہے اہل معرفت شہود کے سوا وجود کے حقائق کو اور کوئی نہیں جان سکتا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم سب کو قرآن عظیم کا عامل اور کلام قدیم کے آداب کا متأدب اور اس کے انوار کا واصل اور اس کے اسرار کے محقق کی صحبت نصیب فرمائے۔

تفسیر عالمانہ وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ من شرطیہ ہے بمعنے کون ہے وہ اور اَسْلَمَ جب اِلٰی سے متعدی ہو تو بمعنے سلم کے استعمال ہوتا ہے اور جب لام سے متعدی ہو تو اخلاص کے معنے کو متضمن ہوتا ہے اور الوجہ بمعنے ذات۔ اب معنی یہ ہوا کہ جو شخص اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے ایسے سپرد کرتا ہے جیسے سامان صاحب سامان کے ہاتھ میں ہوتا ہے

(حاشیہ گذشتہ) [1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ [1] اضافہ از مترجم غفرلہٗ اویسی غفرلہٗ

مقصد یہ کہ وُہ بندہ جو اپنے جملہ امور اللہ تعالیٰ کے سپرد کرکے یکسوئی سے اُسی کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے وَهُوَ مُحْسِنٌ حالانکہ وہ نیکی کرنے میں نیکی کو اسی طرح بجالاتا ہے جس طرح وُہ نیکی ادائیگی کے لائق ہے اور یہ وہ حسن وصفی ہے جو حسن ذاتی کو مستلزم ہے اور یہ سوائے مشاہدہ کے حاصل نہیں ہوتا۔ اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کی تعریف میں فرمایا :

بان تعبد اللّٰہ کانك تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراك ۔

(اللہ تعالیٰ کی یُوں عبادت کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو ورنہ یہ تصور غالب ہو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے)

فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى تو اس نے مضبوط رسّی کو تھام لیا۔

حلِ لغات : الاستمساك ، امساك الشئ المتعلق بہ یعنی کسی شے کو مضبوطی سے چمٹنا اور اس کی مکمل طور سے حفاظت کرنا۔ اہلِ عرب کہتے ہیں :

استمسکت بالشئ ۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شے کو مضبوطی سے پکڑے۔ ہم اسے چنگل مارنے سے تعبیر کرتے ہیں اور فارسی میں بمعنے چنگ زدن ۔ کذا فی تاج المصادر ۔

العروہ بالضم، ہر وُہ شے جس سے کسی شے کو باندھا جائے۔ عروۃ (بالکسر) بمعنے شے کا کنارہ ۔ شے کو قابو کرنے کا آلہ ۔ جیسے بوکے اور لوٹے کی رسی۔

الوثقی بمعنے موثقۃ المحکمۃ ۔ اوثق کی تانیث ہے ۔ جیسے صغریٰ ، اصغر کی تانیث ہے اور جس شے کو مضبوط باندھ لیا جانے اس کا مالک مطمئن ہوجاتا ہے کہ اب یہ چیز گرنے سے محفوظ ہوگئی ۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اس نے مضبوط اور پختہ گرہ کو تھاما ۔ آیت میں مشتغل بالطاعۃ اور متوکل علی اللہ کو اس شخص کے حال سے تشبیہ دی گئی ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنے کے لیے ایک ایسی مضبوط رسّی کو کام لاتا ہے جس کے ٹوٹنے کا وہم وگمان نہیں ہوتا اسی لیے وہ بے خوف ہو کر پہاڑ پر چڑھتا ہے وَاِلَى اللّٰهِ اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ متوکل اور اس کے غیر کے امور کا انجام ہے پھر وہی احسن جزا سے نوازے گا وَمَنْ كَفَرَ اور وُہ جو مضبوط رسّی کو نہیں تھامتا فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ تو اب اس کا غم نہ کیجئے اس لیے کہ وُہ آپ کو دُنیا و آخرت میں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکے گا حزن مجرد اور مزید یعنی احزن کا ایک ہی معنیٰ ہے لیکن باب مزید سے عام استعمال نہیں ہوتا اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ان کا صرف ہمارے ہاں لوٹنا ہے اور اللہ کے ہاں لوٹنے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہاں اس کے سوا نہ کوئی مالک ہوگا نہ حاکم فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا پھر ہم انہیں دنیا میں ان کے لیے کفر و دیگر معاصی و مآثم کے ارتکاب کی خبر دیں گے یعنی عذاب اور سزا میں مبتلا کریں گے۔

ف : تینوں جمع کی ضمیریں مَنْ کی وجہ سے ہیں اور دو جگہوں کا واحد کی ضمیر لفظ مَنْ کی وجہ سے ہے (اسی لیے کہ لفظ مَنْ لفظاً مفرد اور معناً جمع ہے)

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ بیشک اللہ تعالیٰ دل کی باتوں اور ان کی نیتوں کو جانتا ہے کہ انسانوں کے سینوں میں ہیں وہ ان کی اعمال ظاہرہ کی طرح سزا دے گا نُمَتِّعُهُمْ ہم کافروں کو دنیا میں دنیوی منافع دیں گے قَلِيْلًا تھوڑے منافع یا تھوڑے سے وقت تک، پھر وہ منقطع ہو جائیں گے اسے قلیل سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ جو شئے زوال پذیر ہو وہ چاہے کتنے ہی طویل زمانے تک رہے تب بھی اسے قلیل ہی کہا جائے گا بہ نسبت اس شئے کے جو دائمی ہو ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ الاضطرار انسان کو اس امر پر آمادہ کرنا جو اسے نقصان پہنچائے اور عرف میں اس امر پر مجبور کرنا جس سے اسے کراہت ہو یعنی ہم انہیں آخرت میں لوٹنے پر مجبور کریں گے اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝ سخت عذاب کی طرف جو ان پر بوجھل اشیاء کی طرح محسوس ہوگا یا ہم ان کے عذاب میں تنگی و تلخی کا اضافہ کریں گے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس سے دائمی عذاب کی طرف اشارہ ہے۔ الغلیظ الرقیق کی نقیض ہے اسے اجسام میں استعمال کیا نا اس کی اصل ہے لیکن کبھی استعارۃً معانی میں بھی مستعمل ہے۔ کذا فی المفردات۔

تفسیر عالمانہ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ اگر آپ کافروں سے سوال کریں مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ آسمانوں اور زمینوں یعنی اجرام علوی و سفلی کو کس نے پیدا کیا۔ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ تو کہیں گے انہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اس لیے کہ یہ ایک ایسا روشن امر ہے کہ انہیں سوائے اعتراف کے کوئی چارہ ہی نہیں اس لیے وہ اعتراف پر مجبور ہیں قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ آپ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کیجئے کہ توحید کے دلائل ایسے واضح اور روشن ہیں کہ مخالفین کو بھی اعتراف ہے بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ بلکہ ان کے اکثر کسی شے کو بھی نہیں جانتے۔ اسی لیے کہ وہ باوجودیکہ توحید کے دلائل کے معترف ہیں لیکن پھر اس کے تقاضا کے مطابق شرک کو نہیں چھوڑتے اور غیر اللہ کی پرستش میں مبتلا ہیں لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اللہ تعالیٰ وہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے اسی معنے پر آسمانوں اور زمینوں میں اس کے سوا کوئی بھی عبادت کا مستحق نہیں اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِىُّ بلیشک اللہ تعالیٰ ذاتاً وصفاتاً غنی ہے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے پہلے بھی اور بعد کو بھی وہ اپنے وجود اور کمال ذاتی میں کسی شے کا محتاج نہیں۔ لفظ هُوَ حصر کے لیے ہے اس معنے کے لیے کہ غنی صرف وہی ہے۔ اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ چنانچہ آیت واللہ الغنی وانتم الفقراء دلالت کرتی ہے۔ الحمید بمعنے المحمود فی ذاتہ وصفاتہ۔ اگرچہ اور بھی اس کا کوئی حمد کرنے والا نہ ہو تب وہ اپنا آپ ہی حامد ہے

اے غنی در ذاتِ خود از ما سوائے خویشتن
خود تو میگوئی بحمد خود ثنا سے خویشتن

ترجمہ :- اے اپنے ماسوا سے اپنی ذات میں غنی! اپنی حمد تو خود ہی کر سکتا ہے۔

ف : الاربعین الادریسیہ میں ہے :

یا حمید الفعال ذاالمن علٰی جمیع خلقہ بلطفہ ۔

یعنی اے اپنے لطف و کرم سے سب پر احسان کرنے والے ۔

تونگری کا وظیفہ حضرت سُہروردی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو اس اسمِ حمید پر مداومت رکھے اور اسے بکثرت وِرد میں رکھے تو دنیوی اسباب سے مالا مال ہو جائے گا کہ اس کا دنیوی ساز و سامان گنتی سے باہر ہوگا ۔

تفسیر صُوفیانہ آیت میں ایک اشارہ ہے کہ سالک پر لازم ہے کہ وہ اپنے جملہ امور اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے اور بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر رکھے اور طلبِ حق میں اخلاص پیدا کرے اور ماسوی اللہ سے رُوگردانی اور توحید و طاعت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اس لیے کہ توحید و طاعت نیک خاتمہ پر مرنے کا بہترین سبب ہیں اور نیک خاتمہ سے ہی جنّت اور قربت و وصالِ الٰہی نصیب ہوتا ہے جیسے کفر، شرک، ریا اور شہرت کی خواہش بُرے خاتمہ پر مرنے کے اسباب ہیں اور بُرے خاتمہ پر جہنم اور عذابِ غلیظ اور فرقہ و قطیعہ حاصل ہوتی ہے۔

حضرت شیخ عطار رحمہ اللہ نے فرمایا : ؎

زر و سیم و قبول کاروبارت
نیاید در دم آخر بکارت
اگر اخلاص باشد آں زمانت
بکار آید وگرنہ وائے جانت

ترجمہ : زر و سیم اور دیگر دنیوی کاروبار تجھے مرنے کے وقت کام نہ دیں گے ۔ اگر تجھے اخلاص نصیب ہے تو تیرا کام بن جائے گا ورنہ بُرے خاتمہ سے ڈرو۔

بوستان میں ہے : ؎

۱ شنیدم کہ نابالغی روزہ داشت
بصد محنت آورد روزی بچاشت

۲ پدر دیدہ بوسید و مادر سرش
فشاندند بادام و زر برسرش

۳ چو بروے گزر کرد یک نیم روز
فتاد اندر روز آتش معدہ سوز

۴ بدل گفت اگر لقمہ چندے خورم
چہ داند پدر غیب یا مادرم

۵ چو روئے پسر در پدر بود و قوم
نہاں خورد و پیدا بسر برد صوم

۶ پس این پیر از اں طفل ناداں تر ست
کہ از بہر مردم بطاعت درست

ترجمہ: (۱) میں نے سُنا ہے کہ ایک نابالغ نے روزہ رکھا، سو مشقتوں سے چاشت تک پہنچایا۔

(۲) باپ نے آنکھیں چُومیں، ماں نے اس کا سر۔ اُنھوں نے بادام اور چاندی اس کے سر پر نچھاور کی۔

(۳) جب اس پر آدھا دن گزرا اس کے اندر معدہ کی آگ سے جلن پیدا ہوگی۔

(۴) اس نے دل میں کہا اگر میں چند لقمے کھاؤں، میرے باپ یا ماں غیب کو کیا جانیں۔

(۵) جبکہ لڑکے کا رُخ باپ اور قوم کی طرف تھا تو چپکے سے کھا لیا بظاہر روزہ پورا کر لیا۔

(۶) یہ بُوڑھا اس بچّہ سے بھی زیادہ ناداں ہے جو انسانوں کی خاطر عبادت میں لگا ہے۔

ف: احکامِ دین کو مضبوطی سے تھامنے کا دوسرا نام "العروۃ الوثقیٰ" ہے اور یہ دولت صرف اہلِ یقین کو نصیب ہوتی ہے اور یہ ایک ایسی مضبوط رسّی ہے جو کسی کے توڑنے سے نہیں ٹوٹتی، بخلاف دوسری رسّیوں کے کہ وہ بالآخر ٹوٹ ہی جاتی ہیں۔

دوسرا اشارہ اس آیت میں یہ ہے کہ یہ دنیا فانی ہے بلکہ اس کی عمر صرف ایک لمحہ ہے اگرچہ اہلِ دنیا اس کا بہت طویل زمانہ تصوّر کرتے ہیں۔ عاقل وُہ ہے جو اس دنیوی تمتع قلیل سے دھوکا نہیں کھاتا بلکہ وہ آخرت کے یوم طویل کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے ؎

دریغا کہ بگزشت عمرِ عزیز
بخواہد گزشت ایں دمے چند نیز
کنوں وقت تخمست اگر پروری
گر امید واری کہ خرمن بری

ترجمہ: افسوس ہے کہ عمر عزیز کا اکثر حصہ گزر گیا اور اس کا باقی حصہ ہوا کی طرح گزر جائے گا
ابھی تجھے فرصت ہے کہ تو اپنے لیے بیج بو لے اگر اس امید میں ہے کہ خرمن اٹھائے گا۔
تیسرا یہ کہ اپنی تقدیروں کو اللہ تعالیٰ خود ہی مقدر فرماتا ہے اور جملہ امور کا تدبیر کنندہ صرف وہی ہے
جملہ افعال و احوال اسی کی قدر و قضا پر چلتے ہیں۔ ناصح کو صرف تبلیغ ضروری ہے کسی کو کسی امر پر مجبور نہ کیا جائے
اور کسی کی تبلیغ کو قبول نہ کرنے سے مغموم و محزون بھی نہ ہو اس لیے کہ صیقل کرنے سے پتھر شیشہ نہیں ہو سکتا۔

توان پاک کردن ز زنگ آینہ
ولیکن نیاید ز سنگ آینہ

ترجمہ: شیشے کو ہی زنگ سے پاک (صاف) کیا جا سکتا ہے لیکن پتھر کو شیشہ نہیں بنایا جا سکتا۔
چوتھا یہ کہ اپنے علم پر عمل نہ کرنے والا عالم کہلانے کا حقدار نہیں بلکہ عند المحققین وہ جاہل ہے ؎

گر ہمہ علم عالمت باشد
بے عمل مدعی و کذابی

ترجمہ: تمام عالم دنیا کا علم حاصل کر لو اگر بے عمل ہو تو جھوٹے ہو اور خالی مدعی۔
پانچواں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اس لیے پیدا فرمایا کہ مخلوق اس سے فوائد حاصل کرے اسے اس کی تخلیق سے کوئی فائدہ نہیں اور نہ اسے ضرورت ہے۔ اس معنے پر طاعات و عبادات کے منافع بندوں کو ہی نصیب ہوں گے ان سے اللہ تعالیٰ کو کسی فائدہ کی حاجت نہیں اس لیے کہ وہ جملہ عالم سے مستغنی ہے نہ اس کی طاعات سے اُسے کوئی نفع ہے نہ ان کے معاصی و جرائم سے کوئی نقصان۔ یہ اس کی کرم نوازی ہے کہ وہ ایمان و طاعات کی ہدایت بخشے۔ اسلام و ایمان لاکر اور طاعت بجا لاکر بندوں کا اللہ تعالیٰ پر کوئی احسان نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے مخلص بندوں سے بنائے اور ہمیں محفوظ قلعے میں اپنی مدد و توفیق سے محفوظ فرمائے۔

تفسیر عالمانہ وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ یہ یہود کے سوال کا جواب ہے جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا یا وفدِ قریش کو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کریں وما اوتیتم من العلم الا قلیلا کا کیا مطلب ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے توراۃ کو نازل فرمایا اور اس میں ہر شے کا علم ہے اور مذکورہ بالا آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ توراۃ کے علوم کے علاوہ جملہ انسانوں کے جملہ علوم اگرچہ بہت زیادہ سہی لیکن بہ نسبت اللہ تعالیٰ کے علم کے ایک قطرہ ہے اور حضرت قتادہ نے فرمایا کہ جب مشرکین نے کہا کہ قرآنی تعلیم عنقریب ختم ہو کر مٹ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی۔
ف: من شجرۃ اسم موصول سے حال ہے۔ اور شجرۃ اس درخت کو کہا جاتا ہے جس کا تنا ہو۔ اور اس کا

مفرد ہونا اس لیے ہے کہ ہر ایک درخت سے علیحدہ علیحدہ قلمیں تیار کی جائیں اور دنیا کا کوئی درخت ایسا نہ ہو جسے قلم نہ بنایا جائے۔ اور القلم در اصل بمعنے کسی سخت چیز کو توڑنا جیسے ناخن وغیرہ۔ لیکن اب صرف اس شے سے مخصوص ہو گیا ہے جس سے لکھا جائے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ قلم کو اس لیے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے کہ اس کا سر کاٹ لیا جاتا ہے اور الاقلیم اسی سے ہے بمعنے زمین کا ایک حصہ۔ اسی لیے ناخن کاٹنے کو تقلیم الاظفار سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ف: القط و القد میں فرق یہ ہے کہ القط شے کو عرضاً کاٹنا اور القد شے کو طولاً کاٹنا۔ اور القطع بمعنے ایک جسم کا دوسرے جسم پر انداز ہو کر اسے جدا کر ڈالنا۔

اب معنی یہ ہوا کہ اگر ثابت ہو جائے کہ درخت قلمیں ہیں وَالْبَحْرُ حالانکہ بحرِ محیط باوجود اپنی وسعت پہنائی کے۔ بحرِ محیط سے وہ بحرِ اعظم مراد ہے جو تمام روئے زمین پر دریاؤں کا سرچشمہ ہے خواہ وہ دریا متصل ہیں یا منفصل۔ اور اس بحرِ اعظم کا ساحل (کنارہ) کسی کو معلوم نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اس کے عمق کو جانتا ہے اور یہ زمین پر چلنے والے دریا، اس کے مقابل چھوٹی جھیلیں ہیں۔

تختِ ابلیس کہاں ہے

ابلیس کا تخت اسی بحرِ اعظم میں ہے اسی بحرِ اعظم کے اوپر کے حصے (پانی) پر بڑے بڑے شہر آباد ہیں جن کے مکین جنّات ہیں اور وہ شہر پانی کی اتنی مقدار پر آباد ہے جتنا زمین کا چوتھائی حصہ ویران ہے۔ اسی بحرِ اعظم میں مرجان کا درخت ہے۔ جیسے باقی اشجار زمین پر ہیں۔ اس بحرِ اعظم میں بہت بڑے جزیرے ہیں جن میں آبادیاں ہیں اور بہت سے ایسے جزیرے بھی ہیں جو غیر آباد ہیں، جن کی تعداد کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ البحر مبتدا اور یَمُدُّہٗ اس کی خبر ہے اور یمدہ بمعنے یزیدہ ہے۔ یعنی اس دریا کے پانی کو سیاہی بنا دیا جائے۔ یہاں مداد بول کر ذات مداد مراد لی گئی ہے اسی لیے سیاہی کو علیحدہ نہیں لایا گیا مِنْۢ بَعْدِہٖ اس کے ختم ہونے یعنی مٹ جانے کے بعد سَبْعَةُ اَبْحُرٍ سات دریا جیسے بحرِ چین، بحرِ تبت، بحر الہند، دریائے سندھ، بحرِ فارس، بحر المشرق، بحر المغرب (واللہ تعالیٰ اعلم)

ف: اسئلۃ الحکم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو ہفت اقلیم اور سات دریاؤں سے زینت بخشی ہے۔

ف: مفسرین دریاؤں کی گنتی کے درپے نہیں ہوئے ہم نے ایک دوسری جگہ پر تحقیق لکھ دی ہے نیز یہ بھی ممکن ہے کہ سات دریاؤں سے:

۱۔ فرات

۲۔ دجلہ	۵۔ جیحان
۳۔ سیحان	۶۔ جیحون
۴۔ سیحون	۷۔ نیل

مراد ہوں اس لیے کہ اہلِ عرب بہت زیادہ پانی کو البحر کہتے ہیں۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ سات دریاؤں کی طرح اور سات دریا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سات کے عدد سے گنتی مراد نہیں بلکہ اس سے کثرت مراد ہے۔

ف : الارشاد میں ہے مسّ کا اسناد بحر اعظم کی بجائے الا بحر السبعۃ کی طرف اس لیے ہے کہ یہی ساتوں دریا پہاڑوں اور جاری چشموں کے قریب ہیں۔ پہلے نہروں کا تعلق انہی دریاؤں سے ہوتا ہے پھر بالواسطہ بحر اعظم سے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اس سیاہی میں سات دریاؤں کی سیاہی کا ہمیشہ اضافہ ہوتا رہے اور ان سے قلم کلمات اللہ لکھتے رہیں **مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ** تو اللہ تعالیٰ کے علم وحکمت کے متعلقات تو ختم نہیں ہوں گے البتہ قلم اور سیاہی ضرور ختم ہوجائیں گے۔ اس کی تحقیق ہم نے سورۃ کے اواخر میں بیان کردی ہے۔ یعنی قل لوکان البحر مداداً الآیۃ کے تحت سورۂ کہف کو دیکھئے۔

نکتہ : کلمٰت کو جمع قلت لانے میں اشارہ ہے کہ جب اس کے قلیل کلمات کا یہ حال ہے تو پھر کلماتِ کثیرہ کا کیا حال ہوگا۔

تفسیرِ صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اگر زمین کے جملہ اشجار قلم اور تمام دریا سیاہی ہوجائیں، پھر ان کی مقدار کاغذ لکھنے کے لیے تیار کیے جائیں اور پھر لکھنے والے لکھنے لکھتے قلم توڑ ڈالیں اور سیاہی ختم کردیں اور تمام کاغذات صرف ہوجائیں اور لکھنے والوں کی زندگیاں ختم ہوجائیں تب بھی کلماتِ الٰہیہ کے معانی ختم نہ ہوسکیں گے اس لیے کہ یہ اشیاء اگرچہ کثیر ہیں پھر بھی متناہی ہیں اور کلماتِ الٰہیہ کے معانی غیر متناہی ہیں کیونکہ یہ قدیم ہیں اور وہ حادث، اور متناہی غیر متناہی کو کس طرح پُورا کرسکتا ہے اور آیت میں صاف ظاہر ہے کہ قرآن مجید قدیم ہے اس لیے کہ غیر متناہی ہونا قدیم کی صفت ہے۔ اور قرآن مجید کی حقانیت کے بارے میں مروی ہے :

ولا تنقضی عجائبہ۔

(اس کے عجائبات نہ ختم ہونے والے ہیں)

یعنی کوئی بھی ان کے معانی عجیبہ اور فوائد کثیرہ کی کُنہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

شانِ اولیاء

آیت میں اشارہ ہے کہ کلماتِ الٰہیہ یعنی اولیاء اللہ کے کلمات اور ان کے علوم غیر منقطع ہیں اس لیے کہ ان کے علوم وحکمتیں حق تعالیٰ کے چشمۂ حکمت سے حاصل شدہ ہیں جب چشمہ غیر منقطع ہے تو اس کا پانی بھی لازماً غیر منقطع ہوگا اور اولیاء کرام کے علوم اور حکمتوں کا انقطاع ہو بھی کیسے، جبکہ انھیں ان علوم وحکمتوں کی تلقین اور فیض رب العالمین اور اس کے خزینوں سے نصیب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے خزانے غیر منقطع ہیں جیسا کہ آیت مذکورہ سے ثابت ہے۔

ف: بعض عارفین کو تجلی برقی نصیب ہوتی ہے کہ انھیں ایک لمحہ میں غیر متناہی علوم نصیب ہوجاتے ہیں۔ پھر جسے ایک لمحہ میں اتنے علوم نصیب ہوجائیں اس کے عمر بھر کے حاصل کردہ علوم کا کیا حال ہوگا!

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ بے شک اللہ تعالیٰ غالب ہے کہ اسے کوئی شئے عاجز نہیں کرسکتی حَکِیۡمٌ حکیم ہے کہ اس کے علم و حکمت کوئی شئے خارج نہیں اسی لیے اس کے وہ کلمات جن کی بنیاد ان دو کلموں پر ہے کبھی ختم نہیں ہوسکتے۔

وظیفہ برائے عزت و غنا ظاہری و باطنی جو شخص چالیس بار لفظ عزیز کا چالیس دن ورد رکھے اسے عز و غنا ظاہری و باطنی اس قدر نصیب ہوگا کہ وہ کسی کا محتاج نہ ہوگا۔ اس اسم کے تمسک سے تقربِ الٰہی نصیب ہوتا ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جملہ مخلوق سے اپنے آپ کو رفیع الہمۃ بنائے اور ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔

وظیفہ برائے دفع المہمات جو شخص اسم حکیم کو بہت زیادہ پڑھے گا وہ جملہ آفات و مصائب اور پریشانیوں سے محفوظ رہے گا اور بابِ حکمت اس پر منکشف ہوجائے گا۔ اس کے معنوی تمسک سے تقربِ حق حاصل ہوتا ہے اور اس کا معنوی تمسک یہ ہے کہ جملہ امور میں حکمتِ الٰہی کی رعایت کرکے شرعی حکم کو مقدم رکھے۔ اگر شریعت اور طبیعت یعنی خواہش نفسانی کا مقابلہ ہوجائے تو شریعت کے حکم کو ترجیح دے اور اس اسم سے موصوف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حکمت کا سرچشمہ بن جائے اور حکمت اصابۃ القول والفعل کو کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت لقمان کے قصے میں گزرا۔

ف: انہار و بحار اور جزائر وغیرہا کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں جو اس کی عظیم الشان شاہی اور وسعت سلطانی پر دلالت کرتی ہیں۔ ہر دریا اور ہر جنگل میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے جو عبادتِ الٰہی میں مصروف ہے۔

حکایت حضرت سکندر رحمہ اللہ کے جزیرے میں پہنچے یہ ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے اس میں ایک قوم کو دیکھا جن کے لباس درختوں کے پتے اور ان کے گھر پہاڑوں کی غاروں اور بڑے پتھروں میں ہیں۔ حضرت سکندر نے ان سے مسائلِ حکمت کے متعلق سوالات کیے تو انہوں نے ان کے بہترین جوابات دئے اور نہایت فصیح و بلیغ گفتگو کی اس لیے کہ وہ اسمِ حکیم کے مظاہر ہیں۔ حضرت سکندر نے فرمایا: کوئی ضروریات درپیش ہوں تو انہیں پورا کرو۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم آپ سے دنیوی زندگی کا دوام چاہتے ہیں۔ حضرت سکندر نے فرمایا: یہ میرے بس میں نہیں اس لیے کہ میں تو صرف ایک سانس کو بھی اپنے قابو میں نہیں لا سکتا جسے اس قدر بھی قدرت نہ ہو تو اسے دائمی زندگی دینے کی طاقت کہاں! پھر ان کے امیر نے فرمایا کہ ہمیں صحت بدنی دیجئے جب تک ہم زندہ رہیں تندرست اور باعافیت زندگی بسر کریں۔ حضرت سکندر نے فرمایا: یہ بھی میرے بس میں نہیں۔ پھر انہوں نے فرمایا: ہمیں بتائیے کہ ہماری بقایا زندگی کتنی ہے۔ حضرت سکندر نے

فرمایا: جب میں اپنی زندگی کے متعلق نہیں جانتا تو تمہارے لیے کیا کہہ سکتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا، پھر ہمیں اپنے حال پہ رہنے دیجئے ہم اس کا سوال اس ذات سے کریں گے جو بہت بڑی قدرت کا مالک ہے اور تیری شاہی و سلطنت کو اس کی شاہی اور سلطنت سے کوئی بھی نسبت نہیں۔

حکایت جب حضرت سکندر جزیرۂ حکماء میں تشریف لے گئے اور ان کے ساتھ مذکورہ بالا گفتگو سے فراغت پائی تو لوگ ان کے لشکر کو غور سے دیکھتے اور اس کی کثرت اور شان و شوکت سے تعجب کر رہے تھے ان میں ایک درویش تھا جو سر جھکائے بیٹھا تھا۔ حضرت سکندر نے فرمایا کہ آپ میرے لشکر کو کیوں نہیں دیکھتے۔ درویش نے فرمایا کہ میں آپ سے پہلے ایک بہت بڑے بادشاہ اور اس کے لشکر کا حال دیکھ چکا ہوں اب مجھے تیرے لشکر کو دیکھنے کی حاجت نہیں۔ حضرت سکندر نے فرمایا: وہ کیسے؟ درویش نے فرمایا کہ ہمارے ہاں ایک بادشاہ اور ایک درویش رہا کرتے تھے وہ ایک ہی دن فوت ہوئے اور ہم نے انہیں دفن کر دیا۔ ایک مدت کے بعد میں ان کی قبروں کے پاس سے گزرا تو مجھے دونوں برابر نظر آئے ان میں امیر و غریب کا کوئی فرق نہیں تھا۔ حضرت سکندر ان کی حکمتوں سے متاثر ہوئے اور انہیں اسی حال پر چھوڑ کر واپس چلے گئے۔

حضرت شیخ عطار رحمہ اللہ نے فرمایا: ؎

۱ چہ ملکت ایں و تو چہ پادشاہی
که با شیر اجل بر می نیائی

۲ اگر تو فی المثل بہرام زورے
بروز واپسیں بہرام گورے

۳ چو ملک ایں جہاں ملکے رونده است
بملک آں جہاں شد ہر کہ زنده است

۴ اگر آں ملک خواہی ایں فدا کن
که با براهیم ادهم اقتدا کن

۵ رباط کہنۂ دنیا در انداخت
جہانداری بدرویشی فرد باخت

۶ اگرچہ ملک دنیا پادشاہیست
ولی چوں بنگری اصلش گدائیست

ترجمہ: (۱) یہ ملک کیا ہے، تو کیسا بادشاہ ہے کہ تو اجل کے شیر سے مقابلہ نہیں کر سکتا۔
(۲) فرض کیا کہ تو بہرام کی طرح زور والا ہے لیکن مرنے کے بعد تو قبر کا بہرام ہے۔

(۳) جب یہ ملک لامحالہ فانی ہے تو جو زندہ ہے وہ اس جہان میں ضرور جائے گا۔

(۴) اگر وہ (آخرت کا) ملک چاہتا ہے تو تُو یہ ملک فدا کر دے۔ ابراہیم ادھم کی اقتدا کیجئے۔

(۵) اُس نے دنیا کی پُرانی رباط توڑ ڈالی، درویشی کی شاہی حاصل کر لی۔

(۶) اگرچہ یہ دُنیوی بادشاہی بھی بادشاہی ہے لیکن بغور دیکھو تو یہ گدائی ہے۔

مَا خَلْقُكُمْ تمہارا پیدا کرنا۔

تفسیر عالمانہ شانِ نزول: مقاتل اور قتادہ نے فرمایا کہ کفارِ قریش نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری پہلی تخلیق میں مختلف طریقے بتائے کہ پہلے نطفہ پھر مضغہ پھر لحم وغیرہ۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ ہماری موت کے بعد ہمیں کیسے اٹھائے گا اور ہم ایک ہی ساعت کس طرح اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسے انسان! تمہاری کثرت کے باوجود نہیں ہے قیامت میں تمہارا اٹھانا۔

ف: کاشفی نے اہلِ مکہ کو مخاطب لکھا ہے۔

وَلَا بَعْثُكُمْ اور نہ ہی تمہارا قبور سے زندہ کر کے اٹھانا **اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ** مگر ایک ہی لمحہ میں۔ یعنی وُہ اللہ تعالیٰ کے لیے نہایت آسان ہے اس لیے کہ اس کے لیے مختلف کیفیات کچھ نہیں ہیں بس جملہ اشیاء اس کے ارادہ و مشیت کی پابند ہیں وُہ جیسے چاہے کر سکتا ہے قلیل و کثیر اس کے آگے برابر ہیں وُہ جب کُن فرماتا ہے تو فوراً وہ اشیاء موجود ہو جاتی ہیں۔

ف: حضرت کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ کو تخلیق کے متعلق آلات و ادوات کی ضرورت نہیں بلکہ وہ قیامت میں اسرافیل علیہ السلام سے فرمائے گا کہ صور پھونکیے۔ ان کے صور پھونکنے سے جملہ اہلِ قبور اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ اسے یُوں سمجھیے کہ دُنیا میں ایک بادشاہ نقارہ بجانے کا حکم فرماتا ہے تو جونہی نقارہ بجتا ہے فوراً ایک ہی ساعت میں جملہ افراد اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بیشک اللہ تعالیٰ ہر مسموع کو سنتا ہے۔ منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے جو کفار قیامت میں زندہ اُٹھنے کو بعید از عقل سمجھ کر انکار کر رہے ہیں **بَصِيْرٌ** ○ ہر مبصر کو دیکھتا ہے اس کے علم سے کوئی پوشیدہ نہیں منجملہ ان کے یہی مرنے کے بعد جی اٹھنا بھی ہے۔ بعض نے اس کا معنیٰ کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ احیاء و اموات کے احوال کو جانتا ہے۔

پس بقدرت چنیں کس عجز را راہ نیست
قدرت بے عجز ندادے بکس
قدرت بے عجز تو داری و بس

ترجمہ ، ایسی ذات کے ہاں عجز کا نام نہیں ۔ اے اللہ! جسے بھی تُو نے قدرت دی ہے تو اس کے ساتھ اس کا عجز بھی ہے اور تیری قدرت میں تو عجز کا نام و نشان تک نہیں ۔

اَلَمْ تَرَ یہ خطاب اسے ہے جو علم قوی رکھتا ہو اور اس خطاب کا اہل ہو ۔ اور رؤیۃ بمعنے علم ہے یعنی اے مخاطب! تمہیں معلوم نہیں کہ اَنَّ اللّٰہَ بیشک اللہ تعالیٰ اپنی قدرت و حکمت سے یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ ۔ الوج بمعنے تنگی میں داخل ہونا اور ایلاج بمعنے ادخال ہے۔ یعنی اللہ تعالےٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے یعنی رات کی گھڑیوں کو دن کی گھڑیوں میں بڑھاتا ہے ۔ مثلاً مطالع و مغارب شمس کے مختلف ہونے کی وجہ سے رات گھٹ جاتی ہے اور دن بڑھ جاتا ہے ۔ یعنی نقطۂ شتوی میں نزولِ آفتاب سے نقطۂ انقلاب صیفی کے حلول تک رات کے اجزا کم ہوتے رہتے ہیں اور دن کے اجزا بڑھتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جدی کا پہلا دن سال کے دنوں میں سب سے چھوٹا اور سرطان کا پہلا دن سال کے دنوں میں سب سے بڑا ہوتا ہے ۔ یہ دن پندرہ گھنٹوں کا اور رات نو گھنٹوں کی ہو جاتی ہے ۔

لیل و نہار کی وجہ تسمیہ

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ لیل کو لیل کیوں کہا جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا :

لانہ مال الرجال من النساء جعلہ اللہ الفۃ و مسکنا و لباسا ۔

(اس لیے کہ اس میں مرد اپنی عورت سے مقاصد پاتا ہے اسی کو الفت کا سبب اور مسکن اور لباس بنایا ہے)

انہوں نے عرض کی : یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ! آپ نے سچ فرمایا ۔ (پھر عرض کی کہ) نہار کی وجہ تسمیہ کیا ہے ؟

آپ نے فرمایا :

لانہ محل طلب الخلق لمعایشھم و وقت سعیھم و اکتسابھم ۔

(اس میں لوگ اپنی معاش حاصل کرتے ہیں اور ان کے مساعی و اکتساب کا وقت ہے)

انہوں نے عرض کی : (اے حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم !) آپ نے سچ فرمایا ۔

وَیُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ اور اللہ تعالیٰ دن کو رات میں داخل کرتا ہے ۔ یعنی اس کے بعض اجزا رات میں داخل کرتا ہے ۔ یعنی سردیوں میں دن کی گھڑیوں کو رات کی گھڑیوں میں شامل فرماتا ہے

جیسا کہ مطالع و مغارب کے مختلف سے دن کی کم یہاں تک کہ جوزا کی آخری رات تمام راتوں سے چھوٹی اور قوس کی تمام راتوں میں سب سے بڑی ہوتی ہے۔ یہ رات پندرہ گھنٹوں کی اور دن نو گھنٹوں کا ہو جاتا ہے۔

اعجوبے ہم نے ایسے ممالک بھی دیکھے ہیں جن کے موسم کا یہ حال ہے کہ سال میں دو ربیع اور دو صیف اور دو خریف اور دو شتا واقع ہوتے ہیں یہ مملکت خطِ استواء میں واقع ہے اور بعض ممالک ایسے ہیں جن میں رات چھ ماہ اور دن چھ ماہ کا ہوتا ہے۔ بعض ممالک سخت گرم اور بعض سخت سرد ہیں ہارون الرشید کے زمانے میں اقالیم سبعہ میں تین سو تینتالیس مملکتیں تھیں۔ ان میں بعض ممالک کا حدود اربعہ صرف تین دن کی مسافت تھی اور یہ تمام ممالک میں سب سے چھوٹی مملکت تھی اور ان کی سب سے بڑی مملکت کی مسافت تین ماہ میں طے ہوتی۔ اور مملکت اس علاقے کا نام ہے جس کا مستقل بادشاہ ہو۔

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اور سورج وچاند کو مسخر فرمایا بایں طور کہ وہ خلقِ خدا کے منافع کا سبب ہیں۔

شمس و قمر مومن یا کافر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ سورج وچاند مومن ہیں یا کافر؟ آپ نے فرمایا: وہ مومن ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہیں اور اپنے مالک کے فرماں بردار ہیں۔ انہوں نے عرض کی: آپ نے سچ فرمایا۔ پھر عرض کی کہ سورج اور چاند ضوء و نور میں برابر کیوں نہیں؟ آپ نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رات کی نشانی مٹا کر دن کو زیادہ روشن فرمایا۔ یہ بھی اس کا ایک لطف و کرم ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پتا نہ چلتا کہ دن اور رات میں فرق کیا ہے اس کا یولج پر عطف ہے اور ان میں صیغے کا اختلاف اسی لیے ہے کہ رات کا دن میں اور دن کا رات میں داخل ہونا امر متجدد ہے یعنی کبھی دن اور کبھی رات لیکن تسخیر الشمس والقمر دائمی اور لا تعداد ہے اور ان میں تجدد بھی نہیں۔ ہاں تجدّد و تعدّد ان کے آثار میں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا **کُلٌّ** ہر ایک سورج اور چاند **یَّجْرِیْ** بحسب حرکۃ خاصہ قسریہ کے اپنے یومیہ مدارات پر جاری ہوتے ہیں اور ان کا جاری ہونا بحسب تعدادِ ایام ایک دوسرے کے مخالف اور دائمی ہے **اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی** ایک مقرر میعاد تک، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مقدر میں فرمایا، یعنی قیامت تک۔

سورج اور چاند کی موت حضرت حسن سے مروی ہے کہ ان کا جاری ہونا قیامت تک ہے۔ اس کے بعد جب ان پر مؤکلین ملائکہ مرجائیں گے تو یہ بمنزلہ جسم بے جان کے ہو کر گریں گے اور جہنم میں چلے جائیں گے تاکہ ان لوگوں کو عبرت ہو جو ان کی پرستش کرتے تھے۔ انہیں اب پتہ چلے گا کہ جب وہ اپنے سے عذابِ نار دفع نہیں کر سکتے تو ہمارے لیے کیا کر سکتے ہیں۔ فلہٰذا یہ تو پرستش کے لائق نہیں تھے۔ لیکن اب کیا فائدہ! جبکہ یہی عقیدہ انہیں دنیا میں اپنانا ضروری تھا۔

ف : بطریقِ استطراد واقعہ کے بیان کرنے کے لیے یہ دو معطوفوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔
ف : ان کے جریان (جاری ہونے) سے ان کی وہ حرکت خاص مراد ہے جو ان کے افلاک میں ہے اور اجل مسمی سے ان کے دورے کا آخری لمحہ مراد ہے۔

جن منازل کو سورج سال بھر میں طے کرتا ہے چاندا سے ایک ماہ میں طے کر لیتا ہے۔ اس معنے
اعجوبہ پر یہ جملہ سورج و چاند کی تسخیر کے حکم کو بیان کرنے کے لیے ہے اور ظاہر کیا گیا ہے کہ دن اور رات ایک دوسرے میں کس طرح داخل ہوتے ہیں اور واضح کیا گیا ہے کہ سورج اور چاند کے اپنے مداراتِ یومیہ میں بدلنے کی وجہ سے رات اور دن بنتے ہیں۔

وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ۝ اور بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی کُنہ کو جانتا ہے اس کا عطف یولج الیل الخ پر ہے یہ بھی اس کے ساتھ حیز رُؤیۃ میں داخل ہے اس لیے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کی عجیب صنع اور تدبیر لائق کو معلوم کرے گا وُہ اس سے بے خبر نہیں رہ سکے گا کہ وہ واقعی ہر شئے کا صانع اور اس کا علم تمام چھوٹے اور بڑے اعمال کو محیط ہے ذٰلِكَ یہ اللہ تعالیٰ کی وسعتِ علمی اور شمول قدرت و عجائب صنع اور ان کا اختصاص بہ باری تعالیٰ کی طرف اشارہ ہے بِاَنَّ اللّٰهَ بسبب اس کے کہ اللہ تعالیٰ هُوَ الۡحَقُّ اس کی الٰہیت حق ہے وَاَنَّ مَا يَدۡعُوۡنَ اور وُہ جو پرستش کرتے ہیں مِنۡ دُوۡنِهٖ ماسوا اللہ تعالیٰ کے یعنی بت پرستی الۡبَاطِلُ باطل ہے ان کی الٰہیت، اس لیے کہ وُہ شے پر بھی قدرت نہیں رکھتے اس لیے ان کی پرستش میں کسی قسم کا فائدہ نہیں۔

سوال : جب اللہ تعالیٰ کی الٰہیت کی حق الٰہیۃ کی تصریح دلائل سے فرمائی تو پھر غیروں کی الٰہیت کے بطلان کی کیا ضرورت ہے ؟

جواب : تاکہ توحید باری تعالیٰ کا مہتم بالشان ہونا ثابت ہو۔

وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡعَلِىُّ اور بیشک اللہ تعالیٰ ہر شے سے بلند وارفع ہے الۡكَبِيۡرُ ۝ ہر شے پر غالب ہے۔ اس کی شانِ کبریائی کے مقابلے میں ہر شے حقیر اور لاشئے ہے۔

ف : شرح حزب البحر میں ہے کہ جسے معلوم ہوگا کہ العلی وُہ ہے جو علوِ شان اور جلالۃ کے اعتبار سے ہر شے سے بلند وارفع ہے تو اس کی ہمت اللہ تعالیٰ کی طرف بڑھے گی اور وہ صرف اسی کو اختیار کرے گا بلکہ بلند قدر امور کو چاہے گا اور ذلیل و حقیر ترین امور سے نفرت کرے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بلندیِ ہمت بھی ایمان کی علامت ہے ؎

ہمائی چوں تو عالی قدر حرص استخوان حیفست ۔۔۔ دریغا سایۂ ہمت کہ برنا اہل افگندی

ترجمہ : تو ہما ہے اور بہت بڑا بلند قدر، پھر تجھے ہڈیوں کی تلاش کا بڑا افسوس ہے اس لیے کہ تُو نے ایسی ہمتِ بلند کو نا اہل پر ڈال دیا۔ (بقیہ صفحہ ۳۰۳)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِیُرِیَكُمْ مِّنْ اٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ

کیا تو نے نہ دیکھا کہ کشتی دریا میں چلتی ہے اللہ کے فضل سے تاکہ تمہیں وہ اپنی کچھ نشانیاں دکھائے۔ بیشک اس میں نشانیاں ہیں ہر بڑے

لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۱﴾ وَ اِذَا غَشِیَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ۬ فَلَمَّا

صبر کرنے والے شکر گزار کو اور جب ان پر آ پڑتی ہے کوئی موج پہاڑوں کی طرح تو اللہ کو پکارتے ہیں نرے اسی پر عقیدہ رکھتے ہوئے

نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَ مَا یَجْحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾

پھر جب انہیں خشکی کی طرف بچا لاتا ہے تو ان میں کوئی اعتدال پر رہتا ہے اور ہماری آیتوں کا انکار نہ کریگا مگر ہر بڑا بے وفا ناشکرا

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَ اخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۫ وَ لَا مَوْلُوْدٌ

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو جس میں کوئی باپ اپنے بچہ کے کام نہ آئے گا اور نہ کوئی کامی بچہ اپنے

هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ٙ وَ لَا

باپ کو کچھ نفع دے بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے تو ہرگز تمہیں دھوکا نہ دے دنیا کی زندگی اور ہرگز

یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ ۚ وَ یَعْلَمُ

تمہیں اللہ کے علم پر دھوکا نہ دے وہ بڑا فریبی بے شک اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم اور اتارتا ہے مینہ اور جانتا ہے

مَا فِی الْاَرْحَامِ ؕ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّا ذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ

جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل کیا کمائے گی۔ اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین

اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ﴿۳۴﴾

میں مرے گی بے شک اللہ جاننے والا بتانے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ اس رؤیت سے مشاہدہ و معائنہ مراد ہے اور خطاب ہر اس شخص کو ہے جو اس کا اہل ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کشتیاں تَجْرِیْ جاری ہوتی ہیں۔ المفردات میں ہے کہ الجری بمعنے المر السریع یعنی تیز چلنا فِی الْبَحْرِ دریا میں بِنِعْمَتِ اللّٰهِ یہ باء صلہ کی ہے اور تجری کے متعلق ہے یا حال ہے اور اس کا متعلق محذوف ہے اور یہ اسی متعلق کے فاعل سے حال ہے اور وہ محذوف متلبستہ ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور احسان و کرم سے چلتی ہیں یعنی انسانی ضروریات کے لیے سامان وغیرہ لے کر چلتی ہیں۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ کا احسان کرم یہ ہے کہ کشتیوں کو پانی پر محفوظ رکھتا ہے اور ان کے چلانے کے لیے ہوا کو مقرر فرماتا ہے۔ اور الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ نعمت بمعنے رحمت ہے یعنی اللہ تعالےٰ کی رحمت سے کشتیاں پانی پر تمہاری سواری بن کر چلتی ہیں تاکہ ایک دوسرے کی ملاقات کے لیے تمہیں سہولت ہو۔

لِیُرِیَکُمْ تاکہ تمہیں دکھائے مِنْ اٰیٰتِہٖ اپنے بعض آیات جو اس کی وحدت وعلم وقدرت پر دلالت کریں۔ اس طرح بعض عجائبات، تاکہ تم اس کی توحید کو سمجھ سکو۔ اس کا ظاہری معنیٰ تو یہ ہے کہ وہ کشتی کی سواری سے دریا کو بسلامت عبور کر جاتے ہیں۔ چنانچہ تاجر سے پوچھا گیا کہ تُو نے دریا کے عجائبات سے کون سا بہتر عجوبہ دیکھا؟ اس نے جواب دیا، میرا دریا کو بسلامت عبور کر جانا بہتر عجوبہ ہے۔ اور اس کا باطنی معنیٰ یہ ہے کہ سالک لوگ شریعت کی کشتی پر طریقت کے ملاح کے ذریعہ سے حقیقت کے دریا کو عبور

ف: جس نے اپنے رب کی کبریائی کو جانا اور اپنی خودی کو فراموش کیا تو اسے تواضع وانصاف کا دامن نصیب ہوگا اور حفظِ حرمت اسے لازم ہوگی۔ اور الاربعین الادریسیہ میں ہے کہ اے وہ ذاتِ کبریا! کہ تیری عظمت کے وصف سے عقول کو ادراک نہیں ہو سکتا۔

وسعتِ رزق اور ادائیگیٔ قرض کا وظیفہ

حضرت سُہروردی رحمہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ جو شخص اِن دونوں اسموں پر کثرت سے مداومت کرے گا تو اس کا قرض ادا ہو جائے گا اور اس کے رزق میں وسعت ہو گی۔

ملازمت سے برطرفی کے بعد بحال ہونے کا وظیفہ

جو شخص کسی عُہدہ سے معزول ہو تو وہ ان دو اسموں کو ہفتہ تک وظیفہ کے طور ایک ہزار بار روزانہ پڑھے ملازمت بحال ہو جائے گی اگرچہ بادشاہی سے ہی معزول ہو۔

تفسیرِ صُوفیانہ

وان ما یدعون الخ میں اشارہ ہے کہ ما سوی اللہ کی طلب باطل ہے اسی لیے لازم ہے کہ اسے اضطراری موت سے پہلے اپنے اختیار سے ترک کرے اور العلی الکبیر کی طلب مرنے سے پہلے ہی کر لے ؎

۱ مکن عمر ضائع بافسوس وحیف
که فرصت عزیز است والوقت سیف

۲ نگہ دار فرصت کہ عالم دمیست
دمے پیش دانا بر از عالمیست

ترجمہ: (۱) افسوس وحیف کے ساتھ عمر ضائع نہ کرو اس لیے کہ فرصت عزیز اور وقت تلوار ہے۔

(۲) فرصت کو نگاہ میں رکھو اس لیے کہ جہاں صرف ایک آن ہے اور دانا کے نزدیک ایک گھڑی تمام جہان سے بہتر ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے اپنی کوتاہی دُور ہونے کا سوال کرتے ہیں۔

کرتے ہیں اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ بیشک اس مذکور یعنی کشتی اور دریا کے معاملہ میں لَاٰیٰتٍ ذاتی طور پر بہت بڑی اور اَن گنت آیات ہیں لِّکُلِّ صَبَّارٍ ہر انسان کے لیے جو مشقتوں اور تکلیفوں پر بہت صبر کرنے والا ہے یہاں تک کہ وہ اس سے آفاق و انفس میں اپنے نفس کو تفکر کے رنج و محنت میں ڈالتا ہے شَکُوْرٍ ۝ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر بہت زیادہ شکر کرتا ہے یہ دونوں اہلِ ایمان کی صفتیں ہیں گویا یہ اس اہلِ ایمان کے لیے کہا گیا ہے جو ان اوصاف سے موصوف ہو اس لیے کہ اہلِ ایمان کی بہتر صفات صبر اور شکر ہیں۔ ایمان کے دو حصے ہیں، صبر اور شکر۔

صبر کی تفصیل بقدرِ قوت بدنیہ مشقتوں کو اٹھانا، افعال میں جیسے چلنا اور پتھر اٹھانا ایسے امور سے اجسام پر مشقت پڑے تو اُف نہ کی جائے اور انفعال میں جیسے مرض پر صبر کرنا اور کسی کی مار کو برداشت کرنا اور کسی عضو کے کٹنے پر اُف نہ کرنا۔ لیکن مذکورہ بالا صورتوں پر صبر کرنا علی الاطلاق فضیلت نہیں رکھتا بلکہ فضیلت اس صبر میں ہے جس میں اصلاحِ طبیعت مقصود ہو اور اصلاحِ نفس کی خاطر طاعاتِ الٰہی پر صبر کرنا۔

خلاصہ یہ کہ صبر کڑوی دوا کی طرح روحانی امراض کا بہتر علاج ہے اور اس میں بہت بڑے منافعے ہیں ؏

طبیب شربتِ تلخ از برائے فائدہ ساخت

ترجمہ: طبیب نے فائدہ کے لیے کڑوی دوائی تیار کی ہے۔

شکر کسے کہتے ہیں : قلب میں نعمت کے تصور اور منعم کی زبان سے تعریف اور اعضاء سے اس کی خدمت کا نام شکر ہے۔ صبر سالک کی ابتدا اور شکر اس کا منتہیٰ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شکر صبر سے افضل ہے۔ اس لیے کہ صبر سے اتنا ہوتا ہے کہ جزع فزع کو ترک کیا جاتا ہے اور شکر میں ایک پوشیدہ امر کا اظہار ہوتا ہے۔ حقیقی صبر کرنے والے بہت تھوڑے ہوتے ہیں اس لیے کہ عموماً انسان کسی طریقہ سے جزع فزع کر ہی لیتا ہے اور بہت تھوڑے لوگ ہیں جو مصائب و تکالیف کو برداشت کر کے نفس کو قابو میں لا سکیں۔ بہت سے لوگ صبر و شکر کے درمیان فرق نہیں سمجھتے۔ ظاہر ہے کہ تکالیف و مصائب کے وقت نفس کو قابو میں لا کر جزع فزع نہ کرنے کا نام صبر ہے اور انہی مصائب و تکالیف کو نعمتِ الٰہی سمجھنے کو شکر کہا جاتا ہے۔ اولیاء کرام کی شان میں کیا خوب فرمایا گیا ہے: ؎

۱ خوشا وقت شوریدگانِ غمش
اگر زخم بینند اگر مرہمش

۲ دما دم شرابِ الم در کشند
وگر تلخ بینند دم در کشند

۴ نہ تلخ است صبرے کہ بر یاد اوست
کہ تلخی شکر باشد از دست دوست

ترجمہ : (۱) اس غم میں شوریدہ حال لوگ بہت خوب کہ اگر اس سے زخم کھاتے یا مرہم پاتے ہیں۔
(۲) وہ دائمی طور پر شراب غم پیتے ہیں اگرچہ تلخی پاتے ہیں تاہم خوش ہوتے ہیں۔
(۳) صبر کڑوا نہیں جب اس کی یاد میں ہو بلکہ تلخی شکر کی طرح میٹھی ہوتی ہے جب دوست کے ہاتھ سے نصیب ہو۔

وَاِذَا غَشِيَهُمْ۔ غشی بمعنے ستر و علو۔ مثلاً کہا جاتا ہے : غشیہ ای سترہ و علاہ۔ اور ھُم کا مرجع مطلقاً کشتی سوار ہیں یا صرف کفار۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ جب ان پر چڑھ جاتی اور ڈھانپ لیتی اور گھیر لیتی ہے **مَّوْجٌ** ہر وہ شے جو پانی کے اُوپر ہو گا **كَالظُّلَلِ** سایوں کی طرح یعنی جیسے پہاڑ یا بادل سایہ کرتے ہیں۔ اب مطلب یہ ہوا کہ جب موج دریا جو بڑا ہوتے میں سائبانوں یا پہاڑوں یا بادلوں کی طرح ہے ان پر چڑھ جاتی ہے۔

حلِ لغات : الظلل ' الظلہ (بالضم) کی جمع ہے بمعنے سائبان۔ چنانچہ المفردات میں ہے الظلہ ہر وہ شے جو صفہ کی شکل میں ہو۔ اسی معنے پر الظلل کو محمول کیا جاتا ہے۔ یعنی وہ الظلل جو اسی آیت موج کالظلل میں واقع ہوا ہے اور الظلل جمع ہے اس لیے موج وہ ہے جو یکے بعد دیگر پانی کا تودہ آتا ہے۔

دَعَوُا اللّٰهَ تو اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں درانحالیکہ وہ **مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۵ ج** دعا و طاعت میں اخلاص کرنے لگ جاتے ہیں اس وقت وہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو یاد نہیں کرتے اور نہ ہی کسی اور سے فریاد کرتے ہیں اس لیے کہ اس وقت ان سے خوفِ شدید کی وجہ سے تقلید آبائی اور خواہشاتِ نفسانی زائل ہو کر فطرت اصلی رہ جاتی ہے۔ الاخلاص شے شوائب سے خالی کرنے کو کہا جاتا ہے **فَلَمَّا نَجّٰهُمْ اِلَى الْبَرِّ** پس جس وقت انہیں اللہ تعالیٰ نجات دیتا ہے سلامتی کے ساتھ انہیں جنگلوں میں پہنچاتا ہے بوجہ ان کے اخلاص فی الدین کے **فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ** تو بعض ان میں طریق قصد یعنی توحید پہ قائم رہتے ہیں یا مقتصد بمعنے کفر میں متوسط مزاج آدمی مراد ہے اس میں فی الجملہ کفار کو زجر و توبیخ ہے۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکّہ کے بعد تمام کفّار کے لیے امن کا وعدہ فرمایا سوائے چار کافروں کے کہ ان کے متعلق فرمایا کہ انہیں قتل کر دو جہاں بھی ہوں، یہاں تک کہ اگر وہ کعبہ کے پردوں کو بھی پکڑے ہوئے ہوں، وہ چار اشخاص یہ تھے :

۱۔ عکرمہ بن ابی جہل
۲۔ عبداللہ بن خطل
۳۔ مقیس بن سبابہ
۴۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح

عکرمہ تو بھاگ نکلا اور دریا عبور کرتے ہوئے کشتی پر سوار ہوا تو مخالف ہوا سے کشتی غرق ہونے کو تھی ملاحوں نے کہا کہ دوستو! اب اللہ تعالیٰ کے ہاں اخلاص کا وعدہ پورا کرو اب تمہارے بتوں نے تمہاری کوئی مدد نہیں کی اور نہ کر سکتے ہیں۔ حضرت عکرمہ نے دل ہی دل میں کہا کہ یا اللہ! اگر تو مجھے آج نجات بخش دے گا تو واپسی پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اسلام قبول کروں گا اور وہ کریم ہیں مجھے معاف فرما دیں گے۔ ان کے اخلاص کی برکت سے مخالف ہوا ٹھہر گئی اور کشتی غرق ہونے سے بچ گئی۔ حضرت عکرمہ حسبِ وعدہ مکہ میں واپس آکر مسلمان ہو گئے اور تادمِ زیست مخلص رہے۔

۱ قضا کشتی آنجا کہ خواھد برد
وگر ناخدا جامہ بر تن درد

۲ گرت بیخ اخلاص در بوم نیست
ازیں در کسے چوں تو محروم نیست

۳ سلامت در اخلاص اعمال ہست
شود زورقِ زرق کاران شکست

ترجمہ: (۱) قضاوقدر جہاں چاہے گی کشتی لے جائے گی اگرچہ ملاح اس پر کپڑے پھاڑ کر بھی ڈال دے۔
(۲) اگر تیرے اندر اخلاص کا بیج نہیں تو اس در سے تجھ سا محروم اور کوئی نہ ہوگا۔
(۳) اعمال میں اخلاص ہو تو سلامتی ہے ورنہ دھوکا بازوں کی کشتی کو شکست کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اور ہماری قدرت کی نشانیوں کا انکار نہیں کرتا **اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ** ○ مگر ہر وہ جو غدار ہے اس لیے کہ اس نے عہد فطری کو توڑا یا وہ اخلاص چھوڑا جو اس نے دریا میں غرق ہونے سے بچنے کے وقت ظاہر کیا۔

حلِ لغات: الختر بہت بُرے اور قبیح تریں دھوکے کو کہا جاتا ہے۔ المفردات میں ہے کہ الختر وہ دھوکا جس میں انسان ضعف کا اظہار کرے اور جس امر کی جدوجہد کرے اسے توڑ ڈالے۔ کفود اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بہت زیادہ ناشکری کرنے والا۔ یہ لفظ ہر اس شخص کے لیے مستعمل ہے تاشکری جس کی عادت بن چکی ہو۔ جیسے ظلوم ہر اس شخص کو کہتے ہیں ظلم کرنا جس کی عادت بن چکی ہو۔ کا فر کو ان دونوں صفتوں سے اس لئے موصوف کیا گیا ہے کہ وہ ان دونوں قبیح اور بُری صفات سے موصوف ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف الغدر من علامات المنافق۔

(دھوکا منافق کی علامات سے ہے)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

الوفاء لاھل الغدر والغدر باھل الغدر وفاء عند اللہ تعالیٰ کما ان التکبر علی المتکبر صدقۃ۔

(دھوکا باز سے وفا کرنا بھی دھوکا ہے ایسے ہی اہلِ غدر سے دھوکا کرنا وفا ہے جیسے اللہ تعالےٰ کے نزدیک متکبر کے ساتھ تکبر کرنا صدقہ (ثواب) ہے)

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وُہ اپنے عہد کے ایفاء میں جد وجہد کرے۔ اس سے بڑی مراد اس عہد سے ہے جو ربوبیت کے اقرار میں 'بلیٰ' کہا گیا، جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا 'الست بربکم'۔ یہ عوام کے لیے عبادت کی رغبت اور وعید سے ڈرنا، اور خواص کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم کا وقوف جس میں اپنی کوئی غرض نہ ہو۔ کبھی انسان کو نسیان عارض ہوتا ہے جس کے وُہ اپنے حسبِ مرتبہ و مقام سزا کا مستحق ہوتا ہے اس لیے کہ اس نے ایفائے عہد کیوں نہ کیا۔

حکایت حضرت الشیخ ابوالخیر اقطع (ہاتھ کٹے ہوئے) سے کسی نے پُوچھا کہ آپ کا ہاتھ کس طرح کٹ گیا؟ آپ نے فرمایا کہ میں لوگوں کے پس خوردہ سے بسر اوقات کرتا تھا۔ ایک دفعہ مجھے خیال گزرا کہ اسے ترک کر کے صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرنا چاہیے، بلکہ لوگوں کی کمائی سے کچھ نہ کھاؤں گا اور نہ ہی زمین سے اُگنے والے اناج سے۔ اس ترک کا نتیجہ یہ نکلا کہ مجھے پچاس دن تک کہیں سے کھانا نہ ملا یہاں تک کہ میں بھُوک سے نڈھال ہو گیا۔ پچاس دن کے بعد مجھے غیب سے دو ٹکڑے سالن کے ساتھ دستیاب ہُوئے اس کے بعد میں نے علیحدگی اختیار کر لی اور پہاڑ کی ایک غار میں رہنے لگا ایک دن غار سے باہر نکل کر جنگل کی طرف چلا تو مجھے جنگل میں ایک درخت سے میوے ملے ان میووں کو لے کر منہ میں ڈالا تو اپنا پروگرام یاد آیا تو ان میووں کو تھوک دیا اور پھر واپس غار کی طرف مُڑا۔ اسی اثناء میں بعض چور اور ڈاکو پکڑے گئے جن کے ہاتھ اور پاؤں کاٹے گئے ان کے ساتھ گرفتار کر کے حاکمِ وقت کے ہاں لایا گیا اور مجھے بھی ان چوروں میں شامل کر دیا گیا اور حاکمِ وقت کے حکم سے میرا ہاتھ کاٹ دیا گیا اور حکم ہوا کہ اس کا پاؤں بھی کاٹ ڈالو۔ میں نے اللہ تعالےٰ کے حضور میں التجا کی کہ الٰہ العالمین! میرے ہاتھ نے میوہ توڑنے کی غلطی کی اور اسے سزا ملنی تھی اور مل گئی۔ لیکن پاؤں نے تو کوئی جُرم نہیں کیا فلہٰذا معافی کا خواستگار ہُوں۔ اسی اثناء میں میرا ایک واقف کار آ گیا جو حاکم وقت کا بھی دوست تھا اس نے حاکمِ وقت سے کہا کہ یہ تو بہت نیک آدمی ہے۔ حاکم وقت نے نہ صرف مجھے چھوڑ دیا بلکہ اپنی تعدّی کی معافی چاہی۔

ف: دراصل اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں سے ایسے کرتا ہے بہرحال عہد کے ایفاء میں ظاہراً و باطناً جد وجہد ضروری ہے۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

از صبحِ ازل تا آخر شام ابد
دوستی و مہر بر یک عہد و یک میثاق بود

ترجمہ: صبح ازل سے شام ابد تک دوستی و مہر کا ایک ہی عہد و میثاق ہونا چاہیے۔

ف: کفرانِ نعمت ایمان کے زوال کا سبب ہے جیسے بلعم باعورا نے توفیق ایمان و ہدایت رحمٰن کا شکر نہ کیا تو اس سے ایمان چھینا گیا (العیاذ باللہ)

یَا اَیُّھَا النَّاسُ یہ نداء عام ہے اس میں جملہ مکلفین شامل ہیں اگرچہ اس کے اصل مخاطب کفارِ مکہ ہیں اتَّقُوْا رَبَّکُمْ اپنے رب تعالیٰ کے عذاب اور غضب سے بچو اور وہ کفر و معاصی و ما سوی اللہ سے اجتناب سے ہوتا ہے۔

ف: بعض عارفین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کبھی اپنے افعال سے ڈراتا ہے مثلاً فرمایا:

اتقوا فتنۃ۔

اور کبھی صفات سے۔ چنانچہ فرمایا:

الم یعلم بان اللہ یری۔

اور کبھی ذات سے۔ چنانچہ فرمایا:

و یحذرکم اللہ نفسہ

وَاخْشَوْا الخشیۃ بمعنے ایسا خوف جس میں تعظیم بھی ہو۔ یَوْمًا تیسیر میں ہے کہ جائز ہے کہ اس سے معنی ظاہری مراد ہو اس لیے کہ قیامت کا وہ یوم ہے کہ جس سے خوف دلایا جاتا ہے لَّا یَجْزِیْ اس میں بدلہ دے گا وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِہٖ باپ بیٹے سے یعنی باپ بیٹے کی طرف سے کسی حق کا بدلہ نہ دے سکے گا اور نہ ہی اس کے گناہوں کا بوجھ اٹھا سکے گا اور نہ ہی اسے اپنی طاعات میں سے کچھ دے سکے گا۔ جزاء بمعنے قضاءِ دین ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

جزاء دینہ۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کا قرض ادا کرے۔ المفردات میں ہے کہ الجزا بمعنے الغناء والکفایہ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لا تجزی نفس عن نفس شیئا۔

اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ ڈرو اس دن سے کہ جس میں باپ بیٹے کا عذاب دفع نہ کر سکے گا۔ الولد کا لفظ اگرچہ بیٹے کے قریب و بعید دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں صلبی اور قریبی بیٹا مراد ہے یعنی جب وہ اپنے بیٹے صلبی قریبی کا عذاب دفع نہ کر سکے گا تو پھر دوسروں کے لیے عذاب کے دفع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ف: اس میں رد ہے ان لوگوں کا جو غرور و فریب کھا کر اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرتے ہوئے ان کی شفاعت پر اعتماد کرتے ہیں اور ایمان و عمل صالح سے بالکل کورے ہوتے ہیں[1]

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وَلَا مَوْلُوْدٌ اس کا عطف والد پر ہے اور یہ مبتدا اور اس کی خبر هُوَجَازٍ ہے اور نہ ہی بیٹا ادا کرنے والا ہے عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا حقوق کی ادائیگی میں کوئی شے۔ والد و مولود کی تخصیص اس لیے ہے کہ جب اتنے گہرے تعلق کا قیامت میں یہ حال ہے تو پھر غیروں کے متعلق کیا ہوگا۔ یہاں پر مولود سے اپنا صلبی اور قریبی بیٹا مراد ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ جب اس شخص کا یہ حال ہے کہ جس کی صلب سے پیدا ہوا ہے اس کی شفاعت نہیں کر سکے گا تو پھر اوپر کے آباؤ اجداد کی کس طرح شفاعت کر سکتا ہے اور عبارت کی تعبیر میں اشارہ ہے کہ بیٹا قیامت میں کام نہیں آسکے گا اس سے اہلِ ایمان کے بعض اشخاص کے طمع کو توڑنا مطلوب ہے جن کا خیال تھا کہ وہ آخرت میں اپنے کفار آباء کی شفاعت کریں گے۔

ردِّ وہابیہ نجدیہ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت صرف کفار و مشرکین کے لیے ہیں کہ قیامت میں صرف کافروں کے لیے شفاعت نہ ہوگی ورنہ اہلِ ایمان ایک دوسرے کی شفاعت کریں گے ایسے اہلِ ایمان اولاد اپنے مومن آباء و اجداد کی شفاعت کریں گے بلکہ انھیں ایک دوسرے سے نفع ہوگا کما قال تعالیٰ؛

الحقنا بہم ذریاتہم۔

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ بیشک اللہ تعالیٰ کا وعدہ حشر اور جنت اور دوزخ اور ثواب و عقاب کے بارے میں لفظ الوعد خیر و شر دونوں میں مستعمل ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے ؛

وعدتہ یعنی میں نے اس سے وعدہ کیا۔

اگر خیر کا ہوگا تو بھی، اگر شر کا ہوگا تو بھی یہی جملہ استعمال ہوگا۔ وعد کی طرح میعاد بھی مصدر ہے لیکن لفظ الوعید صرف شر میں استعمال ہوتا ہے۔

حَقٌّ ثابت ہے ضرور ہو کر رہے گا۔ اس کا خلاف ہرگز نہ ہوگا فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا۔

حلِ لغات اہلِ لغت کہتے ہیں :

غرہ بمعنی خدعہ و اطعمہ بالباطل فاغترھو۔

(فلاں نے اسے دھوکا دیا اور اسے غلط بات کہہ کر طمع اور لالچ دی تو وہ دھوکا کھا بیٹھا)

کذا فی القاموس۔

اور الحیٰوۃ الدنیا سے دنیوی زینت اور آرائش اور اس کا مال و متاع۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ دنیوی آرائش اور مال و متاع تمہیں دھوکا میں نہ ڈالے۔

بقیہ حاشیہ گذشتہ

[1] اس سے ہمارے اسلاف کی شفاعت کا رد نہیں اس لیے کہ ہم بحمدہٖ تعالیٰ دولتِ ایمان سے نوازے گئے ہیں۔ (اویسی غفرلہٗ)

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے یعنی تمہیں دھوکا دے گی کہ میرے اندر ہر طرح کی سلامتی اور عافیت ہے لیکن اس کا انجام برا ہوگا فلھذا اس کے دھوکا و فریب سے بچ کر رہنا چاہیے۔

تفسیر عالمانہ وَلَا یَغُرَّنَّکُمۡ بِاللّٰہِ الۡغَرُوۡرُ ۝

حلِ لغات : المفردات میں ہے کہ الغرور بمعنٰی ہر وُہ شے جو انسان کو بگاڑ دے جیسے مال وجاہ اور شہوت و شیطان۔ بعض مفسرین نے یہاں پر الغرور سے شیطان مراد لیا ہے اس لیے دھوکا و فریب دینے والوں میں سے خبیث ترین یہی شیطان ہے۔

اب معنٰی یہ ہُوا کہ تمہیں شیطان دھوکا میں نہ ڈالے اس لیے کہ بہت بڑا دھوکا باز ہے۔ مثلاً تمہیں توبہ و مغفرت کی امید دلا کر تم سے بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کرائے گا اور تمہیں موت اور قبر کی باتیں بھلا دے گا احوالِ قیامت اور اس کے دردناک عذابوں سے غافل کر دے گا۔ ع

وعذر فردا را عمر فردا باید

(کل کے عذر کے لیے کل تک زندہ رہنا بھی ضرور ہے)

(جب کل تک زندہ رہنے کا یقین نہیں تو پھر توبہ میں تاخیر کروں)[1]

ع

کار امروز بفردا نگذاری زنہار

روز چوں یافتۂ کار کن و عذر میار

ترجمہ : آج کا کام کل پر مت ڈالیے۔ جب آج کا دن تمہیں مل گیا ہے تو کل کے لیے توبہ میں دیر نہ کیجئے۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ غرور کا مطلب یہ ہے کہ بُرے اعمال کے ارتکاب کے باوجود اللہ تعالٰی سے بخشش کی امید میں رہنا۔

حدیث شریف (حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا)

الکیس من دان نفسہ و عمل لما بعد الموت والعاجز من اتبع نفسہ ھواھا وتمنی علی اللہ المغفرۃ۔

(ہوشیار وُہ ہے جو اپنے نفس کو نیکی سے سنوارے اور آخرت کا سامان تیار رکھے اور عاجز وُہ ہے جو اپنی خواہشات کا اتباع کرے اور پھر اللہ تعالٰی سے رحمت و مغفرت کا

---

[1] اضافہ از مترجم غفرلہٗ

امیدوار ہو)
کسی نے کیا خوب کہا : ع

ان السفینة لا تجری علی الیبس
(کشتی خشکی پہ نہیں چلتی)

سبق : اعمال صالحہ ضروری ہیں اس لیے کہ نجات کا موجب اعمالِ صالحہ کو بنایا گیا ہے۔ انہی کی برکت سے آنے والے اول لوگوں کے مراتب میں برابری حاصل کرتے ہیں۔

ف : آیت میں اشارہ ہے کہ اگر اسلام وطاعتِ الٰہی سے محروم ہے تو پھر غیر سے انتفاع از قسم شفاعت بے سُود ہے کیونکہ قیامت کا ایک ایسا سخت دن ہے کہ جس میں اپنی اولاد بھی کام نہ آتے گی چہ جائیکہ دوسروں سے نفع کی اُمید رکھی جائے اس دن ہر انسان نفسی نفسی پکارے گا مگر یہ ایک الگ بات ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا رحم وکرم ہو جائے۔

ف : حضرت کعب الاحبار سے مروی ہے کہ قیامت کے دن ماں اپنے بیٹے سے کہے گی کہ کیا میرا پیٹ تیری غذا کا برتن نہیں تھا، کیا میری گود میں تُو لیٹتا نہیں تھا، کیا میرے پستان تیرے دودھ کا سرچشمہ نہیں تھے۔ اس کا ترجمہ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

۱ نہ طفلے زبان بستہ بودے ز لاف
ہمی روزے آمد بجوفت ز ناف

۲ چو نافت بریدند روزے گسست
بہ پستانِ مادر در آویخت دست

۳ کنار و بر مادر دلپذیر
بہشت است وپستان از و جوئے شیر

ترجمہ : (۱) کیا تُو وہ بچہ نہیں کہ گفتگو سے تیری زبان بند تھی۔ کیا تجھے تیری روزی ناف کے ذریعے نہ پہنچی تھی!
(۲) جب تیری ناف کاٹی گئی تو تیری روزی وہاں سے بند ہوگئی تو پھر تیرا ہاتھ ماں کے پستان سے لٹکا۔
(۳) ماں کی گود اور بغلیں تیری بہشت اور اس کے پستان تیرے لیے دُودھ کی نہر تھی۔

جب ماں بیٹے کو اپنے احسانات جتلائے گی اور کہے گی کہ مجھ سے میرے گناہوں کا بوجھ ہلکا کر دے اس لئے کہ گناہوں کا بوجھ میری کمر توڑ رہا ہے۔ بیٹا جواب دے گا : اماں! آج ہر شخص اپنے گناہوں میں گرفتار ہے اگر میں تیرا بوجھ ہلکا کروں تو میرا بوجھ کون ہلکا کرے گا ؎

من وتو دو محتاج یک مائدہ
نہ از من نہ از تو بمن فائدہ

ترجمہ: آج میں اور تُو دونوں محتاج ہیں نہ میں تجھے کوئی فائدہ دے سکتا ہوں اور نہ تو مجھے کوئی فائدہ دے سکتی ہے۔

حدیث شریف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا،

انه ليكون للوالدين على ولدهما دين فاذا كان يوم القيامة يتعلقان به فيقول انا ولدكما فيودّان لوكان اكثر من ذلك۔

(ماں باپ کا بیٹے پر قرض ہوگا تو قیامت میں وُہ دونوں قرض کا مطالبہ کرتے ہوئے ایک دوسرے سے چمٹیں گے تو بیٹا کہے گا تمہارا بچّہ ہُوں۔ وہ دونوں سن کر اس کا قرض معاف کر دیں گے اور کہیں گے اگر اس سے زیادہ بھی ہوتا تو ہم معاف کر دیتے)

سبق: مومن پر لازم ہے کہ وُہ عبادت، توبہ، ندامت میں دھوکا کھا کر اور اس اعتماد میں رہ کر کہ اللہ تعالیٰ بخش دے گا، سُستی نہ کرے۔

حکایت اسرائیلیات میں ہے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام بیمار ہُوئے تو انہیں علاج بتایا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ پر بھروسا ہے وہی مجھے عافیت اور تندرستی دے گا، میں علاج نہیں کراتا۔ اس طرح سے ان کا مرض بڑھتا گیا۔ ایک دن اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ مجھے اپنی عزّت وجلال کی قسم میں تجھے عافیت وسلامتی نہیں بخشوں گا جب تک علاج نہ کراؤ گے، کیا تم اے موسیٰ علیہ السلام! میری حکمت کو بیکار چھوڑنا چاہتے ہو!

ف: اس سے معلوم ہُوا کہ اعمال وطاعات جنات ودرجات کے وسائل اور اسباب ہیں اگرچہ ہم انہیں جنات وغیرہ کے لیے علّت (غائی) نہیں کہہ سکتے۔ اسے یوں سمجھئے کہ دُنیا میں رہ کر ہر معاملہ کے لیے وسیلہ بنانا ضروری ہے ایسے ہی آخرت میں حصولِ درجات وجنات کے لیے بھی یہی اعمال صالحہ اسباب ووسائل ہیں[۱]

حکایت منقول ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادھم قدس سرہٗ کو حمام میں داخل ہونے سے روکا گیا جبکہ آپ کے پاس حمام کی اُجرت نہیں تھی تو آپ نے آہ کھینچ کر فرمایا کہ جب بیت الشیطان میں بلا اُجرت داخلہ منع ہے تو بیت الرحمٰن میں بلا عمل کیسے داخل ہُوا جا سکتا ہے!

سبق: مشایخ نے فرمایا کہ کوئی اپنے آپ کو خواہ مخواہ بدبخت سمجھ کر اعمال صالحہ کی جدوجہد سے بیٹھ جائے یہ سخت غلطی ہے بلکہ اس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے نیک امید رکھ کر راہِ طریقت میں خوب جدوجہد

---

[۱] یہی ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ انبیاء واولیا علیٰ نبینا وعلیہم السلام حصولِ مقاصد کے لیے بارگاہِ حق کے وسائل ہیں اور آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ نبویہ میں تصریحات موجود ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

کرے کیونکہ خوش اعتقادی کو حصول مرادیں تاثیر بلیغ ہے (اسی وجہ سے ہم اہلسنت اولیائے کرام وعلمائے ملت کے ساتھ خوش اعتقادی کا درس دیتے ہیں)[1]

ف : بندوں سے اللہ تعالیٰ نے بھی وعدہ کیا ہے اور شیطان نے بھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا وعدہ مبنی برصدق اور شیطان کا وعدہ نرے دھوکا فریب اور جھوٹ پر مبنی ہے اس لیے کہ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے۔

قاعدہ : دوست کے کلام میں دل چسپی لینا بہتر ہے اور دشمن کی بات کو سننا نرا نقصان ہے۔

سبق : ہم سب پر لازم ہے کہ ہم شیطان ونفس کے دھوکا وفریب سے دھوکا نہ کھائیں اور نہ ہی دنیا کے سازوسامان پر سہارا کریں اس لیے دنیا کی دولت کو زوال اور اس کی زیب وزینت مٹنے والی ہے اور اس نے کسی سے وفا کا ثبوت بھی نہیں دیا ؎

۱ بر مرد ہشیار دنیا خس است
که ہر مدتی جای دیگر ست

۲ منہ بر جہان دل کہ بیگانہ ایست
چو مطرب کہ ہر روز در خانہ ایست

۳ نہ لائق بود عشق با دلبری
کہ ہر بامدادش بود شوہری

۴ مکن تکیہ بر ملک و جاہ و حشم
کہ پیش از تو بودست و بعد از تو ہم

۵ ہمہ تخت و ملکی پذیرد زوال
بجز ملک فرماندہ لایزال

۶ غم و شادمانی نماند و لیک
جزای عمل ماند و نام نیک

۷ عروسی بود نوبت ماتمت
گرت نیک روزی بود خاتمت

۸ خدایا بحق بنی فاطمہ
کہ بر قول ایمان کنی خاتمہ

ترجمہ : (۱) ہشیار آدمی کے لیے دنیا ایک تنکا ہے جس کا ہر لحظہ مقام دیگر ہے۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

ساز نگی بجانے والے کی طرح ہر دن سنئے گھر میں ہوتا ہے۔

(۲) جہاں میں دل نہ لگا کیونکہ یہ بیگانہ ہے۔

(۳) اس محبوب سے دل لگانا اچھا نہیں جس کا ہنت نیا شوہر ہو۔

(۴) ملک وجاہ وحشم پر تکیہ نہ کر اس لیے کہ تجھ سے پہلے بھی بہت ہو گزرے ہیں اور تیرے بعد بھی بہت سے آئیں گے

(۵) تمام تخت اور ملک زوال پذیر ہیں سوائے ملک لم یزل اللہ تعالیٰ کے۔

(۶) غم وخوشی نہ رہے گی لیکن اعمال کی جزا اور نام نیک باقی رہے گا۔

(۷) موت کے وقت تمہیں خوشی ہو گی جب تیرا خاتمہ نیک ہوا۔

(۸) اے اللہ! اولادِ فاطمہ کے طفیل میرا خاتمہ ایمان پر فرمانا۔

دُعا: ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ افضل الاعمال اور ایمان پر ہمارا خاتمہ فرمائے بلکہ جب سکرات جاری ہو تو توحید کی دولت کے ساتھ ہماری زبان پر ذکرِ رحمان (اور درود وسلام بر شہِ انس وجان مالکِ کون ومکان صلی اللہ علیہ وسلم) جاری ہو اور ہمیں مرنے کے بعد جنات میں جگہ دے جہاں رحمت بھری نہریں جاری ہیں اور ہمیں شب وروز اپنی (اور اپنے حبیب پاک شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی) زیارت سے مشرف فرمائے (آمین)۔

اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَةِ۔ الساعة دو جدید اجزاء کے ایک جزء کا نام ہے اور قیامت کو الساعة سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ وُہ دنیا کی آخری ساعت پر قائم ہو گی۔ آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے قیامت کا علم کہ وُہ کب قایم ہو گی اسی طرح ان کے اندر احوال اور ہولناکیوں کے علم میں وہی منفرد ہے لوگوں میں سے کسی ایک کو اس کا علم نہیں کہ وہ کس سن، کس ماہ اور کس رات یا دن کی کس ساعت میں قایم ہو گی!

شانِ نزول: مروی ہے کہ حارث بن عمر بدوی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے وقت ساعة کو اس لیے مخفی رکھا تاکہ لوگ پُرحذر رہیں اور اعمالِ صالحہ میں کوتاہی نہ برتیں۔ چنانچہ مروی ہے کہ ایک اعرابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! فرمائیے قیامت کب قائم ہو گی؟ آپ نے اس سے فرمایا کہ تُو نے اس کی تیاری کی ہے؟ عرض کی:

لا شئی الا انی احب اللہ ورسولہ۔

(کچھ نہیں صرف یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں)

---

[1] مگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے جسے عنایت فرمائے تو اس سے انکار بھی گمراہی ہے اور ظاہر ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پانچوں کے علاوہ بے شمار علوم اور خزائن الٰہیہ سے بہت کچھ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اور ان کے طفیل دیگر انبیاء کرام اور اولیاء عظام کو بھی۔ تفصیل کے لیے تفسیر اویسی ملاحظہ ہو۔

آپ نے فرمایا:

انت مع من احببت۔

(تو قیامت میں اس کے ساتھ ہوگا جس سے تجھے محبت ہے)[1]

حاضر ہوکر عرض کی، قیامت کب قائم ہوگی؟ اور کہا کہ ہمارا علاقہ قحط زدہ ہے میں نے زمین میں بیج بویا ہے بتایئے بارش کب ہوگی اور میری عورت حاملہ ہے بتایئے اس کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا یا لڑکی۔ اور فرمایئے کہ یہ تو مجھے علم ہے کہ میں نے کل یہ کام کیے ہیں لیکن آپ بتائیں میں کل کون سے کام کروں گا اور یہ تو مجھے معلوم ہے کہ میں کہاں پیدا ہوا لیکن آپ بتائیں کہ میں کس علاقے میں مروں گا۔ اس کے سوالات کے جوابات میں یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی یہ پانچ علوم اللہ تعالیٰ کے خزانۂ مشیت میں ہیں اس کی چابی صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے کوئی شخص اپنی کوشش سے اسے حاصل نہیں کر سکتا۔[1]

لی حبیب عربی مدنی قرشی
کہ بود درد و غمش مایۂ سودا و خوشی
ذرہ وارم بہوا درئ او رقص کناں
تا شد او شہرۂ آفاق بخورشید وشی

ترجمہ: میرے محبوب عربی مدنی قرشی ہیں ان کا درد اور غم سودا و خوشی کا مایہ ہے۔ میں ان کی محبت میں ذرّہ سے کمتر ہوں لیکن اپنی قسمت پہ نازاں ہوں اس لیے جو بھی ان سے منسلک ہوتا ہے وُہ سورج کی طرح شہرۂ آفاق ہوتا ہے۔

وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ اس کا عطف اس فعل پہ ہے جو ظرف کا مقتضی ہو۔ یہ عبارت در اصل ان اللہ یثبت عندہ علم الساعۃ و ینزل الغیث تھی۔ کما فی المدارک۔

ف: بارش کو غیث اسی لیے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ خلقِ خدا کا فریادرس ہے۔ اسی سے اس کا رزق

حاشیہ گزشتہ

بعض حضرات اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ پانچ چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کسی غیر کے لیے ثابت کرنا شرک ہے اسی کو علومِ خمسہ کہا جاتا ہے۔ اس آیت کی تائید میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: خمس لا یعلمھن الا اللہ ثم قرأن اللہ عندہ علم الساعۃ الخ

[1] الحمد للہ ہم اہلسنت کو اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ان کے جملہ صحابہ کرام اور تمام اہلبیت عظام اور اولیائے ملت اور علمائے امت سے بے حد محبت ہے لیکن بعض بدبخت ایسے بھی ہیں جنہیں مذکورہ بالا شخصیتوں کے دل میں بغض ہے اور یزید جیسے خبیث النفس سے محبت کا دم بھرتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

اگتا ہے اور اسی پر اس کی زندگی کا دارومدار ہے۔
حقیقی فریادرس اللہ تعالیٰ ہے لیکن چونکہ ایک سبب سے بارش کو
(ردِّ وہابیہ نجدیہ دیوبندیہ فریادرس کہا گیا ہے تو یہ شرک نہیں۔ ایسے ہی اولیاء کرام بھی اللہ تعالیٰ
کے فضل و کرم سے فریادرس ہیں جیسے مجازاً بارش کو فریادرس کہنا جائز ہے تو ان حضرات کو بطریق اولیٰ
مجازاً فریادرس کہنا جائز ہے اس لیے کہ بارش ہمارے لیے سبب ہے اور بارش کا سبب اور وسیلہ
یہی حضرات ہیں۔ اویسی غفرلہٗ)

ف: مذکورہ بالا تقریر سے ثابت ہوا کہ اسی بارش کو غیث کہا جائے گا جو نافع ہوگی۔
اب آیت کے جملہ کا معنیٰ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بارش نازل فرماتا ہے اسی وقتِ معین میں جس میں اس کے
نزول کا وقت مقدر ہے اور اسی جگہ پر جو اس نے نزولِ بارش کے لیے مقرر فرمائی۔ اس میں تقدیم و تاخیر
اور پس و پیش نہیں ہوتا۔ لیکن اس کا علم صرف اسی کو ہے کسی اور کو کوئی علم نہیں کہ نزولِ بارش کب اور
کہاں ہوگا اور یہ بھی صرف اسی کو معلوم ہے کہ اس کے قطرات کتنے ہوں گے (ہم نے حاشیے پر روایات
نقل کی ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بارش کے نزول کا علم تھا بلکہ آپ نے باذنہٖ و عطائہٖ
تعالیٰ بارش کے غیر امکانی وقت میں بارش نازل کرا دی)[1]

حدیث شریف ۱ مرفوعاً مروی ہے:
ما من ساعة من ليل ولا نهار الا السماء تمطر فيها يصرفه
الله حيث يشاء۔
(دن اور رات کی کوئی گھڑی ایسی نہیں جس میں بارش نہ ہوتی ہو جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے
وہاں بارش ہوتی ہے)

حدیث شریف ۲ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
ما سنة با مطر من اخرى ولكن اذا عمل قوم بالمعاصى
حول الله ذلك الى غيرهم فاذا اعصوا جميعا صرف الله ذلك الى الفيافى
والبحار۔
(ہر سال کی بارش بہ نسبت پہلے سال کے زیادہ ہوتی ہے لیکن جب بندے معاصی کا ارتکاب
کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے (بارش کو) دوسرے بندوں کی طرف پھیر دیتا ہے اور جب
سب گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اسے جنگلوں اور دریاؤں پر برساتا ہے)

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

نسخۂ روحانی جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا موسلا دھار بارش کی طرح طالب ہے اسے توبہ و ندامت اور قاضی الحاجات کی طرف نہایت خلوص سے اور بہتر مناجات سے عاجزی کا اظہار کرکے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے ؎

تو از فشاندن تخم امید دست مدار
کہ در کرم نکند ابرِ نو بہار امساک

ترجمہ : تمہیں بیج بونے میں پُرامید ہونا چاہئے اس لیے ابرِ نوبہار بارش برسانے میں دیر نہیں کرتا۔

وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ[۱] رحم بچہ دانی کو کہتے ہیں۔ یعنی وُہ جگہ جہاں نطفہ ٹھہرنے کے بعد انسانی ڈھانچہ تیار ہوتا ہے۔ یعنی یہ صرف اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ پیٹ میں نر ہے یا مادہ، زندہ ہے یا مُردہ، اور اس کے صفات کیا ہیں، مثلاً وہ صحیح سالم ہے یا ناقص، حسین ہے یا قبیح، سعادت مند ہے یا بدبخت ؎

۱ بر احوال نابودہ علمش بصیر
بر اسرار ناگفتہ لطفش خبیر

۲ قدیمی نکو کار نیکو پسند
بکلک قضا در رحم نقش بند

۳ ز ابر افگند قطرۂ سوے یم
ز صلب آورد نطفہ در شکم

۴ ازاں قطرہ لؤلؤے لالہ کند
وزیں صورتے سرو بالا کند

ترجمہ : (۱) جو شے ابھی ناپید ہے اسے بھی اس کا علم محیط ہے اور ان کہے اسرار سے بھی اس کا لطف باخبر ہے۔
(۲) وُہ قدیم ہے بہتری کرنے والا اور نیکی کو پسند کرنے والا ہے۔ قضا کی قلم سے رحم میں نقش بنانے والا ہے۔
(۳) بادل سے دریا کی طرف قطرات بھیجتا ہے باپ کی پشت سے ماں کے پیٹ میں نطفہ لاتا ہے۔
(۴) بادل کے قطرہ سے چمکدار موتی بناتا ہے اور اس دوسرے پانی (نُطفہ) سے سرو کی طرح سیدھے قد والے انسان پیدا فرماتا ہے۔

---

[۱] اس موضوع پر فقیر نے ایک رسالہ مرتب کیا ہے، ملاحظہ فرمائیے۔
اویسی غفرلہٗ

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ نفوس میں سے کوئی نفس بھی نہیں جانتا۔

حل لغات: الدرایۃ بمعنے کسی شے کو حیلہ، بہانہ سے معلوم کرنا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کو موصوف نہیں کیا جاتا۔ مثلاً اسے الدادری نہیں کہا جا سکتا۔

سوال: ایک مسلمان شاعر نے اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے کہا: ع

لاھم لا ادری و انت تدری

(اور وہ اور میں نہیں جانتے تو جانتا ہے)

جواب: یہ جاہلیت اور بدوی عربوں کے استعمالات سے ہے۔

(۲) مشاکلت کے اعتبار سے جواز ثابت ہو جاتا ہے۔ مثلاً لفظ نفس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر ناجائز ہے لیکن مشاکلت کی وجہ سے قرآن میں استعمال ہوا ہے کما قال:

تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک۔

(جو میرے ارادے میں ہے اسے تو جانتا ہے۔ اور جو تیرے ارادے میں ہے وہ میں نہیں جانتا۔

(ف: یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نفی کرنے والوں کو سوچنا چاہیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حیلہ سے جاننے کی اگر نفی ہے تو اعطائے ایزدی کی نفی بھی ہو گئی۔ فقیر اویسی نے اس موضوع پر ایک رسالہ بنام "نور الہدیٰ فی علوم ماذا تکسب غدا" لکھا ہے۔ اویسی غفرلہٗ)

مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ط کل کیا کسب کرے گا۔

حل لغات: الکسب بمعنے کسی ایسے امر کے لیے انسان کا کوشش کرنا جس میں اسے نفع ہو۔ مثلاً کسب المال وغیرہ۔ اور کبھی اس کا استعمال انسان کے اس گمان میں ہوتا ہے جس میں حصول نفع پر دفع ضرر بھی ہو جائے گا۔ الغد وہ یوم جو آج کے دن کے بعد متصلاً واقع ہو جیسے امس، وہ یوم جو آج کے دن سے پہلے متصلاً گزرا ہو۔ یعنی کسی کو کیا خبر کہ وہ کل کیا کام کرے گا، اچھا یا برا، موافق یا مخالف۔ مثلاً بارہا انسان پختہ ارادہ کرتا ہے کہ کل اچھا کام کرے گا لیکن اس سے برا فعل صادر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بالعکس۔ جب انسان کو یہ معلوم نہیں کہ کل کی گھڑی میں میں نے کون سا عمل کرنا ہے تو پھر اسے کل کے بعد آنے والے لمحات کی لاعلمی لازم امر ہے ؎

۱ نداند کسے چوں شود امر او
چہ حاصل کند در پس عمر او

۲ بجز حق کہ علمش محیط کلست
برابر با و ماضی مستقبلست

ترجمہ: (۱) جب اس کا حکم ہوتا ہے تو کسی کو بھی اس کا علم نہیں ہوتا اس عمل سے کیا حاصل جو عمر کے ختم

ہونے کے بعد ہو (یہ امید غلط) (۲) ہر شئے کو محیط صرف اللہ تعالیٰ کا علم ہے اس کے آگے ماضی و مستقبل برابر ہے۔

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ اور کسی نفس کو کیا معلوم اگرچہ اس میں کئی طرح کی حیلہ سازیاں کرے۔ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ط کون سی زمین پر مرے گا، دریا میں یا جنگل میں، ہموار اور نرم زمین پر یا پہاڑوں پر، اور نہ ہی اسے معلوم ہے کہ وہ کب مرے گا! ہاں عین وقت پر اگر اسے معلوم ہو جائے کہ اس کی موت فلاں علاقے میں ہوگی تو کوئی حرج نہیں۔

حکایت مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاں ملک الموت ایک شخص کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے پوچھا: یہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: یہی ملک الموت ہے۔ کہا کہ شاید یہ میری جان لینے آیا ہے آپ ہوا کو حکم دیجئے کہ وہ مجھے اڑا کر ہندوستان کے کسی دور کے شہر میں پہنچا دے۔ آپ نے ہوا کو فرمایا تو وہ اسے لے اڑی (حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملک الموت سے پوچھا) آپ اس شخص کو غور سے کیوں دیکھتے تھے؟ فرمایا: میں متعجب تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تو مجھے حکم فرمایا ہے کہ اس کی روح ہندوستان کے فلاں شہر میں قبض کرلے اور وہ یہاں بیٹھا ہے

(اس لیے اس نے سلیمان علیہ السلام سے عرض کی جس پر ہوا نے اڑا کر اسے وہاں پہنچا دیا جہاں اس کی روح قبض کی جانی تھی)۔

حکایت مقاصد الحسنہ میں ہے کہ ایک شخص سورج کے فرشتے کے لیے کہتا تھا:

اللھم صل علیٰ ملك الشمس۔

ایک دن ملک الشمس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

یا الٰہ العٰلمین! مجھے اس شخص کی زیارت کی اجازت بخشئے جو میرے لیے دعا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اجازت بخشی تو وہ فرشتہ اسی بندے کے ہاں تشریف لایا اور کہا:

بھائی جان! میں صرف تیرے لیے زمین پر آیا ہوں اور میں ہی ملک الشمس ہوں، بتائیے میرے لائق کوئی خدمت!

اس نے کہا: حضرت! میں نے سنا ہے کہ آپ کی ملک الموت کے ساتھ دوستی ہے میرے لیے ان سے کہئے کہ ایک تو مجھے موت کے مقررہ وقت سے مہلت دیں، دوسرا میری روح قبض کرتے وقت آسانی فرمائے۔ ملک الشمس اس شخص کو لے کر سورج میں پہنچ گئے اور اسے سورج میں بٹھا کر ملک الموت کے ہاں تشریف لے گئے اور اس کی سفارش کی تو ملک الموت نے اس کا نام اور ولدیت و سکونت پوچھی، ملک الشمس نے اس کا تعارف کرایا۔ ملک الموت (علیہ السلام) نے لوحِ محفوظ کو دیکھ کر فرمایا کہ اس شخص کی موت سورج کے اندر لکھی ہے اور اس کی روح ہمارے خدام نے نکال بھی لی ہے۔ چنانچہ ملک الشمس سورج میں واپس تشریف لائے تو اس شخص کو مردہ پایا۔

حکایت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن مدینہ کے گرد و نواح میں سیر کو تشریف لے گئے۔ ایک شخص کو دیکھا کہ اس کی قبر کھودی جا رہی ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ کون ہے؟ عرض کی گئی کہ یہ ایک حبشی جوان ہے۔ آپ نے فرمایا: وہی اللہ جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں اس نے اس بندے کو زمین و آسمان میں اسی جگہ پر پہنچایا جہاں اس نے دفن ہونا تھا اور اسی سے ہی اس کا خمیر ہوا تھا۔ قیامت کے دن زمین عرض کرے گی یا اللہ! یہ ہے تیری وہ امانت جو تُو نے میرے اندر رکھی۔

کسی شاعر نے کہا: ؎

اذا ما حمام المرء کان ببلدۃ
دعتہ الیہا حاجۃ فیطیر

ترجمہ: جس کسی کی موت کسی شہر میں واقع ہونا مقدر ہوتا ہے تو کوئی ضرورت اسے ادھر کی طرف اٹھا کے لے جاتی ہے۔

سبق: اس میں انسان کو تنبیہ ہے کہ وہ ہر وقت موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھ کر اس کی تیاری میں لگا رہے۔ یعنی طاعاتِ الٰہی اور نیک اعمال کا سرمایہ جمع کرے یہاں تک کہ اگر کسی کا دل دکھایا ہو تو اس سے معافی چاہے اور اس کا حق ادا کرے۔ قرض دینا ہو تو فوراً دے اگرچہ گھر میں ہو تب بھی اپنے اقارب احباب کو وصیت کرے جو مرنے کے بعد اسے پورا کر سکے۔ اگر سفر کو جائے تو بطریقِ اولیٰ اسے وصیت کرنی چاہئے کیونکہ ممکن ہے کہ اس کی موت سفر میں آ جائے۔ اور کسی کو کیا معلوم کہ کس علاقے میں موت واقع ہو گی۔ کسی شاعر نے کہا: ؎

۱ مشینا فی خطی کتبت علینا
ومن کتبت علیہ خطی مشاہا

۲ وارزاق لنا متفرقات
فمن لم تأتہ منا اتاہا

۳ ومن کتبت منیتہ بارض
فلیس یموت فی ارض سواہا

(کما فی عقد الدار)

ترجمہ: (۱) ہم ان قدموں پر چلیں گے جو ہمارے لیے تقدیر میں لکھے گئے کیونکہ جس کے لیے جتنے قدم (تقدیر میں) لکھے گئے وہ ضرور چلے گا (۲) ہمارے رزق کے لقمے متفرق جگہوں پر ہیں ہم میں سے اگر کوئی رزق کے مقام پر نہ پہنچ سکا رزق اس کے پاس ضرور آئے گا (۳) اور جس شخص کی موت زمین کے جس حصے میں لکھ دی گئی ہے وہ اس کے علاوہ کسی جگہ نہیں مرے گا۔

اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ بیشک اللہ تعالیٰ جملہ اشیاء کو جانتا ہے خَبِیۡرٌ وہ باطنی امور کو ایسے جانتا ہے جیسے ظاہری کو۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا:
مفاتیح الغیب خمس وتلا ھٰذہ الآیۃ فمن ادعی علم شیٔ من ھٰذہ المغیبات الخمس فھو کافر باللہ تعالیٰ۔

(غیب کے خزانے پانچ ہیں۔ اس کے بعد آپ نے آیت ہذا تلاوت فرمائی (ترجمہ) جو شخص انہی غیوب خمسہ میں سے کسی ایک کا دعویٰ کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتا ہے)

سوال: صرف انہی پانچوں کو غیوب کا خزانہ کیوں کہا گیا ہے حالانکہ جملہ غیوب ایسے ہی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

جواب: چونکہ کفار نے صرف انہی کے متعلق سوال کیا تھا اسی لیے انہیں خصوصیت سے بیان کیا گیا ہے۔

ازالۂ وہم وہابیہ دیوبندیہ چونکہ اہلِ جاہلیت کا طریقہ تھا کہ وہ اس قسم کے سوالات منجمین سے کیا کرتے تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ وہ غیب کا علم رکھتے ہیں۔ (اسی لیے اللہ تعالیٰ نے علمِ غیب کو اپنا خاصہ بتایا تاکہ جاہلوں کا عقیدہ مٹ جائے۔ جب یہ بات واضح ہوگئی تو پھر حضور علیہ السلام کو اپنے بہت سے غیوب بتائے اور اظہار و اخفاء کا حکم فرمایا۔ تفصیل تفسیر اویسی میں دیکھئے)[1]

مسئلہ: کاہن جب غیب کی خبریں دیں جو بھی اس کی تصدیق کرے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتا ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
من اتی کاھنا فصدقہ فیما یقول فقد کفر بما انزل اللہ علی محمد۔

(جو شخص کاہن کے پاس آکر اس کی غیبی خبروں کی تصدیق کرے تو وہ حضور علیہ السلام پر نازل کردہ آیات سے کفر کرتا ہے)

ف: کاہن وہ ہے جو مستقبل کی خبریں دے اور معرفتِ اسرار کا دعویٰ کرے۔ اہلِ جاہلیت کے کاہن تھے جو وہ معرفتِ اسرار کے مدعی تھے۔ بعض ان میں وہ تھے جو کہتے کہ ہمارے جنات تابع ہیں وہی ہمارے ہاں غیبی خبریں بتاتے ہیں۔

مسئلہ: ابوالحسن آمدی نے مناقب الشافعی میں لکھتے ہیں کہ میں نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے سنا کہ جو شخص اگرچہ اہلِ عدالت ہو اور دعویٰ کرے کہ اس نے جن کو دیکھا ہے تو وہ گواہی دینے کے قابل نہ رہا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

انہ یراکم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونہم۔
آیت میں اللہ تعالیٰ نے عوام سے جنّات کے دیکھنے کی نفی فرمائی ہے۔ ہاں اگر مدعی نبی علیہ السلام ہوں تو ماننا فرض ہے۔ کذا فی حیوۃ الحیوان۔
مسئلہ: نجومی جو کاہن کی طرح آنے والے حالات کا دعویٰ کرے تو وہ بھی کاہن کی طرح ہے۔

حدیث شریف میں ہے:
من سأل عرّافا لم تقبل لہ صلاۃ اربعین لیلۃ۔
(جو عرّاف (مستقبل کے علوم کے مدعی) سے کوئی بات پوچھے تو چالیس دن تک اس کی نماز قبول نہ ہوگی)
ف: عرّاف وہ ہے جو چور کی چوری اور گم شدہ اشیاء کے مقامات کی خبر دے۔
مسئلہ: اس سوال سے اس کی مراد یہ ہو کر اس کی خبر کو واقعی سچا سمجھے اور مسئول کی عظمت کا اعتراف کرے۔
مسئلہ: جب یہ اعتقاد ہو کہ اسے اللہ تعالیٰ سے الہام ہوا ہوگا یا اُسے جنّات بتاجاتے ہوں گے وہ جنّات جو ملائکہ سے سُن کر بتاتے ہیں۔ اس کی تصدیق اور ایسا اعتقاد حرام ہے۔ اگر یہ اعتقاد ہو کہ وہ عالم غیب ہے تو ایسا اعتقاد کفر ہے (صرف اس لیے کہ یہ لوگ منجانب اللہ علم غیب نہیں رکھتے بلکہ اٹکل پچو سے کام چلاتے ہیں ورنہ انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا علیہم السلام کا معاملہ کچھ اور ہے وہ اس لیے کہ ان کا علم اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہوتا ہے اویسی غفرلہٗ)
مسئلہ: اگر ان لوگوں (منجمین وکاہنین) سے امتحان کے طور سوال کرے یا ان کے باطن کے متعلق معلومات کا ارادہ ہو اور اس کے ہاں صدق وکذب کا امتیاز بھی ہو تو کوئی حرج نہیں۔
مسئلہ: خلاصہ یہ کہ علمِ غیب خاصۂ خدا ہے۔

(ردِّ وہابیہ دیوبندیہ نجدیہ ہم اہلسنت کا یہی عقیدہ ہے کہ علمِ غیب اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے لیکن وہ کریم اپنے فضل وکرم سے انبیاء و اولیاء کرام کو اپنے غیوب کے بہت سے جزئیات سے آگاہ فرماتا ہے اسے ہم علم عطائی سے تعبیر کرتے ہیں لیکن وہابی نجدی دیوبندی نہیں مانتے اس کا فیصلہ ہم صاحبِ رُوح البیان قدس سرّہٗ سے کراتے ہیں جو اس دیوبندی بریلوی اور سُنّی وہابی کے اختلاف سے سینکڑوں سال پہلے تھے۔ وہ اپنی تفسیر میں اس کا فیصلہ لکھتے ہیں:)

وما روی عن الانبیاء والاولیاء من الاخبار عن الغیوب فبتعلیم اللہ تعالیٰ اما بطریق الوحی او بطریق الالہام والکشف فلا ینافی ذٰلک الاختصاص	وہ جو انبیاء و اولیاء سے غیبی خبریں مروی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم (عطا) سے ہیں یا بطریق وحی یا بطریق الہام کشف، یہ اس کے منافی نہیں کہ علمِ غیب تو خاصۂ خداوندی ہے ہاں اس کا خاصہ ہے مگر انبیاء و

علم الغیب مما لا یطلع علیہ الا الانبیاء والاولیاء والملائکۃ کما اشار الیہ بقولہ ؛

"عالم الغیب فلا یظہر علیٰ غیبہ احدًا الا من ارتضیٰ من رسول"

اشار الیہ بقولہ ؛

وعندہٗ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو۔

(روح البیان ج ۷، ص ۱۰۵)

اولیاء و ملائکہ میں سے جسے چاہے مطلع فرمادے۔ جیسا کہ اس کی طرف اشارہ فرمایا اپنے قول ذیل میں ؛

"وہ عالم غیب ہے اپنے خاص غیب پر کسی کو مسلط نہیں فرماتا مگر اس رسول کو جس سے وہ راضی ہو"

جیسا کہ اشارہ فرمایا اپنے قول ذیل سے ؛

اور اس کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں اس کے سوا انھیں کوئی نہیں جانتا۔

مسئلہ ؛ بعض ایسے غیوب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مخصوص فرمائے ہیں جنہیں نہ کوئی ملک مقرب جان سکتا ہے نہ کوئی نبی مرسل۔ چنانچہ وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو اسی لیے فرمایا گیا۔

مسئلہ ؛ علم الساعۃ بھی منجملہ ان علوم کے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے مختص رکھا ہے ہاں اس کی علامات بتائی ہیں جنہیں صاحبِ شرع نے ظاہر فرمایا۔ مثلاً خروجِ دجال اور نزولِ عیسیٰ علیہ السلام اور مغرب سے سورج کا طلوع اور دیگر وہ امور جو قربِ قیامت میں ظاہر ہوں گے۔ مثلاً بدعات سیئہ کا غلبہ اور خواہشات اور شہوات کا دور دورہ وغیرہ۔

مسئلہ ؛ بعض اولیاء کرام نے بعض اوقات نزولِ بارش کی خبر دی ایسے ہی بتایا کہ ماں کے پیٹ کے اندر بچہ ہے یا بچی۔ تو ویسے ہی ہوا جیسے انہوں نے خبر دی۔ اسے ہم الہامِ صحیح پر محمول کریں گے۔

حکایت حضرت ابو العزم الاصفہانی رحمہ اللہ تعالیٰ شیراز میں تھے اور بیمار ہو گئے۔ فرمایا ؛ میں یہاں نہیں مروں گا۔ اگر میری بات غلط ہو اور میں یہاں فوت ہو جاؤں تو مجھے یہودیوں کے گورستان میں دفن کر دینا اس لیے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ لیا کہ میری موت طرطوس میں واقع ہو اور میں یہیں مدفون ہوں۔ چنانچہ اس مرض سے شفا پا کر طرطوس پہنچے اور وہیں پر فوت ہوئے۔ یعنی اللہ والے نے پہلے ہی کہہ دیا کہ وہ شیراز میں فوت نہیں ہوں گے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا جیسے انہوں نے فرمایا۔

حکایت فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ میرے پیر و مرشد قدس سرہٗ نے اپنی بعض تحریروں میں اپنی وفات کی خبر بیس سال پہلے لکھ دی تھی۔ چنانچہ جیسے فرمایا ویسے ہی ہوا۔ یہی ولایتِ صحیحہ اور وراثتِ نبویہ کی علامت ہے۔

سوال ؛ جب یہ غیوب بعض اولیاء کرام کے لیے ممکن ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام سے کیوں نفی فرمائی ؟

جواب ؛ اللہ تعالیٰ نے اس میں اپنے بندوں کو دوسری طرف متوجہ فرمایا کہ انسان عبادات و طاعات

بقیہ صـ ۳۲۵

سُوْرَةُ السَّجْدَةِ مَكِّيَّةٌ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا ۳۰ رُكُوْعَاتُهَا ۳

سورہ سجدہ مکی ہے اس میں — اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا — تیس آیتیں اور تین رکوع ہیں

الٓمّٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ

کتاب کا اتارنا بے شک پروردگار عالم کی طرف سے ہے کیا کہتے ہیں ان کی بنائی ہوئی ہے

بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ

بلکہ وہی حق ہے تمہارے رب کی طرف سے کہ تم ڈراؤ ایسے لوگوں کو جن کے پاس تم سے پہلے کوئی ڈر سنانے والا نہ آیا اس

يَهْتَدُوْنَ ﴿۳﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ

امید پر کہ وہ راہ پائیں اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے چھ دن میں

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۗ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ ۗ اَفَلَا

بنائے پھر عرش پر استوا فرمایا اس سے چھوٹ کر تمہارا کوئی حمایتی اور نہ سفارشی تو کیا تم دھیان

تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴﴾ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ

نہیں کرتے کام کی تدبیر فرماتا ہے آسمان سے زمین تک پھر اسی کی طرف رجوع کرے گا اس دن

كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۵﴾ ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

کہ جس کی مقدار ہزار برس ہے تمہاری گنتی میں یہ ہے ہر نہاں اور عیاں کا جاننے والا

الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۶﴾ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ

عزت و رحمت والا وہ جس نے جو چیز بنائی خوب بنائی اور پیدائش انسان کی ابتدا مٹی

مِنْ طِيْنٍ ﴿۷﴾ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۸﴾ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ

سے فرمائی پھر اس کی نسل رکھی ایک بے قدر پانی کے خلاصہ سے پھر اسے ٹھیک کیا اور اس

مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۹﴾

میں اپنی طرف کی روح پھونکی اور تمہیں کان اور آنکھیں اور دل عطا فرمائے کیا ہی تھوڑا حق مانتے ہو

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ

اور بولے کیا جب ہم مٹی میں مل جائیں گے کیا پھر نئے بنیں گے بلکہ وہ اپنے رب کے حضور حاضری

كٰفِرُوْنَ ﴿۱۰﴾ قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾

سے منکر ہیں تم فرماؤ تمہیں وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے پھر اپنے رب کی طرف واپس جاؤ گے

تفسیر عالمانہ

الٓمّٓ ○ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ہر کتاب خلاصہ ہوتا ہے اور
قرآن مجید کا خلاصہ حروف مقطعات ہیں۔ اور فرمایا کہ الف کا مخرج اقصائے حلق ہے اور

یہی مخارج کا پہلا مخرج ہے اور لام کا طرف سے ان ہے اور یہ مخارج کا اوسط مخرج ہے اور میم کا دو لب ہیں اور یہی مخارج کا آخری مخرج ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ اپنے اول و اوسط و آخر احوال و اقوال میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مانوس ہو۔

ف : حضرت البقلی نے فرمایا کہ الف میں اعلام کی طرف اور لام میں لزوم کی طرف اور میم میں ملک کی طرف اشارہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بتایا کہ ان پر عبودیت لازم ہے اور قہراً و جبراً ان کا مالک حرف وہی ہے یہاں تک کہ طوعاً و کرہاً ہر ایک اسی کی عبادت کرتا ہے جو صرف تم تک محدود۔ ہم ربنا ایاک ایسے احب نے عبادت کی وہ صفت میں اور اس کے ارادہ و مشیت کا مسخر ہوا وہ نور ذات میں پہنچا۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ الف میں محبّین کی الفت کی طرف اشارہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے وصال کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ایسے ہی عارفین کی طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ حضرات اللہ تعالیٰ کے انس کے بغیر زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ اور لام میں محبین کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ وہ لقائے حق کے طالب ہوتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ مجھے ان کی پروا نہیں کہ وہ صفائی پر مقیم رہیں یا وفا میں کوتاہی کریں۔ اور میم میں ان اولیا کرام کی طرف اشارہ ہے جو اپنے مراد و تمنا کو ترک کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ کو مقدم سمجھتے ہیں اسی لیے میں نے بھی انہیں اپنے تمام بندوں سے ممتاز فرمایا ہے۔

نورِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کُن سے پہلے حضورِ حق میں کشف الاسرار میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ فطرت کو پیدا فرمایا تو اسے اپنے حضور میں رکھا جیسے چاہا۔ یہاں تک کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حضور میں ایک لاکھ سال بعض روایات میں دو ہزار سال رہے۔ اس مدت میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر روز ستر ہزار بار نظرِ کرم سے نوازتا اور ہر نگاہِ کرم پر جدید نور کے لباس سے سنوارتا اور بہت بڑے الطاف سے نوازتا اور ہر نظرِ کرم پر آپ سے فرماتا کہ آپ کو قرآن مجید کی عصمت سے معزز فرمایا جائے گا۔

بقیہ ۳۲۳ سے آگے

میں مشغول ہو تاکہ آخرت کی سعادت سے نوازا جائے اور ایسی باتوں کے درپے نہ ہو جو اسے فائدہ نہ دیں اور نہ ہی ایسے امور میں مشغول ہو جو فضول ہوں۔ ایسے اعمال کا خوگر ہو جو اسے آخرت میں کام دیں۔

(صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ) تفسیر سورۂ لقمان ۸ شعبان ۱۱۰۹ھ بروز بدھ ختم ہوئی اور فقیر اویسی غفرلہ نے اس کے ترجمہ سے ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۹۸ھ شبِ جمعرات بعد نمازِ عشا فراغت پائی۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک وصلی اللہ علیٰ حبیبہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عالم دنیا میں بھیجا گیا تو نزولِ وحی کے وقت اسی فطرۃ قدیم کی یاد دہانی کرا کر آپ کے قلب مبارک کو تسکین دی جاتی اسی فطرت قدیم کی تصدیق میں فرمایا : الٓمّٓ۔ اس کے الف میں اللہ تعالیٰ کی طرف اور لام جبریل علیہ السلام کی طرف اور میم سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ! یہ وہی وحی ہے جس کے متعلق میں نے آپ سے ازل میں وعدہ فرمایا تھا کہ وہی وحی (قرآن) آپ کی عزت و عظمت کی عصمت ہوگا اور وہی آپ کا سب سے بڑا معجزہ ہوگا۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ الٓمّٓ خبر ہے اور اس کا مبتدا محذوف ہے دراصل عبارت یوں ہے : ھٰذہٖ السورۃ مسمّاۃ بالٓمّٓ۔ اس کا معنی صاحب روح البیان نے کہا کہ الٰہیت میری اور تقدیس جبریل علیہ السلام کی اور بزرگی (مجد) حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔

تفسیر عالمانہ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ اس کی ترکیب میں کئی وجوہ ہیں، مناسب ترین یہ ہے کہ یہ مبتدا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ قرآن کو آسمان سے زمین پر بھیجنا لَا رَيْبَ فِيْهِ یہ الکتاب سے حال ہے یعنی درانحالیکہ اس میں اہلِ عقل کو کوئی شک نہیں مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؁ یہ مبتدا مذکور کی خبر ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس لیے بھیجا کہ اس سے استفادہ کیا جائے اور اس کی طرف سے آنے میں اشارہ ہے کہ سراسر معجزہ ہے۔

شان نزول جب قرآن مجید کے تنزیل من رب العالمین کا انکار کیا تو ان کے رد میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اَمْ۔ یہ منقطعہ ہے بمعنے بَلْ اَ۔ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ کیا وہ کہتے ہیں کہ حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید خود گھڑ لیا ہے۔ یہ قول تعجب خیز اور نہایت درجہ کا غلط کہ جس کا بطلان ظاہر ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب احباب کا ملنا دشوار ہو تو پھر ان کا مراسلہ ہی محبوب ترین ہوتا ہے ؎

ذوقے رسد از نامۂ تو روز فراقم
گر نامۂ طاعت نرسد روز قیامت

ترجمہ : جدائی و فراق کے وقت اتنا ذوق بخشتا ہے کہ اگر قیامت میں نامۂ طاعت میسر نہ ہو تو بھی غم نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے جملہ عالم کی طرف اپنا مراسلہ (قرآن مجید) بھیجا تا کہ ظاہر بین اسے پڑھ سن کر اہلِ غفلت اپنی غفلت دور کریں اور اہلِ خدمت کو بشارت نصیب ہو اور اہلِ باطن کو باطنی اسرار کو نور و سرور حاصل ہو تا کہ ان کے قلوب و اسرار انوار و تجلیاتِ ربانی سے مالا مال ہوں نیز اس سے اہلِ قرابت کو ڈرایا جائے تا کہ نہ وہ غیر اللہ کی طرف متوجہ ہوں اور نہ مانوس۔ کیونکہ اس کے خلاف عمل کرنے سے ایسے بلند مراتب سے گر جاتے ہیں نیز اس سے اہلِ محبت کو وعدۂ رؤیت لقا کی خوشخبری دی جائے اس لیے کہ ان لوگوں کو بساط وصال پر لقا نصیب ہوتا ہے اور انھیں فنا کے بعد

عالم وحدت میں بقا حاصل ہوتی ہے جس میں وہ حق کے ساتھ حق کے لیے حق سے بولتے ہیں اسی لیے جب اہل غفلت ان کا حقائق بھرا کلام سنتے ہیں تو انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایسی بات اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کی جا سکتی ہے۔

زد شیخ شہر طعنہ بر اسرار اہل دل
المرء لایزال عدوا لما جہل

ترجمہ: اہلِ اسرار کے کلام پر شیخِ شہر نے طعنہ مارا لیکن مرد ہمیشہ اس کا دشمن ہوتا ہے جس سے وہ لاعلم ہوتا ہے۔

ربط: اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے انکار کی حقیقت کو بیان فرمایا بَلْ یعنی وہ بات نہیں جو کافروں نے کہی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ هُوَ وہ قرآن الْحَقُّ حق ہے یعنی یہ کلامِ الٰہی ہے جو درست اور صحیح اور ثابت ہے مِنْ رَّبِّكَ تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

اب اس کی غرض وغایت بیان فرمائی لِتُنْذِرَ تاکہ آپ عذاب الٰہی سے ڈرائیں قَوْمًا قوم یعنی اہلِ عرب کو مَّا نافیہ ہے اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ نہیں آیا ان کے ہاں کوئی بھی ڈر سنانے والا مِّنْ قَبْلِكَ آپ کے ڈرسنانے سے یا آپ کے زمانۂ اقدس سے پہلے یہ اس لیے کہ قریش حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اہلِ فترت سے تھے اور لوگوں میں گمراہ ترین اور ہدایت سے کوسوں دور ہو گئے تھے اس لیے کہ یہ بالکل ان پڑھ تھے (اور ان پڑھ جب راہِ حق سے بھٹکتا ہے تو دُور جا پڑتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:
لیس بینی وبینہ نبی۔

(میرے اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان (عرب میں) کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا)

اگرچہ اسماعیل علیہ السلام عرب میں تشریف لائے لیکن وہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھے اور عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت بھی صرف ان کی قوم تک محدود تھی اور پھر ان کے وصال کے بعد ان کی نبوت (کے احکام) منقطع ہو گئے اور خالد بن سنان اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے لیکن انھیں ان کی قوم نے ضائع کر دیا۔ یعنی وہ اتنا وقت نہ گزار سکے کہ وُہ اپنی قوم کو من حیث النبوت دعوت دیتے۔ ان کا قصہ مفصل طور ہم نے بیان کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انہیں اسلام اور توحید سمجھنے کے لیے حجۃ عقلیہ کا استعمال ضروری تھا اس لیے کہ وہ عقلاً اور استدلال پر قدرت رکھتے تھے اگرچہ ان پر حجۃ رسالیۃ لازم نہ تھی۔ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝ تاکہ وہ آپ کے ڈرسنانے سے ہدایت پا سکیں اور یہ ترجی (امید دلانا) حضور علیہ السلام کی وجہ سے ہے۔ یعنی آپ ہی انھیں ڈرسنانے سے امید رکھیں کہ ممکن ہے کہ انھیں توحید واخلاص نصیب ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعثتِ انبیاءؑ کی اصلی غرض یہی ہے کہ انھیں راہِ حق کی پہچان کرائی جائے۔ پھر ہر ایک اپنی استعداد ازلی کے مطابق ہدایت پاتا ہے۔ ہاں جس کی ازل سے استعداد نہیں تو وہ محروم رہتے ہیں جیسے کفر پہ اصرار کرنے والے، اس لیے

کہ ان پر نہ تربیت اثر کرتی ہے نہ کسی نبی علیہ السلام کا ہدایت کی راہ پر لگانا۔ ایسے ہی وہ لوگ جن کی فطرۃ میں خامی ہے ؎

توان پاک کردن ز زنگ آئینہ
و لیکن نیاید ز سنگ آئینہ

ترجمہ: شیشے سے زنگ اتارا جا سکتا ہے لیکن پتھر کبھی شیشہ نہیں بن سکتا۔

(**سوال**:) مثنوی شریف میں ہے: ؎

گر تو سنگ صخرہ و مرمر شوی
چون بصاحب دل رسی گوہر شوی

ترجمہ: اگر تم سخت پتھر یا سنگ مرمر ہو، جب ولی اللہ کے ہاں حاضری دو گے تو جوہر بن جاؤ گے۔

اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ فطرۃ ازلی بھی بدل سکتی ہے۔

جواب: یہ شعر اس فطرۃ کے لیے ہے جو حقیقت میں تو سعادت مند ہوتی ہے لیکن صحبتِ بد یا دیگر عوارض سے خراب ہو جاتی ہے۔ ورنہ ابو جہل کے متعلق کیا کہو گے جبکہ اس نے امام اولیاء و انبیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام کی بارہا زیارت کی لیکن اس کا دیکھنا بہ نظرِ حقارت ہوتا تھا اور وہ آپ کو یتیم ابی طالب سمجھ کر دیکھتا تھا اگر وہ بہ نظرِ تعظیم و تکریم دیکھتا تو ضرور کامیاب ہو جاتا۔ اور سب کو معلوم ہے کہ اس نے آپ کو بہ حیثیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی آپ کی نبوت و رسالت کو قبول کیا تھا۔ کیونکہ یہ نگاہ محبت و عشق سے نصیب ہوتی ہے اور وہ اس نگاہ سے محروم تھا ورنہ وہ واصل باللہ ہوتا۔ اس نے ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منکرانہ نگاہ سے دیکھا اسی لیے جوہر نہ بن سکا۔

شانِ اولیاءؒ یہی جواب اولیاء کرام کے دیکھنے والوں کے لیے ہوگا کیونکہ وُہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل وارث ہیں اسی لیے انہیں نگاہِ عقیدت سے دیکھنے سے قربِ حق نصیب اور نگاہِ انکار سے دیکھنے سے غضب الٰہی (نعوذ باللہ)۔

ف: آیت میں اھتدا سے جنت اور اس کے درجات کی ہدایت مراد ہے اور یہ مرتبہ عشقِ الٰہی اور ترک ماسوی اللہ اور فنا سے نصیب ہوتا ہے۔ پہلا عوام کے لیے ہے دوسرا مرتبہ اہل اللہ یعنی خواص کا ہے جو پہلے لوگوں سے کامل بلکہ اکمل ہوتے ہیں۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ وہ ارشادات اولیاء پر التزام اور اہل ہوا اور خواہشات نفسانی کے پرستاروں سے اجتناب کرے اس لیے کہ اہل ہوا اہلِ ہُدیٰ سے نہیں اور ظاہر ہے کہ مُردہ زندے کو کوئی تلقین نہیں کر سکتا البتہ زندہ مُردے کو تلقین کر سکتا ہے۔

حکایت حضرت الشیخ نجم الدین اصفہانی قدس سرہٗ مکہ معظمہ میں ایک نیک کے جنازے میں شریک ہوئے اور ان کی تدفین کے لیے قبرستان تک چلے گئے۔ جب قبر پر تلقین کے لیے ایک مرد تلقین کرنے بیٹھا تو شیخ موصوف ہنس پڑے حالانکہ آپ کی عادت تھی کہ آپ ہنستے نہیں تھے۔ دوستوں نے سبب پوچھا تو آپ نے جھڑک دیا لیکن جب اپنے مسکن پر لوٹے تو فرمایا کہ میں اس لیے ہنسا تھا کہ تلقین کرنے والا جب اس بزرگ کو تلقین کرنے بیٹھا تو اندر سے ولی اللہ یعنی صاحبِ قبر نے فرمایا تعجب ہے کہ مردہ زندہ کو تلقین کر رہا ہے۔

حضرت صائب نے فرمایا: ؎

زبے درداں علاج درد خود جستن بداں ماند　　　　کہ خار از پا بروں آرد کسی بانیش عقربہا

ترجمہ: بے دردوں سے درد کا علاج تلاش کرنا اس شخص کی طرح ہے جو پاؤں سے بچھو کے ڈسنے سے کانٹا نکلوانا چاہتا ہے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: بلاف نا خلفاں زمانہ غرہ مشو
مرو چو سامری از رہ ببانگ گو سالہ

ترجمہ: زمانہ کے نااہل لوگوں کی لاف سے غرہ نہ ہو، سیدھی راہ سے بچھڑے کی آواز پر سامری کی طرح نہ ہٹنا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

در راہ عشق وسوسہ اہرمن بسیست
ہش دار و گوش دل بپیام سروش کن

ترجمہ: راہِ عشق میں بہت سے شیطان ہیں، ہوش رکھنا اور دل کے کان غیبی فرشتے کی طرف متوجہ کرے۔

دُعا: اے اللہ! ہمیں ان لوگوں سے بنا دے جو تیری جناب کی راہ پانے والے اور تیرے حسن وخطاب کے لائق ہیں اور اس خطاب کی برکت ہمیں گمراہی اور گمراہوں سے بچالے گی اور ہمیں غوایۃ اور غوایۃ والوں کی اقتدا سے محفوظ فرمائے گی اس لیے کہ ہادی و رہبر تو صرف تُو ہی ہے۔

تفسیر عالمانہ اَللّٰہُ یہ مبتدا اور اس کی خبر اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا۔ السَّمٰوٰت سے اجرام علوی اور الارض سے اجرام سفلی مراد ہیں وَمَا بَیْنَھُمَا اور انھیں پیدا فرمایا آسمان اور زمین کے درمیان ہیں جیسے بادل اور ہوا وغیرہما فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ چھ دنوں میں، یعنی دنیا کے چھ دنوں کی مقدار۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ وہاں کا ایک دن دنیا کے ہزار سال کے برابر تھا۔

مسئلہ: اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انہیں صرف ایک لحہ میں پیدا فرما دیتا لیکن بندوں کو امور میں تدریج کا

سبق دیا۔

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ پھر عرش پہ اس کا حکم مستولی (غالب ہوا) عرش کا نام اس لیے لیا کہ یہ تمام مخلوق سے عظیم تر ہے۔ اس کی تحقیق بارہا گزری ہے۔ اگر تمہارا ایمان سلامتی میں ہے تو تمہیں ہماری تحقیق سورہ فرقان کی کافی ہے اسی میں حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ کا ارشادِ گرامی بھی ہے مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا شَفِيْعٍ درانحالیکہ تم اللہ تعالیٰ سے تجاوز کرنے والے ہو تو تمہارے لیے نہ کوئی مددگار ہوگا جو تمہاری مدد کر سکے اور نہ کوئی تمہارا سفارشی ہوگا جو تمہاری شفاعت کر سکے تاکہ تمہیں عذابِ الٰہی سے بچا سکے اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ٥ کیا تم مواعظ ربانی و نصائحِ قرآنی سے نصیحت حاصل نہیں کرتے ہو۔

ف : الارشاد میں ہے کہ کیا تم یہ مواعظ سُن کر نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ اس تقریر پر انکار عدم استماع و عدم تذکر کی طرف راجع ہوگا یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ کیا تم مواعظ سُن کر نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ اس تقریر پر استماع کا تحقق ہوگا لیکن انکار ان کے عدمِ تذکر کی طرف راجع ہوگا۔

ف : تفکر و تذکر میں فرق یہ ہے کہ مطلوب کے فقدان کے وقت صفاتِ نفسانیہ کی وجہ سے قلب کے حجاب کے لیے تفکر استعمال ہوتا ہے اور رفع حجاب اور رجوع الی الفطرۃ الاولیٰ کے وقت تذکر ہوتا ہے۔ اسی وقت اسے ازلی استعداد کی توحید و معارف کو یاد آتا ہے۔

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ تدبّر بمعنے انجام کار کا فکر کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے بمعنے تقدیر اور اسباب کا تیار کرنا۔

مسئلہ : اللہ تعالیٰ نے آسمان میں مدبّر مقرر کر رکھے ہیں۔ مثلاً جبریل علیہ السلام ریاح وجنود کے مؤکل ہیں اور میکائیل علیہ السلام بارش کے قطرات اور نباتات کے، عزرائیل علیہ السلام قبضِ ارواح کے اور اسرافیل علیہ السلام ان کے ہاں امور نازل کرتے ہیں۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ وہ کریم اسبابِ سماویہ جیسے ملائکہ وغیرہ ہیں سے امر دنیا کی تدبیر فرماتا ہے کہ وہی فرشتے انہی اسباب کو آسمان سے زمین کی طرف لاتے ہیں تدبیر کا اپنی طرف منسوب کرنا اس طرف اشارہ کرنا ہے اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے سامنے بندوں کی تدبیر کا کوئی کام نہیں۔

ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ العروج بمعنے اوپر کو چڑھنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے عرج (بفتح الرا) و یعرج (بضمہا) بمعنے صعد یعنی وہ امر اللہ کی طرف اوپر کو چڑھتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں بالفعل ثابت ہے فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ ایک ہی دن میں جس کا اندازہ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ٥ ایک ہزار سال ہے جو تمہاری گنتی میں ہے یعنی بہت بڑے عرصہ کو وہ تھوڑے سے زمانہ میں طے کر لیتا ہے اس سے مراد یہی ہے کہ تدبیر امور میں بہت بڑے عرصہ گزرنے کے امکان کے باوجود وہ تھوڑے سے وقت میں سرانجام دیتا ہے۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ امورِ دنیا کی سرانجامی کے لیے مؤکلین ملائکہ کو حکم فرماتا ہے من السماء آسمان سے الی الارض زمین کی طرف۔ پھر وہ فرشتہ آسمان سے زمین کی طرف آکر آسمان کی طرف لوٹتا ہے اور اس کے لیے آنے جانے میں صرف ایک روز صرف ہوتا ہے جہاں تم اگر اسے طے کرتے تو تمہیں ہزار سال گزر جاتا وہ اس لیے کہ آسمان سے زمین تک پانچسو سال کی مسافت ہے اور آنے جانے میں لازماً ہزار سال بسر ہونا چاہیے۔

سوال : سورۃ معارج میں مقدارہ خمسین الف سنۃ ہے۔

جواب : وہاں سدرۃ المنتہیٰ کی مسافت مراد ہے کہ زمین سے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنے میں پچاس ہزار سال بسر ہوں گے لیکن فرشتہ اسے بھی ایک ہی دن میں طے کر لیتا ہے۔

ف : الیہ میں ضمیر کا مرجع فرشتے کا وُہ مکان ہے جہاں کا وہ مکین ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ زمین سے ہو کر اسی اپنے مکان میں لوٹتا ہے۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ امورِ دُنیا کو ایامِ دنیا کی مقدار میں تدبیر فرماتا ہے یہاں تک کہ قضاء و قدر آسمان سے زمین پر نازل ہوتی ہے پھر امرو تدبیر آسمان کی طرف لوٹتے ہیں تو امراء کے اوامر اور حکّام کے احکام منقطع ہو کر رہ جاتے ہیں باقی صرف اللہ تعالیٰ کا امر اسی دن کے لیے رہ جاتا ہے جسے قیامت کے دن سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ اس دن میں نہ کسی آمر کا امر چلے گا نہ کسی حاکم کا حکم۔ اور وہ دن ایسا ہے کہ اس کی مقدار ہمارے ہزار سال کے برابر ہے۔ کما قال تعالیٰ :

وان یوما عند ربک کالف سنۃ۔

اسے خمیس سنۃ کہنا بھی اسی اعتبار پر ہے کہ وہ دن کفار و مشرکین کے لیے ایسا سخت ہو گا کہ وُہ پچاس ہزار سال کا ہے لیکن بفضلہٖ تعالیٰ اہلِ ایمان کے لیے نہایت آسان اور اتنی قلیل مقدار میں کہ جتنا ایک نماز کی ادائیگی میں وقت صرف ہوتا ہے۔

مسئلہ : قیامت کا دن ہر ایک کے عمل کے مطابق چھوٹا بڑا ہو گا اور حشر میں کئی مواقف اور مواطن ہیں لیکن وُہ اشخاص و اعمال و احوال و مقامات کے لائق طویل قصیر ہوں گے۔

ف : صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس آیت کی تفسیر میں علماء کرام نے مختلف آراء پیش کی ہیں۔ بعض حضرات نے خاموشی کو سلامت سمجھ کر اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد فرمایا اس لیے کہ ہر وہ وجہ جو ہمارے وہم و قیاس میں آتی ہے اس پر کئی وجوہ سے جرح اور اعتراضات وارد ہو سکتے ہیں اور پھر ہمارے بیان میں قصور اور کوتاہی کا امکان ہے فلہٰذا اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے۔

فیصلہ از صاحبِ رُوح البیان

فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ) کہتا ہے کہ علماء کرام کے نزدیک جیوم کے چند مراتب ہیں اور ہر ایک مرتبہ

کے علیحدہ علیحدہ احکام ہیں۔ مثلاً یوم صرف ایک آن کا بھی ہے اور آن اس جزو کو کہا جاتا ہے جو غیر منقسم ہو۔ کل یوم ھو فی شان میں اسی یوم آنی کی طرف اشارہ ہے۔ اسی سے وہ یوم منفصل ہوتا ہے جس کی مقدار ہزار سال ہے اور وہ قیامت کا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ جو چاہے گا اپنے بندوں سے حساب لے گا اور جس کے لیے جتنی مقدار کا یوم بنانا چاہے گا بنائے گا۔ بعض ایسے خوش قسمت بھی ہوں گے جن کا حساب آنکھ جھپکنے سے پہلے ختم ہو جائے گا۔ کما قال تعالیٰ:

وما امرنا الا واحدۃ کلمح بالبصر۔

شانی یوم مذکور میں یہی راز ہے۔

ملائکہ کے مقامات و مراتب کی تقسیم عالم ملکوت ہر فرشتے کے علیحدہ علیحدہ مراتب و مقامات معلوم ہیں بعض ان میں ایسے ہیں جو مصعد معلوم سے مسقط الامر تک ایک ساعت سے کم بلکہ ایک لمحہ آتے جاتے ہیں جیسے سیدنا جبریل علیہ السلام کہ وہ سدرۃ المنتہیٰ جو احکام الٰہیہ کے مرکز سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ایک لمحہ میں حاضر ہو جاتے۔ ایسے ہی بارہا ایسا کیا کرتے تھے نزول وصعود مبداء کے اعتبار سے کم مدت کا ذکر ہے۔ مثلاً پہلا آسمان سدرۃ المنتہیٰ کی پہلی منزل شمار ہوتا ہے وہاں کے صعود و نزول کو ہزار سال سے تعبیر کیا گیا ہے اور سدرۃ المنتہیٰ عرش الٰہی سے نزول کے احکام کا مبدا ہے وہاں کے نزول وصعود کو پچاس ہزار سال سے تعبیر کیا گیا ہے اور قاعدہ ہے کہ قرآن کی بعض آیات دوسری بعض کی تفسیر کرتی ہیں اسی پر آیت تعرج الملئکۃ والروح (الآیۃ) دلالت کرتی ہے یعرج کا فاعل ملک ہے یعنی یہی یعرج جو اسی سورۂ سجدہ میں واقع ہے۔

سوال: الیہ کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ مکانیت سے پاک ہے تو پھر اس کا کیا جواب ہوگا اور نہ ہی اس کا کوئی منتہیٰ ہے۔

جواب: اس میں اس کے تقرب اور شرف عندہٗ مرتبیہ کی طرف اشارہ ہے دراصل اس سے مقام علوی معین مراد ہے (یہ جملہ مضمون صاحبِ روح البیان کا ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا تقریر لکھ کر فرمایا:)

هذا ما سنح لی والعلم عند الله الملك العلی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے، ھو الذی یدبر الامر من السماء۔ یہاں پر امر سے امرِ کن مراد ہے جو روح وقلب کے آسمان کا ایک طبقہ ہے الی الارض میں ارض سے ارضِ نفس و بدن ہے یعنی امر کن کے ساتھ سماء روح وقلب سے نفس و بدن کی زمین کی تدبیر فرماتا ہے ثم یعرج الیہ پھر وہ نفس جیسے ارجعی الیٰ ربك کا خطاب نصیب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف پرواز کرتا ہے فی یوم اس ایک دن میں جس میں قلب کا سورج چمکتا ہے اور نور جذبات حق تعالیٰ

سے زمین روشن ہو جاتی ہے کان مقدارہ جذبۂ الٰہی کے ساتھ اس کی پرواز کی مقدار الف سنة مما تعدون ایک ہزار سال کی ہوتی ہے جیسے تم جذبۂ الٰہی کے بغیر پرواز کرتے ہو۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جذبة من جذبات الحق توازی عمل الثقلین۔

(جذبات حق ایک جذبہ ثقلین کے عمل کے برابر ہے)

شیخ نسفی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کشف الحقائق میں ہے کہ نفس جزوی کو بلندی بھی حاصل ہے اور پستی اس کی بلندی فلک الافلاک تک ہوتی ہے اور وُہ فلک الافلاک عرش الٰہی ہے جو جملہ عالم کو محیط ہے اور اس کی پستی یہی عالم خاک ہے اس کے نزول سے زمین پر آنا مراد ہے۔ کما قال،

تنزل الملائکہ والروح۔

اور اس کے عروج سے فلک الافلاک مراد ہے۔ کما قال،

تعرج الملائکہ والروح۔

اس کے نزول و عروج کی مدت ایک ہزار سے کم اور پچاس ہزار سال سے زائد نہیں۔ کما قال:

تعرج الملائکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنة۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِكَ وہ اللہ جو اپنی ذات وصفات و افعال میں عظیم الشان جس کی صفت تخلیق و استواء اور مدد دینا اور تدبیر امر کائنات ہے۔ عٰلِمُ الْغَيْبِ جو مخلوق سے غائب اسے جانتا ہے وَالشَّهَادَةِ اور جو ان کے ہاں حاضر ہے اسے بھی جانتا ہے اور اپنی حکمتِ بالغہ کے تقاضے پر ان کے امور کی تدبیر فرماتا ہے۔

ف: جناب کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ امورِ دنیا و آخرت کو جانتا ہے یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہوگا اسے بھی جانتا ہے۔

ف: صوفیائے کرام نے فرمایا کہ غیب سے رُوح اور شہادۃ سے نفس و بدن مراد ہیں۔

الْعَزِيزُ وہ اپنے امر پر غالب ہے الرَّحِيمُ ۙ اپنے بندوں کے امور کی تدبیر میں رحیم ہے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ بندوں کی مصلحتوں کے مطابق امور کی تدبیر اس پر واجب نہیں بلکہ یہ اس کا ایک فضل و کرم ہے۔

الَّذِيٓ أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُۥ وہ اللہ جس نے ہر شے کی تخلیق کو بہتر بنایا ہے یہ ذٰلك کی دوسری خبر ہے۔

حلِ لغات امام راغب نے فرمایا کہ احسان دو قسم ہے بمعنے انعام علی الغیر۔ مثلاً کہا جاتا ہے: احسن الیٰ فلان۔ یعنی فلاں نے اسے انعام سے نوازا۔

دوسرا کسی کے فعل میں حسن کا پایا جانا۔ مثلاً کوئی کسی اچھی شے کو معلوم کرے یا اچھا عمل کرے۔ اسی دوسرے معنے پر سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قول ہے؛

الناس علی ما یحسنون۔ (لوگ اپنے افعال حسنہ کے علم کی طرف منسوب ہیں)

اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کو صورۃً و معناً اچھا بنایا ہے جیسا کہ بندے کی استعداد اور اللہ تعالیٰ کی حکمتِ موجبہ کا تقاضا تھا۔

اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ اپنی ہر پیدا کردہ شے کو اچھا بنایا یعنی اپنے تقاضائے حکمت پر ہر شے کو اچھے طریقے سے سنوارا ہے

۱ کردن آنچہ در جہان شاید	کردۂ آنچنانکہ مے باید
۲ از تو رونق گرفت کار ہمہ	کہ توی آفریدگار ہمہ
۳ نقش دنیا بلوح خاک از تست	دل دانا و جان پاک از تست

ترجمہ: (۱) جو جہان میں لائق ہے اسے کرنا، تُو نے وہ کرلیا جو کرنا چاہیے۔

(۲) تجھ سے ہی تمام امور نے رونق پکڑی، تُو نے ہی تمام کام پیدا کئے۔

(۳) لوحِ خاک پر نقشِ دنیا تجھی سے ہے۔ دل دانا اور جان پاک تجھ سے ہے۔

حکمتِ الٰہی کا نمونہ اللہ تعالیٰ نے جانور کے پاؤں بڑے اور پرندوں کی گردن طویل بنائی تاکہ قوت کا حصول ان پر متعذر نہ ہو۔ اگر ان میں کچھ تفاوت ہوتا تو ان پر حصول قوت مشکل ہو جاتا۔

اسی طرح ہر انسان کے ہر عضو کو مبنی بر حکمت و مصلحت اسی طور بنایا گیا ہے جو اس کی معاش میں اس کی مدد کرے۔ اس معنے پر اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق بہتر ہے اگرچہ شکل وصورت کے لحاظ سے مختلف ہے اور ان میں بعض حسن اور بعض احسن ہیں۔ کما قال تعالیٰ:

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا؛

انسان بہ حیثیت تخلیق حسن ہے۔

حضرت البقلی نے فرمایا:

انسان از جہت امتحان قبیح ہے لیکن بایں معنی کہ امر رحمٰن سے ظاہر ہوا ہے اس لیے احسن ہے۔

اور الشیخ ایزدی نے فرمایا؛

اللہ تعالیٰ نے حُسن و قبح کو پیدا فرمایا لیکن قبیح وہ ہے جو اس کے علم میں تھا کہ یہ قبیح ہوگا تو اس کا قبیح ہونا بھی احسن واصوب ہوگا اس لیے کہ وہ اسی طرح عالمِ ظہور میں آیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا اور مستحسنات کو حسن اس وقت کہا جائے گا جب ان کے مقابلہ میں مستقبحات ہوں اور قبیح حسن کی نقیض ہے اور قبیح ہونا اسی

لیے ہے کہ حسن کا ظہور ہو۔ اس تقریر پر وہ قبیح بھی حسن ہوگا کہ حسن کے ظہور کا سبب بنا ہے اور قاعدہ حسن کا سبب بھی حسن ہوتا ہے۔

صاحبِ روح البیان کا فیصلہ فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ حسن و قبح کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل اور اس کی ہر صنعت جمیل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مطلق تخلیق کی مدح فرمائی ہے۔ کما قال؛

افمن یخلق کمن لا یخلق۔

ازالۂ وہم وہابیہ دیوبندیہ نجدیہ (وہابی دیوبندی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر کے انکار پر کہا کرتے ہیں کہ کیا حضور علیہ السلام گندی اور بری جگہوں پر بھی حاضر و ناظر ہیں؟ ہم انھیں کہتے ہیں کہ کہنا بے ادبی و گستاخی ہے لیکن ماننا ضروری۔ انھیں مندرجہ ذیل طریق سے سمجھایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خالقِ کل کائنات ماننا ضروری ہے لیکن زبان سے یہ کہنا کہ وہ بندروں، خنزیروں، سانپوں اور بچھوؤں وغیرہ کا خالق ہے بے ادبی اور گستاخی ہے۔ اس موضوع پر فقیر اویسی غفرلہ کا رسالہ "تنبیہ الغبی فی ان النجس لایقدح مشہود النبی" کا مطالعہ ضروری ہے۔ صاحبِ روح البیان نے اوپر والی دلیل لکھ کر فرمایا:)

لکنہ لایقال فی مقام المدح انہ تعالیٰ خالق القردۃ والخنازیر والحیات والعقارب ونحوھا من الاجسام القبیحۃ والضارۃ بل یقال خالق کل شئ۔ (روح البیان، ج ۷، ص ۱۱۱)

لیکن مقام مدح میں یہ نہ کہا جائے کہ وہ الخنزیر (سؤر) اور الحیات (سانپ) اور بندروں اور بچھوؤں وغیرہا کا خالق ہے تمام اجسام ضرررساں کی نسبت اس کی طرف نہ کی جائے۔ ہاں بالاجمال کہہ سکتے ہیں کہ وہ ہر شے کا خالق ہے۔

ف: خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق قبیح نہیں بلکہ مخلوق کو صورۃ کے لحاظ سے قبیح کہا جاسکتا ہے جو حسن کے لحاظ سے اسے قبیح سمجھا جائے گا ورنہ فی نفسہ قبیح نہیں۔ مثلاً گدھا اپنے استعداد کے اعتبار سے قبیح ہے۔ ایسے ہی کتا وغیرہ۔ ان کی صورت کو قبیح اسی معنے پر کہا جائے گا کہ مقتضائے حکمتِ الٰہیہ نے اسے ایسے ہی پیدا فرمایا ہے ایسے ہی کتے کو نجس کہنا دنیوی اور صوری لحاظ سے ہے ورنہ بحیثیت تخلیق ایزدی کے صورۃً بھی باکمال اور حقیقت میں مرتبہ کے اعتبار سے بھی باکمال۔ اگر مخلوقِ خدا اسی استعداد پر ظہور پذیر نہ ہوتی جیسے اس کی حکمت کا تقاضا تھا تو ہم ہر ناقص کو قبیح کہتے۔ اس معنے پر اللہ تعالیٰ کی تخلیق پر حرف آتا ہے اس لیے اس ناقص کو بھی اللہ تعالیٰ ہی نے بنایا ہے اور اس کی صنعت کو ناقص یا قبیح کہنا کفر ہے۔

وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ اور جمیع مخلوقات میں انسان یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا

مِنْ طِیْنٍ ۞ گارے سے ۔ الطین مٹی اور پانی کی ملاوٹ کو کہا جاتا ہے اگرچہ اس سے پانی زائل ہو جائے تب بھی اسے طین کہا جائے گا۔

ف : حضرت شیخ عبدالعزیز نسفی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کو اربعہ عناصر سے پیدا فرمایا لیکن چونکہ مٹی ظاہر ہے اسی لیے اس کا بار بار نام لیا اور وہ خاکِ آدم مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان سے لی گئی۔ اس کی ایک روایت میں چالیس سال تک اور دوسری روایت میں چالیس ہزار سال تک تربیت کی گئی۔

(چنانچہ حدیث قدسی میں ہے :)

حدیث قدسی خمرت طینۃ آدم بیدی اربعین صباحا۔

(میں نے آدم (علیہ السلام) کے گارے کو اپنے دستِ قدرت سے چالیس روز گوندھا)

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ اس انسان کو کون سا نقصان ہے جبکہ اسے اللہ تعالیٰ نے مٹی سے بنایا لیکن اس کا کمال قلب میں رکھا مگر شان ایسی کہ نہ عرش کو نصیب ہوئی نہ کرسی کو نہ افلاک کو اور نہ ملائکہ کو۔ اس لیے وہ اشیاء صرف اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور انسان بندہ بھی اور محبوب بھی۔

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ پھر بنایا اس کی اولاد کو۔ ذریۃ آدم کو نسل سے اس لیے تعبیر کیا ہے کہ نسل بمعنے انفصال، اور چونکہ اولاد آدم علیہ السلام سے جدا ہوتی ہے اسی لیے اس نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

چنانچہ المفردات میں ہے :

النسل بمعنی الانفصال من الشئ والنسل الولد ۔

وہ اس لیے کہ وہ والد سے جدا ہوا ہے مِنْ سُلٰلَةٍ اسی نطفہ سے جو انسان کی پیٹھ سے جدا ہوا ہے۔

ف : جناب کاشفی نے لکھا کہ پشت سے ایک خلاصہ باہر فرمایا۔ اس سے بدل ہے مِنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۞ حقیر وضعیف پانی سے ۔ (کذا فی القاموس) یعنی ضعیف وخوار پانی سے ۔ اس سے منی مراد ہے۔ ثُمَّ سَوّٰىهُ پھر اس انسان کو جیسے اس کے اعضاء کی تصویر وتشکیل لائق تھی، رحم میں مکمل کر کے برابر کیا۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ پھر آدم کے قالب کو سیدھا کیا۔

اور نسفی نے فرمایا :

تسویۂ آدم سے اس کے ارکان کی برابری مراد ہے یعنی ہر چہار ارکان کے اجزا برابر ہوتے۔ اسے یوں سمجھیے کہ جیسے کاریگر اپنی صنعت میں جہاں اس میں خامی دیکھتا ہے تو اسے بزور بازو یا آلات سے صحیح کرتا ہے۔ ایسے ہی تمثیلاً انسانی ڈھانچہ کے لیے فرمایا وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ یہاں پر روح کی اضافۃ الی اللہ تشریفی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عجیب اور شریف مخلوق ہے بلکہ اسے ذاتِ باری تعالیٰ سے ایک خصوصی تعلق ومناسبت ہے۔

حدیث شریف اسی لیے حدیث شریف میں فرمایا ؛
من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہٗ ۔

(جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا)

ف : الکواشی نے لکھا کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک مخصوص شے انسان میں رکھی جس سے انسان میں زندگی کا مادہ حساس پیدا ہُوا حالانکہ یہ بھی تو ایک جماد محض ہے یہاں نفخ کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے۔

ف : الشیخ عزالدین بن عبد السلام نے فرمایا کہ رُوح جسم نہیں کہ وہ ایسے حلول رکھتا ہو جیسے پانی برتن میں۔ اور نہ وہ عرض ہے جو قلب یا دماغ میں سواد کی طرح اسود میں یا علم عالم میں حلول کیے ہوئے ہو بلکہ وہ ایک جوہر لا یتجزیٰ ہے۔ اسی پر اہل بصائر کا اتفاق ہے اور تسویۃ فی المحل القابل کے فعل کا نام ہے وُہ آدم علیہ السلام کے لیے مٹی اور اولاد کے لیے نطفہ، کہ آدم علیہ السلام کی مٹی صاف ستھری کر کے اور نطفہ دیگر آلائش سے صاف ہو کر تعدیل مزاج کے ساتھ پروان چڑھا اور ان کے اجزاء نہایت اعلیٰ درجہ کی مناسبت سے بنائے گئے اور اس میں قبول روح اور اسے بند کرنے کی استعداد رکھی گئی النفخ سے المحل القابل میں نور روح کا شعلہ مارنا مراد ہے اس سے معلوم ہوا کہ نفخ اسی شعلہ زدنی کا سبب تھا ورنہ نفخ کا لغوی معنی تو اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے ایسے ہی اس کے لیے مسبب بھی محال ہے اس سے نتیجہ نکلا کہ یہاں نفخ سے اس کا نتیجہ مراد ہے یعنی اشعا (شعلہ مارنا) اور وہ سبب جس سے نور روح مشتعل ہوا وہ صفت فی الفاعل و المحل القابل ہے۔ فاعل کی صفت سے اس کا جود مراد ہے جو عالم وجود کا سرچشمہ ہے اور وہ کریم ہر موجود کا حقیقی فیاض بذاتہٖ ہے اور اسی کا وجود ہر موجود کی حقیقت ہے یعنی ہر موجود اسی سے قائم ہے متکلمین اس صفت کو قدرت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے سورج کے نور کا فیض ہر اس جگہ پر پہنچے گا جس میں ارتفاع حجاب کے بعد اس کے نور سے استفادہ کی استعداد ہوگی اور قابل ملونات ہیں نہ ہوا کہ جس میں تلون کا مادہ ہی نہیں اور محل قابل کی صفت وہ استواء و اعتدال ہے جو تسویہ سے حاصل ہوئی۔ اس قابل کی صفت کی مثال شیشہ سے زنگ صاف کرنے کی ہے۔

ف : روح جہت و مکان سے منزّہ ہے اور اس کی قوت کا یہ عالم ہے کہ وُہ ہر شے کو جانتا ہے اور ہر شے کو محیط ہے یہی مناسبت و مشابہت اعضائے انسانی میں اور کسی عضو کو حاصل نہیں۔ اسی معنے پر اسے اللہ تعالےٰ کی طرف مضاف کیا گیا۔

روح کے اقسام انسانی روح چند اقسام پر مشتمل ہے ؛

(۱) روح طبعیٰ اس کا محل جگر جو انسان کے دائیں پہلو میں واقع ہے۔

(۲) روح حیوانی، اس کا محل دل ہے جو بائیں پہلو میں ہے۔

(۳) روح نفسانی، اس کا محل دماغ ہے۔

(۴) روح انسانی، اس کا محل وہی روح نفسانی ہے۔

(۵) روح قدسی، یہ بمنزلہ بتی کی بٹ کے ہے اور روحانی بمنزلہ زجاجہ کے ہے۔
روح طبعی بمنزلہ مشکاۃ کے ہے مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح میں اسی طرف اشارہ ہے۔

ف : چونکہ وہی روح انسانی ہے روح طبعی وحیوانی میں حیوان وانسان ایک دوسرے کے شریک نہیں، روح انسانی سے انسان حیوان سے ممتاز ہے اس لیے کہ یہ عالم امر سے ہے اور عام انسان ان ارواح میں برابر ہیں لیکن اولیاء اللہ روح قدسی میں ان سے ممتاز ہیں لیکن یہ روح قدسی فنائے تام کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں میں پھونکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسی روح سے زندہ فرمائے اور ہم پر فتوح کے انواع تک پہنچائے۔ آمین

وَجَعَلَ لَكُمُ اے بنی آدم! تمہارے منافع کے لیے پیدا فرمایا **السَّمْعَ** تاکہ ان آیات تنزیلیہ کو سنو جن میں بعث وتوحید کا بیان ہے **وَالْاَبْصَارَ** اور پیدا فرمائیں تمہاری آنکھیں تاکہ تم آیات تکوینیہ کو دیکھو، جن کا ان آنکھوں سے مشاہدہ ہوتا ہے **وَالْاَفْئِدَةَ** اور پیدا فرمائے تمہارے کان تاکہ سمجھو اور ان سے اللہ تعالیٰ کے آیاتِ تنزیلیہ وتکوینیہ پر استدلال کرسکو۔

حل لغات : الافئدۃ، فواد کی جمع ہے بمعنے قلب۔ لیکن قلب کو فواد اس وقت کہتے ہیں جب اس میں توقد کا معنیٰ ہو۔

قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ بہت تھوڑے لوگ ہیں جو ان نعمتوں کے مالک کا شکر ادا کرتے ہیں یہاں قلت بمعنے نفی ہے اس میں کفار کی نعمتوں اور اپنے رب کی ناشکری کا بیان ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ بہت تھوڑے انسان ہیں جو اپنے نفس کو مرآتیہ سے پہچانتے ہیں تاکہ وہ اپنی محسنیۃ کو پہچانیں جو اسی مرآتیہ نفس میں متجلی ہے اس لیے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ کما قال :

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون۔

یہاں پر لیعبدون بمعنے لیعرفون ہے۔ اور یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفۃ حقیقۃ کا مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے وارثین اولیاء کاملین کی رہبری سے نصیب ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی انسان سے محبت کی دلیل اللہ تعالیٰ نے عرش کرسی، لوح قلم اور بہشت دوزخ اور آسمان وزمین وغیرہ پیدا فرمائے لیکن ان میں سے کسی سے محبت وپیار کا اظہار نہیں فرمایا سوائے انسان کے، کہ اس سے محبت وپیار کا کمال فرمادیا، اس کے ہاں پیغمبر علیہم السلام بھیجے کہ ان کے ذریعے سے وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرے اور انوار واسرار اور تجلیات و برکات سے نوازا جائے بلکہ نوری ملائکہ کو ان کا خادم اور نگران ونگہبان بنایا اور ان کے اندر سوز ومحبت اور عشق کا مادہ رکھا اور ایمان کے خطوط ان کے دل پر منقش فرمائے اور اپنی محبت ان میں پیدا فرمائی اور دنیوی نعمتیں اور پاکیزہ رزق انہیں بخشا۔ کما قال :

قل ھی للذین اٰمنوا فی الحیٰوۃ الدنیا۔

اور کافر جو دنیوی نعمتیں کھاتا ہے وہ مومن کے طفیل کھاتا ہے اور قیامت کی نعمتیں صرف اہلِ ایمان کے لیے خاص ہیں۔ کما قال :

خالصۃ یوم القیٰمۃ۔

اس سے کافر کو ایک گھونٹ بھی نصیب نہ ہوگا۔

سبق دانا وہ ہے جو نعمتوں اور منعم کو پہچانتا اور خدمت شکر میں جدّ و جہد کرتا ہے اگر اس کے خلاف کرے گا تو اہلِ بطالت سے ہو جائے گا۔ اگر بدل وجان ظاہری باطنی نعمتوں کا شکر کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ مزید نعمتوں سے نوازے گا۔ یعنی اس کی ہر طرح سے طاعت وعبادت کرے گا اور ملأ الاعلیٰ کے ہاں اس کی تعریف کرے گا اور اسے احسن جزا عطا فرمائے گا یعنی بہشت اور اس کی نعمتیں، اور اس کے بلند درجات عطا فرمائے گا جو دائمی و سرمدی ہیں۔ یہ عوام کے لیے ہے۔ اور خواص کے لیے یہ ہے کہ انھیں قربات و مواصلات اور سرمدی تجلی سے نوازے گا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جن کے شکر وطاعت کی ہر گھڑی برآن تعریف کرتا ہے اور ہمیں ان لوگوں سے نہ بنائے جو تضییع اوقات واستعداد کو فاسد کرتے اور زمین پر فساد برپا کرتے ہیں تو ان کی مذمت فرماتا ہے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَقَالُوْٓا کفارِ قریش، جیسے اُبی بن خلف وغیرہ نے کہا یہی لوگ بعد الموت اُٹھنے کے منکر تھے ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ۔

حلِ لغات : القاموس میں ہے :

ضلّ بمعنے صار ترابا وعظاما وخفی وغاب۔

دراصل اس کا استعمال ضل الما، فی اللبن ہوتا ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب پانی دودھ میں مل کر گم ہو جائے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم ہلاک ہو کر مٹی میں مٹی ہو جائیں، پتا نہیں چلے گا کہ ہمارا بھی کوئی وجود تھا۔ (یہی بات آج وہابی دیوبندی پارٹی کا قائد مولوی اسمٰعیل دہلوی حضور سرورِ کونین امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط الفاظ منسوب کر کے لکھتا ہے کہ "میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں" دیکھیے تقویۃ الایمان۔ اویسی غفرلہٗ)

یعنی کفار کا عقیدہ تھا کہ ہمارے اعضاء کی خاک زمین کی مٹی سے ایسے مل جائے گی جیسے دودھ میں پانی مل جاتا ہے تو دودھ اور پانی کی تمیز ختم ہو جاتی ہے ایسے ہی مرنے کے بعد ہمارا حال ہوگا یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم مدفون ہو کر زمین میں لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل ہو جائیں گے اس کا عامل نبعث یا یجدد خلقنا ہے۔ جیسا کہ اس پر ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ط دلالت کرتا ہے۔ ءَاِنَّا کا ہمزہ انکار سابق کی

تاکید و تذکیر کرتا ہے۔ اب معنی یہ ہُوا کہ کیا ہم مرنے اور معدوم ہو جانے کے بعد ایسے زندہ اٹھائے جائیں گے جیسے ہم مرنے سے پہلے تھے یہ بہت ہی عجیب و غریب معاملہ ہے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ ان کا انکار مرنے کے بعد جی اُٹھنے پر مبنی ہے ورنہ موت سے انھیں انکار نہ تھا اس لیے کہ موت کا روزانہ مشاہدہ کرتے تھے۔ ان کے عقیدے کا خلاصہ یہ ہے کہ کیا ہم مرنے کے بعد نئی تخلیق میں ہوں گے حالانکہ ہم تو مرتے ہی مٹی میں مل کر مٹی ہو جائیں گے۔ ان کے کفر بالبعث کے بیان کے بعد ان کے گندے اور بُرے عقیدے کو بیان فرمایا کہ وُہ تو اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہونے کے بھی منکر ہیں۔ چنانچہ بَلْ هُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ۝ لقاء رب سے قیامت اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا مراد ہے۔ کافروں بمعنے جا یدوں یعنی انکار کرنے والے یعنی وہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہونے کے منکر ہیں۔

مسئلہ: جو اللہ تعالیٰ کا منکر ہے وُہ قیامت میں حاضر ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوگا اور جو اللہ تعالےٰ پر ایمان رکھتا ہے وہ قیامت میں حاضر ہوگا تو اس پر اللہ تعالیٰ راضی ہوگا۔

قُلْ یہاں سے حق عقیدہ کا بیان اور کفّار کے غلط عقیدے کا رد شروع فرمایا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلّم! انھیں فرمائیے يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ۔

حلِ لغات: التوفی بمعنے شے کو پُورے طور لینا اور گنتی پُوری کرنا۔ الصّحاح میں ہے:

توفاہ اللہ بمعنے قبض روحہ اور لوفاۃ بمعنے الموت۔

الملك ایک لطیف نورانی جسم ہے جو مختلف شکلوں میں متشکل ہو سکتا ہے۔ بعض محققین نے فرمایا کہ ملائکہ کی وہ جماعت جو سیاسی امور پر متعین ہے اسے ملَك (بالفتح) کہا جاتا ہے جیسے انسانوں کے سیاسی امور کو سرانجام دینے والے کو ملِك (بالکسر) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ ہر ملک ملائکہ سے ہے لیکن ملائکہ کا ہر فرد ملک نہیں بلکہ ملک وُہ ہیں جنہیں مدبرات، مقسمات، نازعات وغیرہا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ الموت یہ صفت وجودیہ اور مخلوق ہے اور حیاۃ کی نقیض ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ تم سب کے ارواح عزرائیل (علیہ السلام) قبض کرے گا کسی ایک فرد کو بھی نہیں چھوڑے گا اور سخت ترین تکلیف دے کر رُوح قبض کرے گا، کسی کو مُنہ پر اور کسی کو پیٹھ پر تھپڑ لگے گا۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ تم سب کی ارواح عزرائیل علیہ السلام قبض کرے گا اور جن پر موت مقرر ہے ان کا کوئی ایک فرد بھی نہیں چھوڑے گا۔ خود عزرائیل علیہ السلام پر بھی موت ہے جن کی رُوح خود اللہ تعالیٰ قبض کرے گا۔

ملک الموت کی موت کا بیان

مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق مرجائے گی تو اللہ تعالیٰ ملک الموت سے پُوچھے گا (حالانکہ اسے تمام علم ہے) کہ اے ملک الموت! کون باقی رہ گیا؟ ملک الموت عرض کرے گا: اے اللہ! صرف یہ تیرا کمزور بندہ باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم نے میرے انبیاء و اولیاء اور میرے بندوں کو موت کا ذائقہ چکھایا اور یہ میرے علم قدیم

میں تھا کہ سب کو فنا ہو گی اور بقا صرف میری ذات کو ہے۔ اسے ملک الموت! تم تیار ہو جاؤ کیونکہ اب تمہاری باری ہے۔ ملک الموت عرض کرے گا: الٰہی! میں ایک کمزور بندہ ہُوں لہٰذا اپنے کمزور بندے پر لطف و کرم فرمانا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بہشت و دوزخ کے درمیان اپنے دائیں چہرے پر ہاتھ رکھ کر لیٹ جائیے، ایسے ہی تجھ پر موت آئے گی۔ چنانچہ جُونہی وہ لیٹیں گے ان پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے موت آ جائیگی۔

مسئلہ: آیت میں کفار کا رد ہے کہ وہ موت کو احوالِ طبعیہ سے سمجھتے تھے اور کہتے کہ جب بموجب جبلت وہ حال حیوان پر طاری ہوتا ہے تو وہ مرجاتا ہے۔

اَلَّذِیْ وُكِّلَ التوکیل کسی غیر پر بھروسا کرنا اور اسے اپنا نائب بنا لینا یعنی کسی کو کسی کام پر کھڑا کرنا اور اسے اپنا کام سونپ دینا **بِكُمْ** یعنی وہ ملک الموت جو تمہارے ارواح قبض کرنے اور تمہارے آجال کے احصا پر مقرر ہے **ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ** ○ پھر تم اپنے رب تعالیٰ کے ہاں حساب و جزا کے لیے مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے اور پھر اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر کیے جاؤ گے۔ یہی لقاء اللہ کا معنیٰ ہے۔

ف: اس آیت میں ملک الموت کو متوفی اور قابضِ ارواح فرمایا گیا ہے اور دوسری آیت رسل ملائکہ یعنی متعدد فرشتوں کو موت دینے کا فرمایا اور تیسری آیت میں خود اپنے لیے فرمایا: اللہ یتوفی الانفس الخ ان آیات میں تطابق یُوں ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے قبضِ ارواح ملک الموت کرتا ہے اور دوسرے فرشتے ان کی معاونت میں ہوتے ہیں اس لیے کہ ہر فعل کا فاعلِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی معنے پر جمیع مخلوق کی ارواح قبض کرنے والا بھی صرف وہی ہے اور ملک الموت اور اس کے اعوان ارواح قبض کرنے کا ایک واسطہ و ذریعہ ہیں۔

ف: ابن عطیہ نے فرمایا کہ تمام جانوروں کی ارواح خود اللہ تعالیٰ قبض فرماتا ہے ان سے ملک الموت کا کوئی واسطہ نہیں یعنی ان کی حیات کو معدوم کر دیتا ہے جس سے وہ مرجاتے ہیں اور بنو آدم کے ساتھ بھی ایسے ہی ہے لیکن ان کے شرف و بزرگی کے پیشِ نظر ان کی قبضِ ارواح کے لیے ملک الموت کو واسطہ اور ذریعہ بنایا اور دوسرے ملائکہ ان کی معاونت کرتے ہیں۔

ملک الموت حاضر و ناظر مروی ہے کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام بنو آدم کی ارواح قبض کرتے ہیں حالانکہ وہ مختلف مقامات پر ہوتے ہیں اور وہ خود اپنی مخصوص جگہ پہ رہتا ہے اور یہ طاقت اسے اللہ تعالیٰ نے بخشی ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے ابلیس ایک جگہ پر رہ کر جملہ بنو آدم کے قلوب میں وسوسہ ڈالتا ہے (لیکن وہابیہ دیوبندیہ نجدیہ کے عقول اندھے ہو گئے کہ وہ نبی علیہ السلام کے لیے ایسی طاقت کا نہ صرف انکار کرتے ہیں بلکہ ایسے عقیدے کو شرک گردانتے ہیں۔ نعوذ باللہ)

ملک الموت کے کمالات (۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی حضرت عزرائیل علیہ السلام سے فارس میں ملاقات ہوئی تو جبرئیل علیہ السلام نے عزرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ وبا کے وقت کس طرح کرتے ہیں جبکہ ہزاروں کی تعداد میں مختلف مقامات پر مرتے ہیں؟ ملک الموت نے فرمایا: تمام زمین لپیٹ کر میری ران پر رکھ دی جاتی ہے اس میں جن پر موت مقدر ہوتی ہے اپنے ہاتھ سے ان کی ارواح قبض کر لیتا ہوں۔

(۲) مروی ہے کہ ملک الموت علیہ السلام کے لیے تمام دنیا ہاتھ کی ہتھیلی یا تھال کی مانند ہے اس میں جس کی روح قبض کرنا چاہتے ہیں بلا تکلف قبض کر لیتے ہیں۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مشرق و مغرب کا درمیانی فاصلہ حضرت ملک الموت علیہ السلام کا ایک قدم ہے۔

(۴) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ملک الموت علیہ السلام کے پاس ایک چابک ہے جو مشرق و مغرب کے ایک ایک کونے تک پہنچ سکتا ہے اور حضرت ملک الموت علیہ السلام تمام لوگوں کے چہرے ہر وقت دیکھ سکتے ہیں اور شب و روز میں ہر ایک کو دو بار دیکھتے ہیں۔ جب دیکھتے ہیں کہ کسی کی موت کا وقت آ پہنچا ہے تو وہ چابک اس کے سر پر مارتے ہیں جس سے وہ مر جاتا ہے۔

(۵) مروی ہے کہ ملک الموت علیہ السلام آسمان و زمین کے درمیان ایک سیڑھی پر جلوہ افروز ہیں، ان کے ہاں رحمت و عذاب کے اعوان فرشتے ہیں وہی اعوان ملائکہ انسان کی روح قبض کرتے ہیں جب حلقوم کے قریب مُردہ کی رُوح پہنچتی ہے تو اسے ملک الموت علیہ السلام لے لیتے ہیں۔

(۶) مروی ہے کہ حضرت ملک الموت کے چار چہرے ہیں، ان کا ایک رُخ نار کی طرف ہے، اس سے کفار کی ارواح قبض کرتے ہیں۔ دوسرا ظلمت میں ہے اس سے منافقین کی ارواح قبض کرتے ہیں۔ تیسرا رحمت میں ہے اس سے مومنین کی ارواح قبض کرتے ہیں۔ چوتھا نور میں ہے اس سے انبیاء اور صدیقین کی ارواح قبض کرتے ہیں۔ جب اہل ایمان کی روح قبض کرتے ہیں تو اسے ملائکۂ رحمت کے سپرد کر دیتے ہیں۔ جب کافر کی رُوح قبض کرتے ہیں تو عذاب کے فرشتوں کی طرف بھیج دیتے ہیں۔

(۷) ملک الموت علیہ السلام زمانۂ اول میں روح قبض کرتے تو بلا سبب موت واقع ہوتی تھی لیکن موت کے وقوع پر لوگ ملک الموت علیہ السلام کو گالی دیتے اور (معاذ اللہ) آپ پر لعنت بھیجتے۔ حضرت ملک الموت نے اللہ تعالیٰ سے شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے موت کا سبب امراض و اوضاع کو بنایا۔ اس لیے اب موت کے وقوع پر ہم کہتے ہیں کہ فلاں فلاں بیماری سے اور فلاں فلاں درد سے مر گیا وغیرہ وغیرہ۔

حدیث شریف میں ہے کہ امراض و اوجاع موت کے قاصد اور پیغام رساں ہیں جب موت کا وقت قریب ہوتا ہے تو حضرت ملک الموت مُردہ کے ہاں تشریف لا کر فرماتے ہیں کہ اے بندۂ خدا

تیرے ہاں اطلاعات بھجوائی گئیں اور میرے متعدد قاصد تیرے ہاں آئے لیکن اب میں خود آیا ہوں۔ اس کے بعد تیرے ہاں کوئی نہیں آئے گا کیونکہ میں اللہ تعالیٰ موت کا آخری رسول ہوں اب تو چاہے نہ چاہے تیری روانگی کا وقت آگیا۔ جب ملک الموت علیہ السلام روح قبض کر لیتے ہیں تو لوگ چیختے چلاتے ہیں، تو ملک الموت علیہ السلام فرماتے ہیں کس پر اور کیوں روتے ہیں جبکہ بخدا میں نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا اور نہ ہی میں نے اس کا رزق کھایا ہے بلکہ اسے تو اس کے مالک نے بنایا ہے انھیں تو اپنے اوپر رونا چاہیئے اے بندگانِ خدا! تم بھی تیار رہو میں تمہارے ہاں بار بار آؤں گا اور ایک ایک کو ایسے ہی لے جاؤں گا جیسے اسے لیے جا رہا ہوں یہاں تک کہ میں تمہارے کسی ایک کو یہاں نہیں رہنے دوں گا۔

ف: کاشفی نے لکھا اس شخص پر تعجب ہے جس کے لیے در پے ایسا حریف ہے پھر بھی وہ آسودگی کا طلبگار ہے ؎

آسودگی مجوے کہ از صدمت اجل
کس را ندادہ اند برات مسلمی

ترجمہ: اجل کے صدمات سے آسودگی کیسی! اس سے تو کسی کو برأت نہیں۔

بوستان میں ہے:

بیا اے کہ عمرت بہفتاد رفت
مگر خفتہ بودی کہ بر باد رفت

کہ یک لحظہ صورت نہ بندد امان
چو پیمانہ پر شد بدور زمان

ترجمہ: آ اے فلاں کہ تیری عمر ستر سال کو پہنچی ہے۔ ابھی تم سو رہے ہو عمر برباد ہوگئی وہاں تو ایک ساعت بھی امان نہ ملے گی جب دورِ زمان کا پیالہ چھلک پڑا۔

ف: بعض مشایخ نے فرمایا کہ اگر انسان کے قلب میں غفلت نہ ہوتی تو اس کی قبضِ روح کا معاملہ حضرت عزرائیل کے حوالے ہرگز نہ کیا جاتا۔

حکایت حضرت خیر نساج قدس سرہٗ بیمار تھے ان کے ہاں ملک الموت تشریف لائے اور ان کی روح قبض کرنے کا ارادہ کیا اُدھر مؤذن نے اذان پڑھی اِدھر آپ نے ملک الموت سے کہا، ٹھہریئے مجھے فرضِ الٰہی ادا کرنے دیجئے تاکہ فریضۂ حق فوت نہ ہونے پائے اور آپ کا حکم بھی سر آنکھوں پر۔ لیکن آپ کا فریضہ فریضۂ حق کے سامنے کچھ نہیں۔ یہ کہہ کر سربسجود ہوئے اور عرض کی، یا اللہ! جب تُو نے روح کی نعمت بخشی تو کوئی تکلیف نہ ہوئی لیکن اس کے نکلنے کے وقت تکلیف کیوں، کیا اچھا ہوتا اگر میری روح بغیر تکلیف کے نکل جائے۔ یہی کہا اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی ؎

یا رب ار فانی کنی ما را بہ تیغ دوستی
مر فرشتہ مرگ را باما نباشد ہیچ کار
ہر کہ از جام تو روزے شربت شوق تو خورد
چوں نماند آں شراب او داند آں رنج خمار

ترجمہ : اسے اللہ ! اگر محبت کی تلوار سے مجھے فنا کرنا چاہتا ہے تو پھر موت کے فرشتے کو مجھ سے کیا کام ! کیونکہ جو بھی تجھ سے شوق کے شربت کا ایک گلاس پیتا ہے جب اس کے ہاں وہ شراب ہی رہے گا تو اسے خمار کیا رہے گا !

تفسیر صُوفیانہ بعض محققین نے فرمایا کہ ملک الموت سے محبت الٰہیہ مراد ہے اس لیے کہ یہ صفات انسانیہ سے روح کو قبض کرتی اور اس کے صفات کی محبوب و مرغوب چیزوں سے اسے مشتاق ہے اس لیے کہ محبت الٰہی روح کو ما سوی اللہ کے تعلقات ختم کر دیتی ہے پھر جذبۂ ارجعی الٰی ربك سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتی ہے۔ صوفیاء محققین کے نزدیک خواہشات نفسانیہ کے دبانے کا نام موت ہے اس لیے کہ جو بھی خواہشاتِ نفسانیہ کو دباتا ہے اسے حقیقی حیات نصیب ہو جاتی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

الموت ھو التوبۃ۔

(موت توبہ کو کہا جاتا ہے)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

فتوبوا الٰی بارئکم فاقتلوا انفسکم۔

(جو حقیقی توبہ کرتا ہے وہ گویا اپنے نفس کو قتل کر دیتا ہے) ؎

مکن دامن از گرد ذلت بشوی
کہ ناگہ ز بالا بہ بندند جوی

ترجمہ : اپنے دامن کو ذلت کی گرد سے دھو ڈال، اس وقت پچھتائے گا جب اُوپر سے نہر کا پانی بند کر دیا جائے۔

(اگلا صفحہ ملاحظہ ہو)

وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَ سَمِعْنَا

اور کہیں تم دیکھو جب مجرم اپنے رب کے پاس سر نیچے ڈالے ہوں گے اے ہمارے رب اب ہم نے دیکھا اور سنا ہمیں پھر

فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَ لَوْ شِئْنَا لَاٰتَیْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا

بھیج کہ نیک کام کریں ہم کو یقین آگیا اور اگر ہم چاہتے ہر جان کو اس کی ہدایت عطا فرماتے

وَ لٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّیْ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۳﴾

مگر میری بات قرار پاچکی کہ ضرور جہنم کو بھر دوں گا ان جنوں اور آدمیوں سب سے

فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِیْتُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِیْنٰكُمْ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ

اب چکھو بدلہ اس کا کہ تم اپنے اس دن کی حاضری بھولے تھے ہم نے تمہیں چھوڑ دیا اب ہمیشہ کا عذاب

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا

چکھو اپنے کئے کا بدلہ ہماری آیتوں پر وہی ایمان لاتے ہیں کہ جب وہ انہیں یاد دلائی جاتی ہیں سجدہ

وَّ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ هُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ

میں گر جاتے ہیں اور اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے اس کی پاکی بولتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے ان کی کروٹیں جدا ہوتی ہیں

یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ۫ وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِیَ

خوابگاہوں سے اور اپنے رب کو پکارتے ہیں ڈرتے اور امید کرتے اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے کچھ خیرات کرتے ہیں تو کسی جی کو نہیں معلوم جو

لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾ اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ

آنکھ کی ٹھنڈک ان کے لیے چھپا رکھی ہے صلہ ان کے کاموں کا تو کیا جو ایمان والا ہے وہ اس جیسا ہو جائے گا جو

فَاسِقًا ؕ لَا یَسْتَوٗنَ ﴿۱۸﴾ اَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى

بے حکم ہے یہ برابر نہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کے لیے بسنے کے باغ ہیں ان کے کاموں کے صلہ

نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ

میں مہمانداری رہے وہ جو بے حکم ہیں ان کا ٹھکانا آگ ہے جب کبھی اس میں سے نکلنا

یَّخْرُجُوْا مِنْهَاۤ اُعِیْدُوْا فِیْهَا وَ قِیْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ

چاہیں گے پھر اسی میں پھیر دیئے جائیں گے اور ان سے فرمایا جائے گا چکھو اس آگ کا عذاب جسے تم جھٹلاتے تھے

تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَ لَنُذِیْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ

اور ضرور ہم انہیں چکھائیں گے کچھ نزدیک کا عذاب اس بڑے عذاب سے پہلے جسے دیکھنے والا

یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ

امید کرے کہ ابھی باز آئیں گے اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جسے اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی گئی پھر اس نے ان

الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾

سے منہ پھیر لیا بے شک ہم مجرموں سے بدلہ لینے والے ہیں

تفسیر عالمانہ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ یہاں پر مجرمون سے وہی لوگ مراد ہیں جنھوں نے کہا تھا ءَ اذا ضللنا الخ۔ الکواشی میں لکھا ہے کہ لو اور اذا ماضی کے لیے ہیں۔ مضارع پر داخل ہو کر اسے ماضی کے معنے میں لاتے ہیں وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ماضی و مستقبل برابر ہیں اور پھر وقوع ماضی میں یقین ہوتا ہے اور مستقبل میں ظن۔ یہاں پر اگرچہ واقعہ مستقبل میں ہوگا لیکن اسے ماضی سے تعبیر کرنا اس کے یقینی وقوع کے لیے ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اگر تم دیکھو جب مجرمین نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ النکس بمعنے الٹے سر ہونا یعنی حیا اور حزن وغم سے قیامت میں سرنگوں ہو کر کہیں گے رَبَّنَآ اے ہمارے پروردگار! اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا اب ہم اس لائق ہو گئے ہیں اور ہمیں استعداد حاصل ہو گئی ہے کہ تیری آیات مبصرہ و مسموعہ کا ادراک کر سکتے ہیں حالانکہ اس سے قبل ہم ان میں کسی ایک کا ادراک نہیں کر سکتے تھے فَارْجِعْنَا پس ہمیں دنیا میں واپس بھیج دے۔ یہ رجع رجعًا بمعنے ردّ و صرفٌ کے ہے نَعْمَلْ صَالِحًا ہم اسی طرح صالح عمل کریں گے جیسے تیری آیات کا تقاضا ہے اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ۝ بے شک ہم اب یقین کر چکے ہیں۔

ف : الارشاد میں ہے کہ اب انھیں آیات کے معانی کے فہم پر قدرت ہو گی اور ان کے قلوب صحیح وسالم ہوں گے اسی لیے یہ دعویٰ کریں گے ورنہ دنیا میں تو انھیں ان آیات کو سمجھنا تو درکنار ان سے سخت بغض و عداوت تھی اور نہ ہی انھیں سمجھنے کی کوشش کرتے۔

ف : لو کا جواب محذوف ہے وہ لرأیت امرا فظیعًا ہے۔ یہ معاملہ تحقیقاً مستقبل اور تاویلاً ماضی ہے گویا کہا گیا کہ یہ معاملہ تو یقیناً ہو چکا اگر تم اسے دیکھتے تو ضرور گھبرا جاتے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جملہ اہلِ دنیا مجرم ہیں اور ان کا جرم صرف اتنا تھا کہ وہ دنیا اور اس کی شہوات پر ٹوٹ پڑے اور دنیا کے سامنے سرنگوں ہو گئے حالانکہ اس سے قبل یعنی میثاق میں سربلند تھے اور سر اٹھا کر الستُ بربکم کا خطاب سُنا اور پھر سر کو بہت اونچا کر کے بلیٰ کہا۔ لیکن جونہی عالم دنیا میں پہنچے تو دنیا اور اس کی شہوات اور شیطان کے سامنے سر جھکا دیا اور دنیوی خواہشات پر جانوروں کی طرح ٹوٹ پڑے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اولٰئك كالانعام بل هم اضل۔

نکتہ : یاد رہے کہ جانوروں کی طلب شہوات میں جبلی ضلالۃ (گمراہی) نہیں اور نہ ہی وہ عبودیت الٰہی کے

مامور اور شہوات سے روکے گئے ہیں تاکہ ان کے شہوات میں مبتلا ہونے والوں کو اوامر و نواہی الٰہیہ کا مخالف کہا جاسکے اور چونکہ انسان شہوات میں حیوان کا شریک ہے لیکن اسے اوامر و نواہی کا پابند کیا گیا ہے اسی لیے اوامر و نواہی کی مخالفت کی وجہ سے اسے جانوروں سے گمراہ تر کہا گیا پھر جیسے وہ دنیا میں شہوات پر ٹوٹ پڑے تو گویا سرنگوں ہوئے تو اسی کیفیت پر انہیں موت آئے گی اور اسی حالت پر ان کا حشر ہوگا اس وقت انہیں دہشت گھیر لے گی اور خجالت کے مارے سرنگوں ہو کر بارگاہِ حق میں معذرت کریں گے۔ لیکن کیا فائدہ ؎

١ سر از جیب غفلت بر آور کنون
که فردا نماند خجلت نگون

٢ کنونت که چشمست اشکی ببار
زبان در دہانست عذری بیار

٣ نه پیوسته باشد روان در بدن
نه ہمواره گردد زبان در دہن

ترجمہ: (١) غفلت سے ابھی سے سر باہر کر تاکہ کل شرمساری سے سر نیچا نہ ہو۔

(٢) ابھی آنکھوں سے آنسو بہا زبان تیرے منہ میں ہے عذر لا۔

(٣) روح ہمیشہ جسم میں نہ رہے گا نہ زبان ہمیشہ منہ میں رہے گی۔

تفسیر عالمانہ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا فعل مقدر کا دبنا مذکور سے قبل فعل مقدر پر عطف ہے یعنی و نقول لو شئنا الخ اور انہیں کہیں گے کہ اگر ہماری مشیت کا تعلق فعلی ہوتا بایں طور کہ ہم نیک اور بُرے نفوس کو وہ راستہ دکھاتے جو انہیں دولتِ ایمان و اعمال صالحہ سے مالا مال کرتا اور اگر ہم انہیں توفیق بخشتے تو دنیا میں ہی وہ ایمان و اعمال صالحہ سے نوازے جاتے کہ وہ دار الکسب والعمل تھا اسے ہم اس یوم آخرت پر مؤخر نہ کرتے جو دار الجزا ہے وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لیکن اب تو میری قضا و قدر ثابت ہوگئی اور تم پر میرا وعید کا وقت آچکا اور وہ وعید یہ ہے لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ الجنۃ (بالکسر) جنات کی ایک جماعت (کفار) اس سے شیاطین و کفار جن مراد ہیں وَالنَّاسِ اس سے وہ انسان مراد ہیں جنہوں نے کفر و معاصی اور آثام و جرائم میں شیاطین ابلیس کے تابعدار رہے۔ یعنی میں جہنم کو جن و انس سے پُر کروں گا۔ اَجْمَعِيْنَ ۞ یہ اجتماع علی الامر کی تاکید کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ ولکن حق القول منی یعنے سبقت کلمتی اس کلمہ سے وہ ارشادِ گرامی مراد ہے جو ابلیس کے لاغوینهم الآیۃ کے جواب میں فرمایا: لاملئن جهنم الخ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ولو شئنا یعنی اگر ہم ازل میں تمہیں اور جملہ اہلِ ضلالہ کو ہدایت دینا چاہتے لاٰتینا کل نفس ھدٰ یھا تو تمام ارواح پر ازلی نور کا چھینٹا مار کر سب کو ہدایت کی راہ پر کھڑا کر دیتے ولکن حق القول منی لیکن آدم علیہ السلام اور ابلیس کی تخلیق سے پہلے میرا حکم لاملئن الخ کر چکا تھا یعنی میری مشیّت کا تعلق بعض کے لیے ہدایت اور بعض کے لیے گمراہی سے ہو چکا تھا چنانچہ میں نے باقتضائے حکمت ارادہ کر لیا کہ ایک جماعت جہنم میں تو دوسری جماعت بہشت میں مقیم رہے گی تاکہ میرے دو صفات (۱) لطف و کرم (۲) قہر و غضب کا ظہور ہو اس لیے کہ جنّۃ اور اہلِ جہنم مظہرِ قہر و غضب ہیں اور میں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔

ف : عرائس البیان میں ہے کہ دوزخ قہرِ الٰہی کا دہن (منہ) ہے وہ کھلتا ہے تاکہ وہ حصہ حاصل کرے اور اس کا حصہ وہ لوگ ہیں جن میں قہرِ الٰہی کی مباشرت کی استعداد ہے۔ اور جنّۃ لطفِ الٰہی کا منہ ہے وہ بھی جب کھلتا ہے تو اپنا حصہ حاصل کرتا ہے اور وہ لوگ ہیں جن میں لطفِ الٰہی کی مباشرت کی استعداد ہے۔ اس سے ثابت ہوا لطیف کا رجوع لطیف کی طرف اور کثیف کا کثیف کی طرف ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو عارف باللہ بنا دیتا لیکن ازل میں وعدہ وعید مقدر ہو چکا وہ ہونا تھا اور ہوا اور رہوگا۔

ف : حضرت ابن عطا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر ہم چاہتے تو ہر ایک کو اپنی رضا جوئی کی توفیق بخشتے۔ لیکن ایسے نہیں ہوا تاکہ ہمارے اختیار اور غلبہ کا اظہار ہو اسی لیے وعدہ وعید مقدر ہو گیا۔

حکایت حضرت شبلی قدس سرہٗ سے اس آیت کا معنیٰ پوچھا گیا تو آپ نے دعا مانگی : یا اللہ! صرف شبلی کو ہی جہنم میں دھکیل کر جہنم کو پُر کر دے اور باقی اپنے تمام بندوں کو بہشت میں بھیج دے تاکہ تیرے بندے شبلی کا جی ٹھنڈا ہو کیونکہ شبلی کو تیرے عذاب سے راحت و سرور نصیب ہوتا ہے جیسے تیرے دوسرے بندے تیرے عفو و کرم سے خوش ہوتے ہیں۔

نکتہ : ان حضرات کے نزدیک لطف و قہر مساوی حیثیت رکھتے ہیں اس لیے کہ ان دونوں کا سرچشمہ ذاتِ حق کو مانتے ہیں اسی لیے وہ لطف و قہر میں برابر طور لطف اندوز ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایوب علیہ السلام تکالیف و بلیات میں مبتلا ہوئے تو خوش ہوئے اور کہا کہ میری صفائی جتنی ان مصائب و بلیات سے ہوئی ممکن ہے صحت و عافیت سے اتنی نہ ہوتی ؎

ما بلا خواہیم و زاہد عافیت
ہر متاعے را خریداری فتاد

ترجمہ : ہم آفات و بلیات کے طالب ہیں اور زاہد سلامت و عافیت کے۔ ہر سامان کا خریدار ضرور ہوتا ہے۔

حدیث شریف مع شرح عجیب حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے منبر پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا:

"قیامت میں اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو تین ارشادات سُنائے گا:

(۱) اے آدم (علیہ السلام)! اگر میں ازل میں کذابین پر لعنت اور کذب اور خلف پر بغض مقدر نہ کرتا اور یہ نہ لکھتا کہ میں ایسے لوگوں کو عذاب میں ضرور مبتلا کروں گا تو آج تیری اولاد پر ضرور رحم فرماتا جبکہ آج وہ شدید ترین عذاب میں مبتلا ہیں، چونکہ میں لکھ چکا ہُوں اور میں لکھا مٹا نہیں سکتا (اسی نیے میں اسے جہنم میں دھکیلوں گا جس نے میرے انبیاءؑ و رسل کی تکذیب کی اور میرے فرمان سے رُوگردانی کی، وہ انسان ہو یا جن!)

(۲) اے آدم (علیہ السلام)! میں ازل سے جانتا ہُوں کہ تیری اولاد میں کون کون لوگ جہنم میں جائیں گے اور یہ بھی جانتا ہُوں کہ ان کی استدعا پر اگر اب بھی میں انھیں دنیا میں بھیجوں تو پہلے سے بھی زیادہ شر و فساد پھیلائیں گے اور پھر توبہ کا تو نام بھی نہ لیں گے۔

(۳) اے آدم (علیہ السلام)! اب میں آپ کو ہی میزان پر کھڑا کرتا ہُوں آپ ہی اپنی اولاد کے کردار دیکھئے اور فیصلہ بھی آپ کے ہاتھ میں ہے کہ ان کے اعمال نیک ہوں یا بُرے لیکن ترازو میں اگر ذرہ برابر نیکی بڑھ جائے تو اُسے بہشت میں بھیج دینا اگر بُرائی بڑھ جائے تو اسے دوزخ میں بھیج دینا۔ لیکن میں تو صرف ان لوگوں کو جہنم میں داخل کروں گا جو ظالم ہوں گے۔

ف: اللہ تعالیٰ دوزخ کو بڑے جابروں اور متکبروں سے پُر کرے گا اور بہشت کو ضعیفوں، کمزوروں اور ناتوانوں سے۔

حدیث شریف میں ہے: جب اللہ تعالیٰ دوزخ میں بڑے بڑے سرکش و متکبر فرعون صفت اور ظالم بادشاہوں وغیرہم سے پُر کرے گا تو بہشت عرض کرے گی: یا اللہ! دوزخ کو بڑے بڑے لوگوں سے بھرا اور مجھ میں عاجز اور کمزور اور ناتواں لوگ بھیجے مجھے بھی بڑے بڑے لوگ عطا فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ بہشت کی آرزو پُوری کرتے ہُوئے اسی وقت اسی قسم کے لوگ پیدا کر کے بہشت کو بھر دے گا۔ رواہ انس رضی اللہ عنہ۔

ف: وہ لوگ بڑے خوش قسمت ہوں گے جو ابھی پیدا ہُوئے اور اسی وقت بہشت میں چلے جائیں گے نہ موت کا ذائقہ چکھا نہ دُوسرے دنیوی درد و آلام۔

دوزخ و بہشت کا جھگڑا مروی ہے کہ دوزخ و بہشت جھگڑیں گی کہیں گی مجھے بڑے بڑے سرکشوں سے پُر کیا گیا ہے اور بڑے جابر لوگ میرے اندر ہیں۔ بہشت کہے گی میرے اندر کمزور اور ضعیف و ناتواں ہیں (اور یہی افضل الناس ہیں) اللہ تعالیٰ دونوں کا فیصلہ فرماتے ہوئے کہے گا

کہ یہ سب میرے بندے ہیں اسے دوزخ ! تو میرا عذاب ہے اور میں اپنا عذاب اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہوں دیتا ہوں اور پھر میں نے تم دونوں کو اپنے بندوں سے بھر دیا ہے (یہی تمہاری تمنا تھی وہ پوری ہو گئی اب جھگڑا کا ہے کا)

تفسیر عالمانہ فَذُوْقُوْا۔ فا ترتیب کے لیے ہے یعنی امر ذوق کو ما قبل کے مضمون یعنی رجوع الی الدنیا پر مرتب کرنا مطلوب ہے بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا نسیان یعنے انسان کا اپنے اندر امانت رکھی ہوئی یادداشت کے ضبط کو ترک کرنا وہ یا تو ضعفِ قلب کی وجہ سے ہوتا ہے یا غفلت سے یا قصد سے، یہاں تک کہ اس کا ذکر قلب سے بالکل ساقط ہو جائے۔

قاعدہ: جس نسیان کی قرآن مجید میں مذمت کی گئی ہے وہ جو عمداً ہو جیسے آیۃ ہذا میں ہے اور باء میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ ہم نے ان کے عذاب کو ان کے لیے مقدر کر دیا ہے لیکن اس کا ایک موجب ان کی جانب سے یہ بھی ہے کہ انھوں نے قیامت کے دن باری تعالیٰ کی حاضری کو بھلا رکھا ہے اور اس میں غور و فکر کو بالکل ترک کر دیا ہے اور لذاتِ دنیویہ میں ایسے منہمک ہیں کہ نہ انھیں اللہ تعالیٰ کی حاضری یاد ہے اور نہ ہی آخرت کے دن کے ہولناک عذاب کا فکر۔ اس طرح سے ان کی استعداد بالکل ختم ہو چکی ہے اور قاعدہ ہے کہ جو دنیوی مشاغل میں منہمک ہو جائے وہ یادِ الٰہی اور آخرت کے غور و فکر سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس میں جن و انس دونوں برابر ہیں اور جو اس طرح کرتا ہے اس پر نسیان طاری کر دیا جاتا ہے۔

ف: لقاء کی اضافت یوم کی طرف ایسے ہے جیسے مکر کی اضافت لیل و نہار کی طرف ہے کما قال:

مکر الیل والنہار۔

یعنی اس دن کی اللہ تعالیٰ کی حاضری کو تم نے بھلا دیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بے شک تم خوابِ غفلت میں ہو اور جو نیند میں ہو اسے کسی قسم کے درد و الم کا احساس نہیں ہوتا جب بیدار ہوتا ہے تو پھر اسے درد و الم محسوس ہوتا ہے ایسے ہی عالم دنیا کے لوگ گویا نیند کر رہے ہیں جب مریں گے تو بیدار ہوں گے اس وقت انھیں کہا جائے گا فذوقوا بما نسیتم لقاء یومکم ھذا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّا نَسِينٰكُمْ بے شک ہم نے تمھیں اپنی رحمت سے بھلا دیا یعنی تمھیں عذاب میں مبتلا کر کے ایسے ہی چھوڑ دیا کہ گویا تم ہمیں یاد ہی نہیں ہو اس سے تمہاری ذلت اور تمہیں جزا دینا مطلوب ہے۔

تفسیر صوفیانہ انا نسینٰکم بے شک آج ہم نے تمہیں اپنی رحمت سے محروم کر دیا ہے جیسے تم نے دنیا میں ہماری خدمت ترک کر رکھی تھی (کذا فی التاویلات)

تفسیر عالمانہ وَذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡخُلۡدِ اور تم جہنم کا دائمی عذاب چکھو یہ اضافۃ الموصوف الی الصفۃ کے قبیل سے ہے جیسے عذاب الحریق میں اضافۃ الموصوف الی الصفۃ ہے بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ○ بسبب اس کے کہ تم عمل کرتے تھے جیسے کفر و معاصی۔ یہ تکرار تاکید اور ان پر اظہار غضب اور ذوق کے مفعول کے اصلی سبب کی تعیین کے لیے ہے اور بتانا مطلوب ہے کہ دائمی عذاب کا سبب صرف ان کا نسیان نہیں بلکہ دیگر اور اسباب بھی ہیں یعنی وہ کفر و معاصی جن پر وہ دنیا میں مداومت رکھتے تھے۔

حدیث شفاعت حضرت کعب الاحبار سے مروی ہے کہ قیامت میں (انبیاء علیہم السلام کے بعد) ملائکہ شفاعت کریں گے ان کے بعد شہداء ان کے بعد اہلِ ایمان اِن سب کی شفاعت قبول ہوگی ان کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت شفاعت فرمائے گی یہاں تک کہ دوزخ میں کوئی ایک بھی باقی نہ رہے گا جس کے لیے اللہ تعالیٰ بخشنا چاہے گا اس کے بعد دوزخیوں کا رونا اور بڑھ جائے گا اس پر اللہ تعالیٰ دوزخ کا دروازہ بند کر دے گا یہاں تک اس میں کسی قسم کی راحت نہ پہنچے گی اور نہ وہاں کا کوئی غم باہر نکالا جائے گا○

الٰہی ز دوزخ دو چشم بدوز
بنورت کہ فردا بنارت مسوز

ترجمہ: یا اللہ! دوزخ سے میری دونوں آنکھیں اپنے نور سے سی دے اور کل قیامت میں مجھے اس کی آگ میں نہ جلانا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّمَا یُؤۡمِنُ بِاٰیٰتِنَا بے شک اے مجرمو! تم ہمارے اوپر ایمان نہیں لاتے ہو اور اس کے موجب پر عمل صالح نہیں کرتے ہو اگر ہم تمہیں دنیا کی طرف لوٹا دیں، تو جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے تو بھی تم وہی بُرائی کرو گے جیسے پہلے کرتے تھے۔ کما قال:

ولو ردوا لعادوا لما نھوا عنہ۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ بیشک ہمارے آیات پر وہ لوگ ایمان لاتے ہیں الَّذِیۡنَ اِذَا ذُكِّرُوۡا بِهَا وُہ لوگ ان سے نصیحت حاصل کرتے ہیں خَرُّوۡا سُجَّدًا تو گر جاتے ہیں سجدہ کرتے ہُوئے۔ المفردات میں ہے کہ خر بمعنے سقط سقوطا۔ اور الخریر اسی سے ہے بمعنے پانی اور ہوا وغیرہ کی آواز۔ آیت میں تنبیہ ہے کہ اس میں دونوں امر موجود ہیں کہ جب سجدہ کرنے والا سجدہ میں گرتا ہے تو اس سے تسبیح کی آواز بھی آتی ہے چنانچہ اس کے بعد فرمایا و سبحوا بحمد ربھم اس میں تنبیہ ہے کہ ان کا سجدہ میں گرنا بھی تسبیح و تحمید کے طور ہو نہ کوئی اور امر یعنی وہ لوگ سجدہ میں گرتے ہیں درانحالیکہ وہ عذاب الٰہی سے خوفزدہ ہوتے ہیں وَسَبَّحُوۡا اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی تنزیہ ان امور سے بیان کرتے ہیں جو اس کی شان کے لائق نہیں جیسے شرک اور شبہ اور عجز عن البعث وغیرہ بِحَمۡدِ رَبِّهِمۡ یہ محلاً حال ہے در اصل عبارت متلبس بحمدہ تعالیٰ الخ تھی یعنی درانحالیکہ

وہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی نعمتوں پر شکر کرنے والے ہوتے ہیں کہ اس کریم نے انہیں ایمان کی اور عمل صالح وغیرہا کی توفیق بخشی وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ ظاہر ہے کہ اس کا عطف الذین کے صلہ پر ہے یعنی وہ لوگ ایمان وطاعت سے نصیحت حاصل نہیں کرتے جیسے کہ ایک متکبر کا کام ہوتا ہے کہ وہ کسی کی سنتا ہی نہیں اگر سنتا ہے تو ان سنی بات کی طرح۔

مسئلہ: یہی آیت بالاتفاق سجدہ (تلاوت) کا محل ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ بقول امام اعظم رضی اللہ عنہ یہ نواں سجدہ ہے اور بقول امام شافعی دسواں ہے۔ حضرت امام شیخ اکبر قدس سرہٗ نے اس سجدے کو سجدۂ تذکر کہا ہے اور سجدہ کرنے والے کو چاہیے کہ اسے پڑھ کر غفلت کو دور کرے اور اللہ تعالیٰ کے وجود پر دلائل سوچے اس لیے کہ اس کے وجود کے دلائل ہر شے میں موجود ہیں ؎

ہمہ ذرات از مہ تا بماہی
بوحدانیتش داد گواہی

ہمہ اجزای کون از مغز تا پوست
چو واینی دلیل وحدت اوست

ترجمہ: تمام ذرّات میں ماہ سے ماہی تک اس کے واحد ہونے پر گواہ ہیں۔ مغز سے پوست تک تمام اجزا اس کی وحدت کی کھلی دلیل ہیں۔

مسئلہ: اس آیت کے لائق الفاظ پڑھے جائیں۔ مثلاً کہے:

اللهم اجعلنی من الساجدین لوجهك المسبحین بحمدك واعوذ بك من اکون من المستكبرین عن امرك۔

مسئلہ: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے آیۃ السجدہ کو نماز میں پڑھنا مکروہ لکھا ہے وہ نماز سرّی ہو یا جہری، اگر پڑھ لیا تو سجدۂ تلاوت کرے یا نہ! اس میں دو قول ہیں۔ کذا فی فتح الرحمٰن۔

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے کہ کسی نے نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی اگر وہ آیت سورہ کے آخر میں ہے یا اس کے بعد صرف ایک دو آیتیں بچتی ہیں تو وہ مختار ہے چاہے رکوع کرے اور اس میں سجدۂ تلاوت کی نیت کرے یا چاہے تو سجدہ کرے پھر قیام کی طرف لوٹ کر رکوع وسجود کرے اگر اس کے ساتھ اور سورۃ ملائے تو افضل ہے۔

اگر سجدۂ تلاوت کی سورۃ کو ختم کر کے رکوع اور سجدہ میں چلا گیا تو اس سے سجدۂ تلاوت ساقط ہو جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وهم لا یستکبرون یعنی وہ لوگ تیرے سجدہ سے تکبر نہیں کرتے جیسے ابلیس نے آدم علیہ السلام قبلہ بنا کر سجدہ کرنے سے انکار کیا اس لیے کہ اگر وہ آدم علیہ السلام کو قبلہ مان کر سجدہ کرتا تو وہ بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کو سجدہ ہوتا کیونکہ آدم علیہ السلام اس وقت سجدہ کا قبلہ تھے جیسے ہمارے سجدوں کا قبلہ کعبہ معظمہ ہے۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا ہر انسان نماز میں ابلیس کی شرارت سے نہیں بچ سکتا۔ ہاں سجدہ کی حالت میں وسوسہ پر شیطان کو قدرت نہیں اس لیے کہ اس وقت شیطان اپنی حالت کو یاد کرتا ہے تو غم اور حزن میں ڈوب جاتا ہے گویا وہ اپنی ہیں پڑ کر نمازی کو کچھ نہیں کہہ سکتا اس لیے بحالتِ سجود انسان ابلیس کی شرارت سے تو محفوظ ہوتا ہے لیکن نفس کی شرارت سے محفوظ نہیں ہوتا۔

ف : سجدہ کی حالت میں کتنے خیالات گزرتے ہیں۔ وہ ربانی ہوتے ہیں یا ملکی یا نفسانی۔ ان سب پر شیطان کو کسی قسم کی قدرت نہیں ہوتی پھر جب وُہ قیام کی طرف کھڑا ہوتا ہے تو شیطان سے وہ حُزن وغم کی کیفیت دُور ہو جاتی ہے اسی لیے وُہ پھر نمازی کو وسوسہ میں ڈالتا ہے۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ نماز کی ادائیگی میں عجلت کرے، نماز فرضی ہو یا نفلی۔ تاکہ شیطان ذلت میں ہو اور رب رحمان راضی ہو، بلکہ اس کیفیتِ نماز میں روح ملک متعال کا قُرب پاتی ہے اور مناجات حق سے لذت اور ذوق وصال الٰہی نصیب ہوتا ہے ؎

ذوق سجدہ زائد است از ذوق سکر نزد جان ہر کرا ایں ذوق نے بے مغز باشد در جہان

ترجمہ : روح کو شکر کی لذت سے سجدہ میں بہت بڑا ذوق حاصل ہوتا ہے جسے یہ ذوق نصیب نہیں اسے جہانِ دنیا میں بے مغز سمجھو۔

اے اللہ! ہمیں سجدۂ فنا کا اہل بنا، تُو ہی ہماری دعاؤں کو سننے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ یہ جملہ مستانفہ اہلِ ایمان کے بقایا محاسن کا بیان ہے۔

حلِ لغات : التجافی بمعنے بُعد اور دُوری۔ الجفاء سے ہے۔ جو شخص کسی کے ساتھ موافقت نہ کرے اسے سمجھو کہ اس نے اس پر جفا کیا یعنی اس سے علیحدہ ہُوا اور کنارہ کشی اختیار کی۔ الجنوب جنب کی جمع ہے۔ انسان وغیرہ کی کروٹ کو کہا جاتا ہے۔

اب معنٰی یہ ہُوا کہ ان کی کروٹیں دور رہتی ہیں عَنِ الْمَضَاجِعِ بستروں یعنی نیند کی جگہوں سے۔

المضاجع، مضجع کی جمع ہے جیسے مقعد کی جمع مقاعد آتی ہے یعنی خواب گاہیں۔

نکتہ : تجافی کا اسناد جنوبہم کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اہلِ یقظہ و کشف کا حال نرالا ہے وہ اہل غفلت و حجاب کی طرح نہیں ہیں اس لیے کہ وُہ مناجات کی حرص میں خواب گاہوں سے کروٹوں کو دُور رکھتے ہیں۔ وہ اپنے اختیار سے نہیں سوتے بلکہ لبسیار بیداری سے زمین پر گر جاتے ہیں گویا زمین نے انہیں جبراً نیچے دے مارا اگر اس طرح نہ ہوتا تو وہ کبھی زمین پر نہ سوتے بخلاف اہلِ غفلت کے کہ وُہ خواہ مخواہ ہی بستروں پر پڑے رہتے ہیں اور جب وُہ نیند میں ہوتے ہیں تو غفلت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ انہیں جب تک کوئی دھکّے دے کر نہ اٹھائے اُٹھتے نہیں۔

یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ یہ جنوبہم کی ضمیر سے حال ہے یعنی وہ ہمیشہ اپنے رب تعالیٰ کو پکارتے رہتے ہیں

خَوْفًا اللہ تعالیٰ کے غصہ وغضب اور اس کے عذاب سے اور اس خطرہ سے کہ مبادا ان کی عبادت قبول نہ ہو وَّطَمَعًا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے طمع ولالچ میں۔

تفسیر نبوی: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سے تہجد مراد ہے۔ کیونکہ یہ آیت ان حضرات کے متعلق نازل ہوئی جو رات کو تہجد کے نوافل کے لیے اُٹھتے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں فرض روزے کے بعد ماہِ محرم کے روزے اور کوئی روزہ افضل نہیں اور نہ ہی فرض نماز کے نوافل تہجد سے اور کوئی نفل افضل نہیں۔

ف: کاشفی نے فرمایا جب رات آتی ہے اور لوگ آرام کے لیے بستر بچھاتے ہیں اور غفلت کی نیند سوتے ہیں تو یہ حضرات نرم اور گرم بستروں کو چھوڑ کر عجز و نیاز کے ساتھ درازئ شب میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ منقول ہے کہ سہیل یمنی یعنی حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کسی وقت کہتے: ھذہ لیلۃ الرکوع (یہ رات رکوع کے لیے ہے) تو ساری رات رکوع میں گزار دیتے۔ اور کبھی فرماتے:

ھذہ لیلۃ السجود (یہ سجدہ کی رات ہے)

تو ساری رات سجدہ میں گزار دیتے۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت! جب آپ کو طاعت الٰہی کی اتنی بڑی طاقت حاصل ہے تو پھر آپ صرف رکوع میں یا صرف سجدے میں اتنی بڑی راتیں کیوں گزار دیتے ہیں؟ جواباً فرمایا کہ راتیں بڑی ہیں کہاں! کاش ایک رات ازل تا ابد میرے نصیب ہوتی اور میں اسی میں سجدہ کر کے بارگاہِ حق میں زار و قطار روتا۔

؎ بنیم شب کہ ہمہ مست خواب خوش باشند
من و خیال تو و نالہائے درد آلود

ترجمہ: آدھی رات کے وقت جبکہ دوسرے لوگ میٹھی نیند سو جائیں میں تیرے خیال میں آنسو بہاؤں (اسی میں مزہ ہے)

حدیث شریف ا حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارا رب تعالیٰ ان دو بندوں پر بہت خوش ہوتا ہے، ایک وُہ جو اپنے محبوب (زوجہ) کے ساتھ آرام کر رہا ہو اور سردی کا موسم ہو، بستر نہایت نرم گرم بچھا ہو، وہ ان تمام چیزوں کو چھوڑ کر نماز کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے ایسے بندے کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ ملائکہ سے فرماتا ہے: میرے بندے کو دیکھو کہ وہ اپنی محبوبہ (زوجہ) اور نرم و گرم بستر کو چھوڑ کر میرے شوق میں اور میرے خوف سے نماز میں مشغول ہے۔ دُوسرا وہ جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ شکست کھا کر گھر لوٹتا ہے لیکن دل میں خیال کرتا ہے گھر جا کر کیا کروں گا کیوں نہ ہو کفار سے لڑ بھڑ کر مارا جاؤں۔ چنانچہ واپس ہُوا، یہاں تک کہ کافروں سے لڑ بھڑ کر خُون میں لت پت ہو گیا۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

حدیث شریف ۲ بہشت میں ایسے بالاخانے ہیں جن کا ظاہر و باطن برابر ہے۔ اللہ تعالٰی نے ان لوگوں کے لیے تیار کیے ہیں جو بات میں نرمی کرتے، مسکینوں غریبوں کو کھانا کھلاتے اور مسلسل روزے رکھتے ہیں اور رات عبادت میں گزارتے ہیں جبکہ دُوسرے لوگ میٹھی نیند سو رہے ہوتے ہیں۔

حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی فرماتے ہیں ؛ ؎

۱ وفینا رسول اللہ یتلو کتابہ
اذا انشق معروف من الفجر ساطع

۲ ارانا الھدی بعد العمی فقلوبنا
بہ موقنات ان ما قال واقع

۳ یبیت یجافی جنبہ عن فراشہ
اذا استثقلت بالکافرین المضاجع

ترجمہ : (۱) ہم میں اللہ کے رسول کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں جب پھٹتی ہے صبح روشن ہوکر۔
(۲) اندھے پن کے بعد ہمیں راہِ ہدایت دکھائی کیونکہ ہمارے قلوب کو یقین ہے کہ جو کچھ فرمایا ہے وہ ہو کر رہے گا۔
(۳) وہ رات کو بستر سے کروٹ دور رکھتے ہیں جبکہ کافروں پر کروٹیں بوجھل ہوتی ہیں۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

حدیث شریف جب اللہ تعالٰی اوّلین و آخرین کو جمع فرمائے گا تو ایک منادی ندا دے گا جسے تمام مخلوق سُنے گی وہ فرمائے گا : آج اہلِ کرم اس مجمع میدانِ حشر میں اپنا حق حاصل کرے۔ اس کے بعد واپس آئے گا اور اعلان کرے گا کہ اُٹھ کھڑے ہوں۔ وہ لوگ رات کے وقت جن کی کروٹیں خشک رہتی تھیں اس اعلان پہ بہت تھوڑے لوگ اُٹھیں گے۔ اس کے بعد لوٹ کر تیسرا اعلان کرے گا کہ جو لوگ پوشیدہ اور ظاہر حال میں اللہ تعالٰی کی حمد کرتے رہے وہ اُٹھ کھڑے ہوں۔ چنانچہ اس اعلان پر بہت تھوڑے لوگ اُٹھیں گے پھر ان سب کو بہشت میں داخل ہونے کا حکم ہوگا۔ جب یہ حضرات بہشت میں چلے جائیں گے تو پھر باقی لوگوں کا حساب ہوگا۔

ف : رات کا قیام قسمت والے کو نصیب ہوتا ہے اس لیے کہ یہ بھی ایک عطیۂ الٰہی ہے جسے چاہتا ہے یہی عطیہ بخشتا ہے۔ جسے یہ دولت نصیب ہو اسے چاہیے کہ وہ کسی وقت بھی اسے نہ چھوڑے اور جو اوراد و وظائف اس وقت ادا کرنے ہوں ان میں ہرگز کوتاہی نہ کرے۔

حکایت حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک رات میں اپنے روزانہ کے ورد وظیفہ سے فارغ ہو کر سو گیا پھر خواب میں دیکھا کہ میں ایک حُور کے پاس کھڑا ہوں وُہ مجھے کہہ رہی ہے کہ

اسے ابوسلیمان! آپ سوجاتے ہیں حالانکہ میں بہشت کے ایک خیمہ میں پانچ سو سال سے آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔

حکایت حضرت شیخ ابوبکر ضریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میری ہمسائیگی میں حسین وجمیل نوجوان رہتا تھا جو دن کو روزے رکھتے اور رات کو نوافل پڑھتے گزارتا تھا اسے نیند کرتے کسی نے نہیں دیکھا تھا ایک دن وہ میرے پاس آیا اور کہا استاذ جی! ایک رات میں ایک ورد معلوم سے سوگیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میری عبادت گاہ سے چند حوریں نمودار ہوئیں جن کا حسن وجمال ایسا بے نظیر تھا کہ دنیا ئے عالم میں ان کا ثانی ناممکن ہے لیکن ان میں ایک حور نہایت قبیح اور بدشکل تھی کہ جس کی مثال دنیا میں نہیں دیکھی گئی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو اور کس کے لیے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم تیری راتوں کی عبادت کا صلہ ہیں اور یہ سیاہ اور بدشکل بھی تیرے لیے ہے لیکن اس کی شکل وصورت اسی لیے تبدیل ہوئی ہے کہ تو نے شب گزشتہ عبادت میں کوتاہی کی یعنی اپنے معلوم وظیفہ کو پورا نہیں کیا اگر تو اسی شب کو فوت ہوجاتا تو مرنے کے بعد تجھے پہلے یہی قبیح شکل اور بدصورت حور ملتی۔ پھر اس بدشکل حور نے یہ اشعار پڑھے ؎

اسأل لمولاك واردد نی الی حالی
فانت قبحتنی من بین اشکالی
لاترقدن اللیالی ما حییت فان
نمت اللیالی فھن الدھر امثالی

ترجمہ: میں نے تیرے مولیٰ سے سوال کیا ہے کہ وہ مجھے اپنی پہلی حالت میں لوٹا دے اس لیے کہ ہجولیوں میں اس شکل وصورت کے ساتھ رہنا نامناسب ہے۔ تم آئندہ رات کے وقت نہ سویا کرو جب تک کہ زندہ رہو ورنہ دوسری حوریں بھی میری طرح ہوجائیں گی۔

اس کے جواب میں ان حسین حوروں سے ایک نے کہا: ؎

۱ ابشر بخیر فقد نلت الغنی ابدا
فی جنة الخلد فی روضات جنات
۲ نحن اللیالی اللواتی کنت تسھرھا
تتلو القرآن بترجیع ورنات
۳ ابشر وقد نلت ماترجوہ من ملك
بریجود بافضال وفرحات
۴ غدا تراہ تجلی غیر محتجب
تدنی الیہ وتخطی بالتحیات

ترجمہ (۱) تمہیں مژدہ باد کہ تم نے دائمی غنا کو پالیا یعنی جنت الخلد میں تجھے بہترین باغات نصیب ہوں گے۔

(۲) ہم تیری وہی راتیں ہیں جن میں تم بیدار رہتے تھے اور خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھتے تھے۔

(۳) خوش ہوجا تو بیشک تمہیں مالک کریم سے وہ کچھ مل گیا جس کی تمہیں امید تھی وہی ہر ایک پر فضل وکرم فرماتا ہے۔

(۴) کل دیکھنا تجھے وہ کریم بے پردہ زیارت کرائے گا تو اس کے قریب ہو کر تحیات پیش کرے گا۔

اس کے بعد وہ نوجوان چیخ مار کر مرگیا (رحمہ اللہ تعالیٰ)

حکایت یحییٰ علیہ السلام کے ہاں ابلیس حاضر ہوا اسے یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا، تو مجھ پر کوئی قدرت رکھتا ہے اور مجھ سے کوئی برا عمل کرایا؟ اس نے عرض کی، صرف ایک بار، وہ اس طرح کہ آپ کے ہاں طعام پیش ہوا تو آپ نے ضرورت سے زیادہ کھا لیا اس وجہ سے آپ ایک رات نوافل کے لیے نہ اُٹھ سکے۔ یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا، بخدا آیندہ کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاؤں گا۔ اس نے کہا، میں بھی قسم کھاتا ہوں کہ آئندہ کسی انسان کو نصیحت نہیں کروں گا ؎

باندازہ خود زاد اگر مردمی
چنین پرشکم آدمی یا خمی
ندارند تن پروران آگہی
کہ پُرمعدہ باشد ز حکمت تہی

ترجمہ، ساتھ اندازہ خرچ کھائیے اگر تم آدمی ہو۔ اتنا زیادہ کھاتا ہے تو آدمی ہے یا مٹکا ہے۔
تن پرور لوگ اس سے کوئی خبر نہیں رکھتے کہ پُرمعدہ انسان حکمت سے خالی ہوتا ہے۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ اور جسے ہم نے مال وغیرہ دیا **يُنْفِقُوْنَ** ۝ وہ خیرات وحسنات سے۔ بعض نے فرمایا یہ حکم عام ہے واجب ہو یا نفلی۔ اور اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) زکوٰۃ، جس کے ہاں نصاب کامل ہو۔
(۲) جس کے ہاں نصاب کے علاوہ زاید خرچ کرنے کی توفیق ہو۔
(۳) اپنی ضرورت پر فقرا ومساکین کو ترجیح دے کر، یعنی خود بھوکا رہ کر دوسرے کو کھلائے۔

بدہ نیک را بذل کن سیم و زر
کہ آن کسب خیر است وآن دفع شر
از آن کس کہ خیرے بماند رواں
دمادم رسد رحمتش بر رواں

ترجمہ: نیک اور بد پر سیم وزر خرچ کر اس لیے کہ نیک پر خرچ کرنے سے ثواب ملے گا اور بُرے پر خرچ کرنے سے اس کی بُرائی کا دفعیہ ہوگا جس سے ہمیشہ نیکی جاری رہے گی اس کی رُوح پر ہمیشہ رحمت نازل ہوگی۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ کوئی نفس نہیں جانتا خواہ کوئی ملک مقرب ہو یا نبی مرسل جب ایسے قدسی نفوس نہیں جانتے پھر دوسروں کا کیا کہنا مَّا اُخْفِیَ لَهُمْ جو ان حضرات کے لیے مخفی تیار رکھی ہوئی ہیں جن کی صفات اوپر مذکور ہوئیں مثلاً وُہ رات کو شب بیداری کی وجہ سے اپنی کروٹیں بستروں سے دُور رکھتے اور اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ پکارتے اور راہِ حق میں مال لٹاتے ہیں یہ جملہ محلاً منصوب کا تعلم کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی وہ نعمتیں کہ جن کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی اور ان کے نفوس کو تسکین نصیب ہوگی۔

ف: کاشفی نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ انہیں آنکھوں کی روشنی میں اضافہ کرنے والی چیزیں ملیں گی یعنی وہ امور جنہیں دیکھ کر آنکھیں روشن ہوں۔

حدیث قدسی اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اعددت لعبادی الصالحین ما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر بل ما اطلعتم علیہ اقرأوا ان شئتم فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعین۔

(میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی چیزیں تیار فرمائی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا اور نہ ہی کسی دل پر ان کا خیال گزرا اس کی تائید میں یہ آیت فلا تعلم نفس ما اخفی لهم الخ پڑھ لو)

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ یہ انھیں اس کی جزا نصیب ہوگی جو انھوں نے دنیا میں اخلاص کے ساتھ اور صدق دلی سے نیک عمل کیے۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جب عمل پوشیدہ ہو تو جزا بھی پوشیدہ ملے گی یہاں تک کہ کسی نے کوئی ایسا عمل کیا کہ اس کی کسی کو خبر نہ ہوئی تو قیامت میں اسے جب جزا دی جائے گی تو کسی کو علم نہ ہوگا ؎

روزے کہ روم ہمرہ جانان بچمن

نہ لالہ و گل بینم و نہ سرو و سمن

زیرا کہ میان من و او گفتہ شود

من دانم و او داند و او داند و من

ترجمہ: کسی روز اپنے محبوب کے ساتھ باغ میں جاؤں گا تو باغ میں نہ گل دیکھوں گا نہ سرو اور نہ سمن۔ اس لیے کہ میرے اور محبوب کے درمیان کیا بات کہی جائے گی جبکہ میں صرف محبوب کو جانتا ہوں اور

وہ مجھے محبوب جانتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے تتجافی جنوبھم ان کی ہمتوں کی کروٹیں خالی ہیں عن المضاجع دارین کے بستروں سے۔ یعنی احوال دارین سے ان کے قلوب دور ہیں۔ نہ وہ اپنے اعمال کو دیکھتے ہیں نہ احوال کو بلکہ وہ اپنی محبوب و مرغوب چیزوں سے جدا رہتے ہیں اور اپنے معارف کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر چھوڑ دیتے ہیں یدعون ربھم وہ اپنے رب کے ساتھ رب کے لیے رب کو پکارتے ہیں خوفاً تاکہ ہجر و فراق اور دُوری کے عذاب میں مبتلا نہ ہوں وّطمعًا قربات و مواصلات میں وّ ممّا رزقنٰھم ینفقون اور ہماری دی ہُوئی نعمت وجود سے اسے خرچ کرتے ہیں تاکہ اپنی جدوجہد کو خرچ کرتے ہیں تاکہ مقصود حاصل ہو اور ان کے لیے جو نقود مخفی رکھے گئے ہیں انھیں نصیب ہو جائیں۔ کما قال تعالیٰ فلا تعلم الخ درحقیقت ان سے مخفی رکھا ہُوا ان کا اپنا جمال ہے جو ان کا عین ہے جو ان سے مخفی ہے اور صوفیا کے نزدیک عین حق ہے۔ یاد رہے کہ جب تک تمہارا عین فانی باقی رہے گا تو تمہارا جمال باقی رہے گا تم سے مخفی اس لیے رکھا تاکہ تمہارے اوپر نظرِ بد کا اثر نہ ہو۔ اگر وصال کی صبح سعادت طلوع کرے اور درمیان میں جدائی کی ظلمت چلی جائے اور عین عین سے متبدّل ہو تو نہ خفا رہے نہ کچھ اور، بلکہ خفاء ظاہر ہو کر دائمی لقا نصیب ہو جائے۔ کما اقول :؎

منذ جاء ھواکم ذاھبا بالبین

لم یبق سوی وصالکم فی البین

ما جاء بغیر عینکم فی عینی

والآن محت عینکم لی عینی

ترجمہ: جب سے تمہاری محبت اور عشق نصیب ہوا تو سب کچھ میری نظروں سے نکل گیا اور اب تو تمہارا وصال ہی میرے ہاں ہے اور بس۔ اور میری آنکھ میں فقط تمہارا ہی تصوّر ہے۔ اور میری آنکھ سے تو تیرے ماسوا تمام تصوّرات مٹ گئے ہیں۔

جزاء بما کانوا یعملون یہ اس کی جزا ہے جو وہ عمل کرتے تھے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان کا ما اخفی لھم کا عدم علم اور اس کے علم کے حصول کا جہل ان کے اعمال کا نتیجہ ہے۔ ان کے اعمال کا یہ معنی ہے کہ حق سے اعراض اور غیرِ حق کی طلب اور ماسوی اللہ کی عبادت میں مصروف رہے۔

تفسیر عالمانہ اَفَمَنْ کَانَ مُؤْمِنًا کَمَنْ کَانَ فَاسِقًا تو کیا وہ جو مومن ہے وہ فاسق کی طرح ہو سکتا ہے یعنی فاسق وُہ جو ایمان سے خارج ہو اس لیے کہ مومن کا بالمقابل وہی ہو سکتا ہے جو ایمان سے خارج ہو نیز قرینہ بھی بتاتا ہے کہ یہاں فاسق سے خارج از ایمان مراد ہے اس لیے کہ اس کے بعد دوزخ کے دائمی عذاب کی خبر دی جا رہی ہے اور دائمی عذاب کا مستحق صرف کافر ہوتا ہے لَا یَسْتَوٗنَ ۝

شرف اور جزا فی الآخرۃ برابر نہیں ہیں اگرچہ اس جملہ کی تصریح کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ جب بتایا گیا ہے کہ انھیں آپس میں کسی طرح کا تشابہ نہیں لیکن پھر بھی لا یستوون فرماتے ہیں تاکید مطلوب ہے اور بس۔ نیز آنے والی تفصیل کا تقاضا بھی تھا کہ لا یستوون کی تصریح ہو اور جمع کا صیغہ معنیٰ مَن کی وجہ سے ہے۔

شانِ نزول حضرت کاشفی نے لکھا کہ ولید بن عقبہ نے فخریہ طور پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ میری سنان تیری سنان سے سخت تر، اور میری زبان تیری زبان سے تیز تر ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے فاسق! خاموش باش۔ تجھے میرے ساتھ برابری کا کیا معنی اور میرے ساتھ جھگڑا کیوں، جبکہ تجھے میرے ساتھ کسی قسم کی مشابہت نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تائید میں آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

ف: اس میں اشارہ ہوا کہ مومن سے حضرت علی اور فاسق سے ولید مراد ہے ایسے ہی قیامت تک آنے والے مومن اور کافر اس میں داخل ہیں اسی لیے لا یستوون صیغہ جمع لایا گیا۔

تفسیر صوفیانہ جو انوار طاعت و ایمان میں ہے اس کے برابر نہیں ہو سکتا جو ظلمت فسق و طغیان میں ہے (کذا قال ابن عطاء)

اور کشف الاسرار میں ہے کہ کیا وہ شخص جو حلۂ وصال دامن کھینچ کر چلتا ہے یعنی دائمی وصال میں ہے اس کی طرح وہ کیسے برابر ہو سکتا ہے جو مذلۂ فراق میں ہے جس کا فراق سے قلب سخت ہے جو ہول عقوبت سے کلفت کی مشقت میں ہے یا اس کی طرح جو نور برہان سے مؤید ہے اور اس پر شموس عرفان طلوع کرتے ہیں وہ کس طرح ہو سکتا ہے خذلان سے مربوط اور حرمان سے موسوم ہے ایسے لوگ نہ تو ایک دوسرے کے برابر ہو سکتے ہیں نہ آپس میں کہیں یکجا جمع ہو سکتے ہیں ؎

ایھا المنکح الثریا سھیلا

عمرک اللہ کیف یلتقیان

ھی شامیۃ اذا ما استقلت

وسھیل اذا استقل یمانی

ترجمہ: اے سہیل اور ثریا کو جمع کرنے کا خیال کرنے والے! اللہ تعالیٰ خیر کرے تم ان دونوں کو کیسے جمع کر سکتے ہو جبکہ ایک شامی ہے اور دوسرا یمنی۔

تفسیر عالمانہ اَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمۡ بہرحال وہ لوگ جو مومن ہیں اور نیک عمل کیے تو وہ استحقاق رکھتے ہیں کہ ان کے لیے جَنّٰتُ الۡمَاۡوٰی ہے۔ امام راغب نے فرمایا کہ الماوٰی: اوی کا مصدر ہے بمعنے انضم۔ اور جنت الماوٰی ایسے ہے جیسے دار الخلود۔ اس اعتبار سے دار مصدر کی طرف مضاف ہوگا۔

الارشاد میں ہے کہ جنۃ کی طرف ماوٰی کی اضافت اس لیے ہے کہ وہی حقیقی ماوٰی ہے ورنہ دار دنیا تو کوچ کا مقام ہے اسی لیے دنیا کو پل سے تعبیر کیا جاتا ہے اس لیے کہ وہ آخرت کے لیے عبور کا مقام ہے اسے دار القرار سمجھنا حماقت ہے۔

بعض نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ ان لوگوں کے لیے باغ و بہشت ہے کہ ان کا یہی ماوٰی حقیقی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جنت الماوٰی ساری کی ساری سونے کی ہے اور آٹھوں بہشتوں کی ایک ہے اور وہ آٹھ بہشتیں یہ ہیں:

۱۔ دار الجلال	۲۔ دار القرار
۳۔ دار السلام	۴۔ جنت عدن
۵۔ جنۃ الماوٰی	۶۔ جنۃ الخلد
۷۔ جنۃ الفردوس	۸۔ جنۃ النعیم

نُزُلًا درانحالیکہ وہ جنات وغیرہ اجر و ثواب اور مہمانی ہیں۔ نزل دراصل ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جو مہمان کے لیے تیار کی جائے، کھانے کی ہو یا پینے کی یا اور طرح کی یا اور طرح کا صلہ، پھر ہر طرح کی عطاء پر اس کا اطلاق ہوتا ہے بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ بسبب ان کے ان اعمال حسنہ کے جو انہوں نے دنیا میں کیے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے افمن کان مؤمنا کیا وہ شخص جو طلب حق تعالیٰ کا خواہشمند ہے وہ اس کی طرح ہے جو فاسق ہے یعنی ماسوی اللہ کی طلب میں رہتے ہیں لا یستوون وہ برابر نہیں ہیں یعنی طالبین مولیٰ اور وہ جو اللہ تعالیٰ کی طلب میں نہیں ہیں مساوی نہیں اما الذین اٰمنوا بہرحال وہ لوگ جو طلبِ حق میں زندگی بسر کرتے ہیں وعملوا الصّٰلحٰت اور نیک عمل کرتے ہیں یعنی اقبال علی اللہ واعراض عما سواہ میں ہیں فلھم جنّٰت الماوی نزلا یعنی جنات ماوٰی الابرار اور ان کے منازل مقربین اور سیر الی اللہ کرنے والوں کے لیے ہے بہرحال ان کی ماوٰی و منزل اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند و بالا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا بہرحال وہ لوگ جو فاسق ہیں یعنی ایمان و طاعت سے خارج ہوئے جبکہ وہ کفر و معصیت کو طاعت و ایمان پر ترجیح دیتے ہیں فَمَاْوٰىهُمُ یہ اسم مکان ہے بمعنے ملجاء و منزل النَّارُ جہنم ہے یعنی جیسے اہل ایمان کی ماوٰی و منزل بہشت ہے تو اہل کفر و فسق کی منزل و ماوٰی جہنم ہے كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا جب وہ جہنم سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو وہ پھر اسی میں لوٹائے جائیں گے اس میں دائمی خلود کی طرف اشارہ ہے اسی لیے کہا جائے گا کہ جب وہ دائمی طور پر جہنم میں ہو گا تو پھر وہاں سے نکلنے کا کیا معنی! چنانچہ فرمایا:

کلما خبت زدناھم سعیرا۔

(جب خسارہ والے ہوئے تو ہم نے ان کی آگ بڑھائی)

اگرچہ نارِ جہنم بجھنے کی نہیں لیکن یہ اس لیے کہا گیا کہ جب کوئی کہے گا کہ جہنم کی آگ ٹھنڈی پڑ گئی تو پھر اور گرم ہو جائے گی۔ بعض روایات میں ہے کہ جب آگ نیچے سے اوپر شعلہ مارے گی تو نیچے والے کافر اوپر کو آجائیں گے یہاں تک جہنم کے دروازے کے قریب پہنچیں گے اور وہ ارادہ کریں گے کہ وہ یہاں سے نکل جائیں تو انہیں جہنم کے شعلے نیچے گرادیں گے یا انہیں جہنم کے نگران فرشتے چابک مار مار کر جہنم میں دھکیل کے لے جائیں گے اور ایسے زور سے چابک ماریں گے کہ وہ جہنم کی تہ میں چلے جائیں گے حتی کہ ستر سال کی مسافت جہنم میں تہ میں پہنچ جائیں گے ایسے ہی ان کے ساتھ ہمیشہ کیا جائے گا یا یہ معنی ہے کہ انھیں ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ میں دھکیلا جائے گا۔

وَقِيلَ لَهُمْ اہانت اور تشدد کے طور زیادہ غضب دکھانے کے لیے کہا جائے گا ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنتُم بِهِ تُكَذِّبُونَ ۝ جہنم کا عذاب چکھو جس کی تم دنیا میں تکذیب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مرنے کے بعد نہیں اُٹھنا ہے پھر کاہے کی بہشت اور کاہے کی دوزخ۔

ف: برہان القرآن میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھا کہ یہاں بہا ضمیر مؤنث کی ہونی چاہیئے تھی لیکن بہ ضمیر مذکر کی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں النار کنایۃ واقع ہوئی ہے کیونکہ نار کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اور کنایات وصف عذاب سے موصوف نہیں ہوتے اور سباء میں بہا ہے۔ یعنی اس میں ضمیر مؤنث کی ہے اور وہاں نار کا ذکر پہلے بھی نہیں ہوا اسی لیے سورۂ سباء میں نار موصوف احسن ہوا۔ یہ ایک لطیفہ ہے جسے یاد رکھنا ضروری ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وامّا الذین فسقوا بہرحال وہ لوگ جو سیدھی راہ سے ہٹ گئے اور بعد و البعاد کے کنوئیں میں گر پڑے فماوٰھم النار کلّما ارادوا ان یخرجوا منھا اعیدوا فیھا تو ان کا ماوٰی دوزخ ہے جب وہ اس سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو پھر وہ اسی میں لوٹائے جائیں گے کیونکہ اسی صفت پر انہوں نے زندگی بسر کی اور اسی پر انہیں موت آئی اور اسی پر قیامت میں اٹھیں گے وہ اس لیے کہ جب انہیں واعیانِ حق نے دعوتِ حق دی اور بہترین پند و نصیحت فرمائی تاکہ وہ طبیعت کے نچلے حصے سے نکل جائیں اور انہیں تنبیہ فرمائی کہ آدابِ طریقت سے شریعت کے آداب کی رسّی کو مضبوط کریں اس سے ان کی توجہ وطن اصلی علوی کی طرف ہو گی جب ان کو شوق روحانی کا غلبہ ہوگا لیکن یہ لوگ اپنی ضد پر اڑے رہے اور درکات شہوانیہ سے نکلنے کا ارادہ کرتے ہیں تو انہیں طبیعہ نفسانیہ حیوانیہ سفلیہ گھیر لیتی ہے پھر وہ اسے اسفل طبیعہ کی طرف لوٹا دیتی ہے وقیل لھم اور انھیں قیامت میں کہا جائے گا ذوقوا الخ چکھو جہنم کا عذاب، جسے تم دنیا میں جھٹلاتے تھے اگرچہ تم دنیا میں بھی عذاب میں مبتلا تھے لیکن تمہیں آخرت کے عذاب کا شعور نہ تھا کیونکہ تمہیں اخروی عذاب بڑا محسوس ہوتا تھا ورنہ تم ان اعمال سے باز رہتے جو عذابِ آخرت کا سبب بنتے تھے ایسے ہی تمہیں جہنم کے عذاب کا دنیا میں احساس ہوتا تو تم کفر و معاصی کا ارتکاب ہرگز نہ کرتے۔

ف : اس سے ثابت ہُوا کہ احتراق کا فرو فاسق کی صفت ہے لیکن مومن و مطیع کی شان ہے جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

تقول جھنم للمؤمن جز یا مؤمن فقد اطفأ نورك لھبی ۔

(دوزخ مومن سے کہے گی اے مومن ! مجھ میں سے جلد تر گزر یئے اس لیے کہ تیرے نُور نے میرے شعلے بجھا دیئے)

مثنوی شریف میں ہے : ؎

گویدش بگذر سبک اے محتشم
ورنہ ز آتشہائے تو مرد آتشم

ترجمہ : اسے آگ کہے گی اے حشمت والے ! جلدی گزر جا ورنہ تیرے عشق کی گرمی سے میری آگ بجھ جائے گی۔

ف : یاد رہے اس سے وہی نورِ توحید مراد ہے جو ازل میں ہر مومن کو نصیب ہُوا اور اس کی تاثیر یہی ہے کہ وہ کسی آگ سے نہ جلایا جا سکے ۔

حکایت ایک مجذوب شیخ حاجی بیرام قدس سرّہٗ کا ساتھی تھا اور وہ شیخ سے بہت محبت کرتا تھا جب شیخ کا وصال ہُوا تو وہ مجذوب شیخ الشہیر آق شمس الدین کے ہاں حاضر ہوا اور یہ صاحب شیخ حاجی بیرام کا خلیفہ تھا ایک دن اس مجذوب کو شمس الدین نے فرمایا : تُو نے شیخ حاجی بیرام سے کوئی پوشاک نہ پہنی ، اگر میں پوشاک پیش کروں تو قبول کر لو گے ؟ اس نے فرمایا : مجھے کوئی انکار نہیں ۔ اس سے شیخ شمس الدین مریدین سمیت بہت خوش ہوئے اور اس کے لیے ایک دن مقرر فرمایا تاکہ ہر خاص و عام کو اس میں دعوت دے کر شامل کیا جائے چنانچہ ایک جماعت کے سامنے مجذوب کو پوشاک پہنائی گئی مجذوب نے پوشاک پہن کر اپنے آپ کو آگ میں ڈال دیا۔ وہ آگ میں اتنی دیر ٹھہرے رہے یہاں تک کہ وہ پوشاک جل گئی لیکن مجذوب آگ سے محفوظ رہا اور آگ سے صحیح و سالم باہر نکل آیا۔ اس کے بعد فرمایا : اے شیخ ! وہ پوشاک اچھی نہیں جسے آگ جلا ڈالے ۔

ف : بعض عارفین نے فرمایا کہ اگر بہشت میں رہ کر بھی جمالِ یار کا اشتیاق نہ ہو تو اس پر حیف صد حیف۔ اگر جہنم میں رہ کر شوقِ دیدارِ الٰہی ہو اس پر صد آفریں۔ اور یہ یاد رہے کہ محبوب کا ساتھ ہو تو اسے جہنم کی آگ نہیں جلاتی ۔ دیکھیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم اور اس کے جملہ طبقات کا معائنہ فرمایا لیکن اس سے آپ کے ایک بال کو بھی نقصان نہ پہنچا۔

لطیفہ : جیسے جہنم مومن کو اپنے میں سے جلد تر گزرنے کا کہے گی ایسے ہی مومن کامل کو بہشت کہے گی کہ اے مومن ! تم میرے بیچ میں سے جلد تر گزر جاؤ اور اپنے حقیقی مقام (وصالِ الٰہی) پر چلے جاؤ ، اس لیے کہ تمہارے نُور سے میری بے رونقی ہوتی ہے اور میری ساری کی ساری زیب و زینت ماند پڑ جاتی ہے۔

جیسا کہ مثنوی شریف میں ہے : ~~~

گویدش جنّت گزر کن ہمچو یاد
ورنہ گردد ہر چہ من دارم کساد

ترجمہ : اسے بہشت کہے گی کہ ہوا کی طرح گزر جا ورنہ میرا تمام کام بیکار ہو جائے گا۔

وہ اس لیے کہ مومن کا نور تجلی حق کا نور ہے اور یہ صرف اہلِ ایمان کو نصیب ہوتا ہے۔ بہشت و دیگر اشیاء اس نورِ تجلی خاص سے محروم ہیں اس معنے پر بہشت پہ یہ خاص نور غالب ہو جائے گا۔ اس کی مثال یوں سمجھیے کہ ایک واعظ وعظ کی کرسی پر بیٹھتا ہے لیکن اس مجلس میں اس سے فائق فی العلم اس کا استاذ یا کوئی اور اہلِ علم بیٹھا ہو تو واعظ و مقرر کی طبیعت منقبض ہو جاتی ہے اور وہ اپنے سے بڑے عالم سے عرض کرتا ہے کہ آپ یہاں سے تشریف لے جائیے۔ جب یہ ظاہری علم والوں کا حال ہے تو باطنی علوم کے حضرات کا حال اس سے زیادہ اولیٰ ہے کہ ان کے تاثرات و غلبات تجلیات سے ان سے کم درجہ والے ماند پڑ جائیں۔

سبق جو بھی اولیاء کے مراتب کو جانتا ہے اس پر لازم ہے کہ ان کے حضور میں خاموشی اختیار کرے اس لیے کہ انھیں ہر حال میں غلبہ حاصل ہے بلکہ انھیں ہر مقام کی معرفت نصیب ہے۔ قدس اللہ اسرارہم۔

تفسیر عالمانہ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ اور ہم اہلِ مکہ کو مزہ چکھائیں گے الاذاقہ بمعنے چکھانا مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى قریب تر والے عذاب سے۔ اس سے دنیا کا عذاب مراد ہے۔ چنانچہ اہلِ مکہ نے جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت اذیتیں پہنچائیں تو آپ نے ان کے لیے بد دعا فرمائی، وہ سات سال قحط میں مبتلا رہے یہاں تک کہ انہوں نے مردار اور چمڑے اور گلی سڑی ہڈیاں اور گوبر اور خون پر گزارہ کیا اور اونٹوں کی لید میں خون ملا کر کھایا اور درد کے سانس نکالتے تو ان کے سانس کا دھواں آسمان کو چھوتا نظر آتا تھا۔ وہ اسی طرح کے دنیوی مصائب و تکالیف میں مبتلا ہوئے یہاں تک کہ بدر میں ایک دوسرے کے قتل و غارت اور قید و بند کی صعوبتوں میں گرفتار ہوئے دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ بہت بڑے سے پہلے۔ اس سے عذابِ آخرت مراد ہے۔ یہاں پر لفظ دون بمعنے قبل ہے۔ کشف الاسرار میں اس کی تبیع میں کاشفی نے لکھا کہ وہ عذاب سخت جو انھیں قیامت میں ہوگا اس سے کم تر عذاب میں انھیں مبتلا کیا گیا۔ اس لیے کہ آخرت میں دائمی عذاب ہوگا اور دنیا کا عذاب چند روزہ، اسی لیے آخرت کے عذاب کو اکبر سے تعبیر کیا گیا۔ دراصل لفظ دون کسی مکان کے قریب تر شئے کو کہا جاتا ہے جبکہ وہ شئے مکان سے نچلے حصے میں ہو۔ لیکن پھر استعارۃً احوال میں کم درجہ کی اشیاء پر استعمال ہونے لگا۔ ایسے مراتب کے کم مرتبہ پر اس کا استعمال ہوتا ہے۔

دنیوی عذاب کا نمونہ لباب نے تفسیر نقاش سے نقل فرمایا کہ ادنیٰ عذابِ دنیوی یہ ہے کہ کمر توڑ مہنگائی میں مبتلا کر دیئے جائیں گے (جیسے آج ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء سے تین چار سال قبل سے تمام ممالک کو گھیرے ہوئے ہے) اور اکبر عذاب سے حضرت امام مہدی کی تشریف آوری کہ جب دنیا میں تشریف لائیں گے تو آپ کے ہاتھ میں آبدار تلوار ہوگی۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ادنیٰ عذاب سے ذلتِ دنیا اور ننگوں ساری عقبیٰ سے عذابِ اکبر یا گناہ میں مبتلا ہو جانے سے عذاب ادنیٰ اور درگاہِ حق کے قرب سے دُور ہو جانے سے عذابِ اکبر مراد ہے ؎

دور ماندن از وصال او عذاب اکبر است
آتش سوز فراق از ہر عذابے بدتر است

ترجمہ: محبوب حقیقی کے وصال سے دُور ہو جانے کا نام عذابِ اکبر ہے اور فراقِ یار جیسی جلانے والی شے سے بدتر اور کوئی عذاب نہ ہوگا۔

ف: حقائق البقلی میں ہے کہ ادنیٰ عذاب سے معرفتِ الٰہی مراد ہے اور عذابِ اکبر سے احتجاب از مشاہدۂ معروف ہے۔

ف: ابوالحسن وراق نے فرمایا کہ عذابِ ادنیٰ سے حرص علی الدنیا، اور اکبر سے دنیا کی وجہ سے عذاب مراد ہے۔

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ جو لوگ ان کے بعد زندہ موجود ہیں انھیں امید رکھنی چاہیے، یہاں پر لَعَلَّ بمعنے کَیْ ہے۔ اور ایسے مقامات پر ہمیشہ لَعَلَّ بمعنے کَیْ استعمال ہوگا۔ وہ کفر و معاصی سے توبہ کریں گے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس سے اربابِ طلب واصحابِ سلوک مراد ہیں کہ ان میں بعض ایسے حضرات بھی ہوتے ہیں جنہیں اثنائے طلب وسلوک میں کچھ ایسا وقفہ آجاتا ہے جس میں وہ عُجب یا ملامت یا نفس کی شامت یا غلط خیالی یا غرور میں مبتلا ہو جاتے ہیں ایسے ہی ان میں سے بعض دنیا اور اس کی زینت و شہوات میں گرفتار ہو جاتے ہیں یہ بھی ان کی آزمائش ہوتی ہے کہ انھیں اللہ تعالیٰ نفس یا مال یا گھریلو معاملات اور اہل وعیال کے امور اور اقربا و احبا کے تعلقات وغیرہ میں مبتلا کر کے بلا و محن کا ذائقہ چکھاتا ہے تاکہ وہ باقی زندگی میں خوابِ غفلت سے بیدار ہوں اور اپنی کمزوری اور غلط کاری کا ازالہ کر سکیں اس سے انہیں آخرت کے عذاب شدید سے بچانا اور اس کی رسوائی و ہجر و قسوۃ قلب سے محفوظ رکھنا مطلوب ہوتا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

ونقلب افئدتھم (الآیۃ)

لعلھم یرجعون تاکہ وہ اپنی صدق طلب و علو محبت کی طرف رجوع کریں۔

تفسیر عالمانہ وَمَنْ اَظْلَمُ اور اس سے اور بڑا ظالم کون ہوگا مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ اس سے کہ جسے آیاتِ ربّانی یعنی قرآن مجید کے مضامین سے اسے نصیحت کی جائے ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا تو وہ ان سے روگردانی کرے یعنی نہ ان میں وہ غور و فکر کرتے اور نہ ہی ان کی دعوت قبول کرتے اور نہ ہی ان کی دعوت قبول کرتے اور نہ ہی ان کے مقتضیٰ پر عمل کرتے ہیں اور لفظ ثُمَّ میں تراخی زمانی نہیں بلکہ اس میں اشارہ ہے کہ آیات کے نہایت درجہ کے واضح ہونے اور سعادت دارین کی طرف بہت زیادہ رہبری کرنے میں روشن تر ہیں لیکن یہ بیچارے ان سے رُوگردانی میں بہت دُور پڑے ہوئے ہیں اس کی مثال عبارت دخلت المسجد ثم لم تصل فیہ (تم نے مسجد میں داخل ہونے کے باوجود اس میں نماز بھی نہ پڑھی) ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی سے مسجد میں جاکر بھی نماز پڑھنے کی توقع نہ ہو۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے۔ یہاں پر صرف مطلق اظلم کی نفی مراد ہے۔ اس میں اس کے مساوی کی نفی کی ضرورت نہیں اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ○ بے شک ہم ہر مجرم سے بدلہ لیں گے خواہ وہ کسی قسم کے جُرم کا ارتکاب کریں اگرچہ وہ جرم نہایت معمولی ہی کیوں نہ ہو تو پھر اس ظالم کو تو بہت زیادہ سزا ملنی چاہیے کہ تمام ظالموں سے بڑھ کر ظالم ہے اور تمام مجرموں سے زیادہ مجرم ہے۔ الانتقام بمعنے بدلہ لینا۔ مثلاً کہا جاتا ہے: نقمت من الشئ و نقمتہ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو بُرا بھلا کہا جائے زبان سے یا سزا دے کر۔ ویسے النقمہ بمعنے عقوبت آتا ہے اور انتقام کا لغوی معنی ہے کینہ کو کھینچ لینا۔

ربط: جب اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کے زجر و توبیخ سے اپنے بندوں کو متنبہ فرمایا اور قسم قسم کی تادیب دے کر حدود شرعیہ منہیہ کے ترک کی ترغیب دلائی لیکن بندے اپنی غلطی سے باز نہ آسکے بلکہ وہ اپنی صحت و عافیت و سلامت سے دھوکا کھا گئے اور اللہ تعالیٰ کے مہلت دینے اور اس کی پوشیدہ سزاؤں سے بے خوف رہے اور انھیں یہ بھی معلوم نہ ہوسکا کہ وہ جب گرفت فرماتا ہے تو مہلت نہیں دیتا۔ چنانچہ فرمایا:

انا من المجرمین۔

یعنی ہم جرائم پر اصرار کرنے والوں سے منتقمون یعنی دارین کا گھاٹا دے کر بدلہ لینے والے ہیں۔ ؎

کمین گہست و تو خوش تیز می روی ہشدار
مکن کہ کرد بر آید ز شہرۂ عدمت

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی سزائیں پوشیدہ ہوتی ہیں اور تو تیز جارہا ہے کچھ ہوش سنبھال تجھے معلوم تو ہے کہ تجھے عدم سے وجود کس نے بخشا۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف ثلاثۃ من فعلھن فقد اجرم من عقد لواء فی غیر حق و من

عق لوالدیہ و من نصر ظالما۔
(تین امر ایسے ہیں جن کے کرنے سے بندہ مجرم کہلاتا ہے :
(۱) جس نے ناحق جھنڈا باندھا۔
(۲) جس نے اپنے والدین کی نافرمانی کی۔
(۳) جس نے ظالم کی مدد کی۔)

سبق : عاقل پر لازم ہے وہ اللہ تعالیٰ کے مواعظ سے نصیحت حاصل کرے اور اس کے اخلاق سے متخلق ہو اسے چاہیے کہ نفس کی موافقت کرکے رُوح کی اذیت سے اجتناب کرے ایسے ہی موافقت طبیعت کی موافقت کرکے اولیاءُ اللہ کی ایذاءُ سے احتراز کرے۔

ولی اللہ کعبہ سے افضل ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کعبہ کی دیوار سے ٹیک لگا کر کعبہ سے مخاطب ہو کر فرمایا :

یا کعبة ما اعظم حرمتك علی اللہ لو هدمتك سبع مرات کان احب الی من اوذی مسلما مرة واحدة۔

(اے کعبہ! اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیری بڑی عزت ہے لیکن میں تجھے سات بار ڈھا دوں تو اتنا گناہ نہ ہوگا جتنا کامل مسلمان کی ایذاء رسانی سے ہوگا)

قولِ وہب بن منبہ

حضرت وہب بن منبہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ بنی اسرائیل نے ستر صندوقوں میں مختلف علوم وفنون کی کتابیں جمع کیں۔ ہر صندوق کی لمبائی ستر گز تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے نبی کے ہاں وحی بھیجی اور فرمایا کہ اس عالم دین سے فرمائے کہ تجھے یہ جملہ علوم کوئی فائدہ نہ دیں گے بلکہ اس سے کئی گنا زاید کتابیں جمع بھی کرلیں تب بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا جب تک کہ تیرے اندر تین عادتیں پائی جائیں :

۱۔ حُبِ دنیا
۲۔ شیطان سے نرمی
۳۔ کسی مسلمان بھائی کا دل دکھانا

حدیث شریف

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
دوزخ کے آسان ترین دروازے کا یہ حال ہے کہ اس کے اندر ستر ہزار پہاڑ آگ کے ہیں، ایک ایک پہاڑ میں ستر ستر ہزار وادیاں ہیں اور ہر وادی میں ستر ستر ہزار گھاٹیاں ہیں اور ہر گھاٹی میں ستر ہزار شہر ہیں اس کے ہر شہر کے اندر ستر ہزار دار ہیں اور ہر دار کے اندر ستر ہزار مکانات ہیں اور ہر مکان میں ستر ہزار صندوق ہیں اور ہر صندوق میں ستر ہزار طریقے کے عذاب ہیں اور ہر عذاب ایک دوسرے

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ
اور بے شک، ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی تو تم اس کے ملنے میں شک نہ کرو
لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿٢٣﴾ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا
اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت کیا اور ہم نے ان میں سے کچھ امام بنائے کہ ہمارے حکم سے بتاتے
صَبَرُوْا ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿٢٤﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
جب کہ انہوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیتوں پر یقین لاتے تھے بے شک تمہارا رب ان میں فیصلہ کر دیگا قیامت کے دن جس
فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٢٥﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ
بات میں اختلاف کرتے تھے اور کیا انہیں اس پر ہدایت نہ ہوئی کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی سنگتیں ہلاک کردیں
يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿٢٦﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ
کہ آج یہ ان کے گھروں میں چل پھر رہے ہیں بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں تو کیا سنتے نہیں اور کیا نہیں دیکھتے کہ ہم پانی
الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَ
بھیجتے ہیں خشک زمین کی طرف پھر اس سے کھیتی نکالتے ہیں کہ اس میں سے ان کے چوپائے اور
اَنْفُسُهُمْ ؕ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ
وہ خود کھاتے ہیں تو کیا انہیں سوجھتا نہیں اور کہتے ہیں یہ فیصلہ کب ہوگا اگر
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٨﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا
تم سچے ہو تم فرماؤ فیصلہ کے دن کافروں کو
اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿٢٩﴾ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ
ان کا ایمان لانا نفع نہ دے گا اور نہ انہیں مہلت ملے تو ان سے منہ پھیر لو اور انتظار کرو بیشک
مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿٣٠﴾
انہیں بھی انتظار کرنا ہے

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات کتاب عطا فرمائی فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ اور شک میں نہ رہو۔

حلِ لغات : المفردات میں ہے المریۃ بمعنے التردّد فی الامر ہے اور شک سے اخص ہے۔
مِّنْ لِّقَآئِهٖ لقاء بمعنے دیکھنا۔ اہلِ عرب کہتے ہیں لقیہ۔ رضیہ کی طرح ہے بمعنے راٰہ۔
الراغب میں ہے کہ یہ ادراک بالحس بالبصر و بالبصیرۃ مستعمل ہے۔ یہ اپنے مفعول کی طرف

سے بڑھ کر ہے۔ یہ روایت سُن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کاش کہ میں ایک بکرا ہوتا اور لوگ مجھے ذبح کر کے کھا جاتے لیکن جہنم کا ذکر میرے سننے میں نہ آتا۔

ف : حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : کاش میں جنگل کا پرندہ ہوتا لیکن میں نار کا ذکر نہ سُنتا۔

ف : حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : کاش مجھے ماں نہ جنتی اور میں جہنم کا نام نہ سنتا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں عذاب کے اسباب کے وقوع سے بچائے اور مواقفت میدانِ حشر میں کھڑے ہونے سے اور برے حساب سے محفوظ فرمائے۔ وہی ہے جس نے ہمیں پیدا فرمایا اور پھر اپنی رضا کی ہدایت بخشی۔ اس سے ثبات علی الدین ہے اور وہی جنت اور قربت و وصال اور لقا تک پہنچانے والا ہے۔

مضاف ہے۔ یہاں لقاء سے موسیٰ علیہ السلام کو تورات حاصل ہونا مراد ہے۔ یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف کتاب تورات القا فرمائی۔ صاحبِ رُوح البیان نے فرمایا کہ یہ تقریر موزوں ہے جیسا کہ فاء کی ترتیب علی الماقبل کا تقاضا ہے۔

سوال : جب حضور علیہ السلام کو بالکل شک تھا ہی نہیں تو آپ کو نہی کیوں کی گئی۔

جواب : اس میں کفار کو تعریض ہے کہ انھیں موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کتاب کے حصول کا شک تھا اگر انہیں شک نہ ہوتا تو وہ لازماً قرآن مجید پر ایمان لاتے اس لیے کہ قرآن مجید میں ایسے شواہد و آیات و دلائل موجود ہیں جو توراۃ اور جملہ کتب آسمانی کی تصدیق کرتی ہیں۔ اس معنے پر نبی علیہ السلام کے ہاں کتاب کا آنا نئی بات نہیں کہ جس پر وہ شک و شبہ کریں پھر اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ جو بھی اس کی آیات کا انکار کرتا ہے تو انہیں فنا کر کے دوسرے ایسے لوگ پیدا فرماتا ہے جو اس کی آیات کا انکار نہ کریں۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو کتاب ملی تو اللہ تعالیٰ کے کلام سے لذت پائی۔

(موسیٰ علیہ السلام کو برکۃ و شفاعۃ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

آیت مذکورہ کو لے کر منکرین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں تنقیص کرتے ہیں حالانکہ آیت مذکورہ میں تنقیص کے بجائے رفعتِ شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان ہے چند توجیہات فقیر نے تفسیر اویسی میں عرض کی ہیں سرِدست صاحبِ رُوح البیان کا مندرجہ ذیل حوالہ قابل دید و شنید ہے :)

فلا تشك یا محمد ان یحظی غدا احظ بصره بالرؤیة و لکن لشفاعتك و برکة متابعتك واختصاصه فی دعائه بقوله اللهم اجعلنی من امة احمد فان الرؤیة مخصوصة بك و بامتك بتبعیتك۔

ترجمہ : اے محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کل قیامت میں کسی کو بھی رؤیت نصیب نہ ہوگی جب تک

آپ شفاعت نہ فرمائیں گے اسے رؤیت نصیب ہوگی جس نے آپ کی تابعداری کی ہوگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہمیشہ دعائیں کہا کرتے تھے اے اللہ! مجھے احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے بنا کیونکہ خصوصی رؤیت حضور علیہ السلام اور آپ کی امت کو نصیب ہوگی آپ کے طفیل۔

تفسیر عالمانہ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى اور ہم نے وہ کتاب جو موسیٰ علیہ السلام کو دی وہ گمراہی سے ہدایت بتانے والی تھی لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ بنی اسرائیل کے لیے، اور بنی اسرائیل کی تخصیص اسی لیے ہے کہ وہ انہیں کی طرف اُتری اور وہی اس پر عمل کرنے پر مامور من اللہ تھے۔ اس وقت بنو اسماعیل بھی تھے لیکن وہ اس کے مکلف تھے قل من انزل الکتٰب الذی جاء به موسیٰ نوراً وھدی للناس میں بھی الناس سے بنی اسرائیل مراد لیا گیا ہے بہ تقریر مذکور وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اور ہم نے انہی سے بنائے اَئِمَّةً پیشوا۔ یہ امام کی جمع ہے ہر وہ شخص کہ جس کے قول وفعل کی اقتداء کی جائے یَّهْدُوْنَ جو توراۃ کے شرائع واحکام وحکم کے مطابق مخلوق کو حق کی راہ بتاتے ہیں بِاَمْرِنَا ہمارے حکم سے، جس کا ہم نے انہیں مامور بنایا اور ہماری توفیق سے جو ہم نے انہیں عطا فرمائی لَمَّا صَبَرُوْا جب انہوں نے حق کی وجہ سے جمیع امور واحوال پر صبر کیا۔ یہ شرط ہے جس میں جزا کا معنیٰ ہے مثلاً کہا جاتا ہے: احسنت الیك لما جئتنی والتقدیر لما صبروا الائمة یعنی جب بنی اسرائیل کے علمائ نے مشقتوں اور طریق حق پر صبر کیا تو ہم نے انہیں جملہ بنی اسرائیل کا پیشوا بنا دیا۔ یہ لمّا ظرف ہے بمعنے حین۔ اب معنی یہ ہوا کہ جس وقت انہوں نے صبر کیا تو ہم نے انہیں پیشوا بنا دیا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا اور وہ ہماری بھیجی ہوئی کتاب کے جملہ احکام پر یُوْقِنُوْنَ ○ یقین رکھتے تھے کیونکہ وہ گہری نظر کے مالک تھے۔ الایقان بمعنے بے گمان ہونا۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے عام انسان کو مخاطب فرمایا کہ تم توراۃ میں شک نہ کرو جیسے مکہ کے کافروں نے ہماری نازل کردہ کتاب قرآن پر شک کیا۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ جیسے توراۃ بنی اسرائیل کے لیے ہادی اور رہبر تھی ایسے ہی قرآن مجید اہل اسلام کے لیے ہادی و رہبر ہے پھر جیسے بنی اسرائیل نے اپنی کتاب توراۃ سے اپنی دینی و دنیوی مصلحتوں کی راہ پائی ایسے ہی اہل اسلام پر لازم ہے کہ قرآن مجید سے شرائع و حقائق کی رہبری و ہدایت حاصل کریں پھر جیسے توراۃ کے عاملین کو عوام بنی اسرائیل کا قائد بنایا گیا ایسے ہی قرآن مجید کے عاملین کو نہ صرف مسلمانوں کا قائد بنایا جائے گا بلکہ جملہ عالم کے اہل کمال کا پیشوا بنایا جائے گا اس لئے کہ انہیں فضیلت کلی نصیب ہوگی۔ اور قاعدہ ہے کہ جو شخص جملہ فضائل و کمالات کا حامل ہو وہ علی الاطلاق افضل ہوتا ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی شانِ کمال حضرت الشیخ العارف ابوالحسن شاذلی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں ایک رات حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہُوا تو آپ امام غزالی کا نام لے کر حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیٰ نبینا علیہما السلام پر فخریہ طور فرما رہے تھے کہ کیا تمہاری اُمت میں بھی کوئی ایسا عالم دین ہے؟ انھوں نے عرض کی، نہیں۔

ف: اللہ تعالیٰ نے اُمتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام کو کیا شرف بخشا اور کتنی فضیلت بخشی کہ انہیں معرفت سے بھرپور فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں قیامت میں ہر طرح کی نورانی پوشاک سے ملبوس فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ جملہ اولیاً اور علماً باعمل سے راضی ہو اور ہمیں ان کے برکات سے بہرہ مند فرمائے۔ آمین

حکایت بعض اکابر نے فرمایا کہ میں نے ابواسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی رحمہ اللہ تعالےٰ کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا کہ وُہ سفید لباس سے ملبوس اور سر پر تاج نورانی تھا میں نے عرض کی: یہ سفید لباس کیسا؟ جواب دیا کہ طاعت کی برکت سے نصیب ہوا اور تاج علم کی برکت سے۔

اولیاً کی شان بعض مشائخ نے فرمایا کہ وُہ احکام جو معصوم انبیاء علیہم السلام لائے ان پر ایمان نہ لانا نا انصافی ہے ایسے ہی محفوظ اولیاً جو کچھ الہامی امور بتائیں تو انھیں نہ ماننا بھی نا انصافی ہے کیونکہ اولیاً و انبیاً علیہم السلام کے علوم ایک دریا سے ہیں اور اگر وحی ربانی جو انبیاء علیہم السلام پر نازل ہُوئی وہ اصل ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے تو اس کی فرع یعنی الہام پر بھی لازمی ہے جب کہ وہ وحی سے موافقت رکھتا ہو۔ اور قاعدہ ہے کہ علماء (باعمل) انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ اولیاء کے علوم بعینہٖ انبیاء علیہم السلام کے علوم ہیں۔ اولیاً کے اقوال و افعال و احوال کی اتباع میں اجرِ کثیر اور ثوابِ عظیم ہے بلکہ جملہ ہلاکتوں و صعوبتوں سے نجات کا موجب ہے۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

یار مردان خدا باش کہ در کشتیٔ نُوح
ہست خاکی کہ بآبی نخرد طوفان را

ترجمہ: اللہ والوں کے ساتھ ہوجا اس لیے کہ نوح علیہ السلام کی کشتی میں نوح علیہ السلام کے ساتھ صرف مِل بیٹھنے والوں نے نجات پائی۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ بیشک تمہارا انبیاء علیہم السلام کا اور مکذبین کا یا اہلِ ایمان اور کفار کا فیصلہ فرمائے گا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت میں، پھر حق اور باطل والوں کا خود بخود امتیاز ہوجائے گا۔

اس کے بعد ہر ایک کو اس کے عمل کی جزاء و سزا دے گا۔

ف : کلمۂ ھو تخصیص و تاکید کے لیے ہے اس لیے قیامت میں فیصلہ صرف اسی کے ہاتھ ہو گا اس پر کسی کو طاقت نہ ہوگی اور نہ ہی کوئی اس کے سوا کسی اور کے سپرد ہو گا۔

فِیْمَا کَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ۝ ان امورِ دین میں جو دنیا میں آپس میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے تھے۔

فیصلہ کی اقسام بعض مشائخ نے فرمایا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ دس وجوہ سے اپنے بندوں کے فیصلے فرمائے گا:

(۱) ان کے اعزاز و احترام میں کہ ان کے فیصلے خود فرمائے کسی غیر کے پاس انہیں نہ جانا پڑے۔

(۲) ان پر غیرت کی وجہ سے کہ ان کے حالات کسی غیر کے سامنے منکشف نہ ہوں۔

(۳) ان پر رحم اور لطف و کرم کی بنا پر اس لیے کہ وہ ستار ہے ان کے عیوب غیر پر نہیں کھلنے دے گا بلکہ خود بھی انہیں پوشیدہ رکھے گا۔

(۴) وہ کریم ہے اور کریموں کی عادت ہے کہ جب کسی لغو امر سے گزرتے ہیں تو گزر ہی جاتے ہیں۔ اسی بنا پر جب وہ کریم ہمارے فیصلے فرمائے گا تو اس کے فضل و کرم پر امید ہے کہ وہ درگزر ہی فرمائے گا۔

(۵) اپنے فضل و کرم اور عدل کا اظہار فرمائے گا اس لیے کہ خالق ہے اور حکیم بھی ہے اس نے بندوں کو پیدا فرمایا تو وہ جو کام کرتے ہیں وہ اس کی حکمت و مشیّت کے تحت کام کرتے ہیں اگر ان سے نیکی کا صدور ہے تو سمجھو کہ یہ اس کریم کے احسان و فضل کا نتیجہ ہے اگر ان سے برائی صادر ہو تو یہ اس کی حکمت و عدل کے موجبات سے ہے اور یہ اس کی شان ہے کہ وہ ذرّہ برابر بھی بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ کما قال:

لا یظلم مثقال ذرۃ وان تك حسنۃ یضاعفھا۔ الآیۃ

(وہ ذرہ برابر ظلم نہ کرے گا اگر نیکی ہوگی تو اسے دوہرا کیا جائے گا)

ہاں نیکی ہو تو اس کے جتنا گُنا زاید اجر و ثواب عطا فرمائے وہ مالک ہے۔

(۶) اس کی عنایت و شفقت بے پایاں ہے اور مخلوق کو اسی لیے پیدا فرمایا تاکہ وہ اس سے نفع پائے اس لیے پیدا نہیں فرمایا کہ اسے اس سے کوئی ضرورت تھی۔ اس معنے پر وہ اپنے بندوں کو نقصان نہ دے گا۔

(۷) اس کی رحمت اور بندوں سے محبت بھی بے پایاں ہے۔ اسی محبت سے تو پیدائش کا سلسلہ جاری فرمایا۔

چنانچہ حدیث قدسی میں ہے :

حدیث قدسی فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لا عرف ۔

(تو میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں اور میں نے مخلوق پیدا کی تاکہ پہچانا جاؤں)

اور محبت کے لیے ہی انہیں پیدا فرمایا ۔ کما قال :

یحبھم و یحبونہ ۔

(وہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے)

اسی لیے بندوں کے ہر معاملہ کو بہ نظرِ محبت و خوشنودی دیکھتا ہے ؎

وعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ

(محبت کی آنکھ ہر عیب سے چشم پوشی کرتی ہے)

(۸) بندوں پر اس کا لطف و کرم اور تکریم بھی بے پایاں ہے ۔ کما قال :

ولقد کرمنا بنی آدم ۔

(اور ہم نے بنی آدم کو مکرم بنایا)

جسے وہ معزز و مکرم بنائے اسے ذلیل و خوار کوئی نہیں کرتا ۔

(۹) اس کا جود و عفو بھی بے نہایت ہے ۔ عفوٌ اس کی صفت ہے اور عفو (معافی) سے اسے محبت ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کسی بندے میں جُرم و خطا دیکھتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ وہ اسے معاف فرما دے ۔ وہ جواد ہے اپنے بندوں کو مغفرۃ و رضوان کے جُود و عطا سے نوازتا ہے ۔

(۱۰) بندوں کو اپنے اسرار کا خزانہ بنایا اسی لیے وہ ان کے احوال کو خوب جانتا ہے اور ان کی قدر و منزلت کو خوب پہچانتا ہے ۔ اسی نے اس کے خمیر کو چالیس دن گوندھا ۔ انھیں اپنے جمال کا آئینہ بنایا ان کو اپنے جملہ صفات کا مظہر بنا کر اپنے صفات کو دیکھتا ہے ۔ دوسری تمام مخلوق اس دولت سے محروم ہے اگرچہ ملائکہ مقربین اونچی منزلت رکھتے ہیں لیکن انھیں ایسے اعزاز و اکرام سے نہیں نوازے گا ۔ چنانچہ انّی جاعلٌ فی الارض خلیفہ کا بڑا عہدہ اسی کو بخشا ، اگرچہ فرشتے کہتے رہے اتجعل فیھا من یفسد فیھا ویسفك الدماء ۔ در اصل ملائکہ کو انسان کی شان کا علم نہ تھا اور نہ ہی اس کی معرفت انھیں حاصل تھی ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی قدر و منزلت کا اظہار ملائکہ کرام کو خود فرمایا ۔ کما قال :

اِنّی اعلم ما لا تعلمون ۔

یعنی میں ہی انسان کے فضائل اور شمائل کو جانتا ہوں اس لیے کہ وہ میرے اسرار کے گنجینہ اور میرے جمال و جلال کا آئینہ ہیں تمہیں اس کی شان کا کیا پتا ! تم اسے بنظرِ غیرت دیکھ رہے ہو میں اسے بنظرِ محبت و رحمت دیکھ رہا ہوں ۔ تمہیں تو اس کی قبائح و عیوب ہی نظر آئیں گے اور میں تو اس کا صرف

فعل جمیل دیکھتا ہوں میں نہیں چاہتا کہ میں تمہیں اس کا حاکم بنا دوں بلکہ اپنے فضل وکرم سے میں خود ان کے اختلاف کا فیصلہ فرماؤں گا اسی لیے نیک کو احسن جزا سے نوازوں گا بُرے کی برائی سے درگزر فرماؤں گا اور ان کا اختلاف مجھ پر مخفی بھی نہیں اس لیے کہ میں ان کے حال سے زیادہ باخبر ہوں اور میں جانتا ہوں کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے مخالف رہیں گے سوائے اس کے کہ جس پر میں رحم کروں اسی لئے تو میں نے انہیں پیدا فرمایا۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ آپس کے اختلاف سے دور رہے کسی کے ساتھ جھگڑنے کی کوشش نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن مجید عطا فرما کر اپنے قربات کے طریقے بتاتے۔ جو سیدھے راہ سے بھٹک گیا وہ ذلیل وخوار ہوگا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم پر رحم فرمائے وہ ارحم الراحمین ہے۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ کفار مکہ کو خوف دلانا مطلوب ہے یعنی ان پر غفلت چھا گئی ہے کہ انہیں اپنے انجام کار کا علم نہیں ہو رہا اس کا فاعل كَمْ اَهْلَكْنَا ہے یعنی کیا انہیں راہ نہیں دکھائی۔ یہ امر ہے کہ ہم نے کتنے کثیر التعداد لوگوں کو تباہ وبرباد کیا یہاں پر کم سے پہلے کثرۃ کا لفظ محذوف ہے اس لیے لفظ کم فاعل واقع نہیں ہوتا اسی لیے جاء نی کم رجل نہیں کہا جاتا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ ان سے پہلے بہت بڑی سنگتیں۔ اس سے عاد وثمود وقوم لوط وغیرہا مراد ہیں۔ القرن زمین پر ایک عرصہ گزارنے والے لوگ مراد ہیں القرون اسی کی جمع ہے يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ یہ جملہ ھُم ضمیر سے حال ہے۔ اس سے اہل مکہ مراد ہیں۔ یعنی یہ اہل مکہ تجارتی امور کے سلسلہ میں ان تباہ شدگان کے گھروں اور شہروں سے گزرتے ہیں تو ان کی تباہی و بربادی اور ان کے گھروں اور شہروں کی ویرانی کو آنکھوں سے دیکھتے ہیں اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ بے شک ان کی تباہ حالیوں و دیگر امور میں لَاٰيٰتٍ البتہ دلائل و مواعظ ہیں ہر اس انسان کے لیے جو ان کے دیکھنے اور ان سے عبرت حاصل کرنے کی اہلیت وصلاحیت رکھتا ہے اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ کیا وہ اللہ تعالیٰ کے آیات و مواعظ کو سن کر تدبر اور پند وعبرت حاصل نہیں کرتے تا کہ کفر و تکذیب کی غفلت کی گرفتاری سے بیدار ہوں ؎

کسے را کہ پندار در سر بود
پندار ہرگز کہ حق بشنود
ز علمش ملال آید از وعظ ننگ
شقایق بباران نروید ز سنگ

ترجمہ: جس کے ذہن میں کبر وغرور ہو اس سے امید مت رکھو کہ وہ نصیحت حاصل کرے گا کیونکہ جس کے سر میں ایسے گندے خیال ہوں اسے علمی گفتگو سے ملال اور وعظ ونصیحت سے

عار ہوتی ہے اور شقائق کا پھول پتھر سے پیدا نہیں ہو سکتا۔

اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّا نَسُوۡقُ الۡمَآءَ۔ السوق بمعنے چلانا۔ اس سے بادل چلنا مراد ہے جو پانی اٹھا کر چلتا ہے اگرچہ اس کی حقیقی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے یا اس سے نہری پانی کا چلنا مراد ہے تو اس سے من وجہ نسبت بندوں کی طرف ہو گی اگرچہ اس کا حقیقی چلانے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے۔

ف: چونکہ سوق اور اس کے بعد اخراج وغیرہ افعال حسیہ سے ہیں اسی لیے اس رؤیۃ سے بعض مفسرین نے رؤیۃ بصری مراد لی ہے اور اس آیت کا آخری حصہ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کما قال افلا یبصرون۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ اس سے انجام کا دیکھنا مراد ہے یعنی انہیں معلوم ہے کہ ہم پانی کو بہاتے چلاتے ہیں وغیرہ۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا یہ لوگ دیکھتے اور جانتے نہیں کہ ہم پانی کو بادل میں چلاتے ہیں اِلَی الۡاَرۡضِ الۡجُرُزِ ویران زمین کی طرف۔

الجرز وہ زمین جس سے کھیتی باڑی کا سلسلہ منقطع ہو جائے جبکہ اس پر نہ بارش کا پانی برسا اور نہ ہی اس پر نہری پانی پہنچا۔ اس سے وہ زمین مراد ہے جس پر کھیتی اُگنے کی اُمید نہ ہو۔

فَنُخۡرِجُ تو ہم اس زمین سے نکالتے ہیں بِہٖ بسبب اس دریائی اور بادل کے چلائے ہوئے پانی کے زَرۡعًا کھیتیاں، باغات، درخت۔ یہ در اصل مصدر ہے بمعنے مزروع تَاۡکُلُ مِنۡهُ اس سے کھاتے ہیں اسی کھیتی وغیرہ کو اَنۡعَامُهُمۡ ان کے چارپائے۔ اس سے گھاس اور پتے یعنی جانوروں کی خوراک مراد ہے اور بعض اناج جو جانوروں کی خوراک سے متعلق ہے وَاَنۡفُسُهُمۡ ان کے نفسوں کے لیے یعنی وہ دانے جسے انسان خوراک کے طور پر استعمال کرتے ہیں ایسے ہی پھل وغیرہ اَفَلَا یُبۡصِرُوۡنَ ۝ کیا وہ دیکھ کر غور و فکر کریں پھر ان سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی کمال قدرت اور اس کے فضل و کرم پر استدلال کریں اور یقین کریں کہ عبادت کا مستحق صرف وہی ہے، اس کی بعض مخلوق کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں جیسے بعض لوگ فرشتوں کو اور بعض انسانوں کو معبود بناتے رہے جب اللہ تعالیٰ کی شریک اعلیٰ مخلوق نہیں ہو سکتی تو ادنیٰ مخلوق کیا نفع نقصان دے سکتی ہے جیسے پتھر کہ وہ نہ نفع دیتا ہے نہ نقصان۔

اس سے انہیں معلوم ہو گا کہ ہم انہیں قیامت میں لوٹانے اور پھر زندہ کرنے پر قادر ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

ابن عطائے نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم مواعظ کے برکات ان سخت قلوب میں پہنچاتے ہیں جو حق سے روگردان ہیں تو وہ مواعظ حاصل کرتے ہیں۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے تجلیات جلال کے دریاؤں سے معرفت کا پانی چلا کر مردہ قلوب کو زندہ کرتا ہے تو اس سے نرگس وصال و یاسمین محبت و ریحان موانست اور بنفشۂ حکمت اور زہرہ فطنت و ورد مکاشفہ و شقائق حقیقت اُگتے ہیں۔

بعض مشایخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم ہدایت کا پانی چلا کر مردار قلوب کو پہنچاتے ہیں تو باوجودیکہ ان کے باغات وصال کے خشک ہو چکے تھے لیکن ہمارے پانی پہنچانے سے وہ باغات سرسبز و شاداب ہو جاتے ہیں اور اس پر انس کی تازگی سے مالوس کر کے ان باغات کی خشک ٹہنیوں کو سرسبز کرتے ہیں بعد اس کے کہ ان کے احوال زبوں تھے لیکن جوں ہی انہیں رحمت کا پانی پہنچا ان ویران قلوب واردات کی کھیتیاں پیدا ہونے لگیں کہ جن سے زینت نفوس کو صلاحیت نصیب ہوتی ہے اور ان قلوب مشاہدات کا ظہور ہوتا جن سے قلوب کو غذا حاصل ہوتی ہے ۔

ہدایت کے اقسام

ہدایت کئی قسم ہے :

(۱) کافر کو ایمان کی ،

(۲) مومن و فاسق کو طاعات کی ،

(۳) مومن مطیع کو زہد و ورع کی ،

(۴) زاہد متقی کو معرفت کی ،

(۵) عارف کو وصال الٰہی کی ، اور

(۶) واصل باللہ کو حصولِ مشاہدہ کی ہدایت نصیب ہوتی ہے ۔ واصل کو جب اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے تو فیض الہام صریح سے قلب کے اندر ایسا بیج پیدا ہوتا ہے جو کبھی خشک نہیں ہوتا اس مرتبہ کے بعد انسان کامل کو حیاتِ ابدی و بقاء دائمی حاصل ہوتا ہے ۔

سبق : طالبِ حق پر لازم ہے کہ وہ طریقِ عبودیت میں جدوجہد کرے ۔ فیض و نما طریق عبادات سے حاصل ہوتا ہے ۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے طاعت کو بندوں کے لیے رحمت بنایا ہے لیکن جب انسان صبح کی نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مناجات کے دریا میں ڈوب جاتا ہے پھر یہ حالت ظہر تک منقطع ہو جاتی ہے اور وہ بھی انسان ناقص کے لیے کیونکہ ناقص انسان ایسے مشاغل میں مشغول ہو جاتا ہے جو فیض الٰہی کی مدد کے اسباب کے لیے انقطاع کا موجب ہیں لیکن نمازِ ظہر اس کے لیے فیض الٰہی کی تجدید کرتی ہے اسی طرح ہر نماز کی یہی کیفیت ہے اور ان کے تکرار میں بھی یہی نکتہ ہے کہ نمازیں بمنزلہ بارش کے ہیں کہ جس طرح بارش سے ویران زمین سرسبز و شاداب ہوتی ہے اسی طرح صبح و شام کی نمازوں سے ویران قلوب آباد ہوتے ہیں ایسے ہی روزوں کی کیفیت ہے کہ رمضان المبارک قلب کا دروازہ کھولتا اور طبیعت یعنی خواہشاتِ نفسانی کا دروازہ بند کرتا ہے ۔ یہاں سے بندے کو صفت صمدیہ کا جلوہ نصیب ہوتا ہے اور وہ ملائکہ کرام کے منصب کو پہنچ جاتا ہے اور رمضان مبارک کے ہر سال تشریف لانے میں ایک نکتہ یہی ہے اور نماز و طاعات کا عوام پر اس لیے اثر ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ طاعات کو صحیح طریق اور ان کے شرائط کے مطابق ادا نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ اپنے بندوں کو شہوات سے بچائے اور انھیں دائرۂ غفلت سے نکالے ۔

مسئلہ: جو شخص اللہ تعالیٰ کو عاجز سمجھتا ہے وہ کافر ہے۔

ف: شرح الحکم میں ہے کہ اگر تم اپنی امید کو تقویت بخشنا چاہتے ہو تو اپنے جیسے کے احوال پر نگاہ ڈالو کہ اسے اللہ تعالیٰ نے کیسے اپنا قرب عطا فرمایا جیسے ابراہیم بن ادھم و فضیل بن عیاض و ابن المبارک و ذوالنون مصری و مالک بن دینار وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ۔ ان کا ابتدائی حال نہایت زبون تھا لیکن بعد کو انتہائی درجہ کے اولیاء کاملین ہوئے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ سایۂ حق بر سر بندہ بود	عاقبت جوینده یابنده بود
۲ گفت پیغمبر کہ چون کوبی دری	عاقبت زان در برون آید سری
۳ چون نشینی بر سر کوی کسی	عاقبت بینی تو ہم روی کسی
۴ چون ز چاہی میکنی ہر روز خاک	عاقبت اندر رسی در آب پاک
۵ جملہ دانند این اگر تو نکروی	ہر چہ میکاریش روزی بدروی

ترجمہ: (۱) سایۂ حق بندے کے سر پر ہوتا ہے بالآخر تلاش کنندہ مطلب پالیتا ہے۔

(۲) فرمایا پیغمبر علیہ السلام نے کہ جب دروازے پر دستک دو گے تو کوئی نہ کوئی دروازے سے باہر سر نکالے گا۔

(۳) جب تم کسی کی گلی میں بیٹھو گے تو بالآخر کسی مبارک کو ضرور دیکھو گے۔

(۴) جب روزانہ کنویں سے مٹی باہر نکالو گے تو بالآخر پانی تک ضرور پہنچو گے۔

(۵) یہ تو سب جانتے ہیں اگرچہ تو نے نہیں کیا جو کچھ بوؤ گے وہی پھل اٹھاؤ گے۔

دوسری جگہ پر فرمایا: ؎

۱ چون صلای وصل بشنیدن گرفت	اندک اندک مردہ جنبیدن گرفت
۲ نی کم از خاکست کز عشوۂ صبا	سبز پوشد سر برآرد از فنا
۳ کم ز آب نطفہ نبود کز خطاب	یوسفان زایند رخ چون آفتاب
۴ کم ز بادی نیست شد از امر کن	در رحم طاؤس و مرغ خوش سخن
۵ کم ز کوہ و سنگ نبود کہ ولاد	ناقۂ کان ناقہ ناقہ زاد زاد

ترجمہ: (۱) جب وصال کی آواز سنی تو مردہ آہستہ آہستہ حرکت میں آنے لگا۔

(۲) بادِ صبا کی گرد خاک سے کم نہیں، سبز پوشاک پہن کر وہ سر پردے سے باہر لاتی ہے۔

(۳) نطفہ سے کم نہیں کہ اس نے خطاب سنا تو اس سے کیسے کیسے حسین و جمیل انسان پیدا ہوئے۔

(۴) امر کن ہوا سے کیا کم ہے کہ اس سے رحم میں طاؤس و مرغ خوش سخن پیدا ہوتے ہیں۔

(۵) کوہ و سنگ سے کم نہیں وہ ناقۂ کان جو ناقہ زاد سے پیدا ہوئی۔

وَيَقُوْلُوْنَ اور کہتے تھے۔

تفسیر عالمانہ **شانِ نزول**: کفارِ مکہ کو اہلِ ایمان فرماتے تھے کہ ایک دن فتح ہمارے قدم چومے گی لیکن اس کا ایک دن مقرر ہے ذرا انتظار کر لو تمہارے اور ہمارے مابین من جانب اللہ فیصلہ ہو ہی جائے گا۔ کفار سن کر انھیں جواب میں استہزاءً و تکذیباً کہتے فیصلہ جلدی ہونا چاہیے مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ کون سے وقت میں یہ حکم اور فیصلہ یا فتح و نصرت ہوگی اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ اگر تم سچے ہو کہ وہ فیصلہ ہو کر رہے گا قُلْ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں خاموش کرا کر اور حق کو ثابت کرتے ہوئے فرمائیے کہ عجلت نہ کرو اور نہ ہی استہزاء کرو اس لیے کہ يَوْمَ الْفَتْحِ فتح کا دن یعنی وہ دن جس میں تمام شبہات زائل ہو جائیں گے۔ اس سے قیامِ قیامت مراد ہے دراصل اغلاق و اشکال کے ازالہ کو کہا جاتا ہے یا اس سے وہ دن مراد ہے جب اہلِ اسلام کو کفار پر غلبہ ہوا لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ کافروں کو ایمان لانا نفع نہ دے گا۔ ایمانھم، لا ینفع کا فاعل اور الذین کفروا اس کا مفعول ہے وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ اور نہ وہ مہلت دئے جائیں گے اور نہ ہی ان سے عذاب موخر ہوگا الانظار بمعنے مہلت دینا۔ اگر اس سے قیامت کا دن مراد ہو تو ظاہر ہے کہ کافر کو ایمان نفع نہ دے گا کیونکہ ان کے ایمان لانے کا وقت فوت ہو گیا۔ انہیں ادراکِ عذاب کے وقت مہلت نہیں دی جائے گی اور نہ ہی اس وقت کوئی عذر قبول ہوگا کیونکہ وہ وقت عذر قبول کرنے کا نہیں۔ اگر اس سے یومِ نصرۃ جیسے غزوۂ بدر میں ہوا مراد ہو تو بھی انہیں قتل کے وقت ایمان فائدہ نہ دے گا اس لیے کہ وہ ایمان یاس (ناامیدی) کہلاتا ہے جیسے فرعون نے دریا میں غرق ہوتے وقت ایمان کا اظہار کیا۔ ایسے کافر کے قتل میں توقف نہیں کیا جائے گا۔

سوال: ان کے سوال کے مطابق جواب نہیں دیا گیا اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: کافروں کو تنبیہ ہے کہ ان کا سوال ہی لایعنی ہے۔ اور نہ وہ اس لائق ہے کہ اس سے سوال کیا جائے۔ کیونکہ تمہارے سوال کا جواب تو واضح ہے اسے بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ قیامت میں ان کے ایمان کا قبول نہ ہونا اور انہیں مہلت نہ دینے کا معاملہ بیان طلب تھا اسی لیے اسے بیان کیا گیا۔

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ تو ان سے اعراض فرمائیے یعنی ان کی تکذیب کی پروا نہ کیجئے اور جب تک آیۃ السیف کا نزول نہ ہو ان کی اہانت کے درپے نہ ہوں وَانْتَظِرْ اور ان کی نصرت اور ہلاکت کا انتظار کیجئے اس لیے کہ میرا وعدہ سچا ہے اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ۝ بیشک وہ بھی آپ کا ان پر غلبے کا انتظار کر رہے ہیں اور انہیں خیال گزرتا ہے کہ ان پر حوادثِ زمانہ کس طرح گھیرے گا وہ کس طرح قتل کئے

جائیں گے تاکہ وہ آپ کی روزانہ کی نصیحت وغیرہ سے جان چھڑائیں کیونکہ وہ اسے ایک مصیبت تصور کرتے ہیں یا اس سے ان کا تباہ و برباد ہونا مراد ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے:

هل ينظرون الا ان يأتيهم الله (الآية)

یہ اسی معنی کے قریب ہے جو بعض مفسرین نے لکھا کہ آپ ہمارے عذاب کا انتظار کیجئے اور وہ بھی انتظار کر رہے ہیں ان کے انتظار کا یہ معنیٰ ہے کہ وہ کفر و معاصی و تکذیب میں ایسے منہمک ہیں کہ گویا انھیں عذاب بھی گھیرنے والا ہے اس لیے کہ ان کے عذاب کا موجب ان کا کفر و معاصی و تکذیب وغیرہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا۔ چنانچہ بعد کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کو فتح و نصرت نصیب ہوئی اور وہ جو دل میں آرزو رکھتے تھے وُہ پوری ہوئی ؎

شکر خدا کہ ہر چہ طلب کردم از خدا — بر منتہاے ہمت خود کامران شدم

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جو کچھ میں چاہتا تھا وُہ مجھے مل گیا، اس نے مجھ پر احسان فرمایا اور میں کامیاب ہُوا۔

کسی اور نے فرمایا: ؎

ہر کرا اقبال باشد رہنمون
دشمنش گردد بزودی سرنگون

ترجمہ: جس کا بخت رہبری کرتا ہے اس کے دشمن بہت جلد سرنگوں ہو جاتے ہیں۔

ف: آیت میں انتظار و صبر کی ترغیب دی گئی ہے ؎

قد يدرك المتأنی بعض حاجته — وقد يكون مع المستعجل الزلل

ترجمہ: کبھی صبر سے کام بن جاتا ہے اور کبھی عجلت سے نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ اس میں ان اہلِ ہوا کی طرف اشارہ ہے جو اولیاء کرام پر انکار کرتے اور ان سے اظہارِ کرامات کی استدعا اور بعض فتوحات کی استدعا کرتے ہیں لیکن جب اولیاء کرام کے قلوب کو فتح و نصرت سے نوازتا ہے تو ان کے زمرۂ اعداء کو ان کے فتوح پر ایمان لانا نفع نہ دے گا جبکہ نہ وہ اقتدا کرتے ہیں نہ ان کی سیرت سے ہدایت کرتے ہیں انہیں بعد کو حسرتوں اور پریشانیوں کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا، جو اولیاء کرام کو ماننے والے اور ان کے کمالات کا اقرار کرنے والے ہیں انھیں غضب الٰہی اور قہر اور خفیہ تدبیر کا انتظار کرنا چاہیے۔ (نعوذ باللہ منہا)

فضائل سورہ الٓمٓ السجدۃ حدیث شریف میں ہے:

من قراء الٓمٓ و تبارك الذی بيده الملك اعطی من الاجر كانما احيی ليلة القدر۔

(جو شخص سورہ الم و تبارک پڑھتا ہے وہ اتنے ثواب کا مستحق ہوگا کہ گویا اس نے لیلۃ القدر

کی شب تمام رات عبادت میں گزاری)

حدیث شریف[۲] میں ہے:

من قراء الم تنزیل فی بیته لم یدخل الشیطان بیته ثلاثة ایام۔

(جو شخص اپنے گھر میں سورہ الم السجدہ پڑھتا ہے اس کے گھر میں تین دن شیطان داخل نہیں ہوتا) کما فی الارشاد

حدیث شریف[۳] میں ہے:

تجیئ الم تنزیل السجدة یوم القیامة لها جناحان تطایر صاحبها وتقول لا سبیل علیك۔ کما فی بحر العلوم

(قیامت میں جب سورہ الم السجدہ حاضر ہوگی تو اس کے دو نورانی پر ہوں گے جو پڑھنے والے کو اپنے پروں پر اٹھائے گی اور فرمائے گی آج تجھے کسی قسم کی فکر نہیں کرنی چاہئے)

حدیث شریف[۴] حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو سونے سے پہلے سورۂ الم السجدہ اور سورۃ تبارک الذی پڑھ کر سوتے تھے اور فرماتے:

هما تفضلان کل سورة فی القرآن بسبعین حسنة فمن قرأهما کتب له سبعون حسنة ومحی عنه سبعون سیئة ورفع له سبعون درجة۔

(یہ دونوں سورتیں ایسی ہیں جو تمام قرآنی سورتوں میں ستر گنا زیادہ فضیلت رکھتی ہیں جو انہیں پڑھتا ہے اس کے اعمال نامے میں ستر گنا زیادہ نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کے ستر گنا گناہ معاف ہوجاتے ہیں اور ستر درجات بلند ہوتے ہیں)

حدیث شریف[۵] سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز صبح کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۃ الم السجدہ اور دوسری رکعت میں هل اتی علی الانسان پڑھا کرتے تھے۔ کذا فی کشف الاسرار

فرمانِ امام شافعی وامام احمد امام شافعی وامام احمد (رحمہم اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ یوم جمعہ کی فجر کی نماز کی پہلی رکعت میں الم السجدہ اور دوسری رکعت میں هل اتی علی الانسان پڑھنا مسنون ہے۔

مسئلہ: امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: اس طرح پر مداومت کرنا مکروہ ہے تاکہ کسی کو وہم نہ ہو کہ یہ سورۃ بوجہ سجدۂ تلاوت کے دوسری سورتوں پر فضیلت رکھتی ہے۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان سورتوں کو اس نماز میں پڑھنا مسنون نہیں بلکہ سورۃ فاتحہ کے بغیر کسی دوسری سورۃ کو معین کرکے کسی بھی نماز میں پڑھنا مکروہ ہے تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ باقی سورتوں کو

بقیہ صـ ۳۸۲

سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ ۳۳ — اٰيَاتُهَا ۷۳ — رُكُوْعَاتُهَا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورہ احزاب مدنی ہے اور اس میں — اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا — تہتر آیتیں اور نو رکوع ہیں

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) اللہ کا یوں ہی خوف رکھنا اور کافروں اور منافقوں کی نہ سننا بے شک اللہ
عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ﴿۱﴾ وَّاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
علم و حکمت والا ہے اور اس کی پیروی رکھنا جو تمہارے رب کی طرف سے تمہیں وحی ہوتی ہے اے لوگو اللہ تمہارے کام دیکھ
خَبِيْرًا ۙ﴿۲﴾ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۳﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ
رہا ہے اور اے محبوب تم اللہ پر بھروسا رکھو اور اللہ بس ہے کام بنانے والا اللہ نے کسی آدمی کے اندر دو دل نہ رکھے
قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓئِيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَمَا
اور تمہاری ان عورتوں کو جنہیں تم ماں کے برابر کہہ دو تمہاری ماں نہ بنایا اور نہ
جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ
تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا بنایا یہ تمہارے اپنے منہ کا کہنا ہے اور اللہ حق فرماتا ہے
وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ﴿۴﴾ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْۤا
اور وہی راہ دکھاتا ہے انہیں ان کے باپ ہی کا کہہ کر پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے پھر اگر تمہیں ان کے
اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَمَوَالِيْكُمْ ؕ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَاۤ اَخْطَاْتُمْ
باپ معلوم نہ ہوں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں اور بشریت میں تمہارے چچازاد اور تم پر اس میں کچھ گناہ نہیں جو نادانستہ تم سے
بِهٖ وَلٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵﴾ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ
صادر ہوا ہاں وہ گناہ ہے جو دل کے قصد سے کرو اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک
مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ
ہے اور اس کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں اور رشتہ والے اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے سے
اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ
زیادہ قریب ہیں بہ نسبت اور مسلمانوں اور مہاجروں کے مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں پر کوئی احسان کرو یہ
ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۶﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ
کتاب میں لکھا ہے اور اے محبوب یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے اور
نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۪ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۙ﴿۷﴾
نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے اور ہم نے ان سے گاڑھا عہد لیا

لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۸﴾ ع

تاکہ سچوں سے ان کے سچ کا سوال کرے اور اس نے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے

تفسیر عالمانہ

سورۃ الاحزاب مدنیہ ہے اس کی تہتر آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم!

حل لغات نبی، نباء سے ہے بمعنے وہ خبر جو بہت بڑے فائدے پر مشتمل ہو جس سے علم یا غلبۂ ظن حاصل ہو۔ اور نبی علیہ السلام چونکہ اللہ تعالیٰ سے ایسے خبر دیتے ہیں جس سے عقول زکیہ سکون پاتے ہیں اسی لیے انہیں نبی کہا جاتا ہے۔ یا نبوۃ سے ہے بمعنے رفعت۔ چونکہ بہ نسبت عوام کے نبی کا مقام بلند ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ورفعناہ مکانا۔

(ہم نے انہیں مرتبہ میں بلند فرمایا)

اسی لیے اس نام سے موسوم ہوتے ہیں۔

صـ ۳۸۰ سے آگے

ان نمازوں میں پڑھنا جائز نہیں۔ کذا فی فتح الرحمٰن

ف: حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ عارفین کے آداب میں ہے کہ کسی بھی نماز میں کسی سورۃ و آیت کو معین کر کے نہ پڑھا جائے کیوں کہ کیا معلوم کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کس مناجات کے ذریعہ پہنچنا نصیب ہو۔ عارف پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کے لیے حسبِ استطاعت پڑھے یا قرآن مجید کا وہ حصہ پڑھے جو منجانب اللہ اس کے دل میں القا ہو کما فی الکبریت الاحمر ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو رات دن نماز پڑھتے ہوئے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں پھر سراً و جہراً مناجات الٰہی کی برکت سے ان کے دلوں پر قرآنی حقائق کے واردات ہوتے ہیں۔

تمت سورۃ السجدہ بعون اللہ تعالیٰ یوم الاحد الرابع من شہر رمضان المنتظم فی شہور سنۃ الف و مائۃ و تسع

یقول الفقیر الاویسی الرضوی وتمت ترجمہ سورۃ السجدہ بعون اللہ تعالیٰ یوم الاثنین من شہر ربیع الآخر المنتظم فی شہور سنۃ الف وثلث و مائۃ وثمان وتسعین فصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

۱۰ ربیع الآخر ۹۸ھ

بہاولپور

سوال : اللہ تعالیٰ نے یہاں پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر کیوں نہیں پکارا۔ مثلاً فرماتا : یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ۔ جیسے دوسرے انبیاءٗ علیہم السلام کا نام لے کر پکارا ۔ مثلاً فرمایا : یا آدم ، یا نوح ، یا موسیٰ ، یا عیسیٰ ، یا زکریا ، یا یحییٰ (علیٰ نبینا وعلیہم السلام) ۔

جواب : اس سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی و شرافت کا اظہار ہے کیونکہ یہ آپ کے ان القابات میں سے ہے جو آپ کی بارگاہ کی بلندی پر دلالت کرتے ہیں ۔

سوال : سورۃ فتح میں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نام کی تصریح ہے ۔

جواب : لوگوں کی تعلیم کے لیے ہے تاکہ آپ کو رسول سمجھ کر اعتقاد صحیح رکھیں بلکہ اپنے عقاید حقہ کا اسے جزو بنائیں۔

ف : اس کے سوا حضور سرورِ عالم کے بہت سے اسمائے صفاتی اور القاب ہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ کثرت اسماء و القاب مسمّٰی کی شرافت اور بزرگی پر دلالت کرتے ہیں ۔

شانِ نزول اسبابِ نزول میں مذکور ہے کہ واقعہ اُحد کے بعد ابو سفیان، عکرمہ اور ابو الاعور مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ میں آئے اور مرکزِ نفاق یعنی عبد اللہ بن ابی سلول کے پاس آکر ٹھہرے ۔ آمد کے دوسرے روز حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نمائندہ بھیجا کہ آپ انھیں امان دے کر گفتگو فرمائیں ۔ آپ نے انہیں امان دے دی تو ابو سفیان وغیرہ چند منافقین کو لے کر بارگاہِ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) میں پہنچے اور کہا کہ آپ ہمارے معبودوں کی مذمت چھوڑ کر فرمائیں کہ قیامت میں یہ بھی شفاعت کریں گے اور جو لوگ ان کی پرستش کرتے ہیں انہیں یہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں، ہم تمہیں اور تمہارے معبود کو کچھ نہ کہیں گے ۔ آپ کو ان کی یہ بات ناگوار گزری اور آپ نے ان سے چہرۂ مبارک پھیر لیا اس پر عبد اللہ بن اُبی بن سلول اور معتب بن قشیر و جد بن قیس (منافقین) نے کہا : یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ! آپ اشرافِ مکہ کی بات مان لیں اسی میں مصلحت ہے ۔ حضرت فاروقِ اعظم سے رہا نہ کیا گیا حمیت اسلامی وصلابتِ دینی سے جوش میں آکر کافروں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اے عمر (رضی اللہ عنہ) ! میں نے انہیں پناہ دی ہے تم میرے معاہدے کو توڑتے ہو ۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں (منافقین کو) مسجد نبوی سے ہی نہیں بلکہ مدینہ طیبہ سے نکال کر فرمایا ،

اخرجوا فی لعنۃ اللہ وغضبہ ۔

(اے لعینو ! اللہ تعالیٰ کی لعنت وغضب سر پر اٹھا کر نکل جاؤ) [۱]

---

[۱] اس سے واضح ہوا کہ گستاخانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مساجد سے نکالنا سنّت ہے ۔ بلکہ حقیقی اسلام کا تقاضا بھی یہی ہے ۔ مترجم غفرلہٗ

اسس پر یہی آیت نازل ہوئی۔

اِتَّقِ اللّٰہَ اللہ تعالیٰ سے ڈرو عہد کے توڑنے اور امان کے ختم کرنے کے بارے میں، اور تقویٰ پر ثابت قدم رہو بلکہ اس میں بڑھتے رہو کیونکہ تقویٰ کے درجات کی کوئی حد نہیں۔ ہم نے اسے دوام کے معنیٰ پر اس لیے محمول کیا ہے کہ جو پہلے ہی فعل میں مشغول ہے پھر اسے اس پر عمل کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا جب ایک آدمی کھڑا ہو اسے یہ نہ کہا جائے گا کہ کھڑا ہو۔ ہاں اگر کہا جائے گا تو اس سے اس کی مداومت مراد ہوگی اور حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کو تقویٰ کا حکم دے کر اس کی اہمیت کا اظہار فرمایا ہے کیونکہ منادی کی تعظیم منادی کی تعظیم کا ذریعہ اور سبب ہوتا ہے۔

ف : قرآن مجید میں تقوی کے امر کی کثرت ہے اس سے اس کے مابعد والے امر و نہی کی تاکید مطلوب ہوتی ہے مثلاً :

اتقوا اللہ و اٰمنوا برسولہ۔

(اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ)

اس میں ایمان بالرسول کی تاکید مطلوب ہے۔ ایسے ہی لوط علیہ السلام نے فرمایا :

اتقوا اللہ ولا تخزون فی ضیفی۔

(اللہ سے ڈرو مجھے مہمانوں کے آگے رسوا نہ کرو)

نکتہ تفسیر کبیر میں ہے کہ آیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تقویٰ کے حکم کو غفلت پر محمول نہیں کرنا چاہئے اس لیے کہ یہ لفظ نبی کے منافی ہے کیونکہ نبی خبیر اور غفلت سے منزّہ ہوتا ہے۔

ف : ابن عطا نے فرمایا اس کا معنیٰ ہے اے میری طرف سے سچی خبریں دینے والے اور مجھے حقیقتاً پہچاننے والے! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اس بارے میں کہ تم میں سے میرے سوا کی طرف تمہاری التفات ہو۔

حل لغات لغت میں ہے تقویٰ بمعنے اتقاء یعنی بچاؤ کی صورت اختیار کرنا اور اہلِ حقیقت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی طاعت کے ساتھ اس کے عقاب سے احتراز اور فعل و شرک کے بارے میں نفس کو ان امور سے بچانا جو اللہ تعالیٰ کی عقوبت کا حقدار بناتے ہیں۔

ف : بعض کبار مشائخ نے فرمایا، متقی وہ ہے جو خود کو حق سے بچائے یا حق کو اپنے سے بچائے۔ اول یہ تمام نقائص اپنی طرف منسوب کرے حق تعالیٰ کی طرف اسناد سے بچے خود حق تعالیٰ کے لیے ڈھال بنائے۔ دوم جملہ کمالات اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا۔ اپنی طرف کسی کمال کا تصور تک نہ لائے۔ اس وقت ہر کمال اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتا رہے گا۔ اس معنی پر حق تعالیٰ اس کے نفس کے آگے کمال کی نسبت نہ ہونے کے لیے ڈھال کی طرح ہوگا کیونکہ عدم نقصان ہے وہ بندہ کی طرف منسوب ہو اور وجود کمال ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو۔

ف : تقویٰ سے وہ لوگ آشنا ہیں جو طاعت گزار ہیں اور ہر معصیت وحرام سے پرہیز کرتے ہیں اور تقویٰ کے خدام وہ ہیں جو احتیاط کا دامن نہیں چھوڑتے اور جو شبہات سے بھی بچتے ہیں وہی تقویٰ کے عاشق ہیں کہ نیکیوں پر عمل کرنے کے بعد اس سے پرہیز کرتے ہیں کہ سمجھیں وہ ان کی نیکیاں ہیں اس سے ایسے ڈرتے ہیں جیسے ارتکاب معاصی سے ؎

۱ ماسوائے حق مثال گلخنست
تقوی از وے چوں حمام روشنست

۲ ہر کہ در حمام شد سیمائے او
ہست پیدا بر رخ زیبائے او

ترجمہ : (۱) حق کے ماسوا باقی سب کچھ کوڑا کرکٹ کی طرح ہے اس سے تقویٰ کی امید حمام کی طرح ہے۔

(۲) جس کی ہر وقت حمام میں جانے کی عادت ہے اس کے چہرے کا اندازہ خود کر لو۔

وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ اور کھلم کھلا کفر کرنے والوں کی اطاعت نہ کرو وَالْمُنٰفِقِيْنَ ؕ اور منافقین کی جو کو دل میں چھپاتے ہیں یعنی جس طرح آپ کافروں اور منافقوں کی اطاعت نہیں کرتے اسی پر مداومت کیجئے کہ جو ان کے امور آپ کی شریعت کے مخالف ہیں اور تمہارے دین کے لیے نقصان دہ ہیں ان سے آپ پرہیز کرتے ہوئے ان کی اطاعت نہ کریں۔ ہم نے مداومت کی قید اس لیے لگائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ ان کی اطاعت تو نہیں کرتے تھے کہ جس سے آپ کو روکا گیا ہے بلکہ آپ تو ان کی اطاعت کو خود بھی پہلے سے حرام سمجھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر مداومت کا حکم فرمایا ہے۔

ف : اطاعت وعبادت میں فرق یہ ہے کہ طاعت امر کے بعد لازم ہوتی ہے اور عبادت میں امر کی قید نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بے شک اللہ تعالیٰ ہمیشہ اور دائماً ہے۔ یہ نہیں کہ وہ پہلے تھا اور اب نہیں عَلِيْمًا مصالح ومفاسد کو خوب جانتا ہے تمہیں اس کا حکم دے گا جس میں تمہاری مصلحت ہو گی اور ان امور سے روکے گا جن میں تمہارا نقصان ہو گا حَكِيْمًا ۙ حکمت والا ہے جو حکم دیتا ہے اس کی حکمت بالغہ کا تقاضا ایسے ہی ہے وَّاتَّبِعْ امور دین میں (جو امور عمل میں لانے کے اور جو چھوڑنے کے ہیں) اتباع کیجئے مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وہ جو وحی کی جاتی ہے تمہارے پروردگار سے تقویٰ اور ترک طاعت کافرین ومنافقین وغیرہ کے بارے میں یعنی آپ صرف قرآن کے مطابق عمل کیجئے کفار و منافقین کی آراء کا خیال تک نہ لائیے۔

ف : حضرت سہل (تستری) رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قرآن پر عمل کرنے کا حکم اشارہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک احسن طریقہ شریعت ہے اس کے علاوہ باقی جملہ غلط طریقے اور ظلم و بدعات (سیئہ) ناقابل قبول ہیں۔

من بسر منزل عنقا نہ بخود بردم راہ
قطع این مرحلہ با مرغِ سلیمان کردم

ترجمہ: میں عنقا کی منزل تک راستہ نہ پا سکا یہ مرحلہ مرغِ سلیمانی کے واسطہ سے طے ہوا۔

إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ بے شک اللہ تعالیٰ ہے ساتھ اس کے جو تم عمل کرتے ہو، فرماں برداری اور ترک منہیات کے یہ خطاب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور جملہ اہلِ ایمان کو ہے۔ ہر عامل کے عمل کی جزا و سزا مرتب ہوگی اس میں ترغیب و ترہیب دونوں ہیں وَّ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اور اللہ پر توکل کیجئے یعنی اپنے جملہ امور اسی کے سپرد کیجئے وَكَفٰى بِاللّٰهِ اور اللہ تعالیٰ کافی ہے وَكِيْلًا ۝ نگہبان۔ اسی لیے جملہ امور اسی کی طرف سپرد ہوں کیونکہ وہی کارساز و نگہبان اور مہمات میں کفایت کرنے والا ہے۔

؎

چون رو لطف عنایت کند
جملہ مہمات کفایت کند

ترجمہ: جب از راہِ لطف مہربانی کرتا ہے تمام مشکلات آسان ہو جاتی ہیں۔

ف: حضرت شیخ زروقی شرح الاسماء الحسنیٰ میں لکھتے ہیں کہ وکیل وُہ ہے جو بندوں کی جملہ مصالح کی کفالت فرمائے اور ان کے ہر امر میں انہیں کافی ہو اور جس کا عقیدہ ہے کہ وہی وکیل ہے تو وہ اپنے جملہ امور میں اسی پر اکتفاء کرے اور اس کے سوا کسی پر اعتماد نہ کرے۔ اس کی خاصیت یہ ہے کہ اس کا ورد رکھنے والا کبھی محتاج نہ ہوگا اور نہ ہی مصیبت کا شکار ہوگا جسے اندھی اور کڑک گرج بادل سے خطرہ محسوس ہوتا ہے وہ اس اسم شریف کو بکثرت پڑھے۔ یہی اسم جملہ مصائب کو ہٹائے گا اور اس پر خیر و رزق کے دروازے کھول دے گا۔

حکایت بایزید بسطامی قدس سرہٗ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ اپنے مریدین کے ساتھ ایک عرصہ توکل پر گزارنے کا عہد کیے بیٹھے تھے چند دن فتوحات بند ہو گئیں۔ کسی نے بھی ایک لقمہ نہ کھایا۔ مریدوں نے کہا اگر اجازت ہو تو ہم روزی کی تلاش میں نکلیں۔ آپ نے فرمایا: اگر تمہیں روزی کا یقین ہے کہ فلاں جگہ پڑی ہے تو جاؤ لے آؤ۔ عرض کی، تو پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں: ؎

ارباب حاجتیم و زبان سؤال نیست
در حضرت کریما تمنا چہ حاجتست

ترجمہ: ہم ضرورتمند تو ہیں لیکن سوال کی زبان نہیں رکھتے لیکن کریم کے دروازے پہ تمنا ظاہر کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے!

مریدین نے کہا تو پھر توکل کر کے خاموش بیٹھے رہیں آپ نے فرمایا؛ تو پھر تم اللہ تعالیٰ کو آزماتے (امتحان لیتے) ہو۔ عرض کی: آپ ہی فرمائیں کہ ہم کیا چارہ و حیلہ کریں۔ آپ نے فرمایا:

الحيلة ترك الحيلة۔

(حیلہ ترکِ حیلہ کا نام ہے)

یعنی حیلہ یہ ہے کہ اپنی مراد و اختیار کو قضاؤ قدر کے ماتحت کرو جو کچھ اس کی قضا و قدر ہو وہی بھلائی اور خیر ہے۔ حقیقی توکل یہ ہے کہ انسان اپنے اختیار و مراد سے بالکل فارغ ہو جائے۔ اور اپنے تصرف کا تصور دل سے اڑا دے اور رضا و تسلیم کا خیمہ قضا و قدر کے سامنے لگا دے جو خیال دل میں آئے سب کو بیکار کر دے۔ جب انسان اس منزل کو طے کرتا ہے تو مملکتِ الٰہی کی چابی اس کے ہاتھ پر رکھ دیتے ہیں اور وہ دل کا بادشاہ ہو جاتا ہے۔

ف: دانا پر لازم ہے کہ وہ غیر اللہ کے العقات کو ترک کرنے کی جدوجہد کرے اور محبوب کی راہ پر مشقت و تکالیف کے گھوڑے دوڑا دے۔ پختہ دل وہ انسان ہے جو عزائم کا دامن تھامے اولوا العزم پیغمبر علیہ السلام بھی وہی ہیں جنھوں نے تکالیف و شدائد بہت زیادہ برداشت فرمائے جو رخصت پر عمل کرنے کا پروگرام بناتا ہے اسے غصہ پینے کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ اسی لیے مقولہ مشہور ہے؛ جو آج دکھ درد سر پر اٹھاتا ہے اسے کل آسانی اور آرام ملے گا۔ جو آج بوجھ پیٹھ پر رکھتا ہے کل اس کے گناہ ہلکے ہوں گے۔ یہاں پر بوجھ ہلکے کرنے ہیں ورنہ کل اقوال و افعال کے بوجھ پیٹھ توڑیں گے اتباعِ سنّت میں بدعت (سیئہ) کا چھوڑنا ضروری ہے۔

ف: انسان کو نعمتوں کا حصول بالاصالۃ ہے اللہ تعالیٰ اسے عطا کرتا ہے تو وکالت سے (یعنی اسباب سے یعنی اعمالِ صالحہ وغیرہ سے) اور نیک انجام تقویٰ سے نصیب ہوتا ہے۔

سبق: بعض اکابر نے فرمایا اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا آدابِ عبودیت سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو اپنے سے ہی سوال کرنے کے لیے پیدا فرمایا ہے، اس لیے کہ ہم فقیر ہیں فلہذا ہم ایسے کریم سے سوال کرتے ہیں جہاں بخل ہے ہی نہیں وہ بہت بڑے فضل والا ہے جو خواہشات کی اتباع کرتا ہے وہ کبھی منزلِ مقصود تک نہ پہنچے گا جو کسی سے خدمت کا متمنی ہوا اور اپنی عزت و حرمت کا تصور کیا اور حشمت و جاہ کا طالب ہوا اور خائب و خاسر ہوا اسے کبھی کامیابی نصیب نہ ہوگی ایسا آدمی کبھی نفع یاب نہیں ہو سکتا اور جو خادم اپنے مخدوم کے ہاں حاضر ہو کر اس پر اعتراض کرنے شروع کر دے یقین کرو اس کے دل میں مرض ہے ہاں تسلیم و رضا اور توکل سے ہی جمیع مناصب کے مراتب حاصل ہو سکتے ہیں اللہ ہی علیم و خبیر ہے وہ جملہ دقائق اور مخفی امور کو وہی جانتا ہے جس کا یہی عقیدہ ہوگا وہ جملہ غیر سے توجہ ہٹا کر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگا بلکہ دوسروں کا ذکر بھلا کر صرف اسی کے ذکر میں محو رہے گا دعویٰ و ریاء و تصنّع کو چھوڑ کر اخلاص فی العمل میں گامزن رہے گا اس لیے آگے پرکھ کرنے والا البصیر ہے ؎

برو اے ریا خرقہ سہلست دوخت
گرش با خدا در توانی فروخت

ترجمہ: ریار کی گدڑی سینا آسان ہے۔ اگر اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں بے رواج کرنا چاہیے۔

دُعا: ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اہلِ تقویٰ و اخلاص سے بنائے اور اربابِ اختصاص میں ملا دے اور جب تک بدن میں رُوح ہے ہمارے اوپر خیرات و فتوح کھول دے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهٖ ۚ اللہ تعالیٰ نے کسی کے اندر دو دل نہیں بنائے۔

حلِ لغات: جعل بمعنے خلق ہے اور الرجل انسان ہیں مرد کے ساتھ مخصوص ہے اور تنکیر من استغراقیہ تعمیم افادہ کے لیے ہے اور قلب صنوبری شکل کا ایک لوتھڑا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے سینے کے بائیں جانب پیدا فرمایا ہے جو الوتین (رگ) کے قریب لٹک رہا ہے اسی کو ہی علم کا محل بنایا ہے جوف بمعنے پیٹ (کذافی اللغات) اسے زیادہ تقریر کے لیے لائے ہیں جیسے:

ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور۔

(اور لیکن دل اندھے ہوجاتے ہیں جو سینوں میں ہیں)

میں فی الصدور کا لفظ تاکید کے لیے ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ کسی کے اندر اللہ تعالیٰ نے دو دل نہیں پیدا فرمائے کیونکہ قلب روح حیوانی کا خزانہ اور اس کی قوت کا سرچشمہ ہے تو اسے صرف ایک ہونا ضروری ہے اس لیے کہ روح حیوانی ایک ہے۔ جیسا کہ امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر دو دل پیدا فرمائے، ایک کفر و گمراہی اور گناہوں پر اصرار کرنے اور ان کا خوگر ہوجانے کے لیے ہے اور دوسرا ہدایت و ایمان اور طمانیت کے لیے۔ اس میں منافقین کے لیے طعن و تشنیع ہے کہ اے منافقو! تم کیا کر رہے ہو کہ دل میں کچھ ہے اور زبان پہ کچھ۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ منافقین کہتے تھے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دو دل ہیں، ایک ہمارے ساتھ ہے اور دوسرا اپنے یاروں کے ساتھ۔ آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب فرمائی ہے۔

ف: بعض دوسرے مفسرین رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس میں ان عربوں کا رد ہے جو کہا کرتے کہ سمجھدار انسان کے دو دل ہوتے ہیں اسی لیے ابومعمر کو ذوقلبین کہا جاتا۔ کیونکہ عرب سے حافظہ میں تیز تر اور زیادہ سمجھدار اور شہروں کے حالات اور ان کے راستے ان سے کوئی زیادہ نہ جانتا تھا لیکن حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سخت بغض رکھتا تھا وہ یا جمیل بن اسد کہتا تھا میرے اندر دو دل ہیں اسی لیے میں (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) زیادہ سمجھتا ہوں۔ عوام کا بھی یہی خیال تھا کہ وُہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے جب اہلِ مکہ کو بدر میں شکست ہوئی تو وہ گرمی کے باوجود ایسا حواس باختہ ہو کر بھاگا کہ ایک جوتا پاؤں میں اور دوسرا ہاتھ میں۔ اسے ابوسفیان ملے تو ان سے پوچھا: میاں میرا دوسرا جوتا تمہیں معلوم ہے کہاں ہے؟ اس نے کہا

کہ ایک جوتا تیرے ہاتھ میں اور دوسرا تیرے پاؤں میں ہے (ان کے علاوہ اور جوتا کیسا) اس کی اس حالت سے عوام سمجھے کہ اگر اس کے دو دل ہوتے تو اپنا جوتا نہ بھولتا (کیونکہ جوتا ہاتھ میں ہے)

ازالۂ وہم فقیر (صاحبِ روح البیان) کہتا ہے کہ عرب کا ذو قلبین کہنا بوجہ حقیقی دو دلوں کے نہ تھا، بلکہ اسی عرف کے مطابق تھا کہ جو زیادہ سمجھدار ہو اس کی کمال قوتِ علمی مراد لیتے تھے، جیسے مرد بہادر کو رجلان کہا جاتا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ اس میں دو مردوں کی بہادری اور شجاعت ہے۔ تو گویا وہ رجلان دو مردوں کے برابر ہے۔ ایسی قوت علمی کے کمال والے کے لیے کہا جاتا تھا: ولہ قلبان (اس کے دو دل ہیں)

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ انسان کا دل محبت کے لیے پیدا کیا گیا ہے تو جیسے دل ایک ہے تو دل بھی ایک سے ہو۔ اور محبوب وہ ہے جو لاشریک ہے۔ جیسے کسی نے کہا: ؎

دلم خانۂ مہر یار ست و بس
ازاں می نگنجد درو کین کس

ترجمہ: میرا دل تو صرف یار کی محبت کا گھر ہے اسی لیے اس میں کسی کے کینہ کی گنجائش نہیں۔

جو شخص دنیا میں بدل و جان مشغول ہو کر محبتِ آخرت کا دعوٰی کرے بلکہ محبِ الٰہی بنا پھرے وہ اپنے دعوٰی میں جھوٹا ہے ؎

جمشید جز حکایت جام از جہان نبرد
زنہار دل مبند بر اسبابِ دنیوی

ترجمہ: جمشید جہانِ دنیا سے صرف جام (پیالہ) کی شہرت لے چلا۔ خبردار اسبابِ دنیا سے دل نہ لگانا۔

تفسیر عالمانہ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ اور تمہاری عورتوں کو نہیں بنایا۔ نساء کو جمع زوج۔ جیسے زوجہ کی جمع زوجات ہے اور زوج زیادہ فصیح ہے لیکن زوجہ مشہور تر ہے۔

الّٰئِیْ وہ عورتیں، التی کی جمع ہے تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ جن سے تم ظہار کرتے ہو یعنی انہیں کہتے ہو تم ہمارے لیے ہماری ماؤں کی پیٹھوں کی طرح ہو۔ ان کا ارادہ اس سے حرام کرنے کا ہوتا کیونکہ اہلِ عرب کا دستور تھا کہ جب کسی سے سنا جاتا ظاهر من امرأته تو اس سے ان کی مراد یہ ہوتی کہ اس نے اپنی عورت سے ظہار کیا۔ یہ بحسب اللفظ ظہر سے ماخوذ ہے جیسے کوئی کہے،

لبی المحرم۔

تو اس سے اس کی لبیک مراد ہو گی۔ ایسے اُفّ الرجل کہنے والے کی مراد بھی یہی ہو گی کہ اس نے اف کی۔ اس کا مِن سے متعدی ہونا تجنب کے معنٰی کو متضمن ہے اور ظہار جاہلیت میں طلاق سمجھا جاتا۔ یہ یہ لفظ کہہ کر عورت سے اجتناب کرتے تھے کیونکہ وہ اسے طلاق تصور کرتے تھے۔ مثلاً کسی عورت کو فارغ

کرنا ہوتا تو کہتے :

انت علیّ کظھر امی۔

یعنے انت علیّ حرام (تو مجھ پر حرام ہے) جیسے اس کا پیٹ مجھ پر حرام ہے۔ یہاں بھی بطن سے ظہر (پیٹھ) مراد لیتے تھے اس لیے پیٹ کا قوام اور جسم کی بنیاد پیٹھ ہی ہے۔ اُمَّھٰتِکُمْ تمہاری ماؤں کی طرح۔ امھات، ام کی جمع ہے ہا اھراق کی طرح زاید ہے کہ وہ بھی دراصل اراق تھا۔ ام (واحد) میں ہا کا اضافہ شدت کا باعث ہے۔ مثلاً امّہ کہنا زبان پر سخت لگتا ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ عورت میں ماں کا ہونا اور زوجہ ہونا مجتمع نہیں ہو سکتا کیونکہ ماں مخدومہ ہے اس سے خدمت نہیں لی جا سکتی اور زوجہ خادمہ، اس سے خدمت لی جاتی ہے۔

ف : اس آیت میں جاہلیت کے عربوں کا رد ہے کہ وہ اپنی عورت کو ماں کی طرح کہنے کو طلاق سمجھتے تھے۔

ف : اسلام اور شریعت نے ایسے کلمات کہنے کی علت اور کفارہ بیان کیا ہے کہ یہ طلاق نہیں بلکہ اس کا نام ظہار ہے۔ یعنی ایسے کلمات کہنے والا طلاق کے حکم میں ہوتا لیکن شرع پاک نے اسے طلاق کے بجائے کفّارہ کا حکم فرمایا ہے۔

مسئلہ : ظہار کا کفارہ ہے غلام آزاد کرنا۔ یہ نہ ہو سکے تو دو ماہ مسلسل روزے رکھنا جس میں روضۂ رمضان اور ایامِ منہیہ نہ ہوں اور وہ یہ ہیں : عید الفطر، عید الاضحیٰ (۳ تا ۵) ایام تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳ ماہ ذوالحج) اگر روزہ رکھنے سے عاجز ہو تو ساٹھ مساکین کو طعام کھلائے یعنی ہر مسکین کو فطرانہ کے نصاب یا اس کی قیمت دینا۔

مسئلہ : انت علیّ کظھر امی ظہار کے سوا کوئی دیگر احتمال ہو ہی نہیں سکتا اس میں نیت ہو یا نہ ہو۔ اس سے نہ طلاق ہوگی نہ ایلاء۔ کیونکہ یہ الفاظ ظہار کے لیے صریح ہیں۔

مسئلہ : اگر کہا انت علیّ مثل امی (تُو میرے لیے میری ماں جیسی ہے) اگر اس سے اس کی عزت و احترام کی ہے مثلاً کہے کہ ان الفاظ سے میرا ارادہ یہ تھا کہ میری عورت میرے لیے ایسے ہی مکرم و محترم ہے جیسے میری ماں۔ ہم اسے اس تاویل میں سچا مان لیں گے اگر اس سے اس کی نیّت ظہار کی ہے تو ظہار ہے۔ اگر طلاق کی ہے تو طلاق بائنہ متصوّر ہوگی اگر کوئی نیّت نہیں تو کچھ واقع نہ ہوگا۔

مسئلہ : اگر عورت کو کہا : انت علیّ حرام کامّی (تُو میرے لیے ایسے ہے جیسے میری ماں) ۔ ظہار کی نیت ہے یا طلاق کی، تو جو نیت کی ہے وہی ہے۔

مسئلہ : اگر کہا کہ انت علیّ حرام کظھر امّی (تُو میرے لیے میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے) اس سے طلاق اور ظہار کی نیت ہے تو وہ ظہار ہے لیکن صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک وہی ہے جو اس کی نیت ہے۔

مسئلہ : ظہار صرف اپنی زوجہ میں ہوتا ہے۔

مسئلہ : لونڈی کے ساتھ ظہار نہیں ہوتا کیونکہ ظہار و طلاق سے اس لیے منقول ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں

یہ طلاق تھی اور لونڈیوں کی کوئی طلاق نہیں ہوتی۔

مسئلہ: اگر اپنی بہت (چار، تین، دو) عورتوں کو کہا تم مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو۔ یہ سب سے ظہار ہوگا اور سب کے لیے علیحدہ علیحدہ کفارہ دینا ہوگا جیسے تکرار یمین میں علیحدہ علیحدہ کفارہ ہے۔

مسئلہ: کفارۂ یمین و ظہار ایک دوسرے میں داخل نہیں ہو سکتے بخلاف کفارۂ رمضان و سجدۂ تلاوت کے، اس میں تلاوت میں سجدۂ تلاوت بار بار پڑھا جائے تو ایک ہی سجدہ کافی ہے۔

وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اور نہیں بنایا تمہارے منہ بولے بیٹوں کو۔

حل لغات: ادعیاء دعی (فعیل) بمعنے مفعول کی جمع ہے وہ جسے کہا جائے کہ میرے بیٹے ہو اور اسے متبنّٰی (منہ بولا بیٹا) بنایا جائے (متبنّٰی میں تقدیم الباء الموحدۃ علی النون ہے) اس کا قیاس یہ تھا کہ جرحی کی طرح ہوتا اسے دعٰی پڑھا جاتا لیکن فعیل کی جمع افعلاء کے ساتھ مخصوص ہے اور فعیل بمعنے فاعل ہے۔ جیسے تقی کی جمع اتقیاء آتی ہے تو گو اس فعیل کو جو بمعنے مفعول آتی ہے اسے فعیل بمعنے فاعل سے تشبیہ دے کر اس کی جمع فاعل کی طرح لائی گئی ہے۔

اَبْنَآءَكُمْ تمہارے حقیقی بیٹے کہ میراث و حرمت و نسب حقیقی بیٹوں کی طرح ہوں یعنی ایک ہی مرد میں بنوۃ (بیٹا ہونا) اور دعوۃ (منہ سے بول کر بیٹا بنانا) جمع نہیں ہو سکتے کیونکہ دعوت (منہ سے بیٹا بولنا) عرض ہے اور بنوۃ (حقیقی بیٹا ہونا) نسب میں اصل اور اصل و فرع یکجا جمع نہیں ہو سکتیں۔ یہ ان کا رد ہے جو منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا سمجھ کر اسے بھی میراث کا حقدار رکھتے تھے اور ان کی جورو سے نکاح ایسے حرام سمجھتے تھے جیسے حقیقی بیٹے کی جورو سے، کہ اس کے طلاق دینے یا اس کے مر جانے کے بعد اس کی جورو سے نکاح نہیں کرتے تھے۔

نکتہ: دو قلبوں کا ایک جان میں تمہید تھا ان دونوں مسئلوں کے لیے کہ جیسے ایک جسم دو قالب نہیں ہو سکتے ایسے ہی ماں زوجہ نہیں ہو سکتی اور نہ ہی منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا ہو سکتا ہے۔

اب معنٰی یہ ہوا کہ جیسے دو قلب ایک جسم میں ہونا اجتماع التناقض ہے۔ ایسے ہی زوجہ کا ماں ہونا یا متبنّٰی کا حقیقی بیٹا اجتماع النقیضین ہے۔

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ قرابت نسبیہ قرابت سببیہ کی طرح نہیں ہو سکتا اسی لیے ظہار کر کے زوجہ کو ماں کا درجہ دیا جائے یا منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کا مرتبہ دیا جائے کیونکہ الولد سر ابیہ کا جوہر کسی کی طاقت میں نہیں کہ وہ دوسرے میں بنا سکے۔

ذٰلِكُمْ یہ اشارہ مظاہرہ کو مطلقہ اور متبنّٰی کو بیٹا بنانے کی طرف اشارہ ہے یا صرف پچھلے کی طرف ہے کیونکہ سیاق کلام میں منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا بنانا ہے قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ تمہارے منہ کی باتیں ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں جیسے مجنونوں کی باتیں ہوں انہیں بنوت کے احکام سے کوئی تعلق نہیں، جیسے

حل لغات: الافواہ، فم کی جمع ہے اور اس کا اصل فوہ (بالفتح) ہے جیسے توب کی جمع اتواب ہے

یہی سیبویہ اور بصریوں کا مذہب ہے۔ اور فوہ (بالضم) سوق کی جمع اسواق کی طرح ہے۔ یہ فراء کا مذہب ہے ہا، کو علیٰ خلاف القیاس حذف کیا گیا ہے۔ اس کے بعد واؤ کو بوجہ قاعدہ معلومہ کے پھر واؤ کو میم کے ساتھ ہم جنس ہونے کی وجہ سے تبدیل کیا گیا۔ ہم جنس اس لیے ہیں کہ دونوں حروف شفویہ ہیں۔

ف: امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جہاں بھی اللہ تعالیٰ نے کسی حکم کو فم (منہ) سے متعلق کیا اس میں اس کے جھوٹے عقیدہ کی طرف اشارہ اور تنبیہ ہے کہ یہ جھوٹا عقیدہ ہے جو واقع کے مطابق نہیں۔

وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ اور اللہ تعالیٰ حق کہتا ہے یعنی واقع کے مطابق فرماتا ہے کیونکہ حق حق سے ہی صادر ہوتا ہے وُہ یہ کہ غیر ابن حقیقی ابن نہیں ہوسکتا **وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ** اور وہی راستہ سیدھا دکھاتا ہے نہ اس کا غیر۔ اسی لیے ان باتوں کو چھوڑو اور اسی حق بات کو لو۔

ف: سبیل بمعنے وُہ راستہ جس پر عادۃً چلتے ہیں اور اس پر چلنے میں آسانی ہو۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے واللہ یقول الحق اور حق کہتا ہے جس کا جو نام رکھا ہے اس کی حقیقت اور معنیٰ بھی وہی ہوتا ہے وھو یہدی السبیل اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے ہر اس اسم کی طرف جو اس کے معنیٰ کے مناسب ہے جیسے آدم علیٰ نبینا وعلیہ السلام کو کل اسماء کی تعلیم دی اور انہیں اس علم سے خاص کیا اور مقرب ملائکہ اس علم سے بے خبر تھے۔

ف: جمیع آدابِ شریعت ہمارے مندرجہ ذیل اصول پر ہیں: بندہ مقرر کردہ حکم سے متجاوز نہ ہو وہ جوہر ہو یا عرض، زمان ہو یا مکان، وضع میں ہو یا اضافت میں یا حال میں مقدار یا عدد میں ہو یا مؤثر میں یا مؤثر فیہ میں۔

مسئلہ: آدابِ شرع کا اعلیٰ جوہر یہ ہے کہ بندہ حکم شرع کا معلوم کرکے اُسے حسن و کمال کے ساتھ ادا کرے اور اعراض وہ احکام جو بندے سے متعلق ہیں مثلاً:

وجوب، حظر، اباحۃ، مکروہ، ندب۔

اور زمان وہ احکام جو اوقات سے متعلق ہیں، ہر حکم کا وقت مقرر ہے۔ بعض وُہ ہیں جن کے احکام وسیع ہیں۔ بعض وہ ہیں جو تنگ ہیں۔ اور مکان وہ احکام جو مکان سے متعلق ہیں جیسے بیوت اللہ یعنی مساجد وغیرہ۔ یعنی جس مکان کو بندے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے مقرر کرکے اس میں اس کا ذکر کریں۔ وضع العبادت یہ ہے کہ کوئی کام بھی ایسا نہیں جس کا نام مقرر نہ ہو جونہی نام بدلے گا حکم شرع میں تغیر آجائے گی،

حدیث شریف: جیسے حدیث شریف میں ہے:

سیأتی علی امتی زمان یظهر فیه اقوام یسمون الخمر بغیر اسمها[۱]۔

---

[۱] یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کی واضح دلیل ہے کہ دورِ حاضرہ میں شراب کے درجنوں نام بدل کر اسے استعمال کیا جا رہا ہے۔ اگر یقین نہ ہو تو نئی روشنی کے 'مہذب' لوگوں سے ان ناموں کے متعلق دریافت کیجئے۔ محمد غفرلہٗ

(عنقریب میری اُمت میں ایسے لوگ آئیں گے جو شراب کے مختلف نام بنائیں گے)

ف: اس طرح اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ اشیاء کو حلال کرنے کا دروازہ کھولنا ہے۔

حکایت حضرت امام مالک رحمہ اللہ نے اسے خوب سمجھا۔ جب ان سے عرض کی گئی: خنزیر البحر کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

فرمایا: وہ حرام ہے۔

پھر عرض کی گئی: وہ تو دریائی مچھلی ہے۔

فرمایا: خود ہی اسے خنزیر کہتے ہو (اب اس کے حلال ہونے کی بات کرتے ہو)

دیکھیے اسم کی وجہ سے آپ پر علت وحرمت کا مسئلہ ملتبس ہوگیا۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں نے خمر کا نام نبیذ رکھ لیا یا اسے ابریز کہہ کر حلال جان لیا۔ اور عذر یہ کیا کہ ہمارے بعض لوگوں کے لیے وہ شئے حرام ہے جس کا نام خمر ہے۔ اضافت کی مثال حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہ السلام کا وہ قول جو آپ نے فرمایا:

فاردت ان اعیبھا۔

(میرا ارادہ ہوا کہ میں اسے عیب دار گردان لوں)

اور فرمایا:

فاردنا ان یبدلھما ربھما۔

(تو تیرے پروردگار نے ان کو بدل دینے کا ارادہ فرمایا)

یہ اس لیے کہ ایسا کلام مدح پر محمول ہو سکتا ہے اور ذم پر بھی۔

اور فرمایا:

فاراد ربّك۔

(تیرے رب کا ارادہ ہے)

اس میں انہوں نے اشارہ فرمایا کہ ایک ہی شئے مذموم بھی ہو سکتی ہے اور محمود بھی۔ لیکن اضافت سے۔ تو اس میں تغیر بوجہ اضافت کی ہوتی اور احوال کی مثال سفر ہے کہ طاعت ومعصیت کے سفر میں احکام میں تغیر آجاتی ہے۔ اور اعداد کی مثال وضو ہے کہ اعضائے وضو میں مقرر کردہ افعال طہارت میں کمی بیشی نہ ہو سکے گی۔ ایسے اعداد الصلوٰۃ والزکوٰۃ کا حال ہے ایسے غسل میں صاع مقرر ہے اور وضو میں ایک مد۔ اور موثر کی مثال قتل ہے کہ اس کی نسبت قاتل کی طرف ہوگی، ایسے ہی غصب کی غاصب کی طرف۔ اسی لیے قاتل و غاصب پر حد قایم ہوتی ہے اور موثر فیہ کی مثال مقتول ہے کہ قصاص کے وقت وجہ دیکھی جائے گی کہ اس کا سبب قصاص ہے یا نہیں، اگر ہے تو قصاص ورنہ نہیں۔ ایسے ہی مغصوب کے متعلق دیکھا جائے گا کہ غصب کا غاصب خود ہے تو حد ہے ورنہ کوئی اور طریقہ ہے تو نہیں۔ یہ آداب شریعت کی اقسام ہیں انھیں سمجھ کر یاد کرلو مھتدین الی السبیل

الحق سے ہوجاؤ گے اور گمراہی سے مطلقاً بچ جاؤ گے۔

تفسیر عالمانہ اُدْعُوْھُمْ لِاٰبَآئِھِمْ (انھیں آباء کی نسبت سے بلاؤ)

حلِ لغات : اہلِ عرب کہتے ہیں :

فلان یدعی لفلان -

(فلاں فلاں سے منسوب ہے)

لاٰ بائھم کی لام استحقاق کی ہے۔

شانِ نزول بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت حضرت زید بن حارثہ بن شراحیل الکلبی (رضی اللہ عنہ) کے حق میں نازل ہُوئی چھوٹی عمر میں قیدی ہو گئے تھے۔ دورِ جاہلیت میں اہلِ عرب کی عادت تھی کہ ایک دوسرے کو لوٹ کھسوٹ کر انہیں قیدی بنا لیتے تھے۔ حضرت زید بھی قیدی ہو کر آئے تو انھیں حکیم بن حزام نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے لیے خرید لیا۔ جب بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہُوا تو بی بی نے حضرت زید حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو ہبہ کر دیا۔ حضرت زید کا باپ اور چچا تلاش کرتے مکہ معظمہ میں پہنچ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حضرت زید کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ آپ نے حضرت زید کو اختیار دیا کہ چاہے اپنے باپ کے پاس چلے جائیں چاہے حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کے پاس رہیں۔ انہوں نے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے پاس رہنے کو پسند کیا۔ آپ نے اسے آزاد کر کے اپنی اولاد کی طرح اپنی تربیت میں لے لیا اور اپنا منہ بولا بیٹا مقرر فرما لیا۔ یہ نزولِ وحی سے پہلے ہوا۔ آپ نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم کے مابین مواخات قائم کر دی۔

ف : مقداد بن عمرو بہرانی ؛ مقداد بن الاسود اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ اور ابن ابی حذیفہ وغیرہم کو غیر اب کی طرف منسوب کر کے پکارا جاتا کیونکہ یہ ان کی تربیت میں رہے۔

حدیث شریف بخاری شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ جب تک یہ آیت نازل نہ ہُوئی ہم زید کو ابنِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ کر بلاتے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہم انھیں زید بن حارثہ کے نام سے پکارنے لگے۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ لے پالک بیٹوں کو اُنہی کے بیٹے کہو جن کی وہ اولاد ہیں۔ مثلاً کہو زید بن حارثہ۔ ایسے ہی دُوسروں کو۔

ھُوَ وہی انھیں اپنے باپوں سے منسوب کر کے پکارنا۔ ھُوَ ضمیر کا مرجع اُدْعُوْا کا مصدر ہے، جیسے آیت اعدلوا ھو اقرب للتقوٰی میں (ھُوَ کا مرجع عدل ہے۔ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی قریب تر ہے۔

حلِ لغات : القسط (بالکسر) بمعنی العدل۔ و بالفتح وہ جو دوسرے کا حصہ چھین لے، جیسے

ناانصافی کہاجاتا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے :

قسط الرجل بمعنے اس نے ظلم کیا۔ اور اقسط بمعنے انصاف کیا۔

حکایت : کسی عورت نے حجاج سے کہا : انت القاسط (تو ظالم ہے) اس نے اسے کوڑے مارے۔ اس عورت نے کہا : میرا مطلب قاسط از قسط (بالفتح) بمعنے انصاف ہے۔

ف : آیت میں اقسط افعل التفضیل ہے۔ اس سے مطلق زیادتی مراد ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا : زیادۃِ عدل وصدق یعنی راستر و دادتر۔

کشف الاسرار میں ہے : ھو اعدل واصدق من دعا ئھم ایاھم لغیر ابائھم (یہی زیادہ زیادہ انصاف اور زیادہ سچ ہے کہ انہیں غیروں کے بجائے اپنے باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو)

فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا پس اگر تم نہیں جانتے **اٰبَآءَهُمْ** ان کے آباء کو تاکہ تم انہیں ان کی طرف منسوب کرو۔

قاعدہ : جب اِنْ کا معنیٰ اپنے محل میں استعمال نہ ہو سکے تو اسے بمعنے اذا لانا جائز ہے۔ اس وقت اس کا مدخول ماضی کے مفہوم میں ہوگا اسی لیے اب سوال رفع ہوگیا کہ ان کے داخلہ کے باوجود مستقبل کے بجائے ماضی کا معنیٰ کیوں!

قاضی بیضاوی کی وضاحت

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فان لم تفعلوا الخ کے تحت لکھا کہ یہ عبارت ان تفعلوا تھی پھر لم کی وجہ سے مجزوم کیا گیا اس لیے کہ جب اسے مضارع سے ماضی کے معنیٰ میں استعمال کیا گیا تو وہ لم اس کا جز بن گیا۔ اور حرف شرط اس کے مجموع پر داخل ہے نہ کہ بحیثیت لم تفعلوا فعل جحد کے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

فان ترکتم الفعل و لذلك ساغ اجتماعھما ای حرف الشرط و لم۔

(اگر تم نے فعلِ شرک کیا۔ اسی لیے لَم اور اِن کا اجتماع جائز ہے)

اسی لیے نحو میں اِنْ اور لم کا یکجا ہونا جائز ہے۔ **فَاِخْوَانُكُمْ** تو وہ تمہارے بھائی ہیں **فِی الدِّیْنِ** دین میں۔ یعنی جو اسلام قبول کرلے وہ تمہارا بھائی اور تمہاری جنس کا ہے **وَ مَوَالِیْكُمْ** اور تمہارے موالی یعنی تمہارے اولیاء ہیں فلہذا انہیں تم اخوتِ دینیہ اور مولیٰ والی صفت سے پکارو یعنی کہو یا اخی یا مولائی۔ یعنی ان کی دینی اخوت و ولایت کی وجہ سے موالاۃ و محبت کا یہی تقاضا ہے۔ بعض مفسرین نے اس کا ترجمہ یُوں کیا ہے کہ تم انہیں برادر کہہ کر پکارو اگر وہ تمہارے آزاد شدہ ہیں کہ انہیں مولائی کا خطاب کرو۔ ان کے اس ترجمہ پر حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ دلالت کرتا ہے کہ پہلے حضرت سالم کو سالم ابن ابی حذیفہ سے پکارتے۔ جب یہ آیت نازل ہُوئی تو پھر انہیں سالم مولیٰ ابی حذیفہ (رضی اللہ عنہما) سے پکارا جاتا جیسا کہ ابھی ہم نے شانِ نزول میں بیان کیا ہے **وَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ** اور تم پر کوئی گناہ نہیں۔ جناح بمعنے

اثم یعنی گناہ ۔ اہلِ عرب کہتے ہیں ؛

جنحت السفینۃ ۔ (کشتی ایک طرف جھکی)

اور اثم اس گناہ کو کہا جاتا ہے جس سے انسان کا حق سے دُوسری طرف میلان محسوس ہو۔ لیکن بعد میں ہر گناہ کو جناح کہا جانے لگا۔ اور بعض نے کہا کہ یہ گناہ کا معرب ہے جیسے عرب کی عادت ہے کہ اس قسم کے الفاظ اپنے استعمال میں لاتے ہیں جیسے گوہر سے جوہر وغیرہ۔

فِيمَآ أَخۡطَأۡتُم بِهِۦ اس کا ہمزہ قطعی ہے کیونکہ افعال کا ہمزہ قطعی ہوتا ہے یعنی جو کام تم نے نہی کے ورود کے باوجود کیا تو غلط کیا ۔ الخطاء یعنی کسی جہت سے ہٹ جانا۔ خاطی و مخطی میں یہ فرق ہے کہ جو خطا کو خطا سمجھ کر عمل کرے وہ خاطی ہے اور جو لاعلمی میں کرے وہ مخطی ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے ؛

اخطاء الرجل فی کلامہ وامرہ۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی ڈگمگا ئے ۔

اور کہتے ہیں ؛

خطاء الرجل ۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی دین میں اور اس کے کسی فعل میں غلطی ہو جائے ۔ اسی سے ہے :

لا یاکلہ الا الخاطئون ۔ (اسے نہیں کھاتے مگر خطا کار)

وَلَٰكِن مَّا تَعَمَّدَتۡ قُلُوبُكُمۡ لیکن وہ جو تمہارے دلوں نے عمداً کیے۔ یعنی وہ گناہ ہے جو نہی کی ورود کے باوجود تمہارے دلوں نے عمداً برائی کی لفظ ما فی کا مجرور (محلاً) ہے اس لیے کہ اس کا ما "ا اخطاتم" پر عطف ہے یا ما تعمدت قلوبکم فیہ الجناح مرفوع علی الا بتدا اور اس کی خبر محذوف ہے۔

حدیث شریف میں ہے ؛

من دعی الی غیر ابیہ وھو یعلم انہ غیر ابیہ فالجنۃ علیہ حرام۔

(جس نے خود کو غیر اَب کی طرف منسوب کیا حالانکہ وُہ جانتا ہے کہ یہ غلط ہے تو اس پر جنت حرام ہے)

وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورٗا رَّحِيمًا ۝ اور اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔ یعنی بہت بڑی مغفرت والا ہے۔ وہ خطائیں معاف کر کے رحم فرماتا ہے۔

حکایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی سے سُنا وہ دعا میں کہہ رہا تھا ؛

اللھم اغفر خطایای ۔

(اے اللہ ! میری خطائیں معاف فرما)

آپ نے اسے فرمایا ؛

یا ابن آدم استغفر العمد واما الخطاء فقد تجاوزلك عنه۔

(اے ابن آدم ! ان گناہوں کی معافی مانگ جو تجھ سے عمداً ہوئے خطائیں تو معاف ہو چکیں)

ف : فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ آیت وحدیث میں تناقض نہیں کیونکہ خطا کار سے مراد وہ ہے جو گناہوں کا ارادہ تو نہیں لیکن قصور ہو گیا یا ایسے اسباب سامنے آ گئے جو اس سے بلا قصد علی الاثم گناہ ہو گیا۔ ایسے خطاء کی معافی کی امید ہو سکتی ہے۔

مسئلہ : متبنیٰ یعنی کوئی کسی کے لیے کہے یہ میرا بیٹا ہے جب وہ مجہول النسب ہو اور جس نے اسے بیٹا بنایا۔ سن میں یہ اس سے چھوٹا ہے تو اس کا نسب مدعی کے لیے ثابت ہو جائے گا۔

مسئلہ : کسی کا غلام اس سے آزاد ہوا اور اسے کہتا ہے یہ میرا بیٹا ہے تو فوراً آزاد ہو جائے گا، اگر وہ معلوم النسب ہے اگر مجہول النسب غلام ایسا ہے کہ اس جیسے سے ایسے سن والے بیٹے نہیں ہو سکتے تو نسب تو ثابت نہ ہو گا لیکن امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک غلام بہرحال آزاد ہو جائے گا۔ اور صاحبین رحمہما اللہ نے فرمایا : اس صورت میں غلام آزاد نہ ہو گا۔

مسئلہ : جس نے کسی کو متبنیٰ بنا کر اس سے اپنے نسب کا انکار کیا تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک کوئی گناہ نہیں کیونکہ وہ اس کا حقیقی بیٹا تو نہیں کہ اس پر گناہ لازم آئے۔

مسئلہ : حقیقی بیٹے کے نسب کا انکار کرتا ہے تو اس پر لعان ہے کہ وہ اپنی منکوحہ پر زنا کی تہمت لگا رہا ہے اگر خود کو جھٹلائے تو اس پر حد (قذف) ہے۔ (لعان فقہ کا ایک مستقل باب ہے۔ فقہ کی کتابوں میں اس کی تفصیل دیکھیے۔ اویسی غفرلہٗ)

شانِ نبوّت حقیقی نسب وہ ہے جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے متصل ہے کیونکہ آپ کا نسب تا قیامت غیر منقطع ہے۔ کیونکہ خود حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

کل حسب ونسب ینقطع الا حسبی ونسبی۔

(جملہ حسب ونسب ختم ہو جائے گا سوائے میرے حسب ونسب کے)

ف : حسب سے فقر اور فقر سے نبوت مراد ہے۔

سبق : ترک سنّت کر کے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے قطع رحم (تعلق) نہ کیا جائے نہ آپ کی سنّت وسیرت پر زندگی بسر کرنی چاہیے۔ مجازی قطع رحمی سے حقیقی قطع رحمی کا بہت زیادہ گناہ ہے۔

انتباہ بسا اوقات کفر ومعصیت قطع رحمی کا سبب بنتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وان جاھداك علی ان تشرك بی الخ

اگرچہ تیرے ماں باپ تجھے شرک کرانے کی جدوجہد کریں۔ ؎

چوں نبود خویش را دیانت و تقویٰ
قطع رحم بہتر از مودت قربیٰ

ترجمہ: جب قریبی رشتہ دار میں تقویٰ و دینداری نہ ہو تو اس سے قطع رحمی بہتر ہے نہ کہ اس سے قربت کی وجہ سے محبت کی جائے۔
لیکن رحم حقیقی کا انقطاع تو ممکن ہی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ اب حقیقی وہ ہے جو رحم قلب سے نشاۃ ثانیہ یعنی عالمِ ملکوت میں تولید پر قادر ہوں اور وہ ہیں انبیاء اور ان کے وارثین کاملِ اولیاء۔ اسے اچھی طرح سمجھ لے اور اپنی ایسی نسبت قائم فرما جو دنیا و آخرت میں کبھی منقطع نہ ہو۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کل تقی ونقی ولی۔

(ہر تقی نقی میری اولاد ہے)
(اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی آل سے بنائے۔ آمین)

تفسیر عالمانہ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ نبی علیہ السلام زیادہ لائق ہیں اہلِ ایمان کو ان کی جانوں سے۔

حلِ لغات: اہلِ عرب کہتے ہیں فلاں ادنی بکذا بمعنی احری والیق یعنی لائق تر۔

شانِ نزول مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے غزوۂ تبوک کا ارادہ فرما کر لوگوں کو اس کے لئے اعلان فرمایا تو انہوں نے کہا: ہم اپنے والدین سے مشورہ کرلیں۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اب معنی یہ ہوا کہ نبی علیہ السلام زیادہ لائق ہیں مومنوں کے لیے جملہ امورِ دین و دنیا میں ان کے نفسوں سے جیسا کہ اس کا اطلاق بتاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ کسی کام کے لیے بلائیں اور ان کے نفوس اس کے خلاف چاہیں تو نبی علیہ السلام زیادہ لائق ہیں اس امر کی اجابت کے جو ان کے نفوس چاہتے ہیں کیونکہ نبی علیہ السلام انھیں اس طرف بلاتے ہیں جس میں ان کی نجات اور کامیابی ہے بخلاف ان کے نفوس کے کہ ان کا بلانا کبھی خسارہ و ہلاکت کا موجب بن جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کا قول حکایتاً بیان فرمایا:

ان النفس لامارۃ بالسوء۔ بے شک برائی کا بہت بڑا حکم دینے والا ہے۔

اسی لیے نبی علیہ السلام انھیں ان کے نفوس سے زیادہ محبوب ہونے چاہئیں اور ان کا حکم ان میں زیادہ مؤثر ہو بلکہ اپنے جملہ حقوق میں ان کے حکم کو زیادہ ترجیح دیں کیونکہ ان کی شفقت ان کے لیے اپنے نفوس کے بہ نسبت زیادہ ہے اسی لیے اپنے نفوس کو ان پر قربان کردیں اور جملہ حروب و مصائب میں خود کو ان پر فدا کردیں۔ ان کی دعوت پر لبیک پکاریں یعنی ان کے ہر فرمان کو اپنے لیے ضروری اور فرض سمجھیں۔

حدیث شریف مع شرح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
میری اور تمہاری مثال اس شخص کی سی ہے جو آگ جلائے تو اس کے ارد گرد پروانے اور کیڑے جمع ہوجاتیں۔ الجناذب، جنذب کی جمع ہے۔ جنذب بضم الجیم وفتح الدال

وضمہا) سے مراد ٹڈی کی ایک قسم ہے۔ الفراش فراشۃ کی جمع ہے۔ الفراشۃ بفتح الفاء ایک چھوٹا سا پرندہ ہے جو اڑکر آگ میں گرتا ہے (جسے پروانہ کہا جاتا ہے) اور وہ اس میں واقع ہوتے ہیں اور وہ انہیں آگ سے ہٹاتا ہے اور میں تمہیں کمر سے پکڑ کر آگ سے ہٹاتا ہوں۔ الحجز (بضم الحاء وفتح الجیم) حجزہ کی جمع ہے بمعنے معقد الازار۔ حجزۃ السراویل یعنی التکہ کی جگہ۔ اور تم مجھ سے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے ہو تاکہ میرے حکم کی خلاف ورزی کرکے جہنم میں داخل ہو جاؤ۔

حدیث شریف ۲ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مومن کا دنیا و آخرت میں میں شفیق تر ہوں ان کے نفسوں سے اور ان کے آباء سے۔

حدیث شریف ۳ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی بھی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اس کے نفس اور اس کی اولاد اور اس کے مال اور تمام لوگوں سے محبوب تر نہ ہو جاؤں۔

حضرت سہل تستری رحمہ اللہ کا ارشاد حضرت سہل تستری رحمہ اللہ نے فرمایا: من لم یر نفسہ فی ملک الرسول ولم یر ولایتہ علیہ فی جمیع احوالہ لم یذق حلاوۃ سنتہ بحال۔ (جس نے خود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت نہ سمجھا (کیونکہ آپ کی ہر وقت ہر امتی جمیع احوال میں ملکیت حاصل ہے) تو اس نے سنت کی چاشنی نہ چکھی۔ (روح البیان ج ۷، ص ۱۳۹)

۱ در دو عالم غیب و ظاہر اوست دوست
دوستیٔ دیگراں بر بوے اوست

۲ دوستیٔ اصل باید کرد و بس
فرع را بہر چہ دارد دوست کس

۳ اصل داری فرع گوہر کن مباش
تن بمان وجان بگیر اے خواجہ تاش

ترجمہ (۱) دونوں جہانوں میں یعنی غیب وشہادت میں دوست ہی دوست ہے دوسروں کی دوستی اسی کی خوشبو سے ہے۔

(۲) دوستی اصل سے کرنی چاہیے اور بس، فرع سے محبت اور دوستی کا کیا فائدہ!

(۳) جب تیرے پاس اصل ہے تو فرع کو خیرباد کہہ دے۔ اصل کو جان و دل سے حاصل کر اے بندۂ خدا!

مذہب اہل سنّت اسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ آیت میں ا ، رہ ہے کہ قیاسات و آرار سے کتاب و سنّت کی اتباع مقدم ہے جیسا کہ اہل السنۃ والجماعت کا مذہب ہے۔

وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ اور آپ کی ازواجِ مطہرات ان کی مائیں ہیں ان کی تعظیم و تکریم اور تحریم نکاح میں بمنزلہ ماؤں کے ہیں جیسا کہ باری تعالیٰ نے فرمایا:

ولا ان تنکحوا ازواجه من بعدہ ابدا۔
(اور ان کے وصال کے بعد ہمیشہ تک ان کے ساتھ نکاح نہ کرو)

مسئلہ: اس کے سوا باقی مسائل ہیں۔ مثلاً ان سے خلوت (تنہائی میں بیٹھنا) اور ان کے ساتھ سفر کرنا اور ان کی میراث اجنبیہ کی طرح ہیں اسی لیے بلا پردہ انھیں نہیں دیکھنا چاہیے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

واذا سألتموهن متاعا فاسئلوهن من وراء الحجاب۔
(اور جب تم ان سے کسی شے کا سوال کرو تو پردے کی اوٹ میں سوال کرو)

مسئلہ: ان سے خلوت اور سفر کرنا حرام ہے۔

مسئلہ: وہ اہلِ ایمان کی وارث نہیں ہو سکتیں اور نہ وہ ان کے وارث ہو سکتے ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا عجیب موقف حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہلِ ایمان صرف بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے محرم سفر ہیں نہ کہ دیگر ازواجِ مطہرات کے۔ اس کی وجہ ہم نے سورۂ نور قصۂ افک میں تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے۔

مسئلہ: اس سے ظاہر ہوا کہ یہ تحریم صرف نکاح تک محدود ہے اسی لیے بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ہم مردوں کی مائیں ہیں نہ کہ عورتوں کی۔

مفسرین کی غلطی کا ازالہ اس سے بعض مفسرین کی غلط فہمی کا ازالہ ہو گیا۔ وہ کہتے ہیں کہ وہ مردوں اور عورتوں سب کی مائیں ہیں۔

مسئلہ: جب ثابت ہوا کہ یہ امومت خاص ہے تو اس اعتبار سے ان کا قبیلہ بھی محرم نہیں مثلاً ان کی بنات کو اخوات المؤمنین نہ کہا جائے گا اور نہ ہی ان کی بہنوں کو خالات المؤمنین اور ان کے بھائیوں کو اخوال[1] المؤمنین کہا جا سکتا ہے۔ اسی لیے امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا نکاح بی بی اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہوا۔ اگر یہ اصطلاح صحیح ہوتی تو ان کا بی بی اسماء کے ساتھ نکاح نا جائز ہوتا کیونکہ حضرت زبیر کی بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی ماں ہیں تو بی بی اسماء حضرت زبیر رضی اللہ

---

[1] اس معنی پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خال المؤمنین کہنا صحیح نہ ہوا جیسا کہ دیوبندیوں نے خصوصاً یہ اصطلاح گھڑ رکھی ہے۔ اور یہ بدعت بھی ہے کہ پہلے کسی نے ایسا نہیں کیا۔ اویسی غفرلہٗ

عنہا کی خالہ ہوئیں اور خالہ سے نکاح حرام ہے۔ نہ ہی انہیں کسی نے خالۃ المومنین کہا۔ (اس سے خال المومنین کی اصطلاح بھی غلط ٹھہری)

مسئلہ: یہ حرمت نکاح بھی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے احترام کے پیشِ نظر ہے کیونکہ آپ کا احترام (ہر حالت میں) واجب ہے۔

مسئلہ: (ایسے ہی آپ کے کاملین ورثہ (اولیائے کرام) کا احترام بھی واجب ہے) اسی لیے بعض کامل اولیائے کرام نے فرمایا کہ مرید کو چاہیے کہ وہ مرشد کی زوجہ سے (ان کے وصال کے بعد یا ان کے طلاق دینے کے بعد) نکاح نہ کرے۔ ایسے ہی ہر شاگرد کا اپنے استاد کے احترام کا مسئلہ ہے۔ کیونکہ ایسے نکاح میں دنیا و آخرت میں کوئی بھلائی نہیں۔ اگرچہ فتویٰ سے ایسا نکاح جائز ہے لیکن تقویٰ کے خلاف ہے۔ اور قاعدہ ہے:

التقوٰی فوق الفتوٰی۔ (تقویٰ فتویٰ پر فوقیت رکھتا ہے)

مومنین کے روحانی باپ حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابی کے مصحف اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی قرأت میں ہے:

وھواب لھم وازواجہ امھاتھم۔

(اور وہ (حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم) اہلِ ایمان کے باپ اور آپ کی ازواجِ مطہرات ان کی مائیں ہیں)

اس میں آپ کی شفقت تمام اور رحمت عام کی طرف اشارہ ہے۔

ف: بعض نے کہا اس سے مراد یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دین کے لحاظ سے اہلِ ایمان کے باپ ہیں اس لیے کہ ہر نبی اپنی امت کا باپ ہوتا ہے کیوں کہ وہی ان کے اصل اور ان کی حیاتِ ابدیہ کے سبب ہوتے ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے: مومن بھائی بھائی ہیں۔

اَبْ کے معانی

امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اَبْ باپ کو کہا جاتا ہے۔ اسی لیے ایجاد الشئ اور اس کی اصلاح وظہور کے سبب کو بھی اَبْ کہتے ہیں۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اہلِ ایمان کا اَبْ (باپ) کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم۔

اور بعض قرأتوں میں وھواب لھم ہے۔

حدیث شریف

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فرمایا:

انا وانت ابو ھذہ الامۃ۔

(میں اور تم اس امت کے باپ ہیں)

حدیث شریف اسی طرف دوسری حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا:
کل سبب و نسب منقطع یوم القیامۃ الا سببی و نسبی۔
(ہر سبب و نسب قیامت میں منقطع ہو جائے گا سوائے میرے سبب و نسب کے)

وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ اور رشتہ دار (قرابت والے) **بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ** وراثت میں ایک دوسرے کے زیادہ قریب ہیں۔

ناسخ و منسوخ ابتدائے اسلام میں مسلمان ایک دوسرے کی وراثت موالات فی الدین اور مواخات (بھائی چارہ) اور ہجرت کی وجہ سے حقدار بنتے تھے۔ وراثت قرابت داروں کو نہیں ملتی تھی جیسے صدقات تالیفِ قلوب کے طور پر تقسیم ہوتے تھے۔ ایسے ہی تقسیمِ وراثت کا مسئلہ تھا۔ جب اسلام کو تقویت ملی اور اہلِ اسلام کو غلبہ ملا تو ترکہ کی تقسیم قرابت پر ہونے لگی۔

فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں۔ اس سے لوحِ محفوظ یا قرآن مجید مراد ہے۔

ف: یہ آیت آیۃ المواریث یا فیما فرض اللہ کی طرح ہے کقولہ کتاب اللہ علیکم اور یہ جار و مجرور اولیٰ کے متعلق ہے اور افعل التفضیل بھی جار مجرور میں عمل کرتا ہے (یعنی اس کا متعلق ہو سکتا ہے)

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ اہلِ ایمان یعنی انصار سے اور مہاجرین سے۔ یعنی وہ انصار و مہاجرین جن کے درمیان حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھائی چارہ قائم فرمایا تھا۔ مِن بیانیہ ہے یہ اولی الارحام کا بیان ہے یعنی اقرباء ان میں سے ہیں کہ ان کے بعض دوسرے بعض کے وارث ہیں اور بہ نسبت غیروں کے یہی زیادہ حقدار ہیں۔ یا مِن صلہ کا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ اہلِ ایمان کی وراثت میں قرابت والے قرابت کے لحاظ سے زیادہ حقدار ہیں نہ کہ بہ لحاظ دین اور ہجرت کے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ النبی اولیٰ الخ ان کی تولید میں نبی علیہ السلام زیادہ حقدار ہیں وازواجہ امہاتھم اور ان کی ارواح اہلِ ایمان کی مائیں ہیں اور امہات سے قلوب مراد ہیں یعنی نبی علیہ السلام ان کے قلوب پر تصرف کا ایسے حق رکھتے ہیں جیسے ازواج اپنی زوجات پر تصرفات کا ایسے حق رکھتے ہیں جیسے ازواج اپنی زوجات پر تصرفات کے مالک ہوتے ہیں بشرطِ تسلیم کے تاکہ صلب نبوت سے ارحام القلوب میں نطفہ ولایت کا حاصل کریں جب وہ نطفہ ولایت کے حامل ہوں تو پھر وہ جملہ آفات سے ان کی حفاظت کریں تاکہ حُبِّ دنیا و شہوات کی معمولی سی بدبو سے وہ نطفۂ ولایت گر نہ جائے کیونکہ جب جنین (کچا بچہ) نطفہ ولایت سے پیدا شدہ آثار گر جائیں گے تو وہ پھر اپنی پچھلی حالت کی طرف عود کر آئیں گے گویا اس سے قبل وہ ایمان لائے ہی نہیں تھے۔ اس کے بعد فرمایا: واولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض یعنی نبی علیہ السلام کی اولویت کے بعد تعلیم و تربیت میں ان کے لیے وہ زیادہ لائق ہیں جو مومنین کے اکابرین کاملین ہیں جو اصاغر طالبین کی تربیت و اصلاح کریں،

فِی کِتٰبِ اللّٰہِ اللہ کی کتاب میں یعنی سنّت الٰہی اور اس کی تقدیر کے مطابق جو اس نے نشاۃ ثانیہ میں تولید کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مقرر فرمائی ہے مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ مومنین میں سے نشاۃ ثانیہ میں وَالْمُھٰجِرِیْنَ وہ جو ماسوی اللہ کو چھوڑنے والے ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓی اَوْلِیٰٓئِکُمْ مَّعْرُوْفًا مگر یہ کہ تم اپنے رشتہ داروں سے کوئی احسان و مروّت کرو۔ یہ اولویۃ میں جس قدر منافع ہے اس سے اعم الاستثناء ہے۔ جیسے تم کہتے ہو القریب اولیٰ من الاجنبی الا فی الوصیت۔ اس سے تمہاری مراد یہ ہوتی ہے قریبی رشتہ دار میراث و ہبہ و ہدیہ و صدقہ وغیرہ کے منافع کا زیادہ حقدار ہے سوائے وصیت کے۔ (اولیاء سے اس کے موالات و مواخات کے تعلق دار مراد ہیں اور معروف سے تہائی حصّہ تک وصیت مراد ہے یا اس سے کم جتنا چاہے تہائی سے زاید وصیت جائز نہیں۔ یعنی قریبی رشتہ دار ہر نفع کے حقدار رہیں سوائے وصیت کے کیونکہ وارث کے لیے وصیت کا اجراء نہیں ہوتا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ استثناء منقطع ہو۔ اب معنی یہ ہوگا کہ میراث کے حق دار قریبی رشتہ دار رہیں نہ کہ بعیدی۔ لیکن وصیّت اجانب (غیروں) کے لیے ہے نہ کہ رشتہ داروں کے لیے، کیونکہ وارثوں کا وصیت سے کوئی حق نہیں کَانَ ذٰلِکَ وہ جو مذکورہ دونوں آیتوں میں ذکر کیا گیا ہے:

(۱) اولویّت نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم

(۲) توارث اولوا الارحام (رشتہ داروں کا وارث ہونا)

فِی الْکِتٰبِ کتاب میں۔ یہ مَسْطُوْرًا ؀ کے متعلق ہے، لکھا ہُوا۔

حلِ لغات: کہا جاتا ہے: سطر فلان کذا (فلان نے ایسے ایسے لکھا) یہ کتابت کے ایک وصف کا نام ہے یعنی وُہ لوحِ محفوظ میں مثبت و محفوظ ہے یا قرآن میں لکھا ہے۔

مسئلہ: مسلم و کافر ایک دُوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔ لیکن مالِ مسلم سے ذمی کافر کے لیے وصیت ہو سکتی ہے کیونکہ معاملات میں وہ بھی مسلم کی طرح ہے ایسے ہی بالعکس یعنی مسلمان کے لیے ذمی کافر کے مال سے وصیّت کا اجراء ہو سکتا ہے۔ اسی لیے بعض کہتے ہیں کہ اولیاء سے مراد وہ رشتہ دار مراد ہیں جو غیر مسلم ہیں وہ معنی یہ کرتے ہیں کہ مگر وصیت کا اجراء کرو رشتہ داروں کے لیے اگرچہ غیر مسلم ہوں اس لیے کہ غیر مسلم رشتہ دار اجنبی کی طرح ہے اسی لیے اس جیسے کے لیے وصیت جائز ہے۔

مسئلہ: جمہور کے نزدیک وصیّت امورِ خیر میں ہونی چاہیے تاکہ زندگی کی کوتاہیوں کا ازالہ ہو سکے۔

مسئلہ: وصیّت کئی قسم ہے:

۱۔ وصیّتِ مباح، جیسے غیر رشتہ دار اغنیاء کے لیے وصیت مباح ہے۔

۲۔ وصیّتِ مکروہ، جیسے اہلِ معصیّت کے لیے۔

۳۔ وصیّتِ مستحبہ، جیسے ادائیگی کفارات و فدیہ صیامات و صلوٰۃ

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جب نفس اخلاقِ مذمومہ سے پاک و صاف ہو کر اخلاقِ محمودہ اختیار کر لیتا ہے تو اس کی عداوت محبت سے بدل جاتی ہے اور اب وہ اعداء کی صف سے نکل کر اولیاء میں شامل ہو جاتا ہے پھر اولیاء کے موافق ہو کر نیک کام کرتا ہے اور انہی کے عادات و خصائل میں ڈھل جاتا ہے اور نفس کے بارے میں یہ نیکی اُم الکتاب میں لکھی ہوئی تھی مگر تزکیہ سے پہلے اس میں یہ بات نہ تھی اور نہ اس سے نرمی کا مسئلہ تھا کیونکہ اس وقت نفس عداوتِ الٰہی میں تھا، اور اللہ تعالیٰ کے دشمن کے ساتھ سختی کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس سے پیار کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اسی لیے حربی کے لیے وصیت ناجائز ہے کیونکہ وہ اس کے اہل نہیں کہ اس کے ساتھ احسان کیا جائے یہ سانپ کو گھر میں پالنے کے مترادف ہے تاکہ وہ ڈسے۔ حضرت مولانا رومی قدس سرہ مثنوی میں لکھتے ہیں : ؎

دست ظالم را ببر چہ جائے آن
کہ بدست او نہی حکم و عنان

ترجمہ : نفس ظلم کا ہاتھ کاٹ دے۔ اس کے ہاتھ حکم اور باگ پکڑا دینے کا کیا فائدہ!

؎ تو بدان بزمانے اے مجہول داد
کہ نژاد گرگ او شیر داد
نفس بے عہد ست کان رو کشتنیست
او دنیٔ و قبلہ گاہ او دنیست

ترجمہ : اے مجہول اس سے انصاف کیا پائے گا یہ تو گرگ زادے کو دودھ پلانے والا معاملہ ہے۔ نفس بے وفا اسے ذبح کرنا چاہیے وہ خود بھی کمینہ ہے اور اس کا قبلہ گاہ بھی کمینہ۔

حکایت مجیرِ اُمّ عامر کا قصہ اس جیسوں (دشمنوں مثلاً نفس) کے لیے مشہور ہے۔ ہوا یوں کہ بعض لوگ گرمی میں شکار کے لیے نکلے انہیں راستہ میں ام عامر الضبع[1] ملی اس کے پیچھے دوڑے یہاں تک کہ وہ ایک اعرابی (بدو) کے گھر میں گھس گئی۔ اعرابی باہر آیا، شکاریوں سے پوچھا کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے کہا، ہمارا شکار تیرے گھر میں گھس آیا ہے ہم اسے پکڑنا چاہتے ہیں۔ اعرابی نے کہا، خبردار! تم اسے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اور تلوار لے کر مقابلہ کے لیے تیار ہو گیا۔ شکاریوں نے اسے اس کے حال پر چھوڑا اور چل دیئے۔ اعرابی اٹھا، اونٹنی کو دوہا، دودھ اور پانی اس کے آگے رکھ دیا۔ اس نے سیر ہو کر دودھ اور پانی پیا۔ اعرابی ایسے ہی دودھ اور پانی سے اس کی تواضع کرتا رہا۔ ایک دن اعرابی اپنے گھر میں کھڑا تھا کہ ضبع (بجّو[2]) نے اس پر حملہ کر کے اس کا پیٹ چیر دیا اور اس کے خون سے خوب مزے لوٹے۔ پھر اسے مُردہ چھوڑ کر بھاگ نکلی۔ اس کا چچا زاد آیا تو دیکھا کہ اس کا برا حال ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ

---

[1] پناہ دینے والا [2] بجّو

یہ ساری کارروائی کفار کی ہے، تلوار لے کر اس کے تعاقب میں چل نکلا یہاں تک کہ اسے پا لیا اور اسے قتل کر ڈالا اور یہ اشعار پڑھے ؎

۱ ومن یصنع المعروف مع غیر اھلہ
یلاق کما لاقی مجیر ام عامر

۲ ادام لہا حین استجارت بقربہ
قراھا بالبان اللقاح الغزائر

۳ فقل لذوی المعروف ھذا جزاء من
غدا یصنع المعروف مع غیر شاکر[1]

ترجمہ: (۱) جو غیر اہل سے احسان کرتا ہے اسے وہی ملے گا جو ام عامر کو پناہ دینے والے کو ملا۔

(۲) وہ اس کے ساتھ رہا اور ام عامر کو اس نے پناہ دی اور بہترین بکریوں کا اسے دودھ پلایا۔

(۳) احسان کرنے والوں کو کہہ دو کہ یہ اس کی جزا (سزا) ہے جو نا اہل پر احسان کرتا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے عنایت و توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ اور یاد رکھیے اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی قوم کو یا چاہیے کہ یہ ذکر تمہارے سامنے ہو اور نہ بھولیے اس وقت کو جبکہ ہم نے رسالت عطا کرنے کے وقت جملہ انبیاء علیہم السلام سے لیا مِیْثَاقَھُمْ ان سے وعدہ۔ المیثاق وُہ پختہ عقد ہوتا ہے جس میں قسم بھی ہو یعنی یہ وعدہ لیا کہ وہ تبلیغ الرسالۃ اور دین حق کی دعوت دیں گے وَمِنْكَ اور اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ سے بھی وعدہ لیا تھا۔

نکتہ: دوسرے انبیاء علیہم السلام سے پہلے آپ کا ذکر مبنی بر تعظیم ہے اور متنبہ کرتا ہے کہ آپ جملہ انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں بلکہ جملہ مخلوق میں سب سے پہلے آپ ہیں ﷺ۔ اگرچہ بعثت میں آپ انبیاء علیہم السلام سے بعد۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
انا سید ولد آدم ولا فخر۔
(میں جملہ اولاد آدم (اور آدم کا بھی) سردار ہوں اور یہ فخر کے طور پر کہہ رہا ہوں)

وَمِنْ نُّوْحٍ اور نوح علیہ السلام

---

[1] حیوۃ الحیوان، ۱

پہلے رسول آپ ہیں وَاِبْرٰهِيْمَ اور ابراہیم علیہ السلام سے۔ آپ خلیل اللہ ہیں (علیہ السلام) وَمُوْسٰى اور موسیٰ علیہ السلام سے، اور آپ کلیم اللہ ہیں (علیہ السلام) وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ اور عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) اور آپ رُوح اللہ ہیں (علیہ السلام) ان جملہ حضرات کا دوبارہ ذکر اس لئے ہوا کہ یہ سب مِنَ النَّبِيّٖنَ میں داخل تھے صرف اظہار مزید فضیلت کے لیے اور ارباب شرائع (انبیاء) میں ان کی شہرت کی وجہ اور اولوا العزم رسل کرام علیہم السلام بلند پایہ ہونے کے اعتبار سے، وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ اور ہم نے ان سے لیا مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ ایفائے عہد کے لیے وعدہ پختہ اور مضبوط کروہ تبلیغ پیغامات اور ادائے امانات میں التزام کریں گے یہ عہد وہی ہے جس کا ذکر آیت کے اوّل میں ہے تکرار صرف میثاقا غلیظا کی وجہ سے ہے لِّيَسْئَلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ یہ مضمر سے متعلق ہے اس بیان کے لیے لایا گیا ہے کہ اخذ المیثاق کا اصل مقصد کیا ہے اور اس کی غرض وغایت کیا اخذنا کے متعلق نہیں اس لیے تذکیر میثاق کے بعد اصلی غرض اور مقصد کا اظہار ہے جیسا کہ تعبیر اسلوب بتاتا ہے کہ پہلے اسے جمع متکلم کے صیغہ سے پھر صیغۂ غیب سے بیان فرمایا۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات سے یہ وعدہ اس لیے لیا تاکہ ہم قیامت میں ان انبیاء علیہم السلام کے متعلق سوال کریں کہ اپنی قوم تک پیغامات پہنچانے میں سچے ہیں یا نہیں یعنی جو کچھ قوم نے کہا وہ صحیح ہے یا نہیں۔

قلم سے سوال

مروی ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ قلم سے سوال کرے گا کہ تُو نے میری امانت سے کیا کیا؟ قلم عرض کرے گا: اے اللہ! وہ امانت میں نے لوح کے سپرد کر دی تھی۔ پھر قلم کانپ رہا ہوگا کہ کہیں لوح اس کی تکذیب نہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ لوح سے سوال کرے گا: کیا قلم درست کہہ رہا ہے؟ لوح عرض کرے گی: قلم نے درست کہا اس نے امانت میرے سپرد کی اور میں نے وہ اسرافیل علیہ السلام کو دے دی تھی۔ اللہ تعالیٰ اسرافیل سے پُوچھے گا کہ تُو نے میری امانت سے کیا کیا؟ عرض کرے گا: میں نے وہ امانت جبریل علیہ السلام کو دے دی تھی اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام سے پُوچھے گا تو وہ عرض کرے گا: میں نے انبیاء علیہم السّلام کو دے دی تھی۔ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السّلام سے سوال کرے گا: میری امانت کہاں گئی؟ عرض کریں گے: ہم نے تیری مخلوق تک پہنچا دی۔ یسأل الصادقین عن صدقهم کا یہی مطلب ہے۔

سبق: جب انبیاء علیہم السلام سے سوال ہوگا تو پھر ہم تم کون لگتے ہیں کہ اس کے سوال سے بچ جائیں گے؎

دراں روز کز فعل پرسند و قول
اولوا العزم را تن بلرزد ز ہول

۲ بجاے کہ دہشت خورد انبیا
تو عذر گنہ را چہ داری بیا

ترجمہ :(۱) اس دن جو فعل وقول کا سوال ہوگا اس وقت اولوا العزم (پیغمبروں) کے جسم لرزاں ہوں گے۔
(۲) جہاں انبیاء علیہم السلام دہشت زدہ ہوں اس دن تو کیا عذر رکھتا ہے اگر کچھ ہے تو لا شئے۔

نکتہ : انبیاء علیہم السلام سے سوال کہ وہ سچے ہیں کہ نہیں، واللہ اعلم۔ اس کی مراد کیا ہے لیکن ہماری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ اس سے کافروں پر اتمامِ حجت اور ان کو ڈرانا دھمکانا مطلوب ہوگا۔ یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کرنے والوں کے متعلق سوال ہوگا کہ اُنھوں نے انبیاء علیہم السلام کی تصدیق کی یا نہیں، اس لیے کہ صادق کا مصدّق بھی صادق ہوتا ہے۔

سوال : الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ صدق سے سوال کا کیا معنیٰ، وہاں تو اس کے صدق پر ثواب ملنا چاہیے نہ کہ الٹا اس پر سوال ہو۔

جواب : صدق سے یہاں کلمۂ شہادت کی تصدیق مراد ہے کہ ایسے ہی جو کلماتِ شہادت بولے گئے اور ان کے شعائر ثابت ہوئے یعنی اس سے یہ سوال ہوگا کہ کیا تو نے ان کے احکام کو محقق کیا اور ان پر اخلاص سے عمل کیا اور سچا اور صحیح اعتقاد رکھا یا نہ۔ جیسا کہ امام راغب نے بھی یہی معنی کیا ہے کہ اس سے سوال ہوگا کہ زبان سے اقرار کے ساتھ اس کی تصدیق بھی کی تھی یا نہ۔ اس میں اشارہ ہے کہ حکم کا صرف اعتراف کافی نہیں جب تک کہ اسے عملی جامہ پہنانے کی کوشش نہ کی جائے ؎

از عشق دم مزن چو نگشتی شہید عشق
دعویٰ ایں مقام درست از شہادتست

ترجمہ : عشق کا دم نہ مار جب تو شہیدِ عشق نہیں۔ اس مقام کا دعوٰی صرف شہادت کے لائق ہے۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

وقت ذکر غزو شمشیرش دراز
وقت کروفر تیغش چوں پیاز

ترجمہ : جنگ کی باتوں کے وقت تو تلوار دراز ہوتی ہے لیکن میدان میں اس کی تلوار پیاز سے بھی کمتر۔

ملفوظِ جنید بغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ صادقین سے ان کے اس صدق کا سوال کرے گا جو اس کے ہاں صدق ہے نہ کہ بزعمِ خویش خود کو سچا کہتا پھرے۔

واہ واہ جنید رضی اللہ عنہ یہ تفسیر جو حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے نہایت ہی لطیف تفسیر ہے کیونکہ مخلوق کے نزدیک صدق و اسلام کا مطلب تو آسان ہے لیکن حق تعالیٰ کے نزدیک بھی صدق و اسلام کا حق ہونا مشکل ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں حقیقی صدق و اسلام عطا فرمائے۔ آمین!

وَاَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ اور اللہ تعالیٰ نے کافروں یعنی رسل کرام علیہم السلام کی تکذیب کرنے والوں کے لیے تیار کیا ہے عَذَابًا اَلِيْمًا ○ دردناک و دردنما عذاب۔ اس کا عطف اس فعل پر ہے جو مضمر ہے اور وہ جس پر لیسأل الخ دلالت کرتا ہے۔ گویا فرمایا:

فاثاب المؤمنين واعد للكفرين عذابا اليما۔

یعنی اہلِ ایمان کے لیے ثواب تیار فرمایا اور کافروں کے لیے عذاب دردناک۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ واذاخذنا من النبيّن ميثاقهم اور ہم نے انبیاء علیہم السلام سے ازل میں اس وقت وعدہ لیا تھا جب وہ کتمِ عدم میں مخفی تھے ومنك اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ سے حبیبیت کا ومن نوح اور نوح علیہ السلام سے دعوت کا وابرٰهيم اور ابراہیم علیہ السلام سے خُلت کا وموسٰى اور موسیٰ علیہ السلام سے مکالمہ کا وعيسى ابن مريم اور عیسیٰ علیہ السلام سے عبدیت کا وعدہ لیا واخذنا منهم ميثاقا غليظا اور ان سے ایفائے عہد کا سخت وعدہ لیا۔ لفظ غلیظ میں اشارہ ہے کہ ہم نے تائید و توفیق للوفاء سے ان سے پختہ وعدہ لیا ليسأل الصّادقين تاکہ ہم ان سے جو عہد و وفا میں سچے ہیں، سوال کریں عن صدقهم ان کے صدق سے جو انہوں نے سچ کہا تاکہ ان کے صدق کا اظہار ہو جائے۔ اسی لیے ان کی تعریف فرمائی:

من المؤمنين رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه۔

(اہلِ ایمان میں سے بعض ایسے ہیں جو معاہدہ کے سچے ہیں)

گویا یہ سوال تشریف (اظہارِ شرافت) کا ہے نہ کہ تعنیف (جھڑکنا) کا۔ یہ سوال ایجابی ہوگا نہ کہ عتابی۔ صدق یہ ہے کہ کسی حال میں غیریت کی ملاوٹ نہ ہو اور نہ کسی عمل میں عیب و نقص ہو اور نہ ہی اعتقاد میں شک کی کوئی گنجائش ہو۔ معاملات میں صدق کی علامت یہ ہے کہ بلا لحاظ مخلوق کے خلوص ہو اور احوال میں اتنی صفائی ہو کہ اس میں اعجاب کو دخل نہ ہو اور قول میں تعریض کا شائبہ تک نہ ہو اور مخلوق میں کسی قسم کی تلبیس و تدلیس (ہیرا پھیری) نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے درمیان میں حول و قوت سے دائمی خارج ہو جانا بلکہ وجود مجازی سے بھی

اس شوق سے وجودِ حقیقی نصیب ہو اور کافرین یعنی ان منکرین کے لیے جو ان مقامات سے روگردانی کرنے والوں اور ان کرامات سے محروم ہونے والوں کے لیے عذابِ دردناک تیار کیا کہ انھیں ہمیشہ حسرتیں اور دل پر چوٹیں لگتی رہیں گی۔

ف : امام بقلی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس سوال سے اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ وُہ اپنی مخلوق کو صادقین کے منازل سے روشناس کرائے کیونکہ بہت سے قلوب حسرت سے پگھل جاتے ہیں کہ ہائے ہم نے انھیں اور ان کی قدر و منزلت کو کیوں نہ پہچانا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ۔

(وہ حسرت کا دن ہے)

اور ان کے صدق سے مراد ان کے مقامِ محبت و اخلاص میں حق تعالیٰ کے ساتھ اسرار پر استقامت کرنا۔

ف : حضرت سہل رضی اللہ عنہ نے فرمایا : قیامت میں اللہ تعالیٰ ان سے سوال کرے گا کہ تم نے کس کے لئے اور کیوں عمل صالح کیے ؟ عرض کریں گے تیرے لیے اور صرف تیری رضا کے لیے۔ فرمائے گا سچ کہہ رہے ہو۔
حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : خدا تعالیٰ کی عزت کی قسم کہ جب اللہ تعالیٰ مشاہدہ میں فرمائے گا کہ تم نے سچ کہا، انھیں جنت کی تمام لذتوں سے یہ کلمہ لذیذ تر محسوس ہوگا ؎

لذتِ شیرینیٔ گفتارِ جانان لذتیست
کز دماغ جان کے بیرون شود پر حالتست

ترجمہ : محبوبوں کی شیرینیٔ گفتار لذیذ ہے وہ دماغ سے باہر کیسے ہو کیونکہ اس سے صرف دماغ ہی پر رہتا ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پُوچھا گیا کہ سب سے بڑا درجہ کون سا ہوگا ؟ فرمایا کہ گفتار بحق اور کردار بحق۔

ف : مشائخ کہتے ہیں کہ صدق کے دو درجے ہیں :

(۱) ظاہر
(۲) باطن

پھر ظاہر میں تین چیزیں ضروری ہیں :

(۱) دین میں تصلب
(۲) خدمت سنت
(۳) معاملات میں خشیت

اور باطن میں تین چیزیں ضروری ہیں : (بقیہ صــــ ۴۱۲)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ
اے ایمان والو اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تم پر کچھ لشکر آئے تو ہم نے ان پر آندھی اور وہ لشکر
رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝۹ اِذْ جَآءُوْكُمْ
بھیجے جو تمہیں نظر نہ آئے اور اللہ تمہارے کام دیکھتا ہے جب کافر تم پر آئے تمہارے
مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ
اوپر سے اور تمہارے نیچے سے اور جب کہ ٹھٹک کر رہ گئیں نگاہیں اور دل گلوں کے پاس آ گئے
الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝۱۰ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا
اور تم اللہ پر طرح طرح کے گمان کرنے لگے (امید و یاس کے) وہ جگہ تھی کہ مسلمانوں کی جانچ ہوئی اور خوب سختی سے
شَدِيْدًا ۝۱۱ وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا
جھنجھوڑے گئے اور جب کہنے لگے منافق اور جن کے دلوں میں روگ تھا ہمیں اللہ و
اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ۝۱۲ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا
رسول نے وعدہ نہ دیا تھا مگر فریب کا اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا اے مدینہ والو یہاں تمہارے
مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا
ٹھہرنے کی جگہ نہیں تم گھروں کو واپس چلو اور ان میں سے ایک گروہ نبی سے اذن مانگتا تھا یہ کہہ کر ہمارے
عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚۛ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ۝۱۳ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ
گھر بے حفاظت ہیں۔ اور وہ بے حفاظت نہ تھے وہ تو نہ چاہتے تھے مگر بھاگنا اور اگر ان پر فوجیں مدینہ کے اطراف سے
اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ۝۱۴ وَلَقَدْ
آتیں پھر ان سے کفر چاہتیں تو ضرور ان کا مانگا دے بیٹھتے اور اس میں دیر نہ کرتے مگر تھوڑی اور بیشک
كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ۭ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْـُٔوْلًا ۝۱۵
اس سے پہلے وہ اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ پیٹھ نہ پھیریں گے اور اللہ کا عہد پوچھا جائے گا
قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا
تم فرماؤ ہرگز تمہیں بھاگنا نفع نہ دے گا اگر موت یا قتل سے بھاگو اور جب بھی دنیا نہ برتنے
قَلِيْلًا ۝۱۶ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً
دیئے جاؤ گے مگر تھوڑی تم فرماؤ وہ کون ہے جو اللہ کا حکم تم پر سے ٹال دے اگر وہ تمہارا برا چاہے یا تم پر مہر فرمانا چاہے اور وہ

وَلَا يَجِدُونَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٧﴾ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ

اللہ کے سوا کوئی حامی نہ پائیں گے اور نہ مددگار بے شک اللہ جانتا ہے تمہارے ان کو جو

مِنكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا ۖ وَلَا يَأْتُونَ الْبَأْسَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٨﴾ أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ

اوروں کو جہاد سے روکتے ہیں اور اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں ہماری طرف چلے آؤ اور لڑائی میں نہیں آتے مگر تھوڑے تمہاری مدد

فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ

میں کمی کرتے ہیں پھر جب ڈر کا وقت آئے تم انہیں دیکھو گے تمہاری طرف یوں نظر کرتے ہیں کہ ان کی آنکھیں گھوم رہی ہیں جیسے کسی پر

الْمَوْتِ ۖ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُم بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۚ أُولَٰئِكَ

موت چھائی ہو پھر جب ڈر کا وقت نکل جائے تمہیں طعنے دینے لگیں تیز زبانوں سے مال غنیمت کے لالچ میں یہ لوگ ایمان

لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿١٩﴾ يَحْسَبُونَ

لائے ہی نہیں تو اللہ نے ان کے عمل اکارت کردیئے اور یہ اللہ کو آسان ہے۔ وہ سمجھ رہے ہیں کہ

الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا ۖ وَإِن يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّوا لَوْ أَنَّهُم بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ

کافروں کے لشکر ابھی نہ گئے اور اگر لشکر دوبارہ آئیں تو ان کی خواہش ہوگی کہ کسی طرح گانوں میں نکل کر تمہاری

يَسْأَلُونَ عَنْ أَنبَائِكُمْ ۖ وَلَوْ كَانُوا فِيكُم مَّا قَاتَلُوا إِلَّا قَلِيلًا ﴿٢٠﴾

خبریں پوچھتے اور اگر وہ تم میں رہتے جب بھی نہ لڑتے مگر تھوڑے

تفسیر عالمانہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اے ایمان والو!

شانِ نزول: مروی ہے کہ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ و بنو نضیر کے ساتھ صلح فرمائی اور ان سے عہد لیا کہ وہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہرگز مخالفت نہیں کریں گے بلکہ آپ کا ساتھ دیں گے۔ لیکن بنو نضیر نے معاہدہ توڑ دیا اور بنو نضیر یہود خیبر کا ایک قبیلہ تھا اور قریہ زہرہ میں سکونت رکھتے تھے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کے ہاں کسی کام کے لیے تشریف لے گئے آپ کے ساتھ خلفاء بھی تھے آپ ان کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ یہودیوں کی نیت بدبختی آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ ان کا ایک آدمی مکان کی چھت پر چڑھ گیا اور ایک بہت بڑا پتھر اٹھا کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر گرانے کا منصوبہ بنایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے اس غلط منصوبے کی اطلاع کر دی تو آپ جلدی سے اٹھ کر مدینہ طیبہ کو چل دیئے۔ آپ نے مدینہ طیبہ پہنچتے ہی اپنے قاصد حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بھیج کر فرمایا کہ اے یہودیو! میرے شہر مدینہ سے نکل جاؤ کیونکہ زہرہ بستی (جہاں یہودی رہتے تھے) مدینہ طیبہ کے حدود میں تھی

یہودیوں نے وہاں سے نکلنے سے انکار کردیا کیونکہ انھیں ان کے سردار حیی بن اخطب نے روکا تھا اور حیی بن اخطب حضور سرورِعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دشمنی میں ایسے تھا جیسے مکہ معظمہ میں ابوجہل۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو ساتھ لے کر ان کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے تشریف لائے اور چھ دن رات ان کا محاصرہ فرمایا۔ اس سے ان یہودیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رُعب چھا گیا تو مجبوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جلاوطنی کی درخواست کی اور سوال کیا کہ ہمیں امان دی جائے۔ آپ نے انھیں نکلنے کی اجازت عام فرمائی۔ ان میں سے بعض تو بلادِ شام میں سے اذرعات کو نکل کھڑے ہوئے۔ لیکن ان کا سردار حیی سیدھا مکہ معظمہ پہنچ کر مکہ معظمہ کے لیڈروں سے مل کر کہا کہ تم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرو ہم تمام (یہود) تمہارے ساتھ ہیں۔ دیکھ لینا ہمارے تمہارے اتحاد سے ان کی کیسی بیخ کنی ہوتی ہے (معاذ اللہ) مکہ معظمہ کے لیڈر خوش ہوئے۔ وہ تو پہلے ہی حضور سرورِعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں جل بھن رہے تھے پھر وہ غطفان (محرکۃ، قیس کا قبیلہ) کی طرف آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کرنے پر انھیں اُبھارا اور خبر دی کہ اس معاملہ میں قریش مکہ بھی ہمارے ساتھ ہیں بلکہ ان کے اور مختلف قبیلے اس کام میں ان کے حامی ہیں۔ یہ کہہ کر دارالندوہ میں جھنڈا لہرایا۔ احزاب میں کفار (قریش مکہ، غطفان، بنی مرہ، بنی اشجع، بنی سلیم، بنی اسد، یہود قریظہ و نضیر) کی مجموعی فوج بارہ ہزار افراد پر مشتمل ہو گئی۔ ان سب کا قائد ابوسفیان تھا قریش مکہ و دیگر کفار تیار ہو کر چلے تو خزاعہ کے سواروں نے چار راتوں میں سفر کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ جنگ مدینہ کے باہر ہو یا شہر میں۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب ہم فارس میں جنگ کا خطرہ محسوس کرتے تو شہر کے اردگرد خندق کھود تے (اور یہ خندق فارسیوں کے کارناموں سے ہے) سب سے پہلے یہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تیار کی۔ حضور سرورِعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند فرمایا آپ گھوڑے پر سوار ہوئے اور آپ کے ساتھ تین ہزار انصار و مہاجر تیار ہوئے۔ آپ نے

صہ ۴۰۹ سے آگے

(۱) جو کچھ زبان سے کہو اس پر عمل کرو۔
(۲) وہ دکھاؤ جو تم میں ہو۔
(۳) جو کچھ ہے وہ راہِ خدا میں لٹاؤ۔

ارشادِ شیخ اکبر قدس سرہٗ

حضرت ابن العربی شیخ اکبر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس کا حق تعالیٰ سے منہ سیاہ کیا جاتا ہے جو غیبت، چغلخوری، افشائے راز کا ارتکاب کرتا ہے۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ ایسے سچوں سے پوچھے گا کہ میں نے کب کہا تھا کہ ایسے امور عمل میں لاؤ۔ اگرچہ بظاہر یہ باتیں سچ ہیں لیکن انہیں منہ پر نہیں لانا چاہیے تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر صدق حق نہیں ہوتا۔

حکم فرمایا کہ عورتوں اور بچوں کو محفوظ قلعوں میں بھیج دیا جائے۔ اور شہر کو ہر طرف سے خندق کے ذریعہ محفوظ فرمایا۔ وہ بھی ایک محفوظ قلعہ کی طرح ہوگیا اور اپنے لشکر کے ٹھہرنے کی جگہ یوں متعین فرمائی کہ سلع پہاڑ لشکر کی پشت پر ہو اور خندق دشمن اور لشکر کے درمیان ہو۔ لشکر کو خندق کھودنے کا حکم فرمایا۔ اور فرمایا خندق کا طول چالیس ہاتھ اور عرض دس ہاتھ ہو۔ اور ساتھ ہی صحابہ کرام کو نصرتِ الٰہی کی نوید سنا دی اور ساتھ ہی صبر کی تلقین فرمائی اور خندق کھودنے میں خود بنفسِ نفیس بھی کام کرتے تھے۔ یہاں تک کہ کھودی ہوئی مٹی اپنی پیٹھ مبارک پر رکھ کر باہر پھینکتے۔ یہ صحابہ کرام کی تسلّی اور جہاد کی ترغیب کے طور پر تھا اور اسلام کے لیے یہ دور تنگی اور بھوک کا تھا۔ اور ہجرت کے پانچویں سال ماہِ شوال میں یہ واقعہ پیش آیا۔ آپ نے جب صحابہ کرام میں تھکان محسوس کی تو یہ شعر پڑھا ؎

اللھم لا عیش الا عیش الآخرہ

فارحم الانصار والمھاجرہ

ترجمہ: اے اللہ! سوائے آخرت کے اور کوئی عیش نہیں۔ انصار و مہاجرین پر رحم فرما۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مہاجر و انصار خود ہی تیر تیار کرتے اور خود ہی کام میں مصروف رہتے کیونکہ اس وقت ان کے پاس نہ کوئی نوکر تھا نہ مزدور، کیونکہ تنگی کا دور تھا اور موسم سخت سرد تھا لیکن خندق کا کام نہایت خوشی اور فرحت سے سرانجام دے رہے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا حال دیکھ کر یہ شعر پڑھا: ؎

لاھم ان العیش عیش الآخرہ

فاکرم الانصار والمھاجرہ

ترجمہ، ہمارا کوئی مقصد نہیں سوائے آخرت کے عیش کے، اے اللہ! مہاجرین و انصار کا اکرام فرما۔

صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے جواب میں عرض کرتے: ؎

نحن الذین بایعوا محمدا

علی الجھاد ما بقینا ابدا

ترجمہ: ہم ہیں جنھوں نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی ہے جب تک جان میں جان ہے ہم خدا کی راہ میں لڑتے رہیں گے۔

جب صحابہ کرام خندق کی کھدائی سے تھک گئے تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تھکان کا اظہار کیا تو آپ نے بہ نفسِ نفیس کدال لے کر خندق کھودنی شروع کر دی۔ ایک ہی ضرب سے خندق کا وہ حصہ پاش پاش ہو کر ریت کی طرح ہوگیا۔ حضرت سلمان فارسی نے فرمایا کہ میں نے اپنی کدال لے کر ایک حصہ پر ماری تو وہ حصہ مجھ پر گراں ہوگیا (یعنی کھودا نہ جا سکا)۔ حالاں کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ طاقت ور مرد تھے دس

آدمی آپ کا مقابلہ نہ کر سکتے۔ اسی لیے مہاجرین نے فخریہ کہا، سلمان ہمارا جوان ہے۔ انصار نے کہا؛ نہیں سلمان ہمارا ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہِ کرم فرمایا؛

سلمان منا اھل۔ (سلمان ہمارا ہے)

اسی لیے ایک شاعر نے کیا خوب کہا؛

لقد رقی سلمان بعد رقہ
منزلۃ شامخۃ البنیان
وکیف لا والمصطفیٰ قد عدہ
من اھل بیتہ العظیم الشان

ترجمہ؛ سلمان کے مرتبہ کو کیسی عظمت نصیب ہوئی باوجودیکہ وہ غلام تھے۔ شان بلند کیوں نہ ہو جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنے اہلبیت میں شمار فرمایا۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے کدال لے کر فرمایا؛ بسم اللہ۔ اور کدال سخت جگہ پر مارا تو وہ پتھر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور اس سے یمن کی جانب سے ایسی روشنی نمودار ہوئی جیسے اندھیری رات میں چراغ روشن کیا گیا ہو۔ آپ نے نعرۂ تکبیر بلند کر کے فرمایا؛

اعطیت مفاتیح الیمن واللہ انی لابصر ابواب صنعاء من مکانی الساعۃ کانھا انیاب الکلاب۔

(میں یمن کے خزانوں سے نوازا گیا ہوں بخدا ابھی اسی جگہ پر میں صنعاء کے دروازے دیکھ رہا ہوں گویا وہ کتوں کی داڑھ کی طرح ہیں)

پھر دوسری بار کدال مارا تو پہلے کی طرح شام کی طرف سے روشنی نمودار ہوئی تو آپ نے نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے فرمایا؛

اعطیت مفاتیح الشام واللہ لابصر قصورھا۔

(میں شام کے خزانے دیا گیا ہوں بخدا میں اس کے محلات دیکھ رہا ہوں)

پھر آپ نے تیسری بار کدال مارا تو پتھر کا بقایا حصہ بھی ٹوٹ گیا، اس سے بھی فارس کی طرف سے نور نمودار ہوا تو آپ نے نعرۂ تکبیر بلند کر کے فرمایا؛

اعطیت مفاتیح فارس واللہ لابصر قصورۃ الحیرۃ ومدائن کسریٰ کانھا انیاب الکلاب۔

(میں فارس کے خزانے دیا گیا ہوں بخدا میں حیرہ کے محلات اور کسریٰ کے شہر دیکھ رہا ہوں، گویا وہ کتوں کی داڑھ کی طرح ہیں)

پھر آپ سلمان فارسی کے سامنے فارس کے مکانات کے نشانات سنانے لگے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ عرض کرتے:

صدقت یا رسول اللہ ھذہ صفتھا۔

(یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے سچ فرمایا، واقعی یہی ان کے صفات ہیں)

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

ھذہ فتوح یفتحھا اللہ بعدی یا سلمان۔

(سلمان! یہ وہی فتوحات ہیں جو میرے بعد اللہ تعالیٰ فتح کرکے (میری امت کو عطا فرمائے گا)

یہ سن کر منافقین کی ایک ٹولی، جن میں معتب بن قشیر بھی تھا، نے کہا:

الا تعجبون من محمد یمنیکم ویعدکم الباطل ویخبرکم انہ یبصر من یثرب قصور الحیرۃ ومدائن کسریٰ وانھا تفتح لکم وانتم تحفرون الخندق من الفرق لاتستطیعون ان تبرزوا ای تجاوزوا الرحل وتخرجوا الی الصحرا وتذھبوا الی البراری ما ھذا الا وعد غرور ولما فرغ رسول اللہ من حفر الخندق علی المدینۃ۔

(محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عجیب باتیں تو دیکھو کہ وہ تمہیں دلاسے دے کر خیالی باتوں کا وعدہ دے رہا ہے اور ساتھ ہی کہتا ہے کہ وہ مدینہ سے حیرۃ کے محلات اور کسریٰ کے شہر دیکھ رہا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تمہارے لیے ہیں اور اپنا حال یہ ہے کہ لوگوں سے خندق کھدوا رہا ہے اور تمہاری حالت یہ ہے کہ تم اس خندق سے ڈر کے مارے ایک گز بھی باہر نہیں جاسکتے اور نہ ہی جنگلوں کی طرف بھاگ سکتے ہو۔ یہ صرف دھوکے اور ڈھکوسلے ہیں اور بس!)

(حضور نے سُنی اَن سُنی کر دی) کاشفی نے کہا:

چھ روز کے بعد یہ خندق مکمل ہوئی۔ جب قریشِ مکہ یہاں پہنچے خندق کو دیکھ کر کہا کہ یہ عرب کا کام نہیں بہرحال کفار مکہ مجمع الاسیال میں آکر ٹھہرے ادھر بنی قریظہ نے حیی بن اخطب کے کہنے پر حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کے ساتھ معاہدہ توڑ دیا اور چاہا کہ وُہ شہر مدینہ شریف پر حملہ کر دیں اور ان کے اس ارادۂ بد کو پورا کرنے کے لیے قریشِ مکہ کا ایک گروہ بھی ساتھ تھا۔ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود کے نقضِ عہد کی خبر پہنچی تو صحابہ کے لیے پریشانی اور بڑھ گئی مدینہ طیبہ میں ٹھہرے ہوئے بچوں اور عورتوں کی فکر لاحق ہوئی ان کی حفاظت کے لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو بہادر بھیجے تاکہ دشمنوں سے دفاع کر سکیں۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم خندق میں ایک ماہ ٹھہرے رہے۔ یہی قول سب سے قوی ہے۔ اس جنگ میں تیر برسائے جاتے یا پتھر پھینکے جاتے۔ اس کے سوا اور کسی دوسرے طریقے سے جنگ نہیں ہوسکتی تھی۔

دشمنوں کی شکست کے قصے نوفل بن عبداللہ نے جوش میں آکر گھوڑے کو خندق سے عبور کرنے کے لیے چابک مارا تو گھوڑے سمیت خندق میں گر پڑا۔ سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے خندق میں اتر کر تلوار سے اس کے دو ٹکڑے کر دیے۔ ایسے بڑے بڑے بہادروں نے زور آزمائی کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ اپنے گھوڑوں کو زبردستی خندق عبور کرانے کی کوشش کرتے لیکن کامیاب نہ ہوتے۔

عمرو بن ود اور علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا مقابلہ عمرو بن ود بڑا بہادر تھا۔ نوّے سال اس کی عمر تھی۔ خندق کے باہر سے اعلان کیا کہ میرا بالمقابل کون ہے؟ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر جواب میں فرمایا: میں حاضر ہوں۔ عمرو بن ود نے کہا: بھائی! میں آپ کو قتل کرنا نہیں چاہتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، لیکن میں تجھے فی النار والسقر کرنا چاہتا ہوں۔ یہ سُن کر عمرو بن ود کو جوش آگیا بڑا غیور اور بہادر شخص مشہور تھا۔ گھوڑے سے اُتر کر تلوار نیام سے نکالی اور تلوار سورج کی طرح چمکتی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا آپ نے اسے اپنے تیر سے روکا لیکن اس نے تلوار اتنے زور سے ماری کہ حضرت علی کے خود کو چیر کر آپ کے سر مبارک تک پہنچ گئی۔ حضرت علی نے تلوار اس کی گردن کی جگہ پر ایسے زور سے ماری کہ عمرو بن ود کا سر پھٹ گیا۔ وہ گرا تو مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے محسوس فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عمرو بن ود لعین کو قتل کر دیا اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرے۔ اس پر آپ نے فرمایا:

لا فتیٰ الّا علی لا سیف الّا ذوالفقار۔

(نہ کوئی جوان بہادر سوائے علی کے اور نہ کوئی زبردست تلوار سوائے ذوالفقار کے)

جب عمرو بن ود مارا گیا تو کفار شکست کھا کر بھاگے۔

کتنے کافر مارے گئے کشف الاسرار میں ہے کہ احزاب میں تین کافر مارے گئے اور مسلمانوں میں کوئی بھی شہید نہ ہُوا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے اس وقت اعلان کیا کہ کوئی میرے مقابلے کے لیے آئے، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے کے لیے تیار ہو کر میدان میں آگئے۔ جب عبدالرحمٰن نے باپ کا چہرہ دیکھا تو پیچھے ہٹ گیا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پُوچھا گیا کہ اگر تمہارا بیٹا واقعی جنگ کے لیے سامنے آجاتا تو؟ تو آپ نے فرمایا: اس مالک کی قسم جو یگانہ و یکتا ہے میں ضرور مقابلہ کرتا، میں اسے قتل کر دیتا یا وُہ مجھے۔

عصر کی قضا کا بیان اسی خندق میں حضور نبی پاک اور صحابہ کرام کی ایک دن نمازِ عصر رہ گئی تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

شغلونا عن الصّلاۃ الوسطیٰ صلاۃ العصر ملاء اللہ قبورھم و بیوتھم نارا۔

(کافروں نے ہمیں نمازِ عصر سے باز رکھا اللہ تعالیٰ ان کی قبریں اور ان کے گھر آگ سے بھر دے)

اس کے بعد آپ نے ان کے لیے دارین کی بربادی کی دُعا کی، دنیا میں یُوں کہ ان کے گھر برباد ہوں یعنی فتنوں میں مبتلا ہوں، اسے نار سے استعارہ کیا اور مرنے کے بعد ان کی قبور آگ سے پُر ہوں۔

حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا وعظ اور دعا برائے صحابہ اس کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر صحابہ کرام کو فرمایا کہ دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنے کی دعا نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگو۔ اگر دشمن کا مقابلہ ہو تو صبر کرنا۔ یقین کرو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔ یعنی تلوار کی ضرب بہشت کے داخلے کا سبب ہے۔

اس کے بعد آپ نے احزاب والوں کے لیے دعا کی:

اللھم منزل الکتٰب سریع الحساب اھزم الاحزاب اللھم اھزمھم وانصرنا علیھم وزلزلھم۔

(اے کتاب نازل کرنے والے اور جلد حساب لینے والے! احزاب کو شکست دے۔ اے اللہ! انھیں شکست دے اور ان پر ہماری مدد فرما اور ان کو زلزلہ میں مبتلا فرما)

دیگر دُعا ایک اور دعا فرمائی:

اللھم یا صریخ المکروبین یا مجیب المضطرین اکشف ھمی وغمی وکربی فانک تری ما نزل بی وباصحابی۔

(اے دُکھ والوں کے فریاد رس اور پریشانوں کی پریشانی دور کرنے والے! میرا غم و ہم اور دُکھ دُور کرنا، تُو دیکھ رہا ہے کہ مجھ پر اور میرے یاروں پر کیا مشکل پڑی ہے)

صحابہ کا وظیفہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اس وقت ہم کیا پڑھیں جب کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہماری جان لبوں پر ہے۔

آپ نے فرمایا: ہاں، تم یہ دُعا پڑھو:

اللھم استر عوراتنا و آمن روعاتنا۔

(اے اللہ! ہماری پردہ پوشی فرما اور ہمیں خوف و خطر سے امن دے)

دعا مستجاب اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا مستجاب فرمائی۔ چنانچہ بُدھ کے دن ظہر و عصر کے درمیان حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشخبری سُنائی کہ اللہ تعالیٰ کافروں پر آندھی اور ایسے لشکر بھیجے گا جنہیں وہ دیکھ نہ سکیں گے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یاروں کو نوید سنائی تو وہ خوش ہوگئے۔ آپ اپنا دستِ مبارک آسمان کی طرف اٹھا کر فرماتے تھے:

شکراً شکراً۔ (شکریہ، شکریہ!)
چنانچہ اگلے مضمون میں اللہ تعالیٰ نے تفصیل مذکور بیان فرمائی یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ

؎ بعض باتیں تفسیر میں مذکور نہیں۔ فقیر اویسی غفرلہٗ عرض کرتا ہے: جس دن سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عمرو بن ود قریشی کا ڈکو مارا۔ وہ دن بہت سخت حملے کا تھا۔ دشمن ہر طرف سے پتھر برسا رہے تھے اور مسلمان ڈٹ کر خندق کے اندر سے مقابلہ کر رہے تھے۔

تمام مسلمان خواتین کو ایک بڑی حویلی میں جمع کر دیا گیا تھا۔ یہ مکان یہودی قبیلہ بنی قریظہ کے محلہ کے قریب تھا بنی قریظہ نے یہ دیکھ کر کہ مسلمان تو اس طرف پھنسے ہوئے ہیں اس پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔ ایک یہودی حالات معلوم کرنے کے لیے قلعہ کے دروازے پر پہنچا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی یعنی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے یہودی کو دروازے کے قریب دیکھا تو معاملہ کو بھانپ گئیں۔ انھوں نے لکڑی کا ایک بھاری لٹھ اٹھایا اور اس کے سر پر ایسا مارا کہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ پھر اس کا سر کاٹ کر دروازے کے سامنے پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر بنی قریظہ سمجھے کہ یہاں بھی کچھ فوج ہے۔ اس لیے ادھر رُخ کرنے کی ہمت نہ کی۔

یہودیوں کا محاصرہ کافی طول پکڑ گیا تو دشمن کے قبیلوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ انھی دنوں میں ایک رات ایسی آندھی چلی کہ دشمنوں کے خیموں کی رسیاں اُکھڑ گئیں۔ کھانے کی ہانڈیاں چولھوں پر اُلٹ گئیں۔ ان واقعات سے دشمن سخت بددل ہو گئے اور ایک ایک کر کے واپس جانے لگے۔

یہ دیکھ کر قریش نے بھی محاصرہ چھوڑ دیا اور اس طرح بیس بائیس دن کے بعد مدینہ کی سرزمین دشمنوں کے وجود سے پاک ہو گئی۔ خیبر کے یہود اور مکہ کے قریش کی ناکامی کا اثر ملک پر بہت گہرا پڑا۔ مسلمانوں کی جنگی قابلیت کا سکہ عربوں کے دلوں پر بیٹھ گیا۔

اس لڑائی کو غزوۂ خندق اور غزوۂ احزاب کہتے ہیں۔ خندق اس لیے کہ مدینہ کی حفاظت کے لیے خندق کھودی گئی تھی۔ اور احزاب اس لیے کہ بہت سی فوجیں متحد ہو کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئی تھیں۔

غزوۂ خندق کے موقع پر یہودیوں کے آخری قبیلہ نے بھی غداری کی، مکہ کے کافروں کا باقاعدہ ساتھ دیا اور پھر عورتوں کے قلعہ پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ دونوں جُرم ناقابلِ معافی تھے۔ کفار کی طرف سے فارغ ہو کر مسلمانوں نے بنی قریظہ کو گھیر لیا۔ یہودی قلعہ بند ہو گئے۔ ایک ماہ تک محاصرہ جاری رہا۔ آخر ان کے سرداروں نے ہتھیار ڈال دیئے۔

اب سوال یہ تھا کہ یہودیوں کے اس آخری قبیلے سے کیا سلوک کیا جائے۔ انھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمارا فیصلہ سعد بن معاذ سے کرایا جائے۔ فیصلہ کی تفصیل آگے آئے گی اِن شاء اللہ۔
(اویسی غفرلہٗ)

عَلَیْکُمْ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو جو تم پر ہیں۔ نعمتوں کو یاد کرنے سے اس کا شکر مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے انعام کو یاد کرو اس نے تمہیں فتح و نصرت بخشی۔ اِذْ ظرف ہے نعمۃ کے لیے ،جبکہ جَآءَتْکُمْ تمہارے پاس آئے جُنُوْدٌ کافروں کے لشکر آئے۔ اس سے وہ قریش و غطفان وغیرہ کے احزاب مراد ہیں عسکر (لشکر) کو جُند کہا جاتا ہے اس کے غلیظ ہونے کی وجہ سے دراصل جند وہ ارض غلیظہ جس میں پتھر ہوں۔ استعارۃً ہر مجتمع کو جند کہا جانے لگا۔

کہا جاتا ہے:

الارواح جُنُودٌ مُّجَنَّدۃ۔ (ارواح ایک مجتمع لشکر تھا)

فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ تو ہم نے اسم قہار کی جانب سے رات کے وقت بھیجی۔ اس کا عطف جاء تکم الخ پر ہے۔

رِیْحًا بادِ صبا۔ یہ ہوا مشرق سے اور دبور مغرب سے چلتی ہے۔

بے ادبی کی سزا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بادِ صبا نے دبور سے کہا چلئے مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کی مدد کریں۔ جواب دیا کہ آزاد ہوائیں رات کو نہیں چلتیں۔ (گویا اس سے اس نے اپنی بڑائی دکھائی جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کا شائبہ ہوا) اللہ تعالیٰ دبور پر ناراض ہوگیا کہ اسے تادمِ زلیست عقیم (فائدہ سے محروم) بنا دیا۔

حدیث شریف

اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نصرتُ بالصبا و اھلکت عاد بالدبور۔ (میں صبا سے مدد دیا گیا اور عاد کی قوم دبور سے تباہ و برباد ہوئی)

وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْھَا اور ایسا لشکر جسے تم نے نہ دیکھا۔ اس سے فرشتے مراد ہیں جن کی تعداد ایک ہزار تھی۔

غزوہ خندق میں مشرکین کی تباہی و بربادی

مروی ہے کہ رات کو سخت سرد ہوا چلی جو صرف مشرکین کے لشکر تک محدود رہی، سردی کے علاوہ ان کو گرد و غبار سے بھر دیا۔ ملائکہ نے خدا کے حکم سے ان کے خیموں کی میخیں اکھاڑ دیں، جن سے طنابیں کٹ گئیں اور آگ بجھ گئی، ان کی ہانڈیاں الٹ گئیں اور ان کے دلوں پر رُعب چھا گیا اور فرشتوں نے ان کے لشکر کے اردگرد نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے اور ہتھیاروں جیسی آوازیں ان کے کانوں میں ڈالیں۔ اس سے ان کے گھوڑے بدکتے ہوئے بھاگے۔ اس پر ہر قبیلے کا سردار پکار کر کہتا، ادھر آؤ۔ جب ایک جگہ جمع ہو گئے بالاتفاق کہا:

النجا، النجا۔ یعنی یہاں سے جلدی نکلو۔

اُنھوں نے یہ سمجھا کہ ان پر جادو چل گیا ہے۔ اس طرح جنگ کے بغیر شکست کھا کر رات کے وقت بھاگ نکلے اور جو سامانِ حرب وغیرہ ساتھ لائے تھے سارے کا سارا وہیں چھوڑ گئے (جو مسلمانوں میں مالِ غنیمت بن کر تقسیم ہوا)

وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۞ اور اللہ تعالیٰ اس عمل کو جسے تم کرتے ہو، مثلاً خندق کھودنا اور سامانِ جنگ کا مرتب کرنا۔ بصیرا دیکھنے والا۔ اسی لیے جو کچھ کیا اس پر تمہاری مدد فرمائی اور ان کے شر سے تمہیں بچایا۔ اس لیے تمہیں اس کا شکر کرنا چاہیے کہ یہ بہت بڑی نعمت ہے۔ اسی لیے زبان سے، دل سے، اعضاء سے اس کا شکر کرو۔

ف: زبان کا شکر یہ ہے کہ ہمیشہ خدا کو یاد کرو جب اس کی طرف سے کوئی نعمت عطا ہو تو فوراً کہو الحمد للہ۔ دل کا شکر یہ ہے کہ خلقِ خدا کی خیر چاہو کسی کی نعمت پر حسد نہ کرو۔ اور اعضاء کا شکر یہ ہے کہ ہر عضو کو اس کام میں لگاؤ جس کے لیے انہیں پیدا کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر عضو کو آخرت کے لیے پیدا کیا ہے ؎

عطا ییست ہر موے از و بر تنم
چگونہ بہر موئے شکرے کنم

ترجمہ: میرے جسم پر ہر بال اس کی عطا ہے تو ہر بال کی نعمت کا شکر میں کس طرح ادا کرسکتا ہوں!

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں ظاہری باطنی نعمتوں کی طرف اشارہ ہے:

(۱) اس نے ہمیں کتمِ عدم سے نکال کر وجود بخشا۔

(۲) عدم سے نکالنے کے بعد ارواح طاہرہ انسانیہ مع احسن تقویم جیسی صورت عطا فرمائی، نہ حیوان بنایا نہ نباتات اور نہ جمادات۔

(۳) یوم میثاق میں "الستُ بربکم" کے خطاب سے نواز کر اس کے سُننے کی اور سُن کر صحیح جواب دینے کی بھی توفیق بخشی۔

(۴) قالبِ انسانی میں بھیجنے کے وقت نفخہ خاصہ سے نوازا تاکہ یہ بمنزلہ سماویہ و کوکبیہ و جنیہ و شیطانیہ و ناریہ و ہوائیہ، ارضیہ، نباتیہ، حیوانیہ وغیرہ کے نہ ہو اسی لیے خصوصیت سے مقام انسانیہ میں مقام بخشا۔

(۵) اپنے دستِ قدرت سے انسان کے ڈھانچے کا گارا خود تیار کیا پھر ارحام میں اسے خصوصی صورت کا نقش دیا اور بہترین ڈھانچہ تیار کر کے اس میں رُوح پھونکی۔

(۶) انسانی روح کی خصوصیت کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔ کما قال: من روحی۔ یہ وہ شرافت و عظمت ہے جو کسی بھی ملک مقرب کو نصیب نہیں ہوئی۔

(۷) ماں کے پیٹ سے نکلا جہاں کوئی علم نہ تھا کہ کیا ہوگا، پھر خصوصی الہامات سے دنیا کی معاشں کے اسباب بتائے۔

(۸) فجور و تقویٰ کا الہام فرمایا تاکہ قیامت میں لوٹنے سے پہلے تم صحیح اور سیدھا راستہ پاسکو۔

(۹) تمہارے ہاں انبیاء و رسل علیہم السلام بھیجے تاکہ تمہیں ظلماتِ خلقیہ سے نکال کر نورِ خالقیہ تک پہنچائے۔

(۱۰) ایمان، ایقان، احسان، عرفان، عیان، عین کی دولتیں بخشیں بلکہ ہر سوال کے مطابق عطا بخشی۔
انعامات کا سرتاج انعام ہے ویسے اس کی اتنی نعمتیں ہیں کہ ہم انھیں گن نہیں سکتے۔ اس نے نعمت کو اس کی عبودیت میں استعمال کرنے کا بھی طریقہ بتایا ہے تاکہ نعمت کے شکر کی ادائیگی ہو اور وہ شکر نعمت رؤیت نعمت کا نام ہے اور رؤیت نعمت یہ ہے کہ اس دینے والے نے اس کی ادائیگی کی توفیق بخشی ہے کہ یہ عقیدہ دیا ہے کہ ہم اس کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکتے کیونکہ اس کی نعمتیں غیر متناہی ہیں اور شکر انسانی منتہی ہے اپنے میں ادائیگی شکر کے عجز کا اظہار بھی ادائیگی شکر ہے۔ اور یہ بھی ادائیگی شکر ہے کہ سابق زمانہ میں جو اس نے تم سے کئی طرح کی بلاؤں اور مصائب و مشکلات کو دفع فرمایا منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے جس کا ذکر اذ جاء تکم الخ میں ہے کہ اے انسان! جب تیرے پاس شیاطین اور صفات نفس و صفات دنیا کے لشکر اور دنیا کی زینت نے تجھ پر حملہ کیا تو ہم نے ان پر اپنے قہر کے روک تھام کرنے والے بھیجے اور ایسا لشکر اپنی حفاظت و عصمت کا بھیجا کہ جسے تم نہیں دیکھ سکتے تھے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال مثلاً دنیا اور اس کی شہوات کی طرف تمہارے جھکاؤ کو دیکھتا ہے۔ وہی ان بلاؤں اور مصیبتوں کو بندے سے دفع کرے گا جس کا بندے کو علم تک نہ ہوگا کیونکہ بہت سے امور میں بندہ مشغول ہوتا ہے اور وہ مشغولیت اس کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس سے اس کے نقصانات دفع کرتا ہے جن کا اسے علم تک نہیں ہوتا۔ ایسے ہی بہت سے امور میں بندہ گھبرا جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کاش یہ آسان ہو جائے حالانکہ وہ آسانی اس کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے اسی لئے اپنی رحمت سے بندے کو ان امور میں رکھ کر اس کا فائدہ کرتا ہے یہ اس کی خاص عنایت و رحمت ہے کہ بندے کو خبر بھی نہیں اور اس کے لیے خیر و بھلائی ہو رہی ہے ؎

۱ ہرچہ آمد ز آسمان قضا
بقضا می نگر بعین رضا

۲ خوش دل شو ز ماجرائے قلم
زانکہ حق از تو بحالت اعلم

ترجمہ: (۱) جو آسمان سے قضا آئے اسے عین رضا سے دیکھ۔
(۲) تقدیر کے قلم پر خوش دل ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تیرے حال کو تجھ سے زیادہ جانتا ہے۔

تفسیر عالمانہ اِذْ جَآءُوْكُمْ یہ اذ جاء تکم الخ سے بدل ہے یعنی یاد کرو جب تمہارے پاس آئے مِّنْ فَوْقِكُمْ تمہاری اُوپر کی جانب سے یعنی وادی کی اعلیٰ یعنی مشرق کی طرف سے، اس سے بنو غطفان اور ان کے تابعین نجدی مراد ہیں۔ ان کا قائد عُیینہ بن حصین الفزاری اور عامر بن الطفیل تھا انہی کے ساتھ یہودی تھے وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ اور تمہاری نچلی طرف سے یعنی وادی کی غربی جانب سے۔ اس سے قریش مراد ہیں اور وہ دیگر جماعات متفرقہ جو ان کے تابع ہو کر آئیں ان کا قائد ابوسفیان تھا۔

ف : نیز فوق سے آفاتِ سماویہ اور اسفل سے متولدات بشریہ مراد ہوسکتی ہیں کیونکہ یہ بھی منجملہ بلاد قضا ہیں۔

وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ اس کا عطف ماقبل پر ہے اور یہ بھی تذکیر (یاد دہانی) کے احکام میں ہے۔ زایغ بمعنے استقامت سے جھک جانا۔

امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا: اس سے وہ خوف بھی مراد ہوسکتا ہے جو انھیں کافروں کی وجہ سے ہوا یہاں تک کہ ان کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا نیز یرونہم مثلیھم رای العین کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے۔ البصر عضوِ خاص جس سے انسان دیکھتا ہے۔

اب معنٰی یہ ہُوا کہ یاد کرو اس وقت کو جب تمہاری آنکھیں حیرت اور خطرے سے سیدھی نظر دیکھنے سے ہٹ گئیں جب تم نے کفار کی فوج اور اس کی کثرت کو دیکھا کیونکہ قریشِ مکّہ کے ساتھ اس وقت تین سو گھوڑے اور پانچسو اُونٹ تھے۔

ف : بعض مفسرین نے کہا اس سے منافقین مراد ہیں کیونکہ وہی بہت زیادہ ڈرپوک تھے لیکن مؤمن بھی مراد ہوں تو کوئی حرج نہیں کیونکہ ضعفِ انسانیہ کا تقاضا یہی ہے کہ مصائب و تکالیف کے وقت اس کی یہی حالت ہو اور یہ قوتِ یقین کے منافی نہیں اور نہ ہی کمال اعتماد علٰی رب العالمین کے خلاف ہے جیسا کہ آنے والے مضامین بتاتے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالٰی نے قرآن مجید میں دُوسرے مقام پر فرمایا:

حتی یقول الرسول والذین اٰمنوا معہ متی نصر اللہ۔

(یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی مومنین کہتے کہ اللہ تعالٰے کی مدد کب آئے گی)

جیسا کہ سورۃ بقرہ میں گزر چکا ہے۔

وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ اور پہنچ گئے قلوب حنجروں تک۔

حلِ لغات : الحناجر، حنجرہ کی جمع ہے منتہائے حلقوم اور کھانے پینے کے داخل ہونے کی جگہ یعنی رعب کی وجہ سے قلوب حلقوم تک پہنچ گئے اور غم لاحق تھا اور یہ عام ہے کہ جب پھیپھڑے غم اور گھبراہٹ سے پھولتے ہیں تو اُوپر اٹھنے سے دل بھی اوپر حلقوم تک پہنچ جاتا ہے جیسا کہ عموماً غلبۂ سودا سے خفقان کے مرض میں دیکھا جاتا ہے۔

ف : حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کا معنٰی یہ ہے کہ دل اپنی جگہ سے ہٹ گئے اگر ان کے آگے حلقوم نہ ہوتے تو وہ نکل کر باہر آجاتے۔

بعض نے کہا اس کا معنٰی یہ ہے کہ قریب تھا کہ دل یہاں تک پہنچ جاتے کیونکہ جب دل حلقوم تک پہنچ جائے تو انسان مرجاتا ہے اس معنی پر یہ انسان کے اضطراب کی تمثیل ہے اگرچہ دل حقیقۃً حلقوم تک نہیں پہنچے۔

اہلِ ایمان کو دو وجہوں سے خوف ہوا :

خوف کی وجہ (۱) احزاب بہت سے گروہوں کے اتفاق و اجماع سے گھبرائے۔

(۲) اپنی اولاد کے لیے گھبرا گئے جو مدینہ طیبہ میں تھے کہ خدانخواستہ اگر بنو قریظہ بھی عہد توڑ کر اپنے بچوں پر حملہ کردے تو پھر کیا ہوگا ایسے ہی خود بھی شدید سردی کے علاوہ بھوک میں مبتلا تھے جیسا کہ بعض صحابہ نے کہا : ہم نے تین دن تک کچھ نہ کھایا اور بھوک سے خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیٹ مبارک پر پتھر باندھا۔

اور یہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے منافی نہیں :

ازالہ وہم انی لست مثلکم انی ابیت عند ربی یطعمنی ربی ویسقینی۔

(میں تمہاری مثل نہیں میں اپنے رب کے ہاں رات گزارتا ہوں ، میرا رب ہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے)

اس لیے کہ کبھی کبھی ثواب کے اظہار کی عظمت کی خاطر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے کر لیتے تھے۔

نکتہ بشریت بعض عارفین رحمہم اللہ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹ مبارک پر پتھر باندھنا بسبب بھوک کے نہ تھا بلکہ کمال لطافت سے تھا کہ کہیں آپ کی بشریت مبارکہ ملکوت کی طرف نہ چلی جائے بلکہ اسے ارشادِ خلق کے لیے یہاں زمین پر رہنا چاہیے (اور یہی بات حق ہے کیونکہ) جس کے دریائے فیض کے سامنے دنیا و ما فیہا ایک قطرے سے بھی کم ہو اسے ایسی باتوں کی کیا ضرورت - لیکن ایسے مصائب و تکالیف کے وقت صبر سے کام لینا اس کا مقام ہے جسے رب رحمٰن کی عظمت حاصل ہو ؎

در بزم احتشام تو سیارہ ہفت جام
بر مطبخ نوال تو با فلاک نہ طبق

ترجمہ : تیری باحشمت بزم میں سات ستارے ایک پیالہ ہیں۔ تیری عطا کے مطبخ میں ساتوں آسمان تیرا دستر خوان ہیں۔

وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ اے وہ لوگو جو ایمان کے مدعی ہو تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ گمان کرتے ہو **الظُّنُوْنَا** ۝ مختلف قسم کے گمان ، یہاں پر مخلصین اور وہ حضرات جن کے قلوب مضبوط اور وہ اللہ پر پورا یقین کرنے والے تھے کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا کہ اس نے دینِ اسلام کو بلند کرنا ہے یا ہمارا امتحان ہے اسی کش مکش میں وہ حضرات ڈگمگانے سے خوف زدہ تھے اور انھیں خطرہ تھا کہ کہیں اُحد (جنگ) جیسا حال نہ ہو جائے۔ اور منافقین اور کمزور دل والوں نے وہی کہا جو مذکور ہوا کہ ہائے اب ہم نہ بچ سکیں گے یہ ان کا غلط خیال تھا۔

ف : اس جملہ کا عطف زاغت پر ہے لیکن مضارع کا صیغہ استحضار صورت اور دلالت علی الاستمرار کے لیے ہے۔

ف : الظنونا ، السبیلا ، الرسولا میں الف کا ہونا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے صحیفہ کے عین

مطابق ہے کیونکہ اس میں ایسے تھا نو تا قیامت تمام قرآن مجید کے نسخوں میں اسی طرح رکھا گیا یعنی جب وقف ہوگا تو الف ہوگا وقف کے بجائے وصل یعنی آگے ملا کر پڑھا جائے گا تو الف نہ پڑھنا ہوگا۔ وقف و وصل میں الظنون بھی پڑھا گیا ہے یعنی اشباع کا ترک کرکے الف کو حذف کر دینا اور یہی اصل ہے اور الف بڑھانے کا قیاس یہ ہے ایسا الف زایدہ ہے اور صرف فواصل کی وجہ سے لایا جاتا ہے تاکہ قوافی سے تشبیہ ہو کیونکہ بلغاء قوافی میں الف کو فتح سے مشابہت کی وجہ سے الف کا اضافہ کرتے ہیں۔

هُنَالِكَ یہ مابعد کے لیے ظرف زمان یا مکان ہے اہلِ عرب کا قاعدہ ہے کہ مکان سے زمان اور زمان سے مکان مراد لیتے رہتے ہیں۔ اب دونوں معنے ہوسکتے ہیں یعنی اس وقت ڈراؤنے وقت میں یا ڈگمگانے والی جگہ میں کہ جہاں بڑے سمجھداروں کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ رعب اور جنگ سے رکنے سے اہلِ ایمان کی آزمائش کی گئی یعنی ان کے ساتھ ایسے شخص جیسا معاملہ کیا گیا جس کا امتحان ہو تاکہ مخلص اور منافق کھل کر سامنے آجائیں اور یقین ہو جائے کہ ان میں پکا مومن کون ہے اور متزلزل کون وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۞

حلِ لغات : زلزال، زلت سے ہے بمعنے بلاارادہ کسی کا لڑھکنا۔ زلۃ الرجل سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ایسے ہی التزلزل بمعنے اضطراب۔ ایسے ہی الزلزلہ بمعنے شدۃ الحرکۃ اور حروف کا تکرار معنی کے تکرار پر دلالت کرتا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ حرکوا تحریکاً شدیداً و ازعجوا ازعاجا قویا یعنی اس لیے کہ خائف سخت قلق میں مضطرب ہوتا ہے اسی لیے وہ ایک جگہ نہیں ٹھہرتا۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ اسی لیے عجمی کہتے ہیں فلاں کو غصہ یا خوف یا شرمساری سے اپنی جگہ سے لے گئے۔ حضرت کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ یہ اپنی جگہ سے ہٹ گئے بمنزلہ ان لوگوں کے جو این المفر کے سفر کا عزم رکھتے ہیں اور بے صبر لوگ سنن المرسلین سے ہٹ کر اوراق فرار کا تکرار کرتے ہیں ؎

آرام ز دل شد و دل از جائے
ہوش از سر رفت و قوت از پائے

ترجمہ : آرام تو دل سے ہوتا ہے لیکن دل اپنی جگہ پہ نہیں ہوش سر سے گر گیا اور قوت پاؤں سے۔

اعجوبہ یہ صحیح ہے کہ اس وقت جن کے دل میں کھوٹ تھا وُہ بھاگ کر مدینہ (شہر) میں پہنچ گئے اور جن کے دل پختہ اور مضبوط تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

ف : اگرچہ یہ حالت اضطرابی کا بیان ہے مگر یہ انھیں ابتداء میں تھا۔ بعد کو اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ مرحلہ آسان کر دیا تو پھر ان کی یہ کیفیت نہ تھی۔ ان سے غم کے بادل چھٹ گئے اور ان کے دلوں پہ سکینہ کے چشمے پھوٹ

پڑے پھر تو شاد و مسرور تھے۔

اور یہ اللہ تعالیٰ کی عادتِ کریمہ ہے کہ غم دے کر خوشی بخشتا ہے لیکن صرف مخلصین کو۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
فراولیس اعلیٰ میں بہت بڑے درجات و منازل ہیں بندہ از خود وہاں نہیں پہنچ سکتا جب تک مصائب و بلایا میں مبتلا نہ ہو نیز یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذریتِ آدم کو ایک ہزار قسم کا بنایا ان سے ازراہِ محبت دنیا کو سنگار کر پیش کر دیا، جو دنیا کے عاشق تھے وہ دنیا کے نقش و نگار اور زیب و زینت میں مست ہو گئے۔ صرف ایک گروہ ایسا تھا جس نے دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ اس ایک گروہ کو ہزار قسم پر منقسم فرمایا ان کے سامنے آخرت کی بے شمار رنگینیاں اور نعمتیں پیش کیں۔ کہیں بہشتی درختوں کے سائے تو کہیں چھلکتا شراب اور کہیں حور و قصور، تو وہ ان کے شیفتہ ہو گئے۔ لیکن ان میں سے ایک گروہ ایسا تھا جس نے بہشت کی طرف معمولی سی بھی توجہ نہ کی بلکہ وہ اسی طرح عشق و محبتِ خداوندی میں سرمست کھڑے رہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی: تم کیا چاہتے ہو؟ وہ عرض کریں گے:

انك تعلم ما نريد۔ (تو ہی جانتا ہے جو کچھ ہم چاہتے ہیں)

اے اللہ! ہم بے زبان ہیں تُو ہی عالم الخفایا والاسرار ہے تو ہی خود جانتا ہے تُو ہمارا مقصود ہے ؎

ما را ز جہانیاں شماری دگر ست
در سر بجز از بادہ خماری دگر ست

ترجمہ:

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو امتحان گاہوں اور ہلاکت گاہوں اور تکالیف کے جنگلات میں پہنچاتا ہے تاکہ ان کی آزمائش ہو۔ ہم عوام تو ایسی تکالیف برداشت نہیں کر سکتے جیسے وہ حضرات برداشت کرتے ہیں۔ بلکہ وہ ایسی تکالیف کو راحتِ جان سمجھتے ہیں اور اپنے محبوب سے یوں عرض کرتے ہیں: ؎

۱ من کہ باشم بہ تن رخت وفائے تو کشم
دیدۂ جمال کنم بار جفائے تو کشم

۲ گر تو بر من بہ تن و جان و دلے حکم کنی
ہر سہ را رقص کناں پیش ہوائے تو کنم

ترجمہ: (۱) میں کون ہوں کہ تیری وفا کا دم بھروں۔ دیدۂ جمال سے سرشار رہوں اور جفا کا بوجھ اٹھاؤں۔

(۲) ہاں اگر تیرا حکم ہو تو جسم و جان اور دل تینوں رقص کرتے ہوئے تیرے حوالہ ہوں۔

ایسے حضرات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اولئك عبادی حقا (یہی میرے حقیقی بندے ہیں)

ف ، درد کی قدر و قیمت وہی جانتا ہے جو درد کو سمجھتا ہے۔ جو اسے پہچانتا ہی نہیں اسے درد کی قدر و منزلت کا کیا علم ہے۔

جامیا دل بغم و درد نہ اندر رہ عشق
کہ نشد مرد رہ آنکس کہ نہ این درد کشید

ترجمہ : اے جامی! رہِ عشق میں غم اور درد دل میں نہ رکھ کیونکہ وہ کون سا مرد ہے جس نے اس راہ میں درد نہ اٹھایا ہو۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوسفیان کی خط و کتابت

ابوسفیان نے غزوۂ احزاب سے بھاگنے کے بعد ایک خط حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لکھا جس کا مضمون یہ تھا :

"باسمك اللهم (اے اللہ تیرے نام سے شروع کرتا ہوں) مجھے قسم ہے لات وعزّیٰ و اساف و نائلہ اور ہبل کی کہ میں اور دوسرے گروہ محض اس لیے تمہاری طرف گئے تھے کہ تمہاری جڑ کاٹ کر ہی واپس آئیں لیکن تم نے ہمارا مقابلہ نہ کرنا چاہا اور پناہ لے کر خندق میں چھپ بیٹھے۔ ایک روایت میں ہے کہ تم تو ایک لکڑ دانی میں چھپے جسے اہل عرب نہیں جانتے وہ تو تیر و تلوار کے سایہ کو جانتے ہیں۔ (گویا اس نے اس سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بزدلی کا طعنہ دیا) اور جو کچھ تم نے کیا ہے ہمارے سامنے سے بھاگنے کا نمونہ ظاہر کیا اور ہمارا ملنا تمہارے لئے ایک سخت کام محسوس ہوا اب ہم تمہیں وہ دن دکھائیں گے جیسے اُحد کا دن دیکھا تھا۔"

اس کے جواب میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لکھا :

"ای بعد بسم الله الرحمٰن الرحیم ، من محمد رسول الله الی صخر بن حرب فقد اتانی کتابك وقدیما غرّك بالله الغرور اما ما ذکرت انك سرت الینا وانت لا ترید ان تعود حتی تستأصلنا فذلك امر یحول الله بینك وبینه ویجعل لنا العاقبة ولیأتین علیك یوم اکثر فیه اللات والعزی واساف ونائلة وحبل اذکرك یا سفیه بنی غالب۔"

(بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد، یہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے صخر بن حرب کی طرف خط ہے تیرا خط آیا تجھے عرصہ سے دھوکہ ہے کیا تجھے یاد ہے کہ تو ایک دفعہ اس ارادہ پر آیا تھا کہ ان کی بیخ کنی کر کے لوٹوں گا۔ لیکن حکم اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس نے ہمیں اچھا انجام بخشا تجھ پر ایک وقت آئے گا کہ تجھے تیرے بُت ملامت کریں گے اور یہ میں تجھے یاد دلاؤں گا اے بنو غالب کے قبیلہ کے بے وقوف!)

ف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حق کی راہ میں سخت تکالیف برداشت کیں یہاں تک کہ مکہ فتح ہوا اور اسلام کو وسعت ملی اور بہت سے ملک اسلام کے زیر تسلط آگئے۔

وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ اور جب منافقوں نے کہا۔ اس کا عطف اذ زاغت پر ہے اور صیغہ مضارع (بمعنے ماضی) قول اور اس کی صورت کے استحضار پر دلالت کے لیے ہے وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اور جن کے قلوب میں مرض ہے یعنی ضعیف الاعتقاد ہیں۔

سوال : منافقین اور مریض القلب میں کیا فرق ہے ؟

جواب : منافق وہ ہے جسے تکذیب کے بعد شک بھی نہ ہو کہ اس نے جو کچھ کیا ہے وہ غلط ہے۔ اور مریض القلب وہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ومن الناس من یعبد اللہ علی حرف فان اصابہ خیرا طمأن بہ وان اصابتہ فتنۃ انقلب علی وجہہ۔ کذا فی اسئلۃ المقحمہ

(اور بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کنارہ پر کرتے ہیں اگر انھیں بھلائی (مال وغیرہ) پہنچے تو مطمئن ہو جاتے ہیں اور اگر انہیں فتنہ (آزمائش) ہو تو وہ اپنے چہرے کی طرف لوٹ جاتے ہیں یعنی بدل جاتے ہیں)

اقسامِ مرض

مرض بمعنے اعتدالِ خاص سے نکل جانا۔ یہ دو قسم ہے :

(۱) جسمانی

(۲) نفسانی

نفسانی جیسے جہل، بزدلی، منافقت و دیگر رذائل مخرب الاخلاق۔ اور منافقت و کفر کو مرض سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس میں یہ بیماری ہو وہ فضائل کے ادراک سے محروم رہتا ہے جیسے جسمانی مریض تصرف کامل سے محروم ہوتا ہے یا اس لیے کہ منافقت حیاتِ اُخرویہ کی تحصیل سے روکتی ہے۔ حیاتِ اُخرویہ کا ذکر اس آیت میں ہے :

وان الدار الآخرۃ لھی الحیوان۔

(بے شک دارِ آخرت ہی حقیقی زندگی ہے)

یا اس لیے کہ منافقت میں نفس کا میلان اعتقادیات ردیہ کی طرف ہوتا ہے جیسے مرض جسمانی میں بدن مضرات (ضرر رساں اشیاء) سے خراب ہو جاتا ہے ایسے ہی روح اعتقادات ردی سے۔

مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ ہمیں اللہ و رسول نے ظفر و اعلائے دین کا جو وعدہ دیا تھا۔

ف : رسولہ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ورنہ وہ تو صرف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا کرتے تھے کیونکہ انھیں

آپ کی رسالت پر ایمان نہیں تھا اس لیے وہ رسولہٗ کیسے کہتے۔

اِلَّا غُرُوْرًا ○ مگر دھوکہ (بالضم) بمعنے دھوکہ۔ اس کا قائل معتب بن قشیر اور اس کے متبعین جیساکہ گزرا۔ وَاِذْقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اور جب کہا ان کے ایک گروہ نے۔ اس سے اوس بن قیظی اور اس کے متبعین مراد ہیں۔ اور یاد کرو جب کہا ان کے ایک گروہ نے یعنی منافقین نے کہا یٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ اے یثرب (مدینہ) والو۔ یثرب، مدینہ طیبہ کا ایک نام ہے تعریف اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہے اور اس میں تانیث بھی ہے۔

مسئلہ: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کو یثرب کہنے سے روکا تھا بلکہ فرمایا وہ طیبہ ہے، طابہ ہے اور مدینہ ہے۔ گویا آپ اپنے مدینہ پاک کے لیے یثرب کہنے کو مکروہ سمجھتے تھے کیونکہ یثرب بروزن تفعل تثریب سے ہے بمعنے ملامت۔ اکثر اس کا اطلاق مکروہ امور پر ہوتا ہے۔ اسی لیے حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے اس کی نفی فرمائی۔ چنانچہ فرمایا:

لا تثریب علیکم الیوم۔

چونکہ منافقین نے مخالفت کے طور مدینہ پر یثرب کا اطلاق کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی حکایت کے طور یثرب فرما دیا۔

یثرب کی وجہ تسمیہ حضرت امام سہیلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عمالیق سے جو اس شہر میں آکر آباد ہوا اس کا نام یثرب بن عبیل بن مہلاییل بن عوص بن عملاق ابن لاود بن ارم تھا اور یہ عبیل وہی قبیلہ ہے جو جحفہ میں ٹھہرا، یہی اہلِ شام کا میقات ہے۔ چونکہ انھیں پانی بہا کر لے گیا اسی لیے اس نام سے موسوم ہوا۔

بعض نے کہا کہ یہ ثرب (بالتحریک) بمعنے فساد سے ہے۔ ہوا کی بدبو اور کثرتِ بخار کی وجہ سے یہ شہر فساد و ملامت سے مشہور تھا۔ اسی لیے اس نام سے موسوم ہوا۔

مدینہ طیبہ کی وجہ تسمیہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے اس کا نام طیبہ رکھا بروزن بصرہ۔

واہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا اس شخص کے بارے میں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ پاک کی مٹی کو ردی کہے، یہ حکم ہے کہ اسے تیس کوڑے مارے جائیں اور قید میں رکھا جائے۔ اور فرمایا: ایسا بدبخت انسان گردن اڑا دینے کے لائق ہے جو اس مبارک مٹی کو ردی کہتا ہے جس میں خدا تعالیٰ کا محبوب آرام فرماتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

من سمی المدینة بیثرب فلیستغفر اللہ فلیستغفر اللہ

هي طيبة هي طيبة ۔

(جو شخص مدینہ کو یثرب کہے اسے چاہیے کہ دو بار استغفار کرکے دو بار کہے طیبہ طیبہ)

سوال : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یثرب کہا ہے چنانچہ فرمایا :

لا ارا ھا الا یثرب ۔

(میں تو اپنی ہجرت یثرب کی طرف خیال کرتا ہوں)

جواب : یہ آپ نے ورود سے پہلے فرمایا تھا ۔

ف : اسے طیبہ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جو بھی اس میں اقامت رکھتا ہے اس سے خوشبو محسوس کرتا ہے اور اس کی خوشبو میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور اس میں طاعون و دجال داخل نہیں ہوسکتے اور نہ اس میں جذام کی بیماری داخل ہوسکتی ہے بلکہ اس کی خاک مبارک جذام (کوڑھ) دفع کرتی ہے ۔ جذام بروزن غراب وہ بیماری ہے جو انتشارِ سودا کی وجہ سے تمام بدن میں پھیل کر اعضا اور ان کی ہیئیات کو فاسد کردیتی ہے بلکہ بسا اوقات زخموں کے بڑھنے سے یہ بیماری اعضا کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے پھینک دیتی ہے (پناہ بخدا) اسے ہم کوڑھ کہتے ہیں ۔

لَا مُقَامَ لَكُمْ اب یہاں تمہارا ٹھہرنا ممکن نہیں کیونکہ دشمن کثیر التعداد ہیں اور مختلف گروہ آئے ہیں غلبہ ان کو ہوگا احزاب سے لشکر کی کثرت مراد لیتے ہیں ۔ مقام 'اذا قام بمعنے مصدر ہے فَارْجِعُوْا فلهذا مدینہ کی طرف گھروں کو لوٹ جاؤ ۔ اس سے ان کی مراد بھاگنا ہے لیکن اسے رجوع سے تعبیر کیا تاکہ لوگ ان کی بات مان کر چل پڑیں اگر صاف بھاگنے کا کہتے تو ان کی مذمت ہوتی ۔ اسی لیے چند لوگ غزوۂ احزاب میں نہ آئے بوجہ منافقت اور اس مرض کے جو ان کے دل میں تھا اسی لیے موافقت صرف منافقین نے کی جو ان کے ہمنوا تھے ورنہ مخلصین اہل اسلام نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا ۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے اہل فساد اور مفسدین کی طرف جو قیامت تک اسی امت میں پیدا ہوتے رہیں گے ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں نہجِ صواب پر رکھے اور ان میں سے بنائے جو حق و صبر کی وصیت کرتے ہیں ، ان سے نہ بنائے جو ہمیشہ تزلزل و اضطراب میں رہتے ہیں ۔

تفسیر عالمانہ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ اور ان کا ایک گروہ نبی علیہ السلام سے اجازت مانگتا تھا ۔ اس سے بنی حارثہ و بنو سلمہ مراد ہیں ۔ يَقُوْلُوْنَ کہتے تھے ۔ یستاذن سے بدل ہے ۔ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۔ عورۃ (بجزم الواؤ) مبالغہ کے طور اس جگہ کو کہا جاتا ہے جس میں کسی قسم کا خلل ہو ۔ مثلاً کہا جاتا ہے :

عور المکان عورا ۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی مکان میں خلل ظاہر ہو جائے اور اس میں دشمنوں اور چوروں کا خطرہ ہو۔ اور کہتے ہیں :

فلان یحفظ عورته -

(فلاں اپنے خلل کی حفاظت کرتا ہے)

اور عورت انسان کے عیوب والی اشیاء کو کہا جاتا ہے یعنی وہ اعضاء کہ جن کے کھل جانے سے شرم و عار محسوس ہو۔ اسی لیے عورتوں کو عورت کہا جاتا ہے کہ ان کا کھلے بندوں رہنا ان کے لیے شرم و عار کا موجب ہے۔ اسی سے ہے العوراء۔ کلمہ قبیحہ کو بھی کہتے ہیں۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہمارے مکانات غیر محفوظ ہیں کوئی بھی ان میں آکر نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اسی لیے آپ ہمیں اجازت بخش دیں ہم گھروں کی مکمل حفاظت کر کے واپس آجائیں گے۔ آپ نے ان کو اجازت دے دی۔ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚ حالانکہ وُہ غیر محفوظ نہ تھے بلکہ بہت زیادہ محفوظ اور ہر طرح سے امن کی جگہ پر تھے اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اس اجازت سے نہیں ارادہ رکھتے تھے اِلَّا فِرَارًا ۝ مگر بھاگنا جنگ سے۔ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ اگر ان پر داخل ہو جائیں۔ یہاں فعل کا اسناد ان کے بیوت کی طرف ہے کہ اس میں ان کا داخل ہونا فرض کیا گیا ہے نہ کہ مطلقاً داخل ہونا جیسے عبارت کا مفہوم ہے اگر اس میں جار و مجرور نہ ہوتا تو مِّنْ اَقْطَارِهَا قطر (بالضم) کی جمع ہے بمعنے جانب یعنی جمیع کناروں سے نہ کہ بعض سے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ان کے گھر بالکل غیر محفوظ ہیں جن میں ہر مفسد اور خبیث داخل ہو سکتا ہے۔ ثُمَّ سُئِلُوا پھر مصیبت کے نزول کے وقت اس منافقین کے گروہ سے سوال کیا جائے الْفِتْنَةَ فتنہ یعنی مرتد ہونے اور رجوع الی الکفر کے متعلق نہ کہ ایمان و طاعت کے متعلق لَاٰتَوْهَا تو اس کے ہاں آئیں گے کسی بھی ڈرانے والی شے سے نہ ڈریں گے وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَا التلبث بمعنے دیر کرنا۔ جیسے التمکث۔ اس کا معنیٰ بھی یہی ہے یعنی وہ نہیں ٹھہریں گے فتنہ کے لیے جواب دینے میں اِلَّا يَسِيْرًا ۝ مگر تھوڑی دیر، اتنا وقت کہ جتنی دیر سوال و جواب ہُوا چہ جائیکہ وہاں معذرت کریں کہ ہمارے گھر محفوظ ہیں وغیرہ۔ جیسے اب کہہ رہے ہیں یہ صرف اسلام دشمنی اور اس کے ساتھ بغض رکھنے کا ثبوت ہے اور بس۔ انہیں کفر سے محبت اور کافروں پر جان چھڑکنے سے خوشی ہوتی ہے۔

ف : امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ لیسیراً بمعنے آسان اسی سے ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد :

وكان ذالك على الله يسيرا۔

(اور یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے)

اور اس کا اطلاق تھوڑی سی شے پر بھی آتا ہے، جیسا کہ فرمایا :

وما تلبثوا بها الا يسيرا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں قلوب کی بیماریوں اور نفوس کی صحت کا ذکر ہے۔ ان دونوں (قلب و نفس) کی خاصیت ہے کہ جب انھیں ان کی اپنی حالتیں سپرد کی جائیں۔ مثلاً فساد الاعتقاد و سوء ظن باللہ و رسولہ اور نقض العہود اور تسویلات الشیاطین سے مغرور رہنا اور معاون الصدق سے بھاگنا اور حیل و مکائد (مکاریوں) سے چمٹنا اور جھوٹ بولنا اور بیکار عذر پیش کرنا خوف بشریہ اور بزدلی کے غلبات اور قلۃ الیقین اور قلت صبر اور اذیت پر کثرتِ جزع فزع وغیرہ۔ اگر ان سے بعد الاقرار بالتوحید ارتداد عن الاسلام والاشراک سے سوال کیا جائے تو اسے اختیار کریں گے بلکہ فوراً اس پر عمل کر دکھائیں گے معمولی سی دیر بھی نہ کریں گے یعنی فتنہ میں وقوع کے احتراز میں نہ ٹھہریں گے مگر تھوڑی دیر بلکہ فتنے کو قبول کرنے میں عجلت کریں گے اس لیے کہ ان پر نفوس کے اوصاف اور ان کے غلبات کا تسلط ہے اور ان کے قلوب زنگ آلود ہو چکے ہیں اور ان پر غفلات کا ہجوم ہے اور جو اللہ تعالےٰ کی طرف جانے کا راستہ جانتا ہے تو اس پر چل پڑے اگر اس سے ہٹ کر پیچھے لوٹ آئے گا تو اللہ تعالےٰ اسے ایسے عذاب میں مبتلا کرے گا کہ جہانوں میں اس جیسا کسی کو عذاب نہ ہوگا۔

ف : منافقین کے اقوال و افعال کی مذمت کی گئی ہے کیونکہ انسان کو ہر راستہ پر چلنے کا اختیار دیا گیا ہے تو راستہ چلنے میں شرمائے تو وہ خود کو ملامت کرے اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار و منافقین کی ہدایت واجب نہ تھی تو پھر آپ کے وارثین کاملین پر کیسے واجب ہے کہ لازماً تمام عاصیوں کو ہدایت دیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انما انا رسول ولیس الیّ من الھدایۃ شئی ولو کانت الھدایۃ الیّ لآمن کل من فی الارض و انما ابلیس مزین ولیس الیہ من الضالۃ شئی و لو کانت الضلالۃ الیہ لاضل کل من فی الارض و لکن اللہ من یشاء و یھدی من یشاء)

(بے شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، ہدایت کلی میرے سپرد نہیں کی گئی اگر ہدایت میرے ہاتھ میں ہو تو تمام روئے زمین والے مسلمان ہو جائیں۔ یاد رکھیے کہ ابلیس صرف برائی سنگار کر دکھاتا ہے گمراہی اس کے ہاتھ میں نہیں اگر گمراہی میرے ہاتھ میں ہو تو روئے زمین پر کوئی بھی گمراہ نہ ہو۔ ہدایت و گمراہی اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے گمراہی دے جسے چاہے ہدایت بخشے) ؎

۱ مومن و کافر دریں دیر فنا
صورتے دارد ز نقش کبریا

۲ نقش گرچہ آمد از دست قضا
لیک میدان نقش را از مقتضا

ترجمہ :(۱) مومن وکافر اس فنا کی دیر میں نقش کبریا سے کوئی صورت رکھتا ہے۔
(۲) اگرچہ نقش دستِ قضا سے آتا ہے لیکن نقش کا میدان تقاضا کے مطابق اترتا ہے۔

اسے اچھی طرح سمجھ لے۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ كَانُوا اور وہ گروہ جنھوں نے مدینہ کو اپنے گھروں کی طرف لوٹنے کی اجازت چاہی اس سے بنو حارثہ و بنو سلمہ مراد ہیں عَاهَدُوا اللّٰهَ اللہ تعالیٰ سے معاہدہ کیا۔

حل لغات : العهد یعنی شے کی ہر آن حفاظت و رعایت کرنا اور اس پختہ پروگرام کو بھی عہد کہا جاتا ہے جس کی رعایت لازم ہو۔ اور المعاهدہ بمعنی المعاقدہ (ایک دوسرے سے عقد کرنا) تاج المصادر۔

مِنْ قَبْلُ اس سے پہلے یعنی واقعۂ خندق سے پہلے۔ اس سے یوم اُحد مراد ہے۔ جب انھوں نے شکست کا ارادہ کرکے توبہ کی۔ پھران پر وہ آفات وبلیات نازل ہوئے جو سب کو معلوم ہیں (جیسے سورۂ آل عمران میں گزرا) لَا يُوَلُّونَ الْأَدْبَارَ وہ پیٹھ پھیر کر نہیں بھاگیں گے۔ یہ قسم کا جواب ہے کیونکہ عاهدوا بمعنی حلفوا ہے۔ الکواشی۔

حل لغات : التولیۃ بمعنے پیٹھ پھیرنا۔ دبر الشئ یعنی شے کا پچھلا حصہ۔ خلاف القبل یعنی اگلے حصے کی نقیض۔ اور اہلِ عرب کہتے ہیں :

ولاہ دبرہ بمعنی انھزم یعنی شکست کھائی۔

اب معنی یہ ہوا کہ وہ دشمن کو پیٹھ کے پیچھے چھوڑ کر جنگ سے فرار اختیار نہ کریں گے اور نہ ہی شکست کھائیں اور نہ ہی اس طرح کا کردار ادا کریں گے جیسے اُحد میں کیا تھا۔ اب ان سے یہ اجازت طلبی کا واقعہ ہوگیا جو ایک قسم کا نقضِ عہد ہے۔

وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُولًا اور ہے اللہ تعالیٰ کا عہد سوال کیا ہوا۔ اس کا مقتضیٰ مطلوب ہونا ہے، یہاں تک کہ پورا کیا جاتے۔

حلِ لغات : اہلِ عرب کہتے ہیں :

سألت فلانا حقی۔

(میں نے اس سے اپنا حق مانگا)

یعنی میں نے اس سے مطالبہ کیا یا اس کے متعلق قیامت میں سوال ہوگا کہ کیا اس نے معاہدہ کو نبھایا یا اسے توڑ دیا۔ پھر اس پر جزا و سزا مرتب ہوگی۔ اور یہ وعید ہے۔

حافظ نے فرمایا :

وفا و عہد نکو باشد از بیاموزے
وگرنہ ہر کہ تو بینی ستمگری داند

ترجمہ : وفا و عہد اچھی شے ہے اگر سیکھو، ورنہ جو کچھ تو دیکھ رہا ہے ہر کوئی ظلم کرنا جانتا ہے۔

اور : ؎
از دم صبح ازل تا آخر شام ابد
دوستی و مہر بریک عہد و یک میثاق بود

ترجمہ : صبح ازل سے شامِ ابد تک دوستی و محبت ایک عہد و میثاق پر ہیں۔

قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمائیے، تمہیں فرار ہرگز فائدہ نہ دے گا۔ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اگر تم موت سے بھاگو گے اَوِ الْقَتْلِ یا قتل ہونے سے۔ کیونکہ فنا و مرنا ہر ایک کو لازم ہے وہ بستر پر مرے یا تلوار سے، اس کا ایک وقت مقرر ہے جسے تقدیر کے قلم نے پہلے لکھ دیا جو کسی حالت میں تبدیل نہیں ہوتا۔ قتل وہ فعل ہے جس سے روح جسم سے نکل جائے۔

ف : حضرت امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا : قتل بمعنے جسم سے رُوح کا نکل جانا (موت کی طرح) چونکہ روح کا نکلنا کسی خارجی سبب سے ہوا۔ اسی لیے کہا جاتا ہے : قتل (فلان)۔ اگر کسی خارجی سبب سے رُوح کا خروج نہ ہو تو کہتے ہیں مات (فلان)۔

ف : الحتف بمعنے مرنا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : ایک کلمہ ایسا ہے کہ میں نے کبھی کسی عربی سے نہیں سنا سوائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ نے فرمایا :

مات حتف انفہ۔

اس کا معنیٰ ہے بستر پر مر جانا۔ گویا وہ ناک کے بل گر کر مرا ہے۔ اہلِ عرب کا خیال تھا کہ مریض کی رُوح ناک سے ہی نکلتی ہے اگر زخمی ہو جائے تو رُوح زخم سے خارج ہوتی ہے۔

وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ التمتیع نفع دینا۔ یعنی اگر تمہیں فرار کچھ نفع دے بھی تو تھوڑا سا نفع پاؤ گے لیکن وہ نفع نہیں پاؤ گے مگر تھوڑی مدت کے لیے۔

خلاصہ یہ کہ اگر جنگ سے بھاگ جاؤ گے تو بھی تجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے کیونکہ ایک عرصہ کے بعد بالآخر فنا کے شربت کا پیالہ پینا ہے اور موت کی گدڑی گلے میں ڈالنی ہے ؎

کہ می نہد قدم اندر سرائے کون و فساد
کہ باز روے براہ عدم نمی آرد

۲ الموت کأس و کل الناس شاربه
والقبر باب و کل الناس داخله

ترجمہ: (۱) جو بھی کون و فساد کی حویلی میں قدم رکھتا ہے وہ راہِ عدم کی طرف نہیں جاتا۔
(۲) موت ایک پیالہ ہے جسے سب لوگوں نے پینا ہے اور قبر ایک دروازہ ہے جس میں سب نے داخل ہونا ہے۔

ف: جب دنیا کی عمر تھوڑی ہے تو پھر اس میں زندگی بسر کرنے والوں کی بڑی عمریں کیسے ہوسکتی ہیں۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ تم دنیا کی بہت بڑی عمر کو آخرت کے مقابلے میں ایک سانس کے برابر سمجھو۔

حکایت ایک مروانی ایک دیوار سے تیزی سے گزرا جس کے متعلق احتمال تھا کہ یہ گرنے والی ہے کسی نے اسے یہی آیت سنائی تو کہا کہ میں بھی اسی الّا قلیلا کا طالب ہوں۔

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَعْصِمُکُمْ سیبویہ کا مذہب ہے کہ من استفہامیہ مبتدا اور ذا اس کی خبر۔ الذی اس کی صفت یا بدل ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کون ہے وُہ جو تمہیں بچائے۔ بعض نحویوں نے کہا کہ من خبر مقدم ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کون ہے جو تمہیں بچائے۔

العصمۃ بمعنے الامساک والحفظ۔ **مِّنَ اللّٰہِ** اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر سے **اِنْ اَرَادَ بِکُمْ سُوْٓءً ا** اگر وہ تمہارے لیے بُرائی کا ارادہ کرے۔ سُوء سے وہ فعل مراد ہے جو انسان کو بُرا محسوس ہو اور اسے غم میں ڈالے۔ یہاں قتل و ہزیمت مراد ہیں۔ **اَوْ اَرَادَ بِکُمْ** یا تمہارے ساتھ رحمت کا ارادہ فرمائے کہ تمہیں عافیت و نصرت وغیرہا بخشے۔ اس کی رحمت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ تمہیں برائیوں سے بچالے۔ اسی لیے عصمت فی السوء کو آثارِ رحمت کا قرینہ بنایا کیونکہ عصمت ہوتی السوء میں ہے کیونکہ اصل مطلب یہ ہے کہ کون ہے وہ جو تمہیں برائی پہنچا سکے اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ رحمت کا ارادہ فرمائے اس طرح سے کلام مختصر ہوگیا۔ یہ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے:

متقلدا سیفا ورمحا ای معتقلا رمحا والاعتقال اخذ الرمح بین الرکب و السرج۔

اعتقال بمعنے رکب و سرج کے درمیان تیر رکھنا۔ اور التاج میں ہے پنڈلی اور رکاب کے درمیان تیر رکھنا۔
وَلَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ اور نہیں پائیں گے اپنے لیے **مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ** اللہ تعالیٰ کے سوا **وَلِیًّا** کوئی دوست جو انہیں نفع پہنچائے **وَّلَا نَصِیْرًا ۝** اور نہ ہی کوئی مددگار جو ان سے ضرر اور نقصان کو دفع کرے۔

فوائد الآیۃ آیت سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوئے:
(۱) موت ضروری ہے کسی نے کیا خوب فرمایا؛ عمر کتنی ہی لمبی کیوں نہ ہو، موت آکر رہے گی۔

جب موت نے آنا ہی ہے تو اس کی طوالت کا کیا فائدہ! حضرت نوح علیہ السلام نے ایک ہزار سال دنیا میں زندگی بسر کی لیکن آج ان کو دنیا سے رخصت ہوئے پانچ ہزار سال[1] ہو چکے ہیں ؎

دریغا کہ بگذشت عمر عزیز
بخواہد گزشت ایں دمے چند نیز

ترجمہ: افسوس عمر عزیز گزر گئی اور یہ باقی چند لمحات بھی گزر جائیں گے۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جب انسان کی عمر چالیس سال ہو جاتی ہے تو غیبی پکارنے والا آسمان سے پکارتا ہے کہ تیرے کوچ کا وقت قریب آ گیا ہے فلہذا زادِ راہ تیار کر لے۔

ملفوظِ ثوری رحمہ اللہ حضرت شیخ ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا: جسے اللہ تعالیٰ نے عقل بخشی ہے اسے لازم ہے کہ جب اس کی عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کے مطابق ہو جائے تو وہ اپنا کفن تیار کر کے رکھے۔

ملفوظِ حاتم اصم رحمہ اللہ حضرت حاتم اصم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے روزانہ ابلیس پوچھتا ہے آج کیا کھاؤ گے، کیا پہنو گے، کہاں گزارو گے؟ میں اسے جواب دیتا ہوں میں موت کھاؤں گا، کفن پہنوں گا، قبر میں ٹھہروں گا۔

(۲) جنگ سے فرار عمر کو بڑھاتا نہیں، اس سے بڑھ کر برا حال کس کا ہوگا جو اپنی موت کی میعاد اور رزق بڑھانے کی فکر میں ہے اور سب سے برا امیدوار وہ شخص ہے جو سمجھتا ہے کہ وہ تقدیر کے نوشتہ کو دفع کر دے گا۔ اسے پتہ نہیں کہ تقدیر کو ٹالنے والا کوئی بھی نہیں (عموماً ورنہ وہ خصوصی مواقع ہوتے ہیں جہاں بندگانِ خدا تقدیر ٹالتے ہیں)

ملفوظِ شیرِ خدا رضی اللہ عنہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بہترین موت قتل (شہادت) ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں علی کی جان ہے ہزار تلوار کی دھار بستر کی موت سے بہتر ہے اگر قتل (شہادت) میں (جس سے انسان ڈر کے بھاگتا ہے) راحت از سکرات الموت نہ ہوتی تو اس میں اللہ تعالیٰ ثابت قدمی کی دولت نہ بخشتا اگرچہ اسے مابعد یعنی بہت بڑی کامیابی کا علم نہیں اور نہ وہ اسے دیکھ رہا ہے اس لیے کہ شہید البحر کو کسی سکرات سے کسی قسم کا درد محسوس نہیں ہوتا اور شہید البر سکرات موت کا درد محسوس کرتا ہے صرف اتنا کہ جیسے چیونٹی نے کاٹا ہو۔

ف: بعض نے کہا کہ جنگ سے بھاگنے والا نفس کو بچاتا ہے اور جنگ لڑنے والا نفس کی مدافعت کرتا ہے

---

[1] ہمارے دور میں کچھ صدیاں اوپر، کیونکہ روح البیان کی تالیف کا دور گیارھویں صدی کے آغاز کا ہے۔ اویسی غفرلہٗ

لیکن جب موت آتی ہے تو پھر کسی کو کوئی چارہ نہیں رہتا ؎

بروز اجل نیزہ جوشن درد
ز پیراہنی بے اجل نگذرد
گرت زندگانی نبشتست دیر
نہ مارت گزآید نہ شمشیر و تیر

ترجمہ : اجل کے دن جوشن کو نیزہ پھاڑ ڈالتا ہے اگر اجل نہ آئے تو تیر پیراہن سے بھی نہیں گزر سکتا۔ اگر زندگی کے چند لمحات باقی ہیں تو نہ تجھے سانپ ڈس سکے گا، نہ تلوار مار سکے گی نہ تیر۔

جنگ سے فرار کی سزا اے جنگ سے بھاگنے والے! تو موت کے خوف سے بھاگ رہا ہے لیکن تجھے اس کا خوف نہیں کہ تو بھاگ کر جہنم کی طرف جا رہا ہے اسی وقت اگر تجھے پیچھے سے دشمن کا تیر لگ جائے تو تو وہیں ڈھیر ہو جائے تو تجھے جہنم میں جانا پڑے گا۔ یہ بھی تجھے خوف نہیں کہ اگر تو اس وقت پکڑا گیا تو تجھے قیدی بنا لیا جائے گا۔ خدانخواستہ تو ایسے لوگوں کے ہاتھ لگ جائے جو تجھے تیرے دین سے پھیر دیں یا سخت عذاب میں مبتلا کر دیں۔ جب ہر دانشمند کو معلوم ہے کہ موت کا ایک وقت ہے اس وقت موت کی طرف منہ کرنا اس سے پیٹھ پھیرنے سے بہتر ہے۔ اہل اللہ تو دیدارِ الٰہی کے مشتاق رہتے ہیں۔ حضرت مولانا رحمہ اللہ مثنوی میں فرماتے ہیں : ؎

۱ پس رجال از نقل عالم شادمان
وز بقااش شادمان این کودکان
۲ چونکہ آب خوش ندید آن مرغ کور
پیش او کوثر نماید آب شور

ترجمہ : (۱) اہل اللہ دنیا سے کوچ میں خوش ہیں دنیوی زندگی پر تو بچوں کو خوشی ہوتی ہے۔
(۲) مرغ کور کو جب پانی اچھا نہ لگے تو اس کے لیے آبِ کوثر بھی آب شور ہے۔

(۳) جس نے اللہ تعالیٰ کو مددگار اور حامی و ناصر بنایا تو اس نے اپنی آرزو پالی، وہ قلیل ہو یا کثیر، اور اسے ہر طرف سے مدد ملے گی امیر سے بھی غریب سے بھی اس کا سارا وقت سکون سے بسر ہو گا کسی عام فضا میں ہو یا کہیں بند اور تنگ جگہوں میں۔

سبق : اے سالک! ثابت قدمی پہاڑوں سے سیکھ اور مردانِ خدا جیسا معاملہ کر۔

تفسیر صوفیانہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ آیت میں مدعیانِ طلب کی طرف اشارہ ہے کہ طلب کے شروع میں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاہدہ کرتے ہیں لیکن جب شیطان اور نفس کے ساتھ مقابلہ

کا وقت ہوتا ہے تو اس جہاد سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں اگر وہ حرب و جہاد میں معروف ہوں اور ان کے مقابلہ میں نفس و شیطان کے گروہ ہتھیار لے کر آجائیں اور ہوں بھی بہت قوی اور بہادر اور جنگجو۔ اور ان کے بالمقابل کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے وہ جنگی تجربہ سے بھی فارغ ہیں اگرچہ ان کے پاس ہتھیار ہیں لیکن وہ ان کے استعمال کا طریقہ نہیں جانتے بوجہ ضعف کے یا بوجہ ناتجربہ کاری کے جب جنگ شروع ہوگی تو لازماً وہ قوی اور جنگجو ان ضعیفوں اور ناتجربہ کاروں پر غالب آجائیں گے اس سے وہ کمزور شکست کھا جائیں گے

ع چالش است و خمرہ خوردن نیست این

(یہ ایک چال ہے اور شراب ایسے پینا نہیں ہوتا)

ایسے مدعیوں سے صدق نے موافقت نہ کی اور نہ ہی عشق نے ان کی معاونت کی اور نہ ہی کان عہد اللہ مسئولا کی حقیقت کو معلوم کر سکے اور نہ ہی سمجھ سکے کہ حقیقی بھاگنا کہ جس میں نفع ہو وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف ہو جو نفس کی موت سے بھاگتا ہے اور اسے مجاہدہ سے قتل نہیں کر سکتا تو وہ کچھ نفع نہ پائے گا، دنیا کے باغات میں بہائم اور جانوروں کی طرح چند روز گزار کر مر جائے گا عمر کی برکت نہ پائے گا۔ بھاگنا تو عمر گھٹانے کا سبب بنتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے دروازے سے بھاگنے سے بچائے اور اپنی جناب سے پیٹھ پھیر کر چلے جانے سے محفوظ فرمائے۔ وہی ولی ہے نصیر ذو الفضل الکثیر ہے۔

تفسیر عالمانہ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ قد علم بر تعویق کی تاکید ہے اور علم کا مقصد یہاں وعید کی تاکید ہے۔

حل لغات: التعویق بمعنے التثبیط بمعنے باز رکھنا۔ اہل عرب کہتے ہیں: عاقہ وعوقہ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو اس طرف سے پھیر لیا جائے جس کی طرف اس کا ارادہ ہو۔ العائق بمعنے وہ پھیرنے والا جو خیر کے ارادہ سے ہٹا لے۔ اسی سے ہے عوائق الدھر۔ یہ خطاب اسے ہے جو ایمان ظاہر کرے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کا علم ہے جو دوسرے لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد سے روکتے اور طریق خیر سے منع کرتے ہیں یعنی منافقین میں سے کوئی بھی ہو وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ اور مدینہ کے مقیمین دوسرے منافقین کو بھی کہتے ہیں یہاں کفر و نفاق کی اخوت مراد ہے هَلُمَّ اِلَيْنَا هَلُمَّ ایک ہے لیکن اب فعل متعدی مثلاً احضر یا اقرب کا نام ہے۔ اس میں واحد و جمع دونوں برابر ہیں یہی اہل حجاز کی لغت ہے اور اہل حجاز واحد و جمع میں تفریق کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں؛

هلم یا رجل وهلموا یا رجال۔

اور کلمۂ اِلیٰ صلہ کا ہے اس لیے کہ علم تقریب کے معنیٰ کو متضمن ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ خود کو ہمارے قریب لاؤ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس وقت لشکر سے باہر نکل کر مدینہ پاک کے قریب ہو چکے تھے وَلَا يَاْتُوْنَ

الْبَأْسَ اور جنگ میں نہیں آتے۔

حلِ لغات : بأس دراصل شدّت کو کہتے ہیں۔

اِلَّا قَلِيۡلًا ۝ مگر تھوڑا آنا۔ (قلیلاً، اتیاناً محذوف کی صفت ہے) نہ آنے کی معذرت کرتے ہیں ان سے جہاں تک بن پڑتا ہے پیچھے ہٹتے رہتے ہیں یا مومنین کے ساتھ چل پڑتے ہیں اور انھیں بظاہر دکھاتے ہیں کہ وہ ان کے ساتھ ہیں لیکن لڑائی میں سستی کرتے اور بہت کم میدانِ جنگ میں اترتے ہیں۔ اور یہ بھی اس وقت جب انھیں مجبور کیا جائے اور یہ بھی جب انھیں فرار کا موقعہ نہ ملے اَشِحَّةً عَلَيۡكُمۡ یہ لا یأتون سے حال ہے اور شحیح کی جمع ہے بمعنے بخیل۔ حضرت امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا :

الشح بخل مع حرص وذلك فيما كان عادة يقال رجل شحيح وقوم اشحة اى حال كونهم بخلاء عليكم بالمعاونة او الانفاق فى سبيل الله على فقراء المسلمين ۔

(الشح بمعنے البخل مع الحرص اور یہ اس میں جو عادۃً ہو۔ مثلاً کہا جاتا ہے رجل شحیح اور قوم اشحۃ یعنی ان کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ تم پر مدد کرنے اور فقراء مسلمین پر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے میں بخیل ہیں)

یا یہ کہ وہ دل سے نہیں چاہتے کہ تمھیں فتح و نصرت اور مالِ غنیمت حاصل ہو فَاِذَا جَآءَ الۡخَوۡفُ پس جب دشمن کا خوف آتا ہے رَاَيۡتَهُمۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَيۡكَ تو تم انھیں دیکھتے ہو کہ وہ اس حالت میں تمھیں دیکھتے ہیں تَدُوۡرُ اَعۡيُنُهُمۡ ان کی آنکھیں اپنی سیاہی میں دائیں بائیں پھرتی رہتی ہیں كَالَّذِىۡ يُغۡشٰى عَلَيۡهِ مِنَ الۡمَوۡتِ اس شخص کی طرح جسے موت ڈھانپ لیتی ہے۔ یہ غشی اسے سکرات الموت کی وجہ سے ہوتی ہے اور اسے جنگ کی وجہ سے وہ گویا آپ سے پناہ لینا چاہتا ہے۔ یہ غشی علی فلان سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب خوف والی شے اس کے آگے آجائے اور اسے ڈھانپ لے۔ فَاِذَا ذَهَبَ الۡخَوۡفُ جب خوف چلا جاتا ہے اور غنیمتیں جمع کی جاتی ہیں سَلَقُوۡكُمۡ یہ سلقہ بالکلام سے ہے اس سے اسے زبان سے دکھایا کما فی القاموس۔

تاج المصادر میں ہے السلق بمعنے زبان سے کسی کو ایذا دینا۔ اسی سے ہے سلقوکم۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ آپ کو زبان سے دکھ اور رنج پہنچاتے ہیں بِاَلۡسِنَةٍ حِدَادٍ تیز زبانوں سے، یعنی زور زور سے باتیں کہہ کر آپ کو اذیت پہنچاتے ہیں۔

حلِ لغات : الحداد، حدید کی جمع ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں : لسان حدید جیسے کہا جاتا ہے لسان صارم و ماض اس وقت جبکہ وہ بات دل میں لوہے اور تلوار کی طرح اثر کر جائے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ آپ کو رنج پہنچاتے اور سخت باتیں کرتے اور زبان درازی کرتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ ہمیں بہت زیادہ حصہ دو کیونکہ ہم تمہارے ساتھ جنگ میں لڑتے رہے ہیں ہماری وجہ سے تم نے غلبہ پایا ہماری وجہ سے تم نے فتح حاصل کی وغیرہ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ سلقوکم کے فاعل سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ درانحالیکہ وہ مالِ غنیمت کے بارے میں سخت حریص ہیں اور غنیمت کی تقسیم کے وقت جھگڑتے اور شور مچاتے ہیں اور مالِ دنیا کے لیے سخت بخیل ہیں یہاں تک کہ وہ یہ بھی نہیں چاہتے کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم نصیب ہو۔ خلاصہ یہ کہ مالِ دنیا میں سب سے بخیل اور جنگ میں جانے میں پرلے درجے کے بزدل ہیں اُولٰٓئِكَ وہ لوگ کہ جن کے بُرے صفات مذکور ہوئے ایسے ہیں لَمْ يُؤْمِنُوْا اخلاص کے ساتھ ایمان نہیں لائے کیونکہ ان کا باطن ظاہر کے خلاف ہے اسی لیے یہ کفار میں خبیث ترین اور اللہ کے نزدیک مبغوض ترین ہیں فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ تو اللہ نے ان کے اعمال اکارت اور ضائع کر دئیے۔ یعنی ظاہر کر دیا کہ ان کے اعمال باطل ہیں۔ اس معنیٰ پر ان کے اعمال ثابت نہ ہوئے۔ اسی لیے باطل اور اکارت ہوئے کیونکہ وہ منافق تھے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ اعمال قابلِ قبول ہیں جو خالص تصدیق (یعنی عقائدِ صحیحہ) سے ہوں ورنہ ایسے ہے جیسے مکان بے بنیاد (اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اہلسنّت کے سوا تمام بد مذاہب کے اعمال کتنے ہی اعلیٰ اور بلند و بالا ہوں تمام بیکار ہیں کیونکہ ان کے عقائد صحیح نہیں)[1] وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ○ اور یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے کہ اس سے اس کے ارادے کا تعلق ہے اور وہ امر نہیں ہو سکے گا جس میں اس کا ارادہ نہ ہو گا۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں طلب کے مدعی (کاذب) کی طرف اشارہ ہے کہ جب وہ طلب سے مرتد (ہٹ) ہو جاتے ہیں تو وہ صدق طلب میں حقیقی ایمان نہیں لائے تھے ورنہ طلب سے نہ ہٹتے۔ اسی لیے مشائخ فرماتے ہیں کہ طریقت کا مرتد شریعت کے مرتد سے بدتر ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فاحبط اللہ اعمالھم تو اللہ تعالیٰ نے اس کے اعمال ضائع کر دئیے اس لیے کہ وہ ایمان حقیقی پر نہ تھا بلکہ اس کا ایمان تقلیدی اور مبنی بر ریا و سمعۃ تھا اور یہ ابطال اللہ تعالےٰ پر آسان ہے۔

ف : ایک بزرگ نے فرمایا کہ اگرچہ میں قطب الوجود نہیں لیکن مجھے اس پر ایمان ہے مریدوں نے کہا کہ اس طرح تو ہمارا بھی اس پر ایمان ہے (پھر آپ میں اور ہم میں کیا فرق) انھوں نے فرمایا کہ ایمان ایمان میں فرق ہے بعض ایمان ایسے ہوتے ہیں کہ وہ زائل نہیں ہوتے ان کی مثال بہت مضبوط اور پختہ درخت کی جڑ کی ہے اور بعض ایمان وہ ہوتے ہیں جو زائل ہو جاتے ہیں۔ ان کی مثال ان کمزور انگوریوں کی جڑ کی ہے

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

جو معمولی جھٹکے سے اکھڑ جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے محسن موقن ارتداد سے مامون و محفوظ ہوتا اور اس کے ارد گرد شک اور ریب نہیں پھٹکتا بخلاف اہلِ غفلت اور ان لوگوں کے جو عبادت کرتے وقت دل میں گڑبڑ رکھتے ہیں

۱ لا یزیل الماء نقشا فی الحجر
بل یزیل النقش فی وجه الورق

۲ باش بر عشق خدا ثابت قدم
رو نمی گردان ز وجہ پاک حق

ترجمہ :(۱) نقشِ پتھر کو پانی نہیں مٹا سکتا۔ ہاں وہ نقش مٹ جاتا ہے جو پتے پر ہو۔
(۲) عشقِ خدا پر ثابت قدم رہ وجہِ پاک حق سے منہ نہ موڑ۔

تفسیر عالمانہ يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا یہ منافقین گمان کرتے ہیں کہ وہ گروہ شکست کھا کر نہیں گئے اسی لیے وہ بھاگ کر مدینہ طیبہ کو چلے گئے۔ الاحزاب سے وہ لوگ مراد ہیں جو خندق کے موقعہ پر متفق ہو کر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہوئے۔ یعنی قریش، غطفان، بنو قریظہ اور نضیر یہود میں سے۔ تاج المصادر میں ہے: تحزّب بمعنے گروہ گروہ ہونا۔ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ اور اگر وہ لشکر کفار وغیرہ دوبارہ مدینہ طیبہ پر چڑھائی کریں يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِى الْاَعْرَابِ تو یہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ ہوتے بادیہ نشینوں میں مدینہ طیبہ سے باہر تاکہ وہ اس جنگ میں شریک نہ ہوتے۔

حلِ لغات: الودّ بمعنے محبت کسی شے کی، اور ایک قسم کی آرزو۔ بدا یبدو وا بدا وۃ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شہر سے باہر بستیوں کی طرف نکل جائے اسی لیے بادیہ نشین کو بادی (بدّو) کہا جاتا ہے البادون وہ جو شہری نہ ہوں (دیہاتی ہوں) والبدو خلاف الحضر۔

يَسْاَلُوْنَ مدینہ سے سب آنے والے پوچھیں عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ تمہاری خبریں اور تمہارا ماجرا کہ تم پر کیا گزری یعنی وہ حالات جو تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے مابین گزرے اور یہ بھی ان کی آرزو میں داخل ہے یعنی وہ آرزو کرتے ہیں کہ کاش وہ تم سے غائب ہو کر تمہاری خبریں سنتے اور تمہارے ساتھ نہ ہوں اور دور سے حالات پوچھتے رہتے وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ اور اگر وہ دوسری بار خندق میں تمہارے ساتھ ہوں اور مدینہ طیبہ کی طرف بھاگ کر نہ جا سکیں اور جنگ چھڑ جائے تو مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا۠ تو ریاء اور عار کے خوف سے نہیں جنگ کریں گے مگر تھوڑی اور وہ بھی ثواب کی نیت سے نہیں (بلکہ ریاء اور عار کے خوف سے)۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ

بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے

كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿٢١﴾

رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے اس کے لیے کہ اللہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرے

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ

اور جب مسلمانوں نے کافروں کے لشکر دیکھے بولے یہ ہے وہ جو ہمیں وعدہ دیا تھا اللہ اور اس کے رسول نے اور سچ فرمایا

اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿٢٢﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ

اللہ اور اس کے رسول نے اور اس سے انہیں نہ بڑھا مگر ایمان اور اللہ کی رضا پر راضی ہونا مسلمانوں میں کچھ وہ مرد ہیں جنہوں

صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ

نے سچا کر دیا جو عہد اللہ سے کیا تھا تو ان میں کوئی اپنی منت پوری کر چکا اور کوئی راہ دیکھ رہا

يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ﴿٢٣﴾ لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ

ہے اور وہ ذرا نہ بدلے تاکہ اللہ سچوں کو ان کے سچ کا صلہ دے اور منافقوں کو

الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٢٤﴾ وَرَدَّ اللّٰهُ

عذاب کرے اگر چاہے یا انہیں توبہ دے بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اللہ نے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ

کافروں کو ان کے دلوں کی جلن کے ساتھ پلٹایا کہ کچھ بھلا نہ پایا اور اللہ نے مسلمانوں کو لڑائی کی کفایت فرمادی اور اللہ

اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ﴿٢٥﴾ وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ

زبردست عزت والا ہے اور جن اہل کتاب نے ان کی مدد کی تھی انہیں ان کے قلعوں سے اتارا

وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿٢٦﴾ وَاَوْرَثَكُمْ

اور ان کے دلوں میں رعب ڈالا ان میں ایک گروہ کو تم قتل کرتے ہو اور ایک گروہ کو قید اور ہم نے تمہارے ہاتھ

اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

لگائے ان کی زمین اور ان کے مکان اور ان کے مال اور وہ زمین جس پر تم نے ابھی قدم نہیں رکھا ہے اور اللہ ہر چیز پر

قَدِيْرًا ﴿٢٧﴾

قادر ہے

تفسیر عالمانہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ بے شک تمہارے لیے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عادات اچھی۔ اسے ایمان والو! جیسا کہ تفسیر

جلالین میں ہے یہ ظاہر ہے جس کی تائید آنے والے مضمون لمن کان یرجوا اللہ الخ سے بھی ہوتی ہے

حلِ لغات : امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ الاسوۃ ' قدوۃ کی طرح ہے وہ عادت جو انسان میں کسی دوسرے کی اتباع میں ہو وہ اچھی ہو یا بُری، وہ بامسرّت ہو یا بامضرّت۔ جیسے کہا جاتا ہے:

تاسیت بہ بمعنے اقتدیت (میں نے اس کی اقتداء کی)

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے مومنو! تمہارے لیے ہے حضرت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اچھی خصلت اور بہتر طریقہ۔ اس کا حق یہ ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے جیسے جنگ میں ثابت قدم رہنا شدائدو تکالیف جھیلنا۔ اُحد میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابرو مبارک کے اوپر زخم آئے اور دندان مبارک شہید ہوئے۔ آپ کے چچا سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ علاوہ ازیں مختلف طریقوں سے آپ کو اذیتیں پہنچائی گئیں۔ آپ جنگ میں ٹھہرے رہے۔ جنگ کو چھوڑ کر مدینہ طیبہ کا رُخ نہ کیا۔ صبر فرمایا۔ گھبراہٹ کا اظہار نہ فرمایا۔ فلہذا تم ان کی اقتداء کرو بلکہ ان کی مدد کرو ان کے خلاف نہ چلو۔

ف : فی رسول اللہ میں کلمہ فی کو خالی کر لیا جائے اور صرف آپ کی ذاتِ کریمہ مراد لی جائے۔ یعنی آپ ہی کی ذات قدوۃ ہے یعنی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فی نفسہٖ اُسوہ ہیں ان کی اقتداء مستحسن ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے فی البیضہ عشرون منا حدیدا یعنی اس سے خود کا بیس سیر لوہا ہونا بتاتا ہے کہ وہ بیس سیر کا ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ اس کے اندر بیس سیر لوہا ہے۔

لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ اس کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت کی امید رکھتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ثواب اور آخرت کی نعمتوں کی امید رکھتا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کا خوف رکھتا ہے۔ الرجاء خوف و امید دونوں معنوں کا حامل ہے اور لمن کان (الخ) الحسنہ کا صلہ یا اس کی صفت ہے لکم کا بدل نہیں کیونکہ اکثر نحویوں کا خیال ہے کہ کوئی شئے ضمیر کا بدل نہیں بن سکتی **وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝** اور وہ اللہ تعالیٰ کو بہت کرتا ہے یعنی ہر وقت ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی یاد میں رہتا ہے۔ کثرتِ ذکر کو رجا کے بعد لانے میں طاعت کے التزام کی طرف اشارہ ہے اور اس طرح سے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء نصیب ہوتی ہے۔

ف : حضرت حکیم ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اُسوۂ رسول کا مطلب ہے کہ ان کی اقتداء اور آپ کی سنّت کی اتباع کی جائے اور کسی قول و فعل میں مخالفت نہ کی جائے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ دریں بحر جز مرد ساعی نرفت
گم آں شد کہ دنبال راعی نرفت

۲ کسانے کزیں راہ برگشتہ اند
برفتند بسیار و سرگشتہ اند

۳ خلاف پیمبر کسی راہ گزید
که ہرگز بمنزل نخواہد رسید

۴ محالست سعدی که راہ صفا
توان رفت جز بر پے مصطفیٰ

ترجمہ: (۱) اس راستہ پر وہ چلا جو جدّو جہد کرنے والا ہے وہ گم ہوا جو راعی کے پیچھے نہ گیا۔

(۲) وہ لوگ جو اس راہ سے بھٹکے، دُور تک چلے لیکن پریشان ہُوئے۔

(۳) پیغمبر علیہ السلام کے خلاف جس نے کوئی راستہ اختیار کیا وہ منزلِ مقصود تک ہرگز نہ پہنچ سکے گا۔

(۴) اے سعدی! راہِ صفا پر پہنچنا اتباعِ مصطفیٰ کے بغیر محال ہے۔

مسئلہ: ہر مسلمان مرد و عورت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع واجب ہے تاکہ رجائے آخرت کا تحقق ہو اور عمل صالح کا اچھا ثمر ملے اس لیے کہ آپ ہی واسطہ و وسیلہ ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ ۱ مقامِ نفس میں ایمان بالغیب کے لیے رجاء لازم ہے اس کے بعد ذکر کثیر میں اشارہ ہے کہ اس مقام کو عمل ضروری ہے تاکہ معلوم ہو کہ ابتدائے سلوک میں متابعت فی الاعمال والاخلاق اور مجاہدات بالنفس والمال لازم ہے کیونکہ جس کی ابتدا مستحکم نہیں وہ انتہا میں کس طرح کامیابی حاصل کرسکتا ہے۔ پھر جب سالک نفس کے تجزیہ و تجرد سے فارغ ہوجائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ حضور سرورِ عالم کی موارد قلب میں اتباع کرے جیسے صدق و اخلاص و تسلیم۔ تاکہ آپ کی متابعت کی برکت سے مقامِ قلب میں مواہب و احوال و تجلیات صفات سے محفوظ ہو جیسے مقامِ نفس میں مکاسب و مقامات و تجلیات افعال سے محفوظ ہوا ایسے مقام روح میں یہاں تک کہ مقامِ فنا نصیب ہو۔

صوفیانہ تفسیر ۲ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اس میں متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس امت پر جو ازل میں عنایت کا وعدہ ہوچکا ہے کی طرف اشارہ ہے جیسے **لقد کان لکم** میں لفظ ماضی کی خبر دیتا ہے یعنی تھا تمہارے لیے ازل میں مقدر ہوچکا کہ تمہارا نکلنا ہوگا عدم سے وجود میں **فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا مستحسن ہے۔

سب سے اوّل کون اس لیے کہ جو سب سے پہلے ایجاد و قدرت سے متعلق ہُوا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک ہے جیسا کہ فرمایا:

اوّل ما خلق اللہ روحی۔

(سب سے پہلے جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا کی وہ میری روح (اقدس) ہے)

اس معنی پر اُسوۂ حسنہ سے مراد تعلقِ قدرت ہے جو اس امت کی ارواح سے متعلق ہُوا کہ عدم سے وجود کی طرف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ اقدس کے بعد اس امت کی ارواح لائی گئیں تو جو اس متابعت سے عدم سے وجود کی طرف نوازا گیا عالمِ اشباح سے متعلق ہونے سے پہلے عالمِ ارواح میں بھی اس کے اثرات پڑے ایسے ہی ارواح کے اشخاص سے متعلق ہونے سے پہلے اثرات مرتب ہوئے۔ عالمِ ارواح میں اثرات یوں مرتب ہوئے کہ آپ عالمِ ارواح میں روحِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنا قرب تھا اتنی ہی متابعتِ اعلیٰ نصیب ہوئی پھر دوسری پھر تیسری، اسی طرح جتنی متابعت میں کمی تھی اتنی ہی روحِ اقدس سے دوری۔ ایسے قبولِ الٰہی کی استعداد کو سمجھیے ایسے ہی متابعت کی برکات کا اثر ذریات کا صلبِ آدم علیہ السلام ذرات میں آنے کو سمجھئے۔ ایسے ہی بارگاہِ حق میں ارواح کی حاضری کو سمجھیے ایسے ہی الستُ بربکم کے خطاب کو سننے اور بلیٰ کے جواب کو سمجھئے ایسے ہی معاہدہ مع اللہ اور پھر صلبِ آدم کی واپسی کو سمجھئے۔ ایسے ہی اصلاب آباؑ سے ارحامِ امہات کے خروج کا تاثر، ایسے ہی روح کے جسم سے تعلق کا تاخر وغیرہ۔ ان تقدمات و تاخرات میں اس کی حکمتیں ہیں۔ اس میں تاثیراتِ عجیبہ ہیں جن کے ذکر میں طوالت نہ ہوتی تو بیان کی جاتیں۔

تعلق مابین جسم و روح

جیسے عالمِ ارواح میں متابعت کا اثر آپ نے پڑھا ایسے ارواح کے عالمِ اشباح کو سمجھیے کہ متابعت کا اثر عالمِ ارواح میں بھی ظاہر ہوتا ہے وہ اس طرح کہ جب نطفہ رحم میں ٹھہرتا ہے تو روح کی نظرِ اثر سے نطفہ تربیت پا کر مکمل جسم کی شکل اختیار کر لیتا ہے یہاں تک کہ وہ روح کے تعلق کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ روح مع الجسم کی مثال اس نقشِ خاتم کی موم کی سی ہے کہ جب اس پر انگشتری رکھی جاتی ہے تو اس پر انگشتری کا تمام نقشہ آ جاتا ہے۔ ایسے ہی جب روح جسم میں رکھی جاتی ہے تو اس کے وہ تمام خواص اس میں آ جاتے ہیں اس نے ان تقدمات و تاخرات کو اسوئہ سے حاصل کیا اسی لیے جو اقوال و افعال انسان سے ابتدائے عمر سے آخر عمر تک سرزد ہوتے ہیں انہی خواص کے آثار سے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے روح میں امانت رکھے ہیں۔ اس سے واضح ہوا کہ جتنا کسی روح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب حاصل ہے اتنا ہی اسے اتباع نصیب ہے اور وہ جتنا دور تھا اتنی ہی اسے متابعت سے محرومی ہوئی۔ اس کی نیات و اعمال کا دارومدار اسوۂ حسنہ پر ہے۔ جو حضرات حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی اعتبار سے قریب تر ہیں ان میں متابعت کی جھلک ہے کہ وہ خالص رضائے الٰہی پر اتباع میں ہیں اسی لیے فرمایا:

لمن کان یرجوا اللہ۔

اور جو ان میں سے کچھ کم ہیں وہ درجات میں بھی کم ہیں یعنی ان کے اعمال صرف یومِ آخرت میں نعیم جنت کے حصول کے لیے ہیں ان کے لیے فرمایا:

والیوم الآخر۔

لیکن ایسے مقامات کے حصول کو ایک شرط سے مشروط فرمایا وہ ۔۔۔

وَ ذکروا اللہ کثیرًا۔

اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرنا۔ اس لیے اس کے ذکر لا الٰہ الا اللہ میں نفی و اثبات ہے۔ یہی سالک کے اللہ تعالیٰ تک چلنے کے دو قدم اور اڑنے والوں کے دو پر۔ انہی سے ہی سالکین ظلمات الوجود المجازی سے نکل کر راہِ ہدیٰ اور وجودِ حقیقی کے نور کو پاتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ اور جب اہلِ ایمان نے اس گروہِ مخالفت کو دیکھا، جو مجتمع ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ کے لیے آئے تھے۔ حزب وہ جماعت جو کثرت اور انبوہ دار ہو۔ کما فی المفردات۔ قَالُوْا هٰذَا کہا یہ بہت بلائے عظیم مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وہ ہے جس کا ہمیں اللہ تعالیٰ و رسول نے وعدہ دے رکھا ہے جس کا ذکر:

ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم مستھم البأسا والضراء۔

(کیا تمہارا گمان ہے کہ تم بہشت میں داخل ہو گے کیا تا ہنوز تمہارے ہاں ان کی کہاوتیں نہیں جو تم سے پہلے گزرے ہیں انہیں بھی خوف اور ضرر پہنچا)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف:

سیشتد الامر باجتماع الاحزاب علیکم والعاقبة لکم علیھم۔

(عنقریب تمہیں ایک بہت بڑے گروہ کا اجتماع گراں گزرے گا لیکن نیک انجام تمہارے لیے ہوگا)

اور فرمایا:

ان الاحزاب سائرون الیکم بعد تسع لیال او عشر۔

(ایک بہت بڑا گروہ نو دس دنوں کے بعد تمہارے ہاں آنے والا ہے)

وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا یعنی ان کا صدق ظاہر ہو گیا وَمَا زَادَهُمْ اور اہلِ ایمان کو گروہ کا دیکھنا نے نہ بڑھایا اِلَّآ اِيْمَانًا مگر اللہ تعالیٰ اور اس کے مواعید پر ایمان وَّتَسْلِيْمًا اور تسلیم کو کہ اس کے ہر امر اور اس کی ہر تقدیر کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔

ف: حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر امر کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ دونوں جہان کی سعادت اسی میں ہے ؎

ہر کہ دارد چون قلم سر بر خط فرمان او
می نویسد بخت طغرای شرف بر نام او

ترجمہ: جو قلم کی طرح اس کے فرمان پر سر رکھتا ہے اس نام پر طغرائے شرف سے بخت ہی بخت لکھتے ہیں۔

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ بعض اخلاص سے ایمان والے رِجَالٌ صَدَقُوْا وہ لوگ ہیں جو سچ کے عامل ہیں مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ اس میں جس پر اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاہدہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہیں گے اور اعلائے دین کے لیے لڑتے رہیں گے یعنی جو معاہدہ کیا اس پر عمل کر دکھایا جیسے عثمان بن عفان وطلحہ بن عبید اللہ وسعید بن زید بن عمر بن نفیل وحمزہ ومصعب بن عمیر وانس بن نضر وغیرہم (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ان سب نے منت مانی تھی کہ جب یہ مخالف گروہ آئے گا تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ چھوڑیں گے اور لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ ہم شہید ہو جائیں۔

نکتہ: حضرت حکیم ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حیوانات سے انسان کو اور انسان سے اہلِ ایمان کو اور اہلِ ایمان سے من المؤمنین رجال الخ کو مکرم بنایا اور ان رجال سے اہلِ صدق مراد ہیں اور جو صدق کے میدان میں نہیں اسے رجولیت سے خارج سمجھیں۔

مسئلہ: نذر قربت مشروعہ ہے اس کی ادائیگی لازم ہے اور اس پر اجماع ہے بشرطیکہ معصیت کی نذر نہ ہو۔

سوال: حدیث شریف میں ہے:

لا تنذروا فان النذر لا یغنی من القدر شیئًا۔

(منّت نہ مانو اس لیے کہ منت (نذر) اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو نہیں روک سکتی)

جواب ۱: یہ اس عقیدہ کا ردّ ہے جس کا خیال ہو کہ نذر ہر لحاظ سے تقدیر کو دفع کر سکتی ہے نہ کہ مطلق نذر کی رکاوٹ ہے (جب اس سے اللہ تعالیٰ کے فضل پر امید کر کے منّت مانی جائے) جیسا کہ حدیث مذکور کا آخری جملہ دلالت کرتا ہے کہ منّت سے بخیل کے ہاتھ سے کچھ نہ کچھ نکال لیا جاتا ہے۔

جواب ۲: اگر مطلقاً رکاوٹ ہوتی تو پھر کام ہو جانے پر اس کی ادائیگی کے لزوم کی طرف اشارہ ہے کیونکہ سخی تو اپنے اختیار سے دیتا ہے جو کچھ اس سے ہو سکتا ہے وہ نذر کے بغیر بھی دیتا رہتا ہے اور بخیل صرف اسی وقت دیتا ہے جب نذر مانے اور کام ہو تو تب۔

ف: جس کے خیال میں نذر و عدم نذر برابر ہے (یعنی راہِ خدا میں پہلے سے بھی دیتا رہتا ہے) تو وہ عزیمت تحقیق و تاکید کے لیے منّت مانتا ہے تو اس میں کسی کو اختلاف نہیں بلکہ ایسی منتیں احسن ہیں۔

صوفیہ کرام کی نذور خواص کی اکثر نذور وہ ہیں، دل میں جو کھٹکا اس پر ڈٹ گئے اور زبان کی عقد جنانی عقد کی تتمیم ہے تو جیسے عقد لسانی کی ادائیگی لازم ہے ایسے ہی عقد جنانی بطریق اولیٰ واجب ہے اسی لیے ان کی محافظت ضروری ہے کیونکہ یہ عقد باب تقویٰ سے ہے اور اس پر محافظت کرنے والا ولی اللہ ہے ؂

۱ طریق صدق بیاموز از آب صافی دل

براستی طلب آزادگی چو سرو چمن

۲ وفا کنیم و ملامت کشیم و خوش باشیم
که در طریقت ما کافریست رنجیدن

ترجمہ : (۱) صاف دل انسان سے طریقۂ صدق کا سبق سیکھ سچے دل سے راہِ مستقیم باغ کے سرو سے طلب کر۔

(۲) ہم وفا کریں گے دکھ اٹھائیں گے اور خوش رہیں گے اس لیے کہ رنج ہونا ہمارے طریقہ میں کفر ہے۔

فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰی نَحۡبَهٗ (پس بعض ان میں وہ ہیں جو منت کو پورا کرتے ہیں) یہ صادقین کے حال کی تفصیل اور تقسیم ہے اور وہ دو قسم ہیں (جیسا کہ آیت میں بتایا گیا ہے)؛

(۱) النحب، وہ نذر جس کے وجوب کا حکم ہے وہ جو انسان اعمال میں سے کوئی عمل اپنے اوپر لازم کر لے اور

(۲) قضا بمعنے اس کی ادائیگی سے فراغت پانا اور پورا کرنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے؛

قضٰی نحبہ۔ (فلاں نے اپنی نذر پوری کی)

اور جو فوت ہو جائے اس پر بھی لفظ قضا کا اطلاق کرتے ہیں مثلاً؛

قضی اجلہ واستوفی اکلہ وقضی من الدنیا حاجتہ۔

(فلاں نے اپنی میعاد پوری کر لی اور دانہ پانی پورا کر لیا اور دنیا میں سے اپنی ضرورت پوری کر لی)

اس لیے کہ موت ہر حیوان کے گلے میں نذر کی طرح لازم ہے اور جار مجرور محلاً مرفوع مبتدأ ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ان کے بعض وہ ہیں جو اپنی نذر سے عہدہ برآ ہوئے بایں طور کہ جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ جیسے حضرت حمزہ و مصعب بن عمیر اور انس بن النضر الخزرجی الانصاری یعنی حضرت انس بن مالک کے چچا (رضی اللہ عنہم اجمعین)

عشقِ انس بن النضر رضی اللہ عنہ کا نمونہ

مروی ہے کہ حضرت انس بن النضر رضی اللہ عنہ بدر میں شریک نہ ہو سکے اُحد میں شریک تھے۔

جب ابلیس نے اعلان کیا کہ (حضور سرورِ عالم حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) شہید ہو گئے تو صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سر جوڑ کر بیٹھے تھے ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کا ان پر گزر ہوا تو پوچھا: کیوں بیٹھے ہو؟ فرمایا: حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم تو شہید ہو گئے (اب ہم کیا کریں) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے خدا کے بندو! اب جی کر کیا کرو گے، اٹھو اور کافروں کے ساتھ لڑ مرو۔ اس کے بعد تلوار گھمائی اور کفار میں گھس گئے۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ آپ کے جسم مبارک پر اسی سے زیادہ زخم پائے گئے ؎

بے زخم تیغ عشق ز عالم نمی روم
بیرون شدن ز معرکہ بے زخم عار ماست

ترجمہ: عشق کی تلوار کے زخم کے بغیر ہم دنیا سے نہیں جائیں گے اس لیے کہ معرکۂ جنگ سے زخموں کے بغیر چلے جانا ہمارے لیے عار ہے۔

وَمِنْهُمْ اور بعض ان میں وہ ہیں مَّنْ يَّنْتَظِرُ جو اپنی منت پُوری کرنے کے انتظار میں ہیں کیونکہ ان کے لیے وقت مقرر تھا جیسے حضرت عثمان و حضرت طلحہ وغیرہما رضی اللہ عنہم، وہ اپنی نذر پر رہے مگر ان کا بعض حصّہ ادا کیا۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہنا یہاں تک کہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور دوسرے حصّہ کے پُورا کرنے کے لیے منتظر رہے یعنی جنگ میں شہید ہونا اور اس میں ان کے انتظار میں ان کے شوقِ شہادت کی طرف اشارہ ہے ؎

غافلاں از مرگ مہلت خواستند
عاشقاں گفتند نے نے زود باد

ترجمہ: غافل تو موت سے مہلت چاہتے ہیں لیکن عاشق کہتے ہیں نہیں نہیں خدا کرے جلد موت آئے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎
دانۂ مردن مرا شیریں شدست
بل ھم احیاء پے من آمد ست

ترجمہ موت کا دانہ میٹھا ہُوا ہے بل ہُم احیا (بلکہ وہ زندہ ہیں) ہمارے لیے ہے۔

صدق جان دادن بود ھین سابقوا
از نبی بر خوان رجال صدقوا
ای بسا نفس شہید معتمد
مردہ در دنیا و زندہ می رود

ترجمہ: صدق سے جان دینا ہی حق ہے آگے بڑھو۔ نبی علیہ السلام سے سبق پڑھو کہ آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ سچے ہیں (جو احزاب میں ساتھ تھے) بہت سے لوگ جو نفس کی جنگ میں شہید ہوئے وہ دنیا والوں کے خیال سے مر گئے لیکن درحقیقت وہ زندہ ہیں۔

وَمَا بَدَّلُوْا اس کا صدقوا پر عطف ہے اور اس کا فاعل بھی وہی ہے جو صدقوا کا ہے یعنی انہوں نے اپنا معاہدہ نہ بدلا ہے اور نہ اس میں کسی قسم کا تغیر واقع ہوا تَبْدِيْلًا ۝ کسی قسم کی تبدیلی نہ اصل میں نہ وصف میں بلکہ اس پر ثابت قدم بلکہ اس سے بڑھ کر اس کی ادائیگی اور اس کے حقوق کی رعایت کرنے والے ہیں جنھوں نے منّت پُوری کر لی ان کا صدق تو ظاہر ہے اور جو انتظار میں ہے ان کا انتظار ان کے لیے شاہد عدل ہے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے فضائل اور عشق

مروی ہے کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اُحد میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے بلکہ آپ کی حفاظت میں ان کا ہاتھ کٹ گیا اور چوبیس زخم کھائے۔ اس پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ

علیہ وسلم نے ان کے لیے فرمایا :

اوجب طلحۃ الجنۃ۔

(طلحہ (رضی اللہ عنہ) نے اپنے اوپر جنت واجب کرلی)

اسی دن آپ نے ان کا نام طلحۃ الخیر رکھا، حنین میں ان کا نام طلحۃ الجود اور غزوۂ ذات العشیرہ میں طلحۃ الفیاض رکھا گیا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ یوم الجمل میں شہید ہوئے۔

ف : آیت میں منافقین اور قلب کے مریضوں کی تعریض ہے کہ وہ عہود کو توڑتے اور عقود کو بدلتے ہیں ؎

فدائے دوست نکردیم عمر و مال دریغ
کہ کار عشق زما این قدر نمی آید

ترجمہ : افسوس کہ ہم عمر و مال دوست پر قربان نہ کرسکے۔ عشق میں ہم سے یہ کام نہ ہوسکا۔

لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ جو کچھ ہوا صادقین سے جو کچھ صادر ہوا اس پر صدق و وفا قولاً وفعلاً کی اللہ تعالیٰ انہیں جزا دے گا۔ دنیا میں تمکین اور دشمنوں پر فتح و نصرت اور اسلام کا جھنڈا بلند کرکے اور آخرت میں بہترین ثواب وانعام اور بہشت کی دائمی نعمتیں اور دوسروں پر تکریم و تعظیم سے تقدیم۔ کما قال فی کشف الاسرار۔ **وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ** اور جو کچھ منافقین سے اقوال و اعمال مذکورہ صادر ہوئے ہیں ان کو عذاب دے گا **اِنْ شَآءَ** اگر انہیں عذاب دینا چاہے، اگر وہ توبہ کرلیں۔ البتہ ان کا شرک نہ بخشا جائے گا **اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ** اگر وہ توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول کرلے گا **اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا** بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کے گناہ چھپاتا ہے اور ان سے جو کچھ صادر ہوا اسے مٹانے والا ہے **رَّحِيْمًا** انہیں جنت و ثواب کا انعام عطا فرمانے والا ہے۔

تفسیر صوفیانہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ رجولیت کی علامت ہے صدق فی العہد وہ یہ ہے کہ دنیا و عقبیٰ و درجاتِ علیا میں غیر اللہ کی پرستش نہ کرے یہاں تک کہ وہ بلند و بالا بارگاہ تک پہنچ جائے۔ بعض صادقین وہ ہیں جو مقصد تک پہنچ کر مقصد کو پا لیا یہ منتہی لوگ ہیں اور بعض ان میں وہ ہیں بلوغ و وصول کے منتظر ہیں اور وہ بھی سیر میں ہیں اور یہ متوسط لوگ ہیں طلب و اقبال سے اعراض کرکے اپنے معاہدہ کو تبدیل نہیں کرتے یعنی وہ غیر اللہ کی طلب میں ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ انہیں طلب صدق اور قدم صدق کی جزا دے اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں مرتبہ پالیتے ہیں اور اگر وہ چاہے تو منافقین کو عذاب دے۔ اور منافقین سے وہ مدعیانِ طلب مراد ہیں جو بغیر قدم صدق سے طلب کرتے ہیں یعنی جھوٹے مدعی ہیں اور تلبیس و ریاء کرتے ہیں۔ اہلِ خرقہ (اولیاء) کی صورت اور ان کے لباس میں رہ کر اہلِ ریاء و اہلِ نفاق کی سیرت اپناتے ہیں۔ جیسا کہ کسی نے کہا : ؎

اما الخیام فانہا کخیامہم
واری نساء الحی غیر نسائہ

ترجمہ: یہ خیمے ان کے خیموں کی طرح ہیں لیکن دیکھتا ہوں تو قبیلہ کی عورتیں ان جیسی نہیں۔

سبق سالک کو توبہ و صدق و ثبات ضروری ہے یہاں تک کہ اسے مغفرت و رحمت و ہدایت کے آثار نمودار ہوں یعنی جوان مرد کو عنایت ازلی صادقین کا گوہر بخشتی ہے اگر وہ ان کی راہ پر چلنا چاہتا ہے تو پھر اگر بیگانہ ہے تب بھی اسے آشنا بنا دیا جاتا ہے اگر عاصی ہے تو عارف بنا دیا جاتا ہے اگر درویش ہے تو اسے تو انگر بنا دیا جاتا ہے۔

کرامت ابن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مجھے روم کی طرف جانے کی غیبی کشش ہوئی اور میں حیران تھا کہ یہ کشش و جذب کیسی! بالآخر میں روم کو روانہ ہوا، ایک سرائے میں ڈیرہ جمالیا۔ ایک گروہ زنار پہن کر میرے اردگرد جمع ہوگیا میں نے غیرتِ اسلامی سے انہیں دیکھ کر اپنا پیرہن تار تار کر دیا اور شور برپا کر دیا یہاں تک کہ وہ سارے میرے اردگرد جمع ہو گئے اور پوچھا: بابا! کیا ہے تجھے کون سی بیماری ہے جس سے تم نے پیرہن تار تار کر دیا۔ میں نے کہا، میں تمہارے کفر کے زنار دیکھنا نہیں چاہتا۔ پوچھا: تم محمدی ہو؟ میں نے کہا: ہاں، میں محمدی ہوں۔ انہوں نے کہا، تو پھر بات آسان ہے وہ یہ کہ ہم نے سنا کہ تمہارے (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) پتھروں کو کلمہ پڑھا دیتے تھے اور یہ ہمارے زنار بھی پتھر سے کم نہیں اگر یہ تمہارے کہنے پر تمہارے نبی عربی کی نبوت کی گواہی دیں تو ہم انھیں اتار پھینکیں گے اور دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے سر سجدہ میں رکھ کر نہایت عجز و انکساری سے بارگاہِ حق میں عرض کی: اے الٰہ العالمین! مجھے بخش دے اور اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا کر دکھا اور اسلام کی مدد فرما۔ فرماتے ہیں کہ میں ابھی سجدہ میں تھا اور میری مناجات ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ ہر زنار بزبانِ فصیح بول رہا تھا:

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

تفسیر عالمانہ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو لوٹایا ان کافروں سے وہی گروہ مراد ہیں جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لیے جمع ہو کر آتے تھے اور اس میں واقعہ سابقہ کی طرف رجوع ہے یعنی پہلے جو کچھ ہوا سو ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو لوٹایا درانحالیکہ وہ تھے بِغَيْظِهِمْ اپنے غیظ و غضب اور حسرت میں یعنی غصہ آلود ہو کر لوٹے۔

حلِ لغات: الغیظ سخت قسم کا غضب یعنی وہ حرارت جو انسان قلب کے خون کے جوش سے اپنے میں محسوس کرے۔

لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا کچھ خیر و بھلائی نہ پائی۔ یہ دوسرا حال ہے یعنی ان کا حال یہ تھا کہ وہ جو ارادہ لے کر آئے کہ ہم غلبہ پا جائیں گے اسے نہ پا سکے یعنی ناکام و نامراد واپس ہوئے۔

ف : اسے خیراً اس لیے کہا کہ ان کے گمان میں یہ خیر و بھلائی متصور تھی انہی کے استعمال اور ان کے گمان کے مطابق اسے خیر کہا گیا (ورنہ یہ تو شر ہی شر تھا)

وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو لڑائی میں کفایت فرمائی۔ جیسا کہ مذکور ہوا کہ ان پر سخت آندھی چلی اور فرشتے آئے اور ان کے خیمے وغیرہ اکھاڑ ڈالے ؎

بادِ صبا ببست میان نصرت ترا
دیدی چراغ کہ کند باد یاوری

ترجمہ : بادِ صبا نے تمہاری مدد پر کمر باندھی۔ اس چراغ کو دیکھو کہ ہوا اس کی مدد کر رہی ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا اور اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ کے مطابق جو کچھ پیدا کرنا چاہے قوی ہے عَزِيْزًا ۝ ہر شے پر غالب ہے وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ ربط : ایک اور کفایت کی خبر دی اور فرمایا کہ اور انہیں نازل کیا جنھوں نے ان کی مدد کی۔ اس سے وہ گروہ مراد ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے مردود ہو کر لوٹا اور معاونت کرنے والا اور عہد توڑنے والا۔ وہی اہلِ کتاب مراد ہیں جن کا ذکر آیت میں ہے کہ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اہلِ کتاب میں سے۔ اس سے بنو قریظہ مراد ہیں یعنی وہ یہود جو مدینہ طیبہ میں رہتے تھے یعنی اوس کے حلیف، اور اس وقت اوس کا سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ تھے مِنْ صَيَاصِيْهِمْ اپنے قلعوں میں۔

حلِ لغات : صیاصی (بالکسر) جمع ہے صیصہ کی۔ جس سے حفاظت کی جائے۔ اسی لیے بیل اور ہرن کے سینگ اور شوکۃ الدیک (مرغ کا پنجہ) کو صیصہ کہا جاتا ہے اور شوکۃ الدیک یعنی مرغ کا وہ پنجہ جو اس کی ٹانگ میں ہے۔ اس سے وہ اپنی حفاظت کرتا اور لڑتا ہے[1]

---

[1] ہمارے دور (۱۴۰۷ھ/۱۹۸۶ء) میں جانوروں پر ظلم ڈھایا جا رہا ہے جس کی ایک جھلک نذرِ قارئین ہے:

مُرغ کی مُرغ کے ساتھ کُشتی اس مخلوق کے انسانیت پر بے شمار احسانات ہیں۔ اس مخلوق کو آپس میں لڑانا اور مزے لینا انسانیت کے منہ پر بدترین اور بدنماترین داغ ہے۔

بٹیر کی بٹیر اور تیتر کی تیتر کے ساتھ کشتی ان کو پنجروں میں بند رکھنا۔ آزادی اس مخلوق کی قابلِ فخر دولت ہے۔ ان کو اس سے محروم کرنا اور پھر ستم بالائے ستم کرنا کہ ان کو آپس میں لڑایا جاتا ہے۔

اونٹ کی کُشتی اونٹ کے ساتھ اللہ رب العزت نے اس مخلوق کو اپنی قدرت کی نشانی قرار دیا۔ انسان جو کبھی اپنی حدی خوانی سے اس پر مستی اور خوشی کا عالم طاری کر دیتا تھا آج اسے اس کے بھائیوں سے لڑا کر اپنے ظالمانہ جذبات کی تسکین حاصل کرتا ہے۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)

ریچھ کی کُتّے کے ساتھ کشتی ریچھ جو اپنے کوہستانی وطن میں آزادی کے سانس لیتا، من بھاتی غذائیں کھاتا اور صاف شفاف چشموں کے پانی پیتا تھا، انسان کے معصوم چہرے کو دیکھ کر اس کے دام میں پھنس گیا ورنہ اگر یہ اپنا پنجہ بھی ہوا میں لہرا دیتا تو انسان کی جان نکل جاتی۔ اسے معلوم نہ تھا کہ آج کا انسان اسے اپنے وطن لے جا کر کیسا سلوک کرے گا۔ کتا جو انسان کے گھر کا نگہبان ہے اسے اپنے ریچھ سے لڑا کر اور دونوں کو لہولہان دیکھ کر انسان قہقہے لگاتا ہے۔

کتے کی کتے کے ساتھ کشتی کتا ایک پالتو جانور ہے۔ کتا بہت وفادار ہے۔ اس کو رکھوالی کے لیے پیدا کیا گیا۔ مگر انسان ان کو آپس میں لڑا کر بہت خوش ہوتا ہے۔

جانوروں پر ظلم ظلم اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے۔ انسانوں پر ظلم بہت بڑی بات ہے۔ مگر جانوروں پر ظلم اس سے بھی زیادہ برا ہے اس لیے کہ جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے ہماری خدمت کے لیے مسخر فرمادیا ہے ان سے وہی کام لینا چاہیے جس کے لیے وُہ پیدا کیے گئے ہیں اور اتنا کام لینا چاہیے جس کے وہ آسانی سے متحمل ہوسکیں۔ ان کی خوراک اور آرام وغیرہ کا بھی خیال رکھنا چاہیے۔

سوچنے کی بات ہے کہ انسان پر اگر کسی طرف سے ظلم ہو تو وہ شور مچا کر اپنے دل کی بات متعلقہ لوگوں تک پہنچا دیتا ہے کیونکہ وہ ایک با اختیار مخلوق ہے۔ لیکن جانور، پرندے جو انسان کے سامنے بے بس اور بے زبان ہیں انھیں انسان جو طرح طرح کی ایذائیں صرف دولت جمع کرنے اور لُطف اندوز ہونے کے لیے دیتا ہے ناقابل بیان ہیں، یہ اپنی فریاد کہاں پیش کریں! کیا ان سے ہمدردی ہم پر لازم نہیں؟ کیا ہم ان مظلوموں کے چہروں سے ان کے دلی جذبات کا اندازہ نہیں لگا سکتے؟ کیا ان کی آہ وزاری کو خدا تعالیٰ نہیں سُنتا بلکہ ہماری آہ وزاری سے ان کی بہت زیادہ سُنتا ہے۔

جانوروں پر ظلم وستم کی جزا و سزا کا بیان آگے چل کر عرض کروں گا پہلے اس نبی رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات گرامی ملاحظہ فرمالیں کہ وہ رحمتِ عالم جس طرح انسانیت کا محسنِ عظیم ہے جانوروں کے لیے کتنا رحیم و کریم ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)

اونٹ کی فریاد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے وہاں ایک اونٹ نظر آیا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی بلبلانے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ کے پاس تشریف لے گئے اور اس کی گدّی پر ہاتھ پھیرا تو وہ خاموش ہوگیا۔ آپ نے پُوچھا، اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ ایک انصاری نوجوان نے عرض کی: حضور! یہ اونٹ میرا ہے۔ حضورِ سرورِ عالم نے اسے ڈانٹتے ہوئے فرمایا:

افلا تتقی فی ھذہ البھیمۃ التی ملك — اس کے بارے تم خدا سے نہیں ڈرتے جس نے

(باقی بر صفحۂ آیندہ)

الله اياه فانه شكى الى انك تجيعه وتدئبه۔ (رواه ابوداؤد)

تمہیں اس کا مالک بنایا اونٹ نے ابھی مجھ سے شکوہ کیا ہے کہ تم اُسے بھوکا رکھتے ہو اور بہت زیادہ محنت لیتے ہو۔

ف: اونٹ ایک کمزور عقل جانور ہے لیکن اس کو یہ خبر ضرور تھی کہ ہم سب کے فریادرس خدا کے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی فریاد سنادی۔ اس کا مزید تبصرہ فقیر کی کتاب "وہابی اور جانور" میں ملاحظہ کیجئے۔

ایک اور اونٹ کی فریاد

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک اونٹ حاضر ہوا، عرض کی: یا رسول اللہ! میں جن لوگوں میں رہتا ہوں وہ لوگ عشاء کی نماز نہیں پڑھتے سو جاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس اونٹ کی شکایت پر ان لوگوں کو طلب کرتے ہیں اور نماز کی پابندی کی تاکید فرماتے ہیں۔

ف: اس قصہ کو پڑھ کر بے نمازی حضرات اپنے گریبان میں جھانکیں کہ نماز ادا نہ کرنے پر بے زبان مخلوق انھیں کیا سمجھتی ہے۔ میرے خیال میں یہ سمجھتی ہوگی کہ اس بدبخت انسان سے ہم بھلے کہ چارہ کھا کر زمین پر لیٹ کر بہت سی تکالیف تحمیل کر کبھی اللہ تعالیٰ کو نہیں بھولتے لیکن یہ نالائق عیش وعشرت اور عزت وعظمت کی زندگی پا کر بھی خدا تعالیٰ کو یاد نہیں کرتا۔ حالانکہ یہ سارے جانور بلکہ ساری خدائی اس کے لیے اور یہ خدا کے واسطے ؎

کھیتیاں سرسبز ہیں تیری غذا کے واسطے
جانور پیدا کیے تیری وفا کے واسطے

قرآن مجید میں اسی طرف اشارہ ہے:

وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون۔

اور ہم نے انسان اور جن کو اللہ تعالےٰ کی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

چڑیا کی فریاد

حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہ (صحابی) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک سفر میں تھے کہ حضور رفع حاجت کے لیے تشریف لے گئے ہم لوگوں نے ایک حمرہ (ایک قسم کا پرندہ چڑیا جیسا) دیکھا جس کے ساتھ دو بچے بھی تھے ہم نے پکڑ لیے حمرا آیا اور ہمارے سروں پر پھڑپھڑانے لگا۔ حضور تشریف لائے اور فرمایا، کس نے اس کے بچے لے کر اسے بیقرار کر دیا ہے اس کے بچے اسے واپس دے دو۔ (ابوداؤد)

ہرنی کی فریاد

ہرنی کی فریاد کا معجزہ بہت مشہور ہے جسے عوام الناس خوب جانتے ہیں۔ اس طرح کے متعدد واقعات احادیث اور سیرت کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اسی لیے تماشا دیکھئے،

(باقی برصفحہ آئندہ)

نفسوں کو قتل سے اور اپنے اہل وعیال اور بچوں کو قید سے بچانے کی غرض سے ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَقَذَفَ اور ڈال دیا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ ان کے دلوں میں رعب ۔ یعنی خوف اور گھبراہٹ کہ وہ اپنے فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ایک گروہ ان کے مردوں کو قتل کرتا تھا وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۝ اور ایک گروہ ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بناتا تھا بغیر اس کے کہ ان سے بھاگنا ہوتا مخالفت تو دور کی بات تھی ۔

حلِ لغات : الاسر بمعنے زنجیروں سے باندھنا اور اسیر کو اسی لیے اسیر کہا جاتا ہے کہ اسے زنجیروں سے باندھا جاتا ہے ۔ اب ہر قیدی کو اسیر کہا جاتا ہے چاہے اسے کسی شے سے نہ باندھا جائے ۔

وَاَوْرَثَكُمْ اور تمہیں وارث بنایا اَرْضَهُمْ ان کی زمین، کھیتوں اور باغات کا وَدِيَارَهُمْ اور ان کے قلعوں اور گھروں وَاَمْوَالَهُمْ اور ان کے اموال کا نقد و دیگر اثاثہ اور جانور ۔

ف : چونکہ یہ اشیاء مسلمانوں کو غنیمت میں ملیں تو انھیں میراث سے تشبیہ دی گئی کہ جیسے مورث کا مال وارث کو بلا تکلیف حاصل ہوتا ہے ان کو بھی ایسے ہی ملا کیونکہ وہ لوگ نہ تو ان کے رشتہ دار تھے اور ان سے ان کے دین کا تعلق تھا اور نہ ولاء ۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کرکے ان کے املاک و اموال غنیمت کے طور مسلمانوں کے قبضے ایسے دے دیے جیسے وارث مورث کا مال لیتا ہے وَاَرْضًا اور تمہیں اللہ تعالیٰ نے زمین دی اور یہ اس کے علم و تقدیر میں تھا کہ ایسے ہوگا لَّمْ تَطَئُوْهَا جس پر تم نے ابھی قدم نہ رکھا تھا جیسے روم و فارس، اور ایسے وہ علاقے جو قیامت تک فتح ہوں گے ۔

حلِ لغات : یہ وطی یطاء و طئا سے ہے بمعنے پاؤں رکھ کر چلنا ۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝ اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے منجملہ ان کے یہی ہے جو تمہارے قبضہ میں زمین وراثت کے طور بخشی ایسے ہی باقی آنے والے ممالک کے قبضہ و قدرت کا خیال کر لو ۔ حضرت

(بقیہ حاشیہ)

والوں کے لیے عبرت کے لیے کافی ہیں ۔

سزا کا بیان جو لوگ جانوروں کی لڑائی سے خوش ہوتے ہیں انھیں یاد ہونا چاہیے کہ جانوروں کی فریاد اللہ تعالیٰ بہت جلدی سنتا اور اس کی سزا فی الفور مقرر فرما دیتا ہے ۔

چنانچہ حدیث شریف میں بلی والی ایک عورت کا قصہ مشہور ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ایک عورت محض اس وجہ سے جہنم میں ہے کہ اس نے بلی کو باندھ رکھا تھا (بخاری) ۔ اور جانوروں پر ترس کرنے پر بھی اللہ تعالیٰ کو بہت رحم آتا ہے ۔ چنانچہ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے محض اس لیے بخش دیا کہ اس نے ایک پیاسے کتے کو کنوئیں سے پانی نکال کر پلایا (بخاری) اہلِ دل کے لیے اتنا ہی کافی ہے اور سنگدل کے لیے دفتر کے دفتر ناکافی ۔ اویسی غفرلہٗ

کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ترجمہ کیا کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ سید العباد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے غلاموں کو بلاد وممالک پر فتح وتسخیر بخشے ؎

لشکر عزم ترا فتح و ظفر ہمراہ ست
لا جرم ہر نفس اقلیم دگر می گیری

ترجمہ: اے لشکرِ عزم فتح ونصرت تمہارے ہمراہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر آن نئی اقلیم پر قبضہ جاتے ہو۔

غزوۂ بنی قریظہ

مروی ہے کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کے وقت غزوۂ خندق سے لوٹے تو نمازِ ظہر ادا کر کے اُم المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ غسل فرمانے لگے۔ ابھی سرِ اقدس کا آدھا حصہ ہی دھو پائے تھے کہ جبریل علیہ السلام اپنے حیزوم گھوڑے پر سوار سیاہ پگڑی باندھ کر حاضر ہوئے اور عرض کی: کیا آپ نے ہتھیار اتار دیے؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی کہ ملائکہ نے تو ہتھیار نہیں اتارے اس وقت سے پہنے ہوئے ہیں جب سے آپ پر دشمن نے حملہ کیا۔ لیکن آپ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ آپ بنو قریظہ پر حملہ کرنے کے لیے چلیں، میں اور میرے ساتھی چلتے ہیں اور ان یہودیوں کے قلعوں کو ہلاتے ہیں۔ یہ کہہ کر چل پڑے اور دیگر ملائکہ بھی ان کے ساتھ جا رہے تھے ان کے چلنے سے غبار اڑتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم فرمایا کہ اعلان کر دو کہ اعلان سنتے ہی چل دیجئے، اتنی جلدی چلیے کہ نمازِ عصر بنو قریظہ میں جا کر پڑھیے۔ جانے کا اعلان فرما کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے زرہ زیبِ تن فرمائی اور خود پہنا، عصا مبارک ہاتھ میں لیا اور تلوار گلے لگائی اور لحیف (بالفتم) گھوڑے پر سوار ہوئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو آپ کے ارد گرد تھے انہوں نے بھی ہتھیار اٹھائے، اس وقت یہ تین ہزار تھے مدینہ طیبہ میں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو امیر مقرر کر کے روانہ ہوئے اور جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا وہی جھنڈا جو خندق میں تھا اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ ہوئی۔ حضرت علی کو بعض ساتھیوں کے ساتھ آگے چلنے کا حکم دیا اور آپ بنو نجار کے ساتھ چلے جنہوں نے ہتھیار پہن رکھے تھے آپ نے ان سے پوچھا: یہاں تمہارے سامنے سے کوئی آدمی گزرا ہے؟ عرض کی: ہاں، دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو ہم نے جاتے دیکھا ہے وہ ہمیں کہہ گئے ہیں کہ ہتھیار پہن لو ابھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے ہاں تشریف لانے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ دحیہ کلبی جبریل علیہ السلام ہی تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جاتے ہی بنو قریظہ کے قلعوں کے ساتھ جھنڈا گاڑ دیا۔ بنو قریظہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواجِ مطہرات کے حق میں ناشائستہ الفاظ استعمال کیے۔ مسلمانوں نے حوصلے اور برداشت سے کام لیا، خاموشی سے سنتے رہے۔ بس اتنا کہا کہ تمہارا اور ہمارا فیصلہ تلوار کرے گی۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کو تشریف لاتے دیکھا تو حضرت قتادہ انصاری کو فرمایا: جھنڈا سنبھالو، میں آپ کا استقبال کروں۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ

علیہ وسلم سے ملے، عرض کی، آپ ان خبیثوں کے پاس نہ جائیں تو بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا تم نے ان سے میرے متعلق سب وشتم اور بکواسات سُنے ہیں؟ عرض کی: ہاں۔ آپ نے فرمایا: جب مجھے دیکھیں گے تو کچھ نہ کہیں گے۔ جب آپ قلعوں کے قریب پہنچے تو بلند آواز سے فرمایا:

یا اخوان القردة والخنازیر۔

(خنزیروں اور بندروں کے بھائیو!)

آپ نے اس لیے فرمایا کہ ان کے آباء واجداد میں نوجوان بندر اور بوڑھے خنزیر بن گئے تھے اور یہ داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ہوئے جب ہفتہ کے دن مچھلی کے شکار میں تجاوز کیا۔ پھر فرمایا: تمہیں اللہ رُسوا کرے اور عذاب میں مبتلا کرے کیا تم مجھے گالی دے رہے تھے۔ یہود نے سُن کر قسمیں کھائیں کہ ہم نے آپ کو گالیاں نہیں دیں لیکن ہم حیران ہیں کہ آپ ایسے فاحش گالی دینے والے تو نہ تھے لیکن آج آپ کو کیا ہوگیا ہے کہ آپ خلافِ عادت باتیں کر رہے ہیں۔ بعض صحابہ کرام سے سفر میں عصر کی نماز قضا ہوگئی وہ اب عشاء کے وقت ادا کر رہے تھے اس ارشاد کے مطابق کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا:

لا یصلین العصر الا فی بنی قریظة۔

(عصر کی نماز بنو قریظہ میں ہی جاکر پڑھنا)

اس پر بعض نے کہا کہ یہ کلمات آپ نے تاکید کے طور فرمائے تھے تاکہ ہم بنو قریظہ تک پہنچنے میں جلدی کریں نہ یہ کہ ہم عصر کی نماز ترک کر دیں اسی لیے انہوں نے نماز اپنے وقت پر پڑھ لی تھی۔ آپ نے دونوں کو اپنے موقف پر برقرار رکھا۔ وقت پر نہ پڑھنے والوں کی سرزنش کی اور نہ ہی قضا کرنے والوں کو کچھ فرمایا کیونکہ دونوں اپنے موقف میں صحیح تھے اور اپنے اپنے قیاس واجتہاد پر ثواب پانے والے۔

صُوفیانہ استدلال اسی واقعہ سے صوفیہ کرام نے استدلال کیا ہے کہ جس کو مرشد کسی کام کے لیے بھیجے اور راستے میں مسجد آجائے اور نماز کا وقت بھی ہو تو شیخ کے کام اور فرض کی ادائیگی میں اگر مسجد کو چھوڑ کر منزلِ مقصود پر جاکر نماز پڑھ لے تو جائز ہے اس سے نماز کی سُستی یا مسجد کے چھوڑنے کا اس پر الزام نہ ہوگا۔[1]

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ کا محاصرہ پچیس راتوں تک جاری رکھا یہاں تک کہ بنو قریظہ پر قید وبند کی صعوبت سخت ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں سخت خوف ڈالا اور حیی بن اخطب

---

[1] شاید حضرت حافظ شیرازی کے شعر

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید

کی دلیل یہی واقعہ ہو۔ اویسی غفرلہٗ

بنو نضیر کا سردار بھی اسی قلعہ میں بند تھا اور وہ خندق سے واپسی پر اسی میں ٹھہر گیا تھا۔ جب یہود کو یقین ہو گیا کہ حضور علیہ السلام ہمیں کسی صورت میں نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ ہمیں قتل کر دیں گے۔ ان کے سردار کعب بن اسید نے کہا: اے یہودیو! ہم اس مرد (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیعت قبول کر لیں اور ان کی رسالت کی تصدیق پر آمادہ ہو جائیں بخدا اب تمہیں یقین ہو گیا ہو گا کہ یہ وہی نبی (علیہ السلام) ہیں جن کا ذکر خیر تمہاری کتابوں میں ہے اور مدینہ طیبہ ان کا دار الہجرۃ ہے۔ اب ان سے حسد کرنے کا کیا معنیٰ! صرف اسی لیے کہ وہ عربی ہیں بنی اسرائیل سے نہیں، میں تو ان سے معاہدہ توڑنے کو بُرا سمجھتا ہوں، اور تم پر یہ بلا و شامت اس بیٹھنے والے یعنی حیی بن اخطب کی وجہ سے ہے۔ یہودیوں نے کہا: ہم تو توراۃ کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتے کہ اس کے بدلے میں ہم قرآن کو مان لیں۔ اس نے کہا: تو پھر یوں کرو کہ ہم اپنے بچوں اور عورتوں کو قتل کر ڈالیں پھر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے صحابیوں سے جنگ کریں وہ تو اس وقت جنگ پر تلے ہوئے ہیں ہم مر جائیں تو ہمارے پیچھے ہماری نسل بھی ختم ہو کیونکہ ہم مر جائیں گے تو پھر ان کی زندگی دوبھر ہو جائے گی۔ یہودیوں نے کہا: ان مسکینوں (بچوں) کو قتل کر دیں تو پھر ہمارا جینا کس کام کا۔ اگر ہم زندہ بچ نکلے تو۔ پھر اس نے کہا: اگر یہ نہیں مانتے تو پھر لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ: آج شب ہفتہ اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) غفلت میں ہیں ہم ان پر اچانک حملہ کر دیں ممکن ہے ہم کامیاب ہو جائیں۔ یہودیوں نے کہا: ہم ہفتہ کی توہین نہیں کر سکتے اور نہ ہی وہ کام کرتے ہیں جو ہمارے بڑوں نے نہیں کیا اس پر عمرو بن سعد نے کہا کہ اگر یہودیت پر ثابت قدم رہنا چاہتے ہو کہ ہم اہلِ عرب کے لیے خراج اپنے گلے میں ڈالنا گوارا نہیں کرتے جو وہ ہم سے زندگی بھر خراج وصول کرتے رہیں اس سے تو وہی مرنا بھلا۔ اس پر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: میرے حکم پر قلعوں سے نیچے اتر آؤ۔ یہودیوں نے انکار کیا۔ آپ نے فرمایا: سعد بن معاذ کا حکم مان لو وہ تمہارے قبیلہ کا ہے یعنی اوس کا سردار ہے۔ یہودیوں نے کہا: اس کا حکم ہمیں قبول ہے جیسے وہ کہے گا ہم راضی ہیں اور اس کے حکم کی خلاف ورزی نہ کریں گے وہ موجود نہ تھے خندق میں زخمی ہو چکے تھے آپ نے انھیں مدینہ طیبہ سے بلوایا، وہ گدھے پر سوار ہو کر تشریف لائے چونکہ جسیم لحیم تھے اور زخم خوردہ بھی تھے اسی لیئے ان کے آنے پر صحابہ کرام کو فرمایا:

قوموا الی سید کم۔

(اُٹھ کر اپنے سردار کا استقبال کرو)

انصار نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔

مسئلہ: آنے والے کے استقبال کی دلیل یہی واقعہ ہے۔ انصار نے اُٹھ کر حضرت سعد کا استقبال کیا

لہ میلاد شریف یا جلسوں میں قیام کا استدلال بھی اس واقعہ سے کیا جاتا ہے علت جامعہ تعظیم ہے۔ فافہم ولا تکن من الوہابیہ ہم قوم لا یعقلون۔ اویسی غفرلہٗ

انھوں نے آتے ہی فرمایا کہ یہود کے جنگجوؤں کو قتل کر دو اور ان کے بچوں اور عورتوں کو غلام اور کنیزیں بنا لو۔ یہ سن کر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نعرۂ تکبیر بلند فرمایا اور فرمایا:

لقد حکمت بحکم اللہ من فوق سبعة ارقعة۔

(تم نے وہی فیصلہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے ساتوں آسمانوں کے اوپر کیا)

مطلب یہ کہ تمہارے اس فیصلے کی شان بلند و بالا ہے۔ اس پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اب قلعوں سے نیچے اتر آؤ۔

اور فرمایا:

جو کچھ ان کے قلعوں میں ہے سب سمیٹ لو۔

چنانچہ قلعوں میں سے ایک ہزار پانچ سو تلواریں، تین سو زرہیں، دو ہزار تیر اور پانچسو ڈھالیں حاصل ہوئیں علاوہ ازیں ان کے برتن اور اونٹ اور مویشی اور دیگر اشیاء بکثرت حاصل ہوئیں۔ آپ نے انہیں پانچ حصوں میں تقسیم فرمایا اور ان کی زمینیں مہاجرین کو بخش دیں انصار کو زمینیں نہیں دی گئیں۔ کیونکہ وہ پہلے سے ہی صاحبِ منازل تھے۔ اس پر تمام حضرات راضی ہو گئے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا' درست ہے۔ آپ نے فرمایا: یہودیوں کا سامان اٹھاؤ اور جانوروں کو یہاں چرنے کے لیے چھوڑ دو۔ صبح کے وقت مدینہ طیبہ کو روانگی ہوئی اور فرمایا کہ قیدیوں کو دار اسامہ بن زید میں لاؤ' وہ چھ سو یا اس سے زاید جنگی تھے۔ اور عورتوں اور بچوں کے لیے فرمایا کہ انہیں بنت الحارث النجاریہ کی دار میں لاؤ' بچوں اور عورتوں کی تعداد سات سو تھی۔ اور یہ گھر چونکہ وفودِ عرب کے ٹھہرانے کے لیے تیار کیا گیا تھا اس لیے ان کو وہاں ٹھہرانے کا حکم دیا۔ اس کے بعد آپ نے سُوق المدینہ میں تشریف لے جا کر گڑھے کھودنے کا حکم دیا اور فرمایا: ایک ایک قیدی کا سر کاٹ کر لاش اور سر پھینکتے جاؤ اور پھر اس پر مٹی ڈال دو۔ اس کام کے متولی حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے عورتوں میں سے سوائے ایک عورت کے کسی کو قتل نہ کیا گیا' وہ عورت وہ تھی جس نے قلعے کے اوپر سے حضرت خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ پر چکی پھینکی جس سے آپ شہید ہو گئے۔ اس غزوہ میں سوائے خلاد بن سوید کے اور کوئی مسلمان شہید نہ ہوا۔ حضور علیہ السلام نے ان کے لیے فرمایا:

لہٗ اجر شہیدین۔

(اسے دو شہیدوں کا ثواب ہے)

اس کے بعد آپ نے قریظہ کی قیدی عورتوں اور بچوں کو نجد میں بیچنے کا حکم فرمایا اور فرمایا اس رقم کے عوض گھوڑے اور ہتھیار خرید کر لانا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ پھر وہ گھوڑے اور ہتھیار مسلمانوں میں تقسیم کئے گئے۔

حضور علیہ السلام نے روکا تھا کہ بچے اور اس کی ماں میں جدائی نہ ڈالی جائے جب تک بچہ بالغ نہ ہو یعنی یہاں تک کہ بچے کو احتلام ہو اور بچی کو حیض آئے۔

اور فرمایا :

حدیث شریف من فرق بین والدۃ وولدھا فرق اللہ بینہ و بین احبتہ یوم القیامہ ۔

(جو ماں اور اس کی اولاد میں جُدائی ڈالے گا اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کو اپنے دوستوں سے جُدا رکھے گا)

ف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے ریحانہ بنت شمعون کو مخصوص فرمایا کیونکہ وہ قبیلے کے سردار کی بیٹی تھی اور مسلمان ہو گئی تھیں انھیں آزاد کر کے نکاح فرمایا اور وہ آپ کی زوجیت میں رہیں یہاں تک کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر واپسی پر ان کا انتقال ہوا۔ یہ ہجرت کا دسواں سال تھا انھیں جنۃ البقیع میں دفن کیا گیا۔ یہ واقعہ آخر ذیقعدہ ۵ھ میں ہوا۔ لہ

لہ عیسائی و دیگر دشمنانِ اسلام کے تاریخ کے رنگ میں اعتراضات کے جوابات

عیسائی اور دیگر دشمنانِ اسلام مورخین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے زیادہ سنگین یہ الزام لگایا ہے کہ (معاذ اللہ) "آپ اور آپ کے ساتھی غیر مسلموں سے بے رحمی سے پیش آتے تھے اور ان کا کام صرف اور صرف لوٹ مار اور مار دھاڑ تھا"۔ یہ انھوں نے تعصب اور بغض و عناد کی وجہ سے کہا ہے ورنہ تاریخ شاہد ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم جیسا رحم دل نہ پیدا ہوا نہ ہوگا ۔ بعض غیر متعصب مورخین نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے ۔ اگر کوئی بلا تعصب آپ کی زندگی کا مطالعہ کرے تو وہ یقین کرے گا کہ عیسائیوں کا مذکورہ بالا تصور من گھڑت ہے جس میں حبّہ بھر صداقت نہیں۔ فقیر آپ کی ابتدائی کارروائی کا وہ عہد نامہ پیش کرتا ہے جس میں آپ نے مخالفین کو باآرام وسکون زندگی لبسر کرنے کی دعوت دی ۔ اس عہد نامے کا پہلا حصہ جسے آزادیٔ ضمیر کا پہلا باب کہنا چاہیے اس طرح شروع ہوتا ہے :

ترجمہ : "اللہ کے نام سے شروع کیا جاتا ہے جو رحمٰن ورحیم ہے، یہ محمد رسول اللہ کی طرف سے مسلمانوں کے ساتھ خواہ وہ قریش ہوں یا یثربی اور ان کے علاوہ ان تمام افراد کے ساتھ خواہ وہ کسی قبیلہ یا قوم سے ہوں لیکن مسلمانوں کے مقاصد سے متفق ہوں معاہدہ کیا جاتا ہے کہ وہ تمام ایک قوم شمار ہوں گے"۔ اس کے بعد چند قبائل سے دیت کی ادائیگی کے قواعد مقرر کیے گئے ہیں اور مسلمانوں کے آپس میں ذاتی فرائض کے قوانین بیان کرنے کے بعد لکھا ہے : "صلح و امن تمام مسلمانوں کے لیے مشترک ہوں گے ۔ اپنے ہم مذہبوں کے دشمنوں کے ساتھ کسی شخص کو بطور خود صلح یا جنگ کرنے کا اختیار نہ ہوگا ۔ یہودی جنھوں نے ہماری جمہوریت سے الحاق

(باقی برصفحہ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ)

کرلیا ہے ہر قسم کی توہین وغیرہ سے محفوظ رکھے جائیں گے۔ ان کو ملکی حقوق اور عہدے مسلمانوں کے برابر دئے جائیں گے اور دونوں کو ہر قسم کی امداد دی جائے گی۔ مسلمانوں کے علاوہ یہود قبائل حارث، جشم، ثعلبہ، اوس اور دوسرے جو یثرب میں آباد ہیں مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک قوم شمار ہوں گے اور ان کو اپنے احکامِ مذہب کی بجا آوری میں ویسی آزادی ہوگی جیسی کہ مسلمانوں کو، اور ان کے دوستدار اور حلیف بھی اس آزادی و تحفظ سے متمتع ہوں گے۔ مجرم سے مواخذہ کیا جائے گا اور اسے سزا دی جائے گی۔ یثرب کو تمام دشمنوں سے بچانے کے لیے یہودی مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ ان تمام لوگوں کے لیے جو اس عہد نامہ کو قبول کرتے ہیں اندرونِ یثرب قابلِ احترام ہوگا۔ مسلمانوں اور یہودیوں کے دوستدار اور حلیف قبائل کی ویسی ہی عزت کی جائے گی جیسی کہ ان کے سرپرستوں کی کی جاتی ہے ہر سچا مسلمان اس شخص سے نفرت کرے گا جو کسی جرم، ناانصافی یا تخریبی کام کا مرتکب ہو۔ کوئی شخص مجرم کی امداد نہیں کرے گا خواہ وہ اس کا قریب ترین رشتہ دار ہو"۔

سلطنت کے چند انتظامی امور کے تذکرہ کے بعد یہ حیرت انگیز دستاویز اس طرح ختم ہوتی ہے:
"آئندہ تمام جھگڑے جو ان لوگوں کے درمیان پیدا ہوں گے جنہوں نے اس عہد نامے کو قبول کیا ہے فیصلے کے لیے رسول اللہ کے سامنے پیش کیے جائیں گے"۔

اس طرح عربوں کی بدعملی کو ایک آخری جان لیوا دھچکا لگا کیونکہ اس سے قبل مظلوم کو انتقام لینے یا انصاف کرانے کے لیے اپنی یا اپنے اقربا کی طاقت پر بھروسا کرنا پڑتا تھا۔ اس عہد نامے کی رُو سے آپ حاکمِ اعلیٰ مقرر ہوئے۔

بنی نضیر، بنی قریظہ، بنی قینقاع اور دیگر قبائل جو مدینہ کے قرب وجوار میں آباد تھے اس عہد نامہ میں شامل نہ ہوئے لیکن کچھ مدت بعد اُنہوں نے بھی خوشی کے ساتھ ان شرائط کو قبول کرلیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام الطاف واکرام یہود کو کسی طرح مطمئن نہ کرسکے۔ کوئی بات ان کے جذباتِ عداوت کو مٹا نہ سکی۔ اس بات سے ناراض ہوکر کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عرب کے یہودی بنانے میں آلۂ کار نہیں بنا سکتے۔ اور اس لیے کہ اسلام کے عقاید یہودیت کے مقابلے میں نہایت سادہ ہیں۔ اُنہوں نے مسلمانوں سے تعلقات منقطع کرلیے اور دشمن کی صف میں جا ملے۔ جب اُن سے پوچھا جاتا کہ وہ بُت پرستی اور اسلام میں سے کس مذہب کو پسند کرتے ہیں تو اُن کا جواب اکثر عیسائی کج بحثوں کی طرح یہی ہوتا کہ ہم بت پرستی کو اس کی تمام برائیوں کے باوجود اسلام پر ترجیح دیتے ہیں وہ بدزبانی پر اتر آتے۔ اپنی زبانوں کو بل دے دے کر قرآن کے الفاظ اور کلماتِ نماز کا تلفظ بگاڑتے اور انہیں بے معنی کر دیتے یا کلماتِ کفر بنا دیتے۔ یہودی شعرا جو اس وقت بہت کثرت سے موجود تھے۔ تہذیب و شرافت کو بالائے طاق رکھ کر مسلمان مستورات کی شان میں نہایت مکروہ اشعار کہتے۔ لیکن اس سے بھی ان کا

(باقی بر صفحہ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ)

دل ٹھنڈا نہ ہوا اور اُنہوں نے اس سلطنت کے دشمنوں کے پاس، جس کی حفاظت میں وُہ خود بھی تھے ایلچی بھیجے۔ قریش جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل پر اُدھار کھائے بیٹھے تھے۔ عبداللہ بن اُبی کے گروہ اور غدّار اسرائیلیوں کے لوگ اسلام کی کمزور حالت سے بخوبی واقف تھے انہیں یہ معلوم تھا کہ یہودیوں نے وقتی ضرورت کے ماتحت عارضی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اتحاد کیا ہے اور ان کے مدینہ کے قریب ظاہر ہوتے ہی یہود اور ان کے پرستار مسلمانوں کو چھوڑ کر فوراً ان سے جا ملیں گے۔

چنانچہ اب مسلمانوں کی سخت ترین آزمائش کا وقت آن پہنچا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہر کے تحفظ اور مسلمانوں کی تنظیم سے ابھی فارغ نہ ہونے پائے تھے کہ حملے شروع ہو گئے۔ تمام مدینہ بغاوت اور سازشوں سے بھر گیا۔ اب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض تھا کہ شہر کو کسی ناگہانی اندرونی آفت سے بچاتے یا بیرونی حملہ کی مدافعت کے لیے سخت تر وسائل اختیار کرتے۔ آپ صرف اسلام کے مبلغ ہی نہ تھے بلکہ لوگوں کی جانوں اور آزادی کے محافظ بھی تھے۔ پیغمبر کی حیثیت سے آپ دشمنوں کی بدزبانی اور دشنام دہی کو تو برداشت کر سکتے تھے لیکن سلطنت کے حاکم کی حیثیت سے تقریباً ایک مسلسل جنگ کے جرنیل کی حیثیت سے، جب کہ مدینہ کا نظم ونسق فوجی قوانین کے تحت عمل میں آ رہا تھا۔ آپ اس دغابازی کو نظرانداز نہ کر سکتے تھے۔ رعایا کے تحفظ کا فرض آپ کو مجبور کرتا تھا کہ آپ ایسے گروہ کو دبا دیں جو شہر کو دشمنوں سے تاخت وتاراج کرا دینے والا تھا بلکہ جس نے کرا دیا۔ ملک کے تحفظ کا تقاضا تھا کہ ایسے غدّاروں کو قتل کر دیا جائے جو مدینہ کے اندر بغاوت کا بیج بو رہے تھے یا اپنے مشترکہ دشمن کو اطلاعات بہم پہنچا رہے تھے۔ تقریباً نصف درجن آدمی غدار قرار دے کر قتل کر دیے گئے۔ اس کارروائی کو اگر کوئی متعصب ظلم سے تعبیر کرتا ہے تو وُہ علم سیاسیات میں جاہل مطلق ہے۔

اس سے قبل کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شہر کی حفاظت کا موقع ملے یا مسلمانوں کو جنگ کرنے کی اجازت ملے قریش کی فوجیں میدانِ جنگ میں آ پہنچیں۔

وہ جس نے تمام عمر میں کبھی ہتھیار نہ چلایا تھا، جس کا دل انسانی تکالیف دیکھ کر درد اور رحم سے بھر آتا تھا اور وہ عرب کے تمام آئین مردانگی کے خلاف اپنے بچّوں اور اپنے متبعین پر رویا کرتا تھا، جس کی نرم دلی اور جس کے درمندانہ طرزِ عمل نے اسے دشمنوں سے نسائیت کا طعنہ دلوایا، وہی انسان حالات سے مجبور ہو کر اور اپنی طبیعت کے خلاف دشمن کے حملوں کو اسلحہ اور فوج سے روکتا ہے اپنی حفاظت کے لیے اپنے متبعین کو منظم کرتا ہے اور اکثر دشمن کے غدّارانہ اور ناگہانی حملوں کی روک تھام کے لیے مہمیں بھیجتا ہے۔ اس وقت عربی جنگوں کا یہی قاعدہ تھا کہ رات کے وقت یا صبح کے دھندلکے میں دشمن کی لاعلمی میں خونریز چھاپے مارتے تھے۔ اگر دشمن خبردار ہوتا تو ایک ایک دو دو آدمی مقابلے پر آتے یا ایک عام حملہ کر دیا جاتا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کی عادات کا پورا پورا علم تھا اس

(باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

لیے آپ ایسے ناگہانی حملوں کی مدافعت کے لیے چھوٹی چھوٹی مہیں بھیجتے رہتے تھے۔ لیکن اسے متعصب مورخین نے لُوٹ مار سے تعبیر کیا۔ یہ ان کی جہالت نہیں تو اور کیا ہے پھر ستم بالائے ستم یہ کہ اُن یہود اتحادیوں نے مدینہ کے قرب وجوار پر حملے شروع کر دیے۔ وہ مسلمانوں کے پھلدار درختوں کو تباہ کر دیتے اور ان کے گلّوں کو ہانک کر لے جاتے۔ ابوجہل کی سرکردگی میں ایک ہزار سپاہی کی فوج جنگی سازو سامان سے آراستہ مسلمانوں کے تباہ کرنے اور اپنے قافلہ کی حفاظت کے لیے مدینہ کی طرف روانہ ہوئی۔ ادھر مسلمانوں کو مدینہ سے باہر اُس کی خبر ہوئی اسی لیے وہ کفار کی پیش بندی کے لیے بدر کی وادی میں پہنچ گئے۔ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے کفار کی فوج کو نہایت متکبرانہ انداز سے وادی کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا۔ تو اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر وفاداروں کے اس چھوٹے سے گروہ کے تحفظ کی دُعا مانگی:

"اے خدا! اپنی امداد کے وعدہ کو نہ بھُولنا۔ اے خدا! اگر یہ چھوٹا سا گروہ فنا ہوگیا تو تیری حقیقی عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا۔" جیسا کہ قصہ بدر میں تفصیل موجود ہے۔

جنگ ختم ہوجانے کے بعد بہت سے قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے جن میں سے صرف دو کو قتل کیا گیا۔ یہ مسلمانوں کے شدید ترین دشمن تھے، اس لیے عربوں کے قانونِ جنگ کے مطابق انہیں اپنے کیے کی سزا بھگتنی پڑی۔

باقی قیدیوں کے ساتھ عربوں کے تمام دستور و روایات کے خلاف نہایت رحم دلی کا برتاؤ کیا گیا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکیدی احکام جاری کیے کہ اس مصیبت میں ان کی تحقیر نہ کی جائے اور ان سے نرمی کا سلوک کیا جائے۔ جن مسلمانوں کے سپرد قیدی کیے گئے تھے اُنھوں نے آپ کی ہدایات پر پُوری طرح عمل کیا۔ یہ لوگ اپنا بہترین کھانا قیدیوں کو کھلا دیتے اور خود صرف کھجوروں پر گزر اوقات کر لیتے۔ حالانکہ جنگی قیدیوں سے نیک سلوک کیا گیا تاہم متعصب عیسائی مورخین نے اسے خوب اچھالا۔ ہم ان کے غلط پروپیگنڈا کے دفاع میں صرف ان کے اپنے ایک غیر متعصب مورخ کے حوالہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ میور اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتا ہے:

"آں حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احکام کی تعمیل میں مدینہ والوں اور ان مہاجرین نے جن کا کوئی مکان مدینہ میں نہ تھا، قیدیوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ زمانہ بعد میں ایک قیدی نے کہا:

"خدا کی رحمت ہو مدینہ والوں پر، وہ ہمیں سواری دیتے اور خود پیدل چلتے تھے اور ہمیں گیہوں کی روٹی کھلاتے تھے جبکہ وہ خود کھجور پر گزارہ کرتے۔"

ان عجیب وغریب اتفاقات نے جو بدر کی فتح کے باعث ہوئے اور ان نتائج نے جو اس فتح سے پیدا ہوئے مسلمانوں کے دل پر نہایت گہرا اثر کیا انھیں پختہ یقین تھا کہ آسمانی فرشتوں نے ان کی طرف سے کفار کے ساتھ

(باقی بر صفحہ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ)

جنگ کی ہے۔

ملائکہ کی مدد: غزوۂ بدر وغیرہ میں ملائکہ کی مدد کو بھی متعصب مورخین افسانہ سمجھتے ہیں ہم انہیں یاد دلاتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے پیغمبروں کی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی خدا تعالیٰ کے پیغامات انسان تک پہنچانے والی درمیانی ہستیوں کی موجودگی کے قائل تھے۔ فرشتوں کے متعلق جدید نظریئے ہمارے آباؤ اجداد کے عقاید کا بطلان کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ ہمارا انکار اور ان کا اقرار دونوں کا درجہ قیاس سے زیادہ نہیں فرق صرف اس قدر ہے کہ ایک منفی ہے اور دوسرا مثبت۔ جس چیز کو زمانہ جدید کی نظریں عناصرِ قدرت کی صورت میں دیکھتی ہیں اس چیز کو وہ فرشتوں سے تعبیر کرتا ہے۔

تقسیمِ غنیمت پر اعتراض متعصبین کو حضور کی تقسیمِ غنیمت پر بھی اعتراض ہے اس کے جواب میں ان کا اپنا مورخ لکھتا ہے کہ،

"یہ امر خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فوج میں بدر کے مالِ غنیمت پر جھگڑا بالکل اسی طرح شروع ہوا جس طرح حضرت داؤد کی فوجوں میں عمالکی مالِ غنیمت پر ہوا تھا۔ جو لوگ جنگ میں شریک تھے وہ اس بات پر مُصر ہوئے کہ مال و اسباب کی نگرانی کرنے والوں کو جو جنگ میں شریک نہیں ہُوئے کوئی حصہ نہ دیا جائے۔ لیکن دونوں صورتوں میں ایک ہی فیصلہ دیا گیا جو مستقبل میں قانون کے مطابق سب کو حصہ ملنا چاہیے۔"

بنی نضیر کے کوائف بنی نضیر کی اب بالکل وہی حالت ہوگئی تھی جو ان سے قبل بنی قینقاع کی تھی۔ انھوں نے خود اپنے طرزِ عمل سے اپنے آپ کو عہد نامہ کی حدود سے باہر کر لیا۔ اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ واپس آنے پر اُنھیں بھی وہی پیغام بھیجا جو اس سے قبل بنی قینقاع کو بھیجا گیا تھا۔ منافقین اور عبداللہ بن اُبی کی امداد کے بھروسے پر اُنہوں نے نہایت بے باکانہ جواب دیا۔ لیکن انھیں اپنے بھائیوں یعنی بنی قریظہ کی طرف سے سخت مایوسی ہُوئی اور پندرہ دن کے محاصرے کے بعد شرائطِ صلح کے لیے التجا کرنا پڑی۔ وہی شرائط دُہرائی گئیں جو پہلے پیش کی گئی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے جلا وطن ہونا قبول کر لیا۔ اسلحہ جنگ کے سوا انہیں تمام منقولہ جائداد لے جانے کی اجازت دے دی گئی۔ روانگی سے پہلے اُنہوں نے اپنے گھروں کو تباہ کردیا تاکہ مسلمان ان سے مستفید نہ ہوں۔ ان کی زمینیں اور سامانِ جنگ جو وہ اپنے ساتھ نہ لے جا سکتے تھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے اجازت لے کر مہاجرین میں تقسیم کر دئے۔ مہاجرین اپنے مدنی بھائیوں کے فیاضانہ سلوک سے خوش ہوئے۔ آپ کو معلوم تھا کہ مدینہ والوں کی امداد غیر مستقل ہے۔ اس لیے آپ نے انصار کے رؤسا کو جمع کیا اور ان سے دریافت فرمایا کہ اس مال کو ان کے غریب مہاجر بھائیوں میں تقسیم کرنے پر انہیں کوئی اعتراض تو نہیں۔ سب نے یک آواز ہو کر کہا:

(بقیہ حاشیہ)

"یہودیوں کا مال ہمارے بھائیوں میں تقسیم کر دو اور ہمارے مال میں سے بھی کچھ حصہ انھیں دے دو ہم بخوشی اجازت دیتے ہیں۔"

اس پر آپ نے اس جائداد کو مہاجرین میں تقسیم کر دیا، اور دو انصار کو بھی حصہ ملا جو بہت غریب تھے۔

بنی نضیر کی جلاوطنی ربیع الاول ۴ھ میں ہوئی۔ اس سال کا باقی حصہ اور آیندہ سال کا ابتدائی حصہ خانہ بدوش دشمن قبائل کی بغاوتیں فرو کرنے اور مدینہ پر چند خونریز حملوں کی سرکوبی کرنے میں صرف ہوا۔

اس اثنا میں دشمنانِ اسلام بھی بے کار نہ رہے۔ کفار نے دُور دراز علاقوں میں اپنے سفیر بھیجے تاکہ قبائل کو مسلمانوں کے خلاف اُبھاریں۔ ان کوششوں میں یہود پیش پیش تھے۔ بنی نضیر کے جو آدمی خیبر میں تھے انہوں نے انتقام کی امیدوں سے مشتعل ہو کر مسلمانوں کے استیصال کے لیے ایک انجمن بنائی۔ ان کی کوششوں سے ایک ہیبت ناک اتحاد عمل میں آیا اور ساز و سامان سے آراستہ دس ہزار سپاہیوں کی ایک فوج ظالم ابوسفیان کی سرکردگی میں مدینہ پر چڑھ دوڑی۔ راستے میں کسی قسم کی مزاحمت نہ ہونے کی وجہ سے وہ مدینہ سے چند میل کے فاصلے پر اُحد کی طرف آن ٹھہرے جو شہر کا سب سے زیادہ غیر محفوظ پہلو تھا۔ ان کے مقابلہ کے لیے مسلمانوں کو صرف تین ہزار جانباز میسر آسکے۔ اپنی تعداد کی قلت اور منافقین کی فتنہ انگیز مخالفت کے خیال سے مجبور ہو کر مسلمانوں نے تحفظ و دفاع کی تدابیر اختیار کیں۔ شہر کے کمزور مقامات کے گرد گہری خندق کھود دی۔ عورتوں اور بچوں کو شہر کے مضبوط مکانات میں محفوظ کر دیا اور خود خندق کے پیچھے صف آرا ہو گئے۔ شہر کے جنوب مشرق کی طرف تھوڑے ہی فاصلے پر بنو قریظہ کے کئی قلعے تھے۔ اس سمت کے تحفظ کے لیے مسلمانوں کو پورا بھروسا تھا کہ اگر وہ دشمن کے دفاع کے لیے عملی حصہ نہ لیں گے تو کم از کم غیر جانبدار ضرور رہیں گے۔ کیونکہ وہ عہدنامے کی رُو سے تمام بیرونی حملوں میں مسلمانوں کی امداد کے ذمہ دار تھے۔ اب یہودیوں کو کفار نے عہد شکنی پر آمادہ کر لیا اور اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ جُوں ہی آں حضرت کو ان کی عہد شکنی کا علم ہوا آپ نے سعد ابن معاذ اور سعد ابن عبادہ کو ان کے فرائض کی یاد دہانی کے لیے بھیجا۔ انہوں نے نہایت ترشروئی سے جواب دیا:

محمد کون ہے؟ خدا کا پیغمبر کون ہے کہ ہم اس کی اطاعت کریں؟ ہمارے درمیان کوئی عہدنامہ نہیں۔

چونکہ یہود مدینہ کے حالات سے اچھی طرح واقف تھے اور شہر کے کمزور مقامات دکھا کر محاصرین کی عملی امداد کر سکتے تھے اس لیے مسلمانوں میں سخت اضطراب پھیل گیا۔ منافقین کی موجودگی نے خطرات کو اور زیادہ کر دیا۔

کفار اور یہود نے مسلمانوں کو کھلے میدان میں لانے یا یہودیوں کی رہنمائی میں شہر پر ناگہانی حملہ کرنے کی بہت کوششیں کیں لیکن ناکام رہے۔ اب انہوں نے حملۂ عام کا قصد کیا۔ محاصرہ کیے بیس دن ہو چکے تھے۔ صحرا کے مضطرب و بے قرار طبع قبائل جو مسلمانوں کو ایک آسان لقمہ سمجھ کر قریش کے ساتھ آ گئے تھے۔ اس طویل محاصرے سے اکتا گئے۔ محاصرین کے سرداروں نے خندق عبور کرنے کی بہت کوششیں کیں۔ لیکن مسلمانوں نے ہر حملے

(بقیہ حاشیہ آگے)

(بقیہ حاشیہ)

کرپسپا کر دیا۔ اب حالات کفار کے خلاف ہوتے ہوئے معلوم ہوئے۔ ان کے گھوڑے بھوک سے مرنے لگے اور سامانِ رسد کم ہوگیا۔ نا اتفاقی تو ان میں پہلے ہی پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن مسلمانوں کے دُور اندیش سردار نے اپنی بے نظیر دانائی سے انھیں اور بھی بیدل کر دیا۔

ایک لحظہ میں دشمنوں کی یہ عظیم الشان متحدہ افواج ہوا میں کافور ہوگئیں۔ رات کی خوفناک تاریکی میں آندھی اور بارش کے ایک غضب ناک طوفان نے ان کے خیمے اکھاڑ پھینکے اور ان کی ہانڈیاں اُلٹ دیں۔ ابو سفیان اپنا لشکر لے کر بھاگا اور جو باقی بچے اُنھوں نے بنی قریظہ کے پاس پناہ لی۔ آں حضرت نے رات ہی کو دشمن کے انتشار کی خبر دے دی تھی اور دن نکلتے ہی لوگوں نے اس پیش گوئی کو پُورا ہوتے دیکھ لیا اور مسلمان خوش ہو کر شہر میں واپس آئے لیکن مسلمانوں کی فتح اُس وقت تک مکمل نہ ہو سکتی تھی جب تک بنی قریظہ جیسی خطرناک قوم ان کی ہمسائیگی میں موجود تھی۔ اُنھوں نے اپنے عہد و پیمان کے باوجود غدّار ثابت کیا تھا۔ اور ایک دفعہ تو بے خبری میں مدینہ پر ٹوٹ ہی پڑے تھے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ اگر اس میں وہ کامیاب ہو جاتے تو مسلمانوں کا قتلِ عام ہو جاتا۔ مسلمانوں نے اپنا فرض سمجھا کہ ان سے اس غداری کا جواب طلب کیا جائے۔ یہود نے نہایت دیدہ دلیری سے کام لے کر جواب دہی سے انکار کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا محاصرہ کر لیا اور وہ ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ اُنھوں نے صرف ایک شرط پیش کی کہ ان کی سزا کا فیصلہ بنی اوس کے سردار سعد بن معاذ پر چھوڑ دیا جائے۔ اس شخص نے جو ایک سخت گیر سپاہی تھا اور جو اسی حملے کے دوران میں زخمی ہوا تھا۔ یہود کے اس غدارانہ طرزِ عمل پر سخت غضب ناک ہو کر فیصلہ کیا کہ یہود کے تمام جنگ کے آدمی موت کے گھاٹ اتار دئے جائیں اور اُن کی عورتیں اور بچے مسلمانوں کے لونڈی غلام بنا لیے جائیں۔ چنانچہ اس فیصلہ پر عمل کیا گیا۔ سعد اس فیصلہ کے دُوسرے ہی روز وفات پا گیا۔

متعصب مورخین کے ایک اعتراض کا جواب بنو قریظہ کے محاصرہ پر انھیں سخت سزا پر متعصب عیسائی سخت نالاں ہیں لیکن انہیں معلوم نہیں کہ ان اشخاص کا جُرم محاصرہ کے وقت حکومت کی بغاوت کرنا تھا اور جن لوگوں نے تاریخ میں پڑھا ہے کہ کس طرح ولنگٹن کی گزرگاہ فوج کے مفرورین کی لاشوں سے پٹی پڑی تھی، انہیں ایک غدّار چھوٹے سے قبیلے کے قتل پر حیران نہ ہونا چاہیے۔

یہودیوں کے چند قبائل کی سزا دہی نے میور، سپرنگر، ویل اور اوسبرن جیسے آں حضرت کے عیسائی سوانح نگاروں کے لیے ناجائز حملے کی راہ بھی کھول دی ہے۔ بنی قینقاع اور بنی نضیر کو ان کے جرائم کے مقابلہ میں بہت ہلکی سزائیں دی گئیں صرف بنی قریظہ ہی کو کسی قدر سخت سزا دی گئی۔

(باقی بر صفحہ آیندہ)

(بقیہ حاشیہ)

انسانی فطرت کی ترکیب ہی کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ کسی شخص کا جُرم کتنا ہی سنگین کیوں نہ ہو جس وقت اسے سزا دی جاتی ہے۔ ہمیں درشت اور ظالمانہ معلوم ہوتی ہے۔ ہمارے احساسات میں ایک قدرتی انقلاب واقع ہو جاتا ہے اور ہمارے دلوں میں انصاف کی بجائے رحم جاگزیں ہو جاتا ہے۔ اُس میں کچھ شک نہیں کہ ہمارے نقطۂ نظر سے بنو قریظہ کی سزا سخت تھی لیکن خواہ ہم ان بے چاروں کی قسمت پر کتنا ہی افسوس کریں جنہوں نے کہ اپنی قسمت کا فیصلہ اپنی مرضی سے ایک غضب ناک سپاہی کے ہاتھ میں دے دیا، خواہ ہم کتنا ہی افسوس کریں کہ فلاں شخص کو اس طرح نہیں بلکہ اس طرح سزا دینی چاہیے تھی لیکن ہمیں جذبات میں آکر ان واقعات کو نظر انداز نہ کر دینا چاہیے۔ ہمیں ان کے جرائم کو بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ ان کی اسلام دشمنی کو، ان کی اس عہد شکنی کو بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیے، جس سے دور رہنا ان کا اوّلین اخلاقی فرض تھا۔ مزید برآں ہمیں ان ترغیبات کو بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیے جو یہوداہ کے یہ پرستار بت پرستی کے قائم رکھنے کے لیے کفار عربوں کو دیتے تھے۔ اخلاقیات کے عیسائی علمبردار آرنلڈ کی طرح کچھ مسلمان بھی یہ کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ "ظالم و مفسد کا فنا کرنا اس سے سو درجہ بہتر ہے کہ وہ اپنی ناپاک صحبت سے بے گناہوں کو بھی آلودہ کرے"۔
(خطبات آرنلڈ - غزوات اسرائیلیہ ص ۲۶ - ۲۵)

یہ مسلمان صرف ایک لفظ کے تغیر سے اسی طرح کہہ سکتے ہیں "آؤ ہم غور کریں کہ ہمارا اور ان تمام دوسری اقوام کا جو اس آسمان کے نیچے آباد ہیں کیا حشر ہُوا ہوتا۔ اگر عربوں (در اصل اسرائیلیوں) کی تلوار اپنا کام کفایت سے انجام دیتی عربوں (در اصل اسرائیلیوں) کی تلوار اپنے خُونیں کارناموں کے ساتھ تمام ممالکِ عالم کے لیے دنیا کے دوسرے سرے تک رحم و کرم کے بیج بو گئی"۔

اگر عیسائیوں کی دلیل صحیح ہے اور بے رحمانہ نہیں تو یقیناً مسلمانوں کی دلیل اس کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ دوسرے مسلمان بنی قریظہ کے اس خوفناک فیصلے کو اسی نظر سے دیکھ سکتے ہیں جس نظر سے کارلائل باشندگانِ ڈروغیڈہ کے قتلِ عام کے متعلق کرامول کے وحشیانہ حکم کو دیکھتا ہے "ایک مسلّح سپاہی ان جذبات کے ساتھ کہ وہ خدائے عادل کا سپاہی ہے ایک ایسا جذبہ جو ہر سپاہی کے دل میں ہوتا ہے کا احساس رکھنا چاہیے۔ موت کی طرح غضب ناک، تقدیر کی طرح بے رحم، خدائی انصاف کو اس کے دشمنوں پر ظاہر کر رہا تھا"۔

لیکن یہودیوں کو جو سزا دی گئی ہم اُسے اُن دونوں میں سے کسی ایک نقطۂ نظر سے بھی نہیں دیکھتے۔ ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ اُس وقت کے قوانینِ جنگ کے مطابق انہیں نہایت منصفانہ سزا دی گئی "اُس زمانہ کے رسومِ جنگ کے مطابق قوانین کا پوری طرح اطلاق کیا گیا" (تاریخ یونان جلد ششم) ان لوگوں نے اپنی بدقسمتی کو خود بلایا۔ اگر یہ لوگ سعد کے فیصلے کے بغیر بھی قتل کر دیئے جاتے تو یہ اس زمانہ کے قوانین کے بالکل مطابق ہوتا لیکن انہوں نے اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لیے سعد کو خود منتخب کیا۔ انھیں معلوم تھا کہ اس کا فیصلہ اُن کے طرزِ عمل کے خلاف

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جیسے بنو قریظہ نے مشرکین کی مسلمانوں پر حملہ آوری میں معاونت کی، تو ہلاک و تباہ ہوئے۔ ایسے ہی وہ علماء جو مداہنت کر کے نفس و شیطان اور دنیا کی قلب پر حملہ آوری میں مدد کرتے ہیں اور ارباب طلب کو رخصت کا فتویٰ دیتے اور انہیں تجرید و معاہدہ و ترکِ دنیا و ترکِ عزلت و انقطاع پہ ڈھیل دیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو رہبانیت ہے اور اسے دین سے کوئی تعلق نہیں اور پھر اس پر ان آیات و احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن کا ظاہری معنی بھی ہے اور باطنی بھی اور وہ صرف ظاہری معنیٰ پر اکتفاء کر کے باطنی معنیٰ کو ضائع کر دیتے ہیں۔ اس معنیٰ پہ وہ قرآن کے اس بعض پر ایمان رکھتے ہیں جو ان کی طبائع کے موافق ہے اور اس باطنی معنی کو چھوڑ دیتے اور کفر کرتے ہیں صرف اپنی طبائع کے تحت یہی لوگ شیاطین و نفوس اور دنیا کے معاون ہیں جو بھی ان کے قریب ہوگا تو جیسے وہ وادیٔ مساعدات میں ہلاک و تباہ ہوئے وہ بھی ہوگا۔ ہم اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ مخالفات و ترک ریاضات و ترک مجاہدات سے پناہ مانگتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

اندرین رہ می تراش و می خراش
تا دمے آخر دمے فارغ مباش

ترجمہ: اس راہ میں حرکت کر اور جنبان رہ تادمِ آخر فارغ نہ ہو اس لیے کہ بطالت صرف محرومی لاتی ہے اور جد و جہد مراد کے ہر طرح کے دروازے کھولتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ)

نہیں اور اس لیے اُنہوں نے کوئی عذر پیش نہ کیا۔ انہیں معلوم تھا کہ اگر وہ کامیاب ہو جاتے تو اپنے دشمنوں کو بغیر کسی افسوس کے ذبح کر ڈالتے۔ لوگ حضرت داؤد کی خوں ریزیوں کو اُس زمانہ کی روشنی میں دیکھتے ہیں"۔ قدیم عیسائیوں کی خوفناک خونریزیاں خاص "روشنیوں" میں دیکھی جاتی ہیں۔ قدیم مسلمانوں کی دفاعی لڑائیاں کیوں نہ اس نقطۂ نظر سے دیکھی جائیں۔ لیکن نقطۂ نظر خواہ کوئی ہو، بے تعصب دل جانتے ہیں کہ بنی قریظہ کی سزا میں آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا۔ ان کے مزید اعتراضات و جوابات "سیرت حبیب کبریا" میں دیکھئے۔

اویسی غفرلہٗ

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا

اے غیب بتانے والے (نبی) اپنی بیبیوں سے فرمادے اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش چاہتی ہو

فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

تو آؤ میں تمہیں مال دوں اور اچھی طرح چھوڑ دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول

وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِىِّ

اور آخرت کا گھر چاہتی ہو تو بے شک اللہ نے تمہاری نیکی والیوں کے لیے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے اے نبی کی

مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَكَانَ

بیبیو جو تم میں صریح حیا کے خلاف کوئی جرأت کرے اس پر اوروں سے دونا عذاب ہوگا اور

ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

یہ اللہ کو آسان ہے

تفسیر عالمانہ يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ اے رفیع الشان اور رب رحمان سے خبر دینے والے۔

شانِ نزول: حضرت کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ۹ھ میں نبی سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواجِ مطہرات سے علیحدگی اختیار فرمائی اور قسم کھائی کہ ایک ماہ ان کے ہاں آمد و رفت ترک رکھیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ازواجِ مطہرات نے زیب و زینت اور آرائش اور نان و نفقہ کی فراوانی کا مطالبہ کیا اور اس مطالبہ کے تکرار سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج پہنچا اس لیے آپ نے مسجد نبوی کے حجرہ میں گوشہ نشین ہو کر تنہائی اختیار کر لی۔ انتیس دن گزر جانے کے بعد حضرت جبریل جبریل علیہ السلام آیتِ تخییر لائے اور عرض کی يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ اے نبی علیہ السلام قُلْ یہ امر وجوبی ہے جو ازواجِ مطہرات کے اختیار کے بارے میں ہے اور یہ صرف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے لِّاَزْوَاجِكَ اپنی بیویوں کو جو اس وقت نو تھیں، پانچ قریش سے:

(۱) سیدتنا عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر

(۲) سیدتنا حفصہ بنت عمر

(۳) سیدتنا ام حبیبہ، ان کا نام رملہ بنت ابی سفیان تھا۔

(۴) سیدتنا ام سلمہ، ان کا نام ہند بنت ابی امیہ المخزومیہ تھا۔

(۵) سودہ بنت زمعۃ العامریہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہن)

اور چار غیر قریش سے تھیں:

(۱) سیدتنا زینب بنت جحش الاسدیہ
(۲) سیدتنا میمونہ بنت الحارث الهلالیہ
(۳) سیدتنا صفیہ بنت حیی بن اخطب الخیبریۃ الهارونیہ
(۴) سیدتنا جویریہ بنت الحارث الخزاعیہ المصطلقیہ۔

ف: یہی بیبیاں حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے وصال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔

اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا تم حیوٰۃِ دنیا کا ارادہ رکھتی ہو۔ یعنی وسعت اور اس کی نعمتوں سے بھرپور رہنے کا **وَزِيْنَتَهَا** اور اس کی آرائش کا۔ جیسے قیمتی پارچات اور زیورات جن میں تکلف ہی تکلف ہو، **فَتَعَالَيْنَ** تو آؤ۔ یہ دراصل تعال سے ہے۔ یہ کلمہ وہ بولتا ہے جو اوپر والے مکان سے نیچے والے کو بلائے۔ پھر کثرتِ استعمال کی وجہ سے ہر جگہ استعمال ہونے لگا۔ اس سے حقیقی متوجہ ہونا مراد نہیں اور نہ ہی ان کا آنا۔ مقصد یہ ہے کہ انہیں کہا جا رہا ہے کہ جو کچھ ہم تمہیں پیش کریں اس کا جواب دو اور ہمیں ارادہ کی خبر دو۔ ان دو باتوں میں سے جسے اختیار کرنا چاہو اس کی ہمیں خبر دو۔ یہ اس محاورہ سے ہے:

اقبل یکلمنی و ذھب یخاصمنی وقام یھددنی۔
(میری طرف متوجہ ہو کر باتیں کرتا ہے اور وہ مجھ سے جھگڑنا شروع کر دیتا ہے اور مجھے تہدید کرنے لگ جاتا ہے)

اُمَتِّعْكُنَّ میں تمہیں مال دوں۔ امر کی وجہ سے مجزوم ہے۔

حلِ لغات: التمتیع کسی کو برتنے کی چیز دینا۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ میں متعہ (طلاق) دوں گا۔ یعنی آؤ میں تمہیں متعہ (طلاق) دوں، جو مطلقہ عورت کو طلاق کے ساتھ مہر کے علاوہ دیا جاتا ہے۔ دراصل متعہ و متاع وہ معمولی سی شے ہے جس سے تھوڑا سا نفع اٹھایا جائے پھر وہ تھوڑی دیر کے بعد ختم ہو جائے۔ لذت اٹھانے کو بھی تمتع اسی لیے کہا جاتا ہے۔ متعہ طلاق مجموعی طور پر چند کپڑوں کا نام ہے:

(۱) درع، جس سے عورت بدن ڈھانپتی ہے (قمیص)۔
(۲) ملحفہ، وہ کپڑا جس سے عورت پردہ کر کے گھر سے نکلتی ہے (پردہ کی چادر)۔
(۳) خمار، وہ کپڑا جس سے عورت سر ڈھانپتی ہے (دوپٹہ)۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ کپڑے (متعہ) اس غیر مدخولہ مطلقہ کو دینا واجب ہے جس سے نکاح کے وقت طے کر لیا گیا تھا کہ تجھے مہر نہیں ملے گا اس کے ماسوا باقی جملہ مطلقہ عورتوں کو یہ کپڑے

(متعہ) دینا مستحب ہے۔

نکتہ: یہ کپڑے (متعہ) مطلقہ کے لیے اس پریشانی کا مداوا ہے جو اسے شوہر نے طلاق دے کر دی۔ یہ کپڑے (متعہ) سے دئے گئے تاکہ مدتِ عدت میں انھیں استعمال میں لائے۔

مسئلہ: متعہ (کپڑے) مرد کے حسبِ حال ہوگا۔ اگر امیر ہے تو قیمتی کپڑے دینے ہوں گے، اگر مفلس ہے تو اس کے حسبِ حال۔

مسئلہ: اگر نصف مہر متعہ کے کپڑوں سے کم پڑتا ہے تو پھر صرف وہی مہر دینا ہوگا لیکن یہ نصف مہر پانچ دراہم سے کم نہ ہو کیونکہ کل مہر کم از کم دس درم ہے۔

وَاُسَرِّحْكُنَّ اور میں تمہیں اچھی طرح چھوڑ دوں۔

حلِ لغات: السرح پھلدار درخت۔ کہا جاتا ہے:

سرحت الابل ان ترعیہا السرح۔

(میں نے اونٹ کو چھوڑ دیا تاکہ وہ پھلدار درخت کھائے)

پھر اس کا عام استعمال اونٹ کے چرنے کے لیے چھوڑنے کے لیے ہوگیا اور طلاق میں تسریح، تسریح الابل سے استعارہ ہے جیسے طلاق کا لفظ طلاق الابل سے استعارہ ہے۔

مسئلہ: وہ صریح لفظ جس سے طلاق لازماً ہوجائے نیت ہو یا نہ ہو لفظ طلاق ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ و امام احمد رحمہا اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔ اور امام مالک اور امام شافعی رحمہا اللہ کے نزدیک اس کے علاوہ لفظ فراق و تسریح کا بھی یہی حکم ہے یعنی یہ بھی طلاق صریح کے حکم میں ہیں۔

اسرحکنّ کا معنیٰ ہے اطلقکن۔

سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ اچھی طرح چھوڑ دوں جس میں کوئی ضرار نہ ہو اور طلاق بدعی بھی نہ ہو۔

مسئلہ: جملہ ائمہ کا اتفاق ہے کہ کسی عورت کو ایسے طہر میں ایک طلاق دے کہ جس میں اس نے اس سے جماع نہیں کیا اور ایک طلاق دے کر اسے چھوڑے رکھے یہاں تک کہ اس کی عدت ختم ہوجائے تو یہ طلاق سنت ہے (یعنی احادیث سے ثابت ہے)

مسئلہ: عورت کو حیض میں یا طہر میں طلاق دینا جس میں جماع کیا ہے اور عورت میں حمل ٹھہرنے کی صلاحیت ہے (نوجوان ہے بوڑھی وغیرہ نہیں) تو یہ طلاق بدعت حرام (سیئہ) ہے۔ لیکن ائمہ کے بالاتفاق واقع ہوجائے گی۔

مسئلہ: یکبارگی تین طلاق دینا بدعت ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ و امام مالک و امام احمد رضی اللہ عنہم کا مذہب ہے اور یہ حرام ہے خلافاً للشافعی اور سب کے نزدیک بلا خلاف طلاق واقع ہوجائے گی۔

نکتہ علیہ: شارع نے اس لیے طلاق کو مکروہ قرار دیا کہ یہ الفت اور زندگی کے نظم ونسق میں نقصان کا موجب ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ حالات کی ناسازگاری پر افتراق (جدائی) واقع ہوگی اسی لیے اسے مشروع بھی فرما دیا۔ طلاق کی اس مجبوری حیثیت کے پیش نظر اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت ہے تاکہ بوقتِ مجبوری اسے استعمال کریں۔ اس طرح سے ان کی مذمت نہ ہوگی بلکہ معاشرہ کو درست کرنے کی غرض سے اسے فعل سے محمود (اچھا آدمی) سمجھا جائے۔ اگر اس سے جانبین کی بھلائی مطلوب ہے تو ایسا فعل طلاق شیطان کو سنگسار اور اسے ذلیل کرنے کے مترادف ہوگا۔ ہاں یہ طلاق کا عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک ابغض المباحات اس لیے ہے کہ اس میں رجوع الی الاسلام ہے کیونکہ طبائع کا ایک دوسرے سے پیار کرنا ترکیب کا وجود ظاہر ہوگا لیکن جونہی اس کے برعکس ہو جائے تو عدم کی طرف رجوع ہوگا اسی وجہ سے زوجین کے مابین فرقت (جدائی) پڑ جائے گی کیونکہ اس میں جو اجتماع مقصود تھا وہ نہ رہے گا۔ (الفتوحات المکیہ)

ف: تمتیع کو تسریح سے پہلے ذکر کرنا فضل واحسان کی طرف اشارہ ہے اور ان کی پہلے حجہ ختم کرنا مطلوب ہے کہ تمہاری خواہشات بھی پوری کی جا سکتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور اگر تم اللہ جل جلالہٗ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہتی ہو یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتی اور ان کے ساتھ رہنا چاہتی ہو اور ان کو راضی رکھنے کا خیال کرتی ہو۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ کا نام اس لیے لایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کتنا بلند مقام ہے۔

وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ اور دارِ آخرت اور اس کی نعمتوں کو، کیوں کہ ان کے آگے دنیا و ما فیہا اور اس کی تمام نعمتوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ تو بیشک اللہ تعالیٰ نے تیار کر رکھا ہے نیکی والیوں کے لیے مِنْكُنَّ تم میں سے۔ مِن بیانیہ ہے کیونکہ وہ تمام عالمین کی عورتوں سے زیادہ محسن تھیں (اس لیے کہ وہ محسنِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیبیاں تھیں)۔

نکتہ: منکن کی بجائے لکُنَّ نہیں فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا (خوشنودی) ان کے نفسوں کی رضا سے مقدم اور ضروری ہے۔

اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ بہت بڑا اجر جس کی کنہ کوئی نہیں جانتا یہ وہی راز ہے جس میں تمتیع کو تسریح سے پہلے ذکر کیا گیا اور تسریح کو جمیل کہنے کا راز بھی یہی ہے کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا امتحان

جب یہ آیت نازل ہوئی تو چونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدہ عائشہ صدیقہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا ازواجِ مطہرات میں سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ اسی لیے سب سے پہلے آپ نے ان سے ہی بطورِ امتحان یہی آیت تلاوت کر کے پوچھا، تم اللہ و رسول (جل جلالہٗ و صلی اللہ علیہ وسلم) کو چاہتی ہو یا کچھ اور۔ سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اللہ و رسول (جل جلالہٗ و صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو اختیار کیا۔

ادبِ ازواجِ مطہرات کا انعام

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا کہ میں تمہیں ایک بات بتاتا ہوں لیکن میں دل سے چاہتا ہوں کہ تم عجلت نہ کرنا اس کے متعلق ماں باپ سے مشورہ لے لینا۔ آپ نے یہ اس خیال پر فرمایا کہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ماں باپ مجھ سے جدائی کا مشورہ نہ دیں گے۔ عرض کی فرمایئے یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ نے یہی آیت پڑھی تو صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یارسول اللہ! اس بارے میں مَیں ماں باپ سے کیوں مشورہ کروں، میں تو اللہ و رسول (جل جلالہٗ و صلی اللہ علیہ وسلم) کو اختیار کرتی ہوں اور دارِ آخرت کو۔ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اس جواب سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے یہاں تک کہ خوشی کے آثار آپ کے چہرۂ اقدس سے محسوس ہوتے تھے۔ ایسے ہی تمام ازواجِ مطہرات نے اللہ و رسول (جل جلالہٗ و صلی اللہ علیہ وسلم) اور دارِ آخرت کو اختیار کیا۔ جب ان بیبیوں نے اللہ و رسول اور نعمِ باقیہ یعنی آخرت کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو یوں انعام سے نوازا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمادیا کہ ان کے بعد اور کسی عورت سے آپ نے نکاح نہیں کیا۔ چنانچہ فرمایا:

لا یحل لك النساء من بعد ولا ان تبدل بهن من ازواج۔

(اس کے بعد نہ آپ پر اور عورتیں حلال ہیں اور نہ ان کے بجائے اور تبدیل کریں)

اس آیت کی تفصیل اسی سورۃ کی تفسیر[1] میں آئے گی (ان شاء اللہ)

مسئلہ: کیا یہ اختیار تفویض الطلاق ہے کہ ان کے اختیار کے بعد انہیں طلاق واقع ہوجانی چاہیے یا یہ کہ جب وہ دنیا کو اختیار کریں تو پھر حضور علیہ السلام انہیں اپنے سے جدائی کا اعلان فرمائیں جیسا فتعالین سے واضح ہوتا ہے۔ بعض علماء تو پہلے قول کی طرف گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر وہ دنیا کو اختیار کرتیں تو خودبخود مطلقہ ہوجاتیں۔ اسی لیے فقہاء کرام نے فرمایا کہ تخییر الطلاق کے حکم میں اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا کہ جب مرد نے عورت کو طلاق کا اختیار دیا تو عورت نے مجلس سے قیام سے پہلے یا ایسے کام میں مشغولی سے پہلے جو طلاق سے روگردانی کا تصور ہوسکتا ہے کہہ دے کہ میں نے نفس کو اختیار کیا تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک طلاق بائنہ ہوگی اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ رجعی طلاق ہے اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے

---

[1] بعض مفسرین نے کہا یہ آیت "ترجی من تشاء الخ" سے منسوخ ہے۔ تفصیل ہم نے القول الراسخ فی المنسوخ والناسخ میں عرض کردی ہے۔ اویسی غفرلہٗ

نزدیک تین طلاق ہیں اور اگر وہ زوج کو چاہے تو کوئی شے واقع نہ ہوگی اس طرح اختیار سے پہلے مجلس سے اُٹھ کھڑی تو بالاتفاق یہ تخییر باطل ہوگی۔

مسئلہ: اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مرد نے عورت سے کہا: امرک بیدک۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر کہتا ہے تیرا امر طلاق کے بارے میں تیرے ہاتھ میں ہے تو امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر عورت خود چاہتی ہے تو طلاق رجعی ہوگی اگر مرد تین کی نیت کرتا ہے تو اس کی نیت معتبر ہے اگر عورت کہے کہ میں نے ایک چاہی تو بھی تین واقع ہوں گی اور یہ بھی تخییر کی طرح مجلس تک مقید ہوگی۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں دو اشارے ہیں:

(۱) حُبِ دُنیا اور اس کی زیب و زینت، حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارکہ سے جدائی ڈالنے کا موجب ہے۔ آپ کی ازواجِ مطہرات کے لیے باوجودیکہ عورت میں یہ فائدہ ہے کہ عالم صورت میں نطفۂ انسانی کے ٹھہرنے کا محل (مرکز) ہے اس سے واضح ہُوا کہ جو امتی دنیا اور اس کی زیب و زینت سے محبت کرتا ہے وہ اپنے نبی علیہ السلام کی صحبت سے محروم ہوجائے گا کیونکہ اُمت کے قلوب نطفہ روحانیہ ربانیہ کا مرکز ہیں۔ اسی لیے سالک پر لازم ہے کہ وہ ازکی و اطیب رہے تاکہ اس نطفہ روحانیہ ربانیہ کا مستحق ہو، کیونکہ الطیبات طیبین کے لیے ہوتی ہیں ؎

خاطرت کے رقم فیض پذیرد ہیہات
مگر ایں نقش پراگندہ ورق سادہ کنی

ترجمہ: افسوس تیرا دل اس فیض کے نقش کو کب قبول کر سکتا ہے جبکہ یہ نقش سادہ ورق پر تو پھیلاتا ہے۔

(۲) اللہ و رسول اور دارِ آخرت کی محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتصال اور وصالِ الٰہی کی موجب ہے بشرطیکہ اس محبت میں خلوص اور محض رضائے الٰہی ہو اگر اس میں محبتِ جنّت کی ملاوٹ ہو تو پھر بقدر محبت بہشت کی نعمتیں بھی ملیں گی اور محبۃ اللہ کی مقدار پر اجرِ عظیم بھی۔

سوال: جیسے حب اللہ میں حب غیر اللہ کی ملاوٹ ہوجائے تو اجرِ عظیم میں اتنا نقص لازم آجاتا ہے جتنا غیر اللہ کی محبت کی حبِ الٰہی کے ساتھ ملاوٹ ہوگی تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مع حب الٰہی سے اجرِ عظیم میں نقص لازم آئے گا یا نہ جبکہ رسول کی محبت بھی تو غیر اللہ کی محبت ہے۔

جواب: رسول اللہ کی محبت مع حب الٰہی سے اجرِ عظیم کی کمی کے بجائے اضافہ ہوگا اسی لیے کہ حبِ رسول بعینہٖ حُبِ الٰہی ہے جیسے اطاعتِ رسول بعینہٖ اطاعتِ الٰہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا:

من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ۔

نکتہ: محبت جنت مع حب الٰہی و محبت رسول مع حب الٰہی میں فرق ہے وہ یہ کہ حبِ رسول محض حب الٰہی

کے لیے ہے بخلاف جنت کے کہ اس میں حظ نفس کو دخل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ولکم فیہا ما تشتھیہ الانفس۔

(تمہارے لیے بہشت میں وہی ہوگا جو تمہارے نفس خواہش کریں گے)

اور حبِ نبی حبِ الٰہی کی طرف لے جاتی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی۔

(اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو)

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا:

۱ لی حبیب عربی مدنی قرشی
کہ بود درد و غمش مایۂ شادی و خوشی

۲ فہم رازش نکنم او عربی من عجمی
لاف مہرش چہ زنم او قرشی من حبشی

۳ ذرہ وارم بھوا داریٔ او رقص کناں
تا شد او شہرۂ آفاق بخورشید وشی

۴ گرچہ صد مرحلہ دور است ز پیش نظرم
وجہہ فی نظری کل غداۃ و عشی

ترجمہ: (۱) میرا حبیب عربی مدنی قرشی ہے کہ ان کا درد و غم شادی و خوشی کا سرمایہ ہے۔

(۲) ان کے راز سے میں کب واقف ہو سکتا ہوں وہ عربی ہیں عجمی۔ ان سے محبت کا دم کیسے بھروں وہ قرشی، میں حبشی۔

(۳) میں تو ایک ذرہ کی طرح ہوں لیکن ان کی محبت میں رقص کناں ہوں، ان کے حُسن کا شہرہ تو سورج کی طرح ہے۔

(۴) اگرچہ کوسوں دور ہے میری نظر سے، لیکن اس کا ہر صبح و شام میری نظر میں ہے۔

تفسیر عالمانہ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ اے نبی علیہ السلام کی بیبیو۔ اس خطاب میں ان کی نصیحت کو مہتم بالشان ظاہر کرنا مطلوب ہے ایسے ہی ندا کو سمجھئے جبکہ نبی علیہ السلام کی اضافت سے انھیں یہ قدر و منزلت نصیب ہوئی کیونکہ جو احکام ان پر لاگو ہوں گے وہ اسی اضافت کی حیثیت سے ہوں گے مَنْ یَّاْتِ مِنْکُنَّ بِفَاحِشَۃٍ جو تم میں صریح حیا کے خلاف جرأت کرے۔ فاحشۃ (قبح میں سیئہ بلیغہ) غلیظ برائی یعنی گناہِ کبیرہ۔ اب معنیٰ یہ ہو کہ تم میں سے ناپسندیدہ فعل سرزد ہو مُّبَیِّنَۃٍ جس کی قباحت بالکل

ظاہر ہو۔ یہ بیّن بمعنے تبیین سے ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے؛

لئن اشرکت لیحبطن عملك۔

(بفرضِ محال اگر تم شرک کرو گے تو تمہارے اعمال حبط ہو جائیں گے)

تو ایسے ہی بیبیوں سے بفرضِ محال ایسے ہو کیونکہ وُہ الیسی نہ تھیں کہ معاذ اللہ ان سے کوئی معصیت ظاہرہ کا صدور ہوا ہو یا ہونا ہو۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہاں فاحشہ سے نشوز نافرمانی اور سوء الخلق مراد ہے۔ حضرت امام راغب نے فرمایا کہ اقوال و افعال میں سے وہ فعل یا قول جو قبیح ہوں۔

نکتہ: فقیر (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا مقصد یہ ہے کہ ان سے سوء الخلق اور نافرمانیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہے جیسے دوسری عام عورتوں سے فاحشہ صادر ہوتا ہے کیونکہ وہ بلند مقام کی مالکہ اور شرافت و بزرگی کی پیکر تھیں بالخصوص وُہ فعل قول جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اذیت کا موجب ہو۔ اسی لیے فرمایا؛

لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ اس پر اوروں سے دگنا عذاب ہو گا یعنی جیسے اوروں کو عذاب ہو گا انہیں ان سے دگنا عذاب ہو گا **وَكَانَ ذٰلِكَ** اور ہے یہ یعنی دگنا عذاب دینا **عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا** ۝ اللہ تعالیٰ کو آسان۔ اس سے کوئی امر نہ روکے گا کہ یہ نبی علیہ السلام کی بیبیاں ہیں بلکہ وُہ تو یہ عذاب ضرور دے گا کہ اسے اپنے نبی علیہ السلام کی عزت و تکریم مطلوب ہے۔

سوال: اسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ نبی علیہ السلام کی ازواجِ مطہرات کو دگنا عذاب دینے کی کیا وجہ؟

جواب: چونکہ اللہ تعالیٰ کی ہر قسم کی نعمتیں بہ نسبت دیگر عورتوں کے ان پر زائد تھیں اور فوائد کے چشمے ان کے ہاں اُبل رہے تھے سب سے بڑی بات کہ انہیں نبی الانبیاء و امام الرسل صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت تھی اور انہی کے حجرات میں نزولِ وحی ہوتا تھا اور ملائکہ کرام کی حاضری انہی کے گھروں میں ہوتی تھی اسی لیے ظاہر ہے کہ ان کے لیے سزا کا پہلو بھی زائد ہو جبکہ ان کی مخالفت بھی تو بہت بڑے امر بلکہ امام الامور کی ہے جو دیگر امور کا امر نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سرتاج ہے۔

مسئلہ: یہی وجہ ہے کہ بے خبر گناہ گار کی بہ نسبت گناہ کو جان کر گناہ کرنے والے کی سزا زیادہ ہے۔

مسئلہ: ایسے ہی آزاد کی سزا بہ نسبت غلام کے زیادہ ہے۔

مسئلہ: ایسے ہی شادی شدہ کی حد غیر شادی شدہ سے زیادہ ہے۔ ان میں یہی راز ہے۔

مسئلہ: جیسے انبیاء علیہم السلام کو محبوبانہ عتاب شدید ہوتا ہے ایسے عوام امتیوں کو نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ گناہ کی عظمت گناہ کرنے والے کی نسبت پر ہے اور اس کی قباحت کا سخت ہونا بھی

اسی وجہ سے ہے۔ چونکہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم امہات المومنین اور اشرافت نساء العالمین ہیں اسی لیے ان سے غلطی کا صدور (بفرض محال) قبیح تر ہے تو سزا کا بھی شدید تر اور دگنا ہونا لازمی امر ہے۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

آنچہ عین لطف باشد بر عوام
قہر شد بر عشق کیشان کرام

ترجمہ : وہ عین لطف جو عوام پر ہے وہ عشق والوں کے لیے قہر ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ثواب وعقاب نفس کی نفاست وخساست ہے اور سزا کا زاید ہونا بھی فضیلت کی دلیل ہے جیسے آزاد انسان پر بہ نسبت غلام کے زائد ہے اس لیے کہ اہلِ سعادت دو قسم ہیں :

(۱) سعید — سعید اہل الجنۃ ہیں۔

(۲) اسعد — اسعد اہل اللہ ہیں۔

جب سعید سے طاعت صادر ہوتی ہے تو اسے بہشت کا ایک اجر ملتا ہے اگر اس سے معصیت سرزد ہو تو اسے دوزخ کا ایک عذاب ملے گا اور اگر اسعد سے طاعت صادر ہو تو اس کا دگنا اجر ہے یعنی ایک درجہ بہشت کا اور ایک مرتبہ قربت الٰہی کا، اگر اس سے معصیت کا صدور ہو تو اسے دو عذاب ملیں گے۔ بہشت کے ایک درجہ کی کمی اور قربت الٰہی کا ایک مرتبہ کی کمی یا جہنم کے عذاب کا جھونکا اور قربِ الٰہی سے دُوری کا عذاب اور حجاب کی ذلت۔ اسی لیے حضرت سری سقطی قدس سرہٗ دُعا مانگتے تھے :

اللھم ان کنت تعذبنی بشئی فلا تعذبنی بذل الحجاب۔

(اے اللہ! اگر مجھے عذاب دینا ہے تو حجاب کی ذلت کا عذاب نہ دینا)

وکان ذٰلک علی اللہ یسیرا اور یہ اللہ تعالیٰ کو آسان ہے کہ ان کا عذاب دگنا کر دے بخلاف عام مخلوق کے کیونکہ ان کے حق میں دگنا عذاب آسان نہیں کیونکہ وہ اسی کا اتباع کرتے تھے تو سزا پائی بخلاف اہل اللہ کے کہ ان کے لیے یہ بات مشکل بن جائے گی کیونکہ وہ اس کی کے درپے نہ تھے۔

دُعا : اللہ تعالیٰ ہم سب کو عذاب سے بچائے اور جزیل ثواب سے نوازے۔ (آمین)

ف : عذاب وتنزل کے اسباب سے عدم توکل واصل کے ساتھ ترک قناعت اور سعی بلا حاصل ہے۔

حکایتِ میمونۃ السوداء حضرت عبد الواحد بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے تین راتیں مسلسل دُعا مانگی کہ یا اللہ! میرا رفیق جنّت مجھے دکھا دے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا کہ تیرا رفیق جنّت بی بی میمونہ سوداء (سیاہ فام) رضی اللہ عنہا ہیں۔ میں نے پوچھا وہ کہاں ہیں؟ جواب ملا کہ کوفہ کے فلاں محلہ میں فلاں قبیلہ سے ہے۔ فرماتے ہیں ان کی زیارت کے لیے پہنچا تو دیکھا کہ وہ نماز میں ہیں، ان کے آگے ڈنڈا پڑا ہے اور خود سیاہ جُبہ میں ملبوس ہیں جس پر مرقوم ہے ،

لا تباع ولا تشتری اور بکریوں کے ساتھ بھیڑیئے چر رہے ہیں نہ بھیڑیئے بکریوں کو کچھ کہتے ہیں نہ بکریاں بھیڑیوں سے ڈرتی ہیں۔ جب مجھے دیکھا تو نماز میں تخفیف کر لی، سلام پھیر کر کہا؛

اے ابن زید! چلا جا، یہاں ملنے کا موقعہ نہیں۔ وہاں یعنی بہشت میں (میری اور تمہاری رفاقت مقدر ہے)

میں نے پوچھا؛

آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہو گیا؟

اس نے فرمایا؛

عالمِ ارواح سے، اس لیے کہ وہاں ارواح ایک دوسرے کے ساتھ رہتے تھے، جن کا وہاں تعارف تھا ان کا تعارف آج بھی ہے۔

میں نے کہا؛

کچھ نصیحت فرمائیے۔

فرمایا؛

اُس واعظ پر تعجب ہے جو دوسروں سے عبرت کا خواہاں ہوتا ہے اور کوئی بندہ جو کچھ دنیا میں حاصل کرتا ہے لیکن شکر کے بجائے حرص کرکے اور مانگتا ہے تو اس سے حُبِ خلوۃ چھین لی جاتی ہے اسے قُرب چھین کر بُعد میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ انس چھین کر وحشت میں اسے مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ اس راز کا اللہ تعالیٰ نے ارواح کو قرآن میں وعظ سنایا۔ یہ اس کا فضل وکرم ہے۔

حضرت صائب مرحوم نے فرمایا: ؎

تا ز خاک پاے درویشی توانی سرمہ کرد
خاک در چشمت اگر در پادشاہی بنگری

ترجمہ: جہاں تک ہو سکے درویشوں کی خاک پا ہو، اگر تو اُن کی خاکِ پا کو سُرمہ جان کر آنکھوں میں ڈال لے تو تُو خود کو بادشاہی میں دیکھے گا۔

یعنی جلاء البصر فقر و قناعت و ترکِ زینتِ دنیا میں ہے نہ کہ دولت و سلطنت اور فانی نعمتوں میں، دنیا کا سارا معاملہ گدلا و مکدر رہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ دنیا میں رہ کر اپنے آخرت کے بوجھ ہلکے کرے اور چھوٹی سی عمر کے آخری حصے میں تجردی تکمیل کی کوشش کرے۔

ہذا آخر ما رقمہ قلم للفقیر القادری ابو الصالح محمد فیض احمد الاویسی الرضوی غفرلہ
۱۰ صفر ۱۴۰۷ھ مطابق ۲۳ اکتوبر ۱۹۸۶ء بروز پنجشنبہ سوا بارہ بجے

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ
اور جو تم میں فرمانبردار رہے اللہ اور اس کے رسول کی اور اچھا کام کرے ہم اسے اوروں سے دونا ثواب دیں گے
وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ
اور ہم نے اس کے لیے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے اے نبی کی بی بیو تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر اللہ
اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ
سے ڈرو تو بات میں ایسی نرمی نہ کرو کہ دل کا روگی کچھ لالچ کرے ہاں
قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۳۲﴾ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى
اچھی بات کہو اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور بے پردہ نہ رہو جیسے اگلی جاہلیت کی بے پردگی
وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ
اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اللہ تو یہی چاہتا ہے
عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ
اے نبی کے گھر والو! کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے اور یاد کرو جو تمہارے گھروں
مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾
میں پڑھی جاتی ہیں اللہ کی آیتیں اور حکمت بے شک اللہ ہر باریکی جانتا خبردار ہے

تفسیر عالمانہ وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ اور تم میں سے اے ازواجِ پیغمبر علیہ السلام! طاعت پر مداومت کرے۔

حلِ لغات: القنوت بمعنے لزوم الطاعة مع الخضوع (خضوع کے ساتھ طاعت پر التزام کرنا) لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وَتَعْمَلْ صَالِحًا اور نیک عمل کرے نُؤْتِهَآ اَجْرَهَا ہم اسے دیں گے اجر و ثواب مَرَّتَيْنِ دو بار۔ ایک بار طاعت و تقویٰ پر دوبارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا طلبی پر کہ ان کے ساتھ قناعت کرو اور معاشرہ اچھا رکھو۔ مقاتل نے فرمایا: چھبیس نیکیاں مراد ہیں۔ وَاَعْتَدْنَا لَهَا اور ہم نے ان کے لیے جنت میں تیار کیا یعنی ان کے دوہرے اجر کے مطابق جنت کے زیادہ مراتب۔

حلِ لغات: الاعتاد بمعنے تیار کرنا۔ عتاد، عدّة سے مشتق ہے۔ امام راغب نے فرمایا: الاعتاد بمعنے شے کو ضرورت و حاجت سے پہلے ذخیرہ کے طور پر جمع کرنا۔ اس کا استعمال اعداد کی طرح ہوتا ہے۔ بعض اہلِ لغت نے کہا: یہ دراصل اعددنا تھا۔ دال کو تا سے تبدیل کیا گیا ہے۔

رِزْقًا كَرِيمًا ○ رزق پسندیدہ ۔ امام راغب نے فرمایا کہ جو شے اپنے معاملہ میں مشرف ہو اسے کریم کہا جاتا ہے ۔

ف : اس میں اشارہ ہے کہ رزق درحقیقت وہی بہشت کی نعمتیں ہیں جسے ان کی ضرورت ہو اسے دنیا کی نعمتوں کا ترک لازم ہے ۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے بندے دنیوی نعمتوں میں مشغول نہیں ہوتے ۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے اُخروی نعمتوں کے مقابلے میں دنیوی نعمتوں سے خوش نہیں ہوتے کیونکہ دنیا کی نعمتیں فانی ہیں ؎

شنیدم کہ جمشید فرخ سرشت
بسر چشمہ بر سنگی بنشت
بریں چشمہ چوں ما بسے دم زدند
برفتند چون چشم برہم زدند

ترجمہ : میں نے سنا ہے کہ جمشید مبارک طبیعت والے نے ایک چشمہ کے پتھر پر لکھا اس چشمہ سے ہمارے جیسے بے شمار لوگ گزر گئے لیکن جب موت کا وقت آیا تو چلے گئے ۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ وہ طاعت و عمل جس میں بہشت کے طمع و لالچ کی ملاوٹ نہ ہو تو اس میں مزید قربِ الٰہی ہوگا پھر اس کے طفیل بہشت کے درجات میں بھی اضافہ ہوگا ۔ لیکن یاد رہے کہ وہ عمل جو اشارۂ مرشد کریم اور دلالتِ انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام کے مطابق ہو ۔ وہ وجودِ غیر سے خالص ہو ۔ خلوص کے عمل کی علامت یہ ہے کہ عبادت میں حضور قلبی و توجہ تام حاصل ہو لیکن انقلاب و اضطراب سے نہ ہو ۔

کرامتِ ولی منقول ہے کہ ابو سلیمان دارانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کے مرید نے گرم تنور میں چھلانگ لگا دی لیکن اسے آگ نے نہ جلایا ۔

ف : اسے آگ جلاتی بھی کیوں ، جبکہ اس میں ماسوائے ذات کے وجود اور کوئی شے نہ تھی ۔ اسی کو ہم شہود سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی کو قرآن مجید نے رزق کریم کہا ہے اور کریم ذاتِ حق تعالیٰ ہی ہے اور وہ کریم اپنے مخلص کو مشاہدات و مکاشفات و مکالمات عطا فرماتا ہے ۔ بلکہ اس سے مزید قربِ الٰہی میں اضافہ ہوگا ۔ یہی معنی ہے وان تك حسنة یضاعفها ویؤت من لدنه اجرًا عظیما ۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حضرت خلیل علیہ السلام کو نارِ نمرود نے نہیں جلایا بلکہ اللہ تعالیٰ سے رزقِ وافر پایا اس لیے کہ نعمت ظاہری نعمت باطنی کا عکس ہوتا ہے اور حقیقی اجر عالمِ آخرت میں عطا ہوگا کیونکہ اس بہت بڑے اجر و ثواب کی

عالم دنیا بوجہ تنگی کے وسعت نہیں رکھتی۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں قوت وعمل کی توفیق بخشے۔ اور سستی وکاہلی سے ہمیں پناہ دے، اس لیے کہ سستی وکاہلی غفلت اور حجاب کا سبب بنتی ہے جیسا کہ عمل صالح شہود وارتفاع نقاب کا موجب ہیں اس لیے کہ تجلیات وجودیہ تجلیات شہودیہ کے مظاہر ہیں۔ اسی سے دُم علی الطہارۃ الخ (یعنی طہارت پر مداومت کیجئے تمہارے لیے رزق کی وسعت ہوگی) کا راز سمجھ آئے گا۔

ف: طہارت صوری کا خاصہ ہے کہ وہ رزق صوری کو کھینچتی ہے۔ ایسے ہی طہارت معنوی رزق معنوی کی کشش کا موجب ہے۔ یاد رہے کہ جسم کو جسمانی غذا اور روح کو روحانی غذا ضروری ہے۔ اسی سے حیات باقیہ کا راز سمجھ آجائے گا اس لیے کہ روح کے ذوقی امور بے شمار ہیں اس لیے کہ روح کی انتہا نہیں، نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ این زمین و سختیان پردۂ ست وبس
اصل روزی از خدا دان ہر نفس

۲ رزق از وی جو مجو از زید و عمرو
مستی از وی جو مجو از بنگ و خمر

۳ منعمی زو خواہ نی از گنج و مال
نصرت از وی خواہ نی از عم وخال

ترجمہ: (۱) یہ زمین اور دیگر اسباب صرف پردہ ہیں ہر نفس کو روزی خدا تعالیٰ ہی مہیا کرتا ہے۔
(۲) روزی اسی سے طلب کر، زید وعمرو سے طلب نہ کر، مستی بھی اسی سے طلب کر نہ کہ بھنگ اور شراب سے۔
(۳) نعمت اسی سے سمجھ نہ کہ گنج ومال سے۔ مدد اسی سے طلب کر نہ کہ چچا اور ماموں سے۔

اے اللہ! ہمیں اپنے مخلص بندوں سے بنا اور ہمیں بحق النون والصاد، طریق الرشاد میں ثابت قدم رکھ۔

تفسیر عالمانہ يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ اے ازواج پیغمبر علیہ السلام لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ تم دوسرے عام لوگوں کی عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ احد در اصل وحد بمعنے الواحد ہے۔ واو کو ہمزہ سے علی خلاف القیاس تبدیل کیا گیا ہے پھر اسے نفی عام کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ مرد وعورت اور واحد وکثیر سب کے لیے برابر طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے ازواج النبی! تم فضیلت وشرف میں عام عورتوں کی طرح نہیں ہو بلکہ بوجہ صحبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تم افضل واعلیٰ ہو۔ اس لیے جو شے اشرف واعلیٰ شے کی طرف مضاف ہو وہ بھی اشرف واعلیٰ ہو جاتی ہے۔ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ اگر تم نے پرہیزگاری کی

یعنی اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کی مخالفت سے بچیں۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اور کلام احد من النسا پر مکمل ہو چکی ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں پر مقصود یہ ہے کہ ان کا خیر و برکت والا اور افضل ہونا مشروط ہے۔ ان کے تقویٰ و طہارت پر صرف نبی علیہ السلام کے ساتھ ہونا موجب افضلیت نہیں۔ ع

زہد و تقویٰ فضل را محراب شد

(فضیلت کے لیے زہد و تقویٰ بمنزلہ محراب کے ہے)

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ تو لوگوں سے گفتگو کے وقت نرمی اور عاجزی نہ کرو جیسے طمع و لالچ کی ماری عورتیں بیگانے مردوں سے باتیں کرتی ہیں۔ الخضوع بمعنے مطمئن اور متواضع و باسکون ہو کر بات کرنا۔

مسئلہ: عورت کے لیے مستحب ہے کہ جب بیگانے مرد سے بات کرے تو لہجہ ترش ہو تاکہ بیگانے مرد کو اس سے کسی قسم کا طمع و خیال نہ ہو سکے بالخصوص جب مرد گھر پر نہ ہو اور بیگانہ مرد باہر سے آواز دے تو عورت کو جائز نہیں کہ نرمی اور عاجزی سے گفتگو کرے اس لیے کہ عورت کا اس طرح سے بولنا شہوت کو ابھارتا ہے اور عورت سے بیگانے مرد کو غلط طمع پیدا ہونے کا امکان ہے۔ کما قال:

فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ

(وہ طمع کرے گا جس کے دل میں مرض ہے) یعنی غلط محبت ہے۔

وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا اور ایسی اچھی بات کرو کہ جس میں تہمت و طمع و لالچ نہ ہو۔ بلکہ ترش اور سخت لہجہ سے گفتگو کریں کلام میں محبوبانہ لہجہ نہ ہو جیسے ہیجڑوں کا طریقہ ہے۔

ف: زنا ایک باطنی مرض ہے جیسے ظاہری بیماری جسم کے لیے ہلاکت اور تباہی کا موجب ہے ایسے ہی زنا بھی روح کے لیے تباہی و بربادی کا سبب ہے۔ اور زنا کا پہلا سبب عورت کا نرم لہجہ اور اپنے آپ کو بیگانے مرد کے سامنے بے لبسی کا اظہار ہے ؎

ہست نرمی آفت جان سمور

وز درشتی می برد جان خار پشت

ترجمہ: نرمی آفت جان ہے اور سختی سے سخت سے سخت بوجھ بھی اٹھایا جا سکتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ وہ ارباب قلوب جنہوں نے اپنے قلوب کے ارحام مشائخ کے تصرف ولایت کے سپرد کیے ہیں ان کے احوال عام مخلوق جیسے نہیں اور متقی الانسان وارین کی کسی شے کی طرف میلان نہیں رکھتا اور نہ وہ دنیوی و اُخروی اغراض کے لیے نرم لہجہ برتتا ہے کیونکہ ایسی نرم گفتگو قلب و عمل کی کمزوری کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہے اور بہت سے مدعیان حقیقت دنیاداروں کے سامنے نرم گفتگو کرتے ہیں۔ ایسے اعمال دنیا کے لیے نرم لہجہ ہوتا ہے۔ ان کی یہ غلط فہمی ہے کہ ان کی نرم پالیسی دینی مصلحت کے لیے ہے (اس سے صلح کلی قسم کے لوگ کچھ سمجھیں) اس طرح سے ایسے لوگ ورطۂ ہلاکت میں گر کر مرتے اور دنیا

کی طرف بہت جلد لوٹ آتے ہیں پھر وہ فضولیات کے دریا میں ڈوب کر تباہ ہو جاتے ہیں اس لیے ان کے حالات طمع ولالچ کی وجہ سے بہت کمزور پڑ جاتے ہیں۔

سبق: مساعدات اور دنیوی امور و اعمال میں کسی ایک امر کا ترک کرے۔ ہاں اس میں نیکی کا حصول مطلوب ہو تو جائز ہے ورنہ ایسے لوگ برائیوں سے مغلوب ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مخالفات سے بچائے۔

تفسیر عالمانہ وَقَرْنَ اور آرام کرو فِیْ بُیُوْتِكُنَّ اپنے گھروں میں۔ نافع، عاصم اور ابوجعفر نے اسے بفتح القاف مضارع ازباب علم پڑھا ہے۔ اس کا اصل اقررن تھا۔ راء اولیٰ کی حرکت نقل کر کے قاف کو دی گئی ہے۔ پھر التقائے ساکنین کی وجہ سے گر گئی ہے پھر ہمزہ وصلی کی ضرورت نہ رہی۔ وہ بھی گر گیا قرن ہوا۔ اس تقریر پر اس کا وزن فلن ہوا جس کا اصل افعلن تھا۔ اور باقیوں نے بکسر القاف پڑھا ہے اس لیے کہ وہ وقر یقر وقار کا امر ہے۔ یہ دراصل اوقرن تھا۔ واؤ تخفیفاً محذوف ہوئی۔ اس کے بعد ہمزہ وصلی کی ضرورت نہ رہی اسے بھی گرا دیا گیا قرن ہوا اس وقت اس کا وزن علن ہوگا یا قر یقر مضارع میں بکسر القاف اس کا اصل اقررن تھا۔ راء کی کسرہ قاف کو دی گئی پھر محذوف ہوئی، ہمزہ وصلی بھی گر گیا۔ قرن ہوا۔ اس وقت وزن فلن ہوگا۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ اے ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم! اپنے گھروں کو لازم پکڑو اور اپنے مساکن میں ٹھہری رہو۔

مسئلہ: یہ خطاب اگرچہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن اس کا حکم تمام عورتوں کو عام ہے۔

بی بی سودہ رضی اللہ عنہا کا عمل بالقرآن مروی ہے کہ بی بی سودہ بن زمعہ رضی اللہ عنہا اس آیت کے نزول کے بعد گھر سے ایک دن کے لیے بھی باہر نہ نکلیں، نہ حج کے لیے نہ عمرہ کے لیے، یہاں تک کہ موت کے بعد آپ کا جنازہ ہی گھر سے باہر نکالا گیا۔ یہ بی بی سودہ بن زمعہ زوجۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھیں ان بی بی صاحبہ کا انتقال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوا۔ بی بی سے سوال ہوا کہ آپ حج اور عمرہ کے لیے کیوں نہیں جاتیں؟ فرمایا کہ ہمیں حکم ہے وقرن فی بیوتکن ؎

زبیگانگاں چشم زن کور باد
چو بیرون شد از خانہ در گور باد

ترجمہ: بیگانہ مردوں سے عورت کی آنکھ اندھی ہو۔ جب گھر سے باہر جائے تو اسے کہہ دو کہ خدا کرے کہ وہ قبر میں جائے۔

حدیث شریف میں ہے:

خیر مساجد النساء قعر بیوتھن۔

(عورتوں کے لیے بہترین سجدہ گاہ گھر کا اندرونی حصہ ہے)

وَلَا تَبَرَّجْنَ اور بے پردہ نہ رہو۔

حل لغات : امام راغب نے فرمایا کہ ثوب متبرج سے ہے۔ ہر اس کپڑے کو کہا جاتا ہے جس پر برج کی شکلیں منقش کی جائیں اس سے اس کپڑے کا حسن مطلوب ہوتا ہے۔ اس معنے پر کہا جائے گا:

تبرجت المرأۃ۔ یعنی عورت مردوں کو اپنے حسن کے اظہار کے لیے برج کے مشابہ ہوتی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ عورت اپنے مواضع حسنہ کو حسین بنائے۔

اب معنی یہ ہوا کہ اپنے حسن کی جگہوں کو ظاہر نہ کرو۔ تہذیب المصادر سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ لکھا تبرج کا اصل معنی ہے بُرج پر چڑھنا۔ چونکہ جو شخص برج پر چڑھتا ہے دیکھنے والے کو صاف طور پر نظر آتا ہے اسی لیے یہاں یہ معنیٰ لیا گیا ہے کما قال ابوعلی۔

بعض نے اس کا اور معنی لکھا ہے وہ یہ کہ تبرجت المرأۃ ای ظہرت من برجہا یعنی عورت اپنے برج یعنی محل سے ظاہر ہوتی۔ اس کا استدلال ولا تبرجن سے کیا ہے۔ کذا فی المفردات۔

بعض نے کہا ولا تبرجن بمعنے چلنے میں تبختر (اکڑ کے چلنا) نہ کرو۔

تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى ان عورتوں کے تبرج کی طرح جو جاہلیت اولیٰ میں تھیں۔

ف: اس سے آدم و نوح علیہم السلام کی درمیانی مدت مراد ہے۔ یہ ایک ہزار دوسو بہتر (۱۲۷۲) سال ہے۔ کذا فی التکملہ۔

اور جاہلیت اُخریٰ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور عیسیٰ علیہ السلام کی درمیانی مدت کو کہا جاتا ہے۔

ابن الملک نے کہا: جاہلیت حضور علیہ السلام کی بعثت مبارکہ سے تھوڑا سا پہلے زمانے کا نام ہے اور اسے جاہلیت اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس دور میں جہالت بہت زیادہ تھی۔

جاہلیّت اُولیٰ کا ایک واقعہ مروی ہے کہ آدم علیہ السلام کے دو مختلف زمانوں کی اولاد میں سے ایک گروہ پہاڑوں میں بسیرا کرتا تھا، دوسرا گروہ زمین پر۔ جو پہاڑوں کے باسی تھے وہ خود تو حسین و جمیل تھے لیکن ان کی عورتیں سیاہ فام تھیں۔ جو زمین پر رہائش پذیر تھے وہ خود تو سیاہ فام تھے لیکن ان کی عورتیں حسین و جمیل تھیں۔ ابلیس نے یوں شرارت کی کہ زمین کے باسیوں میں سے ایک کے ہاں نوکر بن گیا اور اس کی خوب خدمت کی۔ دریں اثنا اس نے ایک مخصوص قسم کی بانسری بنائی جو عام طور پر چرواہے جنگلوں میں بجایا کرتے تھے، ایسی خوش آواز سے تیار کی کہ اس کے بجانے پر لوگ دھڑا دھڑ جمع ہو جایا کرتے تھے۔ اس کی یہ آواز زمین کے باشندوں نے بہت پسند کی۔ چنانچہ سال میں ایک دن عید منایا کرتے تھے وہاں عورتوں اور مردوں کا اجتماع ہوتا اور عورتیں مردوں کے لیے ہار سنگار کرتیں اور خوب سنورتیں اور پھر اسی بانسری کو بڑے مزے سے سُنتے۔ ایک دفعہ پہاڑ کے باسیوں میں سے ایک شخص ان کی عید میں شامل ہوا۔ اس نے زمین کی باسی عورتوں کا حسن و جمال دیکھا تو ان پر فریفتہ ہو گیا، واپس جا کر اپنے دوسرے لوگوں کو خبر دی تو پہاڑ والوں نے زمین والوں کے ہاں آمد و رفت شروع کر دی۔ اس سے زنا و

فواحش پھیلا ۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ولا تبرجن الخ ۔ یہ واقعہ حضرت ادریس علیہ السلام کے زمانے کے بعد ہوا ۔

ف : حضرت کاشفی نے لکھا کہ صحیح ترین یہ ہے کہ یہ جاہلیت اُولیٰ ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں تھی ۔ اس لیے کہ ان کے زمانے کی عورتیں مروارید کے بنے ہوئے کپڑے پہن کر مردوں کے راستہ میں بیٹھ جاتیں اور ان سے زنا کرواتیں ۔

بعض نے یہ بھی لکھا کہ جاہلیتِ اُخریٰ کا زمانہ قربِ قیامت میں آئے گا کہ اس وقت عورتوں اور مردوں کا وہی حال ہوگا جو جاہلیتِ اولیٰ میں تھا ۔

حدیث شریف مع شرح

دو طرح کے لوگ جہنمی ہیں جنھیں مَیں آج نہیں دیکھ رہا (یعنی ایسے لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانۂ اقدس میں نہیں تھے کیونکہ حضور علیہ السلام کا زمانہ اقدس ایسے فواحش سے پاک تھا) ایک وہ جن کے ہاتھوں میں بیلوں کے کانوں کی طرح چھڑیاں ہیں جن سے وہ لوگوں کو مارتے ہیں ۔

ف : اسواط ' سوط کی جمع ہے ۔ دیارِ عرب میں انہیں مقارع سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ مقرعہ کی جمع ہے مقرعہ اس چھڑی کو کہا جاتا ہے جس کے آخری حصّے کو چمڑے سے مضبوط باندھا جائے اور اس کی موٹائی انگشتِ شہادت کے برابر ہو ۔ اس کے ساتھ چور کو برہنہ کر کے سزا دی جاتی تھی ۔ بعض نے کہا کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو ظالم حکّام کے گھروں اور دفتروں کے چکر کاٹتے ہیں اور ان کے ہاتھوں میں چابک ہوتے ہیں جن سے وہ اوروں کو مار کر اور گالی دے کر ظالم افسروں کے گھروں اور دفتروں میں نہیں آنے دیتے ۔

دوسرا گروہ ان عورتوں کا ہے جو بظاہر بہتر لباس سے ملبوس ہیں لیکن درحقیقت وُہ ننگی ہیں اس لیے کہ ان کا وہ لباس نہایت باریک ہوتا ہے اور پھر ان کا آدھا حصّہ ملبوس اور آدھا ننگا ۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ لباس تقویٰ سے خالی ہوں گی جیسے ہمارے زمانے کی عورتوں کا حال ہے کہ بظاہر تو دوپٹہ پہنتی ہیں لیکن الٹا کر کے پیٹھ کے پیچھے ڈال دیتی ہیں اور ان کا سینہ ننگ ہوتا ہے ۔ (یہ تو صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ کے زمانے کی بات ہے اور ہمارے زمانے میں تو عورتوں نے سر سے دوپٹہ اتار ہی پھینکا ہے اور اوّل تو وہ برقعہ پہنتی ہی نہیں اور اگر کبھی بھولے سے پہن ہی لیتی ہیں تو وہ بھی فیشنی ۔ یُوں وُہ مردوں کو دعوتِ نظارہ دیتی ہیں اور برقعہ کو ظلمِ شدید سے تعبیر کرتی ہیں ۔ اویسی غفرلہٗ) یا اس سے وہ عورتیں مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتیں ۔ یاد رہے کہ دنیوی نعمتوں کا شکر کرنا نہ صرف نعمتوں کے اضافے کا موجب ہے بلکہ اس سے آخرت کی نعمتوں سے وافر حصہ نصیب ہوتا ہے ۔ اور آخرت کی نعمتیں عملِ صالح سے خالی ہوں گی ۔ لیکن یہ حکم نہ صرف عورتوں کے لیے ہے بلکہ مرد و عورت دونوں کے لیے یہ حکم عام ہے ۔ اور جن عورتوں کا اوپر ذکر ہوا وُہ مردوں کو اپنی طرف مائل کرنے والی ہیں تاکہ وہ ان سے غلط کاری کریں ۔ یا وہ مردوں کو اپنے جسم کے بعض حصّے اور سُرین کی لچک دکھا کر اپنی طرف مائل کرتی ہیں جیسے رقاصاؤں کا طریقہ ہے ۔ یا اس کا

معنیٰ یہ ہے کہ وہ دوپٹے اپنے سروں پر ٹیڑھے رکھتی ہیں تاکہ چہرہ پورے طور ظاہر ہو (ان کا کیا حال ہوگا جو آج سر پر دوپٹہ رکھتی ہی نہیں) اور وہ عورتیں مردوں کی طرف میلان رکھتی ہیں یا وہ اپنے چلنے میں لچک پیدا کرکے اور اکڑ اکڑ چلتی ہیں ان عورتوں کے سر اونٹ کے کوہان کی طرح ہیں یعنی وہ اپنے سروں کو دوپٹوں یا ٹوپیوں یا کسی اور شے سے موٹا دکھاتی ہیں یہاں تک کہ ان کے سر اونٹ کے کوہان جیسے محسوس ہوتے ہیں۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ مردوں کو سر اٹھا کر دیکھتی ہیں۔ اونٹ کے کوہان سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ جیسے اونٹ کا کوہان چربی کی کثرت کی وجہ سے کبھی اِس طرف جھک جاتا ہے اور کبھی اُس طرف۔ تو اسی طرح ان عورتوں کی کیفیت ہے۔

لا یدخل الجنۃ ولا یجدن ریحھا وان ریحھا لیوجد مسیرۃ اربعین عاما۔

(ایسی عورتیں جنت میں داخل نہ ہوسکیں گی یہاں تک کہ بہشت کی خوشبو تک سے محروم رہیں گی جبکہ اس کی خوشبو چالیس سال کے سفر کے فاصلہ پر سونگھی جا سکے گی)

تفسیر عالمانہ وَاَقِمْنَ الصَّلٰوۃَ اور نماز قائم کرو، اس لیے کہ بدنی عبادات میں سے یہی اصلی عبادت ہے وَاٰتِیْنَ الزَّکٰوۃَ اور زکوٰۃ دو اس لیے کہ عبادات مالیہ میں سے یہی برگزیدہ عبادت ہے بشرطیکہ تمہارے ہاں مال وافر یعنی نصاب کامل ہو۔ کذا فی تفسیر ابی اللیث۔

وَاَطِعْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اور تمام اوامر و نواہی میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ بعض نے لکھا کہ اللہ کی اطاعت کرو فرائض میں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو سنتوں میں۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ۔ الرجس بمعنے القذر۔ یعنی وہ گناہ جو تمہاری عزت کو دھبہ لگائے اور داغدار کرے۔ دراصل عرض انسان کے اس حصہ کو کہا جاتا ہے جس کی حفاظت مطلوب ہو۔ امر و نہی کی علت بتائی گئی ہے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اسی لیے اس کا حکم عام ہوگا کیونکہ یہ خطاب عام ہے جس میں ازواجِ مطہرات بھی شامل ہیں (لیکن افسوس کہ شیعہ پارٹی نے اس آیت کو صرف پنجتن (علیٰ نبینا وعلیہم السلام) تک محدود رکھا اور بالخصوص ازواجِ مطہرات کو اس آیت سے خارج کرنے کی ناکام اور ناکام کوشش کی حالانکہ قرآنی مضمون کا تقاضا یہی ہے کہ ازواج مطہرات بالخصوص اس حکم میں شامل ہیں اور باقی علی العموم۔ اویسی غفرلہٗ) اَھْلَ الْبَیْتِ یہ دراصل یا اھل البیت تھا۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو نبوت کے گھرانے میں سے ہوں مرد ہوں یا عورتیں۔ امام راغب نے لکھا کہ اھل الرجل اس کو کہا جائے گا جو کہ ایک تعلق سے متعلق ہو جیسے نسب، دین یا ان کے قائم مقام۔ جیسے کاریگری اور گھر اور شہر اور محلہ۔ اس کا لغوی معنی یہ ہے کہ وہ جگہ جہاں سکونت کے لیے یکجا جمع ہونا ہو۔ اس کے بعد دوسرے معانی میں مجازاً استعمال ہونے لگا۔ اسی لیے اہل الرجل ہر وہ شخص جو اس کے نسب وغیرہ سے تعلق رکھتا ہو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کو (مطلقاً) عام ہے (وہ آل ہوں یا ازواج) یعنی لفظ اہل بیت جب

مطلقاً استعمال ہو تو اس سے حضور علیہ السلام کی آل مثلاً بنو ہاشم مراد ہوں گے۔ اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان منّا اھل البیت (سلمان ہمارے اہل بیت سے ہے) فرما کر تمام شکوک و شبہات دُور کر دیئے اور تنبیہ فرمائی کہ قوم کا غلام بھی اہلِ بیت کی طرف منسوب ہوتا ہے (شیعہ کی کتب میں بھی یہ حدیث موجود ہے جب غلام اہلِ بیت میں شامل ہے تو پھر امہات المومنین سے ضد کیوں، انھیں کیونکر اہل بیت سے خارج کیا جاتا ہے) اھل بیت دراصل انسان کے اس ٹھکانے کو کہا جاتا ہے جس میں شب باشی کی جائے۔ پھر عام کر کے رات کی قید بھی ہٹا لی گئی۔ یعنی ہر وہ جگہ جہاں انسان بسر اوقات کرے۔ اس کی جمع ابیات و بیوت آتی ہے لیکن بیوت تو مسکن کے لیے اور ابیات اشعار کے لیے استعمال ہوتا ہے اور بیت کا اطلاق ہر بسیرہ پر ہوتا ہے خواہ وہ پتھروں سے تیار کیا جائے یا ڈھیلوں سے یا اُون سے یا بالوں سے۔ شعر کو اسی کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے بیت کہا جاتا ہے۔ ایسے ہی جو شے بھی کہیں بسر اوقات کرے گی اسے بیت سے تعبیر کیا جائے گا۔ المفردات۔ وَيُطَهِّرَكُمْ اور تمہیں معاصی کی گرد و غبار سے پاک کرے گا تَطْهِيرًا ۝ بہت زیادہ پاک۔ الرجس معصیت کے لیے استعارہ کیا گیا ہے پھر تطہیر میں ترشیح ہے تاکہ اہل بیت کو گناہوں سے بہت زیادہ نفرت ہو۔

ردِ شیعہ آیت میں بیّن دلیل اور سُورج سے بھی زیادہ روشن برہان ہے کہ حضور کی ازواجِ مطہرات حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلِ بیت ہیں۔ آیت صاف بتاتی ہے کہ شیعہ شنیعہ باطل اور مبنی بر جہالت ہے جبکہ اُنھوں نے لفظ اہلِ بیت کا اطلاق صرف بی بی فاطمۃ الزہرا اور ان کے دو صاحبزادوں (حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم) کے لیے مخصوص مانا ہے۔

دلیلِ شیعہ اپنے مذکورہ عقیدہ پر شیعہ مندرجہ ذیل روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت گھر سے باہر نکلے آپ نے سیاہ کمبل اوڑھ رکھا تھا آپ ایک جگہ پر بیٹھے تو بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں تو آپ نے انھیں اپنے کمبل میں بٹھا لیا، اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے آپ نے انہیں بھی کمبل میں چھپا لیا۔ پھر حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما آئے تو انھیں بھی اسی کمبل سے ڈھانپ لیا۔ اس کے بعد فرمایا: انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس الخ۔

جواب برائے شیعہ اس واقعہ سے تو صرف یہ ثابت ہُوا کہ مذکورہ بالا چاروں حضرات رضی اللہ عنہم اہلِ بیت میں سے ہیں۔ اس سے کب لازم آتا ہے کہ دُوسرے حضرات سرے سے اہل بیت میں شامل ہی نہیں۔

(جواب نمبر۲ از اویسی غفرلہٗ) قرآنی دلیل تو ازواجِ مطہرات کے لیے مصرّح ہے۔ ان چاروں حضرات (رضی اللہ عنہم) کی تخصیص تو قرآن مجید میں نہیں بلکہ خبرِ واحد میں ہے اور

اخبار احاد سے عقائد و خصائص ثابت نہیں ہوتے۔ ہاں فضائل ثابت ہوتے ہیں اور فضائل و کمالات کے ہم قائل ہیں۔ نہ صرف قائل ہیں بلکہ ایسے دلائل سے ہم بیان کرتے ہیں کہ شیعہ کے مجتہدوں کو ذرہ برابر بھی نصیب نہیں)

جواب نمبر ۳ از صاحبِ رُوح البیان اگر شیعہ کی یہ دلیل صحیح ہو تو نص قرآنی کے مقابلہ میں واقع ہُوئی ہے اور جو حدیث قرآنی نص کے مقابلہ میں واقع ہوا سے اولاً تطبیق دی جائے گی ورنہ اسے چھوڑ دیا جائے گا۔

ف : کاشفی نے لکھا اس وجہ سے آلِ عبا کا لفظ پنجتن پر بھی بولتے ہیں : ؎

آل العبا رسول اللہ و ابنتہ
والمرتضیٰ ثم سبطاہ اذا اجتمعوا

ترجمہ : آل عبا یہ حضرات ہیں :

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
۲۔ آپ کی صاحبزادی بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا
۳۔ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ
۴ و ۵۔ ان کے دو صاحبزادے حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما جب جمع ہوں۔

ف : کشف الاسرار میں ہے رجس افعال خبیثہ و اخلاق دنیہ میں استعمال ہوتا ہے۔ افعال خبیثہ سے ظاہری باطنی فواحش اور اخلاص دنیہ سے خواہشات نفسانی اور بدعت و بخل و حرص و قطع رحم اللہ تعالیٰ کے احکام کی فرماں برداری کی خلاف ورزی اور سنّت کے بجائے حرص اور شفقت صلہ رحمی کے بجائے قطع رحمی کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ویطہرکم تطہیرا۔

یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں ان بری عادات سے محفوظ فرمائے اور بچائے اس سے کہ تم اپنے آپ کو کچھ کا کچھ سمجھو یا تمہیں اپنے اعمال پر ناز ہو۔

اقسامِ نظر پیرِ طریقت نے فرمایا کہ نظر دو قسم ہے :

(۱) انسانی نظر
(۲) رحمانی نظر

نظر انسانی یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو دیکھے۔
نظر رحمانی یہ ہے کہ حق تعالیٰ انسان کو دیکھے جب تک نظرِ انسانی درمیان سے اُٹھ نہ جائے نظرِ رحمانی نصیب نہیں ہوتی۔

سبق : انسان پر لازم ہے عبادت خُوب کرے لیکن اسے دل میں نہ لائے بلکہ ہر وقت اس کی بے نیازی کو

مدِ نظر رکھے وُہ ایسا بے نیاز ہے کہ اگر آسمان و زمین کے جملہ صدیقین اور قدوسیوں کی عبادات ذوالجلال کی نظر میں ایک مچھّر کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتی لیکن چونکہ وُہ بے نیاز اپنے بندے کی بندگی سے خوش ہوتا ہے اسی لئے انسان کو زیادہ سے زیادہ عبادت و اطاعت میں اوقات بسر کرنے چاہئیں ۔ حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

گاہیکہ تکیہ بر عمل خود کنند خلق

او را مباد جز کرمت ہیچ تکیہ گاہ

با او بفضل کار کن ای مفضل کریم

کز عدل تو بفضل تو می آورد پناہ

ترجمہ : جب مخلوق اپنے عمل پر بھروسا کرے ان کا تیرے سوا کوئی تکیہ گاہ نہیں اس کے فضل و کرم پر کام کر اے فضل و کرم والے ! تیرے عدل سے تیرے فضل میں پناہ لائیں گے ۔

تفسیرِ صُوفیانہ وقرن فی بیوتکن یہ خطاب انسان کے قلب کو ہے کہ اے قلوب انسان ! تم عالمِ ملکوت کے گھونسلوں میں مقیم رہو اور ارواح کو فرمان ہے کہ وہ ذات کی طرف متوجہ ہوں ۔ ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ اور دنیا کی زینت اور اس کی خواہشات سے رغبت کر کے عالمِ حواس کی طرف نہ نکلو جیسے جہال کی عادت ہے واقمن الصّلوٰۃ دوام حضور اور مراقبہ اور سیر کے ساتھ عروج الی اللہ کے ساتھ نماز قائم کرو اس لیے کہ نماز اہلِ ایمان کی معراج ہے اور وُہ یوں ہو کہ انسان کو چاہیے دنیا سے ہاتھ اُٹھالے اور اسے اپنے لیے ایک مصیبت عظیم سمجھ کر ما سوی اللہ سے روگردانی کر ، اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو ، تکبّرِ انسانی کو ترک کر کے خضوع رکوع حیوانی کی طرف جُھک جائے پھر نباتی سجود کا خشوع کرے پھر جمادی قعود بیٹھے اس طرح سے اسے اسفل قالب کا ہبوط حاصل ہوگا تو مقامِ شہود تک پہنچنا آسان ہو جائے گا ۔ یہ اس کے لیے ہے جو بدایۃ روحانیہ میں ہو ۔ اس کے بعد حضرت حق کی تحیۃ و ثناء کی تشہد پڑھے ۔ اس کے بعد دائیں جانب سلام پھیرے تو آخرت و ما فیہا کو خیر باد کہہ دے اور بائیں جانب سلام پھیر کر دنیا و ما فیہا سے فراغت پائے ۔ ایسی نماز کی اقامت و مداومت سے اسے بحرِ اُلوہیت میں غوطہ لگانے کا موقعہ نصیب ہو جائے گا ۔ واٰتین الزکوٰۃ یعنی جو تمہارا وجود مجازی ہے جو وجود حقیقی سے ایک زاید امر اسے راہِ حق میں صرف کرو یعنے وجود مجازی کو وجود حقیقی میں فنا کر دو واطعن اللہ ورسولہ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس صلوٰۃ و زکوٰۃ بمطابق طریق بالا سے اطاعتِ الٰہی و رسول اللہ مطلوب ہو اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ بھی یہی ہے کہ اپنے بندوں سے حدوث کا زنگ مٹا دے ۔ الرجس سے یہاں پر لوث الحدث مراد ہے ۔ اھل البیت اس سے وُہ لوگ مراد ہیں جو بیتِ الٰہی کے واصل اور مجلس وحدت کے باشی ہیں ویطھرکم اور وُہ کریم تجلّی صفات جمال و جلال کے شراب طہور کے ساتھ تمہیں لوث حدوث سے ایسا پاک کرنا چاہتا ہے کہ تمہارے اندر ذرّہ برابر بھی حدوث نہ رہے جیسا کہ صُوفیہ فرماتے ہیں

کہ مٹے ہوتے صفات نہیں ٹوٹتے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ کامل اولیا کرام کو طبیعت کے ظہور کا خوف نہیں ہوتا ہے

تا بندہ ز خود فانی مطلق نشود
توحید بنز داو محقق نشود
توحید حلول نیست نابودن تست
ورنہ بگذاف آدمی حق نشود

ترجمہ: جب تک بندہ اپنے آپ سے مطلقاً فانی نہ ہوگا اس وقت اس کے ہاں توحید محقق نہ ہوگی۔ توحید حلول نہیں بلکہ یوں ہوگا کہ وجودِ فانی کو مٹا دو ورنہ لاف وگذاف سے آدمی حق نہیں ہوسکتا۔

حق تعالیٰ حقائق توحید سے ہم سب کو محقق بنائے اور اپنی تائید سے ہمیں نوازے اور وجود مجازی کے نقوش ہم سے مٹا دے اور ہمیں انانیت کی خرابیوں سے پاک وصاف کرے بیشک وہ اپنے جملہ عباد کے لیے جواد وکریم ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاذْكُرْنَ اے ازواجِ پیغمبر علیہ السلام! یاد کرو لوگوں کو بطریق وعظ وتذکیر فرمایا کہ یاد کرو مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ وہ جو تمہارے ہاں کتاب الجامع آیاتِ الٰہیہ اور حکمۃ میں سے جامع ہے۔ اس میں نبوّت کے دلائل واضحہ ہیں اور وہ اپنی نظم وترتیب کے لحاظ سے بہت بڑا معجزہ ہے اور وہ حکمت بایں معنی ہے کہ اس میں فنون علم واحکام شرعیہ ہیں سورۂ لقمان میں ہم نے حکمت کے معانی بیان کئے ہیں۔

ف: قتادہ نے آیات کو آیات قرآنی اور حکمت کو احادیثِ نبویہ پر محمول فرمایا ہے اس لیے کہ حدیثِ نبوی خالص حکمت ہے۔ اس میں ازواجِ مطہرات کی نعمتوں کی تذکیر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اہلِ بیتِ نبوت اور تمہارے گھروں کو وحی کا مرکز بنایا تاکہ نواہیِ الٰہی کا ارتکاب نہ کریں اور اوامرِ حق پر عمل کریں اور قرآنی آیات کی تلاوت کریں اس میں انہیں تنبیہ ہے کہ تنزیلِ آیات کی تلاوت اور ان پر عمل کرنا مطلوب ہے اور انہیں اشارہ کیا کہ گھروں میں صرف سکونت رکھنا مقصود نہیں اگرچہ وہ نزول وحی الٰہی کا مرکز ہیں اور ہر زوجۂ نبی علیہ السلام کے گھر قرآن مجید کا کچھ نہ کچھ حصہ نازل ہُوا۔ اس سے مقصد یہی ہے کہ انہیں پڑھا جائے اور پڑھ کر ان پر عمل کیا جائے اور تلاوت کرنے والے کی تخصیص نہیں کی گئی اس لیے کہ تلاوت خواہ کوئی کرے نبی علیہ السلام یا جبریل امین علیہ السلام یا ازواجِ مطہرات یا صحابہ کرام یا دوسرے عوام تعلیماً یا تعلّماً کیونکہ مقصود صرف تلاوت نہیں بلکہ اس سے نصیحت حاصل کرنا اور پھر اس پر عمل کرنا ہے۔

ف: الوسیط میں ہے کہ اس میں انہیں حفظِ قرآن اور اس کے احکام کی نشرواشاعت اور اس سے اپنی

اور دوسروں کی تذکیر و نصیحت ضروری ہے اس لیے کہ قرآن جملہ شرعی امور پر حاوی ہے اگرچہ یہ خطاب ازواجِ نبی (علیہ السلام) کو ہے لیکن حکم عام ہے اس میں ازواجِ مطہرات کے علاوہ جملہ اہلِ اسلام زن و مرد داخل ہیں یاد رہے کہ شرع پاک کے جملہ امور قرآن و حدیث پر مبنی ہیں اور انہی سے ہی حدودِ الٰہی اور فرائض وغیرہا معلوم ہوتے ہیں۔

مسئلہ: لازم ہے کہ رات دن روزانہ قرآن مجید کو پڑھا جائے تاکہ بھول نہ جائے اور بعض اوقات نہ پڑھنے سے دل سے بھی مٹ جاتا ہے۔

مسئلہ: بھولنے کا معنیٰ یہ ہے کہ قرآن مجید کو دیکھ کر بھی نہ پڑھا جا سکے۔ اس طرح قرآن مجید کو بھولنا گناہِ کبیرہ ہے۔

مسئلہ: گھر میں قرآن مجید کی تلاوت کی جائے اور یہ سنت ہے۔

حدیث شریف میں ہے:
ان فی بیوتات المسلمین لمصابیح الی العرش یعرفہا مقربوا ملائکۃ السمٰوٰت السبع والارضین السبع یقولون ھٰذا النور من بیوتات المؤمنین التی یتلی فیہا القرآن۔

(اہلِ اسلام کے گھروں میں بہت بڑے روشن فانوس ہیں جن کی نورانیت عرشِ الٰہی تک پہنچتی ہے جسے ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کے مقرب فرشتے پہچانتے ہیں اور آپس میں کہتے ہیں کہ یہ روشنی مسلمانوں کے گھروں میں ان کی تلاوت قرآن سے ہے۔

مسئلہ: کبھی کبھار کسی سے قرآن مجید سننا سنّت ہے۔

ف: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی حضرت اُبَیّ اور ابنِ مسعود رضی اللہ عنہما سے قرآن مجید سن لیا کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے قرآن مجید سن لیا کرتے تھے اور حضرت ابو موسیٰ خوش الحان تھے۔

مسئلہ: جمہور کے نزدیک نماز میں قرآن مجید سننا فرض اور خارج از صلوٰۃ مستحب ہے۔

سبق: ہر انسان پر لازم ہے کہ قرآن مجید کو پڑھے اس سے تذکیر و موعظت حاصل کرے اور اس پر عمل کرے اور ممکن ہو تو حفظ کرے اور اسے سننے کے لیے بھی وقت نکالے ؎

دل از شنیدن قرآن بگیردت ہمہ وقت
چو باطلان ز کلام حقت ملولی چیست

ترجمہ: قرآن سننے سے تیرا دل بھر جاتا ہے باطل لوگوں کی طرح تجھے کلامِ الٰہی سے ملال کیوں ہے!

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ لَطِیْفًا بے شک اللہ تعالیٰ بہت بڑا لطف کرنے والا ہے اور اپنی تمام مخلوق کے ساتھ

احسان وکرم فرماتا ہے خَبِیْرًا ٥ جملہ اشیاء کو خوب جانتا ہے۔ اسی طرح دین کے معاملے میں وہی تدبیر کرتا ہے جیسے چاہتا ہے اسی لیے امر و نہی بندوں کے لیے نازل فرماتے۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ جانتا ہے کہ نبوت کے متعلق کیا مصلحتیں ہیں اور اس کا اہل کون ہے اور وہی جانتا ہے کہ اس کے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کے مقدس لقب کا کون مستحق ہے۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا صبر و تحمل

مروی ہے کہ کسی نے حضرت امام زین العابدین کو گالی دی اور آپ پر ایک بہتان بھی باندھا۔ تو آپ نے اسے فرمایا کہ اگر میرے اندر یہ غلطی ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں اگر میرے اندر غلطی نہ ہو تو پھر میں تیرے لیے استغفار کرتا ہوں۔ اس شخص نے آپ کا حوصلہ دیکھا تو اُٹھا اور آپ کا سر چوم لیا اور عرض کی آپ پر میری جان فدا ہو جو کچھ میں نے کہا اس کی معافی چاہتا ہوں اور آپ سے عرض ہے کہ آپ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگیے۔ آپ نے فرمایا کہ میں تیرے لیے اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔ اس شخص نے کہا اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔

دُوسرا واقعہ ایک دن امام زین العابدین رضی اللہ عنہ اپنے گھر سے باہر نکلے تو کسی نے آپ کو خوب گالیاں دیں۔ اس پر آپ کے غلاموں اور نوکروں کو طیش آگیا۔ آپ نے فرمایا: اسے کچھ نہ کہو۔ پھر اس شخص سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: بخدا میرے اندر تو بہت سے نقائص و عیوب ہیں آپ کو چاہیے تھا آپ میرے عیوب کو پوشیدہ رکھتے جبکہ اللہ تعالیٰ نے میرے عیوب و نقائص پوشیدہ رکھے۔ لیکن پھر بھی میرا جی چاہتا ہے کہ میں آپ کی کچھ خدمت کروں، اب آپ فرمائیے کہ میں آپ کی کیا خدمت کروں۔ حیاء و شرم سے اس شخص کی آنکھیں نیچی ہوگئیں آپ نے اس شخص کو ایک بہترین کمبل عطا فرمایا اور غلاموں سے فرمایا کہ اسے ایک ہزار درہم بھی عنایت فرما دیجئے۔ اس کے بعد وہ شخص کہا کرتا تھا میں گواہی دیتا ہوں کہ واقعی آپ اولادِ رسول ہیں (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ نسب دو قسم ہے:

(۱) طینیہ

(۲) دینیہ

طینیہ یعنی وُہ جو ظاہری نسب ہوتا ہے۔

دینیہ وہ جو مقامِ معرفت و مشابہت اخلاق سے مقامِ طریقت میں ارواح کی مناسبت سے اور مقامِ شریعت میں اعمال کی ایک دوسرے سے مناسبت ہوتی ہے۔ جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

آلِ محمد کل تقی نقی۔

(آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ تمام ہیں جو پرہیزگار اور نیک ہیں)

ف: حقیقی اہلِ تقویٰ عارف باللہ ہیں جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پہ چلتے ہیں۔ اس سے

معلوم ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہلِ بیت و ذوی القربیٰ للرسول صلی اللہ علیہ وسلم وُہ ہیں جو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ اقدس پر ہیں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ سادات صالحین کو بہت بڑی کرامت حاصل ہے ان کی رعایت و ادب و تعظیم درحقیقت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم اور ادب ہے۔

حکایت منقول ہے کہ ایک سیدزادی روزی کی تنگی سے اپنی صاحبزادیوں کو لے کر سمرقند کی ایک مسجد میں تشریف لے گئیں تاکہ روزی کا سبب بن سکے۔ شہر کے ایک امیر آدمی سے اپنی تنگیٔ معاش کا ذکر کیا اور ساتھ ہی فرمادیا کہ میں سیدزادی ہُوں۔ امیرِ شہر سے صرف ایک رات گزارنے کا سوال کیا۔ امیرِ شہر نے کہا تمہارے سیدزادی ہونے کا کوئی گواہ یا دلیل ہے؟ سیدزادی نے فرمایا: میں تو یہاں اجنبیہ ہُوں میری جان پہچان کا کوئی آدمی نہیں۔ امیرِ شہر نے منہ پھیر لیا تو سیدزادی ایک مجوسی کے پاس گئیں وُہ بےچارہ شہر میں ضمانت دے کر رہ رہا تھا۔ سیدزادی نے اپنا حال سنایا۔ مجوسی نے سیدزادی کو بچیوں سمیت اپنے گھر بھیج دیا اور گھر والوں کو کہلا بھیجا کہ ان کی خوب خدمت کریں اور عزت و احترام سے پیش آئیں۔ مذکور امیرِ شہر نے خواب دیکھا کہ گویا قیامت قائم ہوگئی ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا دیکھا وہاں پہنچ کر دیکھا کہ آپ کے قُرب میں سبز محل زمرد سے تیار شدہ موجود ہے۔ عرض کی: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ محل کس کا ہے؟ آپ نے فرمایا: مسلمان کلمہ گو کا۔ عرض کی: میں بھی مسلمان کلمہ گو ہُوں۔ آپ نے فرمایا: تیرے مسلمان کلمہ گو ہونے کی کیا دلیل ہے کوئی گواہ پیش کر۔ اس پر وہ امیرِ شہر جاگ اُٹھا اور خُوب رویا اور سمجھا کہ اسے اس سیدزادی کی وجہ سے ایسے کہا گیا۔ کفِ افسوس ملتا ہُوا سیدزادی کی تلاش میں نکلا تو معلوم ہوا کہ وہ فلاں مجوسی کے ہاں قیام پذیر ہیں۔ مجوسی سے کہا کہ سیدزادی کو لے جانے کی اجازت دیجئے۔ مجوسی نے کہا: یہ نعمتِ عظمیٰ تجھے کیسے دُوں؟ کہا: ہزار دینار لے کر انھیں لے جانے کی اجازت دے دے۔ مجوسی نے کہا: ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا اس سیدزادی کے صدقے مجھے دولتِ اسلام نصیب ہُوئی ہے۔ اب میں مسلمان ہوچکا ہُوں اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بہشت میں سبز محل کی نوید سعید سنائی ہے۔

حکایت منقول ہے کہ بغداد کا ایک تاجر تھا اس کے ہاں سامانِ تجارت بہت قلیل تھا۔ اسے ایک دن نماز باجماعت پڑھنے کا موقعہ میسر ہُوا۔ جب سلام پھیرا تو ایک سید کھڑا ہوگیا اور کہا میری ایک لڑکی ہے اس کا بیاہ کرنا چاہتا ہُوں، میرے دادا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میری کچھ امداد کرو تاکہ میں اپنی لڑکی کا بیاہ کرسکوں۔ اس تاجر بغدادی نے اپنا سارا سامانِ تجارت اسے دے دیا جو پانچ سو درہم تھا۔ جب رات ہُوئی تو تاجر مذکور کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت ہُوئی۔ آپ نے فرمایا، تمہارا بھیجا ہُوا تحفہ مجھے موصول ہوگیا ہے کل تم بلخ کے شہر جاؤ وہاں عبداللہ بن طاہر ہیں انہیں جاکر کہنا کہ تمہیں حضرت محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں میرا دوست

آرہا ہے اسے میری طرف سے پانچ سو دینار دے دیں۔ تاجر مذکور صبح کو بیدار ہوا اور اپنی عورت کو سارا حال سُنایا تو اس نے کہا تم بلخ جاؤ اور پھر آؤ، اندریں حالات ہمارے نان ونفقہ کا کیا بنے گا۔ تاجر اپنے پڑوسی ہوٹل والے کے پاس گیا اور کہا کہ جب تک میں بلخ سے واپس نہ آجاؤں تم میرے اہل وعیال کو خرچ دیتے رہو، بس واپسی پر تمہیں ایک درہم کے بجائے ایک دینار دُوں گا۔ ہوٹل والے نے کہا، جس ذات نے تجھے بلخ جانے کا حکم فرمایا ہے اسی ذاتِ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کے اہل وعیال کو نان ونفقہ دیتا رہوں۔ ہوٹل والے سے عہد وپیمان لے کر تاجر مذکور بلخ کو روانہ ہوا۔ جب تاجر مذکور بلخ کے قریب پہنچا تو عبداللہ بن طاہر نے اس کا استقبال کیا اور کہا: اے قاصدِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مرحبا! اور کہا، جس ذاتِ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تجھے میرے ہاں بھیجا اسی ذاتِ اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے تیری امداد کا حکم فرمایا ہے۔ اس تاجر کو عبداللہ بن طاہر نے اپنے گھر میں تین دن ٹھہرایا اور خُوب خدمت کی اور بحکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پانچسو دینار دے دیے اور اسے رسولِ پاک کا قاصد سمجھ کر اس کے ساتھ ایک جماعت روانہ کی جو اسے عزت وتکریم سے اس کے گھر تک پہنچا دے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ زر ونعمت اکنون بده کان تست
که بعد از تو بیرون ز فرمان تست

۲ فرو ماندگانرا درون شاد کن
ز روز فرو ماندگی یاد کن

۳ نه خواهندهٔ بر در دیگران
بشکرانه خواهنده از در مران

۴ جوانمردا کر راست خواهی ولیست
کرم پیشهٔ شاه مردان علیست

۵ باحسانی آسوده کردن دلی
به از الف رکعت بهر منزلی

۶ بقنطار زر بخش کردن ز گنج
نباشد چو قیراطی از دست رنج

۷ برد هر کسی بار در خورد زور
گرانست پای ملخ پیش مور

ترجمہ: (۱) زر ونعمت آج تیرے ہاتھ میں ہے جو تیرے مرنے کے بعد تیرے حکم سے باہر

ہو گی۔

(۲) عاجزوں کا دل خوش کر، عاجزی کا دن یاد کر۔

(۳) اب تو تو کسی دروازے کا سوالی نہیں جو تجھ سے سوال کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے ہوئے اسے دروازے سے نہ ہٹا۔

(۴) اگر سچ پوچھتے ہو تو جواں مرد ولی اللہ ہے کیونکہ سخاوت کا پیشہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہے۔

(۵) احسان سے کسی ایک دل کو آسودہ کرنا اس ہزار رکعت کی ادائیگی سے بہتر ہے جو ہر ہر منزل پہ ادا کی جائے۔

(۶) خزانے سے بہت سا سونا لٹا دینے سے وہ تھوڑا سا مال بہتر ہے جو اپنی کمائی سے خرچ کیا جائے۔

(۷) ہر ایک اپنی طاقت کے مطابق بوجھ اٹھاتا ہے۔ چیونٹی کو ٹڈی کا ایک پاؤں اٹھا کر چلنا بوجھل ہے۔

انتباہ جب تم نے یہ حکایات سنیں تو تم پر لازم ہے کہ سادات کی مال سے مدد کرو ورنہ سمجھدار غیور وہ ہے جو اپنی ہمت مردانہ سے پرواز کرتا ہے لے

اسبق ان حکایات سے ثابت ہوا کہ ساداتِ کرام کی تعظیم و تکریم سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوتے ہیں اگر نقد امداد ہو سکے تو زہے سعادت ورنہ ان کے ساتھ نیک برتاؤ کیا جائے اور ان کی خوشی کو ہر لحاظ سے مقدم رکھے (بشرطیکہ شرعی حکم کے منافی امر نہ ہو) سادات کرام کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے دادا کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے احکامات کی پابندی کریں محض خوش فہمی کی بنا پر نسب پر نازاں نہ رہیں آیت کی مناسبت سے فقیر یہاں پر اپنا رسالہ "فضائل اہلبیت" کے چند دلائل از آیات یہاں پیش کرتا ہے۔

فضائل اہلبیت از آیاتِ کلام مجید

(۱) قُل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودّۃ فی القربیٰ ۝ و من یقترف حسنۃ نزدلہ فیھا حسناً ط

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اُمت سے فرما دیجئے کہ میں تم سے تبلیغِ احکامِ الٰہی پر کوئی اُجرت نہیں مانگتا بجز اس کے کہ تم میرے قرابت داروں سے محبت کرو اور جو شخص کوئی نیکی کرے گا ہم اُس میں خوبی اور زیادہ کریں گے۔

ف: اس سے معلوم ہُوا کہ ساداتِ کرام جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد اور اہلِ قرابت ہیں ان سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خاطر محبت کرنا لازم ہے دیگر خاندانوں کا یہ حال نہیں۔

طبرانی اور ابی حاتم اور ابن مردویہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے وہ قرابت دار کون ہیں جن کی محبت ہم پر فرض کر دی گئی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علی اور فاطمہ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم ہیں۔

(۲) فمن حاجك فيه من بعد ما جاءك من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناءكم ونساءنا ونساءكم وانفسنا وانفسكم ثم نبتهل فنجعل لعنة الله على الكذبين۔

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کوئی تم سے اس علم کے آنے کے بعد بھی جھگڑا کرے تو اس سے کہہ دو کہ ہم اپنی اولاد کو بلاتے ہیں، تم اپنی اولاد کو بلاؤ۔ اسی طرح ہم اپنی عورتوں کو بلاتے ہیں تم اپنی عورتوں کو بلاؤ اور ہم خود بھی اور تم خود بھی جمع ہوں، پھر خدا کی طرف متوجہ ہو کر اللہ کی لعنت اور پھٹکار جھوٹوں پر ڈالیں۔

مفسرین کرام کا قول ہے کہ کفار اس آیت کریمہ کو سن کر گھبرا گئے اور بھاگنے لگے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ غضب الٰہی نازل ہو جائے اور ہم سبھوں کو پریشان کر دے۔

ف: اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم خاص بھی عطا ہو چکا ہے جس کے منکرین کو یہ جواب ہوا ہے انہی منکرین کی اولاد آج بھی دنیا میں موجود ہے۔ خدا تعالیٰ ان کو ہدایت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ اس آیت پاک سے بھی مراد آل رسول ہیں۔

(۳) انما يريد الله ليذهب عنكم الرجس اهل البيت ويطهركم تطهيرا۔

پس اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ اے اہل بیت تم میں سے گندگی کو دور کردے اور تمہیں خوب پاک وصاف کردے۔

ف: اس سے معلوم ہوا کہ اہل بیت نبی ازواج مطہرات ہوں اور اولاد اطہار ہوں سب کو رب نے پاک فرما دیا اس لیے کہ حضور علیہ السلام کا قبیلہ ہیں۔ یہ خصوصی طہارت دوسروں کو میسر نہیں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت پاک بھی آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نازل ہوئی۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن و حضرت حسین وغیرہ رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ (رواہ احمد)

(۴) ان الله وملئكته يصلون على النبى

بلا شبہ خدا اور اس کے فرشتے نبی (صلی اللہ

(بقیہ حاشیہ) یاایھاالذین اٰمنوا صلّوا علیہ و سلّموا تسلیما۔ علیہ وسلم) پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود و سلام بھیجو۔

کعب ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب آیت نازل ہوئی تو ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر درود شریف بھیجنے کا کیا طریقہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یُوں کہا کرو:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی (سَیِّدِنَا) مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ (سَیِّدِنَا) مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی (سیّدنا) اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ الخ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص کی یہ خواہش ہو کہ اسے پُورا اور کامل ثواب ملے تو مجھ پر اور میرے اہلِ بیت پر اس طرح درود پڑھا کرے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی (سَیِّدِنَا) مُحَمَّدِ ۣالنَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاَزْوَاجِہٖ اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ ذُرِّیَّاتِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی (سَیِّدِنَا) اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝

(۵) و من یقترف حسنۃ نزد لہ۔ جو شخص نیکی کرے گا ہم اس میں اور خوبی زیادہ کریں گے۔

ف: آیت میں لفظ حسنۃ سے اہلِ بیتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت مراد ہے۔

(۶) واما الجدار فکان لغلامین یتیمین فی المدینۃ وکان تحتہ کنزلھما وکان ابوھما صالحًا۔ (پ ۱۶ ع ۱)

یعنی رہی وُہ دیوار، وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ نیک آدمی تھا۔

یہ وُہ واقعہ ہے جو حضرت خضر اور حضرت مُوسٰی علٰی نبینا وعلیہما السلام کو پیش آیا جبکہ دونوں حضرات اکٹھے ہو کر سیاحت کرتے کرتے ایک گاؤں میں تشریف لے گئے۔ بھُوک نے ستایا تھا وہاں کے لوگوں سے طعام مانگا تو انھوں نے انکار کر دیا۔ اس کے باوجود حضرت خضر علیہ السلام نے موسٰی علیہ السلام سے فرمایا کہ وُہ دیوار جو نظر آ رہی ہے یہ گرنا چاہتی ہے میں اس کو درست کرتا ہوں۔ چنانچہ یہ کہہ کر دیوار کو فوراً درست کر دیا۔ موسٰی علیہ السلام متعجب ہوئے اور عرض کی، ان لوگوں نے ہمیں کھانا نہیں دیا آپ نے دیوار کو درست کر دیا۔ یہ کیا ماجرا ہے؟ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: میں نے گاؤں کے لوگوں کی وجہ سے نہیں کیا مجھے تو اس ولی کامل کی وجہ سے کرنا پڑا جو اس عالمِ دنیا سے کُوچ کر گیا ہے اور ان کی اولاد کے لیے کچھ سرمایہ دیوار کے نیچے پڑا ہے اگر دیوار گر گئی تو ولی کی اولاد کا نقصان ہو جائے گا۔ اس آیت اور واقعہ سے اندازہ لگائیے کہ کتنی نسل کے دور کے ولی کی اولاد کا لحاظ رکھا گیا ہے اور یہ بھی ساتویں پشت کا معاملہ ہے یعنی دادا۔ مجازاً اَب کہا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت علامہ ابن العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

(باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

وقد روی فی تفسیر قولہ تعالیٰ "واما الجدار" الآیہ انہ کان بینہما و بین الذی حفظاً فیہ سبعۃ آباء فلا ریب فی حفظ ذریتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم واھل بیتہ فیہ وان کثرت الوسائط بینھم وبینہ۔ (العلم الظاہر ص۶)

(جن دو لڑکوں کی دیوار کی حفاظت کی گئی اس کے اور نیک لوگوں کے درمیان سات پشتوں کا فاصلہ تھا اس سے شک نہ رہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد اور ان کے اہل بیت کے حقوق کی حفاظت ضروری ہے اگرچہ ان کے مابین کتنے ہی وسائط ہوں)

آیت سے ثابت ہوا کہ نیک لوگوں کی نیکیاں ان کی اولاد کے کام آتی ہیں۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا رشتہ سادات کرام کے ضرور کام آئے گا۔

حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

احفظوا فینا ما حفظ العبد الصالح فی الیتیمین وکان ابوھما صالحاً۔

(رواہ الحافظ عبد العزیز بن الاخضر فی معالم العترۃ النبویہ)

(ہماری خاطر ہماری اولاد کے حقوق کی حفاظت کرو جیسے اللہ تعالیٰ دو یتیموں کی صرف نیک آدمی کی وجہ سے حفاظت فرمائی)

(۷) والذین اٰمنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنا بھم ذریتھم وما التنٰھم من عملھم من شیٔ۔ (سورۃ الطور۔ ع ۱)

اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم نے ان کی اولاد ان سے ملادی اور ان کے عمل میں انھیں کچھ کمی نہ دی۔ (کنز الایمان)

ف: جنت میں اگرچہ باپ دادا کے درجے بلند ہوں تو بھی ان کی خوشی کے لیے ان کی اولاد ان کے ساتھ ملادی جائے گی اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس اولاد کو بھی وہ درجہ عطا فرمائے گا۔ (خزائن العرفان)

(۸) فیکونون فی درجتھم وان لم یعملوا بعملھم کرمۃ للآباء باجتماع الاولاد الیھم۔

(جلالین ص ۴۳۵)

یعنی اولیاء اللہ کی با ایمان اولاد نے اگرچہ باپ دادا کی طرح نیک اعمال نہ کیے ہوں تو بھی باپ دادا کے اکرام و اعزاز کی خاطر جنت میں انہی کے ساتھ ایک ہی مرتبہ و مقام میں رونق افروز ہوں گے۔ (ھکذا فی المدارک ص ۱۹۱)

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

(۹) لتقر اعین الآباء بالابناء عندھم فی منازلھم۔ (ص ۲۴۱)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

(بقیہ حاشیہ)

لیعنی اولیاُ اللہ کی اولاد کو یہ مرتبہ اس لیے عطا فرمایا جائے گا تاکہ اولاد کو اپنے پاس اپنے مرتبہ میں دیکھ کر اولیاُ اللہ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔

(۱۰) حدیث شریف میں ہے:

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا دخل الرجل الجنۃ سأل عن ابویہ و زوجتہ وولدہ فیقال انھم لم یبلغوا درجتك فیقول یا رب قد عملت لی ولھم فیامر بالحاقھم بہ۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ کا نیک بندہ جنّت میں داخل ہوگا تو اپنے بلند مرتبہ اور اُونچے مقام میں ماں باپ، بیوی اور اولاد کو نہ پا کر پُوچھے گا کہ وہ کہاں ہیں؟ جواب ملے گا ان سب کے اعمال تجھ سے گھٹیا تھے اس لیے وہ تیرے مرتبہ و مقام کو نہیں پہنچ سکے۔ وہ بندہ عرض کرے گا اے میرے رب! میں نے جو نیک اعمال کیے تھے وہ صرف اپنے لیے نہیں کئے تھے بلکہ ماں باپ اور بیوی بچّوں کے لیے بھی کیے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان سب کو اس کے مرتبہ و مقام پر پہنچایا جائے گا)

اس حدیث مقدس کو بیان فرمانے کے بعد اس کے راوی سیّدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مندرجہ بالا آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر، ج ۴، ص ۲۴۲)

اس سے ثابت ہُوا کہ جنتی آدمی اپنے بال بچّوں کے ساتھ جنت میں رہے گا اس طرح کہ اگر باپ کا درجہ ادنیٰ ہے اور اولاد کا اعلیٰ، تو باپ کو ترقی دے کر اولاد کے پاس پہنچا یا جائے گا۔ اور اگر اس کے برعکس ہے تو اولاد کو ترقی دے کر باپ کے پاس بھیجا جائے گا۔

ان اقوال وارشادات کی روشنی میں آیت مذکورہ کا مطلب واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقدس ولیوں کو خوش رکھنے کے لیے ان کی اولاد کو انھی جیسا مرتبہ عطا فرمائے گا۔

تو اللہ جل مجدہٗ کی سنتِ مبارکہ پر عمل کرنے کے لیے ہمیں بھی چاہیے کہ اولیاُ اللہ کی اولاد کا ادب و احترام کریں۔ اولاد کو انھی احترامی نگاہوں سے دیکھیں جن احترامی نگاہوں سے ان کے آباء کرام کو دیکھا کرتے تھے اولیاء اللہ کی اولاد کو جتنا خوش رکھیں گے ان ولیوں کی ارواح طیبہ اتنی ہی ہم سے خوش ہوں گی۔ جتنا کوئی انہیں پریشان کرے گا اتنا ہی مقدس ولیوں کی ارواحِ مقدسہ کو ستائے گا۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ان شاُ اللہ قیامت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوگی۔ سادات کرام کے نسب کی عظمت بھی معلوم ہُوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بزرگوں کے اعمال ان کی اولاد کے کام آئیں گے۔

(۱۱) ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لك۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دُعا کی کہ مولا! ہماری اولاد میں ایک جماعت اپنی مطیع و فرماں بردار رکھ
اس دعا سے معلوم ہوا کہ سارے سید کبھی گمراہ نہیں ہو سکتے۔ دوسری اسلامی قومیں ساری گمراہ ہو سکتی ہیں۔
پتا چلا کہ حضرت ابراہیم کا نسب و خاندان اعلیٰ و افضل ہے کہ انہیں یہ دعائے ابراہیمی حاصل ہے۔

(۱۲) لا اقسم بهذا البلد وانت حلٌّ بهذا البلد و والدٍ و ما ولد۔

(مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب! اس شہر میں تم ہو اور تم باپ کی قسم اور اس کی اولاد کی قسم)

اس آیت کریمہ کی تفسیر یہ بھی ہے کہ والد سے مراد حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اولاد سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد پاک ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور کا شہر تمام شہروں سے افضل اور حضور کی اولاد پاک تمام خاندانوں سے اعلیٰ ہے کہ رب تعالیٰ نے ان کی قسم ارشاد فرمائی۔

(۱۳) پارہ اول میں بنی اسرائیل کے ولی کا قصہ بہت مشہور ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قصے کے متعلق فرماتا ہے:

و اذ قتلتم نفسًا فادّرأتم فيها والله مخرجٌ ما كنتم تكتمون۔

(اور جب کہ تم نے مار ڈالا تھا ایک شخص کو کہ پھر لگے ایک دوسرے پر دھرنے اور اللہ تعالےٰ نکالتا ہے جو تم چھپاتے تھے)

اس واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص بہت مالدار تھا اس کی اولاد نہ تھی صرف دو بھتیجے تھے ایک رات مال کی لالچ میں انھوں نے اُسے مار ڈالا اور اس کی لاش دو گاؤں کے درمیان ڈال دی اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر ان دونوں گاؤں والوں پر دعویٰ کر دیا۔ وہ لوگ چونکہ اس فعل سے بے خبر تھے واویلا کرتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام سے اس واقعہ کی صحت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا طلب کرائی۔ موسیٰ علیہ السلام نے دُعا کی۔ حکم ہوا کہ یہ لوگ گائے ذبح کریں۔ لوگوں نے کہا ہمارے ساتھ ٹھٹھا مت کرو صحیح واقعہ بتاؤ۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اسی طرح کہا ہے۔ انھوں نے کہا اچھا بتاؤ گائے کیسی ہے، اس کا رنگ کیا ہے، کس کام کی ہے وغیرہ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے سب تفصیل بتا دی۔ اب انھیں پتا چلا کہ ان اوصاف کی گائے جو ایک یتیم کے پاس ہے۔ یتیم سے وہ گائے بہت مہنگی لے کر ذبح کی۔ جب گائے ذبح کی گئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اُضربوه ببعضها۔

یعنی پھر ہم نے کہا، مارو اس مردہ کو اس گائے کا ایک ٹکڑا۔

لفظ بعض سے مراد مفسرین نے زبان لی ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں سیدھی ران کا ایک ٹکڑا تھا، بعض کے نزدیک کان ہے، بعض کے نزدیک دُم کی ہڈی ہے۔ بہرحال اس مُردہ گائے کے بعض حصہ کو مردہ آدمی سے لگایا گیا تو وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور تمام واقعہ بیان کر کے مر گیا۔ (کذا فی مظہری ج ۱، ص ۴۴ - بیضاوی ج ۱، ص ۸۵۔

(۱ اقرب صحف ...

(بقیہ حاشیہ)

خازن ص، ۵۔صاوی ج ۱، ص ۴۳) اور تقریباً تمام تفاسیر میں یونہی ہے (اختصاراً وتطویلاً بطرق مختلفۃ و الفاظ متنوعۃ)

ف: واقعہ میں چند چیزیں قابلِ غور ہیں:

اوّلاً یہ کہ جب اللہ تعالیٰ قادر قدیر ہے، کُن سے تمام کائنات پیدا فرما سکتا ہے۔ اب مقتول کے زندہ فرمانے سے کون سا اشکال تھا کہ نہ تو خود زندہ فرماتا ہے اور نہ ہی موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیتا ہے کہ تم میری اجازت سے مردہ کو زندہ کرو بلکہ انہیں گائے کے ذبح کرنے پر مجبور کر دیا اور وہ بھی خاص قسم کی جس میں بہت بڑے لمبے شرائط ذکر فرمائے بہرحال اس طوالت میں کوئی حکمت ضرور مضمر ہے۔ جناب مولانا قاضی ثناءُ اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر مظہری (ج ۱، ص ۴۴) میں فرماتے ہیں:

شرط فیہ ما شرط لما جری عادتہ تعالیٰ فی الدنیا بتعلیق الاشیاء بالاسباب الظاھرۃ۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے ابتداءً اس لیے مُردہ کو زندہ نہ فرمایا اور اسے چند شرائط کے ساتھ مشروط فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت مبارکہ ہے کہ اشیاء کو اسباب ظاہرہ سے متعلق فرمایا کرتا ہے۔

ف: انہی اسباب سے ہے انبیاء و اولیاءُ علیٰ نبینا وعلیہم السلام کی مدد۔ تفصیل فقیر کی تصنیف "الاستمداد عن اہل الامداد" میں ہے۔

ثانیاً یہ کہ اپنی قدرت کا مظہر گائے کو کیوں بنایا حالانکہ گائے کے بجائے موسیٰ علیہ السلام کو مظہر بناتے جو اس کی قدرت کے مظہر اعلیٰ بھی ہیں اور قوم کے نبی بھی، اور قوم کو ان کے معجزے دیکھنے کی ضرورت بھی تھی اور موسیٰ علیہ السلام کی قدرت کے اظہار پر دین کو فائدہ بھی تھا کہ معجزہ دیکھ کر شاید بعض لوگ ایمان لے آتے اس کی وجہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں:

وکان للہ فیہ حکمۃ وذلک انہ کان فی بنی اسرائیل رجل لہ ابنٌ صغیر وکان لہ عجل اتی بھا الی غیضۃ وقال اللھم انی استودعہ ھذا العجل لابنی یکبر ومات الرجل فصارت العجل فی الغیضۃ عواناً وکانت تھرب من کان راٰتہ الخ

یعنی اس میں حکمت یہ تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک مرد تھا نیک، اور اس کا ایک چھوٹا لڑکا تھا۔ اپنی موت کو جب قریب دیکھا تو بچے کے لیے ایک بات سوجھی۔ وہ یہ کہ اس کے گھر گائے کا ایک بچھڑا تھا، اسے جنگل میں لے جا کر اللہ تعالیٰ سے عرض کی:

"یا اللہ! یہ بچھڑا تیری امان میں ہے میرے بیٹے کے لیے جب تک وہ بڑا نہ ہو یہ گائے تیرے سپرد ہے"۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ وہ گائے جنگل میں رہتی، جس جس کسی کو دیکھتی ڈر کے مارے بھاگ جاتی۔ الخ (اخرجہ من جریر عن ابن عباس موقوفاً۔ مظہری ج ۱، ص ۴۲)

(بقیہ حاشیہ)

ف : اس سے اولیاء اللہ کی شان کا اندازہ لگائیے۔

ثالثاً یہ کہ گائے کے بعض کے ساتھ لگانے سے زندہ کرنے کے کیا معنی۔ اس کے متعلق بزرگوں نے فرمایا ہے کہ گائے سببِ ظاہری بھی ہے اور ولی کے ساتھ متعلق بھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس طویل بیان سے یہ ظاہر فرمایا کہ میری قدرتوں کا اظہار میرے اولیاء کے متعلقات سے بھی ہوتا ہے۔ دیکھئے اس گائے کا حال کہ جب اسے ولی سے نسبت ہوئی تو ہمیں اس سے ایسا پیار ہوا کہ اسے مظہرِ قدرت بنا دیا کہ اس کے ذریعہ مُردہ زندہ کر دیا۔

طویل بیان کے بعد معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو نیک لوگوں کی اولاد بھی محبوب ہوتی ہے اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے بڑے اہتمام کے ساتھ اس کی گائے کے بچھڑے کی تربیت اور حفاظت فرمائی۔ اس سے سادات کرام کے فضائل کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ مزید تفصیل فقیر کی کتاب "فضائل اہلِ بیت" میں ہے۔

انتباہ سادات کرام بھی ان فضائل کے گھمنڈ میں نہ رہیں ان پر بھی لازم ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلیں ورنہ وہ ذات بے نیاز ہے اِدھر سے اُدھر کر دے تو وہ مالک ہے۔ اس کی مزید تفصیل فقیر کی کتاب "قومی فخر کا زیاں" پڑھیے۔

آخر میں ہم اہلِ بیت اطہار کا ایک نقشہ پیش کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ اہلسنت کے نزدیک اہلِ بیت کون ہیں۔

اہلبیتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ازواجِ مطہرات

(۱) اُمّ المؤمنین سیّدہ حضرت خدیجہ بنت خویلد	
(۲) ام المومنین سیّدہ حضرت عائشہ صدیقہ بنت سیدنا صدیقِ اکبر	بنو تمیم
(۳) ام المومنین سیّدہ حضرت سودہ بنت زمعہ	
(۴) ام المومنین سیّدہ حضرت حفصہ بنت سیّدنا عمر فاروق اعظم شہید	بنو عدی
(۵) ام المومنین سیّدہ حضرت ماریہ قبطیہ	
(۶) ام المومنین سیّدہ حضرت اُمّ حبیبہ بنت سیدنا ابوسفیان	بنو امیہ
(۷) ام المومنین سیّدہ حضرت زینب بنت خزیمہ	بنو ہلال
(۸) ام المومنین سیّدہ حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ سہیل	بنو مخزومہ
(۹) ام المومنین سیّدہ حضرت زینب بنت جحش	بنو اسد
(۱۰) ام المومنین سیّدہ حضرت جویریہ بنت حارث	بنو المصطلق
(۱۱) ام المومنین سیّدہ حضرت میمونہ بنت حارث	بنو ہوازن

(۱۲) ام المومنین سیدہ حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب — قطریہ

(۱۳) ام المومنین سیدہ حضرت ریحانہ بنت زید — (رضی اللہ عنہن)

اولادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بیٹے :

(۱) قاسم — بچپن میں وفات پائی ۔

(۲) طاہر (طیب ، عبداللہ) — ″ ″ ″

(۳) ابراہیم — ″ ″ ″ — (رضی اللہ عنہم)

بیٹیاں :

(۱) سیدہ زینب زوجہ سیدنا حضرت ابوالعاص شہید جنگِ یمامہ ذوالنور — اموی

(۲) سیدہ رقیہ زوجہ امام شہیدِ مظلوم سیدنا حضرت عثمان ذوالنورین — اموی

(۳) سیدہ فاطمہ زوجہ سیدنا حضرت امام علی حیدر شہیدِ ذوالنور — ہاشمی

(۴) سیدہ اُمِّ کلثوم زوجہ امام شہیدِ مظلوم سیدنا حضرت امام عثمان ذوالنورین — اموی

(رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

نواسے :

(۱) حضرت علی شہید جنگِ یرموک بن سیدنا ابوالعاص شہیدِ ذوالنور

(۲) حضرت عبداللہ بن امام شہیدِ مظلوم سیدنا امام عثمان ذوالنورین

(۳) سیدنا امام حسن شانِ اتحاد و اخلاص بن سیدنا امام علی حیدر شہید ذوالنور

(۴) سیدنا حسین شہیدِ کربلا بن سیدنا امام علی حیدر شہیدِ ذوالنور — (رضی اللہ عنہما)

نواسیاں :

(۱) سیدہ امامہ بنت سیدنا ابوالعاص شہید ذوالنور زوجہ سیدنا امام علی حیدر شہید ذوالنور

(۲) سیدہ ام کلثوم بنت سیدنا امام علی حیدر شہید ذوالنور زوجہ سیدنا امام عمر فاروق اعظم شہید

(۳) سیدہ زینب بنت امام علی حیدر شہید ذوالنورؓ زوجہ سیدنا عبداللہ بن سیدنا جعفر شہید

(۴) سیدہ رقیہ بنت سیدنا امام علی حیدر شہیدِ ذوالنور ۔ (بچپن میں وفات پائی) رضی اللہ تعالیٰ عنہا

(اویسی غفرلہٗ)

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ
بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایمان والے اور ایمان والیاں
وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ
اور فرمانبردار (مرد) اور فرمانبردار (عورتیں) اور سچے اور سچیاں
وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ
اور صبر والے اور صبر والیاں اور عاجزی کرنے والے اور عاجزی کرنے والیاں اور خیرات کرنے والے اور خیرات
وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ
کرنے والیاں اور روزے والے اور روزے والیاں اور اپنی پارسائی نگاہ رکھنے والے اور نگاہ رکھنے والیاں اور اللہ کو بہت
كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿٣٥﴾ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ
یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں ان سب کے لیے اللہ نے بخشش اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے اور نہ کسی مسلمان مرد نہ
وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ
مسلمان عورت کو پہنچتا ہے کہ جب اللہ و رسول کچھ حکم فرما دیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے
أَمْرِهِمْ ۗ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا ﴿٣٦﴾ وَإِذْ تَقُولُ
اور جو حکم نہ مانے اللہ اور اس کے رسول کا وہ بیشک صریح گمراہی بہکا اور اے محبوب یاد
لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ
کرو جب تم فرماتے تھے اس سے جسے اللہ نے نعمت دی اور تم نے اسے نعمت دی کہ اپنی بی بی اپنے پاس
وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَن
رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور تم اپنے دل میں رکھتے تھے وہ جسے اللہ کو ظاہر کرنا منظور تھا اور تمہیں لوگوں کے طعنہ کا
تَخْشَاهُ ۖ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى
اندیشہ تھا اور اللہ زیادہ سزاوار ہے کہ اس کا خوف رکھو پھر جب زید کی غرض اس سے نکل گئی تو ہم نے وہ تمہارے نکاح میں دے دی
الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۚ وَ
کہ مسلمانوں پر کچھ حرج نہ رہے ان کے لے پالکوں کی بیبیوں میں جب ان سے ان کا کام ختم ہو جائے اور
كَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴿٣٧﴾ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ
اللہ کا حکم ہو کر رہنا نبی پر کوئی حرج نہیں اس بات میں جو اللہ نے اس کے لیے مقرر فرمائی
اللَّهُ لَهُ ۖ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا
اللہ کا دستور چلا آرہا ہے ان میں جو پہلے گزر چکے اور اللہ کا کام مقرر

مَّقْدُوْرَا ﴿۳۸﴾ الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا
تقدیر ہے وہ جو اللہ کے پیام پہنچاتے اور اس سے ڈرتے اور اللہ کے سوا کسی
اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿۳۹﴾ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ
کا خوف نہ کرتے اور اللہ بس ہے حساب لینے والا محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے
رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۴۰﴾
رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے

تفسیر عالمانہ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ (بے شک وہ مسلمان مرد اور عورتیں)

شانِ نزول: مروی ہے کہ جب ازواجِ مطہرات کے حق میں آیات نازل ہوئیں تو اہلِ ایمان کی عورتوں نے کہا کہ قرآن مجید میں ہمارے متعلق تو کوئی آیت نازل نہیں ہوئی اگر ہم اچھی ہوتیں تو ہمارے لیے بھی کوئی آیت نازل ہوتی۔ اس پر آیت ہذا نازل ہوئی اور فرمایا: بے شک وہ مسلمان مرد اور عورتیں جو جنگ کے بعد حق کے سامنے جھک گئے اور فرماں برداری کا ثبوت دیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجا لائے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مسلمان حقیقی وہ ہے جو ازلی احکام کو خود بخود اور رضا و رغبت سے سر جھکاتا اور اپنے آپ کو مجاہدہ و ریاضت کے سپرد کرتا اور خواہشاتِ نفسانیہ کو ترک کرتا اور اپنی زبان اور ہاتھ سے اہلِ اسلام کو محفوظ رکھتا ہے وہ مرد ہو یا عورت۔

تفسیر عالمانہ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ اور تصدیق کرتے ہیں ان امور کی جو ان پر واجب ہیں وہ مرد ہے یا عورت۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مومن وہ ہے جس سے لوگ امن میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ پہلے ایسے مومن کے قلب کو عقل سے پھر علم سے پھر فہم سے زندہ فرماتا ہے پھر اسے منور فرماتا ہے پھر اسے توحید کی حقیقت بخشتا ہے پھر اسے معرفت کی دولت سے نوازتا ہے پھر اسے دائمی حیات (بقا) عطا فرماتا ہے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ ہمارے احناف کے نزدیک ایمان و اسلام ایک شے ہے اس لیے اسلام بمعنے خضوع و انقیاد یعنی وہ احکام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں انھیں دل سے قبول کر کے ان پر پورا یقین رکھنا اور حقیقی تصدیق یہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی کو یوں نہ کہا جائے کہ فلاں مسلمان تو ہے لیکن مومن نہیں یا کہا جائے کہ وہ مومن تو ہے لیکن مسلمان نہیں۔ خلاصہ یہ کہ ان

میں کسی ایک کو دوسرے سے جُدا نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن یاد رہے ان کا اتحاد بحسب المفہوم نہیں۔ اس لیے ان دونوں کا مفہوم جدا جدا ہے اس لیے ایمان اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی اور وعدہ و وعید کی خبر دینے کی تصدیق کو کہا جاتا ہے اور اسلام الوہیت کے لیے خضوع و انقیاد کو کہتے ہیں۔ جو شخص ان چاروں میں سے کسی ایک کا انکار کرتا ہے وہ کافر ہے اسے مسلمان نہ کہا جائے گا۔

تفسیر عالمانہ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ اور طاعات پر مداومت کرنے والے مرد اور عورتیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ القنوت بمعنے وجود کو طاعت و عبودیت میں غرق کرنا۔

تفسیر عالمانہ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ اور قول و عمل و نیت میں سچے مرد اور عورتیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ اپنے عقود و عہود اور رعایت حدود میں سچے مرد اور عورت اور صدق ایک نور ہے جو قلوبِ صدیقین کی ہدایت کا سبب بنتا ہے جتنا انھیں اپنے رب تعالیٰ کے ہاں قُرب ہوتا ہے اتنا انھیں نور حاصل ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ اور طاعات پر اور معاصی سے رُکنے سے صبر کرنے والے مرد اور عورتیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ خصال حمیدہ پر اور صفات ذمیمہ کے ترک کرنے پر اور قضاؔ و قدر کے جریان اور نزولِ بلاؔ پر صبر کرنے والے مرد اور عورتیں۔

تفسیر عالمانہ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ بہ دل و جان اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کرنے والے مرد اور عورتیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تواردِ حقیقت کے وقت اپنے باطن کو جھکا دینا۔ بعض مشایخ نے فرمایا کہ باطن کو حق کے لیے فرمانبردار کرنے کو خشوع اور ظاہر کو فرمانبرداری کے لئے سر جھکانے کو خضوع کہا جاتا ہے۔ القاموس میں ہے کہ خشوع بمعنے خضوع ہے' یا خضوع بدن میں ہوتا ہے اور خشوع آواز میں۔

تفسیر عالمانہ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ اور جو حقوق مالیہ ان پر واجب ہیں انھیں پورے طور ادا کرنے والے مرد اور عورتیں۔ یا اس سے عام صدقہ مراد ہے واجب ہو یا نفل۔ یہ تصدّق سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی فقیر کو صدقہ یعنی عطیہ دے اور عطیہ ہر وہ شے جو کسی کو اللہ تعالیٰ کی رضا طلبی اور حصولِ ثواب کی نیت سے دے۔ المفردات میں ہے

کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے تقرب کے ارادے سے اپنے مال سے کچھ نکال کر فقراء کو دے اسے الصدقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے زکوٰۃ وغیرہ۔ لیکن اس کا حقیقی معنیٰ نفلی صدقہ کے لیے ہے۔ اور صدقہ واجبہ کو زکوٰۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بعض مشایخ نے فرمایا کہ صدقہ واجبہ کو اس لیے صدقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ زکوٰۃ دینے والا کوشش کرتا ہے کہ اس کی ادائیگی میں صدق ہو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو اموال اور جاہ ومرتبہ اللہ تعالیٰ کے لیے قربان کرتے ہیں یہاں تک کہ انہیں عالمِ دنیا میں کسی سے مخالفت وعداوت اور جھگڑا نہیں ہوتا اگرچہ اسے کوئی کتنی ہی ایذائیں دے۔ یعنی وہ لوگ اپنے اموال وغیرہ راہِ حق میں لٹاتے ہیں اور اپنے اوپر کسی کا حق نہیں رکھتے اور نہ ہی کسی سے اُلجھتے ہیں۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

اے صاحبِ کرامت شکرانۂ سلامت
روزے تفقدی کن درویش بے نوا را

ترجمہ: اے صاحبِ کرامت شکرانۂ سلامت کبھی عطیہ کے طور درویش بے نوا کو عطا فرما۔

تفسیر عالمانہ وَالصّٰٓئِمِیْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ اور فرض روزے رکھنے والے مرد اور عورتیں۔ یا اس سے مطلق روزہ مراد ہے وہ فرضی ہو یا نفلی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو شریعت وطریقت کے منع کردہ امور سے قلب وقالب کو روکتے ہیں یعنی قالب کو شہوات سے اور درجات وقربات کے حصول کے خیالات سے روکتے ہیں۔ دراصل کسی کام سے رُکنے کو 'صوم' کہا جاتا ہے۔ کھانا ہو یا کلام ہو یا چلنا ہو۔ اور شرع میں تقربِ الٰہی کی نیت سے صبح صادق سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانے پینے، شہوت رانی اور قے منہ بھر کر نکالنے سے رُکنے کو 'صوم' کہا جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَالْحٰفِظِیْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ اور ظاہر میں اپنے فروج کو حرام سے محفوظ رکھنے والے مرد اور عورتیں۔ اور حقیقت میں وہ لوگ جو مکوّنات کے تصرفات سے حفاظت کرنے والے۔ یہ عبارت دراصل الحافظاتھا تھی۔ چونکہ الحافظین، فروجھم میں مذکور ہو چکا ہے اس لیے یہاں پر اس کا مفعول حذف کر دیا گیا ہے۔

حلِ لغات: المفردات میں ہے کہ دو چیزوں کے درمیان کے سوراخ کا نام الفرج ہے والفرجہ جیسے دیوار کا درمیانی سوراخ۔ اور عُرف میں ہر وُہ شے جو انسان کے دو پاؤں کے درمیان واقع ہے لیکن اب اس کا غالب استعمال عورت ومرد کی شرمگاہ کے لیے ہوتا ہے۔ اس کا اتنا غلبہ ہے کہ جونہی یہ لفظ بولا جاتا ہے سوائے شرمگاہ کے اور کسی معنے کا تصور تک نہیں ہوتا۔ گویا اس معنے کے لیے یہی لفظ صریح ہے۔

تفسیر عالمانہ وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ اور اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور عورتیں ۔ یہاں بھی الذاکرات کا مفعول الحافظات کے مفعول کی طرح حذف کر دیا گیا ہے یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کو دل اور زبان سے یاد کرتے ہیں ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ لوگ اپنے وجود بجمیع اجزاء جسمانیہ و روحانیہ بلکہ بجمیع ذرات المکونات بلکہ اللہ تعالیٰ کو اس کی جمیع صفات سے یاد کرتے ہیں ۔

ف : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس سے نمازوں کے بعد ہر صبح و شام اور بستروں میں سونے اور نیند سے جاگنے اور ہر شام و سحر بلکہ ہر گھڑی اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا مراد ہے ۔

مسئلہ : علم نافع کی مشغولی اور تلاوتِ قرآن و دعا بھی ذکرِ الٰہی ہے ۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

من استیقظ من منامہ وایقظ امراتہ فصلیا جمیعا رکعتین کتبا من الذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات ۔

(جو نیند سے بیدار ہو کر اپنی عورت کو جگائے اور وہ دونوں مل کر ایک دوگانہ پڑھیں تو انھیں ذاکرین و ذاکرات میں لکھا جاتا ہے)

مسئلہ : حضرت مجاہد نے فرمایا : بندہ ذاکرین میں سے نہیں لکھا جاتا یہاں تک کہ اُٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہر وقت ذکر میں مشغول نہ ہو ۔

تفسیر عالمانہ اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تیار فرمائی ہے بسبب ان کے اعمال عشرہ مذکورہ کے ۔ لیکن اس سے فرداً فرداً عمل مراد نہیں بلکہ جملہ طاعات مذکورہ کا عمل مراد ہے ۔ یہ ان کی خبر ہے اور المسلمین والمسلمات کا عطف اختلاف جنسین کی وجہ عطف بین الضدین کے قبیل سے ہے ۔ ہاں دونوں زوجان کا عطف المسلمین والمسلمات پر یہ عطف الصفۃ علی الصفۃ کے قبیل سے ہے یہ حرف عطف کا جمع ہے اور تغایر الصفتین کی وجہ سے عطف مغایرت کا ہوگا ۔

مَّغْفِرَةً اس سے صغیرہ گناہوں کی مغفرت مراد ہے اس لیے اعمال صالحہ صغیرہ گناہوں کے لیے مکفر (مٹانے والے) ہوتے ہیں ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس سے جمال الٰہی کا نور مراد ہے یعنی نورانی تاج ان کے ارواح پر لکھ دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے انھیں ان اعمال سے بچاتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے دوری و مہجوری کا موجب بنتے ہیں ۔

تفسیر عالمانہ وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ○ ان طاعات مذکورہ کی وجہ سے انہیں اجر عظیم سے نوازے گا ۔ اس سے بہشت مراد ہے ۔ یعنی ان حضرات کو دنیا میں عبادت کی سہولت اور

دوامِ معرفت بخشے گا اور آخرت میں ان کی ہر طرف ہر آرزو پوری کرے گا بلکہ اس سے بڑھ کر انعامات سے نوازے گا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اجراً عظیماً سے خود ذاتِ حق تعالیٰ مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ انھیں تجلیِ ذات وصفات کے ساتھ الطاف واکرام سے بہرہ ور فرمائے گا۔

عطاء مفسر کی طبع آزمائی حضرت عطاء بن ابی رباح نے فرمایا کہ جس نے اپنے جملہ امور اللہ تعالیٰ کو مفوض فرماتے وہ ان المسلمین والمسلمات میں داخل ہے اور جس نے اقرار کیا کہ اس کا اللہ رب ہے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔ اور اس کا دل اور زبان اس اقرار میں یکساں ہیں۔ وہ والمؤمنین والمؤمنات میں داخل ہے اور جو شخص فرائض میں اللہ تعالیٰ کی اور سُنن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے وہ القانتین والقانتات میں داخل ہے اور جو اپنی زبان کو جھوٹ سے بچاتا ہے وہ الصادقین والصادقات میں داخل ہے اور جو طاعت پر صبر اور گناہوں کے ترک سے اور جنگ میں صبر کرتا ہے وہ الصابرین والصابرات میں داخل ہے اور جو نماز ایسے خلوص سے پڑھتا ہے کہ نہ اس کے دائیں کو خبر ہے نہ بائیں کو، تو وہ الخاشعین والخاشعات میں داخل ہے۔

ف : بحر العلوم میں لکھا ہے کہ یہ پچھلے جملہ کی تفسیر میں سخت ترین شرط ہے کسی کو اس کی ادائیگی میں جرأت نہیں ہو سکتی۔

فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ یہ تو صاحبِ بحر العلوم کا خیال ہے ورنہ یہ جملہ نہایت سہولت پر مبنی اور منتہی عارف کے عمل کی طرف اشارہ ہے وہ یوں کہ اس میں سبق دیا گیا ہے کہ غیر اللہ کی طرف توجہ نہ ہو اور استغراق فی الشہود سے اسہل ہے۔ اور جو ہفتہ میں صرف ایک درم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے وہ والمتصدقین والمتصدقات میں داخل ہے اور جو ہر ماہ ایامِ بیض (۱۳، ۱۴، ۱۵) کے روزے رکھے وہ والصائمین والصائمات میں داخل ہے اور جو اپنے فرج کو حرام میں استعمال سے بچائے وہ والحافظین فروجھم والحافظات میں داخل ہے اور جو پانچوں نمازیں اپنی شرائط کے ساتھ ادا کرے وہ والذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات میں داخل ہے۔

ذکرِ الٰہی کے فضائل (۱) سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں کس کے درجات سب سے اعلیٰ ہوں گے؟ فرمایا : بہت زیادہ ذکر کرنے والے مردوں اور عورتوں کے۔ عرض کی گئی : یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! غازی فی سبیل اللہ سے بھی بڑھ کر؟ فرمایا : اگرچہ غازی کافروں اور مشرکوں کے سر تلوار سے اڑا کر رکھ دے یہاں تک کہ اس کی تلوار ٹوٹ جائے اور سارا میدان کفار و مشرکین کے خون سے

بھر دے تب بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا اس سے درجہ میں بلند ہوگا۔

(۲) سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ کو جا رہے تھے جب جمدان (بروزن عثمان) پہاڑ سے گزرے تو فرمایا: چلو یہ جمدان پہاڑ ہے تم میں سے المفردون سبقت لے گئے۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! المفردون کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ مرد اور عورتیں جو اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ ذکر کرتے ہیں۔

ف: بعض نے لکھا کہ المفردون (بکسر الراء وتشدید ہا) اور بعض نے اسے بتخفیف الراء لکھا ہے۔ صحابہ کرام نے المفردون نہ کہا صرف مفردون کہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا مقصد یہ تھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قول الذاکرون اللہ کثیرا والذاکرات کی تجرید وتفرید سے کیا مراد ہے۔ اس سے ان کی ذات کا تعارف مراد نہیں تھا اسی لیے آپ نے ان کے جواب میں فرمایا: الذاکرون اللہ کثیرا والذاکرات۔ یعنی افراد سے یہاں وہ ذاکر مراد ہے جس کے ساتھ اور کوئی ذکر کرنے والا نہ ہو اور کثرت ذکر سے مراد یہ ہے کہ وہ کسی حال میں بھی اللہ تعالیٰ کو نہ بھلائے۔ اس سے کثرتِ لغات کے ساتھ ذکر کرنا مراد نہیں۔

لطیفہ ھذا جمدان میں ذکر کی فضیلت میں لطیفہ ہے۔ وہ یہ کہ جیسے جمدان اکیلا کھڑا ہے ایسے ہی ذکرِ الٰہی تنہائی میں کیا جائے کہ کسی کو بھی اس کا علم نہ ہو تاکہ سعادت ابدیہ سے وافر حصہ نصیب ہو۔

صوفیانہ نکتہ فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) نے فرمایا کہ جمدان میں جبل الوجود اور اس کی سیر مراد ہے کہ انسان اس راہ تفرید التوحید سے طے کرے یعنی موحد النفس والآفاق سے مجرد ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو طائرین سے بنائے اور ہم واقفین حائرین سے پناہ مانگتے ہیں ؎

سالکان بے کشش دوست بجائے نرسند
سالہا گرچہ دریں راہ تگ و پوے کنند

ترجمہ: دوست کی کشش کے بغیر سالک منزل کو نہیں پہنچ سکتے اگرچہ اس راہ میں ہزاروں سال دوڑتے رہیں۔

تفسیر عالمانہ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ۔

شانِ نزول: یہ آیت زینب بنت جحش اسدیہ اور ان کے بھائی عبداللہ بن جحش اور ان کی والدہ امیمہ بنت عبدالمطلب کے حق میں نازل ہوئی۔ امیمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ واقعہ یہ تھا کہ زید بن حارثہ جن کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کیا تھا اور وہ حضور ہی کی خدمت میں

رہتے تھے۔ حضور نے زینب کے لیے ان کا پیام دیا اس کو ان کے بھائی نے منظور نہیں کیا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اب معنیٰ یُوں ہوا کہ کسی مومن مرد اور عورت کے لیے مناسب نہیں۔ اس عموم میں حضرت عبداللہؓ اور ان کی بہن بی بی زینب داخل ہیں۔ اِذَا قَضَی اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗٓ اَمْرًا جب کسی امر کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ فرمائیں۔

ف: اللہ تعالیٰ کا ذکر یہاں پر تعظیم امر کے لیے ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کا فیصلہ ہے جیسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔

اَنْ یَّکُوْنَ لَھُمُ الْخِیَرَۃُ۔ الخیرۃ بالکسر الاختیار کا اسم ہے ان کے لیے کوئی اختیار نہیں کہ وہ اپنی طرف سے مِنْ اَمْرِھِمْ ان کے معاملات میں جو چاہیں کریں بلکہ ان پر واجب ہے کہ وہ اپنی رائے اور اختیار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے و اختیار کے تابع بنائیں اور جمع ضمیر کی لانے میں اشارہ ہے تاکہ اس میں جملہ مومن مرد اور عورتیں شامل ہوجائیں اس لیے کہ واحد کا صیغہ نفی کے تحت واقع ہے۔ بعض نے کہا کہ دوسری ضمیر ھُمْ حضور علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور جمع کی ضمیر تعظیم کے لیے ہے۔ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی امر کی نافرمانی کر کے اپنی رائے پر عمل کرتا ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ و من یعص اللہ سے کتاب اللہ کی مخالفت اور و رسولہ سے سنّتِ نبوی کی مخالفت مراد ہے۔

قَدْ ضَلَّ پس بے شک وہ طریق حق سے بہک جائے اور راہِ مستقیم سے ہٹ جائے ضَلٰلًا مُّبِیْنًا o صواب وحق سے کھلم کھلا دُور ہو جائے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ بندے پر لازم ہے کہ اس کا اللہ تعالیٰ کے اختیار کے سوا اور کوئی اختیار نہ ہو بلکہ ہر وہ امر اختیار کرے جو اللہ تعالیٰ کی پسند کا ہو اسے چاہیے کہ اس کے احکام ازلیہ پر اعتراض نہ کرے بلکہ وُہ اللہ تعالیٰ کی بُری تقدیر کے وقوع سے پہلے پناہ مانگتا رہے۔ جب وہ واقع ہو تو دیکھے کہ کیا وہ شرع پاک کے موافق ہے یا مخالف۔ اگر شرع کے موافق ہے پھر دیکھے کیا اس کی طبع کے موافق ہے یا مخالف۔ اگر اس کی طبع کے موافق ہے تو اسے نعمتِ الٰہی سمجھ کر اس کا شکر کرے۔ اگر اس کی طبع کے مخالف ہو تو اس پر صبر کرے اور تسلیم و رضا کی تصویر بن جائے اگر تقدیر کا وقوع شرع کے مخالف ہے تو اس پر توبہ و استغفار لازم ہے۔ اور ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے لیکن اس کی قضا و قدر واقع کرنے پر اعتراض نہ کرے اس لیے کہ اس کی تقدیر ہے اور اس کا حکم ہے اور وہ حکیم ہے وہ اپنی حکمت سے جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے اور اپنی قدرت سے جس طرح چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔

ف: فقیر (اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ) کہتا ہے کہ یہ آیت تسلیم و ترک اختیار و اعتراض کی اصل ہے اس لیے کہ

خیر و بھلائی اسی میں ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے وارثین کاملین اولیاء نے چاہا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مرتبۂ فرق میں حق ہے ایسے ہی وارث نبوی بھی خلافت الٰہیہ کا رسول ہے اور قاعدہ ہے کہ رسول (علیہ السلام) اور ان کا وارث ولی کامل اپنی خواہش سے نہیں بولتے کیونکہ وہ فانی فی اللہ ہیں ان کا بولنا وحیِ ربانی ہوتی ہے یا الہامِ ربانی۔ کیونکہ رسول (علیہ السلام) کو وحیِ الٰہی سے نوازا جاتا ہے اور ولیِ کامل کو الہامِ ربانی سے۔

سبق: مرید پر لازم ہے کہ وہ اپنے مرشد کامل کے ہر حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے خواہ وہ امر محبوب ہو یا مکروہ، اپنی خواہش اور تقاضائے طبیعت پر عمل نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم بھی یہی ہے:

عسٰی ان تکرھوا شیئًا وھو خیر لکم۔

اور بسا اوقات ظلمات میں ہی بحرِ حیات نصیب ہوتا ہے۔ اور فرمایا:

وعسٰی ان تحبوا شیئا وھو شر لکم۔

کبھی میٹھے میں زہر بھی ہوتی ہے۔ جسے یقین ہو جائے کہ محبوب کا ہر فعل محبوب ہوتا ہے اور اس کی دی ہوئی تکلیف تکلیف نہیں ہوتی، اس لیے کہ وہ طبیب ہے اور طبیب کا ہر کام بھلائی پر مبنی ہوتا ہے۔ اسی لئے عاشقِ حق پر لازم ہے کہ وہ دائیں بائیں مت بھاگے اور اس کے جمال و جلال پر راضی ہو: ؎

عاشقاں را اگر در آتش می نشاند قہرِ دوست — تنگ چشمم گر نظر در چشمۂ کوثر کنم

ترجمہ: عاشقوں کو اگر محبوب آگ میں ڈال دے تو مجھ جیسا تو فوراً چلا جائے گا۔ اور وہ تنگ نظر متصور ہو گا جو اس وقت آبِ کوثر کی طلب کرے۔

ف: فنا عن الارادہ بہت ہی مشکل امر ہے۔ اسی لیے بزرگوں نے فرمایا کہ مرید وہ ہے کہ جس کا کوئی ارادہ نہ ہو یعنی وہ اپنا کوئی ارادہ نہ رکھے۔ اس کا ہر ارادہ وہی ہو جو اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو۔ اپنے ارادوں کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادوں میں فانی کرنا کیونکہ مشکل امر ہے اس لیے مرید بننا مشکل ہے مرید کو اپنے شیخ کے ارادوں میں فانی ہونا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے سالک حجابِ وجود میں محجوب رہے۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا: قہرِ الٰہی ایک عذاب ہے جو اسے زائل کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ حق تعالیٰ کے سامنے ہر غرض و شوق سے خالی رہ کر زندگی بسر کرے بلکہ جو کچھ عالمِ دنیا بلکہ اس کے لیے جو امر واقع ہو اسے سمجھے اس میں بھلائی ہے۔ جب اس طریقہ کو مضبوطی سے تھام لے گا تو پھر وہ امر میں لذت پائے گا بلکہ ہر امر کو بطیبِ خاطر قبول کر لے گا اور اسے ہر امر پر خوشی و راحت نصیب ہو گی اس پر مداومت کرے گا تو اس کے لیے قہر اور ذلت و خواری بھی رحمت بن جائے گی بلکہ اسے عذاب اور قہرِ الٰہی میں بھی لذت نصیب ہو گی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اہلِ تسلیم و اربابِ تسلیم سے بنائے اور ہمیں اعتراض و عناد

میں واقع ہونے سے بچائے بلکہ ہم اس کے ہر حکم اور فیصلہ اور قضاء و قدر کے سامنے سرتسلیم خم کردیں۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذْ تَقُوْلُ مروی ہے کہ جب آیت سابقہ نازل ہوئی تو حضرت عبداللہ اور بی بی زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عرض کی، یا رسول اللہ! ہم راضی ہیں آپ کے فرمان کے مطابق ہم زید رضی اللہ عنہ کے نکاح کو قبول کرتے ہیں۔ حضرت زید کے ساتھ بی بی کا نکاح ہوگیا اور دس دینار اور ساٹھ دراہم ان کا مہر ادا کیا گیا اور ساتھ ہی ایک دوپٹہ اور قمیص اور بڑی چادر اور پچاس مد گندم اور تیس صاع کھجوریں دی گئیں اور کافی مدت تک بی بی زینب حضرت زید کے ہاں رہیں۔

حضرت زینب سے حضور علیہ السلام کی محبّت کی کہانی

مروی ہے کہ ایک دن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید رضی اللہ عنہ کے گھر میں تشریف لے گئے تو اچانک آپ کی نظر بی بی زینب رضی اللہ عنہا پر پڑی۔ بی بی صاحبہ کے حسن وجمال کو آپ نے پسند فرمایا اور بی بی صاحبہ کی محبت بلا اختیار آپ کے دل میں گھر کر گئی[1]

چونکہ حضور علیہ السلام میں بلا اختیار محبت پیدا ہوگئی اس لیے آپ پر الزام نہ لگایا جائے کیونکہ جو فعل کسی سے بلا اختیار صادر ہو وہ قابلِ مذمت نہیں ہوتا جب تک اس میں گناہ کا ارادہ نہ ہو[2]۔ اور روایت میں ہے

---

[1] یہاں پر صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے کہ انہوں نے یہ روایت کیوں نقل کی۔ یہ روایت نہ صرف انہوں نے بلکہ دوسرے مفسرانِ کرام نے بھی نقل کی ہے چنانچہ عبدالرزاق سے ہے:

عن معمر عن قتادة قال جاء زید فقال یا رسول اللہ ان زینب اشتدت علی لسانها وانا ارید ان اطلقها فقال اتق اللہ وامسک علیک زوجک قال والنبی صلی اللہ علیہ وسلم یحب ان یطلقها ویخشی الناس وقال مقاتل انه صلی اللہ علیہ وسلم اتی زیدا یوما فطلبه فابصر زینب نائمة وکانت بیضاء جمیلة حسیبة من اتم نساء قریش فهواها وقال سبحان اللہ مقلب القلوب فسمعت زینب بالتسبیحة فذکرتها لزید ففطن زید فقال یا رسول اللہ ائذن لی فی طلاقها فان فیها کبرا تعظیم علی وتؤذینی بلسانها فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم امسک علیک زوجک واتق اللہ وعند الحاکم فی المستدرک من طریق فیه الواقدی عن محمد بن یحیی بن حبان نحو ذلک لکنه مرسل والواقدی ضعیف وقد خطأ القشیری وعیاض وغیرهما من روی من المفسرین انه صلی اللہ علیہ وسلم لما رأی اعجبته ووقع فی قلبه حبها واحب طلاق زید لها۔

(اویسی غفرلہٗ)

[2] یہ جواب بھی مناسب ہے لیکن بعض مفسرین اس روایت کو مانا ہی نہیں چنانچہ امام قشیری نے فرمایا: (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی صاحبہ کو دیکھ کر فرمایا :

سبحٰن اللہ یا مقلب القلوب ثبت قلبی۔

(اللہ پاک ہے اے اللہ ! تُو قلوب کا مقلب ہے تُو میرے قلب کو ثابت رکھنا)

یہ کہہ کر آپ باہر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد آپ اپنے آپ پر قابو پا گئے اور بی بی صاحبہ سے نکاح کے لیے دل کو روکتے تھے کیونکہ اس سے آپ کا ارادہ ہوتا تو ضرور بی بی کو نکاح کے لیے فرماتے۔ بی بی صاحبہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسبیح مذکور سنی تو بی بی صاحبہ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو واقعہ سنا دیا کیونکہ وہ اس وقت موجود نہ تھے۔ بی بی صاحبہ نے حضرت زید کے واپس آنے پر ان کو بتایا کہ آج حضور علیہ السلام گھر پر تشریف لائے تھے اور مجھے دیکھ کر سبحان اللہ الخ پڑھا تھا۔ حضرت زید بھانپ گئے کہ کوئی خیال حضور علیہ السلام کے قلب مبارک میں آگیا ہے۔ اور ازل میں یہ بات مقدر ہو چکی تھی کہ بی بی زینب کا نکاح بالآخر حضور علیہ السلام کے ساتھ ہوگا اگرچہ پہلے ان کا نکاح حضرت زید سے ہو جائے گا لیکن میں اللہ تعالیٰ بی بی زینب کی محبت حضور علیہ السلام کے دل میں ڈالے گا اور حضرت زید کے دل میں بیگانگی۔

بی بی زینب کی بات سُن کر حضرت زید حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوئے اور عرض کی میں چاہتا ہوں کہ میں اپنی زوجہ کو طلاق دے دوں۔ آپ نے فرمایا : کیا وجہ ہے، کیا تو نے اس میں کوئی غلطی دیکھی ہے؟ انہوں نے عرض کی : بخدا میں نے اس میں خیر ہی خیر دیکھی ہے۔ صرف اتنا ضرور ہے کہ وہ اپنے نسبی

(بقیہ حاشیہ)

هذا اقدام عظیم من قائله وتفریط بحق النبی صلی اللہ علیه وسلم و بفضله وکیف یقال راها فاعجبته وهی ابنة عمته لم یزل یراها منذ ولدت ولم یکن النساء یحتجبن منه صلی اللہ علیه وسلم وهو الذی زوجها لزید وقال بعضهم انه غیر صحیح وان صح عن قائله فهو منکر من القول تحاشی جانب النبوة۔

(یہ اقدام جس نے کیا بُرا کیا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف کیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ نے بی بی کو دیکھا اور ان کو پسند کیا کیونکہ یہ بی بی آپ کی پھوپھی زاد تھیں اور بچپن سے آپ انھیں دیکھتے رہے کیونکہ اس وقت پردہ کا حکم بھی نہ تھا اور خود حضور علیہ السلام نے ان کا نکاح حضرت زید سے کردیا۔ فلہذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ سرے سے یہ تصور ہی غلط ہے اگر کسی نے یہ بات کی ہے تو بہت بُرا کیا ہے یہ نبوت کی شان کے لائق نہیں جو ایسے تصور میں مبتلا ہے وہ سفیہ و جاہل ہے)

اس کے مزید جوابات فقیر کی کتاب "سیرت حبیب کبریا" میں دیکھیے۔ (اویسی غفرلہٗ)

شرف کو ترجیح دیتی ہے اور مجھے غلام سمجھ کر میری تحقیر کرتی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے اسے طلاق دینے سے روکا۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاِذْ تَقُوْلُ یعنی اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم یاد کیجئے جبکہ آپ فرماتے تھے لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ اسے جسے اللہ تعالیٰ نے دولتِ اسلام کے لیے توفیق بخشی اور یہی تمام نعمتوں سے بڑی نعمت ہے اور آپ کی خدمت وصحبت سے اسے نوازا وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اور آپ نے اسے تربیت کی نعمت سے نوازا اور آزادی بخشی اور متبنّیٰ بنایا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نے اپنی قریبی رشتہ دار بی بی کو بجائے اپنے اسے بیاہ دی تو بھی نوازش فرمائی۔ اب اس نے طلاق دے دی اور آپ کو اس سے نکاح کے بارے میں عرض کیا اور آپ نے قبول فرما لیا تو بھی کرم نوازی۔

حضرت زید کا تعارف

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے غلام تھے۔ غلاموں میں سب سے پہلے آپ نے ہی اسلام قبول فرمایا۔ حضور علیہ السلام کو ان سے محبت تھی اور انہیں حضور علیہ السلام سے عشق تھا۔ ان کی وجہ سے حضور علیہ السلام حضرت زید کے بیٹے اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے محبت فرماتے تھے اور آپ غزوۂ بدر وخندق وحدیبیہ میں شریک ہوئے۔ اور جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بنی المصطلق کو تشریف لے گئے تو مدینہ میں انہی کو اپنا نائب مقرر فرمایا (ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک دفعہ نائب بنایا تھا تو اس سے ان کی خلافت بلا فصل ثابت نہیں ہوتی کیونکہ اگر یہی استدلال صحیح ہے تو حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بھی خلیفہ بلا فصل ماننا چاہیے) حضرت زید کو سات جنگوں میں امیر بنایا۔ آپ غزوۂ موتہ (مُوتہ بضم المیم و بالھمزہ ساکنۃ، کرک کے نزدیک ایک جگہ کا نام ہے۔ آپکا تفصیلی تعارف سورۃ ہذا کے اوائل میں گزرا ہے یعنی تحت آیت ادعوھم لأبائھم۔

ف: الارشاد میں ہے کہ اس عنوان سے بیان کرنا آپ کے حال کے منافی نہیں جبکہ آپ نے حضرت زید کو بی بی زینب کو اپنے پاس رکھنے کا حکم فرمایا اگرچہ حیاء کی وجہ سے اسے ظاہر کرنا مناسب نہ سمجھا وہ اس لیے کہ بعض امور میں حضور علیہ السلام حیاء کرتے تھے بالخصوص جہاں طعن وتشنیع کا خطرہ ہو۔ اس کی مزید تحقیق آئے گی۔

اَمْسِكْ عَلَیْكَ زَوْجَكَ اپنی زوجہ یعنی بی بی زینب کو الامساك بمعنے تعلق بالشئ وحفظہ وَاتَّقِ اللّٰهَ اور اپنی صورت کے معاملہ میں خدا تعالیٰ سے خوف کیجئے اور ضرر ونقصان کے خوف سے اسے طلاق نہ دیجئے۔ یعنی یہ کہہ کر کہ وہ تکبر اور غرور کرتی ہے وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ اور اپنے دل میں وہ چھپاتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرے گا یہ ما موصولہ اور تخفی کا مفعول بہ اور الابداد، الاظہار کے معنے میں ہے اور وہ یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتایا تھا کہ بی بی زینب کا آپ کے ساتھ نکاح کر دیا جائے گا جبکہ حضرت زید اسے طلاق دے دیں گے اور عنقریب یہی بی بی آپ

کی بیوی ہو جاتے گی اور آپ اسے دل میں پوشیدہ رکھتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ کیا ہے وہ پورا کرے گا اور ظاہر کرے گا کہ یہی زینب آپ کی بیوی ہے ۔ چنانچہ فرمائے گا زوجنکھا اور یہ ان کی زوجیت کی ایک علامت یہ ہے کہ آپ کی اس کے ساتھ محبت ہو گئی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں ڈالی ہے ورنہ آپ ایسے نہیں تھے کہ غیر عورت سے محبت کریں اور جو محبت منجانب اللہ عطا ہو وہ محبت ممدوح ہے ۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے :

حدیث شریف حبب الی من دنیاکم ثلاث الطیب والنساء وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ ۔

(تمہاری دنیا کی مجھے تین چیزیں پسند ہیں ، خوشبو ، عورت اور نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے)

اگر حضور علیہ السلام کی ان چیزوں سے طبعی محبت ہوتی تو احببت فرماتے ۔

مسئلہ : انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے جملہ معاملات اذنِ الٰہی سے ہوتے ہیں کیوں کہ شیطان کو ان پر کوئی چارہ کار نہیں ۔

ف : الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی فرمائی تو آپ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے اسے مخفی رکھا کیونکہ یہ راز مشیتِ ایزدی اور ارادۂ الٰہی سے متعلق ہے اور رسل کرام علیہم السلام پر واجب نہیں کہ وہ مشیت و ارادۂ الٰہی کا اظہار کریں ۔ ہاں البتہ انھیں متعلق بہ اوامر و نواہی کا اخبار و اعلام ضروری ہے ۔ مثلاً ابولہب کو بظاہر تو فرماتے کہ ایمان قبول کر ، مگر اللہ تعالیٰ کے ارادے کا آپ کو علم تھا کہ وہ ایمان نہیں لائے گا ۔ کما قال :

سیصلٰی ناراً ذات لہب ۔

وہ اس لیے کہ ابولہب کا عذاب میں مبتلا ہونا مشیتِ الٰہی اور ارادۂ ایزدی سے متعلق تھا ۔ اسی لیے اظہار و اخبار آپ پر واجب نہ تھا[1]

---

[1] صاحب روح البیان قدس سرہٗ کی تقریر مذکور سے سوال و جوابات آگئے اب آخری فیصلہ صاحبِ مدارک کا بھی سن لیجئے :

والذی اشار الیہ جماعت من اھل التحقیق فی ھذہ القصہ انہ تبارک و تعالیٰ اوحی الیہ انہ سیزوجہا و ذلک بحکمۃ اقتضتھا الارادۃ الالھیۃ فھذا الذی عاتبہ اللہ علی اخفائہ من زید و روی ابن ابی حاتم عن طریق السدی انہ صلی اللہ علیہ وسلم اراد ان یزوجہا زید افکرست ذلک ثم انہا رضیت بہ فزوجہا اباہ ثم اعلم اللہ نبیہ بعد انہا من ازواجہ فکان یستحیی ان یامرہ بطلاقہا

وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ اور آپ لوگوں کی ملامت اور عار سے ڈرتے ہیں کہ لوگ کہیں گے کہ آپ نے اپنے منہ بولے بیٹے کی زوجہ سے نکاح کر لیا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آپ لوگوں پر شفقت کے طور ڈرتے تھے کہ وہ فتنہ میں مبتلا ہو جائیں گے۔ جب ہم زید کی زوجہ سے نکاح کریں گے تو اس کا انکار اور اعتراض کریں گے کہ آپ نے منہ بولے بیٹے کی زوجہ سے کیوں نکاح کیا اس طرح سے انہیں نبوت کے متعلق شک گزرے گا حالانکہ نبی علیہ السلام ایسے میلان طبعی اور خواہشات نفسانی کی اتباع سے پاک ہیں اور جب وہ نبوت میں اس قسم کا گمان کریں گے تو ایمان سے خارج ہو کر دائرۂ کفر میں داخل ہو جائیں گے اور آپ کا یہ خوف امت پر شفقت و رحمت کے طور تھا کہ وہ ایسی بات سننے کے حامل اور نبوت کے متعلق ایسے معاملہ کے متحمل نہیں ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ ؕ اور اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ اس سے خوف کیا جائے جس سے خوف کیا جائے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

ف : جناب کاشفی نے لکھا کہ یہ صحیح ہے کہ حضور علیہ السلام تمام مخلوق سے اللہ تعالیٰ سے زیادہ خوف رکھنے والے تھے اس لیے کہ خوف و خشیت علم کا نتیجہ ہے کما قال تعالیٰ :

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔ (بے شک اللہ تعالیٰ سے اس کے بندے علماء ڈرتے ہیں)

(بقیہ حاشیہ)

وکان یزال یکون بین زید و زینب ما یکون بین الناس فامرہ ان یمسک علیہ زوجہ وکان یخشی الناس ان یعیبوا علیہ و یقولوا تزوج امراۃ ابنہ و روی ایضا عن علی بن الحسین قال اعلم اللہ نبیہ ان زینب ستکون من ازواجہ قبل ان یتزوجہا فلما اتاہ زید یشکوھا قال اتق و امسک علیک زوجک قال اللہ تعالیٰ قد اخبرتک انا مزوجکہا و تخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ قال القرطبی قال علماؤنا قول علی بن الحسین احسن ما قیل فی الآیۃ وھو الذی علیہ اھل التحقیق من المفسرین والعلماء الراسخین کالزھری و القاضی و ابو بکر بن العلاء و القاضی ابو بکر بن العربی وغیرھم ذکرھذا کلہ العلامۃ عبد الرؤف لناوی فی شرح الالفیۃ للعراقی۔ (حاشیہ جلالین)

خلاصہ یہ کہ حضرت زید کے نکاح کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ زینب کا نکاح آپ کے ساتھ ہوگا۔ لیکن آپ نے اسے ظاہر نہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اسی کے لیے یہ حکم فرمایا۔ عشق والی بات کی تحقیق تفسیر اویسی میں دیکھیے۔

(اویسی غفرلہٗ)

اور بحکم حدیث :

انما اعلمکو باللہ و اخشاکم - (میں اللہ تعالیٰ سے تم سے زیادہ جانتا ہوں اور میں اس سے تم سے زیادہ ڈرتا ہوں)

آپ تمام جہان سے اللہ تعالیٰ سے زیادہ خوف رکھتے تھے -

اور حدیث شریف میں ہے :

الخوف رفیقی -

(خوف میرا رفیق ہے)

ے

خوف و خشیت نتیجۂ علم ست

ہر کرا علم بیش خشیت بیش

ہر کرا خوف شد رفیق رہش

باشد از جملہ رہروان در پیش

ترجمہ : خوف و خشیت علم کا نتیجہ ہے جو بڑا عالم ہوگا وہ خوفِ خدا میں بھی زیادہ ہوگا -
جس کا خوف رہبر ہو وہ تمام رہبروں کا رہبر ہوگا -

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ حضور علیہ السلام کو اس آیت میں محبوبانہ عتاب اس لیے ہوا کہ وہ علم جو اللہ تعالیٰ سے آپ کو عطا ہوا کہ عنقریب زینب سے آپ کا نکاح ہوگا اسے مخفی رکھا۔

ف : بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ اگر کوئی مضمون وحی الٰہی کا آپ نے چھپانا ہوتا تو یہی آیت اذ تقول للذی الخ کو چھپا دیتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس آیت سے بڑھ کر اور کوئی آیت سخت تر نہ تھی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ بہ نسبت مخلوق اللہ تعالیٰ کے حقوق کی رعایت ضروری ہے اس لیے امرِ الٰہی وقضائے حق کے اجرا میں بہت سی حکمتیں مضمر ہوتی ہیں مثلاً اس امر میں خلقِ خدا کے گمراہ ہونے کا خطرہ تھا اور اللہ تعالیٰ کے اجرائے حکم میں یہی ظاہر کرنا تھا کہ جس نے اس واقعہ کو سن کر گمراہ ہونا ہے وہ گمراہ ہوگا اور جس نے ہدایت پانی ہے ہدایت پائے گا۔ اس کی مثال آیت وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب نبی علیہ السلام کے سامنے امرِ حق اور امرِ خلق متعارض ہوں تو آپ پر واجب ہے کہ آپ حق تعالیٰ کے امر کو ترجیح دیں اس لیے اجرائے حکمِ حق میں ہزاروں حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایک حکمت اسی تزویج زینب میں یہ بتائی کہ لکی لا علی المؤمنین حرج ۔ الخ (تاکہ اہلِ ایمان کو تنگی نہ رہے)۔

تفسیر عالمانہ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا پس جبکہ پوری کی حضرت زید نے اپنی زوجہ بی بی زینب سے وَطَرًا ضرورت۔

حلِ لغات قاموس میں ہے کہ الوطر (محرکہ) بمعنے حاجت۔ یا وہ حاجت جس میں کوئی اہمیت مطلوب ہو جب وہ حاجت پوری ہوجائے تو اس کے لیے بولا جاتا ہے؛

فقد قضیت وطرك۔ بیشک تو نے ضرورت پوری کر لی۔

الوسیط میں ہے کہ لغت میں ولی ارادہ کے انتہا کو پہنچنے کو وطرؔ کہا جاتا ہے۔ مثلاً اہلِ عرب کہتے ہیں:

قضی منها وطراً۔ اس سے ضرورت پوری کی۔

یہ اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو اپنی مراد کو پالے پھر اس کا اطلاق طلاق پر ہونے لگا اس لیے کہ جب کوئی شخص اپنی عورت کو طلاق دیتا ہے تو اس سے اس کی کوئی حاجت نہیں رہتی۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب حضرت زید نے اپنی زوجہ کو طلاق دے دی اور اس کی عدت پوری ہوگئی[1]

تفسیرِ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حضرت زید نے ظاہر میں اپنی ضرورت یوں پوری کی کہ آپ نے اپنی زوجہ کو طلاق دے دی اور باطن میں یوں ہوا کہ تاقیامِ قیامت بہت بڑی شہرت حاصل کر لی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا ذکر قرآن میں درج فرمایا حالانکہ دوسرے بہت بڑے مشاہیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک کا نام قرآن مجید میں نہیں۔ اور دوسرا یہ کہ انھوں نے اپنی ضرورت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دی کہ بی بی زینب کو طلاق دے دی پھر ان سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر لیا۔

سوال: الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ جب حضرت زید کو اللہ تعالیٰ اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق سے روکا تو پھر انہوں نے طلاق کیوں دے دی؟

جواب: یہ امر وجوب ولزوم کا نہ تھا بلکہ استحبابی امر تھا اس لیے آپ اس کے مامور نہ تھے۔

تفسیرِ عالمانہ زَوَّجْنٰكَهَا ہم نے اس کا آپ کے ساتھ نکاح کر دیا اور یہ نکاح پہلی ذیقعدہ ۵ھ کو ہوا اور یہی روایت صحیح ہے اس وقت بی بی صاحبہ کی عمر ۳۵ سال تھی۔ اس تزویج سے یا تو نکاح کا حکم مراد ہے یا بلا واسطہ عقد اللہ تعالیٰ نے خود نکاح کا حکم فرمایا۔

بی بی زینب کی شان حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بی بی زینب تمام ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فخریہ طور پر فرمایا کرتی تھیں کہ تمہارے نکاح تمہارے رشتہ داروں نے کیے لیکن آسمانوں کے اوپر اللہ تعالیٰ نے خود اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا نکاح کر دیا۔

---

[1] دیوبندیوں کے ایک مولوی حسین علی واں بھچراں نے 'بلغۃ الحیران' میں لکھ دیا کہ بی بی زینب سے حضور علیہ السلام نے عدت گزارے بغیر نکاح کر لیا۔ اویسی غفرلہٗ

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم آیت کے نزول کے بعد بی بی زینب کے گھر میں تشریف لاتے اور فرمایا: میرا تیرے ساتھ نکاح ہوا۔ عرض کی، نہ منگنی ہوئی نہ گواہ، یہ کیسے؟ آپ نے فرمایا: نکاح اللہ تعالیٰ نے کردیا ہے اس کے گواہ حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔ (اس روایت سے مذکورہ بالا قول ثانی کی تائید ہوئی)

ف : گواہوں کے بغیر نکاح کا انعقاد حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے یعنی آپ کے سوا کسی اور کا نکاح بغیر گواہوں کے نہیں ہوسکتا۔

مسئلہ : اس روایت کو لے کر حضرت امام محمد رحمہ اللہ نے گواہوں کے بغیر نکاح کو جائز رکھا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ و امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ اس کے برعکس فرماتے ہیں ان کا فتویٰ ہے کہ گواہوں کے بغیر نکاح ناجائز ہے اور فتویٰ اسی پر ہے۔

ف : دراصل امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے نکاح کے مسئلہ کو بیع کے مسئلہ پر قیاس فرمایا ہے وہ اس لیے کہ نکاح میں بضع کی گویا بیع ہوئی اور اس کا ثمن مہر کو سمجھا پھر جیسے بیع میں گواہوں کی ضرورت نہیں ایسے ہی نکاح میں نہیں لیکن امامِ اعظم و امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس کے انجام کو دیکھا ہے اس لیے فرمایا کہ بغیر گواہوں کے نکاح صریح زنا متصور ہوگا اسی لیے نکاح میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح میں گواہوں کی شرط لگائی کہ پھر وہ نکاح منسوخ نہ ہوسکے اور پھر اہلِ اسلام زنا کی تہمت سے بھی بچ جائیں گے۔

حدیث شریف مروی ہے کہ جب بی بی زینب رضی اللہ عنہا عدت گزار چکیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کے لیے فرمایا:

ما اجد احدا اوثق فی نفسی منك اخطب علی زینب۔

(مجھے تیری وجہ سے زینب کی منگنی پر اعتماد ہے لہٰذا تم ہی جاکر اسے میرے نکاح کی اطلاع دے دو)

چنانچہ حضرت زید بی بی زینب کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا:

یا زینب ابشری فان رسول اللہ یخطبك

(اے زینب! تجھے مبارک ہو کہ تجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نکاح کا فرما رہے ہیں)

یہ سن کر بی بی صاحبہ خوش ہوگئیں اور فرمایا: میں از خود کچھ نہیں کہہ سکتی میں اپنے رب تعالیٰ سے مشورہ کرلوں۔ یہ کہہ کر مسجد میں تشریف لے گئیں اور مسجد میں بیٹھی ہی تھیں کہ زوجنکھا نازل ہوا۔ اس کے بعد حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی صاحبہ سے نکاح فرمایا اور انہیں اپنے گھر لے گئے اور اس بی بی کا ولیمہ تمام بیبیوں سے بہتر ہوا۔ اس ولیمہ میں بکری ذبح کی گئی اور صحابہ کرام کو گوشت روٹی کھلائی گئی۔ یہاں تک کہ دن میں بہت دیر کھانے کا سلسلہ جاری رہا۔

ف : اس نکاح میں خود حضرت زید کو سفیر مقرر کرنا ان کے لیے بہت بڑی آزمائش تھی اور پھر ان کو اس نکاح کا شاہد بھی بنایا گیا۔ یہ ان کی قوتِ ایمانی اور مضبوطیِ اسلام کی دلیل ہے۔

اعتقادِ من چو بیخ سرو دارد محکمی
بیش باشد از ہوائے عشق و سودا نگی

ترجمہ: میرا اعتقاد سرو کی جڑ کی طرح مضبوط ہے تم مجھے اس میں سودا کا سامان نہ بنانا۔

لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ تاکہ اہلِ ایمان کو تنگی اور مشقت نہ ہو۔

حل لغات: المفردات میں ہے: دراصل حرج درخت کو مجتمع کو کہا جاتا ہے۔ اسی سے تنگی متصور ہوتی ہے۔ اسی لیے تنگی کو بھی حرج سے تعبیر کرتے ہیں اور اثم (گناہ) کو بھی لکی لا یکون میں لام کی کی ہے اور تاکیداً اس پر داخل ہوئی ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ لام جارہ تزویج کی تعلیل کے لیے ہے۔ اور کیٔ حرف انْ کی طرح مصدری ہے۔

فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ ان لوگوں کے لیے جو اپنے منہ بولے بیٹوں کی عورتوں سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ الادعیاء، دعی کی جمع ہے بمعنے منہ بولا بیٹا۔ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ط جب وہ اپنی عورتوں کو طلاق دے دیں اور انھیں ان سے کوئی حاجت باقی نہ رہے اور ان کی عدت گزر جانے پر نکاح کرنا چاہیں تو انھیں حرج نہ ہو۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منہ بولے بیٹے حضرت زید کی زوجہ بی بی زینب سے نکاح کر لیا، ہمیں اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ کی پیروی کرنی چاہیے۔

ف: حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اہلِ عرب کا خیال تھا کہ منہ بولے بیٹے کی عورت سے نکاح حرام ہے جیسے حقیقی بیٹے کی عورت سے۔ ان کے اس غلط خیال کی تردید کی گئی ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ احکامِ شرعیہ میں نبی و غیر نبی برابر ہوتے ہیں سوائے صرف چند ان مسائل میں جو نبی علیہ السلام کے لیے مخصوص ہوں۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص (معاذ اللہ) منہ بولے بیٹے کی عورت سے زنا کرے تو وہ عورت اس پر حرام نہ ہو گی بخلاف حقیقی بیٹے کی عورت کے کہ اس سے اگر بیٹے کے والد نے وطی کر لی ہو تو وہ اپنے شوہر پر حرام ہو جاتی ہے۔ ابن الصلب نے اس مسئلہ میں خلاف کیا ہے وہ کہتا ہے کہ منہ بولے بیٹے کی زوجہ متبنی (پرورده کننده) پر نکاح کا انعقاد ہوتے ہی اس پر حرام ہو جائے گی۔

وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ اور وہ امر جس کا ہونا اللہ تعالیٰ کو منظور ہو مَفْعُوْلًا ۝ وہ ہو کر رہے گا اسے کوئی بھی نہیں روک سکتا اگرچہ روکنے والے نبی علیہ السلام ہی ہوں تب بھی اللہ تعالیٰ کا مقدر امر ضرور ہو گا جیسے ابھی بی بی زینب کی تزویج کا معاملہ ہوا۔ یاد رہے کہ بی بی زینب رضی اللہ عنہا کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ازل سے حقیقی نکاح تھا اور وہ حضرت زید کے ہاں عاریۃً تھیں۔

بی بی زینب باکرہ تھیں حضرت بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے بارے میں الشیخ افتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ بی بی زینب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

کی طرح باکرہ تھیں اس لیے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوگیا تھا کہ ان کا نکاح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونا تھا اس لیے حضرت زید نے بی بی زینب کو چھُوا تک نہ تھا۔ ان کی مثال بی بی آسیہ[1] و زلیخا رضی اللہ عنہا جیسی ہے لیکن بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے عرفان تک بی بی زینب نہیں پہنچ سکیں اور بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فضیلت میں فقط اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بہت ہی زیادہ محبت تھی۔

نکتہ دربارہ عدمِ تولید عائشہ رضی اللہ عنہا بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں اس لیے اولاد پیدا نہ ہوئی کہ آپ جملہ تعینات سے مافوق کے مرتبہ میں تھیں۔

فضائل بی بی زینب رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ بی بی زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ہم جیسی ہیں لیکن مندرجہ ذیل فضائل و مناقب میں ہم سے بڑھ کر ہیں:

۱۔ دین کی خیر و برکت میں ۲۔ تقویٰ و طہارت میں ۳۔ صدق فی الحدیث میں

۴۔ صلہ رحمی میں ۶۔ درویش نوازی میں

۵۔ صدقہ دینے میں ۷۔ مہمان نوازی میں

۸۔ داد و دہش میں۔ اسی لیے انہیں اُم المساکین کہا جاتا تھا۔

۹۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ازواجِ مطہرات میں سے سب سے پہلے انہی کا وصال ہُوا۔

بی بی زینب کا وصال بی بی زینب رضی اللہ عنہا ۲۰ھ میں مدینہ طیبہ میں فوت ہُوئیں۔ آپ کی نمازِ جنازہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور بقیع میں مدفون ہوئیں۔ آپ کی کل عمر ترپن (۵۳) سال تھی۔

حضرت زید کی حُور اللہ تعالیٰ نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہشت میں ایک حُور عطا فرمائی۔ چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

استقبلتنی جاریۃ لعساء وقد اعجبتنی فقلت لہا یا جاریۃ انت لمن قالت لزید بن حارثۃ۔

(شبِ معراج میں ایک حور لعساء نے میرا استقبال کیا اور مجھے اس کا حُسن وجمال پسند آیا میں نے اس سے پُوچھا تُو کس کے لیے ہے؟ عرض کی: حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے لیے)

---

[1] یعنی بی بی آسیہ کو فرعون نہ چھُو سکا اور نہ ہی بی بی زلیخا کو عزیزِ مصر۔ مزید تفصیل فقیر کی کتاب "نکاحِ زلیخا" میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ

ف : حدیث شریف میں لفظ استقبلتنی واقع ہے بمعنے اس حُور نے بہشت سے نکل کر حضور علیہ السلام کا استقبال کیا جب آپ ساتویں آسمان کو عبور کرکے بہشت کی طرف روانہ ہُوئے۔ لعساء، لعس سے ہے بمعنے ہونٹوں پر سُرخی بہ سیاہی مائل والی، ایسے ہونٹ حُسن وجمال میں اضافہ کرتے ہیں۔ کذا فی الصحاح

صرف حضرت کا نام قرآن میں کیوں

حضرت سہیلی نے لکھا کہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو چھوڑ کر صرف حضرت زید رضی اللہ عنہ کا نام قرآن مجید میں اس لیے مصرح ہے کہ جب آیت (ادعوھم لاٰبائھم نازل ہوئی تو حضرت زید کو زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بجائے زید بن حارثہ کہنے لگے۔ چونکہ زید بن محمد سے پکارا جانا ان کے لیے بہت بڑی شرافت تھی۔ اس شرافت کے چھن جانے سے حضرت زید مغموم ہُوئے اللہ تعالیٰ نے ان کی اس وحشت اور غم والم کو دور کرنے کے لیے قرآن مجید میں ان کا نام درج فرما دیا۔ اب انہیں وہ شرافت ملی کہ نمازوں میں اور محرابوں میں ان کا نام پڑھا جانے لگا۔

ف : بعض قرأۃ میں انعم اللہ علیہ بالایمان ہے یعنی لفظ بالایمان زائد ہے۔ اس قرأۃ کے مطابق ان کا بہشتی ہونا قطعی ہُوا اور وہ یقیناً وہ دُنیا سے ایمان کی دولت لے کر فوت ہوئے۔ اس قرأۃ کے مطابق یہ ان کی اور فضیلت ہوئی۔

سبق : حضرت زید رضی اللہ عنہ کا یہ ایثار و قربانی رہتی دنیا تک ہر ایک اہلِ اسلام کے لیے پند ونصیحت ہے اور ایسی قربانی ہر وہ شخص دے سکتا ہے جو سالک قوی الاعتقاد اور ارشاد وہدایت میں ثابت قدم ہو اور یہ صرف اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے حجابات اٹھا دئے تھے۔

صحابہ کی جان نثاری

مروی ہے کہ ہجرت کے بعد حضور سرورِ عالم نے صحابہ کرام کو آپس میں بھائی بھائی بننے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد رضی اللہ عنہما کے درمیان مواخاۃ طے ہوئی۔ حضرت عبد الرحمٰن مہاجر اور حضرت سعد انصار تھے۔ جب مواخات طے ہُوئی تو حضرت سعد نے حضرت عبد الرحمٰن کو فرمایا: انصار میں مَیں کثیر المال ہوں اسے نصف نصف کرلیں اور میری دو عورتیں ہیں ایک کو میں طلاق دے دیتا ہُوں جب اس کی عدّت گزر جائے تو آپ اس سے نکاح کر لیں۔ حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کے مال وعیال میں برکت دے۔ کذا فی انسان العیون۔

سبق : افسوس زمانے کا دَور بدلا کہ اب معاملہ الٹ ہوگیا۔ خوش قسمت ہے وہ انسان جو بدعات سیئہ و دیگر جرائم ومعاصی کے دفعیہ کے لیے جدوجہد کرتا اور اپنے دامن کو برائیوں سے بچاتا ہے۔

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ نبی علیہ السلام کے لیے کوئی حرج نہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے نبی علیہ السلام کو تنگی نہ دے۔

ف : اس جملہ میں مِن زائدہ اور حرج، کان ناقصہ کا اسم ہے۔

فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ط ان امور میں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے مقسوم میں لکھا ہے یا آپ کے لیے مقدر فرمایا ہے جیسے بی بی زینب کے ساتھ نکاح کرنا، یہ ان کے قول فرض لہ فی الدیوان کذا (اس کے لیے دفتروں میں ایسے مقدر فرمایا ہے) اور اسی محاورہ سے ہے۔

فروض العساکر۔ (لشکریوں کے وظائف)

سُنَّةَ اللّٰهِ سنۃ اسم ہے جسے مصدر کے قائم مقام وضع کیا گیا ہے حرج کی تاکید ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے نفی حرج کے لیے طریقہ مقرر فرمایا ہے فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا ان لوگوں میں جو پہلے گزرے۔

حل لغات: المفردات میں ہے کہ الخلو کا استعمال زمان و مکان کے لیے مستعمل ہے۔ اہلِ لغت جب اس سے گزرے ہوئے زمانے کی تفسیر کرتے ہیں تو کہتے ہیں، خلا الزمان بمعنے مَضٰی و ذَهَبَ۔

فقیر (اسمٰعیل حقی نور اللہ مرقدہٗ) کہتا ہے الخلو کا حقیقی معنیٰ زمان و مکان کا حال بیان کرنا ہوتا ہے اس لیے کہ ان کے اندر والے امور جب ختم ہو گئے تو وہ دونوں خالی ہو گئے۔

مِنْ قَبْلُ یعنی پہلے انبیاء علیہم السلام سے حرج کی نفی یوں کی گئی کہ ان کے لیے نکاح وغیرہ امور میں وسعت رکھی گئی تھی مثلاً داؤد علیہ السلام کی ایک سو بیویاں اور تین سو لونڈیاں تھیں اور ان کے صاحبزادے سلیمان کی تین سو بیویاں اور سات سو لونڈیاں تھیں۔ اسی بنا پر آپ کے لیے بھی سابقین انبیاء علیہم السلام کی طرح نکاح کے معاملہ میں وسعت ہے۔ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا اور ہے اللہ تعالیٰ کا امر فیصلہ قطعی اور حکم یقینی۔

حل لغات: المفردات میں ہے کہ قدر میں اس حکم کی طرف اشارہ ہے لوح محفوظ میں مقدر ہو چکا جس کی خبر فرغ ربک من الخلق (تیرا رب مخلوق سے فارغ ہو چکا) ہے یعنی ان کی تخلیق اور اجل اور رزق کے معاملات طے ہو چکے اور مقدور سے وہ امور مراد ہیں جو آئندہ پیدا ہوں گے کل یوم ھو فی شان میں اسی طرف اشارہ ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا علیہم السلام پر جو حکم ربانی سے قضاء و قدر کا فیصلہ ہوا وہ ان کے حق میں بہتری پر مبنی تھا اگرچہ بظاہر مخلوق کی نظروں میں ان کا نقصان محسوس ہوتا ہو۔ اور ان پر قضاء مبرم کا اجراء ہوتا ہے جس میں خطا یا غلطی کا امکان بھی نہیں ہوتا اور نہ اس میں عبث کا تصور ہو سکتا ہو۔

پیر ما گفت خطا بر قلم صنع نرفت
آفرین بر نظر پاک خطا پوشش باد

ترجمہ: ہمارے شیخ نے فرمایا کہ صنعت حق کے قلم میں خطا کا امکان ہی نہیں نظر پاک پر آفرین

خدا کرے ہماری خطا پوشی ہو۔

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے پیغامات پہنچاتے ہیں یہ جملہ مجرور المحل ہے اس سے کہ الذین خلوا من قبل کی صفت ہے اس سے ان حضرات کا پیغام رسالت مراد ہے جو امتوں کو پہنچایا اور رسالت بمعنے اللہ تعالیٰ سے ایک بندے کا پیام لے کر اس کے دوسرے بندوں کو پہنچانا یعنی بندوں کو مولیٰ کی خبر پہنچانا **وَيَخْشَوْنَهٗ** ہر امر و نہی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں بالخصوص ان اوامر و نواہی میں جو رسالت سے متعلق ہیں ان میں ایک حرف کی بھی کمی نہیں کرتے اور نہ ہی کسی ملامت گر کی ملامت سے گھبراتے ہیں **وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ** اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے خشیۃ کو صرف اللہ تعالیٰ پر منصور کرنا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تعریض ہے کہ آپ نے بی بی زینب کے نکاح کے معاملہ میں خلق خدا کی ملامت پھر ان کی تباہی کا خیال کیا۔

ف : انبیاء علیہم السلام کی خشیت عقاب سے اور اولیاء کرام کی حجاب سے اور عوام کی خشیت عذاب سے ہوتی ہے۔ کذا قال بعض الکبار۔

سوال : الاسئلۃ المقحمہ میں ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے جب صاف قرآن مجید میں موجود ہے کہ موسیٰ علیہ السلام غیر اللہ سے ڈرے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا :

لا تخف انك انت الاعلی۔

(نہ ڈر تو اعلیٰ ہے)

اور یعقوب علیہ السلام کے لیے سورۃ یوسف میں ہے :

انی اخاف ان یاکلہ الذئب۔

(مجھے ڈر ہے کہ اسے بھیڑیا نہ کھا جائے)

ایسے ہی ہمارے نبی علیہ السلام کو بھی خوف لاحق ہوا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا :

واللہ یعصمك من الناس۔

(اللہ تجھے لوگوں سے بچائے گا)

اور ایسے ہی دیگر انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی قرآن مجید میں ان کے واقعات میں صراحت ہے۔

جواب : انبیاء علیہم السلام کا عقیدہ یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی کسی کو نقصان یا نفع پہنچا سکتا ہے اس کے ارادہ و مشیت سے کوئی شے باہر نہیں۔ اور یہ بھی ان کا عقیدہ تھا کہ ہر کام قضاء و قدر الٰہی کے تحت ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہاں ان کے عقیدے کا اظہار کیا گیا ہے اور ان کے پختہ یقین و علم کے متعلق بتایا گیا ہے ورنہ خواص بشریت اور طبعی خلقت اور نتیجۂ حیوانیت یہی ہے کہ وہ ایسے ہی کہیں اور کریں جو اوپر مذکور ہوا۔

(فقیر اویسی کہتا ہے کہ جہاں ان کے نہ ڈرنے کا فرمایا وہاں ان کی اصلی فطرت مذکور ہوئی اور جہاں ان کے

خوف از غیر کا ذکر ہے وہاں ان کا ڈرنا اور خوف کرنا تعلیمِ اُمّت اور ان کے انجام کی وجہ سے ڈرنا ہوتا تھا،
والتفصیل فی التفسیر الاویسی فانظر ثمہ)

وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ○ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال کا حساب لینے والا کافی ہے۔

سبق : بندے پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حساب لینے سے پہلے اپنا حساب کر لے اور صرف اللہ سے ڈرے۔ نکاح کا معاملہ ہو یا کوئی اور۔ جب سب کو معلوم ہے کہ اس کی رضا نیکی میں ہے اور اسی کا ہی حکم فرماتا ہے۔

ف : مسواک، عطر، نکاح وغیرہ انبیاء علیہم السلام کی سنّت ہے آدم علیہ السلام سے لے کر بہشت میں داخل ہونے کے بعد تک صرف دو حکم دائمی ہیں :

(۱) ایمان

(۲) نکاح

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ جو زیادہ متقی ہوگا وہ زیادہ شہوتی ہوگا اس لیے کہ دراصل وہ شہوۃ حقیقت کی حرارت ہے یہ نارِ عشق سے دوسرے نمبر پر ہے اور حرارت میں عشق سے اول نمبر پر نورِ محبت ہے لیکن اہلِ حجاب و اہلِ شہود کی شہوت میں بہت بڑا فرق ہے۔ وہ اس لیے کہ جب اہلِ غفلت کی رگیں خون سے پُر ہوتی ہیں تو شہوت کا غلبہ ہوتا ہے اور اہلِ یقظہ کی رگیں نورِ الٰہی سے پُر ہوتی ہیں اور ظاہر ہے کہ نور کی طاقت و قوت خون سے بڑھ کر ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے ہدایت کے طالب ہیں اور شہوتِ نفسانی سے پناہ مانگتے ہیں۔

گستاخِ نبی کا قصہ

بعض مشائخ نے فرمایا کہ ہم کسی ایک بزرگ کی مجلس میں بیٹھے تھے ان میں ایک نے کہا کہ شہوت سے کوئی نہیں بچا، یہاں تک کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی (معاذ اللہ) اس کے استدلال میں فرمایا :

حبّب الیّ من دنیا کم من ثلاث الطیب والنساء وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ۔

(تمہاری دنیا میں مجھے تین چیزوں کی محبت دی گئی ہے : "

۱ - خوشبو

۲ - عورت

۳ - نماز میں آنکھوں کی ٹھنڈک)

حضور علیہ السلام پر تہمت نہ لگا اور حدیث کو تُو نے سمجھا ہی نہیں۔ آپ نے حبّب فرمایا ہے۔ یہ دلالت کرتا ہے کہ یہ محبت آپ کو حکمِ ربانی سے تھی ورنہ احببتُ فرماتے۔ اور جو شے منجانب اللہ ہو اس پر ملامت کرنا غلطی ہے۔ اس گستاخ کے اس کلمہ سے مجھے سخت رنج پہنچا۔ اس پر مجھے نیند آ گئی اور خواب میں مجھے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، غم نہ کھا، میں نے اس کا کام تمام کر ڈالا ہے۔ صبح کو معلوم ہُوا کہ اسے قتل کر دیا گیا ہے۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ جو شخص شریعت کے گھر سے معانی سمجھنا چاہتا ہے اسے چاہیئے فرائض کی ادائیگی کے بعد بکثرت نوافل پڑھے اگر ہو سکے تو بہت زیادہ (مشروع) نکاح کرے اس لیے کہ نفلی عبادات میں سے یہی افضل و اعلیٰ عبادت ہے اس لیے اس سے انسان کو پاکدامنی اور اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا السلام کی کثرت کا سبب نصیب ہوتا ہے اور محسوسًا و معقولاً ہر طرح سے یہی عبادت جامع ہے اور عالم کا علم ظاہری ہوتا ہے یا باطنی۔ اور یہ عبادت دونوں کو حاوی ہے۔ اسی لیے اس سے بڑھ کر اتم و اکمل اور کوئی عبادت نہ ہوگی اور حق تعالیٰ بھی انسان کی اسی عبادت سے بندہ کو محبوب تر رکھتا ہے اور ظاہر ہے جسے اللہ تعالیٰ محبوب بنا لے، وہی ولی اللہ ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ اہلِ قرآن (یعنی عاملِ قرآن) سے محبت کرتا ہے کہ وہ افضل العبادت ہے اور جو شخص اہلِ قرآن کی طرح اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے وہ لقائے حق کا مرکز اور اس کے استواء کا عرش اور اس کے نزول کا آسمان اور اس کے امر و نہی کی کرسی ہو جاتا ہے جب اس مرتبہ تک پہنچتا ہے تو اسے وہ تجلیات وغیرہ نظر آئیں گی جو اسے پہلے کبھی نظر نہیں آتی تھیں۔

ف : جس بزرگ کی مذکورہ بالا تقریر آپ نے پڑھی انہوں نے فرمایا کہ میں پہلے عورتوں کو مبغوض ترین مخلوق سمجھتا تھا اور جماع سے بھی سخت نفرت تھی اور سلوک کی منازل طے کرنے کی اثناء میں اٹھارہ سال میرا یہی حال رہا لیکن اس سے میرے دل میں خوفِ خُدا ہر طرف طاری رہتا تھا کہ میں اس مقبول عمل سے بغض رکھتا ہوں جو محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب عمل ہے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے دل میں اس کی فضیلت کا القاء ہوا تو مجھے یقین ہُوا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حبب الیّ من دنیاکم من ثلاث الخ فرما کر عورتوں کی محبت کا اظہار طبعی نفسانی نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور فرمان کی وجہ سے تھا۔ اسی وقت سے میرے دل میں عورتوں سے جتنی کراہت و نفرت تھی اس سے بڑھ کر ان سے محبت و پیار ہوگیا جو آج بحمدہٖ تعالیٰ میں تمام دوستوں سے زیادہ عورتوں پر شفیق ہُوں اور وُہ بھی محض طبعی و نفسانی طور پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کی عطا کردہ بصیرت کی وجہ سے۔

حکایت حضرت زکریا علیہ السلام کے دولت کدہ پر ایک جماعت حاضر ہُوئی، دیکھا کہ ان کے گھر میں نہایت حسین و جمیل عورت موجود ہے کہ جس کے حسن و جمال سے سارا گھر روشن ہے۔ انھوں نے پوچھا تُو کس کی عورت ہے؟ اس نے کہا، میں حضرت زکریا علیہ السلام کی اہلیہ ہُوں۔ اس جماعت نے حضرت زکریا علیہ السلام سے عرض کی، آپ نبی ہیں اور انبیاء علیہم السلام دنیا کی ہر شے سے بے نیاز ہوتے ہیں لیکن ہمیں یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ آپ نے ایک نہایت حسین و جمیل عورت سے نکاح کیا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا اس نکاح کی وجہ سے تو میں نے اپنی بُری نگاہ اور فرج کو زنا سے محفوظ کیا ہُوا ہے۔

سبق عورت نیک بخت اور حسین و جمیل جو انسان کی نیکی پر معاونت کرے وہ در اصل دنیوی شے نہیں، حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

۱ زن خوب و فرمان برد پارسا
کند مرد درویش را پادشا

۲ کہ خانہ آباد و ہمخوابہ دوست
خدا را ابر رحمت نظر سوئے اوست

۳ چو مستور باشد زن خوبروے
بدیدار او در بہشتست شوے

ترجمہ :(۱) عورت خوب رُو اور پارسا، مرد درویش کو بادشاہ بنا دیتی ہے۔
(۲) جس کا گھر آباد اور عورت خیر خواہ ہو اللہ تعالیٰ کی اس پر خاص نظرِ کرم ہے۔
(۳) جب عورت باپردہ اور خوبرو ہو اس کا دیدار مرد کے لیے بہشت ہے۔

مَاكَانَ مُحَمَّدٌ ابن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم۔

مسئلہ : اسلام کی طرف سے کسی پر واجب نہیں کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدگرامی اور دادا کا نام یاد رکھے بلکہ مسلمان ہونے کے لیے صرف آپ کا نامِ نامی اسمِ گرامی یاد رکھنا ضروری ہے۔ کما فی ہدایۃ المریدین للمولی اخی چلپی۔

حلِ لغات : محمود اسے کہا جاتا ہے جس کی حمد کی جائے اور محمد وہ جس کی بہت زیادہ حمد کی جائے بوجہ اس کی کثرت خصال محمودہ کے۔ (کذا فی المفردات)

تحقیق لفظ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شیخ زکریا شرح المقدمۃ الجزریہ میں لکھتے ہیں کہ لفظ محمد محمود کا بالغہ ہے۔ یعنی ہر وہ ذات جو عقاید و افعال و اقوال و اخلاق میں محمود ہو۔ اور یہ نام آپ کے دادا عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے منتخب فرمایا جو انہیں الہام ربانی سے معلوم ہوا۔ حسبِ دستورِ عرب آپ کا نام بھی ساتویں دن رکھا گیا۔ لوگوں نے کہا کہ آپ نے اپنے پوتے کا نام محمد کیوں رکھا جبکہ آپ کے آباؤ اجداد میں اس نام والا کوئی نہیں گزرا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں یہ نام رکھ کر اللہ تعالیٰ سے اُمید کرتا ہوں کہ ان کی آسمانوں اور زمینوں میں حمد ہو۔ چنانچہ حضرت عبد المطلب کی آرزو پوری ہوئی اور جس طرح کی نیک فال کا ارادہ کیا اسی طرح ہوا کہ آپ نہ صرف عام مخلوق محمود ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور جملہ انبیاء مرسلین علیہم السلام اور جملہ اہلِ ایمان آپ کے مدّاح اور ثناخواں ہیں اگر بعض بدبختوں کو آپ سے بغض و عداوت تھا اور ہے اور کفر کیا تو آپ کی محمودیت میں فرق نہیں پڑا (آج بھی بعض بدطینت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت سننا گوارا نہیں کرتے) بہر حال آپ ہر عاقل کے ممدوح ہیں بوجہ آپ کے شمائل مرغوبہ و خصائل محبوبہ کے۔

حضور علیہ السلام کا ایک ہزار نام جیسے اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار صفاتی نام ہیں ایسے ہی حضور علیہ السلام کے صفاتی اسماء ایک ہزار ہیں۔ اور وہ اسماء انہی صفات سے مشتق ہیں جو اسماء اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں (مثلاً اللہ کریم ہے تو آپ بھی کریم، اللہ رحیم ہے تو آپ بھی رحیم وغیرہ۔ اس معنے پر شرک بھی نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء بہ حیثیت خالق ہونے کے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمأ بہ حیثیت رسول ہونے کے۔ ایسے ہی سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت نور ہے تو آپ کی صفت بھی نور، اللہ تعالیٰ کی صفت حاضر و ناظر تو آپ کی صفت بھی۔ اللہ تعالیٰ کی صفت مشکل کشائی اور مدد دینے کی ہے تو آپ کی بھی۔ علمِ غیب اللہ تعالیٰ کی صفت ہے تو حضور علیہ السلام کی بھی۔ یہی ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے۔ چند صفات مثلاً خالقیت، رازقیت وغیرہ کے سوا باقی جملہ صفاتِ الٰہیہ مجازاً انہی صفات کا اطلاق حضور علیہ السلام پر جائز ہے لمرتفصیل فقیر اویسی غفرلہ کی کتاب "حاضر و ناظر میں دیکھئے) [لہ]

ف : جس اسم صفاتی سے حضور علیہ السلام کو موصوف کیا جائے گا وہ صفت بطریق کمال آپ میں موجود ہوگی۔ مثلاً آپ کی صفت ماحی ہے وہ اس لیے کہ آپ نے کفر مٹا کر فنا کر دیا یعنی کفر کا طریق کار آپ کی بعثت مبارکہ سے پہلے تھا اور آپ کی الحاشر وہ ذات کہ جس کے قدموں پر یعنی آپ کے مزار سے اٹھنے کے بعد لوگوں کو میدانِ محشر میں اٹھایا جائے گا۔ العاقب ہر وہ ذات جو دوسرے انبیاء علیہم السلام کے بعد مبعوث ہو۔

نکتہ دربارہ ختمِ نبوت آپ کے اسم گرامی کی ابتداء میں میم ہے اور یہ مخارج میں سب سے آخری مخرج ہے اس میں اشارہ ہے کہ آپ تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد تشریف لائیں گے ایسے ہی آپ کے میم سے معلوم ہوا کہ آپ کی بعثت چالیس سال کے بعد ہوگی، اس لیے کہ م کے اعداد چالیس ہیں۔

نکتہ دیگر امام نیشاپوری رحمہ اللہ نے فرمایا: آپ کے اسم گرامی "محمد" کے چار حروف ہیں اس میں اشارہ ہے کہ آپ ظاہراً و باطناً ذات حق کے موافق ہیں یہاں بھی یہی بات کہ آپ کے اسم گرامی "محمد" کے چار حرف، تو اللہ کے بھی چار ہیں۔ ایسے ہی لا الٰہ الا اللہ کے حروف بارہ، تو محمد رسول اللہ کے حروف بھی بارہ ہیں۔

چار یار نبی کے غمخوار اگر محمد رسول اللہ کے حرف بارہ ہیں تو ابوبکر الصدیق کے بھی بارہ۔ ایسے ہی عمر بن الخطاب کے بارہ، ایسے ہی عثمان بن عفان اور علی بن ابی طالب کے بارہ بارہ حروف۔ یہ اسی مناسبت تامہ کی طرف اشارہ ہے کہ یہ حضرات حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمہ کے عین مطابق اور کلی طور پر ان میں فانی ہیں۔

لہ اضافہ از اویسی غفرلہ

نسب چار یار بہ نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی چاروں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا نسب بھی حضور علیہ السلام کے نسب کے عین مطابق ہے۔ مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ اب الثانی میں اور حضرت عثمان پانچویں پشت میں اور حضرت ابوبکر ساتویں پشت میں اور حضرت عمر نویں پشت میں حضور علیہ السلام کے ساتھ ملتے ہیں[1]

نکتہ در حروفِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم حضور علیہ السلام کا اسم گرامی علیحدہ علیحدہ حروف کے لحاظ سے ۳۱۴ مرسلین کی گنتی پر حاوی ہے۔ مثلاً لفظ محمد میں تین میم ہیں بوجہ ادغام المیم فی المیم ان کی گنتی ۹۰ کو تین سے ضرب دینے پر ۲۷۰ حاصل ہوا۔ ایسے ہی حاء اور دال کو علیحدہ علیحدہ لیا گیا تو ان کے اعداد ۳۵ اور ۹ کو سابق عدد سے ملایا گیا تو کل ۳۱۴ ہوئے اور یہی رسل کرام علیہم السلام کی تعداد ہے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

۱ محمدت چون بلا نہایہ ز حق
یافت شد نام او ازان مشتق

۲ می نماید بچشم عقل سلیم
حرف حائش عیان میان دو میم

۳ چون رُخ حور کر کنارۂ او
گشتہ پیدا دو گوشوارۂ او

۴ یاد و حلقہ ز عنبرین مویش
آشکار از جانب رویش

۵ دال آن کز ہمہ فرو دنشست
دل بنازش گرفتہ بر سر دست

ترجمہ: (۱) حق تعالیٰ سے آپ کو بے شمار ثنائیں۔ اسی لیے آپ کا نام بھی حمد سے مشتق ہوا۔
(۲) چشم عقل سلیم سے نظر آتا ہے کہ دو میم کے درمیان حاء ہے۔
(۳) رُخ حُور کی طرح کہ اس کے دو کناروں پر گویا دو گوشوارے (بالیاں) ہیں۔
(۴) یا زلف عنبرین کے دو حلقے ہیں جو چہرہ کے دونوں جانب ظاہر ہیں۔
(۵) دال (محمد کی) جو سب سے نیچے ہے ہر دل کو اس کے ناز نے سر سے پکڑ لیا ہے۔

---

[1] اس سے شیعہ کا رد ہوا کہ وہ عوام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رشتہ دار سمجھتے ہیں لیکن باقی خلفاء کو غیر ثابت کرتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

فضائل اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے اپنا نام میری محبت اور میرے اسم سے تبرک حاصل کرنے کی نیت سے میرے نام پر "محمد" رکھا تو وہ اور اس کا بیٹا بہشت میں ہوں گے۔

(۲) جس کی عورت حاملہ ہو اور وہ نیت کرے کہ اس بچے کا نام محمد رکھوں گا تو اللہ تعالیٰ اسے لڑکا عطا فرمائے گا۔[1]

(۳) جس کی اولاد پیدا ہو کر مرجاتی ہو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاہدہ کرے کہ جو لڑکا پیدا ہوگا اس کا نام محمد رکھے گا تو وہ لڑکا عمر دراز پائے گا۔

(۴) جس طعام میں محمد نام والے شخص کو شریک کرکے کھایا جائے اس طعام میں برکت ہوگی۔

(۵) جس معاملہ میں محمد نام والے شخص سے مشورہ لیا جائے اس کام میں برکت ہوگی۔

سلطان محمود کا ادبِ رسول

مجمع اللطائف میں ہے کہ ایاز کے بیٹے کا نام محمد تھا اور محمود غزنوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ملازم تھا ایک دن محمود پاخانہ میں جا رہا تھا تو فرمایا کہ ایاز کے بیٹے سے کہو پانی لائے۔ ایاز نے جب یہ بات سنی تو متفکر ہوا کہ نہ معلوم میرے لڑکے سے کون سا گناہ سرزد ہوا کہ آج بادشاہ نے اس کے نام کے بجائے پسرِ ایاز سے یاد کیا۔ بادشاہ وضو کرکے جب فارغ ہوا تو ایاز کو متفکر پایا۔ کہا کہ آج میں تجھے غمگین پاتا ہوں اس کی کیا وجہ ہے؟ ایاز نے نیاز بجا لا کر کہا کہ آپ نے آج میرے بیٹے کے نام کے بجائے پسرِ ایاز کہا اس سے مجھے فکر لاحق ہوئی ہے کہ اس نے کہیں آپ کی شان میں گستاخی نہ کی ہو۔ تبسم کرکے بادشاہ نے کہا اے ایاز! وجہ یہ تھی کہ میں بے وضو تھا، بے وضو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام لینا گوارا نہ تھا اور شرم محسوس کی کہ آقا کے نام کو بلا وضو زبان پر لاؤں۔ چونکہ یہ نام آقائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کا نشان ہے اسی لیے ہمیشہ وضو کرکے لیتا ہوں۔[2] ؎

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب
ہنوز نام تو بردن ادب نمی دانم

---

[1] فقیر اویسی غفرلہٗ کا تجربہ ہے کہ حاملہ عورت کے پیٹ پر چالیس روز تک بلا ناغہ انگلی سے شوہر مندرجہ ذیل عبارت لکھے تو ان شاء اللہ لڑکا پیدا ہوگا:

ان کان ھذا ولدًا فاسمیہ محمدًا۔

پھر بچے کا نام محمد رکھا جائے اور میلاد شریف بھی کیا جائے۔ تفصیل کے لیے فقیر کی کتاب "شہد سے میٹھا محمد نام" دیکھیے۔ اویسی غفرلہٗ

[2] مزید واقعات دیکھیے فقیر کی کتاب "با ادب بانصیب" میں۔

ترجمہ: اگرچہ مشک وگلاب سے ہزار بار اپنا منہ دھوؤں تب بھی محبوب کا نام لینا ادب کے خلاف سمجھتا ہوں۔

اسمِ محمد چومنے کی برکت مروی ہے کہ ایک بنی اسرائیلی ایک سو سال غلط کاریوں میں مبتلا رہا جب مرا تو اسے گھسیٹ کر مزبلہ پر پھینک دیا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو پیام بھیجا کہ اسے نہلا دُھلا کر اس کی نمازِ جنازہ پڑھیے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: یا الٰہ العٰلمین! تمام بنی اسرائیل گواہی دیتے ہیں کہ اس نے ایک سو سال نافرمانیوں میں گزارا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بات واقعی ایسے ہی ہے لیکن اس کا ایک کام مجھے پسند آگیا ہے کہ تورات کھول کر جونہی اسمِ محمد کو دیکھتا تھا اسے چوم کر آنکھوں سے لگاتا تھا اس کے بدلے میں میں نے اُسے بخش دیا اور ستر حوریں اس سے بیاہ دیں[1]۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! جہاں چاہو جاؤ تم منصور (فتح یاب) ہو گے۔

آبَا اَحَدٍ (کسی ایک کے باپ نہیں)

شانِ نزول جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی زینب کی عدت ختم ہونے پران سے نکاح کیا تو منافقین نے شور مچایا کہ بہو سے نکاح حرام ہے تاہم نبی علیہ السلام نے حرام فعل کا ارتکاب کیا ہے (نعوذ باللہ)۔ اہلِ عرب کے دستور کے مطابق اُس وقت منہ بولے بیٹے کی زوجہ سے نکاح حرام سمجھا جاتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس قانون کو تبدیل کرتے ہُوئے ان کے رد میں یہی آیت نازل فرمائی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک کے باپ نہیں مِنْ رِّجَالِكُمْ تمہارے مردوں میں یعنی نسب و ولادت کے لحاظ سے۔ جب مردوں میں کسی ایک کے باپ نہیں تو پھر ان کے اور حضرت زید کے درمیان حرمتِ مصاہرت کیسی۔

سوال: آپ کے تین بیٹے طاہر، قاسم، ابراہیم تو تھے پھر ابوت کی نفی کیوں؟

جواب: وہ سنِ رجولیت کو نہیں پہنچے تھے اس لیے کہ رجل اسے کہتے ہیں جو سنِ بلوغ کو پہنچے۔ آپ کے صاحبزادے سنِ بلوغ تک پہنچنے سے پہلے فوت ہوگئے۔ اور اگر وہ سنِ بلوغ تک پہنچ بھی جاتے تب بھی رجالہٗ سے ہوتے من رجالکم پھر بھی اپنے عموم پر رہے گا۔

سوال: حضرت حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی حضور علیہ السلام کے بیٹے کہلاتے تھے۔

جواب: وہ مجازاً بیٹے کہلاتے تھے۔ علاوہ ازیں آیت کے نزول کے وقت وہ نابالغ بچے تھے۔

ف: الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ازل سے معلوم تھا کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد کا سلسلہ نہیں چلے گا بلکہ آپ کی صاحبزادی کا سلسلہ جاری ہوگا۔ اسی لیے فرمایا من رجالکم۔ اس معنے پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہوگا کہ جیسے آپ نے فرمایا ویسے ہی ہوا۔

---

[1] تاریخ الخمیس، خصائص کبریٰ وغیرہ۔ اس کی مزید تفصیل فقیر کے رسالہ "انگوٹھے چومنے کا ثبوت" میں دیکھیے۔ اویسی غفرلہٗ

ف : صحیح یہ ہے کہ آپ کے صرف تین صاحبزادے تھے :

(۱) قاسم

اسی نام سے آپ کی کنیت ابوالقاسم تھی کیونکہ یہی پہلے پیدا ہوئے تھے۔ دوسال کے بعد بعثت سے پہلے مکہ معظمہ میں فوت ہوئے۔

(۲) عبداللہ

انہیں الطیب ، الطاہر بھی کہا جاتا ہے یہ بعثت کے بعد رضاع کے دور میں مکہ معظمہ میں فوت ہوئے۔ اور یہ دونوں (قاسم وعبداللہ) بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئے۔

(۳) ابراہیم

یہ بی بی ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت ذی الحجۃ ۸ھ میں ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتویں دن ان کا عقیقہ کیا اور دو دنبے ذبح کیے اور سر مُنڈوایا اور بالوں کے برابر چاندی مسکینوں میں صدقہ کی اور حکم فرمایا کہ ان کے بال دفن کیے جائیں۔ حضرت ابراہیم مدتِ رضاعت میں اٹھارہ ماہ کے ہوکر فوت ہوئے اور بقیع میں دفن ہوئے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر کے کنارے بیٹھے ، قبر پر پانی چھڑکا اور قبر پر ایک نشان لگوایا اور تلقین بھی فرمائی۔ تلقین کے الفاظ یہ ہیں:

یا بنی قل اللہ ربی و رسول اللہ ابی والاسلام دینی۔

(اے بیٹے ! کہو اللہ میرا رب ہے اور رسول اللہ میرے والد اور اسلام میرا دین ہے)

مسئلہ : اس سے بعض ائمہ نے ثابت کیا کہ چھوٹے بچوں سے بھی قبر میں سوال ہوگا اور مرنے کے بعد ان کی عقول کی تکمیل ہوتی ہے جس سے ان کی تلقین بھی مسنون ہے۔

(۲) بعض ائمہ نے فرمایا کہ چھوٹے بچوں سے قبر میں سوال نہ ہوگا اس لیے کہ سوال صرف بالغین سے مخصوص ہے

قاعدہ : امام سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تلقین کی کوئی صحیح اور حسن حدیث نہیں ، ہاں ضعیف روایات ہیں اور اس پر جملہ محدثین کا اتفاق ہے (وہابیہ دیوبندیہ اس قاعدہ کو پڑھ کر کچھ تو سمجھیں اگر حضور علیہ السلام کا نام سن کر انگوٹھے چومنے کی روایات ضعیف ہیں تو بھی قابلِ عمل ہیں جیسے یہ روایت ضعیف ہے لیکن ہے قابلِ عمل)[1]

بدعتِ حسنہ اسی لیے جمہور امت کے نزدیک تلقین بر قبر بدعتِ حسنہ ہے (غور کیجئے باوجودیکہ احادیثِ ضعیفہ سے تلقین ثابت ہے لیکن اسے بدعتِ حسنہ کہا جا رہا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ محدثین اپنی اصطلاح میں جس مسئلہ کے لیے بدعت کہتے ہیں ضروری نہیں کہ وہ واقعی بدعت ہو) عزّ الدین بن عبدالسلام کا بھی یہی فتویٰ ہے (تلقین مستحب ہے) ابن الصلاح اور اس کی تبع میں نووی نے اسے مستحب کہا ہے

---

[1] اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی تصنیف "منیر العین" ملاحظہ ہو۔ اویسی غفرلہٗ

اس لیے کہ یہ حدیث ضعیف سے ثابت ہے اور احادیث ضعیفہ پر فضائلِ اعمال میں عمل کرنا جائز ہے۔ (یہ قاعدہ ہم اہلسنت بتائیں تو وہابی دیو بندی نہ مانیں لیکن انہیں چاہیے کہ اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ کی تو مانیں) یہاں پر امام سبکی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اپنے صاحبزادے کے بارے میں تلقین النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی اصل نہیں یعنی حدیث صحیح یا حسن نہیں۔ کذا فی انسان العیون۔ سوال قبر اور تلقین کی بحث سورۂ ابراہیم میں آیہ ویثبت اللہ الذین آمنوا کے تحت گزری ہے۔

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ الرسول، المرسل کا ایک معنیٰ ہے ارسلت فلانا فی رسالۃ فھو مرسل ورسول۔

ف: القہستانی میں ہے الرسول فعول کے وزن پر ہے۔ مرسل کے معنے میں مبالغہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ المفعل بروزن لضم المیم وفتح العین بمعنے ذی رسالۃ، یہ الارسال کا اسم ہے اور اس وزن پر صیغہ اسی باب سے اسی معنی کے لیے بہت کم واقع ہوتا ہے۔

رسول کی شرعی تعریف شریعت میں ہے ھو من بعث لتبلیغ الاحکام ملکًا کان او انسانا (رسول وہ ہے جو تبلیغ احکام کے لیے مبعوث ہوں وہ فرشتہ ہو یا انسان)

رسول و نبی میں فرق رسول عام ہے فرشتہ ہو یا انسان۔ اور نبی کی بھی وہی تعریف ہے جو مذکور ہوئی لیکن وہ مخصوص ہے صرف انسان کے لیے۔ فرشتے کو نبی نہیں کہا جائے گا۔ یہی فرق اہلِ اسلام کا معتمد علیہ ہے۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور ہر رسول اپنی امت کا معنوی باپ ہوتا ہے لیکن حقیقی باپ کے لحاظ سے نہیں بلکہ مجازی معنے پر، بمعنے شفیق و ناصح، اور ان کی ابدی حیات کا سبب، اسی معنے پر ان کی طاعت واجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر نبی علیہ السلام کی ازواج اُمت پر حرام ہوتی ہیں اس لیے کہ وہ امت کی مائیں ہوتی ہیں اور یہ بھی تعظیم و تکریم میں داخل ہے۔

اس تقریر سے ثابت ہوا کہ جب زید حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے کوئی تعلقِ ولادت نہیں رکھتے اور ہیں بھی رجل من رجالکم، تو پھر ان کی زوجہ سے اگر نبی علیہ السلام نے نکاح کر لیا تو کون سا حرج ہوا۔ باقی رہا متبنیٰ ہونا یہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا سوائے اس کے کہ اسے بوجہ قرب و اختصاص کے منہ بولا بیٹا کہا گیا ہے ورنہ اسے نسب سے تو کوئی تعلق نہیں۔

نکتہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو ہمارا باپ اس لیے نہیں کہا کہ اگر باپ کہتا تو جیسے آپ کی ازواج اُمت پر حرام ہیں ایسے ہی امت کی بیٹیوں کا آپ کے ساتھ نکاح ناجائز ہوتا اس لیے کہ اُمت اولاد ہو جاتی اور اولاد کے ساتھ نکاح ناجائز ہوتا ہے حالانکہ نبی پر اُمت کی بیٹیوں سے نکاح جائز ہونا چاہیے۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ اگرچہ ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے ابوت کی نفی فرمائی ہے لیکن حضور علیہ السلام امت پر باپ سے بھی زیادہ شفیق اور رحیم و کریم ہیں۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

حدیث شریف انا لکم مثل الوالد لولدہ۔

(میں تمہارے لیے بمنزلہ باپ کے ہوں)

ف : علماء کرام نے فرمایا : حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اُمت پر باپ سے زیادہ شفیق تھے۔

نکتہ : حضور علیہ السلام کو اُمت کا باپ نہ کہنا اللہ تعالیٰ کے اسرارِ نہانی میں سے ایک اعلیٰ راز ہے وہ یہ کہ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ جباری و قہاری دکھائے گا تو ہر ایک کے رشتے اور نسب منقطع ہو جائیں گے یہاں تک کہ باپ بیٹے سے بھاگے گا۔ کما قال :

یوم یفر المرء من اخیہ و امہ و ابیہ و صاحبتہ و بنیہ۔

مثلاً حضرت آدم علیہ السلام سب کے باپ ہیں تو وہ بھی کہیں گے اے الٰہ العالمین! مجھے چھوڑ دے میری اولاد جانے اور تُو۔ ایسے ہی نوح علیہ السلام، ایسے ہی ابراہیم علیہ السلام، ایسے ہی موسیٰ و عیسیٰ و دیگر پیغمبرانِ عُظّام علیہم السلام کہیں گے۔ قیامت کی سختی سے تمام انبیاء علیہم السلام نفسی نفسی پکاریں گے اور اپنی اولاد اور اُمت سے دُور بھاگیں گے اور اپنی نجات کے لیے اللہ تعالیٰ سے بار بار عرض کریں گے لیکن ایک محمد عربی مصطفےٰ مدنی صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے جو رحمت و شفقت کے طور کہیں گے "یا اللہ! میری اُمت کمزور اور عاجز و ضعیف ہے۔ عذاب کی طاقت اور عقاب کی قوت کی حامل نہیں ہے تو اس پر رحم فرما اور اسے بخش دے اور اس کے بدلے میں میرے ساتھ جو کچھ کرنا ہے کر لے"

اسی معنے پر جب باپ بیٹے سے رشتہ منقطع کر لے گا بلکہ باپ بیٹے سے بیٹا ہونے کا انکار کرے گا۔ بس ایک یہی کریم ہوگا جو سب کو گلے لگائے گا اور اتنی شان و قدر بڑھائے گا کہ دوسری اُمتوں کے لیے انہیں گواہ بنایا جائے گا۔ کما قال :

لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا۔

وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ عاصم نے بفتح التاء پڑھا ہے بمعنے ختم کا آلہ یعنی وہ شے جس کے ساتھ مُہر لگائی جائے جیسے طابع بمعنے ما یطبع بہ (وہ شے جس سے مہر لگائی جائے)

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وہ ذات ہیں جس سے انبیاء علیہم السلام کی نبوت پر مُہر لگا دی گئی کہ ان کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا آپ پر نبوت ختم ہو گئی۔ اور دوسرے قرّاء نے اسے بالکسر پڑھا ہے بمعنے نبیوں کے خاتم۔ پہلے اور اس دُوسرے کا ایک ہی مطلب ہے۔ المفردات میں ہے

کہ آپ اس لیے خاتم النبیین ہیں کہ آپ کے تشریف لانے سے ہر قسم کی نبوت ختم ہو گئی۔ (مرزا قادیانی کی ظلی بروزی نبوت کا دعوٰی خرافات ہیں) اگر آپ کا کوئی صاحبزادہ سن بلوغ کو پہنچتا تو آپ خاتم النبیین نہ ہوتے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ اگر ابراہیم حضور کا صاحبزادہ زندہ رہتا تو نبی ہوتا۔ یہ اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کی اولاد نبوت کی وراثت سنبھالتی رہی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر احسانِ عظیم تھا لیکن ہمارے حضور علیہ السلام کے وارث آپ کی امت کے علماء باعمل ہیں لیکن ازروئے ولایت آپ کے خاتم ہونے کی وجہ سے وراثت ختم ہو گئی۔

سوال : عیسٰی علیہ السلام قربِ قیامت میں تشریف لائیں گے۔ اس اعتبار سے حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام خاتم النبیین نہ ہوئے۔

جواب : چونکہ وہ ایک اُمتی ہونے کی حیثیت سے نازل ہوں گے اس لیے آپ کی ختم نبوت میں فرق نہیں آتا اور وہ حضور علیہ السلام کے نائب ہو کر احکامِ اسلام کی ترویج فرمائیں گے۔ یہ ایسے ہے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور علیہ السلام نے فرمایا :

انت منی بمنزلة هارون من موسٰی الا انه لا نبی بعدی۔

(اے علی! تم میرے ایسے نائب ہو جیسے ہارون علیہ السلام موسٰی علیہ السلام کے نائب تھے صرف یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے)

اسی معنی پر عیسٰی علیہ السلام نبی بن کر نہیں آئیں گے جیسے وہ پہلے زمانے میں نبی تھے ہاں حضور علیہ السلام کی شریعت پر نازل ہوں گے یہی وجہ ہے کہ وہ کعبہ معظمہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں گے۔ گویا آپ کے ایک امتی ہوں گے اس دوران نہ ان پر وحی نازل ہوگی نہ جدید احکام جاری فرمائیں گے بلکہ وہ حضور علیہ السلام کے خلیفہ اور نائب ہوں گے۔

سوال : احادیث میں وارد ہے کہ جب قربِ قیامت میں عیسٰی علیہ السلام تشریف لائیں گے تو صلیب توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے حلال میں اضافہ فرمائیں گے اور کافروں سے جزیہ اٹھالیں گے اور صرف اسلام قبول کریں گے۔

جواب : یہی احکام شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ہیں لیکن ان کا ظہور عیسٰی علیہ السلام کے زمانۂ اقدس میں ہوگا اس لیے کہ ان احکام کو انہی کے زمانہ سے مقدر فرمایا گیا تھا۔

ف : خاتم النبیین میں اشارہ ہے کہ آپ اُمت کے شفیق ہیں اور امت پر ان کی تعظیم ضروری ہے اس لئے کہ جس کے بعد اور نبی آنے والا ہو تو وہ بعض احکام اسی کے لیے چھوڑ دیتا ہے کیونکہ وہ اس آنے والے نبی کے لیے مقدر ہوتے ہیں۔ جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو وہ اپنی امت کے لیے شفیق تر ہے اور وہ ہر طریقے سے ان کی رہبری فرماتا ہے ؎

شمسۂ نُہ مسند و ہفت اختران
ختم رسل خواجۂ پیغمبران

ترجمہ : نُو مسند اور سات ستاروں کے سورج ، رسل کے خاتم ، پیغمبروں کے سردار۔

(نظم)

۱ احمد مرسل کہ نوشتۂ قلم
حمد بنام وی و حم ھم

۲ . چون شدہ او مظہر اللہ ھاد
در رہ ارشاد وجودش نہاد

۳ جملۂ اسباب. ھدیٰ از خدا
کرد بتقریر بدیعش ادا

ترجمہ :(۱) وہ احمد مرسل کہ جس وقت قلم نے ان کا نام لکھا تو حمد اور حم ان کے نام سے منسوب ہوئی۔
(۲) آپ اللہ ہادی کے مظہر ہیں راہِ ہدایت وارشاد میں آپ کا وجود مظہر حق ہے ۔
(۳) ہدایت کے جملہ اسباب اللہ تعالیٰ سے ہیں جسے آپ کی ادا نے بہتر طریق سے واضح کیا۔

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ○ اور وہ ہر شے کو جانتا ہے اس کے علم میں تھی کہ حضور علیہ السلام خاتم النبوۃ ہوں گے ۔ یہ اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا تھا۔

مسئلہ : ابن کثیر نے لکھا کہ حضور علیہ السلام کا خاتم ہونا نص قطعی ہے جب آپ کے بعد کوئی نبی نہیں تو رسول کا نہ ہونا بطریقِ اولیٰ ثابت ہوا اس لیے کہ مقامِ رسالت مقامِ نبوت اخص ہے اس لیے ہر رسول نبی ہوتا ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔

فضائل سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم احادیثِ متواترہ سے ثابت ہے کہ آپ کو رسول بنا کر بھیجنا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے پھر انھیں خاتم النبوۃ کے مرتبہ سے مشرف فرمایا، اور اپنی کتاب میں درج فرمایا اور احادیث متواترہ میں بتایا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور کوئی بعد کو نبوت کا دعویٰ کرے وُہ جھوٹا ، بہتانی ، دجال ، گمراہ اور گمراہ کنندہ ہے (جیسے مرزا قادیانی وغیرہ) اگرچہ خرقِ عادت کے طور جھوٹے معجزے اور شعبدے دکھائے اور قسم قسم کے جادو اور طلسم اور رنگا رنگ بازی دکھائی اس لیے کہ ان امور سے نبوت ثابت نہیں ہوتی بلکہ اہلِ دانش کے نزدیک گمراہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اسود عنسی کے ذریعے یمن میں اور مسیلمۃ الکذاب سے یمامہ میں احوال فاسدہ واقوال باردہ ظاہر فرمائے لیکن اسے اہلِ علم اور دانشمندوں نے سراسر جھوٹ اور کذب کہا اللہ تعالیٰ کی ان پہ لعنت ہو۔ اسی طرح ہر جھوٹے مدعیِ نبوت پر قیامت تک لعنت ہو ۔ یہی وجہ ہے کہ مسیح دجال بہت بڑے امورِ خرقِ عادت کے طور پر دکھائے گا تب بھی

علماءُ اور جملہ اہلِ ایمان اس کی تکذیب کریں گے۔

کافروں کے لیے ختمِ نبوت کی تمثیل جب آیہ خاتم النبیین نازل ہوئی تو کافروں نے کہا کہ نبوت کا دروازہ کیسے بند ہوگیا حضور علیہ السلام نے انہیں مثال دے کر سمجھایا تاکہ وہ اسے اچھی طرح سمجھ سکیں۔ چنانچہ فرمایا کہ میری اور مجھ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کی مثال اس شخص کی ہے جس نے ایک بلڈنگ بنائی اسے اچھی طرح سنوارا لیکن اس نے ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ اس بلڈنگ کے اردگرد پھیرے اس کا زیب وزینت دیکھ کر تحسین و آفرین پڑھی۔ لیکن کہا کہ اگر ایک اینٹ والی جگہ خالی نہ ہوتی تو مکان بے نظیر تھا سمجھو تو اسی اینٹ کی مثال میری ہے اور میں ہی خاتم النبیین ہوں۔

شیعہ کا جھوٹا عقیدہ شیعوں کا ایک فرقہ ہے جو کہتا ہے کہ نبوت تا قیامت جاری رہے گی۔ یہ وراثتاً پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ملی اس کے بعد آپ کی اولاد کو اسی لیے لوگوں پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت فرض ہے اور جو ان کی اطاعت سے انکار کرے گا وہ ان کے نزدیک کافر ہے۔ (ہمارے دور کے شیعہ کچھ اسی عقیدہ کے پیروکار ہیں کہ صحابہ کرام بالخصوص حضرت ابوبکر و عثمان و عائشہ و معاویہ وغیرہم رضی اللہ عنہم کو کافر کہتے ہیں۔ تفصیل فقیر اویسی غفرلہٗ کی کتاب "آئینۂ شیعہ مذہب" میں ہے)

اہلِ سنّت والجماعت کا سچا عقیدہ اہلِ سنّت والجماعت (کثرہم اللہ تعالیٰ) کا عقیدہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ کما قال:

ولٰکن رسول اللہ و خاتم النبیّین۔

اور حضور علیہ السلام نے فرمایا:

لا نبی بعدی۔

مسئلہ: جو حضور علیہ السلام کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے وہ کافر ہے اس لیے کہ اپنے اس جھوٹے دعوے میں نصِ قطعی کا منکر ہے۔ اسی طرح جو شخص ختمِ نبوّت کے متعلق شک کرے یا منکر کے کفر میں شک کرے وہ کافر ہے اس لیے حق اور باطل کا امتیاز واضح ہوچکا ہے۔

مسئلہ: جو حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ باطل ہے اور اس کے کفر میں کسی قسم کا شک نہیں۔

حکایت حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فتویٰ جاری فرمایا کہ جو اس جھوٹے مدعی سے معجزہ کا طالب ہوگا وہ بھی کافر ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: لا نبی بعدی۔ (کذا فی المناقب الامام)

ف: حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ نے الفتوحات المکیہ میں لکھا کہ نمازی نماز میں اپنے اوپر سلام نماز کے وقت حرفِ عطف نہیں لاتا، مثلاً صرف السلام علیك الی ان قال السلام علینا الخ کہتا ہے والسلام علینا نہیں کہتا اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر واؤ عاطفہ لائی جاتی تو اس میں وہم گزرتا کہ وہ اپنے اوپر بحیثیت نبوت کے سلام عرض کر رہا ہے حالانکہ نبوت کا وہم بھی نہیں کیا جا سکتا اور نبوت کا دروازہ قیامت تک اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کے ذریعے سے بند کر دیا۔

ردّ وہابیہ دیوبندیہ: اس سے ثابت ہُوا کہ ہمارے اور نبی علیہ السلام کے درمیان کوئی مناسبت نہیں اس لیے کہ وہ ایک ایسے مرتبہ پر ہیں جہاں ہمارا پہنچنا ممتنع ہے اسی لئے ہم صرف السلام علینا کہہ سکتے ہیں السلام علیك پر عطف سے والسلام علیك نہیں کہہ سکتے اور مقام بلندی وہ بلند مقام ہے کہ جہاں کا داخلہ ہم سب کے لیے ممنوع ہے اور ہم صرف دُور سے ایسے دیکھ سکتے ہیں جیسے ہم زمین سے ستاروں کو اور اہلِ بہشت اعلیٰ علیین والوں کو دیکھتے ہیں۔

حکایت: سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہٗ کو مقامِ نبوت کی تجلی سے سُوئی کے ناکہ برابر کچھ نصیب ہوا تو جل کر راکھ ہو گئے اگرچہ انھیں اس مقام میں داخل ہونے کا موقعہ بھی نہ ملا۔

تقریر ختمِ نبوت از جامی قدس سرہٗ: مولانا عارف جامی قدس سرہٗ نے شرح فصوص الحکم میں فرمایا کہ حضور علیہ السلام کے بعد تشریعی و غیر تشریعی ہر کام کا کوئی نبی نہیں آسکتا تشریعی وُہ نبی ہو سکتا ہے جو مستقل نبوت رکھتا ہو احکامِ خداوندی کسی کی متابعت میں نہ لائے بلکہ براہِ راست اسے اللہ تعالیٰ سے احکامِ شرعیہ ملے ہوں جیسے موسیٰ و عیسیٰ و حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اور غیر تشریعی وُہ ہے جو سابق نبی علیہ السلام کے احکامِ شرعیہ کی متابعت میں اظہارِ نبوت فرمائے جیسے بنی اسرائیل کے بعض انبیاء کہ وُہ موسیٰ علیہ السلام کے احکامِ شرعیہ کے اجراء کے پابند تھے (اس سے قادیانی دجال کا رد ہو گیا جو اپنی نبوتِ تشریعی کا جھوٹا مدعی ہے)

مسئلہ: اس سے ثابت ہُوا کہ ہر طرح کی نبوت و رسالت کا سلسلہ تا قیامت منقطع ہے رسول خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم۔ ہاں لغوی لحاظ سے جسے انباءُ الحق واسمائہٖ وصفاتہٖ و اسرار الملکوت والجبروت و عجائب الغیب تعبیر کیا جاتا ہے وہ قیامت تک جاری رہے گا کیونکہ یہ سلسلۂ ولایت ہے اور اس لغوی انباء کا نام الہام ہے اس لیے ولایت نبوت کی طرح حق تعالیٰ سے اتصال کا دوسرا نام ہے اور تا قیامت جاری رہے گا۔

(مرزائی اس قسم کی عبارات پیش کر کے قادیانی کذاب کی نبوت ثابت کرتے ہیں حالانکہ یہ مسلّم مسئلہ ہے اس سے کس کو انکار ہے تو ہمیں قادیانی کی نبوت کے دعوے کا ہے اور اس کی ان اصطلاحات کا جو نبوت
[illegible] ... امہات المومنین اور ساتھیوں کو صحابہ وغیرہ کہلانا اور اپنے کو نبی وغیرہ

اگر وہ صرف الہام کا مدعی ہوتا اور اصطلاحاتِ نبوت اپنے اُوپر رائج نہ کرتا تو ممکن ہے ہم اسے ولی اللہ مان لیتے۔ لیکن جب اس نے حد سے تجاوز کیا ہم اسے دجال وکذاب ولعین ورجیم کہتے ہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ اولیسی غفرلہٗ)

ردِّ وہابیہ

فقیر (اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو نور تھے:

۱۔ نورِ نبوت

۲۔ نورِ ولایت

جب وہ اس عالم سے عالم برزخ کی طرف منتقل ہوئے تو نورِ نبوت آپ کی شریعتِ مطہرہ میں منتقل ہُوا" جو بفضلہٖ تعالیٰ آپ کی شریعت پائندہ ہے اور آپ بحمدہٖ تعالیٰ ہمارے ہاں تا حال زندہ ہیں آپ پر موت وارد ہوئی لیکن پھر تا قیامت زندہ ہیں (تفصیل فقیر کے رسالہ "حیات الانبیاء" میں دیکھئے)[1]

---

[1] حیات الانبیاء کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام اجسادِ طاہرہ کے ساتھ زندہ بہ حیاتِ حسّیہ ہیں۔ اس کے دلائل فقیر کی کتاب "حیات الانبیاء" میں ہیں۔ یہاں حدیث رد اللّٰہ علی روحی سے بعض لوگ شبہ کرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ میری توجہ درود شریف پڑھنے والے کی طرف متوجہ کرائی جاتی ہے کیونکہ حدیث میں رد اللّٰہ علی روحی حال واقع ہو رہا ہے۔ معلوم ہُوا کہ باقی روایات میں "قد" مقدر ہے۔ علامہ خفاجی نے "شرح شفا" میں سہیلی سے نقل کیا ہے کہ الا کے بعد قد مقدر کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ماضی الا کے بعد قد کے بغیر بھی حال واقع ہو سکتا ہے۔ اب حدیث شریف کا معنیٰ یہ ہوگا کہ کوئی بندہ مجھ پر درود نہیں بھیجتا مگر اس حالت میں کہ اللہ تعالیٰ نے میری روح کو رد کر دیا ہوتا ہے، تو میں سلام کا جواب دیتا ہُوں رد روح کی حالت کا استثنا' اس لیے کیا گیا ہے کہ روح کا لوٹانا موقوف علیہ ہے سلام کے جواب کے لیے۔ اور موقوف علیہ موقوف پر مقدم ہوتا ہے۔ اور روح کے لوٹانے کے بعد دائمی حیات نہ ہوگی نہ کہ روح پھر سلب کر لی جائے گی۔

دوسرے جوابات معنی سے تعلق رکھتے ہیں جو علمائے حقانی نے متعدد وجوہ سے بیان فرمائے ہیں۔ مثلاً:

(۱) علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ مواہب اللدنیہ میں فرماتے ہیں:

منها ان ذٰلك عبارة عن اقبالٍ خاصٍ والتفاتٍ روحانيٍ يحصل من الحضرة النبوية الى عالم الدنيا وقوالب الاجساد الترابية وتتنزل الى دائرة البشرية حتى يحصل عند ذٰلك رد السلام وهذا الاقبال يكون عامًا شاملا حتى لوكان المسلمون اكثر من الفِ الفِ الفٍ لوسعهم ذٰلك الاقبال النبوي والالتفات الروحاني ولقد رأيت ما لا استطيع ان اعبر عنه ولقد احسن من سئل

بقیہ حاشیہ آگے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)
كيف يرد النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على من يسلم عليه من مشارق الارض ومغاربها فانشد قول ابي الطيب:

كالشمس في وسط السماء ونورها
يغشى البلاد ومشارقا ومغاربا

ولا ريب ان حاله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في البرزخ افضل واكمل من حال الملائكة هذا وسيدنا عزرائيل عليه السلام يقبض مائة الف روح في آنٍ واحد ولا يشغله قبض عن قبض وهو مع ذلك مشغول بعبادة الله تعالىٰ مقبل على التسبيح والتهليل فنبيّنا صلى الله تعالىٰ عليه وسلم حيٌّ يصلي ويعبد ربهٗ ويشاهده لا يزال في حضرة اقترابه متلذذ بسماع خطابه۔

(ترجمہ: ردّ روح کا معنی خاص توجہ اور روحانی التفات ہے جو دربارِ نبوی سے عالمِ دنیا اور عالمِ اجساد کی طرف حاصل ہوتی ہے حتّٰی کہ آپ سلام کا جواب دیتے ہیں۔ یہ توجہ عام اور شامل ہے حتّٰی کہ اگر سلام بھیجنے والے لاکھوں سے بھی زیادہ ہوں تو ان کے لیے کافی ہے۔ میں نے وہ کچھ دیکھا ہے کہ بیان نہیں کر سکتا۔ بعض حضرات سے جب پوچھا گیا کہ سلام بھیجنے والے تو مشرق و مغرب میں ہوتے ہیں تو آپ ان سب کو کس طرح جواب دیتے ہیں تو انھوں نے کیا خوب جواب دیا انھوں نے جواب میں متنبی کا شعر پڑھ دیا (جس کا معنیٰ یہ ہے)

گو کہ سورج آسمانوں میں ہے اس کی روشنی مشرق و
مغرب تک شامل ہے سب کو بالیقین۔

بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حال شریف عالمِ برزخ میں فرشتوں کے حال سے اعلیٰ اور اکمل ہے۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام آنِ واحد میں لاکھوں کی رُوحیں قبض کرتے ہیں۔ انھیں اس میں کچھ رکاوٹ نہیں ہوتی۔ اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے ہیں۔ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں، نماز ادا کرتے ہیں، اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے قربِ خاص میں رہتے ہیں اور اس کی کلام سے لطف اندوز ہوتے ہیں)

(۲) ملّا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے شرح شفا میں اس طرح توجیہ فرمائی ہے:

حیث قال والمعنی ان اللہ سبحانہ یرد روحہ الشریف استغراقہ المنیف لیرد علی مسلمہ والا فمن المعتقد المعتمد انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حی فی قبرہ کسائر الانبیاء فی قبورھم وھم احیاء عند ربھم وان لارواحھم تعلقا بالعالم العلوی والسفلی کما کانوا فی الحال الدنیوی فھم بحسب القلب عرشیون وباعتبار القالب فرشیون واللہ سبحانہ اعلم باحوال ارباب الکمال ھذا وقال الانطاکی یمکن ان یقال رد الروح کنایۃ عن اعلام اللہ تعالیٰ بان فلاناً یسلم علیک اوعن علمہ علیہ السلام باحوال المسلم من بین الانام ۔ انتھی

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ آپ کی رُوحِ انور کو استغراق سے لوٹا دیتا ہے تاکہ آپ سلام بھیجنے والے کا جواب دیں ورنہ عقیدہ یہ ہے کہ آپ تمام انبیاء کی طرح اپنی قبر میں زندہ ہیں ۔ انبیائے کرام کی رُوحوں کا تعلق عالم بالا سے بھی ہوتا ہے اور عالمِ دنیا سے بھی، جیسے کہ دنیاوی حالت میں تھا ۔ انبیاء کرام دلی طور پر عرشی اور جسمانی طور پر فرشی ہیں ۔ اللہ تعالیٰ اہلِ کمال کے حالات کو بہتر جانتا ہے ۔ علامہ انطاکی فرماتے ہیں کہ ردّ روح کا معنیٰ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالے آپ کو اطلاع دے دیتا ہے کہ فلاں شخص آپ کو سلام بھیج رہا ہے یا یہ کہ ردّ روح عبارت ہے سلام بھیجنے والے کے حالات کو مخلوق میں جان لینے سے)

(۳) علامہ اسماعیل حقی علیہ الرحمۃ تفسیر روح البیان میں آیہ کریمہ واذا حییتم بتحیۃٍ فحیّوا باحسن منھا الآیۃ کے تحت فرماتے ہیں:

قال ارباب الحقیقۃ للروح اتصال بالبدن بحیث یصلی فی قبرہ ویرد علی المسلم علیہ وھو فی الرفیق الاعلیٰ ومقرہ فی علیین ولا تنافی بین الامرین فان شان الارواح غیر شان الابدان وانما یاتی الغلط من قیاس الغائب علی الشاھد فیعتقد ان الروح مما یعھد من الاجسام التی اذا شغلت مکاناً لم یمکن فی غیرہ وقد مثل بعضھم بالشمس فی السماء وشعاعھا فی الارض کالروح المحمدی یرد علی من یصلی علیہ عند قبرہ دائما مع القطع بان روحہ فی اعلیٰ علیین وھو لاینفک عن قبرہ کما قال علیہ السلام ما من مسلم یسلّم علی الا ردّ اللہ علیّ روحی حتی ارد علیہ السلام فان قلت ھل یلزم تعدد الحیاۃ من تلک وکیف یکون قلت یوخذ من ھذا الحدیث ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حیٌّ علی الدوام فی البرزخ الدنیوی لانہ محال عادۃ ان یخلو الوجود کلہ من واحد یسلم علی النبی علیہ السلام فی لیل او نھار فقولوا صلی اللہ

(باقی برصفحہ آئندہ)

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ ولایت قطب الاقطاب کے قلب کی طرف منتقل ہوتا ہے

قطبِ زمان یعنی قطب الاقطاب میں نورِ ولایت کا ظہورِ تام، وہ نورِ ولایت نبوی کا آئینہ ہوتا ہے اور وہ صرف ایک ہوتا ہے اور ہر زمانہ میں ہوتا ہے اسے قطب الوجود سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وہی تجلی حق کا مظہر ہوتا ہے۔ قطب الارشاد بکثرت ہوتے ہیں اور وہ بھی تجلیِ عینی کے مظاہر ہوتے ہیں۔

مسئلہ : ہدیۃ المہدیین میں ہے کہ ہم پر واجب ہے کہ ہم سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور
(بقیہ حاشیہ)

تعالیٰ علیہ وسلم ردّ اللہ علی روحی ای ابقی اللہ الحق لی شعور حیاتی الحسی فی البرزخ وادراک حواسی من السمع والنطق فلا ینفک الحس والشعور الکلی عن الروح المحمدی لیس لہ غیبۃ عن الحواس والاکوان لانہ روح العالم الکلی و سرہ الساری۔

(اربابِ حقیقت فرماتے ہیں کہ رُوح کا بدن کے ساتھ اس طرح تعلق ہوتا ہے کہ (لبعض) قبر والے قبر میں نماز پڑھتے ہیں اور سلام کہنے والے کے سلام کا جواب دیتے ہیں حالانکہ روح علیین میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہے۔ ان دونوں باتوں میں کچھ منافات نہیں کیونکہ ارواح اور بدنوں کے حالات الگ الگ ہوتے ہیں۔ غلطی اس لیے پیدا ہو جاتی ہے کہ غائب کو حاضر پر قیاس کر لیا جاتا ہے اور سمجھ لیا جاتا ہے کہ رُوح بھی بدن کی طرح ہے کہ جب بدن ایک مکان میں ہو تو دوسرے مکان میں نہیں ہو سکتا۔ بعض حضرات نے اس کی مثال سورج سے دی ہے کہ وہ آسمان میں ہے اور اس کی شعاعیں زمین پر ہوتی ہیں۔ جیسے کہ روحِ محمدی کی طرف سے ہمیشہ اس شخص کو جواب ملتا ہے جو آپ کی قبرِ انور کے پاس صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے حالانکہ آپ کی روحِ انور یقیناً اعلیٰ علیین میں ہے اور آپ اپنی قبرِ انور میں تشریف فرما ہوتے ہیں جیسے کہ آپ فرماتے ہیں کہ جو مسلمان بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے میری روح کو رد فرما دیا ہوتا ہے۔ اس لیے میں سلام کا جواب دیتا ہوں۔ اعتراض اس حدیث سے تو لازم آتا ہے کہ آپ کو بار بار زندگی دی جائے، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جواب: اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم برزخ میں زندہ ہیں کیونکہ یہ عادۃً محال ہے کہ کائنات بھر دن رات میں کسی وقت کوئی بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجنے والا نہ ہو۔ لہٰذا ردّ اللہ علی روحی کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ برزخ میں حسی حیات کا شعور بولنے اور سننے کی قوت باقی رکھتا ہے لہٰذا حس اور شعورِ کلی روحِ محمدی سے جُدا نہیں ہوتے آپ جن اور کائنات سے غائب نہیں ہوتے کیونکہ آپ کائنات کی روح اور ستر ہیں)

اویسی غفرلہٗ

یقین کریں کہ وہ ہمارے رسول اور خاتم الانبیاء والرسل ہیں۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص رسول علیہ السلام کو رسول تو مانتا ہے لیکن خاتم النبیین نہیں مانتا اور نہ ان کے دین کو ناسخ الادیان مانتا ہے تو وہ مومن نہ ہوگا۔

مسئلہ: الاشباہ کی کتاب "السیر" میں ہے کہ جسے یہ معلوم نہ ہو کہ حضور علیہ السلام آخر الانبیاء ہیں وہ مسلمان نہیں اس لیے کہ یہ عقیدہ ضروریاتِ دین سے ہے۔

ف: آیت میں اشارہ ہے کہ آپ کا نسب مخلوق سے منقطع ہے اس لیے کہ الرجال سے آپ کی ابوت کی نفی کی گئی ہے۔ ہاں اس میں آپ کی آل واولاد کے نسب کا اثبات کیا گیا ہے۔

ف: من رجالکم میں اہل بیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر رشتہ داروں کی شرافت اور بزرگی کا اظہار ہے اس لیے کہ وہ عام مردوں کی طرح نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص لوگ ہیں اس لیے کہ انھیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے خصوصی انعام سے نوازا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ قیامت میں ان کا حسب ونسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقطع نہ ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کل حسب ونسب ینقطع الا حسبی ونسبی۔

(جملہ حسب ونسب منقطع ہوجائیں گے سوائے میرے حسب ونسب کے)

یعنی اہل بیت کے ایک مرد سے نبی علیہ السلام کی نسل کا سلسلہ ختم ہوگا جو مہدی نبینا وعلیہ السلام کے صلب سے ہوگا۔ مہدی علیٰ نبینا وعلیہ السلام خاتم الخلافۃ العامہ اور خاتم الولایۃ الخاصہ ہیں۔ اس سے لازم نہیں آتا کہ آپ کی نسل سے انبیاء بھی ہوں۔ ہاں اگر آپ کے بعد نبی ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ہوتے کیونکہ آپ نے خود فرمایا:

اے علی! تم میرے ایسے جانشین ہو جیسے ہارون موسیٰ علیہما السلام کے جانشین تھے۔

جب حضرت علی نبی نہیں ہو سکتے تو آپ کے صاحبزادے حسنین کریمین بھی نبی نہیں ہو سکتے اس لیے کہ والد سے افضل نہیں ہو سکتے۔

(ایسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے بھی وارد ہوا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتا)

نکتہ: بعض مشایخ نے فرمایا کہ درحقیقت حسب سے فقر اور نسب سے تقویٰ مراد ہے۔ جو شخص حضور علیہ السلام سے رابطہ قائم کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ فقر وتقویٰ کا دامن تھامے۔

نکتہ: عیون الاجوبہ میں ہے کہ ہر کتاب (خط) کی صحت کا دارومدار مہر پہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کو مہر کہا تاکہ معلوم ہو کہ محبتِ الٰہی کا دارومدار حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری پر ہے۔ کما قال:

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی۔
اور ہر کتاب کی بزرگی مُہر سے معلوم ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ہر محکمے کی تصدیق آپ پر موقوف ہوگی۔ کما قال تعالیٰ:

وجئنا بك علیٰ ھٰؤلاء شهیدًا۔

جب کتابِ الٰہی پر حضور علیہ السلام کی مُہر لگائی گئی تو وہ کتاب تاقیامت رہنے کے قابل ہوگئی۔ جب نبوت کا اختتام آپ سے متعلق کیا گیا تو دُوسرے انبیاء علیہم السلام کی نبوت اسی مُہر سے مخصوص ہُوئی۔ مثنوی شریف میں ہے:

۱ بہر این خاتم شدہ است او کہ بجود
مثل او نے بود و نے خواہند بود

۲ چونکہ در صنعت برد استاد دست
نے تو گوئی ختم صنعت بر تو است

ترجمہ: (۱) اس لیے آپ خاتم ہیں کہ آپ جیسا نہ کوئی جود میں پیدا ہوا نہ ہوگا۔
(۲) جبکہ صنعت کے کاریگر نے آپ کو بنایا تو گویا آپ پر صنعت ختم ہے۔

نکتہ: جیسے مُہر لگانے کے بعد خط کو کوئی نہیں کھول سکتا سوائے مکتوب الیہ کے، ایسے ہی علومِ قرآن کی حقیقت معلوم نہیں ہوسکتی جب تک حضور علیہ السلام اس کا مفہوم نہ بتائیں۔ ایسے ہی جب تک خزانے پر مُہر ثبت ہوتی ہے اس وقت تک اس خزانہ کو کھولنے کی کسی کو ہمت نہیں ہوتی جب تک خود خزانے کا مالک اسے نہ کھولے۔

ردِّ وہابیہ دیوبندیہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کتب سماویہ الٰہیہ کے جمیع علوم کا خزانہ ہے اللہ تعالیٰ نے جواہرِ علوم الٰہیہ وحقائق لدنیہ کا مرکز قرآن مجید کو بنایا ہے اور اس کی مُہر اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ یہی وجہ ہے کہ مُہرِ نبوت دو کاندھوں کے درمیان میں تھی اس لیے کہ مُہر دروازہ کے باہر لگائی جاتی ہے تاکہ باطن اور اندر والی شے محفوظ ہو۔

حدیثِ قدسی میں ہے:
کنت کنزًا مخفیًا۔ (میں ایک مخفی خزانہ ہُوں)

خزانہ کے لیے چابی اور مُہر ضروری ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم اس لیے کہا گیا کہ آپ خزانہ وجود کے خاتم ہیں اور آپ کا اسمِ گرامی فاتح بھی ہے اس لیے آپ کنز ازلی کی چابی ہیں آپ سے ہی خزانۂ ازلی کھلا اور آپ سے ہی اس پر مہر لگی۔ خزانہ کے اندر کے معلومات خاتم سے ہی معلوم ہوسکتے ہیں اور وہی خاتم چابی بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فاحببت ان اعرف ۔

(پس میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں)

تو عرفانِ حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس پر فیضِ حسی سے عرفانِ الٰہی جملہ عالم کو معلوم ہُوا اسی بنا پر اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم سے موسوم فرمایا اس لیے کہ بادشاہ کے خزانے پر مُہر لگانا محبت کی دلیل ہوتا ہے کہ جو کچھ خزانہ میں ہے وہ مالک کو بہت محبوب ہے ۔

نکتہ در شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جملہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت کو جمع کر کے ان سب کا معدن اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر کو بنا کر اس پر مُہرِ نبوت رکھ دی تاکہ کوئی دشمن خدا نبوت میں راہ نہ پائے نہ نفسانی خواہش نہ غلبۂ ابلیس کو راہ نہ ملے اور نہ ہی خطرات مذمومہ وہاں جا سکیں (مرزا قادیانی یا اس جیسے اور چوروں نے مذموم حرکت کی تو انہیں منہ کی کھانی پڑی)

خصوصیت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مہرِ نبوت صرف حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئی۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام اس نعمت سے نہیں نوازے گئے ۔ اسی وجہ سے وہ حضرات عام ہواجس وخطرات سے خالی نہیں۔

نکتہ : مُہرِ نبوت کو دل پر نہیں بلکہ کاندھوں پر رکھا گیا تاکہ اس کمال وشرف کو ہر ایک دیکھ کر آپ کے کمال و شرف کا اعتراف کر سکے اور وہ مہرِ نبوت کبوتر کے گھونسلے کی مانند تھی ۔

نکتہ دیگر در مہرِ نبوت اور وسوسۂ شیطان کا طریق کار حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات میں ایک صفت یہی مہرِ نبوت تھی اور اسے دو کاندھوں کے درمیان میں رکھنے کی ایک وجہ یہ ہے جیسے امام دمیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے کتاب حیٰوۃ الحیوان میں لکھا ہے کہ بعض بزرگوں (ولیوں) نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ اسے شیطان کے وسوسہ ڈالنے کا طریقہ کار دکھایا جائے اللہ تعالیٰ انھیں شیطان کو ایک انسان کے دل پر وسوسہ ڈالنے کا طریقہ کار دکھایا کہ شیطان انسان کے ارد گرد گھوما اور اس نے انسان کی شکل وصورت بلورسی بنائی اور اس کے دونوں کاندھوں کے درمیان سیاہ تِلوں کا ایک مجموعہ دکھایا گیا جو پرندوں کے گھونسلے کی صورت میں تھا وہ خناس خنزیر کی شکل میں نظر آیا جس کی ایک سونڈ منہ میں تھی تو پہلے وہ انسان کے اگرد گرد گھوما ، یہاں تک کہ دونوں کاندھوں کے درمیانی جگہ پر پہنچ کر اپنی سونڈ انسان کے قلب پر رکھ کر وسوسہ ڈالنے لگا۔ جب اس انسان نے اللہ کا ذکر کیا تو پیچھے ہٹ گیا اسی لیے اس خبیث کو خناس کا لقب دیا گیا ۔ خنّاس یعنے اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹنے والا ۔ اسے قلب سے ذکرِ الٰہی کا نور روشن نظر آتا ہے جس کے باعث وہ پیچھے ہٹتا ہے ۔

مُہرِ نبوّت مہر نبوت زرّ الحجلۃ کی طرح تھی۔ زر بتقدیم الزّا المکسورہ علی الراء المشددوہ بمعنے تکمہ (گھنڈی) جو پیراہن کے گریبان میں ہوتا ہے۔ اور الحجلہ بفتح الحاء والجیم بمعنے وہ گوشہ جہاں دُلھن کو بٹھایا جاتا ہے۔ اور زر الحجلہ ایک پرندے کو بھی کہا جاتا ہے جو کبوتر کے برابر ہوتا ہے اور اس کی چونچ اور دونوں پاؤں سُرخ ہوتے ہیں اسے جنگلی مُرغی کہا جاتا ہے۔ اور ترمذی میں ہے کہ زرّ اس کے انڈے کو کہتے ہیں۔ علامہ دمیری نے لکھا کہ صحیح تر یہی ہے کہ اس سے حجلۃ السریر مراد ہے جس کی جمع حجال آتی ہے جس کی تفصیل ہم نے اوپر لکھ دی ہے اور اس کے زر سے وہ شے مراد ہے جو مُہرِ نبوت کے اندر داخل تھا۔ مُہرِ نبوت کے گرد چند سبزی مائل بال تھے ان پر لکھا ہوا تھا: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ یا لکھا ہوا تھا: محمد نبی امین۔ یا اس کے علاوہ اور عبارات۔ چنانچہ اُلسبعیات میں ہے:

تبخیخ هیصور توجه حیث شئت فانك منصور۔

اے محبوب جاؤ جہاں چاہو تم منصور و فتح مند ہو۔

تطبیقِ روایات اگر کوئی سوال کرے کہ مُہرِ نبوّت پر مختلف عبارات کیوں؟ (اس کا جواب صاحبِ روح البیان جناب اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ نے لکھا کہ) در اصل تعدد خطوط اور ان کا تنوع بحسب الحالات والتجلیات تھا یا دیکھنے والوں کو مختلف طریق سے عبارات نظر آتی تھیں۔

پچھنے لگوانے کی حکمت چونکہ دونوں کاندھوں کی درمیانی جگہ شیطان کے وسوسہ ڈالنے کا مدخل ہے اسی لیے حضور علیہ السلام امّت کی تعلیم کے لیے اسی جگہ پر پچھنے لگواتے اور امت کو بھی حکم فرماتے بلکہ آپ کو اس کا حکم جبریل علیہ السلام نے سنایا کہ اس طرح سے یہ مادہ کمزور ہوگا تو شیطان وسوسہ نہ ڈال سکے گا، اس کے داخلے کا مرکز کمزور پڑ جائے گا۔ جیسے کسی جگہ سے خون کی آمد ورفت ہو تو اسے کمزور کیا جائے تو خون کی آمد ورفت بند ہو جائے گی ایسے ہی شیطان کا وسوسہ خون کی طرح کاندھے سے دل کی طرف آمد ورفت رکھتا ہے جب وہ جگہ کمزور پڑ جائے گی تو وہ وسوسہ نہ ڈال سکے گا۔

حضور علیہ السلام کا قرین مسلمان ہوگیا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم وسوسۂ شیطان سے معصوم تھے اس لیے کہ آپ کا قرین مسلمان ہوگیا۔

چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اعانی اللہ علیہ فاسلم۔

(اللہ تعالیٰ نے مجھے قرین کو مغلوب کی مدد فرمائی اس لیے وہ مسلمان ہوگیا)

اور وہ اعانت اسی مُہرِ نبوت سے تھی اور آدم علیہ السلام کا قرین چونکہ مسلمان نہیں ہُوا تھا اس لیے اس نے بحکمتِ ایذ دی آدم علیہ السلام کے دل میں وسوسہ ڈالا۔

حضور علیہ السلام پر جادو [1] سفر السعادۃ میں ہے کہ جب یہودی نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تو آپ کی ذاتِ اقدس پر بیماری کا اثر پڑا۔ آپ کے حکم سے آپ کے سرِ اقدس پر پچھنے لگائے گئے۔

ف: ہر بیماری کے لیے پچھنے لگوانا مفید ہے۔ جو دین و ایمان سے کورا ہے وہی اس علاج کو غلط سمجھے گا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
پچھنے لگوانا سات بیماریوں کی شفا ہے:

(۱) جنون (۲) دردِ سر
(۳) کوڑھ (۴) برص
(۵) نعاس (۶) وجع الفرس
(۷) آنکھوں کی بینائی کی کمزوری

ف: سر کے درمیان یا دونوں کاندھوں کے درمیان گُدّی کی ہڈّی پر پچھنے لگانے سے نسیان پیدا ہوتا ہے۔

ف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو شخص دردِ سر کی شکایت کرتا تو آپ فرماتے: پچھنے لگواؤ۔ اگر آپ سے کوئی پاؤں کے درد کی شکایت کرتا تو آپ فرماتے: مہندی لگاؤ۔

مسئلہ: ہفتہ اور بُدھ کے دن پچھنے لگوانا مکروہ ہے ہاں اگر خون کا غلبہ ہو تو پھر بوجہ ضرورت جائز ہے۔

مسئلہ: پچھنے لگوانے کا بہترین موسم بہار اور اس کی پندرہ کے بعد ۱۷، ۱۹، ۲۱ تاریخ ہے۔ بہتر ہے کہ تیسرے ہفتے کی درمیانی تاریخ کو پچھنے لگائے جائیں اس لیے کہ خون کا جوش انہی تواریخ میں ہوتا ہے۔

مسئلہ: ایامِ محاق میں پچھنے نہ لگوائے جائیں۔ (محاق ان دنوں کو کہا جاتا ہے جب چاند چھپ جاتا ہے)

مسئلہ: سخت گرمیوں اور سخت سردیوں میں پچھنے نہیں لگوانے چاہئیں۔ اس کا بہتر وقت طلوعِ شمس سے ضحیٰ تک ہے۔

مسئلہ: منہ نہار پچھنے لگوانا مستحب ہے اس لیے کہ اس میں شفا اور برکت زیادہ فی العقل والحفظ ہے۔ کھانا کھانے کے بعد پچھنے لگوانے سے نقصان ہوتا ہے، ہاں اگر کوئی خاص ضرورت ہو تو معمولی طور پر کچھ کھا لے۔ (زیادۃ بر ۔۔۔)

---

[1] سحر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت بخاری شریف میں ہے۔ پرویز احادیث کا منکر ہے اس لئے اس نے سحر کا انکار کیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے فقیر کی کتاب "تنبیہ الغبی فی سحر النبی"۔ اویسی غفرلہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا
اے ایمان والو اللہ کو بہت یاد کرو اور صبح و شام اس کی
كَثِيْرًا ﴿٤١﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿٤٢﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ
پاکی بولو وہی ہے کہ درود بھیجتا ہے
عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ
تم پر وہ اور اس کے فرشتے کہ تمہیں اندھیریوں سے اجالے کی طرف نکالے اور وہ مسلمانوں پر مہربان ہے
رَحِيْمًا ﴿٤٣﴾ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ښ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿٤٤﴾ يٰۤاَيُّهَا
ان کے لیے ملتے وقت کی دعا سلام ہے اور ان کے لیے عزت کا ثواب طیار کر رکھا ہے اے غیب کی
النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿٤٥﴾ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ
خبریں بتانے والے (نبی) بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا
وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿٤٦﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿٤٧﴾
اور چمکا دینے والا آفتاب اور ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ ان کے لیے اللہ کا بڑا فضل ہے
وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ
اور کافروں اور منافقوں کی خوشی نہ کرو اور ان کی ایذا پر درگزر فرماؤ اور اللہ پر بھروسا رکھو اور اللہ بس ہے
وَكِيْلًا ﴿٤٨﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ
کارساز اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو پھر انہیں بے ہاتھ لگائے
قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ
چھوڑ دو تو تمہارے لیے ان پر کچھ عدت نہیں جسے گنو تو انہیں
وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿٤٩﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ
کچھ فائدہ دو اور اچھی طرح سے چھوڑ دو اے غیب بتانے والے (نبی) ہم نے تمہارے لیے حلال فرمائیں تمہاری
اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَاۗءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ
وہ بی بیاں جن کو تم مہر دو اور تمہارے ہاتھ کا مال کنیزیں جو اللہ نے تمہیں غنیمت میں دیں اور تمہارے چچا کی بیٹیاں
وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ۡ وَامْرَاَةً
اور پھپھیوں کی بیٹیاں اور ماموں کی بیٹیاں اور خالاؤں کی بیٹیاں جنہوں نے تمہارے
مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۤ خَالِصَةً
ساتھ ہجرت کی اور ایمان والی عورت اگر وہ اپنی جان نبی کی نذر کرے اگر نبی اسے نکاح میں لانا چاہے یہ خاص

لَكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا
تمہارے لیے ہے امت کے لیے نہیں ہمیں معلوم ہے جو ہم نے مسلمانوں پر مقرر کیا ہے ان کی بیبیوں اور ان کے
مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۰﴾
ہاتھ کے مال کنیزوں میں یہ خصوصیت تمہاری اس لیے کہ تم پر کوئی تنگی نہ ہو اور اللہ بخشنے والا مہربان
تُرْجِيْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِيْٓ اِلَيْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ
پیچھے ہٹاؤ ان میں سے جسے چاہو اور اپنے پاس جگہ دو جسے چاہو اور جسے تم نے کنارے کر دیا تھا اسے تمہارا جی
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَّ وَيَرْضَيْنَ
چاہے تو اس میں بھی تم پر کچھ گناہ نہیں یہ امر اس سے نزدیک تر ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور غم نہ کریں اور تم
بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَلِيْمًا ﴿۵۱﴾
انہیں جو کچھ عطا فرماؤ اس پر وہ سب کی سب راضی رہیں اور اللہ جانتا ہے جو تم سب کے دلوں میں ہے اور اللہ علم و علم والا ہے
لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ
ان کے بعد اور عورتیں تمہیں حلال نہیں اور نہ یہ کہ ان کے عوض اور بیبیاں بدلو اگرچہ
اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿۵۲﴾ ع
تمہیں ان کا حسن بھائے مگر کنیز تمہارے ہاتھ کا مال اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے

تفسیر عالمانہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ اے ایمان والو! اللہ کو یاد کرو جیسا کہ وہ اہل ہے یعنی اس کی تہلیل و تحمید و تکبیر وغیرہا۔ ذکر بمعنے کسی شئے قلب یا زبان پر حاضر کرنا، اور یہ نسیان کے بعد ہوتا ہے اور یہ ہے بھی عوام کے لیے۔ ورنہ خواص کا ذکر یہ ہے کہ وہ دائماً حضورِ قلب و حفظ ہوتے ہیں اس لیے کہ انھیں نسیان از ذکرِ الٰہی ہوتا ہی نہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی ان کا ذکر ہر وقت ہوتا ہے ذِكْرًا كَثِيْرًا بہت زیادہ ذکر۔ یعنی ہر وقت ذکر کرو رات ہو یا دن، سردی ہو یا گرمی۔ اور ہر مکان میں جنگل ہو یا دریا، زمین ہو یا پہاڑ۔ اور ہر حال میں حضر ہو یا سفر، صحت و عافیت ہو یا بیماری، سرّاً یا جہراً، کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر کروٹ پر اور طاعتِ الٰہی میں اخلاص اور قبولیت اور توفیق کا سوال ضروری ہے اور ہر وقت گناہوں سے بچنے کی آرزو کرنا چاہیے اور توبہ و استغفار کرنا لازمی ہے اور نعمتوں پر شکر اور تکالیف و مصائب میں صبر۔ خلاصہ یہ کہ ذکرِ الٰہی کی کوئی حد معلوم نہیں، باقی فرائض کی حد مقرر ہے۔ نہ ہی ذکر کے ترک کا کوئی عذر معقول ہے۔ ہاں جس کی عقل و فکر قائم نہ ہو اور وہ ذکر نہ کر سکے تو وہ مجبور ہے۔

ف: احوالِ ذاکرین ان کے ذکر کے متفاوت ہونے کی وجہ سے مختلف ہیں۔ بعض لوگ صرف زبان سے ذکر

کرتے ہیں جس میں فکرِ حق نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کی عقل میں آثارِ الٰہی کا مطالعہ ہوتا ہے۔ اور نہ ہی انھیں حضورِ قلبی نصیب ہوتی ہے اور نہ ہی ان کے دل میں اطوارِ ربانی کا مکاشفہ ہوتا ہے اور نہ ہی حق تعالیٰ کے انس سے مانوس ہوتے ہیں اور نہ ہی ان کی رُوح کو مشاہدۂ رحمانی حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی ذاتِ حق میں فنا پاتے ہیں اور نہ ہی ان کی سِر معانی اور حقائق سے سرشار ہوتی ہے۔ ایسا ذکر مطلقاً مردود ہے۔

بعض ایسے ہوتے ہیں کہ زبان و عقل سے تو ذکر کرتے ہیں یعنی ان کی زبان ذکر میں ہوتی ہے اور انھیں فکر بھی حاصل ہوتا ہے اور عقل سے آثارِ حق کا مطالعہ بھی کرتے ہیں لیکن حضورِ قلبی اور انس اور فنا و مذکور انھیں حاصل ہوتا۔ یہ ابرار کا ذکر ہے اور یہ بہ نسبت پہلے کے مقبول ہے۔ ان میں بعض ایسے ہوتے ہیں جو صرف زبان و عقل اور قلب سے ذکر کرتے ہیں لیکن انھیں انس و فنا مذکور نصیب نہیں ہوتا۔ یہ مبتدی مقربین کا ذکر ہے یہ بھی ابرار اور ان کے ماتحت سالکین کے ذکر سے زیادہ مقبول ہے۔

بعض ان میں ایسے ہیں جو زبان و عقل و قلب و رُوح و سِر سے ذکر کرتے ہیں۔ یہ منتہی مقربین کے حضرات کا ذکر ہے ان سے حضرات انبیاء و مرسلین اور اولیاء کاملین مراد ہیں ان کا ذکر مطلقاً مقبول ہے۔ ایسی ترقی کے حصول کے لیے **حدیث شریف** میں فرمایا گیا:

ان ھذہ القلوب لتصدا کما یصدا الحدید۔

(یہ قلوب زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسے لوہے پر زنگ چڑھ جاتا ہے)

عرض کی گئی:

یارسول اللہ فما جلاؤھا۔

(یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کی جلاء کس عمل سے ہے؟)

آپ نے فرمایا: تلاوۃ کتاب اللہ وکثرۃ ذکرہ۔ (تلاوت کتاب اللہ اور کثرت ذکر حق سے)

ف: پچھنے لگوانے سے ایک دن رات پہلے اور ایک دن رات پچھنے لگوانے کے بعد تک جماع نہیں کرنا چاہیے۔ پچھنے لگوا کر اسی روز غسل بھی نہ کیا جائے۔

ف: پچھنے لگوانے اور خون نکلوانے کے بعد نمکین غذا نہ کھائیے اس لیے کہ اس سے پھنسی پھوڑوں یا خارش کا خطرہ ہوتا ہے۔ ایسے ہی دُودھ نہ پیئے اور وہ غذا بھی نہ کھائے جو دودھ سے تیار شدہ ہو۔

مسئلہ: پچھنے لگوانے کے بعد سرکہ پینا مستحب ہے تاکہ جو پچھنے لگوانے سے جسم میں جوش پیدا ہوا ہے وہ تھم جائے اس کے بعد پچھنے کی جگہ پر شوربہ وغیرہ چھڑکے۔ اگر ممکن ہو تو پچھنے لگوانے کے بعد میٹھی چیز کھائے۔ کذا فی بستان العارفین واللہ الشافی وھو الکافی۔

ف: ذکرِالٰہی سے سالک لسانی ذکر سے ترقی کرکے ذکرِسر کے آخری مرحلہ تک پہنچتا ہے یہاں تک کہ اس کا قلب جملہ ظلمتوں اور کدورتوں سے آئینے کی طرح پاک صاف اور شفاف ہوجاتا ہے۔

ذکر کے اقسام ذکر صرف اللہ اللہ کرنے کا نام نہیں بلکہ نماز، تلاوت، درس و تدریس اور ان کی طرح اور اعمال بھی ذکر میں شامل ہیں۔ ہاں ان تمام اذکار سے افضل لا الٰہ الا اللہ ہے اور بہ نسبت جماعت کے ساتھ تنہائی میں آدابِ ذکر بجالا کر اور یکسوئی سے ذکر بہتر ہے۔ اور آداب سے ظاہری و باطنی آداب مراد ہیں۔

مسئلہ: حضرت سلمی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ذکرِ کثیر سے قلبی ذکر مراد ہے اس لیے کہ دائماً زبان سے ذکر ناممکن ہے۔

ف: ذکرِ کثیر میں اشارہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا لازمی ہے۔

آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرو کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من احب شیئًا اکثر من ذکرہ۔

(جو کسی سے محبت کرتا ہے تو اسے بہت زیادہ یاد کرتا ہے)

کسی بزرگ نے فرمایا:

نشانِ دوستی آنست کہ نگذارد کہ زبان از ذکر دوست یا دل از فکر او خالی ماند۔

(محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ محبوب کو زبان سے یاد کرے اور دل میں اس کا تصور اور فکر ہو) ؎

در ہیچ مکان نیم ز فکرت خالی
در ہیچ زمان نیم ز ذکرت غافل

ترجمہ: کسی مکان میں میں تیرے فکر سے خالی نہیں رہا اور نہ ہی کسی زمانے میں تیرے ذکر سے غافل رہا ہوں۔

نکتہ: آیت میں ذکرِ الٰہی کی کثرت کا حکم اللہ تعالیٰ کی محبت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور محبتِ الٰہی کو بجائے تصریح کے اشارہ سے اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ اہلِ محبت کونین کے جملہ تعلقات سے آزاد ہیں اور ایسے آزاد لوگوں سے محبت کی بات اشارہ سے کی جاتی ہے اور محبت کے وجوب کی تصریح اس لیے بھی نہیں کی گئی کہ یہ ایک نعمتِ عظمیٰ ہے جو جملہ مخلوق کے بجائے مخصوص گروہ کے لیے مقدر میں ہے۔ کما قال تعالیٰ:

فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فاذکرونی اذکرکم یعنے تم میرے ساتھ محبت کرو میں تمہارے ساتھ محبت کروں گا۔

بدریائے محبت آشنا باش
صدف سان معدن در صفا باش

ترجمہ: دریائے محبت کا واقف ہوجا، صدف کی طرح نورِ صفا کا گنجینہ ہوجا۔

وَسَبِّحُوْهُ اور جو باتیں ان کی شان کے لائق نہیں ان سے اس کی تنزیہ بیان کرو۔ المفردات میں ہے السبح بمعنے پانی میں تیز تیز تیرنا یا ہوا میں تیز اڑنا۔ اور التسبیح بمعنے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ۔ در اصل تسبیح بمعنے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں تیزی کرنا، وہ عبادت قولی ہو یا فعلی یا اس کا تعلق نیت سے ہو۔

بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا صبح اور شام میں۔ قاعدہ ہے کہ کسی شے کی دونوں طرفوں کا ذکر کرکے اس کا کل مراد لیا جاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر وقت یاد کرو بالخصوص دونوں اوقات میں جو فضیلت والے ہیں اس لیے کہ ان دونوں وقتوں میں ملائکہ کی ڈیوٹی تبدیل ہوتی ہے۔

حدیث شریف چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

یتعاقبون فیکم ملائکۃ باللیل وملائکۃ بالنھار۔

(تم میں صبح و شام کے وقت رات اور دن کے فرشتے بدلتے ہیں)

ف: تسبیح کو علیحدہ بیان کرنے میں اس کی فضیلت کا اظہار مطلوب ہے اس لیے کہ یہ باب تحلیہ سے ہے۔

حدیث شریف میں ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اربع لا یمسك عنھن جنب سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر۔

(چار اذکار ایسے ہیں جن میں ہر وقت مصروف رہنا چاہیے یہاں تک کہ جنب کی حالت میں بھی:

(۱) سبحان اللہ (۳) لا الٰہ الا اللہ

(۲) الحمد للہ (۴) اللہ اکبر)

مسئلہ: جب جنب کو مشغولی کا حکم ہے تو پھر بے وضو کو بطریقِ اولیٰ ان کے اذکار سے محروم نہیں رہنا چاہیے البتہ باوضو ہو کر ذکر میں مشغول رہنا اولیائے کرام کا طریقہ ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ سبحوہ بکرۃ میں صبح کی نماز کی طرف اور اصیلا میں عصر کی نماز کی طرف اشارہ ہے اور یہ تفسیر صحیح حدیث شریف کے موافق ہے:

حدیث شریف من استطاع منکم ان لا یغلب عن صلاۃ قبل طلوع الشمس ولا غروبھا فلیفعل۔

(تم پر واجب ہے کہ تم اپنی نمازوں قبل طلوع الشمس و قبل غروب الشمس پر غالب رہو، یعنی تم میں سے جو کوئی چاہتا ہے کہ اپنے امور سے مغلوب نہ ہو اُسے چاہیے کہ وہ ان دو وقتوں یعنی صبح اور عصر۔

کی نمازوں کو مخصوص ذکر سے ادا کرے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دو اوقات انسان کے کاروبار اور صبح سے پہلے نیند میں پڑے رہنے کے ہیں۔ اسی لیے ان اوقات میں انسان نماز سے رہ جاتا ہے یا کوتاہی کرتا ہے۔ علاوہ ازیں صبح کے وقت ملائکہ کی ڈیوٹی بھی تبدیل ہوتی ہے۔ کما قال تعالیٰ:

ان قرآن الفجر کان مشھوداً۔

یعنی رات اور دن والے فرشتے اس وقت اکٹھے ہوتے ہیں۔ اور نماز عصر کی فضیلت کا ذکر قرآن مجید میں ہے کما قال تعالیٰ:

والصلوٰۃ الوسطیٰ۔

طلوعِ شمس سے پہلے وقت کی فضیلت

(۱) زمین چند امور سے تھرتھراتی ہے:

(i) خون حرام سے

(ii) زنا کے غسل سے

(iii) طلوعِ شمس سے پہلے نیند کرنے سے

(۲) اللہ تعالیٰ طلوع فجر صادق و طلوعِ شمس کے درمیان رزق تقسیم فرماتا ہے اور برکات نازل فرماتا ہے اور دعائیں قبول فرماتا ہے۔ انسان پر لازم ہے کہ اس مبارک گھڑی میں غفلت کو چھوڑ دے۔

(۳) حدیث شریف میں ہے:

من صلی الفجر فی جماعت ثم قعد یذکر اللہ تعالیٰ حتی تطلع الشمس ثم صلی رکعتین کانت لہ کاجر حجۃ و عمرۃ تامۃ تامۃ تامۃ۔

(جو صبح کی نماز پڑھ کر پھر وہاں بیٹھ کر ذکرِ الٰہی میں مصروف رہے یہاں تک کہ سورج نیزے کے برابر ہو جائے اور دوگانہ پڑھ کر اُٹھے تو اُسے دو رکعت کے بدلے حج و عمرہ کا ثواب نصیب ہوگا) یہ تین بار فرمایا۔

ف: یہی وجہ ہے صوفیاءِ کرام کی عادت ہے کہ نمازِ صبح کے بعد جمع ہو کر اشراق کی نماز تک ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔ ذکرِ الٰہی کے نفوس میں بڑی تاثیر ہے یہاں تک کہ تلاوتِ قرآن مجید سے ذکرِ الٰہی کو زیادہ مؤثر بتایا ہے۔ چنانچہ یہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی ثم قعد یذکر اللہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کذا فی شرح المصابیح۔

مسئلہ: قنیہ کی عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ قنیہ میں لکھا ہے کہ اوقاتِ مکروہہ میں قرآن مجید کی تلاوت سے درود شریف، دُعا اور تسبیح افضل ہے۔

مسئلہ: محیط میں مذکور ہے کہ صبح صادق کے بعد نماز صبح تک بعض کے نزدیک سورج کے طلوع تک بعض کے نزدیک اشراق کی نماز تک گفتگو مکروہ ہے۔ یہی عزیمت ہے۔ یعنی اس پر عمل کرنے میں بہت بڑا

ثواب ہے اگر کوئی ایسا نہ بھی کرے گنا ہگار نہ ہوگا۔

مسئلہ: بعض مشایخ نے فرمایا کہ جب طلوع شمس قریب ہو مسبعات شریفہ پڑھیے۔ یہی حضرت خضر علیہ السلام کا فرمودہ ہے۔ یہ وظیفہ آپ نے ابراہیم تیمی رحمہ اللہ کو سکھلایا اور فرمایا کہ انھیں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھایا۔ اس مسبعات شریف پر مداومت سے جملہ متفرق اوراد و وظائف پڑھنے کا ثواب نصیب ہوتا ہے اور وہ دس اشیاء ہیں جنھیں سات سات بار پڑھنا پڑتا ہے:

(۱) الفاتحہ — (۶) سبحان اللہ
(۲) معوّذتین — (۷) الحمد للہ
(۳) قل ھو اللہ احد — (۸) لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر
(۴) قل یا ایھا الکٰفرون — (۹) درود شریف
(۵) آیۃ الکرسی — (۱۰) استغفار

درود شریف یہ پڑھے:

اللّٰھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آل سیدنا محمد وسلم۔

استغفار یہ ہے:

اللّٰھم اغفرلی ولوالدیّ ولجمیع المؤمنین والمؤمنات۔

اس کے بعد سات بار یہ دُعا پڑھے:

اللّٰھم افعل بنا وبھم عاجلا وآجلا فی الدین والدنیا والآخرۃ ما انت لہ ولا تفعل بنا وبھم یا مولانا ما نحن لہ اھل انک غفور حلیم جواد کریم رؤف رحیم۔

مسبعات شریف حضرت ابراہیم تیمی رحمہ اللہ نے حضرت خضر علیہ السلام سے سیکھ کر جب یہ دعا پڑھی تو اس رات خواب میں دیکھا کہ وہ بہشت میں پہنچے ہیں انھیں بہشت کا طعام کھلایا گیا۔

سبق: ذکر کرنے والے پر لازم ہے کہ صبح کی نماز پڑھ کر قبلہ کی طرف مُنہ کر کے مسبعات شریف کو پڑھے۔ بہتر ہے کہ تنہائی میں کسی ایسے مقام پر پڑھے جہاں کسی سے بات وغیرہ نہ کرے بالخصوص غلط قسم اور مکروہ باتوں سے گریز کرے وہی وقت برکت کا ہے بالخصوص دنیوی باتیں عمل صالح باطل کرتی ہیں اور شرافتِ وقت کی برکت ضائع ہوجاتی ہے۔ زبان کو غیر ذکرِ الٰہی سے بچانا ضروری ہے ایسے ہی قلب کو غیر فکرِ حق سے محفوظ رکھنا لازم ہے جو زبان اور قلب محفوظ نہ ہو اس ذکر کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی کے دروازے پر خواہ مخواہ شور مچاتا پھرے یا وہ چھت پر کھڑے ہو کر آواز دے رہا ہو۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ ذکر آرد فکر را در اہتزاز
ذکر را خورشید این افسردہ ساز

۲ اصل خود جذبہ است لیک ای خواجہ تاش
کار کن موقوف آن جذبہ مباش

۳ زانکہ ترک کار چون نازی بود
ناز کی در خور و جانبازی بود

۴ نی قبول اندیش و نی ردای غلام
امر را و نہی را می بین مدام

۵ مرغ جذبہ ناگہان پرد ز عش
چون بدیدی صبح شمع آنکہ بکش

۶ چشمہا چون شد گذرہ نور اوست
مغزہا می بیند اودر عین پوست

۷ بیند اندر ذرہ خورشید بقا
بیند اندر قطرہ کل بحر را

ترجمہ : (۱) ذکر فکر کو حرکت میں لاتا ہے، مرجھائے ہوئے کے لیے سورج کی طرح ہے۔
(۲) اصل جذبہ ہے لیکن اے بندۂ خدا کام آگے بڑھا اسی جذبہ پہ نہ ٹھہر۔
(۳) کام کا ترک ناز کی طرح نازوالا کسی کام کا نہیں بلکہ اس کی جان کا خطرہ ہے۔
(۴) نہ قبولیت کی فکر میں رہو نہ رد کی فکر میں، امر و نہی پر ہمیشہ نگاہ رکھو۔
(۵) مرغ جذبہ اچانک گھونسلے سے اڑ جائے گا جب صبح روشن ہوجائے تو دیا بجھائے۔
(۶) آنکھیں تو صرف نور کی گزرگاہ ہیں ان آنکھوں کے پوست میں ہی وہ مغز انور ہے۔
(۷) خورشید بقا ذرہ میں ہے جیسے دریا قطروں کا مجموعہ ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے ان حرکات کا سوال کرتے ہیں جو برکات کی موجب ہیں بیشک وہ قاضی الحاجات ہے۔

تفسیر عالمانہ هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وہ اللہ تعالیٰ جو تمہارے لیے رحمت و مغفرت اور تزکیہ کا ارادہ فرماتا ہے الاعتناء بمعنے عنایت و رعایت کرنا۔ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ اس کا عطف ضمیر پر ہے جو یصلّی میں مستتر ہے اور ضمیر مستتر پر اسم ظاہر کا عطف جائز ہے جب درمیان میں کوئی کلمہ فاصل ہو تو اس وقت تاکید کی ضرورت نہیں ہوتی یعنی ملائکہ بھی تمہارے لیے دعا و استغفار کی رعایت کرتے ہیں اور یہاں پر صلوٰۃ کا مجازی معنی ہے جو رحمت و استغفار کو شامل ہے یعنی بندوں کی بھلائی اور

ان کے جملہ امور کی بہتری کی رعایت کرنا۔

موسیٰ علیہ السلام کی وحی موسیٰ علیہ السلام سے بنی اسرائیل نے پوچھا کہ کیا ہمارا رب تعالیٰ ہم پر صلوٰۃ پڑھتا ہے۔ یہ کلام موسیٰ علیہ السلام کو ناگوار گزرا۔ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ انھیں فرما دیجئے کہ میری صلوٰۃ کا معنیٰ یہ ہے کہ میں ان پر رحمت کرتا ہوں جس سے میرے غضب کی آگ اُن پر ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔

لیلۃ المعراج کی آیت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ معراج اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قف یا محمد فان ربك یصلی۔

(اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ٹھہریئے، آپ کا رب تعالیٰ صلوٰۃ پڑھتا ہے)

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً کہا:

ان ربی نغنی عن ان یصلی۔

(میرا رب صلوٰۃ پڑھنے سے بے نیاز ہے)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

انا الغنی عن ان اصلی لاحد و انما اقول سبحانی سبحانی سبقت رحمتی غضبی اقرأ یا محمد هو الذی یصلی علیکم و ملئکته الآیة فصلاتی رحمة لك و لامتك۔

(میں کسی کی صلوٰۃ پڑھنے سے واقعی بے نیاز ہوں لیکن میں کہتا ہوں میرے لیے پاکی ہے میرے لیے پاکی ہے میری رحمت میرے غضب پر سبقت کر گئی ہے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھیے هو الذی یصلی علیکم و ملئکته الآیة میری صلوٰۃ کا معنی یہ ہے کہ میری رحمت آپ کے لیے اور آپ کی اُمت کے لیے ہے)

ف: اس سے ثابت ہوا کہ یہ آیت بلا واسطہ جبریل قاب قوسین کے مقام پر نازل ہوئی۔

دوسری روایتِ معراج حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں جب ساتویں آسمان پہ پہنچا تو مجھ سے جبرائیل نے کہا:

"تھوڑی دیر ٹھہریئے آپ کا رب تعالیٰ صلوٰۃ پڑھتا ہے۔"

میں نے کہا:

"کیا میرا رب صلوٰۃ پڑھتا ہے؟"

اس نے کہا:

"ہاں!"

میں نے کہا :

"وہ کیا پڑھتا ہے ؟"

اس نے کہا : "وہ پڑھتا ہے : سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح سبقت رحمتی غضبی۔

تفسیر صوفیانہ ۱ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم مجھے حادثات سے یاد کرتے ہو لیکن میں تم کو قدیم رحمت سے نوازتا ہوں کہ جس کا نہ اول ہے نہ آخر۔ اگر میری رحمت تمہارے لیے نہ ہوتی تو تم میرے ذکر کی توفیق نہ دیے جاتے۔ ایسے ہی اگر میری محبت تم پر نہ ہوتی تو تم میری محبت کی طرف ہدایت نہ پاتے۔ فرشتوں کی صلوٰۃ کا معنی یہ ہے کہ وہ تمہارے لیے دُعا مانگتے ہیں کہ تمہاری برکت سے انھیں بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ صلوٰۃ کی موافقت نصیب ہو۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ کے مستحق نہ ہوتے تو وہ اس شرافت والے مرتبے کو نہ پاتے۔

تفسیر صوفیانہ ۲ عرائس البقلی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ کا معنیٰ یہ ہے کہ اس نے ازل میں اپنی معرفت و محبت کے لیے اپنے بندوں کو پسند فرمایا۔ جب انھیں اپنے لیے خاص فرمایا تو ان کی خطاؤں کو بخش دیا اور مقرب فرشتوں کو ان کی مغفرت کے لیے مقرر فرمایا تاکہ وہ بوجہ اشتغال باللہ اور اس کی محبت میں مستغرق ہونے کے استغفار کے محتاج نہ ہوں۔

تفسیر صوفیانہ ۳ حضرت ابوبکر بن طاہر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اپنے بندے کو نورِ ایمان سے مزین کرتا اور حلیۂ توفیق سے سنوارتا ہے اور اس کے سر پر صدق کا تاج رکھتا ہے اور اس سے گمراہ کرنے والی خواہشات کو مٹاتا ہے اور اس کے باطل ارادے ختم کر دیتا ہے اپنی رضا و رحمت اس کے مقدر میں لکھتا ہے ؎

رضا بداده بده وز جبین گره بکشائے

کہ بر من و تو در اختیار نکشادست

ترجمہ : اللہ کی دی ہوئی تقدیر سے راضی ہو اور ماتھے پر بل نہ چڑھا اس لیے کہ میرے اور تیرے ہاتھ میں کوئی اختیار نہیں۔

تفسیر عالمانہ لِيُخْرِجَكُمْ تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس صلوٰۃ و عنایت سے نکالے لیخرجاکم اس لیے نہیں فرمایا تاکہ وہم نہ ہو کہ اخراج میں ملائکہ کو بھی عمل دخل ہے یا وہ اس مجازی اخراج سے بندوں پر منت و احسان نہ ہو اور نہ ہی حقیقی طور پر وہ اس اخراج پر کچھ قدرت رکھتے ہیں۔ ہر کام کی ہدایت کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ظلمت بمعنے عدم النور، اس سے ظلمات الجہل والشرک والمعصیۃ والشرک والفسق ایسی اور خرابیاں مراد ہیں۔ ایسے ہی نور سے علم و توحید و طاعت، یقین، ہدایت، روحانیت اس کی صفات، تجلی ذات و صفات کے جذبات کے ساتھ

ربوبیت ۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و ملائکہ کی دُعا کی وجہ سے تم مقصود کو پہنچے اور شہود کو حاصل کیا۔ اور نورِ شریعت سے منور اور سرِّ حقیقت سے محقق ہُوئے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ اخراج سے ادامت و استقامت بر خروج مراد ہے اس لیے کہ خدا و ملائکہ کی صلوٰۃ کے وقت یہ لوگ ظلمات میں نہیں رہتے۔

وَكَانَ ایجاد الملائکۃ المقربین سے پہلے ازل میں ہے **بِالْمُؤْمِنِيْنَ** تمام اہلِ ایمان کے ساتھ ان کے وجودات عینیہ سے پہلے **رَحِيْمًا** ۝ رحم کرنے والا۔ اسی لیے ان پر الطاف کریمانہ کئے ۔ مثلاً ان کی اپنی ذاتی اور فرشتوں کے واسطے سے صلاح فرمائی ۔ اسی لیے جو ازل میں سعادت مند ہوا اس کے لیے احوال رحمت کا تغیر نہ ہوگا ؎

گردِ عصیاں رحمت حق را نمی آرد بشور

مشرب دریا نگردد تیرہ از سیلابہا

ترجمہ : عصیاں کی گرد رحمتِ حق کو شور میں نہیں لاتی ایسے ہی مشرب دریا سیلابوں سے تبدیل نہیں ہوتا۔

ربط : جب عنایت اولیٰ یعنی بندوں کو ہدایت الی الطاعۃ کو بیان فرمایا تو اب عنایت فی الآخرۃ کو بیان فرماتے ہیں۔

تَحِيَّتُهُمْ مصدر مفعول کی طرف مضاف ہے یعنی وہ امر جس سے وہ ایک دوسرے کو تحیۃ کہیں گے۔ تحیۃ سے درازیِ عمر کی دعا مراد ہے ۔ مثلاً کہتے ہیں :

حیاك اللہ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ تیرے لیے حیات بنا دے ۔

پھر ہر دعا کو تحیۃ کہا جانے لگا اس لیے کہ ان جملہ ادعیہ کو حیاۃ سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہوتا ہے یا وہ دُعا حیاۃ دنیوی یا اخروی کا سبب ہوتی ہے۔

يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ اس دن کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ملیں گے اس سے موت یا قبور سے اُٹھنے یا دخولِ جنت کے وقت **سَلٰمٌ** ان کی تعظیم کی بنا پر اللہ تعالیٰ سے ان پر سلام ہوگا ؎

خوشست از تو سلامے بمادر آخر عمر

چو نامہ رفت با تمام و السلام خوشست

ترجمہ : تیری طرف مجھے آخری عمر میں ایک سلام کافی ہے جب میرا عریضہ حاضر ہو اور آپ صرف ایک سلام سے نوازدیں۔

یا اس سلام سے ملائکہ کی جانب سے سلام مراد ہے جب وہ انہیں بہشت کی خوشخبری سنانے آئیں گے یا ایسے ہی ان کی تعظیم و تکریم کی وجہ سے ہر حاضری پہ ملائکہ انھیں سلام عرض کریں گے ۔

کما قال تعالیٰ:

والملائکۃ یدخلون علیہم من کل باب سلام علیکم۔

(اور فرشتے ہر دروازے پر حاضر ہو کر انھیں سلام عرض کریں گے یا انھیں ہر دکھ اور تکلیف اور آفت اور شدۃ سے سلامت رہنے کی خوشخبری سناتے ہوئے)

ولی اللہ کو عزرائیل کا سلام حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ملک الموت اللہ تعالیٰ کے ولی کے ہاں حاضر ہوتا ہے تو انھیں پہلے سلام عرض کرتا ہے۔ ان کے سلام کا مضمون یہ ہے:

السلام علیک یا ولی اللہ قم فاخرج من دارک التی خربتہا الی دارک التی عمرتہا۔

(اے اللہ کے ولی! اُٹھ اور اس ویران دار سے نکل کھڑا ہو اور اس دار کی طرف چل جسے تُو نے آباد کیا)

اگر وہ ولی اللہ نہیں ہوتا تو اسے کہتے ہیں: اٹھ کھڑا ہو اے اللہ کے بندے! اس دار سے جسے تو نے آباد کیا اس دار کی طرف جسے تو نے برباد کیا۔

دنیا کی آبادی فقیر (حقی علیہ الرحمۃ) کہتا ہے کہ دنیا کی تعمیر ان امور سے ہوتی ہے:

۱۔ اناج بونا

۲۔ قوت بڑھانا

۳۔ نہریں کھودنا

۴۔ درخت یعنی باغات لگوانا

۵۔ اونچی اور لمبی اور بہترین کوٹھیاں بنوانا

۶۔ محلات سنوارنا

آخرت کی آبادی اور آخرت کی تعمیر (مندرجہ ذیل اعمال سے ہوتی ہے):

۱۔ اذکار

۲۔ اعمال

۳۔ اخلاق

۴۔ احوال

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

یاد کن آنکہ در شبِ اسریٰ
یا حبیبِ خدا خلیلِ خدا

۲ گفت کرے از من اے رسول کرام
امت خویش را ز بعد سلام

۳ کہ بود پاک و خوش زمین بہشت
لیک آنجا کسے درخت نکشت

۴ خاک او پاک و طیب افتادہ
لیک ہست از درختہا سادہ

۵ غرس اشجار آں بسعی جمیل
بسملہ حمد لہ است پس تہلیل

۶ ہست تکبیر نیز ازاں اشجار
خوش کسے کش جز ایں نباشد کار

۷ باغ جنات تحتہا الانہار
سبز و خرم شود ازاں اشجار

ترجمہ: (۱) شبِ اسریٰ کو یاد کر کہ حبیبِ خدا کو خلیلِ خدا نے کہا
(۲) فرمایا: اے رسول کریم (صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) اپنی اُمت کو میرا اسلام کہنا
(۳) اور فرمایا کہ بہشت صاف سُتھری اور پاکیزہ جگہ ہے اس میں کسی نے کھیتی نہیں اگائی۔
(۴) وہ زمین پاک اور سادہ ہے اس میں تا حال کسی نے درخت نہیں بوئے۔
(۵) سعیِ بسیار سے درخت بوئے جا سکتے ہیں، اس کے درخت بسم اللہ اور حمد اور لا الٰہ الا اللہ ہیں۔
(۶) تکبیر بھی اس کے درختوں سے ہے۔ وہ شخص خوش قسمت ہے جس کا یہی کام ہے۔
(۷) جنت کے باغ کے نیچے نہریں ہیں انہی سے یہ درخت سرسبز و شاداب ہوں گے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ تحیّۃ جب رؤیت سے اور لقائے الٰہی جب تحیۃ سے مقارن ہوتا ہے تو وہاں رؤیت و لقا سے رؤیت بصری مراد ہوتی ہے اور تحیۃ ایک خطاب ہے جو بادشاہوں کی ملاقات کے وقت استعمال ہوتا ہے۔ اس سے ان کے علوِ شان اور رفعتِ درجات کا علم ہوتا ہے اس لیے کہ جب ان اولیاء کرام کو اس تحیۃ سے ہجر و فراق کی آفات سے بچا کر دائمی وصال سے نوازنا مطلوب ہوتا ہے۔

حضرت ابن عطأ نے فرمایا کہ مومن کو بہشت میں سب سے بڑا عطیہ اللہ تعالیٰ کا بلا واسطہ السلام علیکم فرمانا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاَعَدَّ لَھُمْ اَجْرًا کَرِیْمًا ۝ اس تحیۃ کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے لیے تیار فرمایا ہے اچھا ثواب اور ہمیشہ کا۔ اس سے بہشت کی نعمتیں مراد ہیں۔ ان کے بہشت کے داخل ہونے پر انہیں جو رحمت ملی اس کے بعد اس رحمت فالتفہ کا بیان ہے جو انہیں بہشت کے بعد ملے گی۔ اور جملہ اسمیہ لانا چاہیے تھا مثلاً کہا جاتا اجرھم اجر کریم وغیرہ۔ لیکن فعلیہ لایا گیا ہے صرف فواصل (آیات) کی رعایت ملحوظ تھی۔

تفسیر صوفیانہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی عنایت ازلیہ کی طرف اشارہ ہے جو اہلِ ایمان کے لیے ازل میں سابقاً فرمائی گئی اس سے اعداد دلالت کرتا ہے کہ ان کے لیے زمانہ سابق میں اللہ تعالیٰ نے تیار فرمایا اور اجر کریم سے وہ اجر مراد ہے جو عمل سے پہلے ہو۔ بلکہ عمل کرم کے نتائج سے ہے ؎

۱ قرب تو باسباب و علل نتواں یافت
بے سابقۂ فضل ازل نتواں یافت

۲ بر ہر چہ تواں گرفتن او را بدلے
تو لے بدلے ترا بدل نتواں یافت

ترجمہ: (۱) تیرا قرب علل و اسباب سے نہیں ملتا سوائے تیرے فضل کے اس کا حصول مشکل ہے۔

(۲) ہر شے کا حصول بدلہ و عوض سے ہوتا ہے تیرا قرب بے بدل ہے اسے بدل کی حاجت نہیں۔

ف: یہ آیت اس امت کے لیے بہت بڑی نعمتوں سے ہے اور ان کی فضیلت کی بہت بڑی اور روشن دلیل ہے منجملہ ان کے ایک وہ ہے جو لیلۃ المعراج کو حضور علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی گئی کہ بیشک بہشت انبیاء علیہ السلام پر حرام ہے جب تک اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ داخل نہیں ہوں گے ایسے ہی جملہ امتوں پر بہشت حرام ہے جب تک اے محبوب علیہ السلام! آپ کی اُمت داخل نہ ہو گی۔

ف: جب یہ امت بہشت کے داخلے میں سب سے پہلے ہو تو ان کی افضلیت اور بزرگی بطریق اولیٰ ثابت ہوتی اور ان کا اجر و ثواب بھی بہت زیادہ ہے۔ یاد رہے کہ اس امت کے فقراء کو اغنیاء پر فضیلت ہے اور ان کی شان بھی بہ نسبت ان کے بلند و بالا ہے۔

حدیث شریف حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں فقراء کا قاصد ہوں۔ آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

مرحبا بك و بمن جئت من عند هم جئت من عند قوم احبهم -

(تم اور تمہارے بھیجنے والے خوش رہیں، تُو ایسے لوگوں سے آیا ہے جو میرے محبوب ہیں)

قاصد نے عرض کی : یا رسول اللہ ! فقراء عرض کر رہے ہیں کہ ہر نیکی میں دولت مند ہم سے بازی لے جاتے ہیں (مثلاً حج پڑھتے ہیں اور ہم حج نہیں کر سکتے) وہ صدقات و خیرات کرتے ہیں ہم محتاج ہیں ۔ وہ غلام آزاد کرتے ہیں ہم تنگ دست ہیں اور جب وہ بیمار پڑتے ہیں تو صدقہ کرتے ہیں ۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

فقراء اپنی تنگ دستی پر صبر کریں تو انہیں دولت مندوں پر فوقیت حاصل ہو گی اور تین ایسی خصلتیں حاصل ہوں گی جن سے اغنیا محروم رہیں گے :

(۱) بہشت میں ایک بالاخانہ ہے جو یاقوت احمر سے تیار کیا گیا ہے جسے بہشتی دُور سے ایسے دیکھیں گے جیسے ہم یہاں زمین سے ستاروں کو دیکھتے ہیں ۔ اس میں صرف نبی فقیر اور شہید فقیر اور مومن فقیر داخل ہوں گے ۔

(۲) فقراء اغنیاء سے پانچسو سال پہلے بہشت میں داخل ہوں گے ۔

(۳) جب تنگدست سبحان اللہ والحمد للہ و لا الہ الا اللہ واللہ اکبر خلوصِ قلب سے کہتا ہے اور ایسے ہی دولت مند خلوصِ قلب سے کہتا ہے تو غنی فقیر کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکے گا اس سے دگنا تنگدست فقیر کو ملے گا اگرچہ دولت منداس کے عوض میں دس ہزار درہم بھی خرچ کرے ۔ ایسے ہی ہر نیکی کا موازنہ کر لیجئے ۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قاصد یہ ارشادات عالیہ سُن کر لوٹا اور فقراء کو جا کر سنایا تو فقراء نے کہا : ہم اپنی تنگ دستی و فقر پر راضی ہیں ۔ ذکرہ الیافعی فی روض الریاحین ؎

صائب فریب نعمت الوان نمی خوریم

روزیٔ خود ز خوان کرم می خوریم ما

ترجمہ : صائب ! ہم مختلف نعمتوں سے دھوکا نہیں کھا سکتے اس لیے کہ ہم اپنے آقا کے خوانِ کرم سے روزی کھاتے ہیں ۔

اور فرمایا : ؎

افتد ہمای دولت اگر در کمند ما

از ہمت بلند رہا می کنیم ما

ترجمہ : دولت کا ہما بھی اگر قابو میں آجائے تو بھی اپنی بلند ہمتی سے ہم اسے آزاد کر دیں گے ۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

از گران تا بگران لشکر ظلمست و لے
از ازل تا با بد فرصت درویشانست

ترجمہ : لشکرِ ظلم ایک بوجھ سے دوسرے بوجھ سے پریشان ہے لیکن درویش از ازل تا ابد فرصت و فراغت رکھتا ہے۔

تفسیر عالمانہ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ یہ ندا اکرامت و تعظیم کی ہے اس لیے کہ بزرگی والے ہی ایسے لقب سے پکارے جاتے ہیں۔ یہ ندائے علامت نہیں، جیسے یا آدم وغیرہ میں اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا[1]۔ شہادۃ اس قول کو کہتے ہیں جو علم سے صادر ہو اور وہ علم بصر یا بصیرۃ کے مشاہدہ

---

[1] بعض لوگ چکر چلاتے ہیں کہ شاھد بمعنے حاضر نہیں بلکہ گواہ ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ شاھد بمعنے گواہ قرآن مجید اور دیگر جگہوں میں استعمال ہوا ہے۔ لیکن گواہ بھی اسی لیے شَاهِدٌ و شَهِیْدٌ ہے کہ وہ موقعہ پر موجود و حاضر ہوتا ہے۔ گواہی کے استعمالی آیات یہ ہیں :

شَهِدَ شَاهِدٌ	شَهِدَ اللّٰهُ
وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ	فَاِنْ شَهِدُوْا
لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَیْنَا	شَهِدْنَا عَلٰٓی اَنْفُسِنَا
وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی	وَالْمَلٰٓئِكَةُ یَشْهَدُوْنَ
وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ	اِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ
قُلْ لَّآ اَشْهَدُ	نَشْهَدُ اِنَّكَ
وَیُشْهِدُ اللّٰهَ	اُشْهِدُ اللّٰهَ
وَاَشْهَدْ بِاَنَّا	اَشْهَدُوْا
وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَایَعْتُمْ	فَاَشْهِدُوْا عَلَیْهِمْ
فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ	شٰهِدِیْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ
مَعَ الشّٰهِدِیْنَ	یَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ
كَاتِبٌ وَّلَا شَهِیْدٌ	عَلَیْكُمْ شَهِیْدًا
شَهِیْدَیْنِ	وَلَا یَاْبَ الشُّهَدَآءُ
مِنَ الشُّهَدَآءِ	وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ
كَتَمَ شَهَادَةً	شَهَادَةُ بَیْنِكُمْ
الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ	مِنْ شَهَادَتِهِمَا

(بقیہ حاشیہ آگے)

(بقیہ حاشیہ)

لَشَهَادَتُنَا

اسی طرح اہلِ لغت نے کہا کہ شَاهِدٌ جس کی جمع شُهُودٌ و شُهَّدٌ آتی ہے بمعنے گواہ ہے۔ اس لیے ان کا یہ چکر بے سُود ہے۔ بلکہ غور سے دیکھا جائے تو حاضر و ناظر کا اطلاق لغوی معنیٰ کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ پر بھی نہیں ہونا چاہیے کیونکہ حاضر و ناظر مکان کے معنیٰ کو مستلزم ہے اور اللہ تعالیٰ مکان و زمان سے پاک ہے۔

اہلِ لغت کہتے ہیں کہ حاضر کا مادہ "حضر" اور ناظر کا مادہ "نظر" ہے۔ حضر سے "الحضور" مصدر بنا جس سے حاضر مشتق ہوا۔ حضر، حضور اور حاضر کے بہت سے معنے کتبِ لغت میں مرقوم ہیں۔ مثلاً حضر کے معنی پہلو، نزدیکی، صحن، حاضر ہونے کی جگہ وغیرہ ہیں۔ اور حاضر کے معنیٰ شہروں اور بستیوں میں رہنے والا، بڑا قبیلہ وغیرہ آتے ہیں۔ یہ تمام معانی منجد، مختار الصحاح اور مجمع بحار الانوار وغیرہ کتابوں میں درج ہیں۔

ان کے علاوہ جن معنے سے ہماری بحث خصوصیت کے ساتھ متعلق ہے ان کی تفصیل یہ ہے حضر، حضرۃ، حضور سب کے معنیٰ ہیں سامنے ہونا، اور حاضر کے معنیٰ ہیں سامنے ہونے والا۔

جو چیز کھلم کھلا بے حجاب آنکھوں کے سامنے ہو اسے حاضر کہتے ہیں۔ منجد، صراح اور مختار الصحاح میں ہے کہ حضرۃ اور حضور غیبۃ کی ضد ہیں اور لغتِ قرآن کی مشہور کتاب مفردات امام راغب اصفہانی میں یہ بھی لکھا ہے کہ جو چیز سامنے نہ ہو یعنی حواس سے دُور آنکھوں سے پوشیدہ ہو اسے غائب اور غیب کہتے ہیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ حاضر غائب کی ضد ہے اور اس کے بعد یہ بھی معلوم ہو گیا کہ غائب اسے کہتے ہیں جو حواس سے دُور ہو اور نگاہوں کے سامنے نہ ہو۔ تو اب یہ بات ثابت ہو گئی کہ حاضر اسی کو کہا جائے گا جو حواس سے پوشیدہ نہ ہو اور کھلم کھلا بے حجاب آنکھوں کے سامنے موجود ہو۔

ہمارے اس روشن بیان سے ناظرین کرام نے اچھی طرح سمجھ لیا ہو گا کہ لفظ حاضر اپنے حقیقی لغوی معنے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی شان کے ہرگز لائق نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ شہروں اور بستیوں میں رہنے اور قبیلہ ہونے سے پاک ہے۔ جتنے معانی لفظِ حاضر کے منقول ہوئے اللہ تعالیٰ ان سب سے منزّہ و مبرّا ہے۔ قرآن کریم شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ حواس اور نگاہوں کے ادراک سے بھی بلند و بالا ہے۔ دیکھیے قرآن مجید میں ہے:

لا تدركه الابصار وهو يدرك الابصار و هو اللطيف الخبير۔
(آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں وہ تمام آنکھوں کا ادراک فرماتا ہے اور وہ لطیف و خبیر ہے)

حاضر کے بعد لفظ ناظر کے معنی کی تحقیق سنیے۔ مختار الصحاح میں ہے آنکھ کے ڈیلے کی سیاہی کو

(باقی بر صفحہ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ)

جس میں آنکھ کا تل ہوتا ہے ناظر کہتے ہیں اور کبھی آنکھ کو ناظرہ کہا جاتا ہے۔

ناظر کا ماخذ نظر ہے۔ مفردات راغب، مختار الصحاح، منجد اور صراح میں حسب ذیل معنیٰ منقول ہیں:
کسی امر میں تدبّر اور تفکر کرنا، کسی چیز کا اندازہ کرنا، آنکھ کے ساتھ کسی چیز میں غور و تامل کرنا، اور کسی چیز کا ادراک کرنے یا اسے دیکھنے کی غرض سے بصر و بصیرت کو پھیرنا۔ اس کے علاوہ نظر سے کبھی تامل و تلاش کے معنے بھی مراد لیے جاتے ہیں اور کبھی اس سے وہ معرفت اور رؤیت مراد ہوتی ہے جو تلاش کے بعد حاصل ہو۔

امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں کی طرف نظر فرمانے کے معنیٰ دیکھنا نہیں بلکہ صرف یہ معنیٰ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر احسان فرماتا اور انہیں اپنی نعمتیں پہنچاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

ولا یکلمھم اللہ ولا ینظر الیھم یوم القیٰمۃ۔
(اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کفار سے کلام نہ فرمائے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا)

مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن کافروں پر اللہ تعالیٰ کا کوئی انعام و احسان نہ ہوگا۔
تفسیر رُوح المعانی میں اسی آیہ کریمہ کی تفسیر میں ہے:

لا ینظر الیھم کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کفار پر مہربانی اور رحم نہیں فرمائے گا۔ اس کے بعد صاحب تفسیر فرماتے ہیں کہ جس کے حق میں لفظ "نظر" کا استعمال جائز نہیں (جیسا کہ اللہ تعالیٰ) اس کے لیے اگر یہ لفظ کبھی استعمال ہوا ہے تو وہ اپنے اصلی معنیٰ سے مجرد ہے اور صرف احسان کے معنیٰ میں ہے۔

مجمع بحار الانوار لغت حدیث کی مشہور کتاب میں ہے کہ حدیث پاک انّ اللہ لا ینظر الی صورکم الیٰ آخر الحدیث میں نظر کے معنے دیکھنا نہیں بلکہ یہاں پسندیدگی، رحمت اور مہربانی مراد ہے۔
اس کے بعد صاحب بحار الانوار فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نظر کے یہ معنے ہیں کہ وہ اپنے بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیتا ہے اور ان کا محاسبہ فرماتا ہے۔

اس روشن اور مدلل بیان کو پڑھ کر ہمارے ناظرین کرام نے اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا کہ ان دونوں لفظوں کے اصلی اور حقیقی معنیٰ اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان نہیں بلکہ ان معنیٰ سے اللہ تعالیٰ کا پاک ہونا یقینی امر ہے۔
اس کے بعد یہ حقیقت خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ جب حاضر و ناظر کے اصلی معنیٰ سے اللہ تعالےٰ کا پاک ہونا واجب ہے تو ان لفظوں کا اطلاق بغیر تاویل کے ذاتِ باری تعالیٰ پر کیونکر ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں حاضر و ناظر کوئی نام نہیں اور قرآن و حدیث میں کسی جگہ حاضر و ناظر کا لفظ

(باقی بر صفحہ آئندہ)

سے حاصل ہو (اسی تقریر پر ہم اہلسنت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر مانتے ہیں۔ تفصیل فقیر کی کتاب "دلوں کے چین" میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ)

شَاهِدًا، اَرْسَلْنٰكَ سے حال مقدرہ ہے۔ اس لیئے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بوقت ادا شاہد تھے اور شہادت ارسال کے بعد ہے جیسے مررت برجل معہ صقر صائدا بہ غدا (میں ایسے مرد سے گزرا جس کے ساتھ شکرا تھا اور وہ اس کے ساتھ کل شکار کرے گا) اس میں بھی صائدا کو حال مقدرہ بنایا گیا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے اپنی عظمت سے آپ کو رسول بنایا درانحالیکہ آپ کی شہادت آپ کی امت کی تصدیق و تکذیب کے لیے مقدر فرمائی جسے آپ قیامت میں ادا فرمائیں گے اور آپ کی شہادت شاہد عدل کی طرح قبول ہو گی یعنی آپ کی شہادت کے بعد ان پر حکم عائد ہوگا۔ وَّمُبَشِّرًا اور درانحالیکہ آپ اہل ایمان اور اہل طاعت کو بہشت کی اور اہل محبت کو رؤیت کی خوشخبری سنانے والے ہیں وَّنَذِيْرًاۙ اور درانحالیکہ آپ اہل کفر و معاصی کو نار سے اور اہل غفلت کو حجاب حق سے ڈرانے والے ہیں وَدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ اور درانحالیکہ آپ اللہ کی ذات اور اس کی وحدانیت اور جملہ احکام الٰہیہ کو قبول کرنے والوں اور اس کے جملہ صفات و افعال کے اقرار کرنے کی طرف بلانے والے ہیں۔

سیّدالرسل کی افضلیت کی دلیل

اس میں اشارہ ہے کہ ہمارے حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک خصوصیت ہے جو دوسرے انبیاء و رسل علیہم السلام میں نہیں۔ وہ یہ کہ آپ نے ہی خلق خدا کو ذاتِ حق کی دعوت دی بخلاف دوسرے انبیاء کے کہ وہ دعوت الخلق الی الجنۃ کے لیے مامور تھے۔ دوسرے یہ کہ ہمارے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے اپنی طرف بلانے کے ذاتِ حق کی دعوت دی اور باوجودیکہ آپ رفیع الشان تھے
بقیہ حاشیہ

ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے وارد نہیں ہوا، نہ سلف صالحین نے اللہ تعالیٰ کے لیے یہ لفظ بولا۔ کوئی شخص قیامت تک ثابت نہیں کرسکتا کہ صحابہ کرام یا تابعین یا ائمہ مجتہدین نے کبھی اللہ تعالیٰ کے لیے حاضر و ناظر کا لفظ استعمال کیا ہو۔

اور اسی لیے متاخرین کے زمانہ میں بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر کہنا شروع کیا تو اس دور کے علماء نے اس پر انکار کیا بلکہ بعض علماء نے اس اطلاق کو کفر قرار دے دیا بالآخر یہ مسئلہ (کہ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر کہنا کفر ہے یا نہیں) جمہور علماء کے سامنے پیش ہوا تو انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ چونکہ اس میں تاویل ہوسکتی ہے اس لیے یہ اطلاق کفر نہیں اور تاویل یہ کی کہ "حضور" کو مجازاً علم کے معنے میں لیا جائے اور "نظر" کے مجازی معنی رؤیت مراد لیے جائیں۔ اس تاویل کے بعد جب اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر کہا جائے گا تو یہ اطلاق علیم و بصیر کی طرح ہوگا۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھئے فقیر کی کتاب "دلوں کا چین"۔ اویسی غفرلہٗ

لیکن عبودیت پر فخر کرتے رہے تاکہ آقا کی طرف بلانے کی دعوت کا دعویٰ حق اور ثابت ہو۔ اسی لیے جس نے آپ کی دعوت کو قبول کیا اس کے لیے دعوت سراجِ منیر ثابت ہوئی اور اس کے لیے سبیل رشد کی رہبر بنی اور اسے عیوبِ نفس اور اس کی گمراہی سے آگاہ کیا بِاِذْنِہٖ اللہ تعالیٰ کے اذن یعنی اس کی تیسیر و تسہیل سے اذن بول کر تیسیر و تسہیل مجازاً مراد لی گئی ہے ان میں سببیت کا علاقہ ہے اس لیے کہ دوسرے کے ملک میں تصرف کرنا متعسر ہوتا ہے۔ پھر اس نے اجازت دے دی تو اس میں تصرف کرنا سہل اور آسان ہو گیا اذن بمعنے شے کی اجازت و رخصت کی خبر دینا لیکن یہاں اسے اپنے حقیقی معنے میں اس لیے استعمال نہیں کیا کہ ارسلناك و داعيًا الى الله ایک مشکل کام تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی امداد سے آسان ہو گیا مشکل بایں معنیٰ کہ مخلوق سے منہ پھیر کر خالق کی طرف متوجہ ہونا ایک سخت کام ہے۔ وہ اس لیے کہ غیر معہودہ قلادہ گردنوں میں ڈالنا سخت کام ہے۔

تفسیر صوفیانہ بعض مشائخ نے فرمایا کہ اذن سے یہاں مراد امرالٰہی ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے امر سے یہ امور سرانجام دے رہے ہیں۔ اس میں آپ کو اپنی طبع اور رائے کو کوئی دخل نہیں۔ وہ اس لیے کہ کاملین میں طبع نفسانی اور رائے شہوانی ہوتی ہی نہیں اس لیے کہ وہ قولاً فعلاً نہیں۔ بلکہ وجود کو کلی طور ذاتِ حق میں فنا کر کے دعوتِ الٰہی سرانجام دیتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا۝ آتش کا وہ شعلہ جو شمع کی بٹ سے نمودار ہوتا ہے۔ اسے عربی میں سراج سے تعبیر کرتے ہیں۔ اب معنی یہ ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے آپ کو چراغ روشن و درخشاں بنا کر بھیجا۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سراج منیر کہنے کے وجوہ

(۱) حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو سراج اس لیے کہا گیا کہ آپ سے ہی جہل و غوایت کے بادل چھٹے اور آپ کے انوار سے ہی مناہج رشد و ہدایت نصیب ہوئے جیسے چراغ سے اندھیروں اور تاریکیوں میں مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔ جیسے چراغ سے تاریکی مٹ جاتی ہے ایسے ہی آپ کے تشریف لانے سے ظلمتِ کفر عالمِ دنیا سے نیست و نابود ہوئی ؎

چراغ روشن از نورِ خدائی
جہاں را دادہ از ظلمت رہائی

ترجمہ: نورِ خدا سے چراغ روشن ہوا، جہان کو ظلمت سے نجات بخشی۔

(۲) گھر میں کوئی شے گم ہو جائے تو اسے چراغ کی روشنی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ایسے ہی دنیا والوں سے حقائق پوشیدہ تھے جب آپ کا ظہور ہوا تو وہ گم شدہ جواہرِ حقائق و معارف دنیا والوں کو مل گئے ؎

ازو جانرا بدانش آشنائیست
وزو چشم جہانرا روشنائیست
در گنج معانی بر کشادہ
وزاں صاحب دلانرا مایہ دادہ

ترجمہ : اسی سے دانائی کو آشنائی ملی، اسی سے آنکھوں کو روشنی ملی۔ اسی سے گنج معانی کے دروازے کھلے۔ اسی سے صاحبانِ دل کو سرمایہ نصیب ہوا۔

(۳) چراغ گھر میں ہو تو گھر والوں کو راحت و سرور حاصل ہوتا ہے اور چور اس گھر میں نہیں گھستے۔ بلکہ وہاں جانے سے شرمساری اور خجلت و ذلت محسوس کرتے ہیں۔ بایں معنیٰ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ ایمان کے لیے موجبِ صد راحت اور ہزار سرور اور دشمنوں اور منکروں کے لیے حسرت و ندامت کا سبب ہیں۔

(۴) چراغ فیاض ہے کہ اس سے ہزاروں اس جیسے چراغ روشن کیے جا سکتے ہیں اور اس کے اپنے نور میں بھی کمی واقع نہیں ہوتی۔

نورانیتِ مصطفٰی علیہ السلام اور اجماعِ اُمّت

تمام اُمت خواہ اہلِ ظاہر یا اہلِ شواہد سب کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جملہ مخلوق کو اپنے محبوب محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے پیدا فرمایا ہے باوجود اینہمہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور میں کمی نہیں ہوئی (لیکن وہابیوں دیوبندیوں نے سرے سے ہی آپ کی نورانیت کا انکار کردیا)

موسٰی علیہ السّلام کا سوال اور اللہ تعالیٰ کا جواب

اللہ تعالیٰ سے موسٰی علیہ السّلام نے عرض کی کہ یا الٰہ العٰلمین! میں تیرے خزانے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اپنے گھر کے سامنے آگ جلائیے پھر حکم دیجئے کہ تمام لوگ وہاں سے چراغ جلا کر لے جائیں۔ موسٰی علیہ السلام نے گھر کے سامنے آگ جلائی اور تمام لوگ وہاں سے چراغ روشن کرکے لے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسٰی! کیا تمہاری آگ میں کچھ کمی ہوئی ہے؟ عرض کیا کچھ کمی نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ایسے ہی میرے خزانوں کا حال ہے کہ اس سے کتنا ہی خرچ ہوتا جائے اس میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

حضور علیہ السّلام کا فیض کائنات پر

جتنے علوم شریعت و فوائدِ طریقت و انوارِ معرفت و اسرارِ حقیقت علمائے امت میں ظاہر ہو رہے ہیں تمام حضور نبی پاک شہِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار و اسرار سے حاصل ہوئے لیکن آپ کا فیض و کمال

جُوں کا تُوں ہے۔

چاند اور سُورج کی مثال دیکھیے چاند سورج سے نور حاصل کر رہا ہے لیکن سورج کے نور میں ذرّہ برابر کمی نہیں ہوتی۔

قصیدہ بُردہ شریف میں ہے: ؎

فانه شمس فضل هم كواكبها
يظهرن انوارها للناس فى الظلم

ترجمہ: اس لیے کہ آپ فضل وکرم کے سورج ہیں اور دوسرے ستارے سب کے سب اندھیروں میں آپ کا نور ظاہر کرتے ہیں۔

تو مہر منیری ہمہ اختر ند
تو سلطان ملکی ہمہ لشکر ند

ترجمہ: آپ مہرِ منیر ہیں باقی سارے ستارے ہیں آپ تمام ملکوں کے بادشاہ ہیں اور اور باقی سارے آپ کے لشکر ہیں۔

شرحِ اشعار قصیدہ بُردہ ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم فضلِ الٰہی کے سورج بن کر عالم میں چمکے اور دوسرے انبیاء علیہم السلام چاند بن کر ظاہر ہوئے لیکن وہ آپ کے نور سے نور حاصل کر کے عالم کو منور فرماتے رہے۔ اور یہاں علوم اور حکمتیں ہیں جو انہوں نے عالمِ شہادت میں پھیلائے۔ لیکن وہ اس وقت تھا جب ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم میں تشریف نہیں لائے جب آپ سورج کی مانند تشریف لائے تو ان سب کے ادیان منسوخ ہُوئے۔

ف: اس سے معلوم ہُوا کہ جو چاند سے نور حاصل کرتا ہے وہ گویا درحقیقت سورج سے ہی نور حاصل کر رہا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ گفت طوبیٰ من رآنی مصطفےٰ
والذی یبصر لمن وجھی رآی

۲ چون چراغ نور شمعی را کشید
ہر کہ دید آنرا یقین آن شمع دید

۳ ہمچنین تا صد چراغ از نقل شد
دیدن آخر لقای اصل شد

۴ خواہ از نور پسین بستان تو آن
ہیچ فرق نیست خواہ از شمعدان

ترجمہ : (۱) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، جس نے مجھے دیکھا اور میرے چہرے پر نگاہ ڈالی

(۲) ایسے ہے جیسے چراغ ، نور شمع کا حاصل کرتا ہے ۔ تو جو چراغ کو دیکھتا ہے گویا وہ شمع کو دیکھتا ہے ۔

(۳) اسی طرح اس سے ہزاروں چراغ جلالو ، دراصل دیکھنا تو اصل شمع کو ہوگا ۔

(۴) تم اسی چراغ سے نور حاصل کرو اس لیے کہ اصل شمع اور اس میں کوئی فرق نہیں ۔

(۵) جیسے چراغ چمکتا ہے تو اس سے ہر جگہ روشن ہو جاتی ہے ایسے ہی آپ جمیع عوالم کی جمیع جہات کے لیے چمکے ہیں خواہ کتنے ہی عوالم تھے سب کو آپ نے ہی روشن کیا یہاں تک کہ آپ نے اپنی امت کے جملہ جہات کو روشن فرمایا ۔ آنکھ والے تو اس نور سے باخبر ہیں ۔ ہاں ابوجہل اور اس کے متبعین نے نہ اس نور کو دیکھا نہ اس کی حقیقت کو سمجھا ۔ کما قال تعالیٰ :

ینظرون الیك وھم لا یبصرون ۔
(تیری طرف دیکھتے ہیں لیکن دیکھتے نہیں)

حکایت حضرت سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ ابو الحسن خرقانی قدس سرہٗ کے ہاں حاضر ہوئے ، تھوڑی دیر بیٹھ کر سوال کیا کہ آپ نے اپنے شیخ بایزید بسطامی قدس سرہٗ کو کیسے پایا ؟ آپ نے فرمایا ، وہ ایسے کامل تھے کہ جس نے انہیں دیکھا ہدایت پائی ۔ سلطان محمود نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے جبکہ ابوجہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا لیکن جہالت کی تاریکی سے نہ نکل سکا (تو کیا شیخ بایزید بسطامی (معاذ اللہ) حضور علیہ السلام سے شان میں بڑھ گئے) حضرت ابو الحسن خرقانی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ابوجہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہی نہیں ۔ بلکہ وہ تو محمد بن عبداللہ کو یتیم سمجھ کر دیکھتا رہا ۔ اگر وہ آپ کو رسول اللہ سمجھ کر دیکھتا تو لازماً سعادت پاتا ۔ یعنی اگر ابوجہل حضور علیہ السلام کو بحیثیت رسول کے دیکھتا اور سمجھتا کہ آپ ہادی معلم ہیں اس کی نگاہ اس خیال میں نہ رہتی کہ یہ تو بشر محض اور یتیم ہے تو یقیناً عرفان پاتا (وہابی دیوبندی سوچیں کہیں وہ حضور علیہ السلام کے متعلق اسی ابوجہل کے عقیدے کو تو نہیں اپنا رہے) لہ

(۶) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم عالم سفلی سے عالم علوی کی طرف اور عالم ملک سے عالم ملکوت کی

لہ یہی حکایت مولانا جامی قدس سرہٗ نے نفحات الانس میں بتغییر یسیر لکھی ہے ۔ اویسی غفرلہٗ

طرف، پھر وہاں سے عالم جبروت کی طرف پھر وہاں سے جذبۂ ادنٰی منّی کے ذریعہ عالم عظمت کی طرف پھر وہاں سے مقام قاب قوسین اور اقرب او ادنیٰ کی طرف وہاں سے ایسے مقام پر پہنچے جہاں آپ کے تملک کا سراج بلا واسطہ ملک اقرب نبی اللہ تعالیٰ کے نور سے منور ہو گیا۔
اسی مقام پر پہنچ کر سرکار کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا؛

لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل۔
میرا ایک ایسا وقت ہوتا ہے اس میں نہ کسی نبی مرسل کو گنجائش ہے نہ ملک مقرب کو۔

اس لیے کہ یہ مقام الوحدۃ ہے یہاں کوئی بھی قدم نہیں رکھتا سوائے اس ذات کے جو فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہوں۔ فانی ایسا کہ نور الہیۃ کی نار اس کے وجود کی لکڑیوں کو ایسا جلا کر راکھ بنا دے کہ اس سے نفسی نفسی کا دھواں بھی نہ نکلے اور یہ مرتبہ صرف ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ چنانچہ سب کو معلوم ہے کہ کل قیامت کو دوسرے انبیاء علیہم السلام نفسی نفسی پکاریں گے اور آپ اُمتی اُمتی کہیں گے۔

ہماری اس تقریر کی دلیل میں معراج کی رات کی حدیث مؤید ہے جبکہ آپ آسمانوں پر تشریف لے گئے تو ہر آسمان پر آپ کی جماعتِ انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوتی رہی یہاں تک کہ آپ ساتویں آسمان پر پہنچے تو وہاں آپ کی حضرت ابراہیم علیہم السلام سے ملاقات ہوئی۔ وہاں ابراہیم علیہ السلام سدرۃ المنتہیٰ سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ وہاں سے گزر کر سدرۃ المنتہیٰ کے آخری حصے تک پہنچے۔ وہاں جبریل علیہ السلام ٹھہر گئے۔ اس کے بعد آپ کو رفرف پیش کی گئی۔ آپ اس پر سوار ہوئے۔ اس نے آپ کو مقامِ قاب قوسین پر پہنچایا۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کو نورِ خصوصی سے نواز کر خلقِ خدا کی رہبری کے لیے بھیجا اور فرمایا؛

قد جاءکم من اللہ نور۔

تاکہ آپ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اپنی اتباع میں دعوتِ الی الحق دیں اور اللہ تعالیٰ نے بھی قانون بنا دیا کہ جس نے ان کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ جس نے ان سے بیعت کی اس نے اللہ تعالیٰ سے بیعت کی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ (قدرت) آپ کے ہاتھ پر ہے کیونکہ آپ فانی فی اللہ اور باقی باللہ تھے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے جملہ صفات کا ظہور آپ میں بدرجہ اتم تھا اس لیے ان کا نفع پہنچانا اللہ تعالیٰ کا نفع پہنچانا ہے (لیکن وہابی دیوبندی نجدی مودودی پارٹی کو نہ معلوم حضور علیہ السلام کی ذات سے چڑ کیوں ہے کہ وہ ان کے لیے صفاتِ الہیہ ماننے پر شرک کا فتویٰ جڑ دیتے ہیں۔ مثلاً ہم کہیں حضور علیہ السلام حاضر و ناظر ہیں، علم غیب کی صفت سے موصوف ہیں، مدد فرماتے ہیں، نور ہیں، مختار ہیں وغیرہ وغیرہ تو وہ ہم پر شرک اور کفر کے فتووں کی بھرمار کر دیتے ہیں۔ مفسر روح البیان قدس سرہٗ کی مذکورہ بالا تقریر کو

خوب ذہن نشین فرمائیے)[1]

ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو منیرؐ کی صفت سے موصوف فرمایا۔

سوال: جب سراجًا کہا گیا تو پھر منیرًا کے اضافے کی کیا ضرورت تھی۔

جواب: اس لیے کہ بعض چراغ روشنی میں ناقص ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ میرے محبوب علیہ السلام کو ناقص چراغ نہ سمجھ لیا جائے اس لیے اضافہ فرما کر اپنے محبوب علیہ السلام کی شان کو اجاگر فرمایا ہے۔

نکتہ: کاشفی نے لکھا کہ منیرًا کے اضافہ میں تاکید ہے کہ میرا محبوب علیہ السلام وہ چراغ نہیں کہ کبھی روشن اور کبھی بجھا ہوا ہو۔ یہ وہ چراغ ہے کہ جب سے روشن ہوا تا ابد روشن اور تاباں ہے۔ پھر دوسرے چراغ ہواؤں کے جھونکوں سے بجھ جاتے ہیں لیکن یہ وہ چراغ ہیں کہ انہیں کوئی شے بجھا سکتی ہی نہیں۔ کما قال تعالیٰ:

یریدون لیطفؤا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔

(چاہتے ہیں کہ وہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں اللہ تعالیٰ اپنا نور مکمل کرے گا اگرچہ اس سے کافر کراہت کریں)

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ ہر کہ بر شمع خدا آرد پُفو
شمع کے میرد بسوزد پوز او

۲ کے شود دریا ز پوز سگ نجس
کے شود خورشید از پُف منطمس

ترجمہ: (۱) جو شمع خدا کو پھونکتا ہے تو اس کی پھونک سے یہ شمع کب بجھ سکتی ہے۔

(۲) کتے کی رال سے دریا پلید نہیں ہوتا، نہ کسی کی تھوک سے سورج کا نور بجھ سکتا ہے۔

دوسرے چراغ وہ ہیں جو صرف رات کو روشنی دے سکتے ہیں۔ لیکن آپ وہ چراغ ہیں کہ شبِ دنیا کی ظلمتوں کو نورِ دعوت سے روشن فرمایا اور آخرت کے دن میں پرتوِ شفاعت سے روشن اور منور ہوں گے ؎

شد بدنیا رخش چراغ افروز
شب ما گشت ز التفاتش روز

باز فردا چراغ افروزد
کہ ازان جرم عاصیاں سوزد

---

[1] اضافہ از مترجم

ترجمہ: دنیا میں اس کا چہرہ روشنی دینے والا ہے ہماری شب تاریک اس کی نظر کرم سے روشن ہوگی پھر کل قیامت میں جب چراغ روشن فرمائیں گے تو اس سے عاصیوں کے گناہ جل جائیں گے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کو بھی سراج کہا ہے۔ کما قال:

وجعلنا سراجًا وھاجا۔

اور ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی چراغ۔ لیکن ان دونوں کی کیفیت یہ ہے کہ سورج آسمان کا چراغ ہے تو آپ زمین کے لیے۔ وہ دنیا کے لیے چراغ ہے تو آپ دین کے لیے۔ وہ فلک کی منازل کا چراغ ہے تو آپ محافل ملک کے۔ وہ آب و گل کا چراغ ہے تو آپ جان و دل کے۔ اس سے لوگ نیند سے بیدار ہوتے ہیں تو آپ سے خواب عدم سے اٹھ کر عرصہ گاہ وجود میں آئے ۔

از ظلمات عدم راہ کہ بروے برد
گر نشدے نور تو شمع روان ہمہ

ترجمہ: ظلمات عدم سے کون اس کی طرف راہ پاتا اگر آپ کی شمع کا نور تمام ارواح کی رہبری نہ فرماتی۔

ف: اسی لیے مشائخ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام اقلیم عدم سے تشریف لائے تو آدم علیہ السلام کے لئے چراغ بنے تاکہ انھیں معلوم ہو کہ ان سے پہلے آپ کا نور ہے۔

ف: بعض علماء نے فرمایا کہ سراج سے شمس اور منیر سے قمر مراد ہے۔ آپ دونوں صفات سے موصوف ہیں۔ اور اس میں اشارہ ہے، آیت:

تبارك الذی جعل فی السماء بروجا وجعل فیھا سراجاً وقمراً منیراً۔

وہ ذات بابرکت ہے جس نے آسمان میں بروج بنائے اور بنایا ان میں چراغ اور چاند روشنی دینے والا۔

ہم نے سورج کو قمر پر اس لیے محمول کیا ہے کہ بہ نسبت چراغ سورج اور چاند کا نور اتم و اکمل ہے۔

نکتہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ سورج اور چاند کے بجائے چراغ سے اس لیے آپ کو موصوف کیا گیا کہ قیامت میں سورج اور چاند اور ستارے نہیں ہوں گے۔ علاوہ ازیں سورج اور چاند ستارے اپنے مراکز سے منتقل نہیں ہو سکتے بخلاف چراغ کے کہ اسے جہاں چاہو لے جاؤ۔ اسی لیے آپ مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کر گئے اور قیامت میں صرف آپ کی ذات مبارکہ کام دے گی۔

تفسیر عالمانہ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ اس کا عطف فعل مقدر پر ہے۔ یہ دراصل فراقب احوال امتك وبشر المؤمنین ہے۔ یعنی اپنی امت کے احوال کی نگرانی فرمائیے اور اہل ایمان کو خوشخبری سنائیے بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا کہ اہل ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہ نسبت دوسرے انبیاء علیہم السلام کی امت کے بہت بڑا فضل ہے۔ اور

انھیں ان پر زیادہ شرافت اور اجر اعمال عطا کیا گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور احسان ہے۔

العجوبہ پہلی امتوں کو ایک نیکی پر ایک ثواب ملتا تھا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کیلئے ایک کے بدلے دس۔ اور بعض نیکی ایسی ہوتی ہے جس کا اجر و ثواب بے انتہا ہوتا ہے۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس سے بخشش بزرگ مراد ہے یعنی ایسے حضرات کو دولتِ دیدار سے نوازا جائے گا۔ دولتِ دیدار سے بڑھ کر اور کوئی بزرگی اور شرافت نہ ہو گی۔

ف : بعض علماء نے فرمایا کہ دعا مانگنے والے کو اجابت اور سیر الی اللہ والے کو منزلِ مقصود اور جد و جہد کرنے والے کو مدد اور شاکر کو زیادتیِ نعمت اور مطیع کو اجر و ثواب اور عاصی کو گناہوں کی معافی اور نادم کو رحمت اور محب کو کرامت اور مشتاق کو دیدار اور رؤیت نصیب ہو گی۔ خوشخبری سے یہی مراد ہے۔

ف : حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی و حضرت معاذ رضی اللہ عنہما کو بلا کر یمن کو روانہ کیا اور فرمایا کہ جا کر اہلِ اسلام کو خوشخبری سناؤ اور متنفر نہ کرو اور آسانی دو اور مشکل میں نہ پھنساؤ۔ اس لیے کہ مجھے میرے اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے۔ پھر یہی آیت تلاوت فرمائی۔ کذا فی فتح الرحمٰن

مسئلہ : آیت مذکور اور حدیث اور آیت وذکر فان الذکری تنفع المؤمنین سے ثابت ہوا کہ بیٹھ کر وعظ سنانا جائز ہے بشرطیکہ اس سے رضائے حق مطلوب ہو۔

مسئلہ : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب کو بعد نماز عشاء ذکر کی مجلس منعقد فرما کر گڑگڑا کر دعائیں مانگتے۔ پھر اہلِ مجلس کو خوف و رجاء کا وعظ سناتے۔ یعنی آپ کے وعظ میں نہ تو تمام خوف کی باتیں ہوتیں اور نہ ہی تمام باتیں امید از رحمتِ الٰہی کی۔ یعنی درمیانہ وعظ ہوتا۔

مسئلہ : جو شخص کسی عذر سے ذکر نہیں کرتا اور اپنے بجائے دوسرے کو خلیفہ بنا کر مجالسِ ذکر منعقد کراتا ہے تو بھی جائز ہے۔

مسئلہ : مختلف شہروں اور قصبوں اور دیہاتوں میں ذکر کی مجالس منعقد کرنے کے لیے اپنے خلفاء بھیجے جائیں کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے بندوں کا بہت بڑا دینی فائدہ ہے۔ جیسا کہ اہلِ ارشاد پر مخفی نہیں ہے۔

وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ اور کفارِ مکہ کی اطاعت نہ کیجئے **وَالْمُنٰفِقِيْنَ** اور نہ مدینہ طیبہ کے منافقین کی۔ اس سے مداومت مراد ہے یعنی آپ ان کی مخالفت پر مداومت کیجئے اور کبھی ان کی اطاعت اور اتباع نہ کرنا۔

ف : الارشاد میں ہے کہ امر دعوت اور تبلیغ میں نرمی کرنے اور ان کے انذار میں چشم پوشی سے روکا

گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہُوا کہ آپ ہر حال میں ان سے دُور رہیں اور ان سے سخت نفرت کریں اور انہیں اپنے کسی بھی معاملہ میں اپنا یار و مددگار نہ بنائیں۔

وَدَعْ اَذٰىهُمْ اور اگر وہ آپ کی انذار و تبلیغ کے معاملہ میں سخت گیری پر آپ کو ستائیں تو ان کی پروا نہ کیجئے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک دفعہ قسم کھائی تو انصاریوں میں کسی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی ہے لیکن اس سے ان کا ارادہ رضائے الٰہی کا نہیں ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سُنا تو آپ کا چہرہ سُرخ ہوگیا اور فرمایا، موسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ وہ مجھ سے بہت زیادہ ایذا دئے گئے لیکن پھر بھی صبر فرمایا۔

صد ہزاران کیمیا حق آفرید
کیمیائے ہمچو صبر آدم ندید

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے بے شمار کیمیا پیدا فرمائے لیکن آدم کے صبر جیسا کوئی بہتر کیمیا نہیں۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان کی عادات میں سے کسی کو نہ اپنایئے اور جس نے ہم سے رُوگردانی کی اور جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل بنا دیا اور جسے ہم نے گمراہ کیا یعنی کفار و منافقین اور اہلِ بدعت اور اہلِ جدال کی موافقت نہ کیجئے۔ اس میں صدق و سچائی سے اربابِ طلب کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اس دعوت کا انکار کریں اور نہ اس سے غفلت برتیں جب انہیں خواہشاتِ نفسانی کی طرف میلان ہو یا ان سے راہِ حق کے انقطاع کے امور سامنے آئیں تو ان کی اطاعت نہ کریں اگرچہ وہ ہزاروں قسمیں کھا کر کہیں کہ ہم تمہارے خیرخواہ ہیں اور تمہارے لیے شفیق و کریم ہیں اور تمہیں نیکی کی دعوت دے رہے ہیں (جیسے آج کل تبلیغی جماعت کے بستر بند لوگ اہلِ اسلام کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسا رہے ہیں) وداع اذٰىهم ان سے بحث و تمحیص اور مناظرہ و مجادلہ نہ کیجئے کیونکہ وہ کلماتِ حق سے کوسوں دُور ہیں ان سے بات کر کے تضییعِ اوقات نہ کریں۔

تفسیر عالمانہ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اور جملہ امور بالخصوص دعوت و تبلیغ کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر بھروسا کیجئے وہ آپ کی کفایت فرمائے گا بالآخر نیک انجام آپ کے لئے ہے۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا اور اللہ تعالیٰ وکیل ہے یعنی جملہ احوال میں جملہ امور اسی کے سپرد کئے گئے ہیں۔ وکیل بروزن فعیل بمعنے مفعول ہے اور کفیٰ کے فاعل یعنی اللہ سے تمیز واقع ہے اور بار صلہ کی ہے

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ از روئے کفالت کافی ہے اس لیے کہ دارین کی ہر ضرورت کا وہی پورا کرنے والا ہے۔

ف : جس کا یقین مستحکم ہو کہ بندوں کے جملہ امور اسی کے ہاتھ میں ہیں اور وہی سب کے کام کرتا ہے اور ہر ایک کی ضروریات پوری کرتا ہے۔ کسی حال میں کسی سے بھی دُکھ نہیں پایا اور نہ ہی اسے پریشانی ہوتی ہے۔

حکایت حجاج بن یوسف نے کسی سے کعبہ معظمہ کے گرد طواف کرتے ہوئے زور سے لبیک پڑھتے ہوئے سُن کر فرمایا: اس شخص کو میرے ہاں لاؤ۔ جب اسے لایا گیا تو حجاج نے اس سے پوچھا، تُو کون ہے؟ اس نے کہا: میں مسلمان ہوں۔ حجاج نے کہا: میری مراد یہ ہے کہ آپ کس شہر سے تشریف لائے ہیں؟ اس نے کہا: یمن سے آیا ہوں۔ حجاج نے پُوچھا کہ محمد بن یوسف کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا: بہت خوب۔ موٹا تازہ ہے۔ خوش لباس ہے، ہروقت سواری پر نظر آتا ہے، کبھی شہر کے باہر کبھی اندر جاتا ہے۔ حجاج نے کہا: میں نے یہ نہیں پُوچھا بلکہ میں پُوچھتا ہُوں کہ اس کے عادات کیسے ہیں؟ اس نے کہا: وہ بہت بڑا ظالم، خیانتی، ظالموں بدکاروں کا حامی اور خالق کا نافرمان انسان ہے۔ حجاج نے کہا کہ آپ بڑے جری ہیں، آپ کو معلوم نہیں کہ وُہ میرا بھائی ہے اور بھائی کا گلہ بھائی برداشت نہیں کرسکتا۔ اس شخص نے کہا: آپ کو معلوم نہیں کہ میں کون ہُوں! حجاج نے کہا، وہ کیسے؟ اس نے کہا: میں بھی اللہ تعالیٰ کا مہمان اور اس کے نبی ذیشان علیہ السلام کا غلام ہوں۔ یہ سُن کر حجاج خاموش ہوگیا اس سے کوئی جواب نہ بن آیا۔ وہ شخص حجاج سے پُوچھے بغیر اس کی مجلس سے نکل آیا اور پھر سیدھا کعبہ معظمہ کی طرف چلا گیا اور اس کے پردوں کو پکڑ کر کہا: اے اللہ! مجھے تیری پناہ چاہیے اور مجھے نجات عطا فرما اور تیری مہربانی قدیم ہے اور تو ہر ایک پر کرم نوازی فرماتا ہے۔

سبق شخص مذکور حجاج سے توکل کی برکت سے نجات پا گیا ورنہ حجاج کو اس کی باتیں کب گوارا تھیں وہ اپنے نافرمان کو قطعاً معاف نہ کرتا اور فوراً اسے تہ تیغ کردیتا۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَکَحْتُمُ بحر العلوم میں ہے کہ النکاح بمعنے الوطی۔ پھر استعارۃً بمعنے عقد استعمال ہونے لگا۔ ایسے مجازات عرب میں عام ہیں کہ مسبب کو سبب کا نام دیتے ہیں۔ مثلاً عقد نکاح وطی مباح کا سبب ہے۔ اسی قاعدہ پر آیۃ الزانی لاینکح الا زانیۃ میں ینکح بمعنے یتزوج ہے۔ ایسے ہی اہلِ عرب نبات کو غیث کہتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے؛

رعینا الغیث۔

وہ اس لیے کہ غیث نبات کا سبب ہے۔ اور خمر سے گناہ مراد لیتے ہیں اس لیے کہ شراب گناہ کا سبب ہے۔

امام راغب نے المفردات میں لکھا ہے کہ دراصل نکاح بمعنے عقد ہے پھر استعارۃً جماع کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن یہ محال ہے کہ اس کا اصلی معنیٰ جماع ہو اور پھر استعارۃً بمعنے عقد استعمال کیا جائے اس لیے کہ جماع کے جملہ اسماء کنایاتی ہیں اس لیے کہ اہلِ عرب اس کی تصریح کو اس کے ارتکاب کی طرح قبیح سمجھتے ہیں اور پھر یہ بھی محال ہے کہ جس کا وہ ذکر بھی قبیح سمجھتے تو اسے مستحسن امر کے لیے استعارہ کریں۔

القاموس میں ہے کہ النکاح بمعنے وطی وعقد۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے ایمان والو! جب تم نکاح کرو الْمُؤْمِنٰتِ مومن عورتوں سے۔ یہاں صرف اہلِ ایمان عورتوں کی قید لگائی گئی اگرچہ کتابیات کے ساتھ بھی نکاح جائز ہے تاکہ تنبیہ ہو اہلِ ایمان صرف مومن عورتوں سے نکاح کرتے ہیں تاکہ نطفے کی حفاظت ہو اور فاسق عورتوں سے اجتناب۔ چہ جائیکہ وہ کافر عورتوں سے نکاح کرے۔ سورۂ مائدہ میں کتابی عورتوں سے نکاح کی تصریح ہے تاکہ اس کے جواز کا علم ہو اور یہاں مومن عورتوں پر اکتفا کیا گیا ہے تاکہ اہلِ ایمان کو معلوم ہو کہ ان کے لیے اہلِ ایمان عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا اولیٰ ہے اس لیے کہ جنس کو جنس کی طرف میلان ہوتا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

جنس سوئے جنس صد پرہ پرد

بر خیالش بند ہا را بر درد

ترجمہ: جنس اپنی جنس کی طرف ہزار بار میلان رکھتی ہے بلکہ اسی کے تصور میں ہزاروں قیدوبند توڑ ڈالتی ہے۔

آں یکے را صحبت اخیار خار

لا جرم شد پہلوے فجار جار

ترجمہ: دوسرے وہ ہیں جو بہتر لوگوں کی صحبت سے نفرت کرتے ہیں۔ اس لیے بُروں کے مصاحب بھی بُرے ہوتے ہیں۔

ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ طلاق کا لغوی معنیٰ ہے التخلیة من الوثاق (کسی کی قیدوبند چھوڑ دینا) مثلاً کہا جاتا ہے:

اطلقت الناقة من عقالها۔

(میں نے اونٹنی کا بند چھوڑا)

اور کہتے ہیں:

طلقها وھی طالق وطلق بلا قید وغیرہ۔

اسی سے استعارہ کرکے کہتے ہیں:

طلقت المرأة ای خلیتها فھی طالق۔

یعنی وہ میرے نکاح سے نکل گئی مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ جماع کرنے سے پہلے انہیں طلاق دو
مَسّ اور لمس سے جماع مراد ہے۔
ف : لفظ ثُمَّ سے ایک وہم کا ازالہ کیا گیا ہے وہ یہ کہ طلاق کی تراخی عدت پر اثر انداز ہوگی جیسے نسب عدۃ پر اثر انداز ہوتا ہے اس لیے کہ غیر مدخولہ کی وہی عدت ہے جب اسے طلاق ملے گی خواہ نکاح کے فوراً بعد طلاق دے دے یا دیر کر کے۔
مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ نکاح سے پہلے کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی اس لیے کہ طلاق کو نکاح پر مترتب کیا گیا ہے۔
اسی لیے بعض فقہا نے کہا کہ نکاح ایک گرہ ہے جسے طلاق ہی کھولتی ہے۔ جب گرہ ہی نہ ہو تو پھر کھولنے کا کیا معنی!
مسئلہ : اسی قانون پر امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ نے الفاظ متی تزوجت فلانة او کل امرأة اتزوجها فهی طالق (جب میں نے فلانہ سے نکاح کیا یا جس عورت سے میں نکاح کروں وہ مطلقہ ہے) سے طلاق کے عدمِ وقوع کا فتویٰ دیا ہے۔
ہمارے امام اعظم سیدنا ابو حنیفہ قدس سرہٗ نے وقوعِ طلاق کا حکم صادر فرمایا ہے آپ نے اسے طلاق معلق میں شامل فرمایا ہے۔
مسئلہ : قائل کا نکاح فضولی سے کیا تو قائل کی عورت مطلقہ نہ ہوگی۔ کذا فی المحیط۔ قال امام ابوحنیفہ۔
مسئلہ : اس صورت میں امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر معین عورت کا نام لے کر کہا یا کسی خاص قبیلہ یا کسی خاص شہر کی عورت کے لیے مذکورہ الفاظ کہے تو طلاق واقع ہوگی اور اگر عام اور مطلق کہا، مثلاً :

کل امرأة اتزوجها من الناس کلهم۔

تو نکاح کرنے کے بعد طلاق واقع نہ ہوگی۔
مسئلہ : ایسی جگہ اپنی منکوحہ کے ساتھ تنہائی میں رہنا جہاں اسے جماع کرنا آسان تھا تو جماع کا حکم ثابت ہو جائے گا خواہ جماع نہ کرے۔ یہی امامِ اعظم ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کا مذہب ہے۔
ف : خلوۃِ صحیحہ یوں کہ دروازہ بند کر کے کسی ایسے مکان میں رہنا جہاں جانبین (زن و شوہر) کے لیے کوئی شے جماع سے مانع نہ ہو۔
ف : مانع از جماع تین چیزیں ہیں :

(۱) حسّی جیسے بیماری، اس لیے کہ اس سے جماع میں رکاوٹ ہوتی ہے۔ ایسے ہی رَتَق یعنی عورت کے

رحم کا انسداد جو جماع سے ہوتا ہے۔

(۲) شرعی جیسے روزۂ رمضان۔

مسئلہ: نفلی اور قضا اور نذر و کفارہ کے روزے مانع نہیں ہیں۔ یہی صحیح ہے اس لیے کہ ان کے توڑنے سے کفارہ واجب نہیں۔ ایسے ہی احرام فرضی یا نفلی، اس لیے کہ جماع کرنے سے احرام ٹوٹ جاتا ہے اور اس پر دم لازم ہے اور قضا بھی۔

(۳) طبعی جیسے حیض و نفاس، کیونکہ طبائع سلیمہ ایسی حالت میں جماع سے نفرت کرتی ہیں۔

مسئلہ: ان موانع کے بغیر اگر عورت سے علیحدگی اختیار کی، یہاں تک کہ وہاں نابینا اور کوئی نیند کرنے والا بھی نہیں تھا اور ہر کسی کو ان کی خلوت (جماع) کا علم نہیں ہو سکتا جب تک وہ اجازت نہ دیں عورت مدخولہ سمجھی جائے گی اور مرد پر اس کا مہر ادا کرنا واجب ہوگا اس لیے کہ ایسی تنہائی میں عورت کو لے کر بیٹھنا خلوتِ صحیحہ کے حکم میں ہے اگرچہ مرد خصی ہو یا اس کے خُصیے کٹے ہوں یا عنین (نامرد) ہو۔ یعنی وہ مرد جو وطی کرنے پر قدرت نہیں رکھتا ایسے ہی مجبوب (جس کا ذکر کٹا ہوا ہو) ۔ یہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ صاحبین اس کے خلاف ہیں۔

مسئلہ: فرضی نماز بھی فرضی روزے کی طرح مانع ہے اس لیے کہ نماز کے ترک پر وعید شدید ہے۔

مسئلہ: خلوتِ صحیحہ سے عدت واجب ہو جاتی ہے۔ اگرچہ مانع بھی ہو۔ یہ احتیاطی تدبیر ہے، اس لیے کہ ممکن ہے مرد کا پانی عورت کے رحم میں چلا گیا ہو اور یہ حقوق شرع میں سے ہے اور اولاد کی حفاظت کے لیے ہے۔

ف: حیض، نفاس، رتق عورت کے اعذار ہیں اور مرض مطلق، احرام، روزہ مشترک اعذار ہیں اس لیے کہ یہ اعذار مرد اور عورت دونوں کو لاحق ہوتے ہیں اس لیے یہ دونوں کے لیے مانع متصور ہوں گے۔ کذا فی تفسیر ابی اللیث۔

اب آیت کا معنیٰ یوں ہوا کہ اے لوگو! جب تم اپنی عورتوں کو قبل از دخول اور بعد خلوۃ صحیحہ طلاق دو **فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ** پس نہیں تمہارے لیے ان مطلقہ عورتوں پر عدت کہ تم ان کے نکاحِ ثانی کا انتظار کرو۔

حلِ لغات: عدّۃ سے وہ ایام مراد ہیں کہ جنہیں عورت گزارے گی تب کسی کے ساتھ نکاح ہوگا۔ **تَعْتَدُّونَهَا** محلاً مجرور ہے اس لیے کہ یہ عدّۃ کی صفت ہے یعنی ان کے وہ ایام جنہیں تم گنتے رہو گے اور انہیں گھروں میں بند رکھو گے تاکہ ان کے ایام حیض گزریں۔ یا حیض سے فارغ ہے تو تین ماہ گنے جائیں۔

ف: گنتی کا اسناد مردوں کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ عورتوں کی عدت کا انتظار کرنا مردوں کا حق ہے

جیسا کہ فما لکم سے بھی معلوم ہوتا ہے۔

مسئلہ: آیت سے معلوم ہوا کہ غیر مدخولہ عورت کو عدت گزارنے کی ضرورت نہیں خواہ طلاق ملتے ہی کسی سے نکاح کرلے اس لیے کہ اس میں نطفۂ غیر کا کوئی وہم نہیں ہے۔ ایسے ہی وہ لونڈی جسے بیچا گیا تو اس کے ساتھ مالک نے بیچنے سے پہلے وطی نہیں کی اور یقین ہے کہ اس کے رحم میں غیر کا نطفہ نہ ہوگا تو اس لونڈی کو استبراء کی ضرورت نہیں۔ یہ امام ابو یوسف کا مذہب ہے۔ طرفین یعنی حضرت امام اعظم و حضرت امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر لونڈی باکرہ ہو یا ایسے شخص سے خریدی گئی جس سے وطی کا امکان نہیں۔ مثلاً عورت سے خریدی گئی یا بچے سے یا عنین و مجبوب سے یا بیچنے والے کو شرعی مانع تھا۔ مثلاً وہ ذی رحم محرم ہو یا رضاعی رشتہ دار یا حرمت مصاہرۃ۔ ایسے ہی وہ موجبات جن سے وطی کرنا اس پر حرام ہو ایسے ہی وطی کے دوسرے اسباب، جیسے بوسہ لینا اور گلے لگانا، اور شہوت سے اس کی فرج وغیرہ کو دیکھنا ایسے امور میں لونڈی کے لیے استبرا از حیض، یا اس کا معائنہ کردیا کہ اس کے اندر حمل تو نہیں ٹھہر گیا۔ کذا فی شرح القہستانی۔

فَمَتِّعُوهُنَّ تو انہیں متعہ دو۔ متعہ سے چادر، دوپٹہ اور قمیص مراد ہے۔ جیسا کہ اس سورۃ میں ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

مسئلہ: اگر عورت کے لیے نکاح کے وقت مہر مقرر نہیں ہوا تو متعہ واجب ہے۔ اگر مہر مقرر ہوا تو متعہ کے کپڑے دینا مستحب ہے۔ اگر غیر مدخول بہا کا مہر مقرر ہوا تو طلاق کے بعد نصف مہر دینا ہوگا متعہ دینے کی ضرورت نہیں۔ کما قال تعالیٰ:

وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن وقد فرضتم لهن فريضة فنصف ما فرضتم۔

(یعنی اگر عورتوں کو جماع سے پہلے طلاق دو تو تم کو مہر کا آدھا حصہ دینا ہوگا)

وَسَرِّحُوهُنَّ اسی سورۃ میں تسریح کا معنیٰ تفصیل سے گزرا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ غیر مدخولہ عورتوں کو طلاق دینے کے بعد انہیں گھروں سے نکال دو اس لیے کہ ان پر عدت گزارنا واجب نہیں ہے۔ **سَرَاحًا جَمِيلًا ٥** اس سے مراد یہ ہے کہ انہیں گھروں سے نکالتے وقت نہ تو کوئی نقصان پہنچاؤ اور نہ ہی ان کا کوئی حق روکو۔

مسئلہ: کشف الاسرار میں ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ انہیں جور غضب سے یا کسی کے کہنے پر طلاق مت دو اور نہ ہی بیک وقت تین طلاق دو اور نہ ہی ان کے مہر روکو۔

ف: تسریح کو طلاق سنّی کے معنے پر محمول کرنا مناسب ہے اس لیے کہ طلاق سنّی مدخول بہا کے لیے ہوتی ہے اور یہاں غیر مدخول بہا عورتوں کا ذکر ہو رہا ہے اور ضمیر بھی ان کی طرف راجع ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے آیت میں اشارہ ہے کہ انسان کو اخلاق بلند رکھنے ضروری ہیں یعنی اے مسلمانو! جب تم مومنہ عورتوں سے نکاح کرو اور ان کے دل بھی تمہاری طرف مائل ہیں پھر تم ان کے وصال سے پہلے انھیں اپنے سے جُدا کرنا چاہتے ہو اور اپنے سے ان کے دل توڑنے کا ارادہ رکھتے ہو تو تمہیں ضروری نہیں کہ جُدا کرنے کے بعد کسی عدّت وغیرہ کا انتظار کرو، ہاں انہیں اپنے سے جُدا کرتے وقت کچھ کپڑے وغیرہ دے دو تاکہ وُہ بوقتِ جُدائی تمہاری یادگار بن جائیں اور ان کپڑوں سے ان عورتوں کے دل جُدائی کی وحشت سے مغموم ومحزون نہ ہوں پھر انہیں اپنے سے اچھے طریقے سے چھوڑ دو یعنی جدائی کے بعد تم انہیں خیر اور بھلائی سے یاد کرو اور انہیں جو کچھ تم نے احسان وکرم کے طور پر عنایت کیا ہے ان سے مت چھینو۔ تمہارے لیے لازم ہے کہ انہیں جدائی کے ضرر کے ساتھ مال چھیننے کا نقصان نہ پہنچاؤ۔

سبق مومن پر واجب ہے کہ وہ کسی کا ناحق دل نہ دکھائے یہاں تک کہ کُتّا اور خنزیر بھی اس سے ایذاء نہ پائیں اور ذرّہ برابر بھی کسی پر ظلم نہ کرے۔ اگر کسی کو رنج اور تکلیف پہنچائی تو اس سے معافی طلب کرے اور اسے راضی کرنے کی کوشش کرے۔ ہم اپنے دور میں بہت سے لوگوں کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ لوگوں کو خواہ مخواہ تکلیف پہنچا کر بہت بڑے گناہوں میں مبتلا ہو رہے ہیں اور لوگوں سے مفت میں لڑائی مول لے کر پھر صلح وصفائی کے لیے مال اور دولت لوٹتے ہیں۔ یہ غریب موت کے کڑوے گھونٹ سے بے خبر ہیں۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ ہزار گونہ خصومت کنی بخلق جہان
زبسکہ در ہوس سیم و آرزوئے زری

۲ تراست دوست زر وسیم وخصم صاحب اوست
کہ گیری از کفش آنرا بظلم و حیلہ گری

۳ نہ مقتضائے خرد باشد و نتیجۂ عقل
کہ دوست را بگزاری وخصم را ببری

ترجمہ: (۱) ہزار طرح خلقِ خدا سے جھگڑا کرتا ہے صرف اس لیے کہ تجھے سیم وزر کی ہوس ہے۔
(۲) تجھے سیم وزر سے پیار ہے لیکن اس کا مالک تو اس کا دشمن ہے جسے تو ہزار حیلہ وظلم سے حاصل کرتا ہے۔
(۳) یہ تو عقل کے تقاضے اور دانش کے نتیجے سے باہر ہے کہ تو دوست کو چھوڑ کر دشمن کے گھر میں لے جائے۔

تفسیر عالمانہ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ الاحلال بمعنے حلال کرنا۔ دراصل حلال گرہ کھولنے کو کہا جاتا ہے۔ اسی سے استعارہ کر کے حل الشیٔ حلا کا بولتے ہیں کذا فی المفردات۔

اب معنی یہ ہوا کہ اے پیارے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے آپ کے لیے حلال کی ہیں اَزْوَاجَكَ الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وہ عورتیں جن کا آپ نے مہر ادا کیا ہے۔ عقد اور عقد کے قائم مقام کے عوض میں جو کچھ ادا کیا جائے اسے اجر سے تعبیر کرتے ہیں یعنی عمل دنیوی یا اخروی کے ثواب کا نام اجر ہے لیکن یہاں پر مہر مراد ہے وہ اس لیے کہ مہر بھی عورت کی بضع کا بدلہ ہے بضع بمعنے مباشرت اور عورت کا مرد کے حق میں زندگی بسر کرنا، مہر معجل ہو یا مؤجل، لیکن حضور علیہ السلام کے لیے مہر سے احلال کو مقید کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نکاح کے وقت اس کا ذکر بھی ضروری ہے یا اس کی نفی سے نکاح میں فرق آ جائے اس لیے کہ مہر کے عدم ذکر یا عدم تسمیہ سے نکاح ہو جاتا ہے۔ ہاں اس پر مہر ادا کرنا واجب ہوگا یا متعہ، جبکہ مہر کی نفی ہو۔ بلکہ اس سے زائد اشیاء دینا افضل ہے وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ اور وہ لونڈیاں بھی ہم نے آپ پر حلال کی ہیں جن پر آپ نے قبضہ کیا مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الافاء بمعنے غنیمت کا مال دینا۔ بعض نے فئے اس غنیمت کو کہا ہے جو بلا مشقت حاصل ہو۔ اسے فئی بمعنے ظل یعنی سایہ سے تشبیہ دی گئی ہے تاکہ تنبیہ ہو کہ جیسے سایہ جلد تر مٹ جاتا ہے ایسے ہی مالِ دنیا کا حال ہے۔

مسئلہ: فقہا کرام نے فرمایا کہ کفار سے جو کچھ غنیمت کے طور پر حاصل کیا جائے اسے فئی کہا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ فئی ہر اس فائدہ کو کہا جائے گا جو امیرِ لشکر کی طرف لوٹے گا۔ یہ فئی بمعنے عَوْد سے ہے یعنی لوٹنا۔

خلاصہ یہ کہ جو شے ہم کفار و مشرکین سے جنگ کے دوران غلبہ پا کر حاصل کریں گے اسے فئی سے تعبیر کیا جائے گا اور جزیہ کو بھی فئی کہا جاتا ہے۔ اور اہل صلح سے حاصل کردہ مال کو بھی فئی سے تعبیر کرتے ہیں اور خراج کو بھی فئی کہتے ہیں اس لیے کہ یہ جملہ اموال وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے چھین کر مسلمانوں کو عطا فرمائے ہیں اور یہاں پر مطلق عطا مراد ہے اور مملوکہ کی حلت کو قید میں آ جانے سے اس لیے مقید کیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام کو ہر حال میں اولیٰ امر کے اختیار کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اس لیے کہ خرید کردہ لونڈی مما افاء اللہ میں سے نہیں اور قید میں لائی ہوئی لونڈی مما افاء اللہ میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بی بی ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا مما افاء اللہ میں سے نہیں اس لیے کہ یہ بی بی قید ہو کر نہیں آئی تھیں بلکہ شاہِ مصر ملقب بہ مقوقس نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدیہ کے طور بھیجی تھی۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی باندیاں انسان العیون میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار باندیاں تھیں،

(۱) بی بی ماریہ قبطیہ اُمّ ابراہیم رضی اللہ عنہ
(۲) ریحانہ
(۳) جاریہ جمیلہ جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بی بی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے ہبہ کیا۔
(۴) زلیخا القرظیہ

ریحانہ بنت یزید بنی نضیر کے قبیلہ سے تھیں۔ یہی قول زیادہ مضبوط ہے۔ ایسے ہی عراقی نے فرمایا۔ اور حافظ دمیاطی نے فرمایا کہ اہلِ علم کے نزدیک ترجیح اسی قول کو ہے۔ انھیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرفِ زوجیت حاصل ہوا اور صفیہ بنت حیی یا روئیہ خیبر کے غنائم سے حاصل ہوئیں اور جویریہ بنت الحارث بن ابی صوار الخزاعیہ المصطلقیہ یہ دونوں اگرچہ قیدی ہوکر آئیں لیکن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کرکے شرفِ زوجیت سے نوازا۔ اس معنے پر یہ دونوں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں شامل ہوں گی انھیں کنیزوں میں شامل نہ کرنا چاہیے۔ کتب سیر میں ایسے ہی وارد ہے حضرت مولانا ابوالسعود صاحبِ تفسیر سے سوال ہُوا کہ غازیوں کی حاصل کردہ لونڈیوں کو خرید کر انھیں بلا نکاح تصرف میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا: مکروہ ہے۔ اس لیے کہ آج کی تقسیم میں شک شبہ ہے اس لیے ہمارے دور میں شرعی تقسیم نہیں رہی۔ یہ ۹۴۵ھ کا دور ہے۔ ہاں اگر صحیح طریقہ شرعیہ کے مطابق تقسیم ہو تو کوئی حرج نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی شک وشبہ ہے۔

ف: نفل اس مال کو کہا جاتا ہے جو غازی کو غنیمت کے علاوہ انعام کے طور پر دیا جاتا ہے۔ مثلاً اس وقت کا امیر اور حاکم کہہ دے جو جسے قتل کرے گا اس مقتول کا مال قاتل کو دیا جائے گا۔ یا یوں کہے کہ لونڈیوں میں سے جو بھی حاصل کرلے وہ اسی کی ہوگی یا اس کا چوتھا یا پانچواں حصہ ملے گا وغیرہ وغیرہ اس کے بعد وقت کے حاکم کو وعدہ کے مطابق زیادہ مال دینا ہوگا۔

وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ ۔ البنت والابنۃ ابن کی مونث ہے۔ عم باپ کا بھائی یعنی چچا، عمہ باپ کی بہن۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم نے آپ پر قریش کی عورتوں میں سے حضرت عبدالمطلب کی اولاد سے حلال کی ہیں۔

حضور علیہ السلام کے بارہ چچے تھے اور وہ یہ ہیں:

حضور علیہ السلام کے چچے

(۱) الحارث (۲) ابوطالب
(۳) الزبیر (۴) عبدالکعبہ (۵) حمزہ
(۶) المقوم بفتح الواو وکسرہا مشددہ
(۷) جحل بتقدیم الجیم علی الحاء، اس کا نام مغیرہ تھا اور جحل السقاء موٹے کو کہتے ہیں۔ بعض نے لکھا بتقدیم الحاء المفتوحہ علی الجیم، اس کا اصلی معنیٰ ہے غلخال۔

(۸) حضرت عباس (۹) ضرار

(۱۰) ابولہب (۱۱) قثم

(۱۲) غیداق، اس کا اصلی معنیٰ مصعب یا نوفل تھا۔ اس کی کثرتِ جُود وسخا کی وجہ سے اسے غیداق کہا جاتا ہے۔

ف: آپ کے جن چچاؤں نے آپ کا زمانۂ نبوت پایا ان میں صرف دو مسلمان ہوئے:

(۱) حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ

(۲) حضرت عباس رضی اللہ عنہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چچازادیاں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چچازادیوں کے اسماء مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) ضباعۃ بنت الزبیر بن عبد المطلب۔ اور وہ حضرات مقداد کی منکوحہ تھیں۔

(۲) ام حکیم بنت الزبیر۔ یہ نضر بن حارث کی منکوحہ تھیں۔

(۳) ام ہانی بنت ابی طالب۔ ان کا نام فاختہ وجمانۃ بنت ابوطالب تھا۔

(۴) ام حبیبہ بنت العباس بن عبد المطلب۔

(۵) آمنہ " " "

(۶) صفیہ " " "

(۷) اروی بنت الحارث بن عبد المطلب۔

حضور علیہ السلام کی پھوپھیاں

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھیاں چھ تھیں، ان کے اسمائے یہ ہیں:

(۱) اُم حکیم، ان کا نام البیضأ تھا (۴) اروی

(۲) عاتکہ (۵) امیمہ

(۳) برہ (۶) صفیہ

بالاتفاق علمأ ان میں سے سوائے بی بی صفیہ ام الزبیر بن العوام کے کوئی بھی مسلمان نہ ہوئی۔ بی بی صفیہ نے نہ صرف اسلام قبول کیا بلکہ ہجرت بھی کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فوت ہوئیں۔ عاتکہ اور اروی کے اسلام میں اختلاف ہے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اعمام وعمات کی کسی لڑکی سے نکاح نہیں کیا سوائے بی بی زینب بنت جحش بن رباب کے، اس لیے کہ ان کی والدہ کا نام امیمہ بنت عبد المطلب تھا۔ کذا فی التکملہ۔

وَبَنٰتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ خال ماں کا بھائی اور خالہ ماں کی بہن کو کہتے ہیں۔ اس سے

بنی زہرہ کی اولاد مراد ہے یعنی عبد مناف بن زہرۃ کی اولاد ۔ نہ اس سے بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا کے بھائی کی اولاد مراد ہے اور نہ ہی آپ کی بہن کی ، اس لیے کہ بی بی آمنہ بنت وہب اُمِّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی بھائی نہ تھا ۔ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ماموں اور خالہ ہی نہیں تھی تو پھر ان کی اولاد کیسے مراد ہو سکتی ہے ہاں اس سے آپ کی والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا کے قبیلہ کی اولاد مراد ہے اسی لیے بنو زہرہ کہا کرتے تھے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں ہیں وہ اس لیے کہتے تھے کہ آپ کی والدہ اسی قبیلہ سے متعلق تھیں ۔ اسی بنا پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو فرمایا کرتے تھے ،

هذا خالی (یہ میرے ماموں ہیں)

ف : آیت میں خال وعم کو مفرد اور عمات وخالات کو جمع لایا گیا ہے حالانکہ خال وعم میں بھی تو جمع مراد ہے چونکہ عم و خال مفرد ہو کر جنس کا معنیٰ دیتا ہے اور جنس کو صیغۂ جمع کی ضرورت نہیں اور پھر اس میں لفظی تخفیف بھی ہے اگرچہ عمہ وخالہ بھی اسم جنس کا معنیٰ دے سکتی ہیں لیکن ان میں تاء واقع ہے اس میں وحدت کا شبہ ہو سکتا ہے ۔ اسی معنے پر انھیں جمع کے صیغے پر لایا گیا ۔ اس کی نظیر مصدر ہے کہ اگر اس میں تاء نہ ہو تو اسے صیغۂ جمع پر نہیں لایا جاتا ۔ اگر تاء ہو تو اس سے جمعیت مطلوب ہو تو پھر صیغۂ جمع پر لایا جاتا ہے ہکذا ذکرہ الشیخ ابو علی رضی اللہ عنہ کذا فی التکملہ ،

اللاتی هاجرن معك ۔

یہ بنات کی صفت ہے اور مہاجرت بمعنے غیر کی مفارقت و متارکت ۔ لیکن عرف شرع دار الکفر سے منتقل ہو کر دار الایمان کی طرف جانے کا نام ہجرت ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ عورتیں جو مکہ معظمہ کو چھوڑ کر آپ کے ساتھ مدینہ طیبہ میں ہجرت کر آئی ہیں یہاں پر معیت سے آپ کی اتباع فی الہجرۃ مراد ہے خواہ وہ آپ سے پہلے ہجرت کر آئی تھیں یا بعد کو ، اور صرف آپ کے رشتہ داروں کے ذکر میں اشارہ ہے کہ آپ کا عقد نکاح قریبی رشتہ داروں میں زیادہ موزوں ہے ۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ ہجرت نکاح کی علت نہیں بلکہ اتفاقی وصف ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وربائبکم اللاتی فی حجورکم ۔

اس میں گود میں ہونا اتفاقی وصف ہے ۔ ممکن ہے کہ یہ وصف تقییدی ہو اور یہ وصف حضور علیہ السلام کیلیے خاص ہو بایں معنیٰ کہ جو آپ کی رشتہ دار عورتیں ہجرت کر آئیں اُن سے آپ کا نکاح حلال ہو اور جو ہجرت کر کے نہیں آئیں ان سے ناجائز ہو ۔

شانِ نزول اس قول کی تائید بی بی اُمِّ ہانی رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہوتی ہے وہ فرماتی ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے لیے فرمایا لیکن میں نے معذرت کی ،

تو آپ نے بھی میری معذرت کو قبول فرمایا، اس پر آیتِ مذکورہ بالا نازل ہوئی۔ اس معنے پر میں آپ کے لیے حلال نہ ہو سکی کیونکہ میں آپ کے ساتھ ہجرت نہ کر سکی بلکہ میں طلقائے اسلام میں شامل تھی اور طلقاء ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے اس لیے کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکڑ کر اسلام کے قبول کرنے کی وجہ سے انہیں چھوڑ دیا۔

ف: چونکہ ہجرت کی قید میں یہی فائدہ مطلوب تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اولادِ عم و خال اور اولادِ عمات و خالات کے ذکر کا اعادہ فرمایا ورنہ محرماتِ نکاح کی آیت میں تو یہ حکم بیان ہو چکا تھا کما قال:

واحل لکم ماوراء ذلکم۔

ف: ھاجرن بمعنے اسلمن ہے۔ اس تقریر پر معنٰے یہ ہوا کہ آپ غیر مسلمہ عورتوں سے نکاح نہ کریں۔

وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اس کا عطف احللنا کے مفعول پر ہے اس لیے کہ یہاں احلال سے احلالِ ناجز کا انشاء مراد نہیں بلکہ احلالِ مطلق مراد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو ہر طرح کا اختیار ہے کہ آپ اپنی رشتہ داروں میں نکاح کریں یا کسی اور مسلمان عورت سے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ ہم نے آپ کو ہر مومنہ عورت سے نکاح کرنے کی خبر دی ہے۔ آپ کا جس مومنہ عورت سے نکاح کرنے کو جی چاہے نکاح کر سکتے ہیں لیکن مشرکہ عورت سے نہیں اگرچہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر نکاح کی درخواست کرے۔

مسئلہ: کشف الاسرار میں ہے کہ علماء کا اختلاف ہے کہ کیا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہودیہ و نصرانیہ عورت سے مہر دے کر نکاح کر سکتے ہیں یا نہیں۔ صحیح تر یہ ہے کہ آپ کے لیے یہودیہ و نصرانیہ عورت سے نکاح جائز نہیں جبکہ قرآن مجید میں آپ کے لیے وامرأۃ مؤمنۃ کہا گیا ہے۔

اِنْ وَّهَبَتْ اگر وہ عورت مومنہ ہبہ کرے **نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ** اپنا نفس نبی علیہ السلام کے لیے۔ یہاں التفات میں تنبیہ ہے کہ یہ حکم صرف سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے آپ کے سوا کسی اور کو جائز نہیں کیونکہ آپ شرفِ نبوت سے مشرف ہیں۔ الھبہ بمعنے اپنی مملوکہ شے دوسرے کو بلاعوض دے دینا۔

سوال: حرہ عورت نہ ہبہ کی جا سکتی ہے اور نہ بیچی جا سکتی ہے اور نہ خریدی جا سکتی ہے۔ یہاں اس کے لیے ہبہ کا کیا معنیٰ؟

جواب: یہاں ہبہ بمعنے مہر کے بغیر اپنے آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سپرد کر دینا مراد ہے۔ اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ وہ نکاح جس میں مہر کا ذکر نہ ہو تو اسے ہبہ، صدقہ، تملیک، بیع، شراء،

نکاح، تزویج جیسے الفاظ استعمال کرنا جائز ہے اور یہاں پر حرف شرط اتفاقی حیثیت سے ہے یعنی اتفاقاً کبھی ایسا ہو تو آپ کو کسی قسم کی رکاوٹ نہیں۔

اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا یہ شرط اوّل کی استیجاب حل کے بارے میں شرط ہے یعنی اگر کوئی عورت آپ کو نکاح کا عرض کرے تو آپ پر اس کا قبول کرنا واجب نہیں بلکہ آپ کی مرضی پر موقوف ہے آپ اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہیں تو کرلیں ورنہ صاف جواب دے دیں استنکاح بمعنے نکاح کی طلب و رغبت۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ آپ ان سے ابتداءً وانتہاءً بلا مہر چاہیں تو نکاح کرلیں خَالِصَةً لَّكَ خالصة، کاذبة کی طرح مصدر ہے۔ دراصل عبارت یوں ہوگی خلص لك احلال المرأة المؤمنة خالصة بمعنے خلوصا۔ یا یہ وھبت کی ضمیر سے حال ہے۔ یعنی اس ہبہ کرنے والی عورت کا حال یہ ہے کہ وہ خالص آپ کے لیے ہے مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ نہ دوسرے اہلِ ایمان کے لیے وہ اس لیے کہ ان کو مہر یا اس کی مثل اگرچہ مقرر نہ ہو تب بھی مہر ادا کرنا لازم ہوگا قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْٓ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ ہمیں معلوم ہے وہ جو ہم نے ان پر یعنی اہلِ ایمان پر واجب کیا ہے ان کی عورتوں کے حقوق جس میں مہر بھی ہے لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ط یہ خالصة کے متعلق ہے اور لام کیٔ پر تاکید کے لیے داخل ہوئی ہے یعنی تاکہ آپ کو نکاح کے معاملہ میں تنگی نہ ہو قد علمنا ما فرضنا الخ لكيلا يكون حرج اور خالصة لك من دون المؤمنين کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے حکم خالصة لك کے مضمون کی تقریر و تاکید کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ حکم مذکور یعنی شرائط عقد اور اس کے حقوق جس قدر دیگر اہلِ ایمان پر فرض کئے گئے آپ کی تعظیم و تکریم کے پیشِ نظر آپ پر کوئی فرض نہیں بہ صرف آپ کے لیے توسیع ہے ورنہ ہم نے دوسرے مسلمانوں پر عورتوں اور کنیزوں کے بہت سے حقوق فرض کر رکھے ہیں۔ اور آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ بلا مہر و ولی و شہود وغیرہ کے نکاح کریں۔ اور مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر فرضنا میں فرض سے مہر و ولی و شہود و نفقہ اور آزاد و کنیزوں کے درمیان پوری تقسیم اور آزاد عورتوں میں سے صرف چار سے نکاح کرنا اور کنیزیں بھی وہ جو ملک شرعی سے حاصل ہوں، وہ کنیزیں نہ ہوں جو دوسروں کی ملک میں ہوں اور یہ خفیہ طور یارانہ جوڑ لیں۔

حدیث شریف میں ہے:

الصلاة وما ملكت ايمانكم۔

(نماز اور اپنی ملک والی کنیزوں اور غلاموں کے حقوق کی حفاظت کرو)

ف: حدیث شریف میں ممالیک کا نماز پر عطف ڈالا گیا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ جس طرح

نماز کی پابندی ضروری ہے ایسے ہی ممالیک کے حقوق طعام وپوشاک و دیگر وہ امور جن کی انہیں ضرورت ہو
پابندی لازمی ہے اور نہ ان سے وہ کام کرائے جائیں جو ان کی طاقت سے باہر ہوں اور نہ ہی ان کو
سخت سزا دی جائے۔

مسئلہ: نماز کے ساتھ ممالیک کے حقوق کو ملانے میں حضور علیہ السلام کی حدیث شریف سے اشارہ
ثابت ہوا کہ آقاؤں پر ممالیک کے حقوق واجب ہیں۔

۱ جواں مرد و خوشخوے و بخشندہ باش
چو حق بر تو پاشد تو بر خلق پاش

۲ حق بندہ ہرگز فرامش مکن
بدستت اگر نو شد و گر کہن

۳ چو خشم آیدت بر گناہ کسے
تامل کنش در عقوبت بسے

۴ کہ سہلست لعل بدخشاں شکست
شکستہ نشاید دگر بارہ بست

ترجمہ: (۱) جواں مرد خوش خصال اور سخی ہو۔ جب تجھ پر اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا ہے
تو اس کی مخلوق پر رحم کر۔
(۲) بندگانِ خدا کے حقوق فراموش نہ کر تیرے تعلق میں نیا ہے یا پرانا۔
(۳) کسی کے گناہ پر اگر تجھے غصہ آجائے تو اس کے انجام پر غور کر۔
(۴) کیونکہ بدخشانی لعل توڑنا تو آسان ہے لیکن ٹوٹے ہوئے کو جوڑنا مشکل ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا وہ باتیں جن سے بچنا مشکل ہے ان کے لیے تم پر غفور ہے **رَّحِيْمًا** ۝ اپنے بندوں
پر انعام فرماتا ہے کہ جہاں تنگی یا حرج ہوتا ہے ان میں بندوں کو وسعت بخشتا ہے۔

ہبہ کرنے والی بی بی کون تھی؟ کیا کسی عورت نے اپنا نفس حضور علیہ السلام کو ہبہ کیا؟ اس
میں علماء کا اختلاف ہے بعض نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام
نے جس آزاد عورت سے نکاح کیا اسے از خود نکاح کا پیغام بھجوایا، کنیزوں سے عقد کیا۔ بعض نے فرمایا
کہ آپ نے موہوبہ بی بی سے بھی نکاح کیا۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ وہ موہوبہ بی بی کون تھی!

(۱) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ بی بی حضرت میمونہ بنت الحارث الہلالیہ رضی اللہ عنہا
تھیں جو کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خالہ تھیں۔ مروی ہے کہ جب آپ نے ان سے عقد نکاح
کے لیے فرمایا تو وہ اونٹ پر سوار تھیں۔ حضور علیہ السلام کا پیام سُن کر عرض کی، اونٹ اور اونٹ پہ

جو کچھ ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

(۲) شعبی نے فرمایا کہ یہ زینب بنت خزیمۃ الانصاریہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

اُمّ المساکین کس کا لقب تھا؟ فقیر (اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اکثر مفسرین نے فرمایا کہ ام المساکین اسی بی بی زینب بنت خزیمۃ الانصاریہ کا لقب ہے اگرچہ زمانۂ جاہلیت میں انھیں اس لقب سے پکارا جاتا تھا۔ اسلام میں ام المومنین بی بی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کو یہ لقب ملا، وہ اس لیے کہ وُہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے فقراء و مساکین پر خرچ کرتیں بوجہ سخاوت انہیں ام المساکین کہا جانے لگا۔

حدیث شریف مذکورہ بالا تقریر کی تائید حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی سے بھی ہوتی ہے جب آپ نے اپنی ازواجِ مطہرات سے فرمایا:

اسرعکن لحاقا بی اطولکن یدا۔

(تم میں سے بڑے لمبے ہاتھ والی میرے ہاں جلد آئے گی)

یعنی میرے وصال کے بعد تم میں سب سے پہلے وہ فوت ہوگی جو سخاوت میں تم سب سے بڑھی ہوگی۔ اس سے بی بی زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا مراد ہیں۔ اس پر جملہ محدثین و فقہاء و مورخین کا اتفاق ہے۔ بی بی صاحبہ رضی اللہ عنہا حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ کے دَورِ خلافت میں فوت ہُوئیں جیسا کہ ہم نے پہلے تفصیل سے لکھا ہے۔ اور زینب بنتِ خزیمہ تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں ہی فوت ہوگئیں۔

(۳) کاشفی نے لکھا کہ اگر واہبہ سے بی بی زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا مراد ہیں۔ اور یہی قول مشہور تر ہے۔ یہ ہبہ رمضان المبارک ۳ھ میں ہوا۔ بی بی صاحبہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آٹھ ماہ بسر کئے اور ربیع الآخر ۴ھ میں فوت ہوئیں۔

(۴) حضرت علی بن الحسین اور الضحاک و مقاتل نے فرمایا کہ یہ ہبہ کرنے والی ام شریک بر وزن زبیر بنت جابر تھیں۔ قبیلہ بنو اسد سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کا نام غزیہ تھا۔

بعض علماء نے فرمایا کہ آپ نے اسے قبول نہیں کیا تھا۔ بعض نے فرمایا کہ قبول تو فرما لیا تھا لیکن قبل از دخول اسے طلاق دے دی۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ بی بی ام شریک کے دل میں اسلام کی محبت پیدا ہوئی اس وقت آپ مکہ معظمہ میں تھیں وہاں اسلام قبول کر کے خفیہ طور پر قریش کی عورتوں کو دعوتِ اسلام دینا شروع کر دی یہاں تک کہ اہلِ مکّہ کو ان کی خفیہ کارروائی کا علم ہوگیا اور انھیں گرفتار کر لیا اور کہا کہ اگر ہمیں تیری قوم کی عزّت ملحوظ نہ ہوتی تو ہم وہ کرتے جو تو یاد رکھتی۔

بی بی ام شریک پر قریش کا ظلم اور بی بی کی کرامت

بی بی فرماتی ہیں کہ مجھے میری برادری میں پہچاننے کے لیے قریش نے مجھے ایسے اونٹ پر بٹھایا جس پر کوئی کپڑا وغیرہ نہ تھا اور تین شب و روز مجھے بھوکا پیاسا رکھا، یہاں تک کہ اس اثنا میں جس منزل پر اُترتے مجھے دُھوپ میں کھڑا کر دیتے اور خود سایہ میں آرام کرتے ایک دن وہ کسی منزل پر ٹھہرے اور مجھے حسب دستور دُھوپ میں کھڑا کیا اور خود سایہ میں آرام کر رہے تھے تو میں نے اپنے میں ٹھنڈک محسوس کی۔ میں نے دیکھا کہ پانی سے بھرا ہوا ایک ڈول تھا، میں نے اس سے تھوڑا سا پیا۔ پھر وہ ڈول ہٹا لیا گیا۔ اسی طرح کچھ دیر کے بعد ہُوا۔ ایسے متعدد بار ہُوا یہاں تک کہ میں نے جی بھر کر پیا۔ اس کے بعد مجھ پر پانی چھڑکا گیا یہاں تک کہ میرا جسم اور کپڑے تر ہو گئے اندریں اثنا وہ جاگ پڑے اور مجھ پر پانی کا اثر دیکھ کر مجھے کوسنے لگے اور کہا کہ تُو نے رسیاں توڑ کر ہمارے ڈول سے پانی لیا ہے۔ میں نے انہیں قسم کھا کر صحیح حال سنا دیا۔ انہوں نے کہا: اگر تو سچی ہے تو پھر تیرا دین ہمارے دین سے بہتر ہے۔ یہ کہہ کر اپنے ڈول دیکھے تو وہ جُوں کے تُوں پڑے تھے۔ میری اس کرامت سے متاثر ہو کر ان لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ میں اس کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اپنا نفس آپ کو مہر کے بغیر ہبہ کر دیا آپ نے قبول فرمایا اور زوجیت کے حق سے نوازا۔

سبق اس سے معلوم ہُوا کہ جو اللہ تعالیٰ پر بھروسا اور غیروں سے قطع تعلق کرتا ہے تو اسے غیب سے ایسے ہی نوازا جاتا ہے ۔

ہر کہ باشد اعتمادش بر خدا
آمد از غیب غذا یش صد غذا

ترجمہ: جس کا خدا تعالیٰ پر بھروسا ہوتا ہے اسے اللہ تعالیٰ غیب سے غذا عطا فرماتا ہے۔

(۵) حضرت عُروہ بن الزبیر نے فرمایا کہ ہبہ کرنے والی خولہ بنت حکیم قبیلۂ بنی سلیم اور مہاجرات اوّل سے تھیں جنہیں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے پناہ دی اور پھر ان سے نکاح کر لیا۔ ام المومنین بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بی بی خولہ بنت حکیم ان بیبیوں سے ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہبہ کے طور پر پیش کیا۔

ف: ام المومنین رضی اللہ عنہا کے اس قول سے ثابت ہوا کہ ہبہ کرنے والی بیبیاں متعدد تھیں۔ حضور علیہ السلام نے جن بیبیوں کو پیغامِ نکاح بھجوایا وہ کل تیس تھیں بعض کے ساتھ عقد نکاح کی نوبت نہیں پہنچی۔ بعض ان میں وہ ہیں جن کے ساتھ دخول نہ ہُوا۔ جن بیبیوں سے عقد ہوا وہ کل تئیس تھیں اور جن بیبیوں سے دخول ہوا وہ بارہ تھیں۔ حضرت ابو اللیث رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چودہ بیبیوں سے نکاح کیا وہ یہ ہیں:

۱۔ خدیجہ	۲۔ سودہ
۳۔ عائشہ	۴۔ حفصہ
۵۔ ام سلمہ	۶۔ ام حبیبہ
۷۔ جویریہ	۸۔ صفیہ
۹۔ زینب	۱۰۔ میمونہ

۱۱۔ زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہن

۱۲۔ وہ بی بی جو بنو ہلال سے تھیں انھوں نے اپنے آپ کو حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا۔

۱۳۔ ایک عورت قبیلہ کندہ سے تھی جس نے حضور علیہ السلام سے استعاذہ کیا تو آپ نے اسے طلاق دے دی۔

۱۴۔ ایک بی بی بنی کلاب کے قبیلہ سے تھیں۔

ف : انسان العیون میں ہے کہ مخفی نہ ہو کہ جن بیبیوں سے حضور علیہ السلام نے زوجیت سے نواز کر دخول فرمایا وہ کل بارہ تھیں :

۱۔ حضرت خدیجہ	۲۔ حضرت سودہ
۳۔ حضرت عائشہ	۴۔ حضرت حفصہ
۵۔ حضرت زینب بنت خزیمہ	۶۔ حضرت ام سلمہ
۷۔ حضرت زینب بنت جحش	۸۔ حضرت جویریہ
۹۔ حضرت ریحانہ	۱۰۔ حضرت ام حبیبہ
۱۱۔ حضرت صفیہ	۱۲۔ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن

نکاح کرنے کی ترتیب بھی وہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

اعجوبہ ایک بی بی نے جب سنا کہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوا ہے تو وہ خوشی سے فوت ہو گئیں ان سے بھی دخول کی نوبت نہ پہنچی۔ ان کا اسم گرامی بی بی غراء تھا۔ یہ حضرت دحیہ کلبی کی بہن تھیں۔

وہ عورتیں جن سے نکاح تو ہوا مگر دخول نہ ہو سکا :

(۱) سودہ قریشیہ کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا پیغام بھجوایا تو اس نے اپنے بچوں کی پرورش کا عذر کیا کیونکہ اس کے پانچ یا چھ بچے تھے۔ آپ نے فرمایا : اس کا بھلا ہو۔

(۲) وہ عورت جس نے حضور علیہ السلام سے پناہ مانگی اس کا نام اسماء بنت معاذ کندیہ تھا۔ بعض عورتوں نے اسے کہا کہ اگر تو چاہتی ہے کہ تیرا شوہر (حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم) تیرے ساتھ خوشگوار زندگی

بسر کرے تو آپ کے تشریف لاتے کہنا :

اعوذ باللہ منك -

(میں تجھ سے پناہ مانگتی ہوں)

جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اس نے کہہ دیا : اعوذ باللہ منك (میں تجھ سے پناہ مانگتی ہوں) -

اس بیچاری نے سمجھ رکھا تھا کہ یہ کلمۂ ادب ہے - جب حضور علیہ السلام نے اس سے استعاذہ سُنا تو آپ نے فرمایا :

عذت بمعاذ عظیم الحقی باھلك -

(میں بہت بڑی پناہ گاہ کی پناہ چاہتا ہوں ، تُو اپنے قبیلہ کے ہاں چلی جا)

آپ نے اسے تین کپڑے عنایت فرمائے -

(۲) دوسری وہ تھی جس نے آیۂ اختیار پر دُنیا کو اختیار کیا تھا اس کا نام فاطمہ بنت الضحک تھا وہ کہا کرتی تھی میں وُہ بدبخت ہُوں جس نے دنیا کو اختیار کیا تھا - (شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا کہ آخر کار اس کا حال اس حد تک پہنچا کہ کھجوروں کی گھٹلیاں اور ایک روایت میں ہے کہ مینگنیاں چنتی تھی. ایک شخص نے اسے دیکھا تو پُوچھا ، تُو کون ہے ؟ اس نے سر اٹھا کر کہا : میں وہی بدبخت ہُوں جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر دنیا کو اختیار کیا تھا)

(۳) ایک قتیلہ بہ صیغہ تصغیر تھی جس کا نکاح اس کے بھائی نے کر دیا - لیکن وہ حضر موت تھی جب وہ مدینہ طیبہ لائی گئی تو اس کے آنے سے پہلے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا - آپ نے فرمایا تھا کہ جب وہ یہاں پہنچ جائے تو اسے اختیار رہے چاہے با پردہ رہے چاہے بے پردہ! اسے امہات المومنین میں شامل کیا گیا ہے - اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ چاہے وہ نکاح کر لے چاہے میرے عقد میں زندگی گزار دے - چنانچہ اس نے حضرت عکرمہ سے حضر موت میں نکاح کیا -

حدیث شریف میں ہے : "میں نے اپنا نکاح کیا یا اپنی کسی صاحبزادی کا نکاح کرایا تو وحیِ ربانی سے ، جسے حضرت جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے لاتے -"

تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ نافع وحمزہ وکسائی وحفص وابو جعفر نے ترجی کو بیاء ساکنہ پڑھا ہے باقی قرأ نے اسے بہمزہ مضمومہ پڑھا ، معنیٰ دونوں کا ایک ہے اس لیے کہ یاء ہمزہ سے تبدیل ہوئی ہے -

قاموس میں ہے اَرْجاء الامر بمعنے اخرہ - ایک لغت میں ہمزہ کو نہیں پڑھا گیا - ناقص یائی ہے

ترا دجا بمعنے تاخیر۔ یعنی کسی کو پیچھے ہٹانا۔

کشف الاسرار میں ہے کہ الارجاء بمعنے کسی عورت کو طلاق کے بغیر ہٹانا۔

اب معنٰی یہ ہُوا کہ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اپنی عورتوں میں جسے چاہیں مؤخر کریں اور کسی کی باری کی پابندی کرتے ہوئے اپنے ہاں نہ ٹھہرائیں وَتُؤْوِیْٓ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ یہ اوی الی کذا سے ہے بمعنے الضم اور آواہ غیرہ ایواء۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ ان میں سے جسے جگہ دیں اور باری اور تقسیم کا لحاظ نہ کرتے ہوئے جسے اپنے ہاں ٹھہرانا چاہیں ان کی صحبت وغیرہ کے بارے میں آپ مختار ہیں جسے چاہیں جتنے دن چاہیں آپ کو کوئی رکاوٹ نہیں۔ اسی طرح کسی بی بی کے پاس تشریف نہ لے جائیں یا جسے طلاق دے دیں جسے ٹھہرائیں یا چھوڑے رکھیں یا جس بی بی سے نکاح کرنا چاہیں اپنی امت کی جملہ عورتوں کے آپ مالک ہیں کما فی بحر العلوم۔

وَمَنِ ابْتَغَیْتَ اور ان میں سے جسے چاہیں مِمَّنْ عَزَلْتَ جسے آپ نے علیحدہ کر دیا، اپنے سے دور کر دیا فَلَا جُنَاحَ نہ گناہ ہے نہ عتاب نہ ملامت نہ کوئی اور حرج عَلَیْكَ آپ پر امور مذکورہ ثلاثہ میں سے کوئی ایک بھی آپ پر ضروری نہیں کذا فی کشف الاسرار۔

ف: الکواشی میں ہے کہ من مبتدا بمعنے الذی ہے یا شرط ہے ابتغیت سے منصوب ہے اور یہ مبتداء کی خبر ہے دونوں تقدیروں پر شرط کا جواب فلا جناح ہے یہ اصلی غرض بیان کرنے کی بہترین تقسیم ہے۔ مثلاً کہا گیا چاہے آپ انہیں طلاق دیں یا گھر پہ رکھیں پھر اگر گھر پہ رکھیں تو انہیں صحبت سے نوازیں یا چھوڑے رکھیں اور ان کی باری مقرر فرمائیں یا نہ اور بصورتِ طلاق پھر بھی آپ کو اختیار ہے کہ مطلقہ کو واپس لے لیں یا نہ۔

مسئلہ: جمہور کا مذہب ہے کہ ازواجِ مطہرات کے درمیان آپ کے لیے برابر کی تقسیم واجب تھی لیکن آیت ہذا کے نزول کے بعد آپ سے وجوب منسوخ ہو گیا اور اس کے بعد آپ کو اختیار دیا گیا اور یہ صرف آپ کی خصوصیت ہے۔

روایت عجیبہ مروی ہے کہ جب ازواجِ مطہرات نے آپ سے نان و نفقہ اور زیب و زینت کے اسباب کا مطالبہ کیا تو آپ نے انہیں ایک ماہ چھوڑے رکھا یہاں تک کہ آیت تخییر نازل ہوئی اس کے بعد ازواجِ مطہرات کو خطرہ ہوا کہ کہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انہیں طلاق نہ دے دیں۔ اس لیے عرض کی،

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہمارے لیے جو حکم صادر فرمائیں ہم راضی ہیں لیکن ہمیں اپنے حال پہ چھوڑئیے۔

اس کے بعد آپ نے پانچ بیبیوں کو چھوڑے رکھا وہ یہ ہیں:

۱۔ ام حبیبہ ۴۔ صفیہ (رضی اللہ عنہن)
۲۔ میمونہ ۵۔ جویریہ
۳۔ سودہ

آپ ان کی تقسیم ویسے رکھتے جیسے آپ کی مرضی مبارک ہوتی۔
چار بیبیوں میں برابر کی تقسیم رکھی وہ یہ ہیں:
۱۔ عائشہ ۳۔ زینب
۲۔ حفصہ ۴۔ اُمّ سلمہ (رضی اللہ عنہن)

ف: مروی ہے کہ باوجودیکہ آپ کو ازواجِ مطہرات کے متعلق ہرطرح کا اختیار تھا لیکن آپ نے ان کی تقسیم برابر رکھی صرف بی بی سودہ کی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دی گئی اس لیے کہ اس پر بی بی سودہ نے خود راضی ہوکر اپنی باری حضرت عائشہ کو دے دی تھی اس لیے کہ بی بی سودہ نے عرض کی کہ آپ مجھے طلاق نہ دیں میں اپنی باری بی بی عائشہ کو ہبہ کرتی ہوں صرف اس آرزو پر کہ قیامت میں مجھے آپ کی ازواج مطہرات کے زمرہ میں شمولیت کا شرف نصیب ہو۔

ذٰلِكَ وہ جو آپ کی مشیّت پر امور کو مفوض کیا گیا ہے **اَدْنٰٓى اَنْ تَقَرَّ اَعْيُنُهُنَّ** اس کے قریب تر ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ القر بالضم بمعنے ٹھنڈک۔

ف: سرور کے آنسو ٹھنڈے اور غم کے آنسو گرم ہوتے ہیں۔ یا یہ القرار سے مشتق ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ ان کی آنکھیں آپ کے معاملہ سے سکون پکڑیں اور اس سے انہیں ملال نہ ہو۔

قاموس میں ہے کہ قرت عینہ تقر بالکسر والفتح قرۃ اسے بالضم بھی پڑھا گیا۔ یعنی از باب ضرب وعلم ونصر۔ اور قرور اس کا مصدر آتا ہے بمعنے بردت یعنی اس کا رونا منقطع ہوگا اور ثابت اور ساکن ہوا استقر کی طرح ہے۔

وَلَا يَحْزَنَّ اور غمگین نہ ہوں **وَيَرْضَيْنَ بِمَآ اٰتَيْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ** ط اور جو کچھ آپ انہیں عنایت فرمائیں اس سے وہ خوش ہوں۔ جب انہیں معلوم ہے کہ جو کچھ آپ ان کے ساتھ ارجاء، وایواء اور تقریب وتبعید کرتے ہیں بحکم خداوندی ہے اسی لیے انہیں ملال نہیں ہوتا کلھن مرفوع ہے یرضین کے فاعل کی تائید ہے یعنی آپ کا معاملہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور ان کا محزون وملول نہ ہونا بلکہ سب کا راضی ہونا ان کے لیے قریب تر ہے اس لیے کہ ان سب کے لیے حکم یکساں ہے پھر جب ان کے ساتھ لطف وکرم کریں گے وہ اسے آپ کا فضل واحسان سمجھیں گی۔ اگر آپ ان میں کسی ایک کو کسی معاملہ میں ترجیح دیں گے تو وہ یقین کریں گی کہ یہ بھی حکم خداوندی ہے۔ اسی

معنے پر ان کے نفوس مطمئن ہیں ۔ ان سے تنافس و تنا فرمٹ چکا ہے اور وہ آپ کے ہر معاملہ سے راضی ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کو یہ حکم فرمایا کہ آپ نہ انہیں طلاق دینا اور نہ ہی ان کے کسی اور مرد سے نکاح کرنا اور انہیں تمام اہلِ ایمان کی مائیں بنا دیا گیا ۔ کما فی تفسیر جلالین ۔

وَاللّٰهُ اور اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک يَعْلَمُ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں اسرار پوشیدہ ہیں اور جو خطرات وارد ہوتے ہیں فلہذا ان کے ساتھ احسان کرنے میں جد و جہد کرو وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے علم والا ہے جو ظاہر کرتے ہو یا جو چھپاتے ہو سب کو جانتا ہے حَلِيْمًا ○ حوصلے والا ہے کہ کسی کی عقوبت و سزا میں عجلت نہیں کرتا اس کی تاخیر عقوبت سے دھوکا نہ کھاؤ ۔ وہ مہلت تو دیتا ہے ، لیکن چھوڑتا نہیں ؎

۱ نہ گردن کش ترا بگیرد بفور
نہ عذر آور ترا براند بجور

۲ وگر خشم گیرد بکردار زشت
چو باز آمدی ماجرا در نوشت

۳ مکن یک نفس کار بد اے پسر
چہ دانی چہ آید بآخر بسر

ترجمہ : (۱) نہ سرکشوں کو جلدی سے پکڑتا ہے نہ توبہ کرنے والوں کو دروازے سے ہٹاتا ہے ۔
(۲) کسی بُرے کردار پر اگر ناراض ہوتا ہے تو اس برائی سے باز آجانے پر معاف کر دیتا ہے ۔
(۳) ایک لمحہ بھی بُرا کام نہ کر اے عزیز! تجھے کیا معلوم کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے چونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بالکل فانی ہو چکے تھے اسی لیے قیامت میں نفسی نفسی نہیں کہیں گے ۔ اسی وجہ سے فرمایا :

اسلم شیطانی علی یدی ۔

(میرا شیطان میرے ہاں مسلمان ہوگیا)

چونکہ آپ صفاتِ قلبی سے موصوف تھے اور آپ سے خواہشاتِ نفسانی مٹ چکی تھیں اسی لیے آپ اپنی خواہش نفسانی سے نہیں بولتے تھے کیونکہ آپ کی نفسانی خواہشات اخروی صفات سے تبدیل ہو چکی تھیں اسی لیے آپ کے لیے دنیوی چیزیں حلال تھیں بخلاف دوسروں کے کہ وہ دنیوی امور میں مشتغل رہتے ہیں اگرچہ معمولی طور سہی اور دُنیا میں ہی آپ سے دنیاوی متعلقات آپ کے سینہ مبارک سے نکال لیے گئے ہیں اور دوسروں سے دنیوی امور آخرت میں نکالے جائیں گے کما قال تعالیٰ :

و نزعنا ما فی صدورھم من غل۔
(اور ہم نے ان کے سینوں سے کینے کھینچ لیے)۔

اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فرمایا:
الم نشرح لك صدرك۔ کیا ہم نے تمہارا نہیں کھولا۔

یعنی آپ کے سینہ مبارک سے دنیوی امور نکال لیے گئے ہیں۔ اور آپ کے لیے اسی لیے فرمایا:
ترجی من تشاء الخ یعنی آپ کے جی میں جو کچھ آجائے آپ اسے کرگزریں، آپ کے لیے کوئی حرج نہیں۔ یہ ایسے ہے جیسے آخرت میں دوسروں کو فرمایا جائے گا:

و لکم فیھا ما تشتھی الانفس و تلذ الاعین۔
(اور تمہارے لیے جو تمہارے نفس چاہیں اور آنکھیں لذت پائیں)۔

تفسیرِ عالمانہ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا اور اللہ تعالیٰ آپ کی تاسیس بنیان کو ازل سے جانتا ہے کہ آپ میرے محبوب بھی ہوں گے اور محب بھی حَلِيمًا ○ آپ سے جو کچھ صادر ہوتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ آپ کے لیے حلیم ہے اور آپ سے صادر شدہ امور پر اللہ تعالیٰ جتنا آپ کے لیے حوصلہ فرماتا ہے اتنا اور کسی کے لیے نہیں کرتا۔

حضور علیہ السلام کا سایہ نہ تھا (ہم اہلسنت و جماعت کہتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نور تھے اس لیے آپ کا سایہ نہ تھا۔ یہی مسلک اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ کا تھا۔ چنانچہ صاحبِ روح البیان دو سو سال پہلے لکھ گئے:)

قیل انما لم یقع ظلہ علیہ السلام علی الارض لانہ نور محض ولیس للنور ظل۔[1]
(بعض علماء نے فرمایا کہ آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا اس لیے کہ آپ نورِ محض تھے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا)

تفسیرِ صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ آپ نے ظلی کونی وجود کو فنا کر لیا تھا اور آپ ظاہری بشریت کے جسم کے ساتھ تشریف لائے۔ آپ کے اندر معصیت کی ظلمت بالکل نہیں تھی اور آپ ازل سے اور اصل میں مغفور رہے۔ بعض مشائخ نے فرمایا کہ بشر کے امکان سے باہر ہے کہ وہ ان انفاسِ بشری کے ساتھ سراً و علانیۃً مراقبۂ الٰہی میں زندگی بسر کرے اس لیے کہ یہ صرف ملاءِ اعلیٰ کے فرشتوں کا خاصا ہے اور ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مرتبہ حاصل تھا اس لیے کہ انسان پر ذکرِ الٰہی یا واجب ہے یا مندوب یا مباح۔ اور ہمارے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام طریقوں میں اور ہر وقت ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔

---

[1] روح البیان ج ۷ ص ۲۰۰ مطبوعہ استنبول

(**ازالۂ وہم وہابیہ** یہاں پہ وہابیہ و دیوبندیہ کے ایک وہم کا ازالہ ضروری ہے وہ یہ کہ اگر حضور علیہ السلام ہم جیسے بشر نہیں تھے تو پھر آپ بھول لتے کیوں تھے اس لیے کہ بھولنا بشر کا خاصہ ہے۔ ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ آپ کا بھولنا ہماری طرح غفلت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ آپ کا بھولنا محض شرعی امور کے اجراء کی بنا پر تھا تاکہ امت کو معلوم ہو کہ اگر انسان بھول جائے تو پھر کیا کرے! چنانچہ اسی مضمون کو صاحبِ روح البیان نے دو صدی پیشتر اپنی تفسیر میں لکھا کہ[1]:)

و ما نقل من سهوه علیه السلام فی بعض الامور فهو لیس کسهو سائر الخلق الناشئ عن رعونة الطبع و غفلته حاشاه عن ذلك بل سهوه تشریع لامته لیقتدوا به فیه کالسهو فی عدد الرکعات حیث انه علیه السلام صلی الظهر رکعتین[2]

(وہ جو بعض امور میں آپ کا سہو منقول ہے تو وہ ایسا سہو نہیں جو عام مخلوق کو طبع کی خرابی سے پیدا ہوتا ہے یا غفلت، آپ کی ذات خرابی اور غفلت سے پاک تھی بلکہ آپ کا سہو تشریع امت کے لیے تھا تاکہ وہ آپ کی اقتداء کر سکیں جیسے عدد رکعات میں ہوا کہ آپ نے ظہر کی دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ آپ نے دو رکعت پڑھی ہے۔ اس پر آپ کھڑے ہوئے اور دو رکعت مزید پڑھی)

جواب ۲: آپ چونکہ ہمہ وقت مستغرق باللہ رہتے تھے اسی لیے دنیوی امور کی طرف آپ کی توجہ اس وقت ہوتی حب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا۔ اسی بنأ پر استغراق و انجذاب کی کیفیت طاری ہونا سہو کے منافی نہیں۔ چنانچہ اس کی دلیل کلمینی یا حمیراء والی حدیث شریف ہے۔

خلاصۂ جواب یہ کہ آپ کے احوال عامی مخلوق کی طرح نہیں تھے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر معاملہ میں ممتاز رکھا ہے اسی کو ہی قلوب و صدور کے مخفی امور کا علم ہے اور وہی مسائل و احکام کی کنہ و حقائق کو محیط ہے ہم اسی کی رضاجوئی پر اسی کی توفیق چاہتے ہیں۔ وہی ہر نبی و ولی کو فیض یاب فرماتا ہے اور ہر خفی و جلی امر کی رہبری کرتا ہے[3]

تفسیر عالمانہ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ لایحل یاء کے ساتھ ہے اس لیے کہ النساء اس کا فاعل اگرچہ مونث ہے لیکن قاعدہ ہے کہ جمع مؤنث غیر حقیقی ہو تو اس کے لیے

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

[2] روح البیان ج ۲ ص ۲۰۸ طبع استنبول

[3] مزید تفصیل فقیر کی کتاب "این النسیان فی النبی آخر الزمان" بھی دیکھیے۔ اویسی غفرلہٗ

صیغہ مذکر و مونث لانا جائز ہے بشرطیکہ درمیان میں فاصلہ نہ بھی ہو، جیسے قال نسوۃ۔ اور یہاں تو فاصلہ ہے النساء اور النسوان اور النسوۃ بالکسر یہ سب المرأۃ کی جمع ہیں اگرچہ الفاظ دیگر ہیں اور یہ بھی عرب میں جائز ہے۔ یعنی کوئی ایک عورت۔ وہ مسلمان ہو یا کتابیہ۔ ہم نے النساء کا واحد معنی اس لیے کیا ہے کہ جس وقت جمع کے صیغے پر الف لام داخل ہو تو جمعیت کا معنی ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ یہاں جنس کا معنی آجاتا ہے پھر یہ اسم نکرہ کی طرح ہے کہ وہ بھی اثبات میں خاص اور نفی میں عام ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی نے قسم کھائی کہ لا یتزوج النساء۔ یا کہا: لا یکلم الناس۔ یا کہا: لا یشتری العبید۔ ان صورتوں میں واحد کا معنیٰ پیدا ہو گیا کیونکہ ان میں ان کا اسم جنس حقیقی معنی ہو گیا۔

مِنْۢ بَعْدُ ان نو ازواج مطہرات کے سوا جنکہ دنیا و آخرت میں آپ نے انہیں اختیار فرمایا اور یہی آپ کے لیے باب نکاح میں نصاب ہے جیسے آپ کی امت کا نصاب چار عورتیں۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اس دن کے بعد آپ نو سے زاید عورتوں سے نکاح نہ کرنا اگرچہ ان میں سے کوئی ایک فوت بھی ہو جائے تب بھی اور کسی عورت سے نکاح نہ کرنا۔

ف: اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کے لیے صرف چار عورتوں پر اکتفا کیا۔ اپنے محبوب علیہ السلام کو چار سے زاید کی اجازت صرف اس لیے بخشی کہ آپ میں نبوت کی طاقت و عصمت تھی۔ اسی وجہ سے جتنی آپ کو قدرت حاصل تھی کسی اور کو کہاں! اسی لیے بعض امور آپ پر فرض تھے جو دوسروں پر نہیں۔ مثلاً نماز تہجد۔ ایسے ہی آپ جس عمل کو نفلی طور پر شروع فرماتے تو آپ پر وہ عمل فرض ہو جاتا اسی لیے آپ نے تراویح پر مواظبت نہیں فرمائی وغیرہ اس ارادہ سے کہ آپ کی امت پر تراویح فرض نہ ہو جائے۔

نکتہ اُمت کے لیے صرف چار عورتوں سے نکاح میں ایک راز تھا، وہ یہ کہ مراتب کل چار ہیں:

۱۔ مرتبۃ المعنیٰ ۳۔ مرتبۃ المثال

۲۔ مرتبۃ الروح ۴۔ مرتبۃ الحس

اور انسان کو جب وجود حاصل تو اسے مجموعہ اسماء غیبیہ و حقائق علمیہ و ارواح لوزیہ اور صور مثالیہ اور صور علویہ و سفلیہ و تولیدیہ اسی معنے پر اس کے لیے چار عورتوں سے نکاح کی اجازت بخشی گئی۔ مزید تحقیق کتب تصوف میں ہے۔

وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ تبدل دراصل تتبدل تھا۔ ایک تاء حذف کر دیا گیا۔ بدل بمعنے شے کا نائب کہا جاتا ہے تبدلہ بہ و ابدلہ منہ و بدلہ بمعنے اسے اپنا بدل بنایا۔ کما فی القاموس۔

امام راغب نے فرمایا:

التبدل والابدال والتبدیل ایک شے کو دوسری شے کا بدل بنانا۔ اور یہ لفظ عوض سے عام ہے۔ ایک شے کو دوسری شے کے بدلے دینا۔ اور تبدیل بمعنے تغییر، اگرچہ اس کے عوض کوئی شے نہ دی جائے۔

ف : من ازواج ' تبدل کا مفعول بہ ہے اور من زائدہ ہے نفی کی تاکید کرتا ہے جنس ازواج کی تحریم کے استغراق کا فائدہ دیتا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ آپ کے جائز نہیں کہ آپ ان نو عورتوں کے سوا کسی اور سے نکاح کریں اور نہ ہی انہیں کل یا بعض کو طلاق دے کر کسی اور سے نکاح کریں۔

ف : ان بیبیوں نے چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دارِ آخرت کو اختیار کیا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت افزائی فرمائی ہے۔ یعنی جب انہوں نے دنیا اور اس کی زینت کو ٹھکرا کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف انہی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا پابند فرمایا اور ان کی طلاق اور دوسری عورتوں کی تبدیلی سے روک دیا۔

وَلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ واؤ عاطفہ ہے اور اس کا معطوف حال محذوف ہے جو اس جملے سے پہلے ہے اور ایسے مواقع پر تو لَوْ جواب کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔

الاعجاب بمعنے تعجب کرنا اور خوش آنا۔ امام راغب نے لکھا :

العجب والتعجب ایک ایسی کیفیت کا نام ہے جو کسی وجہ سے بوقت جہل انسان کو عارض ہو اور کبھی ذوق بمعنے پسند کے لیے استعارۃً مستعمل ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے :

اعجبنی کذا ای راقنی۔ اور الحسن بمعنے شے کا طبع کے موافق آجانا۔ عرف عام میں الحسن بفتحتین ہر اس شے کو کہا جاتا ہے جو آنکھوں کو اچھی محسوس ہو۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ آپ کو جائز نہیں کہ آپ ان کے عوض میں کسی اور عورت کو نکاح میں نہ لائیں، اگرچہ آپ کو اپنی عورتوں کا حُسن وجمال اچھا نہ لگے اور ان کے بجائے دُوسری عورتوں سے بھی نکاح نہ کرنا۔ اس میں آپ کو ہر حال میں دوسری عورتوں سے نکاح کرنے سے روکا گیا ہے۔ [1]

ف : جب حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو حضور علیہ السلام نے ان کی زوجہ اسماء بنت عمیس خثعمیہ سے نکاح کرنے کا ارادہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ نکاح کرنے سے روکا۔ پھر اس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا جبکہ انہوں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

---

(1) یہ آیت منسوخ ہے اس کی ناسخ ترجی من تشاء الخ ہے۔ تفصیل فقیر کی کتاب "احسن البیان" میں ہے۔ اولیسی غفرلہٗ

سے اس کے ساتھ نکاح کی اجازت چاہی۔ ولو اعجبك حسنهن کے مضمون سے یہی بی بی مراد ہے۔
التکملہ میں ہے کہ اس سے جابہ اخت الاشعث بن قیس مراد ہے۔

حدیث شریف میں ہے:
شارطت ربی ان لا اتزوج الا من تکون معی فی الجنۃ۔
(میں نے اللہ تعالیٰ سے شرط منظور کرالی ہے کہ میں جس سے نکاح کروں وہ لازماً میرے ساتھ بہشت میں ہو)

ف: اس معنے پر بی بی اسمأ یا جابہ دنیا میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائق نہیں تھیں کہ وہ آپ کے ساتھ بہشت کے اعلیٰ مقام میں ہوں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے ساتھ نکاح کرنے سے روکا اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر بندے کو باطن سے دیکھتا ہے اس کے ظاہر کو نہیں دیکھتا۔

۱ چوں ترا دل اسیر معنی بود
عشق معنی ز صورت اولیٰ بود

۲ حسن معنی نمی شود سپری
عشق آں باشد از زوال بری

۳ اہل عالم ہمہ دریں کارند
بحجاب صور گرفتارند

ترجمہ: (۱) جب تیرا دل معنیٰ کا گرفتار ہوگا ظاہری صورت کے عشق سے معنی سے محبت کرنا اولیٰ ہے۔
(۲) کیونکہ معنیٰ کا حسن ختم نہیں ہوتا اس کا عشق زوال سے پاک ہے۔
(۳) تمام جہان اسی کام میں ہے کہ وہ حجابات یعنی صورتوں کا گرفتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:
ما نکح امرأۃ لمالہا وجمالہا حرم مالہا وجمالہا ومن نکحہا لدینہا رزقہ اللہ مالہا وجمالہا۔
(جو شخص کسی عورت کے مال وجمال کی وجہ سے نکاح کرتا ہے تو وہ اس کے مال وجمال دونوں سے محروم رہے گا۔ اگر وہ اس کے دین کی وجہ سے نکاح کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مال و جمال دونوں سے مالامال فرماتا ہے)

اِلَّا مَا مَلَکَتْ یہ النسائ سے استثنأ ہے کیونکہ لفظ النسأ ازواج اور کنیزوں سب کو شامل ہے

اب معنی یہ ہُوا کہ آپ کے لیے ان بیبیوں کے سوا اور کسی عورت سے نکاح جائز نہیں مگر وُہ کنیزیں کہ جن کے آپ مالک ہیں آپ انہیں اپنے تصرف میں لائیں جس طرح چاہیں۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان بیبیوں میں سے ایک کنیز بی بی ماریہ قبطیہ ام سیدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ تھیں۔

ف: حضرت مجاہد نے فرمایا کہ آیت کا معنی یہ ہُوا کہ آپ کے لیے مسلمان عورتوں کے سوا یہود و نصاریٰ عورتوں سے آپ نکاح نہ کریں۔ اور نہ ہی ان کے عوض یہود و نصاریٰ عورتوں کو نکاح میں لائیں، تاکہ اہل کتاب عورتوں کو امہات المومنین کا رتبہ نہ ملے۔ ہاں ان میں سے کنیزیں بنا سکتے ہیں وہ آپ کے لیے جائز ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ۝ اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر نگہبان ہے۔ یہ رَقَبْتُہٗ سے ہے بمعنے حفظتہ والرقیب بمعنے الحافظ۔ یہ مراعات رقبتہ المحفوظ سے ہے یا رقبتہ۔ الرقیب وہ جس کو غفلت اور ذہول طاری نہ ہو اور نہ ہی یہ چیزیں اس کے لیے جائز ہو سکیں۔ اسی لیے نہ اسے مذکر (یاد دلانے والے) کی ضرورت ہوتی ہے نہ منبہ (تنبیہ کرنے والے کی) کذا فی شرح الاسمآ الزورقی۔ یعنی اللہ تعالیٰ حافظ و مہیمن ہے۔ اسی لیے تمہیں کسی کام کا حکم فرما کر تمہاری حفاظت فرماتا ہے اور چاہتا ہے کہ جہاں تمہیں حد بتا دی ہے اس سے آگے نہ گزرو۔

فوائد آیت ھٰذا

(۱) جمہور کے نزدیک یہ آیت محکمہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جائز نہ تھا کہ آپ ان نو ازواج مطہرات کے سوا کسی اور سے نکاح کریں۔

(۲) جب اللہ تعالیٰ نے امر نکاح میں وسعت بخشی تو نفس نے ہر گھاٹ کا پانی پینے کی ٹھان لی لیکن اگر اسے اس طرح عام چھٹی دی جاتی تو اس کے مزاج میں خلل پڑ جانے کا خطرہ تھا۔ جیسے انسان گرم اور میٹھا کھانا کھانے لگ جائے تو اس پر صفراء کا غلبہ ہو جاتا ہے تو پھر اسے ٹھنڈی اور کھٹی غذا دی جاتی ہے تاکہ اس کا صفراوی مادہ ختم ہو۔ اس سے اس کی صحت و تندرستی مطلوب ہوتی ہے۔ اسی معنے پر اللہ تعالیٰ نے لا یحل لک کہہ کر اپنے حبیب علیہ السلام کو کھٹی غذا کھلائی ہے تاکہ آپ کا قلبی و نفسی مزاج معتدل رہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کے محبت و پیار کی علامت ہے کہ وُہ اپنے حبیب علیہ السلام کی تربیت خود فرماتا ہے۔

(۳) ادھر ازواجِ مطہرات کو اپنے حبیب علیہ السلام کے ساتھ دنیاوی تنگ معاشی پر صبر پہ مجبور کر کے اور پھر اپنے حبیب علیہ السلام کو نکاح کے معاملہ میں ہر عورت سے تزویج کی عام اجازت بخشی تو گویا ازواجِ مطہرات کو کھٹی اور ٹھنڈی غذا کھلائی تو ان کے منہ میٹھے کرنے کے لیے لا یحل لک النسآء الخ فرمایا

تاکہ ان کے مزاج ٹھنڈے ہوں اور ان کے دلوں کے لیے موجبِ سکون و راحت ہو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نوازش ہے کہ اس نے ازواجِ مطہرات کی تربیت خود اپنے ذمۂ کرم لگائی۔

(۴) حضور علیہ السلام اور ازواجِ مطہرات کے واقعات سے امت کے مردوں اور عورتوں کو تنبیہ فرمائی ہے تاکہ وہ اپنی زندگی اور معاشں کی اصلاح کریں اس لیے وکان اللہ علی کل شئی رقیبا کا یہی معنی کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی علیہ السلام اور آپ کی ازواجِ مطہرات اور آپ کی امت کے احوال کی نگرانی یعنی ان کی مصلحتوں کو مدِ نظر رکھتا ہے۔

ازواجِ مطہرات کی تعداد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ازواجِ مطہرات نو تھیں جو یہ ہیں:

۱۔ حضرت عائشہ ۲۔ حضرت حفصہ
۳۔ حضرت اُم حبیبہ ۴۔ حضرت سودہ
۵۔ حضرت ام سلمہ ۶۔ حضرت صفیہ
۷۔ حضرت میمونہ ۸۔ حضرت زینب
۹۔ حضرت جویریہ (رضی اللہ عنہن)

بی بی عائشہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ شوال میں مکہ معظمہ میں آپ کا نکاح ہوا۔ اس وقت بی بی کی عمر سات سال تھی اور شوال میں ہی آٹھویں ماہ ہجری کے پہلے سال میں حضور علیہ السلام آپ کو گھر میں لائے۔ اس وقت بی بی صاحبہ کی عمر نو سال تھی جس وقت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اس وقت بی بی صاحبہ ۱۸ سال کی تھیں۔ وصال کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سرِ مبارک بی بی صاحبہ کی گود میں تھا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم وصال کے بعد بی بی صاحبہ کے حجرہ میں آرام فرما ہوئے۔ بی بی صاحبہ تقریباً سڑسٹھ (۶۷) سال کی عمر میں رمضان المبارک ۵۸ھ میں فوت ہوئیں۔ آپ کی نمازِ جنازہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور رات کے وقت بقیع میں مدفون ہوئیں۔ یہ دور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تھا اور اس وقت مروان بن الحکم مدینہ طیبہ کے امیر تھے۔ لیکن یہ اس سال عمرہ کی وجہ سے مدینہ میں نہیں تھے اپنے پیچھے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو نائب بنایا تھا۔

بی بی حفصہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں آپ کی ماں کا نام زینب تھا اور یہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے رضاعی بھائی تھے۔ حضور علیہ السلام نے بی بی حفصہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہجری

کے تیسویں ماہ کے بعد اور غزوۂ اُحد سے دو ماہ پہلے شعبان میں نکاح کیا اور بی بی صاحبہ کی ولادت اظہار نبوت سے پانچ سال پہلے ہُوئی۔ آپ کی عمر تریسٹھ سال ہوئی اور شعبان ۴۵ھ میں مدینہ میں فوت ہُوئیں۔ آپ کی نماز جنازہ مروان بن الحکم نے پڑھائی۔ اس وقت وہی مدینہ کا امیر تھا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کے جنازہ کو کاندھا دیا۔

اُمِّ حبیبہ آپ کا نام رملہ ہے۔ آپ ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ آپ نے اپنے شوہر عبید اللہ بن جحش کے ساتھ دُوسری ہجرت حبشہ کی طرف کی وہیں آپ کا شوہر عبید اللہ بن جحش نصرانی ہوگیا لیکن آپ اسلام پر ثابت قدم رہیں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہِ حبشہ کے ذریعہ بی بی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کا پیغام بھجوایا۔ یہ پیغام عمرو بن امیہ الضمری نے پہنچایا۔ آپ کا نکاح حبشہ میں ہُوا، اسی لیے آپ کی طرف سے مہر نجاشی بادشاہ نے ادا کیا یہ چار سو دینار تھے اور مہر کے علاوہ بی بی کو جہیز بھی نجاشی بادشاہ نے دیا اور ۷ھ میں حبشہ سے نجاشی نے بی بی کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں روانہ کیا۔

سودہ سودہ بنت زمعۃ العامریہ رضی اللہ عنہا، آپ کی والدہ بنو نجار کے قبیلہ سے تھیں۔ اس لیے آپ کی والدہ سلمی بن عبد المطلب کے بھائی کی صاحبزادی ہیں۔

ام سلمہ آپ کا نام ہند تھا ابی امیہ مخزومی کی صاحبزادی ہیں۔ جس وقت بی بی ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور علیہ السلام سے ہوا اس وقت بی بی صاحبہ کی چار صاحبزادیاں تھیں یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں بی بی صاحبہ فوت ہوئیں بوقتِ فوتیدگی آپ کی عمر ۸۴ سال تھی اور سن بھی ۸۴ھ۔ بقیع میں مدفون ہوئیں۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی۔

صفیہ بنت حیی بنو نضیر کے قبیلہ سے تھیں۔ آپ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے تھیں۔ حی بنو قریظہ کے ساتھ مقتول ہوا۔ اور یہ بنو نضیر کے سردار تھا۔ بی بی صاحبہ کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے منتخب فرمایا پھر آپ نے انہیں آزاد کر کے اپنے ساتھ نکاح کر لیا۔ آپ کے مہر میں آپ کی آزادی مقرر ہوئی۔ بی بی صاحبہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کی گود میں چاند اترآیا ہے۔ اس کے بعد ان کا حضور علیہ السلام کے ساتھ نکاح ہوگیا۔ آپ کی عمر ستر سال پوری نہ ہوئی۔ آپ کا انتقال رمضان المبارک ۵۰ھ میں ہوا اور بقیع میں مدفون ہوئیں۔

میمونہ بنت الحارث الہلالیہ رضی اللہ عنہا سے حضور علیہ السلام نے بحالتِ احرام نکاح کیا، اور یہ احرام ۷ھ میں عمرۃ القضا کا تھا۔ احرام سے فراغت کے بعد آپ کے ساتھ رسم شادی

ادا ہوئی۔ سنہ ۵۱ھ میں فوت ہوئیں اور بمقام سرف وفات پائی۔ اس وقت آپ کی عمر ۸۰ سال تھی اور وہیں مدفون ہوئیں۔

ف: سرف بروزن کتف قرب تنعیم میں ایک مقام کا نام ہے۔ یہ مکہ کے لیے دخول کا مقام ہے۔

زینب بنت جحش بن رباب اسدیہ رضی اللہ عنہا غزوۂ المصطلق میں قیدی ہوکر تشریف لائیں۔

جویریہ اس وقت ان کی عمر بیس سال تھی۔ مال غنیمت کی تقسیم میں ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں۔ انہیں مکاتبت کے طور آزاد کیا مکاتبت کا بدلہ حضور علیہ السلام نے ادا کرکے ان سے نکاح کر لیا۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ آپ کے ملک میں تھیں آپ نے انہیں آزاد کرکے نکاح کر لیا۔ مدینہ طیبہ میں سنہ ۵۶ھ میں فوت ہوئیں۔ آپ کی عمر ستر سال تھی۔ آپ کی نماز جنازہ مروان بن الحکم نے پڑھائی جو اس وقت مدینہ کے حاکم تھے۔

یہ وہ نو بیبیاں تھیں جن کو وصال کے وقت حضور علیہ السلام نے چھوڑا۔ بعض نے اسے اشعار میں منظوم فرمایا ؎

توفی رسول اللہ عن تسع نسوۃ
الیھن تعزی المکرمات وتنسب
فعائشۃ میمونۃ و صفیۃ
وحفصۃ تتلوھن ھند و زینب
جویریۃ مع رملۃ ثم سودۃ
ثلاث و ست ذکرھن لیعذب

ترجمہ: حضور علیہ السلام نو بیبیوں سے دنیا سے رخصت ہوئے ان کی طرف عزت و حرمت منسوب ہوتی ہے وہ نو بیبیاں یہ ہیں:

۱۔ عائشہ	۲۔ میمونہ
۳۔ صفیہ	۴۔ حفصہ
۵۔ ہند	۶۔ زینب
۷۔ جویریہ	۸۔ رملہ
۹۔ سودہ	

یہ وہ نو بیبیاں ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ جس عورت سے نکاح کرنا مطلوب ہے اسے دیکھنا جائز ہے۔

حدیث شریف حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے ایک انصاری عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انظر الیہا فان فی اعین نساء الانصار شیئا۔

(اسے اچھی طرح دیکھ لے اس لیے کہ انصاری عورتوں کی آنکھوں میں کچھ کمی ہوتی ہے)

ف: حضرت حمیدی نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ ان کی آنکھیں چھوٹی ہوتی ہیں علاوہ ازیں منکوحہ کو نکاح سے پہلے دیکھنے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے انس والفت میں اضافہ ہوتا ہے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رضاعی خالہ ام سلمہ کو فرمایا کہ میں فلاں عورت سے نکاح کا ارادہ رکھتا ہوں تو اس کے چہرے کو سونگھ لے۔

ف: عوارض سے چہرے کی دونوں طرفیں مراد ہیں تاکہ معلوم کیا جاسکے کہ اس کے منہ کی بُو اچھی ہے یا گندی۔

مسئلہ: عذر کے وقت انسان کے تمام اعضاء یہاں تک کہ فرج وذکر کو بھی دیکھنا جائز ہے۔

ف: اعذار یہ ہیں:

(۱) گواہی دینے کے لیے، مثلاً زنا کرنے والوں کے عورت غلیظہ دیکھنا جائز ہے جبکہ گواہی دیتے وقت یہ کہنا ہوگا کہ اس نے زنا کرتے وقت ایسے دیکھا ہے جیسے سرمہ دانی میں سرمہ کی سلائی۔

(۲) گواہی کے ادا کرنے کے لیے اس کے چہرے کو دیکھنا ہوگا جبکہ گواہی کے وقت کہے گا کہ میں نے اس شخص کے چہرے کو دیکھا تھا فلہذا اس کے لیے گواہی دیتا ہوں۔

(۳) قاضی کے حکم دینے سے پہلے محکوم کے چہرے کو دیکھ لے۔

(۴) دایہ کا ولادت کے وقت فرج کو دیکھنا۔

(۵) عنینین یعنی نامرد کی عورت کی بکارت کو عورت کا دیکھنا تاکہ بعد میں گواہی دے سکے کہ واقعی اس عورت کی بکارت ٹوٹی ہے یا نہیں۔

(۶) ختنۂ مرد وعورت کے وقت عورت ومرد کے ذکر و فرج کو دیکھنا۔ ختنہ مرد کے لیے سنّت مؤکدہ اور عورت کے لیے مستحب ہے۔ ختنہ یعنی اس چمڑے کو کاٹنا جو پیشاب گاہ کے اوپر ہوتا ہے۔ وہ ایک باریک چمڑا مرغ کے سر کے بالوں کی طرح ہوتا ہے اسے کاٹنے کا نام ختنہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

الختان سنة للرجال مکرمة للنساء ویزید لذتها و یجف

مطلوب تھا۔

(مرد کا ختنہ سنت اور عورت کا باعثِ تکریم۔ اس سے لذت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور عورت کے لیے فائدہ یہ ہے کہ اس کی فرج کی رطوبت خشک ہوتی ہے)

(۷) شے کے خریدتے وقت عیب دیکھ لینا۔

(۸) نکاح کے ارادہ سے عورت کا چہرہ دیکھنا جائز ہے اگرچہ شہوت بھی ہو لیکن شہوت کا ارادہ نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ عورت کو نکاح سے قبل دیکھنا جائز ہے۔ اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ صرف اعضا جیسے چہرہ اور گردن اور قدم دیکھنا جائز ہے۔ اور باقی تین ائمہ نے فرمایا کہ صرف چہرے اور دو ہتھیلیوں کو دیکھنا جائز ہے۔ کذا فی فتح الرحمٰن۔

ف : آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا نگہبان ہے لیکن جب اس کی کسی پر خصوصی نگاہ ہو جاتی ہے تو اس شخص کی کسی دوسرے کی طرف توجہ نہیں رہتی۔

ف : جناب کاشفی نے فرمایا :

وکسے کہ از سر رقیبے حق آگاہ کردد اورا از مراقبہ چارہ نیست۔

(جس شخص کو رقیب کا راز سمجھ آجاتا ہے اسے مراقبہ کی دولت نصیب ہوتی ہے)

چو دانستی کہ حق دانا و بینا ست
نہان و آشکار خویش کن راست

ترجمہ : جب تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ دانا و بینا ہے اس لیے تمہیں اپنا ظاہر و باطن صحیح رکھنا چاہیے۔

تفسیر صوفیانہ

اس نام (یعنی رقیب) کی برکت سے بندے کو اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے اس کا طریقہ صحیح یوں ہوگا کہ بندہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے رہے اور سمجھے کہ وہی ہر وقت جانتا ہے اور اسے ہر وقت اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ ہو اور اسے یقین ہو کہ نفس اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اور شیطان اس کا اس سے اور بڑا دشمن ہے اس لیے کہ یہ دونوں فرضِ الٰہی سے غافل و کاہل بنانے کی جدوجہد کرتے ہیں اور چاہتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے خلاف کرے۔ اسی لیے سالک پر لازم ہے کہ وہ نفس و شیطان کی شرارت کا خیال رکھے اور سمجھے کہ نفس ہمیشہ غلطی کرانے کے درپے رہتا ہے بلکہ نفس انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہر راستہ کو بند کرنے کی جدوجہد کرتا ہے اس لیے لازم ہے کہ انسان اپنے نفس کی نگرانی کرے اور اللہ تعالیٰ کے جملہ اوامر و احکام پر نفس کو پابند کرے۔

ف : اس اسم کا خاصہ یہ ہے کہ اس کی برکت سے گمشدہ چیزیں واپس آسکتی ہیں اور مال و

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ
اے ایمان والو نبی کے گھروں میں نہ حاضر ہو جب تک اِذن نہ پاؤ مثلاً کھانے کے لیے
غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا
بلائے جاؤ نہ یوں کہ خود اس کے پکنے کی راہ تکو ہاں جب بلائے جاؤ تو حاضر ہو اور جب کھا چکو تو متفرق ہو جاؤ نہ یہ کہ بیٹھے باتوں
مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۫
میں دل بہلاؤ بے شک اس میں نبی کو ایذا ہوتی تھی تو وہ تمہارا لحاظ فرماتے تھے اور اللہ حق فرمانے
وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ
میں نہیں شرماتا اور جب تم ان سے برتنے کی کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو
حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ
اس میں زیادہ ستھرائی ہے تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کی اور تمہیں نہیں پہنچتا کہ رسول اللہ کو ایذا دو
اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ
اور نہ یہ کہ ان کے بعد کبھی ان کی بیبیوں سے نکاح کرو بے شک یہ اللہ کے نزدیک بڑی سخت بات
عَظِيْمًا ۝٥٣ اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝٥٤ لَا
ہے اگر تم کوئی بات ظاہر کرو یا چھپاؤ تو بے شک اللہ سب کچھ جانتا ہے ان
جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ
پر مضائقہ نہیں ان کے باپ اور بیٹوں اور بھائیوں اور بھتیجوں اور بھانجوں
وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ؕ اِنَّ
اور اپنے دین کی عورتوں اور اپنی کنیزوں میں اور اللہ سے ڈرتی رہو بیشک
اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝٥٥ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ
ہر چیز اللہ کے سامنے ہے بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝٥٦ اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
بتانے والے (نبی) پر اے ایمان والو ان پر درود اور خوب سلام بھیجو بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے
لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝٥٧ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ
رسول کو ان پر لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے اور جو ایمان والے
الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝٥٨ ع
مردوں اور عورتوں کو بے کیے ستاتے ہیں انہوں نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر لیا

تفسیر عالمانہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا (اے ایمان والو)

شانِ نزول مروی ہے کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی زینب کو بحکمِ ربانی نکاح کے لیے قبول فرمایا تو آپ نے ان کے ولیمہ کی دعوت پکائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دعوت پہ بلایا۔ جب صحابہ کرام نے دعوت کھا لی تو بعض ان میں باتوں میں مشغول ہوگئے اور بی بی زینب گوشۂ تنہائی میں بیٹھی تھیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس انتظار میں تھے کہ یہ لوگ اٹھیں۔ کافی دیر ہوگئی بالآخر حضور علیہ السلام خود وہاں سے اُٹھ گئے۔ تب لوگ وہاں سے اُٹھے اور چلے گئے۔ لیکن تین آدمی پھر بھی محوِ گفتگو رہے۔ حضور علیہ السلام گھر سے باہر نکلے لیکن شرم کی وجہ سے انھیں کچھ نہ فرمایا۔ کافی دیر کے بعد آپ کو بی بی صاحبہ سے خلوت کا موقع ملا۔ اس پر یہ آیت حجاب نازل ہوئی۔

شانِ نزول دیگر مروی ہے کہ بعض اہلِ ایمان کھانا پکنے کے انتظار میں ہوتے جونہی حضور علیہ السلام کے گھر میں طعام پک جاتا تو وہ کھانے کے لیے آکر بیٹھ جاتے یہاں تک کہ کھانے سے فراغت کے بعد بھی وہیں بیٹھے رہتے۔ حضور علیہ السلام پر یہ ناگوار گزرا، اللہ جل جلالہٗ نے فرمایا: اے ایمان والو! لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ حضور علیہ السلام کے حجروں میں مت داخل ہو إِلَّا أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ مگر جس وقت آپ تمہیں دعوت دے کر اپنے دولتکدہ میں حاضری کی اجازت بخشیں إِلَىٰ طَعَامٍ طعام کے لیے۔ یہ یؤذن کے متعلق ہے اس لیے کہ یُدعیٰ کے متعلق ہے تاکہ معلوم ہو کہ دعوت پر اجازت کے بغیر جانا جائز نہیں اگر اجازت مل جائے تو پھر جائز ہے چنانچہ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ سے معلوم ہوتا ہے کہ لا تدخلوا کے فاعل سے حال ہے اور استثنا ظرف اور حال سے واقع ہے۔

صفحہ ۶۰۶ سے آگے

اہل وعیال پر حفاظت نصیب ہوتی ہے جس کی کوئی چیز گم ہوجائے اسے زیادہ سے زیادہ پڑھے تو گم شدہ چیز مل جائے گی۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ جہاں حمل گرنے کا خطرہ ہو اسے سات بار پڑھ کر دم کیا جائے۔

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ جو شخص سفر پر جانے کا ارادہ کرے یہ اسم مبارک سات بار پڑھ کر سفر کرنے والے کی گردن پر پھونک کر روانہ کرے۔ سفر سے واپسی تک وہ خود اور اس کے اہل وعیال حفاظت میں رہیں گے۔ ذکرہ ابو العباس فاسی فی شرح الاسماء الحسنیٰ۔

دعا اللہ تعالیٰ ہمیں رات و دن میں سرًا و جہرًا محفوظ فرمائے اور ہمیں اس دنیا سے رخصتی تک اپنی حفاظت میں رکھے۔ آمین۔

اب معنیٰ یوں ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدہ میں اجازت کے بغیر مت جاؤ اور نہ ہی ان کے ہاں طعام پکنے کا یا اس کے حصول کا انتظار کرو۔

الانا (بالقصر و بالکسر) انی الطعام کا مصدر ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب طعام پک کر کھانے کے قابل ہو جائے۔

المفردات میں ہے کہ الانا جب بالکسر ہو تو اسے بالقصر پڑھنا ہوگا اگر بالفتح ہو تو اسے بالمد پڑھنا چاہیے۔

اہل عرب بولتے ہیں :

انی الشئ یانی۔

یہ اس وقت کہتے ہیں جب طعام پکنے کے قریب ہو۔

ایسے ہی آن یئین بمعنے حان یحین ہے۔

مسئلہ: اس میں اشارہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لینا اور آپ کے اوقات کی رعایت اور آپ کا احترام ضروری ہے۔

وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا۔ اور جب بلائے جاؤ تو (حاضر ہو) از دخول بغیر اذن کی نہی سے استدراک ہے۔

فائدہ: اس میں واضح دلیل ہے کہ اذن سے طعام کی دعوت مراد ہے یعنی جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تمھیں طعام کے لیے گھر میں حاضری کی اجازت دیں اور تمھیں اس کی دعوت دی جائے تو پھر آپ کے دولت کدہ میں حاضر ہو لیکن ادب کو ملحوظ رکھنا تم پر واجب ہے اور آپ کی درگاہ کی حاضری کے احکام مدنظر رکھنا تم پر لازم ہے۔

فَاِذَا طَعِمْتُمْ پس جب تم کھانا کھا کر فارغ ہو جاؤ۔ الطعم بمعنے تناول الغذاء۔

فَانْتَشِرُوْا تو وہاں سے چلے جاؤ اور ٹھہرو مت۔ یعنی حضور علیہ السلام کے دولت کدہ سے دعوت کھا کر وہاں سے چلے جاؤ۔

مسئلہ: طعام کے لیے بلا اجازت کسی کے گھر چلے جانے میں کوئی حرج نہیں جبکہ دعوتِ طعام پہلے دی جا چکی ہو۔ ورنہ کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل ہونا ناجائز ہے۔ اسی طرح طعام سے فراغت کے بعد وہاں نہیں ٹھہرنا چاہیے۔

وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ الاستئناس بمعنے انس لینا۔ یہ وحشت ونفور کی نقیض ہے۔

لِحَدِيْثٍ قلیل و کثیر کلام کے لیے الحدیث مستعمل ہے اس لیے کہ تھوڑی تھوڑی بات زبان سے حادث ہوتی ہے اس کا ناظرین پر عطف ہے یا اس کا عطف فعل مقدر پر ہے یعنی نہ تو ایک دوسرے کی گفتگو میں مشغول ہو جاؤ اور نہ ہی گھر والوں کی باتیں سننے میں کان لگاؤ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب تمہاری ضروریات پوری ہو جائیں تو فوراً نکل جاؤ اور اس میں غفلت مت کرو۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ خلق کو دیکھ کر آپ کے حسنِ ادب میں کوتاہی نہ کرو اور نہ ہی آپ کے جاہ وجلال کو دیکھ کر ان سے دوری اختیار کرو۔ آپ کے حسنِ خلق نے انہیں آپ کے ساتھ کھل کر رہنے پر بیباک بنا دیا تھا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ ذٰلِكُمْ کھانا کھانے کے بعد باتوں میں لگ جانا كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتا ہے اس لیے کہ آپ کا حجرہ اقدس تنگ ہے، اس سے آپ کے اہل وعیال کو تنگی ہوتی ہے اور لا یعنی باتوں میں مشغول رہتے ہیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچتی ہے۔

حلِ لغات : الاذی بمعنے ہر وہ امر جس سے انسان کو ضرر پہنچے۔ وہ ضرر نفس سے متعلق ہو یا جسم سے، وہ امر دنیوی ہو یا اخروی۔

فَيَسْتَحْيِ مِنْكُمْ یہاں مضاف محذوف ہے دراصل من اخراجکم تھا جیسا کہ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيِ مِنَ الْحَقِّ معلوم ہوتا ہے۔ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں اپنے دولتکدہ سے باہر نکالنے سے حیاء کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ حق سے حیاء نہیں کرتا، اس لیے کہ وہ امر جس سے حیاء کیا جا رہا ہے وہ حق ہے اور وہ صحابہ کرام سے متعلق ہے یعنی ان کا دولتکدۂ نبوی سے جانا یعنی تمہارا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دولتکدہ سے نکالا جانا حق ہے اسی لیے حیاء کرکے اس حق کا ترک اچھا نہیں ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ حیاء والوں کی طرح اسے ترک نہیں فرماتا بلکہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ فوراً نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دولتکدہ سے نکل جاؤ۔

نکتہ ترک کے عدم کو عدم الستحیاء سے تعبیر کرنے میں صرف مشاکلت مطلوب ہے یعنی جملہ اول میں لفظ استحیاء واقع ہوا۔ اسی کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے عدم استحیاءً بیان فرمایا ہے۔

ف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ شرمیلے تھے اور عورت سے آنکھ بچانے میں بہت زیادہ احتیاط فرماتے تھے۔

اغضاء بمعنے جس شے سے طبع کو نفرت ہو اس سے آنکھ چھپانا، اور حیاء ایک ایسا امر جو انسان کے منہ پر واقع ہوتا ہے اس وقت جبکہ مکروہ فعل کے صدور کے وقوع کا امکان ہو یا ایسے فعل کے وقت کہ جس کا ترک کرنا اس کے کرنے سے بہتر ہو۔

المفردات میں ہے کہ حیاء بمعنے نفس کا قبائح سے منقبض ہونا۔ اسی وجہ سے اس فعل قبیح کا ترک کرنا ہوتا ہے۔

سفید ریش کی فضیلت مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ سفید بالوں والے مسلمانوں سے حیاء فرماتا ہے کہ اسے عذاب میں مبتلا کرے۔

ف: یہاں پر حیاء بمعنے انقباض النفس الخ نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایسے اوصاف سے منزّہ اور پاک ہے یہاں پر مطلقاً عذاب نہ دینا مراد ہے۔ یہی تاویل (مندرجہ ذیل) حدیث میں جاری ہوگی:

انّ اللہ تعالیٰ حیّی۔

(اللہ تعالیٰ حیاء والا ہے)

یعنی وہ قبائح کو چھوڑتا اور محاسن کو پسند فرماتا ہے۔

مسئلہ: آیت میں حد سے زیادہ کھانے والوں کی مذمت کی گئی ہے۔ اسی لیے الاحنف نے فرمایا کہ آیت فاذا طعمتم فانتشروا بسیار خوروں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

مسئلہ: اسی لیے مہمان کو حکم ہے کہ وہ میزبان کے گھر میں جاکر ڈیرہ نہ جمالے بلکہ ضرورتِ مہمانی کے بعد فوراً میزبان کے گھر سے جانے کی کوشش کرے۔

مسئلہ: ایسے مزاج پُرسی کرنے والوں کو حکم ہے کہ مریض کے ہاں جاکر اس کی مزاج پرسی کے فوراً بعد چلے جانا چاہیے۔

لطیفہ اعمش سے پُوچھا گیا کہ آپ کی آنکھیں خراب کیوں ہیں؟ انہوں نے فرمایا: طبع پر بوجھ ڈالنے والوں کو دیکھنے سے میری آنکھیں خراب ہوگئی ہیں ؎

اذا دخل الثقیل بارض قوم

فما للساکنین سوی الرحیل

ترجمہ: جب طبع پر بوجھ ڈالنے والے کسی علاقہ میں جاتے ہیں تو وہاں کے ساکنین کوچ کرنے کی جد و جہد کرتے ہیں۔

ف: اہلِ دل فرماتے ہیں کہ طبع پر بوجھ ڈالنے والوں کی صحبت رُوح کا بخار ہے۔

حکایت نوشیرواں سے سوال ہُوا کہ کیا وجہ ہے کہ لوگ بہت بڑے بوجھ تو سر پر رکھ لیتے ہیں لیکن طبع پر بوجھ ڈالنے کے ساتھ بیٹھنے سے بہت گھبراتے ہیں۔ نوشیرواں نے کہا کہ بوجھ اٹھاتے وقت تمام اعضا ساتھ دیتے ہیں لیکن طبع پر بوجھ کی ثقالت کی حامل صرف روح ہے۔ اسی وجہ سے روح اکیلی ہونے کی وجہ سے ایسا بوجھ اٹھانے سے کتراتی ہے۔

ف: اہلِ دل فرماتے ہیں کہ بزرگوں کے ہاں حاضری کے وقت قلتِ کلام اور ان سے جلد تر اٹھ کر واپس آنا بہتر ہوتا ہے۔

احمق کی علامت احمق کی دو علامتیں ہیں:
(۱) کسی کے ہاں ضرورت سے زیادہ بیٹھنا۔
(۲) کسی کے پاس بے وقت جانا۔

مسئلہ: جب کسی بھائی کے ہاں جاؤ تو اس کے دروازے پر جا کر اجازت طلب کرو اور تین بار کہو:
السلام علیکم یا اھل البیت۔
(اے گھر والو! تم پر سلام)
اس کے بعد کہے کہ کیا تیرے گھر میں فلاں آسکتا ہے؟ اور ہر بار اتنا انتظار کرے جتنا وقت کھانا کھانے پر صرف ہوتا ہے یا وضو کرنے والا وضو کرتا یا چہ رکعت نوافل پر وقت لگتا ہے۔

مسئلہ: گھر والا اجازت دے تو فوراً جا کر جلد لوٹے۔ اگر وہ اجازت نہ دے یا اندر سے کوئی جواب نہ پائے تو اس پر ناراضگی اور بغض و کینہ کیے بغیر واپس چلا جائے۔

مسئلہ: جس شخص کو گھر پر بلانے کے لیے قاصد بھیجا گیا اور وقت آنے کے بعد طعام گاہ میں جانے کے لیے مزید اجازت طلبی کی ضرورت نہیں ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ قال کی نہایت ادب پر ہے لیکن یہ ادب حال کی ابتدا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ السلام کو پہلے ادب کی تعلیم سے آراستہ فرمایا اس کے بعد اپنی مخلوق کے ہاں رسول بنا کر بھیجا۔
چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
ادبنی ربی فاحسن تأدیبی۔
(مجھے میرے رب نے ادب سکھایا اور خوب سکھایا)۔

ف: عام انسان کے لیے ہر عضو کا علیحدہ علیحدہ ادب ہے۔ اگر ہر عضو ادب نہ بجا لائے تو تباہ و برباد ہوتا ہے اور ہر خواص کے اعضاءِ باطنی کا بھی علیحدہ علیحدہ ادب ہے اگر وہ اس کی پابندی نہ کریں تو تباہی اور ہلاکت کا موجب ہوتا ہے اور خاص الخاص تو ہر وقت ادب کو ملحوظ رکھتے ہیں۔
حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ ادبوا النفس ایھا الاحباب
طرق العشق کلھا آداب

۲ مایۂ دولت ابد ادبست
پایۂ رفعت خرد ادبست

۳ چیست آں داد بندگی دادن
بر حدود خدائے ایستادن
۴ قول و فعل از شنیدن۔ و دیدن
بموازین شرع سنجیدن
۵ با حق و خلق و شیخ و یار و رفیق
رہ سپردن بمقتضائے طریق
۶ حرکات جوارح و اعضا
راست کردن بحکم دین ھدا
۷ خطرات و خواطر و اوہام
پاک کردن ز شوب نفس تمام
۸ دین و اسلام در ادب طلبیست
کفر و طغیان ز شوم بے ادبیست

ترجمہ: (۱) اے دوستو! نفس کو ادب سکھاؤ اور عشق کے تمام طریقے آداب ہی ہیں۔
(۲) دولت کا سرمایہ ابدی ادب ہے خرد کی بلندی کا پایۂ ادب ہے۔
(۳) بندگی کی داد دینا کیا ہے، حدود اللہ پہ قائم رہنا۔
(۴) قول و فعل سے سننا اور دیکھنا اسی شرع سے بال سنگارنا۔
(۵) حق تعالیٰ اور خلقِ خدا اور شیخ و یار و رفیق کے ساتھ بمقتضائے طریق سے گزارنا۔
(۶) حرکات جوارح و اعضا کو اللہ تعالیٰ کے حکم پہ سیدھا رکھنا چاہیے۔
(۷) خطرات و خواطر و اوہام کو نفس کی ملاوٹ سے مکمل پاک رکھنا لازم ہے۔
(۸) دین و اسلام ادب طلبی میں ہے کفر و طغیان بے ادبی کی نحوست سے ہے۔
اللہ تعالیٰ سے آدابِ حسنہ اور افعالِ مستحسنہ کی توفیق چاہتا ہوں۔

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا اور جب ان سے کوئی معمولی شے یا زیادہ استعمال کی چیزیں مانگو فَاسْأَلُوهُنَّ تو ان سے مانگو مِن وَرَاءِ حِجَابٍ باہر پردے سے۔ یعنی ان کے دروازے سے باہر ذَٰلِكُمْ وہ پردے سے باہر سوال کرنا أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ یہ تمہارے اور ان کے قلوب کے لیے زیادہ پاکیزہ معاملہ ہے اس طرح سے تم خواطر نفسانیہ اور خیالات شیطانیہ سے محفوظ رہو گے اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ جب مرد اور عورت ایک دوسرے کو نہ دیکھیں تو قلب میں کسی کا خطرہ واقع نہیں ہوتا۔

ف : اللہ تعالیٰ نے بندوں کو عادت مالوفہ سے ہٹا کر معاملۂ شرعیہ کی طرف پھیرا ہے اور طریقہ عبادات و طاعت کا واضح فرمایا ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ انسان بالآخر انسان ہے خواہ وہ صحابی ہو یا زوجۂ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اسی لیے مرد ہو یا عورت، اسے اپنے نفس پر بھروسا نہیں کرنا چاہئے۔ اسی لیے شریعتِ مطہرہ نے تاکیدی حکم فرمایا ہے کہ کوئی مرد بھی کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھے جبکہ ان کے درمیان رشتۂ محرومیت نہ ہو۔

حدیث شریف حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یخلون رجل بامرأۃ فان ثالثھما الشیطان۔

(جہاں مرد وعورت تنہائی میں ہوتے ہیں وہاں تیسرا شیطان ہوتا ہے)

حضرت عمر اور آیتِ حجاب

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ازواج النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پردہ کے متعلق سخت تقاضا تھا اور دل سے چاہتے تھے کہ بلا پردہ باہر نہ آئیں جائیں۔ اس کا بارہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کر چکے تھے اور آرزو رکھتے تھے کہ اس کے متعلق کوئی آیت قرآنی نازل ہو۔ اور ازواجِ مطہرات سے فرمایا کرتے تھے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عرض مان لیں تو تمہیں کوئی غیر دیکھ بھی نہ سکے اور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے ہاں ہر طرح کے انسان نیک اور بُرے حاضر ہوتے ہیں اگر آپ ازواجِ مطہرات کو پردے کا حکم فرمائیں تو بہتر ہے۔ چنانچہ یہی آیت نازل ہوئی۔

(۲) مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ازواجِ مطہرات پر گزر ہوا اور اس وقت بیبیاں دوسری عورتوں کے ساتھ مسجد میں تھیں آپ نے انہیں فرمایا کہ تم پردہ اوڑھ لیا کریں تو بہتر ہے اس لیے کہ تم کو دوسری تمام عورتوں پر فضیلت حاصل ہے جیسے تمہارے شوہر گرامی تمام انسانوں سے افضل ہیں۔ بی بی زینب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اے عمر بن الخطاب! (رضی اللہ عنہ) آپ کو ہمارے لیے غیرت ہے (تو مبارک) لیکن قرآن تو ہمارے گھروں میں نازل ہوتا ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو آپ کی غیرت کی ہمیں ضرورت ہی نہیں۔"

یہی بات ہو رہی تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے موافق یہی آیت نازل ہوئی۔

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے باہر تشریف لے جاتیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بار بار ان

کے لیے پردے کے بارے میں عرض کرتے لیکن حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حکم الٰہی کے بغیر اپنی طرف سے حکم نہ فرماتے۔ ایک دن بی بی سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا رات کے وقت باہر تشریف لے جا رہی تھیں، ان کا قد لمبا تھا، انہیں دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اے سودہ! میں نے تجھے پہچان لیا ہے۔"

اس سے آپ کی مراد یہ تھی کہ کہیں ان کو پردہ کرنے کا خیال آجائے۔ چنانچہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آیتِ حجاب نازل فرمائی۔

ف: آیتِ حجاب سے پہلے عورتیں مردوں کے سامنے بلا پردہ آتی جاتی تھیں لیکن جب یہ آیت حجاب اُتری تو تمام عورتوں کو پردے کا حکم عام کر دیا گیا۔ پھر کسی کو اجازت نہیں تھی کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی زوجہ مکرمہ کو دیکھے خواہ وہ پردے میں ہوں یا نہ۔

مسئلہ: بعض علماء نے فرمایا کہ جس طرح سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کی گواہی پردہ میں جائز ہے ایسے ہی نابینا کی گواہی جائز ہے گویا انہوں نے نابینا کو پردے پر قیاس کیا ہے بشرطیکہ آواز کا پورا یقین ہو۔ یہی امام مالک و احمد رحمہما اللہ کا مذہب ہے۔ لیکن ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے جائز نہیں رکھا خواہ وہ گواہی آواز سے تعلق رکھتی ہو یا نہ۔ ایسے ہی نابینا کا حکم ہے۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نابینا کی گواہی اس وقت جائز ہے کہ اس نے واقعہ کو آنکھوں سے دیکھا پھر نابینا ہو گیا اس لیے کہ اسے گواہی کا علم آنکھوں کے دیکھنے سے ہوا ہے اس طریق سے بوقتِ ادائیگی شہادت اس کی گواہی قابلِ قبول ہو گی اس لیے کہ اس کی زبان میں بھی کوئی فرق نہ پڑے گا اور نہ ہی مشہود علیہ کے تعارف میں فرق آئے گا جبکہ اسے مشہود علیہ کا حسب و نسب اور نشان معلوم ہو۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ گواہی دیتے وقت نابینا مدعی اور مدعا علیہ کا امتیاز نہ کر سکے گا اس لیے کہ آوازیں ایک دوسرے کے مشابہ ہوتی ہیں۔ اسی بنا پر ممکن ہے اسے مخالف نے غلط بات بتا دی ہو ایسے ہی حسب نسب کا اعتبار نہیں اس لیے کہ بہت سے لوگ ایک ہی نام اور ایک ہی حسب نسب والے ہوتے ہیں۔

ف: یہ خلاف قرض اور زمین کے متعلق ہے ورنہ جائداد منقولہ کے متعلق بالاتفاق نابینا کی گواہی ناقابلِ قبول ہے اس لیے کہ جائداد منقولہ میں گواہی کے وقت اشارہ ضروری ہے اور قرض میں وصف و جنس لازمی ہے اور یہ دونوں نابینا سے ناممکن ہیں۔ زمین وغیرہ میں اس لیے جائز ہے کہ وہاں حدود متعینہ کا علم ضروری ہے اور حدود متعینہ کو نابینا بیان کر سکتا ہے اور اس میں التباس کا خطرہ بھی نہیں۔

مسئلہ: امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نابینا کی گواہی قبول فرماتے ہیں بشرطیکہ اس نے واقعہ کو آنکھوں سے دیکھا اور بعد میں نابینا ہو گیا اب ادائیگی نابینا ہونے کے وقت ہو ایسے ہی بہرہ پہلے صحیح تھا لیکن

گواہی دیتے وقت بہرہ ہوگیا تو یہ دونوں قاضی (حاکم) کے سامنے اپنی صحت کے دور کی گواہی دے سکتے ہیں۔

وَمَا کَانَ لَکُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ اور تمہیں لائق نہیں کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچاؤ یعنی ان کی زندگی مبارک میں ایسے امور ان کے سامنے نہ لاؤ جو ان کی طبع مبارک کو ناگوار ہوں اور انہیں تمہارے ان امور سے ایذا پہنچے وَلَآ اَنْ تَنْکِحُوْٓا اَزْوَاجَہٗ مِنْۢ بَعْدِہٖٓ اَبَدًا اور نہ ہی ان کی مدخول بہا ازواج مطہرات کے ساتھ نکاح کرو ان کے وصال کے بعد یا ان کے اپنے سے جدا کر دینے کے بعد، اور ہمیشہ کی قید اس لیے ہے تاکہ اُمّت کو معلوم ہو کہ آپ کی ازواجِ مطہرات ان کے لیے ہمیشہ کے لیے حرام ہیں اس لیے کہ آپ اُمّت کے معنوی باپ اور آپ کی ازواج مطہرات امت کی مائیں ہیں علاوہ ازیں وہی بیبیاں جیسے دنیا میں آپ کی منکوحہ ہیں ایسے ہی آخرت میں، جیسا کہ حدیث گزری ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میں نے اپنے رب تعالیٰ سے شرط لی ہے کہ میرے ساتھ ان عورتوں کا نکاح ہو جو بہشت میں بھی میرے ساتھ ہوں۔"

اس لیے کہ اگر آپ کے وصال کے بعد اگر ان کا نکاح غیروں سے جائز رکھا جائے تو قیامت میں ہر عورت اپنے شوہر کے ساتھ ہوگی۔

حکایت اور وفاداری عورت

مروی ہے کہ ام الدرداء رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر ابوالدرداءؓ رضی اللہ عنہ سے ان کی فوتیدگی کے وقت فرمایا کہ میرے والدین سے دنیا میں میرا رشتہ مانگا انہوں نے تیرے ساتھ میرا نکاح کر دیا اب میں تجھ سے معاہدہ کرتی ہوں کہ مرتے دم تک کسی سے نکاح نہ کروں گی تاکہ آخرت میں میں تیرے ساتھ رہوں۔ یہی وصیت حضرت ابوالدرداءؓ نے ام الدرداء سے کی تو بی بی نے مذکورہ معاہدہ کیا۔ چنانچہ ان کی فوتیدگی کے بعد بی بی ام الدرداء کو حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے نکاح کا پیغام بھجوایا تو بی بی نے مذکورہ وصیت اور معاہدہ کا عذر کر کے نکاح سے انکار کر دیا۔

مختلف شوہروں میں سے جسے چاہے

مذکورہ بالا تقریر کے خلاف بی بی ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی:

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جس عورت نے دنیا میں مختلف اوقات دو یا دو سے زیادہ مختلف شوہروں سے نکاح کیا ہو وہ آخرت میں کس شوہر کے پاس رہے گی؟

آپ نے فرمایا:

جسے وہ چاہے گی لیکن وہ اسے چاہے گی جس نے دنیا میں اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا ہوگا۔

پھر فرمایا:

اے ام حبیبہ! حسن خلق دنیا و آخرت کو لے جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر اور ادب کا سبق امت پر واجب ہے کہ وہ اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہ دل و جان تعظیم و توقیر اور ادب بجا لائے۔ آپ کی زندگی کے بعد بھی اسی طرح ادب و تعظیم لازم ہے جیسے آپ کی ظاہری زندگی میں۔

(**اہلسنت بریلویوں کو مژدہ بہار** بفضلہ تعالیٰ ہم اہلسنت اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر اور ادب کو ایمان بلکہ جانِ ایمان سمجھتے ہیں بحمدہٖ تعالیٰ یہی ہمارے اسلاف کا عقیدہ تھا۔ چنانچہ صاحبِ روح البیان دو صدی پیشتر لکھ گئے:)[1]

فانه بقدر ازدیاد تعظیمه و توقیره فی القلوب یزداد نور الایمان فیها۔ (ج ۷ ص ۲۱۶)

(قلوب میں رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی تعظیم و توقیر ہوگی اسی قدر اس کے نورِ ایمان میں اضافہ ہوگا)

(اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ؎

نجدی مرتا ہے کہ کیوں تعظیم کی
یہ ہمارا دین تھا پھر تجھ کو کیا

ڈاکٹر اقبال لاہوری مرحوم نے فرمایا: ؏

آبروئے ما ز نامِ مصطفیٰ است)

پیرومرشد کا ادب پیرومرشد کا ادب اور تعظیم و توقیر بھی ضروری ہے اس لیے کہ شیخ اپنے مریدین میں ایسے ہوتا ہے جیسے اُمت کا نبی۔ اس کی تفصیل ہم نے آیت وازواجه امهاتهم میں لکھ دی ہے۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی نرالی شان آیت میں اشارہ ہے کہ از جہت راضیہ مرضیہ اور مطمئنہ کے جملہ کمالات کے جملہ طبقات کے ساتھ نفس محمدیہ کے قویٰ منفرد ہیں اور دنیا و آخرت میں جتنے کمالات خاصہ ہیں وہ سب کے سب حضرت احمد کے لیے خاص ہیں اختصاص و تشریف کے شرف کا راز اسی میں ہے۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

مسئلہ: جن بیبیوں کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی تھی کیا وہ اختصاص مذکور میں داخل ہیں یا نہیں۔ بعض علماء نے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور دلیل میں حدیث پیش کی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ازواجی فی الدنیا ھن ازواجی فی الآخرۃ۔

(میری عورتیں جو دنیا میں ازواج ہیں آخرت میں بھی وہی ہوں گی)

اس دلیل سے انہوں نے فرمایا کہ مطلقہ ازواج آیت مذکورہ کے اختصاص میں داخل نہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ مطلقہ بیبیاں بھی اس میں داخل ہیں بشرطیکہ حضور علیہ السلام کی مدخولہ ہوں۔ اس آیت میں وہ بیبیاں داخل نہیں جنہیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دخول نہیں فرمایا۔ چنانچہ مروی ہے کہ اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے دورِ خلافت عمر رضی اللہ عنہ میں اس بی بی سے نکاح کرنا چاہا جس نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پناہ مانگی تھی اور اسے حضور علیہ السلام نے جدا کر دیا تھا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو فرمایا: دونوں کو سنگسار کرو کیونکہ اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی منسوبہ سے کیوں نکاح کر لیا! اس نے گواہ پیش کر دیئے کہ اس بی بی کو حضور علیہ السلام نے قبل دخول فارغ کر دیا تھا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں سنگسار نہ کیا۔

شانِ نزول اور شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ طلحہ بن عبید اللہ تیمی نے کہہ دیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فوت ہونے کے بعد میں بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کروں گا۔ ایک اور روایت میں یہ ہے اس نے کہا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری برادری میں نکاح کیا لیکن ان کی ازواج ہم سے پردہ کرتی ہیں اور وہ خود ہمیں اپنے گھر میں آنے سے روکتے ہیں۔ یہ اس لیے کہا کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا تیم ابن مرہ کے قبیلہ سے تھیں۔ یہ کہہ کر اعلان کیا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد میں عائشہ (رضی اللہ عنہ) سے نکاح کروں گا۔ اس پر یہ آیت وماکان لکم ان تؤذوا رسول اللہ الخ نازل ہوئی۔

فائدہ عجیبہ حضرت علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس حدیث شریف کی صحت پر مجھے توقف اور تردد تھا کہ حضرت طلحہ تو عشرہ مبشرہ سے ہیں اور ان کا مرتبہ اور مقام بلند ہے۔ وہ ایسی خفیف حرکت نہیں کر سکتے۔ چنانچہ مجھے بعد کو تحقیق ہوئی کہ یہ طلحہ اور ہے جس کا نام و نسب وغیرہ حضرت طلحہ جیسا ہے۔ کذا فی انسان العیون۔

(فقیر اویسی کہتا ہے یہی ہمارا موقف ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے محبوبوں پر بدگمانی سے بچتے اور ان کے ساتھ حسنِ عقیدت کا دم بھرتے ہیں۔ فللہ الحمد علی ذالک)

اِنَّ ذٰلِکُمْ یعنی حضور علیہ السلام کو ایذا اور آپ کے وصال کے بعد آپ کی ازواج سے نکاح کرنا کَانَ عِنْدَ اللّٰہِ عَظِیْمًا ○ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا معاملہ ہے یعنی گناہِ کبیرہ اور ہولناک امر ہے اس لیے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم اور ادب حیاۃ اور وصال کے بعد برابر طور پر لازم اور واجب ہے بلکہ ادائیگیٔ حقوق مصطفویہ کے لیے آپ کی حیات و ممات کا کوئی فرق نہیں اس لیے کہ دنیا میں آپ نیابت حق کے عہدے پر فائز تھے اور آخرت میں لباس شفاعت پہن کر عاصیوں اور مجرموں کو گلے لگا کر بہشت میں لے جائیں گے ؎

قبائے سلطنت ہر دو کون تشریفست
کہ جز بقامت زیبائے او نیامد راست

ترجمہ: دونوں عالم کی سلطنت کی قبا صرف آپ کو سجتی ہے بلکہ یہ قبا سوائے آپ کے قدِ مبارک کے اور کسی کو راست آئی ہی نہیں۔

ربط: اب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم میں کوتاہی کرنے والوں کو وعید شدید سنائی اور تاکید اکید فرمائی:

اِنْ تُبْدُوْا اگر تم ظاہر کرو شَیْئًا ایسا امر جس میں بھلائی نہ ہو۔ مثلاً کہنا کہ ہم حضور علیہ السلام کی رحلت کے بعد ان کی ازواجِ مطہرات سے نکاح کریں گے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ شَیْئًا سے یہاں ترک ادب و ترک حفظ حرمت نبویہ اور ترک تعظیم شانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہے۔

تفسیر عالمانہ اَوْ تُخْفُوْہُ یا اسے تم اپنے سینوں میں چھپاؤ اور اسے زبان پر نہ لاؤ۔ یہ اس لیے کہ بعض صحابہ کے دلوں میں یہی خیال گزرا تھا کہ حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد ہم بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کریں گے۔ کذا قال الکاشفی

فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ○ بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے کے ظاہر و باطن کو خوب جانتا ہے اس لیے وہ تمہیں تم سے صادر شدہ اعمال کی جزا و سزا دے گا خواہ اعمال ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔ آیت میں عام معاصی کی طرف اشارہ فرمایا اس میں نکاح بہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہے۔

سبق کشف الاسرار میں ہے کہ اے بندۂ خدا! جب تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہر و باطن اور تمہارے ہر چھوٹے بڑے عمل کو جانتا ہے تو پھر تم پر لازم ہے کہ دائماً اس کی بارگاہ میں سر جھکا دو۔ بلکہ اپنے ہر عمل پر کڑی نگرانی رکھ کر صرف اسی کی اطاعت و فرمانبرداری میں زندگی بسر کرنے کی کوشش کرو۔ اکل حلال، صدق مقال ہر حال میں ضروری ہے ریاضتِ بدن اور تلاوت قرآن کی

مداومت اور اپنے گناہوں کی معافی اور خلقِ خدا کو نصیحت و وعظ کرکے اس کی راہ پہ لگانے اور اخلاق پاکیزہ اور بلند رکھنے میں جد و جہد ہو ہر وہ عمل جو راہِ دین کی غبار اور راہ طریقت میں حائل ہو مثلاً بخل، ریا، طمع، اسے دور کیجئے اور جو اعمال دین آراستہ و پیراستہ کرتے ہیں ان کے لیے سرگرم رہنا لازم ہے۔ مثلاً جُود و سخا اور توکل و قناعت، کلمۂ لا الٰہ الاّ اللہ دونوں کو شامل ہے اس لیے کہ لا الٰہ آلائشِ دنیوی کو دھوڈالتا ہے اور الاّ اللہ میں اثبات ہے اس سے دینی آرائش و زیبائش نصیب ہوتی ہے۔ جب بندہ کہتا ہے لا الٰہ تو راہِ حق کے درمیان کی جملہ آلائش اور رکاوٹیں کٹ جاتی ہیں اور جب الاّ اللہ کہتا ہے تو جمال حق سے پردے اُٹھ جاتے ہیں اور بندہ صفات آرائش و زیبائش سے مزین ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کلمہ کو سنگار کر اُمتِ مصطفویہ کے لیے بطور تحفہ بھیجا تاکہ امت اُسے قبول کرکے اعلیٰ مراتب و کمالات حاصل کرے۔ جس شخص کے ظاہر پر اس کلمہ کا اثر نہیں پڑتا وہ کمال جلال حقیقی سے نوازا نہیں جاتا۔ نہ ہی قیامت میں حضور علیہ السلام اسے اپنی شفاعت سے نوازیں گے بلکہ فرمائیں گے:

سحق سحقا۔ (دُور ہوجا، دُور ہوجا)

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ "لا" نہنگیست کائنات آشام
عرش تا فرش او کشیدہ بکام

۲ ہر کجا کردہ آں نہنگ آہنگ
از من و ما نہ بوسے ماندہ نہ رنگ

۳ گرچہ "لا" داشت تیرگیٔ عدم
دارد "الاّ" فروغ نور قدم

۴ چوں کند "لا" بساط کثرت طی
دہد "الاّ" ز جام وحدت می

۵ تا نسازی حجاب کثرت دور
ندہد آفتاب وحدت نور

۶ گر زمانی ز خود خلاص شوی
مہبط فیض نور خاص شوی

۷ جذب آں فیض یابد استیلا
ہم ز "لا" وارہی ہم از "الا"

٨ ہر کہ حق داد نور معرفتش
کائن باتن بود صفتش
٩ جان بحق تن بغیر حق کائن
تن نہ حق جان ز غیر حق بائن

ترجمہ: (١) لا وہ خونخوار ہے جو کائنات کے خون کا پیالہ ہے۔ عرش سے فرش تک اپنے حلق میں سب کو نگل سکتا ہے۔
(٢) وہ خونخوار جس طرف بھی ارادہ کرتا ہے من وشما اور رنگ و بو سب کو ختم کر ڈالتا ہے۔
(٣) اگرچہ لا عدم کی تیرگی رکھتا ہے لیکن الا اللہ نورِ قدیم کی روشنی رکھتا ہے۔
(٤) جب لا کثرت کی بساط لپیٹتا ہے تو الا اللہ وحدت کا جام پلاتا ہے۔
(٥) جب تک کثرت کا حجاب دُور نہ کرو گے آفتابِ وحدت نور عطا نہ فرمائے گا۔
(٦) تھوڑی دیر کے لیے اگر خودی سے نجات پاؤ گے تو نورِ خاص کے فیض کی نزول گاہ بن جاؤ گے۔
(٧) اس فیض کا جذبہ غلبہ پائے گا۔ پھر لا و الا اللہ دونوں سے نجات پاؤ گے۔
(٨) جسے اللہ تعالیٰ نورِ معرفت بخشتا ہے اس کی کائن و بائن صفت ہوتی ہے۔
(٩) جان حق سے اور تن غیر حق سے کائن ہوگا اور تن حق سے جان غیر حق سے بائن ہوگی۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ یہ جملہ مستانفہ ہے اور بیان کرتا ہے کہ کن لوگوں سے عورتوں کو پردہ کرنا ضروری نہیں۔

شانِ نزول مروی ہے کہ جب آیتِ حجاب نازل ہوئی تو عورتوں کے آباء وابناء و دیگر اقارب نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! کیا ہم غیروں کی طرح باہر کھڑے ہوکر کوئی بات بھی کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور آپ نے حکم دیا کہ محارم عورتوں کے ہاں بلا پردہ آجا سکتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا: عورتوں کو گناہ نہیں کہ وہ اپنے آباء کو اپنے چہرے دکھائیں۔

وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ
اور اپنے بیٹوں اور اپنے بھائیوں اور بھتیجوں اور بھانجوں سے پردہ نہ کریں۔ ان مذکورہ بالا لوگوں کو جائز ہے کہ وہ اپنی رشتہ دار عورتوں کے چہرے اور سر اور پنڈلیاں اور بازو دیکھ سکتے ہیں۔ نہ ان کی پیٹھوں کو دیکھیں نہ ان کے پیٹوں کو اور نہ ان کی رانوں کو۔ وہ ان کو دیکھنے کے مجاز اس لیے ہیں کہ ان لوگوں کا بار بار آنا جانا ہوتا ہے بلکہ انھیں بار بار آنے جانے کی ضرورت رہتی ہے۔
ماموں اور چچا کا نام اس لیے نہیں لیا گیا کہ وہ تو بمنزلہ باپ کے ہیں اسی لیے قرآن میں چچا کو

اُب کہا گیا ہے ۔

والٰہ اٰبآئك ابراھیم واسحٰق۔

(اور تیرے آباء ابراھیم و اسحٰق کے معبود کی)۔

یا ان کا ذکر اس لیے نہیں کہ ان کے بیٹوں سے نکاح کا جواز ہے تو پھر ان سے پردہ کا کیا معنی؟ اسی لیے چچا اور ماموں سے پردہ کرنا مکروہ ہے ۔

مسئلہ: عورتوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہروں کے سامنے دوسری عورتوں کے محاسن اور صورت و شکل کا ذکر کریں کیونکہ کسی شے کے ذکر سے ایسا تصور بندھ جاتا ہے کہ اسے دیکھا جا رہا ہے بلکہ دیکھنے سے سُننے سے دل پر گہرا اثر ہوتا ہے اس لیے اس طرح سے فتنہ انگیزی ہوگی۔

وَلَا نِسَآئِهِنَّ اور مومنات عورتوں کا مومنات عورتوں کو دیکھنا جائز ہے لیکن عورت کو عورت کی ناف سے گھٹنوں تک دیکھنا ناجائز ہے ۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک گھٹنوں کو بھی ڈھانپنا ضروری ہے ۔

مسئلہ: نساء سے اہلِ ایمان کی اپنی ہم مذہب آزاد عورتیں مراد ہیں اسی لیے کتابی عورتوں کا مسلمان آزاد عورت کے ہاں جانا ناجائز ہے ۔ نہ ہی آزاد مسلمان عورتیں ان کے سامنے اپنے چہرے وغیرہ کھولیں ۔ یا آیت میں مسلمان اور کتابی عورتیں مراد ہیں ۔

ف: نسائھن اس لیے کہا گیا ہے کہ عورت عورت کی ہمجنس ہوتی ہے اسی جنسیت کی وجہ سے اضافت کی گئی ہے اسی معنے پر مسلمان آزاد عورت کے ہاں کتابی عورت آ جا سکتی ہے اس لیے کہ یہودیوں کی عورتیں باوجودیکہ کافرہ تھیں ان کا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے ہاں آنا جانا ہوتا تھا اور بیبیوں نے ان سے کبھی پردہ نہ کیا اور نہ ہی انہیں اللہ جل جلالہٗ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان سے پردہ کرنے کا حکم ہوا ۔ ایسے ہی امام ابوحنیفہ و امام احمد و امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قول ہے ۔

وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اور نہ ان غلاموں اور کنیزوں کے آنے جانے سے گناہ ہے اس لیے کہ عورت پر اپنے غلام سے نکاح کرنا حرام ہے اسی لیے اس کا اپنی مالکہ کے گھر میں آنا جانا جائز ہے بشرطیکہ غلام کی مالکہ پاکدامن ہو اسی لیے اسے اپنی مالکہ کے چہرے کو دیکھنا جائز ہے ۔

مسئلہ: بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مالکہ اپنے غلام کو دیکھ سکتی ہے اس لیے کہ غلام اپنی مالکہ کے لیے محارم کی مانند ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے غلام ذکوان کو فرمایا کہ جب تم مجھے قبر میں اتار کر واپس ہٹو گے تو تم آزاد ہو گے ۔ اور بعض نے کہا کہ یہ صرف کنیزوں سے خاص ہے یعنی کنیزیں تو گھر میں آ جا سکتی ہیں لیکن غلام کو اجازت نہیں وہ اجنبی غیر محرم کے حکم

میں ہے۔

ف : بحر العلوم میں ہے کہ یہی اقرب الی التقوٰی ہے اس لیے کہ عبد کا حکم اجنبی غیر محرم جیسا ہے۔

سوال : بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف کیوں فتوٰی دے رہے ہو؟

جواب : اگرچہ بی بی صاحبہ کا ارشادِ گرامی اپنے مقام پر صحیح ہے لیکن یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے ، اور اجتہادِ صحابہ اپنے تک محدود ہوتا ہے ۔ جب وُہ جمہور کے خلاف ہو پھر بی بی صاحبہ کا تقوٰی و طہارت کہاں اور دوسرے لوگ کہاں !

مسئلہ : غلام کا حکم اجنبی غیر محرم جیسا ہے اگرچہ وُہ خصی اور نامرد ہو یا جو امرد ۔ اور بی بی صاحبہ پر قیاس کرنا چاہیے جیسا کہ ہم نے اُوپر عرض کر دیا ہے بالخصوص ہمارے پُرفتن دور میں تو اور نزاکت ہے یہی امام اعظم قدس سرہٗ کا قول ہے ۔ یہی جمہور کا مذہب ہے ۔ اسی لیے عورت کو اپنے غلام کے ساتھ اکیلا سفر کرنا ، حج پہ جانا ناجائز ہے ۔

مسئلہ : اگر شہوت کا غلبہ نہ ہو اور غلام اور مالکہ کو اپنے اوپر پورا اعتماد ہو تو غلام اپنی مالکہ کا چہرہ اور ہاتھ اور پاؤں وغیرہ دیکھ سکتا ہے ۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ مالکہ کا محرم ہو گیا ۔ اس مسئلہ کی تحقیق اور بعض مسائل سورۂ نور میں ہم نے لکھ دیئے ہیں ۔ اس کا مطالعہ کیجئے اِن شاءُ اللہ پڑھ کر مسرور ہو گے ۔

وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ اور اللہ تعالٰی سے ڈرو بالخصوص پردہ کے بارے میں جب کہ تمہیں اللہ تعالٰی سے حکم ہوا ہے تو بے پردہ باہر نہ جاؤ یہاں تک کہ سوائے محارم مذکورہ کے تمہیں کوئی بھی بلا پردہ نہ دیکھے ۔ جہاں تک ممکن ہو تم پردہ میں احتیاط کرو ۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ پہلے غائب کا صیغہ اب خطاب ہے اس میں تشدید و مبالغہ مطلوب ہے گویا اللہ تعالٰی انہیں اپنے حضور میں بلا کر تاکید فرماتا ہے کہ تم پردہ میں حکمِ الٰہی کے خلاف نہ کرنا ۔ اللہ تعالٰی سے شرم و حیاء اور اس کا خوف اور ڈر تمہارے لیے ضروری ہے ۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا بے شک اللہ تعالٰی ہر شئے کو جانتا ہے اس سے کوئی شئے مخفی نہیں ۔ تمہارے اقوال اس سے پوشیدہ نہیں ، نہ افعال اس کے علم کے آگے پوشیدہ ہیں نہ ماضی ، نہ حال ، نہ استقبال تمام احوال برابر ہیں ؎

چونکہ خدا شد بغفا یا گواہ
کرد شما را ہمہ لحظہ نگاہ

۲ دیدہ بپوشید زنا محرمان
دور شوید از رہ وہم و گمان

۳ در پس زانوے حیا و وقار
خوش بنشینید بصبر و قرار

ترجمہ: (۱) جب اللہ تعالیٰ تمام پوشیدہ امور پر مطلع ہے تم سب کو ہر لحظہ نگاہ میں رکھتا ہے۔

(۲) تو نامحرموں سے نگاہ چھپالے وہم و گمان کی راہ سے دور رہ۔

(۳) حیاء و وقار کے گھٹنوں میں صبر و قرار کے ساتھ خوش ہو کر بیٹھ جا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ جب ان کے عادات مالوفہ ان سے چھڑائے گئے تو ان کی تسکین قلبی ضروری تھی اس لیے انہیں تسکین دے کر شریعتِ مطہرہ اور مفروض عبادت کی طرف لایا گیا ہے۔ اس سے ان کے اقرباء کو خوش کیا گیا ہے تاکہ رخصت عام سے ان کو سہولت مل جائے کہ وہ جب چاہیں، جس وقت چاہیں ان سے ملیں اور ان کے گھروں میں جائیں اور عورتوں کو بھی احتیاط کا سبق دیا گیا یعنی اتقین اللہ فرما کر انہیں سمجھایا کہ خواطر کو جمع رکھیں اور نفوس کو غیروں کے تعلق سے محفوظ رکھیں ان اللہ کان علی کل شیء بے شک اللہ تعالیٰ ہر شے یعنی نفوس کے اور قلوب کے احوال پر شہیداً حاضر و ناظر ہے۔

شہید بمعنے حاضر و ناظر (ہم اہلسنت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر مانتے ہیں۔ اس کے استدلال میں آیت و یکون الرسول علیکم شہیداً" کا لفظ شہید پیش کرتے ہیں جسے وہابیہ و دیوبندیہ کہتے ہیں کہ یہ ایجاد بندہ ہے حالانکہ تمام اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ شہید بمعنے حاضر و ناظر ہے۔ چنانچہ فقیر اویسی غفرلہٗ نے اس پر متعدد شواہد اپنی کتاب تسکین الخواطر المعرف "دلوں کا چین" میں لکھے ہیں۔ ان میں سے ایک عبارت صاحبِ روح البیان کی بھی ہمارے شواہد میں شامل ہے ملاحظہ ہو:)[1]

شہیداً حاضراً و ناظراً الیہا قال ابو العباس الفاسی الشہید ھو الحاضر الذی لا یغیب عنہ معلوم ولا مرئی و لا مسموع۔

(روح البیان ج ۷ ص ۲۱۹ تحت آیت ہذا)

(شہید وہ ہے جو ان پر حاضر و ناظر ہو ابو العباس الفاسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ شہید وہ حاضر کہ جس سے کوئی شے غائب نہ ہو معلومات سے ہو یا مرئیات سے

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

یا مسموعات سے)

ف : جو شخص یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شہید یعنی اس کے جملہ احوال پر مطلع ہے تو وہ کبھی اس کے روکے ہوئے امور کی خلاف ورزی نہیں کرے گا اور نہ ہی اس کے اوامر کے برعکس چلے گا بلکہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے علم کے تصور میں رہ کر اپنے اوپر کنٹرول کرے گا بہرحال اللہ تعالیٰ کے علم سے نہ دنیا کی کوئی شے مخفی ہے نہ آخرت کی، اور وہ قیامت میں اپنے بندوں کے جملہ اعمال کی خبر دے گا اس کے بعد ان کی جزا و سزا مرتب فرمائے گا ؎

۱ ذرّہ نیست در مکین و مکان
کہ نہ علمش بود محیط بر آن

۲ عدد ریگ در بیابانہا
عدد برگہا بہ بستانہا

۳ ہمہ نزدیک او بود ظاہر
ہمہ در علم او بود حاضر

ترجمہ : (۱) مکین و مکان کا کوئی ایسا ذرّہ نہیں جس پر اس کا علم محیط نہ ہو۔

(۲) جنگلوں میں ریت کے ذرّات ہوں یا باغات کے پتے ؛

(۳) اس کے ہاں سب ظاہر ہیں اور تمام کے تمام اس کے علم کے آگے حاضر ہیں۔

ف : لفظ شہید کی خاصیت یہ ہے کہ اس اسم کا ورد کرنے والا باطل سے رجوع کر کے حق کی طرف راغب ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اگر کسی کی اولاد عاق ہو یا اس کی عورت نافرمان ہو تو ان پر پڑھ کر دم کیا جائے تو فرماں بردار ہو جائیں گے اور ان کے معاملات سنور جائیں گے۔ کذا فی شرح الاسماء للفاسی۔

دُعا : ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمارے احوال و اقوال و افعال کی اصلاح فرمائے اور ہماری جملہ آرزوؤں کا رُخ اپنی ذات کی طرف متوجہ فرمائے۔ آمین

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ اکابر اولیاء اہلِ کشف کے نزدیک ملائکہ دو قسم کے ہیں :

(۱) مرتبۂ ارواح سے نزول کر کے مرتبۂ اجسام میں آنے والے، ان کے اجسام لطیفہ ہیں جیسے انسانوں کے اجسام کثیفہ ہیں۔ انہی ملائکہ کو آدم علیہ السلام کو سجدے کا حکم ہوا تھا۔ اسی قسم میں جملہ اقسام ملائکہ ارضیہ و سماویہ اصاغر و اکابر داخل ہیں جیسے جبرئیل علیہ السلام وغیرہ۔ ان میں سے کوئی ایک بھی سجدۂ آدم علیہ السلام سے فارغ نہ تھا۔

(۲) عالمِ ارواح میں ارواح ہی رہے انہیں اجسام نہیں دئے گئے نہایت لطیف ہیں ان کا جسم نہ کثیف ہے نہ لطیف ۔ وہی ذاتِ حق میں ہر وقت محو ہیں ۔ ان کے متعلق " ام کنت من العالمین " میں اشارہ ہے انہیں آدم علیہ السلام کے سجدے کا حکم نہ تھا کیونکہ انہیں نہ اپنا شعور ہے نہ کسی دوسرے کا، وہ شہودِ باری تعالیٰ میں ایسے مستغرق ہیں کہ ان کو موجودات میں مطلقاً کسی کی خبر نہیں ۔

شرافت انسانی انسان ان دونوں سے افضل ہے (دیوبندی وہابی اسی کلیہ سے عوام کو بہکائیں گے کہ جب بشریت نورانیت سے افضل ہے تو پھر حضور علیہ السلام کو بشر کہنا افضل ہے ۔ ہم کہیں گے کہ مطلقاً بشریت افضل نہیں بلکہ مرتبۂ کمال و شرافت حال کا اعتبار ضروری ہے ۔ چنانچہ صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا :)

والانسان افضل من ھذین القسمین فی شرف الحال و رتبۃ الکمال ۔ (ج ۷ ص ۲۱۹)

(شرف حال و رتبۂ کمال میں انسان ان دونوں قسموں سے افضل ہے)

(اگر یہ اعتبار مدِ نظر نہ ہو تو کیا وہابی دیوبندی ابوجہل و فرعون، شداد وغیرہم کو حضرت جبریل علیہ السلام وغیرہ پر فضیلت کے قائل ہیں ۔ اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً بشریت نورانیت سے افضل ہے بلکہ بشریت کی نسبت و اضافت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے ۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں انبیاء رسل بشر جملہ ملائکہ سے افضل ہیں پھر رسل ملائکہ اولیاء اللہ و جملہ بشر سے افضل ہیں پھر اولیاء اللہ مقربین کے ملائکہ کے علاوہ جملہ ملائکہ سے افضل ہیں ۔ دیکھئے شرح عقاید و نبراس وغیرہ ۔ باقی رہا حضور علیہ السلام کو بشر کہنا ۔ ہم آپ کی بشریت کے قائل ہیں، یہ محض وہابیہ و دیوبندیہ کا ہم پر الزام و بہتان تراشی ہے کہ اہلسنت و الجماعت حضور علیہ السلام کو بشر نہیں مانتے ۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہیں تو بشر لیکن ہم جیسے نہیں ۔ وہی عقیدہ رکھتے ہیں جو امام زرقانی رحمہ اللہ نے لکھا : ؎

محمد بشر لا کالبشر
الیاقوت حجر لیس کالحجر

ہاں ہم آپ کے لیے لفظ بشر کے اطلاق کے قائل نہیں، وہ اس لیے کہ یہ لفظ عام ہے جو ہر ہندو سکھ، مسلمان فاجر، فاسق وغیرہ کے لیے استعمال ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ جو لفظ عام استعمال ہو وہ حضور علیہ السلام کے لیے استعمال کرنا بے ادبی اور گستاخی ہے ۔ تفصیل فقیر کے رسالہ "بشریۃ النبی" میں دیکھیے ۔ اویسی غفرلہٗ)

انسان کی افضلیت کی علت (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے ملائکہ پر انسان کی افضلیت کی علت لکھی ہے :)

لانہ مخلوق بقبضتی الجمال و الجلال بخلاف الملائکۃ فانھم مخلوقون بید

الجمال فقط کما اشیر الیہ بقولہ ؎

ملائک را چہ سود از حسن طاعت
چو فیض عشق بر آدم فرو ریخت

(وہ جمال وجلال کے دونوں ہاتھوں سے بنایا گیا ہے بخلاف ملائکہ کے کہ وہ صرف جمال کے ہاتھوں سے بنائے گئے ہیں۔ جیسا کہ کسی شاعر نے کہا:

(ترجمہ: ملائکہ کو اچھی طاعت کا کیا فائدہ جب عشق کا فیض آدم کو نصیب ہو)

عشق کی فضیلت وجہ یہ ہے کہ عشق محنت طلب ہے اور عشق کا وطن دنیا ہے اسی لیے آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتارا گیا تاکہ وہ عشق میں کمال حاصل کر سکے اور محنت سے تربیت ہوتی ہے اس لیے کہ تربیت جلال کے آثار سے ہے اور انسان ہی جلال کا مظہر ہے جیسے وہ جمال کا بھی مظہر ہے اور ملائکہ صرف جمال کے مظہر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں عشق عطا نہیں ہوا اور عشق انسان کو نصیب ہوا۔

ف: یہاں پر ملائکہ سے پہلی قسم مراد ہے کیونکہ وہ اہل ایمان انسان جمال اور وجود جسمانی میں شریک ہیں جیسے انسان اہل ایمان سب کے سب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہدیۂ درود وصلوٰۃ بھیجتے ہیں۔ ایسے ہی ملائکہ بھی درود وسلام کے تحائف بارگاہِ نبوی میں پیش کرتے ہیں اور عقلاً بھی اس کی تائید ہوتی ہے تعظیم وتوقیرِ نبوی کا تقاضا یہ ہے کہ درود وسلام عرض کرنے والے کثیر التعداد ہوں اور تعداد میں کثرت ملائکہ کی قسم اول ہے۔ عقل سلیم رکھنے والے اور فہیم وذکی انسان کو اس قاعدہ سے انکار نہیں ہو سکتا۔

(فقیر اویسی غفرلہ کہتا ہے کہ یہ دولت یعنی ہدیۂ درود وسلام کی دولت ہم اہلسنت کو نصیب ہے اور یہ عطیۂ رب العزت ہے)

یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ نبی علیہ السلام پر درود پڑھتے ہیں یعنی آپ کی بھلائی اور آپ کے جملہ امور کی صلاحیت چاہتے ہیں اور آپ کے شرف اور تعظیم شان کا اظہار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ بمعنے رحمت اور ملائکہ کی صلوٰۃ بمعنے دعا واستغفار۔ اس تقریر پر یصلّون میں عموم المجاز ہے اس لیے معنے مشترک بہ یک وقت مراد لینا جائز نہیں اور مشترک میں مطلقاً عموم نہیں ہوتا۔ ان معانی مشترکہ میں منافاۃ ہو یا نہ۔

ف: القہستانی میں فرمایا کہ الصلوٰۃ من اللہ بمعنے رحمت اور ملائکہ سے بمعنے استغفار اور انس و جن سے بمعنے قیام ورکوع وسجود ودعا وغیرہ اور طیور وہوام سے بمعنے تسبیح۔ اور یہ تصلیۃ کا اسم ہے درود میں دونوں یعنی تصلیۃ وصلوٰۃ مستعمل ہیں بخلاف الصلوٰۃ بمعنے اداء الارکان۔ وہاں اس کا مصدر یعنی تصلیۃ استعمال نہیں ہوتا۔ مثلاً صلیت تصلیۃ نہیں کہا جائے گا بلکہ صلیت صلوٰۃ کہا جائے گا۔

ف : بعض علماء نے فرمایا کہ الصلوٰۃ من اللہ بمعنے الرحمۃ ہوگا۔ لیکن غیر نبی علیہ السلام کے لیے اور نبی علیہ السلام کے لیے تشریف بمزید الکرامۃ کے معنیٰ میں ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ رحمۃ عام ہے اور الصلوٰۃ خاص۔ جیسا کہ اولئك علیھم صلوات من ربھم ورحمۃ میں عطفِ تغایر سے معلوم ہوتا ہے۔

بعض نے فرمایا کہ صلوات اللہ غیر نبی پر ہو بمعنے رحمۃ اور اگر نبی علیہ السلام پر ہو تو قولاً بمعنے ثنا و مدح اور فعلاً بمعنے توفیق و تائید۔ اور صلوٰۃ الملائکہ غیر نبی کے لیے ہو تو بمعنے استغفار اور نبی علیہ السلام کے لیے ہو تو قولاً بمعنے فضیلت و مدح اور فعلاً بمعنے نصرت و معاونت۔ اور مومنین کی صلوٰۃ غیر نبی پر بمعنے دعا اور نبی علیہ السلام پر قولاً بمعنے طلب شفاعت اور فعلاً اتباع السنۃ مراد ہوگی۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ اے ایمان والو! تم بھی صلوٰۃ و سلام کا اہتمام کرو کیونکہ تم ان پر درود و سلام عرض کرنے کے زیادہ حقدار ہو **وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا** اور بہت زیادہ سلام عرض کرو۔ مثلاً کہو اللھم صل علیٰ سیدنا محمد وسلم یا کہو صلی اللہ علیہ وسلم یا یوں کہو: اللھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آل سیدنا محمد۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا صلیتم علیّ فعمموا۔

(جب تم مجھ پر صلوٰۃ پڑھو تو عام صیغہ استعمال کرو)

یعنی میرے سوا اوروں کو بھی صلوٰۃ و سلام میں شامل کرو۔ ورنہ آپ پر صلوٰۃ و سلام ناقص رہے گا (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کذا فی شرح القہستانی۔

ف : حضرت امام سخاوی نے مقاصد حسنہ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث اس لفظ کے ساتھ مجھے کہیں نہیں ملی۔ ممکن ہے اس کا یہ معنیٰ ہو کہ آپ پر اور جملہ انبیاء علیہم السلام پر صلوٰۃ و سلام عرض کرو، اس لیے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنا کر مبعوث فرمایا ہے اسی طرح انھیں بھی۔

ف : صیغۂ درود و سلام میں لفظ اللّٰھمّ کے بجائے یا رب یا یا رحمٰن اس لیے نہیں کہا جاتا کہ لفظ اللّٰھم جامع ہے اور الوہیت پر دلالت کرتا ہے۔ اور اسلام کی علامت لا الٰہ الا اللہ کے کلمہ کا جز ہے اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام عرض کرنے کے لیے اسی اسم کو مخصوص کیا گیا وہ اس لیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نعوت کمال کے جامع اور اسرار جمال و جلال کے خزینہ و گنجینہ ہیں۔

ف : صلوٰۃ و سلام میں لفظ محمد اس لیے مناسب ہوا کہ محمد بمعنے بار بار حمد کیا ہوا۔ اس معنے پر مقام مدح و ثنا میں یہی اسم لایا گیا ہے۔

مسئلہ : آلِہ سے آپ کی امت کے متقی لوگ مراد ہیں ۔ اس معنے پر درود شریف میں بنوہاشم اور حضور علیہ السلام کی ازواجِ مطہرات وغیرہم بھی داخل ہیں ۔

ف : شرح کشاف وغیرہ میں ہے کہ اللھم صل علی محمد کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ ! حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں اعلائے دین واسلام میں معظم فرما اور آپ کے ذکر کو عام اور آپ کی دعوت کو عام اور آپ کی شریعت کو تا قیامت باقی رکھ اور آخرت میں آپ کی اُمت کے بارے میں آپ کی شفاعت قبول فرما اور آپ کے اجر و ثواب کو دگنا فرما اور اولین و آخرین میں آپ کی فضیلت کو واضح فرما اور آپ کو جملہ انبیاء و مرسلین کا مقتدا بنا ۔

نکتہ چونکہ ہم حضور علیہ السلام پر درود وسلام کے اہل نہیں اسی لیے ہم اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں اے اللہ ! تُو ہی اپنے حبیب علیہ السلام پر اس طرح درود وسلام بھیج جس طرح ان کی شان ہے ۔ اس معنے پر اللہ تعالیٰ ہماری استدعا قبول فرما کر خود اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر تحفۂ صلوٰۃ وسلام بھیجتا ہے سے

سلام من الرحمٰن نحو جنابہ
لان سلامی لا یلیق ببابہ

(ترجمہ : اللہ تعالیٰ ہی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس کے مطابق ان پر سلام بھیجے کیونکہ ہمارا سلام تو ان کی شان کے لائق نہیں ہے ۔

سوال : اگر یہی معنیٰ ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں صلوٰۃ وسلام کا حکم کیوں فرمایا ہے ؟

جواب : اس سے صلوٰۃ کے لیے محبت کا اظہار مطلوب ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنی حمد کے لیے فرمایا ، وقل الحمد للہ ورنہ وہ درحقیقت اپنی حمد خود فرماتا ہے ورنہ ہم کب اس کے اہل ہیں کہ اس کی حمد کر سکیں ۔ اب سَلِّم کا معنی یہ ہُوا کہ اے اللہ ! اپنے حبیب علیہ السلام کو ہر دُکھ اور تکلیف سے صحیح سالم رکھ ۔ کذا قال القہستانی ۔

ف : بعض علماء نے فرمایا : التسلیم یہاں پر بمعنے آفرین کرنا نیز بمعنے پاک کرنا ، سپرد کرنا اور عاجزی کرنا اور سلامتی دینا بھی آیا ہے ۔

الفتوحات المکیہ میں ہے کہ السلام کے لیے اہلِ ایمان کو اس لیے حکم ہے کہ انبیاء علیہم السلام ایسے مقام پر فائز ہوتے ہیں کہ جہاں ان پر اعتراض کرنا فطری امر ہے کیونکہ وہ ایسے امور کا حکم فرماتے ہیں جو ان کی خواہشات کے مخالف ہوتا ہے بنا بریں مومن عرض کرتا ہے ، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ کو میری طرف سے اطمینان ہو کہ میں آپ کا غلام ہُوں آپ پر ہرگز اعتراض نہیں کروں گا ۔ ایسے ہی نیک بندوں پر سلام کرنے کا یہی مطلب ہے کہ وہ حضرات بورا اشت نبی علیہ السلام بندگانِ خدا کو نقصانی

خواہشات سے روکتے ہیں انہیں اپنے سلام عرض کرنے سے تسلّی دی جاتی ہے کہ ہم آپ حضرات کے نیاز مند ہیں۔ ہماری طرف سے آپ پر اعتراضات نہیں ہوں گے۔ ایسے ہی اپنے اوپر سلام کا مطلب یہ ہے کہ ہم اغلاط اور جرائم و معاصی کے ارتکاب میں مشہور ہیں اسی لیے لازم ہُوا کہ ہم اپنے لیے سلامتی کی دُعا مانگیں اور ایک دوسرے کو اعتراض کا نشانہ نہ بنائیں۔

حضور علیہ السلام کی تشہد

اس کے متعلق کوئی روایت نہیں ملتی جس میں تصریح ہو کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشہد میں کیا پڑھتے تھے، کیا ہماری طرح السلام علیك ایھا النبی پڑھتے یا السلام علیّ یا کچھ نہ پڑھتے اور صرف السلام علینا و علیٰ عباد اللہ الصالحین پر اکتفا فرماتے۔ اگر آپ ہماری طرح السلام علیك ایھا النبی پڑھتے تو اس کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں:

(۱) آپ پر حق تعالیٰ سلام کہتا آپ اس کی ترجمانی فرماتے، جیسے سمع اللہ لمن حمدہ میں ہم حق تعالیٰ کی ترجمانی کرتے ہیں۔

(۲) آپ ملائکہ کے قائم مقام ہوکر السلام علیك ایھا النبی کہتے یعنی اسی حیثیت سے آپ ایک اجنبی کی طرح ہوتے ہیں اپنے آپ کو شخص دیگر تصور کرکے السلام علیك ایھا النبی کہتے۔

حیاۃ النبی کا عقیدہ اور اس کے دلائل

اگر کوئی سوال کرے کہ سلام تو زندہ پر ہوتا ہے اور آپ تو فوت ہو چکے تھے۔ تو اس کا جواب یہ ہے:

ہمارا عقیدہ ہے مومن نہیں مرتا، صرف اتنا ہوتا ہے کہ روح جسم سے جُدا ہو جاتی ہے اور نبی علیہ السلام کا بدن شریف گلنے سڑنے اور ٹکڑے ہونے سے پاک ہے اور عالمِ برزخ میں زندہ ہیں

حدیث شریف

چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

ان اللہ ملائکۃ سیاحین یبلغونی من امتی السلام۔

(بے شک اللہ تعالیٰ کے سیاح فرشتے ہیں جو میری امت کا سلام میرے ہاں پہنچاتے ہیں)

اور حدیث شریف:

ما من مسلم یسلم علیّ الا ردّ اللہ علیّ روحی حتی ارد علیہ السلام۔

(کوئی مسلمان مجھ پر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری رُوح کو جسم میں لوٹاتا ہے تو میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں)

دلالت کرتی ہے۔

ف: اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ برزخِ دنیوی سے دائمی طور زندہ ہیں اس لیے کہ عالمِ دُنیا میں کوئی وقت خالی نہیں جس میں کوئی درود و سلام نہ پڑھ رہا ہو اور آپ اس کے سلام کا

جواب نہ دیں۔

ازالہ وہم سیدؐاللہ علیّ روحی الخ کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اندر برزخ میں خیالی حسی کا شعور اور سمع ونطق کا ادراک حواس باقی رکھتا ہے حس وشعور کلی روح محمدی سے جُدا نہیں ہوتا آپ کے حواس سے ادراک کو غیبوبت نہیں ہے اس لیے آپ جملہ عالم کی روح اور آپ کی توجہ ذرّہ ذرّہ کائنات میں جاری وساری ہے۔

امام سیوطی کی تقریر رُوح کو جسم کے ساتھ اتصال ہے اسی لیے ہر انسان مرنے کے بعد عالمِ برزخ میں سُنتا سمجھتا اور سلام کا جواب دیتا ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم رفیق اعلیٰ میں ہیں اور آپ کی روح اقدس بدن مبارک کے ساتھ متصل ہے اس لیے جب کوئی سلام عرض کرتا ہے تو آپ اپنے مقام پہ رہنے کے باوجود ہر سلام عرض کرنے والے کو سلام کا جواب دیتے ہیں۔

ازالہ وہم یہاں پر لوگوں کو غلط فہمی ہوجاتی ہے وہ غائب کا شاہد پہ قیاس کرکے کہتے ہیں کہ جیسے جسم ایک جگہ پہ ہو تو دوسری جگہ نہیں ہوسکتا ایسے ہی روح کا حال ہوگا حالانکہ یہ غلط ہے اس لیے کہ روح کی پرواز کا طور طریقہ اور ہے اور جسم کا حکم اور۔ مثلاً حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام کو شبِ معراج دیکھا کہ وہ قبر انور میں نماز پڑھ رہے تھے حالانکہ آپ اس وقت رفیق اعلیٰ میں تھے اور ان دونوں معاملات میں منافات بھی کوئی نہیں اس لیے کہ ارواح وابدان علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں اسی لیے ان کے احکام بھی علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اگر رُوح کی لطافت حق نہ ہوتی تو اولیاء کرام دیواروں سے باہر نہ نکل جاتے اور نہ ہی قبر میں میّت کھڑے ہوکر نماز پڑھتی۔ میّت کو ہزاروں ٹن مٹی اور تابوت وغیرہ حائل نہیں ہوتا وُہ قبر میں ہر شے دیکھتا، سنتا، جانتا ہے۔

اعجوبہ قیامت میں ایک وقت بندہ آٹھوں بہشتوں کے آٹھوں دروازوں میں داخل ہوسکے گا وہ صرف اس لیے کہ وہاں اس کی روحانیت کو غلبہ ہوگا حالانکہ اسے اس عالم میں اتنی قوت و طاقت حاصل نہیں تھی اور نہ ہی اتنی بہت بڑی پرواز اسے ممکن تھی۔

سورج کی مثال دیکھیے سُورج یہاں سے کتنی دور ہے (چوتھے آسمان میں ہونے کے باوجود) ارواح کی طرح تیز پرواز رکھتا ہے کہ زمین کے چپہ چپہ میں اس کی شعاع میں موجود ہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

مردہ قبر سے باہر والوں کو جانتا پہچانتا ہے ما من عبد یمر بقبر رجل کان یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ الا عرفہ ورد علیہ السلام۔

(قبر پر جب کوئی گزرتا ہے تو اہلِ قبر اسے پہچانتا ہے اور اسے سلام کا جواب دیتا ہے)

ف: اس سے ان کا زبانِ حال کا جواب مراد ہے۔ قولی جواب اس لیے مراد نہیں کہ دنیا میں اس کے اعمال کا انقطاع ہو گیا بلکہ وہ اس انقطاع سے نہ صرف افسوس کرتے بلکہ انھیں بہت بڑی سخت حسرت ہوتی ہے کہ کاش اسے وہی وقت نصیب ہوتا کہ جس سے وہ سلام کا جواب دے کر ثواب پاتا۔ لیکن تحقیقی وہی ہے کہ الشیخ المظہر نے فرمایا کہ مُردوں کا سلام اسی طرح ہے جیسے زندوں کا ہوتا ہے۔

سوال: اگر یہی قول تحقیقی ہے تو پھر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشادِ گرامی کا مطلب کیا ہے جبکہ فرمایا:

علیکم السلام تحیۃ الموتٰی۔

موتٰی کا تحیہ سلام ہے یعنی علیکم کو السلام سے پہلے کہنا عرب کی عادت میں شامل ہے کہ جب وہ گورستان میں جاتے تو علیکم السلام کہتے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے عرب کے عرف کے مطابق فرمایا:
علیکم السلام تحیۃ الموتٰی۔

ردِّ شیعہ درود شریف میں لفظ علیٰ ضروری ہے۔ مثلاً کہے:
اللّٰھم صلّ علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آل سیدنا محمد۔

یہی اہلسنت کا طریقہ ہے کہ لفظ آل پر لفظ علیٰ کو داخل کرنا چاہیے اور شیعہ کہتے ہیں کہ لفظ علیٰ لفظ آل پر داخل نہ کرنا چاہیے اور وہ اپنے دعویٰ کے لیے حدیث:

"من فصل بینی وبین آلی بعلی لم ینلہ شفاعتی"۔ قالہ القھستانی والعصام وغیرہما
(جو شخص میرے اور میری آل کے درمیان فاصلہ ڈالتا ہے اسے میری شفاعت نصیب نہ ہوگی)

پیش کرتے ہیں۔

شیعہ کی دلیل کا رد امام محمد کُردی نے فرمایا: یہ حدیث غیر ثابت ہے۔ اگر صحیح ہو تو یہاں پر آل سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد ہیں وہ اس لیے کہ صرف حضرت علی کو آل میں شامل کیا جائے اور دوسروں کو آل سے ہی علیحدہ رکھا جائے حضور علیہ السلام نے ایسے لوگوں کے لیے فرمایا کہ میرے اور میری آل کے درمیان فاصلہ نہ رکھا جائے۔ جیسا کہ شیعہ کا طریقہ ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حد سے زیادہ بڑھاتے اور ناجائز طریقے سے ان سے محبت کرتے ہیں۔

رافضی و خارجی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آپ کی وجہ سے دو قسم کے لوگ تباہ و برباد ہوں گے۔

۱۔ آپ سے بہت زیادہ محبت کرنے والے
۲۔ آپ سے بغض رکھنے والے

(اس سے شیعہ اور بعض متشدد وہابی مراد ہیں جیسا کہ ہمارے دور میں خاندانِ نبوت کے خلاف بہت زیادہ کیچڑ اچھالا جا رہا ہے۔)

پہلے گروہ کا نام رو افض اور دوسرے کا نام خوارج ہے اور بحمدہٖ تعالیٰ ہم اہلسنت صراطِ مستقیم پر ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کی شان کے مطابق محبت کرتے ہیں اور بغض رکھنے والوں کے لیے برسرِ پیکار ہیں۔

مسئلہ: صلوٰۃ میں "ارحم محمداً" نہ کہے، اس لیے یہ دعا آپ کی تقصیر پر دلالت کرتی ہے۔ اس لیے رحمت کی دعا اس کے لیے کی جاتی ہے جس سے کوتاہی واقع ہو اور اسے اس کوتاہی پر ملامت کی جائے۔ یہی اصح تر ہے۔ کذا قال شرف الدین الطیبی فی شرح المشکاۃ۔

اور الدرر میں ہے کہ ارحم محمداً (صلی اللہ علیہ وسلم) کہنا مکروہ ہے یہی صحیح ہے۔

مسئلہ: الشیخ علی نے اسئلۃ الحکم میں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر صدقہ حرام ہے اس لیے کہ صدقہ دینے والا جسے صدقہ دیتا ہے اسے قابلِ رحم تصور کر کے صدقہ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ وہ اپنے محبوب علیہ السلام کو غیر کی رحمت کا محتاج بنائے۔ اسی لیے کہ فقہاء کرام نے نماز میں حضور علیہ السلام پر رحمت کی دُعا سے روکا ہے کہ اس میں بارگاہِ رسالت کی سوءِ ادبی و گستاخی ہے اگرچہ ایک روایت میں رحمت کا صیغہ بھی وارد ہے۔ کما ذکرہ صدر الشریعۃ۔

مسئلہ: ایسے ہی بعض فقہاء نے فاتحہ میں نبی علیہ السلام اور جملہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح مقدسہ کے نام لینے سے روکا ہے (مثلاً کہا جائے کہ اس کلام و طعام کا ثواب حضور علیہ السلام اور انبیاء علیہم السلام کی ارواحِ مقدسہ کو پہنچے) اس لیے کہ عام عادت ہے کہ فاتحہ گنہ گاروں کے لیے دلائی جاتی ہے اسی لیے عام لوگوں اور انبیاء علیہم السلام میں فرق نہ رہے گا حالانکہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کسی اور کو برابر نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ علاوہ ازیں اس طرح سے ان کی تحقیر و خفت کا پہلو نکلتا ہے۔ لیکن امام اعظم رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب نے جائز رکھا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض انبیاء علیہم السلام کے لیے اپنی دعا میں رحمت کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ مثلاً فرمایا:

رحم اللہ اخی موسیٰ۔
(میرے بھائی موسیٰ (علیہ السلام) پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے)

اور فرمایا:

رحم الله اخی لوطا -

(میرے بھائی لوط (علیہ السلام) پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے)

اور حضور علیہ السلام نے نماز کے دو سجدوں کے درمیان میں یہ دعا مانگی:

اللھم اغفرلی وارحمنی -

(اے اللہ! مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما)

اور التحیات میں ہم روزانہ کہا کرتے ہیں:

السلام علیك ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ -

اس سے معلوم ہوا کہ رحمتِ الٰہی کا ہر ایک محتاج ہے اور فاتحہ میں ایصال ثواب کا اجر و ثواب ہمیں ملتا ہے نہ یہ کہ انبیاء علیہم السلام ہماری دعاؤں کے محتاج ہیں۔

ف: حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ نے فرمایا کہ نماز وغیرہ میں حضور علیہ السلام کو صلوٰۃ وسلام بطور دعا نمازی غائبانہ دُعا عرض کرتا ہے اور غائبانہ کسی کے لیے دُعا کرنا مستجاب ہوتی ہے۔

حدیث شریف چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

ان من دعا لاخیہ بظھر الغیب قال لہ الملك ولك بمثلہ۔

(جو شخص غائبانہ کسی کے لیے دعا مانگتا ہے تو فرشتہ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تجھے اس جیسی دعا کی قبولیت عطا فرمائے)

ایک اور روایت میں ہے:

ولك بمثیلہ -

(فرشتہ کہتا ہے اللہ تعالیٰ تجھے اس کی دوہری قبولیت بخشے)

اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ نے یایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا بیان فرمایا ہے تاکہ درود پڑھنے والے کو فرشتے کی طرف سے دعائیں نصیب ہوں۔

ف: دعا میں ایک عجیب اور عظیم الشان حکمت ہے۔

وسیلہ کی تحقیق وسیلہ بہشت میں بلند مقام کا نام ہے یعنی جنت عدن میں ایک درجہ ہے جو صرف اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہے جو امت کی دعاؤں کی وجہ سے آپ کو ملے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس میں حکمت پوشیدہ رکھی ہے تاکہ ہم ان کے طفیل اللہ تعالیٰ سے یہ مرتبہ پائیں۔ انہی کی بدولت ہم خیرامۃ ہوئے اور انہی کے صدقے ہم خاتم الامم ٹھہرے جبکہ آپ خاتم الانبیاء ہیں اور وہ ہمارے بھیس میں بشر بن کر تشریف لائے تاکہ ہمیں اللہ سے اور انہیں ہمارے ساتھ ہم کلامی کا موقع میسر ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں ہر ایک کو ایک

خاص وجہ سے نوازا ہے اور ہمیں اسی وسیلہ سے نوازا کہ ہم اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کی دعا مانگیں تاکہ ہمیں سعادت نصیب ہو۔ اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی غیرت ہے کہ اس نے مخلوق میں ہر ایک کو ایک دوسرے سے مربوط فرمایا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس کمال اختصاص سے واضح کرنا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کی بہت بڑی شان ہے اور ان پر اللہ تعالےٰ کا بہت بڑا فضل وکرم ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فضلِ الٰہی کی خصوصیت کا یہ معنیٰ ہے کہ آپ کے لیے ایسی صلوٰۃ کا حکم فرمایا ہے کہ ہم اس کے معنیٰ و مطلب سے بالکل بے خبر ہیں۔ اس کی شان صرف وہی جانتا ہے اور امت کی شان یوں کہ انہیں اپنے محبوب علیہ السلام پر درود پڑھنے کا حکم فرمایا اور اس کے ایک درود پر اپنی طرف سے دس بار صلوات کے عطیہ کا وعدہ فرمایا اور ہر سلام پر دس سلام۔ کیونکہ قاعدہ ہے جو ایک نیکی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں دس اجر و ثواب بخشتا ہے اور یہ خصوصیت صرف ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت کو نصیب ہوئی اور بس۔

صلوٰۃ کے مراتب اللہ تعالیٰ کے بندوں پر صلوٰۃ بھیجنے کے دس مراتب ہیں۔ مراتب بندوں کے مراتب پر ہیں اور وہ مراتب یہ ہیں:

۱۔ رحمت	۲۔ مغفرت
۳۔ وارد	۴۔ شواھد
۵۔ کشوف	۶۔ مشاہدہ
۷۔ جذبہ	۸۔ قرب
۹۔ شرب	۱۰۔ رمی
۱۱۔ سکر	۱۲۔ تجلی
۱۳۔ فنا فی اللہ	۱۴۔ بقا باللہ

یہ تمام مقامات درود شریف کے ہیں جو بندے کو مراتب کے اعتبار سے نصیب ہوتے ہیں۔

ف: بعض مشایخ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی صلوات کا معنیٰ یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مقامِ محمود پہ فائز کرنا اور مقام محمود کا مقصد ہے آپ کی امت کے لیے آپ کی شفاعت کا قبول کرنا۔ اور ملائکہ کی صلوٰۃ کا معنی یہ ہے کہ آپ کے مراتب کی بلندی کے لیے دعا کرنا اور آپ کی امت کے لیے استغفار اور آپ کی امت کی صلوات کا معنی یہ ہے کہ آپ کی تابعداری اور آپ سے محبت کرنا اور ذکر جمیل سے آپ کی تعریف کرنا۔

حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آدم علیہ السلام کے درمیان فرق

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ملائکہ سے سجدہ کروا کر ان کی عزت افزائی فرمائی لیکن اپنے محبوب علیہ السلام کی صلوٰۃ کے تحفہ سے جو عزت بڑھائی وہ اس سے بڑھ کر ہے اس لیے سجود ملائکہ میں اللہ تعالیٰ خود شریک نہ تھا لیکن صلوٰۃ میں جہاں ملائکہ اور اہل ایمان کو صلوٰۃ کا حکم فرمایا تو اپنے لیے صلوٰۃ کی خبر دی ؎

عقل دور اندیش میداند کہ تشریفی چنیں
ہیچ دین پرور ندید و ہیچ پیغمبر نیافت

ترجمہ: عقل دور اندیش کو معلوم ہے کہ ایسی شرافت اور بزرگی کسی دین پرور اور کسی نبی پیغمبر کو نصیب نہیں ہوتی۔

؎

یصلی علیہ اللہ جل جلالہ
بھذا بدا للعالمین کمالہ

ترجمہ: اللہ جل جلالہٗ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر صلوٰۃ بھیجتا ہے اس سے جہان کو معلوم ہوا کہ ہمارے آقا بہت بڑی شان والے ہیں۔

؎

بجامہ خانۂ دین خلعت درود و سلام
چو گشت دوختہ بر قامت تو آمد راست
نشان حرمت صلوا علیہ بر نامت
نوشتہ اند چنین منصبی شریف تراست

ترجمہ: خانۂ دین میں جو درود و سلام کی خلعت کا جامہ سِل گیا تو وہ آپ کے قد مبارک پر فِٹ آیا۔ صلوا علیہ کی حرمت کا نشان آپ کے لیے لکھا گیا اور یہ بلند و بزرگ صرف آپ کو سجتا ہے۔

حضور علیہ السلام کی خوشی

بعد از نزول آیت ہذا حضور علیہ السلام کا چہرہ مبارک مسرور ہوا اور فرمایا کہ مجھے مبارک دو کہ مجھے وہ آیت عطا ہوئی ہے جو مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے ؎

نورے از روزن اقبال در افتاد مرا
کہ ازان خانۂ دل شد طرب آباد مرا

ترجمہ: وہ نور جو مجھے دریچۂ اقبال سے نصیب ہوا، جس سے خانۂ دل خوشی سے

آباد ہوا۔

حکایت اصمعی سے منقول ہے کہ میں نے مہدی کو بصرہ کے منبر پر کہتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ کا ایسا امر فرمایا ہے کہ اس کا آغاز اپنی ذات سے فرمایا اس کے بعد ملائکہ کا نام لیا اس میں اشارہ ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جملہ انبیاء و رسل علیہم السلام سے افضل و اعلیٰ ہیں اور ہمیں جملہ امم سے افضل بتایا اس لیے ہمیں اس کی نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اس امر میں اپنا نام اس لیے لیا تاکہ محبوب علیہ السلام کی شرافت اور بزرگی کا اظہار ہو اور لوگوں کو معلوم ہو کہ ان کی شانِ اقدس بہت بلند و بالا ہے اور امت کو اس امر کی ترغیب دلائی ہے کہ درود شریف ایک ایسا امر ہے کہ اللہ تعالیٰ باوجودیکہ مستغنی ذات ہے وہ بھی محبوب علیہ السلام کی ذات پر درود شریف پڑھتا ہے۔ تو اُمت کے لیے زیادہ ضروری ہے کہ وہ ہدیۂ صلوٰۃ و سلام پیش کرے کیونکہ امت کو اپنی شفاعت کی زیادہ ضرورت ہے نیز اللہ تعالیٰ کی صلوات سے ملائکہ و مومنین کی صلوٰۃ کو تقویت ملتی ہے اس لیے کہ صلواتِ الٰہی حق ہے اور ملائکہ و اہلِ ایمان کی صلوٰۃ رسمی ہے اور رسمی شئے تحقیقی کی مقارنت سے تقویت چاہتی ہے ؎

از کنہ وصف تو کہ تواند کہ دم زند
وصفے سزائے تو نکند خدائے تو

ترجمہ: آپ کے وصف کے کُنہ کی کسے طاقت ہے کہ دم مارے آپ کا وصف صرف اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم انوارِ جمال و جلال کا صاف و شفاف آئینہ ہیں اور نعوت کمال کے کامل مظہر اور جامع ہیں۔ آپ کی برکت سے ہم سب کو اللہ تعالیٰ کے فیوضات و برکات نصیب ہوئے اور آپ کے صدقے وجود کو ظہور ملا۔ اپنے ساتھ ملائکہ قدس کو درود شریف میں اس لیے شامل فرمایا کہ ملائکہ خلقت کے لحاظ سے پہلے اور توازل قضاء سے بنی آدم کی طرح خائف اور ابلیس پر لعنت پڑنے اور ہاروت و ماروت پر غضبِ الٰہی کے ورود کے بعد اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے رہتے ہیں اسی لیے وہ بھی حضور علیہ السلام پر درود بھیجنے کے محتاج ہیں تاکہ درود شریف کی برکت سے انہیں جمعیت خاطر اور بلیات و آفات سے حفاظت نصیب ہو نیز ملائکہ کی صلوٰۃ میں ایک فائدہ یہ ہے کہ ان کے درود شریف کی موافقت سے اہلِ ایمان کی صلوٰۃ قبول ہو، جیسے نماز میں لفظ آمین کی موافقت میں اہلِ ایمان کو فائدہ نصیب ہوتا ہے۔

نورِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم آدم علیہ السلام کی پیشانی میں جب آدم علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ پاک آدم علیہ السلام کی پیشانی میں چمکتا تھا جسے فرشتوں نے دیکھ کر صلوٰۃ وسلام عرض کیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالمِ دُنیا میں تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا؛

ھٰذا ھُوَ الذی کنتم تصلون علیہ وھو نور فی جبین آدم فصلوا علیہ وھو موجود بالفعل فی العالم۔

(یہ وہی نورِ مبارک ہے جو تم نے آدم علیہ السلام کی پیشانی میں دیکھا تھا اس پر تم نے درود شریف پڑھا تھا اس معنے پر وہ ہر عالم میں موجود بالفعل رہے اسی لیے تم ان پر درود شریف پڑھو)

اُمّت کو درود کا حکم کیوں! اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان جن ہو یا انس سب کو درود شریف کا حکم اس لیے فرمایا کہ اہلِ ایمان آپ پر درود شریف بھیجنے کے محتاج ہیں وہ اس لیے کہ حضور علیہ السلام نے اہلِ ایمان کو دعوتِ حق دی تو اس کا حق ادا کرنا ضروری تھا، اس کی ادائیگی درود شریف سے ہوئی۔ دوسرے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جملہ اہلِ ایمان کے روحانی باپ ہیں بلکہ آپ نے اہلِ ایمان کی بہترین تربیت فرمائی اور احسن طریق سے انہیں تبلیغ وارشاد فرمایا بلکہ بہت زیادہ شفقت و رحمت فرمائی۔ اس معنے پر ضروری ہوا کہ اُمّت آپ پر درود شریف بھیجے کیونکہ قاعدہ ہے کہ شاگرد پر استاد کی تعریف واجب ہے ایسے ہی بیٹے پر باپ کا شکر ضروری ہے

میان باغ جہان از زلال فیض جبیب
نہال جان مرا صد ہزار نشو و نما ست

ترجمہ: جہان کے باغ میں فیض حبیب کے پانی سے میری جان کو ہزار بار نشوونما نصیب ہوتی ہے۔

ف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنے میں اشارہ ہے کہ اہلِ ایمان پر ضروری ہے کہ وہ اللہ کا شکر کریں کہ انہیں افضل الرسل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی بنایا گیا اور ان کے طفیل انہیں افضل الامم کا خطاب نصیب ہوا نیز درود شریف سے اہلِ ایمان کی حقِ شفاعت کی ادائیگی بھی ہوئی اس لیے کہ درود شریف گویا شفاعت کا ثمن ہے اب دنیا میں جب ثمن ادا کریں گے تو کل قیامت میں اس کا ثمر حاصل کریں گے

بضاعت بچندانکہ آری بری
اگر مفلسی شرمساری بری

ترجمہ: جتنی پونجی لاؤ گے اتنا سامان پاؤ گے، اگر تم مفلس ہو تو شرمسار ہو گے۔

؎

ألا ایہا الاخوان صلّوا و سلّموا

علی المصطفیٰ فی کل وقت وساعة

فان صلاة الہاشمی محمّد

تنجی من الاہوال یوم القیامة

ترجمہ: اے بھائیو! صلوٰۃ وسلام پڑھو، مصطفیٰ علیہ السلام پر ہر وقت اور ہر گھڑی۔ اس لیے کہ ہاشمی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا درود قیامت کی ہولناکیوں سے نجات بخشتا ہے۔

فضائلِ درود

(۱) درود شریف کی مقدار پر اُمتی کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف نصیب ہوتا ہے۔

(۲) بروزِ قیامت بکثرت درود شریف پڑھنے والے کی زبان سفید اور نہ پڑھنے والے کی سیاہ ہوگی اور قیامت میں اُمتِ مصطفوی کی یہی علامت ہوگی۔

(۳) اس سے نبی علیہ السلام کے مراتب میں اضافہ ہوتا ہے تو اُمت کو بھی مراتب نصیب ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ تابع کے مراتب متبوع کے مراتب کے تابع ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت مولانا جلال الدین رومی اپنے رسالہ معراجیہ میں لکھتے ہیں ؎

صلوات بر تو آدم فزودہ باد قربت

چہ بقرب کل بگردد ہمہ جزوہا مقرب

ترجمہ: درود شریف پیش کر رہا ہوں خدا کرے اس سے قربت نصیب ہو اس لیے کہ آپ کے قرب سے جملہ جزو کل بن جاتے ہیں۔

(۴) درود شریف کی برکت سے نبی علیہ السلام کی محبت بڑھتی ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ:

من احب شیئاً اکثر ذکرہ۔

یعنی جو کسی سے محبت کرتا ہے اس کا اکثر ذکر کرتا رہتا ہے۔

ف: بعض علماء نے فرمایا کہ صیغۂ مضارع یصلّون دلالت کرتا ہے کہ ملائکہ کرام آپ پر بالدوام درود شریف پڑھتے ہیں پھر درود شریف پڑھنے والے کو ان سے مشابہت ہو جاتی ہے اور قاعدہ ہے:

من تشبّہ بقوم فہو منہم۔

(جو کسی قوم سے مشابہت کرتا ہے وہ انہی میں شمار ہوتا ہے)
پھر ایسے شخص کی شان یہ ہو جاتی ہے کہ اسے ملائکہ کرام کی طہارت و عصمت جو ملائکہ کی لازمۂ ذات ہے سے حصہ وافر نصیب ہوتا ہے اسی وجہ سے اسے بھی عالم روحانی سے آشنائی حاصل ہوتی ہے۔

یا سید انام درود و صلاتِ تو
وردِ زبانِ ماست مہ و سال و صبح و شام
نزدیک تو چہ تحفہ فرستیم ما ز دور
در دستِ ما ہمین صلاتست والسلام

ترجمہ: اے سیدِ انام! آپ کا درود و سلام ہماری زبان کا ورد ہے ہر مہینے اور ہر سال ہر صبح و شام ہمارے ہاں سوائے آپ کے درود شریف کے اور کوئی بہتر تحفہ نہیں اور ہمارے ہاتھ میں بس یہی درود و سلام ہے۔

نکتہ درود شریف میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو شامل فرمایا اور ملائکہ کو بھی۔ پھر اہلِ ایمان کو حکم فرمایا۔ یہ ایک ایسی عبادت ہے جس کی نظیر نہیں ملتی کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے خود شمولیت کرنے کا حکم فرمایا ہو۔ قال سھل بن عبد اللہ التستری قدس سرہٗ۔

مقولہ صدیق سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ درود شریف ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب ہے اور اس کا ثواب گردن آزاد کرنے سے بھی زیادہ ہے اس لیے کہ گردن آزاد کرنے سے جہنم سے آزادی اور بہشت میں داخلہ ملتا ہے اور حضور علیہ السلام پر درود شریف پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام نصیب ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سلام کا مقابلہ ایک ہزار نیکی بھی نہیں کر سکتی۔

ف: حضرت واسطی نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف نہایت نیاز مندانہ طریقے سے پڑھا جائے اس میں گنتی کو دخل نہ دیا جائے۔ اس لیے کہ آقا کے ساتھ حساب کیسا! اور ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ دل میں کبھی تصور نہ لایا جائے کہ اس طرح سے میں اپنے آقا و مولا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا کر رہا ہوں بلکہ یوں تصور ہو کہ اس کے صدقے سے میں رحمت سے مالا مال ہوں گا۔

ایک فرشتہ کل کائنات پر حاضر و ناظر حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں دنیا سے رخصت ہوں گا کہ میری قبر انور پر ایک ایسا فرشتہ مقرر ہوگا جو تمام مخلوق کی آواز سنے گا جو میرا امتی مجھ پہ صلوٰۃ و سلام عرض کرے گا تو وہ کہے گا کہ آپ پر آپ کے فلاں بن فلاں نے درود شریف پڑھا اور اتنی مقدار میں۔ پھر اس بندے

پر اللہ تعالیٰ ہر ایک درود کے بدلے میں دس بار سلام بھیجتا ہے۔

حضور علیہ السلام ہمیں، ہمارے نام اور ہمارے تمام قبیلے کا نام جانتے ہیں

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذا صلیتم علیّ فاحسنوا علیّ الصلاۃ فانکم تعرضون علیّ باسمائکم و اسماء اٰبائکم و عشائرکم و اعمامکم۔

(جب تم مجھ پر درود شریف پڑھو تو حسین و جمیل صورت میں، اس لیے کہ تم میرے سامنے اپنے اسماء اور اپنے آباء کے اسماء اور قبائل و اعمام کے اسماء کے ساتھ پیش کئے جاتے ہو)

ف: حسین و جمیل کا معنیٰ یہ ہے کہ حضورِ قلب و جمعیتِ خاطر کے ساتھ درود پڑھا جائے۔

ف: بعض مشایخ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا درود شریف طاعت و قربت اور وسیلہ و استجابت ہے۔ جب بندہ تحیہ و توسل و تقرب حضرت احمدیہ کی نیت سے درود شریف پڑھتا ہے تو اسے قربتِ حضرت احمدیہ نصیب ہوتی ہے جیسے قمر کے قرب سے شمس کا قرب حاصل ہوتا ہے کیونکہ چاند سورج کا آئینہ ہے اور سورج کے انوار چاند پر چمکتے ہیں۔

ف: جو شخص حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک دفعہ درود شریف پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ نگران فرشتے کو فرماتا ہے کہ تین دن تک اس کے گناہ نہ لکھنا۔

حکایت: ایک عورت نے اپنے لڑکے کو اس کی موت کے بعد خواب میں دیکھا کہ اسے عذاب ہو رہا ہے۔ اس سے سخت غمگین ہوئی۔ پھر دیکھا اس کے بیٹے کو نور و رحمت سے نوازا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ پوچھی تو بیٹے نے کہا کہ قبرستان سے کوئی شخص گزرا ہے جس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھ کر اس کا ثواب قبرستان والوں کو بخشا ہے اس سے مجھے بھی حصہ ملا ہے اسی کی برکت یہی ہے جو تُو نے دیکھ لی۔

حکایت: حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم کعبہ کا طواف کر رہے تھے ایک شخص کو دیکھا کہ بجائے لبیک پڑھنے کے ہر قدم پر درود شریف پڑھتا ہے میں نے کہا یہ کیا، تسبیح و تہلیل چھوڑ کر تم درود شریف پڑھتے ہو تمہارے پاس اس کا کوئی شرعی ثبوت ہے؟ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت بخشے آپ کا اسم گرامی کیا ہے؟ میں نے کہا، مجھے سفیان ثوری کہتے ہیں۔ اس نے کہا: اگر آپ مسافر نہ ہوتے اور مجھے یقین ہوتا کہ آپ میرا راز فاش نہیں کریں گے تو آپ کو یہ حال بتا دیتا بہرحال حقیقت یہ ہے کہ میں اور میرا والد حج کو آ رہے تھے راستہ میں میرا والد سخت بیمار ہو گیا حتیٰ کہ مر گیا اور بدقسمتی سے اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا، آنکھیں نیلی ہو گئیں اور پیٹ پھول گیا

اس پر میں خوب رویا اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ افسوس کہ میرے والد کی موت سفر میں ہوئی اور ایسی بُری کہ جسے بتایا نہیں جا سکتا۔ میں اپنے والد کا چہرہ چادر سے ڈھانپ کر سوگیا، خواب میں دیکھا کہ ایک حسین وجمیل شخص آیا ہے جس کی شکل وصورت کبھی نہ دیکھی تھی اور نہایت خوب صورت لباس میں ملبوس تھا اور خوشبو سے معطّر۔ میرے والد کے قریب ہو کر ان کے چہرے سے کپڑا اتار کر چہرے پر ہاتھ پھیرا تو میرے والد کا چہرہ دُودھ سے زیادہ سفید ہوگیا اور ان کے پیٹ پر ہاتھ پھیرا تو وہ پہلے کی طرح ہوگیا۔ اس کے بعد وہ حسین وجمیل ہستی واپس جانے لگی۔ میں نے بڑھ کر عرض کی: آپ کو اس ذات کی قسم جس نے آپ کو میرے والد کے لیے رحمت بنا کر بھیجا، آپ ہیں کون؟ فرمایا: میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہُوں، اگرچہ تیرا والد بہت گنہ گار تھا لیکن مجھ پر درود شریف بکثرت پڑھتا تھا جب اسے یہ مصیبت پہنچی تو اس نے مجھے پکارا، میں نے اس کی فریاد رسی کی ہے۔ جو مجھ پر کثرت سے درود شریف پڑھتا ہے تو دارِ دنیا میں مَیں اس کی فریاد رسی کرتا ہُوں۔ اس کے بعد میں بیدار ہُوا تو دیکھا کہ میرے والد کا چہرہ سفید اور پیٹ صحیح وسالم تھا۔

۵

یا من یجیب دعا المضطر فی الظلم

یا کاشف الضر والبلوی مع السقم

شفع نبیك فی ذلی و مسکنتی

واستر فانك ذو فضل و ذو کرم

ترجمہ: اے مضطروں کی ظلم میں دُعا قبول کرنے والے اور بیماریوں کے ساتھ دکھ درد ٹالنے والے! میری ذلت ومسکینی میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت قبول فرما اور میرے گناہ ڈھانپ لے اس لیے کہ تُو بہت بڑے فضل وکرم والا ہے۔

ف: حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب آیت یا ایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما نازل ہُوئی تو ہم حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہم آپ پر سلام پڑھنے کا طریقہ تو جانتے ہیں لیکن فرمائیے ہم آپ پر صلوٰۃ کیسے عرض کریں؟ آپ نے فرمایا، پڑھو:

اللّٰھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما صلّیت علیٰ ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انك حمید مجید. وبارك علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد کما بارکت علیٰ ابراھیم وعلیٰ آل ابراھیم انك حمید مجید۔ کما فی تفسیر التیسیر۔

یہ وہی درود ابراہیمی ہے جسے نماز کی آخری تشہد میں پڑھا جاتا ہے۔ یہی صحیح ہے ذکرہ الزاہدی روایۃ عن محمد۔

ف: اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اے اللہ! اپنے محبوب علیہ السلام پر کامل درود شریف بھیج۔ کامل کی قید صل علیٰ محمد کے علی الاطلاق کے استعمال سے معلوم ہوتا ہے وعلیٰ آل محمد عطف الجملۃ علی الجملۃ کے قبیل سے ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اے اللہ! حضور علیہ السلام کی آل پر اسی طرح درود بھیج جیسے تُو نے ابراہیم علیہ السلام پر درود بھیجا۔ اس سے وہ اشکال دُور ہوگیا جو مشہور ہے کہ مشبہ بہ مشبہ سے اقوی ہوتا ہے اور یہاں پر مشبہ بہ ابراہیم علیہ السلام اور حضور علیہ السلام مشبہ ہیں۔ اس معنے پر ابراہیم علیہ السلام کو حضور علیہ السلام پر اقویٰ ماننا پڑے گا حالاں کہ یہ حق مذہب کے خلاف ہے اس لیے کہ حضور علیہ السلام علی الاطلاق ہر پیغمبر سے اقوی و افضل و اکمل ہیں (ذکرہ القہستانی)۔

تشبیہ کے جوابات

مذکورہ بالا تقریر میں ہم نے سوال کی نوعیت عرض کر دی ہے۔ اس کا ایک جواب بھی لکھا ہے اب دیگر جوابات ملاحظہ ہوں:

(۲) ایضاء المعنوی میں ہے کہ یہ تشبیہ اصل صلوٰۃ میں ہے جس پر درود پڑھا جا رہا ہے اس میں تشبیہ مطلوب نہیں اس لیے کہ ہمارے نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اے اللہ! اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی طرح درود بھیج جیسے ان کی قدر و منزلت اور شرافت و بزرگی ہے جیسے تُو نے ابراہیم علیہ السلام پر ان کی قدر و منزلت کے مطابق درود بھیجا۔ اس تقریر کی نظیر فاذکروا اللہ کذکرکم آباءکم ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اس کی نعمتوں اور رحمتوں کی مقدار میں جیسے تم اپنے آباء کا ذکر کرتے ہو ان کے تمہارے اوپر انعامات و احسانات کی وجہ سے۔

اور قاعدہ ہے کہ شے کو دوسری شے سے وجہ واحد کی بنا پر تشبیہ دی جاتی ہے اگرچہ ان کو آپس میں من کل الوجوہ مشابہت نہ ہو جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم۔

(عیسیٰ کی مثل اللہ تعالیٰ کے ہاں آدم علیہما السلام جیسی ہے)

اس میں عیسیٰ علیہ السلام کو آدم علیہ السلام کے مشابہ کہا گیا ہے صرف ایک وجہ سے۔ اور وہ ہے تخلیق بلا اب یعنی باپ کے بغیر جیسے آدم علیہ السلام پیدا ہوئے ویسے ہی عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔

(۳) شرح مشکوٰۃ میں مذکور ہے کہ کما صلّیت کی تشبیہ الحاق ناقص بکامل کے قبیل سے نہیں بلکہ مالا یعرف کے حال کو ما یعرف کے بیان کے باب سے ہے یعنی نزول آیت برحمۃ اللہ و برکاتہ

علیکم اھل البیت انه حمید مجید سے ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی آل پر درود الٰہی کے متعلق اہلِ ایمان کو خوب معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی آل پر درود بھیجا۔ اس پر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ ایمان کو فرمایا کہ میرے لیے اللہ تعالیٰ سے درخواست کرو کہ وہ مجھ پر اسی طرح درود وسلام بھیجے جیسے ابراہیم علیہ السلام پر بھیجا تھا۔

(۴) بعض مشائخ نے فرمایا کہ کما میں لفظ کاف تاکید وجودی کا ہے یہ وہ کاف نہیں کہ وقوع میں ایک دوسرے کو ملائے جیسے:

وقل رب ارحمهما کما ربیانی صغیرا۔

(اور کہہ اے میرے رب! ان پر رحم فرما جیسے انہوں نے میری بچپن میں تربیت کی)

میں کاف تاکید وجودی کا ہے اس لیے کہ تربیت تو والدین سے واقع ہے لیکن ان کے لیے رحمت مطلوب الوقوع ہے۔ اس معنے پر کاف وجود رحمت میں تاکید کے لیے ہوگا۔

اب آیت کا معنی یہ ہوگا کہ میرے والدین کے لیے وہ رحمت ایجاد فرما جو محقق ومقرر ہے۔ اس تقریر پر درود ابراہیمی کا معنی یوں ہوگا کہ اے اللہ! اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج اور اس درود کو ایجاد فرما جیسے ان سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کا درود شریف ایجاد فرمایا تھا۔ یہی معنی "الضیاء المعنوی" کے قریب تر ہے جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا ہے۔

(۵) بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس تشبیہ میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ادب تواضع سکھایا ہے اور واضح فرمایا ہے کہ آبا واجداد کی تعظیم وتوقیر یوں ہونی چاہیے کہ باوجودیکہ میری صلوٰۃ درود ابراہیم سے اکمل واشرف ہے اور میں ان سے مرتبہ میں اقویٰ وارفع واعلیٰ ہوں لیکن ان کی تعظیم وتکریم بجالاتا ہوں اس لیے کہ وہ میرے دادا ہیں اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طرح کی کسرِ نفسی اور نفس کے تکبر کو مٹانے کی مثالیں احادیث میں بکثرت موجود ہیں۔ مثلاً فرمایا:

انا اول من ینشق عنہ الارض ولا فخر وانا حبیب ولا فخر وانا اکرم الاولین والاٰخرین علی اللہ ولا فخر ولا تفضلونی علی موسٰی ولا تخیرونی علی ابراهیم ولا ینبغی لاحد ان یقول انا خیر من یونس۔

(میں وہ ہوں کہ سب سے پہلے اس سے زمین شق ہوگی اس میں فخر نہیں اور میں محبوبِ خدا ہوں میں فخر نہیں کرتا اور میں اولین وآخرین سے اللہ تعالیٰ کے ہاں مکرم ہوں اور میں فخر نہیں کرتا اور مجھے موسٰی علیہ السلام پر فضیلت مت دو اور مجھے ابراہیم علیہ السلام سے افضل مت مانو اور کسی کو لائق نہیں کہ وہ مجھے یونس علیہ السلام سے بہتر کہے۔

(یہ تمام مضمون تواضع وانکساری پر مبنی ہے)

ابراہیمی درود کی علّت اور اصلی غرض وغایت

(۱) ہم ابراہیم علیہ السلام پر اس لیے درود بھیجتے ہیں کہ انہوں نے جب تعمیر کعبہ سے فراغت پائی تو تمام حجاج کو حجِ بیت اللہ کی دعوت دی۔ ہم اس کے بدلے میں درود کا تحفہ پیش کرتے ہیں۔

(۲) امام نیشاپوری نے فرمایا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ! اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے ایک نبی مبعوث فرما۔ کما قال:

ربنا وابعث فیھم رسولا منھم۔

اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا:

انا دعوۃ ابی ابراھیم۔

(میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دُعا ہوں)

اس معنے پر حضور علیہ السلام نے ان کا بدلہ یُوں دیا کہ آپ نے ان پر درود بھیجنے کا حکم فرمایا۔

ف: حضور علیہ السلام نے جس صلوٰۃ کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک فرمایا وہ یہی درود ہے جو اللہ تعالےٰ آپ پر بھیجتا ہے اس لیے کہ حضور علیہ السلام ہی مظاہرِ حق کے اکمل اور تجلیات ذات کے مشاہدہ کرنے والے اور مجامع اسرار ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کی آرزو

حدیث شریف میں ہے: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں ایک بہت بڑا باغ دیکھا جس کے پتوں پر لکھا تھا:

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

جبریل علیہ السلام سے اس کی حقیقت پوچھی تو اُنھوں نے تمام ماجرا سنایا اس وقت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی:

یا اللہ! میرا ذکر بھی اُمتِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبانوں پر جاری فرما۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا مستجاب فرمائی۔ اسی وجہ سے درود میں ان کے ذکر کو حضور علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ فرمایا۔

ف: حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ہمارا قبلہ چونکہ ایک ہے اسی لیے ہم درود میں ان کا اسم گرامی لیتے ہیں یعنی حج کے مناسک جس طرح ہم ادا کرتے ہیں وہ بھی اسی طرح ادا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں کعبہ کی بنیاد بھی انھوں نے رکھی تھی اور پھر بہت سی امتوں کو ان کی ملت کی اتباع کا حکم ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے امتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی ثنا کا حکم دیا۔

صاحب روح البیان کی تقریر

فقیر (صاحب روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام توحید ذاتی کے قطب ہیں۔ اسی لیے دوسرے انبیاء علیہم السلام کی بہ نسبت ان پر درود پڑھنا اولیٰ ہُوا علاوہ ازیں بہ نسبت دوسری امتوں کے آپ کی اُمت میں استعداد زاید تھی یہاں تک کہ انھیں جمیع مراتب افعال وصفات وذات کیلیے مامور کیا گیا اگرچہ اجمالی طور، ورنہ تفصیلی طور ان مراتب کو امتِ محمدی علیٰ صاحبہ السلام سے مخصوص کیا گیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی تعمیر میں لگانے میں اسی طرف اشارہ ہے کہ وہ توحید ذاتی کے قطب تھے اسی لیے حج کی عبادت بکرر طور فرض نہیں کی گئی جیسے دوسری عبادات مکرر ہوتی ہیں۔ یعنی حج زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے بخلاف نماز و روزہ کے کہ وہ اوقات کی وجہ سے بار بار ادا کی جاتی ہیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کو ان کی ملت کی اتباع کا حکم فرمایا یعنی باعتبار جمع کے ورنہ باعتبار تفصیل کے تو تکمیل ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی کسی اور نبی علیہ السلام کو یہ مرتبہ نصیب نہیں ہُوا۔ اسی بنا پر صرف آپ ہی خاتم الانبیاء ٹھہرے۔ مذکورہ بالا وجوہ سے ابراہیم علیہ السلام کو درود میں شامل کیا گیا اور آپ کے درود شریف کو بھی ان کے درود شریف کے ساتھ اسی وجہ سے تشبیہ دی گئی ورنہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے درود بھی تو ہیں لیکن ان میں سے کسی کے ساتھ تشبیہ نہیں دی گئی۔ اسے اچھی طرح سمجھ لو۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا واجب ہے۔

وسیلۂ عظمیٰ

حضور علیہ السلام پر درود شریف بھیجنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ نفس انسانی اکثر علائق بدنیہ وعوائق طبعیہ میں مشغول رہتا ہے مثلاً کھانا پینا وغیرہ اور اوصاف ذمیمہ واخلاق ردیئہ میں مصروف ہوتا ہے اور ذات باری تعالیٰ سے فیض کرنا ہے لیکن وہ ذات نہایت تنزہ و تقدس میں ہے انسان کو اس ذات سے ذرہ برابر بھی مناسبت نہیں تاکہ اس کے فیوض و برکات حاصل کر سکے۔ ہاں ان کے مابین کوئی ایسا واسطہ ضروری ہے جو دونوں جہتوں سے متعلق ہو یعنی اس میں تجرد و تعلق دونوں جہتیں ہوں۔ اس واسطہ کو یُوں سمجھو کہ تر لکڑی کو جلانے کے لیے آگ اور تر لکڑی کے درمیان سُوکھی لکڑی کو واسطہ بنانا پڑے گا ایسے ہی ہڈی اور گوشت کے درمیان غضروف واسطہ ہے۔ ایسے ہی ہمارے اور رب تعالیٰ کے درمیان ہمارا وسیلہ عظمیٰ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے بحیثیت تجرد فیض لیتے ہیں اور بحیثیت تعلق ہم غریبوں کو وہی فیض پہنچاتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود جیسے شرعاً واجب ہے ایسے ہی عقلاً بھی واجب ہے۔

مسئلہ: یہ علی الاطلاق واجب ہے۔ دوسری عبادات کی طرح اس کا مکرر نہیں ہوتا، جیسے

اذکروا اللہ ذکراً کثیراً کا وجوب مکرر نہیں۔

مسئلہ : امام طحاوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جونہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی زبان پر آئے یا کسی سے سنا جائے تو درود شریف پڑھنا واجب ہے۔ بحرالعلوم میں ہے کہ یہی قول صحیح ہے اس لیے کہ اگرچہ امر تکرار کا مقتضی نہیں لیکن یہ قاعدہ تو مسلّم ہے کہ سبب کے تکرار سے وجوب مکرر ہوتا ہے جیسے وقت کے تکرار سے وجوب مکرر ہوتا ہے۔

حدیث شریف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :

من ذکرت عندہ فلم یصلّ علیّ فدخل النار فابعدہ اللہ۔

(جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود شریف نہ پڑھے وہ جہنم میں داخل ہوگا اور اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے دور کر دے گا)

حدیث شریف ۱ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لا یری وجھی ثلاثۃ اقوام احدھا العاق لوالدیہ والثانی تارک سنتی والثالث من ذکرت عندہ فلم یصل علیّ۔

(تین گروہ قیامت میں میرے دیدار سے محروم ہوں گے :

(۱) والدین کا نافرمان

(۲) میری سنّت کا تارک

(۳) میرا نام سُنے اور درود نہ پڑھے)

حدیث شریف ۲ میں ہے :

اربع من الجفاء ان یبول الرجل وھو قائم وان یمسح جبھتہ قبل ان یفرغ وان یسمع النداء فلا یشھد مثل یشھد المؤذن وان اذکر عندہ فلا یصلی علیّ۔

(چار امور ظلم میں شامل ہیں :

(۱) کھڑے ہو کر پیشاب کرنا۔

(۲) نماز کی فراغت سے پہلے ماتھے سے مٹی جھاڑنا۔

(۳) اذان سنے اور نماز پر حاضری نہ دے۔

(۴) میرا نام سُنے اور مجھ پر درود شریف نہ پڑھے)

سوال : ہر درود میں حضور علیہ السلام کا ذکرِ گرامی ہے تو جب بھی ہم آپ کا نام لیں تو پھر درود شریف پڑھنا واجب ہوگا اس طرح تو زندگی درود شریف پڑھتے ہی گزر جائے گی اور یہ تکلیف مالایطاق

جواب: یہاں پر اسم گرامی کا ذکر زبان پر لانے اور سننے سے مراد یہ ہے کہ جس نام کے لینے اور سننے سے صلوٰۃ واجب ہو جائے وہ اسم گرامی مراد نہیں جو صلوٰۃ کے ضمن میں ہے۔

مسئلہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ ہر مجلس میں ایک بار درود پڑھنا واجب ہے۔ یہی صحیح ہے اگرچہ آپ کا اسم گرامی بار بار پڑھا سنا جائے جیسا کہ آیتِ سجدہ میں سجدۂ تلاوت کا حکم ہے یا چھینک والے کے جواب کا مسئلہ ہے اگرچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ:

چھینکنے والے کا جواب واجب ہے لیکن جب وہ تین کے اوپر چھینکے تو جواب دینے والا مختار ہے چاہے جواب دے یا خاموش رہے۔"

مسئلہ: ہر دعا کے اول و آخر میں درود شریف پڑھنا ضروری ہے۔

مسئلہ: بعض علماء نے فرمایا کہ زندگی میں ایک بار درود شریف پڑھنا واجب ہے جیسے شہادتین کا اظہار زندگی میں ایک بار واجب ہے۔ اس کے بعد درود شریف و شہادتین کا پڑھنا مندوب ہے۔

فیصلہ آخری فیصلہ اس مسئلہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے بلند شان کا تقاضا یہی ہے کہ آپ کا ذکر گرامی جب پڑھا سنا جائے تو درود شریف پڑھنا واجب ہو جاتا ہے۔

کذا فی فتح الرحمٰن۔

لیکن امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے کہ حضور علیہ السلام کے ذکر گرامی کو بار بار پڑھنے اور سننے پر درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ فتویٰ اسی پر ہے۔ تفسیر الکاشفی میں لکھا ہے کہ ہر بار پڑھنے اور سننے کی مجلس میں ایک بار درود شریف پڑھنا واجب ہے پھر ہر بار سنّت۔ اسی پر فتویٰ ہے یعنی ذکر بار بار پڑھنے سننے کے وقت درود شریف پڑھنا مستحب ہے بخلاف سجود تلاوت کے کہ ایک ہی مجلس میں بار بار آیتِ سجدہ پڑھی جائے تو صرف ایک بار سجدہ واجب ہے۔ درود اور سجدۂ تلاوت میں فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مستغنی ہے سجدوں کا محتاج نہیں بخلاف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ کو صلواتِ الٰہی کی ضرورت ہے۔ کذا فی حواشی الہدایہ للامام الخبازی۔

مسئلہ: اگر اللہ تعالیٰ کا نام کسی مجلس میں بار بار لیا جائے تو علیحدہ علیحدہ اللہ تعالیٰ کی ثنا لازمی ہے مثلاً کہا جائے سبحان اللہ، تبارك الله، جل جلالہٗ وغیرہ۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم و تکریم ہر زمان و ہر مکان میں لازم ہے اگر کسی نے نہیں کہا بخلاف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درود شریف کے کہ اگر وہ ترک کر دیا جائے تو بھی اسے پڑھنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تجدد ہوتا رہتا ہے اور وہی اس کی مدح و ثنا کا موجب ہیں۔ اسی لیے اس کے ذکر کے بعد ثنا نہ ہو تو قضا نہیں کیونکہ قضا کا وقت ہی بچتا بخلاف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے درود شریف کے کہ آپ کے ذکر پاک کے بعد درود نہ پڑھنا بندے کے ذمّہ قرض رہتا ہے جب تک درود نہ پڑھے گا وہ قرض اس

کے گلے میں رہے گا اور اسے جب بھی پڑھا جائے وہی اس کی ادائیگی کا وقت ہے۔

مسئلہ: قاضی خان میں ہے کوئی شخص قرآن مجید پڑھ رہا ہے اس میں حضور علیہ السلام کا اسم گرامی آجائے تو پڑھنے سننے والے کے لیے ضروری ہے کہ اس وقت درود شریف نہ پڑھیں اس لیے کہ نظمِ قرآن کو ترتیب وار اور مسلسل پڑھنا سننا واجب ہے اس کے درمیان میں غیر عبارت کو ملانا حرام ہے اس لیے واجب ہو گا کہ درمیان میں درود شریف نہ پڑھا جائے۔ ہاں فراغت کے بعد درود شریف پڑھ لیا جائے تو بہتر ہے۔ اگر نہ بھی پڑھے تب بھی کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ: تشہد اخیرہ میں درود شریف پڑھنا سنّت ہے، یہی امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ امام مالک بھی یہی کہتے ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ نے جوازِ نماز کی شرط بتایا ہے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے درود شریف کو نماز کا رکن لکھا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس شخص کی نماز باطل ہو گی جس نے نماز کی تشہد اخیرہ میں درود شریف نہیں پڑھا عمداً یا سہواً، ان کی دلیل یہ حدیث شریف ہے:

لاصلاۃ لمن لم یصل علیّ فی صلاتہ۔

(اس کی نماز ہی نہیں جس نے نماز میں مجھ پر درود نہ بھیجا)

ہم احناف اس کا جواب دیتے ہیں کہ حدیث شریف میں نماز کے کمال کی نفی نہیں ہے۔ اگر درود شریف نماز میں فرض ہوتا تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اعرابی کو نماز سکھائی تھی تو اس میں آپ اسے درود شریف بھی سکھاتے۔ اعرابی کو درود شریف نہ سکھانا اس کی عدمِ فرضیت کی دلیل ہے۔

بعض معاصرین کا رد

(ہمارے دور میں بعض علماء شیعوں کے مذہب سے عدم واقفیت کی بنا پر لکھ بیٹھے کہ حضرت علی کی طرح دوسرے اہل بیت کرام مثلاً حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو "علیہ السلام" کہنا لکھنا جائز ہے ہم نے انھیں کہا اسلاف صالحین کا مذہب ہے کہ انبیاء و ملائکہ کو تو لکھنا جائز ہے لیکن غیر انبیاء و ملائکہ پر براہِ راست ناجائز ہے البتہ بواسطہ جائز ہے۔ اس پر ہم نے متعدد حوالہ جات لکھے ہیں۔ چند حوالے فقیر اویسی اپنے رسالہ "القول الاسلم فی کراہتہ کتابتہ صلعم" میں لکھے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے جو روح البیان ج ۷، ص ۲۲۸ سے لیا گیا کہ:)[1]

واما الصلاۃ علی غیر الانبیاء فتجوز تبعا بان یقول اللھم صل علی محمد و علی اٰلہ و یکرہ استقلالا وابتداءً کراھۃ تنزیہ کما ھو الصحیح الذی

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

علیہ الاکثرون فلا یقال اللھم صل علی ابی بکر لانہ فی العرف شعار ذکر الرسل و من ھنا کرہ ان یقال محمد عز وجل مع کونہ عزیزا جلیلا و لانہ یدیتہ الی الاتہام بالرفض لانہ شعار اھل البدع وقد نہینا عن شعارھم و فی الحدیث :

من کان یؤمن باللہ والیوم الاٰخر فلا یقف مواقف التھم ۔

و اما السلام فھو فی معنی الصلاۃ فلا یستعمل الغائب فلا یفرد بہ غیر الانبیاء فلا یقال علیؑ علیہ السلام کما تقول الروافض وتکتبہ و سوآءٌ فی ھذا الاحیاء والاموات ۔

(ہاں غیر انبیاء پر صلوٰۃ جائز ہے لیکن تبعاً مثلاً کہے اللھم صل علیٰ محمد و علیٰ آلہٖ لیکن مستقل طور مکروہ اور ابتداءً مکروہ تنزیہی' یہی صحیح ہے اور یہی اکثر کا مذہب ہے مثلاً اللّٰھمّ صل علیٰ ابی بکر نہ کہا جائے گا کیونکہ عرف میں یہی ہے کہ یہ انبیاء کا شعار ہے اسی لیے محمد عزّ و جل کہنا مکروہ ہے اگرچہ آپ لاکھوں درجہ عزیز و جلیل ہیں ۔ علاوہ ازیں ایسا طرز رفض و شیعیت سے متہم ہوتا ہے کیونکہ یہ ان بدعتیوں کا طریقہ ہے کہ وُہ اپنے مذہب میں اہل بیت پر براہِ راست کہہ دیتے ہیں اور ہم ان کے اشعار سے روکے گئے ہیں ۔ حدیث میں ہے :

جو اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ ایسے مواقع پر نہ آئے جن سے تہمت کا نشانہ بننا پڑے ۔

ایسے ہی سلام چونکہ صلوٰۃ کے معنیٰ میں ہے اسی لیے غائب کے صیغہ کے ساتھ کسی کو نہ کہا جائے " علیہ السلام " سوائے انبیاء (علیہم السلام) کے ۔ اسی لیے علی علیہ السلام نہ کہا جائے جیسے رافضی کہتے اور لکھتے ہیں اس میں زندہ اور اہلِ اموات سب کا ایک ہی حکم ہے)

مسئلہ : حاضر کو مخاطب کر کے ' السلام علیک ' یا ' علیکم ' یا ' سلام علیک ' یا ' علیکم ' کہنا جائز ہے ۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے ۔

مسئلہ : اہلِ قبور کو قبر پر حاضر ہو کر اسی طرح سلام کیا جائے جیسے زندوں کو کیا جاتا ہے۔ [۳۱] کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے ۔

مسئلہ : حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صرف ' السلام ' یا صرف ' الصلوٰۃ '

پر اکتفاد کرنا جائز ہے اس میں علماء کی عبارات مختلف نہیں۔ بعض تو دونوں کے قائل ہیں اور اسے مکروہ بھی نہیں کہتے اور فرماتے ہیں کہ "وسلموا" میں واؤ مطلق جمع کے لیے آئی ہے اس میں معیت یعنی دونوں صلوٰۃ وسلام کا ہونا اکٹھے ہونا ضروری نہیں۔

مسئلہ: حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مثلاً کوئی شخص حضور علیہ السلام کے لیے صرف 'علیہ السلام' کہہ دے تو گویا اس نے السلام والصلوٰۃ دونوں کو ملا کر کہا ہے۔ جیسا کہ قل الحمد و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ سے معلوم ہوتا ہے لیکن صرف صلوٰۃ پر اکتفاء کرنا اچھا نہیں۔ جو کوئی حضور علیہ السلام پر صلوٰۃ پڑھے یا لکھے تو اسے چاہیے کہ وہ صیغہ سلام بھی ضرور ساتھ ملائے۔

(کم علم دیوبندیوں اور عوام سُنّیوں کا رد) ہمارے دَور میں یہ مرض عام ہے کہ اولیاء کرام یا علماءِ عظام کے لیے رضی اللہ عنہ کہا، یا لکھا جائے تو کم علم دیوبندی اور عوام سُنّی کہتے ہیں کہ ایسا کہنا غلو ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ رضی اللہ عنہ کہنا لکھنا صرف صحابہ رضی اللہ عنہم سے خاص ہے۔ ہم نے ان کے رد میں رسالہ 'القول الاسلم' میں بہت حوالے لکھ دئیے ہیں منجملہ ان کے ایک حوالہ 'روح البیان' کا لیجئے۔ فرمایا:)[1]

ویستحب الترضی والترحم علی الصحابة والتابعین فمن بعدهم من العلماء والعباد وسائر الاخیار فیقال ابوبکر وابوحنیفه رضی الله عنه او رحمه الله او نحو ذلك فلیس رضی الله عنه مخصوصا بالصحابة بل یقال فیهم رحمه الله ایضا۔ (ص ۲۲۸)

(رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور رحمۃ اللہ علیہ کہنا لکھنا صحابہ تابعین اور ان کے بعد کے علماء صلحاء اور تمام نیک لوگوں کے لیے جائز ہے مثلاً کہا جائے ابوبکر رضی اللہ عنہ یا ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ یا رحمہ اللہ یا اس جیسے اور الفاظ۔ یہ رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ انہیں رحمہ اللہ بھی کہہ سکتے ہیں)

مسئلہ: جن حضرات کی نبوت میں اختلاف ہے یا امم سابقہ میں بزرگ شخصیتیں گزری ہیں مثلاً حضرت لقمان و بی بی مریم و خضر و سکندر، تو ان کے لیے رضی اللہ عنہ یا عنہا کہنا لکھنا چاہیئے یہی راجح تر ہے اگر کسی نے علیہ السلام یا علیہا السلام کہہ دیا یا لکھا تو بھی کوئی حرج نہیں۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

ف : امام یافعی رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں لکھا کہ میرے نزدیک صلوٰۃ وسلام اور رضی اللہ عنہ اور رحمہ اللہ اور عفی عنہ وغیرہ میں فرق ضروری ہے وہ یہ کہ مذہب صحیح میں یہ ہے کہ صلوٰۃ صرف انبیاء کرام و ملائکہ عظام علی نبینا وعلیہم السلام سے مخصوص ہے اور جملہ "رضی اللہ عنہ" صحابہ و اولیاء و علماء کے لیے ہے اور رحمہ اللہ ان کے ماسوا کے لیے اور عفی عنہ گنہگاروں کے لیے اور السلام، صلوٰۃ و ترضی کا درمیانی مرتبہ ہے اس لیے یہ ان کے لیے استعمال کیا جائے جو ان دونوں مراتب کا درمیانی مرتبہ رکھتے ہیں۔ مثلاً ان حضرات کے لیے جن کی نبوت میں اختلاف ہے جیسے لقمان، خضر اور ذوالقرنین۔ ان کے ماسوا کے لیے لفظ "السلام" کا اطلاق نہ کیا جائے۔

کتابت صلعم (ہمارے دور میں عوام کے علاوہ بہت بڑے مشاہیر علماء اور لیڈروں میں مرض ہے کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اقدس کے لکھنے پر صلعم، صللم، ص، ؑ وغیرہا لکھ دیتے ہیں یہ سخت گناہ اور محرومی کی علامت ہے۔ فقیر اویسی غفرلہ نے اس مسئلہ کے لیے ایک رسالہ "القول الاسلم" لکھا ہے اس میں دلائل کے علاوہ اسلاف صالحین کے حوالہ جات بھی لکھے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک صاحب روح البیان کا بھی ہے وہ یہ ہے:)[1]

ویکرہ ان یرمز للصلاۃ والسلام علی النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فی الخط بأن یقتصر من ذلک علی الحرفین ھکذا "عم" او نحو ذلک کمن یکتب "صلعم" یشیر بہ الی صلی اللہ علیہ وسلم۔

(نبی علیہ السلام کے لیے رمز و اشارہ مکروہ ہے مثلاً ایک دو حرف پر اکتفا کیا جائے یا لکھا جائے جیسے عم یا بعض لوگ لکھتے ہیں صلعم، اور اس سے حضور علیہ السلام کی طرف اشارہ ہوتا ہے)

مسئلہ: صلوٰۃ وسلام میں کسی ایک کو حذف کر کے ایک پر اکتفا کرنا بھی مکروہ ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

من صلی علیّ فی کتاب لم تزل صلاتہ جاریۃ لہ ما دام اسمی فی ذلک الکتاب۔ کما فی انوار المشارق لمفتی حلب۔

(جو مجھ پر درود شریف پڑھ کر کتاب میں لکھے تو جب تک وہ درود لکھا رہے گا اسے ثواب ملتا رہے گا)

بوقت اذان انگوٹھے چومنے کا ثبوت (ہم اہلسنت کا معمول ہے کہ اذان و اقامت کے وقت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سن کر انگوٹھے چومتے ہیں۔ وہابی، دیوبندی اور مودودی کے لواحقین اور تبلیغی جماعت کے لوگ

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ

اسے بدعت گردانتے ہیں حالانکہ یہ ان کی غلطی ہے اس لیے کہ اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کا اسی طرح عمل رہا ہے جیسے ہم اہلسنت کا ہے۔ چنانچہ اس موضوع پر اعلحضرت شاہ احمد رضا خان قدس سرہٗ نے رسالہ "منیر العینین" لکھا ہے۔ فقیر اویسی غفرلہٗ نے اس سے اقتباس کر کے "انگوٹھے چومنے کا ثبوت" لکھا ہے۔ اس میں اسلاف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کے حوالے لکھے ہیں منجملہ ان کے روح البیان کا مندرجہ ذیل حوالہ بھی لکھا ہے: [1]

ثم ان للصلوات والتسلیمات مواطن فمنها ان یصلی عند سماع اسمه الشریف فی الاذان۔ قال القهستانی فی شرحه الکبیر نقلا عن کنز العباد اعلم انه یستحب ان یقال عند سماع الاولیٰ من الشهادة الثانیة (صلی الله علیك یا رسول الله) وعند سماع الثانیة (قرة عینی بك یا رسول الله) ثم یقال (اللهم متعنی بالسمع والبصر) بعد وضع ظفر الابهامین علی العینین فانه صلی الله علیه وسلم یکون قائدا له الی الجنة انتهی۔ (روح البیان ج ۷ ص ۲۲۸)

(صلوات وتسلیمات کے مقامات میں سے ایک یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم گرامی اذان میں سن کر درود شریف پڑھا قہستانی نے شرح کبیر میں کنز العباد سے نقل کر کے لکھا کہ شہادتین میں سے پہلی شہادت میں کہے :

صلی الله علیك یا رسول الله۔

اور دوسری شہادت میں کہے :

قرة عینی بك یا رسول الله۔

اس کے بعد کہے :

اللهم متعنی بالسمع والبصر۔

بعد میں دونوں انگوٹھے آنکھوں پر رکھے تو قیامت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اسے بہشت میں ساتھ لے جائیں گے)

مسئلہ: بعض علماء نے فرمایا کہ انگوٹھے کی پشت آنکھ پر مل کر یہ دعا پڑھی جائے اللهم متعنی بالسمع والبصر۔

مسئلہ: صلوات نجمی میں ہے کہ انگوٹھوں کو آنکھوں پر رکھنا چاہیے نہ یہ کہ انہیں کھینچا جائے۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انگوٹھے چومے

محیط میں ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

لائے اور مسجد کے ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے سامنے بیٹھے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اٹھے اور اذان پڑھنا شروع کی۔ جب کہا اشھد ان محمدا رسول اللہ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دونوں انگوٹھوں کے ناخن چوم کر اپنی دونوں آنکھوں پر رکھ کر کہا:

قرۃ عینی بك یارسول اللہ۔

جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان سے فارغ ہوئے تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے ابوبکر! میرا نام سن کر جو کوئی تمہاری طرح انگوٹھے چومے گا اور آنکھوں سے لگائے گا اللہ تعالیٰ اس کے نئے اور پرانے تمام گناہ بخش دے گا اگرچہ عمداً کئے ہوں یا خطاً۔"

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دوسرا واقعہ

حضرت شیخ امام ابوطالب محمد بن علی المکی رفع اللہ درجاتہ نے قوت القلوب میں روایت لکھی ہے، فرمایا کہ ابن عیینہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم دسویں محرم کے دن مسجد میں تشریف لائے، وہ جمعہ کا دن تھا جمعہ کی نماز کے بعد ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھے تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے ہاں بیٹھے تھے جب بلال رضی اللہ عنہ نے اذان پڑھی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انگوٹھے آنکھوں پر ملے اور کہا: قرۃ عینی بك یارسول اللہ۔ تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اے ابوبکر! جو آپ کی طرح انگوٹھے چوم کر مذکورہ بالا کلمات کہے گا اور اسے میرے دیدار کا شوق ہوگا تو اس کے نئے اور پرانے عمداً و خطاً اور ظاہری و باطنی تمام گناہ بخش دے گا اور میں بھی اس کی شفاعت کروں گا۔"

'مضمرات' میں بھی اسی طرح منقول ہے۔

آدم علیہ السلام کا شوقِ دیدارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور انگوٹھے چومنا

قصص الانبیاء وغیرہا میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کے مشتاق ہوئے۔ جب بہشت میں تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی بھیجی کہ وہ تیری اولاد سے ہیں اور وہ آخر الزمان نبی علیہ السلام ہیں۔ اس پر آدم علیہ السلام نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیدار کے بارے میں عرض کی تو اللہ تعالیٰ نے نورِ محمدی کو ان کی دائیں جانب کی شہادت کی انگلی میں رکھا وہ نور تسبیح پڑھنے لگا۔ اسی روز سے اس انگلی کا نام مسبحہ پڑ گیا۔ کذا فی الروض الفائق۔ (برناباس کی انجیل (جو اصل انجیل ہے) میں یہ واقعہ بڑی تفصیل سے لکھا ہے)

یا یوں ہوا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آراء کو آدم علیہ السلام کے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں میں رکھا تو وہ شیشے کی طرح رکھا تو وہ شیشے کی طرح چمکتا ہوا محسوس ہوا اس پر آدم علیہ السلام نے

اپنے انگوٹھے چوم کر اپنی آنکھوں پر ملے اس روز سے آپ کی اولاد کے لیے انگوٹھے چومنا سنت ہوا۔ یہی واقعہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا تو آپ نے فرمایا:

من سمع اسمی فی الاذان فقبل ظفری ابہامیہ ومسح علی عینیہ لم یعم ابدا۔ (روح البیان ج ۷، ص ۲۲۹)

(جس نے اذان میں میرا نام سُن کر انگوٹھے چوم کر دونوں آنکھوں پر رکھا تو وہ اندھا نہ ہوگا)

تنقید بر حدیث حضرت امام سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے المقاصد الحسنہ میں لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح اور مرفوع نہیں۔ اور مرفوع وہ حدیث ہے جو صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرے (لیکن ملا علی قاری نے فرمایا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ والی روایت صحیح اور مرفوع ہے اس کی سند معتبر ہے۔ 'موضوعات کبیر') [۱]

ایک غیر مقبول قول شرح الیمانی میں ہے کہ انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھنا مکروہ ہے اس لیے کہ اس موضوع کی کوئی حدیث صحیح نہیں۔ (یہ قول اس لیے غیر مقبول ہے کہ 'شرح الیمانی' ایک غیر معروف حوالہ ہے اگر اس کا کوئی اعتبار بھی ہو تو ایک قول کی کیا وقعت، جبکہ سیکڑوں علماء جواز کے قائل ہیں۔ چنانچہ صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ اس قول کو نقل کر کے اس کے رد میں لکھتے ہیں کہ:) [۲]

قد صح عن العلماء تجویز الاخذ بالحدیث الضعیف فی العملیات فیکون الحدیث المذکور غیر مرفوع لا یستلزم ترک العمل بمضمونہ۔

(علماء سے ثابت ہے عملیات میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا۔ یہ حدیث غیر مرفوع ہے اس سے کب لازم آتا ہے کہ اس سے عمل کا ترک کیا جائے)

(اسی لیے تو ہم اسے استحباب کا درجہ دیتے ہیں ورنہ یہ سنتِ مؤکدہ کے حکم میں ہوتا اگر یہ صحیح مرفوع حدیث سے ثابت ہوتا) [۳]

ف: قہستانی اس فیصلہ میں حق پر ہیں اس لیے انہوں نے اسے مستحب لکھا ہے۔

قوت القلوب کے مصنف کا تعارف (انگوٹھے چومنے کی سند پر اعتراض کرنے والے یہ نہیں سمجھتے کہ اس موضوع کی روایات کے ناقل کیسے معتبر ہیں اور یہ بھی احادیث کے قواعد میں ہے کہ ناقل جید اور ثقہ ہو تو وہ روایات اگرچہ ضعیفہ سہی لیکن فی نفسہٖ مسئلہ حق ہوتا ہے۔ اب ہم علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ کی زبانی صاحبِ قوت القلوب کا تعارف کراتے ہیں۔ فرمایا:)

---

[۱] اضافہ از اویسی غفرلہٗ [۲] اضافہ [۳] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

وكفانا كلام الامام المكى فى كتابه فانه قد شهد الشيخ السهروردى فى عوارف المعارف بوفور علمه وكثرة حفظه وقوة حاله وقبل جميع ما اورده فى كتابه قوت القلوب ولله دار باب الحال فى بيان الحق وترك الجدال ۔ (روح البيان ج ۷ ص ۲۲۹)

(ہمیں قوت القلوب میں امام مکی کا قول کافی ہے جبکہ عوارف المعارف میں شیخ سہروردی نے اس کے وفور علمی کی شہادت دی اور کثرت حفظ وقوت حال کی گواہی دی اور جو کچھ انہوں نے قوت القلوب میں فرمایا سب نے اسے قبول فرمایا ارباب حال کا خدا بھلا کرے وہ فرماتے ہیں حق لو اور جھگڑنا چھوڑو)

دُعا بعد اذان اذان سننے کے بعد کہے :

اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوٰۃ القائمۃ اٰت محمدن الوسیلۃ والفضیلۃ والدرجۃ الرفیعۃ وابعثہ مقاما محمودن الذی وعدتہ ۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا :

جو اس دعا کو پڑھے گا اسے میری شفاعت نصیب ہوگی۔

مسئلہ : وضو کی ابتدا میں درود شریف پڑھ کر پھر بسم اللہ پڑھے اور وضو کی فراغت کے بعد بھی درود شریف پڑھے اس واسطے کہ درود شریف کی برکت سے رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

حدیث شریف حدیث مرفوع میں ہے :

لا وضو لمن یصل علی النبی علیہ السلام ۔

(اس شخص کا وضو نہیں جو نبی کریم علیہ السلام پر درود نہیں پڑھتا)

مسئلہ : مسجد میں داخل ہوتے وقت پہلے درود شریف پڑھے پھر کہے :

اللھم افتح لی ابواب رحمتک ۔

مسجد سے نکلتے وقت درود شریف پڑھے، اس کے بعد کہے :

اللھم افتح لی ابواب فضلک واعصمنی من الشیطان ۔

مسئلہ : مساجد سے گزرتے وقت بھی درود شریف پڑھے ۔

مسئلہ : جب کسی مسجد پر نگاہ پڑے تو درود شریف پڑھے ۔

مسئلہ : تشہد اخیر میں درود شریف پڑھے اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

مسئلہ : ہر دُعا سے پہلے اور دُعا کے بعد درود شریف پڑھے اس لیے کہ درود شریف لامحالہ قبول ہوگا پھر یہ ناممکن ہے کہ اس کے درمیان والی دعا قبول نہ ہو۔

حکایت المصابیح میں ہے حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک شخص مسجد نبوی میں داخل ہُوا اور نماز پڑھ کر کہا ،

اللھم اغفر لی وارحمنی۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ،

اے فلاں ! تُو نے عجلت کی ۔ جب تُو نے نماز پڑھی اور بیٹھ گیا تو تجھے چاہیئے تھا کہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا جیسا کہ اس کی شان ہے اس کے بعد مجھ پر درود شریف پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگتا۔

اس کے بعد ایک اور شخص آیا اس نے نماز پڑھ کر حمدِ الٰہی کے بعد سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا۔ آپ نے اسے فرمایا : اب اللہ تعالیٰ سے سوال کر، تیرا سوال پُورا ہو گا۔

حدیث شریف میں ہے :

ما من دعا الا بینہ وبین اللہ حجاب حتی یصلی علی محمد و علی آل محمد فاذا فعل ذلک انخرق الحجاب ودخل الدعاء واذا لم یفعل ذلک رجع الدعاء۔ کذا فی الروضہ

(جب تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور محمد کی آل پر درود شریف نہ پڑھا جائے اس وقت تک بندے کی دُعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجاب رہتا ہے۔ جب محمد اور آپ کی آل پر درود شریف پڑھا جائے تو وُہ حجاب پھٹ جاتا ہے اور قبولیتِ حق میں دُعا داخل ہو جاتی ہے ورنہ دُعا واپس آجاتی ہے)

ف : اس کی وجہ ہم نے پہلے عرض کر دی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان وسیلۂ عظمیٰ ہیں اسی لیے طلب سے پہلے وسیلہ کی تقدیم ضروری ہے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وابتغوا الیہ الوسیلۃ۔ ٥

بے بدرقۂ درود او ہیچ دعا
البتہ بمنزل اجابت نرسد

ترجمہ : درود کے وسیلہ کے بغیر اجابت کی منزل کو پہنچنا مشکل ہے۔

وسیلۂ آدم سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام نے سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہِ حق میں وسیلہ بنایا تب ان کی دُعا و توبہ قبول ہُوئی ۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے :

جب آدم علیہ السلام نے اپنی لغزش کا اعتراف کیا تو عرض کی : اے اللہ ! میں تجھ

سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اپنی مغفرت کا سوال کرتا ہوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تو نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہچان لیا حالانکہ ابھی تک میں نے انہیں پیدا ہی نہیں کیا۔ عرض کی کہ جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا اور میرے اندر اپنی رُوح پھونکی، میں نے اپنا سر اٹھایا تو میں نے عرش کے ستونوں پر دیکھا لکھا تھا: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ۔ میں نے سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے جس ذات کو اپنے ساتھ ملایا ہے وہ اس کی محبوب ترین مخلوق ہو گی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم سچ کہتے ہو واقعی وُہ تمام مخلوق سے مجھے محبوب ترین ہیں اسی لیے ان کے طفیل میں نے تجھے بخش دیا اور تمہیں یاد رہنا چاہیے کہ اگر محمد نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا ہی نہ کرتا۔ رواہ البیہقی فی دلائلہ۔

ے

از نسل آدمی تو ولے بہ ز آدمی

شک نیست اندر این کہ بود دُر بہ از صدف

سلطان انبیاء کہ بدرگاہِ کبریا

چون او نیافت ہیچ کسے عزّت و شرف

ترجمہ: آپ نسلِ آدمی سے ہیں لیکن نسلِ آدم سے بہتر ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ دُر صدف سے بہتر ہوتا ہے۔ درگاہِ کبریا میں آپ سلطان الانبیاء ہیں، آپ جیسی عزّت و شرافت کسی نے نہیں پائی۔

مسئلہ: نمازِ جنازہ کی دوسری تکبیر میں درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے اور امام شافعی اور احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک واجب ہے۔

مسئلہ: خطبہ عیدین و جمعہ میں درود شریف پڑھنے کا مذکورہ بالا اختلاف ہے ایسے ہی استسقاء کے خطبہ میں امام شافعی کے نزدیک واجب ہے لیکن امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک سرے سے خطبہ ہے ہی نہیں بلکہ ان کے نزدیک نہ اذان ہے نہ اقامت ہے بلکہ ان کے نزدیک نماز باجماعت بھی نہیں۔ اس میں فقط دُعا و استغفار ہے۔

ف: ہر صبح و شام کو دس دس بار درود شریف پڑھنا چاہیے۔ نمازِ صبح اور مغرب کے بعد ایک ایک سو بار درود شریف پڑھا جائے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کی سو حاجات پوری کرے گا جن میں سے تیس دنیا کی اور ستر آخرت کی ہوں گی۔

ف: قرآن مجید کے ختم کے بعد درود شریف پڑھنا چاہیے اس لیے کہ یہی موقعہ دعا کی

قبولیت کا ہے۔

ف : ذکرِ الٰہی اکیلا کرے یا حلقہ باندھ کر، پہلے درود شریف پڑھنا چاہیے اس لیے کہ مجالسِ ذکر میں ملائکہ حاضر ہو کر اہلِ مجلس کے ساتھ ذکر و دُعا، اور درود شریف میں موافقت کرتے ہیں۔

ف : ہر نیک کام شروع کرنے سے پہلے درود شریف پڑھا جائے۔

ماہِ شعبان کی فضیلت

شعبان کے دنوں اور راتوں میں بکثرت درود شریف پڑھا جائے اس لیے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کو اپنی طرف منسوب فرمایا ہے تاکہ اس مہینہ میں آپ کی اُمت زیادہ سے زیادہ درود شریف پڑھے۔

آثار میں ہے کہ آسمان میں ایک دریا ہے اسے دریائے برکات کہتے ہیں، اس کے کنارے پر ایک درخت ہے اسے درختِ تحیات سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس درخت پر ایک پرندہ ہے جسے مرغِ صلوات کہا جاتا ہے۔ اس مرغ کے بہت پر ہیں جب کوئی مسلمان ماہِ شعبان کی آخری تاریخوں تک درود شریف پڑھتا ہے تو وہ پرندہ دریا میں غوطہ لگاتا ہے۔ غوطہ لگا کر درخت پر بیٹھ کر اپنے پروں کو جھاڑتا ہے اس کے ہر پر سے اللہ تعالیٰ فرشتہ پیدا فرماتا ہے۔ وُہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ ان فرشتوں کی تمام عبادات کا ثواب شعبان میں درود شریف پڑھنے والے کے عملنامہ میں لکھ دیا جاتا ہے۔

ایک اور حدیث شریف میں وارد ہے:

"شعبان میں ایک بار درود شریف پڑھنا دُوسرے مہینوں کے دس بار پڑھنے کے برابر ہے۔"

شعبان شہر رسول اللہ فاغتنموا

صیام ایامہ الغر المیامین

صلوا علی المصطفیٰ فی شہرہ وارجوا

منہ الشفاعۃ یوم الحشر والدین

ترجمہ : شعبان رسول اللہ کا مہینہ ہے اسے غنیمت سمجھو اس میں روزے رکھنا بالخصوص پہلے چاندنی راتوں میں، اسی ماہ میں آپ پر درود بکثرت پڑھو۔ مجھے امید ہے کہ آپ یوم محشر میں ضرور شفاعت فرمائیں گے۔

ف : جمعہ کے دن اور رات کو درود شریف پڑھا جائے کیونکہ جمعہ سید الایام ہے اور یہ دن صرف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اسی لیے اس دن بہ نسبت دوسرے دنوں کے درود شریف پڑھنے سے زیادہ ثواب و قرب و درجات حاصل ہوتے ہیں۔

یوم جمعہ کی فضیلت

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے دنوں میں سے افضل یوم جمعہ ہے۔ اسی دن میں آدم علیہ السلام پیدا ہوئے،

اسی دن نفخ صور ہوگا، اسی دن حساب وکتاب کے لیے قیامت میں اٹھنا ہوگا، اسی دن میرے اوپر بہت زیادہ درود پڑھو اس لیے کہ تمہارا درود شریف میرے ہاں پیش ہوتا ہے۔ عرض کی گئی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے درود آپ کے ہاں کیسے پیش ہوں گے جبکہ آپ تو مٹی میں مل جائیں گے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجسادِ مبارک کا کھانا حرام کردیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

من صلّی علیّ یوم الجمعة ثمانین مرة غفرت له ذنوب ثمانین سنة ومن صلی علیّ کل یوم خمسمائة مرة لم یفتقر ابدا۔

(جو مجھ پر جمعہ کے دن اسّی دفعہ درود پڑھتا ہے اس کے اسّی سال کے گناہ بخش دئے جاتے ہیں اور جو مجھ پر روزانہ پانچسو بار درود شریف پڑھتا ہے وہ کبھی تنگ دست نہ ہوگا)

حدیث شریف ازہار الاحادیث میں ہے:

اللہ تعالیٰ بعض ملائکہ مقربین کو خمیس کے دن دائرۂ چرخ سے زمین کی طرف بھیجتا ہے ان کے ہاں چاندی کے صحیفے اور سونے کے قلم ہوتے ہیں تاکہ ان لوگوں کے درود لکھیں جو وہ شب جمعہ اور یوم جمعہ کو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیجتے ہیں۔

؎

بروز جمعہ درود محمد عربی

ز روئے قدر ز ایّام دیگر افزونست

ترجمہ: جمعہ کے دن محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا بہ نسبت دوسرے دن کے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

زیارتِ نبوی کا وظیفہ بعض مشائخ سے منقول ہے کہ جو جمعہ کی رات کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر تین ہزار بار درود شریف پڑھتا ہے وہ خواب میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوگا۔ ذکرہ علی الصفی فی الرشحات

مسئلہ: سواری پر سوار ہوتے وقت بھی درود شریف پڑھے یعنی سواری پر سوار ہوتے ہوئے پہلے کہے:

بسم اللہ واللہ اکبر و صل محمد خیر البشر۔

اس کے بعد پڑھے:

سبحان الذی سخرلنا ھذا ما کنا له مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون۔

مسئلہ : مکہ معظمہ کا راستہ طے کرتے ہوئے درود شریف پڑھے یعنی راستہ طے کرتے ہوئے جب بلندی پر چڑھے تو اللہ اکبر کہے اور جب نیچے کو چلے تو درود شریف پڑھے۔

مسئلہ : استلام الحجر کے وقت کہے :

اللھم ایمانًا بك و تصدیقا بکتابك و سنة نبیك۔

اس کے بعد درود شریف پڑھے۔

مسئلہ : صفا و مروہ کی پہاڑیوں پر بھی درود شریف پڑھے۔ تلبیہ سے فراغت کے بعد اور مشعر الحرام کے وقوف کے وقت درود شریف پڑھے۔

مسئلہ : مدینہ طیبہ کا راستہ طے کرتے وقت ایسے ہی جب گنبدِ خضرا نظر آئے اور پھر گنبدِ خضرا کے اردگرد گھومتے وقت اور جب قبرِ انور کی طرف متوجہ ہو تو درود شریف پڑھے۔

فائدہ قضائے حاجات جو شخص سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور کے قریب کھڑے ہو کر ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی سالم آیت پڑھنے کے بعد ستر بار کہے :

صلی اللہ علیك یا محمد۔

اسے فرشتہ جواب میں کہتا ہے :

اللہ تعالیٰ تجھ پر رحمت فرمائے اب مانگ جو تیرا جی چاہے، اس وقت تیری کوئی دعا رد نہ ہوگی۔

مسئلہ : منبرِ نبوی اور قبرِ مصطفوی کے درمیان بھی درود شریف پڑھے۔ پھر تکبیر کہہ کر دعا مانگے۔ ایسے ہی جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سنے تو بھی درود شریف پڑھے۔ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی کہے یا لکھے تو چاہیے کہ زبان سے درود شریف پڑھے اور قلم سے لکھے۔

مسئلہ : درسِ حدیث اور تبلیغ سنن کے ابتداء میں درود شریف پڑھے مثلاً کہے :

الحمد للہ رب العالمین اکمل الحمد کل حال والصلاۃ والسلام الاتمان و الاکملان علی سید المرسلین کلما ذکرہ الذاکرون وکلما غفل عن ذکرہ الغافلون اللھم صل علیہ وعلیٰ اٰلہ و سائر النبیین و اٰل کل وسائر الصالحین نهایة ما ینبغی ان یسلکہ السالکون۔

مسئلہ : وعظ و تذکیر کی ابتداء میں بھی درود شریف پڑھے۔ یعنی حمد و ثنا کے بعد درود ضروری ہے اس لیے کہ یہ وقت وہ ہے کہ وہ علم جو حضور علیہ السلام سے ملا اسے ہم آپ کی امت تک پہنچا رہے ہیں۔

مسئلہ : جب غم و الم کا حملہ ہو ایسے ہی طلب مغفرت کے وقت اور کفارۂ ذنوب کی ادائیگی میں اس لئے

کہ درود شریف گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

مسئلہ: نیند سے پہلے اور نیند سے اُٹھ کر درود شریف پڑھنا چاہیے۔

مسئلہ: بازار میں داخل ہوتے وقت درود شریف پڑھا جائے تاکہ آخرت کی تجارت میں نفع ہو۔

مسئلہ: اہلِ اسلام کے ساتھ مصافحہ کرتے وقت درود شریف پڑھے۔

مسئلہ: طعام کے شروع کرتے وقت درود شریف پڑھے۔ مثلاً کہے:

اللھم صل علیٰ محمد و علیٰ آل محمد وطیّب ارزاقنا وحسن اخلاقنا۔

مسئلہ: الشرعۃ والسنۃ میں ہے:

فی اکل الفجل بضم الفاء و سکون الجیم بالفارسیۃ [ترب] ان یذکر النبی علیہ السلام فی اول قضمۃ : [در اول دندان بروزدن] لئلا یوجد ریحتہ:

یعنی [نادریافتہ نشود رائحہ آن]

ف: مولی کھاتے وقت پہلی بار کاٹ کھانے میں درود شریف پڑھے تاکہ اُس کی بُو کا احساس نہ ہو۔

ف: فارسی میں تُرب، اردو میں مُولی کہتے ہیں۔

بعض مشائخ نے فرمایا: اس سے مولی کے پتّے مراد ہیں۔ چنانچہ مشہور ہے کہ حمام بول کر پسینہ مراد لیا جاتا ہے۔ ایسے ہی الفجل سے پتّے مراد ہوتے ہیں۔

مسئلہ: طعام کی فراغت پر درود شریف پڑھا جائے۔ مثلاً کہے:

الحمد للہ الذی اطعمنا ھذا و رزقناہ من غیر حول منا وقوۃ الحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات و تنزل البرکات اللھم صل علیٰ محمد و علیٰ آل محمد و سلم۔

مسئلہ: مجلس سے اُٹھتے وقت درود پڑھا جائے۔ مثلاً کہا جائے:

صلی اللہ و ملئکتہ علیٰ محمد و انبیائہ۔

اس لیے کہ یہ لہو ولغو جو اس مجلس میں واقع ہوں گی اس کا کفارہ بن جائے گا۔

مسئلہ: بعض کے نزدیک چھینک آئے تو درود پڑھے۔ لیکن اکثر علمائے کرام نے اس وقت درود شریف پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے، جیسا کہ الشرعۃ اور اس کی شرح میں ہے اس میں لکھا ہے کہ چھینک کے وقت حضور علیہ السلام کا اسم گرامی نہ لیا جائے بلکہ الحمد للہ کہا جائے۔

مسئلہ: ذبح کے وقت درود شریف نہ پڑھا جائے یہاں تک کہ اگر کہے گا بسم اللہ و اسم محمد تو مذبوحہ حلال نہ ہوگا۔ (وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ غیر اللہ کا نام لینا ذبح میں ناجائز ہے تاکہ بت پرستوں سے مشابہت نہ ہو) اس لیے ایسا ذبیحہ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے۔

مسئلہ: اگر ذبح کے وقت بسم و صلی اللہ علی محمد کہے تو مکروہ ہے۔
مسئلہ: تعجب کے وقت بھی درود شریف نہ پڑھے بلکہ تعجب کے وقت کہے: سبحان اللہ۔
مسئلہ: جب کان میں آوازیں سُنائی دیں تو درود پڑھ کر کہے:
ذکر اللہ بخیر من ذکرنی۔
مسئلہ: خطبۂ نکاح میں کہے:

الحمد للہ الذی احل النکاح وحرم السفاح والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد الداعی الی اللہ القادر الفتاح وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ ذوی الفلاح والنجاح۔

گلاب کا پھول

جب گلاب کا پھول سونگھے تو درود شریف پڑھے۔

(۱) مسند الفردوس میں ہے کہ شبِ معراج میں سفید گلاب کو میرے پسینے سے اور سُرخ گلاب کو جبریل علیہ السلام کے پسینے سے اور زرد گلاب براق کے پسینے سے پیدا کیا گیا۔

(۲) حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مجھے شبِ معراج آسمانوں پہ بلایا گیا تو میرے بعد زمین روئی تو یہ زرد گلاب پیدا ہُوا، جب میں معراج سے واپس ہوا تو مجھ سے پسینہ ٹپکا تو اس سے سرخ گلاب پیدا ہو گیا۔ جو شخص میری خوشبو سونگھنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ سرخ گلاب کو سُونگھے۔

ف: حضرت ابو الفرج اصفہانی نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت بڑے کمالات سے یہ ادنیٰ کمال ہے اس سے بڑھ کر فضائل و مناقب آپ کو منجانب اللہ عطا ہوئے ہیں۔ یہ بھی آپ کے فضائل اور بلند مراتب کا ایک نشان ہے۔ کذا فی مقاصد الحسنہ۔

ے

ز گیسوئے او نافہ بو یافتہ
گل از روئے او آبرو یافتہ

ترجمہ: آپ کے گیسو مبارک سے نافہ نے خوشبو پائی۔ گلاب نے آپ کے چہرۂ اقدس سے آبرو پائی۔

حدیث شریف میں ہے: "جو شخص خوشبو سونگھ کر مجھ پر درود شریف نہیں پڑھتا وہ مجھ پر ظلم کرتا ہے۔"

مسئلہ: یُونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال دل میں آئے، درود شریف پڑھے۔

ف : جب کوئی بات دل سے بھول جائے تو درود شریف کی برکت سے بھولی ہوئی بات یاد آ جائے گی۔

مسئلہ : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی بے وضو نہ لینا چاہیے ادب اسی میں ہے جیسا کہ ہم نے سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی حکایت آیت ما کان محمد ابا احد من رجالکم کے تحت لکھی ہے۔

مسئلہ : حدیث شریف کو بیان کرتے وقت آواز بلند کرنی چاہیے۔

ردّ وہابی دیوبندی (ہم اہل السنت والجماعت درود شریف بہت زور سے پڑھتے ہیں تو وہابی دیوبندی اس سے روکتے ہیں۔ ان کا روکنا دلالت کرتا ہے کہ یہ غریب منافقین سے کوئی تعلق رکھتے ہیں اس لیے کہ زور سے درود شریف پڑھنے سے منافقت دُور ہوتی ہے)[1]

حدیث شریف چنانچہ حدیث شریف میں ہے :

"درود شریف پڑھتے وقت آواز بلند کرو اس لیے کہ بلند آواز سے درود شریف پڑھنا صیقل ہے کہ اس سے منافقت کا زنگ اور مخالفت کی غبار اڑتی ہے اور قلوب کو جِلاء نصیب ہوتی ہے"۔[2]

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

[2] روح البیان کی اصل عبارت ملاحظہ ہو :

"در آثار آمدہ کہ بردارید آواز خود را در اداۓ صلوات کہ رفع الصوت بوقت اداۓ درود صیقل ست کہ غبار شقاق و زنگار نفاق را از مرایاء قلوب می زداید۔"

اس سے خود سمجھ لیں کہ اذان سے پہلے یا بعد کو بلند آواز سے درود شریف پڑھنے والے حق بجانب ہیں ورنہ آہستہ درود شریف پڑھنا اذان کے بعد ہر مؤذن اور سامع کو حکم ہے اور صحابہ کرام اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم پڑھا کرتے تھے۔ اب ہم پر اعتراض کرنے والے سوچیں کہ کہیں وہ ہمیں ایک اچھے کام سے روک کر منافقین کے کھاتے میں تو نہیں شامل ہو رہے۔ ورنہ صدیوں پہلے یہ مسئلہ طے ہو گیا۔

چنانچہ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ جو کہ مُلّا علی قاری شارح مشکوٰۃ کے استاد ہیں سے اذان کے متعلق چند سوالات کئے گئے، موصوف نے اپنے فتاوٰی کبریٰ میں بارہ[12] جوابات لکھے۔ ان سوالات میں سے تین سوالات یہ بھی تھے :

۱۔ نبی علیہ السلام پر اذان سے قبل درود شریف پڑھنا مسنون ہے یا نہیں ؟ (باقی برصفحہ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

۲۔ اذان ختم ہونے کے بعد صلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے محمد رسول اللہ کہنا مسنون ہے یا نہیں؟

۳۔ اذان کے فوراً بعد محمد رسول اللہ کہنے اور قبل الاذان صلوٰۃ علی النبی سے روکا جائے گا یا نہیں؟

علامہ موصوف نے تمہید جواب کے طور پر فرمایا:

اما الصلوٰۃ والسلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد الاذان والاقامت فانهما مندوبات۔

یعنی اذان اور اقامت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا مستحب ہے۔

اس کے بعد فرمایا:

ولم نری فی شیٔ منها التعرض للصلوٰۃ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم قبل الاذان ولا الی محمد رسول اللہ بعدہ ولم نری ایضاً فی کلا ائمتنا تعرضا لذالك فحینئذ کل واحد من هذین لیس بسنة فی محله المذکور فیہ اتی بواحد منها فی ذالك معتقدا سنیته فی ذالك المحل المخصوص نهی عنه و منع منه لانه تشریع بغیر دلیل و من شرع بلا دلیل یزدجر عن ذالك و ینهی عنه۔

یعنی اذان کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود، صلوٰۃ وسلام کا امر حدیث میں صراحۃً وارد ہے اور قبل الاذان ہم نے یہ حکم کسی حدیث میں نہیں دیکھا اور اذان کے بعد محمد رسول اللہ کہنے کا حکم بھی ہم نے کسی حدیث میں نہیں پایا۔ لہٰذا ان میں سے کوئی بھی اپنے محل مذکور میں سنّت نہیں۔ جو شخص ان دونوں میں سے کسی ایک کام کو بھی اس کے محل مخصوص میں اس کے سنّت ہونے کا معتقد ہو کر کرے گا اُسے روکا جائے گا۔

ف: اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ صلوٰۃ وسلام قبل الاذان اور لفظ محمد رسول اللہ بعد الاذان مطلقاً منہی عنہ نہیں۔ نہی اس وقت کی جائے گی جب ان کے محل مخصوص میں ان کی سنّیت کا اعتقاد کر کے یہ کام کرے۔ یعنی اس کا یہ اعتقاد ہو کہ صلوٰۃ وسلام قبل الاذان سنّت ہے اور اگر اس محل کی خصوصیت کے ساتھ اس کی سنّیت کا معتقد نہ ہو بلکہ آیت کریمہ صلوا علیہ وسلموا تسلیما کے مطابق وہ مطلقاً صلوٰۃ وسلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلوب عند الشرع اعتقاد کر کے اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے تو وہ یقیناً صلوٰۃ وسلام کے اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔ اور اس کا یہ صلوٰۃ وسلام ممنوع نہ ہوگا اور اسے اس صلوٰۃ و سلام سے روکا نہ جائے گا۔ کیونکہ نہی اور زجر کی علّتِ تشریع بلا دلیل اسی وقت پائی جائے گی جب کہ وہ اس کے محل مذکور کی خصوصیت کے ساتھ مقیّد کر کے اس کے سنّت ہونے کا اعتقاد رکھے۔ مزید تفصیل فقیر کی کتاب "رجم الشیطان عند الصلوٰۃ والسلام عند الاذان" میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ

نامِ تو صیقلست کہ دلہائے تیرہ را
روشن کند چو آئینہائے سکندری

ترجمہ: آپ کا اسم گرامی وہ صیقل ہے کہ اس سے دل کی ظلمت دور ہوتی ہے پھر وہ آئینہ سکندری کی طرح صاف و شفاف ہو جاتا ہے۔

ف: حضورِ قلبی اور غفلت سے ہٹ کر درود شریف پڑھنا چاہیے اور نیت صرف یہ ہو کہ درود شریف اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی تعمیل اور اس کی رضا طلبی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی امید پر درود شریف پڑھ رہا ہوں۔ اور ظاہر و باطن میں یکسانیت ہو اس لیے کہ ذکر لسانی فکر جنبانی کا ترجمان ہے۔ اسی لیے ان دونوں کا آپس میں مطابق ہونا ضروری ہے ورنہ حضورِ قلبی کے بغیر زبانی ذکر سے کوئی فائدہ نہیں۔

حضور حاضر و ناظر (ہم اہلسنت اپنے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر سمجھتے ہیں اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ ہماری ہر بات کو جانتے اور ہمارے قریب ہیں یہی عقیدہ اسلاف صالحین کا تھا۔ چنانچہ صاحب روح البیان قدس سرہٗ درود شریف پڑھنے کے آداب میں لکھتے ہیں:)[1]

وان یصلی ورسول اللہ علیہ وسلم مشہود لدیہ کما یقتضیہ الخطاب فی قولہ السلام علیک فان لم یکن یراہ حاضرا و سامعا لصلاتہ فاقل الامر ان نعلم انہ علیہ السلام یری صلاتہ معروضۃ علیہ والا فھی مجرد حرکۃ لسان ورفع صوت۔[2]

(درود پڑھتے وقت یہ عقیدہ رکھے کہ حضور علیہ السلام حاضر ہیں جیسا کہ السلام علیک کے خطاب کا تقاضا ہے اگر یہ تصور نہیں جا سکتا کہ آپ حاضر ہیں اور میرے درود کو سن رہے ہیں تو کم از کم یہ تصور کرے کہ حضور میرے پیش ہونے والے درود کو ملاحظہ فرما رہے ہیں ورنہ صرف زبان ہلانا اور آواز نکالنا ہوگا۔)

صیغہائے درود شریف کی تعداد درود شریف کے صیغے مختلف ہیں۔ بعض نے چار ہزار بتائے ہیں، بعض نے بارہ ہزار۔ جیسا کہ الشیخ سعد الدین حموی قدس سرہٗ سے منقول ہے اور وہ ہر ایک جملہ اہلِ شرق و غرب کے ہاں مختار ہیں۔ اور یہ وہ درود مبارک ہیں جن کے ذریعے پڑھنے والوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رابطہ نصیب ہوا اور انہی کے ذریعہ

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ
[2] روح البیان ج ۷، ص ۲۳۳

انھیں فوائد و خواص حاصل ہوئے۔ چند ایک کا بیان اسی آیت کے اول میں ہم نے بیان کیا ہے۔

(۱) ان میں ایک یہ ہے:

اللّٰھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد وسلم۔

فضیلتِ درود مذکور ریاض الاحادیث میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بہشت میں ایک درخت بنام مجوبہ مشہور ہے اس کے میوے انار سے چھوٹے اور سیب سے بڑے ہیں اور وہ میوہ دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا اور مکھن سے زیادہ نرم ہے۔ اسے وہ کھائے گا جو درود مذکورہ پر مداومت کرتا ہے۔ وہ درود یہی ہے اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد وسلم۔"

(۲) اللھم صل علیٰ محمد النبی کما امرتنا ان نصلی علیہ وصل علیٰ محمد النبی کما ینبغی ان یصلی علیہ وصل علیٰ محمد بعدد من صلی علیہ وصل علیٰ محمد النبی بعدد من لم یصل علیہ وصل علیٰ محمد النبی کما تحب ان یصلی علیہ۔

ف: جو شخص اس درود شریف پر مداومت کرتا ہے اس کے اعمال مقبول ہوکر آسمان پر جائیں گے اور اسے وہ قبولیت نصیب ہوگی جو امتِ مصطفویہ میں اور کسی کو نصیب نہیں ہوگی اور وہ ہر خوفناک امر سے محفوظ ہوگا بالخصوص جہاں چوروں اور ڈاکوؤں کا خطرہ ہو۔

ہست از آفات دوران و مخافات زمان
نام او حصن حصین و ذکر او دار الامان

ترجمہ: زمانہ کے آفات و مکافات سے درود حصن حصین اور دار الامان ہے۔

(۳) اللھم صل علیٰ محمد عبدك ورسولك وعلی المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات۔

ف: جو شخص اس درود پر مداومت کرے گا وہ دنیوی اسباب سے مالامال ہوگا۔

(۴) اللھم صل علیٰ محمد وآلہ عدد ما خلقت اللھم صل علیٰ محمد وآلہ ملئ ما خلقت اللھم صل علیٰ محمد وآلہ عدد کل شئ اللھم صل علیٰ محمد وآلہ عدد ما احصاء کتابك اللھم صل علیٰ محمد وآلہ ملئ ما احصاہ کتابك اللھم صل علیٰ محمد وآلہ عدد ما احاط بہ علمك اللھم صل علیٰ محمد وآلہ ملئ ما احاط بہ علمك۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ یہ آٹھ درود شریف ہیں جو آٹھ نجبا کی طرف منسوب ہیں اور یہ آٹھ ہر زمانے

ہیں ہوتے ہیں نہ بڑھتے ہیں نہ کم ہوتے ہیں۔

حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ نے فتوحات مکیہ میں فرمایا کہ یہ اہل علم ہیں اور آٹھ صفات سے موصوف ہیں۔ ان کا مقام کرسی ہے۔ یعنی ان کا کشف کرسی سے متجاوز نہیں ہوتا اور کواکب کے علوم میں قدم راسخ رکھتے ہیں لیکن انھیں یہ علم اصطلاح نجوم کی حیثیت سے نہیں بلکہ ان کا کشفی علم ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے حرم مسجد اقصیٰ میں انہیں قبۃ الملائکہ میں دیکھا اور ہر ایک نے انہی کلمات کو سیکھا ہے اور فرمایا کہ ہمیں انہی کلمات مبارکہ سے تصرفِ کلی حاصل ہے اور ہمیں احوال و مواجید کا غلبہ ہے تو انہی کلمات کی برکت سے۔ علاوہ ازیں اس کے اور فوائد بھی ہیں۔ منقول ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ نے اپنی بقیہ عمر ان کلمات پر مواظبت رکھی۔

(۵) اللھم صل علیٰ سیدنا محمد مفرّق فوق الکفر والطغیان و مشتت بغاۃ جیوش القرین والشیطان و علیٰ آل محمد وسلم۔

ف : حضرت شیخ المشایخ سعدالدین الحموی قدس سرہٗ سے مروی ہے کہ اگر کسی کو شیطان کے وسوسہ اور دغدغہ نفس اور خواہشات نفسانی کا غلبہ ہو تو وہ اس درود شریف پر مداومت کرے تو اسے شر شیطان اور اس کے وسوسوں سے حفاظت و امان نصیب ہوگی۔

(۶) اللھم صل علی سیّدنا محمد و آلہ و صحبہ وسلم بعدد ما فی جمیع القرآن حرفا حرفا و بعدد کل حرف الفا الفا۔

ف : حفاظ القرآن اپنی منزل قرآن کی تلاوت کے بعد اگر اس درود شریف کو پڑھ لیا کریں تو دنیوی و اُخروی برکتوں سے مالامال ہوں گے اور ظاہری و باطنی فوائد سے مستفید ہوں گے۔

(۷) اللھم صل علیٰ سیّدنا محمد ما اختلف الملوان و تعاقب العصران و کرّ الجدیدان و استقل الفرقدان و بلغ روحہ و ارواح اھل بیتہ منا التحیّۃ والسّلام و بارک وسلّم علیہ کثیرا۔

ف : حضرت سلطان محمود غزنوی قدس سرہٗ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں عرصۂ دراز سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا اشتیاق رکھتا تھا اور خواہش تھی کہ کبھی خواب میں زیارت ہو اور دل کے تمام درد سناؤں ؎

ہمہ شب دیدہ بعمدا نکشایم از خواب
بو کہ در خواب بدان دولت بیدار رسم

ترجمہ : تمام رات عمداً آنکھیں بند رکھیں اس امید پر کہ ممکن ہے دیدار ہو قضائے الٰہی سے مجھے سعادت ملی کہ گزشتہ شب دیدارِ حبیبِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) سے

مشرف ہُوا ہوں۔

اس رخسارِ جہاں آرا کو دیکھا جو چودھویں کی رات اور لیلۃ القدر کی روح کی مانند تھا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسرور پاکر عرض کی :

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! میں ہزار درہم کا مقروض ہُوں اس کی ادائیگی سے عاجز ہوں ڈرتا ہُوں اگر موت آجائے تو وہ قرض میری گردن میں ہوگا۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

محمود سبکتگین کے پاس جاؤ وہ تمہارا قرض اتارے گا۔

میں نے عرض کی : وہ کب اعتماد کرتے ہیں ان کے لیے کوئی نشانی دیجئے۔

آپ نے فرمایا : اسے جاکر کہو : اے محمود ! تم پہلی رات میں تیس ہزار بار درود پڑھتے ہو اور پھر بیدار ہوکر آخر رات کو تیس ہزار بار اور پڑھتے ہو۔ اس نشانی کے بتانے سے وہ تمہارا قرض اتار دے گا۔

محمود نے جب یہ پیغام سُنا تو رونے لگا اور تصدیق کرتے ہوئے اُس کا قرض اتار دیا اور ہزار درہم اور پیش کیا۔ ارکانِ دولت متعجب ہُوئے کہ اس شخص نے ایک محال امر سنایا ہے۔ لیکن آپ نے اس کی تصدیق کر دی حالانکہ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں آپ نے کبھی اتنی مقدار میں درود شریف نہیں پڑھا اور نہ ہی کوئی رات میں اتنی بار درود پڑھ سکتا ہے۔

سلطان محمود نے فرمایا : تم سچ کہتے ہو لیکن میں نے علماء سے سنا ہے کہ جو شخص مذکورہ بالا درود شریف ایک بار پڑھتا ہے تو وہ گویا دس ہزار بار درود شریف پڑھتا ہے ۔ میں اول شب میں اس درود شریف کو تین بار پڑھ لیتا ہُوں اور آخر شب میں بھی تین بار پڑھ لیتا ہوں۔ اس طرح سے میرا گمان تھا کہ گویا میں نے ہر رات ساٹھ ہزار بار درود شریف پڑھا۔ جب اس شخص نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا ہے مجھے اس درود شریف کی تصدیق ہوگئی۔ اور گریہ کرنا خوشی سے تھا کہ علماء کا فرمودہ صحیح ثابت ہوا۔

(۸) اللھم صل علیٰ محمد و آل محمد بعدد کل داء و دواء۔

ف : مولانا شمس الدین کیشی کے علاقے میں ایک دفعہ وباء کا حملہ ہُوا تو انہیں خواب میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہُوئی ، عرض کی : یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ کوئی ایسی دعا بتائیے جس کی برکت سے وباء دفع ہو۔ آپ نے مذکورہ بالا درود شریف بتاکر فرمایا : جو شخص اسے پڑھے گا طاعون اور وباء سے محفوظ رہے گا۔

اگر ز آفت دوران شکستہ حال شوی

امان طلب ز جناب مقدس نبوی

دگر سہام حوادث ترا نشانہ کند
پناہ بر حصار درود مصطفوی

ترجمہ: اگر دورِ زمانہ کی آفات سے تم شکستہ حال ہو گئے ہو تو جناب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے پناہ تلاش کرو اگر تمہیں حوادثِ زمانہ نے اپنے تیر کا نشانہ بنایا ہے تو درود مصطفوی کے حصار سے پناہ ڈھونڈو۔

(۹) اللھم صل علیٰ محمد بعدد ورق ھذہ الاشجار، وصل علیٰ محمد بعدد الورد والانوار، وصل علیٰ محمد بعدد قطر الامطار، وصل علیٰ محمد بعدد رمل القفار، وصل علیٰ محمد بعدد دواب البراری والبحار۔

ف: ذخیرۃ المذکرین میں ہے کہ ایک ولی اللہ موسم بہار میں جنگل میں تشریف لے گئے۔ درختوں، پھولوں وغیرہ کی رونق دیکھ کر مذکورہ بالا درود شریف پڑھا تو ہاتفِ غیب نے آواز دی کہ اے درود پڑھنے والے! تم نے کراماً کاتبین کو تکلیف میں ڈال دیا کہ ان کلمات کا اجر و ثواب لکھتے لکھتے وہ چکنا چور ہو گئے ہیں۔ اب تمہیں مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے گناہ بخش دئے ہیں۔

(۱۰) اللھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آل سیدنا محمد وسلم صلاۃ تنجینا بھا من جمیع الاھوال والآفات، وتقضی لنا بھا جمیع الحاجات، وتطھرنا بھا من جمیع السیّآت، وترفعنا بھا عندک اعلی الدرجات، وتبلغنا بھا اقصی الغایات، من جمیع الخیرات فی الحیاۃ وبعد الممات۔

ف: شفاء السقم میں ہے کہ حضرت فاکہانی اپنی کتاب فجر منیر میں شیخ ابوموسیٰ ضریر رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ ہم ایک جماعت کے ساتھ کشتی میں بیٹھے تھے اچانک بادِ مخالف جو نہایت تیز اور سخت آندھی کی شکل میں تھی، چلی۔ جس نے کشتی کو تہ و بالا کر دیا۔ ملاحوں نے اعلان کر دیا کہ اب بچنے کی صورت مشکل ہے کشتی والوں سے آہ و فغاں کا شور اُٹھا اور سب نے موت کے منہ میں جانے کی تیاری شروع کر دی۔ مجھے اسی اثناء میں نیند آ گئی خواب میں مجھے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف ملا اور مجھے فرمایا کہ اے ابوموسیٰ! کشتی والوں سے کہئے کہ درود مذکورہ بالا کو ہزار بار پڑھیں نجات مل جائے گی۔ میں نے بیدار ہو کر کشتی والوں سے کہا تو سب نے پڑھنا شروع کر دیا۔ ابھی تین سو بار ہی پڑھا تھا کہ ہوا ٹھہر گئی اور کشتی بسلامت کنارے لگی۔

ہ

علی المصطفیٰ صلوا فان صلاتہ
امان من الآفات والخطرات

تحیته اصل السامین فاطلبوا

بها جملة الخیرات والبرکاته

ترجمہ: حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو کیونکہ آپ کا درود آفات و خطرات کی امان ہے اور آپ کی صلوٰۃ جملہ برکتوں کی اصل ہے اسی کے وسیلہ سے جملہ خیرات و برکات طلب ہوں۔

(۱۱) الصّلوٰۃ والسلام علیك یا رسول اللّٰہ، الصلوٰۃ والسلام علیك یا حبیب اللّٰہ
الصلوٰۃ والسلام علیك یا خلیل اللّٰہ، الصلوٰۃ والسلام علیك یا صفی اللّٰہ
الصّلوٰۃ والسلام علیك یا نجی اللّٰہ، الصلوٰۃ والسلام علیك یا خیر خلق اللّٰہ
الصلوٰۃ والسلام علیك یا من اختارہ اللّٰہ، الصّلوٰۃ والسلام علیك یا من زینہ اللّٰہ
الصلوٰۃ والسلام علیك یا من ارسلہ اللّٰہ، الصّلوٰۃ والسلام علیك یا من شرفہ اللّٰہ
الصّلوٰۃ والسلام علیك یا من عظمہ اللّٰہ، الصّلوٰۃ والسلام علیك یا من کرمہ اللّٰہ
الصلوٰۃ والسلام علیك یا سید المرسلین، الصلوٰۃ والسلام علیك یا امام المتقین
الصلوٰۃ والسلام علیك یا خاتم النبیین، الصلوٰۃ والسلام علیك یا شفیع المذنبین
الصلوٰۃ والسلام علیك یا رسول رب العالمین، الصلوٰۃ والسلام علیك یا سیّد الاولین
الصلوٰۃ والسلام علیك یا سید الآخرین، الصلوٰۃ والسلام علیك یا قائد المرسلین
الصلوٰۃ والسلام علیك یا شفیع الامۃ، الصّلوٰۃ والسلام علیك یا عظیم الھمۃ
الصلوٰۃ والسلام علیك یا حامل لواء الحمد، الصلوٰۃ والسلام علیك یا صاحب المقام المحمود
الصلوٰۃ والسلام علیك یا ساقی الحوض المورود، الصلوٰۃ والسلام علیك یا اکثر الناس تبعا یوم القیامۃ
الصلوٰۃ والسلام علیك یا سید ولد آدم،
الصلوٰۃ والسلام علیك یا اکرم الاولین والآخرین،
الصلوٰۃ والسلام علیك یا بشیر،
الصلوٰۃ والسلام علیك یا نذیر،
الصلوٰۃ والسلام علیك یا داعی اللّٰہ باذنہ والسراج المنیر،
الصلوٰۃ والسلام علیك یا نبی التوبۃ،
الصلوٰۃ والسلام علیك یا نبی الرحمۃ،
الصلوٰۃ والسلام علیك یا مقفی،
الصلوٰۃ والسلام علیك یا عاقب،

الصلوٰۃ والسلام علیك یا حاشر ،

الصلوٰۃ والسلام علیك یا مختار ،

الصلوٰۃ والسلام علیك یا ماحی ،

الصلوٰۃ والسلام علیك یا احمد ،

الصلوٰۃ والسلام علیك یا محمد صلوٰت اللہ و ملٰئکتہ ورسلہ وحملۃ عرشہ وجمیع خلقہ علیك وآلك واصحابك ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔

ف : اسے صلواتِ فتح کہتے ہیں ، اس کے کل چالیس کلمات ہیں اور علمأ کے نزدیک بہت مشہور ہیں ۔ انھیں ہر مراد کے حصول کے لیے پڑھا جاتا ہے اور ان کلمات کی برکت سے ہر مراد حاصل بھی ہوجاتی ہے ۔ جو شخص صبح کی نماز کے بعد پڑھے گا اس کی مشکل حل ہوگی اور دشمن پر فتح پائے گا اور اگر قید میں ہو تو رہائی پائے گا ۔ اس کے خواص اور بہت ہیں ۔ حضرت عارف صمدانی امیر سید علی ہمدانی قدس سرہٗ نے صلوات کے بعض صیغوں کو اپنی کتاب "اورادِ فتحیہ" کے آخر میں لکھا ہے ۔

حضور اکرم علیہ السلام حاضر و ناظر حضرت ہمدانی قدس سرہٗ نے درود شریف پڑھنے کے لیے شرط لگائی ہے کہ حضور علیہ السلام کو حاضر جانے اور یوں سمجھے کہ میں انھیں بالمشافہ صلوٰۃ وسلام عرض کررہا ہوں ۔

(۱۲) السلام علیك یا امام الحرمین ، السلام علیك یا امام الخافقین ، السلام علیك یا رسول الثقلین ، السلام علیك یا سید من فی الکونین وشفیع من فی الدارین ، السلام علیك یا صاحب القبلتین ، السلام علیك یا نور المشرقین وضیاء المغربین ، السلام علیك یا جد السبطین الحسن والحسین علیك وعلیٰ عترتك واسرتك واولادك واحفادك وازواجك وافواجك وخلفائك ونقبائك ونجبائك واصحابك واحزابك واتباعك واشیاعك سلام اللہ والملائکۃ والناس اجمعین الیٰ یوم الدین والحمد للہ رب العالمین ۔

ف : اسے تسلیمات سبعہ کہتے ہیں ۔ جسے مشکل پڑی ہو اور کام نہ ہوتا ہو تو سات روز ہر نماز کے بعد درود شریف پڑھ کر ان تسلیمات سبعہ کو بار بار پڑھے (ان شاء اللہ) مشکل حل ہوگی اور مقصد پورا ہوگا ۔

۱ یا نبی اللہ السلام علیك

انما الفوز والفلاح لدیك

۲ بسلام آمدم جوابم دہ
مرہمی بر دل خرابم نہ

۳ پس بود جاہ و احترام مرا
یک علیک از تو صد سلام مرا

۴ زاریٔ من شنو تکلم کن
گریۂ من نگر تبسم کن

۵ لب بجنبان پے شفاعت من
منگر در گناہ و طاقت من

ترجمہ :(۱) اسے نبی اللہ ! آپ پر سلام ، بے شک فوز و فلاح آپ کے ہاں ہے۔
(۲) میں سلام عرض کروں آپ جواب دیں میرے خستہ دل پر مرہم لگائیے۔
(۳) مجھے یہ بہت بڑا اعزاز نصیب ہوگا کہ آپ میرے صد بار سلام کے جواب میں ایک بار کہہ دیں وعلیک السلام ۔
(۴) میری زاری سُن کر ایک بار تو بات کیجئے میرا رونا دیکھ کر ایک بار تو تبسّم فرمائیے۔
(۵) میری شفاعت کے لیے لبِ اطہر کو حرکت دیجئے میرے گناہوں اور اطاعت کو نہ دیکھ۔ (اپنے کرم اور فضل کو دیکھ)

ف : جناب کاشفی نے اپنی تفسیر میں اور تحفۃ الصلوٰت میں لکھا کہ صلوٰۃ کی کیفیت میں احادیث مختلف طور پر وارد ہوئی ہیں۔

امام نووی نے فرمایا کہ افضل یہی ہے کہ احادیث کے طرق کو جمع کیا جائے کیونکہ اکثر روایات درود شریف کے بارے میں صحیح ہیں اس لیے چاہیے کہ تمام وارده الفاظ لائے جائیں ۔ مثلاً یُوں کہا جائے :

اللھم صل علیٰ محمد عبدك ورسولك النبی الامی وعلیٰ آل محمد وازواجه و ذریته کما صلیت علیٰ ابراهیم وعلیٰ آل ابراهیم و بارك علیٰ محمد النبی الامی وعلیٰ آل محمد وازواجه وذریته کما بارکت علیٰ ابراهیم وعلیٰ آل ابراهیم فی العالمین انك حمیدٌ مجید۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ یہ اذی یوذی اور اذی و اذیۃ و اذایۃ سے ہے ایذاء نہ کہا جائے ۔ کما فی القاموس۔ لیکن اہل تصنیف و اہلِ علم و عوام میں ایذاء مشہور ہے کما فی التنبیہ لابن کمال ۔ تا ذی کا حقیقی معنیٰ آزردہ ہونا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ معنیٰ محال ہے۔ لیکن اب معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ لوگ ایسا کام کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف ہے ۔ مثلاً

ایمان نہ لانا، اس کے امور کے خلاف کرنا اور اپنی خواہشات کے مطابق عمل کرنا، اس کی طرف اولاد منصوب کرنا، اس کا شریک ٹھہرانا، اس کے اسماء و صفات میں الحاد کرنا، اس کی قدرت کی نفی کرنا۔ مثلاً کہنا کہ مارنے کے بعد نہیں اٹھائے گا اور الدہر کو گالی دینا، تصویریں اور فوٹو کھینچ کر اس کی تخلیق کے مشابہ ہونا وغیرہ وَرَسُوْلَہٗ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذائیں مشہور ہیں مثلاً انھیں شاعر، ساحر، کاہن، مجنون کہنا اور بی بی صفیہ حضرت ہارون کی اولاد ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ آپ کے نکاح کرنے پر انھیں مطعون کرنا، یہ قولی ایذائیں تھیں اور فعلی یہ کہ مثلاً آپ کے دانت مبارک شہید کرنا اور چہرہ مبارک لہولہان کرنا جیسا کہ غزوۂ اُحد میں ہُوا، آپ پر مٹی پھینکنا اور مُہرِ نبوت پر گندگیاں ڈالنا۔

ایذائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجدِ حرام میں نماز پڑھتے دیکھا، آپ سربسجود ہُوئے تو کافروں نے آپ کے اوپر گندگی پھینک دی۔ یہاں تک کہ آپ بدستور سجدے میں رہے حتیٰ کہ بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لائیں اور آکر حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے گندگی ہٹا کر ایذا دینے والوں کو بُرا بھلا کہا۔ اس طرح کی فعلی ایذائیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی گئیں۔

ف : بعض علماء نے فرمایا کہ ایذاء اللہ و رسولہ سے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچانا مراد ہے اور اللہ تعالیٰ کا نام محض تعظیم و تکریم اور تبرک کے لیے ہے۔ علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دینا درحقیقت اللہ تعالیٰ کو ایذا دینا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر معاملے کو اپنا معاملہ بتایا۔ کما قال :

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ۔

اس معنے پر جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی۔

ف : امام سہیلی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمیں لائق نہیں کہ ہم کہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین نار میں ہیں، کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا :

لا تؤذوا الاحیاء بسبب الاموات ۔

(مُردوں کی وجہ سے زندوں کو ایذاء نہ دو)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ الآیۃ

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کو جہنمی کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دینا ہے اور اس طرح سے لعنت کا مستحق ہونا ہے۔

گستاخیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قانون

انبیاء علیہم السلام کے حق میں ایسی باتیں کرنا، لکھنا جو عیب ونقص پر دلالت کریں تو وُہ بھی ایذاء میں شامل ہے۔

ادب کا سبق حضرت ابوسہلہ بن جلاد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک مرد لوگوں کو نماز پڑھا رہا تھا۔ اس نے قبلہ کی طرف تھوکا، حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ رہے تھے، جب نماز سے فارغ ہُوئے تو فرمایا،

آیندہ تمہیں یہ شخص نماز نہ پڑھائے۔

بعد کو وہی شخص نماز پڑھانے لگا تو لوگوں نے منع کیا اور کہا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یہ شخص تمہیں نماز نہ پڑھایا کرے۔

وہ شخص حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مقدمہ لے کر حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: ہاں میں نے ہی روکا تھا اس لیے کہ تُو نے قبلہ کی طرف تھوک کر اللہ جل جلالہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دی۔ کمافی الترغیب للمنذری۔

مسئلہ: علمائے کرام نے اس حدیث سے استدلال کیا کہ جو امام مکروہات کا ارتکاب کرتا ہو اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ متولی اور دوسرے بااثر لوگوں کو ضروری ہے کہ ایسے شخص کو نماز کی امامت سے ہٹا دیں جیسا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے محض قبلہ کی طرف تھوکنے سے امام کو امامت سے معزول فرما دیا۔

مسئلہ: وسواسی شخص کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے اس لیے کہ وُہ نماز کی ادائیگی میں ارکانِ صلوٰۃ میں شک کرتا رہے گا۔ کمافی فتح القریب۔

مسئلہ: اس امام کو ایسے لوگوں کی امامت کرنا مکروہ ہے جس کی امامت سے لوگوں کو نفرت اور کراہت ہو اس لیے کہ ان کی کراہت بوجہ اس کے مکروہ فعل کے ارتکاب کے ہوگی یا اس سے بہتر اور امام حاصل ہوگا۔ ہاں اگر ان کی کراہت محض اپنے ذاتی عناد سے ہو تو پھر امام کو امامت سے نہ ہٹنا چاہیے اس لیے کہ ان کی کراہت غیر مشروع ہے اسی لیے غیر معتبر ہے۔

عبرت برائے وہابی دیوبندی حضور سرورِ عالم نورِ مجسم شفیعِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسمِ گرامی القاب وآداب اور درود وسلام کے بغیر لینا یا لکھنا بھی ایذاء میں شامل ہے:

مثنوی شریف میں ہے: ؎

١ آں دہاں کژ کرد واز تسخر بخواند
مر محمد را دہانش کژ بماند

٢ باز آمد کاے محمد عفو کن
اے ترا الطاف علم من لدن

٣ من ترا افسوس می کردم ز جہل
من بدم افسوس را منسوب واہل

٤ چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

٥ ور خدا خواہد کہ پوشد عیب کس
کم زند در عیب معیوباں نفس

ترجمہ: (١) وہ منہ جو ٹیڑھا ہو کر مسخری کے طور حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلایا تو اس کا چہرہ فوراً بگڑ گیا۔

(٢) پھر بارگاہِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں حاضر ہو کر معافی طلب کی اور عرض کی کہ آپ کو الطاف من لدن (منجانب اللہ) نصیب ہیں۔

(٣) میں نے آپ کے ساتھ ازراہِ جہالت تمسخر کیا ہے، میں افسوس کی طرف منسوب ہوں اور اسی کا مستحق ہوں۔

(٤) جب اللہ تعالیٰ کسی کی پردہ دری کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی طبع کا میلان نیکوں پر طعن وتشنیع کی طرف پھیرتا ہے۔

(٥) اگر کسی کی عیب پوشی کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ عیب والوں پر بھی عیب کے اظہار کا دم نہیں مارتا۔

لَعَنَهُمُ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے دور کر دے گا **فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ** دنیا و آخرت میں بایں طور کہ دارین میں انہیں ذرہ برابر بھی رحمتِ حق سے کچھ نصیب نہ ہوگا **وَاَعَدَّ لَهُمْ** علاوہ ازیں ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے تیار کر رکھا ہے **عَذَابًا مُّهِيْنًا ○** اہانت دینے والا عذاب جو انہیں آخرت میں پہنچے گا۔ یعنی ایک خاص قسم کا عذاب ہوگا جس سے ان کی بے عزتی اور رسوائی ہوگی۔ اس سے ان کی عزت ملیا میٹ ہوگی اور ان کی تمام اکڑ ختم ہو جائے گی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جیسا کہ اہلِ ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طاعت اور ان کی صلوٰۃ سے رحمتِ الٰہی کے مستحق ہیں۔ ایسے ہی کافر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور ان کی ایذار کی وجہ سے لعنتِ حق کے حقدار ہیں۔ دنیا میں ان کے لیے لعنت یہ ہے کہ وہ حضرتِ حق سے دُور اور ایمان سے محروم ہُوئے۔ آخرت میں ان کے لیے لعنت یوں ہوگی کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور بہشت سے انھیں دُور رکھا جائے گا واعدّ لھم عذاباً مّھیناً کا تحقیقی معنیٰ یہی ہے۔

مسئلہ: فتح الرحمٰن میں ہے کہ نبی علیہ السلام کی اذی بالقول والفعل بالاتفاق حرام ہے۔

مسئلہ: نبی علیہ السلام کو (العیاذ باللہ) گالی دینے کے متعلق ائمہ کا اختلاف ہے۔ سیدنا امام ابوحنیفہ وامام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ارتداد کی طرح کفر ہے۔ یہ شخص توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دینا واجب ہے۔ امام مالک و امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے شخص کی توبہ قبول نہیں اسے قتل کرنا واجب ہے۔ قتل بوجہ حد کے ہوگا کفر کی وجہ سے نہیں۔

مسئلہ: کافر جس نے پہلے سے ہی حضور علیہ السلام کی تکذیب کی ہے اس کے باوجود وہ حضور علیہ السلام کو گالی دیتا ہے تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسے قتل نہ کیا جائے اس لیے کہ اس کفر کے لیے وہی سزا کافی ہے جو اسے مرنے کے بعد ملے گی البتہ تعزیز وتادیب شدید سے اسے ایسا سمجھایا جائے کہ اسے پھر ایسی جرأت نہ ہو۔ اور امام شافعی و امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا معاہدہ (امان) توڑ دیا جائے اس کے بعد حاکمِ وقت اسے اختیار دے چاہے قتل ہونا منظور کرے چاہے غلام بننا۔ حاکمِ وقت اسے معاف کر دے یا اس سے فدیہ لے تو بھی جائز ہے لیکن اسے امان ہرگز نہ دے اس لیے کہ یہ ایسا بدکافر ہے کہ اس نے نبی علیہ السلام کو گالی دے کر اپنی امان کو مٹا ڈالا ہے اگرچہ ابتداءً اس سے اس قسم کا معاہدہ نہ بھی کیا ہو۔

مسئلہ: اگر وہ حضور علیہ السلام کے حق میں اپنے عقیدے کے مطابق کوئی بات کرتا ہے۔ مثلاً آپ کی تکذیب کرتا ہے یا کوئی اور کلمہ جو آپ کی تکذیب پر دلالت کرتا ہے تو اس کا معاہدۂ امان نہ ٹوٹے گا اگر ابتداءً معاہدہ کیا گیا اور اس نے اس کے خلاف کیا تو اس کی امان ٹوٹ جائے گی۔

مسئلہ: امام مالک و احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اگر ایسا کافر اسلام قبول نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے۔

وہابیوں بالخصوص مودودی اور دیوبندیوں کو تازیانۂ عبرت

وہابی بالخصوص مودودی اور نجدی ابنِ تیمیہ کو اپنا امامِ برحق مانتے ہیں اور اس کے فیصلے کو حرفِ آخر سمجھتے ہیں، اس کا فیصلہ گستاخِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے سنیے[1]

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

امام احمد کے بعض پیروکاروں میں سے شیخ تقی الدین بن تیمیہ نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینے والے (عیب ونقص بیان کرنے والے) کو مطلقاً قتل کردینا ضروری ہے اور کہا کہ ھو الصحیح من المذھب۔ (مذہب حق میں یہی صحیح ہے)

مسئلہ: جملہ انبیاء و ملائکہ علیہم السلام کو گالی دینے کے احکام وہی ہیں جو ہمارے نبی علیہ السلام کے متعلق ہیں۔

مسئلہ: کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کو گالی دے (العیاذ باللہ) بشرطیکہ وہ مرتد نہ ہوگیا ہو، ایسے وہ کافر جو اپنے اعتقاد میں پہلے سے گالی دیتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کی اولاد ثابت کرتا ہے جیسے عزیر و عیسیٰ علیہما السلام کو خدا کا بیٹا کہنا وغیرہ اس کے علاوہ اور کوئی گالی بکے تو اس کے وہی احکام ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گزرے ہیں[1]۔

ہم اللہ تعالیٰ سے عصمت و ہدایت کا سوال کرتے ہیں، سہو و زلل و غوایۃ سے پناہ مانگتے ہیں۔ وہی حافظ و رقیب ہے۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ اور وہ لوگ جو مومن مرد اور عورت کو ایذاء دیتے ہیں یعنی ان کے حق میں وہ باتیں کرتے یا ان کے ساتھ وہ کام کرتے ہیں جس سے انہیں رنج پہنچتا ہے بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا بغیر ضرورت کے کہ وہ دکھ اور رنج پہنچانے کے مستحق بھی نہ تھے۔

ف: اس آیت میں ایذاء کو مقید اور آیت بالا میں علی الاطلاق ایذاء میں اشارہ ہے کہ اللہ جل جلالہٗ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دینا ہر حال میں ناحق ہوگا اور دوسروں کے بارے میں کبھی ایذاء حق ہوتا ہے کبھی ناحق۔

---

[1] ایسا شخص مرتد ہو جاتا ہے اور مرتد کی سزا قتل ہے جیسا کہ سابقہ ادوار میں اسلامی حکومتوں میں ایسوں کے ہزاروں قتل مشہور ہیں۔

علامہ شاطبی جو آٹھویں صدی کے مشہور امام ہیں نے اپنی کتاب الاعتصام میں ان مرتدین کی فہرست درج کی ہے جنہوں نے نبوت یا وحی و عصمت کا دعویٰ کیا ان میں ایک فازازی بھی تھا اس نے مرزا قادیانی کی طرح نبوت کا دعویٰ کیا تو علمائے وقت نے اس پر الحاد و زندقہ کا فتویٰ دیا۔ چنانچہ اس وقت کے امام حضرت ابوجعفر ابن زبیر رحمہ اللہ کے فتویٰ سے قتل کر دیا گیا۔ فقیر اویسی غفرلہ عرض گزار ہے کہ آج بھی اگر ایسے مرتدین کو برسر دار لٹکایا جائے تاکہ کسی کو گستاخیٔ رسول و انبیاء و اولیاء پر جرأت نہ ہو۔

مسئلہ : آیت عام ہے اس میں ہر مؤمن مرد اور عورت کو ناحق ایذاء دینا حرام ہے خواہ وہ مرد یا عورت کسی مرتبہ کے بھی ہوں۔ چنانچہ مضامین مندرجہ ذیل سے ظاہر ہے :
(۱) ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر سے نکلے تو ایک نوجوان عورت کو دیکھا کہ وہ بناؤ سنگار کرکے ایسے طریقے سے کھڑی ہے گویا وہ فسق و فجور کی طرف میلان رکھتی تھی۔ آپ نے اسے مارا، اس کے گھر والوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیں[۱]۔
(۲) منافقین (خوارج) حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کھلم کھلا گالی دیتے اور آپ کے حق میں ایسی بکواسات کرتے جسے عام آدمی کا برداشت کرنا مشکل تھا[۲]۔
(۳) قصۂ افک میں گزرا کہ منافقین نے حضرت عائشہ و حضرت صفوان پر بہتان تراشا۔
(۴) زانی بدمعاش لوگ عورتوں کے درپے ہوتے جب وہ رات کے وقت پانی لینے یا قضاءِ حاجت کے لیے جاتیں۔ اکثر کنیزوں کے پیچھے رہتے۔ چونکہ آزاد عورتوں اور کنیزوں کا لباس ایک سا ہوتا اس لئے وہ کبھی آزاد عورتوں کے پیچھے بھی پڑ جاتے۔ علاوہ ازیں اور بھی واقعات ہیں جو بُرے لوگ ہمیشہ نیک لوگوں کے درپے آزار رہتے ہیں۔

فَقَدِ احْتَمَلُوْا احتمال اور اکتساب لفظاً و معناً ایک ہیں۔ کما فی بحر العلوم
بعض مفسرین نے فرمایا کہ اکتسبوا بمعنے تحملوا، جس کا فارسی میں معنی ہے برداشتن یعنی اٹھانا **بُهْتَانًا** بمعنے افتراءً وکذباً علیہم۔ یہ بہتہ فلان بہتاناً سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کے حق میں ایسی بات کرے جو اس نے نہ کی ہو، یعنی بہت بڑا جھوٹ۔
وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا۝ بمعنے ذنباً ظاهراً۔ کاشفی نے لکھا کہ ایسے لوگ بہتان تراشی کی وجہ سے سزا اور گناہ ظاہری کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہیں۔

ف : آیت میں اہلِ ایمان کے ایذاء کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایذاء کے ساتھ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایذاء کو اللہ تعالیٰ کے ایذاء کے ساتھ ملانے میں اشارہ ہے کہ جو اہلِ ایمان کو ایذاء دیتا ہے وہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دیتا ہے اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو ایذاء دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو اللہ و رسول (جل جلالہٗ و صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایذاء دے کر لعنت کا مستحق ہے۔ ایسے ہی اہلِ ایمان کو ایذاء دینے والا دنیا و آخرت میں لعنت کا مستحق ہے۔

---

[۱] یہ تو معمولی معاملہ ہے، شیعہ تو ہزاروں بکواسات کرتے ہیں لیکن ان کے منہ میں لگام دینے والا کوئی نہیں۔
[۲] اب وہابیوں کا ایک گروہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ہے۔ اویسی غفرلہٗ

ف: کسی نے حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کو گالی دی تو انہوں نے یہی آیت پڑھ کر سنائی۔

حدیث معراج حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ میں شب معراج ایک قوم پر گزرا جو اپنی زبانوں کے ساتھ لٹکے ہوئے ہیں، میں نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے فرمایا، یہ وہ ہیں جو اہلِ ایمان مرد اور عورتوں پر ناحق بہتان تراشتے تھے۔

حدیث قدسی میں ہے: (اللہ تعالیٰ نے فرمایا:)

من آذی لی ولیا فقد بارزنی بالمحاربة۔

(جو میرے کسی ولی کو ایذاء دیتا ہے جنگ کے طور میرا مقابلہ کرتا ہے)

یعنی جو میرے اولیاء کو دکھ اور رنج پہنچاتا ہے وہ میرے ساتھ جنگ کر رہا ہے اور میرے ساتھ جنگ کرنے والے کا یہ حال ہوتا ہے کہ میں اس کے لیے غیبی لشکر بھیج کر اسے ذلیل و خوار کرتا ہوں اور دنیا بھر میں وہ ذلیل و خوار مشہور ہو جاتا ہے۔

ولی اللہ کعبہ سے افضل[1] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک روز کعبہ سے گزرے اسے مخاطب ہو کر فرمایا:

ما اعظمك و اعظم حرمتك والمؤمن اعظم حرمة عند الله منك۔

(اے کعبہ! بے شک تو اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت عظمت والا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں مومن (کامل) تجھ سے زیادہ عظمت اور قدر و منزلت رکھتا ہے)

ولی اللہ کی شان حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاں اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اگر مخلوق کو میرے اولیاء کاملین کی شان معلوم ہو جو میں نے انہیں مجلیٰ قدس اور دار کرامت میں بخشی ہے تو لوگ ان کے قدم چومتے بلکہ ان کے قدموں کی خاک ہو جاتے اور آرزو کرتے کہ اولیاء کرام انھیں اپنے قدموں کی خاک بنائیں۔ مجھے اپنی عزت و جلال اور بزرگی کی قسم میں انھیں اپنا چہرہ دکھاؤں گا یعنی انہیں بلا حجاب زیارت کا شرف بخشوں گا اور ان کا دل خوش کروں گا۔ وہ جس کے لیے شفاعت چاہیں گے میں انہیں عام اجازت دوں گا اگرچہ وہ کتنا ہی گنہ گار کیوں نہ ہو۔ مجھے اپنی عزت کی قسم، اولیاء سے زیادہ مجھے اور کوئی عزیز نہیں، مجھے اپنے جلال کی قسم ان سے بزرگ تر میرے نزدیک اور کوئی نہیں۔ میں نے جہنم ان کے دشمنوں کے لیے بنائی ہے اور ان کے اعداء کو جہنم سے بھر دوں گا۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

---

[1] اس موضوع پر فقیر اویسی غفرلہ نے رسالہ "القول الجلی فی ان الکعبة تذهب الی زیارة الولی" لکھا ہے جو بارہا مطبوع ہوا۔ اویسی غفرلہٗ

۱ نکو کار مردم نباشد بدش
ورزد کسے بد کہ نیک آیدش

۲ نہ ہر آدمی زادہ از دد بہست
کہ دد ز آدمی زادۂ بد بہست

۳ بہست از دد انسان صاحب خرد
نہ انسان کہ در مردم افتد چو دد

(۱) اچھے لوگوں سے برائی سرزد نہیں ہوتی کوئی برائی کا مرتکب ہو تو اسے نیکی کا پھل نہ ملے گا۔
(۲) ہر آدم زادہ درندوں سے بہتر نہیں ۔ بد آدمی سے درندہ بہتر ہے ۔
(۳) وہ آدمی درندہ سے بہتر ہے جو عقلمند ہے نہ وہ آدمی جو درندوں کی طرح عوام کو دُکھ درد پہنچاتا ہے ۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے ولی کے دشمن کے ساتھ دشمنی کرے گا یعنی مثلاً شیر کی طرح اس پر حملہ کرے گا (اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ولی اللہ کا دشمن خود بخود تباہ و برباد ہوگا)

صوفیانہ سبق حضرت فضیل رحمہ اللہ نے فرمایا ، سالک پر لازم ہے کہ وہ کُتّے اور خنزیر کو بھی بلا وجہ ایذا نہ دے چہ جائیکہ وہ مسلمان کو ایذا دے۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ؛
المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده ۔

(مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان باسلامت رہیں)
یعنی مسلمان وُہ ہے جو مسلمانوں کے خون ناحق اور اموال و اعراض کے درپے آزار نہ ہو۔

نکتہ زبان کو ہاتھ سے اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ زبان سے کسی کو بہت زیادہ رنج پہنچایا جاتا ہے اور دیگر اعضاء کی بجائے صرف ہاتھ کا ذکر بھی اسی لیے ہے کہ زیادہ تر امور اسی سے صادر ہوتے ہیں ۔

سبق جب کسی کو کسی سے رنج اور دکھ پہنچے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس پر صبر کرے اس لیے کہ اسی میں بہت بڑا اجر و ثواب ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ایذاء دینے والا اسے اجر و ثواب کا مستحق بنا رہا ہے اس کا اسے ممنون ہونا چاہیے۔

حدیث شریف اسی لیے حدیث شریف میں ہے ؛
واحسن الی من اساء الیك ۔
(جو تجھے دکھ پہنچائے تم اس کے ساتھ احسان کرو)

(باقی ص ۶۸۳)

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ ٱلْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ
اے نبی اپنی بیبیوں اور صاحبزادیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرما دو کہ اپنی چادروں کا
مِن جَلَٰبِيبِهِنَّ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰٓ أَن يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ۗ وَكَانَ ٱللَّهُ غَفُورًا
ایک حصہ اپنے منہ پر ڈالے رہیں یہ اس سے نزدیک تر ہے کہ ان کی پہچان ہو تو ستائی نہ جائیں اور اللہ
رَّحِيمًا ﴿٥٩﴾ لَّئِن لَّمْ يَنتَهِ ٱلْمُنَٰفِقُونَ وَٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَٱلْمُرْجِفُونَ
بخشنے والا مہربان ہے اگر باز نہ آئے منافق اور جن کے دلوں میں روگ ہے اور مدینہ میں جھوٹ اڑانے
فِى ٱلْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَآ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٦٠﴾
والے تو ضرور ہم تمہیں ان پر شہ دیں گے پھر وہ مدینہ میں تمہارے پاس نہ رہیں گے مگر تھوڑے دن
مَّلْعُونِينَ ۖ أَيْنَمَا ثُقِفُوٓا۟ أُخِذُوا۟ وَقُتِّلُوا۟ تَقْتِيلًا ﴿٦١﴾ سُنَّةَ ٱللَّهِ فِى
پھٹکارے ہوئے جہاں کہیں ملیں پکڑے جائیں اور گن گن کر قتل کیے جائیں اللہ کا دستور چلا آتا ہے ان
ٱلَّذِينَ خَلَوْا۟ مِن قَبْلُ ۖ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ ٱللَّهِ تَبْدِيلًا ﴿٦٢﴾ يَسْـَٔلُكَ ٱلنَّاسُ
ان لوگوں میں جو پہلے گزر گئے اور تم اللہ کا دستور ہرگز بدلتا نہ پاؤ گے لوگ تم سے قیامت کو
عَنِ ٱلسَّاعَةِ ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ ٱللَّهِ ۚ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ ٱلسَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا ﴿٦٣﴾
پوچھتے ہیں تم فرماؤ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے اور تم کیا جانو شاید قیامت پاس ہی ہو
إِنَّ ٱللَّهَ لَعَنَ ٱلْكَٰفِرِينَ وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا ﴿٦٤﴾ خَٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ۖ لَّا يَجِدُونَ
بے شک اللہ نے کافروں پر لعنت فرمائی اور ان کے لیے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے اس میں ہمیشہ رہیں گے اس میں نہ
وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿٦٥﴾ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِى ٱلنَّارِ يَقُولُونَ يَٰلَيْتَنَآ أَطَعْنَا ٱللَّهَ وَ
کوئی حمایتی پائیں گے نہ مددگار جس دن ان کے منہ الٹ الٹ کر آگ میں تلے جائیں گے کہتے ہوں گے ہائے کسی طرح ہم نے
أَطَعْنَا ٱلرَّسُولَا۠ ﴿٦٦﴾ وَقَالُوا۟ رَبَّنَآ إِنَّآ أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَأَضَلُّونَا ٱلسَّبِيلَا۠ ﴿٦٧﴾
اللہ کا حکم مانا ہوتا اور رسول کا حکم مانا ہوتا اور کہیں گے اے ہمارے رب ہم اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کے کہنے پر چلے تو انہوں نے ہمیں
رَبَّنَآ ءَاتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ ٱلْعَذَابِ وَٱلْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا ﴿٦٨﴾
راہ سے بہکا دیا اے ہمارے رب انہیں آگ کا دونا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت کر

تفسیر عالمانہ

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ اے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی ازواجِ مطہرات کو فرما دیجیے۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات نو تھیں ان کے اسماءِ گرامی یہ ہیں:

(۱) عائشہ (۲) حفصہ
(۳) ام حبیبہ (۴) ام سلمہ
(۵) سودہ (۶) زینب
(۷) میمونہ (۸) صفیہ
(۹) جویریہ رضی اللہ عنہن

ان تمام بیبیوں کے متعلق تفصیلِ نسب اور اوصاف و احوال گزر چکی ہے۔

وَ بَنٰتِكَ اور اپنی صاحبزادیوں کو۔ یہ کل آٹھ تھیں، چار صلبی جو بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئیں، ان کے اسماءِ گرامی یہ ہیں:

۱۔ زینب
۲۔ رقیہ
۳۔ ام کلثوم
۴۔ فاطمہ رضی اللہ عنہن

سوائے بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے باقی تمام حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری زندگی میں فوت ہوئیں۔ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ السلام کے وصال کے بعد چھ ماہ زندہ رہ کر وفات پاگئیں۔

اور چار ربیبہ تھیں جن کے اسماء یہ ہیں:

۱۔ ام سلمہ' اسے برہ بھی کہا جاتا۔
۲۔ سلمہ
۳۔ عمرہ
۴۔ درہ رضی اللہ عنہن

وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ اور اہلِ ایمان کی وہ عورتیں جو مدینہ طیبہ میں ہیں يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ

صـ۶۸۱ سے آگے

وہ اس لیے کہ دکھ پہنچانے والا اگرچہ شرعاً گنہگار ہے لیکن حقیقت میں وہ محسن ہے ؎

بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردے احسن الیٰ من اساء

ترجمہ: برائی کا برا بدلہ دینا آسان ہے۔ اگر تم جوانمرد ہو تو برے پر احسان کرو۔

مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ یہ قُل کا مقولہ ہے۔

لِ لغات الادناء بمعنے نزدیک کرنا الین نو سے ہے بمعنے القرب (قریب ہونا) الجلباب بڑی چادر سے چھوٹا اور دوپٹہ سے بڑا اور اوسع ہوتا ہے جسے عورتیں سر پر اوڑھ کر بقایا کپڑا اپنے جسم سے لپیٹ کر پاؤں تک چھوڑتی ہیں یعنی پردہ کی چادر۔ اور من تبعیضیہ ہے اس لیے کہ عورتیں پردہ کی اس چادر کے بعض حصہ کو جسم پر لپیٹتی اور بعض کو پاؤں تک چھوڑتی ہیں۔ التلفع بمعنے کپڑا سر سے پاؤں تک لپیٹنا۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ آپ انھیں فرما دیں کہ ضرورت کے لیے گھر سے باہر جائیں تو چہرے اور بدن پر بڑی چادر اوڑھ لیا کریں، کنیزوں کی طرح چہرے اور بدن کو کھلا کر کے نہ نکلیں تاکہ بُرے لوگ انھیں کنیزیں سمجھ کر ان کے درپے نہ ہوں۔

ف : سدی نے کہا کہ انہیں حکم دیں کہ وُہ ایک آنکھ اور چہرے کو دونوں حصے چھپا کر اور ایک آنکھ کھلی کر کے نکلیں۔

ذٰلِكَ وہ جو اوڑھنی اوڑھنے کا حکم مذکور ہوا ہے وہ **اَدْنٰى** زیادہ قریب ہے **اَنْ يُّعْرَفْنَ** یہ کہ پہچانی جائیں اور امتیاز کیا جا سکے کہ یہ لونڈیاں اور کنیزیں یا آزاد عورتیں ہیں تاکہ زانی اور بُرے لوگ ان کے درپے آزار نہ ہوں جیسے کنیزوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں **فَلَا يُؤْذَيْنَ** تو وہ ایذا نہ دی جائیں گی یعنی فاجر و فاسق ان کے درپے آزار نہ ہوں گے۔

حضرت عمر کا دُرہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک کنیز چہرہ ڈھانپ کر گزری آپ نے اس کو دُرہ دکھا کر دھمکایا اور فرمایا، چہرہ کھول کر چل تاکہ معلوم ہو سکے کہ تو آزاد عورت نہیں بلکہ کنیز ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا اور اللہ تعالیٰ غفور ہے اس کے لیے جو اُن سے کوتاہیاں ہوئیں اور پردہ کا ترک کیا۔ **رَّحِيْمًا** ○ بندوں کے لیے رحیم ہے کہ ان کے ہر چھوٹے بڑے معاملے میں مصالحت کی رعایت فرماتا ہے۔

ف : آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے :

(۱) عورتوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو محفوظ رکھیں، پاکدامن رہیں۔ بُرائی سے بچنے کی ہر ممکن تدبیر کریں۔

(۲) ان کے لیے جائز ہے کہ گھر میں سنگار کریں۔ اور اپنی عزت اور قدر و منزلت پہچانیں۔

(۳) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی بہت قدر ہے۔

(۴) فلا یؤذین میں اشارہ ہے کہ ان سے اطماع فاسدہ اور اقوال کاذبہ منسوب نہ ہوں۔
وکان اللہ غفوراً میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان عورتوں کے لیے غفور ہے جو ان کے اوامر کی فرماں برداری کرتی ہیں رحیما اور ان کے لیے رحیم ہے کہ انہیں اعلیٰ درجات سے نوازنے کا ارادہ فرماتا ہے۔ کذا فی التاویلات النجمیہ۔
نیز آیت سے دو فائدے دیگر حاصل ہوئے:

(۱) دورِ نبوت کی عورتوں کی عادت تھی کہ قضائے حاجت کے لیے رات کے وقت گھر سے باہر نکلتیں اور پاکدامنی کو ملحوظِ خاطر ان کا شیوہ تھا اگر وہ دن کو بھی باہر نکلتی ہیں تو چادر اوڑھنے میں بہت زیادہ کوشش کرتی اور ادب و وقار کی جد و جہد کرتی اور مردوں سے آنکھ بچا کر جاتی ہیں خواہ وہ مرد نیک ہوں یا برے۔ اور نہایت پرانے اور میلے کچیلے کپڑے پہنتی ہیں۔

مسئلہ: جو عورت اپنے گھر سے باہر نکلتی ہے خوشبو لگا کر اور زیب و زینت ظاہر کر کے، اور مردوں کو اپنا سنگار دکھاتی ہے۔ ایسی عورت پر زانیوں جیسا گناہ ہے۔
حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ؎

۱ چو زن راہ بازار گیرد بزن
وگرنہ تو در خانہ بنشین چو زن

۲ ز بیگانگاں چشم زن کور باد
چو بیروں شد از خانہ در گور باد

ترجمہ: (۱) جب عورت بازار جانے لگے اسے مار۔ ورنہ تو عورت بن کر گھر بیٹھ۔
(۲) بیگانوں کے دیکھنے سے عورت کی آنکھ خدا کرے اندھی ہو، گھر سے باہر نکلے تو خدا کرے سیدھی قبر میں جائے۔

نیک عورت کی علامت اہلِ حقیقت کے نزدیک نیک عورت کی علامت یہ ہے کہ وہ خوفِ الٰہی کو اپنا حسن، قناعت کو غنا اور عفت کو زیور سمجھے یعنی برائیوں اور مفاسد اور تہمت کے مواقع سے بچنے کو اپنا سنگار سمجھے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ عورت کبوتری کی مانند ہے کہ جب اس کے پر پیدا ہوتے ہیں تو اڑتی ہے۔ مرد جب عورت کو بہترین کپڑے پہنائے گا تو وہ گھر میں نہیں بیٹھے گی بلکہ باھر نکل کر اپنا بناؤ سنگار لوگوں کو دکھانے کی کوشش کرے گی ؎

چو بینی کہ زن پائے بر جائے نیست
ثبات از خردمندی و رائے نیست

۲ گریز از کفش در دہان نہنگ
کہ مردن بہ از زندگانی بہ ننگ

ترجمہ: (۱) جب دیکھو کہ عورت گھر پر نہیں رہتی، اسے دانائی اور اچھی رائے نہیں کہا جا سکتا۔

(۲) ایسی عورت سے بھاگ کر مگرمچھ کے منہ میں جانا بہتر ہے اس لیے کہ ننگ وعار کی زندگی سے موت بھلی۔

حضرت جامی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ؎

چو مرد از زن بخوشی خوبی کشید بار
ز خوش خوے بید بوے کشد کار
مکن بر کار زن چنداں صبوری
کہ افتد رخنہ در رسد غیوری

ترجمہ: جب مرد عورت سے خوش اسلوبی کا بار کھینچتا ہے۔ عورت کے بُرے کاموں پر صبر نہ کر۔ غیرت کی دیوار میں رخنہ پیدا ہوگا۔

ف: بعض مشایخ نے فرمایا کہ کافرہ عورتوں میں خیر و بھلائی ہرگز نہیں ہوتی اس لیے کہ انہیں برسرِ بازار ذلیل وخوار کیا جاتا ہے اور فاسقوں اور فاجروں کے فسق و فجور کا نشانہ بنی رہتی ہیں گویا وہ عام بازاری عورتیں ہیں ان کی طرف سنجیدہ طبقہ آنکھ اٹھا کر دیکھنے کا روادار نہیں اور ان عورتوں کی نگاہ بھی غیروں کی طرف لگی رہتی ہے بلکہ وہ ہر چمچے کی دیگ ہوتی ہیں۔

رابعہ بصریہ کی کہانی

رابعہ بصریہ عدویہ رحمہا اللہ کی شان کو کون پہنچ سکتا ہے۔ منقول ہے کہ بی بی مرحومہ سخت بیمار ہوگئیں ان سے مرض کا اصلی سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ میں نے بہشت کو جھانک کر دیکھا تو میرا رب کریم ناراض ہوگیا کہ میں نے غیر اللہ کی طرف کیوں دیکھا! اللہ تعالیٰ کی جھڑکی سے مجھے تپ نے گھیر لیا۔

سبق: جب بہشت کی طرف جھانکنے کی یہ سزا ہے حالانکہ بہشت اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام کا مرکز ہے بلکہ اس کی تجلیات خاصہ بہشت میں نصیب ہوں گی۔ اس سے اندازہ کیجئے کہ ہمارا کیا حال ہوگا۔ جب ہم ہر وقت دنیا اور اس کے نقش و نگار اور اس کی خواہشات میں مستغرق رہتے ہیں۔

(۲) دنیا فسق و فجور سے خالی نہیں یہاں تک خیر القرون قرن اول میں بھی اس کے فسق و فجور سے بعض حضرات سے محفوظ نہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جو اس دنیا سے آنکھیں بند کر کے نکل گیا اور اجنبی عورتوں کے دیکھنے سے آنکھ بچا لینا مرد مجاہد کا کام ہے۔

(ہمارے شیخ المشائخ حضرت محکم الدین سیرانی قدس سرہٗ نے زندگی بھر شادی نہ کی بلکہ اتفاقاً کا یہ عالم تھا کہ اجنبی عورت کے پاؤں کا نقش جس راستہ پر نظر آتا آپ اسے چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار فرما لیتے[لہ] اس لیے کہ اجنبی عورت کی وجہ دل میں شہوت کا بیج بوتی ہے، سب سے بڑا فتنہ عورت ہے (بحیثیت شہوت اور خواہش نفسانی کے)

حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ نے فرمایا،

حکایت میں نے خواب میں ایک عورت کو دیکھا تو فوراً خیال آیا کہ اجنبی عورت کو دیکھنا گناہ ہے اس پر میں نے آنکھ بند کر لی (یہ ان کے تقویٰ کی دلیل ہے)

اجنبی عورت کے متعلق ہدایات (۱) اجنبی عورت بالخصوص جس نے خوشبو وغیرہ لگائی ہو نہ تو اس کے قریب آنا جانا چاہیے نہ اس کے ساتھ بیٹھنا چاہیے۔

(۲) اسے ہاتھ نہ لگائے۔

(۳) اس سے ہاتھ نہ ملائے۔

(۴) اس سے گفتگو نہ کرے۔

(۵) اس سے ہنسی مذاق نہ کرے۔

(۶) اس سے میٹھی میٹھی باتیں نہ کرے۔

(۷) اس کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھے، اس لیے کہ شیطان تنہائی میں شہوت پر ابھارتا ہے اور بسا اوقات برائی کرا دیتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جس نے کسی اجنبی عورت سے بلا وجہ اور ناجائز گفتگو کی تو قیامت میں ہر کلمہ کے بدلے میں اسے ایک ہزار سال جہنم میں مقید رکھا جائے گا۔ اگر بیگانی عورت کو گلے لگائے گا تو اسے شیطان کے ساتھ زنجیروں میں جکڑ کر جہنم میں دھکیلا جائے گا۔ (العیاذ باللہ من دار البوار)

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ لام قسمیہ ہے الانتہاء بمعنے رُک جانا۔ یعنی بخدا اگر منافقین اپنی منافقت وغیرہ اور ان احکام سے باز نہیں آتے جو نبی علیہ السلام اور اہلِ ایمان کو ایذا دینے کے موجب ہیں **وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ** اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے یعنی ان کا ایمان کمزور ہے اور اس پر ثابت قدم نہیں یا فسق و فجور سے ان کا ایمان متزلزل ہے یا ایسے امور میں پھنسے ہوئے ہیں جن میں ذرہ برابر خیر و بھلائی نہیں یا وہ زنا اور فواحش کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ **وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ** ۔

لہ لطائف سیریہ وضیائے نورانی۔ حضرت سیرانی رحمہ اللہ کے حالات کی تفصیل فقیر کی کتاب "ذکر سیرانی" میں ہے۔ اضافہ از اویسی

حلِ لغات الرجف بمعنے الاضطراب الشدید - مثلاً کہا جاتا ہے:
رجفت الارض والبحر-
(زمین کا اور دریا تھرتھرایا)
بعوس جاف (تھرتھرانے والا دریا) - الرجف بمعنے الزلزلۃ - الارجاف بمعنے ایقاع الرجفۃ والاضطراب یعنی زلزلہ واضطراب واقع کرنا- ارجاف قولاً بھی ہوتا ہے اور فعلاً بھی- جھوٹی خبر دینا ارجاف سے موصوف ہوتی ہے اس لیے کہ ایسی خبر متزلزل اور غیر ثابت ہوتی ہے- التاج میں ہے کہ الارجاف بمعنے جھوٹی خبر دینا-

اب معنی یہ ہُوا کہ اگر مذکورہ فریقین جھوٹی خبر اڑانے سے باز نہیں آتے- یعنی یہ جو مسلمانوں کے جنگی حالات غلط طریق سے عوام میں پھیلاتے ہیں کہ مسلمان شکست کھا گئے یا مارے گئے یا گرفتار ہوگئے یا ان کی بریت ہوئی یا اہلِ اسلام کو کہیں تمہارے ہاں دشمن آ رہے ہیں- اس طرح ایسی جھوٹی خبریں جن سے مسلمانوں کے دل دکھیں یا ان کے دل ٹوٹ جائیں یا ان پر غیروں کا رعب چھا جائے۔
لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ قسم محذوف کا جواب ہے۔

حلِ لغات الاغراء بمعنے کسی کو کسی شے پر برانگیختہ کرنا- مثلاً کہا جاتا ہے:
غرا بہ بمعنے لھج ولصق۔
یہ الغراء سے ہے- ہر وہ شے جو کسی دوسری شے سے چمٹ جائے- ایسے ہی فلانا بکذا اغراء بمعنے الھجۃ بہ - اور بہم کی ضمیر منافقین و مرجفین کی طرف راجع ہے۔

یعنی بالضرور ہم ان کے ساتھ جنگ کرنے اور ان کے غریب الوطن بنانے کا حکم دیں گے یا ایسا حکم صادر فرمائیں گے جو انہیں جلا وطنی پر مجبور کر دے گا یا آپ کو ان کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے برانگیختہ فرمائیں گے- خلاصہ یہ کہ ان کی غلطی پر ہم آپ کو ان کے ساتھ لڑائی کے لیے برانگیختہ کریں گے اور آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے اور حکم فرمائیں گے کہ ان کو قتل کر دو **ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا** اس کا عطف جواب قسم پر ہے اور ثمّ دلالت کرتا ہے کہ جلا وطنی اور ان کا جوارِ رسول سے دُور ہونا بہ نسبت دیگر مصائب کے عظیم مصیبت ہے یعنی پھر وہ آپ کے ساتھ نہیں ٹھہر سکیں گے یعنی آپ کی مدینہ طیبہ کی ہمسائیگی سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جائیں گے۔

حلِ لغات: الجار بمعنے ہمسایہ، اور المجاورۃ بمعنے کسی کے ساتھ ہمسائیگی کرنا۔
إِلَّا قَلِيلًا مگر تھوڑی دیر یا ہمسائیگی کا تھوڑا سا حصہ، یہاں تک کہ وہ یہاں سے کوچ کریں۔
ف: بحر العلوم میں ہے کہ اس سے وہ وقت مراد ہے جو وہاں سامان اور اہل وعیال کو لے جائیں۔
مَلْعُونِينَ درانحالیکہ وہ مدینہ طیبہ سے یا رحمتِ الٰہی سے دُور ہو جائیں گے۔ اس کا

منصوب ہونا شتم و ذم کی وجہ سے ہے۔ اس سے پہلے اشتم یا ذم محذوف ہے یا یہ حال ہے اس تقریر پر حرف استثناء ظرف اور حال پر بہ یک وقت داخل ہوگا۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ آپ کی ہمسائیگی میں جتنی دیر ٹھہریں گے لعنتی ہو کر رہیں گے اَیۡنَمَا ثُقِفُوۡۤا جہاں پائیں جائیں۔

حل لغات : امام الراغب نے لکھا کہ الثقف بمعنے کسی شے کے حاصل کرنے میں مکمل مہارت پانا۔ مثلاً کہا جاتا ہے :

ثقفت کذا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی شے کو آنکھ سے دیکھ لے۔ یہ آنکھ کی مہارت پر دلالت ہوگی۔ پھر مجازاً ادراک پر استعمال ہونے لگا اگرچہ وہاں مہارت وحذاقت نہ بھی ہو۔

اُخِذُوۡۤا پکڑے جائیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ انہیں پکڑ لینا ضروری ہے وَ قُتِّلُوۡا تَقۡتِیۡلًا ○ اور انھیں خوار و ذلیل کرکے قتل کر دیا جائے۔ یعنی ان کا حکم یہ ہے کہ گرفتار کر کے انھیں قتل کر دیا جائے بشرطیکہ وہ اپنی غلط کاریوں سے باز آجائیں۔ کذا فی تفسیر ابو اللیث۔

ف : حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نہ منافقین وغیرہ نے شرط پوری کی نہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم مذکور کا امر فرمایا۔ اور وعید میں عفو جائز ہے وہ خلف وعید میں داخل نہ ہوگا۔ کذا فی کشف الاسرار۔

سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلُ یہ مصدر مؤکد ہے۔ در اصل عبارت یوں تھی :

سن اللہ ذالک فی الامم الماضیہ الخ

یعنی اللہ تعالیٰ نے امم سابقہ میں یہ جاری رکھا ہے اور اپنی حکمت سے اسے مقرر فرمایا وہ حکمت یہ تھی کہ منافقین کا طریقہ تھا کہ وہ انبیاء علیہم السلام کو شہید کر ڈالتے اور ان کے امور شرعیہ کی توہین کے درپے رہتے تھے اور ان کا ہمیشہ دستور رہا کہ ان کے متعلق بری خبریں پھیلاتے اور عوام کو ان سے بدظن کرتے وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبۡدِیۡلًا اور اللہ تعالیٰ کے طریقۂ معینہ میں ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے یعنی اسے کوئی تبدیل نہیں کر سکتا اس لیے کہ اس کی بنیاد حکمتِ ایزدی پر ہے اور اسی حکمت پر دور تشریع گھومتا ہے یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اسے تبدیل کرنے کی کسی کو قدرت نہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مقدر فرمایا ہے وہ لازماً ہو کر رہے گا۔

مسئلہ : آیت میں منافقوں کو صراحۃً تہدید ہے ایسے ہی ان جاہل اور نااہل صوفیوں کو دعویٰ تو حق کے طالب ہونے کا کرتے ہیں لیکن ان کے کردار منافقوں سے بھی بدتر ہیں۔ لباس تو ان کے عارفین کے ہیں اور وہ اپنے آپ کو اہلِ باطن گردانتے ہیں لیکن ان کی سیرت بتاتی ہے کہ یہ دین کے

ڈاکو اور اسلام کے چور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر انہوں نے اپنے طور طریقے کو نہ بدلا تو ان کا حشر وہی ہوگا جو ان سے پہلے دین کے ڈاکوؤں اور چوروں کا ہوا۔ اور ہر گروہ کو اسی قسم کی سزا ملتی ہے جس طرح اس کے کردار ہوتے ہیں۔

عالم کی سزا حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: عالمِ دین کی سزا کیا ہے اگر اس سے غلطی سرزد ہو جائے؟ آپ نے فرمایا: اس کی سزا یہ ہے کہ اس کا دل مُردہ بنا دیا جاتا ہے۔ میں نے عرض کی: دل کس طرح مُردہ ہوتا ہے؟ فرمایا: دنیا کی محبت سے!

سبق: انسان پر لازم ہے کہ دل کو زندہ رکھے اور باطل کو صاف کرے۔

حکایت منقول ہے کہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ ہمیشہ عالمانہ لباس پہنتے تھے۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ درویشانہ لباس کیوں نہیں پہنتے؟ آپ نے فرمایا: اگر قیامت میں مجھ سے سوال ہو کہ آپ نے لباسِ درویشانہ پہنا تھا لیکن آپ کی سیرت درویشانہ نہیں تھی، پھر میں کیا جواب دوں گا! اسی لیے یاد رہنا ضروری ہے کہ لباس درویشانہ ضروری نہیں بلکہ باطنی صفائی ضروری ہے ؎

۱ اے درونت برہنہ از تقویٰ
وز بروں جامۂ ریا داری
۲ پردۂ ہفت رنگ در مگذار
تو کہ در خانہ بوریا داری

ترجمہ: (۱) اے فلاں! تیرا باطن تو تقویٰ سے خالی ہے لیکن ظاہر میں ریا کا لباس پہن رکھا ہے۔

(۲) ہفت رنگ لباس ترک کر دے جبکہ گھر میں ٹاٹ سے گزارہ کرتا ہے۔

حکایت منقول ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ شام کے وقت حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کی عبادت گاہ سے گزرے اور وہ نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ نے الحمد شریف پڑھی لیکن اسے الہمد پڑھا تو حضرت حسن قدس سرہٗ نے فرمایا: میں ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا جبکہ وہ قرأت صحیح نہیں پڑھتے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے علٰحدہ نماز پڑھی، رات کو سو گئے تو اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی۔ عرض کی: یا اللہ! تیری رضا کس معاملہ میں ہے؟ اللہ نے فرمایا: میری رضا کو تو خوب جانتا ہے اگر تم حبیب عجمی کے پیچھے نماز پڑھ لیتے تو تیری تمام نمازیں اس کے صدقے قبول ہو جاتیں اس لیے کہ تیری عبادت میں سقم تھا اور حبیب عجمی کی عبادت مکمل تھی کیونکہ میں خلوص قلبی کو

دیکھتا ہوں، زبان اور قلب میں بہت زیادہ فرق ہے۔

سبق عقلمند پر لازم ہے کہ شقاوت اور منافقت کی طرف مائل نہ ہو بلکہ اخلاص اور امورِ حق میں توافق کی جدوجہد کرے۔

ف: ان دونوں آیتوں سے ثابت ہوا کہ ہر ملّت کے لیے زندیق تعلق قلبی کا موجب ہیں۔ کما فی کشف الاسرار۔

زندیق وہ بے دین ہے جو ظاہر میں دین کا مدعی ہو لیکن باطن میں کفر کو چھپائے رکھے۔

مسئلہ: امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ زندیق کو قتل کرنا ضروری ہے اگرچہ وہ کہے کہ میں اپنی غلطی سے توبہ کرتا ہوں۔

مسئلہ: بعض علماء نے فرمایا کہ زندیق وہ ہے جو دہر کو قدیم مانے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا قائل نہ ہو اور نہ ہی مرنے کے بعد قیامت میں جی اُٹھنے کا اقرار کرے بلکہ کسی شے کی حرمت مانتا ہی نہیں اور رکھے ہر شے مشترک کھاتہ ہے یعنی حلال بھی حلال اور حرام بھی حلال ہے۔

مسئلہ: ایسے بے دین کی توبہ کے متعلق دو روایتیں ہیں صحیح قول یہ ہے کہ ایسے بدبخت کو خدا تعالیٰ تباہ و برباد کرے۔ ایسے ہی اس کے عقیدت مندوں کو۔ اور اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر ایک پر الگ الگ لعنت بھیجے۔ اللہ تعالیٰ زمین کو ان کے ظہور و شرور سے محفوظ رکھے۔

یَسْئَلُکَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ آپ سے لوگ قیامِ قیامت کے وقت سوال کرتے ہیں

حل لغات: السّاعۃ زمان کے ایک جزء کو کہا جاتا ہے۔ اس سے عرفاً قیامت مراد ہوتی ہے اسے ساعۃ سے اس لیے تشبیہ دی جاتی ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لے گا۔

چنانچہ فرمایا:

وھو اسرع الحاسبین۔

شانِ نزول مشرکین حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے بارے میں یوں سوال کرتے تھے کہ اگر اس کا وقوع یقیناً ہے تو جلد تر ہو۔ اس سے ان کا مقصد صرف استہزاء و تعنت (تکبر) اور انکار تھا۔ اور یہودیوں کا سوال بھی قیامت کے بارے میں ہوتا اور وہ اس قسم کا سوال آزمائش کے طور پر کرتے اس لیے کہ انہیں معلوم تھا کہ قیامت مخفی علوم میں سے ہے اسے اللہ تعالیٰ ظاہر نہیں فرمائے گا۔ یہی تورات میں تھا اور یہی دیگر کتب سماویہ میں تھا (اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا ایسے سوال کا جواب دینا یہودیوں کے عقیدہ کو اپنے متعلق واضح کرنے کے لیے تھا اس سے تو الٹا آپ کے علمِ غیب کا ثبوت ملا باوجودیکہ تورات و دیگر کتب سماویہ نہیں پڑھیں لیکن جواب عین حقیقت ہے) [۱]

(حاشیہ [۱] آگے)

قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ فرمائیے اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے نہ کوئی ملک مقرب اس پر مطلع ہُوا اور نہ کوئی نبی مرسل۔

اعجوبہ خلفائے بنو عباس میں کسی نے خواب میں ملک الموت علیہ السلام کو دیکھ کر ان سے پُوچھا، میری عمر کے باقی کتنے ماہ ہیں؟ ملک الموت نے پانچ انگلیوں کا اشارہ فرمایا۔ تعبیر کے بارے میں بڑے بڑے علمأ و فقہا حیران تھے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ ان پانچ علوم سے ہے جس کا علم کسی کو نہیں اور وہ پانچ علوم آیت ان اللہ عندہ علم الساعۃ میں ہیں۔ خلیفہ نے حق جواب پاکر حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو ایک پوشاک انعام کے طور پر پیش کی لیکن امام اعظم رضی اللہ عنہ نے قبول نہ فرمائی۔

وَمَا يُدْرِيْكَ اور تمہیں کیا معلوم۔ اس کا لغوی معنیٰ یہ ہے کہ کیا شے ہے جو تمہیں جاننے والا بنادے تاکہ تمہیں قیامت کے وقوع کا علم ہو جائے۔ یعنی کوئی ایسی شے دنیا میں ہم نے بنائی ہی نہیں کہ جس کے ذریعے سے وقوعِ قیامت کا علم ہو جائے جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے بتائے۔

فیصلہ کُن عبارت (اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ وقوعِ قیامت کا تعین حضور علیہ السلام کو ہے۔ اور یہ بھی ہمارا عقیدہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے جتلانے سے ہوا۔ حضور علیہ السلام نے از خود کسی دنیوی ذریعہ اور خارجی آلہ سے اسے معلوم نہیں کیا اور نہ ہی کسی کو اللہ تعالیٰ کے بتلائے بغیر اس کا علم ہوسکتا ہے اور وہابی دیوبندی نجدی مودودی وغیرہم کا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام کو اس کا کوئی علم نہیں بلکہ ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے ہم انہیں اسلاف کی تصریحات پیش کرتے ہیں منجملہ ان کے ایک روح البیان کی مندرجہ ذیل عبارت ہے، ملاحظہ ہو:)[1]

ولیس من شرط النبی ان یعلم الغیب بغیر تعلیم من اللہ تعالیٰ۔ (روح البیان ج ۷، ص ۲۴۳)

(نبوت کی شرائط میں نہیں کہ وُہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے بغیر غیب جانیں)

لَعَلَّ السَّاعَةَ شاید قیامت تَكُوْنُ ہو قَرِيْبًا ○ قریب۔ یعنی قیامت عنقریب واقع ہو اس معنیٰ پر کان تامہ ہے اور قریباً کا منصوب ہونا علی الظرفیۃ ہے۔ اس میں قیامت کے وقوع کی عجلت کرنے والوں اور نبوت نبی علیہ السلام سے سرکشی کے طور سوال کرنے والوں کی تہدید ہے۔

علاماتِ قیامت (۱) قیامت کے علامات سے ایک یہ ہے کہ انسان کسی سے یا اپنے طور وعدہ کرے کہ کل یہ کام یُوں کروں گا لیکن جُونہی کل آئے تو وعدہ کے

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ   [1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

خلاف عمل کرے ۔

(۲) شرارتیوں کی عزت ہوگی ۔
(۳) شرفاء کو ذلیل کیا جائے گا ۔
(۴) دینی علم اُٹھ جائے گا ۔
(۵) جہالت عام ہو جائے گی ۔
(۶) زنا کھلم کھلا ہوگا ۔
(۷) کنجریاں ناچ کریں گی ۔
(۸) فسق و فجور کا دَور دورہ ہوگا ۔
(۹) شراب کھلے بندوں پی جائے گی ۔

(۱۰) موت اچانک ہوگی (جیسے آج کل بسوں ، ٹرکوں ، ہوائی جہازوں اور دیگر عام اسباب دل فیل ہو جانا ، بیٹھے بیٹھے مرجانا عام ہوگیا ہے) [۱]

(۱۱) فساق و فجار کا مساجد میں چیخ چیخ کر کے بولنا (جیسے الیکشن کے دور میں سیاسی لیڈر مساجد میں گھس کر دھواں دار تقریر کرتے ہیں ، اس کے علاوہ اور بھی اسباب آگے بڑھ رہے ہیں) [۲]

(۱۲) بے وقت بارش کا ہونا ۔

حدیث شریف میں ہے :

لاتقوم الساعة حتی یظهر الفحش والتفحش وحتی یعبد الدرهم والدینار ۔

(قیامت قائم نہ ہوگی جب تک فحش اور تفحش ظاہر نہ ہو اور یہاں تک کہ دراہم و دنانیر کی پرستش نہ ہو)

ف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے ایسے علامات بتائے جو حضور علیہ السلام کے زمانۂ اقدس میں ان کا تصور تک نہ تھا اور چند ایک ہمارے دور ۱۳۹۸ھ تک ظاہر ہو چکے ہیں لیکن بہت سے آنے والے دور میں ظاہر ہوں گے ۔ (اسے ہم اہلسنت علمِ غیبِ نبوی سے اور ہمارے مخالفین پیشگوئی سے تعبیر کرتے ہیں) [۳]

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی کہ جب سخت آندھی چلتی تو آپ کا رنگ بدل جاتا یعنی آپ خوفزدہ اور پریشان حال جیسے معلوم ہوتے اور فرماتے :

تخوفت الساعة ۔

(میں وقوعِ قیامت سے ڈرتا ہوں)

پھر فرمایا :

---

[۱] اضافہ از اویسی غفرلہٗ
[۲] ایضاً
[۳] ایضاً

ما امدّ طرفی ولا اغضہ الا و اظن الساعۃ قد قامت۔

(اپنی ہر گھڑی میں یہاں تک کہ آنکھ کھلتے اور جھپکتے وقت اس تصور میں ہوتا ہوں کہ قیامت قایم ہوگئی)

اس سے مراد موت ہے اس لیے کہ موت قیامتِ صغریٰ ہے۔ یعنی ہر انسان کی موت اس کے لیے قیامتِ صغریٰ ہے۔ ایسے ہی ہر قرن کے لوگوں کا مرنا قیامتِ وسطیٰ ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے تدارکِ حال کا سوال کرتے ہیں۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا:

۱ کار امروز را مباش اسیر
بہر فردا ذخیرہٗ برگیر

۲ روز عمرت بوقت عصر رسید
عصر تو تا نماز شام کشید

۳ خفتن خواب مرگِ نزدیک ست
موجِ گرداب مرگِ نزدیک ست

۴ فانتبہ قد اقیمت الساعہ
ان عمر الخلائق ساعہ

ترجمہ: (۱) آج کے امور کی قید میں نہ گزار، کل کے لیے ذخیرہ جمع کر۔

(۲) تیری عمر کا سورج عصر کے وقت کو پہنچ گیا ہے عصر کا وقت تجھے مغرب کے وقت کی طرف کھینچ رہا ہے۔

(۳) نیند کرنے کا کیا معنیٰ جب موت قریب ہے گردابِ موت کی موج بالکل نزدیک ہے۔

(۴) جاگ، قیامت آگئی، ویسے تمام مخلوق کی عمر پل بھر ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ بے شک اللہ تعالیٰ نے کافروں پر لعنت فرمائی اس سے مطلقاً جملہ کفار مراد ہیں۔ نہ صرف منکرینِ حشر و قیامت بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاندین مراد ہیں۔ اور لعنت سے مراد یہ ہے کہ وہی رحمت عاجلہ و آجلہ سے دور فرما دیتا ہے کیونکہ انہوں نے حق سے استہزاء کیا کہ جس کی مخلوق میں ہر فرد کو نہایت ضروری اور اس کی استعداد کا اہتمام کرنا وَاَعَدَّ لَهُمْ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تیار فرمائی ہے سَعِيْرًا ۝ ایسی آگ جو سخت بھڑکائی ہوئی ہے خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے یعنی بھڑکائی ہوئی آگ میں ان کا ہمیشہ رہنا مقدر فرمایا اَبَدًا ہمیشہ کے لیے۔ یعنی وہ ایسی حالت

میں ہوں گے کہ دائمی طور بھڑکتی ہوئی آگ میں معذب رہیں گے۔ خلود کو تابید و دوام سے موکد فرمانے میں مبالغہ مطلوب ہے لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا اپنے لیے ایسا مددگار نہ پائیں گے جو ان کی حفاظت فرمائے وَلَا نَصِيْرًا ○ اور نہ ہی ایسا معاون پائیں گے جو ان سے عذابِ الٰہی کو دور کر سکے یا انہیں عذاب سے چھڑا سکے۔ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ یہ عدم وجدان کے لیے ظرف ہے اس دن کہ جہنم میں ان کے منہ ایک طرف سے دوسری طرف پھیرے جائیں گے جیسے گوشت کو پکانے کے لیے ہنڈیا میں ایک طرف سے دوسری طرف پھیرا جاتا ہے تاکہ وہ اچھی طرح پک سکے یا انہیں جہنم میں الٹا کر کے پھینکا جائے گا اور چہرے کی تخصیص صرف اسی لیے ہے کہ یہ تمام اجزائے انسانی سے اشرف و اکرم ہے اگرچہ یہاں پر ان کا تمام جسم مراد ہے یا اس کا معنٰی یہ ہے کہ ان کے حسن کو قبح سے تبدیل کیا جائے گا یعنی انہیں سفیدی سے سیاہی سے بدلا جائے گا يَقُوْلُوْنَ یہ جملہ مستانفہ بیانیہ اور سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ جب ان کے چہرے تبدیل ہو جائیں گے تو وہ کیا کریں گے اس کے جواب میں فرمایا کہ وہ اپنی غلطی کا احساس کرتے ہوئے کہیں گے يٰلَيْتَنَا یہاں پر منادیٰ محذوف ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حرف ندا محض تنبیہ کے لیے اس میں کوئی خاص فرد مراد نہیں اس کا معنٰی ہے کاش اَطَعْنَا اللّٰهَ ہم دار دنیا میں جیسے ہمیں حکم ہوا تھا اسے بجا لاتے اور جن امور سے ہمیں روکا گیا ان سے ہم رک جاتے اور ہم اطاعت کرتے اللہ تعالیٰ کی وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا اور جن امور کی ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دی ہم ان کی دعوت کو قبول کر کے ان کی اطاعت کرتے تو یہ دن نہ دیکھتے اور نہ ہی ایسے سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوتے وَقَالُوْا اور کافروں کی اتباع کرنے والے کہیں گے۔ اس کا عطف یقولون پر ہے اور مضارع سے ماضی کی طرف عدول کرنے میں اشارہ ہے کہ ان کا یہ قول قول سابق کا مسبب نہیں بلکہ یہ ان کے اعذار میں سے ایک عذر ہے۔ اس سے ان کی مراد صرف یہ تھی کہ جو لیڈر ان کے ایسے عذاب میں مبتلا ہونے کا موجب بنے انہیں سخت عذاب دیا جائے تاکہ ان کے عذاب سے ان کی تشفی ہو۔ اگرچہ انہیں یقین تھا کہ ان کے ایسے اقوال سے ان کی جان رہائی نہ ہو سکے گی رَبَّنَا اے ہمارے پروردگار اِنَّا اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی۔ اس سے ان کے وہ بڑے لیڈر مراد ہیں جنہوں نے انہیں کفر و شرک کی تلقین کی۔ اور ان کا انہیں سادات و کبراء سے تعبیر کرنا اپنے عذر کی تقویت و تائید کے لیے ہو گا ورنہ ان کے لیڈر اس وقت نہایت ذلت و خواری کی حالت میں ہوں گے۔

حلِ لغات السادات، سادۃ کی جمع ہے اور سادۃ، سید کی۔ گویا سادات جمع الجمع ہے اس میں کفار کے لیڈروں کی کثرت کی طرف اشارہ ہے۔ الوسیط میں ہے کہ عرب

میں سادۃ احسن الاستعمال ہے وہ سادات کو بہت کم استعمال کرتے ہیں۔ الکبراء، کبیر کی جمع ہے۔ یہ صغیر کے بالمقابل ہے۔ یہاں پہ کبراء سے کافروں کے وہ بڑے لیڈر مراد ہیں جو ان میں رتبہ و حال میں بڑے تھے۔

فَاَضَلُّوْنَا السَّبِیْلَا تو انہوں نے ہمیں کفر و شرک کی باتیں بہتر سے بہتر سُنا کر طریقِ اسلام و توحید سے پھیرے رکھا۔

حلِ لغات جیسے اضلہ عن الطریق کہا جاتا ہے۔ واضلہ الطریق کا ایک معنیٰ ہے بمعنے اخطاء یہ عنہ۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اُنھوں نے ہمیں گمراہ کیا یعنی انہوں نے ہمیں فسون و فسانوں سے سیدھی راہ سے ہٹا دیا۔

ف: الرسولا و السبیلا میں الف زائد ہے صرف آواز کو بڑھانے کے لیے بڑھایا گیا ہے اس لیے کہ ان آیات کے آخر میں الف ہے اور ایسے ہی اہلِ عرب اپنے خطبات و اشعار میں بوجہ ضرورت الف کو بڑھا دیتے ہیں۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ ابن کثیر و ابوعمرو و حمزہ و حفص و کسائی نے واطعنا الرسول فاضلوا السبیل وصل میں الف کے بغیر پڑھا ہے اور حمزہ و ابوعمرو و یعقوب نے وقف و وصل دونوں حالتوں میں بغیر الف کے پڑھا ہے اور باقی قراء نے دونوں حالتوں میں الف کے ساتھ پڑھا ہے تاکہ قوافی کے ساتھ فواصل کو مشابہت ہو۔ الف کی زیادتی آواز کو مطلق چھوڑنے کے لیے ہے اس سے وقف کا فائدہ ہوتا ہے تاکہ پتا چلے کہ یہاں کلام ختم ہو گیا ہے اور اس کے مابعد جملہ مستانفہ ہے، اسے حذف کرنا وصف و وقف میں قیاس ہے۔

رَبَّنَا کلام کو دُعاً بالنداء اور پھر مکرر لانے میں مبالغہ مطلوب ہے کہ وہ اپنے لیڈروں کو عذاب میں مبتلا ہونے کے بڑے مشتاق تھے اور چاہتے تھے کہ ان کی اس بارہ میں استدعا قبول ہو اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ اے اللہ! ہمارے عذاب سے انہیں دوہرے عذاب میں مبتلا فرما کیونکہ وہ خود گمراہ ہُوئے اور ہمیں بھی گمراہ کیا ایک عذاب ان کی اپنی گمراہی کی وجہ سے، دُوسرا ہمیں گمراہ کرنے کے باعث، وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ○ اور انہیں بہت زیادہ اور سخت ترین عذاب میں مبتلا فرما۔ اور الکبیر والعظیم ہر دو اعیان میں مستعمل ہیں پھر معانی میں استعمال ہونے لگا۔

خلاصہ یہ کہ انھوں نے اپنے لیڈروں کے لیے اللہ تعالیٰ سے استدعا کی کہ انہیں اپنی درگاہ سے ایسا دُور فرما کہ انھیں کوئی بھی اپنے ہاں نہ آنے دے اور ظاہر ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ اپنی درگاہ سے ہٹا دے اُسے پھر کون اپنے ہاں آنے دیتا ہے ○

ہرکرا قہر تو راند کہ تواند خواندن
وانکرا لطف تو خواند نتوانش راندن

ترجمہ: جسے تیرا قہر ہٹائے اسے کون بلا سکتا ہے اور جسے تیرا لطف بلائے اسے کون ہٹا سکتا ہے۔

ف: "کثیراً" بھی ایک قرأت میں آیا ہے بمعنے کثیر العدد۔

اب معنیٰ ہوگا کہ ان پر لعنت در لعنت بھیج۔ کثرت کے معنے کی تائید آیت اولٰئك علیھم لعنة اللہ والملائکة والناس اجمعین سے بھی ہوتی ہے۔

کشف الاسرار میں ہے: محمد بن ابی السری اللہ تعالیٰ کا ایک نیک بندہ تھا، نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مسجد عسقلان میں ہوں، کوئی شخص قرآن مجید پڑھ رہا تھا اس نے آیت والعنھم لعنا کبیراً پڑھی، میں نے اسے لقمہ دیتے ہوئے کہا، کثیراً۔ اس نے کہا: کبیراً۔ اسی اثناء میں مجھے حضور سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی ایسے محسوس ہوا کہ آپ درمیانِ مسجد سے منارہ کی طرف جانا چاہتے ہیں میں آگے کی طرف سے عرض گزار ہوا کہ: یا رسول اللہ! میرے لیے بخشش کی دعا فرمائیے۔ آپ نے دوسری طرف چہرہ مبارک پھیر کر چلنے کا ارادہ فرمایا میں اسی طرف حاضر ہوا اور عرض کی: استغفرلی۔ آپ نے بسوئے دیگر منہ پھیرا تو میں نے عرض کی۔ مجھے محمد بن المنکدر سے انہیں جابر بن عبداللہ سے خبر ملی کہ آپ کی عادت کریمہ ہے کہ آپ کسی سوال کو ردّ نہیں فرماتے اور کبھی اپنی زبان مبارک پر لا نہیں لاتے۔ لیکن اب آپ میرا سوال ردّ فرما رہے ہیں۔ میری اس عرض سے آپ نے تبسم فرما کر فرمایا: اللّٰھم اغفرلہ۔ اس کے بعد میں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس شخص اور میرے درمیان اختلاف ہے وہ آیت میں کبیراً پڑھتا ہے اور میں کثیراً بتاتا ہوں۔ آپ نے بدستور منارہ کی طرف جاتے ہوئے تین بار فرمایا: کثیراً کثیراً کثیراً۔

ف: آیات مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے عذاب کی خبر دی ہے اور ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ انھیں اس عذاب سے کس طرح ندامت ہوگی لیکن اس وقت وہ ندامت انہیں کوئی فائدہ نہ دے گی۔ اس وقت ملامت وعقوبت کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

۱ حسرت از جان او بر آرد دود
وان زمان حسرتش ندارد سود

۲ بسکہ ریزد ز دیدہ اشک ندم
غرق گردد ز فرق تا بقدم

(باقی ۱۳۲)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا
اے ایمان والو! ان جیسے نہ ہونا جنہوں نے موسیٰ کو ستایا تو اللہ نے اسے بری
مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ۭ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿٦٩﴾
فرما دیا اس بات سے جو انہوں نے کہی اور موسیٰ اللہ کے یہاں آبرو والا ہے
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿٧٠﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ
اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو تمہارے اعمال تمہارے لیے سنوار دے گا اور
يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا
تمہارے گناہ بخش دے گا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے اس نے بڑی
عَظِيْمًا ﴿٧١﴾ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ
کامیابی پائی بے شک ہم نے امانت پیش فرمائی آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر
فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ
تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر اور آدمی نے اٹھا
ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿٧٢﴾ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَ
لی بے شک وہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا بڑا نادان ہے تاکہ اللہ عذاب دے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک
الْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ
مردوں اور مشرک عورتوں کو اور اللہ توبہ قبول فرمائے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی اور اللہ
غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٧٣﴾
بخشنے والا مہربان ہے

تفسیر عالمانہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا اے ایمان والو! تم ان لوگوں سے نہ ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتے ہیں۔

شانِ نزول بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بی بی زینب کے ساتھ نکاح کرنے پر طعن و تشنیع کرتے تھے جیسا کہ تفصیل گزری ہے۔

گستاخِ نبوت کا قصہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر مالِ غنیمت تقسیم فرمایا تو

کسی گستاخ نے کہا کہ یہ تقسیم اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف ہوئی ہے ۔یعنی جانب داری برتی گئی ہے ۔ میں نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا حال سُنایا تو آپ نے اظہارِ ناراضگی فرمایا اور فرمایا : اللہ تعالٰی نے موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے کہ انھوں نے مجھ سے زیادہ تکالیف برداشت کیں۔

كَالَّذِينَ اٰذَوْا ان کی طرح جنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ایذا پہنچائی جیسے قارون اور اس کے ہمنوا۔ ایسے ہی بنی اسرائیل کے چند بیوقوف ، جس کی تفصیل آتی ہے۔ فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا براءۃ کا حقیقی معنی اس امر سے جان چھڑانا جس کا قریب ہونا طبع کو ناگوار ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی برأت کا ان باتوں سے اظہار فرمایا جو ان کے بارے میں ان کے مخالفین نے کہیں یعنی اس مضمون سے جو موسیٰ علیہ السلام کے لیے موجب نقص وعیب تھا اس لیے کہ برأت عیب سے

ص ۶۹۷ سے آگے

---

۳ آبِ چشمش شود دران شیون
آتشش را بخاصیّت روغن

۴ کاشں این گریہ پیش ازین کردی
غم این کار بیش ازین کردی

۵ ای بمہد بدن چو طفل صغیر
ماندہ در دست خوابِ غفلت اسیر

۶ پیش ازان کت اجل کند بیدار
گر بمردی ز خواب سر بردار

ترجمہ :(۱) حسرت کا دُھواں اس کی جان سے نکلے گا لیکن اس وقت حسرت کس کام کی !

(۲) آج اگر تیری آنکھ سے ندامت کے آنسو بہہ نکلیں تو سر سے پاؤں تک کے گناہ دھل جائیں گے۔

(۳) کل قیامت میں تیرے یہ آنسو رنگ لائیں گے ان کی آتش روغن خالص بن جائے گی۔

(۴) اے آنسو کاش آج سے پہلے تم میرے نصیب ہوتے ۔لیکن یہ غم بہت بے وقت ہو رہا ہے ۔

(۵) اے فلاں! تو تو بدن میں اس چھوٹے بچّے کی طرح ہے جو گہوارہ میں ہے تو خوابِ غفلت کے ہاتھ میں قیدی پھر رہا ہے ۔

(۶) اس سے قبل کہ تجھے اجل بیدار کرے اگر تو جوانمرد ہے تو خوابِ غفلت سے سر اٹھا۔

دُعا: اے اللہ تعالیٰ ہمیں غفلت سے بیدار فرما اور ہم سے کوتاہیوں کو دُور فرما اور ہم سے ان اچھے اعمال کی خدمت لے جن سے تُو راضی ہو۔ آمین

ہوتی ہے اور قول سے برأت کی جائے تو اسے تخلص سے تعبیر کرتے ہیں۔ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا
اور موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ہاں تھے وجاہت والے۔

حلِ لغات الوسیط میں ہے:
وجه الرجل يوجه وجاهة فهو وجيه اذا كان ذا جاه وقدر۔

تاج المصادر میں ہے:
الوجیہ بمعنی صاحبِ قدر وجاہ ہونا۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام صاحبِ جاہ و منزلت و قربت تھے اسی لیے انھیں عیب و نقص سے کس طرح موصوف کیا جا سکتا ہے!

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:
وجیہ بمعنی حظی ہے۔ یعنی وہ ذات کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ سے مانگے اسے مل جائے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ازل سے ہی وجاہت کے لیے فیصلہ ہو چکا تھا اس لیے بنی اسرائیل کے عیب و نقص کے اظہار سے غیر وجیہ نہیں ہو سکتے۔

ے

ان كنت عندك يا مولاى مطرحا
فعند غيرك محمول على الحذف

ترجمہ: اے میرے مولا! اگر میں تیرے ہاں گرا ہوا ہوں تو پھر تیرے غیر کے ہاں میری کیا وقعت ہوگی!

مثنوی شریف میں ہے: ے

کے شود دریا ز پوزِ سگ نجس
کے شود خورشید از پف منطمس

ترجمہ: دریا کتے کی ٹٹی سے کب پلید ہو سکتا ہے، سورج کسی کی تھوک سے کب بے نور ہو سکتا ہے!

بستان میں ہے: ے

امین و بد اندیش طشتند و مور
نشاید در و رخنہ کردن بزور

ترجمہ: امانت دار اور دشمن تھال اور چیونٹی کی طرح تھال میں بزور سوراخ نہیں کیا جا سکتا۔

موسیٰ علیہ السلام کی ایذاء کے اسباب

اس میں اختلاف ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی ایذاء کے اسباب میں اختلاف ہے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں؛

(۱) قارون نے ایک زانیہ کو بہت سا مال دے کر کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے بنی اسرائیل کے بھرے مجمع میں اعلان کر دے کہ میرا حمل موسیٰ علیہ السلام سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس غلط بیانی سے موسیٰ علیہ السلام کی نزاہت ظاہر فرمائی۔ یہاں تک کہ خود زانیہ نے اعتراف کیا کہ مجھے اس بہتان تراشی پر قارون نے مال دیا ہے۔ اس کے بعد قارون کے ساتھ وہی ہوا جو مشہور ہے یعنی زمین میں دھنسایا گیا۔ جس کی تفصیل سورۂ قصص میں ہے۔

۱ کند از بہر کلیم اللہ چاہ
در چہ افتاد و بشد حالش تباہ

۲ چون قضا آید شود تنگ این جہان
از قضا حلوا شود رنج دہان

۳ این جہان چون قحبۂ مکارہ بین
کس ز مکر قحبہ چون باشد امین

۴ او بمکرش کرد قارون در زمین
شد ز رسوائی شہیر عالمین

ترجمہ: (۱) کلیم اللہ کے لیے کنواں کھودا، لیکن خود اس کنویں میں گر کر تباہ ہوا۔

(۲) جب تقدیر آتی ہے تو جہان تنگ ہو جاتا ہے۔ قضا سے تو حلوہ بھی منہ میں کڑوا محسوس ہوتا ہے۔

(۳) اس جہان کو مکارہ رنڈی سمجھ۔ اس مکارہ رنڈی کے مکر سے بہت کم لوگ بچ کر نکلتے ہیں۔

(۴) اس کمینی کے مکر نے قارون کو زمین میں دبایا۔ رسوائی میں جملہ عالم میں مشہور ہوا۔

(۲) بعض علماء نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام پر قوم نے بہتان تراشا کہ آپ کے جسم پر برص ہے جو تمام بدن سپیدی کی لپیٹ میں آجاتا ہے در اصل یہ بیماری فساد مزاج کی وجہ سے ہوتی ہے یا یہ کہا کہ (معاذ اللہ) آپ کے دونوں خصیے بڑھ گئے ہیں۔ یہ بدگمانی انھیں اس لیے ہوئی کہ آپ حیاء و شرم سے اپنے کپڑے نہیں اتارتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے بدن کے تندرست ہونے پر مطلع

فرمایا بلکہ ظاہر فرما دیا کہ آپ کا جسم نورٌ علیٰ نور ہے۔

ف : بنی اسرائیل کے مذہب میں ننگا نہانا جائز تھا اور وہ ننگے ہو کر ایک دوسرے کے اجسام یہاں تک کہ ذکر اور خصیے وغیرہ دیکھ لیا کرتے تھے لیکن موسیٰ علیہ السلام سب سے الگ تنہائی میں نہاتے تھے۔ اس وجہ سے انہیں بدگمانی ہوئی کہ (معاذ اللہ) موسیٰ علیہ السلام کے خصیے بڑے ہیں۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں بھی ستر واجب تھا۔ کما قال ابن الملک۔

حجرِ موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

بنی اسرائیل کے بعض افراد نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام ہمارے ساتھ اس لیے نہیں نہاتے کہ آپ آدر یعنی بڑے خصیوں والے ہیں۔

ف : آدر بروزن افعل ہر وہ شخص جو ادرة یعنی خصیے بڑے ہونے کے مرض میں مبتلا ہو۔

ایک دفعہ موسیٰ علیہ السلام غسل فرمانے لگے تو کپڑے پتھر پر رکھ دئے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ وہی پتھر تھا جس سے پانی کے چشمے اُبلتے تھے وہ موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے بھاگا۔ موسیٰ علیہ السلام اس وقت غسل سے فراغت پا لی تھی اور کپڑے پہننے والے تھے۔ لیکن کپڑے پتھر اٹھا کر بھاگ رہا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام بعجلت پتھر کے پیچھے دوڑے اور وہ اس وقت ننگے تھے اور پتھر سے کہہ رہے تھے: اے پتھر! میرے کپڑے چھوڑ دے۔ لیکن پتھر بھاگتا ہوا وہاں جا نکلا جہاں وہ بنی اسرائیل تھے جو موسیٰ علیہ السلام پر طعن و تشنیع کرتے تھے لیکن جونہی موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو کہا: بخدا موسیٰ (علیہ السلام) تو ہر عیب سے پاک اور منزّہ ہیں اور وہ اس طرح نہیں جیسے ہم نے سمجھ رکھا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے پتھر سے کپڑے لے کر پہن لیے اور پتھر کو پانچ یا چھ یا سات یا بارہ کوڑے مارے۔ اور ان کوڑوں کے نشانات پتھر پر باقی رہ گئے۔

موسیٰ علیہ السلام کا غصّہ

انسان العیون میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو غصہ آتا تو آپ کے بال کھڑے ہو جاتے یہاں تک کہ ٹوپی کے باہر نظر آتے بلکہ بعض اوقات اس سے آگ کے شعلے اُٹھتے تھے۔ یہ بھی آپ کے غصّے کا ایک نمونہ ہے کہ آپ نے پتھر کو مارنا شروع کر دیا حالانکہ اسے شعور و ادراک نہیں تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے اٹھائے تو اس کو ادراک حاصل ہو گیا اور وہ بمنزلہ ایک جانور کے تھا۔ اور قاعدہ ہے کہ جب جانور سرکشی کرے تو مالک اسے صحیح حالت پر لانے کے لیے مارتا ہے (اس سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کا پتھر کو مارنا عبث فعل نہ تھا جیسا کہ بعض بد دماغ گروہ نے آپ پر عبث فعل کے ارتکاب کا طعنہ دیا ہے)[1]

(حاشیہ آگے)

صاحبِ رُوح البیان کی مزید تحقیق فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ جمادات میں بھی حیاۃ حقیق حقانی ہوتی ہے یہی اہل اللہ کا مذہب ہے اسی لیے اللہ والے جمادات سے احیاء جیسا معاملہ فرماتے ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے :

۱ باد را بے چشم اگر بینش نداد
فرق چوں میکرد اندر قوم عاد
۲ گر نبودی نیل را آں نور دید
از چہ قبطی را ز سبطی میگزید
۳ گر نہ کوہ و سنگ با دیدار شد
پس چرا داؤد را آں یار شد
۴ ایں زمیں را گر نبودی چشم جاں
از چہ قارون را فرو خورد آنچناں

ترجمہ[۱]: اگر اللہ نے ہوا کو آنکھ نہ دی ہوتی تو وہ قوم عاد میں کس طرح فرق کرتی !
(۲) اگر دریائے نیل کی آنکھ میں نور نہ ہوتا تو وہ قبطی و سبطی میں کیسے امتیاز کرتا !
(۳) اگر پہاڑ و پتھر میں آنکھ نہ ہوتی تو وہ داؤد علیہ السلام کے ساتھ کیسے موافقت کرتا !
(۴) اگر زمین میں روحانی آنکھ نہ ہوتی تو وہ قارون کو کیسے نگل جاتی !

(**قاعدہ ردِّ وہابیہ دیوبندیہ** ہم اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام ہر عیب و نقص سے پاک ہوتے ہیں۔ یہی مذہب اسلاف صالحین رحمہم اللہ کا ہے۔ چنانچہ صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ نے لکھا کہ :)[۲]

وفی القصۃ اشارۃ الی ان الانبیاء علیہم السلام لابد وان یکونوا متبرئین من النقص فی اصل الخلقۃ۔ (ج ۷، ص ۲۴۷)

(اور قصہ میں ہے اشارہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر نقص و عیب سے خِلقۃ (پیدائشی) طور پاک اور منزہ ہیں)

خود اللہ رب العزت ان کی برأت کے اسباب پیدا کرتا ہے اور کبھی ان کے لیے خرقِ عادت معجزہ

۱؎ اضافہ از اویسی غفرلہٗ ۲؎ ایضاً

بن جاتے ہیں جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے ہوا کہ پتھر کپڑے اٹھا کر بھاگا تھا جسے بنی اسرائیل نے دیکھا اور موسیٰ علیہ السلام کو عیب ونقص سے پاک پایا۔

معجزۂ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خصائص صغریٰ میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں تھا کہ آپ کا ستر کسی نے نہ دیکھا اگر کوئی دیکھ لیتا تو فوراً اندھا ہو جاتا (لیکن نہ کسی نے دیکھا نہ کوئی اندھا ہوا)[۲]

(۳) بعض نے کہا کہ بنی اسرائیل کا موسیٰ علیہ السلام کو ایذا دینے کا ایک سبب اور تھا وہ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام ایک دفعہ ہارون علیہ السلام کو لے کر ایک غار میں تشریف لے گئے وہاں ایک بہترین تخت بچھا پایا ہارون علیہ السلام اس پر سوئے تو وہیں پر ان کا انتقال ہوگیا جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ہاں لوٹے تو ہارون علیہ السلام آپ کے ساتھ نہ تھے۔ بنی اسرائیل نے کہا کہ انہیں موسیٰ علیہ السلام نے شہید کردیا ہے (معاذ اللہ) اس حسد پر کہ بنی اسرائیل کو بہ نسبت موسیٰ علیہ السلام کے ان سے زیادہ محبت تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا کہ بھلا کوئی اپنے بھائی کو قتل کرتا ہے اور پھر وہ میرے وزیر تھے لیکن انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی ایک نہ مانی۔ آپ نے دو رکعت نفل پڑھے اور دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی کہ جس تخت پر ہارون علیہ السلام فوت ہوئے وہی آسمان سے نیچے اُترا جسے بنی اسرائیل نے دیکھا کہ وہ تخت آسمان سے نیچے اُتر رہا ہے تب انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کو تخت سے اتار کر زمین میں دفن فرمایا۔ بعض روایت میں یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں وہیں پر دفن فرمادیا لیکن بنی اسرائیل کے شور مچانے پر انہیں ہارون علیہ السلام کے مزار پر لے گئے اور دعا مانگی کہ وہ زندہ ہوجائیں۔ چنانچہ ہارون علیہ السلام زندہ ہوئے اور اپنا تمام ماجرا کہہ سنایا کہ مجھے موسیٰ علیہ السلام نے شہید نہیں کیا۔ موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی وفات کی تفصیل سورۂ مائدہ میں ہم نے بیان کی ہے وہاں دیکھ لیجئے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اُمتِ مصطفویہ کو ہمکلامی کا شرف زمانۂ قدیم سے نصیب ہے اس لیے کہ موسیٰ علیہ السلام کو قوم نے بہت عرصہ پہلے ایذا پہنچائی اور وہ کلام اس کتاب میں مندرج ہوا۔ اور انہیں حکم ہوا کہ وہ اپنے دشمنوں کے لیے سخت تر ہوں اور آپس میں رحیم وکریم۔

حدیث شریف اسی لیے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یؤمن احدکم حتی یأمن جارہ بوائقہ۔

(تمہارا کوئی ایک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کا ہمسایہ اس کے شرور سے محفوظ نہ ہو)

---

[۱] و [۲] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

اور فرمایا:

• المؤمن من امنه الناس۔

(مومن وہ ہے جس سے لوگ مامون ہوں)

لا تکونوا میں اشارہ ہے کہ وہ ایذا کی صفت سے دُور ہوں۔ لیکن دشمنوں کے لیے اس صفت سے موصوف ہونا لازمی ہے اس لیے کہ یہ امت خیر امۃ ہے۔ اور اس میں اشارہ ہے کہ امر کُن کے وقت ہر موجود اپنی مخصوص صفت سے موصوف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امر کُن کے وقت جس امر کا مامور ہُوا وہ اسی طرح ہوگا اور جس سے روکا گیا وہ اس سے لازماً رک جائے گا۔ حضور علیہ السلام کو فرمان ہُوا:

• فاستقم کما امرت۔

(استقامت کرو جیسے تمہیں حکم ہے)

یہی وجہ ہے کہ استقامت کی صفت میں بالخصوص موصوف تھے اور انہیں ولا تکونن من الجاھلین کہہ کر جہل سے منع کیا گیا۔ اسی وجہ سے آپ کے لیے جہل ممتنع تھا۔

تفسیر عالمانہ **یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ** اے ایمان والو! اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق کی رعایت کرو اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی رعایت کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کے حکم کی فرمانبرداری کرنا۔ اور بندوں کے حقوق کی رعایت کا معنیٰ یہ ہے کہ انھیں ایذاء نہ دینا بالخصوص نبی علیہ السلام کے حقوق کا خصوصی خیال رکھنا کہ انہیں کسی قسم کی ایذاء نہ دینا۔

تقویٰ چار قسم ہے:

(۱) تقویٰ عام یہ ہے کہ وہ شرک سے بچیں۔

(۲) تقویٰ خواص یہ ہے کہ وہ معاصی سے کنارہ کشی کریں۔

(۳) اولیاء کرام میں خواص کا تقویٰ یہ ہے کہ افعال حسنہ سے وصالِ حق پائیں۔

(۴) انبیاء علیہم السلام کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور اسی کی طرف پہنچیں۔ (قال الواسطی)

وَقُوْلُوْا شیون الٰہیہ میں سے کسی شان میں کہو **قَوْلًا سَدِیْدًا** ○ بات سیدھی یعنی مستقیم جو مائل الی الحق ہو۔ یہ سدد یسد سدادا سے ہے یعنی وہ صواب اور مستقیم ہوگیا اس لیے کہ سداد بمعنے استقامت آتا ہے جیسے کہ کہا جاتا ہے:

سدد السھم نحو الرمیة۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب تیر صحیح نشانے پر لگے اور صحیح سمت سے ذرہ برابر بھی نہ ہٹے اور صدق بالذکر کے قول پر اس کا اطلاق ہوتا ہے لیکن صرف وہاں پر جہاں رضائے الٰہی مقصود ہو۔ اس میں نہ غیر کی ملاوٹ ہو نہ کذب کا شائبہ۔ اس لیے تقویٰ بمعنے نفس کو ان امور سے بچانے کا نام ہے جو

سزا کے مستحق بنائیں وہ معاملہ کسی فعل کے ارتکاب سے متعلق ہو یا رکنے سے۔ تقویٰ کی وجہ سے ان امور کا ارتکاب نہیں کیا جاتا جو سزا کا مستحق بنائیں۔ اس تقریر پر قول سدید تقویٰ میں داخل نہ ہوگا بلکہ وہ ایک علیحدہ مستقل امر ہوگا۔ بعض کے نزدیک القول السدید تقویٰ میں داخل ہے اس کا علاوہ ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ یہ تقویٰ کا بہت بڑا رکن ہے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ اس کے متعلق قولِ فیصل یہ ہے کہ السدید اس سچی بات کو کہا جاتا ہے جس میں کذب کا شائبہ تک نہ ہو۔ وہ قول مبنی برصواب ہو اس میں خطا کا بالکل احتمال نہ ہو۔ اس میں پختہ یقین ہو۔ وہم یا مزاح کا گمان بھی نہ ہو۔ اس میں انہیں روکا گیا ہے کہ بی بی زینب کے معاملہ میں معمولی سے معمولی تبصرہ بھی نہ کریں اس لیے کہ ان کے متعلق معمولی سی بات کرنے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء کا موجب ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے مسلمانو! تم افک کے واقعہ کی طرح بی بی زینب کے متعلق جھوٹ مت بولو۔ نہ صرف بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے واقعہ میں بلکہ اپنے ہر معاملے میں سچ کو اپنا شیوہ بناؤ اس لیے کہ زبان کی حفاظت کرنا اور سچی بات بولنا ہر بھلائی کی اصل ہے۔

حکایت یعقوب بن اسحاق المعروف بابن السکیت اکابر علمائے عربیہ سے ہیں۔ ایک دن متوکل باللہ خلیفہ عباسی کے پاس بیٹھے تھے کہ ان کے دو بیٹے معتز باللہ و مؤید باللہ آگئے۔ متوکل نے ان سے پوچھا: تجھے میرے یہی دو بیٹے زیادہ محبوب ہیں یا حسن وحسین رضی اللہ عنہما۔ انہوں نے فرمایا: بخدا مجھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا غلام قنبر تجھ سے اور تیرے دونوں بیٹوں سے محبوب تر ہے۔ متوکل باللہ نے عداوتِ علی رضی اللہ عنہ کی وجہ سے حکم دیا کہ ابن السکیت کی زبان گدی سے نکال لی جائے۔ ایسے ہی کیا گیا جس سے ابن السکیت فوراً فوت ہوگئے۔ عجیب تر یہ کہ ابن السکیت معتز باللہ و مؤید باللہ کے استاد تھے۔ انہوں نے ایک دن پہلے یہ اشعار اپنے شاگردوں کو پڑھ کر سنائے۔

ع

یصاب الفتی من عثرۃ بلسانہ
ولیس یصاب المرء من عثرۃ الرجل

فعثرتہ فی القول تذھب رأسہ
وعثرتہ فی الرجل تبرا علی مھل

ترجمہ : انسان کو جتنا زبان کے پھسلنے سے دکھ پہنچتا ہے اتنا پاؤں کے پھسلنے سے نہیں پہنچتا۔ اس لیے زبان کے پھسلنے سے بسا اوقات گردن اڑ جاتی ہے اور پاؤں کے پھسلنے کی تکلیف چند دنوں کے بعد رفع ہو جاتی ہے۔

يُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ تمہارے اعمال کی اصلاح فرمائے گا یعنی تمہیں اعمال صالحہ کی توفیق بخشے گا۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ تمہارے اعمال قبول کرکے ان پر ثواب عطا فرمائے گا۔
وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ اور تمہارے گناہ بخش دے گا یعنی تمہارے قول وفعل میں استقامت کو تمہارے گناہوں کا کفارہ بنائے گا۔

ف : اس سے معلوم ہوا کہ جسے اللہ تعالیٰ اعمال صالحہ کی توفیق بخشتا ہے تو اس کے گناہ بھی معاف فرما دیتا ہے۔

مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر و نواہی کی اطاعت کرتا ہے۔ تکلیفاتِ الٰہیہ بھی اوامر و نواہی میں داخل ہیں۔ طاعت بمعنے امر کی موافقت اور معصیت بمعنے امر کی مخالفت فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ○ تو وہ شخص دارین میں کامیاب ہوگا۔

حلِ لغات : الفوز بمعنے الظفر مع حصول السلامة یعنی حصولِ سلامت کے ساتھ کامیاب ہونا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرماں بردار دنیا میں محمود ہو کر گزارے گا اور آخرت میں مسعود ہوگا۔ یا وہ ہر خوف وغم سے نجات پا جائے گا اور جو کچھ چاہے گا پائے گا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ایمان تقویٰ کے بغیر نامکمل ہے۔ توحیدی عقیدہ اور جدوجہد سے حدودِ الٰہی کی حفاظت کا نام تقویٰ ہے اور تقویٰ تو اعمال صالحہ اور قول سدید سے حاصل ہوتا ہے۔ قولِ سدید سے لا الٰہ الا اللہ الخ مراد ہے تو اس کلمہ پر شرائط مداومت کی جائے یصلح لکم تو تمہارے اعمال تقویٰ کی اصلاح ہوگی یاد رہے اقوال کی اصلاح سے اعمال کی اصلاح نصیب ہوتی ہے اور ان دونوں کی اصلاح اصلاحِ احوال کا سبب ہے اور اصلاحِ احوال یغفر لکم ذنوبکم میں مذکور ہے۔ گناہوں کی مغفرت کا معنیٰ یہ ہے کہ اعمال کی اصلاح کے بعد حجابات اُٹھ جاتے ہیں یعنی مغفرت ربانیہ کے نور سے ظلمانی حجابات رفع ہو جاتے ہیں و من یطع اللہ یعنی اوامر و نواہی میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے ورسولہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کے مطابق صراطِ مستقیم پر چلتا ہے فقد فاز فوزاً عظیما تو وہ بہت زیادہ کامیاب ہوگا یعنی حجاباتِ وجودیہ سے نکل کر وجودِ ہویت کی فنا نصیب ہوگی اور بقائے ربوبیت کی بقا پائے گا۔

دوسری تقریر بعض صوفیاء کرام نے فرمایا کہ من یطع اللہ کا معنیٰ یہ ہے کہ جو بندۂ خدا تزکیۂ نفس اور محو صفات میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے فقد فاز تو وہ تحلیۂ الٰہی سے کامیابی پائے گا بلکہ صفاتِ الٰہیہ سے موصوف ہوگا۔ اور حقیقی کامیابی یہی ہے کہ بندے کو صفاتِ الٰہیہ سے موصوف ہونا نصیب ہو جائے۔

حدیث شریف صحیح مسلم شریف میں ہے حضرت جابر سے مروی ہے کہ:
اما بعد فان خیرا لحدیث کتاب اللہ تعالیٰ و خیرالھدی ھدی محمد۔
(اما بعد بہترین گفتگو اللہ تعالیٰ کی کتاب اور بہترین سیرت سیرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے)
یعنی بہتر رہبری وہی ہے جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

فائدہ صوفیانہ یاد رکھیے کہ افعال وصفات وذات کے مراتب توحید حاصل کرنے کا نام اطاعتِ الٰہی اور شریعت پر ثابت قدم رہنا اطاعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس لیے کہ بحرِ وجود اور ظلمۃ شرک سے نجات پانا یا تو نورِ کشف سے نصیب ہوتا ہے یا شریعت کی کشتی پر سوار ہونے سے نورِ کشف یوں نصیب ہوگا کہ اسے اللہ تعالیٰ کی مدد سے طلب کرے یہاں تک کہ اسے وہ نور حاصل ہوگا لیکن یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔ اور دوسرا یعنی شریعت کی رسّی کو مضبوط پکڑنا، یہ وحدانیت کے اقرار اور ایمان تقلیدی اور شریعت کے ظاہری امور پر عمل کرنے سے حاصل ہوگا۔

حکایت امام احمد حنبل رضی اللہ عنہ حضرت امام احمد حنبل رضی اللہ عنہ ایک بے عمل قوم میں رہتے تھے جو حمام میں ننگے نہاتے تھے۔ لیکن آپ شریعت کی پابندی کرتے تھے۔ آپ کو خواب میں کہا گیا کہ ہم نے آپ کو اس لیے امامِ وقت بنایا ہے کیونکہ آپ شریعت کی سختی سے پابندی کرتے ہیں۔

حکایت دیگر منقول ہے کہ جب بغداد میں معتزلہ نے خلقِ قرآن کے مسئلہ میں غلبہ پایا تو خلیفۂ وقت کے حکم سے حضرت امام احمد حنبل رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر لیا گیا جب خلیفہ کے دیوان صدر میں داخل ہونے لگے تو دربان نے کہا کہ امام صاحب! ثابت قدم رہنا، کامیاب ہو گے۔ چنانچہ میں نے ایک دفعہ چوری کی اور گرفتار کر لیا گیا مجھے ایک ہزار ڈنڈے مارے گئے تو بھی میں نے چوری نہ بتائی حتّٰی کہ مجھے رہا کر دیا گیا۔ جب میں نے ایک غلط کام پر استقامت کی تو کامیابی سے ہمکنار ہوا آپ تو حق پر ہیں استقامت کریں گے تو کامیاب ہو جائیں گے۔

حضرت امام احمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس کی اس بات سے بہت متاثر ہوا۔ اگرچہ امام صاحب بوڑھے اور کمزور و ناتواں تھے۔ ظالموں نے آپ کے دونوں ہاتھ پاؤں جکڑ دیئے اور ہزار دُرّے زور سے مارے اور کہتے: کہو قرآن مخلوق ہے۔ لیکن آپ نے یہ کلمۂ کفر زبان پر جاری نہ کیا، حتّٰی کہ غیبی امداد آئی اور آپ کی کمر کی زنجیر کھل گئی اور ہاتھ بھی بندھے ہوئے تھے، غیبی ہاتھ نے

ہاتھ کی زنجیر بھی کھول دی۔ شریعت کے اس امر کی پابندی کی وجہ سے آپ کی یہ کرامت ظاہر ہوئی۔
ایک دفعہ آپ نے حمام میں ننگے نہانے کے ارادے سے کمر بند کھولا اور سوچا کہ ننگا نہاؤں لیکن ساتھ ہی خیال گزرا کہ مخلوق نہیں دیکھ رہی خالق تو دیکھ رہا ہے اس لیے ننگا نہیں نہانا چاہیے۔ چنانچہ فوراً کمر بند باندھ لیا۔ جب ظالموں نے آپ کی (مذکورہ بالا) کرامت دیکھی تو آپ کو رہا کر دیا ؎

۱ در رہِ حق کشیدہ اند بلا
این بلا شد سبب بقرب و ولا
۲ صبر و تقویٰ و طاعت مولیٰ
نزد عارف زہر شرف اولیٰ

ترجمہ : (۱) ان حضرات نے راہِ حق میں مشقتیں اٹھائی ہیں۔ یہی مشقتیں ان کے لیے قرب اور حق کی دوستی کا سبب بنی ہیں۔
(۲) عارف باللہ کے نزدیک ہر شرف اور بزرگی سے صبر و تقویٰ اور طاعتِ الٰہی بہتر ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّا یہ نون جمع علماء کے نزدیک عظمۃ و کبریائی کا ہے اس لیے کہ بادشاہ اور عظماء جب اپنے لیے کوئی بات کہتے ہیں تو اپنے آپ کو صیغۂ جمع سے تعبیر کرتے ہیں اور عارفین کے نزدیک یہ نون اسماء و صفات کا ہے اس لیے کہ اسماء و صفات متعدد و متکثر ہیں
عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ۔

حلِ لغات عرض لی امر کذا بمعنے ظہر۔ اور عرضت لہ الشئی بمعنے اظہرتہ لہ و ابرزت الیہ۔ اور کہا جاتا ہے:

عرضت الشئ علی البیع۔

اور کہتے ہیں : عرض الجند۔
یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کو لشکر کا امیر بنایا جائے اور اس کے ذمہ لگایا جائے کہ وہ ان کی نگرانی کرے اور امانت خیانت کی نقیض ہے۔ یہاں پہ ہر وہ شے مراد ہے جو امانت کے طور رکھی جائے۔

امانت کے تین مراتب ہیں:

امانت کے مراتب (۱) تکالیف شرعیہ و امورِ دینیہ کہ جن کی نگرانی ضروری ہے اسی لیے انہیں امانت سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ ان کا وجود لازمی ہے جیسا کہ امانت لازمۃ الاداء ہے ایسے ہی یہ ہے۔

ف : الارشاد میں ہے کہ تکالیف شرعیہ کو امانت اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کے حقوق کی رعایت لازمی ہے اور ان امور کو اللہ تعالیٰ نے مکلفین کے ہاں امانت رکھا ہے اور ان پر انہیں امین بنایا جاتا ہے۔ انہیں حکم فرمایا ہے کہ انہیں احسن طریق سے طاعت سمجھ کر فرمانبرداری کے طور ادا کریں اور امر فرمایا ہے کہ وُہ ان کی رعایت اور پُورے طور محافظت کریں اور انہیں اسی طرح ادا کریں جیسے ان کی ادائیگی کے حقوق ہیں۔

امانت کیا ہے علماء کرام نے فرمایا کہ امانت سے عقل مراد ہے اس لیے کہ انسانی طاقت کے مطابق امور کا علم اسی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے اور انسانی طاقت کے موافق اسی کے ذریعے وہ افعال صادر ہوتے ہیں جو اچھے ہیں۔ اسی کی وجہ سے انسان کو بہت سی مخلوق سے فضیلت حاصل ہے۔

توحید بھی امانت ہے عقل کے حصول کے بعد توحید بھی انسان کو امانت کے طور نصیب ہے ایسے ہی ایمان بالیوم الآخر، اور نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد، سچی بات، فضول باتوں سے زبان کی حفاظت، امانتوں کی حفاظت۔ سب سے زیادہ سخت کام اسرار کو پوشیدہ رکھنا ہے۔ قرض کی ادائیگی، بھرتول وغیرہ میں عدالت، جنابت سے غسل، اعمال میں نیک نیتی، طہارت فی الصلوٰۃ، خلوت میں نماز اچھی طرح ادا کرنا، بلاؤں پر صبر کرنا، نعمتوں پر شکر کرنا، وعدہ کا ایفاء، حدودِ الٰہی کا قیام اور فرج و ذکر کی حفاظت، جبکہ اللہ تعالیٰ نے انسانی اعضا میں سب سے پہلے اسے پیدا کیا اور فرمایا کہ یہ وُہ شے ہے جسے میں تمہارے اندر بطورِ امانت رکھ رہا ہُوں۔ کان، آنکھ اور ہاتھ اور پاؤں اور حروفِ تہجی کی حفاظت، جیسا کہ امام راغب نے المفردات میں نقل فرمایا ہے مومن معاہد پر لازم ہے کہ وہ ہر قلیل و کثیر شے میں خیانت نہ کرے۔ علاوہ ازیں مواثیق و عہود کی حفاظت ضروری ہے جس کے متعلق نگہبانی کا حکم اللہ تعالیٰ نے عالمِ ارواح میں ارواح سے معاہدہ لیا اور بہ طورِ امانت یہی امور عطا فرمائے پھر ان کو جوہری جمادی جسے حجرِ اسود کہا جاتا ہے میں چھپا کر رکھ دیا۔ اور اسے اسود اس لیے کہتے ہیں کہ وہ تمام پتھروں کا سردار ہے اور ان مواثیق و عہود کو حجرِ اسود نے لقمہ کے طور نگل لیا۔ اسی لیے حجرِ اسود کو امین اللہ کا لقب ملا ہے اس لیے کہ یہ اس ازلی امانت کا محافظ ہے۔

عشق بھی امانت ہے امانت کے دُوسرے مرتبہ کا نام عشق و محبت ہے۔ در اصل یہ انجذابِ الٰہی ہے جسے امانت اُولیٰ کا ثمرہ کہا جاتا ہے۔ اسی عشق کی وجہ سے انسان کو ملائکہ پر فضیلت حاصل ہے اس لیے کہ اگرچہ ملائکہ کو درجۂ محبت نصیب ہوا

لیکن ان کی محبت وعشق بلا و محنت و تکالیف شاقہ پر مبنی نہیں بخلاف انسان کے عشق و محبت کے کہ وہ مبنی بر تکالیف شاقہ ہے اور قاعدہ ہے کہ ترقی تکالیف و مشاق و بلایا پر موقوف ہے۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا: ؎

شب تاریک و بیم موج وگردابے چنیں ہائل
کجا دانند حال ما سبکساران ساحل ہا

ترجمہ: شبِ تاریک اور بیم موج اور گرداب ایسے خوفناک ہیں کہ مجھ جیسے کم عقل ایسے ساحل کو کیسے معلوم کر سکتے ہیں!

شرح بیت مذکور شبِ تاریک، جلال ذات اور بیم موج سے صفاتِ قہر کا خوف اور گرداب سے بحرِ عشق کے موتی جنہیں عارفین امتحانات سخت اور برازخ خوفناک سے تعبیر کرتے ہیں۔ سبکساران سے زہاد و ملائکہ مراد ہیں اس لیے کہ یہ حضرات بحرِ عشق کے کنارے پر ہیں انھیں اس کے اندر جانا نصیب نہیں ہوتا بلکہ وہ طاقت وعبادت مجردہ میں وقت بسر کر دیتے ہیں اور وہ عبادت مجردہ امانت کی پہلی قسم ہے۔ ذیل کے شعر میں اسی طرف اشارہ ہے:

؎

فرشتہ عشق نداند کہ چیست قصہ مخواں
بخواہ جام گلابے بخاک آدم ریز

ترجمہ: عشق کو فرشتہ نہیں جانتا، اسے آگے نہ بڑھا جام کا گلابی پیالہ لے کر آدم پر ڈال دے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ کا مندرجہ ذیل شعر بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے: ؎

ملائک را چہ سود از حسن طاعت
چو فیض عشق بر آدم فرو ریخت

ترجمہ: حسنِ طاعت سے ملائکہ کو کیا فائدہ جبکہ عشق کا فیض اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام پر ڈالا۔

ف: لوامع میں ہے کہ یہ عجیب بات ہے کہ عشق عالم بشریت میں ہے اور یہ عشق ملکیت کے ملک میں نہیں اگرچہ وہ معصوم اور لطفِ الٰہی کے پروردہ ہیں اور محبت و عشق میں درد و الم نہ ہو تو اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ آدم علیہ السلام کو عشق کی وجہ سے اتجعل فیہا من یفسد فیہا سے مطعون کیا گیا اور آدم کو انہ کان ظلوما جھولا کا سرمایہ ملا اور ملائکہ کی طاقت کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے ایک پر سے کائنات کو تو چھپا سکتے ہیں لیکن بارِ امانت نہ اٹھا سکے اور یہ آدم زادہ

جس کی حالت یہ کہ چند ہڈیوں اور گوشت پوست سے مرکب لیکن دلیرانہ امانت کو سر پر رکھ لیا اس سے ثابت ہوا کہ یہ دلیر ہے تو اپنے دل کی وجہ سے۔ اور قاعدہ ہے کہ جتنا بوجھ دل اٹھا سکتا ہے بدن اس سے عاجز ہے۔

(۳) امانت کے تیسرے مرتبے کا نام فیضِ الٰہی ہے جو بلا واسطہ کسی کو نصیب ہوتا ہے اسے امانت سے اسی لیے تعبیر کیا گیا کہ یہ بھی منجملہ صفاتِ الٰہیہ سے ہے اسے کوئی بھی اپنے طور حاصل نہیں کر سکتا اور یہ حجب وجودیہ جسے ظلومیت وجہولیت سے تعبیر کیا گیا ہے سے فارغ ہونے پر حاصل ہوتا ہے اس کے بعد فنا فی وجود الہویت اور بقاء بقاء الربوبیت کا مقام نصیب ہوتا ہے، اور یہ مقام مرتبۂ ثانیہ کا نتیجہ ہے اور اسی کی غایت اس مرتبہ پر ہے اس لیے کہ عشق مقام محبت صفاتیہ سے اور فیض الٰہی اور فنائیت مقام محبوبیت ذاتیہ سے ہے اسی مقام پر قلب سے ایک طفل پیدا ہوتا ہے وہی زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہوتا ہے، اسی کو امانت کا حامل کہا جاتا ہے۔

ف : پہلا مرتبہ عوام کا، دوسرا خواص کا، تیسرا اخص الخواص کا ہے۔ پہلا مرتبہ دوسرے مرتبے کی راہ ہے اور دوسرا تیسرے کی۔ اس مرتبہ کا راز وہی پا سکتا ہے کہ جو بیتِ حق میں دروانے سے آتا ہے۔ یاد رہے کہ امانت کے جتنے وجوہ مفسرین نے بیان کیے ہیں سب حق ہیں۔

ف : امانت کا مرتبہ اولیٰ امانت کے لیے بمنزلہ ظرف اور برتن کے ہے اور دوسرے مرتبہ میں امانت کا مغز ہے، تیسرے میں مغز کا مغز ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت ہو تو یہ تینوں مراتب حاصل ہو سکتے ہیں۔ اس کی کرم نوازی ہو تو انسان اپنے مطالب کو پہنچ سکتا ہے۔

ف : آیت میں السمٰوٰت والارض والجبال سے واقعی آسمان و زمین و پہاڑ اور ان میں رہنے والے مراد ہیں اس لیے کہ انسان کا بارِ امانت اٹھانے کے لیے تیار ہونے کا تقاضا یہی ہے کہ جن کے ہاں امانت پیش کی گئی ہے وہ اس کے ماسوا جملہ موجودات مراد ہوں، وہ حیوان ہو یا اس کا غیر۔ یہاں پر حمل کی تخصیص اسی لیے ہے کہ اجسام میں بھی سخت اور ثابت اور قوی ترین ہے، چنانچہ لولاك لما خلقت الافلاك میں افلاك کی تخصیص ہے اس لیے کہ وہی اعظم الاجسام ہے۔ اسی لیے فابوا نہیں فرمایا کہ وہ ذوی العقول کے لیے آتا ہے۔

سوال : سمٰوٰت وغیرہا میں جمادات وغیرہ ہیں اور جمادات میں ادراک نہیں ہوتا۔ جب انہیں ادراک نہیں تو پھر ان کے لیے امانت پیش کرنے کا کیا معنیٰ؟

جواب : علماء کرام نے دو جواب لکھے،

(۱) حقیقی معنیٰ پر محمول ہے۔ اہلسنت کے مذہب میں یہی مناسب تر ہے اس لیے کہ وہ ایسے مقامات پر تاویل جائز نہیں سمجھتے بلکہ اپنے حقیقی معنے پر محمول کرتے ہیں معتزلہ اس کے خلاف ہے۔ اسے حقیقی معنے

پر محمول کرنے میں بھی دو تقریریں ہیں۔ ایک معنیٰ دوسرے معنے سے دقیق تر ہے۔ جمادات میں حقیقی حیات کے دلائل یہ ہیں؛

(i) الم تر ان اللّٰہ یسجد لہ من فی السمٰوٰت و من فی الارض والشمس والقمر و النجوم والجبال والشجر والدواب۔

(کیا نہیں دیکھتے ہو کہ بیشک اللّٰہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرتے ہیں وہ جو آسمانوں میں ہیں اور وہ جو زمینوں میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور جانور)

(ii) ائتیا طوعا او کرھا قالتا اتینا طائعین۔

(آؤ خود بخود یا مجبور ہو کر عرض کی ہم آئیں گے خود بخود)

(iii) وان منھا لما یھبط من خشیۃ اللّٰہ

(بیشک ان میں بعض وہ ہیں جو گرتے ہیں خوفِ الٰہی سے)

(iv) وان من شئی الا یسبح بحمدہٖ۔

(کوئی شئے ایسی نہیں جو اللّٰہ تعالیٰ کی تسبیح حمد کے ساتھ نہ کرتی ہو)

(v) کل قد علم صلاتہ وتسبیحہ۔

(ہر شے نے اپنی نماز اور تسبیح معلوم کر لی)

ف: حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ اکثر عقلاء بلکہ سب کے سب فرماتے ہیں کہ جمادات کو عقل نہیں اس پر وہ اپنی بصارت کے مطابق لکھتے ہیں لیکن عقلاء کا خیال غلط اور بالکل غلط ہے وہ ہم اہلسنت کی اس دلیل کو ٹھکرا دیتے ہیں جب ہم کہتے ہیں کہ پتھروں نے نبیوں ولیوں سے گفتگو کی۔ وقتی طور پر اللّٰہ تعالیٰ نے ان میں حیات پیدا کی تھی۔ ہم کہتے ہیں کہ حیوٰۃِ عالم کائنات کے ذرہ ذرہ میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ ہماری دلیل حدیث شریف میں ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا؛

ان کل شئی سمع صوت المؤذن من رطب ویابس یشھد لہ۔

(جب مؤذن اذان دیتا ہے تو ہر خشک و تر شے سنتی ہے اور (قیامت میں) مؤذن کی اذان کی گواہی دیں گی)

اور ظاہر ہے کہ گواہی وہی دے گا جسے علم ہوگا۔ یہ علحدہ بات ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ نے تمام جنات اور انسانوں سے جمادات کے حیوٰۃ سے ادراک سلب فرما لیا ہے ہاں اللّٰہ تعالیٰ جس کی آنکھ کھول دے جیسے ہم لوگ اور ہم جیسے اولیاء اللّٰہ کو اللّٰہ تعالیٰ کی کرم نوازی سے جمادات کی حیوٰۃ کا علم ہے بلکہ ہم اس پر کسی

دلیل کے محتاج نہیں اس لیے کہ حق تعالیٰ نے ہمیں کشف کی قوت بخشی ہے کہ ہم ان کی حیات کو جانتے ہیں اور ان کی تسبیح اور ان کی گفتگو کو ہم سُنتے ہیں ایسے ہی جب پہاڑ پر تجلی حق کا اثر ہُوا تو پہاڑ سے آواز آئی۔ یہ بھی اس کی حیات کی دلیل ہے اس لیے کہ اسے عظمتِ الٰہی کا علم تھا اگر اسے عظمتِ الٰہی کا علم نہ ہوتا تو اس کی آواز سنائی نہ دیتی۔

مصنّف کے شیخ کی تقریر ہمارے شیخ اور پیر و مرشد قدس سرہٗ نے ایک دفعہ ہم سب کو روزہ کے افطار کے وقت بلایا۔ جب ہم سب مل کر آپ کے سامنے بیٹھے تو آپ کے سامنے پانی اور کیک لایا گیا آپ بڑھاپے کی وجہ سے آخری عمر میں کیک کھایا کرتے تھے۔ آپ نے اثنائے افطار میں فرمایا کہ اس روٹی میں بھی حیاۃ حقیقی ہے اس کا جسم ہمارے اجسام کو قوت دیتا ہے اور اس کی روح ہماری روح کو طاقت بخشتی ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

علم و حکمت زاید از لقمۂ حلال
عشق و رقت آید از لقمۂ حلال

ترجمہ: لقمۂ حلال سے علم و حکمت پیدا ہوتی ہے لقمۂ حلال سے عشق و رقت پیدا ہوتی ہے۔

پھر فرمایا کہ ہر موجود میں روح ہے روح حیوانی یا حقانی۔ میّت کو بھی ایک اور روح حیوانی عطا ہوتی ہے جو اس روح حیوانی کی غیر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس میّت کو بلائے تو وہ بول پڑے گی۔ اس میّت کا بولنا اسی دوسری دلیل کی وجہ سے ہے نیز آیت:

وان من شئ الا یسبح بحمدربہ

دلالت کرتی ہے کہ ہر شجر و حجر وغیرہ میں روح ہے۔ اگر ان میں رُوح نہ ہو تو وہ تسبیح کیسے پڑھتی ہیں! دیکھیے داؤد علیہ السّلام کے ساتھ پہاڑ تسبیح پڑھتے تھے اور سلیمان علیہ السلام کے تخت کو ہوا اٹھا کر چلتی تھی۔ قارون زمین میں دھنس گیا یعنی اسے زمین نے کھینچا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں شوکھا ستون بول پڑا اور پتھروں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھا۔ علاوہ ازیں بے شمار دلائل قائم کیے جا سکتے ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ چون شما سوے جمادی می روید
محرم جان جمادان چون شوید
۲ از جمادی عالم جانہا روید
غلغل اجزاے عالم بشنوید

۳ چون ندارد جان تو قندیلها
بہر بینش کردہٴ تاویلہا

ترجمہ (۱) جب تم ڈھیلوں پتھروں کی طرف جاؤ، جب تم ان کی جانوں کے محرم راز ہوگے
(۲) جب ڈھیلوں پتھروں سے ان کی ارواح کے ملک میں جاؤ گے تو ان کے جہان میں ذکرِ الٰہی کا بہت شور سنو گے۔
(۳) چونکہ تیری روح روشنی نہیں رکھتی اس لیے تو ہزاروں تاویلیں کرتا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ قادر ہے اس نے عقل وفہم کو جمادات مذکورہ میں پیدا فرمایا اس کے بعد ان کے سامنے امانت پیش فرمائی جیسے نمل سلیمانیہ اور ہُدہُد و دیگر طیور و وحوش و سباع بلکہ جملہ حجر و شجر اور مٹی کے ذرہ ذرہ میں عقل وفہم پیدا فرمائی۔ اسی عقل وفہم کی وجہ سے ان اشیائ نے خطابِ الٰہی سنا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے انہیں طاقت بخشی جس سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کا جواب دیا۔ مثلاً انھیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تم میری اس امانت کو اٹھاؤ گے جس پر تمہیں عمل کرنے کا ثواب بہشت کی نعمتیں نصیب ہوں گی اگر خلاف کرو گے تو عذاب اور جہنم کی آگ میں تمہیں دھکیلا جائے گا۔

فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَهَا

حلِ لغات الابائ بمعنے سخت امتناع۔ ہر امتناع ابائ ہے اور ہر امتناع ابائ نہیں (یعنی ان سب نے امانت کے بوجھ اٹھانے سے انکار کیا۔

وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا۔

حلِ لغات المفردات میں ہے کہ الاشفاق بمعنے وہ عنایت جس میں خوف ہو اس لیے کہ جس پر شفقت کی جائے اس سے شفقت کرنے والا محبت کرتا ہے اور اسے خوف ہے کہ اسے کوئی پریشان امر نہ ستائے۔ جب یہ مِنْ سے متعدی ہوتا ہے تو اس وقت خوف کا معنی زیادہ ظاہر ہوتا ہے اور جب لفظ علیٰ سے متعدی ہو تو اس وقت عنایت کا معنی زیادہ ظاہر ہوتا ہے۔ جیسا کہ تاج المصادر میں ہے:

الاشفاق: ترسیدن ومہربانی کردن۔

(الاشفاق: ڈرنا اور مہربانی کرنا)

اور علیٰ کے ساتھ متعدی ہو تو بھی دونوں معنے دے گا۔ ان میں کوئی فرق نہ آئے گا۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ امانت اور اس کے اٹھانے سے ہمیں خوف ہے اور کہا اے رب کریم! ہم تیرے حکم کے پابند ہیں نہ ہمیں ثواب کی ضرورت ہے نہ عذاب کی۔ یہ جواب انہوں نے ازراہِ معصیت

نہیں بلکہ اس خوف وخشیت سے کہ ان سے امانت کے حقوق ادا نہ ہوسکیں گے تو عذاب میں مبتلا ہوجائیں گے اگر انھیں اللہ تعالیٰ کی وسعتِ رحمت پر بھروسا اور اس کی معرفت واستعداد ہوتی تو وہ ہرگز انکار نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ کا امانت کا پیش کرنا ایجاباً والزاماً نہ تھا بلکہ اختیاراً تھا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے امرِ ایجابی والزامی کی مخالفت وانکار سزا کا موجب بنتا ہے اور درجات کمالیہ سے ساقط الاعتبار کا سبب ہوتا ہے ان کے انکار وابا پر اللہ تعالیٰ کا زجر وتوبیخ نہ کرنا دلالت کرتا ہے کہ یہ امر ایجابی والزامی نہیں بلکہ اختیاری تھا۔

سوال: یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ امانت جسم نہیں لیکن اسے حمل سے تعبیر کیا گیا ہے اور حمل اجسام کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: یہ بفرضِ تقدیر اور تمثیل کے قبیل سے ہے چونکہ ان میں امانت کے بوجھ اٹھانے کی استعداد تھی اسی لیے ان کے سامنے پیش کرنے سے تعبیر کیا گیا ہے تاکہ امانت کا مہتم بالشان ہونا معلوم ہو اور انہیں اس کے قبول کرنے کی رغبت ہو اور ان میں استعدادِ عدمِ قبول بھی تھی اس لیے اسے اباء و اشفاق سے تعبیر کیا گیا تاکہ معلوم ہو کہ امانت ایک عظیم امر ہے اور اسے وہ عظمت حاصل ہے کہ اس سے خوف کیا جائے۔ پھر اسے حمل سے اسی لیے تعبیر کیا گیا کہ جیسے اجسام ثقیلہ کے اٹھانے کے لیے بہت زیادہ طاقت وقوت کی ضرورت ہے ایسے ہی اس امانت کو اٹھانا بھی کسی مردِ میدان کا کام ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ یہ امانت ایک ایسی عظیم المرتبت شے ہے کہ بفرضِ محال اگر ان بڑے بڑے پہاڑوں اور آسمانوں اور زمینوں اور ان کے مکینوں کے سامنے پیش کی جاتی تو انکار کر جاتے اور اس کے اٹھانے سے گھبرا جاتے۔ اس تقریر پر مطلب صاف ہے کہ سرے سے امانت ان کے سامنے پیش ہی نہیں کی گئی لیکن فرضی امر کو حقیقی رنگ میں بیان کیا گیا ہے اس لیے کہ تمثیل میں معنیٰ مقصود زیادہ محقق اور زیادہ واضح ہوتا ہے **وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ** اور اس امانت کو جب انسان کے سامنے پیش کی گئی تو اس نے بلا توقف وتاخیر اٹھالی۔ یہاں پر انسان کی جنس مراد ہے جیسا کہ انہ کان ظلوماً جھولاً سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی باوجودیکہ انسان نہایت کمزور اور قوت کے لحاظ سے بالکل ضعیف تھا لیکن اس نے اسے ہمت کر کے اٹھالیا اور کسی شے کے اٹھانے کے لیے ہمت ضروری ہے بسا اوقات قوت وطاقت کے فقدان کے باوجود ہمت کی وجہ سے شے کو اٹھا لیا جاتا ہے۔

ف: الارشاد میں ہے کہ یہاں پر حمل بمعنے قبول ہے یعنی چونکہ اس میں استعداد فطری تھی اور میثاق میں اس نے بلیٰ کہہ کر وعدہ بھی کر لیا تھا اسی لیے امانت کے اٹھانے کا اعلان سنتے ہی اسے فوراً قبول کر لیا۔ جب انسان نے امانت کو اٹھا لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے انعام میں یوں فرمایا:

وحملناھم فی البر والبحر۔

اس لیے کہ قاعدہ ہے: ھل جزاء الاحسان الا الاحسان۔

مثلہ سمجھیے اسے یُوں سمجھیے کہ ایک درخت ایسا ہو کہ اس کی جڑ مضبوط اور اس کی شاخیں بہت زیادہ۔ لیکن پھل چھوٹا جیسے آم۔ دُوسرا وہ درخت نہایت ضعیف اور کمزور لیکن اس کا پھل بہت موٹا جیسے خربوزہ یا کدو وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ کمزور درخت اپنے پھل کو نہیں اٹھا سکتا۔ لیکن انسان نے کمزور ہونے کے باوجود بہت بڑا بوجھ اُٹھا لیا۔ یہی اس کا کمال ہے۔ اسی لیے مشایخ فرماتے ہیں کہ اے انسان! تُو نے اپنے بوجھ کو سر پر تو اٹھا لیا لیکن اسے احسن وجوہ سے نبھا تاکہ خلقِ خدا کو معلوم ہو کہ تجھ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل و احسان ہے کہ تیرے ضعف و کمزوری پر رحم فرما کر تجھے اتنا بڑا بوجھ اٹھانے کی توفیق بخشی، اور تیرے ہی لیے فرمایا: وحملناھم فی البر والبحر۔

خلاصۂ کلام یہ کہ بلاواسطہ قبول فیض الٰہی اور عشق صرف انسان کے ساتھ مخصوص ہے۔ باقی تمام مخلوق اس نعمت سے محروم رہی وہ اس لیے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ نے اپنا نور مخلوق پر چھڑکا جو صرف انسان کو نصیب ہُوا۔ لیکن جس رُوح کو اس نور کے چھینٹے نصیب ہُوئے وہ بلاواسطہ قبول فیض الٰہی و عشق کا مسند ہوا۔ اس سے ثابت ہُوا کہ عشق اور فیض الٰہی جملہ مخلوق کے سامنے پیش کیا گیا لیکن اسے اٹھایا تو صرف انسان نے، وُہ اس لیے کہ جملہ مخلوق بمنزلہ جسم کے اور انسان بمنزلہ قلب کے ہے۔ اس کی مثال انسانی رُوح کی ہے کہ وُہ جسم کے ایک ایک ذرّہ کے سامنے پیش ہوا لیکن تمام جسم نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا تو قلب نے ہی اٹھا لیا۔ اسی وجہ سے اب روح کے نور کا عکس جملہ اجسام پر پڑتا ہے تو قلب کے واسطہ سے، ایسے ہی عشق و فیض الٰہی کی جملہ مخلوق محتاج ہے لیکن یہ انسان کے ذریعہ سب کو ملتا ہے۔ وہ مخلوق عالم ملک کی ہو یا عالم ملکوت کی۔ عالم ملک سے عالم دنیا مراد ہے۔ ظاہر ہے کہ عالم دنیا کو جو کچھ مل رہا ہے وہ انسان کی بدولت۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک دنیا میں انسان موجود ہے دنیا آباد ہے جب انسان یہاں سے چلا جائے گا تو دنیا بھی مٹا دی جائے گی اور عالم ملکوت بھی اگرچہ امرِ کُن سے ظاہر ہُوا اور عالمِ ملکوت کو عالمِ باطن یعنی آخرت سے تعبیر کیا جاتا ہے اسے بھی فیضِ الٰہی حاصل ہوگا تو رُوحِ انسان کی وجہ سے۔

یاد رہے کہ تخلیقی کام سب سے پہلے انسان کی رُوح سے شروع ہُوا۔ اسی معنے پر امر کُن سے فیضِ الٰہی کا تعلق براہِ راست روحِ انسان سے متعلق ہُوا، اس کے بعد عالمِ ملکوت کو نصیب ہُوا۔ اس سے ثابت ہُوا کہ عالمِ کون کا ظاہر ہو یا باطن، سب کا سب انسان سے آباد ہے۔ خلافت صرف انسان کو عطا کرنے کا اصل راز یہی ہے۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں الانسان سے صرف آدم علیہ السلام مراد ہیں۔

امانت کی کیفیت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امانت کو ایک بھاری پتھر کی طرح ڈال کر آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں کو اٹھانے کے لیے بلایا سب نے اٹھانے سے انکار کر دیا، یہی نہیں بلکہ اس کے قریب جانے کی بھی جرأت نہ کر سکے اور عرض کی: یہ بوجھ ہم سے اُٹھنے کا نہیں۔ پھر آدم علیہ السلام بن بلائے تشریف لائے تو وہ پتھر ہلنے لگا۔ آدم علیہ السلام نے کہا: اگر مجھے اجازت ہوتی تو میں اسے اٹھا لیتا۔ آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں نے عرض کی: آپ ہی اٹھا لیجئے۔ آپ اسے اٹھا کر گھٹنوں تک لے آئے پھر رکھ دیا اور فرمایا کہ اگر چاہوں تو میں اسے اور اوپر اٹھا لوں۔ انہوں نے عرض کی: تو پھر اٹھائیے۔ آپ نے اسے پھر اٹھایا اور اسے سینے تک لے آئے۔ اس کے بعد پھر رکھ دیا۔ پھر فرمایا: اگر چاہوں تو اس سے بھی اوپر اٹھا سکتا ہوں۔ اُنھوں نے عرض کی: تو اُٹھائیے۔ آپ نے اسے اٹھایا تو اپنے کندھوں تک لے گئے۔ اس کے بعد آپ نے اسے نیچے رکھنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! اب اسے نیچے مت رکھو اس لیے کہ اب یہ امانت آپ کے اور آپ کی اولاد کے گلے میں قیامت تک کے لیے ڈال دی گئی ہے ؎

آسماں بارِ امانت نتوانست کشید
قرعۂ فال بنام من دیوانہ زدند

ترجمہ: آسمان بارِ امانت نہ اٹھا سکا، اس کا قرعۂ فال اس دیوانے کے نام پڑا ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے جب آسمان و زمین اور پہاڑوں نے بارِ امانت کے اٹھانے سے عجز کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا: میں نے اپنی امانت آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تو انہوں نے معذوری ظاہر کی لیکن آپ نے اسے بلا توقف اٹھا لیا۔ یاد رکھئے کہ اس کے اندر ایک اور بوجھ ہے جو اس سے بھی شدید تر ہے۔ عرض کی: وہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر نیکی کرو گے تو جزا پاؤ گے ورنہ سزا۔ آدم علیہ السلام نے عرض کی: بسر و چشم۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم اس میں مضبوطی دکھاؤ گے تو میں تیری مدد کروں گا، یوں کیجئے کہ اپنی آنکھوں پر پردہ ڈالیے اور صرف ان چیزوں کو دیکھئے جو آپ کے لیے جائز ہیں اور زبان کو قابو میں رکھئے اور صرف وہ بات کیجئے جو آپ کے لیے جائز ہے اور اپنی فرج کو محفوظ رکھئے اسے صرف اس پر استعمال کیجئے جو تمہارے لیے حلال ہو۔

ف: شیخ جنید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کی نگاہ ذاتِ حق پر تھی انہیں نہ امانت کی خبر تھی اور نہ اس کی لذت و ذوق کی خبر۔ اسی لیے انہیں بارِ امانت اٹھانے کا احساس تک نہ ہوا اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تم نے مجھے مطمحِ نظر بنایا اس لیے بارِ امانت تم نے اٹھا لیا ورنہ تم کہاں اور بارِ امانت کہاں! آئندہ بھی اگر تم نے مجھے اپنا مطمحِ نظر بنائے رکھا تو نہ صرف ہر دکھ اور تکلیف سے محفوظ و مصئون رہو گے بلکہ ترقی اور عروج پاؤ گے۔ چنانچہ فرمایا: وحملناهم فی البر والبحر۔

ف : مروی ہے کہ آدم علیہ السلام نے امانت اٹھاتے وقت کہا کہ اپنی قوت کے سہارے اٹھاؤں یا اللہ تعالیٰ کی طاقت و قوت سے ؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو بھی کوئی بوجھ اٹھاتا ہے وہ ہماری قوت و طاقت سے ہی اٹھاتا ہے بالخصوص وہ بوجھ جو ہماری طرف سے ہوں ان کے لیے ہماری قوت و طاقت کو خصوصی دخل ہوتا ہے ؎

راہ او را بدو تواں پیمود   بار او را بدو تواں برداشت

ترجمہ : اس کی راہ اسی کے ذریعے طے کی جا سکتی ہے ۔ اس کا بوجھ اسی کے ذریعے اٹھایا جا سکتا ہے ۔

کسی اور بزرگ نے فرمایا : ؎

آں بار کہ از بردن آں عرش ابا کرد
با قوت او حامل آں بار تواں بود

ترجمہ : وہ بوجھ کہ جسے عرش نے اٹھانے سے انکار کر دیا اسی بوجھ کو اس کی عطا کردہ قوت سے اٹھایا جا سکتا ہے ۔

خلاصہ یہ کہ جسے اللہ تعالیٰ نے انی جاعل فی الارض خلیفۃ کا تاج پہنانا تھا اسی کو بارِ امانت اٹھانے کی طاقت بخشی ۔ یہ بوجھ کسی اور سے ہرگز نہ اٹھایا جا سکتا تھا چونکہ اس کے ازلی دشمن ابلیس کے حسدِ دیرینہ کا اس پر اثر انداز ہونے کا خطرہ تھا کہ اس کی اسے نظرِ بد نہ لگ جائے اس لیے اسے انہ کان ظلوما جھولا کا ٹیکہ لگا دیا گیا تاکہ وہ شیطان کی نظرِ بد سے محفوظ رہے ۔ کما قال : اِنَّهٗ بے شک انسان كَانَ ظَلُوْمًا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اور امانت کے حقوق کو ادا نہ کر کے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے جَهُوْلًا اپنی عاقبت کی کنہ سے نادان ہے ۔

ظلم کے معانی ظلم بمعنے شے کو اس کے مخصوص محل کے بجائے غیر محل میں رکھنا یا نقصان کر کے یا زیادہ کر کے یا وقت یا مکان سے عدول کر کے ۔ ظلمت السقاء اسی سے ہے ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں کہ جب سقاء کو بے وقت لیا جائے ۔ اور کہتے ہیں : ظلمت الارض ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب زمین کو بے جا کھودا جائے ، اس زمین کو مظلومہ اور جو مٹی اس زمین سے نکلے اسے ظلیم کہا جاتا ہے ۔ اور اس نقطہ کے تجاوز کو بھی ظلم کہتے ہیں جو دائرہ سے ہٹ جائے ۔ اور ہر قسم کے تجاوز کو ظلم کہا جاتا ہے وہ تجاوز قلیل ہو یا کثیر ۔ اسی لیے صغیرہ گناہ کو بھی ظلم کہتے ہیں اور کبیرہ گناہ کو بھی ۔ اسی لیے آدم علیہ السلام کے دانۂ گندم کو کھانے کو بھی ظلم سے تعبیر کیا گیا اور ابلیس کی نافرمانی کو بھی ، حالانکہ ان دونوں کے ظلموں میں بہت بڑا فرق ہے ۔ بعض حکماء نے فرمایا کہ ظلم تین قسم کا ہے :

(۱) ظلم بین الانسان و بین اللہ ۔ اس میں سب سے زیادہ ظلم کفر و شرک اور منافقت ہے ۔

(۲) ظلم بینہ وبین الناس۔

(۳) ظلم بینہ وبین نفسہ۔

غور سے دیکھا جائے تو یہ تینوں نفس کے لیے ہیں اس لیے کہ انسان جس پر بھی ظلم کرے اس کا اثر پہلے اس کے نفس پر پڑتا ہے ؎

اول بظالمان اثر ظلم می رسد
پیش از ہدف ہمیشہ کمان تار میکند

ترجمہ: ظلم کا اثر پہلے ظالم پر پڑتا ہے جیسے نشانے سے پہلے کمان کی تار خود کمان پر پڑتی ہے۔

جہل کی معنیٰ اور اس کی قسمیں

جہل بمعنے نفس کا علم سے خالی ہونا۔ جہل کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ جہل البسیط

۲۔ جہل المرکب

جہل بسیط ضعیف ہوتا ہے اور جہل مرکب قوی۔ اور جہل مرکب یہ ہے کہ انسان کو علم نہ ہو کہ وہ نہیں جانتا اسی لیے کہ وہ شے کے حصول سے محروم ہوگا اسی لیے یہ قسم قوی ہے۔

(اور بسیط یہی ہے کہ انسان کو معلوم ہو کہ میں نہیں جانتا اس لیے اس کے حصول کی کوشش کرے گا اسی لیے یہ ضعیف ہے)[1]

ف: الارشاد میں ہے کہ انہ کان الخ یہ حملِ امانت اور اس کے نتیجہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے اسے اس لیے لایا گیا کہ انسان امانت کی ادائیگی میں کمی یا کوتاہی کرتا ہے تو اس کی دو وجہیں ہیں:

۱۔ ظلم اور

۲۔ جہل

اور یہ بھی افرادِ انسانی کی کثرت کی وجہ سے ہے۔ یعنی وہی لوگ جو اپنی فطرتِ سلیمہ کے موجب اور یوم الارواح کے عہد و پیمان پر عمل نہیں کرتے ورنہ وہ حضرات یہاں کیسے مراد ہو سکتے ہیں جنہوں نے نہ تو فطرتِ سلیمہ کو تبدیل کیا اور نہ ہی عہدِ الست کے بعد 'بلیٰ' کہنے کی خلاف ورزی کی۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ ظلوم وجہول انسان کی عادت کا اظہار ہے کہ انسان من حیث الانسان ظلوم وجہول ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں: الماء طھور۔ یعنی الماء من حیث الماء طھور ہے۔ پھر عوارض لاحقہ سے اصلی عادت کو چھوڑتا ہے۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

اہلِ ظواہر کا معنیٰ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اہلِ ظواہر کے نزدیک ظلوم وجہول ہر دو صفات مذموم ہیں اس لیے کہ ظلوم وجہول وہی ہیں جو وفا و ادا کی بجائے غدر اور خیانت کریں۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ قاعدہ ہے کہ جس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے وہ اس پر مہر لگا دیتا ہے یہاں تک کہ جب شے لے جانے کا وقت آتا ہے تو پہلے اس مہر کو دیکھتے ہیں۔ اگر وہ صحیح حالت میں ہو تو امانت دار کی تعریف و توصیف کی جاتی ہے۔ ایسے ہی الست بربکم فرما کر اللہ تعالیٰ نے بندے کو توحید کی امانت سپرد کر کے اس پر مُہر لگا دی۔ جب بندے پر موت آئی اور قبر میں پہنچا تو من ربك الخ جیسے سوالات سے اس کی امانت و دیانت کو ظاہر کیا جاتا ہے۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

از دم صبح ازل تا آخر شام ابد
دوستی و مہر بر یک عہد و یک میثاق بود

ترجمہ: ازل سے ابد تک ہماری دوستی اور محبت میں کوئی فرق نہ آیا۔

عارفین کے نزدیک ظلوم وجہول کا معنیٰ اہلِ حقیقت فرماتے ہیں کہ یہ دونوں (ظلوم وجہول) صفتیں انسان کی مدح وثنا پر دلالت کرتی ہیں اس لیے کہ انسان نے جب امانت کو اٹھا کر اس کا حق ادا کیا تو نفس پر شاق گزرا لیکن باوجود اینہمہ اپنے نفس کو سخت مشقت و تکلیف میں ڈال کر امانت کا حق ادا کر دیا۔ اس معنے پر اسے ظلوم کہا گیا اس لیے کہ اس نے شے کو غیر محل میں رکھا۔ مثلاً نفس کو فنا کر ڈالا اور حجاباتِ وجودیہ کو باہر پھینک دیا۔ حجابات وجودیہ سے انانیت مراد ہے اور جہول باین معنیٰ ہے کہ اس کی فطرت میں ایسی چیزیں رکھی گئی ہیں جو اسے اپنے رب تعالیٰ سے جاہل بنائیں۔ مثلاً یہ جانوروں کی طرح کھانا پینا اور نکاح کرنا اپنا بہترین مسئلہ سمجھتا ہے اس میں جانوروں کی طرح ذکوریت و انوثیت ہے۔ پھر اسے معلوم نہیں کہ صورت حیوانیہ پوست کی مانند ہے اس کا ایک مغز ہے جو اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے کما قال: یحبھم۔ اور وہی اللہ تعالیٰ کا محب بھی ہے۔ کما قال تعالیٰ: یحبونہ۔ جب انسان اپنے چھلکے کو اتار پھینکے یعنی جسمانیت کی ظلمانیت کو دور کر دے تو روحانیت کی نورانیت تک پہنچ جائے گا۔

ف: جسے ہم نے ابھی مغز سے تعبیر کیا ہے۔ درحقیقت یہ بھی پوست ہے حقیقی مغز کوئی اور شے ہے۔ چنانچہ **حدیث شریف** میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ستر ہزار نور و ظلمات کے حجابات ہیں اسی لیے انسان کو اپنے روحانی پوست کو بھی چھوڑنا پڑے گا تب کہیں حقیقی مغز کو حاصل کر سکے گا اس لیے اس پوست کے اترنے کے بعد حقیقی مغز ہے۔ وہی اللہ تعالیٰ کا محبوب بھی ہے اور محب بھی۔ اسی مقام کے لیے کہا گیا ہے کہ جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا۔ اور یہ عرفان توحید کے دامن کو مضبوط

تھا منے سے نصیب ہوتا ہے اس کا حصول شرک ممتنع ہے اور شرک سے بچنے کا معنیٰ ہے کہ ماسوی اللہ سے جہل اختیار کرے۔ اور جہول درحقیقت عالم ہے اس لیے کہ علم کا انتہائی مرتبہ ہے اور عارفین فرماتے ہیں: اعتراف بالجہل کا نام علم اور درک الادراک سے عجز کا نام ادراک ہے۔ حضرت جامی قدس سرہ نے فرمایا: ؎

۱ غیر انسان کشش نکرد قبول
زانکہ انسان ظلوم بود وجہول

۲ ظلم او آنکہ ہستئ خود را
ساخت فانی بقاے سرمد را

۳ جہل او آنکہ ہرچہ جز حق بود
صورت آں ز لوح دل نزدود

۴ نیک ظلمی کہ عین معدلتست
نغز جہلی کہ مغز معرفتست

۵ ای نکردہ دل از علائق صاف
مزن از دانش خلائق لاف

۶ زانکہ در عالم خدا دانی
جہل علمست علم نادانی

ترجمہ: (۱) انسان کے سوا عشق کو کسی نے قبول نہ کیا اس لیے انسان ظلوم و جہول ہے۔
(۲) ظالم تو اس لیے کہ اس نے اپنی ہستی کو سرمد ذات کی بقا میں فانی کر دیا۔
(۳) جاہل اس لیے کہ حق کے ماسوا سب کو دل سے محو کر دیا۔
(۴) ایسا ظلم ہزاروں عدل سے بہتر ہے۔
(۵) اے فلاں! تُو نے دل کو تعلقات سے پاک و صاف نہ کیا دانش خلائق کی لاف گزاف نہ بک۔
(۶) اس لیے کہ جہان میں اللہ تعالیٰ کو جانتا ہے۔ ایسا جہل علم ہے اس کے برعکس علم نادانی ہے۔

ف: اگر انسان میں ظلومیت وجہولیت کی قوت و طاقت نہ ہوتی تو وہ کبھی امانت کو نہ اٹھا سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حمل امانت کی تعلیل ظلومیت وجہولیت کو بتانا جائز ہے۔

ف: بعض اہلِ تفاسیر کی اتباع میں صاحبِ قاموس نے لکھا کہ ظلوم و جہول اسی انسان کی صفت

ہے جس نے امانت میں خیانت کی۔ جیسے کافر و منافق۔ اس سے وہ حضرات مراد نہیں جنھوں نے امانت کا حق ادا کر دیا۔ جیسے انبیاء و اولیاء و صلحاء اور جملہ اہلِ ایمان۔ اور یہ اس محاورہ سے ہے جسے اہلِ عرب بولتے ہیں کہ :

فلان حامل للامانة ومحتمل بها۔

یہ اس شخص کے لیے کہتے ہیں جو امانت کو حقدار کے ہاں نہ پہنچائے اگر اس کے ہاں پہنچا دیتا تو اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاتا۔ حملِ امانت بھی اسی محاورہ سے ہے کہ جب کوئی شے کسی کے سر پر رکھ دی جائے تو اسے حمل سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس معنے پر گویا امانت مؤتمن پر سوار ہے جیسے کہتے ہیں :

رکبته الدیون۔

پھر جو اسے ادا نہ کرے تو اسے خیانت وتضییع سے تعبیر کرتے ہیں۔

اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے ان بڑے بڑے جسم والوں کو اطاعت و عبادت کا حکم فرمایا تو انہوں نے طاعت و عبادت کے لیے سر جھکا دیا۔ کما قال :

اتینا طائعین (ہم مطیع ہو کر حاضر ہیں)

اور انسان کو باوجودیکہ عقل و کمال حاصل ہے تاہم عبادت و طاعت سے کتراتا ہے۔ اس معنے پر اسے ظلوم و جہول کہا گیا کہ وہ امانت میں خیانت کر کے راہِ سعادت سے ہٹ گیا۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے جمادات کی طاعت و عبادت کے لیے سرِ تسلیم خم کر دینے کو انسان سے تشبیہ دی ہے کہ وہ باوجودیکہ شعور نہیں رکھتے تاہم جھک گئے اور یہ عقل و فہم کے مالک ہونے کے باوجود طاعت و عبادت سے منہ موڑتا ہے۔ اس معنے پر حمل کو مجاز کے معنیٰ میں لینا ہوگا اور پہلی تقریر میں حقیقی معنے پر محمول کیا جائے گا۔ یہاں پر حرف عاطفہ حذف المعطوف بھی نہیں ماننا پڑتا۔ ہاں جب حمل کو تحمل کے معنے میں لیا جائے تو وہاں عطف مع معطوف کو محذوف پڑ گیا اور عبارت یوں ہوگی :

وحملها الانسان ثم غدر بالحمل۔

اس طریق سے اس کی علت ظلوما جهولا کو ماننا پڑے گا، اسے اچھی طرح سمجھ لو اس لیے کہ بہت بڑے ماہرین نے یہ معنیٰ بتایا ہے۔

سوال : الاسئلة المقحمة میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ انسان ظالم و جاہل ہے تو پھر اسے امانت کیوں پیش فرمائی ؟

جواب : اگرچہ سوال ایک طویل بحث کا متقاضی ہے لیکن ہم اس کے جواب میں عرض کرتے ہیں وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اپنی جملہ مخلوق کے ہاں مبعوث فرمایا کہ جا کر انہیں ایمان کی دعوت دیں جو مان جائے اسے بہشت کی بشارت دیں اور جو نہ مانے اسے دوزخ سے ڈرائیں حالانکہ اسے ازل سے

معلوم تھا کہ ان میں بعض ایمان لائیں گے اور بعض انکار کریں گے لیکن ایمان کی دعوت میں حکم عام ہے باوجودیکہ ازل سے جانتا تھا کہ ایمان و کفر میں ان کے احوال مختلف ہیں جیسے علم کے باوجود دعوتِ ایمان کے لیے انبیاء علیہم السلام کو بھیجنے سے اس پر اعتراض نہیں ایسے ہی یہاں پر۔

ف: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ انسان امانت کے متعلق ظالم اور اس سے بے خبر ہے کہ اگر خیانت کرے گا تو کتنی سزا ہوگی۔ وہ اس معاملہ میں جاہل ہے۔ لیکن اس کی یہ خیانت عمداً نہیں ہے اور نہ ہی اس کا ارادہ تھا بلکہ بے خبری اور سہواً واقع ہوئی۔ کما قال:

فنسی ولم نجد لہ عزما۔

اور سہو و نسیان بھی اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے اور بعض مواضع میں جہل قابلِ عذر سمجھا جاتا ہے۔

دعا اے اللہ! ہمارے ساتھ وہ معاملہ فرما جو تیری شان کے لائق ہے اور ہمارے ساتھ اس طرح نہ کیجئے جس کے ہم اہل ہیں۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ بر در کعبہ سائلے دیدم
که همی گفت میگرستی خوش

۲ من نگویم که طاعتم بپذیر
قلم عفو بر گناهم کش

ترجمہ: (۱) کعبہ کے دروازے پر میں نے ایک سائل کو دیکھا کہ وہ رو رو کر کہہ رہا تھا۔
(۲) میں یہ نہیں کہتا کہ میری طاعت قبول فرما۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ تو میرے گناہوں پر قلمِ عفو پھیر دے۔

لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ تاکہ اللہ تعالیٰ منافق مردوں اور منافق عورتوں کو عذاب میں مبتلا کرے۔ یہاں پر منافقین و منافقات سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے سرے سے امانت کو قبول نہ کر کے ضایع کر دیا۔ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ اور وہ مشرکین اور مشرکات جنہوں نے امانت میں خیانت کی اور اسے سرے سے قبول ہی نہ کیا۔

الارشاد میں ہے کہ اس میں فریقِ اول کی طرف اشارہ ہے یعنی امانت کو اٹھا لیا پھر جن لوگوں نے اسے ضائع کیا اور طاعت گزاری کے بجائے معصیت اور نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ انہیں عذاب میں مبتلا کرے۔ لام عاقبت کی ہے اس لیے کہ حملِ امانت کی اصلی غرض اگرچہ عذاب دینا ہے۔ لیکن چونکہ بعض افراد کی ناعاقبت اندیشی سے گویا یہ عذاب ان کے حمل کا سبب بنا۔ اسی لیے اسے معرضِ غرض میں لایا گیا ہے یعنی انسان کے حملِ امانت کا انجام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی خیانت پر انہیں

عذاب میں مبتلا کرے جبکہ وہ خیانت کرکے طاعت سے بالکل خارج ہو گئے ہیں۔

بحر العلوم میں ہے کہ یُوں بھی ہو سکتا ہے کہ لام عرضنا کی علت ہو یعنی ہم نے امانت کو اس لیے پیش فرمایا تاکہ منافقین کی منافقت اور مشرکین کا شرک ظاہر ہو تو پھر انھیں عذاب میں مبتلا کیا جائے۔

وَيَتُوبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ اور تاکہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان مردوں اور عورتوں کی توبہ قبول کرے۔ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے امانت کو قبول کرکے اس کے حقوق کی رعایت کی۔

الارشاد میں ہے کہ اس میں فریقِ ثانی کی طرف اشارہ ہے یعنی ان کے حملِ امانت کا انجام یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمائے اس لیے کہ انہوں نے طوقِ طاعت اپنی گردنوں سے نہیں نکالا اگر ان سے کوئی کمی ہو گئی تو اسے توبہ سے پُورا کر لیا کیونکہ بہت تھوڑے انسان ہیں جن سے غلطی نہیں ہوتی۔ اور یہ انسانی فطرت ہے۔ پھر غلطی کے بعد توبہ کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ان کا شیوہ ہے۔

صیغۂ تکلم کے بعد اسم اللہ کی طرف التفات میں امانت کی عظمت اور اس کی ہیبت کا اظہار مطلوب ہے۔ پھر مضمر کے بجائے مظہر لانے میں اہلِ ایمان کے معاملہ کو مہتم بالشان ظاہر کرنا ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے یعنی بندوں پر بہت مغفرت فرماتا ہے اگر ان سے غلطی ہو جائے تو بھی ان پر بہت بڑی رحمت فرماتا ہے۔ جب وہ اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں تو طاعات پر انہیں بہت بڑے ثواب سے نوازتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ لام صیرورۃ و عاقبت کی ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خلافت کے حامل تین طرح کے ہیں:

(۱) یہ ملائکہ ہیں کہ جنہوں نے سرے سے امانت کے اٹھانے سے انکار کر دیا اسی لیے انہیں نہ ثواب نہ عذاب۔

(۲) وہ ہیں جنہوں نے امانت تو اٹھائی لیکن اس میں خیانت کی۔ یہ منافق مرد اور عورتیں اور مشرک مرد اور عورتیں ہیں جنہوں نے امانت کو ظلومیت کی صفت سے اٹھایا لیکن جہولیت سے اسے ضائع کیا۔ اس کی قدر نہ کی اور اس کا حق ادا نہ کیا تو انہیں عذاب دائمی میں مبتلا ہونا پڑا۔

(۳) یہ وُہ ہیں جنھوں نے امانت اٹھائی اور اس کا حق ادا کیا ذرہ برابر بھی اس میں خیانت نہ کی لیکن چونکہ ضعف انسانیت کی وجہ سے کبھی اِدھر کبھی اُدھر یعنی غلطیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسی لیے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں عجز و نیاز کا اظہار اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہے اس سے مومن مرد اور عورتیں مراد ہیں ان کی اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرتا ہے۔ ان تینوں طبقات کی تخلیق میں حکمت یہ ہے کہ ان تینوں

میں ہر ایک طبقہ جمالِ الٰہی کی صفت کا آئینہ ہو۔

جب پہلے طبقہ یعنی ملائکہ نے امانت کو اٹھایا ہی نہیں اور اس کے عجز کے خوف سے اس کا نفع ترک کر دیا اسی لیے انھیں صفت عدل کا آئینہ بنایا گیا۔

دوسرے طبقہ نے اٹھایا تو سہی اس ارادہ پر کہ ممکن ہے اس میں کوئی ظاہری فائدہ ہو لیکن اس میں انہوں نے خیانت کی اور اس کا کوئی حق ادا نہ کیا بلکہ اسے دنیوی منافع کے عوض بیچ ڈالا جس کا انہیں اس تجارت میں کوئی نفع نہ ہوا اور نہ ہی انھیں اس سے راہِ حق نصیب ہوئی۔ یہ لوگ صفت قہر کے جمال کا آئینہ ہیں۔

تیسرے طبقہ نے امانت کو اپنے آپ اور بڑے شوق اور رغبت و محبت سے اٹھایا اور اپنی طاقت و وسعت کے مطابق اس کا حق بھی ادا کیا لیکن بلا اختیار ان سے کبھی کبھار غلطیاں بھی سرزد ہو جاتیں تو توبہ کے لیے بارگاہِ حق کی طرف رجوع کرتے اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کر کے اپنی بارگاہ تک رسائی فرما دیتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے لطف اور فضل و کرم کے جمال کے آئینے ہوئے۔ اسی لیے فرمایا: وکان اللہ غفوراً رحیما۔ مومنین کو اپنے فضل سے بخشے گا، وہ جسے چاہے گا اپنے فضل سے بخش دے گا۔

ف: بعض عارفین نے فرمایا: حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا ہوا کہ انسان کی مخالفت کا ظہور ہو تاکہ وہ اپنی رحمت و مغفرت کو ظاہر فرمائے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

سہو و خطائے بندہ گرش نیست اعتبار

معنیٔ عفو و رحمت آمرزگار چیست

ترجمہ: بندہ کے سہو و خطا کا کوئی اعتبار نہیں، اللہ تعالیٰ کی عفو و رحمت کا کیا معنی!

حدیثِ قدسی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لولم تذنبوا لذھبت بکم وخلقت خلقا یذنبون ویستغفرون فاغفر لھم۔

(اگر تم گناہ نہ کرو گے تو میں تمہیں موت دوں گا تمہارے بجائے اور مخلوق لاؤں گا جو گناہ کرے اور مجھ سے بخشش مانگے تو میں اسے بخشوں)

حدیثِ نبوی میں ہے: لولم تذنبوا لخشیت علیکم اشد من الذنب الا ھو العجب۔

(اگر تم گناہ نہ کرو تو مجھے تمہارے عجب سے خطرہ ہے اور وہ گناہ سے بھی سخت تر ہے)

ف: اسی حکمت کے تحت اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صفاتِ جلالیہ جمالیہ کے دونوں ہاتھوں

سے پیدا فرمایا صفتِ جلال قابیل اور مخالفت کے رنگ میں ظاہر ہوئی اور صفتِ جمال ہابیل اور موافقت میں ظاہر ہوئی۔ اسی طرح ان دونوں صفات کا ظہور قیامت تک ہوتا رہے گا۔

ازالۂ وہم مذکورہ بالا دونوں حدیثوں سے یہ نہ سمجھنا کہ ان میں گناہوں کے ارتکاب کی ترغیب دی گئی ہے اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت مبارکہ کا اصلی مقصد یہی ہے کہ انسان کفر و شرک اور معاصی سے بچیں۔ ہاں ان احادیث میں توبہ و استغفار کی ترغیب دی گئی ہے۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میری دلی تمنا تھی کہ کوئی ایسا وقت میسر ہو جس میں میں تنہا کعبہ معظمہ کا طواف کروں اور اسی وقت اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت چاہوں لیکن کوئی وقت میسر نہ آتا تھا۔ ایک رات ایسا ہوا کہ خوب بارش ہوئی کعبہ معظمہ خالی تھا طواف کر کے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ یا الٰہی! مجھے گناہوں سے عصمت نصیب فرما۔ ندا آئی کہ اے ابراہیم! تو نے مجھ سے وہ دعا مانگی کہ میں نے یہ مرتبہ کسی اور کو نہیں بخشا۔ لیکن بتائیے کہ اگر تیری دعا قبول کروں تو پھر میری غفاری و غفوری اور رحمانی و رحیمی کا دریا کہاں جائے گا! اس کے بعد میں نے عرض کی:

اللھم اغفرلی ذنوبی (اے اللہ! میرے گناہ بخش دے)

ندا آئی: اے ابراہیم! تو نے مجھ سے ایسی التجا کی جس سے میں بہت خوش ہوتا ہوں۔ لیکن اس طرح کی دعا تو مجھ سے ہر بندہ مانگتا ہے۔

اس کے بعد میں نے کہا: یا اللہ! مجھے معصیت کی ذلت سے بچا کر طاعت کی عزت عطا فرما۔ پھر میں نے عرض کی: یا اللہ! جو تجھے جانتا ہے وہ بالکل کچھ نہیں جانتا پھر جو تجھے نہیں جانتا اس کا کیا حال ہوگا۔ اس کے بعد میں نے پندرہ سال مشقت اٹھائی، پھر آواز آئی: اے ابراہیم! بندہ بن، راحت پائے گا۔ یعنی راحت و فرحت صرف عبودیتِ مولیٰ اور خواہشِ نفسانی سے اعراض میں ہے۔ عبدِ دُنیا کو کوئی راحت نہیں اور نہ ہی مولیٰ سے دور ہونے والے کو کوئی فرحت نصیب ہوگی نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ جب بندہ سے کوتاہی اور سہو و نسیان ظاہر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کے لیے غفور و رحیم کے دونوں اسموں کو ظاہر فرماتا ہے ان کی وجہ سے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے اور بندے کے تمام گناہ مٹا کر اس کے عملنامے میں ثواب لکھتا ہے۔ قیامت میں اس سے کوئی حساب نہ لے گا اور نہ ہی اسے کسی عذاب میں مبتلا کرے گا۔ بلکہ بعض ایسے بندے بھی ہوں گے جنہیں گناہوں کے بدلے نیکیاں عطا ہوں گی۔

ف: سورۂ احزاب سورۂ بقرہ کے برابر یا اس سے بھی بڑی تھی۔ اسی میں آیت رجم تھی یعنی "اذا زنی الشیخ والشیخۃ فارجموھما البتۃ نکالا من اللہ العزیز الحکیم" اس کے بعد اس کے اکثر مضامین اٹھا لیے گئے اور وہ آیات منسوخ ہو گئیں اور باقی یہی آیات رہ گئیں جو موجود ہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

من قراء سورۃ الاحزاب وعلمها اهله وما ملکت یمینه اعطی الامان من عذاب القبر۔

(جو شخص سورۃ احزاب پڑھتا ہے اور اپنے اہل وعیال کو پڑھاتا ہے تو اسے قبر کے عذاب سے امان ملے گی)

اللهم اختم لنا بالخیر واعصمنا من کل سوء وضیر وامنا من البلایا وفتنة القبر ومحاسبة الحشر۔ تمت سورۃ الاحزاب بعون الله الوهاب یوم الاحد الثامن عشر من شهر الله المحرم سنة عشر و مائة والف۔

(صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ نے فرمایا) کہ اس سورۃ احزاب کی تفسیر اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اتوار کے دن ۱۸ محرم ۱۱۱۰ھ میں ختم ہوئی۔

فقیر اویسی غفرلہٗ

نے اس کے ترجمہ سے بعد نمازِ عشاء شبِ اتوار

۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۸ھ میں فراغت پائی۔

فللہ الحمد علیٰ ذالک وصلّی اللہ علیہ

وآلہٖ وسلّم

سورۃ سبا مکیۃ — بسم اللہ الرحمن الرحیم ۝ آیاتہا ۵۴ رکوعاتہا ۶

سورہ سبا مکیہ ہے اس میں — اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا — ۵۴ آیتیں اور چھ رکوع ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ
سب خوبیاں اللہ کو کہ اسی کا مال ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں اور آخرت میں اسی کی تعریف ہے
وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝١ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا
اور وہی ہے حکمت والا خبردار جانتا ہے جو کچھ زمین میں جاتا ہے اور جو زمین سے نکلتا ہے اور جو
يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۭ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ۝٢ وَقَالَ
آسمان سے اترتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے اور وہی ہے مہربان بخشنے والا اور کافر
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ۭ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ
بولے ہم پر قیامت نہ آئے گی تم فرماؤ کیوں نہیں میرے رب کی قسم بیشک ضرور تم پر آئے گی غیب
الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ
جاننے والا اس سے غائب نہیں ذرہ بھر کوئی چیز آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ
اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝٣ لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
اس سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر ایک صاف بتانے والی کتاب میں ہے تاکہ صلہ دے انہیں جو ایمان لائے
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝٤ وَالَّذِيْنَ سَعَوْ
اور اچھے کام کیے یہ ہیں جن کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی اور جنہوں نے ہماری آیتوں
فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝٥ وَيَرَى الَّذِيْنَ
میں ہرانے کی کوشش کی ان کے لیے سخت عذاب دردناک میں سے عذاب ہے اور جنہیں علم ملا وہ
اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْٓ اِلٰى
جانتے ہیں کہ جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اترا وہی حق ہے اور عزت والے سب خوبیوں
صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝٦ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰي رَجُلٍ
سراہے کی راہ بتاتا ہے اور کافر بولے کیا ہم تمہیں ایسا مرد بتا دیں جو تمہیں خبر دے کہ جب تم پرزہ
يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝٧ اَفْتَرٰى عَلَي
ہو کر بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ تو پھر تمہیں نیا بننا ہے کیا اللہ پر اس
اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ
نے جھوٹ باندھا یا اسے سودا ہے بلکہ وہ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے عذاب اور دور کی گمراہی

وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ۝۸ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ
میں ہیں تو کیا انہوں نے نہ دیکھا جو ان کے آگے اور پیچھے ہے آسمان
وَالْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ
اور زمین ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان کا ٹکڑا گرا دیں
السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝۹ ع
بے شک اس میں نشانی ہے ہر رجوع لانیوالے بندے کے لیے

تفسیر عالمانہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الف و لام استغراق جنس کا ہے اور لام تملیک و اختصاص کی ہے یعنی ہر حامد کی مدح و ثناء و شکر کے جملہ افراد اللہ تعالیٰ کی ملک اور صرف اسی سے مخصوص ہیں اس میں کسی ایک کو شرکت نہیں اس لیے کہ وہی سب کا خالق و مالک ہے چنانچہ فرمایا اَلَّذِیْ لَهٗ وہ ہے جس کے لیے خاص ہے تخلیق و ملک اور تصرف کے لحاظ سے ایجاداً و اعداماً اور احیاءً و اماتۃً مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وہ جو آسمانوں اور جو زمینوں میں ہے اس سے تمام موجودات مراد ہیں یعنی جملہ محامد کا رجوع اسی طرف ہے تمام مخلوق مملوک اور ان سب کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ زنگی کے کافور نام رکھنے سے اس کی حقیقت میں تبدیلی نہیں آجاتی۔ ایسے ہی کسی دوسرے کو ملکیت دینے سے اللہ تعالیٰ کی حقیقی ملکیت میں فرق نہیں آئے گا۔ یہاں پر نعمتوں سے دنیوی نعمتیں مراد ہیں اس لیے کہ آسمانوں اور زمینوں اور ان کے اندر کی جملہ اشیاء ہمارے نفع کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ یعنی دین و دنیا کی ہر نعمت میں نفع ہے۔ اس میں صرف یہ بتایا گیا ہے کہ محمود علیہ صرف اللہ تعالیٰ ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ حمد صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

لہ الحمد فی الاولیٰ والاخرۃ۔

اور حمدِ الٰہی اگرچہ ذاتی طور پر ذاتِ حق تعالیٰ کے لیے ہے لیکن بندوں کی تعلیم کے لیے فرمایا تاکہ انھیں معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کی حمد کس طرح کی جاتی ہے۔

وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ دنیوی حمد اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہونے کے بیان کے بعد اب بتایا کہ آخرت کی حمد بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ جار مجرور یا تو حمد کے متعلق ہے یا مستقر اور ثابت کے متعلق ہے محمود علیہ یعنی جس وجہ سے حمد کی جارہی ہے اس کا ذکر نہیں ہوا تاکہ نعمتوں کے عموم پر دلالت کرے۔ چنانچہ دوسرے مقام پہ ہے:

الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ واورثنا الارض نتبوأ من الجنۃ حیث نشاء۔

(تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے ہمیں زمین کا وارث بنایا کہ جہاں ہم چاہیں جنت میں گھر بنائیں)

اور فرمایا؛

الذی احلنا دار المقامة من فضله ـ الآیة

(تمام تعریفیں اس کے لیے ہیں جس نے ٹھہرنے کے دار میں اپنے فضل سے ہمیں داخل کیا)

تاکہ حمد دنیوی نعمتوں کا ذریعہ اور سبب بنے۔ کما قال :

الحمد للہ الذی ھدانا لھذا ـ

یعنی حمد کی جزا ایمان وعمل صالح ہے۔

اہلِ جنّت کی حمد کے مقامات

منقول ہے کہ اہلِ جنت چھ مقامات پر اللہ تعالیٰ کی حمد کریں گے؛

(۱) جب وامتازوا الیوم ایھا المجرمون کی آواز آئے گی اور اہلِ ایمان اور کافر ایک دوسرے سے جُدا ہوں گے تو اہلِ ایمان کہیں گے؛

الحمد للہ الذی نجانا من القوم الظالمین ـ

جیسے نوح علیہ السلام نے قوم سے نجات پاکر یہی کلمات کہے۔

(۲) جب پُل صراط کو عبور کر جائیں گے تو کہیں گے؛

الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن۔

(۳) جب بابِ جنّت کے قریب پہنچیں گے تو آبِ حیات سے غسل کر کے بہشت کو دیکھیں گے تو کہیں گے؛

الحمد للہ الذی ھدانا لھذا ـ

(۴) جب بہشت میں داخل ہوں گے اور فرشتے ان کا استقبال کریں گے تو کہیں گے؛

الحمد للہ الذی احلنا دار المقامة ـ

(۵) جب بہشت میں اپنی منازل میں قرار پکڑیں گے تو کہیں گے؛

الحمد للہ الذی صدقنا وعدہ واورثنا الارض ـ

(۶) جب بہشت کے طعام سے فارغ ہوں گے تو کہیں گے؛

الحمد للہ رب العالمین ـ

دُنیا و آخرت کی حمد میں فرق

دنیا و آخرت کی حمد میں فرق یہ ہے کہ دنیا میں حمد عبادت کے طور کی جاتی ہے اور آخرت میں لذت کے طور پر کی جائے گی۔ آخرت میں حمد کرنے سے اسی طرح لذت محسوس ہوگی جیسے پیاسے کو پانی سے۔ وہاں حمد کرنا نہ فرض ہوگا

نہ واجب۔

حدیث شریف میں ہے: انهم يلهمون التسبيح كما يلهمون النَفَس۔

(آخرت میں بہشتیوں کی تسبیح کا الہام ہوگا جیسے دنیا میں الہام ہوتے ہیں)

ف: آخرت میں ہر طرح کے لوگ اللہ تعالیٰ کی حمد کریں گے بہشتی فضل کا بیان کریں گے اور اہلِ دوزخ عدل کا۔

فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی البروسوی قدس سرہٗ) کہتا ہے: آخرت والے صرف بہشتی ہوں گے۔ دوزخیوں کو نہ عذاب سے فراغت نہ ہوگی نہ وہ حمد کر سکیں گے۔ علاوہ ازیں اسی کی حمد کا اعتبار ہو جاتا ہے جو صاحبانِ شرافت و فضیلت ہوں اور دشمن تو ہیں ہی دشمن۔ پھر ان کے عدل کی صفت سے حمد بجا لانے کا کیا معنیٰ!

وَهُوَ الْحَكِيْمُ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے دین و دنیا کے امور کو مضبوط کیا اور جیسے اس کی حکمت کا تقاضا تھا اور مصلحت داعی تھی ویسے ہی ان کے امور کی تدبیر فرمائی **الْخَبِيْرُ** ○ بہت بڑا اخبر والا ہے اشیاء کے ظاہر اور باطن اور ان کے مخفی اسرار کو خوب جانتا ہے۔

ربط: مذکورہ صفت الخبیر گویا دعویٰ تھا اب اس کی دلیل بیان فرمائی کہ **يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ**۔

حلِ لغات الولوج بمعنے تنگ مقام میں داخل ہونا۔ یعنی اللہ تعالیٰ زمین کی ان چیزوں کو جانتا ہے جو ظاہر ہیں اور انھیں بھی جانتا ہے جو چھپی ہوئی ہیں۔ جیسے زمین میں بیج ڈالا جاتا ہے تاکہ کھیتی پیدا ہو۔ ایسے ہی بارش کے قطرات زمین کے اندر جذب ہو جاتے ہیں پھر ان کی تاثیر سے کھیتیاں اگتی اور پھلتی پھولتی ہیں، ایسے خزینے، دفینے، مردگان اور کیڑے مکوڑے تمام زمین میں چھپے ہوئے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان سب کو جانتا ہے۔

صوفیانہ معنے ارضِ بشریہ میں جو کچھ پوشیدہ ہے جسے حواسِ خمسہ سے معلوم کیا جا سکتا ہے لیکن وہ انھیں بلا اسباب جانتا ہے اور اغذیہ صالحہ و فاسدہ اور حلال و حرام کو جانتا ہے۔

وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا اور ان اشیاء کو جانتا ہے جو اس سے نکلتی ہیں جیسے وہ حیوانات جو اپنی بلوں سے باہر نکل آتے ہیں اور کھیتیوں سے انگوریاں اور نباتات۔ اور جیسے چشمے کا پانی اور معدنیات نکل آتی ہیں۔ ایسے ہی مردے حشر میں اٹھ کھڑے ہوں گے۔

ایسے ہی ارضِ بشریہ کی صفات کو جانتا ہے جو اس سے پیدا ہوتی ہیں۔ ایسے ہی اس کے اعمالِ صالحہ و قبیحہ کو جانتا ہے۔

وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ اور وہ جو آسمان سے اُترتے ہیں جیسے ملائکہ اور کتابیں اور تقدیریں، ارزاق، برکات، بارشیں، اوس، ٹھنڈک، انداز آسمانی چنگاریاں اور کڑکیں وغیرہا۔

صُوفیانہ معنے نیز جانتا ہے جو سمائے قلب پر فیوضاتِ روحانیہ اور الہاماتِ ربانیہ نازل ہوتے ہیں۔

وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا اور انہیں جانتا ہے جو آسمانوں پر چڑھتے ہیں جیسے فرشتے اور ارواحِ طاہرہ اور بخارات، دھوئیں، دعوات اور اعمالِ صالحہ۔

نکتہ یہاں پر فیہا اور دوسری آیت میں الیہا ہے کما قال تعالیٰ:
الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ۔
(اسی کی طرف پاک کلمات چڑھتے ہیں اور وہ عمل صالح ہے اسے وہ پسند کرتا ہے)

اس میں اشارہ ہے کہ ہر ایک کا منتہیٰ ذاتِ حق تعالیٰ ہے اور آسمان تو صرف اس کی رحمت و برکت کا مرکز ہے۔ اس آیت میں اشارہ ہے کہ اعمال صالحہ آسمان میں پہنچ کر بارگاہِ حق میں پیش کیے جاتے ہیں۔

صُوفیانہ معنے اللہ تعالیٰ جانتا ہے آسمانِ قلب پر جو امور چڑھتے ہیں جیسے فجور و تقویٰ اور ظلمت، ضلالت اور نورِ ہدایت۔

بعض مشایخ نے فرمایا کہ اس سے توبہ کرنے والوں کی گریہ وزاری اور مفلسوں یعنی عاشقانِ راہِ حق کی وہ آہیں جو سحر کے وقت درد بھرے سینے سے نکالتے ہیں تو وہ فوراً بارگاہِ حق میں قبول ہو جاتی ہیں اسی لیے وارد ہے:

انین المذنبین احب الیّ من زجل المسبحین۔
(مجرم کا رونا مجھے محبوب تر ہے تسبیح پڑھنے والوں کے شور و غل سے)

وحیِ داؤدی حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی آئی کہ ذلت کے وقوع سے تمہیں مبارک ہو۔ عرض کی، یا اللہ! ذلت پر مبارک کیسی؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
عبادت کے بعد تو بندہ بڑے ناز و نزاکت سے حاضر ہوتا ہے اور ذلت والا بندہ نہایت عجز و انکساری سے، بڑے سوز و گداز سے۔ مجھے بندے کی نیاز اور اس کا سوز و گداز محبوب ہے۔

وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ ○ اور وہ حمد کرنے والوں اور اپنے دوستوں کے لیے رحیم ہے اور کوتاہی کرنے والوں اور گناہوں میں مبتلا ہو کر توبہ کرنے والوں کے لیے غفور ہے۔ خلاصہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ خلق و ملک و تصرف اور حکمت و علم و رحمت و مغفرت و دیگر بڑی اور گرامی قدر صفات سے موصوف ہے تو پھر صرف وہی حمد کے لائق ہے۔

حمد کا معنیٰ: حمد اس اختیاری اور اچھی تعریف کو کہا جاتا ہے جو از جہت تعظیم کی جائے اس وقت نعمت کا حصول ہو یا نہ ہو۔ جیسے علم، کرم۔

سوال: اہلِ عرب کہتے ہیں:

الحمد للہ علیٰ دین الاسلام۔

یہ تو تمہاری بیان کردہ تعریف کے خلاف ہے۔

جواب: یہاں مضاف محذوف ہے۔ دراصل عبارت تھی: الحمد للہ علیٰ تعلیم الدین وتوفیقہ۔

حمد کی قسمیں (حمد کی کئی اقسام ہیں:)

(۱) الحمد القولی: زبان سے اللہ تعالیٰ کی اسی طرح تعریف کرنا جیسے اس نے اپنی تعریف انبیاء (علیہم السلام) کی زبانوں سے بیان فرمائی ہے:

(۲) الحمد الفعلی: اعمال صالحہ بہ نیۂ محض رضائے الٰہی کے لیے کیے جائیں۔

(۳) الحمد الحالی: معارف و اخلاق الٰہیہ کے اوصاف سے موصوف ہونا۔

ف: دُکھ اور تکلیف کے وقت حمد کرنا دلالت کرے گا کہ بندہ اپنے مالک کے فیصلے پر راضی ہے اور نعمت کے حصول پر شکر کیا جاتا ہے۔ دُکھ اور درد کے وقت حمد کے الفاظ یوں ہونے چاہئیں:

الحمد للہ علیٰ کل حال۔

اس سے نعمت باطنی پر نگاہ ہو لیکن ایسے موقعے پر شکراً للہ نہ کہا جائے تاکہ اس کلمہ سے دُکھ اور درد میں اضافہ نہ ہو جیساکہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

لئن شکرتم لازیدنّکم۔

ف: نعمت پر حمد کہنا ایسے ہی ہے جیسے جسم کے لیے رُوح۔ جیسے جسم روح سے زندہ رہتا ہے ایسے ہی شکر کرنے سے نعمت کو بقاء نصیب ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت کے اظہار کے لیے تعظیمی کلمات میں سے بڑا عظمت والا کلمہ الحمد للہ ہے۔ ایسے ہی اس کی نعمت کی ادائیگی کے اظہار کے لیے شکر کا بہترین کلمہ بھی یہی الحمد للہ ہے۔ اسی وجہ سے یہی کلمہ ہر خطبہ کی زینت اور ہر مدحت کا آغاز ہے۔ ہر ثنا کی ابتداء اسی سے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو سورۃ الحمد سے شروع ہوتی ہے وہ دوسری سُورتوں پر فضیلت رکھتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

کل کلام لا یبدأ فیہ بالحمد للہ فھو اجذم۔

(وہ کلام جسے الحمد سے شروع نہ کیا جائے وہ برکت سے خالی ہے)

صفات جلال واکرام کے ساتھ ہر کلام سے پہلے اسی کی حمد ہے۔

؎

حمد او تاج تارک سخنست
صدر ہر نامۂ نو و کہنست

ترجمہ: اس کی حمد ہر سخن کی سرتاج ہے بلکہ ہر پرانے اور نئے نامہ کی صدر حمد ہے۔

فتوح الحرمین میں ہے: ؎

۱ احسن ما اہتم بہ ذو الہمم
ذکر جمیل لولی النعم

۲ چوں نعمت اوست بروں از خیال
کیف یؤدیہ لسان المقال

۳ نعمت او بیشتر از شکر ماست
شکر ہم از نعمتہائے خداست

ترجمہ: (۱) اس کام پر زیادہ توجہ دے جس کا ہمت والوں نے اہتمام کیا یعنی نعمتوں کے مالک کا ذکر جمیل زیادہ سے زیادہ کر۔

(۲) جب اس کی نعمتیں خیال سے باہر ہیں اسے زبانی گفتگو کیسے پورا کر سکتی ہے!

(۳) اس کی نعمت ہمارے شکر سے بہت زیادہ ہے اور یہ شکر بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے ایک نعمت ہے۔

ف: حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے۔ جب آپ نے سر مبارک اٹھا کر کہا:

سمع اللہ لمن حمدہ۔

تو کسی نے آپ کے پیچھے کہا:

ربنا لک الحمد حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ۔

نماز سے فراغت پا کر پوچھا کہ مذکورہ بالا کلمات کس نے کہے؟ میں نے عرض کیا: میں نے۔ آپ نے فرمایا:

لقد رأیت بضعا وثلاثین ملکا یبتدرونہا أیہم یکتبہا اول۔

(میں نے تیس سے زائد فرشتوں کو دیکھا کہ ان کلمات کو لکھنے میں سبقت لے جانے

کی کوشش کر رہے تھے)

نکتہ مخصوص گنتی کے فرشتوں کے لکھنے میں راز یہ ہے کہ کلماتِ مذکورہ کے حروف کی گنتی ہے جو اوپر مذکور ہوئی اور یہ بھی ہے کہ ہر حرف کی علیٰحدہ علیٰحدہ رُوح ہے وہی حرف کو صورت بخشتا ہے اور اسی روح کی طاقت سے زبان پر لایا جا سکتا ہے اور ارواح سے ہی صورتوں کو بقا ملتی ہے اور اعمال کو عمل کرنے والوں کی نیات اور ان کے نفوس کی توجہات کے مطابق آسمانوں پر چڑھنا نصیب ہوتا ہے۔

ملائکہ کے مراتب ملائکہ کرام کے مراتب ہیں بعض تو خالص انوارِ قدسیہ ہیں اور بعض ارواح کلیہ ہیں۔ بعض اعمال صالحہ واذکار خالصہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ بعض کلمات اذکار کے اعداد کے مطابق، بعض ان کے حروف کی گنتی کے موافق، بعض حروف مقررہ کی گنتی پر ہوتے ہیں۔ بعض ذکر کرنے والوں کی استعداد پر اعمال کے ارکان کی گنتی کے مطابق ہوتے ہیں لیکن ان سب کی قوت روحانیہ وہمّت عالیہ ہوتی ہے۔

ف: حدیثِ مذکور سے ثابت ہوا کہ ان کلمات کے لکھنے والے ان نگران فرشتوں کے علاوہ تھے جو ہر وقت عمل لکھنے پر مامور ہیں جنہیں حفظہ یا کراماً کاتبین کہا جاتا ہے۔

ف: ملاء الاعلیٰ ملائکہ اعمال صالحہ کے ثواب اور درجات کے متعلق ایک دُوسرے سے جھگڑتے بھی ہیں اور بعض موقع عمل صالح کے لکھنے میں ایک دوسرے سے عُجلت بھی کرتے ہیں۔ پھر عمل کرنے والا جتنا بلند ہوگا اتنا ہی ملائکہ لکھنے میں عجلت کریں گے۔ اس حدیث شریف کے مزید اسرار و رموز حضرت شیخ اجل صدر الدین القنوی قدس سرّہٗ کی چہل حدیث میں ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ اور کافر کہتے ہیں کہ قیامت نہیں آئے گی۔ قیامت کو ساعة جو زمانے کا ایک جُزو ہے سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ اس میں بہت جلد حساب لے گا۔ الارشاد میں ہے کہ ضمیر جمع متکلم سے مراد جنس انسان سب کے سب مراد ہیں نہ صرف وہ یا ان کے معاصرین۔ ایسے ہی قیامت کے آنے سے اس کے وجود کی نفی مراد ہے۔ ان کی یہ مراد ہرگز نہ تھی کہ قیامت ہے لیکن ان کے ہاں نہیں آئے گی۔ اور انہوں نے اسے عدم اتیان سے اس لیے تعبیر کیا کہ انھیں یہی کہا جاتا کہ قیامت آئے گی۔ انہوں نے اس کے جواب میں عدم اتیان کہہ رہے تھے۔ علاوہ ازیں وُہ امور جو زمانۂ مستقبل سے متعلق ہیں بالخصوص زمانہ کے اجزاء کو اتیان یا حضور سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ قیامت کے منکرین دو گروہوں پر منقسم تھے۔ ایک گروہ کہتا تھا:

ان نظن الا ظنا وما نحن بمستیقنین۔

یعنی ہمیں تو قیامت کے وقوع کا صرف گمان ہے بلکہ اس کے وقوع میں ہمیں بالکل یقین نہیں اور

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بندہ مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک قیامت پر ایمان نہ لائے۔ کما

قال تعالیٰ :

وبالاٰخرۃ هم یوقنون ۔

دوسرا گروہ کہتا تھا کہ ہمارے ہاں قیامت آئے گی ہی نہیں۔

قُل بَلٰی یہ کافروں کے کلام کا رد ہے، جس کی انہوں نے نفی کی اس کا اثبات ہے۔ یعنی انہوں نے کہا: قیامت نہیں آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! فرمائیے: آئے گی۔

شانِ نزول

لباب میں لکھا ہے کہ ابو سفیان نے لات وعُزّٰی کی قسم کھا کر کہا کہ قیامت نہیں آئے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بھی قسم کھا کر فرمائیے وَرَبِّیْ مجھے اپنے پروردگار کی قسم۔ یہ واؤ قسمیہ ہے لَتَاْتِیَنَّکُمْ تمہارے ہاں قیامت ضرور آئے گی۔ یہ ماقبل کی تاکید ہے عٰلِمِ الْغَیْبِ یہ ربی کی صفت یا اس سے بدل ہے۔ اس سے تاکید کو اور پختہ کرنا مطلوب ہے۔ یعنی چونکہ قیامت غیوب سے متعلق ہے اور غیوب سب کے سب اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

غیب کی تعریف اور اس کی مثالیں

غیب وُہ ہے جو مخلوق سے غائب ہو۔ مثلاً علقہ نطفہ میں اور مضغہ علقہ میں اور انسان سب میں غیب ہے اور پانی ہوا میں اور انگوری پانی میں اور حیوان انگوری میں اور انسان ان سب میں غیب ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان تمام غیوب سے انسان کو ظاہر فرمایا اور پھر جب مٹی میں چھپ جائے گا تو بھی اسے قیامت میں مٹی سے ظاہر فرمائے گا۔[1] (اس سے آگے صفحہ ۲۹۴ پر دیکھئے)

---

[1] غیب کی ان مثالوں سے ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ یہی غیب اپنے انبیاء و اولیاء کو عطا فرماتا ہے۔ پھر اس کا اطلاق بھی انبیاء و اولیاء پر جائز ہے لیکن دیوبندی وہابی نجدی مودودی وغیرہم اوّلاً تو مانتے ہی نہیں اور اگر مانتے ہیں تو اس کا اطلاق ناجائز سمجھتے ہیں۔ ہم چند حوالے عرض کرتے ہیں۔

ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا وعلیہم السّلام کو دُنیا میں اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے۔ کما قال :

واذ قال ربّك للملائكة انّي جاعلٌ في الارض خليفة ۔

اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نائبِ اعظم و خلیفۂ اکرم ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ کی وُہ صفات (باقی بر صفحہ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ)

جو قرآن واحادیث میں بتائی گئی ہیں ان کے مظاہر انبیاء و اولیاء ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صفات کے علاوہ ذات کے مظہر اُتم ہیں اسی لیے علمِ غیب ہو یا حاضر و ناظر اور نور وغیرہ صفات کا مظہر ماننا عین اسلام ہے اس کا انکار یا تو ابلیس کو تھا یا آج کسی بدعقیدہ خبیث کو ہوگا۔ ورنہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اظہار خود فرمایا:

اخرج الطبرانی عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ قد رفع لی الدنیا فانا انظر الیہا و الیٰ ما ھو کائن فیہا الیٰ یوم القیامۃ۔ (مواھب اللدنیہ)

پھر مواہب اللدنیہ کے صفحہ ۲۸۷ پر علامہ قسطلانی رحمہ اللہ نے بایں طور فیصلہ کر دیا ہے:

اذ لا فرق بین موتہ وحیاتہ فی مشاھدتہ لامتہ ومعرفتہ باحوالھم ونیاتھم وعزائمھم وخواطرھم وذالک عندہٗ جلیٌ لاخفاء بہ الخ

(ہمارے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ دنیوی اور اس وقت کی حالت میں کچھ فرق نہیں ہے وہ اپنی اُمت کو دیکھتے ہیں اور ان کے احوال کو پہچانتے ہیں اور ان کی نیتوں اور ان کے دلوں کو خُوب جانتے ہیں اور ان پر کچھ پوشیدہ نہیں سب روشن ہے)

اور کتاب شفا شریف ج ۲ ص ۵۸ میں ہے:

وقال النخعی اذا لم یکن فی المسجد احدٌ فقل السلام علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واذا لم یکن فی البیت فقل السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین۔

(اور نخعی نے کہا کہ جب تم مسجد میں جاؤ تو یوں کہو السلام علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جب تم گھر میں جاؤ تو کہو السلام علینا وعلیٰ عباد اللہ الصالحین۔

اور اسی کتاب کی شرح ملا علی قاری رحمہ اللہ ج ۲ ص ۱۱۷ میں ہے:

ان لم یکن فی البیت احد فقل السلام علی النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ لان روحہ[۱] علیہ السلام حاضر فی البیوت اھل اسلام۔

یعنی اگر تم گھر یا مسجد میں جاؤ اور وہاں کوئی شخص بھی نہ پاؤ تو یہ کہہ دو:

السلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

---

[۱] لان روحہ قرآن مجید میں ہے کہ ہر مومن کو قرب آپ کی ذات کا ہے اولیٰ بالمؤمنین اس پر شاہد ہے اور اولیٰ بمعنی اقرب ہے۔ جیسا کہ مولوی قاسم نانوتوی نے کہا۔

(بقیہ حاشیہ)

اس لیے کہ بے شک آپ کی ذات کی روح مبارک ہر اہلِ اسلام کے گھر میں حاضر یعنی جلوہ گر رہتی ہے۔

کتاب حصن حصین میں احادیثِ صحیحہ تحریر ہیں:

واذا نفلتت دابّۃً فلیناد اَعِیْنُوْنی عباد اللہ رحمکم اللہ۔

(اور جس وقت کسی کا جانور بھاگ جائے تو یوں پکارے اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو)

یا یوں کہو:

یا عِبادَ اللہِ اِحبسوا یا عباد اللہ اِحبسوا یا عِباد اللہ اِحبسوا۔ (الحدیث)

(اے بندگانِ خدا! روکو۔ اے بندگانِ خدا! روکو۔ اے بندگانِ خدا! روکو)

یہ حضرت ابنِ عباس سے مروی ہے۔ بندگان سے مراد ابدال و جنّات و صالحین ہیں۔

اور حدیث طبرانی و حصن حصین میں مسطور ہے:

یا عِبادَ اللہِ اَعِیْنُوْنِیْ یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی۔

(اے بندگانِ خدا! میری مدد کرو، اے بندگانِ خدا! میری مدد کرو، اے بندگانِ خدا! میری مدد کرو)

اور کتاب غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار جلد اول صفحہ ۲۴۲ و نہر الفائق شرح کنز الدقائق، باب التشہد وغیرہ میں مرقوم ہے:

"حکایت کے طور آپ کی ذات پر سلام نہ بھیجے بلکہ دل میں خاص قصد کرے۔"

کتاب مذاق العارفین ترجمہ احیاء العلوم جلد اول باب چہارم صفحہ ۳۱۹ میں اس طرح لکھا ہے:

"جب تشہد کے لیے بیٹھو اور تصریح کرو کہ جتنی چیزیں تقرب کی ہیں خواہ صلوات ہو یا طیّبات یعنی اخلاق ظاہر، وہ سب اللہ کے لیے ہیں۔ اسی طرح ملک خدا کے لیے ہے اور یہ معنے التحیات کے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود کو اپنے دل میں حاضر کرو اور کہو السّلام علیك ایّھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔"

اور امام شعرانی نے اپنے استاد سے یوں ارقام فرمایا ہے کہ شارح علیہ الرحمۃ نے نمازی کو تشہد میں نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر درود و سلام عرض کرنے کا اس لیے حکم دیا ہے کہ جو لوگ اللہ عزّ و جل کے دربار میں غفلت کے ساتھ بیٹھتے ہیں انہیں آگاہ کردو کہ اس حاضری میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دیکھیں اور سمجھیں کہ حضور کبھی اللہ تعالیٰ کے دربار سے جُدا نہیں ہوتے۔ اس لیے نمازیوں پر لازم

(باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ)

ہے کہ آپ کی ذات پر بالمشافہ سلام عرض کریں۔

فیخاطبونهٗ بالسلام مشافهة من عینه۔

(المیزان الکبریٰ، شعرانی ج ۱ ص ۱۰۴ و ۱۴۹ مطبوعہ مصر)

اور کتاب اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۴۲۰ ذیل حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے لکھا ہے:

"آپ کی ذات والاصفات خاص مومنوں کے لیے ہر وقت نصب العین و قرۃ العین ہیں۔"

یعنی آنحضرت ہمیشہ نصب العین مومناں و قرۃ العین عابداں است در جمیع احوال و اوقات خصوصاً در حالت عبادت و آخر آں کہ وجود نورانیت و انکشاف دریں محل بیشتر قوی تر است من عینہ الخ

اور تفسیر عزیزی ج ۱ ص ۵۵۳ ذیل آیت کریمہ ویکون الرسول علیکم شہیداً کے بایں طور لکھا ہے:

یعنی باشد رسول شما بر شما گواہ زیرا کہ او مطلع است بنورِ نبوت بر رتبۂ ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ و حقیقت ایمان او چیست و حجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کدام است پس او می شناسد گناہاں شمارا و درجات ایمان شمارا و اعمال نیک و بد شمارا و اخلاص و نفاق شمارا لہٰذا شہادت او در دنیا بحکم شرع در حق امت مقبول و واجب العمل است و آنچہ او از فضائل و مناقب حاضران زمان خود مثل صحابہ و ازواج و اہلبیت یا غائباں از زمان خود مثل اویس و صلہ و مہدی و مقتول دجال یا از معائب و مثالب حاضراں و غائباں مے فرماید اعتقاد براں واجب و ازیں است کہ در روایات آمدہ کہ ہر نبی را بر اعمال امتیان خود مطلع مے سازند کہ فلانے امروز چنیں مے کند و فلانے چناں تا روزِ قیامت ادائے شہادت تواند کرد الخ

(بعینہٖ اصل عبارت)

دلائل الخیرات صفحہ ۳۱ میں ایک اور حدیث بایں معنیٰ مسطور ہے کہ کسی صحابی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا کہ جو شخص آپ سے بہت دور اور غائب درود شریف پڑھے تو آپ کو کس طرح پہنچتا ہے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، جو شخص محبت و شوق میں مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے میں اس کو خود اپنے کانوں سے سنتا ہوں اور جو از روئے عادت و ثواب کے طور پڑھتا ہے اس کو فرشتے پہنچا دیتے ہیں۔ اصل حدیث ملاحظہ ہو:

وقیل لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارأیت صلوٰۃ المصلین علیک

(باقی بر صفحہ ۷۴۱)

(بقیہ حاشیہ)

منّن غاب عنك و من یأتی بعدك ما حالهما عندك فقال اسمع صلوٰة اهل محبتی و اعرفهم و تعرض علیّ صلوٰة غیرهم عرضاً۔

نیز مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث بایں معنیٰ درج ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی تمام امّت کے اعمال ناموں کو ملاحظہ فرماتے ہیں۔

کتاب جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب صفحہ ۲۸۰ میں حضرت محدث دہلوی علیہ الرحمۃ حدیث صحیح حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بایں الفاظ تحریر فرماتے ہیں ؛

قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم بعد موتی کعلمی فی حیاتی۔

(فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرا علم موت کے بعد بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ حیاتِ دنیا میں تھا)

روایت کیا ہے اس حدیث کو حافظ منذر رحمۃ اللہ علیہ نے اور حضرت علّامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب تنویر الملک برؤیۃ الملک میں آپ کے حالات میں اس طرح ارقام فرمایا ہے :

فحصل من مجموع هٰذه النقول والاحادیث ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم حی بجسده وروحه وانه یتصرف ویسیر حیث شاء فی اقطار الارض وفی الملکوت وهو بهیئته التی کان علیها قبل وفاته لم یبدل منه شیٔ وانهٔ مغیبٌ عن الابصار کما غیبت الملٰئکة مع کونهم احیاء باجسادهم فاذا اراد اللہ رفع الحجاب عمن اراد کرامه برؤیته راٰه علیٰ هیئته التی هو علیها۔ (شرح قصیدہ غوثیہ ص ۴۷)

(پس ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات والاصفات جسم مع روح زندہ ہیں اور اپنی امت کے تمام حالات ظاہری و باطنی کو نورِ نبوت خود بواسطہ ملائکہ ہمیشہ مشاہدہ فرماتے رہتے ہیں اور جہاں چاہتے سیر کرتے ہیں اور آپ کے علوم میں بوجہ نقل مکانی کے کچھ فرق نہیں پڑتا اور خداوند کریم کے حکم سے ایک ہی آن میں تمام عالم کی سیر اور مشاہدہ فرما سکتے ہیں اور پکارنے والے کی پکار کو بھی اپنے مکان مقدسہ سے بحکم خدا تعالیٰ سُنتے ہیں اور آپ کا تصرف بھی ہر جگہ پر موجود ہے)

ہمارے نزدیک آقائے نامدار حبیبِ کردگار حضرت محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلم باذنہٖ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں اور ہر ایک کی فریاد سُنتے ہیں۔ مزید تفصیل تصانیفِ اعلحضرت امام اہلسنت شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ العزیز اور دیگر علمائے اہلسنت کی کتب میں ہے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ)

انتباہ مخالفین کی عادت ہے کہ جب کچھ نہ بن پڑے تو پھر فقہ کی جزئیات پیش کر دیتے ہیں چنانچہ ان کا ایک سوال فقہ کا مشہور ہے جو مندرج ذیل ہے۔

سوال: قاضی خاں میں ہے:

رجل تزوج امرأة بغیر شهود فقال الرجل والمرأة خدارا و پیغمبر را گواہ کردیم قالوا یکون کفرا لانه اعتقد ان رسول الله صلی الله علیه وسلم یعلم الغیب وهو ما کان یعلم الغیب حین کان فی الاحیاء فکیف بعد الموت۔

(ایک مرد نے ایک عورت سے بغیر گواہوں کے نکاح کیا پس مرد و عورت نے کہا خدا اور رسول جل جلالہ، وصلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نے گواہ کیا' کہتے ہیں یہ کفر ہوگا اس لیے کہ اس نے یہ اعتقاد کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں اور حال یہ ہے کہ آپ تو زندگی میں بھی غیب کو نہیں جانتے تھے پس بعد وفات کے کیونکر جان سکتے ہیں)

جواب الزامی: مخالفین کا منشا یہ ہے کہ معتقدِ علمِ غیب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکفیر فقہ سے ثابت کریں مگر انہیں خبر نہیں کہ انہوں نے یہ کفر اپنے ذمے لے لیا ہے کہ قاضی خاں کی عبارت سے اگر کفر ثابت ہوتا ہے تو معتقدِ علمِ غیبِ نبی بھی (معاذ اللہ) کافر اور تمام مخالفین یعنی وہابی بھی، کیونکہ وہ قائل ہیں کہ اللہ جل شانہٗ نے حضور علیہ السلام کو بعض غیوب کا علم عطا فرمایا ہے۔ پس بموجب عبارت قاضی خاں کے ان کے کفر میں ان کی فہم کے بموجب شبہ نہیں۔ آپ یہ کہیں گے کہ وہابیوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بعض غیوب کے علم کا بھی کب اقرار کیا ہے؟ ملاحظہ ہو' اعلاء کلمۃ الحق صفحہ ۱۷ میں ہے:

"اور بہت چیزیں اور امورِ غیب کے حق تعالیٰ نے آپ کو تعلیم فرمائے کہ ان کی مقدار حق تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔"

اور "فیصلہ علمِ غیب" صفحہ ۱۳ میں مولوی ابوالوفا ثناء اللہ امرت سری کے یہ الفاظ مسطور ہیں:

"بھلا کوئی مسلمان کلمہ گو اس بات کا قائل ہو سکتا ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو امورِ غیبیہ پر اطلاع نہیں ہوئی ہے، مسلمان کہلا کر اس بات کے قائل ہونے والے پر خدا اور فرشتوں اور انبیاء اور جنوں بلکہ تمام مخلوق کی لعنت ہو۔"

خلاصہ یہ کہ ہمارے مخالفین بھی بعض غیوب کا اقرار کر رہے ہیں اور ہم بھی بعض غیوب ہی کا اثبات کر رہے ہیں[۱] (کیونکہ جمیع اشیاء بھی بعض مغیبات ہیں) تو اگر معاذ اللہ قاضی خاں کی عبارت سے ہم پر

---

[۱] فرق اتنا ہے کہ ہم ان بعض کو اتنا وسیع جانتے ہیں کہ جمیع اشیاء کے علوم ان میں داخل ہیں اور مخالفین گنتی کے

(باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ)
الزام آئے گا تو ہمارے مخالفین ضرور کافر ٹھہریں گے ؎
دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را
چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند
اور اگر وہ کافر نہ ٹھہریں تو کیا ہم نے ہی خطا کی ہے۔

جواب تحقیقی: قاضی خاں میں لفظ "قالوا" ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور قاضی خاں وغیرہ فقہاء کی عادت ہے کہ وہ لفظ "قالوا" اس مسئلہ پر لاتے ہیں جو خود ان کے نزدیک غیر مستحسن ہو اور ائمہ سے مروی نہ ہو۔ چنانچہ شامی جلد۵ ص ۴۴۵ میں ہے:

لفظة قالوا تذكر فيما فيه خلاف كما صرحوا به۔

غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی بحث قنوت میں ہے:

وكلام قاضی خان يشير على عدم اختياره له حيث قال واذا صلى على النبي عليه الصلوٰة والسلام فى القنوت قالوا لايصلى عليه فى القعدة الاخيرة ففى قوله قالوا اشارة الى عدم استحسانه له والىٰ انه غير مروى عن الائمة كما قلناه فان ذلك من المتعارف فى عباراتهم لمن استقراها والله تعالىٰ اعلم۔

اس سے معلوم ہوا کہ قاضی خاں کی عبارت خود قاضی خاں کے نزدیک غیر مستحسن اور غیر مروی اور ضعیف و مرجوح ہے حتیٰ کہ اس کے ساتھ حکم کرنا سخت ممنوع اور جہل ہے۔ درمختار میں ہے:

ان الحكم والفتيا بالقول المرجوح جهل وخرق الاجماع۔

درمختار میں بھی یہی قاضی خاں والا مسئلہ ہے وہاں بھی لفظ "قیل" ضعف کی دلیل موجود ہے درمختار کتاب النکاح میں ہے:

تزوج بشهادة الله ورسوله صلى الله عليه وسلم لم يجز بل قيل يكفر۔

شامی میں ہے:

(وقوله يكفر) لانه اعتقد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم عالم الغيب قال فى التاتارخانية وفى الحجة ذكر فى الملتقط انه لا يكفر لان الاشياء تعرض على روح النبى صلى الله عليه وسلم وان الرسل يعرفون بعض الغيب قال الله تعالىٰ عالم الغيب فلا يظهر علىٰ غيبه احدًا الا من ارتضىٰ من رسول۔

دو ایک حتیٰ کہ یہ لکھ دیتے ہیں کہ حضور کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں (معاذ اللہ) اور بعض گستاخ تو یہاں تک بک دیتے ہیں کہ حضور کو تو اپنے خاتمہ کا حال بھی معلوم نہیں (معاذ اللہ)۔ (تقویۃ الایمان و براہین قاطعہ)
(حاشیہ جاری)

(بقیہ حاشیہ)

(خلاصہ یہ کہ جس نے کفر بتایا ہے اس کے نزدیک اعتقاد علم غیب سبب ہے۔ تاتارخانیہ اور حجۃ میں ملتقط سے نقل کیا ہے کہ اس اعتقاد سے آدمی کافر نہیں ہوتا اس لیے کہ روحِ پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اشیاء پیش کی جاتی ہیں اور رسول بعض غیب کو جانتے ہیں فرمایا اللہ جل شانہ، نے عالم الغیب فلا یظھر علیٰ غیبہٖ احداً الا من ارتضیٰ من رسولٍ)

معدن الحقائق شرح کنز الدقائق اور خزانۃ الروایات میں ہے:

وفی المضمرات والصحیح انہ لا یکفر لان الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام یعلمون الغیب ولعرض علیھم الاشیاء فلا یکون کفرا۔

(مضمرات میں ہے کہ صحیح یہ ہے کہ کافر نہیں ہوتا اس لیے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام غیب کے عالم ہیں اور ان پر اشیاء پیش کی جاتی ہیں پس کفر نہ ہوگا)

شامی باب المرتد مسئلہ بزازیہ ذکر کرکے فرماتے ہیں:

حاصلہ ان دعوی الغیب معارضۃ لنص القرآن یکفر بہا الا اذا اسند ذالك صریحًا اودلالۃ الی سبب من اللہ کوحی والھام۔

(غیب کے دعوٰی نصِ قرآن کے معارض ہے پس اس کا مدعی کافر ہو جائے گا لیکن اگر اس نے صریحاً یا دلالۃً کسی سبب کی طرف نسبت کرلی ہے جو اللہ کی جانب سے ہو مثل وحی والہام وغیرہ کے، تو کافر نہیں)

درالمختار میں ہے:

فیما کل انسان غیر الانبیاء لا یعلم ما اراد اللہ تعالیٰ لہ وبہٖ لان ارادتہ تعالیٰ غیب الا لفقھا فانھم علموا ارادتہ تعالیٰ بھم لحدیث الصادق المصدوق من یرد اللہ بہٖ خیراً یفقھہ فی الدین۔

غایۃ الاوطار میں اس عبارت کے تحت مسطور ہے اور اشباہ میں ہے:

ہر آدمی سوائے انبیاء علیہم السلام کے جانتا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کیا ارادہ ہے اس کے ساتھ دارین میں۔ اس واسطے کہ حق تعالیٰ کا ارادہ غیب ہے مگر فقیہ اس کو جانتے ہیں کیونکہ وہ جان گئے ہیں حق تعالیٰ کے ارادہ کو جو ان کے ساتھ ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین ہے (یعنی جس کے لیے اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی سمجھ دیتا ہے یا یعنی اس کو فقیہ بنا دیتا ہے)

(باقی بر صفحہ ۷۴۵)

ف : قسم سے اس مضمون کو بیان کرنے کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ مخالفین کو اس سے انکار کی گنجائش نہیں رہے گی اس لیے کہ انھیں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نزاہت و صداقت پر ایمان تھا اور جانتے تھے کہ آپ نے زندگی بھر جھوٹ نہیں کہا تو اب جبکہ قسم کھا کر فرما رہے ہیں تو یقیناً بات حق ہوگی۔ لیکن ان کا نہ ماننا مکابرۃً ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے تھا اور ایسے مواقع پر تکذیب ان نفوس سے صادر ہوتی ہے جو فطرۃً جھوٹے ہوتے ہیں۔ جنھیں اللہ تعالیٰ نفس کمینے کے سپرد کر دیتا ہے۔ ان سے سوائے انکار کے اور کچھ صادر نہیں ہوتا۔ ہاں جسے اللہ تعالیٰ نظرِ عنایت سے نوازتا ہے تو وہ قل بلیٰ و ربی لتأتینکم عالم الغیب کا ارشادِ گرامی سنتے ہی اقرار کر لیتا ہے اور اسے حق سمجھ کر اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہے

لَا يَعْزُبُ عَنْهُ (اس کے علم سے دُور نہیں)

حلِ لغات العزوب بمعنے دُور ہونا۔ العازب بمعنے گھاس کی طلب میں دُور جانے والا۔ ایسے ہی جو اپنے اہل و عیال سے دُور ہو جائے اسے بھی عازب سے تعبیر کرتے ہیں۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کے علم سے دُور نہیں اور اس سے پوشیدہ نہیں مِثْقَالَ ذَرَّةٍ

حلِ لغات المثقال ہر وُہ شے جس سے کسی دُوسری شے کو تولا جائے۔ یہ الثقل سے ہے۔ ہر وہ پتھر وغیرہ جس سے اناج وغیرہ وزن کیا جائے کما فی المفردات۔

الذرہ بمعنے چھوٹی سُرخ چیونٹی اور وُہ چھوٹے چھوٹے ذرات جو سورج کی شعاع سے ہوا میں نظر آتے ہیں یعنی مقدارِ ذرہ یا چھوٹی چیونٹی کے برابر کی چیز۔

فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ آسمانوں میں نہ زمینوں میں۔ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اجسام کو بھی جانتا ہے اور ارواح کو بھی وَ لَا اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ اور مثقال سے کوئی شے چھوٹی ہو وَلَا اَكْبَرُ اور کوئی اس سے بڑی ہو' ان دونوں کا مرفوع ہونا مبتدا ہونے کی وجہ سے ہے اسی لیے اکبر پر وقف نہیں کرنا چاہیے اور اس مبتدا کی خبر اِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○ ہے یعنی مذکورہ بالا اشیا مثبت و مسطور ہیں۔ کتاب مبین یعنی لوحِ محفوظ میں، اس لیے کہ وہی ہر شے کو ظاہر کرنے والی ہے۔ لوحِ محفوظ میں ان اشیاء کو اس لیے نہیں لکھا گیا کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

اس سے ظاہر ہو گیا کہ فقہ میں بھی جہاں انکار ہے اس کے یہی معنیٰ ہیں کہ تعلیمِ الٰہی کے بغیر کسی کا علمِ غیب ماننا کفر ہے اور ہمارا عقیدہ ہے کہ تعلیمِ الٰہی سے حضور علیہ السلام کے لیے علمِ غیب ثابت ہے۔ مزید تفصیل کے لیے فقیر کی کتاب "علمِ غیب رسول" دیکھیے۔ اویسی غفرلہٗ

نسیان وخطا کا خطرہ نہیں تھا بلکہ اس لیے کہ مخاطبین کی عادت یونہی تھی کہ وہ ہر شے کو لکھ لیتے یا اس لیے کہ جیسے تم نے کیا وہ پورا پورا لکھا ہوا ہے اس میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوئی اگرچہ اس پر برسہا برس گزر گئے اور یہ جملہ نفی عزوب کی تاکید ہے لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یہ لیا تینکم کی علت اور بیان ہے اس کا کہ قیامت کیوں آئے گی، اس تقریر پر لام عقلاً علت کی اور شرعاً مصلحت وحکمت کی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ قیامت اس لیے آئے گی تاکہ ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ جزا دے اُولٰٓئِكَ وہ لوگ جو ایمان اور عمل صالح سے موصوف ہیں لَهُمْ اسی سبب سے ان کے لیے ہے مَّغْفِرَةٌ مغفرت یعنی گناہوں کا ڈھانپنا، اور جو ان سے صادر ہوا اسے مٹا دینا ہوگا کیونکہ انسان سے خطا ہو ہی جاتی ہے وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ اور رزق اچھا کہ جو بلا تکلیف اور کسی کا احسان اٹھائے بغیر حاصل ہو وَالَّذِیْنَ سَعَوْا اور وہ لوگ جنھوں نے کوشش کی فِیْٓ اٰیٰتِنَا ہماری قرآنی آیات میں یعنی قرآن مجید کی آیات پر طعن وتشنیع اور انہیں رد کرنے اور لوگوں کو ان کی تصدیق سے روکنے کی کوشش کی مُعٰجِزِیْنَ درانحالیکہ وہ عاجز کرنے والے تھے۔ البحر میں ہے کہ درانحالیکہ وہ گمان میں تھے کہ وہ ہم سے بچ نکلیں گے اور ان کا مکر اسلام کو مٹانے کے لیے کامیاب ہوگا لیکن ایسا نہ ہوسکا۔

حل لغات المفردات میں ہے کہ السعی بمعنے تیز چلنا یعنی دوڑنے سے کم رفتار کو سعی کہا جاتا ہے اور کسی کام کے لیے جدوجہد کرنے پر بھی سعی کا لفظ بولا جاتا ہے۔ وہ کام نیک ہو یا برا۔ اور معٰجزین، اعجزت فلانا وعاجزتہ سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو عاجز کردے۔

یعنی وہ گمان کر رہے ہیں کہ وہ ہمیں عاجز کردیں گے اس لیے کہ ان کا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد نہ اٹھنا ہے اور نہ کوئی حساب، جس سے انہیں نہ ثواب کی امید نہ عذاب کا خطرہ۔ اس آیت کی تائید ام حسب الذین یعملون السیئات ان یسبقونا یعنی وہ کوشش کرتے ہیں کہ وہ ہم پر غلبہ پاکر ہمیں عاجز کردیں گے اور جو کچھ ہم نے آیاتِ قرآنی نازل فرمائی ہیں انہیں وہ مٹا دیں گے اُولٰٓئِكَ وہ جو قرآنی آیات کے مٹانے کے درپے ہیں لَهُمْ اسی غلط روی کی وجہ سے ان کے لیے عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ یہ من بیانیہ ہے۔ الرجز برے عذاب کو کہتے ہیں۔ یعنی برے عذاب کی ایک جنس اَلِیْمٌ ۝ مرفوع ہے عذاب کی صفت ہے یعنی ایسا عذاب جس میں درد سخت تر ہو۔ کبھی الرجز بمعنے قذر وشرک اوثان کے ہے جیسے الرجز فاھجر میں ہے اور شرک واوثان کو رجز سے اسی لیے تعبیر کرتے ہیں کہ وہ عذاب شدید کا سبب ہیں۔ ایسے ہی شیطان کے مکر کو بھی رجز کہا جاتا ہے کما قال تعالیٰ:

ویذھب عنکم رجز الشیطن ۔
اور شیطان کے مکر کو بھی رجز اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بھی عذابِ الٰہی کا سبب ہے۔ المفردات میں ہے کہ الرجز بمعنے اضطراب ہے اور زلزلہ کی طرح ہے اور آیت میں یہی معنیٰ ہے۔
وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ یہ جملہ مستانفہ ہے یعنی اصحابِ رسول اور امت کے علما جانتے ہیں یا اہل کتاب کے اہل علم، جیسے عبداللہ بن سلام وکعب الاحبار وغیرہما رضی اللہ عنہم جو دولتِ ایمان سے نوازے گئے ہیں کو معلوم ہے۔ پہلا معنی زیادہ ظاہر ہے اس لیے کہ یہ سورۃ مکیہ ہے کذا فی التکملہ۔
الَّذِىْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وہ جو آپ کے پروردگار سے آپ کی طرف نازل ہوا ہے۔ اس سے نبوت اور قرآن وحکمت مراد ہے۔ یہ جملہ یری کا مفعول اوّل ہے۔ هُوَ یہ ضمیر فصل ہے ھو خیرا لھم کے ضمیر کی طرح تاکید کا فائدہ دیتا ہے الْحَقَّ منصوب ہے اس لیے کہ یریٰ کا مفعول ثانی ہے وَيَهْدِىْٓ اس کا الحق پر عطف ہے عطف الفعل علی الاسم کے قبیل سے ہے اس لیے کہ اسے مؤوّلاً اسم بنایا گیا ہے۔ یہ عبارت دراصل یوں تھی: ویری الذین اوتوا العلم الذی انزل الیك الحق وھادیا۔
اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ○ اور ہدایت دیتا ہے عزیز حمید کے سیدھے راستے کی طرف۔ اس سے توحید اور تقویٰ کے لباس سے آراستہ ہونا مراد ہے۔ اس سے خوفِ خداوندی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ عزیز وہ ہے جو مکذّب سے بدلہ لے۔ اس میں رغبت الی اللہ کی طرف بھی اشارہ ہے اس لیے کہ حمید وہ ہے جو تصدیق کنندہ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔
مسئلہ : دین اسلام اور ملک علّام کی توحید ایسی اعلیٰ دولتیں ہیں جن کی بدولت دارین کی عزّت ہے انہی کی وجہ سے قربت ووصالِ الٰہی اور مقامِ عین کی رؤیت نصیب ہوتی ہے۔ جیسے کفر وشرک مذمت اور دُنیا وآخرت کی ذلت اور بُعد وطرد کا موجب بنتا ہے بلکہ یہ قلوبِ حاضرہ وجوہ ناظرہ کے معاینہ ومشاہدہ کا حجاب بن جاتے ہیں۔
فلاسفہ کا ردّ اس آیت میں ان فلاسفہ کا ردّ ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم عرب کا ایک دانا آدمی تھا جس نے اپنے علم وحکمت سے نبوت وشریعت کو ظاہر فرمایا۔ اور ان کا گمان تھا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کو اپنی طرف سے گھڑ لیا تھا اسی وجہ سے وہ ابطالِ حق اور اثباتِ باطل میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی سخت مذمت فرمائی اس لیے کہ نبوت کے مخالف کی سزا

دوسرے امور کی مخالفات کی سزا کی طرح نہیں ہے۔

تفسیر صوفیانہ وہ حضرت جنہیں علوم و حکمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئے وہ لوگ جو علم و حکمت کو تکرار و بحث سے حاصل کرتے ہیں، یہاں وہ لوگ مراد نہیں۔ پہلے لوگ نبوت و قرآن کی تصدیق کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ حق ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور وہ حقیقت کو دیکھتے ہیں کیونکہ وہ ہر شے نورِ الٰہی سے دیکھتے ہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ حق حق کو دیکھتا ہے جیسے نور سے ہی نور دیکھا جا سکتا ہے۔ جب معلوم ہوا کہ حق سے حق دکھتا ہے تو ماننا پڑے گا کہ حق اہلِ حق کو ہی ہدایت دیتا ہے یا ان طالبانِ راہِ حق کو جو طریقِ حق پر چلتے ہیں۔ کما قال:

ویھدی الی صراط العزیز الحمید اللہ تعالیٰ عزیز ہے اس لیے کہ راہِ حق کو اسی سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے اور اسی کی ہدایت سے ہی یہ دولت نصیب ہوتی ہے اور وہ حمید ہے اس لیے کہ وہ اپنے طالب کو محروم نہیں فرماتا۔ کما قال:

الا من طلبنی وجدنی۔

(جو مجھے ڈھونڈتا ہے وہ مجھے پائے گا)

ف: موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: یا اللہ! میں تمہیں کہاں ملوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب بھی تم مجھ سے ملنے کا ارادہ کرو گے مجھے وہیں پاؤ گے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ ہر چہ جز حق ز لوح دل بتراش
بگذر از خلق جملہ حق را باش

۲ رختِ ہمت بخطۂ جان کش
بر رخ غیر خط نسیان کش

۳ بگسلے خویش از ہوا و ہوس
روے دل در خداے داری پس

ترجمہ: (۱) غیرحق کو دل سے دھو ڈال، خلق سے گزر کر حق کا ہو جا۔
(۲) ہمت کا سامان خطۂ جان میں کھینچ، رُخِ غیر پہ نسیان کا خط کھینچ (غیر کو بالکل بھول جا)
(۳) ہوا و ہوس خود سے علیحدہ کر دے، دل کا رُخ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف موڑ دے۔

تفسیر عالمانہ وَقَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا اور کافروں نے کہا اس سے وہ کافر مراد ہیں جو قیامت میں اُٹھنے کے منکر ہیں یعنی قریش قوم کے کفار نے بطریق استہزأ

آپس میں کہا هَلْ نَدُلُّكُمْ کیا ہم تمہاری دلالت کریں اور تمہیں نشان دیں عَلٰی رَجُلٍ ایسے مرد کا اس سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں آپ کو عام رجل بطور استہزاء کہا يُنَبِّئُكُمْ جو تمہیں خبر دیتا ہے یعنی عجیب وغریب باتیں کہتا ہے اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ۔

حل لغات المزق تمزیق کا مصدر ہے یعنی ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ تمزیق کا حقیقی معنیٰ ہے تفریق۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

مزق ثیابہ (اس نے اپنے کپڑے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے)

اب معنی یہ ہوا کہ جب تم مرو گے اور تمہارے اجسام ریزہ ریزہ ہو جائیں گے یہاں تک کہ تم چورہ چورہ ہو کر اور مٹی ہو کر مٹی میں مل جاؤ گے اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ○ بے شک جدید تخلیق میں ہو گے۔ یعنی مرنے کے بعد زندہ اٹھائے جاؤ گے جدید بروزن فعیل بصریوں کے نزدیک بمعنے فاعل ہے۔ جدّ فھو جدید سے ہے جیسے قل فھو قلیل۔ اور کوفیوں کے نزدیک فعیل بمعنے مفعول ہے جدّ النساج الثوب سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب نساج کپڑا کاٹے۔

ف: المفردات میں ہے کہ اہل عرب کہتے ہیں:

جددت الثوب۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کپڑے کو کسی کام میں لگانے کے لیے کاٹا جائے۔ ایسے ہی نئے کپڑے کے لیے کہا جاتا ہے: ثوبٌ جدیدٌ۔ دراصل کٹے ہوئے کپڑے کو کہا جاتا ہے۔ پھر ہر اس شے پر اس کا اطلاق ہونے لگا جو نئی صورت میں آئے۔ لیکن یہاں پر نشأۃ ثانیہ (قیامت) اور الجدیدان (دن اور رات) مراد ہوتے ہیں اور اذا کا عامل محذوف ہے جس پر اس کا مابعد دلالت کرتا ہے یہ دراصل ہے تنشأون خلقا جدیدا۔ اور مزقتم اس میں اس لیے عمل نہیں کرتا کہ تمزیق اسی مزقتم کی طرف منسوب ہے اور نہ ہی ینبئکم اس میں عمل کر سکتا ہے اس لیے کہ انباء اور تمزیق کا وقت ایک نہیں بلکہ انباء بہت پہلے واقع ہوا ہے اور تمزیق عرصہ دراز کے بعد واقع ہو گی۔ ایسے ہی جدید بھی اس پر عمل نہیں کرتا اس لیے کہ ان کا مابعد اس کے ماقبل پر عمل نہیں کرتا۔

اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا کیا مذکورہ خبر دے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ پر افترا کیا ہے۔ یہ بھی کافروں کا مقولہ ہے۔ افتری دراصل أاِفْتَرَىٰ تھا ساتھ ہمزہ مفتوحہ استفہامیہ کے جو ہمزہ مکسورہ وصلیہ پر داخل ہے اور ہمزہ استفہام انکار و تعجب کے لیے واقع ہوا۔ اس کی وجہ سے ہمزہ اصل تخفیفاً محذوف ہو گیا ہے۔ اس لیے کہ یہاں پر التباس کا کوئی خطرہ نہیں۔

افترا اور کذب میں فرق افتراء اور کذب میں فرق یہ ہے کہ افترا وہ ہے کہ انسان جھوٹ کو اپنی طرف سے گھڑ کر بیان کرے اور کذب کبھی کسی دوسرے

کی تعلید میں کہے۔ افتراء بمعنے جھوٹ گھڑنا۔
اب معنی یہ ہُوا کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ گھڑا ہے اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ یا انہیں جنون ہے
یعنی جنون انہیں ایسی بات کا وہم ڈالتا ہے اور بلا ارادہ ان کی زبان پر ایسی بات کراتا ہے جنون انسان
کے نفس وعقل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ کافروں کے نزدیک کذب دو قسم پر ہوتا ہے:

۱۔ عمداً

۲۔ بلا قصد و ارادہ

پہلے کی مثال افترا ہے اور دوسرے کی جنون۔
اب معنیٰ یہ ہُوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جنون ہے یا انہوں نے افترا نہیں کیا۔ کافروں نے
عدم افتراء کو جنون سے تعبیر کیا ہے اس لیے مجنون سے افترا نہیں ہوتا اور کذب کو قصد و ارادہ سے
تعلق ہوتا ہے اور مجنون قصد و ارادہ سے فارغ ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ جنون کی حالت میں
خبر دینا بھی افتراء کی ایک قسم ہے جو عام افترا سے خاص ہے اور یہ عام کذب کی قسم نہیں۔

ربط: بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اس سے اللہ تعالیٰ نے کافروں کے دعویٰ کی
تردید فرمائی ہے کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ جنون ہے اور نہ وہ افتراء کرتے ہیں جیسا کہ تمہارا
گمان ہے کیونکہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان ہر دو نقائص سے مبرا اور پاک ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے
کہ مذکورہ بالا باتیں کرنے والے کافر ایسے ہیں کہ انہیں آخرت پر یقین ہی نہیں۔ انہیں یقین ہونا چاہیے کہ
وہ عنقریب واقع ہوں گے فِى الْعَذَابِ آخرت کے عذاب میں وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ اور دنیا میں
صواب و ہدیٰ سے کوسوں دُور کہ اب اُن کی راہِ ہدایت پہ آنے کی اُمید ہی ختم ہے اور ضلال موصوف،
بعید صفت۔ یہ اسناد مجازی ہے اور اس سے مبالغہ مطلوب ہے کیونکہ وہی سیدھی راہ سے کوسوں
دُور ہے پھر وہ جتنا سیدھی راہ سے ہٹتا جائے گا اتنا ہی گمراہ تر ہوتا جائے گا۔ عذاب کے موجب کو
عذاب سے پہلے ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ اپنے بُرے عمل کا سُن کر محزون و مغموم ہوں اور انھیں
گمراہی اور عذاب ایسے محیط ہیں جیسے مظروف کو ظرف محیط ہوتا ہے اس لیے کہ عذاب کے اسباب
ان کے ہاں ہر وقت موجود تھے۔ اس اعتبار سے گویا وہ اپنے عذاب و گمراہی کے درمیان میں ہیں اور ضمیر
کے بجائے موصول لانے میں تنبیہ ہے کہ ان کا گمراہی وغیرہ کی جرأت کا اصلی سبب ان کا کفر ہے۔ اگر
انہیں آخرت کے عذاب کی ہولناکیاں معلوم ہوتیں تو وہ ان کے خوف سے گمراہی کا ارتکاب نہ کرتے۔

ف: آیت میں ثابت کیا گیا ہے کہ انہیں حقیقی جنون ہے اس لیے کہ غفلت سے عذاب اور گمراہی
میں مبتلا ہونا جنون اور عقل کی کمزوری ہی تو ہے ورنہ اگر انہیں فہم و ادراک ہوتا تو وہ حقیقتِ حال کو سمجھ جاتے
اور ایسی بیہودہ باتیں نہ کرتے۔

فائدہ صوفیانہ بعض مشایخ نے فرمایا کہ وُہ انسان جس کا قلب کفر و معاصی اور جرائم سے زنگ آلود ہو جائے تو وہ اس چھوٹے بچّے کی طرح ہے جو بچپن سے ہی اپنے وطن سے بے وطن ہو جائے پھر جب بڑا ہو تو اسے پہلے وطن کی بات یاد نہیں رہتی اور یاد دلانے پر بھی یاد کرنے کے بجائے اختلاف کرتا ہے۔ ایسے ہی نفس کا مارا ہُوا انسان دنیا میں پھنسا تو اب اسے آخرت (جو انسان کا اصلی وطن ہے) سے انکار کرتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس کے یاد دلانے والے کے ساتھ استہزا کرتا ہے اور یہ کبھی نہیں سوچتا کہ وُہ آدم علیہ السّلام کی پشت میں کس طرح تھا اللہ تعالیٰ نے اس کے ذرات کو کیسے جمع فرمایا اور پھر اسے نئی تخلیق میں لایا اور ایسے ہی اسے قیامت میں جمع فرمائے گا۔

۱ بامرش وجود از عدم نقش بست
کہ داند جز او کردن از نیست ہست

۲ دگر رہ بکتم عدم در برد
وزانجا بصحرائے محشر برد

۳ دہد روح گر تربت آدمی
شود تربت آدم دراں یکدمی

۴ کسی کو بخواہد نظیر نشور
بگو در نگر سبزہ را در ظہور

۵ کہ بعد خزاں بشگفد چند گل
بجوشد زمین در بہاراں چو مل

ترجمہ: (۱) اس کے حکم سے وجود نے عدم سے نقش پایا۔ اس کے سوا نیست سے ہست کون کر سکتا ہے۔

(۲) دوبارہ پھر وجود سے عدم کی طرف لائے گا اس کے بعد پھر محشر میں لائے گا۔

(۳) آدمی کی مٹّی کو رُوح بخشتا ہے تو فوراً وُہ مٹّی آدمی بن جاتی ہے۔

(۴) کوئی شخص پُوچھے کہ قیامت میں اُٹھنے کی کوئی نظیر (دنیا میں) کیا ہے، تو اسے کہو کہ کھیتوں کی سبزی کو دیکھ لو۔

(۵) کہ خزاں کے بعد کیسے گُل آتے ہیں، بہار کے موسم میں زمین شراب کی طرح جوش مارتی ہے۔

أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ فا عاطفہ ہے اس کا فعل مقدر ہے یعنی کیا انہوں نے وُہ بُرائی کی جو ان کے عذاب کا موجب تھی تو انہوں نے اس طرف نہ دیکھا جو انہیں ہر جانب سے محیط ہے کہ اب ان کے لیے بھاگنے کا کوئی چارہ نہیں۔ اس سے

آسمان و زمین مراد ہیں اس لیے کہ وُہ جہاں بھی جاتے ہیں ان کے آگے پیچھے، دائیں بائیں آسمان و زمین موجود ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ کیا وُہ نہیں دیکھتے اس طرف کہ ان کے آگے پیچھے آسمان و زمین ہے۔

ربط : اب بتایا کہ آسمان و زمین سے جو ان پر واقع ہونے والا ہے وہ کیا ہے۔ کما قال اِنْ نَّشَاْ ان کے کردار کے موجب اگر ہم چاہیں نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ ہم انہیں ایسے ہی زمین میں دھنسا دیں، جیسے قارون کو زمین میں دھنسایا گیا کہ پھر وہ کبھی ظاہر نہ ہُوا۔ بھم کی با، تعدیہ کی ہے اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ یا ہم ان پر آسمان کا ٹکڑا پھینک دیں جیسے اصحاب ایکہ پر آسمان سے پتھر برسائے گئے جب کہ انہوں نے جرائم کا ارتکاب کر کے اس طرح کا عذاب خود مانگا تھا۔

حلِ لغات الکسف لفظاً و معناً قطعہ کی طرح ہے یہ کسفۃ کی جمع ہے۔ المفردات میں ہے کہ الکسفۃ بمعنے بادل اور کپاس کا ٹکڑا۔ اس طرح کی ذوجسم اشیاء کا ٹکڑا جو کہ درمیان میں کھوکھلا ہو۔ یہاں پر آسمان سے آگ کا ایک ٹکڑا مراد ہے۔ جیسے اصحاب الایکہ یعنی شعیب علیہ السلام کی قوم پر آگ کی چنگاریاں برسائی گئیں۔ وُہ لوگ کھیتوں، باغات اور بہترین درختوں کے مالک تھے پہلے ان پر گرم ہوا چلی پھر آسمان سے ایک بادل آتا ہُوا دکھائی دیا اسے دیکھ کر وہ لوگ اس کے نیچے سایہ کی خاطر آئے تو ان پر آگ برسائی گئی۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ بیشک مذکور بیان میں یعنی ان پر آسمان و زمین سے عذاب کا آنا اور ہر جانب سے انہیں محیط ہو جانا جسے دیکھنے والے آنکھوں سے دیکھیں، یا اس سے وہ وحی مراد ہے جو ان پر پڑھی گئی لَاٰيَةً البتہ دلالت واضحہ ہے لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝ واسطے ہر اس بندے کے جو اس کی طرف رجوع و انابت کرتا ہے کیونکہ وہ جب اس میں غور و فکر کرے گا یا وحی مذکور سُنے گا تو لازماً برائیوں کے ارتکاب سے باز آجائے گا اور بارگاہِ حق کی طرف رجوع کرے گا۔

حل لغات المفردات میں ہے کہ النوب بمعنے شے کا بار بار لوٹنا۔ الانابۃ بمعنے اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ اور اخلاصِ عمل کے ساتھ رجوع کرنا۔

ف : آیت میں توبہ و انابۃ کی بہت بڑی ترغیب ہے اور جرم و جنایۃ پر زجر و توبیخ کی گئی ہے۔ عبد خائف وُہ ہے جو آنکھ جھپکنے کی دیر بھی قہرِ الٰہی سے بے خوف نہیں رہتا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے وُہ جسے چاہے لطف سے بہرہ ور فرمائے، جس پر چاہے قہر و غضب برسائے (نعوذ باللہ) ذرّاتِ عالم میں سے کوئی شے اس کی قدرت کاملہ سے باہر نہیں۔

ف : حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب بندہ صدق دل سے توبہ کرتا ہے وُہ منیب ہو جاتا ہے اس لیے کہ یہ توبہ کا دُوسرا درجہ ہے۔

ف : ابو سعید قرشی رحمہ اللہ نے فرمایا: منیب وُہ ہے جو ہر اس شے سے روگردانی کرے جو

اللہ تعالیٰ سے باز رکھے اور صرف حق تعالیٰ کی طرف راغب ہو۔

ف: بعض مشایخ نے فرمایا: منیب وُہ ہے جو اسی کی طرف راجع ہو، غیر کو اس کے رجوع کے لیے سبب نہ سمجھے۔ جو غیر کو سبب سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے وہ انابت کے ایک حصّہ کو ضائع کردیتا ہے اور حقیقی منیب وُہ ہے جس کا مرجع صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہو اسی کی طرف رجوع کرے۔ اگر اس کے غیر کی طرف رجوع ہو تو ذاتِ حق کے رجوع سے ہو۔ وُہ اپنی ذات کو باری تعالیٰ کے سامنے ایک ڈھیلے کی طرح بنا دے، وُہ جیسے چاہے اس سے کام لے۔ بس عین الجمع میں مستغرق ہو جائے۔

معروف کرخی کا مقام

حضرت سری سقطی قدس سرہٗ نے فرمایا: میں نے حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ کو خواب میں دیکھا کہ وہ عرشِ الٰہی کے نیچے مدہوش پڑے ہیں اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے پُوچھا:

یہ کون ہے؟

اُنھوں نے عرض کی:

یا الٰہ العٰلمین! تو ہی بہتر جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یہ معروف کرخی ہے جو میرے عشق میں مستغرق ہے اسے سوائے میرے دیدار کے اور کوئی شے ہوش میں نہیں لا سکتی۔

سبق: اسی کو کہتے ہیں حقیقی رجوع۔

حکایت

حضرت ابراہیم بن ادھم قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا میں نے ایک خوب رُو نوجوان کو طواف کرتے دیکھا اس کے حسن و جمال سے نہ صرف مَیں ہی محوِ حیرت تھا بلکہ تمام ناظرین میری طرح حیران تھے۔ میں اُسے دیکھ کر رونے لگا۔ میرے بعض ساتھیوں نے میری یہ کیفیت دیکھ کر کہا انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔ یعنی افسوس ہے کہ شیخ (ابراہیم بن ادھم) پر غفلت چھا گئی۔ پھر اسی ساتھی نے مجھ سے پُوچھا: حضرت! یہ رونا اور نوجوان کو غور سے دیکھنا کیسا؟ میں نے کہا: بھائی! میں نے اللہ تعالیٰ سے ایک پختہ معاہدہ کیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ اسے ہرگز نہیں توڑوں گا، اب میری آزمائش ہے اس لیے کہ یہ نوجوان میرا لختِ جگر اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، میں اسے صغر سنی کے عالم میں چھوڑ کر گھر سے نکلا تھا اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو مطمحِ نظر سمجھا لیکن اب یہ بڑا ہو گیا ہے اور اس کی جوانی مجھے اپنی طرف کھینچنا چاہتی ہے۔ مگر۔ مجھے اللہ تعالیٰ سے ڈر لگتا ہے کہ کہیں پھسل نہ جاؤں ؎

(باقی ص ۷۵۶)

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ مِنَّا فَضْلًا ۖ يَا جِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ

اور بے شک ہم نے داؤد کو اپنا بڑا فضل دیا۔ اے پہاڑو اس کے ساتھ

وَالطَّيْرَ ۖ وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ ﴿١٠﴾ أَنِ اعْمَلْ

اللہ کی طرف رجوع کرو اور اے پرندو اور ہم نے اس کے لیے لوہا نرم کیا کہ وسیع زرہیں بنا

سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ ۖ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١١﴾

اور بنانے میں اندازے کا لحاظ رکھ اور تم سب نیکی کرو بے شک میں تمہارے کام دیکھ رہا ہوں

وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۖ وَأَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ

اور سلیمان کے بس میں ہوا کردی اس کی صبح کی منزل ایک مہینہ کی راہ اور شام کی منزل ایک مہینے کی راہ اور ہم نے اس کے لیے

الْقِطْرِ ۖ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۖ وَمَنْ يَزِغْ

پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہایا اور جنوں میں سے وہ جو اس کے آگے کام کرتے اس کے رب کے حکم سے اور جو ان میں ہمارے

مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ ﴿١٢﴾ يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ

حکم سے پھرے ہم اسے بھڑکتی آگ کا عذاب چکھائیں گے اس کے لیے بناتے جو وہ چاہتا اونچے اونچے

مَحَارِيبَ وَتَمَاثِيلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ رَاسِيَاتٍ ۚ اعْمَلُوا

محل اور تصویریں اور بڑے حوضوں کے برابر لگن اور لنگردار دیگیں اے داؤد والو

آلَ دَاوُودَ شُكْرًا ۚ وَقَلِيلٌ مِنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ ﴿١٣﴾ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ

شکر کرو اور میرے بندوں میں کم ہیں شکر والے پھر جب ہم نے اس پر موت کا

الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنْسَأَتَهُ ۖ فَلَمَّا

حکم بھیجا جنوں کو اس کی موت نہ بتائی مگر زمین کی دیمک نے کہ اس کا عصا کھاتی تھی پھر جب

خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَنْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ

سلیمان زمین پر آیا جنوں کی حقیقت کھل گئی اگر غیب جانتے ہوتے تو اس خواری کے عذاب میں

الْمُهِينِ ﴿١٤﴾ لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ ۖ جَنَّتَانِ عَنْ يَمِينٍ

نہ ہوتے بے شک سبا کے لیے ان کی آبادی میں نشانی تھی دو باغ دہنے اور بائیں

وَشِمَالٍ ۖ كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ ۚ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ

اپنے رب کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو پاکیزہ شہر اور بخشنے

غَفُورٌ ﴿١٥﴾ فَأَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ

والا رب تو انہوں نے منہ پھیرا تو ہم نے ان پر زور کا اہلا بھیجا اور ان کے باغوں کے عوض دو باغ انہیں

جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَمْطٍ وَّأَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿١٦﴾ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ

بدل دیئے جن میں بکتا میوہ اور جھاؤ اور کچھ تھوڑی سی بیریاں ہم نے انہیں یہ بدلہ

بِمَا كَفَرُوْا ۭ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿١٧﴾ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ

دیا ان کی ناشکری کی سزا اور ہم کسے سزا دیتے ہیں اسی کو جو ناشکرا ہے اور ہم نے کئے تھے ان میں اور ان شہروں میں جن

بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ۭ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا

میں ہم نے برکت رکھی سرِ راہ کتنے شہر اور انہیں منزل کے اندازے پر رکھا ان میں چلو راتوں اور دنوں امن

اٰمِنِيْنَ ﴿١٨﴾ فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ

وامان سے تو بولے اے ہمارے رب ہمارے سفر میں دوری ڈال اور انہوں نے خود اپنا ہی نقصان کیا تو ہم نے

اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿١٩﴾

انہیں کہانیاں کر دیا اور انہیں پوری پریشانی سے پراگندہ کر دیا بیشک اس میں ضرور نشانیاں ہیں ہر بڑے صبر والے ہر بڑے شکر

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٠﴾

والے کیلئے اور بیشک ابلیس نے انہیں اپنا گمان سچ کر دکھایا تو وہ اس کے پیچھے ہولئے مگر ایک گروہ کہ مسلمان تھا

وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ

اور شیطان کا ان پر کچھ قابو نہ تھا مگر اس لیے کہ ہم دکھا دیں کہ کون آخرت پر ایمان لاتا ہے اور کون

هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ۭ وَرَبُّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿٢١﴾ ع

اس سے شک میں ہے اور تمہارا رب ہر چیز پر نگہبان ہے

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا بے شک ہم نے داؤد علیہ السلام کو فضل بخشا۔

صوفیانہ نکتہ: اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو وہ اسم بخشا ہے جس میں حروف اتصالیہ نہیں
اس سے معلوم ہوا کہ وہ عالم دنیا سے بالکل فارغ ہوئے اور اسے الطاف خفیہ وجلیہ سے مشرف
فرمایا اس لیے اسم ومسمی کو آپس میں مناسبت ہوتی ہے۔ اسے صرف اہلِ حقیقت ہی سمجھتے ہیں اور یہ ظاہر
ہے کہ اسماء والقاب آسمان سے ہی نازل ہوتے ہیں۔

ف: فضل بمعنے زیادہ، اس کی تنوین نوعی ہے۔ یعنی داؤد علیہ السلام کو دیگر انبیاء علیہم السلام کی
بہ نسبت ایک طرح کا فضل عطا ہوا جو نہ بنی اسرائیل کے انبیاء کو نصیب ہوا نہ دوسروں کو۔ جیسا کہ تلک
الرسل فضلنا بعضھم علی بعض سے بھی معلوم ہوتا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ فاضل ہر لحاظ سے فاضل

ہو بلکہ وہ کسی اور وجہ سے مفضول بھی ہوتا ہے۔

ف: اس سے داؤد علیہ السلام کے وہ معجزات (پہاڑوں کی تسبیح، پرندوں کی تسخیر اور لوہے کا نرم ہو جانا وغیرہ) مراد ہیں جو صرف انہی سے مخصوص تھے لیکن فضل کا انحصار انہی معجزات پر نہیں بلکہ اس کے علاوہ زبور کا علیہ بھی ایک فضل تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر امتنان و تفضل کے ضمن میں فرمایا:

و اٰتینا داؤد زبورا۔

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور داؤد علیہ السلام کے فضل میں فرق

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور داؤد علیہ السلام کے فضل میں بہت بڑا فرق ہے۔ وہ یوں کہ داؤد علیہ السلام کا فضل نکرہ سے مذکور رہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فضلِ الٰہی کی ایک نوع ہے جس کا معمولی سا حصہ داؤد علیہ السلام کو عطا ہوا۔ اس سے فیضِ الٰہی بلا واسطہ مراد ہے اس لیے کہ لفظاً مِنّا سے ایسے ہی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو جو فضل عطا ہوا اسے یوں بیان کیا گیا:

وکان فضل اللہ علیك عظیما۔

اس فضل کو عظمت کی صفت سے بیان کیا گیا اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف کر کے۔

اب معنی یہ ہوا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قسم کا فضل عطا ہوا۔ اس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے کہ کسی کے متعلق کہا جائے:

دار فلان اشتملت علیٰ جمیع الدور۔

(فلاں شخص کا گھر تمام گھروں پر مشتمل ہے)

ایک اور تقریر ممکن ہے داؤد علیہ السلام کے فضل میں تنکیر تفخیم کی ہو اور اس کی فخامت کی تاکید کے لیے لایا گیا ہو اور اس سے فخامت ذاتیہ مراد ہو جو کہ ذات حق

---

١ هجرت الخلق كلا فی هواكا
وایتمت العیال لكی اراكا

٢ فلو قطعتنی فی الحب اربا
لما سكن الفؤاد الی سواكا

ترجمہ: (۱) میں نے مخلوق کو تیرے عشق میں چھوڑا اور عیال کو یتیم بنایا تاکہ تجھے دیکھوں۔

(۲) اگر تو نے محبت میں میری آرزو توڑ دی تو میرا دل تیرے سوا سکون نہ پائے گا۔

سبق: نفس کو چھوڑنے سے وصالِ حق اور نفس پروری سے حق سے دوری حاصل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہی وصال کے مقام تک پہنچاتا ہے۔

کی طرف مضاف ہو۔ لیکن اس وقت مفضل علیہ غیر انبیاء علیہم السلام مراد ہوں گے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ ہم نے داؤد علیہ السلام کو بہت بڑا افضل عطا فرمایا جو انبیاء علیہم السلام کے بغیر کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوا، جیسے نبوّت، علم، قوت، خوش الحانی وغیرہ۔

یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَہٗ اٰتینا سے قلنا یا فضلاً سے قولنا محذوف سے بدل ہے۔

التاویب کے دو معنے ہیں،

(۱) الترجیع بمعنے نغمہ گردانیدن۔ اس لیے کہ یہ اَوْبٌ بمعنے الرجوع سے ہے۔

(۲) السیر بالنہار کلہ (سارا دن چلتے رہنا)۔

پہلے معنیٰ پر آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اے پہاڑو! حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بار بار پڑھو۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ اوّبی بمعنے سبّحی معہٗ ہے حبشہ کی زبان میں تسبیح کو کہا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے پہاڑو! داؤد (علیہ السلام) کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھو۔

ف: موسیٰ علیہ السلام کے درخت کی طرح پہاڑوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرح آواز پیدا فرمائی جب داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے تو پہاڑوں سے ایسے آواز سنائی دیتی تھی جیسے کوئی تسبیح پڑھنے والا تسبیح پڑھ رہا ہو۔ یہ داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا۔

الاعجوبہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ پہاڑوں سے جو صدا گونجتی ہے یہ اُسی روز سے ہے یہ گونج وہی آواز ہے جو بولنے والے کی آواز کے بعد گونجتی ہے۔

سوال: اہل حقیقت کے نزدیک ہر شے قولی تسبیح پڑھتی ہے جسے لفظ صریح سے اہل اللہ سُنتے اور اہل مشاہدہ آنکھوں سے دیکھتے ہیں پھر داؤد علیہ السلام کی خصوصیت کا کیا معنے؟

جواب: خرقِ عادت کے طور پر ان کا داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح میں مشغول ہونا، جیسا کہ لفظ معہٗ سے معلوم ہوتا ہے۔ یہی خصوصیت تھی جو داؤد علیہ السلام کو عطا ہوئی۔

سوال: یہ بات اپنے مقام پر حق ہے کہ عوالم میں ہر عالم اور اس کے ہر نوع کا ذکر علٰحدہ علٰحدہ ہے بلکہ جو سالک تمام اشیاء سے وہی ذکر سُنے جس میں وہ خود مشغول ہے تو یہ کشف محض خیالی اور غیر صحیح ہے یعنی وہ ایک خیال محض ہے جو موجودات میں اس کے لیے قائم ہوا ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ ہاں وہ کشف صحیح ہے جس میں ہر نوع سے وہی ذکر سُنائی دے جس میں اسی نوع کے افراد مشغول ہیں اور ظاہر ہے کہ ہر نوع کا ذکر دوسرے نوع کے ذکر سے علٰحدہ ہے۔

جواب: پہاڑوں کا داؤد علیہ السلام کے موافق ہونے سے یہ لازم نہیں کہ ان کا کوئی الگ ذکر ہو بلکہ ان کی تسبیح کا سننا داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ یہی نہیں بلکہ وہ بھی ان کی موافقت میں اسی طرح ذکر میں مشغول تھے۔ بس معجزہ ہونے کے لیے اتنا کافی ہے خواہ ان کا ذکر علیحدہ ہو یا داؤد علیہ السلام جیسا۔

ف: اوّبی تأویب بمعنے سارا دن چلتے رہنا۔ جیساکہ ہم نے پہلے عرض کیا ہے کہ تأدیب کا ایک معنیٰ یہ بھی ہے تو اب معنی یہ ہوگا کہ اے پہاڑو! وہاں چلو جہاں داؤد علیہ السلام تشریف لے جائیں یا جب وہ تمہیں چلنے کا حکم دیں تو تم چل پڑو۔ یہ داؤد علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ جب وہ چاہتے اور جس پہاڑ کو چاہتے تو وہ پہاڑ چل پڑتا۔

ف: پہاڑوں کی تسبیح و سیر کی تخصیص اس لیے کہ یہ شکل و صورت اور قد و قامت میں انسانوں کے مشابہ ہیں۔

وَالطَّيْرَ اس کا منصوب ہونا بوجہ عطف کے ہے۔ اس کا عطف فضلاً پر ہے۔ یعنی ہم نے داؤد علیہ السلام کے لیے پرندوں کو مسخر فرمایا اس لیے کہ پرندوں کا ان کے ہاں حاضر ہونا ہی تسخیر کی وجہ سے تھا۔ اسی لیے یہاں پر فعل تسخیر کے محذوف کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ تسبیح الطیر سمجھ کر مضاف کو محذوف ماننے کی ضرورت ہے۔ کما فی الارشاد:

"و مسخر کردیم ویرا مرغان تا در وقت ذکر با او موافق بودندی"۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے پرندوں کو داؤد علیہ السلام کے تابع کردیا کہ وہ بھی ان کی موافقت میں تسبیح پڑھیں۔

ف: جبال و طیور کو بمنزلہ عقلاء کے قرار دے کر عقلاء کی طرح انہیں ندا دی گئی ہے اس لیے کہ ہر حیوان و جماد مشیتِ الٰہی کے زیرِ فرمان اور اسی کے حکم کا پابند ہے ورنہ جماد کی اصل فطرت ہے منجمد ہونا اور پرندوں کی فطرت ہے انسانوں سے بھاگنا لیکن اس کے برعکس وہ داؤد علیہ السلام کے حکم کے تابع تھے

سبق: یہ جمادات و حیوانات ہیں کہ ذکرِ حق سے سرشار ہیں لیکن وہ بدقسمت انسان جس کا دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوگیا کہ وہ ذکرِ الٰہی سے نہ صرف محروم بلکہ اہلِ ذکر کی مجلس سے متنفر ہوگیا۔ بعض ان کے اس محبوب طریقے کے منکر ہوگئے اور بعض بدقسمتی سے ان کے دشمن بن گئے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ کی تقریر دلپذیر: حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہٗ نے شرح فصوص الحکم میں لکھا ہے کہ چونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کے روح کی توجہ خاص تسبیح کی طرف تھی اس لیے وہی

تسبیح ان کے اعضاء میں سرایت کرگئی اور اعضاء روح کے مظاہر ہیں اسی لیے ان سے ذکر و تسبیح کا اثر جمادات وطیور پر پڑا (کیونکہ یہی اشیاء انسانی اعضاء کے مشابہ ہیں) تو وہ بھی تسبیح و ذکر میں مشغول ہوگئے اس لیے ان کی تسبیح و ذکر کا جملہ ثواب داؤد علیہ السلام کو ملتا تھا ان جمادات وحیوانات کو تو ثواب کی ضرورت نہیں پھر لامحالہ وہ اجر و ثواب ضائع نہ ہونے دیا گیا بلکہ وہ جملہ ثواب داؤد علیہ السلام کو عطا ہوا۔

نسخہ روحانی لسانی ذکر کا اثر رُوح پر پڑتا ہے اس سے رُوح کا نور چمکتا ہے تو اس کا عکس نفس کے پہاڑوں اور قلب کے پرندوں پر پڑتا ہے جب ذکر پر مداومت کی جائے تو روح کے ذکر کا اثر نفس پر اور نفس سے بدن پر، اور اس بدن سے رونگٹے رونگٹے کے ظاہر و باطن پر، اس کے بعد اجزاءِ عنصریہ پر، اس کے بعد اربعہ عناصر پر۔ یہاں تک کہ ان کے مفرد پر بھی اور مرکب پر بھی۔ پھر نفس کے ذکر کا اثر نفوس یعنی نفس نامیہ، نفس حیوانیہ، نفس سماویہ، نفس نجومیہ پر پڑتا ہے اور انسانی رُوح کا ذکر جملہ عالم کے جملہ ارواح پر یہاں تک جملہ عوالم ظاہرہ اور ملکوت باطنہ پر اثر انداز ہوتا ہے آیت میں جبال وطیور میں انہی عوالم ظاہرہ و باطنہ یعنی ملک و ملکوت کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ جملہ عوالم ذکرِ خداوندی میں مشغول ہونے والے بندۂ خدا کے ذکر سے سرشار ہو کر اس کے ساتھ ذکر میں مشغول ہوتے ہیں۔ پھر یہ تمام کے اذکار رب العالمین کی طرف پہنچائے جاتے ہیں۔ کما قال:

الیہ یصعد الکلم الطیب۔

ایسے پاکباز مردِ خدا کو خود خدا تعالیٰ یاد کرتا ہے۔ اس معنے پر کہا گیا ہے کہ بندہ ذاکر بھی ہے اور مذکور بھی۔ ایسا بندہ نہ صرف صفتِ ربوبیت سے موصوف ہو جاتا ہے بلکہ اس کے جملہ صفات سے بھی۔ اور ایسے بندے پر فضلِ الٰہی کا یہ معنیٰ ہے کہ اس بندے کو اللہ تعالیٰ اپنا مذکور فرماتا ہے۔

قاعدۂ نبوّت قاعدہ ہے کہ نبی علیہ السلام حسین و جمیل اور خوش الحان ہوتا ہے لیکن داؤد علیہ السلام کو بہ نسبت دُوسرے انبیاءؑ کے خوش الحانی زیادہ دی گئی، جیسے یوسف علیہ السلام کو بہ نسبت دُوسرے انبیاءؑ کے حُسن زیادہ نصیب ہوا۔

داؤد علیہ السلام کی خوش الحانی کا نمونہ حضرت داؤد علیہ السلام جب زبور پڑھتے تھے تو درندے، چرندے اور وحوش وطیور اپنے بلوں اور گھونسلوں سے باہر نکل کر آپ سے زبور سُننے میں مشغول ہو جاتے آپ کی خوش الحانی سے پرندے وجد میں آجاتے، اکثر اوقات آسمان پر اُڑتے وقت زبور سُن کر زمین پر گر جاتے۔

| ز صورت دلکشش جان تازہ گشتے | روانرا ذوق بے اندازہ گشتے |

۲ سپہر چنگ پشت ارغنوں ساز
ازاں پر حالت نشنودہ آواز

ترجمہ: (۱) دلکش آواز سے جان تازہ ہو جاتی، رُوح کو بے انداز ذوق نصیب ہوتا۔
(۲) آسمان نے باوجودیکہ ایسے کئی خوش آواز دیکھے لیکن داؤد علیہ السلام جیسی پُرکیف آواز کسی سے نہ سُنی ہوگی۔

دُوسرا نمونہ منقول ہے کہ جب داؤد علیہ السلام تسبیح پڑھتے تو پہاڑ آپ کے ساتھ نغمہ سرا ہوتے اور پرندے آپ سے آواز ملا کر تسبیح پڑھتے۔ پھر جو بھی یہ دلکش آواز سنتا بیخود ہو کر گر جاتا یہاں تک کہ آپ کی اس محبوب آواز سے کبھی کبھار بیک وقت چار سو جنازہ اُٹھتا ؎

چو گردد مطرب من نغمہ پرداز
ز شوقش مرغ روح آید بپرواز

ترجمہ: جب سرود گانے والا سرود گاتا ہے تو اس کے شوق سے ہماری روح کا پرندہ اڑنے لگتا ہے۔

ف: امام قرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا کہ خوب صورت آواز بھی ایک عطیۂ حق ہے۔ اسی لیے فقہاء کرام نے قرآن مجید کو اچھے لہجے سے پڑھنے کو مستحسن قرار دیا ہے بشرطیکہ خوش الحانی کے وقت قرآن مجید کے الفاظ میں تغیّر پیدا نہ ہو اور نہ اس کے معنے میں کوئی فرق آئے۔

حکایت ایک رات حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے دل میں کہا کہ ذکرِ الٰہی میں مشغول تر مجھ جیسا اور کون ہوگا! یہ کہہ کر پہاڑ پر چلے گئے اور عبادت میں مشغول ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ کو حکم دیا کہ وہ داؤد علیہ السلام کی موافقت میں زور زور سے تسبیح و تہلیل پڑھے۔ چنانچہ پہاڑ کے ذرّے ذرّے سے ذکرِ الٰہی گونجے تو داؤد علیہ السلام نے عرض کی: اے اللہ العٰلمین! یہ ذکر کی آواز کہاں سے آرہی ہے جبکہ میری آواز کو اس نے چھپا دیا ہے اور میرا اللہ میری آواز کو کیسے سُن رہا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو بھیجا کہ انھیں پہاڑ سے اٹھا کر دریا میں لے جائیے۔ چنانچہ انہیں وہاں سے اٹھایا اور دریا کی تہ میں لے گئے پھر وہاں سے اس جگہ پہنچایا جہاں پانی پر مچھلی تیر رہی ہے، پھر وہاں سے اس پتھر پر جو مچھلی کے نیچے ہے۔ وہ پتھر پھٹا تو اس میں سے ایک کیڑا نکلا جو سانس کے ذریعے باآواز ذکرِ الٰہی میں مشغول تھا۔ فرشتے نے عرض کی: اللہ تعالیٰ اس کیڑے کی آواز کو بھی سُن رہا ہے باوجودیکہ یہ کیڑا ساتوں طبقاتِ زمین کے نیچے اور پتھر میں پوشیدہ باریک سی سانس سے ذکر کر رہا ہے تب بھی اللہ تعالیٰ اس کے ذکر سے بے خبر نہیں۔ جب ایسے کیڑے کے ذکر سے بے خبر نہیں تو اے داؤد (علیہ السلام)! تیری آواز سے کیسے بے خبر ہو سکتا ہے جو تُو نے پہاڑوں کی آوازوں

کے درمیان نکالی تھی۔ یہ کرشمہ دیکھ کر داؤد علیہ السلام اپنے اصلی مقام پہ لوٹ آتے۔

۱ ہمہ آوازہا در پیش حق باز
اگر پیدا اگر پوشیدہ آواز

۲ کسے کو بشنود آواز از حق
شود در نفس خود خاموش مطلق

ترجمہ: (۱) تمام آوازیں اللہ کے سامنے کھلی ہوئی ہیں کوئی کھلی آواز ہے یا پوشیدہ۔
(۲) جو حق سے آواز سنتا ہے وہ اسی وقت ہی مطلقاً خاموش ہو جاتا ہے۔
دعا: اے اللہ تعالیٰ! ہمیں اپنا کلام سنا۔ (آمین)

وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ○ اللین خشونت کی نقیض ہے، اس کا استعمال اجسام میں ہوتا ہے استعارۃً معانی کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے الانۃ الحدید بمعنے لوہے کو نرم کرنا۔ یعنی ہم نے داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو موم اور تر آٹے جیسا بنا دیا یا وہ اسے اپنے ہاتھ سے جس طرح چاہتے موڑ لیتے۔ نہ انھیں اسے آگ کے ذریعہ نرم کرنے کی ضرورت پڑتی تھی اور نہ وہ اسے ہتھوڑے وغیرہ سے کوٹنے کے محتاج تھے۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ ہم نے انہیں اتنی قوت و طاقت بخشی کہ لوہا ان کے لیے ایسے نرم تھا جیسے دوسرے قوی البشریہ کے لیے موم۔ اور داؤد علیہ السلام قوتِ جسمانی میں بہت طاقتور تھے اگرچہ بظاہر جسیم و لحیم نہ تھے۔ سورۂ صٓ میں انہیں ذاالاید فرمایا گیا ہے۔ تو اس کا ایک معنیٰ یہ بھی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ اَنِ اعْمَلْ یہ کہ ہم نے انہیں فرمایا کہ وہ عمل کریں۔ یہ اَن مصدریہ ہے اس سے پہلے بار جارہ محذوف ہے۔ سٰبِغٰتٍ زرہیں فراخ کامل اور لمبی۔

حل لغات القاموس میں ہے:
سبغ الشیٔ سبوغا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شے زمین کی جانب میں لمبی ہو۔ اور کہا جاتا ہے:
النعمۃ اسبغت۔ (نعمت مکمل ہوئی)
اور کہتے ہیں: درع سابغۃ تامۃ طویلۃ۔ یعنی زرہ مکمل اور طویل ہے۔
اسی سے استعارۃً کہتے ہیں:
اسباغ الوضؤ یا اسباغ النعمۃ۔
کمافی المفردات: سب سے پہلے زرہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بنائی ورنہ آپ سے پہلے لوگ لوہے کی بڑی چادریں بنا کر ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیتے انہی سے زرہ کا کام لیتے۔

حکایت حضرت داؤد علیہ السلام جب بنی اسرائیل کے بادشاہ بنے تو بھیس بدل کر عوام سے پُوچھتے کہ داؤد (علیہ السلام) کیسے ہیں؟ لوگ آپ کو ناواقف سمجھ کر آپ کی تعریف و توصیف بیان کرتے۔ ایک دفعہ فرشتہ بھیس بدل کر آپ کے ہاں حاضر ہُوا آپ نے حسبِ عادت اس سے بھی اپنے متعلق سوال کیا تو اس نے کہا: داؤد بھلا آدمی ہے لیکن اگر وُہ ایک عادت کو چھوڑ دے تو اچھا ہے۔ آپ نے پُوچھا، وُہ عادت کون سی ہے؟ اس نے کہا کہ بیت المال سے اپنا اور اپنے اہل و عیال کا کھانا لینا ترک کر دے۔ آپ نے کہا، تو پھر وہ کھائے کہاں سے؟ اس نے کہا: اپنے ہاتھ کی کمائی سے، اس طرح اس کے فضائل و کمالات میں اضافہ ہوگا۔ اس پر داؤد علیہ السلام نے دعا مانگی کہ یا اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل دے جس سے مَیں بیت المال سے کھانا لینا چھوڑ دُوں۔ اللہ ربُ العزت نے آپ کو زِرہ بنانا سکھا دیا۔ آپ روزانہ ایک زرہ بنا کر اسے چار یا چھ ہزار درم میں بیچتے، اس سے دو ہزار درم اپنے عیال پر خرچ کرتے اور باقی بنی اسرائیل کے فقراء و مساکین پر خرچ کر دیتے۔

ف: لباب میں ہے کہ جب داؤد علیہ السلام کا وصال ہُوا تو آپ کے گھر پر ایک ہزار زرہیں تیار پڑی ملیں۔

ف: حدیث شریف میں ہے:

کان داؤد لا یاکل الا من کسب یدہ۔

(داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے)

مسئلہ: آیت میں دلیل ہے کہ اہلِ علم و فضل کو کوئی ہُنر سیکھ کر اپنی ضروریاتِ زندگی پُوری کرنا چاہئیں اس سے ان کے علم و فضل میں کوئی کمی نہیں آئے گی اور ان کے علم و فضل میں اضافہ ہوگا کیونکہ ایک تو انہیں تواضع کا طریقہ حاصل ہوگا دوسرا وہ غیروں کے دستِ نگر نہ ہوں گے۔

حدیث شریف میں ہے:

ان خیر ما اکل المرء من عمل یدہ۔

(انسان کی بہترین غذا اس کے اپنے ہاتھ کی کمائی ہے)

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا ؎

۱ بیاموز پرورده را دست رنج
و گر دست داری چو قارون گنج

۲ بپایان رسد کیسه سیم و زر
نگردد تهی کیسه پیشه ور

ترجمہ: (۱) اپنے پروردہ کو کسب سکھا اگرچہ تیرے ہاتھ میں قارون کا خزانہ ہو۔

(۲) کیونکہ سیم وزر کا بٹوہ ختم ہو جاتا ہے لیکن ہنرمند کی جیب خالی نہیں ہوتی۔

وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ

حلِ لغات التقدیر بمعنے اندازہ کرنا السرد دراصل وہ خرز (ستالی) جس سے لوہے کو سخت اور غلیظ بنایا جائے، جیسے چمڑے کا خرز۔ پھر استعارۃً لوہے کے جڑنے پر بولتے ہیں۔ ایسے ہی زرہیں بنانے کو کہتے ہیں کما فی المفردات۔

بعض نے کہا کہ زرہیں بنانے والے کو سراد اور زراد کہا جاتا ہے۔ زراد میں سین کو زاء سے تبدیل کیا جاتا ہے۔ ایسے ہی ایک کلام کو دوسرے کلام سے ملانے پر کہتے ہیں سرد کلامہ۔ اور وہ کلام مقبول ہوتا ہے جب اس کے فہم میں خلل نہ آئے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ زرہیں بنانے میں بہترین سلیقہ رکھئے یعنی زرہ کے حلقے برابر جوڑ دیجئے تاکہ اس کی وضع مناسب ہو۔ اور زرہیں بنانے میں تمام وقت صَرف نہ کیجئے صرف اس قدر کہ اس سے قوت حاصل ہو پھر باقی وقت عبادتِ الٰہی میں گزاریئے۔ مابعد کی عبارت کے یہی معنیٰ موافق ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ قلب کو نرم کیجئے۔ سٰبغٰت سے وُہ حکمتیں مراد ہیں جو دل کے چشموں سے زبان پر ظاہر ہوں اور وقدر فی السرد سے وُہ کلام مراد ہے جو پُر از حکمت اور عقول ناس کی مقدار پر ہو ؎

نکتہ گفتن پیش کژ فہمان ز حکمت بیگمان
جوہرے چند از جواہر ریختن پیش خر ست

ترجمہ: کم فہموں کے آگے حکمت کی باتیں بیان کرنا ایسے ہی ہے جیسے جوہر و موتی گدھے کے آگے بکھیرے جائیں۔

تفسیر عالمانہ وَاعْمَلُوْا عمومِ تکلیف کی وجہ سے یہ خطاب داؤد علیہ السّلام اور آپ کے جملہ اہل وعیال کو ہے صَالِحًا ایسا نیک عمل کرو جو اغراض دنیوی و اُخروی سے خالی اور خالص ذاتِ حق تعالیٰ کے لیے ہو اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ بیشک میں تمہارے اعمال کو خُوب دیکھتا ہُوں کسی بھی عمل والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا ہر ایک کو اس کے عمل کی پُوری پُوری جزا دوں گا۔ یہ عمل کی تعلیل یا عمل کے وجوب پر فرمانبرداری کرنے کی تنبیہ ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ خطاب انسان کے جملہ اعضا ظاہرہ و باطنہ کو ہے کہ وہ اعمال صالحہ کریں جو ان کے لائق ہیں اس لیے کہ ان اعضاء کو عبادت کے لیے ہی پیدا کیا گیا ہے انی بما تعملون بصیر بے شک میں ہر ایک کے اعمال کو خوب جانتا ہوں

جسے یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ بصیر ہے، تو وہ اپنی حرکات و سکنات کی نگرانی کرتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے روکے ہوئے ہر فعل سے رکتا ہے اور اس کے ہر فرمودہ پر عمل کرتا ہے۔

اس اسم مبارک کی برکت سے بندہ کو توفیقِ ایزدی نصیب ہوتی ہے اور جو اس

رُوحانی علاج اسم مبارک کو ہر جمعہ کو نماز سے پہلے سَو بار پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی بصیرت کھول دے گا اور اسے ہر نیک قول و فعل کی توفیق نصیب ہوگی اگرچہ انسان خطا سے خالی نہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام دُعا میں کہا کرتے :

اعجوبہ اللّٰھم لاتغفر للخطائین۔

(اے اللہ! خطا کاروں کو مت بخشئے)

یہ ان کی غیرت اور صلابۃ فی الدین کی وجہ سے تھا۔ جب آپ سے ایک عمل خلافِ اولیٰ کا صدور ہوا تو آپ نے دعا میں کہا :

اللھم اغفر للمذنبین۔

(اے اللہ! گنہ گاروں کو بخش دے)

ف : جب داؤد علیہ السلام اس خلافِ اولیٰ فعل سے تائب ہوئے تو آپ کے ہاں انس و جن اور پرندے حاضر ہوئے جب آپ نے حسبِ عادت زبور کی تلاوت فرمائی تو پرندے متفرق ہو کر اِدھر اُدھر ہو گئے اور کہا اب داؤد علیہ السلام کی وُہ آواز نہیں جو اس سے پہلے تھی اور نہ ہی ان کی وہ پہلی سی کیفیت ہے۔ اس پر داؤد علیہ السلام بہت روئے اور کہا :

ماھذا یارب (پرندوں نے یہ کیا کہا)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

یاداؤد ھذا من وحشۃ الزلۃ وکانت تلک من انس الطاعۃ۔

(اے داؤد! یہ اس خلافِ اُولیٰ فعل کے ارتکاب کی وجہ سے وحشت ہے اور اس سے قبل جو حال تھا وہ طاعت کے انس سے تھا)

۱ قدم نتواں نہاد آنجا کہ خواہی
بفرمان رو بفرمان کن نگاہی

۲ کہ ہر کاد نہ بامر حق قدم زد
چو شمع از سر بر آمد تیز دم زد

ترجمہ : (۱) خلاف قدم نہیں رکھنا ہوگا اسی کے فرمان پر چل اسی کے فرمان پر نگاہ رکھ۔

(۲) جو امر حق کے خلاف رکھتا ہے جب شمع سر سے باہر آئے گی زیادہ جلائے گی۔

تفسیر عالمانہ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ اور ہم نے بادِ صبا سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دی غُدُوُّهَا جو صبح یعنی طلوعِ شمس سے دوپہر تک چلتی شَهْرٌ ایک مہینہ کی راہ یعنی جو دوسرے چلنے والے مہینے کے بعد پہنچتے وہ آدھے دن میں طے کر لیتی تھی۔

ف: امام راغب نے فرمایا کہ الشهر ایک مدتِ معروفہ کا نام ہے جو چاند کی پہلی سے شروع ہو کر دوسری پہلی تک ختم ہوتی ہے یا اس سے سورج کے سال بھر کے بارھویں حصے کا نام ہے۔ المشاهرة بمعنے وہ معاملہ جو ماہانہ کے طور کیا جائے۔ جیسے مسانهة بمعنے سالانہ معاملہ۔ اور میاومة روزانہ کا معاملہ وغیرہ۔

وَرَوَاحُهَا اور شام کے وقت چلنا۔ یعنی دوپہر کے بعد سے رات تک۔ شَهْرٌ ایک مہینے کی راہ۔ یعنی وہ بادِ صبا تختِ سلیمان کو اٹھا کر ایک دن میں اتنا لمبا سفر طے کر لیتی جیسے سوار دو ماہ میں طے کرتے۔ یہ جملہ مستانفہ ہے یا الریح سے حال ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے سفر کا نمونہ حضرت حسن سے مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام صبح کو دمشق سے روانہ ہو کر قیلولہ اصطخر میں کرتے۔ آپ تخت پر اپنے شاہی ٹھاٹ کے ساتھ سوار ہوتے، آپ کے ساتھ شاہانہ لشکر بھی ہوتا۔ دمشق اور اصطخر کے درمیان اتنا طویل سفر تھا کہ اگر تیز رفتار سوار ایک ماہ مسلسل چلتا تب کہیں اسے طے کرتا۔

ف: اصطخر بوزن فردوس فارس کا ایک شہر ہے جسے صخر جنی نے سلیمان علیہ السلام کے لیے بنوایا تھا۔ وہ صخر جنی جسے قرآن مجید میں عفریت من الجن سے تعبیر کیا گیا ہے۔

پھر دوپہر کے بعد روانہ ہو کر شام کو کابل پہنچتے تھے ان دونوں شہروں کے درمیان بھی تیز رفتار سوار کے لیے ایک ماہ کا سفر ہے۔

ف: کابل بضم الباء الموحدہ بلادِ ہند کی ایک معروف طرف ہے (جو آج کل افغانستان کا دارالحکومت ہے) پھر صبح کو رے شہر میں ہوتے تو شام کو سمرقند پہنچ جاتے۔ رے دیار دیلم کے ایک شہر کا نام ہے جو قومس اور جبال کے درمیان واقع ہے۔ سمرقند ماوراء النہر کا عظیم و مشہور شہر ہے یعنی نہر جیحون۔

سلیمانی مکتوب ہمارے بعض احباب سے منقول ہے کہ ہم نے ایک جگہ سلیمان علیہ السلام کے کسی مصاحب کا ایک مکتوب پڑھا جس پر لکھا تھا کہ ہم اسی جگہ پر اترے اور اسی شہر کو تیار کیا۔ رات یہاں بسر کریں گے صبح کو اصطخر جائیں گے۔ وہاں سے روانہ ہو کر شام کے وقت ان شاء اللہ شام کے ملک میں پہنچیں گے۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام دورانِ سفر عراق سے مرو تک، پھر تلخ تک پھر بلادِ ترک تک پہنچتے، بعدہٗ چین چلے جاتے۔ طلوعِ آفتاب کے وقت روانگی فرماتے تو قندھار تک پہنچ جاتے، وہاں سے مکران و کرمان جاتے۔ اس کے بعد اصطخر پہنچتے۔ فارس میں آپ کی یہی قیام گاہ تھی وہاں سے صبح کے وقت روانہ ہو کر شام کے وقت ملکِ شام میں تدمر میں پہنچتے یہی آپ کی منزل تھی۔

ف : شام سے عراق تک پہنچنے سے پہلے آپ کا شیاطین کو حکم تھا کہ آپ کے لیے پتھر سفید اور زرد جمع کرتے رہیں۔ مندرجہ ذیل اشعار آپ کے بعض اصحاب کے لکھے ہوئے ایک پتھر سے ملے : ؎

۱ و نحن و لا حول سوی حول ربنا
نروح الی الاوطان من ارض تدمر

۲ اذا نحن رحنا کان ریث رواحنا
مسیرۃ شھر و الغدوۃ لآخر

۳ اناس شروا اللہ طوعا نفوسھم
بنصر ابن داؤد النبی المطھر

۴ متی یرکب الریح المطیعۃ ارسلۃ
مبادرۃ عن شھر لم تقصر

۵ تظلھم طیر صفوف علیھم
متی رفرفت من فوقھم لم تبتر

ترجمہ : (۱) ہماری طاقت سوائے قوتِ الٰہی کے کچھ نہیں ہم ارض تدمر سے وطنوں کو جا رہے ہیں۔
(۲) ہم جا رہے ہیں اور ہمارا سفر شام تک جاری رہے گا جو ایک ماہ کی مسافت ہے پھر صبح کو ہمارا دوسرا سفر ہوگا۔
(۳) لوگ شریر ہیں لیکن بخدا ان کے نفوس تابع ہیں ساتھ مدد ابن داؤد نبی علیہ السلام کے۔
(۴) وہ جب تابعدار ہوا پر سوار ہوتے ہیں تو وہ ایک ماہ کی مسافت طے کرنے میں کوتاہی نہیں کرتی۔
(۵) ان پر پرندے سایہ کرتے ہیں صفیں باندھ کر۔ جب وہ چلتی ہے تو پرندے ان کے اوپر ہوتے ہیں۔

روئے زمین کے بادشاہ

حضرت مقاتل نے فرمایا کہ آپ کے ملک کا حدود اربعہ مصر تا کابل تھا۔ بعض نے کہا کہ تمام روئے زمین کے بادشاہ تھے۔ یہی مشہور قول کے موافق ہے۔ اس لیے کہ روئے زمین کے کل چار بادشاہ ہوئے ہیں، دو مسلمان :

(۱) حضرت سکندر
(۲) حضرت سلیمان

دو کافر:
(۱) نمرود
(۲) بخت نصر

ہوا سلیمان علیہ السلام کے تابع کیسے ہوئی مروی ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے تھے جو پرندوں کی طرح اڑتے تھے۔ ان کی وجہ سے ایک دفعہ آپ سے نماز قضا ہوگئی آپ نے انہیں راہِ خدا میں ذبح کردیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ نے میرے لیے گھوڑے قربان کیے ہم اس کے بدلے میں ہوا آپ کے تابع کردیتے ہیں۔ سچ ہے:

من کان للہ کان اللہ لہٗ۔

(جو اللہ کا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا ہوجاتا ہے)

ف: جو اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی شے کو قربان کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عوض میں اسے بہتر شے عطا فرماتا ہے۔

جعفر طیّار کا واقعہ مروی ہے کہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو جنگ پر بھیجا اور اس جنگ کی امارت ان کے سپرد فرمائی۔ اسلام کا عَلَم انہی کے ہاتھ میں دیا۔ کافروں نے ان پر حملہ کیا اور جنگ میں آپ کا ایک ہاتھ کٹ گیا آپ نے عَلَم دوسرے ہاتھ میں تھاما کفار کے حملے سے آپ کا دوسرا ہاتھ بھی کٹ گیا۔ اس کے بعد ستّر زخم کھا کر شہید ہوگئے۔ کسی نے آپ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا:

ما فعل اللہ بك۔ (اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟)

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دونوں ہاتھوں کے بجائے دو نورانی پَر عطا فرمائے جن سے میں بہشت میں اڑتا ہوں، جہاں چاہتا ہوں چلا جاتا ہوں۔ میرے ساتھ حضرت جبرائیل اور میکائیل علیہما السّلام ہوتے ہیں۔ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ ایک جگہ پر کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں:

وعلیکم السلام۔

میں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کس کو سلام کا جواب دے رہے ہیں؟

آپ نے فرمایا:

ان جعفر بن ابی طالب مر مع جبریل ومیکائیل۔

(یہ جعفر بن ابی طالب حضرت جبریل و میکائیل (علیہما السلام) کے ساتھ گزرے ہیں
اور مجھے سلام کیا)

سبق: سالک کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اگر تُو میری عبادت میں آنکھیں قربان کرے گا تو میں تجھے اس کے عوض نورانی آنکھیں عطا فرماؤں گا۔ ایسے ہی تمام اعضاء کا حکم ہے۔

حدیث قدسی چنانچہ حدیث قدسی اسی پر دلالت کرتی ہے۔ کما قال:
فاذا احببته کنت لہ سمعا یسمع بی و بصرا یبصر بی و یدا یبطش بی۔

(جب میں اسے محبوب بنا لیتا ہوں تو اس کی سمع بن جاتا ہوں میری قوت سے سنتا ہے۔ میں اس کی بصر ہوتا ہوں وہ میری قوت سے دیکھتا ہے میں اس کا ہاتھ ہوتا ہوں وہ میری قدرت سے پکڑتا ہے)

انسان کی ترقی انسان پہلے بولتا ہے پھر جانتا ہے پھر چلتا ہے پھر اڑتا ہے۔ یعنی عبادت کے بعد عرفان حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف چلتا ہے۔ اس کے بعد اسے محویت نصیب ہوتی ہے تو گویا وہ اڑتا ہے۔

سبق: انسان کے لیے لازم ہے کہ اس کوشش میں رہے کہ ادبار نفس کے پنجرے سے دل کو آزاد کرے۔ پھر رضائے حق کی ہوا میں اڑے۔ جب جلال حق کے دار میں پہنچے گا تو "اتیتہ ھرولۃ" کے مطابق تجلیاتِ حق اس کا استقبال کریں گی ؎

چہ مانی بہر مردارے چو زاغان اندرین پستی
قفس بشکن چو طاؤسان یکے بر پر برین بالا

ترجمہ: اسی پستی میں کوّوں کی طرح مردار پہ کیوں پڑا ہے، پنجرہ توڑ کر موروں کی طرح بلندی پر اڑجا۔

ف: قفس انسانی ڈھانچہ ہے اور امانت مرغِ جان ہے اس کی پرواز عشق سے ہے اس کی ارادت افق اور غیب اس کی منزل۔ یعنی جب مرغِ امانت اسی بشریت کے پنجرے سے اڑ کر غیب کے افق میں پرواز کرتی ہے تو قدس کے کروبی فرشتے اسے اپنے پروں پہ اٹھا لیتے ہیں تاکہ اجمال الٰہی کی بجلی اسے جلا کر راکھ نہ بنا دیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ولسلیمٰن الریح الخ میں قلب کی طرف اشارہ ہے اور سیر سے اس عالمِ ارواح کی طرف سیر مراد ہے اور اس کی تیز رفتاری اس کی لطافت کی وجہ سے ہے اس لیے کہ نفس کو ایسی سیر کہاں نصیب! جبکہ وہ کثیف ہے اس لیے اس کی سیر بھی نہایت آہستہ ہے اس کی ایک اور وجہ بھی ہے وہ یہ کہ نفس کی سواری بدن ہے اور

کثیف اور نرم رفتار ہے اور قلب کی سواری جذبۂ الٰہی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے لطف کی صفات سے ہے جیسا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

حدیث شریف قلوب العباد بید الله یقلبها کیف یشاء۔

(بندوں کے قلوب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں وہ انھیں جیسے چاہتا ہے بدلتا ہے)

اور انہیں اپنے الطاف و عنایات سے حضرت حق کی طرف پھیرتا ہے۔

چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا :

حدیث شریف قلب المؤمن کریشة فی فلاة یقلبها الریح ظهرا لبطن و بطنا لظهر۔

(مومن کا قلب اس پر کی طرح ہے جو جنگل میں پڑا ہوتا ہے اسے ہوائیں جس طرح چاہیں پھیرتی ہیں کبھی اُلٹا کبھی سیدھا)

ولسلیمٰن الریح کی یہی حقیقت ہے۔

دوسری صوفیانہ تقریر ولسلیمٰن الرّیح الخ یعنی ہم نے قلب کو اپنی عنایات کی تابع ہوا کر دی تاکہ وہ اس کے ذریعے سیر کرے اور تخت وغیرہ سے اس کا سرّ (راز) مراد ہے۔ اسی تقریر کے مطابق سلیمان علیہ السلام کا ایک مقولہ مراد ہے، انہوں نے سیر کرتے ہوئے ایک دن اپنے تمام ملک کو ملاحظہ فرمایا، ایک دفعہ سلیمان علیہ السلام کے تخت کو ہوا نے الٹنا چاہا تو سلیمان علیہ السلام نے اسے فرمایا :

استوی (سیدھی ہو کر چل)

ہوا نے جواب دیا :

استو انت مادمت مستویا بقلبك کنت مستویة ملت فملت

(آپ سیدھے رہنے کی کوشش کیجئے اور اس وقت تک سیدھے رہیں گے جب تک آپ کا قلب سیدھا رہے گا۔ آپ کا قلب سیدھا تو میں بھی سیدھی ورنہ پھر خیر نہیں)

ایسے ہی سرّ (راز) اور قلب اور ریح العنایۃ کا حال ہے کہ جب قلب میں کجی واقع ہوتی ہے اللہ تعالےٰ خذلان (رُسوائی) کی ہوا سے سرّ (راز) کے تخت کو الٹ دیتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود نہ بدلیں۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱ ہمچنیں تاج سلیمان میل کرد

روز روشن را بر و چوں لیل کرد

۲ گفت تا جا کژ مشو بر فرق من
آفتابا کم مشو از شرق من

۳ راست می کرد او بدست آن تاج را
باز کژ می شد برو تاج ای فتیٰ

۴ ہشت بارش راست کرد و گشت کژ
گفت تا جا چیست آخر کژ مغژ

۵ گفت اگر صدره کنی تو راست من
کژ روم چون کژ روی ای مؤتمن

۶ پس سلیمان اندرون و راست کرد
دل بر آن شہرت کہ بودش کرد سرد

۷ بعد ازان تاجش ہمان دم راست شد
آن چنانکہ تاج را میخواست شد

۸ پس ترا ہر غم کہ پیش آید ز درد
برکسی تہمت منہ بر خویش کرد

ترجمہ : (۱) ایسے ہی سلیمان علیہ السلام کے تاج نے میلان کیا تو ان کا روشن روز کالی رات کی طرح ہوا۔

(۲) آپ نے فرمایا : اے میرے تاج ! میرے سر پر ٹیڑھا نہ ہو، اے میرے سورج میرے مشرق سے کم نہ ہو۔

(۳) اپنے مبارک ہاتھ سے تاج کو سیدھا کرتے تھے اے عزیز ! پھر وہ تاج خود بخود ٹیڑھا ہو جاتا تھا۔

(۴) آٹھ بار آپ نے اسے سیدھا کیا تو وہ آٹھوں بار ہی ٹیڑھا ہوا، فرمایا : الٹے دماغ والے تاج ! تجھے کیا ہے۔

(۵) عرض کی آپ سو بار بھی مجھے سیدھا کرتے رہو گے میں ایسے ہی ٹیڑھا ہوتا رہوں گا اے میرے آقا !

(۶) پھر سلیمان علیہ السلام نے اندر سے ہی اسے سیدھا کیا اندر والا ٹیڑھا پن صحیح ہوگیا۔

(۷) اسی دم وہ کلاہ بھی سیدھا ہوگیا۔ اسی طرح ہوا جیسے آپ چاہتے تھے۔

(۸) تجھے جس درد سے بھی غم آئے، کسی دوسرے پر تہمت لگانے کے بجائے خود صحیح ہو جا۔

حکایت منقول ہے کہ ایک سقا بخارا کے کسی شہر میں رہتا تھا اور وہ ہر روز ایک زرگر کے گھر میں پانی پہنچاتا۔ تیس سال تک اس نے زرگر کے گھر میں پانی پہنچایا۔ اس زرگر کی عورت حسن وجمال میں بے مثال تھی اور نیکی میں بھی بے نظیر۔ ایک دن سقا حسب عادت پانی لایا تو زرگر کی بیوی کا ہاتھ پکڑ کر اس نے جھٹکا دے دیا۔ جب زرگر بازار سے گھر لوٹا تو اس کی عورت نے کہا آج تو نے کوئی ایسا کام کیا ہے جو رضائے الٰہی کے خلاف تھا۔ زرگر نے انکار کیا تو عورت نے نہایت عجز ونیاز سے اور قسمیں دے دے کر اصرار کیا تو زرگر نے کہا: آج ایک عورت میری دکان پر آئی اور اس نے مجھ سے کنگن خریدنا چاہے۔ میں نے اسے کنگن پہناتے ہوئے اس کے ہاتھ کو جھٹکا دے دیا کیونکہ اس کا ہاتھ مجھے بہت اچھا لگا۔ زرگر کی بیوی نے شوہر کا حال سن کر کہا: آج سقا کے ساتھ میرا یہی معاملہ ہوا جو تو نے دکان پر کیا۔ زرگر نے کہا: تو میری گواہ ہو جا آج سے میں توبہ کرتا ہوں کہ آئندہ کسی بیگانی عورت سے کوئی ایسا معاملہ نہیں کروں گا جو رضائے الٰہی کے خلاف ہو۔ جب صبح ہوئی تو وہی سقا زرگر کی عورت کے پاس آیا اور عرض کی: اے بی بی! مجھ پر شیطان کا حملہ ہوا جس سے میں نے تیرے ساتھ ایسی غلطی کی اب میں اس سے توبہ کرتا ہوں اور تو گواہ ہو جا آئندہ میں ایسا غلط کام نہیں کروں گا۔ زرگر کی عورت نے کہا: تیری غلطی نہیں دراصل میرے شوہر سے دکان پر اس طرح کی غلطی ہو گئی تھی اس لیے کہ اس کا حال دکان پر بگڑا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے حال کو گھر میں بگاڑا کہ اس نے بیگانی عورت کے ہاتھ کو چھوا تو اس کی عورت کو غیر نے ہاتھ لگا دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا عدل اور اس کی غیرت ہے کہ جب وہ اپنے بندے سے کوئی برائی دیکھتا ہے تو اس کے حال کے مناسب اسے دنیوی سزا دیتا ہے۔

سبق: انسان کو اس کہانی سے عبرت حاصل کرنی چاہیے اور اس پر لازم ہے کہ وہ گناہ وجفا و ایذاء کا ترک کرے اور عدل وانصاف کی راہ پر چلے ایسی چال نہ چلے جس میں جور وستم اور شقاق و نفاق اور خلاف وفساد ہو۔

تفسیر عالمانہ وَاَسَلۡنَا لَهٗ عَيۡنَ الۡقِطۡرِ اور ہم نے سلیمان علیہ السلام کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کے چشمے بہا دئیے۔ یعنی ان کے لیے تانبے کو پانی کی طرح بہا دیا۔ جیسے ان کے والد گرامی کے لیے لوہے کو موم بنا دیا گیا تھا یعنی جیسے داؤد علیہ السلام لوہے کو نرم پا کر جو چاہتے تیار کر لیتے ایسے ہی سلیمان علیہ السلام تانبے کو پانی کی طرح پا کر جو چاہتے بنا لیتے تھے اور وہ تانبے کا چشمہ یمن کے علاقہ صنعاء کے شہر کے قریب تھا۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں اب جتنے تانبے کے برتن وغیرہ ہیں یہ اسی چشمۂ سلیمانی سے حاصل شدہ ہیں ورنہ اس سے قبل لوگوں میں تانبے کی اشیاء اور برتن وغیرہ

نہیں تھے۔ کما قال فی کشف الاسرار۔

ازالۂ وہم فقیر (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے یہ غلط ہے اس لیے کہ بعض دوسرے شہروں میں بھی تانبے کی کانیں ملتی ہیں جس سے لوگ تانبہ لے کر اچھی اچھی چیزیں تیار کرتے ہیں۔ ہاں صاحبِ کشف الاسرار کے قول کے لیے یُوں کہا جا سکتا ہے کہ ان دوسرے چشموں کا اصل سرچشمہ وہی چشمۂ سلیمانی ہے۔ جیسے تمام دنیا کے پانیوں کا سرچشمہ بیت المقدس کا پتھر ہے (جس کی تفصیل ہم نے پہلے کہیں لکھ دی ہے) ایسے ہی بعض آثار میں وارد ہے۔

وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ یہ جملہ مبتدا و خبر ہے یعنی جنّات کا ایک گروہ ایسا تھا جو سلیمان علیہ السلام کے آگے کام کرتے تھے بِاِذْنِ رَبِّهٖ اس کے رب تعالیٰ کے حکم سے، جیسا کہ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا سے معلوم ہوتا ہے۔

حلِ لغات: الزیغ بمعنے المیل عن الاستقامۃ یعنی سیدھے راستے سے ہٹ جانا۔

یعنی اُن جنوں میں سے جو بھی سلیمان علیہ السلام کے حکم و طاعت سے رُوگردانی و نافرمانی کرے گا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ○ تو ہم انہیں آخرت میں جہنم کی آگ کا عذاب چکھائیں گے۔

ف: سدی سے مروی ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے ہاں ایک فرشتہ ہر وقت ساتھ رہتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں آگ کا ڈنڈا تھا کہ جنوں میں سے کوئی بھی سلیمان علیہ السلام کی نافرمانی کرتا تو اسے وہی فرشتہ آگ کا ڈنڈا مارتا جسے وہ جِن نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن جُونہی اسے ڈنڈا لگتا، وہ جِن فوراً مرجاتا۔

تفسیرِ صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ سلیمان علیہ السلام کا صفاتِ شیطانیہ پر قبضہ تھا جیسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو صفاتِ شیطانیہ پر قابض بنا دیا گیا تھا۔

حدیث شریف چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللّٰہ سلطنی علیٰ شیطانی فاسلم علیٰ یدی فلا یأمرنی الا بخیر۔

(اللہ تعالیٰ نے مجھے شیطان پر ایسا مسلّط فرمایا کہ وُہ میرے ہاں مسلمان ہوگیا ہے اسی لیے اب وُہ مجھ سے نیکی کی ہی بات کرتا ہے)

قاعدہ صُوفیانہ اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جب قوائے باطنہ قابو میں ہوں تو قوائے ظاہرہ خودبخود قبضہ میں آجاتے ہیں اس وقت ظلمت دُور ہوکر نور نصیب ہوتا ہے دل سے کدورت ہٹ کر فرحت و سرور حاصل ہوتا ہے۔ اور یہ مرتبہ اولیاءِ کاملین کو نصیب

ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ یہ جنات کے عمل مذکور کی تفصیل ہے۔ یعنی وہ سلیمان علیہ السلام کے لیے وہی کام کرتے جو وہ چاہتے مِنْ مَّحَارِيْبَ یہ مایشآء کا بیان ہے۔ محاریب، محراب کی جمع ہے۔

ف : المحراب بالاخانہ اور گھر کی صدر اور مکرم ترین جگہ اور مسجد میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو کہا جاتا ہے نیز بادشاہ کے اس مخصوص مقام کو کہا جاتا ہے جہاں صرف وہی قیام پذیر ہو دوسرے کو وہاں تک رسائی نہ ہو۔

المفردات میں ہے کہ مسجد کے محراب کو اس نام سے اس لیے موسوم کرتے ہیں کہ وہ شیطان اور نفسانی خواہشات کے ساتھ جنگ کرنے کی جگہ ہے یا اس لیے کہ اس میں اشارہ ہے کہ انسان پر واجب ہے کہ وہ حریب (مشاغل دنیا) اور قلب کے منتشرانہ خیالات سے بالکل فارغ ہو۔

بعض مشائخ نے فرمایا کہ محراب البیت بایں معنٰی ہے کہ وہ گھر کا صدر مقام ہے۔ پھر چونکہ مساجد میں اسے صدر مقام ملا اس لیے اسے اس نام سے مشہور کیا گیا۔ محراب دراصل مسجد کے صدر مقام کے لیے مخصوص تھا پھر گھر کے صدر مقام کو اس سے مشابہ پاکر اسے محراب البیت کہا جانے لگا۔ یہی صحیح ہے۔

اب معنی یہ ہوا کہ جنات سلیمان علیہ السلام کے لیے بہت مضبوط محلات تیار کرتے تھے۔ ان اعلیٰ اور مضبوط محلات کو محاریب سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ ان میں رہ کر دشمنوں کا مدافعہ کرتے تھے اور اعدائے دین سے جنگ لڑتے تھے۔ اس مضمون کو جلالین میں بھی درج کیا گیا ہے۔

سلیمان علیہ السلام کے محلات کی تعداد مفسرین فرماتے ہیں کہ شیاطین نے سلیمان علیہ السلام کے لیے مندرجہ ذیل مقامات پر محلات تیار کیے:

(۱) تدمر بروزن تنصرین۔ یہ شہر ملک شام میں ہے۔

اس کے علاوہ یمن میں کئی محلات بنوائے جن کے اسمائے یہ ہیں۔

(۲) صرواج (۵) سلحین (۸) قلتوم
(۳) مرواج (۶) ہبیذہ (۹) غندان وغیرہ
(۴) ینبون
(۷) ہنیذہ

آج ان تمام محلوں کے نام و نشانات تک مٹ گئے ہیں ان میں سے صرف ایک بہترین اور خوش منظر بیت المقدس تیار کیا جس کی رونق وحسن پر عالم دنگ ہے۔

ف : اصحاب سیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں برکت فرما دی ،

یہاں تک کہ اس کا شمار کرنا مشکل ہو گیا بالخصوص داؤد علیہ السلام کے زمانے میں تو بہت زیادہ اضافہ ہوا۔ داؤد علیہ السلام نے چاہا کہ بنی اسرائیل کی تعداد معلوم کریں صرف فلسطین کے علاقے میں عرصہ دراز تک گنتے رہے لیکن گنتی پوری نہ ہو سکی جس سے وہ سخت نا امید ہوئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ میرے خلیل کو جب بیٹے کے ذبح کا حکم ہوا تو انہوں نے میرے حکم کی تعمیل کی میں نے اس کے بدلے میں ان کی اولاد میں برکت دی ہے۔ اب چونکہ انہوں نے اپنی تعداد پر فخر و ناز کیا ہے اس لیے میرا ارادہ ہو گیا ہے کہ میں ان کی گنتی کو کم کروں۔ لیکن پھر بھی انہیں اختیار دیتا ہوں کہ مندرجہ ذیل تین بلیات میں سے ایک کو چن لیں :

(۱) قحط سالی اور بھوک

(۲) تین ماہ تک دشمن کی بربادی و تباہی

(۳) تین دن تک وبا و طاعون۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے تمام بنی اسرائیل کو جمع فرمایا اور ان تینوں بلاؤں کا ذکر فرمایا سب نے کہا کہ ہم وبا و طاعون چاہتے ہیں کیونکہ یہ دوسری دونوں سے آسان تر ہے۔ اُن میں ذلت و رسوائی زیادہ ہے اور اس میں کم۔ بعدازآں بنی اسرائیل موت کی تیاری میں لگ گئے۔ سب سے پہلے غسل کیا، خوشبو لگائی اور کفن پہن کر جنگل کی طرف چلے گئے۔ تمام چھوٹے بڑے گھروں کو چھوڑ گئے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب بیت المقدس کی بنیاد بھی نہیں ڈالی گئی تھی۔ حضرت داؤد علیہ السلام صخرہ (مخصوص پتھر) میں سربسجود ہوئے اور تفرع و زاری میں مشغول ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے طاعون کو بھیجا صرف آٹھ پہروں میں اتنے لوگ مر گئے کہ دو ماہ تک انہیں دفن کرتے رہے تب بھی مردے بچ رہے۔ آٹھ پہر کے بعد وباء طاعون بند کر دی گئی اگرچہ اسے تین شب و روز تک جاری رہنا تھا۔ لیکن داؤد علیہ السلام کی دعا و تفرع اور عجز و انکساری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو ان پر رحم آ گیا اور ان کی دعا قبول فرما کر طاعون کو روک دیا گیا۔ جب طاعون روک دیا گیا تو اس کے شکرانے میں بنی اسرائیل نے بیت المقدس کی بنیاد رکھی تاکہ وہاں اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوں۔ اس کی تعمیر کے وقت داؤد علیہ السلام اپنے کاندھے پر خود پتھر اٹھاتے تھے اور بنی اسرائیل کے نیک لوگ بھی اُن کے ساتھ شریک کار تھے۔ جب اس کی عمارت کاندھے تک پہنچی تو اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے ہاں وحی بھیجی کہ اے پیارے ہم نے اس شہر کا نام بیت المقدس رکھا ہے اور اس شہر میں بہت بڑے پیغمبر اور بہت نیک لوگ آئیں گے۔

ف : بعض مشایخ نے فرمایا کہ داؤد علیہ السلام نے بیت المقدس کو بنوایا اور بار بار بنوایا۔ جب فارغ ہوئے تو اس کی بنیاد گر گئی اللہ تعالیٰ سے شکایت کی۔ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ میرا یہ گھر اس شخص سے مکمل نہ ہو گا جس نے میرے ہزاروں بندوں کا خون بہایا ہو۔ عرض کی: یا اللہ! میں نے انہیں کب قتل

کیا تھا وہ تو تیرا ہی حکم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر بھی میرے بندے تھے۔ داؤد علیہ السلام نے عرض کی: اگر میرا بنانا نا منظور ہے تو اپنے کسی ایسے بندے کو مقرر فرمائیے جو میرا عزیز ہو۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: یہ کام آپ کے صاحبزادے سلیمان علیہ السلام سرانجام دیں گے اور میں انہیں تمام دنیا کی شاہی بخشوں گا اور انہیں خون بہانے سے محفوظ رکھوں گا اور اس کی تکمیل انہی کے ہاتھوں کراؤں گا۔

ف: اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر شفقت ضروری ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی غیرت کا یہی تقاضا ہے اگرچہ حدودِ الٰہیہ کا اجرا بھی ہو اس لیے کہ اس عالمِ دنیا کی تعمیر اس کی بربادی سے بہتر ہے اسی لیے کفار کے لیے جزیہ اور مال لے کر صلح کرنا اولیٰ ہوتا ہے بہ نسبت ان سے جہاد کرنے کے، اس لیے کہ جہاد میں انہیں تباہ و برباد کرنا ہوگا اور صلح بالمال اور جزیہ وغیرہ سے انہیں باقی رکھنا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جس پر قصاص واجب ہو اس کے متولی کو اجازت بخشی گئی کہ وہاں اس کا بدلہ لے کر صاحبِ قصاص کو معاف فرما دے یا اسے مفت بلا مال معاف کر دے نیز اسی شفقتِ خلقِ خدا کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب قصاص کے متولی متعدد ہوں ان میں کوئی ایک معاف کر دے یا اس کے عوض میں مال لے لیا تو پھر قاتل کو قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ بعض اس کا قتل چاہتے ہیں اور بعض اسے معاف کرتے ہیں یا مال لینا چاہتے ہیں تو بندے کی جان بچانے والی شق کو ترجیح دی جائے گی۔ اس میں شفقتِ خلقِ خدا کی طرف اشارہ ہے بہرحال داؤد علیہ السلام اور بنی اسرائیل نے بیت المقدس میں ایک عرصہ تک نماز پڑھی پھر ان کے دنیا سے کوچ کرنے کا وقت قریب آگیا۔

ولادتِ سلیمان علیہ السلام

حضرت داؤد علیہ السلام ایک سو ستائیس سال کے تھے، جب یہ واقعہ پیش آیا۔ ایک سو چالیس سال کی عمر میں دنیا سے رخصت ہوئے اور ان کی بجائے سلیمان علیہ السلام تخت نشین ہوئے اور والدگرامی کی وفات کے بعد بارہ سال بادشاہی کی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام غزہ کے مقام پہ پیدا ہوئے۔ جب آپ کو بادشاہی کرتے ہوئے چار سال گزرے تو موسیٰ علیہ السلام کی وفات کو اس وقت پانچ سو انتالیس سال گزر چکے تھے اس وقت سے سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی بنیاد کو کھڑا کرنے کا ارادہ فرمایا جیسا کہ انھیں ان کے والدگرامی کی وصیت تھی۔ اس پر آپ نے تمام حکمائے انس وجن اور زمین کے جملہ عفاریت اور شیاطین کے بڑے سرداروں کو جمع فرمایا اور ان پر تعمیرِ بیت المقدس کا کام تقسیم فرما دیا ان میں بعض بنیادیں کھڑی کریں بعض پہاڑوں پتھروں کو ٹکڑے ٹکڑے کریں اور سنگِ مرمر کی معدنیات سے ٹکڑے اٹھا لائیں اور بعض دریا میں غوطہ لگا کر موتی و مرجان لائیں وہ موتی شتر مرغ اور مرغی کے انڈے کے برابر تھے۔ پہلے شہر تعمیر ہوا۔ شہر کے بارہ محلے مقرر ہوئے۔ ہر محلہ میں بنی اسرائیل کے ایک ایک قبیلہ کو ٹھہرایا گیا اس لیے کہ وہ بارہ قبیلے تھے۔ اس کے بعد مسجد بیت المقدس تیار کرائی اس پہ رنگین سنگِ مرمر لگایا اس کی چھت پر

قیمتی جواہر کی تختیاں لگائی گئیں اور اس کی چھتوں اور دیواروں کو لؤلؤ و یاقوت سے مرصع کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بابِ رحمت کے نزدیک دو درخت اگائے، ایک سے سونا اگتا، دوسرے سے چاندی۔ روزانہ ہر ایک درخت سے دو سو رطل سونا اور چاندی حاصل ہوتا تھا۔ مسجد کا فرش بچھایا گیا تو اس کی ایک اینٹ سونے کی اور دوسری چاندی کی لگائی گئی۔ اس کی تختیاں فیروزہ سے بنائی گئیں۔ اس وقت اس شہر سے زیادہ بارونق اور روشن تر دنیا میں کوئی اور گھر نہ تھا۔ وہ اندھیری رات میں چودھویں رات کی طرح چمکتا تھا۔ اس کی تعمیر سے اپنی شاہی کے گیارھویں سال فارغ ہوئے اس وقت آدم علیہ السلام کو زمین پر تشریف لائے ہوئے چار ہزار چار سو چودہ سال گزر چکے تھے۔

ف: حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعمیر بیت المقدس اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو سے زیادہ (تقریباً دو ہزار) سال گزرے تھے۔

تین سلیمانی دعائیں

جب سلیمان علیہ السلام بنائے مسجد سے فارغ ہوئے تو تین دعائیں مانگیں:

(۱) جو فیصلہ کریں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے عین مطابق ہو۔

(۲) انہیں ایسا ملک عطا ہو کہ ان کے بعد کسی اور کو نہ ملے۔

(۳) کوئی بھی بیت المقدس میں آکر نماز ادا کرے (بشرطیکہ وہ مومن ہو) تو اس کے جملہ گناہ معاف ہو جائیں یہاں تک کہ گویا وہ ابھی پیدا ہوا ہے۔

ف: ہمیں امید ہے کہ آپ کی یہ تینوں دعائیں مستجاب ہوئیں (کذا قال نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام)

تعمیر بیت المقدس کے بعد

حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر بیت المقدس سے فراغت کے بعد تمام لوگوں کو جمع کر کے اعلان کیا کہ یہ خانۂ خدا ہے اس میں ہم اس کی عبادت کریں گے لیکن یاد رکھو اس سے جو چیز بھی جس نے اٹھائی وہ خائن ہوگا۔ اس کے بعد آپ نے تمام حاضرین کو طعام کھلایا۔ اس دن جیسا عظیم اجتماع نہ پہلے کبھی ہوا نہ بعد میں کبھی ایسی امید کی جا سکتی ہے اور اس دن جس طرح کا طعام کھلایا گیا وہ بے نظیر تھا۔ یہی اہلِ قربت کے لیے قربِ الٰہی کا دن تھا اس لیے اس دن کو سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں عید کے طور منایا جاتا تھا۔

تعمیر کے بعد تخریب

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب سلیمان علیہ السلام بیت المقدس کی بنا سے فارغ ہوئے تو فوراً مسجد کے دروازے بند ہو گئے سلیمان علیہ السلام نے جتنا زور لگایا نہ کھل سکے بالآخر آپ نے وہی دعا مانگی جو داؤد علیہ السلام مانگا کرتے تھے۔ اس کے بعد آپ نے مسجد میں زبور کے ایک ہزار قاریوں کو مقرر فرمایا جو پانچ سو بار رات کو اور پانچ سو بار دن کو زبور کی تلاوت کرتے اور مختلف عبادات میں مشغول رہتے تھے رات اور

دن کی کوئی ایسی گھڑی نہیں تھی جس میں بیت المقدس کو عبادت سے خالی رکھا گیا ہو۔ سلیمان علیہ السلام کا تعمیر کردہ بیت المقدس اس ہیئت سے چار سو ترپن سال تک بحال رہی یہاں تک کہ بخت نصر نے آکر اسے توڑا اور اس کے جملہ جواہرات اور موتی و دیگر جملہ سامان اٹھا کر اپنے ملک میں لے گیا۔ ستّر سال تک بیت المقدس ویران رہا۔ بخت نصر کے دماغ میں مچھر گھس گیا اس سے وہ تباہ و برباد ہوا۔

نکتہ: دماغ میں مچھر کے گھس جانے کا راز یہ تھا کہ اس کا دماغ بڑا تھا بلکہ تکبر سے پھول گیا تھا اس لیے اس نے بیت المقدس کے ویران کرنے کے علاوہ بے شمار بندگانِ خدا کو ناحق قتل کیا اللہ تعالیٰ نے اس کا ایک کمزور سے پرندے کے ذریعے بدلہ لیا۔

نہ ہرگز شنیدم در عمر خویش
کہ بدمرد را نیکی آمد بہ پیش

ترجمہ: ہم نے اپنی زندگی میں ہرگز نہیں سنا کہ بُرے آدمی کو نیکی کا صلہ نصیب ہوا ہو۔

وَتَمَاثِيْلَ تمثال (بالکسر) کی جمع ہے یعنی ھو الصورۃ علی مثال الغیر یعنی غیر کی مثال پر صورت بنانا اور وہ ملائکہ وانبیاء کی صورتیں اس طریقے سے بناتے کہ ان میں کوئی رکوع میں ہوتے تو کوئی قیام میں، کوئی سجدہ میں۔ جیسا کہ ان کی عبادت کرنے کی عادت اور طریقہ تھا اور شریعتِ سلیمانی میں تصویر بنانا جائز تھا اور اس کا تصور باندھ کر عبادت کرنا بھی جائز تھا۔ چنانچہ وہ مسجد میں مختلف مجسمے بناتے مثلاً کوئی شیشے کا، کوئی تانبے کا وغیرہ وغیرہ کہ وہ لوگ انہی کی طرز پر عبادت کریں۔

اعجوبہ یہ مجسمے تانبے کے تھے حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا مانگی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان میں روح پھونک دے تاکہ وہی دشمنوں سے جنگ کریں اس طرح سے انہیں ہتھیار تیار کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ اسفندیار دھات کا مجسمہ تھا اس میں روح پھونکی گئی تھی یہ بھی منجملہ انہی میں سے تھا جن کے لیے سلیمان علیہ السلام نے دعا مانگی تھی۔ (کذا فی تفسیر القرطبی)

اعجوبہ ۲ حضرت سلیمان علیہ السلام کی کرسی کے دونوں پیروں پر دو شیر اور اس کے اوپر کے دو حصوں پر دو گدھ بنائی گئیں جب سلیمان علیہ السلام کرسی پر بیٹھنے کا ارادہ فرماتے تو شیر اپنے ہاتھ اوپر کر دیتے تاکہ کرسی پر آرام سے بیٹھ جائیں۔ ایسے ہی جب آپ کرسی پر بیٹھ جاتے تو گدھ اپنے پر پھیلا دیتیں جن کے سایہ کے نیچے حضرت سلیمان علیہ السلام بیٹھتے۔ سلیمان علیہ السلام کے وصال کے بعد افریدوں بادشاہ نے اس کرسی پر بیٹھنے کا ارادہ کیا لیکن اس پر بیٹھنے کا طریقہ اسے نہ آتا تھا۔ چنانچہ جونہی اس پر بیٹھا، شیر نے ہاتھ پھیلا کر اس کی پنڈلی توڑ ڈالی۔ اس کے بعد اس کرسی کے قریب جانے کی

کسی نے جرأت نہ کی۔

مسئلہ : تصویر (فوٹو) بنوانا پہلی شریعتوں میں مباح تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں اس کی اباحت منسوخ ہو گئی۔ تصویر (فوٹو) کھینچنا اور کھچوانا حرام ہے وہ اس لیے کہ لوگ مجسمہ سازی اور تصویر سازی یعنی بت پرستی میں مبتلا تھے اسی لیے روکا گیا کہ وہ آئندہ بت پرستی کی لعنت سے بچیں۔

مسئلہ صوفیانہ : سب سے بری شے وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف لے جائے۔

حدیث شریف میں ہے: من صور صورة فان الله معذ به حتى ينفخ فيها الروح وليس بنافخ فيها ابدا۔

(جو شخص تصویر کھینچتا ہے اللہ تعالیٰ اسے عذاب میں مبتلا کرے گا یہاں تک کہ اس کے اندر روح پھونکے۔ وہ نہ روح پھونک سکے گا اور نہ ہی عذاب سے نجات پائے گا)

مسئلہ : اس حدیث مبارک سے ثابت ہوا کہ ذی روح کی تصویر بنانا حرام ہے۔

ف : شیخ اکمل قدس سرہٗ نے فرمایا : ذی روح کی تصویر گناہ کبیرہ ہے یا نہیں۔ جن علماء کرام نے یہ قاعدہ ملنا ہے کہ کبیرہ وہ گناہ ہے جس میں وعید وارد ہے ان کے نزدیک یہ کبیرہ میں داخل ہے اور جنہوں نے گناہ کبیرہ صرف ان گناہوں کو مانا ہے گنتی کے حدیث شریف ہیں وارد ہیں، ان کے نزدیک یہ کبیرہ نہیں ہے وہ اس طرح کہ احادیث مبارکہ کے جواب میں لکھا کہ یہ وعید ان لوگوں کے لیے ہے جو اس عمل کو حلال سمجھیں یا دائمی عذاب اسی لیے ہوگا کہ وہ ایسے عذاب کے مستحق ہوں گے۔

مسئلہ : جن چیزوں میں روح نہیں ان کی تصویر جائز ہے اگرچہ لایعنی اشیاء کے ساتھ مشغول ہونے کی وجہ سے مکروہ ہے۔

مسئلہ : نصاب الاحتساب میں ہے کہ اپنے گھر کو جو تصویروں سے منقش کرتا ہے اس سے حساب ہوگا اس لیے کہ جس گھر میں تصویر ہو اس گھر میں ملائکہ کرام داخل نہیں ہوتے۔ حضرت جبریل علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر یا کتا ہو۔

مسئلہ : اگر کسی گھر کو تصویر کے بغیر منقش کیا جائے تو مباح ہے۔

مسئلہ : ملتقط الناصری میں ہے کہ اگر کسی نے کسی کا گھر مسمار کر دیا جس میں مردوں اور پرندوں کی تصویریں ہوں تو اس گھر کی اور تصویروں کے صرف رنگ کی قیمت (ضمانت کے طور) ادا کرنی ہوگی۔

مسئلہ : جب گھروں میں فوٹو اور تصویر کی ممانعت ہے تو مسجد سے بطریق اولیٰ ہے اسی لیے جو مسجد میں پرندوں کی تصویریں ہوں ان کے سر مٹا دینے چاہئیں۔

مسئلہ: نمازی کے سر کے اوپر یا اس کے سامنے یا اس کے آگے تصویر ہو تو نماز مکروہ ہے۔
سب سے سخت ترین کراہت اس میں ہے کہ تصویر نمازی کے آگے ہو یا اس کے سر پر یا اس کے دائیں بائیں یا پھر پیٹھ کے پیچھے۔

مسئلہ: ہاں پیٹھ کے پیچھے ہو تو مکروہ نہیں ایسے ہی پاؤں کے نیچے۔ اس لیے کہ اس طرح سے تشابہ بہ عبادت اصنام نہیں بلکہ اس طرح سے اس کی اہانت ہے۔

مسئلہ: العنایہ میں ہے کہ اگرچہ تصویر کا پیٹھ کے پیچھے ہونے میں نماز میں کراہت نہیں لیکن اس کے گھر میں ہونے کی وجہ سے تو مکروہ ہے اس لیے کہ اس گھر کو عبادت کرتے وقت محفوظ رکھنا مستحب ہے جس میں ملائکہ کا داخلہ بند ہو۔

مسئلہ: اس معنے پر وہ تعریر مکروہ نہیں جو قدموں کے نیچے ہو اس لیے کہ اس طرح سے تصویر کی اہانت ہے۔ قدموں کے نیچے تو واقعی اہانت ہے لیکن پیٹھ کے پیچھے اہانت کا احتمال نہیں اس لیے ان دونوں کا آپس میں قیاس مع الفارق ہوگا۔

مسئلہ: کراہت اس تصویر میں ہے جو بڑی ہو۔ اگر اتنی چھوٹی ہو کہ اس کے اعضاء غور و فکر کے بعد سمجھ میں آئیں تو مکروہ نہیں اس لیے کہ چھوٹی تصویروں اور مجسموں کی پرستش نہیں ہوتی تھی۔

مسئلہ: تصویر (فوٹو) کا اگر سر کاٹ لیا جائے تو بھی اس کے ہوتے نماز وغیرہ مکروہ نہیں اس لیے کہ کوئی مجسمہ (تصویر) سر کے بغیر نہیں پوجا گیا۔

مسئلہ: سر کاٹنے کا یہ معنیٰ ہے کہ اس کا سر سی دیا جائے یہاں تک کہ سر کا نشان بھی ختم ہو جائے۔ یعنی اسے نیست و نابود کر دیا جائے تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو سکے۔

مسئلہ: اگر سر اور جسم کے درمیان سے سی دیا جائے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اس لیے کہ بہت سے پرندے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے گلے میں طوق ہوتا ہے اسی لیے کہ الٹا اس طرح سے وہ پرندہ زیادہ حسین بن جائے گا۔

مسئلہ: منہ سر کاٹنے کی طرح ہے بخلاف ہاتھ پاؤں کاٹنے کے کہ ان کے کاٹنے سے کراہت نہیں اٹھے گی۔

مسئلہ: جس بچھونے پر تصویریں ہوں اور وہ پاؤں تلے آجائیں ایسے بچھونے (جا نماز) وغیرہ پر نماز بلا کراہت جائز ہے اس لیے کہ ایسے فوٹو (تصویر) کی اہانت ہو رہی ہے نہ کہ تعظیم۔ ہاں اگر ان پر سجدہ کیا جائے تو مکروہ ہے اس لیے کہ اس طرح سے فوٹو (تصویر) کی تعظیم ہوگی اور تصویروں کی تعظیم حرام ہے بلکہ ان کی اہانت لازمی اور ضروری ہے۔ اسی وجہ سے مبسوط میں تصویر پر سجدہ کرنا مکروہ لکھا ہے۔

مسئلہ: حواشی اخی چلپی میں ہے کہ وہ تصویر جسے بت پرستوں کی کسی معظم شے سے مشابہت ہو تو اس پر سجدہ حرام ہے جیسے صلیب کی شکل وغیرہ وغیرہ۔

قاعدہ: ظہیر الدین نے لکھا ہے کہ جن چیزوں کو ایسی اشیأ سے مشابہت ہو جس کو کفار معظم سمجھتے ہوں وہ اگر منہ کے بالمقابل ہو تو نماز مکروہ ہے۔

مسئلہ: ہر وہ سرہانہ یا کوئی اور بستر (بچھونے کی شئے) پر تصویر ہو تو اس پر نماز مکروہ نہیں، اس لیے کہ اس طریق سے تصویر کی اہانت ہوگی۔ ہاں اگر سرہانہ آگے کی طرف ہو یا بمنزلہ پردے کے ہو تو مکروہ ہے اس لیے کہ اس طرح سے فوٹو کی تعظیم ہوگی اور وہ حرام ہے۔

مسئلہ: اگر کسی سرہانے یا بستر پر تصاویر ہوں تو ان کا استعمال جائز ہے اگرچہ انہیں سرہانے اور پردے پر تصویر بنانا مکروہ ہے۔

مسئلہ: چادر اور پردے پر تصویر بنانا مکروہ ہے۔ لیکن ان صورتوں میں نماز فاسد نہ ہوگی اس لیے کہ جواز نماز کے شرائط میں کوئی شئے خلل انداز نہیں۔ شرع نے کسی امر سے منع نہیں کیا ہم کیوں اسے منع کریں۔

مسئلہ: جو نماز بالکراہت ادا کی جائے اسے لوٹانا ضروری ہے۔ ایسے ہی جس نماز کو تعدیلِ ارکان کے بغیر ادا کیا جائے اس کا اعادہ بھی ضروری ہے[1]۔ کذا فی الکافی۔

وَجِفَانٍ سلیمان علیہ السلام کے لیے شیاطین لکڑی کے پیالے اور دیگر اشیأ بناتے تھے۔ یہ جفنہ کی جمع ہے بہت بڑے پیالے کو کہتے ہیں کیونکہ اہلِ عرب بڑے سے بڑے پیالے کو جفنہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کے بعد قصعۃ ہوتا جو دس آدمیوں کو سیر کرا سکے۔ اس کے بعد صحفۃ ہوتا ہے جو پانچ آدمیوں کو مکتفی ہوتا ہے اس کے بعد میکلۃ ہوتا ہے جو دو تین مردوں کے لیے کافی ہوتا ہے۔ اور تیسرا یعنی صحفہ صرف ایک آدمی کو کفایت کرتا ہے اسی لیے بعض مفسرین نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے الجفان ای الصحاف یعنی دس پیالوں کا ایک۔ اور حضرت سعدی المفتی نے فرمایا جفنہ کھانے والے برتنوں سے مخصوص ہے۔ کما فی المفردات

کَالْجَوَابِ یہ بڑے حوضوں کی طرح ہوتا ہے۔ یہ در اصل الجواری کی طرح الجوابی تھا۔ جابیہ کی جمع ہے، الجبایۃ سے ہے اسے اس نام سے اس لیے موسوم کرتے ہیں کہ اس میں پانی جمع ہوتا ہے۔ اور یہ صفات غالبہ سے ہے جیسے دابّۃ چارپایوں کے صفاتِ غالبہ سے ہے المفردات میں ہے کہ اہلِ عرب کہتے ہیں:

جبیت الماء فی الحوض۔

یعنی میں نے پانی حوض میں جمع کیا۔ اور وہ حوض جس میں پانی جمع ہوا سے العابیۃ کہا جاتا ہے

---

[1] اس موضوع پر فقیر کا رسالہ "السوٴ التعزیر فی تصویر التصویر" دیکھئے۔ اویسی غفرلہٗ

اسی سے استعارۃً کہا جاتا ہے :

جبیت الخراج جبایۃ۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ ایسے بڑے کھانے کے حوض سے بیک وقت دو ہزار آدمی کھانا کھاتے تھے۔ اور سلیمان علیہ السلام کے لنگر میں روزانہ بارہ ہزار بکریاں اور ایک ہزار گائیں پکتی تھیں اور آپ کے لنگر میں روٹی پکانے والے بارہ ہزار اور سالن تیار کرنے والے بھی بارہ ہزار افراد تھے جو اسی بڑے حوض میں سالن وغیرہ پکاتے تھے وہ اس لیے کہ آپ کے لنگر اَن گنت افراد کھانا کھاتے تھے۔

ف : عبداللہ بن جدعان قریشی کے سرداروں میں سے تھے یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا چچازاد تھا کا ایک بہت بڑا حوض تھا جس کے سائے تلے بیٹھتے تھے اس کے اندر داخل ہوتے وقت اونٹ پر سوار ہوتے تھے۔ ایک دفعہ ایک لڑکا اس میں گر کر مر گیا اور وہ روزانہ فقراء کو وہی دیگ پکا کر کھلاتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ایک دیگ تھی جسے چار آدمی اٹھاتے تھے۔ اس دیگ کا نام الغراءُ تھا یعنے سفید، جس میں نمازِ چاشت کے بعد ثرید پکا کر اس کے اردگرد بیٹھ کر کھاتے تھے۔ جب بہت زیادہ لوگ بیٹھے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھٹنے سمیٹ بیٹھے تو ایک اعرابی نے کہا، یہ کیسا بیٹھنا ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ان اللہ جعلنی عبدا کریما و لم یجعلنی جبارا عنیدا۔

(میں عبد نبی ہوں اور کریم طبع، مجھے اللہ تعالیٰ نے جبّار اور سرکش نہیں بنایا)

اس کے بعد فرمایا :

کلوا من جوانبها و دعوا ذروتها یبارك فیها۔

(دیگ کے گرد اپنی اپنی جانب سے کھاؤ اس کے درمیانی حصہ کو چھوڑ دو اس میں اللہ تعالیٰ برکت دے گا)

مسئلہ : الشرعۃ میں ہے کہ چھوٹے پیالوں میں کوئی برکت نہیں ہوتی۔

مسئلہ : طعام کے پیالے مٹی یا لکڑی کے ہونے چاہئیں کیونکہ یہی تواضع کے قریب تر ہے۔

مسئلہ : سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا حرام ہے۔

مسئلہ : تانبے کے برتنوں میں طعام کھانا مکروہ ہے جبکہ وہ قلعی شدہ نہ ہو۔

مسئلہ : دھات کے برتنوں میں بھی کھانا مکروہ ہے۔

الصفر (بضم الصاد المهملة وسكون الفاء) معدنیات کے ایک مرکب دھات کا نام ہے۔ جیسے تانبا اور لوہا، جسے فارسی میں رویین کہتے ہیں۔ بترقیق الراء یعنی راء کو مجہول کر کے پڑھنا اس لیے اگر اسے معروف پڑھا جائے تو اس کا معنیٰ منہ ہوتا ہے۔

وَقُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ القدر بالکسر ہر وُہ شے جس میں گوشت پکایا جائے کما فی المفردات۔ اس کی جمع القدور ہے۔ الراسیات، راسیۃ کی جمع ہے رسا الشئ یرسو سے مشتق ہے بمعنے ثبت۔ اسی لیے پہاڑوں کو رواسی کہا جاتا ہے۔ اب معنی یہ ہُوا کہ وُہ ہانڈیاں جو اثافی پر ثابت ہوں ان کے بڑے ہونے کی وجہ سے ان سے اتاری نہیں جاتیں۔ نہ ہی وُہ اپنی جگہوں سے ہٹ سکتی ہیں انھیں اثافی پر زنجیروں سے چڑھایا جاتا اور وُہ یمن میں تھیں۔ اب بھی شام کے علاقوں میں بعض مقامات پر اس قسم کی پتھر کی بنی ہُوئی دیگیں موجود ہیں۔ اس وقت بھی ان دیگوں کو پتھروں سے بنایا جاتا تھا یا وہ تانبے کی دیگیں تھیں جو اثافی پر ہر وقت رکھی رہتیں یا ان کے اثافی تانبے کے تھے۔ کما فی الکواشی۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ **جفان** میں اللہ تعالیٰ کی مہمانی کی طرف اشارہ ہے جس کا کوئی منتہیٰ نہیں وُہ مہمانی صرف اولیا کرام کو نصیب ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ابیت عند ربّی یطعمنی ویسقینی۔

(میں اپنے رب تعالیٰ کے ہاں شب باشی کرتا ہُوں وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے)

تفسیر عالمانہ اِعْمَلُوْا آلَ دَاوٗدَ اس کا منصوب ہونا بوجہ نداء کے ہے۔ اس سے سلیمان علیہ السلام مراد ہیں اس لیے کہ یہ گفتگو ان کے قصّے کے درمیان واقع ہے۔ اور جمع کا صیغہ تعظیم کے لیے ہے یا اس میں ان کی اولاد بھی شامل ہے یا اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہیں لنگرِ سلیمانی سے خرچ ملتا تھا یا آپ کی اُمت کے وہ لوگ جن پر نعمتِ حق پر شکرِ الٰہی ضروری تھا کما فی بحر العلوم۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم نے سلیمان علیہ السلام یا ان تمام مذکورہ بالا افراد کو کہا عمل کرو شُکْرًا اس کا منصوب ہونا مفعول لہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ یعنی عبادت کرو بوجہ شکر کرنے اس کے جو میں نے تمہیں اپنے فضل وکرم اور دیگر نعمتوں سے نوازا ہے جیسے میری نعمتیں ظاہر ہیں۔ ایسے ہی ان کا شکر کرنا بھی ظاہر ہونا چاہیے۔ یا اس کا منصوب ہونا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے ہے اس کا عامل اعملوا ہے اس لیے کہ منعم کے لیے عمل کرنا اس کی شکر گزاری پر دلالت کرتا ہے۔ اس تقریر پر یہ مصدر غیر لفظ سے ہوگا یا یہ فعل محذوف کا مصدر (مفعول مطلق) ہے۔ دراصل عبارت اشکروا اشکرا یا حال ہے بمعنے شاکرین یا مفعول بہ ہے یعنی اعملوا اشکرا۔ اب معنیٰ یُوں ہوگا کہ ہم نے تمہارے لیے جن تابع کیے جو تم چاہو وہی تمہارے لیے تیار کرتے ہیں تمہیں چاہیے کہ شکر کا عمل کرو۔

نکتہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے ولقد آتینا داؤد منا فضلا۔ اس پر داؤد علیہ السلام سے شکر کا مطالبہ نہیں کیا اور نہ ہی یہ فرمایا کہ

یفضل ان کے عمل کا بدلہ ہے۔ ہاں اس فضل کے شکر کا مطالبہ آلِ داؤد سے ہوا کہ جو انعام داؤد علیہ السلام پر ہوا اس کے بدلے میں آلِ داؤد پر لازم ہے کہ وہ شکر کرے۔ اس معنے پر نتیجہ نکلا کہ داؤد علیہ السلام کو نعمت بطور عطیہ اور محض فضل و احسان کے طور پر عطا ہوئی ان سے کسی قسم کے شکر کا مطالبہ نہیں۔ ہاں آلِ داؤد سے مطالبہ ہوا تاکہ ان کا شکرِ نعمت کے لیے ایک قسم کا بدلہ ہو جائے گا یاد رہے کہ انبیاء علیہم السلام خود بخود ہی شکرِ خداوندی سے سرشار ہوتے ہیں اُن سے اللہ تعالیٰ نے کبھی شکر کا مطالبہ کیا ہی نہیں۔ چنانچہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی اتنی کثیر عبادت فرماتے کہ آپ کے قدم مبارک سوج جاتے۔ آپ سے اس طرح طویل قیام کا حکم منجانب اللہ نہیں تھا لیکن آپ نے اسی لیے اتنی کثیر عبادت کی تاکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ما تقدم من ذنبك وما تاخر جیسی نعمت کا بدلہ ہو۔ اسی لیے آپ سے جب اتنی کثیر عبادت کے متعلق سوال ہوا اور ساتھ یہ بھی کہا گیا کہ آپ تو معصوم ہیں۔ تو آپ نے فرمایا:

افلا اکون عبدا شکورا۔

(کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکرگزار بندہ نہ بنوں)

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ داؤد سے رُوح اور سلیمان سے قلب اور ان کی آل سے سر و خفی اور نفس و بدن مراد ہیں کیونکہ یہ سب کے سب رُوح سے پیدا ہوئے ہیں۔ اب اس کی تفصیل یوں ہوگی کہ بدن کا شکر یہ ہے کہ اس کے جمیع اعضاء و جوارح کو عباداتِ الٰہی میں لگایا جائے۔ ایسے ہی حواسِ خمسہ بھی اس بدن کے شکر کے لیے **اعملوا** میں اشارہ ہے اور نفس کا شکر یہ ہے کہ اس سے تقویٰ و ورع کے شرائط پورے کرائے جائیں۔ اور قلب کا شکر یہ ہے کہ اسے محبتِ الٰہی میں مشغول اور غیر کی محبت سے اسے فارغ رکھا جائے اور سِر (رازِ مخفی) کا شکر یہ ہے کہ اسے غیر اللہ کی طرف التفات سے باز رکھا جائے اور روح کا شکر ہے کہ اسے نارِ وجود میں اس طرح جلایا جائے جیسے شمع پروانے کو جلاتی ہے۔ اور شکرِ خفی یہ ہے کہ مقامِ وحدت میں بلاواسطہ فیض کو قبول کیا جائے اسی لیے اس کا نام خفی رکھا گیا اس لیے کہ رُوح کا فنا فی اللہ ہو کر قبول فیض کے بعد نورِ وحدت کے ساتھ مقامِ وحدت مخفی رہتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ ۝ قلیل الشکور مبتداء کی خبر مقدم ہے۔ کاشفی اور صاحبِ کشف الاسرار نے اس کا ترجمہ لکھا کہ میرے شکر گزار بندے تھوڑے ہیں۔ الشکور ہر اس بندے کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بہت زیادہ شکر کرے قلب سے بھی اور زبان سے بھی، بلکہ جملہ اعضاء سے شکر کی ادائیگی میں کوئی وقت ضائع نہ جانے دے لیکن تب بھی سمجھے کہ اس نے اپنے مالک و مولیٰ کی نعمتوں کا حق نہیں ادا کیا اس لیے

صوفیہ کرام نے فرمایا کہ الشکور وہ ہے جو شکر کی ادائیگی میں اپنے آپ کو عاجز تصور کرے ۔

۱ حق شکر حق نداند ہیچ کس
حیرت آمد حاصل دانا و بس

۲ آن بزرگی گفت با حق در نہان
کای پدید آرندہ بر دو جہان

۳ ای منزہ از زن و فرزند و جفت
کی توانم شکر نعمات گفت

۴ پیک حضرت دادش از ایزد پیام
گفتش از تو این بود شکر مدام

۵ چوں درین راہ این قدر بشناختی
شکر نعمتہای ما پرداختی

ترجمہ : (۱) حق تعالیٰ کے شکر کا حق کوئی نہیں جانتا۔ دانا کو تو اس میں حیرت ہے کہ کیسے کرے ۔

(۲) کسی بزرگ نے حق تعالیٰ سے خفیہ طور پر عرض کی کہ اے دو جہانوں کو ظاہر فرمانے والے

(۳) اے وہ ذات جو زن و فرزند اور شریک سے پاک ہے تیری نعمتوں کا شکریہ کس طرح ادا کروں !

(۴) حق تعالیٰ سے اسے پیام ملا کہ یہی دائمی شکر ہی تمہارا کافی ہے۔

(۵) جب اس قدر حق شکر سمجھو گے تو سمجھ لو کہ تم میرے شکر میں مشغول رہے ہو۔

ف : حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر کی ادائیگی کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ اپنے اعضاء کو معاصی سے بچا کر اللہ تعالیٰ کی طاعت میں صرف کرے اور یہی توفیق حق سے نصیب ہوتا ہے ۔

داؤد علیہ السلام کا ٹائم ٹیبل حضرت جعفر بن سلیمان نے فرمایا کہ میں نے حضرت ثابت سے سُنا کہ داؤد علیہ السلام نے آٹھوں پہر رات اور دن کو اپنے اہل وعیال پر تقسیم فرما دیا تھا۔ رات اور دن کا کوئی ایسا وقت نہیں جس میں داؤد علیہ السلام کا کوئی گھر کا آدمی عبادت میں مشغول نہ ہو۔ اسی لیے قیامت میں اعلان ہوگا کہ داؤد علیہ السلام تمام شکر گزار بندوں سے زیادہ شکر کرنے والے ہیں اور ایوب علیہ السلام تمام صبر کرنے والوں سے زیادہ صبر کرنے والے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قلیل من عبادی الشکور میں اشارہ ہے کہ مقام شکر بہت تک بہت تھوڑے بندے پہنچتے ہیں اور یہ وہ مقام ہے کہ بندہ کے جملہ احوال شکر میں گزریں۔ عوام کا شکر اقوال سے ہوتا ہے کما قال تعالیٰ :

وقل الحمد للہ سیریکم اٰیاتہ۔

اور خواص کا شکر اعمال سے۔ کما قال تعالیٰ :

ان ربنا لغفور شکور۔

اور وہ بایں معنیٰ شکور کہ ایک فانی عمل پر دس اجر باقی عطا فرماتا ہے اور ظاہر ہے کہ ہمارے ہاں جو کچھ ہے وہ مٹنے والا ہے اور جو کچھ اس کے ہاں ہے وہ دائمی سرمدی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کثیر الاحسان ہے اسی لیے انسان پر بھی لازم ہے کہ وہ احسانِ ربانی کا اعمال صالحہ سے شکر ادا کرے۔

تفسیر عالمانہ فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ القضاء بمعنے الحکم والفصل اور قوۃ حساسہ کے زوال کا نام موت ہے۔ یعنی جب ہم نے سلیمان علیہ السلام کی موت کا حکم فرمایا اور فیصلہ فرمایا کہ وہ اس دنیا سے چلے جائیں مَا دَلَّهُمْ تو جنات وغیرہ کی رہبری نہ کی عَلٰى مَوْتِهٖ سلیمان علیہ السلام کی موت پر اِلَّا مگر دَآبَّةُ الْاَرْضِ دیمک نے جو ایک چھوٹا سا کیڑا ہے جو لکڑی کھاتا ہے اسے اس فعل کی طرف مضاف کیا گیا۔ جو اس کا کام ہے یعنی ارض بمعنے کھانا آیا ہے اسی لیے زمین کو آسمان کے بالمقابل ارض کہا جاتا ہے کہ وہ اجسادِ آدم کو کھا جاتی ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے :

ارضت الارضۃ الخشبۃ ارضا۔ یعنی دیمک نے لکڑی کو کھایا۔

اس کا مجہول ارضت ارضا فھو علی مالم یسم فاعلہ فھی ماروضۃ آئے گا۔

تَأْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ وہ سلیمان علیہ السلام کے اس عصا مبارک کو کھاتی رہی جس پر آپ نے سہارا لیا ہوا تھا۔ یہ النسی سے ہے بمعنے التاخیر فی الوقت۔ چونکہ ڈنڈے سے شے کو ہٹایا اور جھڑکا جاتا ہے۔ اسی لیے اسے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے فَلَمَّا خَرَّ پس گر گئے سلیمان علیہ السلام درانحالیکہ وہ اس دنیا فانی سے رخصت ہو چکے تھے۔

امام راغب نے لکھا کہ خر بمعنے سقط سقوطا، ہر وہ شے جس کے گرنے سے آواز پیدا ہو۔ ایسے الخریر پانی، ہوا اور ہر اس شے کی آواز کو کہتے ہیں جو اوپر سے نیچے گرے تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ تبین ہر اس علم کو کہا جاتا ہے جو بھول جانے کے بعد معلوم ہو۔ یعنی جنات کو علم یقینی ہو گیا، یعنی اب ان کے جملہ شکوک وشبہات ختم ہو گئے جبکہ اس سے قبل سلیمان علیہ السلام کی موت کے معاملہ میں وہم وگمان

میں تھے ۔ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ الغیب بمعنے وہ شے جو حواسِ انسانی سے غائب ہو یعنی وہ اگر غیب جانتے مَا لَبِثُوْا تو سال بھر نہ ٹھہرے رہتے فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ذلیل و خوار کرنے والے عذاب میں ۔ وہ تکالیفِ شاقہ اور سخت اعمال میں مبتلا نہ رہتے ۔

خلاصہ یہ کہ ان کا گمان تھا کہ جنّات غیب کی باتیں جانتے ہیں لیکن یہاں ان کا گمان غلط ہو گیا اس لئے کہ انہیں اگر علمِ غیب ہوتا تو انہیں سلیمان علیہ السلام کی موت کا علم ہو جاتا ۔ ایسے ہی انہیں اگر علمِ غیب ہوتا تو وہ ان کی موت کے بعد سال بھر ان کی تسخیر میں نہ ٹھہرے رہتے بلکہ انہیں تو ان کی موت کا اس وقت علم ہوا جب وہ زمین پر گرے ۔ اب انہیں معلوم ہوا کہ وہ تو اس معاملہ میں بالکل ہی بے خبر ہیں ۔

ف : یہ بھی ہے کہ تبین بمعنے تبین الشئ ہو ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب شے ظاہر اور کھل کر سامنے آجائے ۔ اس تقریر پر ان اپنے مابعد کے ساتھ مل کر الجن سے بدل الاشتمال ہوگا ۔ یہ تبین مزید جملہ کے محاورہ سے ہے ۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اب انسانوں پر ظاہر ہوا کہ جنّات اگر علم غیب جانتے تو وہ اتنے ذلیل و خوار نہ ہوتے ۔

سلیمان علیہ السلام کی موت کی نشانی

حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا وقت جب قریب ہوا تو اس کی یہ علامت ہوئی کہ پہلے آپ کا یہ معمول تھا کہ آپ جب بھی صبح سویرے اٹھ کر عبادت گاہ میں جاتے تو محراب میں ایک درخت اگا ہوا پاتے ۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱ هر صباحی چون سلیمان آمدی
خاضع اندر مسجد اقصی شدی

۲ نو گیاهی رسته دیدی اندرو
پس بگفتی نام و نفع خود بگو

۳ تو چه دارویی چی نامت چه است
تو زیان گه و نفعت بر کی است

۴ پس بگفتی هر گیاهی فعل و نام
که من آنرا جانم و این را حمام

۵ من مرین را زهرم و او را شکر
نام من این ست بر لوح از قدر

۶ پس طبیبان از سلیمان زان گیا
عالم و دانا شدندی مقتدا

۷ تا کتب ہاے طبی ساختند
جسم را از رنج مے پرداختند
۸ این نجوم و طب وحی انبیاست
عقل و حس را سوے بےسوره کجاست
۹ ہم بر ان عادت سلیمان سنی
رفت در مسجد میان روشنی
۱۰ قاعده ہر روز را می جست شاه
که ببیند مسجد اندر نو گیاه
۱۱ پس سلیمان دید اندر گوشهٔ
نو گیاہی رسته ہمچون خوشهٔ
۱۲ دید پس نادر گیاہی سبز و تر
می ربود آن سبزیش نور از بصر
۱۳ گفت نامت چیست برگو بی دہان
نام من خروب ای شاه جہان
۱۴ گفت فعلت چیست وز تو چه رود
گفت من رستم مکان ویران شود
۱۵ من که خروبم خراب منزلم
من خرابی مسجد آب و گلم
۱۶ پس سلیمان آن زمان دانست زود
کہ اجل آمد سفر خواہد نمود
۱۷ گفت تا من ہستم این مسجد یقین
در خلل ناید ز آفاتِ زمین
۱۸ تا که من باشم وجود من بود
مسجد اقصی مخلخل کے شود
۱۹ پس خرابی مسجد ما بے گمان
نبود الا بعد مرگ ما بدان

۲۰ مسجد است آن دل کہ چشمش ساجد است
یار بد خروب ہر جا کہ مسجد است

۲۱ یار بد چون رست در تو مہر او
ہین ازو بگریز و کم کن گفت و گو

۲۲ بر کن از بیخش کہ گر سر بر زند
مر ترا و مسجدت را بر کند

خلاصہ ترجمہ ا تا ۱۹ : جب حضرت سلیمان بیچ عبادت خانہ کے طاعتِ الٰہی میں مصروف رہتے تھے ۔ ہر روز اس عبادت خانے میں ایک درخت اگتا تھا، اور اپنی خاصیتیں بیان کرتا تھا کہ میں فلاں فلاں مرض کی دوا ہوں اور میرا یہ اثر ہے ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اس کو لکھواتے تھے ایک روز اسی دستور سے عبادت میں مصروف تھے ۔ ایک درخت زمین سے نکلا اس نے بعد سلام کے عرض کیا کہ میرا نام خروب ہے اور میری خاصیت یہ ہے کہ تیرے ملک سلطنت کی خرابی ہو گی ۔ بعد اس کے خدا تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اب تمہارا وقتِ رحلت نزدیک آیا ہے کہ آخرت کے سفر کی تیاری کر ۔ حضرت سلیمان نے وصیّت کی اور جو چیزیں لکھوانے کی تھیں لکھوائیں ۔ مثلاً فرمایا کہ جب تک میں ہوں مسجد کو زمین میں خلل نہ آئے گا جب میں یہاں ہوں مسجد کو کیسے خلل آ سکتا ہے مسجد کی خرابی کے متعلق یقین کیجئے کہ میری موت کے بعد ہو گی ۔ اس کے بعد جنابِ الٰہی میں عرض کی کہ میری موت کا احوال ایک برس تک جنّوں اور شیطانوں پر پوشیدہ رہے کہ اس عرصے میں جو کام میں نے ان کو سونپے ہیں تیار ہو جاویں ۔ بعد اس کے غسل کر کے لباس پاکیزہ پہنا اور عبادت خانے میں تشریف لائے اور اس لاٹھی پر تکیہ کیا جس پر تھکان کے وقت تکیہ کیا کرتے تھے ۔ اور قابضِ ارواح نے روحِ مقدس کو قبض کر کے روضہ میں پہنچایا ۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام عبادت خانے میں آتے تھے اور عبادت میں مشغول رہتے تھے تو اس مدّت میں گماشتے حضرت کے مہمات ملک سنبھالتے تھے اور شیاطین ان کی ہیبت سے بندگی کے وقت سامنے نہ دیکھ سکتے تھے ۔ جب آنکھ ان کی بے اختیار حضور پر پڑتی تھی تو گمان کرتے تھے کہ آپ عبادت میں کھڑے ہیں اس واسطے محنت شاقہ کیا کرتے تھے ۔ جب ایک سال پورا ہوا دابۃ الارض یعنی دیمک نے لاٹھی کی جڑ کھالی اور حضرت گر پڑے تب جنوں کو ان کی رحلت کا علم ہوا اور موت کی خبر عالم میں مشہور ہوئی اور اصل حکمت حضرت سلیمان کی موت کے چھپانے کی یہ تھی کہ آدمیوں کو جنوں کے دعوے سے یہ گمان تھا کہ وہ غیب جانتے ہیں

جب حضرت سلیمان نے دار الآخرت کو انتقال کیا اور ایسا واقعہ ان پر ایک برس تک مخفی رہا تب آدمیوں کو یقین ہُوا کہ وہ اپنے دعوئ غیب دانی میں جھوٹے ہیں۔ بہر حال سلیمان جیسے بادشاہ بھی دار فانی سے ملک بقا کو پہنچے۔

(۲۰) وہ دل مسجد ہے جس کی آنکھ ساجد ہے جہاں مسجد ہے وہاں خروب جیسا یار بد بھی ساتھ ہوتا ہے۔

(۲۱) جب یارِ بد کی محبت تیرے دل میں سما جائے گی خبردار! اس سے پرہیز کر اور اس سے گفت گو تک چھوڑ دے۔

(۲۲) (بلکہ) اس کی جڑ کاٹ دے تاکہ بڑا نہ ہو ورنہ وہ تیری اور تیری مسجد کی بیخ کنی کرے گا۔

اس کے بعد حضرت ملک الموت حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاں تشریف لائے آپ نے انہیں فرمایا کہ جب آپ کو میری روح قبض کرنے کا حکم ہو تو مجھے خبر دینا۔ جب موتِ سلیمانی کا وقت قریب ہُوا تو ملک الموت سلیمان علیہ السلام کے ہاں حاضر ہُوا اور عرض کی کہ آپ کی موت میں صرف ایک گھنٹہ رہ گیا ہے آپ نے کوئی وصیت کرنی ہو تو ابھی وقت ہے۔ آپ نے فوراً شیاطین و جنات کو بلا کر فرمایا کہ ابھی ابھی شیشے کا محل بناؤ میں اس میں عبادتِ الٰہی کروں گا، اس کا دروازہ مت رکھنا۔ محل کی تیاری کے بعد آپ اس میں کھڑے ہو کر نوافل میں مصروف ہو گئے۔ کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ آپ نے کھڑے ہو کر اپنا عصا سر کے نیچے رکھ لیا۔ اسی حالت میں ملک الموت نے آپ کی روح قبض فرمالی۔ آپ اس حالت میں ایک سال تک کھڑے رہے۔ اور شیاطین و جنات حسبِ دستور کام کرتے رہے اور انہیں معلوم بھی نہ ہو سکا کہ روحِ سلیمان تو عالمِ دنیا سے رخصت ہو چکی اور انہیں سلیمان علیہ السلام کا لوگوں کے ہاں نہ آنے جانے کا احساس اس لیے نہ ہُوا کہ پہلے بھی آپ اتنی طویل نماز پڑھا کرتے تھے۔

ف : تفسیر الکاشفی میں ہے کہ جب سلیمان علیہ السلام پر موت طاری ہُوئی اور آپ کو نہلا دُھلا کر آپ کا عصا آپ کے سر مبارک کے نیچے رکھا اس لیے کہ آپ نے وصیت فرمائی کہ میری موت کا کسی کو نہ بتانا۔ شیاطین و جنات آپ کو دور سے زندہ سمجھتے رہے۔ اسی لیے بدستور اپنے کام میں لگے رہے۔ جب سال کے بعد دیمک نے آپ کا عصا کھا ڈالا اور آپ زمین پر گر پڑے تب انھیں معلوم ہُوا کہ سلیمان علیہ السلام کا انتقال ہو گیا ہے۔

دیمک کا تجربہ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضرت سلیمان نماز پڑھتے اور اگر آپ کو کوئی شیطان دیکھتا تو جل جاتا۔ اسی اثنا میں آپ کے ہاں سے شیطان گزرا اور آپ کی کوئی آواز نہ سُنی اور نہ ہی پھر واپسی پر کچھ سُنا۔ غور سے دیکھا تو سلیمان علیہ السلام کو فوت شدہ

پایا۔ اس پر انہوں نے آپ کا شیشے کا حجرہ توڑ ڈالا اور عصا کو نیچے سے دیکھا تو اسے دیمک کھا چکی تھی۔ اس کے بعد معلوم کرنا چاہا کہ آپ کے وصال کو کتنا عرصہ گزرا ہے۔ چنانچہ پھر دیمک کو آپ کے عصا پر چھوڑ دیا اس نے آٹھ پہر میں جتنا کھایا اس سے اندازہ لگایا کہ سلیمان علیہ السلام کا وصال ایک سال پہلے ہوا حالانکہ وہ آپ کو زندہ سمجھ کر آپ کے سامنے بہت سنگین امور سرانجام دیتے رہے۔ اگر انہیں علم غیب ہوتا تو اتنا عرصہ وہ مشقت میں مبتلا نہ رہتے۔

ف: کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ان پر سزا مقرر تھی کہ جب آپ کو کسی پر غصہ آتا تو اس جن کو پکڑ کر ایک مٹکے میں بند کر کے اوپر سے اسے قلعی سے بند کر دیتے یا اسے دو پتھروں کے درمیان جکڑ کر دریا میں پھینک دیتے تھے یا اس کے سر کے بالوں کو اس کے پاؤں میں باندھ کر دریا میں ڈال دیتے تھے۔ اس کے بعد شیاطین و جنات نے دیمک سے پوچھا کہ تمہیں جس طرح کا بہترین اور لذیذ طعام چاہیے ہم لا کر دیں اور جس طرح کا ٹھنڈا میٹھا مشروب پینا چاہے تو ہم تجھے وہی پیش کریں۔ ہاں ہم ہر وقت تجھے پانی اور مٹی پہنچا دیا کریں گے۔ اب جس شے کو دیمک کھاتی ہے تو اس سے پانی اور مٹی لانے والے شیاطین و جن ہوتے ہیں۔ دیمک خوردہ اشیاء سے جو مٹی اور پانی کی نمی برآمد ہوتی ہے وہ انہی جنات و شیاطین کی جمع کردہ ہے یہ انہوں نے اس شکریہ میں خدمت سرانجام دی ہے کہ اس نے سلیمان علیہ السلام کے عصا مبارک کو کھایا تھا۔

ف: جناب قفال نے فرمایا کہ آیت سے معلوم ہوا کہ جنات صرف سلیمان علیہ السلام کے لیے مسخر ہوئے اور پھر ان کی وفات کے بعد انہیں سخت سے سخت کاموں سے نجات ملی۔ یہ بھی ہے کہ جب انہیں معلوم ہوا کہ اب سلیمان علیہ السلام کے وصال کا وقت قریب ہے تو وہ بھاگ کر پہاڑیوں اور وادیوں کے ویران مقامات میں گھس گئے۔ اس طرح سے وہ بڑی تکلیف اور عذابِ سلیمانی سے چھوٹ گئے۔

معجزۂ سلیمانی اللہ تعالیٰ نے انہیں سلیمان علیہ السلام کے قابو میں دینے اور بڑے بڑے کاموں کی انجام دہی کے لیے ان کے اجسام موٹے بنا دئے اور ان کی قوت و طاقت میں اضافہ فرمایا اور اب جبکہ کسی کو نظر نہیں آتے اس وقت وہ سب کو نظر آتے تھے اور اب سلیمان علیہ السلام کے دور کی طرح بوجھل اور ثقیل اشیاء نہیں اٹھا سکتے۔ یہ تمام حضرت سلیمان علیہ السلام کے معجزات میں شامل ہے۔

معتزلہ کے نزدیک جنات کی تعریف معتزلہ کہتے ہیں کہ جنات لطیف اجسام ہیں ان کی لطافت کی وجہ سے ہم انہیں نہیں دیکھ سکتے۔

اور یہ بھی انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں سے ہے کہ ان کے اجسام کثیف بنا دئے گئے، اور جو دوسرے لوگوں کے لیے اسی طرح لطیف اجسام ہوں اور یہ بھی ان کے معجزات میں شامل ہے کہ انہیں

بہت بڑی طاقت عطا فرما دے جو دوسروں کے لیے ایسی طاقت نہ ہو۔

ف : قاضی عبدالجبار نے کہا کہ قرآن مجید سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے جنات کو کثیف اجسام عطا فرمائے یہاں تک کہ لوگ انہیں اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھتے اور انھیں بہت زیادہ طاقت بخشی جس سے وہ بہت بڑے اور سخت سے سخت کام سرانجام دیتے اور انبیاء علیہم السلام کے زمانہ کے علاوہ دوسروں کے زمانہ میں جنات کا ایسا ہونا ناجائز ہے (لیکن یہ معتزلہ کے اصول پر ہے اس لیے کہ وہ صرف انبیاء علیہم السلام کے معجزات کے تو قائل ہیں لیکن اولیاء کرام کی کرامات کے منکر ہیں) اور جنات کے لیے چونکہ ایسا ہونا خرقِ عادت کے طور ہے اور خرقِ عادت صرف انبیاء علیہم السلام کے لیے جائز ہے دوسروں کے لیے نہیں (کذا قال المعتزلہ) اور ہم اولیائے کرام کے لیے بھی قائل ہیں۔

حلیۂ سلیمان علیہ السلام اہلِ تاریخ نے لکھا کہ سلیمان علیہ السلام سفید رنگ اور جسیم و لحیم اور نہایت حسین انسان تھے اور آپ کے جسم پر بال بھی بہت زیادہ تھے اور سفید لباس پہنا کرتے تھے۔ آپ کی عمر ترپن (۵۳) سال تھی، اور بیت المقدس کی تعمیر کے بعد انتیس (۲۹) سال زندہ رہے۔

ازالۂ وہم مشہور عام مشہور ہے کہ بیت المقدس کی تعمیر کا کام باقی تھا جس پر ابھی ایک سال اور لگنا ضروری تھا کہ آپ کی موت کا وقت پہنچ گیا اسی لیے آپ موت کے بعد ایک سال عصا کے سہارے پر کھڑے رہے۔

فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے یہ غلط ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ آپ نے اپنی وفات سے انتیس سال پہلے بیت المقدس کی تعمیر سے پہلے فراغت پا لی تھی۔ اس کی کئی وجوہ ہیں:

پہلی وہی جو حدیث مرفوع میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب بیت المقدس کی تعمیر سے فراغت پائی تو اللہ تعالیٰ سے تین دُعائیں مانگیں جن کے متعلق حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کی دو دعائیں مستجاب ہو گئیں۔ اور فرمایا ہمیں امید ہے کہ ان کی تیسری دُعا بھی قبول ہو گئی ہو گی جیسا کہ ہم نے من محاریب کے تحت یہ حدیث نقل کی ہے۔

دوسری یہ کہ سب کا اتفاق ہے کہ داؤد علیہ السلام نے بیت المقدس کی بنیاد وہاں رکھی جہاں موسیٰ علیہ السلام کا خیمہ تھا اسے انسانی قد و قامت کے برابر بنا لیا۔ اس کے بعد اتمام کی انہیں اجازت نہ ہوئی تو انہوں نے عرض کی:

یا اللہ! اسے میری اولاد میں سے کسی کو اتمام کی توفیق بخشنا۔

جیسا کہ اس کی تفصیل ہم نے پہلے بتائی ہے۔ پھر جب داؤد علیہ السلام کے وصال کا وقت قریب

ہوا تو آپ نے اس کی تکمیل کے لیے سلیمان علیہ السلام کو وصیت فرمائی۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ بڑے بڑے جلیل القدر علمائے کرام نے بیت المقدس کی تخریب کا قصہ بیان فرمایا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے عرصۂ دراز تک بیت المقدس میں نمازیں پڑھیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کا بیان ہے کہ اس نے انسانوں اور جنوں کو ان جیسے انسانوں کا مسخر فرمایا حالانکہ وہ شمار اور گنتی سے باہر ہیں ان کے علاوہ وحوش وطیور بھی ان کے تابع کر دئیے پھر سلیمان علیہ السلام پر باوجودیکہ موت طاری کردی لیکن (بزعم جنات) جسم بے جان کے سامنے سر تسلیم خم رکھا یا پھر بہت بڑے کمزور جانور دیمک سے ان کے عصا کے سہارے کو ختم کرا کر ہزاروں بلکہ لاکھوں کروڑوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا اور ان کے بڑے غیوب کے دعاوی کو ملیا میٹ کرایا تو دیمک کی مخبری سے۔

نیز اس میں اشارہ ہے کہ یہ قصہ ایک بہت بڑی عظیم الشان امت کے ایمان لانے کا سبب ہے۔ اور واضح فرمایا کہ جنات غیب کی باتیں نہیں جانتے۔ نیز اس میں اشارہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں صرف دو نبیوں موسیٰ وسلیمان علیہما السلام نے سہارا کیا موسیٰ علیہ السلام نے خود فرمایا: اتوکأ علیھا۔ اللہ تعالیٰ نے والقھا یا موسیٰ فرما کر ان کے سہارے کو توڑ دیا کہ وہ عصا بہت بڑا سانپ بن گیا اس میں موسیٰ علیہ السلام کو اشارہ فرمایا کہ صرف اور صرف میرے فضل واحسان پر بھروسا کیجئے۔ ایسے ہی جب سلیمان علیہ السلام نے اپنے قیام ملک کے لیے عصا کو سہارا بنایا تو اللہ تعالیٰ نے نہایت کمزور اور خسیس ترین کیڑے کو بھیج کر ان کے سہارے کو توڑ دیا تاکہ معلوم ہو کہ صرف سہارا اللہ تعالیٰ کا ہو اور اس کے غیر کا سہارا طاغوت کا سہارا ہے اور جو طاغوت کا انکار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے وہی اللہ کی رسی کو پکڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رسی ٹوٹنے والی نہیں۔

تفسیر عالمانہ لَقَدْ بخدا، بے شک کَانَ لِسَبَاٍ سبأ بروزن جبل بوجہ قبیلہ کے نام ہونے کے اسے غیر متصرف پڑھنا جائز ہے اور وہ قبیلہ سبأ بن یشجب بالجیم کمافی القاموس ابن یعرب بن قحطان بن عامر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد تھی اور سبأ عبد شمس بن یشجب کا لقب تھا اور یہ لقب اسے اس لیے ملا کہ سب سے پہلا سابی یہی ہے اور یہ یمن کے قبائل کا مجموعہ ہے۔ کما قال السہیلی۔

ف: یعرب بن قحطان وہ پہلا شخص ہے جس نے سب سے پہلے عربی میں کلام کی۔ یہی ابو عرب الیمن ہے انہیں عرب العاربہ کہا جاتا ہے۔ بعض مورخین نے کہا جو لوگ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی لغت بولتے ہیں انہیں عرب مستعربہ کہا جاتا ہے۔ یہی اہلِ حجاز کی بولی ہے۔ اسماعیل علیہ السلام سے

پہلے قحطان کی عربیت مستعمل تھی اور یہ اس قول کے منافی نہیں کہ سب سے پہلے عربی میں اسماعیل نے گفتگو کی اس لیے کہ اسماعیل علیہ السلام کی عربیۃ سے یہ مراد ہے کہ خالص عربی جو قریش کی بولی ہے اور اسی پر قرآن نازل ہوا ہے۔ یہی سب سے پہلے اسماعیل نے بولی۔ ایسے ہی یہ بات اس کے بھی منافی نہیں کہ حضرت اسماعیل بہشت میں عربی میں کلام فرماتے تھے جب زمین پر تشریف لائے تو سریانی بولتے تھے اس لیے کہ یہاں دنیا میں سب سے پہلے بولنے والے کی بات ہو رہی ہے۔ خلاصہ یہ کہ بہشت میں حضرت آدم علیہ السلام عربی بولتے تھے اور زمین پر سب سے پہلا عربی بولنے والا ہے۔ لیکن اس کی عربی خالص نہیں تھی سب سے پہلے خالص عربی بولنے والے اسماعیل علیہ السلام تھے اس طرح سے مختلف اقوال کی تطبیق ہوئی[۱])

ف : اخبار میں آیا ہے :

من احسن ان یتکلم بالعربیۃ فلا یتکلم بالفارسیۃ فانہ یورث النفاق۔

(جو عربی بولنے کی پوری قدرت رکھتا ہے اسے چاہیے کہ فارسی اور دوسری لغت میں کلام نہ کرے) (یہ موضوع ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ عربیت پر دوسری لغت کو ترجیح نہ دی جائے۔ اویسی غفرلہٗ)

حدیث موضوع لفظاً اور صحیح معناً یہ جو عوام میں مشہور ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

انا افصح من نطق بالضاد۔

(میں ان افصح ترین میں سے ہوں جو ضاد کو صحیح طریق سے بول سکتے ہیں)

ایک جماعتِ محدثین نے فرمایا کہ اس صحیح کی کوئی اصل نہیں۔ ہاں یہ معنی اس لیے صحیح ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ میں عرب میں فصیح ترین ہوں۔ اس لیے کہ عرب میں وہی فصیح ترین سمجھے جاتے تھے جو ضاد کے صحیح مخرج کے پڑھنے پر قادر تھے۔ اور یہ ضاد صرف ہے بھی عرب میں، دوسری لغات میں دوسرے مخارج کے ساتھ پڑھی جاتی ہے کذا فی انسان العیون لعلی برہان الدین حلبی۔

فِیْ مَسْکَنِھِمْ مسکن کا لغوی معنیٰ ہے نشست گاہ۔ یہاں پر ان کے وہ شہر مراد ہیں جن میں وہ زندگی بسر کرتے تھے یعنی مأرب بچون منزل۔ کذا فی القاموس۔ اس کے اور صنعا کے درمیان تین راتوں کے سفر کی مسافت ہے۔ سورۂ نمل میں جس سبا کا ذکر ہے یعنی بلقیس کا شہر۔ اس سے بھی یہی شہر مراد ہے۔

ف : سہیلی نے فرمایا کہ مأرب یمن کے بادشاہ کا لقب تھا جیسے کسریٰ فارس کے بادشاہ کا لقب ہوتا تھا

[۱] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

ایسے ہی خاقان چین کے بادشاہ کا اور قیصر روم کے بادشاہ اور فرعون مصر کے بادشہ اور الشحر اور یمن حضرموت کے بادشاہ اور حبشہ کے بادشاہ کا نجاشی لقب ہوتا تھا۔

ف : بعض نے کہا ان کے محل کا نام مأرب ہے۔ کماذکرہ المسعودی

اعجوبہ انسان العیون میں ہے کہ یعرب بن قحطان کو ایمن بھی کہا جاتا ہے اس لیے کہ ہود علیہ السلام نے اسے فرمایا :

انت ایمن ولدی۔

(تو میرا بابرکت بچہ ہے)

اور یمن کو اسی قدوم میمنت لزوم سے یمن کہا گیا۔ **آیَةٌ** بمعنے وہ علامت ظاہرہ جو اس قبیلہ کے احوال سابقہ لاحقہ پر دلالت کرے کہ انہیں ہر طرح کے انعامات سے نوازا گیا اور انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے ہر طرح کی دولت و آسائش بخشی اس کے بعد انہیں اپنے قہر و غضب سے تباہ و برباد کیا جب وہ نافرمانی اور ظلم و سرکشی کے مرتکب ہوئے۔ اس سے ثابت ہو گا وہ صانع و مختار ہے اور امورِ بدیعیہ پر قدرت رکھتا ہے وہ جیسے چاہتا ہے کرتا ہے اور نیک کو نیک جزا اور برے کو سخت عذاب میں مبتلا کرتا ہے اسے صرف اہلِ علم جانتے اور صرف عقل مند اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

جَنَّتٰنِ یہ آیۃ سے بدل ہے۔ اس سے باغات کی دو جماعتیں مراد ہیں اس سے محض دو باغ مراد نہیں **عَنْ یَّمِیْنٍ** باغات کی ایک جماعت ان کے شہر کے دائیں جانب واقع تھی۔ اور یمین دراصل دائیں ہاتھ کو کہا جاتا ہے اور یہ تمام اعضاء سے شرافت اور بزرگی میں زائد ہے اس لیے کہ اس میں زاید قوت رکھی گئی ہے اس کی نقیض بایاں ہاتھ ہے، اور دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ سے ممتاز ہے **وَّشِمَالٍ** باغات کی ایک اور جماعت ان کے شہر کے بائیں جانب واقع تھی۔ چونکہ ان دونوں باغات کی جماعت کو آپس میں تقارب اور جنسیت کی وجہ سے انہیں ایک باغ کہا گیا یا انہیں دو باغ اس لیے کہا گیا کہ قبیلے کے ہر ایک شخص کے گھر کے دائیں بائیں دو باغ تھے **کُلُوْا** یہ ان کے نبی علیہ السلام کے مقولے کی حکایت ہے یعنی ان کے نبی علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ کھاؤ لیکن اس میں یہ بات ضرور ملحوظ رہے کہ شکرِ خداوندی بھی ضروری ہے کہ اس طرح سے نعمت کی تکمیل ہوتی ہے اور نبی علیہ السلام نے یہ کلمات اس لیے فرمائے کہ انہیں ان باغات و دیگر نعمتوں کے حقوق کی تذکیر ہو یا یہ مقولہ لسان حال سے کہا گیا ہے یا بیان ہے اس معنیٰ کا کہ وہ اس کے حقدار تھے کہ انہیں یوں ہی کہا جائے **مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ** اپنے پروردگار کے رزق سے یعنی قسم قسم پھلوں سے **وَاشْكُرُوْا لَهٗ** اور اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق پر زبان جنان ارکان سے اللہ تعالےٰ کا شکر کرو **بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ** یہ جملہ مستانفہ ہے جس شکر مامور بہ کا حکم ہے اس کا بیان کرنے والا ہے یعنی تمہارا شہر بھی پاکیزہ ہے

اور تمہارا رب جس نے تمہیں پاکیزہ رزق عطا فرمایا اور تم سے اس پر شکر کا مطالبہ کیا وہ بھی غفور ہے۔ تم میں سے جس نے شکر کی ادائیگی میں کوتاہی کی وہ تمہاری کوتاہیوں سے درگزر فرمائے گا طیّبۃ کا معنٰی یہ ہے کہ جہاں تمہارے باغات ہیں وہ زمین شور نہیں ———— بلکہ بہترین ثمرات اگانے والی ہے یا اس زمین کا پانی اور ہوا خوشگوار ہے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ یہ شہر جس سے تمہیں اللہ رزق بخشتا ہے وُہ پاکیزہ اور بہترین ہوا اور میٹھے پانی والا اور اچھی زمین والا ہے۔

شہرے چو بہشت از نکوئی
چوں باغ ارم بتازہ روئی

ترجمہ : وہ شہر بہترین ماحول کے لحاظ سے بہشت کی طرح ہے اور تازگی کے لحاظ سے اس کے باغات اِرم کی طرح ہیں۔

ف : فتح الرحمٰن میں ہے کہ وہ طیّبۃ بایں معنٰی ہے کہ اس میں مچھر، مکھیاں اور پسّو اور بچھو اور سانپ نہیں اور نہ ہی اس میں دیگر موذی جانور ہیں بلکہ باہر کا مسافر جوئیں لے کر آتا تو جونہی اس شہر میں داخل ہوتا تو اس کی پاکیزہ ہوا کی وجہ سے وہ جوئیں مرجاتیں۔ نہ ہی اس میں آفات اور بیماریاں ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس شہر کی ہوا تمام شہروں سے پاکیزہ تھی اور یہ شہر خوشحال تھا، یہاں تک کہ وہاں کی کوئی عورت اپنی ہمسایہ عورت کے گھر سر پر ٹوکری اٹھا کر کسی باغ سے گزرتی تو فطری طور پر اس کے ہاتھ ہلانے سے ہمسایہ عورت کے گھر تک پہنچنے تک اس کی ٹوکری پھلوں سے پُر ہوجاتی۔ حالانکہ وُہ ان پھلوں کو ہاتھوں سے نہیں توڑتی تھی اس میں بہشت کے باغات کی طرف اشارہ ہے کہ وہاں بھی ایسے ہی ہوگا۔

تفسیر صُوفیانہ

جیسے اللہ تعالیٰ کے بہشت میں باغات ہیں ایسے ہی زمین پر بھی اس کے معنوی باغات ہیں یعنی قلب الانسان جو اس میں مختلف قسم کے معارف وفیوض کشوف ہیں۔

ف : بہترین لذّات کی وہ اشیاء ہیں جن سے حواسِ خمسہ لذّت پائیں اور پاکیزہ انسان وہ ہے جو جہل وفسق وقبائح اعمال کی نجاستوں سے پاک اور علم وایمان ومحاسن افعال کی پاکیزگی سے پاکیزہ رہتا ہے۔

ف : بعض مشایخ کبار رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بلدۃ طیّبۃ سے انسان مراد ہے اس لیے کہ یہ توحید کے پاکیزہ بیج لا الٰہ الا اللہ کو قبول کرتا ہے اور رب غفور بایں معنٰی ہے کہ وُہ اپنے

دوستوں کے عیوب اپنے نورِ مغفرت سے ڈھانپتا ہے اور اپنی عزت معرفت کی وجہ سے ان کے گناہ بخشتا ہے۔

حکایت حضرت عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ ایک سال حج سے فارغ ہوتے، خواب میں دیکھا کہ دو فرشتے ان کے سامنے حاضر ہو کر ایک دوسرے سے پُوچھنے لگے کہ اس سال حج کے لیے کتنے لوگ جمع ہُوئے۔ دوسرے نے کہا: تیس ہزار۔ پہلے نے پُوچھا: کتنے لوگوں کا حج قبول ہوا؟ دوسرے نے کہا: کسی ایک کا بھی حج قبول نہیں ہُوا۔ میں مضطرب اور پریشان ہُوا کہ اے اللہ! تیری مخلوق دور دور سے کتنے دُکھ درد اور تکالیف برداشت کرکے حاضر ہُوئی ان میں سے کسی ایک کا بھی حج قبول نہیں ہُوا۔ فرشتوں نے کہا کہ ایک موچی علی بن موفق نامی دمشق میں ہے وُہ اگرچہ حج پہ نہیں آیا لیکن اس کا حج قبول ہے۔ بلکہ ان تمام لوگوں کا حج اس کی وجہ سے قبول ہوگا۔ علی بن موفق دمشقی کی قبولیت میں رازیہ تھا، وہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے تین سو پچاس درہم حج کے لیے جمع کیے میرے سامنے سے ایک حاملہ عورت گزری اس نے مجھ سے کہا کہ فلاں گھر میں فلاں طعام کی خوشبو آتی ہے آپ اس گھر سے میرے لیے لائیے ورنہ میرا حمل گر جائے گا۔ میں نے صاحبِ خانہ سے جا کر حاملہ عورت کا حال سنایا۔ صاحبِ خانہ میری بات سن کر رو پڑا اور کہا کہ ہم تمام گھر والے ہفتہ سے بھوکے مر رہے تھے آج میں مردار گدھے کا گوشت لایا ہوں اور گھر والے اسی کو بھون رہے ہیں چونکہ ہماری حالت مضطربانہ ہے اسی لیے ہمارے لیے حلال ہے لیکن تمہارے لیے حرام۔ بنا بریں میں آپ کو وُہ گوشت نہیں دے سکتا۔ علی بن موفق نے کہا اس کی بات سُن کر میرا دل پارہ پارہ ہوگیا اور میں حج کے لیے جمع کردہ تمام پیسے اس شخص کے سپرد کر دئے اور کہا بس یہی میرا حج ہے۔ اسی کی برکت سے میرا حج بھی قبول اور دُوسرے لوگوں کا بھی ؎

باحسانے آسودہ کردن دلے
بہ از الف رکعت بہر منزلے

ترجمہ: کسی دل کو احسان سے خوش کرنا ہر منزل پر ہزار رکعت پڑھنے سے بہتر ہے۔
ہر منزل سے کعبہ معظمہ کا سفر مراد ہے جو دوسرے سفروں سے افضل سفر ہے۔

تفسیر عالمانہ فَاَعۡرَضُوۡا پس آلِ سبا نے وفا سے اعراض کیا اور جفا کی طرف متوجہ ہوئے اور کفرانِ نعمت کیا اور ظلم و ستم کے درپے ہُوئے اور شکر گزاری کو ضایع کیا اور اپنا حال تبدیل کیا اللہ تعالیٰ نے ان کا حال بدل دیا۔

ف: اعرض بمعنے اظہر، عرضہ بمعنے ناحیتہ۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرہ انبیاء علیہم السلام کو یمن کی تیرہ بستیوں کی طرف نبی بنا کر مبعوث فرمایا انہوں نے ان لوگوں کو ایمان و طاعت کی دعوت دی اور

انہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی یاد دہانی کرائی اور اس کے عذاب سے ڈرایا۔ لیکن انہوں نے ان کی تکذیب کرتے ہوئے کہا ہم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی نعمت ہمیں ملی ہو۔ اگر اس نے کوئی نعمت دی ہو تو تم اسے کہہ دو کہ وہ اپنی نعمتوں کو ہم سے روک لے اگر اسے کوئی طاقت ہے تو فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ ' امساک 'و تخلیہ و ترک منع کے بالمقابل ارسال استعمال ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے ان پر چھوڑ دی سَيْلَ الْعَرِمِ السیل دراصل سیلان کی طرح مصدر ہے بمعنے پانی کا چلنا۔ عرف میں اس پانی کو کہا جاتا ہے جو کسی کے پاس جائے جسے ہم سیلاب سے تعبیر کرتے ہیں۔ العرم ' العرامة سے ہے بمعنے شدت وصعوبت۔ مثلاً کہا جاتا ہے اس کی گردن عرم بروزن نصر وضرب وکرم وعلم عرامةً عراما بالضم فهو عارم آتی ہے اور عرم بمعنے اشتد وعرم الرجل اس شخص کے لیے بولتے ہیں جس کی عادت بری اور سخت ہو۔ یہاں پر العرم بمعنے اصعب ہے اور اس کی اضافت موصوف الی الصفة کے قبیل سے ہے بمعنے سیل المطر العرم او الامر العرم۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے ان پر بہت بڑا اور سخت ترین سیلاب چھوڑ دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

العرم اسم الوادی (العرم وادی کا نام ہے) یعنی وہ وادی کہ جس سے پانی آتا ہے۔

بعض نے کہا کہ العرم وہ بند جس کے ذریعہ پانی بند کیا جائے تاکہ پانی کو اونچی زمین پر چڑھایا جا سکے۔ اس لیے کہ لغت قبیلہ حمیر میں العرم پانی کے بند کو کہا جاتا ہے۔

بعض نے کہا کہ العرم وہ اندھا چوہا تھا، اور سیلاب کو اس کی طرف اس لیے مضاف کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو تباہ کرنے کے لیے ایسے جنگلی چوہے بھیجے جن کے دانت اور ڈاڑھیں لوہے کی تھیں۔ جونہی بلیاں ان کے قریب جاتیں تو وہ چوہے انہیں مار ڈالتے۔ ان چوہوں نے آکر اس بند میں سوراخ کر دئے جس سے بند ٹوٹا اور وہ پانی کے گھیرے میں آگئے اور سیلاب کے گھیرے سے ان کے باغات اور مکانات ڈوب گئے۔ ان چوہوں کو الخلد (بالضم) بھی کہا جاتا وہ اس لیے کہ وہ اپنے بلوں میں ٹھہرے رہتے ہیں باہر کہیں نہیں جاتے۔ اور الجرذ وہ اندھا چوہا جو اشیاء کا ادراک کان سے کرے۔

ف: ارسطو نے کہا کہ ہر حیوان کی دو آنکھیں ہوتی ہیں سوائے خلد (جرز) کے کہ اس کی آنکھیں ہوتی ہی نہیں اس لیے کہ اس کے لیے مٹی ایسے ہے جیسے مچھلی کے لیے پانی، اور اس کی غذا بھی مٹی کے اندر کے حصہ سے ہوتی ہے مٹی کے باہر کے حصہ سے اس کی غذا مقدر نہیں کی گئی اور چونکہ اس کی آنکھ نہیں ہوتی اس لیے وہ کان سے احساس کرتا ہے یہاں تک کہ دور سے آنے والے کے پاؤں کی آہٹ سن لیتا ہے۔ جب وہ کسی کے آنے کا احساس کرتا ہے تو فوراً زمین کھود کر اس کے اندر گھس جاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ اس کے کان میں دیکھنے کا اتنا احساس ہوتا ہے جیسے

دوسروں کو آنکھ

اعجوبہ اس اندھے چوہے کی عادت ہے کہ وہ خوشبو سے بھاگتا ہے اور اسے پیاز اور لہسن کی بدبو بڑی مرغوب ہے اور بہت دفعہ اس کے ذریعے سے شکار کیا جاتا ہے اس لیے کہ وہ شکار کی بُو سونگھ کر اُدھر بھاگتا ہے۔ اس کی عادت ہے کہ جب اسے بھوک لگتی ہے تو مُنہ کھولتا ہے اللہ تعالیٰ مکھی کو اس کی غذا بنا کر اس کے منہ میں ڈالتا ہے۔ اس کا خون آنکھ میں ڈالا جائے تو آنکھ کی بینائی صحیح ہو جاتی ہے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ درمختار میں ہے کہ سبأ کے لوگ یمن کی ولایت کے مآرب شہر کے گرد ونواح میں رہتے تھے دو پہاڑوں کے درمیان میں آباد تھے ان کی آبادی چوّن (۵۴) میل پر مشتمل تھی اور ان کی کھیتیوں اور باغات کو وادی کے دہانے سے پانی پہنچتا تھا اور وہ وادی پہاڑوں کے چشموں سے آتی تھی لیکن انہیں وہ پانی تباہ و برباد کر جاتا تھا جو یمن کے علاقوں سے زاید پانی وادی میں مل کر سیلاب کی شکل اختیار کر لیتا تھا جس سے ان کی کھیتیاں اور باغات تباہ و برباد ہو جاتے تھے۔

ف : ابو اللیث نے فرمایا کہ پانی دس دنوں کے فاصلہ سے انہیں نہیں پہنچتا تھا یہاں تک کہ دو پہاڑوں کے درمیانی حصہ میں ہوتا تو پھر ان کے ہاں آتا۔ اپنے ملک کی ملکہ بلقیس کو درخواست دی کہ ان کے لیے ایسا بند تیار کرے تاکہ زاید پانی ان کے ہاں سیلاب بن کر نہ پہنچے بلکہ صرف وادی کے پانی سے انہیں سیرابی حاصل ہو۔ بند کی وجہ سے وُہ زاید پانی جو بارشوں اور چشموں سے آتا اس کی خرابی سے محفوظ ہو جائیں گے۔

ف : کتاب التعریف والاعلام میں سہیلی نے لکھا کہ اس بند کو سبأ بن یشجب نے تیار کیا اس نے اسے سنگِ مرمر سے بنوایا تھا۔ اسی سے ستر نہریں جاری کیں۔ اسے نامکمل چھوڑ کر مر گیا جسے بعد میں مکمل کیا گیا۔ اس بند میں تین سوراخ بنائے اعلیٰ، متوسط اور اسفل۔ پہلے اسفل کو کھولتے تاکہ اس سے باغات اور کھیتیاں سرسبز ہوں اور اپنی ضروریات پُوری کریں۔ اگر اس سے کام نہ بن پڑتا تو پھر متوسط کو کھولتے، ورنہ آخر میں نچلا سوراخ چھوڑ دیتے۔ ان کے ہاں تیرہ پیغمبر علیہم السلام بھیجے گئے انہوں نے سب کی تکذیب کی ان کے ہاں آخری پیغمبر علیہ السلام عیسٰی علیہ السلام کے رفع آسمان کے بعد تشریف لایا۔ وہ زمانہ بادشاہ ذی الاذعار بن حبشان کا تھا۔ اس آخری نبی علیہ السلام کو انہوں نے سخت سے سخت اذیتیں پہنچائیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے جنگلی چُوہے مقرر فرمائے تاکہ ان کے بند میں سوراخ کریں۔ چوہوں نے بند میں سوراخ کیا جس سے پانی سیلاب بن کر چلا اور ان کی بستیوں میں نصف شب کے وقت پہنچا جبکہ وہ میٹھی نیند سو رہے تھے۔ سیلاب اتنا زور دار تھا کہ آتے ہی ان کے باغات اور کھیتوں اور مکانات کو ڈبو دیا۔ بہت سے لوگ اس سیلاب میں بہ گئے اور ان کے جانور وغیرہ سب کے سب مر گئے۔

ف: فتح الرحمٰن میں لکھا ہے کہ ہم نے ان پر ایسا سیلاب بھیجا جس کا مقابلہ ان کے لیے مشکل تھا، بلکہ ان کا بند ٹوٹا اور دونوں پہاڑوں کے درمیانی فاصلہ میں پانی ہی پانی ہو گیا اور لوگوں کو وہاں سے بھاگنے کا موقعہ نہ ملا۔ بہت سے جنات اور انسان ڈوب کر مر گئے اور ان کے اموال سب کے سب تباہ و برباد ہوئے۔ جو بچ گئے وہ مختلف شہروں میں پھیل گئے۔

وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ اور ہم نے ان دونوں مذکورہ جماعتوں کے باغات کو تبدیل کر کے انہیں دیئے۔

حل لغات

التبدیل بمعنے ایک شے کے بدلے دوسری شے دینا۔ با متروک پر داخل ہوتی ہے یہاں بھی ایسے ہی ہوا اور یہ قاعدہ مشہور ہے۔

جَنَّتَيْنِ یہ بدّلنا کا دوسرا مفعول ہے۔ دو باغ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ یہ جنتین کی صفت ہے اسے مرفوع کے وقت ذواتا الف کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور یہ لفظ ذی کے صیغہ کا تثنیہ ہے بمعنے الصاحب۔ اور الاکل بضم الکاف وسکونہ وہ شے جو کھائی جائے۔ اس کا مصدر ہے الخمط وہ کڑوی گھاس جسے کھایا نہ جا سکے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ دو باغ جن کے میوے سخت کڑوے تھے۔ اس تقریر پر خمط اکل کی صفت ہو گی بعض قرأۃ میں اکل مضاف اور خمط مضاف الیہ واقع ہوا۔ اس معنے پر خمط اس درخت کو کہا جائے گا جس کا پھل کڑوا اور اس میں کانٹے بھی ہوں۔ بعض نے کہا اس سے پیلو کا درخت مراد ہے کذا قال البخاری۔ الاکل بمعنے درخت کا کڑوا پھل۔ المختار میں ہے کہ خمط پیلو کی ایک قسم ہے جس کا پھل کھایا جاتا ہے۔ انہیں دو باغ کہنا یا مشاکلۃً ہے یا تہکماً۔ وَّاَثْلٍ اس کا اکل پر عطف ہے نہ کہ خمط پر، اس لیے کہ اثل بھی ایک درخت ہے جسے اردو میں جھاؤ کہتے ہیں یا کوئی اور درخت مراد ہے جو جھاؤ کے مشابہ ہوتا ہے لیکن اس کا پھل نہیں ہوتا۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا؎

اگر بد کنی چشم نیکی مدار
کہ ہرگز نیارد گز انگور بار

ترجمہ: اگر برائی کرتا ہے تو پھر نیکی کی امید نہ رکھ اس لیے کہ جھاؤ سے انگور کا پھل حاصل نہیں ہوتا۔

وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ○ اس کا عطف بھی اکل پر ہے۔ بیضاوی نے لکھا کہ بیری کو قلت سے اس لیے موصوف کیا گیا ہے کہ اس کے بیر لذیذ ہوتے ہیں انہیں کھایا جاتا ہے اسی لیے اسے باغات میں بویا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بیر کے درخت کو سدر کہا جاتا ہے کذا فی القاموس۔

ف : مولانا ابوالسعود رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ بیر کا درخت دو قسم ہے :
ایک وہ جس کا پھل کھایا جاتا ہے اور اس کے پتوں کو پانی میں ڈال کر اس سے ہاتھ دھوئے جاتے ہیں اور غسل بھی کیا جاتا ہے۔
دوسرا وہ ہے جس کا پھل بالکل بیکار ہوتا ہے جسے کھایا نہیں جا سکتا۔ یہ جنگل میں ہوتا ہے، اسے الضال بھی کہتے ہیں۔
آیت میں یہی دوسرا مراد ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان کے باغات میں بہترین درخت تھے لیکن ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان کے باغات میں بہترین درختوں کی بجائے نہایت گندے درخت پیدا ہو گئے اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی بداعمالیوں کی سزا دی کہ ثمردار درخت تباہ و برباد کر کے کڑوے پھل والے درخت پیدا فرما دئے۔
ذٰلِكَ یہ اس مصدر کی طرف اشارہ ہے جو **جَزَيْنٰهُمْ** میں ہے۔ یہ محلاً منصوب ہے اس لیے کہ یہ اس فعل کا مصدر مؤکد ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی :

ذٰلك الجزاء الفظیع جزینٰهم لا جزاء آخر۔

یعنی ہم نے انہیں وہی سخت ترین اور بڑی سزا دی اس کے سوا نہیں اور کوئی سزا نہ دی گئی۔
یا ذٰلك کا اشارہ تبدیل وغیرہ کی طرف ہے تب بھی یہ محلاً منصوب ہے اس لیے کہ یہ جزیناھم کا مفعول ثانی ہے یعنی ہم نے انہیں ان کے باغات کے تبدیل کرنے کی سزا دی اس کے سوا انہیں اور کوئی سزا نہ دی گئی **بِمَا كَفَرُوْا** بسبب اس کے کہ انہوں نے کفرانِ نعمت کیا پھر ہم نے ان سے نعمت چھین لی اس کے بدلے اس کی نقیض انہیں دی یا یہ سزا انہیں بوجہ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کے ملی۔
ف : اس آیت سے ثابت ہوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیانی سالوں میں بھی انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے، اس لیے کہ یہ واقعہ فترت کے اس دور میں ہوا جو عیسیٰ علیہ السلام اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان میں گزرا۔

ازالہ وہم اس دورِ فترت میں ایسا کوئی نبی نہیں آیا جو صاحبِ کتاب ہو اسی لیے ہماری مذکورہ تقریر اس حدیث شریف کے منافی نہیں جس میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے

لیس بینی وبینه نبی۔
(عیسیٰ علیہ السلام اور میرے درمیان کوئی نبی نہیں آیا)

اس سے حضور علیہ السلام کی یہی مراد ہے کہ اس دور میں کوئی رسول اور کوئی نبی مستقل شریعت لے کر نہیں آیا۔ ہاں اس درمیان میں جو نبی بھی مبعوث ہوا تو وہ عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت پر مبعوث ہوا۔ اس

کی تقریر و تفصیل ہم نے بارہا بیان کی ہے۔
وَهَلْ نُجٰزِىٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ○ اور ایسی سزا صرف اسے دیتے ہیں جو نعمت کے کفران میں حد سے بڑھا ہوا ہو۔ یا اس سے کفر مراد ہے۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ ھل اگرچہ استفہامیہ ہے لیکن یہاں پر نفی کا فائدہ دیتا ہے اسی لیے اس کے بعد حرف استثناء واقع ہوا۔

ف: القاموس میں ہے کہ ھل استفہام کا کلمہ ہے لیکن کبھی بمعنے جحد کے بھی استعمال ہوتا ہے (جیسے آیت ہذا میں) کفر النعمۃ اور کفران النعمۃ بمعنے نعمت کو ڈھانپنا بایں معنی کہ اس کا شکر نہ کیا جائے اور نعمت کے انکار پر کفران کا بہت زیادہ استعمال آتا ہے اور لفظ الکفر دین کے انکار پر استعمال ہوتا ہے اور لفظ الکفود دونوں میں مستعمل ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ مومن شکر کرنے سے ظاہری باطنی نعمتوں کو مربوط کر لیتا ہے یعنی ایقان و تقویٰ و صدق و اخلاص و توکل و اخلاق حمیدہ نصیب ہوتے ہیں اور غیر شاکر ان نعمتوں کو کفران سے ٹھکراتا ہے اسی لیے اسے فقر و کفر و نفاق اور شک اور اوصاف ذمیمہ نصیب ہوتے ہیں جیسے بلعم کا حال ہوا اس نے ایک دن ایمان و توفیق پر شکر نہ کیا تو اس کا وہی حشر ہوا جو سب کو معلوم ہے۔ جب اہل کفر نے اپنے قلوب و ارواح کے باغات میں اشجار خبیثہ بوئے تو انہیں ثمرات بھی خبیث نصیب ہوئے اور انہیں وہی سزا ملی جس کے وہ مستحق تھے اور وہی کاٹا جو بویا اور اسی گڑھے میں گر پڑے جسے انہوں نے اپنے ہاتھوں سے کھودا، جیسا کہ ایک مثل مشہور ہے:

یداك اوکتا وفوك نفخ۔

یہ مثال اس وقت بیان کرتے جب کوئی اپنے ہاتھوں آپ زخمی ہو اور اپنے راستے میں خود کانٹے بچھائے۔ ایسے ہی کہا جاتا:

اوکأ علیٰ سقائه۔

یہ اس کے لیے بولتے ہیں جو اپنے مشکیزہ پر خود تاگہ باندھے۔ الوکأ بمعنے وہ تاگہ جو مشکیزہ کے منہ پر باندھا جائے

حدیث شریف اور حدیث شریف میں ہے:

فمن وجد خیرا فلیحمد اللّٰہ۔

(جسے خیر و برکت حاصل ہو اسے اللہ تعالیٰ کی حمد کرنی چاہیے)

اس لیے کہ حمد الٰہی تمام خیر و برکت اور رحمت کا سرچشمہ ہے اور جو اس کے سوا پائے یعنی اسے خیر و برکت اور بھلائی نصیب نہ ہو تو وہ اپنے آپ کو ملامت کرے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ داد حق اہل سبارا بس فراغ
صد ہزاراں قصر و ایوانہا و باغ

۲ شکر آں نگزاردند آں بدرگاں
در وفا بودند کمتر از سگاں

۳ مر سگاں را لقمۂ نانے ز در
چوں رسد بر در ہمی بندد کمر

۴ پاسبان و حارس در میشود
گرچہ بروے جور سختی می رود

۵ ہم براں در باشدش باش و قرار
کفر دارد کرد غیرے اختیار

۶ بے وفائی چوں سگانرا عار بود
بے وفائی چوں روا داری نمود

ترجمہ: (۱) حق تعالیٰ نے سبأ والوں کو مالی فراغت بخشی، لاکھوں محلات، بلڈنگیں اور باغات عطا فرمائے۔

(۲) ان بداصلوں نے اللہ تعالیٰ کا شکرادا نہ کیا، وفا میں کُتوں سے کمتر تھے۔

(۳) کیونکہ کتوں کو جب روٹی کا ٹکڑا ملتا ہے تو پھر وہ روٹی دینے والے کے دروازے پہ پڑے رہتے ہیں۔

(۴) وہ (کتا) اس کے دروازے کا پہرے دار اور نگران رہتا ہے اگرچہ اسے وہاں سے ہزاروں سختیاں اٹھانا پڑتی ہیں۔

(۵) وہیں پر اس کی بود و باش و قرار ہوتا ہے وہ اس کا در چھوڑنا کفر سمجھتا ہے۔

(۶) جب کتوں کو بے وفائی عار و ننگ ہے تو پھر اے انسان! تُو کیوں بے وفائی کرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ **وَجَعَلْنَا** اس کا عطف سبأ پر ہے اس کا بیان ہے جو انھیں نعمتیں ملیں جو امور خارجہ سے متعلق تھیں جیسے شہروں کی سیر اور تجارتی امور۔ اس سے قبل ان نعمتوں کا ذکر تھا جو ان کے اندرونی امور سے متعلق تھیں۔ مثلاً ان کے بہترین مکانات اور باغات وغیرہ، اور اس سے قبل بیان تھا کہ انہوں نے نعمتوں کو کیسے ٹھکرایا اور پھر اس کا کیا نتیجہ نکلا۔ اس آیت میں ان کے بقایا مضمون کا تکملہ ہے۔ تمام قصے کو یکجا بیان نہ کرنے میں تنبیہ و تذکیر ہو گی اس لیے کہ جس شے کو بار بار ذکر کیا جائے اس سے انسان کو تنبیہ و تذکیر ہوتی ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نے باوجودیکہ انہیں ان کے گھروں پر ہی بہترین نعمتیں بخشیں **بَيْنَهُمْ** ان کے مابین۔ یعنی ہم نے ان کے

بنی شہروں کے مابین بنایا **وَبَیْنَ الْقُرَی** اور درمیان شامی بستیوں کے **الَّتِیْ بَارَکْنَا فِیْهَا** وہ شامی بستیاں کہ جن میں ہم نے برکتیں نازل فرمائیں پانی اور اشجار و اثمار اور خوشحالی اور عیش و عشرت میں وفرت، جو اعلیٰ و ادنیٰ کو یکساں طور میسر تھی۔

حلِ لغات القریۃ ہر وہ جگہ جہاں لوگوں کا اجتماع ہو وہ شہر ہو یا تھوڑی آبادی۔ یہاں پر فلسطین، اریحا اور اردن وغیرہ مراد ہیں۔ البرکۃ بمعنے کسی شے میں اللہ تعالیٰ کی خیر و بھلائی کا ثبوت۔ المبارك ہر وہ شے جس میں وہی خیر و بھلائی ثابت ہو۔

قُرًى ظَاهِرَةً در اصل ظاهرة اس شے کو کہا جاتا ہے جو زمین کے اوپر سے مراد ہو اور باطن وہ جو زمین کے اندرونی حصّہ سے حاصل ہو لیکن وہ پوشیدہ ہو۔ عرف میں ہر وہ شے جو بصر و بصیرت کے لیے ظاہر ہو اسے ظاهرة وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی وہ بستیاں جو ایک دوسری کے ساتھ متصل اور قریب قریب تھیں اس معنے پر وہ ظاہرہ ہیں۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ اس کے اہل تھے یا یہ کہ ان کے راستوں پر تھیں راہ گیر مسافر سے دُور نہیں پڑتی تھیں۔

ف: بحر المعانی میں ہے کہ مآرب جو سبا والوں کا مسکن تھا سے لے کر شام تک درمیان چار سو سات بستیاں تھیں۔

وَقَدَّرْنَا التقدیر بمعنے اندازہ کرنا **فِیْهَا السَّیْرَ** السیر بمعنے زمین پر چلنا۔ یعنی ہم نے بعض بستیوں کو دوسری بعض کے درمیان ایک معین مسافت مقرر فرمائی ہے، ایسے بہتر طریق سے کہ ایک بستی سے صبح کو چلنے والا دوپہر کو دوسری بستی میں قیلولہ کر سکے۔ پھر دوپہر کے بعد چلے تو شام کو ایک اور بستی میں پہنچ جاتے اور وہاں شب باشی کے بعد اسی طرح آرام سے چلتے چلتے آسانی سے ملک شام میں پہنچ جائے اسے راستہ طے کرنے کے لیے زادِ راہ کی ضرورت نہ پڑے اور نہ ہی پانی ساتھ لے جائے یہ ان کی نعمتوں کی تکمیل ہے کہ علاوہ دیگر نعمتوں کے سفر و حضر میں ہر طرح کی نعمتوں سے نوازے ہوئے ہوں **سِیْرُوْا فِیْهَا** یہاں پر قول محذوف ہے یعنی انہیں لسانی قال و حال سے کہا گیا وہ اس لیے کہ جب انہیں سیر کی قدرت دی گئی اور اس کے لیے انہیں مکمل طور اسباب دئے گئے تو گویا اب انہیں اجازت دے کر فرمایا کہ ہم نے انہیں کہا کہ ان بستیوں میں اپنی ضروریات کے لیے جاؤ **لَیَالِیَ وَاَیَّامًا** جب چاہو راتوں میں جاؤ یا دنوں میں **اٰمِنِیْنَ** درانحالیکہ تم امن والے ہو امن بمعنے طمانیۃ النفس و زوال الخوف یعنی درانحالیکہ تم دشمنوں اور چوروں اور درندوں سے جن وجوہ سے تکلیف محسوس کرتے ہو اس سے امن و اطمینان اور چین پاؤ گے اس لیے کہ ان آبادیوں میں تمہاری کثرت ہو گی تو نہ دشمن حملہ کر سکیں گے اور نہ ہی چور آسکیں گے اور نہ ہی درندے، یا امن پاؤ گے بھوک اور پیاس بسبب اس کے کہ تمہاری بستیاں آباد اور سرسبز ہیں کسی وقت میں بھی تمہارے امن اور چین میں کمی

نہیں آئے گی یا یہ معنی نہیں کہ تم امن وچین سے زندگی بسر کرو اگرچہ تمہارا سفر کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو، خواہ سفر میں کئی راتیں بسر ہوں اور کئی دن سفر میں کٹ جائیں تب بھی تمہارے امن اور چین میں کمی نہیں آئے گی۔ یا یہ معنی ہے کہ تم اپنی زندگی کے دن اور رات امن اور چین سے گزارو گے۔ اپنی زندگی کے تمام لمحات میں امن اور چین پاؤ گے لیکن یہ امر حقیقی طور نہیں بلکہ صرف اس معنے پر کہ تمہیں سیر مذکور پر پوری قوت دی گئی ہے اور تمہاری سیر کے اسباب آسان بنا دئے گئے ہیں انہیں وجوہ سے تمہارے لیے حکم ہے فَقَالُوْا رَبَّنَا بَاعِدْ بَیْنَ اَسْفَارِنَا الباعدۃ والبعاد بمعنے کسی سے دور ہو یا اور کسی کو دور کرنا السفر، حضر کی نقیض ہے۔ دراصل پردہ ہٹانے کو کہا جاتا ہے مثلاً،

سفر الرجل فھو سافر وسافر۔

اسے مفاعلہ سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ بحالتِ سفر وہ مکان سے دُور ہو گیا اور مکان اس سے۔ اسی السفر سے السفرۃ مشتق ہے بمعنے سفر کا طعام اور چمڑے کا وہ چوڑا ٹکڑا جس پر طعام رکھا جائے یعنی دسترخوان۔ بعض اہل لغت نے کہا کہ السفر کو اس لیے سفر کہتے ہیں کہ وہ انسان کے اخلاق سے پردہ اٹھاتا اور نفوس کے دعاوی و دفائن کو ظاہر کرتا ہے۔

تفسیری قول مفسرین فرماتے ہیں کہ اہلِ سبا نعمتیں پا کر اکڑ گئے بلکہ کثرت عیش وعشرت سے اُکتا گئے اور تندرستی وعافیت سے ان کا جی بھر گیا اسی لیے دُکھ درد اور تکالیف کے اسی طرح خواہاں ہُوئے جیسے بنی اسرائیل نے من وسلوٰی سے اکتا کر لہسن اور پیاز وغیرہ مانگا اور کہنے کاش! یہ باغات اور پھل ہم سے کوسوں دُور ہوتے تاکہ ہمیں ان کی خواہش نہ ہوتی اور آرزو کی کہ شام اور ان کے شہروں کے درمیان باغات اور آبادی کے بجائے جنگلات ہوں تاکہ وہ سواریوں پر سفر کریں اور زادِ راہ کو سر پر اٹھا کر سفر کریں اور فقر وفاقہ اتنا کہ ہم دوسرے فقراء اور تنگدستوں پر فخر ومباہات کر سکیں یعنی دولتمندوں نے فقیروں اور تنگ دستوں پر حسد کیا کہ ہمارے اور ان کے درمیان سفر طے کرنے کا کوئی فرق نہیں اسی لیے اس امتیاز کے لیے دولتمند سوار ہو کر جائیں اور فقراء وتنگ دست پیدل فَقَالُوْا تو ان کے اغنیا نے کہا اے ہمارے پروردگار! ہمارے سفر میں بہت دُوری پیدا فرما دے یعنی ایک منزل سے دوسری منزل تک جنگل پیدا فرما دے تاکہ لوگ زادِ راہ اور سواری کے بغیر سفر نہ کر سکیں اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا فوراً قبول فرمالی یہاں تک کہ ان کے شہر فوراً تباہ وبرباد ہو گئے وہاں چٹیل میدان بنا دیا گیا کہ نہ کوئی بلانے والے کی بات سنے اور نہ ہی جواب دے۔ مثنوی شریف میں ہے؛ ؎

۱ آں سبا ز اہل صبا بودند وخام
کارشان کفران نعمت با کرام

باشد آن کفرانِ نعمت در مثال
۱ کہ کنی با محسن خود تو جدال
کہ نمی باید مرا این نیکوئی
۲ من برنجم زین چہ رنجہ می شوی
لطف کن این نیکوئی را دور کن
۴ من نخواہم عافیت رنجور کن
۵ پس سبا گفتند باعد بیننا
شیننا خیر لنا خذ زیننا
۶ ما نمی خواہیم این ایوان و باغ
نی زنان خوب و نی امن و فراغ
۷ شہرہا نزدیک ہمدیگر بدست
آن بیابا نست خوش کانجا دست
۸ یطلب الانسان فی الصیف الشتا
فاذا جاء الشتا انکر ذا
۹ فہو لا یرضی بحال ابداً
لا بضیق لا بعیش رغداً
۱۰ قتل الانسان ما اکفرہ
کلما نال ھدی انکرہ

ترجمہ :(۱) وہ سبا والے اہلِ صبا اور خام نکلے۔ بڑوں سے کفرانِ نعمت ان کی عادت ہوگئی۔

(۲) کفرانِ نعمت کی مثال یوں سمجھیے کہ گویا تم اپنے آقا کے ساتھ جنگ و جدال کر رہے ہو۔

(۳) گویا کہتے ہو مجھے ایسی بھلائی نہیں چاہیے مجھے تو اس سے رنج پہنچتا ہے تو پھر نعمت دے کر رنج کیوں اٹھا رہے ہو!

(۴) مہربانی کر کے مجھ سے یہ نعمت واپس لے لے مجھے عافیت نہیں چاہیے مجھے بیمار کر دے (اس سے میں خوش ہوں)

(۵) بعینہٖ اسی طرح سبا والوں نے کہا ہمیں آپس میں دور کر دے ہمیں عیب اچھا لگا ہے ہم سے زینت چھین لے۔

(۶) ہم یہ باغات محلات نہیں چاہتے، نہ حسین عورتیں چاہییں اور نہ فراعتِ مال۔
(۷) یہ شہر جو ہمارے قریب ہیں ہمیں اچھے نہیں لگتے بلکہ ہماری آرزو یہ ہے کہ ہم جنگلات میں ہوں اور ہمارے ساتھ درندے ہی درندے ہوں۔
(۸) انسان کا خاصہ ہے کہ گرمی میں سردی چاہتا ہے اور جب سردی آتی ہے تو پھر گرمی مانگتا ہے۔
(۹) وہ کسی حال پر بھی راضی نہیں، نہ تنگی سے خوش ہے نہ خوشحالی پر راضی ہے۔
(۱۰) اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا قتل الانسان الخ انسان پر مار ہو وہ کیا ناشکرا ہے کہ جب اسے ہدایت پہنچتی ہے تو اس کا انکار کرتا ہے۔

وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ اور انہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا جب کہ انہوں نے شرک کیا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کفران اور انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کر کے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے غضب وقہر کے پیش کیا فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ابن الکمال نے فرمایا احادیث جمع ہے لیکن اس کا واحد معنیٰ مراد ہے یعنی الحدیث۔ گویا پہلے اسے احدوثۃ پر پھر احادیث پر جمع بنایا گیا ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ ہم نے اہلِ سبا کو آنے والی نسلوں کے لیے خبریں اور نصیحت اور عبرت بنایا۔ اس حیثیت سے کہ لوگ تعجب کرتے ہوئے ایک دوسرے کو ان کے حالات سنائیں گے اور ان کے انجام وعاقبت سے عبرت حاصل کریں گے وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اور انہیں ہم نے مکمل طور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ یہ اس وقت ہے جبکہ ممزق کو مصدر کہا جائے۔ یا یہ معنی ہے کہ ہم نے انہیں پورے طور پھینکا، یا ہم نے انہیں تفریق کی جگہ پر پھینکا۔ اس معنے پر ممزق اسم مکان ہوگا تمزیق میں تفریق خاص کی طرف اشارہ ہے اور ان کی تخریق میں تہویل امر اور دلالۃ علی شدۃ التاثیر اور انہیں سخت درد میں مبتلا کرنا مطلوب ہے جیسا کہ اہلِ فہم پر روشن ہے یعنی انہیں ایسی تفریق وتخریق وتمزیق میں مبتلا کیا کہ اس کی نظیر محال ہے بلکہ اس کے بعد کوئی تفریق اگر ہوگی تو اس کی مثال اسی تفریق کو بنایا جائے گا یعنی یوں کہا جائے گا کہ سبا والے متفرق ہوئے اور ہر جانب سے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے گا اور وہ چند قبیلے تھے جو سبا کی اولاد سے تھے پھر وہ مختلف شہروں میں پھیل گئے بعض مأرب میں ٹھہرے رہے۔ قبیلہ غسان شام کو چلے گئے اور قضاعہ مکہ میں پہنچے اور اسد بحرین میں اور انمار یثرب میں، یثرب جسے بعد میں مدینۃ الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا گیا اور جذام تہامہ میں اور ازدعمان میں مقیم ہوئے اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ ان کے قصۂ مذکور میں لَاٰيٰتٍ البتہ بہت بڑی آیات اور دلالتِ کثیرہ اور عبرتیں اور حجتیں واضحہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت پر دلالت کرتی ہیں۔ بعض نے کہا کہ آیات کو جمع اس لیے لایا گیا کہ وہ لوگ

منفرق گروہ ہو گئے ان کا ہر گروہ ایک مستقل آیت تھی لِّكُلِّ صَبَّارٍ گنا ہوں اور شہوات و خواہشات نفسانی سے صبر کرنے والے کے لیے یا اس سے بلاؤں اور مشقتوں اور طاعات پر صبر کرنے والے مراد ہیں شَكُوْرٍ ہر وقت اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرنے والے یا اس سے مومن کامل مراد ہے اس لیے ایمان کے دو حصے ہیں ایک حصے کا نام صبر، دوسرے کا نام شکر ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے اہل سبا بہت خوشحال اور فارغ البال زندگی بسر کرتے تھے بوجہ بے صبری بر عافیت اور ناشکری بر نعمت، انہیں جو ہوا سو ہوا ؎

اے روزگار عافیت شکرت نگفتم لاجرم
دستے کہ در آغوش بود اکنون بدندان می گزم

ترجمہ: اے زمانہ تیری دی ہوئی عافیت پر میں شکر نہ کر سکا اس وقت کہ جب مجھے فرصت تھی تو کچھ نہ کر سکا لیکن اب افسوس کر رہا ہوں۔

اور مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ چون ز حد بردند اصحاب سبا
کہ بہ پیش ما وبا بہ از صبا

۲ ناصحا نشان در نصیحت آمدند
از فسوق و کفر مانع می شدند

۳ قصد خون ناصحان می داشتند
تخم فسق و کافری می کاشتند

۴ بہر مظلومان ہمی کندند چاہ
در چہ افتادند و می گفتند آہ

---

۵ صبر آرد آرزو رانی شتاب
صبر کن و اللہ اعلم بالصواب

ترجمہ: (۱) جب سبا والے (ناشکری میں) ایسے حد سے گزرے (کہ کہتے تھے) ہمیں صبا کے بجائے وبا چاہیے۔
(۲) ناصح لوگوں نے نصیحت کی انہیں فسق و فجور سے بہت روکا۔
(۳) الٹا ناصحین کے قتل کے درپے ہو گئے، فسق و کفر کا بیج بوتے تھے۔
(۴) مظلوموں کے لیے کنویں کھودتے، خود کنویں میں گر کر کہتے ہائے ہائے!

(۵) آرزو کے مطابق کام اس وقت ہوگا جب صبر کرو گے۔ اسی لیے میرا مشورہ ہے کہ صبر کرو (واللہ اعلم بالصواب)

ف: بعض کبار (مشائخ) نے فرمایا کہ طلبِ دنیا اور اس کی خواہشات میں مبتلا ہونا درحقیقت اللہ تعالیٰ سے اور اس کے حضور سے دوری طلب کرنے کے مترادف ہے۔ ویسے دنیا اور خواہشات نفسانی میں مبتلا ہونا اور ان کی طرف رغبت کرنا نفس کی کمینگی اور عقل کی خفت کی دلیل ہے بلکہ نفس پر ظلم کرنا ہے اور جسے دُنیا اللہ تعالیٰ سے دُور کردے وہ شخص اہلِ طلب کے لیے عبرت کا سبب بنتا ہے اور وہ شخص ہلاکت کی وادی میں تباہ و برباد ہوتا ہے اسی لیے دنیا اور اس کی شہوات سے بچنے پر صبر ضروری ہے اور جسے اس کی رغبت اور شہوت سے نجات نصیب ہو جائے اسے اس نعمت پر شکر کرنا لازمی ہے اور جسے عبودیت کی توفیق میسر آئے اسے بھی شکر کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی طرف رغبت کرنے والوں سے بنائے اور اپنے پر اعتماد کرنے والوں سے بنائے اور ہمیں اپنے راستہ سے ہٹنے سے بچائے اور ارشاد حق راہ کے بعد گمراہی سے محفوظ فرمائے اور نیکی کی توفیق عطا فرمائے۔ وہی رحمان ہے ہمارے قلوب اسی کے قبضے میں ہیں، وہی ہمیں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پھیرتا ہے جیسے چاہتا ہے۔

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ التصدیق بمعنے راست پانا علیھم کی ضمیر اہلِ سبا کی طرف راجع ہے اس لیے کہ ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ ضمیر الناس کی طرف راجع ہے جیسا کہ آنے والا مضمون اس کا شاہد ہے۔ ابلیس، ابلاس سے مشتق ہے بمعنے وہ حُزن جو شدتِ یاس (ناامیدی) سے عارض ہو۔ المفردات میں ہے ابلیس بمعنے یئس و تحیّر۔ اسی سے ابلیس مشتق ہے یا یہ عجمی لفظ ہے اور الظن بمعنے اعتقاد راجح جس میں اس کی نقیض کا بھی احتمال ہو مظنۃ الشئ بکسر الظاء وہ جگہ جہاں اس کے وجود کا گمان ہو۔

اب معنی یہ ہوا کہ بخدا ابلیس نے جب اہلِ سبا کو شہوات میں گرفتار پایا تو اس نے اپنے گمان کو سچا پایا۔

فَاتَّبَعُوهُ اہلِ سبا نے شرک و معصیت میں ابلیس کی تابعداری کی **إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ** مگر ایک گروہ جو اہلِ ایمان تھا انہوں نے شیطان کی تابعداری نہ کی اور وہ گروہ دوسرے لوگوں سے علیحدہ رہا۔ یہ من بیانیہ ہے یعنی وہ جماعت جو اہلِ ایمان تھی انہوں نے دین کے اصولی مسائل میں شیطان کی اتباع نہ کی اور چونکہ وہ بہ نسبت کفار کے قلیل تھے اسی لیے انہیں فریقاً سے تعبیر کیا گیا ہے یا من تبعیضیہ ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اہلِ ایمان کے بعض لوگوں نے اتباع نہ کی اس سے مخلصین لوگ مراد ہیں یا یہ معنیٰ ہے کہ شیطان نے بنی آدم پر اپنے گمان کو سچا پایا کہ انہوں نے اس کی اتباع کی سوائے اہلِ ایمان کے ایک گروہ کے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب شیطان نے دیکھا

یہ آدم نے اس کے وسوسہ کو قبول کر لیا ہے تو سمجھا کہ آپ کی اولاد تو اس سے اور کمزور ہو گی اس لیے یقین کر لیا کہ انہیں بہت جلد گمراہ کر لے گا۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ ابلیس لعین نے گمان کیا تھا کہ بنو آدم کی فطرت میں یہ شہوت وغضب کا مادہ ہے اس کی وجہ سے انہیں بہت جلد گمراہ کروں گا۔ چنانچہ وہ اس گمان فاسد میں سچا نکلا۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جب اس نے کہا کہ میں ناری ہوں اور آدم علیہ السلام خاکی۔ نار مٹی کو کھا جاتی ہے اس لیے میں اُن پر غالب ہو جاؤں گا (چنانچہ وہ اپنے گمان میں سچا نکلا) جب ملائکہ نے کہا :

اتجعل فیہا من یفسد فیہا و یسفک الدماء۔

(کیا تو اس میں اسے خلیفہ بناتا ہے جو اس میں فساد برپا کرے گا اور خونریزی کرے گا)

تو ابلیس نے یہی گمان کیا تو اب وہ اپنے گمان میں سچا نکلا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ شیطان کو یقین نہیں تھا کہ وہ بنو آدم کو گمراہ کر سکے گا بلکہ اس کا یہ گمان تھا کہ وہ صرف ان لوگوں کو گمراہ کر سکے گا جو اللہ و رسول (جل جلالہ، وصلی اللہ علیہ وسلم) کے نافرمان ہوں گے لیکن جب اس نے کفر و معاصی کی طرف رغبت دلانے کا جال پھیلایا تو سمجھا کہ یہ لوگ تو میری گمراہی کو قبول کرنے کے لیے مستعد ہیں حالانکہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے پھر وہ گمراہی پھیلانے لگا تو ان میں سے بعض نے اپنی خواہشات نفسانی پر شیطان کی اتباع کی جیسے اس نے حکم فرمایا اس طرح سے اس نے اپنے گمان کو سچا پایا۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

۱ نہ ابلیس در حق ما طعنہ زد
کز اینان نیاید بجز کار بد

۲ فغان از بدیہا کہ در نفس ماست
کہ ترسم شود ظن ابلیس راست

۳ چو ملعون پسند آمدش قہر ما
خدایش برانداخت از بہر ما

۴ کجا سر برآریم ازین عار و ننگ
کہ با او بصلحیم و با حق بجنگ

۵ نظر دوست نادر کند سوے تو
چو در روے دشمن بود روے تو

۶ ندانی کہ کمتر نہد دوست پائے
چو بیند کہ دشمن بود در سرائے

ترجمہ (۱): کیا ابلیس نے ہم کو طعنہ نہیں دیا تھا کہ ان سے برائی کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

(۲) ہمارے نفوس میں جو برائیاں ہیں ان سے فریاد ہے مجھے خطرہ ہے کہ کہیں ابلیس کی بدگمانی صحیح نہ ہو جائے۔

(۳) جب خبیث کو ہمارا نقصان مدنظر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے صرف ہماری خاطر آپ کو راندۂ درگاہ بنایا۔

(۴) پھر ہم عار وننگ کے مارے کب سر اٹھانے کے قابل ہیں کہ اب ہماری حق تعالیٰ سے جنگ اور ابلیس سے صلح ہے۔

(۵) دوست کی نگاہ تجھ پر ہرگز نہ پڑے گی جبکہ تمہاری اس کے دشمن کے ساتھ دوستی ہو۔

(۶) کیا دیکھتے نہیں ہو کہ دوست تیرے گھر آنا چھوڑ دیتا ہے جب دیکھتا ہے کہ اس کا دشمن تیرے گھر میں ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِم مِّن سُلْطَانٍ اور نہیں ہے ابلیس کے لیے کوئی تسلط۔ السلطان بمعنے القھر والغلبہ جسے قہر وغلبہ حاصل ہو اسے سلطان سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہاں پر تسلط واستیلاء سے وسوسہ اور گمراہی میں ڈالنے کی جدوجہد مراد ہے ورنہ وہ نہ تو کسی پر تلوار اٹھاتا ہے اور نہ لاٹھی إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يُؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي شَكٍّ مگر تا کہ ظاہر کر کے دکھلائیں کہ کون آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور کون اس کے بارے شک میں ہے۔ یہ اعم العلل سے مستثنیٰ مفرغ ہے اور مَنْ موصولہ بوجہ لنعلم کے منصوب ہے العلم بمعنے شے کا اس کی حقیقت کے ساتھ ادراک کرنا اور اللہ تعالیٰ کی ایک صفت عالم بایں معنی ہے کہ اس سے کوئی شے مخفی نہیں۔ الشك بمعنے انسان کے ذہن میں دو نقیضوں کا برابر ہونا اور من کا صلہ جملہ فعلیہ لانے میں اس کے حدوث کی طرف اشارہ ہے جیسے دوسرا جملہ اسمیہ لانے میں اس کے دوام کی طرف اشارہ ہے۔

نکتہ: ایمان کے مقابلہ میں شک کے لانے میں اشارہ ہے کہ انسان کے کفر کے ادنیٰ مرتبہ میں قدم رکھنے سے کفر کی وادی میں ڈوب جاتا ہے پھر وہی شک اسے محیط ہو کر ورطۂ کفر میں غرق کر دیتا ہے۔

ف: صلہ کی تقدیم پھر فعل کا صلہ لفظ مِن لانا حالانکہ یہاں صلہ فی ہونا تھا اس میں مبالغہ مطلوب ہے نیز تنبیہ کرنا ہے کہ وہ معاملہ اتنا شدید ہے کہ اس کا زوال ناممکن ہے اس لیے کہ جب شک کا یہ

حال ہے کہ جیسے چھٹے اس سے اس کا زوال ناممکن ہے تو پھر جو کفر یقینی میں ہو اس کا کیا حال ہوگا یعنی اس کی فلاح یقیناً محال ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ابلیس کا ان پر تسلط صرف اسی لیے ہوتا تاکہ ہمارے علم کا تعلق اس کے ساتھ ہو ان میں آخرت پر کون ایمان لاتا ہے اور کون اس کا انکار کرتا ہے" تاکہ ان پر جزا و سزا مرتب ہو سکے۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ کا علم قدیم اور اس کا تعلق حادث ہے اور وہ تعلق اس وقت ہوتا ہے جب مکلف عالم شہادت میں موجود ہو۔

ازالۂ وہم اس سے اللہ تعالیٰ پر بدگمانی نہ کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس سے قبل نہ اہلِ ایمان کو جانتا تھا نہ اہلِ کفر کو، پھر ابلیس کو ان پر مسلّط کر کے معلوم کیا کہ ان میں مومن کون ہے اور کافر کون۔ وہ بدگمانی اس لیے نہ ہونی چاہیے کہ مومن و کافر کو اسی نے ہی پیدا فرمایا یہ اسی کی قدرت و حکمت ہے اسی نے اپنی قدرت سے اہلِ کفر کی استعداد پر کافر اور اہلِ ایمان کی استعداد ایمانی پر مومن پیدا فرمایا۔

حدیث شریف میں ہے: خلق الجنۃ وخلق لہا اھلا وخلق النار وخلق لہا اھلا۔

(بہشت بنائی تو اس کے بسنے والے بھی بنائے اور دوزخ بنائی تو اس کے اندر مقیم ہونے والوں کو بھی پیدا فرمایا)

وقال تعالیٰ:

ولقد ذرأنا لجہنم کثیرا من الجن والانس۔

(ہم نے جہنم کے لیے بہت سے جن وانس پیدا فرمائے)

مسئلہ: اللہ تعالیٰ انس و جن کی تخلیق سے پہلے ہی ازل سے جانتا ہے کہ کون مومن ہے اور کون کافر!

نکتہ: بنی آدم پر شیطان کو اس لیے مسلّط فرمایا تاکہ معدنِ انسانیت سے ان کے جواہر ظاہر ہوں جیسے آگ کو معدنیات پر مسلط فرمایا تاکہ ان کے جواہر میں امتیاز ہو سکے اگر معدنیات سونے کے ہیں تو ان سے سونا ظاہر ہوگا اگر قلعی کے ہیں تو ان سے قلعی ظاہر ہوگی۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ آگ سونے کو قلعی اور قلعی کو سونا بنا دے۔ ایسے ہی انسان بھی معدنیات ہیں ان پر شیطان کو مسلّط کر کے ظاہر کر دیا کہ وہ ناری اپنے وسوسہ کی پھونک سے ظاہر کر دے کہ ان میں کیسا جوہر ہے۔ بہر حال شیطان کا کام محض ان کے جواہر کو ظاہر کرنا ہے ؎

در زمین گر نیشکر ور خود نے است ترجمان ہر زمین بنت وے است

ترجمہ : زمین اگر گتا ہے یا نے، زمین کا ترجمان ہر شے کا اپنا بیج ہے۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر العلم بمعنے تمیز ہے۔
اب معنیٰ یہ ہُوا کہ شیطان کو انسانوں پر اس لیے مسلط فرمایا تاکہ آخرت کو ماننے اور نہ ماننے والے میں امتیاز ہو۔

ربط : اس کی علت بتائی کہ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ○ اور نیز اپروردگار ان سب کا نگہبان ہے۔ حفیظ بمعنے محافظ ہے اس لیے کہ فعیل و مفاعل دونوں صیغے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ حفیظ وہ ہے جو ہر شے کی اسی طرح حفاظت کرے جس لائق وہ شے ہے اور انسانوں میں حفیظ وہ ہے جو اعضاء کی اسی طرح حفاظت کرے جیسے ان کی حفاظت کے وہ لائق ہیں ایسے ہی شرعی امور اور امانات وودیعات کی حفاظت کرے۔ ایسے ہی اپنے دین کو غضب اور شہوت کی خرابی اور نفس کے دھوکے اور شیطان کے فریب سے بچائے۔ اس لیے کہ وہ گرنے والے کنارے پر کھڑا ہے اور یہ عادات قبیحہ اسے پکڑ کر گرانے کا کام کرتی ہیں اور اسے دار البوار (جہنم) میں لے جانے کے لیے ہیں۔

روحانی نسخے بعض حکمائے الٰہیہ نے فرمایا : ان نسخوں سے دین کی حفاظت ہوتی ہے :

(۱) دینی امور میں جدوجہد
(۲) نیک اعمال پر مواظبت
(۳) ترکِ معاصی
(۴) استعمالِ مسواک
(۵) نیند بہت کم کرنا
(۶) رات کو اٹھ کر نوافل (تہجد) پڑھنا
(۷) قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھنا
(۸) شہد کھانا
(۹) منہ نہار شکر کے ساتھ کندر ملا کر کھانا
(۱۰) روزانہ منہ نہار اکیس عدد سرخ انگور کھانا۔

درندوں سے حفاظت جو شخص الحفیظ لکھ کر اپنے اوپر لٹکا لے تو اس پر درندوں کا حملہ نہ ہوسکے گا۔

حکایت ذوالنون حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دن مجھے گھر سے باہر نکلنے پر دل نے مجبور کیا دریائے نیل کے کنارے چل پڑا، ایک بچھو کو دیکھا کہ بھاگا جا رہا ہے۔ میں اس کے پیچھے ہو لیا۔ وہ ایک مینڈک کے قریب پہنچا۔ مینڈک نے اسے پیٹھ پر اٹھا کر دریا پار کرا دیا۔ میں نے بھی کشتی پر سوار ہو کر اس کا تعاقب کیا۔ بچھو دریا سے باہر نکلتے ہی دوڑا ایک نیند بھرنے والے نوجوان کے سرہانے پہنچ گیا وہاں ایک اژدہا بیٹھا تھا۔ دونوں آپس میں لڑتے لڑتے مر گئے اور اس نوجوان کی جان بچ گئی۔

حکایت حضرت ابراہیم الخواص رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں مکہ معظمہ کے سفر میں تھا کہ مجھے ایک ویرانے میں شب باشی کرنا پڑی، اچانک دیکھا کہ بہت بڑا درندہ میرے درپے ہے۔ میں اس سے

(باقی صفحہ ۸۱۴)

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ ۚ لَا
تم فرماؤ پکارو انہیں جنہیں اللہ کے سوا سمجھے بیٹھے ہو وہ ذرہ بھر

يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ
کے مالک نہیں آسمانوں میں اور نہ زمین میں

وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيرٍ ﴿٢٢﴾ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ
اور نہ ان کا ان دونوں میں کچھ حصہ اور نہ اللہ کا ان میں سے کوئی مددگار اور اس کے پاس شفاعت کام

عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ۚ حَتَّىٰ إِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ۖ
نہیں دیتی مگر جس کے لیے وہ اذن فرمائے یہاں تک کہ جب اذن دے کر ان کے دلوں کی گھبراہٹ دور فرما دی جاتی ہے ایک

قَالُوا الْحَقَّ ۖ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿٢٣﴾ قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ
دوسرے سے کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا ہی بات فرمائی وہ کہتے ہیں جو فرمایا حق فرمایا اور وہی ہے بلند بڑائی والا تم فرماؤ کون جو تمہیں روزی دیتا ہے آسمانوں

قُلِ اللَّهُ ۖ وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَىٰ هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٢٤﴾ قُلْ لَا تُسْأَلُونَ
اور زمین سے تم خود ہی فرماؤ اللہ اور بیشک ہم یا تم یا تو ضرور ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں تم فرماؤ ہم نے تمہارے گمان میں اگر کوئی

عَمَّا أَجْرَمْنَا وَلَا نُسْأَلُ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢٥﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا
جرم کیا تو اس کی تم سے پوچھ نہیں نہ تمہارے کوتکوں کا ہم سے سوال تم فرماؤ ہمارا رب ہم سب کو جمع کریگا پھر ہم میں سچا فیصلہ فرمادے گا

بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ ﴿٢٦﴾ قُلْ أَرُونِيَ الَّذِينَ أَلْحَقْتُمْ بِهِ شُرَكَاءَ ۖ كَلَّا ۚ
اور وہی ہے بڑا نیاؤ چکانے والا سب کچھ جانتا تم فرماؤ مجھے دکھاؤ تو وہ شریک جو تم نے اس سے ملائے ہیں ہشت بلکہ

بَلْ هُوَ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢٧﴾ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَ
وہی ہے اللہ عزت والا حکمت والا اور اے محبوب ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے

نَذِيرًا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٨﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِنْ
خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا لیکن بہت لوگ نہیں جانتے اور کہتے ہیں یہ وعدہ کب آئے گا اگر تم

كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٩﴾ قُلْ لَكُمْ مِيعَادُ يَوْمٍ لَا تَسْتَأْخِرُونَ عَنْهُ سَاعَةً وَلَا
سچے ہو تم فرماؤ تمہارے لیے ایک ایسے دن کا وعدہ جس سے تم نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکو نہ آگے

تَسْتَقْدِمُونَ ﴿٣٠﴾
بڑھ سکو

تفسیر عالمانہ

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ان لوگوں سے فرمائیے جن کا گمان ہے۔ اس سے مشرکین مراد ہیں۔ اس آیت میں ان لوگوں کے

گندے عقائد وغلط مسائل کا اظہار اور ان کو بدگوئی سے خاموش کرانا مطلوب ہے۔ ادعوا بمعنے نادوا ہے۔ القاموس میں ہے کہ الزعم وہ قول نقل کرنا جس میں جھوٹ کا شائبہ ہو۔ اسی لیے قرآن مجید میں ہر جگہ اس کے قائلین کی مذمت کی گئی ہے۔ (مفردات)

یہاں مراد یہ ہے کہ اے مشرکو! تم نے جنہیں معبود بنا رکھا ہے انہیں بلاؤ۔ زعم کے دو مفعول ہیں ایک ضمیر، جو کہ در اصل زعمتموھم تھا اور اسے محذوف کر دیا گیا ہے اور وہ ضمیر ھُمْ الذین کی طرف راجع ہے اس کا حذف کرنا بوجہ تخفیف کے ہے تا کہ موصول مع صلہ اور پھر ضمیر کے ساتھ کلام طویل نہ ہو جائے دوسرا مفعول آلھۃ ہے جس کے قائم مقام مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ہے۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ اے مشرکو! جنکی تم اللہ کے سوا یعنی بتوں کی پرستش کرتے ہو تم بلاؤ ان امور میں جو تمہیں درپیش ہوتے ہیں یعنی نفع کے حصول اور ضرر کے دفع کرنے میں تو وہ تمہیں جواب دیں گے اگر تمہارا دعوٰی صحیح ہو اس کے جواب میں فرمایا تا کہ معلوم ہو کہ ایسوں کو ایسا جواب دینا چاہیے۔ اور یہ بھی ہے کہ مخالف کے مقابلہ میں مکابرہ قابل قبول نہیں اسی لیے ان کے حال کو جملہ مستانفہ کے طور پر بیان فرمایا لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وہ ذرہ برابر بھی کسی شے کے مالک نہیں، نہ وہ کسی کو نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ مثقال اور ذرۃ کا معنی سورۃ ہذا کے اوائل میں بیان ہو چکے ہیں فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ کہ آسمانوں میں نہ زمینوں میں یعنی کسی ایک کام کے بھی مالک نہیں اور صرف آسمان و زمین کی تخصیص اس لیے کی ہے کہ عوام میں جملہ امور کی نفی کے لیے صرف انہی کا بیان ہوتا ہے اور اس سے جملہ امور کی نفی مراد ہے جیسے صحابہ کرام کی جملہ جماعت مراد لیتے وقت صرف مہاجرین وانصار کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں یا اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین کے بعض معبود آسمانی تھے جیسے ملائکہ اور ستارے اور بعض زمینی جیسے بت وغیرہ یا اس لیے کہ خیر و شر کے اسباب قریبہ یا آسمانی ہیں یا زمینی وَمَا لَهُمْ اور ان بتوں کے لیے نہیں فِيْهِمَا آسمانوں اور زمینوں میں مِنْ شِرْكٍ

۸۱۱

گھبرا گیا تو مجھے ہاتف نے آواز دی: اے ابراہیم! گھبرائیے مت، اس لیے کہ ستر ہزار فرشتہ تیرے اردگرد تیری حفاظت کر رہا ہے۔

سبق یہ اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم ہے جو اپنے بندوں پر کرتا ہے اور یہ ان کے نیک اعمال کا نتیجہ ہے کہ کوئی عمل اس کے دائیں جانب حفاظت کرتا ہے تو کوئی بائیں جانب۔ نیک اعمال کی برکت سے وہ آفات و بلیات سے محفوظ رہتا ہے۔

دعا اے اللہ! تو اپنی آنکھوں سے ہماری حفاظت فرما جو نہیں سوتیں اور اپنی مہربانی کے ساتھ ہمیں محفوظ فرما کہ وہ کبھی غفلت نہیں کرتیں۔ اور اپنی قدرت کاملہ سے ہمارے حال پر رحم فرما، ہمیں تباہ و ہلاک نہ کر، تو ہی ہمارا بھروسا اور ہماری امید گاہ ہے اور تو ہی ارحم الراحمین ہے۔

شرکت ہیں سے نہ تخلیق کے لحاظ سے اور نہ ملک اور تصرف کے اعتبار سے وَمَا لَهٗ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے لیے مِنْهُمْ ان کے بتوں سے مِّنْ ظَهِيْرٍ۝ کوئی حامی کار جو آسمانوں اور زمینوں کے امور کی تدبیر میں اس کی مدد کریں ۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی جملہ مخلوق کے ہر فرد سے بے نیاز ہے اور ان کے بت ہر شے سے عاجز ترین ہیں ۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

۱ نیست خلقش را دگر کس مالکے
شرکتش دعوی کند جز ہالکے

---

۲ ذات او مستغنیست از یاوری
بلکہ یابد عون ازو ہر سروری

ترجمہ :(۱) مخلوق میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مالک نہیں اس کے ساتھ شرکت کے مدعی کو سوائے تباہی اور بربادی کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا ۔

(۲) اس کی ذات سے ہر ایک مدد چاہتا ہے بلکہ ہر سرور اسی سے مدد چاہتا ہے ۔

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ ۔ الشفاعة بمعنی طلب العفو والفضل للغیر من الغیر یعنی غیر کے لیے غیر سے عفو وفضل مانگنا ، یعنی سفارش کنندہ مشفوع لہ کی نجات اور اس کے ثواب کی زیادتی چاہتا ہے اسی لیے شفاعت اپنی دعا کے لیے استعمال نہیں ہوتی ۔

ف : اُمت کے لیے نبی علیہ السلام کی شفاعت بمعنی وسیلہ ہے یعنی اُمت اپنے نبی علیہ السلام کے لیے مقامِ وسیلہ چاہتی ہے وہ اس لیے کہ شفاعت میں شرط ہے کہ شفیع مشفوع لہ سے عالی ہو یا یہ کہ مشفوع لہ عاجز ہو اور یہ دونوں نبی علیہ السلام کی شان کے لائق نہیں عِنْدَهٗ اللہ تعالیٰ کے ہاں جیسا کہ مشرکین کا عقیدہ تھا کہ ان کے بُت ان کے لیے شفاعت کریں گے یہ ان کا عقیدہ مبنی بر فساد ہے اس لیے کہ بُت اللہ تعالیٰ کے ہاں شفاعت کرنے کے اہل نہیں اور ان میں شفاعت کا مادّہ ہے ہی نہیں ۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

من ذا الذی یشفع عندہٗ الا باذنہ ۔

اس آیت میں نفیِ شفاعت کو نفعِ شفاعت سے معلق فرمایا اس میں وقوعِ شفاعت کی نفی کی تصریح نہیں بلکہ ان کی غرض (جو وقوعِ شفاعت تھی) کی نفی کی گئی ہے ۔

اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ مگر اس کے لیے شفاعت کا حق ہوگا جس کے لیے اللہ تعالیٰ کی اجازت ہوگی یہ اعم الاحوال سے استثناء مفرغ ہے یعنی کسی حال میں بھی کسی کو شفاعت کی اجازت نہ ہوگی مگر اس کے لیے اس کی اجازت ہوگی ۔ جسے اللہ تعالیٰ کی اجازت نصیب ہو اس لیے کہ شفاعت کے مستحق خود اللہ تعالیٰ

نے مقرر فرمائے ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ سے استحقاق حاصل نہیں وہ کبھی کسی کی شفاعت نہیں کر سکتے۔
اسی لیے انہیں ان کی شفاعت کے نفع کی امید رکھنا بے سُود ہے کیونکہ اگر فرض کیا جائے کہ جنہیں اللہ تعالیٰ
کی طرف سے شفاعت کی اجازت ہی نہیں ان سے شفاعت کی امید رکھنے ہیں واضح ہے کہ وہ صاف طور
اپنے لیے شفاعت کی محرومی کا ثبوت دے رہے ہیں اور آیت سے دلالۃ النص کے طور معلوم ہوا کہ
وہ شفاعت نہیں کر سکتے اس لیے کہ جب ثابت ہو گیا کہ ان سے شفاعت کی اُمید رکھنے والے محروم
ہیں تو شفاعت کنندہ کی شفاعت کرنے سے محرومی بطریقِ اُولیٰ ثابت ہے۔ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ
عَنْ قُلُوْبِهِمْ التفزیع اضداد سے ہے اس لیے کہ اس میں تخویف اور ازالۃ الخوف دونوں معانی
پائے جاتے ہیں۔ الفزع بمعنے ڈرانا اور غم لے جانا اور لفظ عَن سے متعدی ہوتا ہے جیسے یہاں
آیت میں ہے اور فزع وہ انقباض جو انسان پر مخیف سے طاری ہوتا ہے۔ یہ بھی جزع کی جنس سے ہے
اسی لیے فزعت من اللہ نہیں کہا جا سکتا، ہاں خفت منہ کہا جا سکتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ
یہاں تک کہ شفیع اور مشفوع لہم یعنی اہلِ ایمان کے قلوب سے گھبراہٹ ہٹائی جائے گی۔ اور کفار و
مشرکین تو شفاعت کے معاملہ میں بالکل محروم ہوں گے اسی لیے وہ تفزیع القلوب کے معاملہ سے
ہزاروں کوس دُور ہوں گے اور حتّٰی اس غایت کے لیے ہے جس کی خبر دی جا رہی ہے یعنی وہ جو پہلے
گزرا ہے کہ شفاعت وہ کر سکیں گے جنہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہو گی۔ اس میں بتایا گیا ہے
کہ مشفوع لہم کو کافی انتظار کے بعد شفاعت نصیب ہو گی۔ گویا یہ ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ کہ
انہیں شفاعت کی اجازت کیسے ملے گی؟ جواب ملاکہ مشفوع لہم میدانِ قیامت میں بڑی گھبراہٹ اور
حُزن و ملال میں کافی عرصہ تک منتظر رہیں گے یہاں تک کہ بہت بڑی بحث و تمحیص کے بعد ان کی گھبراہٹ دُور
ہو گی اور انہیں خوشخبری دی جائے گی کہ اب تمہارا مدعا پُورا ہوا قَالُوْا مشفوع لہم کہیں گے ہم نے
اس کی ضمیر مشفوع لہم کی طرف اس لیے لوٹائی ہے کہ وہی اذنِ شفاعت کے محتاج ہوں گے اور اسی امر
کی ضرورت انہیں ہو گی مَاذَا کیا شے ہے قَالَ رَبُّكُمْ اذنِ شفاعت کے متعلق تمہارے رب تعالیٰ
نے فرمایا ہے قَالُوْا شفاعت کرنے والے کہیں گے ہم نے یہ ضمیر شفعاء کی طرف اس لیے لوٹائی ہے
کہ خوشخبری سنانے والے اور بندوں اور اللہ تعالیٰ سے اذن شفاعت کے بالذات یہی واسطہ بنیں گے
الْحَقَّ یعنی جو کچھ تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے وہ حق ہے یعنی مستحقین کے لیے اذن شفاعت کا
حکم ربانی ہے اور وہ حق ہے وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝ یہ شفعاء کی گفتگو کا تتمہ ہے وہ یہ گفتگو
اعتراف کے طور پر کہیں گے کہ ہمارا رب تعالیٰ بہت بڑی عظمت والا اور اس کی جناب کی بہت زیادہ عزت
ہے اور اس کے ماسوا ہیں ہر طرح کا قصور اور کمی ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ علو و کبریائی کی شان میں منفرد اور اپنی
ذات و صفات میں منفرد اور قول و فعل میں بے عدیل ہے مخلوق میں کتنی ہی بڑی شان و عزت کا مالک ہو

تاہم اس کی اجازت کے بغیر گفتگو نہیں کر سکے گا۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ علی وہ ہے جو قہر و اقتدار کے لحاظ سے تمام مخلوق سے فوقیت رکھتا ہو۔ اور علی بمعنے رفیع القدر بھی آیا ہے۔ اور یہ جب اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوگا تو معنیٰ ہوگا کہ وہ اس سے بلند ہے کہ کوئی اس کے وصف کا احاطہ کر سکے بلکہ عارفین کے علم بھی اس کے وصف بیان کرنے سے عاجز ہیں اور اس وصف کو مطلقاً انسان کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں۔ ہاں مجازاً جائز ہے اس لیے کہ بندے کو وہ تفوق کہاں جو کہ وہاں تک پہنچنے کے بعد اور کوئی درجہ نہ ہو، ہاں ایسے درجات تک پہنچنا ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کا کام ہے لیکن ان کے لیے ان درجات تک پہنچنے کو علو کہنا بھی اضافی ہوگا۔ مطلق علو کا اطلاق ان پر بھی جائز نہ ہوگا۔

ف : ایک ایسا درجہ ہے جہاں انسان کا اس کے آگے جانا ناممکن ہے وہ درجہ صرف ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہُوا۔ لیکن ان کے لیے یہ علو اضافی ہوگا اس لیے کہ حقیقی اور مطلق علو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔

ف : اس اسم سے متعلق ہونا اعلیٰ امور تک پہنچنے اور سفلی امور سے دوری کا موجب ہے۔

حدیث شریف میں ہے :
ان اللہ یحب معالی الامور و یبغض سفسافہا۔
(اللہ تعالیٰ بلند امور کو پسند فرماتا ہے اور سفلی اور سطحی امور کو ناپسند فرماتا ہے)

فرمانِ علی حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا :
علو الھمۃ من الایمان۔
(علوِ ہمتی ایمان کی علامت ہے)

صائب نے فرمایا : ؎

چوں بسیر لامکاں خود می روم از خویشتن
ہیچو ہمت تو سنی در زیر زیں داریم ما

ترجمہ : اپنے سے لامکاں کی سیر کو جاؤں تو مناسب ہے اس لیے تیز رفتار ہمت کا گھوڑا ہمارے پاس ہے۔

خواص اسمِ علی یہ اسمِ مبارک لکھ کر بچے کے گلے میں ڈالا جائے تو سنِ بلوغ تک پہنچے گا اگر مسافر اپنے پاس رکھے تو سفر با ظفر ہو، اور تنگ دست گلے میں ڈالے تو دولت مند ہو۔

تحقیق اسمِ کبیر کبیر وُہ ذات ہے کہ جس کے سامنے ہر شئے حقیر ہو۔ اسی لیئے بعض نے اللہ اکبر کا یہی معنیٰ لکھا ہے کہ وہ ذات جسے اکبر کہنا بھی اس کی کبریائی کے لائق نہیں یا وُہ ذات کہ اس کی کبریائی کی کُنہ کو کوئی نہ پہنچ سکے۔ علماءِ کرام نے لکھا کہ نمازی جب اللہ اکبر کہے تو اس کا عقیدہ یہ نہ ہو کہ وُہ کسی خاص وقت میں اکبر ہے بلکہ اس کا عقیدہ یہ ہو کہ وہ ہر وقت اور ہر آن اکبر ہے۔ صوفیہ کرام نے فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کی کبریائی کو جانتا ہے اسے اپنی کبریائی کا تصور نہیں آئے گا۔

ف : بندوں میں اکبر وُہ ہے جو عالم، متقی، خلقِ خدا کا رہبر و ہادی ہو اور ایسا صالح اور نیک بخت ہو کہ اس کے انوار و علوم سے خلقِ خدا مستفید و مستفیض ہو۔

مدرس و معلم علوم دینیہ کی فضیلت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص علمِ دین پڑھ کر اس پر عمل کرتا اور دُوسروں کو پڑھاتا ہے تو ملکوت السمٰوٰت میں اسے عظیم کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

ف : کبیر کے ورد سے انسان پر علم و معرفت کے دروازے کُھلتے ہیں۔

زن و شوہر کو راضی رکھنے کا طریقہ اگر کسی شئے پر اسم کبیر پڑھ کر عورت و مرد کو اکٹھا بٹھا کر کھلایا جائے تو ان کی آپس میں صلح صفائی اور موافقت رہے گی۔

ف : الاربعین الادریسیہ میں اللہ تعالیٰ کو پکارنے کے لیے ایک دُعا یہ لکھی ہے:

یا کبیر انت الذی لا تہتدی العقول لوصف عظمتہ۔

(اے وُہ ذاتِ کبریا جس کی وصفِ عظمت عقول کو رسائی نہیں)

فائدے ہی فائدے حضرت سہروردی قدس سرہٗ نے فرمایا: جو شخص اس اسم (کبیر) کا وظیفہ کرے تو قرضدار ہو تو قرض دُور، اور اگر رزق کی کمی ہو تو وسعت نصیب ہو۔ اگر کسی عہدے سے معزول ہو گیا ہو تو صرف ایک ہفتہ ایک ایک ہزار بار روزانہ روزہ رکھ کر پڑھے تو اپنے عہدے پر بحال ہو جائے گا اگرچہ اسے وزارتِ عظمیٰ اور صدارتِ علیا اور بادشاہی سے ہٹایا گیا ہو۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ فرمائیے تمہیں رزق کون دیتا ہے آسمان سے بارش برسا کر وَالْاَرْضِ اور زمین سے انگوری نکال کر۔

ف : اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ آپ مشرکین کو دلائل دے کر خاموش کرائیے تاکہ وہ اس اقرار کے لیے مجبور ہو جائیں کہ واقعی ان کے معبود زمین و آسمان کی کسی چیز کے بھی مالک

نہیں اور رزاق صرف اللہ تعالیٰ ہے جس کا انہیں اقرار ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
قل من یرزقکم من السماء والارض ام من یملک السمع والابصار فسیقولون اللہ۔
اور چونکہ وہ اس طرح کے سوال کے جواب سے کتراتے تھے اس لیے کہ ان پر ماننا لازم آجائے گا اسی لیے
ان کی طرف حضور علیہ السلام کو حکم ہوا قُلِ اللہُ آپ فرمایئے اللہ تعالیٰ تمہیں رزق دیتا ہے کیونکہ
ان کے ہاں بھی اس کے سوا اور کوئی جواب نہیں۔

ف: رزق دو قسم ہے:

(۱) ظاہری، جیسے کھانے پینے کی وہ چیزیں جو انسان کے بدن سے متعلق ہیں۔

(۲) باطنی، جیسے معارف، مکاشفات یعنی وہ امور جو ارواح سے متعلق ہیں۔ اور یہی پہلی قسم سے اشرف و اعلیٰ ہے اس لیے کہ حیات ابدی نصیب ہوتی ہے۔ اور ظاہری رزق کا تعلق ایک مدت معلوم کے بعد ختم ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی جملہ مخلوق کے رزق کا متولی ہے اور اپنے فضل و کرم سے دونوں طرح کے رزق پہنچاتا ہے اور یہ اس کی مرضی و مشیت پر ہے کہ کسی کو وافر اور کسی کو تھوڑا رزق عطا فرماتا ہے۔

حدیث شریف ۱ میں ہے:
طلب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ۔
(رزقِ حلال کی طلب کا فریضہ دوسرے فرائض (نماز، روزہ وغیرہ) کے بعد سب سے بڑا اور اہم ہے)
یعنی ایمان اور نماز کے بعد سب سے بڑا فریضہ طلبِ رزقِ حلال ہے۔

حدیث شریف ۲ میں ہے:
من اکل حلال اربعین یوما نور اللہ قلبہ واجری ینابیع الحکمۃ من قلبہ۔
(جو شخص چالیس دن رزقِ حلال کھاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو منور فرما دیتا ہے اور اس کے قلب سے حکمت کے چشمے جاری فرماتا ہے)

حدیث شریف ۳ میں ہے:
ان اللہ ملکا علی بیت المقدس ینادی کل لیلۃ من اکل حراما لم یقبل منہ صرف ولا عدل۔
(بیت المقدس پر اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ مقرر ہے جو ہر رات پکارتا ہے کہ جو شخص حرام کا رزق کھائے گا اس کی کوئی نیکی قبول نہ ہوگی نہ فرائض نہ نوافل)

ف: مشایخ نے فرمایا کہ حلال رزق کھانے سے دل کی صفائی اور دل کی صفائی سے نورِ معرفت اور نورِ معرفت

سے مکاشفات ومنازلات وارد ہوتے ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱ لقمۂ کان نور افزود و کمال
آں بود آوردہ از کسبِ حلال

۲ روغنے کاید چراغ ما بکشد
آب خوانش چوں چراغے راکشد

۳ علم وحکمت زاید از لقمۂ حلال
عشق ورقت آید از لقمۂ حلال

۴ چوں ز لقمہ تو حسد بینی و دام
جہل و غفلت زاید آنرا دان حرام

۵ ہیچ گندم کاری و جو بر دہد
دیدۂ اسبی کہ کرہ خر دہد

۶ لقمۂ تخمست و برش اندیشہا
لقمہ بحر و گوہرش اندیشہا

۷ زاید از لقمۂ حلال اندر دہان
میل خدمت عزم رفتن آں جہاں

ترجمہ: (۱) وہ لقمہ جو نورِ ایمان کو بڑھاتا ہے وہ کسبِ حلال سے حاصل ہوتا ہے۔

(۲) روغن (تیل) چراغ کی روشنی بڑھاتا ہے لیکن پانی اسے بجھا دیتا ہے۔

(۳) لقمۂ حلال سے علم وحکمت میں بھی اضافہ ہوتا ہے عشق ورقت بھی لقمۂ حلال سے نصیب ہوتی ہے۔

(۴) جس لقمہ سے محسوس کرو کہ اس سے حسد اور بغض بڑھتا ہے اور جہل وغفلت چھا رہی ہے تو سمجھو کہ وہ لقمہ حرام ہے۔

(۵) بھلا گندم سے جَو پیدا ہوتے ہیں، گھوڑے کا بچہ گدھا نہیں پیدا ہوگا۔

(۶) لقمہ بیج ہے اس کا پھل وہی کردار ہیں جو تجھ سے سرزد ہو رہے ہیں۔ لقمہ دریا ہے اور اس کے موتی تیرے اعمال وکردار۔

(۷) لقمۂ حلال سے دل میں جہانِ آخرت کی طرف جانے کو جی چاہے گا۔

وَاِنَّا نیز انہیں فرمائیے کہ بیشک ہم اَوْ اِیَّاکُمْ اس کا اسم پر عطف ہے یعنی تم لَعَلٰی هُدًی

اللہ ہدایت پر نہیں اَوْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ○ یا گمراہی ظاہر میں، یعنی وہ لوگ ایک واحد لاشریک کی عبادت کرتے ہیں اور وہی سب کو رزق پہنچاتا ہے اور وہی قدرت ذاتیہ کا مالک ہے اور وہ لوگ صرف اسی ایک کی عبادت کرتے ہیں اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جمادات کو شریک بنا کر ان جمادات کی پرستش کرتے ہیں حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ مراتب امکانیہ کے ادنیٰ مرتبہ میں ہیں ان میں یقیناً ایک گروہ ہدایت پر ہے اور دوسرا گمراہی پر۔ یہ اس لیے فرمایا کہ اس سے قبل دلائل سے ثابت فرمایا کہ ہدایت پر صرف اہل ایمان ہی ہیں اور کھلے الفاظ میں فرمایا کہ کافر یقیناً گمراہی پر ہیں اور سخت جھگڑالو خصم کو مسکت جواب دینے کا یہ بلیغ ترین طریقہ ہے جیسے اپنے آپ کو سچا سمجھ کر اپنے بالمقابل کو کہتا ہے کہ اللہ یعلم ان احدنا لکاذب اللہ کو معلوم ہے کہ ہم میں ایک ضرور جھوٹا ہے یعنی یہ قول اس وقت بولا جاتا ہے جب اہلِ حق و اہلِ باطل کا آپس میں جھگڑا ہو جائے تو پھر اپنے آپ کو سچا سمجھنے والا دوسرے کو مذکورہ قول کہتا ہے اس قول سے اہل حق کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس کا بالمقابل یقیناً جھوٹا ہے ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دو لعان کنندگان کو فرمایا کہ اللہ یعلم ان احدکما کاذب فھل منکما تائب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم میں ایک جھوٹا ہے کیا تم میں کوئی ہے جو توبہ کرے۔

ف : اس عبارت میں لفظ اَوْ محض ابہام اور اظہار انصاف کے لیے ہے شک یا تشکیک کے لیے نہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پر اَوْ بمعنے واؤ ہے یعنی ہم اور تم ہدایت پر ہیں اگر ہم ایمان لائیں یا تم اور ہم دونوں گمراہی میں ہیں اگر ہم ایمان نہیں لائے۔

ف : دو مختلف حروف جارہ اس لیے ہیں تاکہ تنبیہ ہو کہ ہدایت والے وہی ہیں جو اونچے مکان پر اوپر بیٹھا ہو اور وہ ہر شے کو آنکھوں سے دیکھ رہا ہو اور ہر ایک شے سے پورے طور پر مطلع ہو جائے یا تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو اور جیسے چاہے چلائے۔ اور گمراہ کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اندھیری اور تاریکی میں ڈوبا ہو جسے کوئی شے نظر نہ آئے اور نہ ہی اسے معلوم ہو کہ کہاں جانا ہے۔ یا اس کی مثال اس شخص کی ہے جو گہرے کنویں میں ڈوبا ہو یا پنجرے میں محبوس ہو کہ وہ اس پنجرے سے نہ نکل سکے۔

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! انہیں فرمائیے کہ ہمارے جرائم کے متعلق تم سے سوال نہ ہوگا۔

حلِ لغات الاجرام بمعنے جرم کرنا۔ الجرم (بالضم) بمعنے الذنب۔ دراصل جرم بمعنے القطع آتا ہے۔ ہر مکروہ عمل کے ارتکاب کے لیے استعارہ کیا گیا ہے۔ کما فی المفردات۔

وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ اور ہم سے تمہارے اعمال کا سوال نہ ہوگا۔ یعنی تم جو کفر و معاصی

یعنی ہم نے صغائر اور خلافِ اولیٰ کا ارتکاب کیا اس لیے کہ مؤمن ایسی کمزوریوں سے خالی نہیں ہوتا

دیگر تمہارے جملہ اعمال کی ہم سے پرسش نہ ہوگی اس لیے کہ ہر کسان اپنی کھیتی کاٹتا ہے نہ کہ دوسرے کی۔

ع برفتند و ہر کس درود آنچہ کشت

ترجمہ: یہ مشہور ہے کہ ہر کس وہی کاٹتا ہے جو کچھ وہ بوتا ہے۔

ف: یہی طریقہ کار انصاف کے لحاظ سے بلیغ تر اور جھگڑے اور فساد سے دُور تر ہے اس وقت جرم کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی طرف ہُوئی ہے اگرچہ وُہ جرائم و معاصی سے پاک اور محفوظ ہیں اگرچہ ان کے لیے جرم بمعنے ترک اولیٰ ہے اور مخاطبین کے لیے مطلق اعمال مراد ہیں۔ کفار اور مجرمین کے لیے کفر مراد ہے جو گناہِ کبیرہ ہے۔

قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا فرمائیے کہ قیامت میں حشر و حساب کے وقت ہم سب کو ہمارا پروردگار جمع فرمائے گا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ۔ الفتح کھولنا اور حکم کرنا یعنی حکم اور فیصلہ فرمائے گا بلکہ جب سب کا حال کھل جائے گا کہ اہلِ حق بہشت میں اور کافر دوزخ میں وَهُوَ الْفَتَّاحُ اور بہت مشکل فیصلے فرمانے والا اور حکم دینے والا ہے الْعَلِيمُ ۝ اسے جانتا ہے جو فیصلہ ہوگا اور جس کا اور جس پر فیصلہ ہوگا اور وُہ امور جو دُوسروں سے مخفی ہیں وہ اس سے مخفی نہیں۔

ف: الزروقی نے فرمایا کہ الفتّاح وُہ ہے جو امور دنیویہ و اُخرویہ میں ارواح و اجسام پر تنگی اور مشکل کے بعد اپنے فضل و کرم سے خیر و برکت اور وسعت سے ظاہر فرمائے۔

ف: بعض مشایخ نے فرمایا الفتّاح' الفتح سے ہے بمعنے الافراج عن الضیق یعنی تنگی سے کشادگی بخشنا۔ یعنی وہ شخص جو دو لڑنے والوں کے درمیان حق کا فیصلہ فرما کر مشکل حل کر دے اور وہ ذات جو خیر و برکت اور بھلائی سے نواز کر اور علم کی دولت سے سرفراز کر کے اور فقر و فاقہ دُور کر کے کسی کے دُکھ کو دُور کر دے۔

ف: امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا: فتّاح وُہ ہے جو اپنی عنایت و ہدایت سے ہر مشکل حل فرمائے۔ کبھی وہ دشمنوں سے ملک چھین کر اپنے انبیاء علیہم السلام کو عطا فرماتا ہے اور ان کے لیے فرماتا ہے' انّا فتحنا لك فتحًا مّبینا لیغفرلك اللّٰه ما تقدم من ذنبك وما تاخّر اور کبھی اپنے اولیاً کے قلوب کے حجابات اٹھاتا ہے ان کے لیے ملکوت السّماء اور اپنے جمالِ کبریائی کے دروازے کھولتا ہے اور ان کے حق میں فرماتا ہے:

ما یفتح للناس من رحمة فلا ممسك لها۔

اور فتّاح وُہ ہے جس کے قبضۂ قدرت میں غیب اور رزق کی چابیاں ہیں اور ایسی ذات اس لائق ہے کہ اسے فتّاح کہا جائے اور بندے پر لازم ہے کہ اس کے اشتیاق میں ایسا پیاسا ہو کہ اس کی زبان سے مشکلات الٰہیہ کھل جائیں اور مخلوق کے جملہ امورِ دینیہ و دنیویہ اس کی معاونت سے آسان ہوں۔

ایسی کیفیت سے ایسے انسان کو اسم فتّاح سے حظِ وافر نصیب ہوتا ہے۔

اسمِ فتّاح کی خاصیّت اس اسم کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی برکت سے امور آسان ہوتے ہیں اور قلب کو نورانیت اور اسباب فتح پر قدرت رکھتا ہے۔ جو شخص ہر نمازِ فجر کے بعد اکہتّر بار پڑھے گا اور پڑھتے وقت ہاتھ سینے پر ہو تو اس کا دل پاک صاف اور سِرّ (مخفی بھید) منوّر اور اس کا ہر معاملہ آسان ہوگا اور اس کی برکت سے رزق وغیرہ آسانی سے حاصل ہوگا۔

ف : العلیم عالم کا مبالغہ ہے وُہ ذات جس کے ساتھ علم قایم ہو اور جسے یقین ہو کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کو جاننا اور ہر شے کا نگہبان ہے اور ہر شے میں اسی کے علم کو کافی سمجھے تو وُہ اپنے ہر معاملہ میں اسی پر بھروسا کرنے والا ہوگا اور ہر کام میں اسی کی طرف متوجہ ہوگا۔

نسخہ رُوحانی ابن عطا اللہ نے فرمایا کہ جسے لوگوں سے اذیتیں پہنچیں اور لوگ اس کی مذمت کے درپے ہوں تو اس پر لازم ہے کہ وُہ اللہ کے علم کی طرف متوجہ ہو اس لیے کہ اللہ تعالےٰ کے علم کی طرف متوجہ نہ ہونا لوگوں کے اذیّت کی مصیبت سے شدید ترین مصیبت ہے اور اس اسم کی خاصیت یہ ہے کہ اس کی برکت سے علم و معرفت نصیب ہوتی ہے جو اس اسم پر مداومت کرتا ہے تو اسے حقیقی معرفت الٰہی نصیب ہوگی۔

ف : شمس المعارف میں ہے کہ جس شخص پر کوئی امر مبہم ہو جائے اور وہ اس کی تفصیل چاہتا ہو یا اسرارِ الٰہیہ کے انکشاف کا خواہاں ہو تو وہ اسم علیم پر مداومت کرے اس کی برکت سے اس کا ہر سوال حل ہوگا اور جس طرح کی حکمت کا طالب ہوگا وہ اس پر کُھل جائے گی اور جو صفتِ الٰہیہ کا دروازہ کھولنا چاہتا ہے تو وہ علم و عمل سے ہی کُھلے گا۔

قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ فرمایئے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ! مجھے ان لوگوں کی خبر دو جنہیں تم نے ملایا ہے۔ الالحاق بمعنے پہنچا اور پہنچانا۔ **بِہٖ** اللہ تعالیٰ کے ساتھ **شُرَكَآءَ** شریک۔

سوال : حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام تو ہر وقت ان کے بتوں کو دیکھتے تھے اب ان کو دکھانے کا حکم کیوں؟

جواب : ان کی خطائے عظیم کا اظہار مطلوب ہے اور انہیں مطلع کرنا ہے کہ ان کی رائے فاسد بالکل باطل ہے۔

معنیٰ یہ ہے کہ اے مشرکو ! مجھے وہ طریقہ بتاؤ جس سے تم نے اپنے بُتوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملا دیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی تو مثل بھی کوئی شے نہیں ہے اور صرف وہی عبادت کا مستحق ہے اور تمہارے معبود ایک بیکار شے ہیں نہ وُہ کسی شے کو پیدا کرتے ہیں نہ کسی کو رزق دیتے ہیں پھر عبادت کے مستحق کیسے ہوئے !

اس میں کفار و مشرکین پر الزام حجت کے بعد انہیں دلیل دے کر خاموش کرانا مطلوب ہے۔ کَلَّا یہ حرف ردع ہے یہ اس لیے لایا گیا ہے کہ پہلے جہاں ان کے قیاسات کو باطل قرار دیا گیا ہے تو ایسے ہی یہاں ان کے شریک بنانے کی خطا کا اظہار فرمایا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے پہلے اپنی قوم پر الزام حجت فرمایا پھر ان پر اظہار افسوس فرمایا۔ کما قال،

اف لکم ولما تعبدون۔

خلاصہ یہ کہ اے مشرکو! اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا اچھا نہیں بَلْ هُوَ بلکہ صرف اللہ۔ یا یہ ضمیر شان کی ہے جیسے قل ھو اللہ احد میں ضمیر شان کی ہے اللّٰہُ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ○ اللہ تعالیٰ ہی غلبہ قاہرہ و حکمت باہرہ سے موصوف ہے۔ پھر تمہارے معبودوں کو اس سے کیا مناسبت جبکہ وہ تمام اشیاء سے خسیس و رذیل ترین ہیں۔ ان کو یہ بلند مرتبہ کہاں، اور اس کے بہت بلند مراتب کے مقابلہ میں کون شرکت کا دم بھر سکتا ہے! وحدہٗ لاشریک لہ اس کی صفت ہے۔ وہی فرد و متفرد ہے اس کی معرفت کے لیے شرک کو کیا دخل! اور عقل کو اس کی کنہ تک پہنچنے کی رسائی کہاں! اور نہ ہی اس کی کبریائی و جلال کے لیے شرک کو کوئی مناسبت ہے، اسی لیے اس کے لیے شریک کا ہونا محال بلکہ ممتنع ماننا لازم ہے۔

ف: اسم "عزیز" کے معنے سے تمسک کرنے سے قرب حق نصیب ہوتا ہے لیکن یہ تمسک اس وقت نصیب ہوتا ہے جب بندہ خلق خدا سے اپنی ہمت کو بلند کرے، اس لیے کہ انسان کی عزت اسی میں ہے۔

وظیفہ مجرب جو شخص اس اسم کو چالیس مرتبہ روزانہ چالیس دن تک پڑھے تو اللہ تعالیٰ اسے معزز بنائے گا اور مخلوق میں اسے کسی کا محتاج نہیں بنائے گا۔

ف: اربعین ادریسیہ میں ہے:

یا عزیز المنیع الغالب علی امرہ فلاشئی یعادلہ۔

(اے عزیز! ہر شے اپنی حد پہ رکھنے والا اور ہر شے پہ غالب کوئی شے نہیں جو اس کی عدیل و مثیل ہو)

تباہی دشمن و جنگ میں فتح کا نسخہ حضرت سہروردی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جو اس اسم کو مسلسل ایک ہفتہ ایک ہزار بار روزانہ پڑھے گا اس کا دشمن تباہ و برباد ہو جائے گا اگر لشکر جنگ میں پڑھ کر دشمنوں کی طرف دم کرے تو دشمن شکست کھا جائیں گے۔

ف: اسم حکیم سے تقرب کا یہ معنیٰ ہے کہ اس کی حکمت جملہ امور میں ملحوظ خاطر ہو اس کی حکمت کو اپنے ہر امر میں جاری رکھے وہ امر شرعی ہو یا عادی۔ ہاں اگر شرعی و عادی امور کا معارضہ ہو تو شرعی امور کو ترجیح دے۔

اسمِ حکیم " کی مداومت سے ہولناک امور سے امان ملتی ہے اور حکمت کے دروازے کھلتے ہیں
وظیفہ اس کے پڑھنے میں کثرت کی جائے تو جن ہولناکیوں سے خطرہ محسوس ہوگا وہ خطرہ ٹل جائے گا
اور حکمت کے دروازے کھل جائیں گے۔ اور ہمارے لیے حکمت کا یہ معنے ہے کہ غایت احکام پر اشیاء
کی معرفت و ایجاد فرمائے۔

ف: بعض مشایخ نے فرمایا کہ حکمت کے دو مطلب ہیں:

(۱) حکیم کی حیثیت یہ ہو کہ وہ اشیاء کی حقیقت کو اسی طرح جانے جیسے وہ فی نفس الامر ہیں۔

(۲) اس سے افعال حکمت محکمہ کا صدور ہو۔ باقی تفصیل در معنے حکمت ہم نے سورۂ لقمان میں بیان
کی ہے۔علم و اجتہاد فی العمل اور اشیاء جیسی کہ وہ ہیں ان کی معرفت حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ - الارسال بمعنے بھیجا اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ
وسلم ہم نے آپ کو رسول بنا کر نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کے لیے آپ کی رسالت احمر و اسود کو محیط ہے
کافۃ کف سے ہے بمعنے المنع۔ اس لیے کہ جب رسالت ان سب کو عام و شامل ہوگئی تو گویا
اس نے سب کو روک لیا کہ وہ رسالت کے گھیرے سے باہر نہ نکل سکیں کافۃ کا منصوب ہونا یا مصدر
محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے ہے۔ اس معنے پر اس کی تاء تانیث کی ہوگی اور للناس اسی
کافۃ کے متعلق ہے اور یہ بھی ہے کہ کافۃ کاف سے حال ہو۔ اس معنیٰ پر اس کی تاء علامۃ کی تاء کی
طرح مبالغہ کی ہو۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ ہم نے آپ کو کسی حال میں نہیں بھیجا مگر اس حال میں کہ ابلاغ کے
معاملے میں سب کے جامع ہیں۔ ہم نے یہ معنیٰ اس لیے کیا کہ کفّ جمع کے معنے کو مستلزم ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ الکافۃ وہ ہے جو شے کو جمع کر کے اسے متفرق ہونے سے روکے
الکفاف اسی سے ہے بمعنے اتنی وجہ معاش حاصل ہو کہ اسے کسی دوسرے کی محتاجی نہ ہو۔ ایسے
ہی کہا جاتا ہے:

کف یدك بمعنے ہاتھ اپنے ہاں جمع کر۔

اور الکافۃ للناس سے حال نہیں ہو سکتا اس لیے ذوالحال مجرور پر حال کی تقدیم ایسے ناجائز ہے جیسے
مجرور کا جار پر۔

ف: امام راغب نے لکھا کہ الکاف یعنی وہ ذات جو امت کو معاصی سے روکتی ہے اس معنے پر تاء
مبالغہ کی ہوگی۔

بَشِيْرًا درانحالیکہ آپ خوشخبری سنانے والے ہیں یعنی اہلِ ایمان کو جنت کی اور عشاق کو
دیدار کی خوشخبری سنانے والے ہیں وَّنَذِيْرًا درانحالیکہ کافروں کو نار سے اور منکرین کو حجاب سے
ڈرانے والے ہیں وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ لیکن اسے اکثر لوگ نہیں جانتے اس

لیے کہ ان کا جہل انہیں مخالفت وعصیان پر اُبھارتا ہے۔ الناس کے تکرار میں نکتہ ہے اس لیے کہ جہالت سے ہی وہ ڈرانے کے مستحق اور نعمت بشارت اور نعمتِ رسالت سے محروم ہوئے اور یہی لوگ فضلِ الٰہی کو نہیں سمجھتے اور نہ ہی اس کی نعمت کا شکر کرتے ہیں اور یہی لوگ اگر علمِ حق سے نوازے جائیں تو خوشخبری کے مستحق اور بشارت و رسالت کی نعمت سے بھرپور وہ فضلِ الٰہی کا عرفان حاصل کرتے ہیں اور نعمتِ ربانی کا شکر ادا کرتے ہیں اس لیے کہ عقل جمیع امورِ دنیویہ و اُخرویہ کے ادراک اور مضار و منافع کی تمیز میں عقل مستقل نہیں ہے۔ اسی لیے تبشیر و انذار کے معاملہ اور بیان مشکلات میں اہلِ وحی کے محتاج ہیں۔

ف: صاحبِ کشف الاسرار نے فرمایا کہ جملہ عالم حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے نوکروں کے جوتے کے تسمے کی گرد و غبار ہے اگرچہ بیگانے اور منکر آپ کو (معاذاللہ) کاذب کہتے لیکن وحی غیب آپ کی سمع مبارک کی عاشق تھی اور جملہ عالم کے عقول آپ کی عقل کے نور کے ادراک سے عاجز ہیں لیکن بدقسمت کافر آپ کو (معاذاللہ) دیوانہ کہتے تھے اور آپ کی نگاہِ کرم کی کُنہ کو کوئی نہ پہنچ سکا اور پھر وہ نگاہ جس طرف اور جس پر اُٹھی اسے اکسیر بنا دیا لیکن اندھے دشمن ہمیشہ اندھے رہے اسی لیے آپ کے عرفان سے محروم رہے۔

مسئلہ: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و بعثت کل عالم کائنات کے لیے عام تھی۔

حدیث شریف میں ہے: فضلت علی الانبیاء بست اعطیت جوامع الکلم۔

(میں انبیاء پر چھ امور میں افضل ہوں!)

(۱) میں جوامع الکلم بنایا گیا ہوں۔)

جوامع الکلم وہ ہیں جن کے کلمات قلیل لیکن ان کے معانی لاتعداد ہوں۔

(۲) و نصرت بالرعب۔

(میں رعب سے مدد دیا گیا ہوں)

یعنی اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی ہے کہ دشمنوں کے دلوں پر میرا خوف طاری ہو جاتا ہے۔

(۳) من مسیرۃ شھر بینی و بینھم۔

(میرے اور دشمن کے درمیان ایک ماہ کی مسافت ہے)

مہینے کی قید صرف اس لیے ہے کہ اس وقت آپ کے ساتھ جنگ لڑنے والے دشمنوں اور آپ کے درمیان صرف ایک ماہ کی مسافت کا فاصلہ تھا۔

(۴) واحلت لی الغنائم۔

(اور میرے لیے غنائم حلال کی گئیں)

یعنی اس سے قبل کی اُمتوں کا قاعدہ تھا کہ غنیمت سے حاصل ہونے والے جانور غنیمت حاصل کرنے والوں کی ملک ہوتے تھے ان میں سے انبیاء علیہم السلام کو حصہ نہیں ملتا تھا۔ یہ ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے کہ آپ غنیمت کے ہر مال سے پانچواں حصہ لیتے تھے ایسے ہی غنیمت سے آپ اپنی پسند کی چیز لے لیتے، یہ بھی آپ کے لیے روا تھا۔ دوسری اُمتوں کے لیے قاعدہ تھا کہ اموالِ غنیمت ایک جگہ جمع کر لیے جاتے جنہیں سفید آگ آکر جلا جاتی جس سے دھوکا سازی کا توہم نہ ہوتا۔ اور اس امت کا خاصہ ہے کہ وہ مال غنیمت جمع کر کے آپس میں تقسیم کریں، جیسے قربانی کا گوشت۔ یہ بھی ان کے رزق میں ایک اضافہ تھا ورنہ سابقہ امم اس سے محروم تھیں۔

(۵) وجعلت لی الارض طھورا و مسجدا۔

(اور میرے لیے تمام زمین پاک اور تمام زمین کو مسجد بنا دیا)

یعنی میری امت کے لیے تخفیف ہے کہ وہ روئے زمین پر جہاں چاہیں نماز پڑھیں ایسے ہی میری امت کے لیے مباح رکھا گیا کہ جب انہیں پانی میسر نہ ہو تو مٹی سے تیمم کر کے نماز پڑھ سکیں۔ امم سابقہ کے لیے سوائے عبادت گاہ کے اور کہیں نماز ادا کرنا جائز نہیں تھا اور نہ ہی انہیں پانی کے سوا دوسری شے سے طہارت جائز تھی۔

(۶) وارسلت الی الخلق کافۃ۔

(اور مجھے تمام مخلوق کے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا)

یعنی میں نہ صرف اپنے ہم عصر لوگوں کا رسول ہوں بلکہ اگلے پچھلے تمام لوگوں کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہُوں بخلاف نوح علیہ السلام کے کہ ان کی نبوت اگرچہ تمام رُوئے زمین والوں کے لیے تھی لیکن تھی محدود۔ انہی کے لیے تھی جو ان کے ہم زمان تھے۔

ف : انسان العیون میں ہے کہ لفظ خلق انس و جن اور ملائکہ بلکہ جملہ حیوانات و نباتات اور احجار کو شامل ہے۔ حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہی قول راجح ہے کہ آپ ملائکہ کے بھی رسول ہیں۔ میں نے خصائص کبریٰ میں اسی کو راجح لکھا ہے اور مجھ سے پہلے امام تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے بھی اسی کو راجح فرمایا (نبیوں کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) امام سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ نہ صرف مذکورہ بالا مخلوق کے نبی ہیں بلکہ آپ تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی اُمتوں کے یہاں تک کہ آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام کے نبی ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسے ہی قیامِ قیامت تک آپ کی نبوت جاری رہے گی۔ اسی قول کو امام بارزی نے ترجیح دی ہے پھر اس کے بعد فرمایا کہ آپ جملہ حیوانات و جمادات

بلکہ خود اپنی ذات کے بھی رسول ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

ایک ضعیف قول ایک جماعت کہتی ہے کہ آپ ملائکہ کے رسول نہیں ہیں۔ اس جماعت میں حافظ عراقی اور جلال الدین محلی ہیں اس پر امام فخرالدین رازی نے اپنی تفسیر میں اجماع نقل کیا ہے ایسے ہی اجماع کے ناقل برہان الدین نسفی ہیں۔ اس ضعیف قول پر آیت ارسلت الی الخلق اور آیت لیکون للعالمین نذیرا مخصوص عنہ البعض ہوگی۔

تنہا آدمی جماعت کی نیت کرے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب کوئی کہیں اکیلا ہو اور جماعت کی نیت سے اقامت کہہ کر نماز پڑھے تو اس کے پیچھے اتنی کثیر تعداد میں فرشتے نماز پڑھتے ہیں کہ جس کے دونوں کناروں کو کوئی معلوم نہیں کر سکتا۔ وہ اس کے ساتھ رکوع و سجود کرتے ہیں۔ یہ اسی قاعدہ پر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ عام ہے جس میں ملائکہ بھی شامل ہیں۔

ولادتِ مبارکہ کی شان فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جملہ مخلوق سے افضل ہیں اس لیے کہ آپ جملہ موجودات کی طرف نبی بن کر مبعوث ہوئے اس لیے آپ کی تشریف آوری کی، جملہ اہلِ ارض و اہلِ سمآء نے خوشخبری سنائی یہاں تک کہ جمادبھی فصاحت و بلاغت کے ساتھ بول رہے تھے:

فہو رحمۃ للعالمین و رسول الی الخلق اجمعین۔

(وہ رحمۃ للعالمین اور جملہ خلق کے رسول ہیں صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت شیخ عطار قدس سرہٗ نے لکھا:

داعیِ ذرات بود آں پاک ذات
در کفش تسبیح آں گفتہ حصات

ترجمہ: چونکہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ذرہ کائنات کے نبی ہیں اسی لیے آپ کے ہاتھ میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی۔

کسی نے فرمایا:

ترا دادند منشورِ سعادت
وزاں پس نوع انسان آفریدند
پری راجملہ درخیل تو کردند
پس آنگاہے سلیمان آفریدند

ترجمہ: پہلے آپ کو سعادت کا منشور عطا فرمایا پھر نوعِ انسان کو بنایا دیو پری سب سے پہلے آپ کے نوکروں میں مقرر فرمائے پھر عرصہ بعد سلیمان علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔

ف: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں آپ کے بعد نہ کوئی تشریعی نبی آسکتا ہے اور نہ ہی متابع اور ظلی۔ (قادیانی کے چیلے صاحبِ روح البیان کے اس حوالے کو پڑھیں)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے وجود کی ماہیت جسے آپ نے کتم سے عالمِ وجود میں عبور فرمایا ہے کبھی وُہ نوری ہے اور کبھی رُوحی۔ لیکن ہماری طرف سے تو آپ کو بشیر بنایا گیا یا نذیر۔ وہ بھی جملہ عالم کائنات کے لیے۔ وہ اولین ہوں یا آخرین، انبیاء ہوں یا مرسلین۔ اگرچہ وہ ابھی پیدا ابھی نہ ہوئے انہیں آپ کا اُمتی اس لیے بنایا گیا کہ ابتدائے وجود میں وہ آپ کے محتاج ہیں اور وہ بھی نہ صرف ایک خاص مدّت کے لیے بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

حدیث شریف اسی لیے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
الناس محتاجون الیٰ شفاعتی حتی ابراهیم۔
(تمام لوگ میری شفاعت کے محتاج ہیں یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی)

کُن سے پہلے کون (ہم اہلِ سنّت کہتے ہیں حضور علیہ السلام کُن سے پہلے موجود تھے اسی لیے صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ نے یوں واضح فرمایا:)

فاما فی بدٔ وجودهم فالارواح لما حصلت فی عالم الارواح باشارة کن تابعة لروحك احتاجت الی ان تکون لها بشیرا و نذیرا۔	بہرحال ابتداءِ حال میں عالمِ ارواح میں اشارۂ کُن سے ارواح پیدا ہو کر آپ کی رُوحِ اقدس کے تابع کیے گئے اسی لیے ان کو محتاجی ہُوئی کہ آپ ان کے لیے بشیر و نذیر ہوں۔

اس لیے کہ ان کا تعلق اجسام سے ہونا تھا اس لیے کہ ارواح بالطبع علویہ لطیفہ نورانیہ ہیں اور اجسام بالطبع سفلیہ کثیفہ ظلمانیہ ہیں ان کو آپس میں کوئی مناسبت نہ تھی بلکہ یہ ایک دوسرے کی ضدیں ہیں ان کے لیے ایک بشیر کی ضرورت ہُوئی تاکہ یہ دونوں آپس میں مل کر کمال حاصل کریں پھر وہ بشیر انھیں ایک دوسرے کے ساتھ اتصال کی ترغیب دے اور انھیں ایک نذیر کی محتاجی تھی تاکہ انہیں ڈرائے کہ اگر تم آپس میں متصل نہیں ہو گے تو کمال کو نہ پہنچو گے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ناقص رہو گے۔ اس کی مثال بیج کی ہے کہ اس میں بہت بڑے درخت کا وجود بالقوۃ موجود ہے اگر اس دانے کو کسان بوئے اور اسے

پانی دے کر اس کی تربیت کرے تو وہ درخت جو بیج میں بالقوۃ موجود تھا اب بالفعل موجود ہو جائے گا، یہاں تک کہ اپنی پوری شکل و صورت اختیار کر کے پھل وغیرہ دے گا۔ ایسے ہی رُوح کو سمجھئے کہ وہ بمنزلہ کسان مربی کے ہے کہ جب اس کا تعلق جسم سے ہوتا ہے پھر وہ جسم رُوح سے پوری تسکین پا کر اس کے اوصاف سے موصوف ہوتا ہے تو وہ بشیر کا محتاج ہوگا جو اسے اپنے مقام خاص تک پہنچا کر جنۃ نعیم کی بشارت دے اور اسے ایک ایسے ملک میں لے جائے جو دائمی ہو اس کے بعد حق تعالیٰ کا قرب بخشے گا اور اسے جمالِ الٰہی کا شوق دلائے گا بعد ازاں اسے وصالِ حق نصیب کرائے گا۔ ایسے ہی ایسے نذیر کی ضرورت ہے جو اسے پہلے نارِ جہنم سے ڈرائے پھر اسے بُعد عن الحق کا خوف دلائے پھر اسے ہجرِ فراق حق کا ڈر سنائے۔

ہر گُل میں ہر شجر میں محمد کا نُور ہے

(یہی شعر ہم اہلسنت کے بچے بچے کی زبان پر ہے جس پر مخالفین شرک و کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں۔ چنانچہ صاحبِ روح البیان نے فرمایا:)

واذا امعنت النظر وجدت شجرة الموجودات منبتة من بذر روحه صلى الله عليه وسلم وهو ثمرة هذه الشجرة من جميع الانبياء والمرسلين وهم وان كانوا ثمرة هذه الشجرة۔	اگر غور سے دیکھو تو تمہیں یقین ہوگا کہ جملہ موجودات کا درخت روحِ محمدی علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کے بیج سے پیدا ہوا ہے، آپ جملہ انبیاء و رسل علیہم السلام میں سے اس درخت کے بمنزلہ ہیں اور وہ انبیاء و رسل اسی شجرِ عظیم کے اثمار ہیں۔

لیکن یہ مرتبہ سب کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل نصیب ہوا جیسا کہ ایک ہی بیج کا اثر درخت پر پڑتا ہے تو بے شمار ثمرات ظاہر ہوتے ہیں جن کی اصل وہی ایک بیج ہے۔ ایسے ہی ہر بشیر و نذیر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشیریت و نذیریت کی فرع ہے۔ ہماری اس تقریر کی دلیل آیت وما ارسلنٰك الّا رحمة للعٰلمين ہے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمتِ کریمہ جملہ موجودات کے ذرّے ذرّے کو حاصل ہے ولكن اكثر الناس لا يعلمون میں اشارہ ہے کہ اکثر لوگ اگرچہ اسی درختِ محمدی کی فرع ہیں لیکن چونکہ وہ مرتبۂ ثمر سے محروم ہیں اسی لیے وہ ہمارے بیان کردہ مضمون کی حقیقت سے ناآشنا ہیں اسی لیے کہ ثمرہ کے احوال کا علم صرف اسی درخت کو ہوگا جسے اسی درخت جیسا ثمر حاصل ہے ع

نداند آدم کامل جز آدم

(کامل آدمی کو کامل ہی جانتا ہے)

تفسیر عالمانہ وَيَقُولُونَ اپنی بہت بڑی جہالت اور سخت ترین گمراہی کی وجہ سے مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان سے استہزاء کرتے ہوئے کہتے ہیں مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ جس وعدہ سے تمہیں خوش کیا جاتا ہے اور جس عذاب سے ہمیں ڈرایا جارہا ہے وہ کب ہے یعنی جس بہشت کی خوشخبری سنائی جاتی ہے اور جس دوزخ سے ڈرایا جاتا ہے وہ کہاں ہے اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ اگر تم اپنے دعویٰ وقوع و وجود میں سچے ہو قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! فرمائیے تمہارے لیے ایک وعدہ کا دن ہے۔ اس سے بعث ونشور کا دن مراد ہے۔ المیعاد میں مصدر میمی ہے لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ جب اچانک آئے گی تو تم اسی میعاد سے پیچھے نہیں ہٹو گے۔ یہ جملہ میعاد کی صفت ہے سَاعَةً ایک گھڑی زمانہ کی۔ تھوڑی سی مقدار کو ساعۃً کہا جاتا ہے وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ○ اور نہ ہی آگے ہوگے۔ الاستئخار پیچھے ہونا الاستقدام آگے ہونا۔ اس جواب میں تہدید کے متعلق مبالغہ ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ ارشاد ہوا کہ وقت موعود کا جیسے وقت سے پہلے آنا عقلاً ممتنع ہے ایسے ہی اس کا بعد کو ہونا بھی محال ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت ارباب طلب اور رتبۂ ثمریہ کے متعلق ان کی عجلت بازی کا بیان ہے وہ کہتے ہیں کہ جن وعدوں کی ہمیں بشارت سنائی گئی ہے وہ کب پورے ہوں گے اللہ تعالیٰ نے وقل لکم میعاد الخ میں انہیں ان کے سوال کے جواب سے نوازا کہ ہر درخت کے ثمر کا ایک وقت مقرر ہے وہ اپنے وقت پر درخت پر لگتا ہے پھر بڑا ہو کر پکتا ہے اور اپنے کمال کو پہنچتا ہے۔ ایسے ہی ہر سالک کے منزل سلوک کے طے کرنے کے دوران اوقات مقرر ہیں کہ وہ کب اپنی منزل مقصود اور رتبۂ کمال کو پہنچتے ہیں۔ کما قال تعالیٰ:

حتی اذا بلغ اشدہ وبلغ اربعین سنۃ۔

اسی راز کے تحت اپنے حبیب کریم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل۔

اس میں اشارہ ہے کہ ہر مقام و مرتبہ کو صبر سے حاصل کیا جاسکتا ہے چونکہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اولوا العزم رسل سے تھے اسی لیے آپ کو بھی اولوا العزم رسل کرام علیہم السلام کی طرح صبر کرنے کا حکم ہوا۔

حضرت مولانا رومی قدس سرہٗ نے فرمایا:

صبر آرد آرزو را نی شتاب
صبر کن واللہ اعلم بالصواب

ترجمہ: صبر سے بہت جلد آرزو پوری ہوتی ہے اس لیے تمہیں صبر کرنا چاہیے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ

اور کافر بولے ہم ہرگز نہ ایمان لائیں گے اس قرآن پر اور نہ ان کتابوں پر

يَدَيْهِ ۭ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ښ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى

جو اس سے آگے تھیں اور کسی طرح تو دیکھے جب ظالم اپنے رب کے پاس کھڑے کیے جائیں گے ان میں ایک دوسرے

بَعْضِ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا

پر بات ڈالے گا وہ جو دبے تھے ان سے کہیں گے جو اونچے کھنچتے تھے اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان لے

مُؤْمِنِيْنَ ﴿٣١﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ

آتے وہ جو اونچے کھنچتے تھے ان سے کہیں گے جو دبے ہوئے تھے کیا ہم

عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَاۗءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿٣٢﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا

نے تمہیں روک دیا ہدایت سے بعد اس کے کہ تمہارے پاس آئی بلکہ تم خود مجرم تھے اور کہیں گے وہ جو دبے ہوئے تھے ان

لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ

سے جو اونچے کھنچتے تھے بلکہ رات دن کا داؤں تھا جب کہ تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ اللہ کا انکار کریں اور اس کے برابر

لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۭ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ

والے ٹھہرائیں اور دل ہی دل میں پچھتانے لگے جب عذاب دیکھا اور ہم نے طوق ڈالے اُن کی گردنوں میں

اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا

جو منکر تھے وہ کیا بدلہ پائیں گے مگر وہی جو کچھ کرتے تھے اور ہم نے جب

فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿٣٤﴾ وَ

کبھی کسی شہر میں کوئی ڈر سنانے والا بھیجا وہاں کے آسودوں نے یہی کہا کہ تم جو لے کر بھیجے گئے ہم اس کے منکر ہیں اور

قَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿٣٥﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ

بولے ہم مال اور اولاد میں بڑھ کر ہیں اور ہم پر عذاب ہونا نہیں تم فرماؤ بے شک میرا رب رزق

الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٦﴾

وسیع کرتا ہے جس کے لیے چاہے اور تنگی فرماتا ہے لیکن بہت لوگ نہیں جانتے

تفسیر عالمانہ

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور کفار قریش مکہ نے کہا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ اس قرآن مجید پر جو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ہے ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ اور نہ ان پہلی کتابوں پر جو قیامت پر دلالت کرتی ہیں جیسے توراۃ و انجیل۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ وُہ آنکھ جو مملکت شیطان کے کام آئے وہ مجھے کب پہچان سکتی ہے اور وہ دل جو ابلیس کے تصرف سے ملوث ہو عزت قرآن کے جلال کو کیا سمجھے دل وُہ ہو جسے امانِ الٰہی کی ضمانت اور حرم کرم حق کی پناہ نصیب ہو تب کہیں اسے زاہِ رسالت و نبوت حاصل ہو گی اور شمع وہ ضروری ہے جو زلال آبِ اقبال ازل صاف شفاف تاکہ قرآن کی عزت کو دیکھے اور آنکھ کفر کی غلاظت سے پاک اور خواب شہوت سے بیدار ہو تاکہ معجزات و بیّنات کو ملاحظہ فرماتے۔ اے جواں مرد! جو کوئی جمال نہیں رکھتا تو بادشہ سے کس طرح محبت کرے گا اور اسے تڑپ کہاں تاکہ دشمن کو جلا سکے ؎

۱ در مصطبہا ہمیشہ فراشم من
شایستۂ صومعہ کجا باشم من

۲ ہر چند قلندری و قلاشم من
تخمے بامید درد می پاشم من

ترجمہ: (۱) ویرانوں میں ہمیشہ میرا بستر ہے میں عبادت گاہ کے لائق کب ہوں۔
(۲) قلندر و قلاش ہوں جیسا ہوں درد کا امیدوار ہوں مجھ پر بھی رحمت کا بیج ڈال دے۔

وَلَوْ تَرٰی یہ خطاب حضور علیہ السلام کو ہے یا اسے جو اس خطاب کے لائق ہے اِذِ الظّٰلِمُوْنَ جبکہ ظالمین یعنی قیامت کے منکر اور وہ ظالم اس لیے ہیں کہ انہوں نے اقرار کے بجائے انکار کو رکھا مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ کھڑے ہوں گے یعنی محاسبہ کے میدان میں اپنی انگلیوں کے کناروں پر رب تعالیٰ کے قیدی ہو کر کھڑے ہوں گے۔ لَوْ کا جواب محذوف ہے لرأیت فظیعا شنیعا تو ایسا بڑا ہولناک معاملہ دیکھو گے جسے کوئی بیان نہیں کر سکتا۔

سوال: لَوْ کا قانون ہے کہ وُہ ماضی پر داخل ہوتا ہے لیکن یہاں مضارع پر داخل ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: مضارع کو ماضی قرار دے کر لَوْ لایا گیا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر خبر یقینی بلکہ قطعی ہوتی ہے اسی لیے اس کے وقوع کے تحقق میں ذرہ برابر بھی شک نہیں ہو سکتا یا رؤیت کو ایسے وثوق سے بیان کرنا مطلوب تھا کہ گویا مخالف کو اس امر کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔

یَرْجِعُ بَعْضُهُمْ یہ رجع یرجع رجعا بمعنے ردّ ہے یعنی لوٹاتے گا ان کا بعض اِلٰی بعض القول طرف بعض دوسرے کے اپنی بات کو یعنی گفتگو کریں گے تو ایسے معلوم ہو گا کہ آپس میں جھگڑ رہے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ تیزی سے بولیں گے۔ اس جملہ کو جملہ اول سے بدل بنایا گیا ہے یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا الاستضعاف بمعنے کسی کو کمزور سمجھنا یعنی ان کے فرمانبردار (جنہیں انہوں نے دنیا میں نہایت کمزور سمجھ رکھا تھا) کہیں گے لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا

انہیں جو دنیا میں بہت بڑے سرکش تھے یعنی عوام اپنے ان لیڈروں کو کہیں گے جنہیں دنیا میں سرکشی اور بڑائی کا دعویٰ تھا اور اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منہ موڑ رکھا تھا اور انبیاء علیہم السلام پر نازل شدہ احکام کو قبول کرنے سے انکار کیا تھا اور عوام کو بہلا پھسلا کر گمراہی کے موڑ پر لے گئے تھے لَوْلَآ اَنْتُمْ اگر تم ہمیں گمراہ نہ کرتے اور نہ ہی تم ہمیں ایمان قبول کرنے سے نہ روکتے لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ○ تو ہوتے ہم مومن یعنی تم نے ہی ہمیں ایمان اور اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روکا۔ اس کے بعد گویا کسی نے سوال کیا کہ پھر لیڈر عوام کو کیا جواب دیں گے؟ تو فرمایا: قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا کہیں گے لیڈر عوام کو، اس سے منکرین مراد ہیں اس لیے کہ انہوں نے ہی اپنے عوام کو ایمان سے روکا تھا اور عوام نے اپنے لیے ایمان کا اثبات کیا اَنَحْنُ کیا ہم نے صَدَدْنٰكُمْ تمہیں روکا اور پھیرا تھا عَنِ الْهُدٰى ہدایت سے یعنی ایمان و ہدایت کے قبول کرنے سے بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ اس کے بعد جبکہ تمہارے ہاں ہدایت آئی یعنی ہم نے تمہیں ایمان سے نہیں روکا تھا۔ یہ اس محاورہ سے ہے جو کہ اہلِ عرب نے کہا:

ما انا قلت ھذا۔

اس سے قائل کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ میں نے تو نہیں کیا کسی دوسرے نے کیا ہوگا۔ اس لیے قاعدہ ہے کہ استفہام انکاری جب ضمیر پر داخل ہوتا ہے تو متکلم سے فعل کی نفی کر کے اس کے غیر کے لیے اثبات کرتا ہے کما قال تعالیٰ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ○ بلکہ تم مجرم ہو۔ یعنی یہ جرم تمہارا اپنا ہی ہے اسی جرم کے سبب سے تم نے خود ہی اپنے آپ کو قبولِ ایمان سے روکا تھا اور اپنے آباؤ اجداد کی تقلید کو اختیار کیا تھا۔

ف: اس میں کفار کو تنبیہ ہے کہ دنیا میں تمہاری ایک دوسرے کی طاعت و فرمانبرداری قیامت میں تمہاری آپس کی عداوت کا سبب بنے گی بلکہ تم ایک دوسرے سے بیزاری کا اظہار کرو گے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا پھر عوام لیڈروں کو ان کی مذکورہ بالا تقریر کا جواب دیتے ہوئے کہیں گے۔ یعنی وہ لوگ جنہیں کفار نے اپنے سے کمزور سمجھ رکھا تھا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا اس کا عطف جملہ مستانفہ پر ہے ان کے اعراض سے اعراض اور اس کا ابطال کرتے ہوئے کہیں گے بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ المکر بمعنی کسی کو دھوکا سے اس کے مقصد سے پھیر لینا یعنی ہمیں ایمان سے تمہارے اس مکر و فریب نے روکا جو تم نے دن رات ہمارے ساتھ کیا اور تمہاری وہ ترغیب و تحریص جس سے ہم کفر اور معاصی میں پھنسے۔ یہاں مضاف الیہ کو حذف کر کے ظرف کو اس کے قائم مقام کھڑا کیا گیا ہے اس لیے کہ ظرف میں وسعت ہے یعنی ظرف میں وسعت رکھی گئی ہے کہ وہ مفعول بہ کے قایم مقام کھڑا ہو سکتا ہے جیسے اہلِ عرب کہتے ہیں:

یا سارق اللیلۃ اھل الدار۔
(اے رات کو اہلِ دار کی چوری کرنے والے)
بالمجاز رات اور دن کو مکر کرنے والا بنایا ہے اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ یہ مکر کی ظرف ہے یعنی تمہارا مکر دائمی تھا جبکہ تم ہمیں حکم فرماتے اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کریں اور اس کے ساتھ شریک بنائیں اور کہتے پھریں کہ اللہ تعالیٰ کے اور بھی شریک ہیں۔
ف: مکرھم یا فی الواقع مکر و فریب مراد ہے جیسے ہم نے بیان کیا۔ جیسے دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یا قوم اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ جعل فیکم انبیاء وجعلکم ملوکا۔

اس لیے کہ ان میں انبیاء اور بادشاہ بنانا دونوں نعمتیں ہیں یا ان کے علاوہ اور امور جن سے وہ لوگ عوام کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسا لیتے تھے پھر ان کی ترغیب و ترہیب کرکے ان سے کفر و شرک کا ارتکاب کراتے وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ اور انہوں نے ندامت کو دل میں چھپایا جب عذابِ الٰہی دیکھا۔

حلِ لغات الندامۃ بمعنے التحسر فی امر فائت یعنی کسی معاملہ کے رہ جانے سے حسرت کرنا یعنی دونوں کفار و مشرکین کے لیڈروں اور عوام نے اپنے فعل ضلال و اضلال کو دل میں چھپایا جب انہیں ندامت سے کوئی فائدہ نہ ہوا یعنی ایک دوسرے کی ملامت سے بچنے کے لیے دل ہی دل میں نادم ہوئے یا اسرّوا بمعنے اظھروا ہے اس لیے کہ اسرار لغات اضداد سے ہے ایسے ہی افعال کا ہمزہ ہر دو یعنی اثبات و سلب کا فائدہ دیتا ہے جیسے اشکیتہ بمعنے میں نے اس سے شکایت کو دور کیا۔ یہاں یہی معنی ان کے حال کی مناسبت سے زیادہ ظاہر ہے۔
وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور ہم اپنے گلے میں طوق ڈالیں گے۔ اہلِ عرب کہتے ہیں:

فی رقبتہ غل من حدید۔
(اس کے گلے میں لوہے کی زنجیر ہے)

یعنی غل بمعنے قید و طوق ہے۔ الغل شے کے توسط کو کہتے ہیں اس لیے جاری پانی کے درمیان کو غل کہا جاتا ہے اب صرف اس شے کو کہا جاتا ہے جس سے کسی شے کو باندھا جائے۔ بیڑی یا لوہے کی زنجیر جس عضو پر باندھی جاتی ہے چونکہ عضو زنجیر یا بیڑی کے درمیان آجاتا ہے اسی لیے اسے غل سے تعبیر کیا گیا کما فی المفردات۔
اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہم قیامت میں ان لوگوں کی گردنوں میں لوہے کی زنجیریں ڈالیں گے جن کے پاس

دنیا میں حق آیا تو انہوں نے اسے ٹھکرایا خواہ خود بخود گمراہ ہوئے یا کسی کی ترغیب و ترہیب سے۔ چونکہ اس کا تحقق یقینی ہے اسی لیے مضارع کو ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور یہاں پر اسم ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لانے میں ان کی مذمت کو واضح اور انہیں متنبہ کرنا مطلوب ہے ورنہ فی اعناقھم کہنا تھا هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ یعنی انہیں یہ عذاب صرف اسی وجہ سے ہوگا جو انہوں نے دُنیا میں کفر و شرک و دیگر معاصی و جرائم کا ارتکاب کیا اور یہ عبارت دراصل بما کانوا یعملون تھی باء جارہ کو حذف کیا گیا ہے۔

نکتہ: ان کے گلے میں طوق ڈالنے میں نکتہ یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے دنیا میں اپنے آپ کو شہواتِ نفسانی اور تسویلات یعنی مکر و فریب شیطانی جکڑ دیا تھا اسی مناسبت میں قیامت میں انہیں زنجیروں سے جکڑا جائے گا۔

مسئلہ: غلام (ایسے ہی شاگرد، مرید یا دوسرے کسی سزا یافتہ) کو زنجیروں سے جکڑنا مکروہ ہے اس لیے کہ یہ سزا آخرت کے ساتھ مخصوص ہے۔

ف: قہستانی نے لکھا کہ طوق اس زنجیر کو کہا جاتا ہے جس سے ہاتھوں کو باندھ کر گردن کے ساتھ ایسا مضبوط جکڑا جائے کہ جس سے مجرم سر نہ ہلا سکے اور دنیا کے ظالم عام طور پر ایسے کرتے ہیں۔

ف: بعض فقہا نے فرمایا کہ اگر غلام کے بھاگنے کا شدید خطرہ ہو تو پھر اسے زنجیروں سے باندھنا جائز ہے۔ کما فی الکبریٰ۔

مسئلہ: اگر کوئی غلام بھاگ جاتا ہو یا کوئی شخص فساد پھیلاتا ہو تو اسے جکڑنا جائز ہے تاکہ وہ بھاگ نہ سکے اور فسادی فساد نہ کر سکے اور اس طرح سے اپنا مال و اسباب بچایا جا سکے لیکن ایسے لوگوں کو رسی وغیرہ سے باندھا جائے۔

مسئلہ: نصاب الاحتساب کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی سے جرم ثابت ہو جائے یا وہ خیانت کرے تو اس کے پاؤں میں رسی باندھ کر اسے قید کرنا جائز ہے یہ ادب القاضی میں ہے اور لفظ اطاقۃ کے بجائے اطافۃ (بالفاء) بھی آیا ہے بمعنے عوام میں اس کے جرم کی تشہیر کرنا تاکہ آئندہ وہ ایسا جرم نہ کرے۔ یاد رہے کہ ادب القاضی امام خصاف کی تصنیف ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ کشف الاسرار میں ہے کہ قریہ شہر کو کہتے ہیں اس لیے کہ وہ لوگوں کو اپنے اندر جمع کرتا ہے القریٰ سے ہے بمعنے جمع کرنا یعنی ہم نے کسی شہر میں نہیں بھیجا مِّنْ نَّذِيْرٍ کوئی نبی ڈرانے والا جو ان شہر والوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرائے اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ المترف بسکون المکرم وہ شخص جس کے ہاں دُنیوی عیش و عشرت کے اسباب وافر ہوں یہ اتوفہ

(بالنعم) سے ہے بمعنے التوسع - اہل عرب کہتے ہیں :

اترنہ ای انعمہ (فلاں نے فلاں کو نعمت سے نوازا) واترفتہ النعمۃ یعنی فلاں کو دنیا کی دولت نے گمراہ کیا ۔

یعنی شہر کے بڑے جاگیر داروں اور سرمایہ داروں نے رسل کرام علیہم السلام کو کہا اِنَّا بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِہٖ بے شک جو کچھ تم اپنے گمان پر احکام توحید و ایمان لائے ہو ان سے کٰفِرُوْنَ ○ اس میں انکار رہے جمع ارسلتم کے مقابلے میں جمع کافرون لایا گیا ہے ۔

مسئلہ : آیت میں حضور علیہ السلام کو تسلی دی گئی ہے کہ اے میرے محبوب مدنی صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ گزشتہ میں ایسے ہی غبیوں اور گستاخوں نے کیا آپ کی قوم کے لیڈر جو کچھ کرتے ہیں ، تو غم نہ کھائیے ۔

سوال : آیت میں سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کی تخصیص کیوں ؟

جواب : چونکہ عوام ہمیشہ اپنے لیڈروں کی اتباع میں غلطیوں کا ارتکاب کرتے ہیں اسی لیے لیڈروں کے ضمن میں عوام خود بخود مذکور ہو گئے یا اس لیے کہ تکذیب و انکار کا بڑا داعی دراصل دنیا و دولت اور جاگیرداری اور سرمایہ داری ہے ۔ اسی کی وجہ سے پھر عوام بھی انکار و تکذیب کرتے ہیں ۔

وَقَالُوْا اور اُن کافروں نے اپنی دنیا و دولت کی رونق یا ان امور سے جن کی وجہ سے دنیا میں فتنہ میں پڑے فقراء اور غرباء عوام کو کہا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا دنیا میں مال واولاد میں ہم تم سے زیادہ ہیں وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ○ اور اگر آخرت میں کوئی عذاب نازل ہوا بھی تو ہمیں نہیں ہوگا اس لیے کہ جیسے دنیا میں معزز و مکرم کیا جائے گا اسے آخرت میں ذلیل و خوار نہیں کیا جائے گا قُلْ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کافروں کے رد میں فرمائیے اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ بے شک میرا پروردگار رزق کی وسعت بخشتا ہے لِمَنْ يَّشَآءُ جس کے لیے وسعت چاہتا ہے وہ مومن ہو یا کافر وَيَقْدِرُ جس کی روزی تنگ کرنا چاہتا ہے تو اس کی روزی تنگ کرتا ہے ، وہ مومن ہو یا کافر - یہ اس کی اپنی مرضی پر ہے اور اس میں ہزاروں حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں ۔ اس سے یہ نہ کہا جائے کہ کسی کو رزق میں وسعت ملی ہے تو فلاں نیکی سے ، یا کسی کی روزی تنگ ہے تو فلاں برائی سے ۔ کیونکہ رزق کی وسعت اور تنگی کا دارومدار نیکی اور برائی سے متعلق نہیں ۔ نہ کسی کو نیکی کی وجہ سے دنیوی اعزاز بخشا جاتا ہے اور نہ ہی کسی برائی سے کسی کی اہانت کی جاتی ہے ۔

حدیث شریف میں ہے :

الدنیا عرض حاضر یاکل منھا البر والفاجر والآخرۃ وعد صادق یحکم فیھا ملک قاھر ۔ (باقی صفحہ ۸۴۰)

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰۤی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا

اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد اس قابل نہیں کہ تمہیں ہمارے قریب تک پہنچائیں مگر وہ جو ایمان لائے اور نیکی کی ان

فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِی الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ۳۷

کے لیے دونا دوں صلہ ان کے عمل کا بدلہ اور وہ بالا خانوں میں امن وامان سے ہیں

وَالَّذِیْنَ یَسْعَوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ۳۸

اور وہ جو ہماری آیتوں میں ہرانے کی کوشش کرتے ہیں وہ عذاب میں لا دھرے جائیں گے

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ لَهٗ ؕ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ

تم فرماؤ بے شک میرا رب رزق وسیع فرماتا ہے اپنے بندوں میں جس کے لیے چاہے اور تنگی فرماتا ہے جس کے لیے

مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ۳۹ وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ

چاہے اور جو چیز تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو وہ اس کے بدلے اور دے گا اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا اور جس دن ان سب کو اٹھائے گا پھر

یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰۤؤُلَآءِ اِیَّاكُمْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ۴۰ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ

فرشتوں سے فرمائے گا کیا یہ تمہیں پوجتے تھے وہ عرض کریں گے پاکی ہے تجھ کو تو ہمارا

وَلِیُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ۴۱ فَالْیَوْمَ

دوست ہے نہ وہ بلکہ وہ جنوں کو پوجتے تھے ان میں اکثر انہیں پر یقین لائے تھے تو آج تم میں

لَا یَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ وَنَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ

ایک دوسرے کے بھلے برے کا کچھ اختیار نہ رکھے گا اور ہم فرمائیں گے ظالموں سے اس آگ کا عذاب

النَّارِ الَّتِیْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۴۲ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوْا مَا

چکھو جسے تم جھٹلاتے تھے اور جب ان پر ہماری روشن آیتیں پڑھی جائیں تو کہتے ہیں

هٰذَاۤ اِلَّا رَجُلٌ یُّرِیْدُ اَنْ یَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَاۤ

یہ تو نہیں مگر ایک مرد کہ تمہیں روکنا چاہتے ہیں تمہارے باپ دادا کے معبودوں سے اور کہتے ہیں یہ تو

اِلَّاۤ اِفْكٌ مُّفْتَرًی ؕ وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا

نہیں مگر بہتان جوڑا ہوا اور کافروں نے حق کو کہا جب ان کے پاس آیا یہ تو نہیں مگر کھلا

سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۴۳ وَمَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ یَّدْرُسُوْنَهَا وَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَیْهِمْ قَبْلَكَ

جادو اور ہم نے انہیں کچھ کتابیں نہ دیں جنہیں پڑھتے ہوں نہ تم سے پہلے ان کے پاس کوئی

مِنْ نَّذِیْرٍ ۴۴ وَكَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَاۤ اٰتَیْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا

ڈر سنانے والا آیا اور ان سے اگلوں نے جھٹلایا اور یہ اس کے دسویں کو بھی نہ پہنچے جو ہم نے انہیں دیا تھا پھر انہوں

رُسُلِیۡ فَکَیۡفَ کَانَ نَکِیۡرِ ﴿۴۵﴾

نے میرے رسولوں کو جھٹلایا تو کیسا ہوا میرا انکار کرنا

تفسیر عالمانہ وَمَآ اَمۡوَالُکُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُکُمۡ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جملہ مستانفہ ہے یعنی اے لوگو! تمہارے مال اور اولاد نہیں ہے بِالَّتِیۡ۔

سوال: اسم موصول مونث کیوں؟

جواب: جمع مکسر عقلاً تانیث کے حکم میں برابر ہوتے ہیں یا اس کا موصوف محذوف ہے۔ وہ الخصلۃ ہے موصوف محذوف کی وجہ سے موصول کو مونث لایا گیا ہے۔

تُقَرِّبُکُمۡ عِنۡدَنَا زُلۡفٰۤی، زلفیٰ کا منصوب مفعول مطلق کی وجہ سے ہے اس لیے کہ یہ تقریب کا ہم معنیٰ ہے اور مزید کے باب سے مجرد مصدر مفعول مطلق آتا ہے جیسے انبت نباتا + الزلفیٰ اور الزلفۃ القربیٰ اور القربۃ کا ایک معنیٰ ہے۔

ف: اخفش نے فرمایا کہ زلفیٰ اسم مصدر ہے گویا فرمایا کہ التی تقربکم عندنا تقریبا۔

اِلَّا مَنۡ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا یہ تقربکم سے مستثنیٰ ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہیں ہمارا قرب نہ تمہارے اموال سے حاصل ہوگا نہ تمہاری اولاد سے۔ ہاں مومن اور نیک عمل کرنے والوں کو قرب نصیب ہوتا ہے۔ صالح سے وہ مومن مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرے اور اپنی اولاد کو نیکی سکھائے اور صلاح و طاعت کی تربیت کرے یا من مبتدا ہے اور اس کا مابعد اس کی خبر ہے کما فی الکواشی۔ اس معنی پر یہ استثناء منقطع ہوگا کما فی فتح الرحمٰن۔ فَاُولٰٓئِکَ پس وہی مومن نیک عمل کرنے والے لَهُمۡ جَزَآءُ الضِّعۡفِ ان کے لیے دوہری جزا ثابت ہے۔ لھم جار مجرور سے مل کر اپنے مابعد کی خبر ہے پھر جملہ اولئك کی خبر ہے جزاءُ مضاف الضعف مضاف الیہ۔ اور یہ اضافۃ المصدر الی المفعول کے قبیل سے ہے یہ دراصل فاولئك لھم ان یجازا الضعف ثم جزاء الضعف تھا۔ ثم جزاء الضعف جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انہیں ایک نیکی کے بدلے میں دس نیکیوں کا ثواب نصیب ہوگا بلکہ بہت سے خوش قسمت ایسے بھی ہوں گے جن کے ثواب کا اضافہ اس سے مزید یہاں تک کہ بعض حضرات کو ایک نیکی کا سات سو نیکیوں کے برابر ثواب ملے گا۔ بلکہ ایسے بھی ہیں جنہیں ایک نیکی کے بدلے میں ان گنت ثواب ہوگا بِمَا عَمِلُوۡا بسبب اس کے کہ انہوں نے نیک عمل کیے وَهُمۡ فِی الۡغُرُفٰتِ اور وہ جنت کے بالاخانوں میں ہوں گے یعنی انہیں اونچے محلات اور کئی منزلے مکانات نصیب ہوں گے۔

حلِ لغات الغرفات 'غرفة' کی جمع ہے گھر کے بالاخانہ کو کہاجاتا ہے یعنی مکان کی اوپر کی منزل۔

اٰمِنُوْنَ ○ جمیع تکالیف و آفات' جیسے موت، بڑھاپا، مرض، خوفِ اعداء وغیرہ سے بے خوف ہوں گے۔

ف: آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب نہ مال سے ملتا ہے نہ اولاد سے، اگرچہ لوگوں کے نزدیک یہی چیزیں محبوب و مرغوب ہیں۔ حالانکہ یہ چیزیں اکثر اللہ تعالیٰ سے دُوری کا سبب بنتی ہیں۔ انہی کی محبت کو غیر اللہ کی محبت سے تعبیر کیا جاتا ہے اس لیے کہ ان کی محبت انسانوں کو اندھا کر دیتی ہے۔

صـ۸۳۷ سے آگے

(دنیا ایک دسترخوان کی طرح ہے اس سے ہر نیک و بد کھا رہا ہے اور آخرت کا وعدہ سچا ہے وہاں اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے جس طرح چاہے گا فیصلہ فرمائے گا)

ے

ادیمِ زمین سفرۂ عام او ست
برین خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

ترجمہ: زمین کا ٹکڑا اس کا عام دسترخوان ہے اس غنیمت کے دسترخوان پر دشمن دوست برابر ہیں۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لیکن اکثر لوگ۔ اس سے اہلِ غفلت اور خسارے والے لوگ مراد ہیں لَا يَعْلَمُوْنَ ○ اللہ تعالیٰ کے رزق گھٹانے بڑھانے کی حکمت سے بے خبر ہیں ان کا گمان ہے کہ رزق کی وسعت شرافت و کرامت سے اور روزی کی تنگی ذلت و خواری کی وجہ سے ہے حالانکہ وہ اس سے بے خبر ہیں کہ اللہ تعالیٰ کبھی کسی کو رزق وافر دیتا ہے تو وہ وسعت اس بندے کے لیے آزمائش ہوتی ہے۔ ایسے ہی اپنے بعض بندوں کے لیے رزق کی کمی کر کے ان کے درجات بلند فرماتا ہے۔ جناب صائب نے فرمایا: ے

نفس را بدخو بناز و نعمت دنیا مکن
آب و نان سیر کاہل میکند مزدور را

ترجمہ: نفسِ بد کو دُنیا کے ناز و نعمت کا خوگر نہ بنا۔ پیٹ بھر کر کھانا مزدور کو کاہل و سُست بنا دیتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

حبك الشئ يعمى ويصم۔

(تجھے کسی کی محبت اندھا اور بہرہ کر دے گی)

یعنی اس چیز کی محبت سے نہ دوسروں کو دیکھ سکو گے اور نہ ہی دوسروں کی دعوت کو قبول کرو گے۔ اور یہی باری تعالیٰ سے کمالِ بُعد کی علامت ہے اور کمالِ بُعد اندھا اور بہرہ بنا دیتا ہے۔

تقربِ الٰہی کے اسباب تقربِ الٰہی کے اسباب درج ذیل ہیں:

(۱) اعمالِ صالحہ

(۲) احوالِ صافیہ

(۳) انفاسِ زاکیہ

(۴) عنایتِ سابقہ

(۵) رعایتِ صادقہ

جنہیں مندرجہ بالا اسباب میسر ہیں وہی بلند درجات کے مالک ہوتے ہیں۔ وہی ہجر و فراق دائمی سے محفوظ ہوتے ہیں اور جنہیں یہ اسباب حاصل ہوں وہ ایسے امور سے خوش زندگی بسر کرتے اور ان پر فخر و ناز کرتے ہیں وہ انہیں قیامت میں کوئی فائدہ نہ دیں گے ان سے وہ اہلِ غفلت دنیوی امور میں منہمک رہتے تھے ان کے لیے تنزلات اور جمیع حالات میں خوف غالب ہوگا۔ صائب نے فرمایا: ؎

نمیداننداہلِ غفلت انجام شراب آخر
بآتش می روند این غافلان از راہ آب آخر

ترجمہ: اہلِ غفلت شراب کا انجام نہیں جانتے ایسے غافل پانی سے آگ میں ہی جاتے ہیں۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ نے کسی سے پوچھا کہ تمہیں بیداری میں اگر ایک درہم میسر ہو وہ تمہیں محبوب ہے یا خواب میں ایک دینار؟ اس شخص نے جواب دیا کہ مجھے جو خواب میں ایک دینار ملے گا وہی میرے نزدیک محبوب تر ہے (اس سے اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ دنیا سے محبت نہیں رکھتا) حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو اس لئے کہ جو شے بیداری میں محبوب ہوگی وہی خواب میں بھی محبوب ہوگی۔ ایسے ہی جو شے آخرت کے لیے محبوب نہیں وہ بیداری میں بھی محبوب نہیں ہوگی۔

فقرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں آپ کے دولتکدہ پر حاضر ہوئے۔ آپ کے

گھر کی چھت بہت نیچی تھی۔ آپ اس وقت خواب سے بیدار ہوئے تھے، آپ کے جسمِ اطہر پر چٹائی کے نشانات موجود تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی، سرکار! یہ کیا۔ (یعنی آپ تو کائنات کے آقا ہیں اور یہ معمولی مکان، آپ کے لیے تو بہترین عمارت ہونی چاہیے) حضور علیہ السلام نے فرمایا "اے عمر! چٹائی کے نشانات تو پھر بھی آسان ہیں آنے والے ٹھکانے میں اگر اتنا بھی مل جائے تو غنیمت ہے، میرے حجرے کی چھت تو بہت اونچی ہے قبر کی چھت تو اس سے کہیں زیادہ نیچی ہوگی، ہم نے دُنیا دنیاداروں کے لیے چھوڑ دی اور انہوں نے ہمارے لیے آخرت چھوڑ دی، ہم جیسے دنیا میں ایسے بسر کرتے ہیں جیسے موسم گرما کا سوار کہ جیسے وُہ چاہتا ہے کہ سفر جلد طے ہو تاکہ سایہ کے نیچے جاکر آرام سے بیٹھے"۔

سبق عاقل وُہ ہے جو زینتِ دنیا سے دھوکا نہیں کھاتا اور وہ اپنے مالک و مولیٰ کی مرضی کے لیے جدوجہد کرتا ہے ؎

ہر کہ کوتہ کند بدنیا دست
پر برآرد چو جعفر طیّار

ترجمہ: جو بھی دنیا سے اپنا ہاتھ کوتہ کرتا ہے اسے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کی طرح پَر نصیب ہوں گے۔

اولیٰ یہی ہے کہ آخرت کی باقی رہنے والی نعمتوں کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اور دُنیوی فانی نعمتوں کو ترک کردینا لازم ہے۔

حکایت ایک بادشاہ کو ایک وزیر سے بہ نسبت دوسرے وزیروں کے زیادہ محبت تھی۔ اس وزیر پر دوسرے وزراء حسد کرنے لگے اور طرح طرح کے طعن اور بہتان تراشیاں شروع کردیں۔ بادشاہ نے چاہا کہ اس وزیر کا جوہر ظاہر کرے۔ چنانچہ ایک دفعہ اس نے ان سب کو اپنے شاہی مکان میں بلایا اور فرمایا کہ میرے خزانے سے جو کچھ چاہو لوٹ لو۔ کسی نے جواہر اٹھائے کسی نے موتی، کسی نے کوئی اور چیز بیش قیمت۔ جس وزیر سے دوسرے وزیروں کو حسد تھا اس نے بادشاہ کا دامن پکڑ لیا اور کہا مجھے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں مجھے تو صرف آپ کی ضرورت ہے کیونکہ میرے نزدیک آپ سے زیادہ قیمتی اور کوئی شے نہیں۔

سبق اس دُنیا میں انسان امتحان کے لیے آیا ہے اور یہ دنیا بہت سی اعلیٰ چیزوں سے مزین ہے اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو فرمایا اس میں سے جو شے تمہیں اچھی لگتی ہے وہ لے لو۔ پھر اس دنیا کو دُلہن کی طرح سنوار دیا جس نے اس میں جی لگایا وُہ اپنے مالک و

مولیٰ سے دور ہو گیا اور اپنی غفلت عقل سے دارِ دنیا میں پھنس گیا۔ اسے نہ مالک و مولیٰ یاد رہا نہ دارِ آخرت۔ اے بھائی! آج فرصت کے ایام ہیں ان میں آخرت کے سفر کے لیے زادِ راہ تیار کر لو ؎

ازرباط تن چو بگذشتی دگر معمورہ نیست

زاد راہے بر نمی داری ازیں منزل چرا

ترجمہ: جسم کی رباط سے جب گزرو گے اس کے بعد اور کوئی منزل نہیں ملے گی پھر یہاں سے زادِ راہ اٹھا کر کیوں نہیں جاتے!

دُعا: ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگتے ہیں کہ اپنے غیر سے ہماری امیدیں مطلقاً منقطع کر دے اور ہمارے عزائم اپنی طرف پھیر دے اور ہماری توجہ اپنی طرف لگا دے۔

وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا اس سے کفارِ قریش مراد ہیں یعنی وہ لوگ جو ہماری آیات قرآنیہ کے رد کرنے اور ان پر طعن و تشنیع کرنے اور ان کے ابطال میں جدوجہد کرتے ہیں مُعٰجِزِيْنَ درالحالیکہ وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہمیں عاجز کر دیں گے اور سمجھتے ہیں کہ وہ ہماری گرفت سے بچ جائیں گے اور انہیں اس مقابلہ پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ تاج المصادر میں ہے المعاجزۃ بمعنے کسی کام میں کسی پر غلبہ پانا۔ اس کی تحقیق اوائل سورۃ میں گزری ہے۔ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ۝ یہ الاحضاد سے ہے بمعنے حاضر کرنا۔ یہی لوگ عذابِ الٰہی میں حاضر کیے جائیں گے یعنی اللہ تعالیٰ سے چھپ نہیں سکیں گے اور جن امور پر انہیں اعتماد ہے قیامت میں وہ انہیں کوئی فائدہ نہیں دیں گے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام کا احترام نہیں کرتے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے حقوق کی رعایت کرتے ہیں ایسے لوگ انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام پر اعتراض کرنے کے عذاب میں مبتلا ہیں اور محارمِ الٰہی کے ارتکاب کی وجہ سے اپنی نحوست میں مبتلا رہیں گے ایسے لوگ حق تعالیٰ کی نظرِ عنایت سے گر جاتے ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

چوں خدا خواہد کہ پردۂ کس درد

میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کسی کا پردہ فاش کرتا ہے اس کا میلان نیک لوگوں پر طعن و تشنیع کی طرف ہو جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ فرمایئے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک میرا پروردگار اپنے بندوں میں جس کا رزق وسیع کرنا چاہتا ہے وَیَقْدِرُ لَہٗ اور پھر اس کا رزق کم کرنا چاہتا ہے تو کم کر دیتا ہے یہ اس کی آزمایش اور حکمت ہوتی ہے۔

ازالۂ وہم یہ مضمون ایک شخص کے لیے ہے۔ پہلا مضمون دو شخصوں کے لیے تھا۔ اس معنے پر مضمون میں تکرار نہ ہوا۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ۔ ما موصولہ بمعنے الّذی مبتدا اس کی خبر فَھُوَ یُخْلِفُہٗ ہے یا شرطیہ بمعنے اَیُّ شیءٍ ہے اور ما انفقتم کی وجہ سے منصوب ہے اور من شیءٍ اس کا بیان ہے اور جواب شرط فھو یخلفہ ہے۔ الانفاق بمعنے خرچ کرنا۔ اہل عرب کہتے ہیں:

نفق الشیءُ بمعنے مضی و نفد یا بکنے سے، جیسے نفق البیع نفاقا۔ یا موت سے، جیسے نفقت الدابۃ نفوقا یا فنا سے نفقت الدراھم تنفق۔ و انفقتھا، الاخلاف بمعنے مال اور فرزند سے بدل دینا۔ اس کا صلہ لام اور علیٰ دونوں آتے ہیں۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کی کوئی شے ضائع ہو جائے تو اس کے بدلے میں دوسری شے دی جائے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ شے یا جو شے تم طاعتِ الٰہی طریق خیر اور نیکی میں خرچ کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا بدل اور عوض عطا فرمائے گا یا تو دنیا میں مال سے یا قناعت سے اور یہ وہ مال ہے کہ ختم ہونے کا نہیں یا آخرت میں ثواب اور بہشت کی نعمتوں سے یا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی فلہٰذا فقر سے نہ ڈرو اور جی بھر کر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرو اور اللہ تعالیٰ کے الطاف کریمانہ کا انتظار کرو خواہ جلد یا بدیر۔

تفسیر صوفیانہ "تاویلات نجمیہ" میں ہے کہ وما انفقتم اور جو تم خرچ کرو گے موجود یا وجود سے تو وہی اس کا بدل دے گا یعنی وجود فانی کے عوض موجود اور وجود مجازی کے بدلے میں وجود حقیقی عطا ہوگا دنیا کا بدل یہ ہے کہ دنیا کو مٹا کر اور فقر و فاقہ پر راضی ہونا اور ظاہراً و باطناً راضی ہونا اور وہی سرور بالوجود والوجود میں مکمل ترین ہے ؎

افتد ہمائے دولت اگر در کمند ما

از ہمت بلند رہا می کنیم ما

ترجمہ: ہمائے دولت اگر ہماری قید میں آجائے تو ہم اپنی ہستی سے فارغ ہو جائیں گے۔

تفسیر عالمانہ وَھُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ○ اور اللہ تعالیٰ ان سے بہتر ہے جو کسی کو کچھ دیتے ہیں جیسے بادشاہ اور آقا اور عام انسان، جو کہ بادشاہ اپنے لشکر کو اور آقا اپنے غلام

کرا ور انسان اپنے عیال کو، اگرچہ ان کا کچھ دینا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ تو سب کو ایسا رزق دیتا ہے جسے فنا نہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ وہ تمام خرچ کرنے والوں سے بہتر ہے اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ منفق کا بہتر ہونا نفقہ کے بہتر ہونے کے اعتبار سے ہے اور دوسرے جتنا خرچ کریں گے وہ فانی ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کے لیے خرچ کیا جائے اس کا بدلہ ملے گا اور وہ باقی رہے گا اور قاعدہ ہے جو شے باقی ہو وہ فانی سے بہتر ہوتی ہے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے مصالح کی تکمیل میں لگنا بزرگ ترین عبادات سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آیت میں اسی کی رہبری فرمائی ہے۔ جیسا کہ حضور علیہ السلام نے اپنی امت کو ترغیب دلائی۔

حدیث شریف (حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:)

الخلق کلھم عیال اللہ واحبھم الیہ انفعھم لعیالہ۔

(تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کا عیال ہے اور اللہ تعالیٰ کو وہ بندہ محبوب تر ہے جو اس کے عیال (مخلوق) کو زیادہ فائدہ پہنچاتا ہے)

ف: خلقِ خدا کو عیال اللہ مجازاً کہا گیا ہے اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کا رزق اپنے ذمہ کرم لگایا ہے اور اس کی کفالت کا وعدہ کرم فرمایا تو گویا مخلوق اس کا عیال ہوئی۔

حدیث شریف میں ہے:

ان اللہ املاکا خلقھم کیف یشاء وصورھم علی مایشاء تحت عرشہ الھمھم ان ینادوا قبل طلوع الشمس وقبل غروبھا فی کل یوم مرتین الا من وسع علی عیالہ وجیرانہ وسع اللہ علیہ فی الدنیا والاخرۃ الا من ضیق ضیق اللہ علیہ الا ان اللہ قد اعطاکم لنفقۃ درھم علی عیالکم خیر من سبعین قنطارا۔

(اللہ تعالیٰ کے چند فرشتے ہیں جنہیں اس نے جیسے چاہا پیدا فرمایا اور جس طرح ان کی صورت بنائی ہے وہ فرشتے عرش کے نیچے رہتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان الہام فرمایا ہے وہ طلوع شمس سے قبل و غروب کے بعد دو بار اعلان فرمائیں خبردار جو بندہ اپنے عیال پر وسعت کرے اور ہمسائیگان پر بھی، اللہ تعالیٰ اسے دنیا و آخرت میں وسعت بخشے گا اور جو عیال و ہمسائیگان پر تنگی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے دنیا و آخرت میں تنگی میں ڈالتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں ایک درہم کے خرچ کے مقابلہ میں ستر قنطار سے بھی بہتر رزق عطا فرمائے گا)

ف : قنطار اُحد پہاڑ کے برابر وزن کو کہا جاتا ہے اور خرچ کرو اور خرچ سے مت گھبراؤ اور تنگی نہ کرو اور نہ بخل کرو۔ اور جمعہ کے دن زیادہ خرچ کیا کرو۔

حدیث شریف [1] میں ہے :

كل معروف صدقة وكل ما انفق الرجل على نفسه واهله كتب له به صدقة وما وقى الرجل به عرضه كتب له به صدقة۔

(ہر نیکی صدقہ ہے اور جو کچھ اپنے اُوپر اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرو گے تو اس کے عوض صدقہ لکھا جائے گا اور جو شخص اپنی عزت بچاتا ہے اس کے لیے بھی صدقہ لکھا جائے گا)

صُوفیہ کا خرچ کرنا واصل باللہ حضرات کا خرچ کرنا توحیدِ حقانی میں ہوتا ہے اور معرفت ذاتیہ افضل و اشرف ہے اس لیے مال کا خرچ اجسام کو نفع پہنچاتا ہے اور معارف کا قلوب و ارواح کو۔

ف : اور جو اپنی عزت بچاتا ہے وہ بھی صدقہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ غیر کو اپنی ہجو کا جواب دیا جائے مثلاً جیسے شاعر اور قادر الکلام کرتے ہیں۔

حدیث شریف [2] میں ہے :

ان لكل يوم نحسا فادفعوا نحس ذلك اليوم بالصدقة۔

(ہر دن میں نحوست اُترتی ہے اسے صدقہ دے کر دفع کرو)

حدیث شریف [3] میں ہے :

ينادى مناد كل ليلة لا دوا للموت وينادى آخر ابنوا للخراب وينادى مناد هب للمنفق خلفا وينادى مناد هب للممسك تلفا۔

(ہر رات اللہ تعالیٰ کا فرشتہ پکارتا ہے موت کا کوئی علاج نہیں، دوسرا کہتا ہے کہ خراب (ویران مقام) کے لیے تیاری کرلو، ایک اور پکارتا ہے کہ خرچ کرنے والے کو بدل عطا ہوتا ہے ایک اور کہتا ہے ممسک بخیل کا مال ضائع اور تباہ ہوگا)

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا :

احوال گنج قارون کایام داد برباد
باغنچہ باز گوئید تازر نہان دارد

ترجمہ : خزائنِ قارون کو دورِ زمانہ نے تباہ و برباد کیا، غنچہ سے کہو کہ وہ زر پوشیدہ نہ رکھے۔

اور مثنوی شریف میں ہے : ؎

آں درم دادن سخی را لایقست
۱ جان سپردن خود سخاے عاشقست

نان دہی از بہر حق نانت دہند
۲ جان دہی از بہر حق جانت دہند

ہر کہ کارد گردد انبارش تہی
۳ لیکش اندر مزرعہ باشد بہی

وانکہ در انبار ماند و صرفہ کرد
۴ اسپش و موش و حوادثہاش خورد

---

۵ جملہ در بازار زاں گشتند بند
تا چہ سود افتاد مال خود دہند

ترجمہ :(۱) راہِ خدا میں پیسے خرچ کرنا سخی کا کام ہے جان دینا عاشق کا کام ہے۔
(۲) اللہ تعالیٰ کے نام پر روٹی دو گے تو روٹی ملے گی۔ راہِ حق میں جان دو گے تو جان ملے گی۔
(۳) جو بیج بوتا ہے چند روز تو اس کے پاس سے دانے چلے جائیں گے لیکن بعد میں اسے کھیت سے بہتر اور زیادہ ملے گا۔
(۴) اور وہ جو بیج بونے کے دنوں میں دانے گھر میں رکھے رہا اس کے دانے چوہے اور کیڑے کھائیں گے اور وہ حوادث کا شکار رہوں گے۔
(۵) تمام بازار بند ہوں تو ان میں اناج لے جانے سے کیا فائدہ ہوگا۔

حدیث شریف میں ہے ، یؤجر ابن آدم فی نفقتہ کلھا الاشیاء وضعہ فی الماء والطین۔

(اللہ تعالیٰ بنی آدم کو ہر خرچ کرنے پر اجر و ثواب بخشتا ہے مگر وہ جو پانی اور مٹی پر خرچ کیا جائے اس کا کوئی ثواب نہ ملے گا)

ف : صدرالدین قنوی اس حدیث شریف کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اعمال کی صورتیں اعراض ہے اس کے جواہر عمل کرنے والوں کے مقاصد و علوم و اعتقادیات اور ان کے ارادوں کے متعلقات ہوتے ہیں اگرچہ یہ حدیث شریف بہ اعتبار صیغہ کے مطلق اور عام ہے لیکن قرائن و احوال سے مخصوص عنہ البعض ہو جاتی ہے اس لیے کہ پانی اور مٹی سے مراد تعمیر ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ ہر تعمیر گناہ ہے جبکہ بہت سی تعمیرات

سے بے شمار اجر و ثواب نصیب ہوتا ہے جیسے مساجد و رباطات و دیگر عبادت گاہیں۔ ان کی تعمیرات میں تعمیر کنندہ کو بہت زیادہ اجر و ثواب ملتا ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔

مسئلہ: ہاں ایسی تعمیرات میں گناہ ہے جو بلا ضرورت محض خوشنمائی یا تعمیرات پر اظہارِ فخر و مباہات اور ریاء و سمعۃ پر مبنی ہو۔ اگر ارادہ ہو تو تعمیر کنندہ دنیا میں تو اس تعمیر سے کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھالے گا لیکن آخرت میں اسے کوئی ثواب نہ ملے گا اس لیے کہ اس نے وہ کام کیا ہے جو صرف دنیا کے ساتھ متعلق ہے۔ اس معنے پر اس کی تعمیر کا جملہ عمل چونکہ اغراض سے متعلق تھا وہ دنیا سے کوچ کرنے کے بعد زائل ہو گیا اسے آخرت میں پہنچنے کا کوئی موقعہ میسر نہ ہوا اسی بنا پر آخرت میں اسے نہ کوئی ثمر نہ ثواب۔

خرچ کرنے والوں کی فہرست

علماءِ کرام نے خرچ کرنے والوں کے چند طبقات گنائے ہیں؛ (۱) وہ حضرات جنہوں نے توکل علی اللہ کر کے اپنی جملہ ملکیت راہِ خدا میں لٹادی جیسے صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی قوتِ یقینیہ سے تمام مِلک راہِ خدا میں خرچ کر ڈالی۔

(۲) وہ حضرات جنہوں نے کچھ مال خرچ کیا اور کچھ بچا کے رکھا لیکن اس ارادہ پر نہیں کہ وہ اس سے دنیوی فوائد و منافع حاصل کرنا چاہتے تھے بلکہ بوقتِ ضرورت خرچ کرنے کے لیے بچا رکھا۔

(۳) بعض وہ جنہوں نے اپنا مال اتنا خرچ کیا جتنا ان پر واجب تھا۔

بخیل کی علامت

حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ بقدرِ واجب خرچ کرنا اور اس سے مزید خرچ نہ کرنا بخیل کا کام ہے اس لیے اس پر لازم ہے کہ وہ واجب کے علاوہ نفلی صدقات میں سے بھی حصہ لے اگرچہ تھوڑا سہی۔

ف: مذکورہ بالا طبقات میں بھی مختلف قسمیں ہیں جنہیں ہم نے سورۂ فرقان کے اواخر میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے اگر تفصیل چاہیے تو وہاں دیکھ لیجئے اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ بحث محققانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اہلِ بذل و احسان سے بنائے اور نہ ہی امساک و بخل ہم سے سرزد ہو اور نہ ہی ذخیرہ اندوزی کی عادت ہو بلکہ ہمیں ایسے خرچ کرنے کی توفیق بخشے جو ہمارے لیے سرمایۂ آخرت و زادِ راہ کا کام دے اس لیے کہ اس کے خزانے بے بہا اور اس کے ابحارِ جود و سخا کی کوئی انتہا نہیں وہی رات دن ہر ایک کو عطا کرتا اور فیض پہنچاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی اُمت کو وہ دن یاد دلایئے جس میں اللہ تعالیٰ ہر امیر غریب، ہر سرکش اور کمزور اور جملہ موحدین اور تمام غیروں کی پرستش کرنے والوں کو جمع فرمائے گا جَمِيعًا درانحالیکہ وہ سب

یہ سب اکٹھے جائیں گے کوئی بھی ان میں سے نہیں رہ جائے گا۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا اس سے بنو ملیح قبیلہ کے وہ لوگ مراد ہیں جو ملائکہ کی اس گمان سے پرستش کرتے تھے کہ ملائکہ خدا تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں ان کی دلیل یہ تھی کہ ملائکہ خدا تعالیٰ کی بیٹیاں اس لیے ہیں کہ انہیں پردہ میں رکھا ہے۔

سوال: پردہ میں جن بھی تو ہیں تو پھر ان کی پرستش کیوں نہ کی اور انھیں خدا کی بیٹیاں کیوں نہ کہا۔

جواب: ملائکہ سماوی اور جنات ارضی ہیں۔ ان کا اعتقاد یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے۔

ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ پھر مشرکین یعنی ملائکہ کی پرستش کرنے والوں کو زجر و توبیخ کے ارادے پر اللہ تعالیٰ ملائکہ سے فرمائے گا اور یہ اس لیے بھی کہ انہیں ملائکہ کی شفاعت سے مکمل طور نا امیدی ہو اس لیے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ ان کے ملائکہ کرام اللہ تعالیٰ سے چھڑالیں گے أَهٰٓؤُلَآءِ کیا یہی کافر و مشرک ہیں إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ۝ دنیا میں تمہاری پرستش کرتے تھے۔ ایاکم کا منصوب ہونا یعبدون کی وجہ سے ہے۔

سوال: مشرکین تو ملائکہ کرام کے علاوہ دوسری بہت سی اشیاء کو پوجتے تھے تو پھر یہاں ملائکہ کرام کی تخصیص کیوں؟

جواب: یہ اس لیے کہ وہ ان کے معبودوں سے اشرف و اعلیٰ تھے۔ پھر انہیں تنبیہ کرنا مطلوب ہے کہ جب اس وقت تمہارے اشرف و اعلیٰ معبودوں کا یہ حال ہے تو پھر دوسروں کا کیا حال ہوگا۔

قَالُوا ملائکہ کرام اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس بیان کرتے ہوئے عرض کریں گے یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے۔ سُبْحٰنَكَ تیری ذات شرک سے منزہ اور پاک ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ترجمہ لکھا ہے کہ اے اللہ! تو منزہ اور پاک ہے کہ تیرے سوا کسی اور کی عبادت کریں۔

أَنْتَ وَلِيُّنَا الولی عدو کی نقیض ہے یعنی تو ہی ہم سب کا والی ہے مِنْ دُونِهِمْ سوائے مشرکین کے یعنی مشرکین کے ساتھ ہمارا کوئی واسطہ اور تعلق نہیں۔ جب ہم ان سے کوئی واسطہ اور تعلق ہی نہیں رکھتے تو پھر ہم ان کی پرستش سے کس طرح راضی ہوتے اس کے بعد ملائکہ نے اس قول سے اعراض کرتے ہوئے اپنی پرستش سے برأت کا اظہار کرنے کے بعد اصل حقیقت ظاہر کردی بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ بلکہ اپنی جہالت و غوایت کی وجہ سے جنوں یعنی شیاطین کی پرستش کرتے تھے یعنی ان کی اطاعت میں غیر اللہ کی پرستش کرتے تھے۔

ف: بعض مفسرین نے لکھا کہ وہ لوگ ملائکہ کے خیالی مجسمے بنا کر ان کی پرستش کر کے کہتے کہ یہی ملائکہ ہیں اور شیاطین کو جنات سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ شیاطین حواس سے اوجھل ہیں اور جو شے حواس سے

او جہل ہوا سے جن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اَکۡثَرُهُمۡ یہاں پر اکثر بمعنے کُل ہے اور ھُمۡ کی ضمیر کا مرجع مشرکین ہیں جیسا کہ سیاقِ کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی تمام مشرکین ایسے ہوں گے جیسے مذکور ہوگا۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ ضمیر انسانوں کی طرف راجع ہے اور اکثر اپنے حقیقی معنے پر ہے یعنی اکثر لوگ **بِهِمۡ** جنوں کے ساتھ یعنی ان کی جھوٹی بات مان کر کہ ملائکہ اللہ کی لڑکیاں ہیں **مُّؤۡمِنُوۡنَ** ○ تصدیق کرنے والے تھے اور انہیں کی تابعداری کی اور جو عقیدہ ان کے دل میں القا کرتے وہ اسے مان لیتے مثلاً انہیں کہا گیا کہ ملائکہ تمہاری سفارش کریں گے فلہذا تم ان کی پرستش کرو۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جیسے ایک قوم نے شیاطین کے کہنے پر ملائکہ کی پرستش کی اور پھر قیامت میں ملائکہ کرام ان کی پرستش سے برأت کا اظہار کریں گے ایسے ہی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت تو کرتے ہیں لیکن والدین یا اساتذہ یا اہل بلا یا تعصب کی بنا پر یا خواہشاتِ نفسانی سے جیسے یہود و نصارٰی اور صابئین اور مجوس اور اہلِ بدعت و اہلِ ہوا اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں تو قیامت میں اللہ تعالیٰ اس سے برأت کا اظہار کرے گا اور فرمائے گا کہ میں ایسے عبادت گزار لوگوں سے بری ہوں جو غیروں کے کہنے سے یا اہلِ ہوا کی اعانت سے میری عبادت کرتے تھے اس لیے کہ جو اہلِ ہوا کے کہنے پر میری عبادت کرتا تھا وہ دراصل اپنی خواہش کی پرستش کرتا تھا اس لیے کہ اس نے مخلص ہو کر میری عبادت نہیں کی تھی حالانکہ میں نے اسے کہا تھا کہ خلوص سے میری عبادت کرنا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں نماز کی عبادت کے لیے فرمایا کہ کہو ایاك نعبد وایاك نستعین یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں نہ کہ تیرے غیر کی اور ہم تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں نہ کہ غیر سے۔

اکثرھم بھم مؤمنون میں اشارہ ہے کہ اکثر اہلِ ایمان مدعیان اسلام جو دراصل اہلِ ہوا ہیں اور وہ دوسروں کی تقلید و تصدیق سے ایمان قبول کرتے ہیں اور بُرے اعتقاد اور بدعت سیئہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں کما فی التاویلات النجمیہ۔

صائب نے فرمایا: ؎

چہ قدر راہ بتقلید توان پیمودن
رشتہ کوتاہ بود مرغ نوآموختہ را

(ترجمہ: تقلید کے ساتھ کہاں تک دوڑ لگاؤ گے نوآموز پرندہ کی ڈور چھوٹی ہونی چاہیئے)

تفسیرِ عالمانہ **فَالۡيَوۡمَ** تو حشر کے دن **لَا يَمۡلِكُ** ، الملك (بالحرکات الثلاث) صاحب ملک ہونا **بَعۡضُكُمۡ** اس سے مشرکوں کے بُت مراد ہیں **لِبَعۡضٍ** اس سے پرستش کرنے والے مراد ہیں **نَّفۡعًا** سے شفاعت **وَّلَا ضَرًّا** اس دفع ضرر سے عذاب مراد ہے یہاں مضاف

محذوف ہے کیونکہ قیامت میں حکمرانی صرف اللہ تعالیٰ کی ہو گی اس لیے کہ وہ دارِ جزا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا مخلوق کا کوئی فرد کسی کو جزا سزا نہ دے گا ۔ الارشاد میں ہے کہ حکمرانی کو صرف دار الجزاء سے مقید کرنے کا فائدہ یہ ہے (حالانکہ اللہ تعالیٰ کی حکمرانی علی الاطلاق ہے) تاکہ بندے نفع کی امیدیں صرف اسی سے وابستہ کریں یہ کلام بھی منجملہ از گفتگوئے ملائکہ کرام ہے یہ اس وقت کہیں گے جب کافروں کے غلط انتساب کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس سے فراغت پاکر برسرِ میدان اپنے پرستاروں کو کہیں گے کہ ہم عاجز اور قاصر ہیں تاکہ ملائکہ سے ان کی شفاعت کی امید کی جڑ کٹ جائے ۔ فاد ترتیب کے لیے نہیں یعنی اسے اس لیے نہیں لایا گیا کہ مابعد کا حکم جواب ملائکہ پر مرتب ہو کیونکہ وہ جواب تو محقق ہے ملائکہ انھیں جواب دیتے یا نہ ۔ بلکہ اس ترتیب کے لیے ہے کہ خبر کو جواب ملائکہ پر مرتب کیا گیا ہے ۔ وَنَقُوْلُ اور ہم آخرت میں فرمائیں گے لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ان لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر و تکذیب سے اپنے نفسوں پر ظلم کیا اس لیے کہ انھوں نے ایمان و تصدیق کے بجائے کفر و تکذیب کا انکار کیا اس کا عطف یقول پر ہے یملك پر اس کا عطف نہیں ہے جیسا کہ بعض کا خیال ہے اس لیے کہ یہ منجملہ اس گفتگو کے ہے جو قیامت میں ہو گی ملائکہ کو خطاب کرتے ہوئے کہا جائے گا اور یہ اسے جواب نفی پر مرتب کیا گیا ہے ۔ اور یہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکایتاً بیان کیا گیا ہے کہ بت پرستوں کو قیامت میں یونہی کہا جائے گا جیسا کہ پہلے حکایتاً بیان کیا گیا ہے کہ ملائکہ کرام کو کہا جائے گا ذُوْقُوْا ذوق دراصل اس شے کو کہا جاتا ہے جو کثیر شے کے پڑھنے کے لیے تھوڑی سی شے چکھی جائے ۔ لیکن یہاں کثرت کے لیے ہے عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ٥ بہا کا تعلق تکذبون سے ہے یعنی جہنم کا وہ عذاب چکھو جسے تم جھٹلاتے تھے اور تمہارا اصرار تھا کہ قیامت آئے گی نہیں اگر آئے گی تو ہمیں عذاب نہ ہو گا لیکن اب دیکھ لو کہ تم اس میں داخل ہو اس طرح سے تمہارا گمان اور دعویٰ باطل ہو گیا ۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جو شخص اپنا دل غیر سے لگائے اور اپنے حال کی اصلاح حیلے بہانے یا اپنے جیسے عاجزوں سے چاہے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے دلوں سے رحمت چھین لیتا ہے اور انھیں خالی خط چھوڑ دیتا ہے اور ان کے احوال کو مشوش بنا دیتا ہے یہاں تک نہ انھیں اپنی ہم جنسوں سے مدد ملتی ہے اور نہ ہی ان کے امور میں ان کی عقل کام کرتی ہے اور نہ ہی انہیں کوئی سمجھ بوجھ ہوتی ہے ان کا رجوع اللہ تعالیٰ کی بجائے دنیا کی طرف رہتا ہے اگرچہ وہ مرنے کے بعد اس کی طرف رجوع کریں گے لیکن وہ ان پر رحم نہیں فرمائے گا اور نہ ہی ان کے سوال کا جواب دے گا بلکہ انہیں ہجر و فراق کی آگ سے جلائے گا اس لیے وہ ظالم ہیں یعنی غیر اللہ کی پرستش کرنے والے ۔

ملفوظِ ولی اللہ ایک شیخ کامل احمد حرب نامی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اس لیے پیدا فرمایا تاکہ وہ غیروں کو پہچانیں اور غیر اللہ کی پرستش نہ کریں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کا شریک بنائیں اور اسے رزاق مانیں کہ اس نے روزی دی اور اسے قہار سمجھیں کہ وہ سب کو موت دے گا اور موت ہی تو ہے جس نے بڑے بڑے سرکشوں کو ملیا میٹ کیا اور بڑے فرعونوں کو مٹی میں ملا دیا اور اسے قادر مانیں کہ اس نے سب کو زندگی بخشی چونکہ وہی قادر مطلق ہے اسی لیے انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے عجز و نیاز کا اظہار کرے بلکہ اپنے آپ کو اس کی قدرت کے تابع سمجھے اور اختیار سے ہی اس کی طرف رجوع کرے ورنہ اضطراری طور تو اس کے پاس جانا ہی پڑے گا اور یقین رکھے کہ توفیق وہی بخشتا ہے ؎

نکشود صائب از مدد خلق ہیچ کار
از خلق روئے خود خدا می کنیم ما

ترجمہ : صائب ! مخلوق کی مدد سے کام نہیں چلتے ۔ مخلوق کی طرف سے منہ پھیر کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہمارا رجوع ہے ۔

ف : جو شخص جن کی پرستش کرتا اور شیطان کا مطیع بنتا ہے تو سمجھو کہ اس کا دین زوال پذیر ہوا اسے دائمی عذاب میں مبتلا رکھا جائے گا جیسے ابلیس ابدی عذاب میں مبتلا ہے اور جو نفس کی اطاعت کرتا ہے یعنی معصیت کا ارتکاب کرتا ہے تو اسے چند روز عذاب ہو گا لیکن پھر اسے نجات نصیب ہو گی اور ہوٰی کی اطاعت کرتا ہے یعنی شہواتِ نفسانی کی اتباع کرتا ہے تو عذاب شدید میں مبتلا کیا جائے گا جو ابلیس کا کہا مانتا ہے تو وہ اس سے دُور ہو گیا اور جس نے نفس کی اطاعت کی اس سے پرہیزگاری دُور ہو گئی اور جس نے ہوٰی کی اتباع کی اس سے عقل گئی ۔

حکایت یحییٰ علیہ السلام باوجود اتنی بزرگی اور جلالت شان کے اور باوجودیکہ آپ نے کبھی گناہ کا ارادہ تک نہ کیا لیکن پھر بھی عذاب جہنم سے ہر وقت ڈرتے رہتے تھے اور رات دن گریہ وزاری فرماتے رہتے تھے ۔

سبق اس غافل کا کیا حال ہو گا جو ہر وقت معصیت میں مبتلا ہے لیکن پھر بھی سلب ایمان سے خائف نہیں حالانکہ اس کے پیچھے بہت بڑا اور سخت کینہ دشمن (ابلیس) لگا ہوا ہے ۔ اسی لیے لازم ہے انسان غیر اللہ کی طرف مائل ہونے سے توبہ کرے اور ہر حال میں اسی خیال میں رہے بلکہ صبح شام گریہ وزاری کرتا رہے تاکہ جہنم کی آگ سے نجات اور بہشت اور قرب و شہود رحمان کی کامیابی حاصل ہو ؎

زپشت آینہ روی مراد نتوان دید
ترا کہ روی بخلق است از خدا چہ خبر

ترجمہ : شیشے کی پیٹھ سے چہرہ نہیں دیکھا جا سکتا جب تیری توجہ مخلوق کی طرف ہے
تو پھر تجھے خدا تعالیٰ کی کیا خبر۔

تفسیر عالمانہ وَإِذَا تُتْلٰى اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے مسلسل پڑھی جاتی ہیں عَلَيْهِمْ مشرکین مکہ پر اٰيَاتُنَا ہماری آیاتِ قرآنیہ بَيِّنَاتٍ درانحالیکہ وہ حقیقۃ توحید اور بطلان شرک پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں قَالُوْا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں مَا هٰذَا إِلَّا رَجُلٌ اس کی تنکیر تھکو و تلہی کی ہے۔ ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں بہت بڑے مشہور و معروف تھے يُرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ اس کا ارادہ ہے کہ وہ تمہیں پھیرے عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاؤُكُمْ اس سے جس کی تمہارے آباء عرصہ دراز سے (بتوں کی) پرستش کرتے چلے آرہے ہیں اور تمہیں اس بدعت کی اتباع کا کہتا ہے جس کا نہ کوئی سر ہے نہ پاؤں اور نہ ہی درحقیقت یہ کوئی دینِ الٰہی ہے جس کی وہ دعوت دیتا ہے ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ نبی علیہ السلام تمہیں بت پرستی سے روکتے ہیں اور اپنی پیدا کردہ بدعت (جسے وہ دینِ اسلام سے تعبیر کرتے ہیں) کی دعوت دے کر اسی بدعت کے تابع کرنا چاہتے ہیں۔ اور آباء کی اضافت بجائے اپنے مخاطبین کی طرف اس لیے کی تاکہ ان کی رگِ حمیت ٹپکے اور شرک کی تقریر میں تاکید اور مبالغہ اور توحید سے مکمل طور نفرت ہو وَقَالُوْا مَا هٰذَا اور کہتے ہیں نہیں ہے یہ قرآن إِلَّا إِفْكٌ مگر گھڑا ہوا یعنی اپنی صحیح سمت سے ہٹا ہوا اس لیے کہ اس کے مضامین مثلاً توحید و بعث و نشر ان کے عقاید و مراسم کے مطابق نہیں تھے مُّفْتَرًى من گھڑت ہے جسے اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر رکھا ہے۔ جان بوجھ کر جھوٹ بولنے کا نام افتراء ہے۔ یہ قول مشرکین عناداً و مکابرۃً کہا ورنہ ان کے ایک بہت بڑے لیڈر عتبہ بن ربیعہ نے کہا تھا کہ یہ قرآن مجید نہ شعر ہے نہ کہانت ہے نہ جادو وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ اور کافروں نے حق یعنی قرآن مجید کے بارے میں کہا۔ یہ عطف عنوان کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے اس لیے کہ پہلے سے قرآن مجید کا معنی اور دوسرے سے اس کے الفاظ معجزہ مراد ہے اور ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لانے میں ان پر اظہار غضب کے لیے ہے اور واضح کرنا ہے کہ قرآن مجید سے صرف وہی لوگ ٹکر لیتے ہیں جو کفر میں انتہائی سرکش اور گمراہی و بطلان میں بہت زیادہ منہمک ہیں لَمَّا جَآءَهُمْ جبکہ ان کے ہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا۔ لفظ لمّا میں اشارہ ہے کہ ان لوگوں کے ہاں جونہی قرآن مجید آیا تو فوراً تکذیب و انکار پہ تل گئے ذرہ برابر بھی تامل و فکر سے کام نہ لیا اِنْ یہ نافیہ بمعنے ما ہے هٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○ نہیں ہے یہ قرآن مجید مگر جادو ظاہر یعنے اس کی ساحریت ایسی ظاہر ہے کہ اس میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ السحر، سحر یسحر سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی سے دھوکا

کرے اور متحیر و مدہوش بنا دے۔ یہ اس وقت جب ساحر ایسا کام دکھائے کہ جس کے بالمقابل سے مقابلہ نہ ہو سکے اور نہ ہی مسحور کو اس کا ادراک ہو سکے کمافی شرح الآمالی۔

ف : حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ السحر' سحر سے ماخوذ ہے لیعنی وہ وقت فجر اول و فجر ثانی کے درمیان ہے وجہ تشبیہ اختلاط ہے اس لیے کہ اس وقت میں صبح کی روشنی اور رات کی تاریکی آپس میں مختلط ہوتی ہیں چونکہ سورج کے طلوع کو دیر ہوتی ہے اسی لیے تاریکی شب کی وجہ سے آنکھوں کو اشیاء پورے طور پر نظر نہیں آتیں ایسے ہی جب جادوگر اپنا جادو کسی پر ڈالتا ہے تو حق و باطل کا امتیاز نہیں ہو سکتا بلکہ باطل محض ہوتا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی جو بعد کو دیکھنے والے کا مشاہدہ غلط اور گمان فاسد ہو جاتا ہے۔

ف : حضرت شیخ شعرانی قدس سرہٗ نے کبریت احمر میں لکھا کہ شیخ اکبر قدس سرہٗ کا یہ کلام ایسا نفیس ہے کہ ہم نے پہلے کسی سے نہیں سنا۔

وَمَا اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ اور وہ جو ہم نے مشرکین مکہ کو کتابیں دیں۔ یہ من استغراقیہ ہے جو تاکید نفی کے لیے مفعول پر داخل ہوا ہے **یَّدْرُسُوْنَهَا** انہیں پڑھتے ہیں جن میں شرک کی مذمت کے دلائل تھے۔ کما قال تعالیٰ :

ام انزلنا علیهم سلطانا فهو یتکلم بما کانوا به یشرکون۔

(کیا ہم نے ان پر کوئی دلیل نازل کی ہے جو بولے اس کے لیے جسے شریک بناتے ہیں)

اور فرمایا :

ام اٰتینٰهم کتابا من قبله فهم به مستمسکون۔

(کیا ہم نے انہیں کتاب دی ہے اس سے پہلے تو وہ اسے پکڑنے والے ہیں)

یہاں پر صیغہ جمع لانے میں تنبیہ ہے کہ جب ایسے دلائل سے شبہات پیدا ہوں تو ضروری ہے کہ اس وقت کتاب کو غور و خوض سے پڑھا جائے اور مکمل طور پر اس کے معانی سمجھنا چاہییں۔ اور تدریس درس کا مبالغہ ہے۔ المفردات میں امام راغب رقمطراز ہیں :

درس الشیٔ بمعنے بقی اثرہ یعنی اس کا نشان باقی رہا۔ اور قاعدہ ہے کہ جو شے نشان رکھتی ہے وہ بالآخر مٹ جاتی ہے اسی لیے دروس کو انمحاٗ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ایسے ہی کہا جاتا ہے :

درس الکتاب و درست العلم۔

یعنی میں نے حفاظت کے ساتھ اس کے اثر کو ہاتھ میں لیا۔ اور چونکہ یہ تناول کے دائمی طور ہوتا ہے اسی لئے قراۃ کتاب کو درس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ○ اور ہم نے ان کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا بھیجا جو انہیں شرک کی طرف بلائے اس کے ترک پر عذابِ الٰہی سے ڈرائے۔ اور ظاہر ہے ان وجوہ میں سے کوئی وجہ بھی نہیں تو پھر یہ شرک انہیں کہاں سے ملا اور کب سے یہ مذہب رائج ہوا اس سے ان کی تجہیل و تفسیق مراد ہے اور یہ ظاہر کرنا ہے کہ یہ پرلے درجے کے سفیہ اور بے وقوف ہیں کہ انہیں اس کے متعلق کچھ پتہ ہی نہیں چلتا۔ اب اس پر تہدید کرتے ہیں وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اور وہ لوگ جنہوں نے ان سے پہلے تکذیب کی یعنی امم سابقہ اور قرونِ ماضیہ کے لوگوں نے ایسے ہی تکذیب کی جیسے کفارِ مکہ نے آپ کی تکذیب کی وَمَا بَلَغُوْا اور قریش مکہ اور مشرکین عرب نہیں پہنچے مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ جو کچھ ہم نے انہیں دیا اس کے دسویں حصے کو نہیں پہنچے اس لیے کہ ان کی قوتِ اجسام اور کثرتِ اموال و اولاد و طول الاعمار کے مقابلے میں یہ لوگ عشرِ عشیر بھی نہیں۔

حلِ لغات المعشار بمعنے عشر (دسواں حصہ) جیسے المرباع بمعنے الربع ہے۔ الواحدی نے فرمایا: المعشار بمعنے العشیر و العشر عشرۃ کا دسواں حصہ۔ بعض نے کہا المعشار عشر العشیر۔

فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ اس کا عطف وکذب الذین بطریق التفصیل والتفسیر کے ہے۔ کذب قبلهم قوم نوح فكذبوا عبدنا۔ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ○ پھر کیسے ہے ان کے لیے میرا انکار ان کی جڑ کاٹنے اور نیست و نابود کرنے میں۔ یعنی جب میں نے ان بڑے کافروں کو مٹا دیا تو پھر یہ کون لگتے ہیں اسی لیے انہیں ان کے حالات سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

تفسیرِ صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جب کوئی صاحبِ نظر لوگوں کو دعوتِ الی الحق دیتا ہے تو اس کے بُرے ساتھی اور اس کی جاہل برادری اور اس کے دین سے بے بہرہ دوست کہیں گے (اس طرح کہنے والے بہت سے علماء بھی ہوتے ہیں) کہ یہ لوگ دین کی خاطر دعوتِ اسلامی نہیں دے رہے بلکہ انہیں دینی منفعت مطلوب ہے اور محبتِ دنیا میں گرفتار ہو کر اس طرح کا حیلہ بہانہ بنایا ہوا ہے اور مکر و فریب اور دھوکا سازی سے کاروبار چلایا ہوا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف اولٰئک قطاع الطریق علی العباد۔

(یہی لوگ میرے بندوں کے لیے ڈاکو اور قزاق ہیں)

بہرحال اس مرد کے لیے وہ لوگ کہتے ہیں کہ ایسے شخص سے بچ جاؤ اس لیے کہ یہ تمہیں شکار کرنا چاہتا ہے اور تمہیں اپنا غلام بنانا چاہتا ہے تاکہ تم اس کے فرماں بردار ہو کر اس کے کاروبار میں مدد کرسکو

اور تمہیں وہ اپنا مرید بنانا چاہتا ہے تاکہ تمہیں تمہارے مذاہب سے دُور کر دے ۔ اس کی نظر تمہارے اموال پر نظر ہے اور وہ کون مرد مجاہد ہے جو دنیا سے بچ سکے اور اپنے اہل وعیال اور اقارب اور رشتہ داروں سے دُور ہو سکے ایسے اولاد کو خیرباد کہہ سکے اور یہ حق کا طریق ہی نہیں ہے اور نہ ہی اس طرح سے طریقِ حق کی تکمیل ہو سکتی ہے یعنی جس میں صرف دنیوی مطلوب ہو وہ طریق حق نہیں ہو سکتا ۔ انسان کامل وُہ ہے جو دنیا میں رہ کر دنیا کا کام بھی کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف بھی متوجہ رہے اور اندرونی دنیا سے روگردان ہو ۔ جو شخص خواطر الدنیۃ اور ہواجس نفسانیہ ردیہ کا شکار ہوتا ہے وُہ گمراہ ہو کر تباہ و برباد ہوتا ہے ۔ جیسے پہلے لوگ گمراہ ہو کر تباہ و برباد ہُوئے ۔ طالب حق پر لازم ہے کہ وہ ان لوگوں سے عبرت حاصل کرے جو مشایخ و علماٗ پر اعتراض وانکار کر کے تباہ و برباد ہُوئے ۔ ان لوگوں کا انجام یُوں ہُوا کہ دنیا میں رہ کر دینی مراتب سے محروم ہُوئے اور عذابِ آخرت میں مبتلا ہو کر ہجر و فراقِ الٰہی میں گرفتار ہُوئے ۔ اے عزیز! ایسے بدبختوں کی صحبت سے دور رہیئے جو عشاق کے طریق سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں اس لیے کہ وُہ بظاہر دوست ہیں اور حقیقت میں دشمنِ دین ۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

آدمی را دشمن پنہاں بسیست
آدمیٔ با حذر عاقل کسیست

(ترجمہ : آدمی کے پوشیدہ دشمن بہت ہیں ہوشیا آدمی عقلمند انسان ہے ۔)

مولانا جامی قدس سرہٗ درۃ التاج میں رقمطراز ہیں :

۱ چوں سکندر بقصد آبِ حیات
کرد عزم عبور بر ظلمات

۲ بزمینے رسید پہن و فراخ
راند خیل و حشم دراں گستاخ

۳ ہر کجا می شد از یسار و یمین
بود پر سنگریزہ روئے زمین

۴ کرد روئے سخن بسوے سپاہ
کاے ہمہ کردہ گم ز ظلمت راہ

۵ ایں ہمہ گوہراست بے شک و ریب
کیسہ تان پر کنید و دامن وجیب

ہر کرا بود شک درہ اسکندر
۶ آں حکایت نیامدش باور
گفت درزیرہ نعل نعل کہ دید
۷ دُرّ و گوہر برہگذر کہ شنید
وانکہ آئینۂ سکندر بود
۸ سرّ جانش درو مصوّر بود
ہرچہ ازوے شنید باور داشت
۹ آنچہ مقدور بود ازاں برداشت
چوں بریدند راہ تاریکے
۱۰ تافت خورشید شان ز نزدیکے
آں یکے دست میگزید کہ چوں
۱۱ زیں گہر بر نداشتم افزوں
واں دگر خوں ہمی گریست کہ آہ
۱۲ نفس و شیطاں زدند برمن راہ
کاشکے کز گہر بکردم بار
۱۳ بر سکندر نکردمے انکار
تا نیفتادمے ازاں تقصیر
۱۴ در حجاب و خجالت و تشویر

ترجمہ:(۱) جب سکندر کا آبِ حیات کا ارادہ ہُوا تو ظلمات کو عبور کرنے کا پروگرام بتایا۔
(۲) ایک وسیع اور چٹیل زمین میں پہنچا اس میں لشکر کو تیز کر دیا۔
(۳) ہر جگہ، دائیں بائیں اس نے زمین پر سنگریزے بکھرے ہوئے پائے۔
(۴) لشکر کی طرف منہ کر کے مخاطب ہوا کہ ظلمت کی وجہ سے راہ گم کردہ لوگو۔
(۵) بیشک یہ (سنگریزے) جواہرات ہیں ان سے اپنے کیسے اور دامن اور بوریاں بھر لو۔
(۶) جسے سکندر کی بات پر شک تھا اس نے یقین نہ کیا۔
(۷) اور کہا کبھی ان جُوتوں کے نیچے اور ایسی راہوں میں جو ہر و موتی ہوتے ہیں!
(۸) لیکن جہاں آئینۂ سکندر ہوتا وہاں پر اس کے جسم و جان کی تصویر سامنے نظر آجاتی۔
(۹) جس نے سکندر سے سُنا اور یقین کر لیا کہ واقعی یہ (سنگریزے) گوہر و موتی ہیں جتنے

(باقی ص ۸۵۹)

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ
تم فرماؤ میں تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کے لیے کھڑے رہو

مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ
دو دو اور اکیلے اکیلے پھر سوچو کہ تمہارے ان صاحب میں جنون کی کوئی بات نہیں وہ تو نہیں مگر تمہیں ڈر سنانے والے

لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿۴۶﴾ قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۭ اِنْ اَجْرِيَ
ایک سخت عذاب کے آگے تم فرماؤ میں نے تم سے اس پر کچھ اجر مانگا ہو تو وہ تمہیں کو میرا اجر تو

اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۴۷﴾ قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ
اللہ ہی پر ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے تم فرماؤ بیشک میرا رب حق کا القا فرماتا ہے بہت

عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۴۸﴾ قُلْ جَاۗءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ﴿۴۹﴾ قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ
جاننے والا سب غیبوں کا تم فرماؤ حق آیا اور باطل نہ پہل کرے اور نہ پھر کر آئے تم فرماؤ اگر میں بہکا تو

فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ
اپنے ہی برے کو بہکا اور اگر میں نے راہ پائی تو اس کے سبب جو میرا رب میری طرف وحی فرماتا ہے بیشک وہ سننے والا نزدیک

قَرِيْبٌ ﴿۵۰﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۵۱﴾ وَّقَالُوْٓا
ہے اور کسی طرح تو دیکھے جب وہ گھبراہٹ میں ڈالے جائیں گے پھر بچ کر نہ نکل سکیں گے اور ایک قریب جگہ سے پکڑ لیے جائیں گے اور

اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَ
کہیں گے ہم اس پر ایمان لائے اور اب وہ اسے کیونکر پائیں اتنی دور جگہ سے کہ پہلے تو اس سے کفر کرچکے تھے اور بے

يَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا
دیکھے پھینک مارتے ہیں دور مکان سے اور روک کردی گئی ان میں اور اس میں جسے چاہتے ہیں جیسے ان

فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿۵۴﴾
کے پہلے گروہوں سے کیا گیا تھا بیشک وہ دھوکا ڈالنے والے شک میں تھے

تفسیر عالمانہ

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! بیشک میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں۔ الوعظ بمعنے زجر جو تخویف کو مقترن ہو۔ الخلیل میں ہے کہ الوعظ بمعنے ایسی خیر و بھلائی یاد دلانا جس سے قلب رقیق ہو العظۃ والموعظۃ اسم ہے۔ یعنی میں تمہیں ایک نصیحت کرتا ہوں اَنْ تَقُوْمُوْا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں کھڑے ہو جاؤ اور اپنے محبوبوں سے دور ہو جاؤ۔ قیام کا اصل معنی ہے دو مردوں کے آگے کھڑا ہونا۔ یہ جلوس کی نقیض ہے

اور یہ بھی جائز ہے کہ قیام بمعنے کسی کے حکم کی فرمانبرداری کرنا اور طلبِ حق کا اہتمام کرنا لِلّٰہِ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی رضا جوئی کے لیے، نہ ہی اس میں ریا ہو اور نہ ہی تم متفرق ہو جاؤ مَثْنٰی دو دو ہو کر، وَفُرَادٰی اور تنہا تنہا ہو کر۔

امام راغب نے فرمایا کہ الفرد وہ ہے جس میں غیر کا اختلاط نہ ہو۔ اور یہ الوتر سے اعم اور الواحد سے اخص ہے۔ اس کی جمع فرادٰی آتی ہے۔

المختار میں ہے کہ الفرد بمعنے الوتر۔ علی خلاف القیاس الافراد اور الفرادٰی (بالضم) آتا ہے گویا وہ فردان کی جمع ہے

ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا التفکر بمعنے قلب سے کسی معنے کی طلب کرنا۔ یعنی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں غور و فکر کرو مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ تمہارے ساتھی، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنون نہیں ہے۔ یعنی انہیں کوئی جنون نہیں جو انہیں دعوئ نبوتِ عامہ پر ابھارتا ہے جیسے اے کافرو! تمہارا خیال ہے۔ اثنین و فرادٰی کی قید اس لیے لگائی ہے کہ دو آدمی جب اللہ تعالیٰ کی طرف التجا کرتے اور حق کی طلب کرتے ہیں اور انہیں انصاف مطلوب ہوتا ہے تو وہ یقیناً حق کو حاصل کر لیتے ہیں ایسے ہی ایک کی بات ہے بخلاف کثیر جماعت کے کہ ان میں انصاف کی اُمید بہت کم ہوتی ہے اور بہت بڑا اختلاف اُٹھتا ہے اور ہم نے آنکھوں سے دیکھا ان میں غیظ و غضب کی آگ بھڑک اُٹھتی ہے اور نہ ہی ایسے لوگوں سے ملتِ اسلامیہ کی خدمت کی امید رکھی جا سکتی ہے۔

ف: مثنٰی کو فرادٰی سے مقدم کرنے میں ایک حکمت یہ ہے کہ بہ نسبت ایک کے دو کا آپس میں مشورہ کرنا زیادہ اطمینان بخش ہوتا ہے اس لیے کہ جب دو آدمی ایک جگہ پر بیٹھ کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے متعلق خواہشِ نفسانی کو ترک کر کے صحیح طور پر غور و خوض کریں تو

صفحہ ۸۵۷ سے آگے

وہ اٹھا سکا اتنے جواہر اٹھا لیے۔

(۱۰) تاریک راستہ جب طے کر لیا تو قریب ہی انہیں سورج چمکتا نظر آیا۔

(۱۱) جنہوں نے موتی تھوڑے اٹھائے وہ کفِ افسوس ملنے لگے کہ ہم نے زیادہ کیوں نہ اٹھائے!

(۱۲) دوسرے خون کے آنسو بہاتے کہ افسوس کہ نفس و شیطان نے ہمارا راستہ مارا۔

(۱۳) کاش ہم بھی بہت سے موتی اٹھاتے سکندر کی بات کا انکار نہ کرتے۔

(۱۴) تاکہ اس سے ہمیں کوتاہی نہ ہوتی ایسے حجاب و خجالت اور پریشانی میں.

ف: ایسے ہی قرآن مجید کے مکذبین و مصدقین کا قیاس کیجئے۔

مطلب کو پہنچ جائیں گے ۔

شیخ اکبر قدس سرہٗ کی تقریر فتوحاتِ مکیہ میں ہے کہ واعظ کو وعظ اس ارادہ سے کرنا چاہیے کہ رضائے حق حاصل ہو یا دین کی غیرت کی خاطر یا تعلیمِ احکام مدِ نظر ہو مثنیٰ میں اللہ تعالیٰ و رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے ۔

اس مرتبہ کے انسان کی علامت یہ ہے کہ اسے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کا موقعہ نصیب ہوتا ہے اس میں نہ خواہشِ نفسانی ہوتی ہے اور نہ وہ تعظیم، غیرہ کا خیال کرتا ہے اور نہ ہی اسے اپنی غیرت کا تقاضا ہوتا ہے و فرادیٰ اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد ہے یہ اس وقت ہے جب ما بصاحبکم من جنّة کو محذوف کے متعلق کیا جائے ۔ اس تقریر پر تتفکّروا پر وقف نہ کیا جائے اور یہ بھی ہے کہ تتفکروا پر وقف تام ہو تو اس وقت یہ معنیٰ ہوگا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پورا غور و خوض کرو گے اور ان کے لائے ہوئے احکام میں تحقیق کرو گے تو تمہیں مکمل طور ان کی ذات کے متعلق معلومات حاصل ہو جائیں گی ۔ اس معنے پر ما بصاحبکم من جنّة جملہ مستانفہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو نظر و تامل پر تنبیہ فرمائی گئی ہے ۔ ایسا بہت بڑا امر جس کے تابع دنیا و آخرت ہے وہ ایک مجنون کے ہاتھ میں دے دینا قباحت ہے ۔ اگر وہ مجنون ہوتا تو اتنا بڑا کام اس کے سپرد نہ ہوتا ۔ جب کفّار و مشرکین آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ان کے ہر معاملہ میں تائیدِ غیبی ہو رہی ہے اور ان کی نبوت کو اللہ تعالیٰ دلائل و حجج سے موثق فرما رہا ہے تو اس سے تمہیں یقین ہونا چاہیے جملہ عالم سے زیادہ عقیل ہیں اور قول کے لحاظ سے تمام لوگوں سے نفیس ہیں اور عمل کے لحاظ سے افضل اور عمل کے لحاظ سے احسن اور کمالات بشریہ کے لحاظ سے جامع ترین ہیں بنا بریں ان کے دعویٰ کی تصدیق ضروری ہے جبکہ انہیں ایسے معجزات بھی ملے ہیں جن کے سامنے پہاڑ بھی جھک جاتے ہیں ۔

اِنْ هُوَ نہیں ہیں تمہارے صاحب اِلَّا نَذِیْرٌ لَّكُمْ تمہیں ایسی زبان سے ڈرسناتے ہیں جو حق بولتی ہے بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ ○ دنیا و آخرت کے سخت ترین عذاب سے اگر تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرو گے، کیونکہ آپ قیامت کے وقوع سے پہلے بھیجے ہوئے نبی ہیں ۔ نسم بمعنے اوّل اور قریب ہے اور جو شے تمہارے قریب ہوگی وہی نفس کے قریب ہوگی ۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے بین یدی عذاب شدید یعنی دنیا و آخرت میں وہ تمہیں عذابِ شدید سے نجات دلائیں ۔ عذابِ شدید سے جہل، نکرہ،

ہوگا، لعنی یعنی ان امور سے نجات بخشتے ہیں اور آخرت میں حسرت وندامت اور سوال کی خجالت سے نجات بخشیں گے۔ بعض اخبار میں ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ سوال کرے گا وہ عذاب میں مبتلا ہوگا اس پر وہ خجل اور شرمسار ہوگا اور کہے گا : یا اللہ ! ہمیں چاہے کتنا عذاب پہنچائیے لیکن ہم سے سوال نہ ہو۔

تفسیر عالمانہ قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فرمائیے میں تم سے تبلیغ رسالت پر کوئی انعام نہیں چاہتا فَهُوَ لَكُمْ وہ تمہارے لیے ہے یعنی اس تبلیغ پر میرا تم سے کسی قسم کے اجر اور مزدوری کا سوال نہیں۔

شانِ نزول بعض نے فرمایا کہ جب قل لا اسئلكم عليه اجرا الا المودة فى القربىٰ کا نزول ہوا تو حضور علیہ السلام نے مشرکینِ مکہ سے فرمایا کہ مجھے میرے رشتہ داروں کے متعلق ایذا نہ پہنچایا کرو۔ وہ آپ کے کہنے پر آپ کے رشتہ داروں کو گالی دینے سے رک گئے۔ لیکن آپ نے ان کے معبودانِ باطلہ کی مذمت فرمائی تو مشرکین نے کہا کہ ادھر تو ہمیں اپنے رشتہ داروں کو گالی سے روکتے ہو اور خود ہمارے معبودوں کو گالی دیتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ چاہو تم میرے رشتہ داروں کو گالی دو چاہے انہیں کچھ نہ کہو اِنْ اَجْرِيَ نہیں میرا اجر وثواب اِلَّا عَلَى اللّٰهِ مگر اللہ تعالیٰ پر اس لیے کہ میں دنیوی اسباب نہیں چاہتا بلکہ میرا اجر وثواب اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ وہی ہر شے پر مطلع ہے میرے صدق اور میرے خلوصِ نیت کو خوب جانتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ جو بھی دعوتِ الی الحق کا امر سرانجام دے اس پر لازم ہے کہ وہ اس میں خالص رضائے الٰہی مدِنظر ہو اسے دنیا و آخرت کا کوئی لالچ درمیان میں نہ ہو۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

۱ زیان میکند مرد تفسیر دان
کہ علم و ادب میفروشد بنان

۲ کجا عقل با شرع فتویٰ دہد
کہ اہلِ خرد دین بدنیا دہد

ترجمہ : (۱) زیان کرتا ہے وہ مردِ مفسر جو علم وادب کو روٹی کے بدلے بیچتا ہے۔
(۲) عقل شرع سے کب فتویٰ دیتا ہے کہ عقلمند دین کو دنیا سے دے۔

ف : حضرت امام زروقی نے فرمایا :
الشهيد هو الحاضر الذى لا يغيب عنه معلوم ولا مرئى ولا مسموع

ومنه عرف ان الشهيد عبد ها فظ على المراقبه و اتقى بعلمه و مشاهدة عن غيره ۔ (روح البیان ج، ص ۳۰۸)

(شہید بمعنے حاضر کہ جس سے کوئی معلوم و مرئی و مسموع شے چھپی نہ رہے اور عرف میں شہید وہ بندہ ہے جو مراقبہ کا محافظ ہو اور اپنے علم و مشاہدہ کے ذریعہ غیر سے بچتا ہے)[1]

تفسیر عالمانہ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ ؕ القذف بمعنے پتھر، تیر وغیرہ جیسی شے کو دُور پھینکنا۔ استعارۃً مطلق القاء کو کہتے ہیں باء تعدیہ کی ہے اب معنی یہ ہُوا کہ فرمائیے کہ میرا رب حق یعنی وحی القاء کرتا ہے اور اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اسے چُن کر اس پر وحی نازل فرماتا ہے نہ تو اجتباء کسی علّت کا محتاج ہے اور نہ ہی اس کا اصطفاء کسی حیلے سے حاصل کیا جا سکتا ہے یا اس کا معنی یہ ہے کہ وُہ باطل کو پھینک کر اسے تباہ و برباد کرتا ہے اور اسے مٹاتا ہے۔ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ۝ صفۃ اور مرفوع ہے اور یہ اس کے اسم کے محل پر محمول ہے یا یقذف کی ضمیر مستتر سے بدل ہے یا ان کی خبر ثانی ہے یعنی وُہ اپنی آسمانی و ارضی مخلوق کے تمام پوشیدہ امور کو خوب جانتا ہے ان کا وہ امر قولی ہے یا فعلی وغیرہ۔

وظیفہ جو شخص "یا علام الغیوب" کو زیادہ سے زیادہ پڑھے اس پر ایسا حال غالب آجائے گا کہ غیبی باتیں اس کے مُنہ سے صادر ہوتی ہیں اور اس کے مافی الضمائر کے حالات منکشف ہو جاتے ہیں اور اس کی روح عالم علوی کی طرف ترقی کرتی ہے اور آنے والے واقعات و حالات اس کی آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں۔ جو شخص اس کا ورد رکھے اس کا نسیان دور ہوگا اور قوتِ حافظہ تیز ہوگی۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ غیوب کو صیغۂ جمع میں لایا گیا ہے اس لیے کہ وہ ہر طرح کا غیب جانتا ہے اور وہ ہر ایک کے دل کی بات کو جانتا ہے ایسے ہی جو کچھ کسی کے دل میں آنے والے امور ہیں ان کو بھی جانتا ہے ایسے ہی قیامت تک آنے والے لوگوں کے جملہ حالات اور ان کے قلوب کے اسرار کو جانتا ہے اور صیغہ مبالغہ لانے میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ وہ حالات مختلفہ کے جملہ امور کو اپنی اصل حالت پر جانتا ہے اس کے علم میں کسی قسم کا تغیر نہیں اگرچہ معلومات مختلف حالات میں مختلف ہوتی رہتی ہیں اس کو کوئی شے مشغول نہیں رکھ سکتی۔

تفسیر عالمانہ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ فرمائیے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! حق آیا ہے یعنی توحید و اسلام وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ۔ بدأ

---

[1] یہی معنیٰ ہم اہلسنت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مجازاً استعمال کرتے ہیں۔
اویسی غفرلہٗ

یعنے ابتداءً کسی فعل کو کرنا۔ الاعادہ یعنے لوٹانا۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ شرک مٹ کر رہ گیا یہاں تک کہ اس کا نام و نشان بھی ختم ہوگیا یہ زندہ شے کے مرنے سے ماخوذ ہے کہ جیسے جب وہ مرتے تو اس کا نام و نشان تک نہیں رہتا نہ اس کا ہونا کسی کو محسوس ہوتا ہے یا مٹ جانا ایسے ہی شرک کے مٹنے کو اسی سے مثال دی گئی ہے تاکہ معلوم ہو کر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کو جڑوں سے اکھاڑا اور ایسا مٹایا کہ اب اس کا نشان بھی باقی نہ رہا۔

ف: لیکن وہابیہ دیوبندیہ نجدیہ مودودیہ فرقہ کے نزدیک تو بات بات پر شرک کا فتویٰ جاری و ساری ہے معلوم ہُوا کہ یہ سارے فرقے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مخالف ہیں۔

حدیث شریف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں تشریف لائے کعبہ مکرمہ کے گرد تین سو ساٹھ بت دیکھے آپ اپنے ہاتھ کی لکڑی سے بتوں کو توڑتے جا رہے تھے اور فرماتے جا رہے تھے:

قل جاء الحق وما يبدئ الباطل وما يعيد۔

قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فرمائیے اگر میں سیدھے راستے سے بھٹک جاؤں جیسا کہ تمہارا گمان ہے کہ جب سے میں نے تمہارے آباء کا دین چھوڑا ہے تم کہتے ہو کہ یہ گمراہ ہو گئے ہیں فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ تو بے شک میں اپنے نفس پر گمراہی ڈال رہا ہوں یعنی میری گمراہی کا وبال میرے نفس پر ہے اس لیے وبال کا اصل سبب گمراہی ہے اس لیے کہ ذاتی طور پر وبال کا سبب یہی نفسِ امارہ بنتا ہے اسی لیے اس کے مقابلہ میں فرمایا وَاِنِ اهْتَدَيْتُ اور اگر میں سیدھے راہ کی طرف ہدایت پاؤں فَبِمَا يُوْحِیْٓ پس اس سبب سے کہ وحی کی جاتی ہے اِلَیَّ رَبِّیْ میری طرف میرے رب سے، حکمت و بیان سے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق و ہدایت کی وجہ سے ہدایت نصیب ہوتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ ضلالت کا منشا خود اپنا نفس ہے جو نفس کو اس کی طبیعت کی طرف سپرد کیا جائے تو اس سے صرف ضلالت و گمراہی حاصل ہوتی ہے۔ اور ہدایت بھی اللہ تعالیٰ کے عطیات سے ہے اور نفس کو اللہ تعالیٰ کے عطیات سے کوئی عطیہ نصیب نہیں ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ووجدك ضالاً فهدى۔

تفسیر عالمانہ اِنَّهٗ بے شک اللہ تعالیٰ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ○ سمیع اور قریب ہے۔ یعنی وہ ہدایت یافتہ اور گمراہ کی ہر بات کو جانتا ہے اور ان کے اعمال کی بھی اسے

خبر ہے چاہے وہ کتنا ہی اپنے افعال واقوال کو چھپائیں ۔

ف : بعض مشایخ نے فرمایا کہ وُہ ہر بولنے والے کی بات کو جانتا ہے اور وہ ہر شے کے قریب ہے، اگرچہ وُہ بظاہر کتنا ہی بعید ہو سہ

دوست نزدیک تر از من بمن است

وین عجب تر کہ من از وے دورم

چہ کنم با کہ توان گفت کہ او

در کنار من و من مہجورم

ترجمہ : دوست میرے نزدیک اور میرے ساتھ ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ میں اس سے دور ہُوں ۔ کیا کروں، کسے کہوں کہ وہ میری بغلوں میں ہے لیکن جُدائی کا شکار ہوں ۔

ف : بعض مشایخ نے فرمایا کہ سمیع وُہ ہے جسے اپنی صفت سمع سے ہر شے منکشف ہو، وہ ہر مسموع کے کلام وغیرہ سے ادراک کرتا ہے ۔

وظیفہ اسم سمیع اجابتِ دُعا کے لیے تیر بہدف ہے جو اسے خمیس کے دن پانچسو مرتبہ پڑھ کر دُعا مانگے اس کی دُعا قبول ہوگی ۔ اور بندے کا اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کا یہ معنیٰ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے نیک گمان رکھے ۔ چنانچہ حدیثِ قدسی میں ہے :

انا عند ظن عبدی بی ۔

(میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق ہوں)

ف : بعض مشایخ نے فرمایا کہ وہ قریب بایں معنیٰ ہے کہ علی العموم اپنے ظہور سے ہر ایک کے قریب ہے اگرچہ اسے کوئی نہ دیکھے بخلاف اہلِ خصوص کہ ان کے لیے درمیانی حجابات دور کر کے دیکھنا ضروری ہے ۔ حجابات سے مراد اس کا اپنا نفس ہے ۔

حضرت جنید قدس سرہٗ سے سوال ہُوا کہ قریب کا کیا معنیٰ ہے ؟ آپ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ اجتماع کے اعتبار سے قریب ہے اور باعتبار افتراق کے بعید ہے اور قرب حیا لاتا ہے ۔ اسی لیے بعض بزرگوں نے فرمایا : ؎

نعرہ کمتر زن کہ نزدیکست یار

(آہستہ بول کہ یار نزدیک ہے)

اس میں اہلِ مشاہدہ کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہر وقت ادب کو ملحوظ رکھتے ہیں اور وہ اتنی گفتگو کرتے ہیں جیسے ایک قریب دوسرے قریب کے ساتھ بولتا ہے، اور اہلِ حجاب کو ادب کہاں! وہ اگر اللہ تعالیٰ کو قریب سمجھتے ہیں تو اپنے حال کے مطابق انہیں مشاہدہ

کہاں، ان دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ کسی کے گمراہ کرنے سے کوئی گمراہ نہیں ہوتا اس لئے کہ ضلال بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے اور وہ اسے اس وقت پیدا کرتا ہے جب بندہ ہدایت سے اعراض کرتا ہے اسے یوں سمجھیے کہ جیسے کسی کے کافر بنانے سے کوئی کافر نہیں ہوتا اس لیے کہ کفر بھی منجانب اللہ ہے اور وہ بھی ایمان سے اعراض سے پیدا ہوتا ہے۔ نیز اس میں لاتزر وازرۃ وزر اخریٰ کی طرف اشارہ ہے۔ جب بکری کو ذبح کیا جاتا ہے تو اسے اس کے پاؤں سے لٹکایا جاتا ہے۔ اسی طرح ہر ایک کو اپنے اعمال کی جزاء و سزا ملتی ہے کسی کو دوسرے کے عمل سے جزا و سزا نہ ملے گی۔ نہ کسی کو دوسرے کے عمل سے فائدہ ہوگا نہ کسی کی بدعملی سے ضرر ۔

ہر کہ او نیک می کند یا بد
نیک و بد ہر چہ می کند یابد

(ترجمہ: جو کوئی نیکی کرتا ہے یا برائی، اس کی جزاء و سزا پائے گا)

حکایت جب نابغہ مسلمان ہوا تو اس سے کہا گیا کہ اصبوت۔ یعنی کیا تو حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو مان گیا ہے۔ اس نے کہا مجھ پر تین آیات غالب آگئی ہیں میں نے ارادہ کیا کہ میں ان کے قافیہ پر تین اشعار کہوں۔ جب میں نے یہی آیت سُنی تو مجھے اس کے مقابلہ کی سکت نہ رہی۔ اس سے میرا یقین محکم ہو گیا کہ یہ بشر کا کلام نہیں اور وہ آیات یہ ہیں:

قل ان ربی یقذف بالحق علام الغیوب۔

اور انہ سمیع قریب۔

تفسیر عالمانہ وَلَوْ تَرٰی یہ خطاب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یا ہر اس شخص کو جو اس خطاب کا اہل ہے یا وہ اس خطاب کو سمجھتا ہے اِذْ فَزِعُوْا اگر تم دیکھو جب کافروں کو گھبراہٹ ہو یا جب مرتے وقت ڈریں گے یا قبر سے اُٹھتے ہی یا بدر کے دن۔ اور لَوْ کا جواب محذوف ہے لرأیت امراھائلا تو اسے بہت بڑا ہولناک پاؤ گے۔ مضارع کے بجائے ماضی اس لیے لایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تحقق و قوع ماضی و مستقبل برابر ہے۔

کعبہ کو ڈھانے والے دھنس جائیں گے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اسی ہزار سفیانی اور اس کی قوم آخری زمانہ میں کعبہ کو ڈھانے کے لیے نکلیں گے۔ جب بیداء کے مقام پر پہنچیں گے تو وہیں دھنس جائیں گے ان میں سے صرف وہ لوگ بچیں گے جو اس واقعہ کی دوسروں کو خبر دیں گے۔

ف: بیداء وہ صاف چٹیل میدان ہے جو حرمین کے درمیان واقع ہے کما فی القاموس۔

ف : بچنے والے جھینہ ہوں گے اسی لیے انہیں یقینی طور پر کہا جائے گا اذ فزعوا الخ
ف : کاشفی نے لکھا کہ اس تمام لشکر سے صرف دو شخص نجات پائیں گے ایک مکہ میں جا کر خبر دے گا دوسرا جہنی ہوگا جس کا چہرہ گُدّی کی طرف پھر جائے گا وہ اسی حالت میں قوم سفیانی کو خبر دے گا۔
فَلَا فَوْتَ الفوت شے کا انسان سے ایسا بعید ہو جانا کہ اس کا ادراک مشکل ہو جائے۔ یعنی قیامت میں وہ عذابِ الٰہی سے نہیں بچ سکیں گے اور نہ ہی اسے بھاگنے سے نجات ملے گی اور نہ ہی ان کے لیے کوئی جائے پناہ ہوگی بلکہ جدھر جائیں گے وہیں انھیں گرفت ہوگی وَ اُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ○ اور وہ قریب کی جگہ سے پکڑے جائیں گے یعنی زمین کے اوپر سے نچلے حصے کی طرف یا جہاں رہتے ہوں گے وہاں سے جہنم کی طرف یا بدر کے جنگل سے قلیب کی طرف یعنی وہ گڑھا جو پتھروں اینٹوں کی تکمیل سے پہلے ویران پڑا ہوتا ہے یا اس سے وہ گڑھا مراد ہے جو عاد قدیم کے نشانات سے باقی پڑا تھا یا ان کا اپنے پاؤں کے نیچے دھنسنا مراد ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ جہاں بھی ہوں اللہ تعالیٰ کے قریب ہیں اس کا عطف فزعوا پر ہے وَقَالُوْٓا اور عذاب کو دیکھ کر کہیں گے اٰمَنَّا بِهٖ ہم محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے یہ ضمیر قبل از ذکر نہیں اس لیے کہ آپ کا ذکر گرامی ما بصاحبکم من جنة میں ہوا ہے وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ واؤ کے ساتھ بمعنے سہل تناول (آسانی سے لینا) النوش سے ہے۔ تناوش و تناول کا ایک ہی معنی ہے بمعنے جہاں تک ہاتھ پھیلا کر شے کو لیا جانا ممکن ہو۔ اس کے لینے کے بعد کہتے ہیں تناول و تناوش یا ہمزہ کے ساتھ ہے تو وہ ہمزہ بھی واؤ سے مبدل ہوگا کیونکہ جب واؤ پر ضمہ ہو تو اسے ہمزہ کے ساتھ تبدیل کرنا جائز ہے۔ مثلاً اقتت وقتت میں اور ادؤد ادور میں یا بہ الناٰش سے ہے بمعنے الطلب کما فی المفردات۔ اب معنی یہ ہوا کہ اب انہیں ایمان کہاں سے بآسانی حاصل ہوگا مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ○ دُور کے مکان سے، اس لیے کہ ایمان دنیا میں قبول کرنا ضروری تھا اس لیے کہ دار التکلیف وہی تھا، اب وہ ان سے دُور ہوگیا اس لیے کہ اب وہ اس سے کوچ کر کے آخرت میں آ گئے ہیں۔ یہ مثال اس سے دی گئی ہے کہ مرنے کے بعد اگرچہ اپنے ایمان میں خلوص ظاہر کریں گے تب بھی بے سُود، اس لیے کہ اب ایمان ان سے کوسوں دور ہوگیا جیسے انسان میلوں کوسوں دُور چلا جائے اور پھر وہاں سے ہاتھ پھیلا کر کسی کو اٹھانا چاہے تو وہ شے اسے نہیں مل سکے گی ایسے ہی اس کا حال ہے جو دارِ دنیا میں ایمان سے محروم رہا تو اسے مرنے کے بعد دولتِ ایمان نصیب نہ ہوگی وَقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ حالانکہ اس سے قبل وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کر چکے تھے یا یہ ضمیر اس عذاب شدید کی طرف لوٹتی ہے جس سے انھیں حضور علیہ السلام نے ڈرایا مِنْ قَبْلُ اس سے قبل دنیا میں جو ان کے لیے دارِ تکلیف تھا۔ اب اس کے

الابواب دروازے بند ہو گئے اگرچہ توبہ اور اظہارِ ندامت کر رہے ہیں لیکن چونکہ ان کے اسباب منقطع ہو چکے ہیں اسی لیے انھیں اب خسران و ندامت اور عذاب اور درد کے سوا اور کوئی شے نصیب نہ ہوگی ؎

فخل سبيل العين بعدك للبكا
فليس لايام الصفاء رجوع

ترجمہ: اب آنکھوں کو رونے کے لیے چھوڑ دے اس لیے کہ اب ان ایام صفا کا دور چلا گیا۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

چو بر روے زمین باشی توانائی غنیمت دان
کہ دوران ناتوانیہا بسی زیر زمین دارد

ترجمہ: جب دنیا میں بسر کرو تو فرصت کو غنیمت جانو کہ دورِ زمانہ نے بہت بڑے طاقتوروں کو زیرِ زمین کر دیا۔

یعنی جب انسان مر کر زیرِ زمین ہو جاتا ہے تو کچھ نہیں کر سکتا ایسے ہی جب زمین کے اوپر زندہ رہ کر کچھ نہ کر سکا۔

وَيَقْذِفُونَ بِالْغَيْبِ باء تعدیہ کی ہے یعنی ظن کاذب کے مطابق باتیں بناتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کی شان کے لائق نہیں مثلاً طعن و تشنیع کرتے ہیں یا عذاب کے بارے میں غلط باتیں بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پہلے ہوگا نہیں اگر ہوگا تو ہمیں نہیں ہوگا۔ چنانچہ کہتے تھے،

وماكنا بمعذبين -

مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ۝ مکان بعید سے، یعنی وہ باتیں حضور علیہ السلام کی شان کے لائق نہیں بلکہ کوسوں دُور ہیں مثلاً شعر، سحر، کہانت اور کذب۔ یہ مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی شے کو ایسا دُور پھینکے کہ اس کے گرنے کی جگہ کو خود بھی نہ دیکھ سکے اور پھر یہ سمجھے کہ وہ اصلی جگہ پر پہنچ گیا ہوگا۔ اس کا عطف وقد کفروا پر ہے۔ اس میں حال کے معنی کی وجہ سے یا صرف قالوا پر وجہ تمثیل ظاہر ہے کہ جس طرح دُور کی جگہ پر تیر پھینکنے والے کو تیر پھینکنے سے کوئی فائدہ نہیں ایسے ہی مرنے کے بعد اظہارِ ایمان پر کافروں کو کوئی فائدہ نہیں وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ اور حائل ہو جائے گی اور ان کافروں کے درمیان ممانعت کھڑی ہو جائے گی وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ اس کے درمیان جو وہ چاہیں گے یعنی ایمان اور نجات از نار کے درمیان۔ کما

فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ جیسا کہ امم ماضیہ کے کفار کے ساتھ کیا گیا۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا بے شک تھے وہ دنیا میں فِيْ شَكٍّ شک میں، اس میں کہ جو ان پر ایمان و یقین واجب تھا جیسے توحید اور مرنے کے بعد قبور سے اٹھنا اور کفر پر بار بار کے اصرار پر نزول عذاب مُّرِيْبٍ ○ شک میں ڈالنے والا یعنی تہمت میں ڈالنے اور دل کو مضطرب کرنے اور شور و شر میں ڈالنے والا۔

ف: مفسرین نے فرمایا کہ مریب اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کو شک میں ڈالے۔ یا اس شخص کے لیے بولتے ہیں جب کوئی کسی کو شک میں ڈالے یا اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو شکی ہو جائے پہلا معنی اشخاص و اعیان کے لیے استعمال ہوتا ہے دوسرا غیر اعیان میں۔ یہاں دوسرا معنیٰ ہے کہ صاحبِ شک نے انہیں شک میں ڈالا۔ یہ اسناد مجازی ہے جیسے شعر شاعر۔ اس لیے کہ صاحبِ شعر کی طرف اسناد کی بجائے شاعریت کو شعر کی طرف کیا جا مجاز ہے اور اس سے مبالغہ مطلوب ہوتا ہے، یعنی دنیا میں جب کافروں کا کام شک ہی شک تھا تو پھر آخرت میں انہیں یقین کیا فائدہ دے گا۔ اس لیے کہ دنیا جو دارِ تکلیف تھی سے نکل کر دارِ آخرت میں چلے گئے وہاں عذاب کو دیکھ کر اظہارِ ایمان کریں گے تو انہیں وہ اظہارِ ایمان کوئی فائدہ نہ دے گا اگرچہ وہ اس وقت یقین سے کہیں گے۔

ف: آیت میں کفر و رجم بالغیب اور شک کی مذمت کی گئی ہے۔

سبق: کسی کو لائق نہیں کہ وہ احکامِ الٰہیہ میں سے کسی حکم کا انکار یا اس میں شک کرے جبکہ اسے دلیل سے معلوم ہو یا مشاہدہ کر لے۔

شیخ اکبر قدس سرہٗ کی تقریر الفتوحات المکیہ میں ہے کہ کوئی بیگانہ مرد اگر کسی بیگانہ عورت کو دیکھ رہا ہو تو اس سے فوراً بدگمانی نہ کرنی چاہیے۔ اس لیے ممکن ہے کہ وہ اس سے نکاح کرنا چاہتا ہو وہ دیکھنے والا طبیب ڈاکٹر ہو تو ان دونوں کو بیگانی عورت کو دیکھنا جائز ہے۔ اگر کوئی بدگمانی کرے گا اور حقیقت حال اس کے برعکس ہو تو گناہ اس بدگمانی کرنے والے کو ہوگا۔ ایسی بدگمانی کرنے والے عموماً گنہگار مجرم ہوتے ہیں ورنہ دیندار تو ایسی بدگمانی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتے ہیں اس لیے کہ انہیں معلوم ہے کہ بہت سے گمان گناہ ہوتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم یہ جو بدگمانی کر رہے ہیں ممکن ہے یہ بھی انہی سے ہو تو پھر وہ ایسی گفتگو یا تصور کیوں کرے جس میں گناہ ہو۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے نفس سے بدگمان رہے کیونکہ انسان جانتا ہے کہ نفس کی شرارت بہت بری اور گندی ہے اور انسان اپنے آپ کو خوب جانتا ہے کہ اس کے اندر کون سی خرابیاں ہیں لیکن اپنے اوپر بدگمان رہ کر نفس کو بچا لینا آج تک ہم نے سوائے مشایخ کرام اور اولیاء کرام کے اور کسی کو نہیں دیکھا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے توفیق کی درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمیں نفس کی شرارتوں سے

سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَّكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اٰيَاتُهَا ۴۵ رُكُوْعَاتُهَا ۵

سورہ فاطر مکیہ ہے اس میں — اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا — پنتیالیس آیتیں اور پانچ رکوع ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ

سب خوبیاں اللہ کو جو آسمانوں اور زمین کا بنانے والا فرشتوں کو رسول کرنے والا جن کے دو دو

مَّثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ١

تین تین چار چار پر ہیں بڑھاتا ہے آفرینش میں جو چاہے بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے

مَا یَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا یُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ

اللہ جو رحمت لوگوں کے لیے کھولے اس کا کوئی روکنے والا نہیں اور جو کچھ روک لے تو اس کی روک کے بعد اس کا کوئی

لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ٢ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ ؕ

چھوڑنے والا نہیں اور وہی عزت و حکمت والا ہے اے لوگو اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ یَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۖ

کیا اللہ کے سوا اور بھی کوئی خالق ہے کہ آسمان اور زمین سے تمہیں روزی دے اس کے سوا کوئی معبود

فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ ٣ وَاِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ؕ وَاِلَی

نہیں تو تم کہاں اوندھے جاتے ہو اور اگر یہ تمہیں جھٹلائیں تو بیشک تم سے پہلے کتنے ہی رسول جھٹلائے گئے اور سب کام

اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ٤ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ

اللہ ہی کی طرف پھرتے ہیں اے لوگو بے شک اللہ کا وعدہ سچ ہے تو ہرگز تمہیں دھوکا نہ دے دنیا کی

الدُّنْیَا ٝ وَلَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ٥ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ

زندگی اور ہرگز تمہیں اللہ کے حکم پر فریب نہ دے وہ بڑا فریبی بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم بھی اسے دشمن سمجھو وہ تو اپنے

اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِیَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ٦ اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ

گروہ کو اسی لیے بلاتا ہے کہ دوزخیوں میں ہوں کافروں کے لیے سخت

عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِیْرٌ ٧

عذاب ہے اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے

تفسیر عالمانہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سورۃ الملائکہ مکیہ ہے اور اس کی پنتیالیس آیات ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ جمیع محامد اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں۔ اس کے

لہ ہمارے ہاں اس کا نام سورۃ الفاطر ہے۔ اویسی غفرلہٗ

ما سوا کی طرف متجاوز نہیں۔ آیت میں اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تعریف خود فرمائی ہے لیکن اس سے بندگانِ خدا کو تعلیم ہے کہ اس کی تعریف کس طرح کریں۔

ف : تعریف نعمت اور محنت سے متعلق ہوتی ہے کیونکہ ہر محنت پر عطیاتِ ایزدی نصیب ہوتے ہیں مثلاً چھینک ایک نعمت ہے اس لیے کہ یہ مسام یعنی جسم کے سوراخوں کے کھلنے اور دماغ سے ابخرہ محتبسہ کے اندفاع کا سبب ہے جہاں تذکر و تفکر کی قوت ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ سر کا بحران ہے جیسے مریض کے بدن کا بحران پسینہ ہے۔ اسی لیے شارع نے چھینک کے وقت حمد کا حکم فرمایا ہے۔

دردِ سر اور داڑھ کے درد کا علاج

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو چھینک والے سے پہلے ہی الحمد للہ علیٰ کل حال کہہ دے وہ دردِ سر اور داڑھ کے درد سے محفوظ رہے گا۔

اور محنت کی مثال انگڑائی ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

جذام کا علاج

من عطس او تجشا فقال الحمد للہ علیٰ کل حال دفع اللہ بها عنه سبعین داء اهونها الجذام۔

(جو چھینک یا ڈکار کے وقت کہتا ہے الحمد للہ علیٰ کل حال، تو اللہ تعالیٰ اس سے ستر بیماریاں دور کرے گا، ان میں سے ایک جذام ہے)

صـ ۸۶۸ سے آگے

بچائے۔ (آمین ثم آمین) ـ

ہمیشہ در صدد عیب جوئی خویشیم
نبودہ ایم پے عیب دیگراں ہرگز

ترجمہ : ہم ہمیشہ اپنی عیب جوئی میں لگے رہے اسی لیے ہمیں دوسروں کے عیب کا علم نہ ہو سکا۔

وہی صالح اعمال اور اچھے اخلاق کی توفیق بخشنے والا ہے۔

(صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ نے لکھا کہ) سورۃ سبا کی تفسیر سے منگل کی شام ۲۵ ربیع الاول ۱۱۱۶ھ کو فراغت ہوئی۔

فقیر اویسی غفرلہٗ نے گیارہ بجے بروز جمعۃ المبارک ۱۱ جمادی الاُخریٰ ۱۳۹۸ھ میں اس ترجمہ سے فراغت پائی۔ فلهذا الحمد علی ذلک وصلی اللہ علیٰ حبیبہ الکریم الرؤف الرحیم سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

التجشی بمعنے معدے کا سانس لینا یعنی ڈکارنا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ڈکار معدے کے طعام سے بھر جانے سے آتا ہے یہ دین کے مصائب میں سے ایک مصیبت ہے بالخصوص جب نماز میں آئے' اور مصیبت کے وقت بھی حمد کی جاتی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل کہ آپ ہر مصیبت کے وقت فرماتے: الحمد للہ علیٰ کل حال۔

ربط: حمد کو پہلے نعمت ایجاد پر مرتب فرمایا اس لیے کہ اس سے پہلے کوئی شے نہیں جبکہ ہر کمال کی بناء اسی پر ہے اسی لیے فرمایا:

فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والے کے لیے یہ اضافہ محضہ ہے کیونکہ یہ فاعل بمعنے ماضی ہے اور اسمِ اللہ کی صفت ہے اور جس نے اسے صفت غیر محضہ بنایا ہے وُہ کہتا ہے کہ بدل ہے اور اسمائے عشقیہ میں یہ قلیل ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ وہ اللہ آسمانوں و زمینوں کو ایسے طور پیدا فرمانے والا ہے کہ جس کی پہلے کوئی مثال نہیں۔

حلِ لغات الفطر (بالفتح) بمعنے الشق (چیرنا) یا کسی شے کو طول میں چیرنا۔ جیسے امام راغب کا مذہب ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ عدم کو چیر کر ان کو نکالا۔ الفطر (بالکسر) بمعنے ترک الصوم۔

حکایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے فاطر السمٰوٰت کا مفہوم سمجھ نہیں آرہا تھا۔ دو اعرابی لڑتے جھگڑتے میرے پاس آئے۔ دونوں کا جھگڑا کنوئیں کے بارے میں تھا۔ ایک نے کہا:

فطرتھا (اسے میں نے ہی ابتداءً کھودا ہے)

تب میں سمجھا کہ فاطر کا مفہوم کیا ہے۔ المبرد نے کہا:

فاطر بمعنے خالق مبتدا۔

ارواح انسان ملائکہ سے پہلے اس میں اشارہ ہے کہ سب سے پہلے ارادۂ تخلیق کا تعلق سموات ارواح وارض نفوس ہے اور ملائکہ انسانی ارواح سے بعد پیدا ہوئے جیسا کہ آیت میں ان کا ذکر بعد کو ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اور ملائکہ سے رسل بنانے والا ہے۔ یہ اضافہ محضہ ہے اور اسم اللہ کی دوسری نعت ہے اور رُسُلًا، جاعل کا مفعول ہے اور وہ بمعنے ماضی ہے اگرچہ بصریوں کے نزدیک بلا تعریف (الف ولام) عمل نہیں کرتا لیکن چونکہ مضاف ہے اسی لیے معرف باللام کے مشابہ ہوکر عمل کر رہا ہے۔ الجاعل بمعنے المصیر ہے اور الملٰئکۃ سے جبریل و اسرافیل و میکائیل وعزرائیل اور حفظہ وغیرہم علیہم السلام مراد ہیں۔

خصوصیتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بعض کے نزدیک اسرافیل علیہ السلام صرف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے زمین پر آئے اور آپ کو آنے والے تمام حالات تا قیامت سنا کر آسمان پر واپس آئے [1]

انسان العیون میں ہے کہ نبوت (کے اظہار) سے پہلے چھ ماہ حضور علیہ السلام ان کی آواز سنا کرتے تھے لیکن ان کو دیکھا نہیں تھا۔ تو قبل از نبوت چھ ماہ کا نزول بھی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہے۔

رُسل کی تحقیق رُسل، رسول کی جمع ہے بمعنی المرسل (بالفتح)۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ملائکہ کو پیغمبر بنا کر بھیجنے والا ہے کہ وہ انبیاء اور اولیاء (علیٰ نبینا وعلیہم السلام) کے درمیان وسائط ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام بذریعہ وحی والہام اور رؤیاءِ صالحہ پہنچاتے ہیں۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ القاء دو قسم ہے:

۱۔ صحیح

۲۔ فاسد

صحیح اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتا ہے جو علوم و معارف پر مشتمل ہوتا ہے یا ملکی ہوتا ہے۔ اس کی علامت طاعت اور ہر نیک کی طرف رجوع ہے اسے الہام سے تعبیر کرتے ہیں۔

فاسد نفسانی ہوتا ہے یعنی جس میں حظِ نفسانی ہو اسے ہاجس کہا جاتا ہے یا وہ شیطانی ہوتا ہے وہ انسان کو معصیت پر ابھارتا ہے اسے وسواس کہتے ہیں۔

اُولِیْٓ اَجْنِحَةٍ یہ رُسُلاً کی صفت ہے اور اولوا بمعنے اصحاب۔ ذُو کی جمع ہے، جیسے اولاء، ذا کی۔ حالتِ جر و نصب میں واؤ لکھنے میں باقی رکھی جاتی ہے تاکہ الیٰ کے ساتھ ملتبس نہ ہو اور بحالتِ رفع واؤ کا لکھنا حالتِ جر و نصب محمول کرنے پر۔ الاجنحۃ، جناح کی جمع ہے، بمعنے پر و بال **مَّثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ** یہ اجنحۃ کی صفتیں اور محلاً مجرور ہیں۔ ان کا معنیٰ ہے دو دو تین تین چار چار۔ یعنی وہ ملائکہ دو دو تین تین چار چار پروں والے ہیں ان کے ذریعے وہ زمین و آسمان پر آتے جاتے ہیں۔ پروں کی وجہ سے انہیں تیز رفتاری حاصل ہے۔ آسمان و زمین کے

---

[1] اسے ہم علم غیب کُلی سے تعبیر کرتے ہیں اور اسرافیل علیہ السلام کا سنانا اس پر دال نہیں کہ آپ کو اس سے قبل علم نہ تھا بلکہ سنانا محض اسرافیل علیہ السلام کی اپنی سعادت پر مبنی تھا۔ جیسے ہم کسی بزرگ کے سامنے کچھ باتیں سنانے بیٹھ جاتے ہیں اگرچہ انہیں ان کا علم ہوتا ہے لیکن ہمارا سنانا اپنی باریابی کے لیے ہوتا ہے۔ اویسی غفرلہٗ

درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے ایسے ہی ہر آسمان کے درمیان کی مسافت پانچسو سال ہے بعض اوقات اس ساری مسافت کو آنِ واحد میں طے کر لیتے ہیں۔

پروں کی تعداد اور ان کی حکمتیں

پروں کی تعداد میں بعض ملائکہ کو دوسروں پر فضیلت اور کمالی استعدادیت پر دلالت کرتی ہے۔ اب آیت کا مطلب یہ ہے کہ کسی فرشتے کے دو اور کسی کے تین اور کسی کے چار پر ہیں۔ کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ ان کے دو پر اڑنے کے لیے ہیں اور تین تین چار چار پر محض آرائش و زیبائش کے طور ہیں۔ مروی ہے کہ ملائکہ کی ایک قسم ہے جن کے چھ پر ہیں دو سے جسم کو ڈھانپتے ہیں دو سے اڑتے ہیں دو سے اللہ تعالیٰ سے حیا کر کے اپنے چہروں کو چھپاتے ہیں لیکن بعض بزرگوں کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان تمام پروں سے اڑتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فعل ہذا کے لیے بندوں کو خبر دے کر اس میں غور و فکر کی دعوت دی اسی لیے ملائکہ کے حالات بعض حضرات (جیسے انبیاء اور بعض اولیاء) آسمان و زمین میں آنکھوں سے معاینہ فرماتے ہیں بعض کو کسی خبر یا نقل سے علم حاصل ہوتا ہے لیکن ان کے جاننے کیلیے عقل کو کوئی دخل نہیں۔ بہرحال ملائکہ کی صورتوں اور پروں کی کیفیت عقل سے معلوم نہیں ہوسکتی کہ عقلی طور کہا جاسکے کہ وہ کس طرح اڑتے ہیں، تین پروں سے یا چار سے۔ بس اس سے یہ عقیدہ مضبوط کرنا ہے کہ اللہ بہت بڑی قدرتوں اور حکمتوں والا ہے۔

جبریل علیہ السلام کا قد و قامت

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے شبِ معراج جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ ان کے چھ سو پر ہیں، ان میں دو ایسے ہیں جو مشرق و مغرب تک پھیلے ہوئے ہیں۔

اس حدیث کے علاوہ دیگر روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ چار سے زاید پر والے بھی فرشتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چار تک بیان کر کے زاید کی نفی نہیں فرمائی۔

ف : سُہیلی نے فرمایا، ملائکہ میں پروں سے ان کی صفت ملکیہ اور قوتِ روحانیہ مراد ہے اس سے پرندوں والے پر مراد نہیں اور یہ اس کے منافی نہیں کہ وہ مشرق و مغرب کو بھر دیتے ہیں۔ (انسان العیون)

فقیر (صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ ظاہر

مصنّفِ روح البیان کا فیصلہ

سے عدول اچھا نہیں جبکہ حقیقی معنی پر محمول کرنے میں حرج بھی نہیں اور روایات میں ملائکہ کے پر و بال کی تصریح موجود ہے کہ ان کے پر پرندوں جیسے ہیں وہ اس لئے تاکہ مخلوقات اور ملائکہ کی صورتوں میں فرق رہے اگرچہ وہ روحانی مخلوق ہے لیکن اجسام لطیفہ تو رکھتے ہیں پھر ان کے لیے پروں کی جسمانیت (اگرچہ لطیف ہو) سے کون سی شے مانع ہے جیسا کہ اجسام کے لیے جسمانی پر ثابت ہیں تو پھر یوں کہا جائے کہ ارواح نورانی روحانی پر ہیں جیسے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے لیے

ثابت ہیں ۔

خلاصہ یہ کہ مناسب یہی ہے کہ کہا جائے کہ علویوں کا حال یہ ہے کہ ان کے پر ہوں جن سے اُڑیں اور سفلیوں کا حال یہ ہے کہ وہ زمین پہ چلیں ۔ زمین و آسمان کی مخلوق پہ جس کی گہری نظر ہے وہ اسے خوب سمجھتا ہے ۔ مثلاً براق اگرچہ خچر کی شکل میں تھا لیکن وہ چونکہ علوی تھا اس لیے اس کے پر تھے اور یہ بھی ہمارے خلاف نہیں کہ پروں میں قوتِ ملکیہ کی طرف اشارہ ہو ۔

ملائکہ کی صورتیں کشف الاسرار میں ہے کہ ملائکہ کرام کی صورتوں کے متعلق عجائب وغرائب وارد ہیں :

(۱) حاملانِ عرش کے سینگ ہیں اور ان کی صورتیں پہاڑی مینڈھوں جیسی ہیں ۔

(۲) حدیث شریف میں ہے کہ آسمان کے بعض ملائکہ وُہ ہیں جن کا آدھا حصّہ برف ہے آدھا آگ ۔ ان کی تسبیح یہ ہے :

یا من یؤلف بین الثلج والنار الف بین قلوب المؤمنین ۔

(اے ثلج اور آگ کے جمع کرنے والے اہلِ ایمان کے قلوب میں آپس کی الفت پیدا فرما)

اعجوبہ مچھر اللہ تعالیٰ نے زمین پر کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں فرمائی کہ جس کے پر بھی ہوں اور سینگ بھی ، اس کی سونڈ بھی ہو اور پاؤں بھی سوائے مچھر کے ، باوجودیکہ تمام مخلوق سے ضعیف ترین ہے (مومن فرشتے سے افضل ہے) باوجودیکہ فرشتے بارگاہِ حق کے قریب تر اور نورانی مخلوق ہیں اور مومن باوجودیکہ مٹی سے ہے لیکن فرشتوں سے افضل ہے ۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

المومن اکرم علی اللہ من الملئکۃ عندہ ۔

(وہ فرشتے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں مقرب ہیں ان سے مومن مکرم تر ہے)

ولی اللہ کی پرواز ملائکہ اگرچہ ایک لمحہ میں زمین سے آسمان تک پہنچ سکتے ہیں تو مؤمن کامل آنکھ جھپکنے سے پہلے آسمانوں سے اُوپر اڑ کر پہنچ جاتے ہیں اس لیے ان کے ہاں عقول سلیمہ اور الباب صافیہ اور توجہات مسرعہ وجذبات معجلہ کے پر ہیں یہ جد وجہد میں لگے رہے اور سلوک طے کیے پھر انہیں سیر الی اللہ نصیب ہوئے پھر ایسی پرواز نصیب ہوتی جسے ملائکہ دیکھتے رہ گئے ۔ حضور نبی پاک شہ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل ۔ (روح البیان ج ۷، ص ۳۱۲)

(میرا اللہ کے ساتھ ایک ایسا وقت ہوتا ہے کہ نہ اس وقت کسی فرشتے کی گنجائش ہے نہ کسی نبی مرسل کی)

۱ بر بساط بوریا سیر دو عالم میکنیم

باوجود نے سواری برق جولانیم ما

۲ چوں باوج حق پریم عاجز شود از ما ملک

گرد باد لا مکانی طرفہ سیرانیم ما

ترجمہ: بوریا پر بیٹھ کر دو عالم کی سیر کرتا ہوں۔ سواری کے بغیر ہماری برق کی دوڑ ہوتی ہے۔ جب ہم حق کی طرف اڑتے ہیں تو ملائکہ ہماری پرواز سے عاجز ہوتے ہیں ہماری سیر لامکاں پر ہوتی ہے۔

یَزِیْدُ اللہ تعالیٰ بڑھاتا ہے۔ زاد لازم اور متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ لغت میں ازاد نہیں آیا فِی الْخَلْقِ جس مخلوق کو، وہ ملائکہ ہوں یا کوئی اور۔ الخلق میں لام جنس کی ہے بمعنے مخلوق۔ مَایَشَآءُ جو چاہے جس قدر بڑھاتے اپنی مشیت وحکمت پر بڑھاتا ہے کہ جسے کوئی بھی احاطہ نہیں کرسکتا اس لیے ملائکہ کے متعدد پروں یا اس طرح کی دوسری مخلوق میں دوسروں سے مختلف الحال ہونے میں شک کی گنجائش نہیں کیونکہ اس کی مشیت ومقتضائے حکمت یونہی تھا۔

ف: آیت میں صوری معنوی کی زیادتی کی طرف اشارہ ہے مثلاً حسن الصورۃ بالخصوص چہرے کا حسن بعض میں زیادہ ہوتا ہے بعض میں کم۔ اسی لیے کہا گیا ہے:

ما بعث اللہ نبیا الا حسن الشکل وکان نبینا علیہ السلام املح۔ (روح البیان ج ۷، ص ۳۱۴)	ہر نبی حسین شکل تھا سوائے ہمارے نبی کے کہ آپ ملیح تر تھے۔

یعنی ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بہ نسبت یوسف علیہ السلام کے ملیح وشیریں تر تھے۔

نبی کا گستاخ واجب القتل جو نبی علیہ السلام کے بارے میں یہ کہے کہ وہ سیاہ (کالے) تھے وہ واجب القتل ہے (ہدیۃ المہدیین)

مسئلہ: اگر اس کی مراد تقبیح وتحقیر نہ ہو بلکہ اس سے سانولی شکل یا عربی اسود مراد لے تو کوئی حرج نہیں جیسے حضور علیہ السلام نے عجم کو احمر اور عرب کو اسود کہا۔ کما قال علیہ السلام:

بعثت الی الاحمر والاسود۔

(میں عرب وعجم کی طرف مبعوث ہوا)

آں سیہ چردہ کہ شیرینیٔ عالم با اوست

(ترجمہ: وہ سیاہ تل کہ رونق عالم اسی سے ہے)

صوری حسن کی علامات

(۱) آنکھوں کی ملاحت
(۲) صورت کا معتدل ہونا
(۳) زبان کی نرمی و طلاقت
(۴) گرفت کی قوت
(۵) بالوں کا حُسن
(۶) اچھی آواز

چنانچہ ہمارے نبی علیہ السلام کے متعلق مشہور ہے کہ آپ پیاری آواز والے ہیں۔

حدیث شریف ۱ میں ہے:
للہ اشد اذنا للرجل الحسن الصوت بالقرآن من صاحب قینۃ الی قینتہ۔
(اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف مغنیہ کے مالک سے مغنیہ کی طرف کان لگانے والے سے زیادہ متوجہ ہوتا ہے جو قرآن مجید کو پیارے لہجے میں پڑھتا ہے)

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
حدیث شریف ۲ زینوا القرآن باصواتکم۔
(اپنی آواز سے قرآن کی زینت کا اظہار کرو)
ورنہ قرآن مجید تو خود ہی مزیّن ہے اچھی آواز سے اس کے حسن کو ظاہر کرو۔

مسئلہ: جب تک قرآن مجید کا معنیٰ تبدیل نہ ہو اسے اچھی آواز اور بہتر لہجہ میں پڑھنا جائز ہے۔

ے

۱ چنانکہ میرود از جاے دل بوقت سماع
ہم از سماع بہ اُواے خود کند پرواز
۲ خدایرا حدیٔ عاشقانۂ سرکن
کہ بے حدی نشود قطع راہ دور و دراز

ترجمہ: (۱) جیسا کہ محض سنتے ہی دل پراثر انداز ہو سنتے ہی اپنے ماوٰی کی طرف پرواز کرے۔
(۲) خدارا عاشقوں والا حُدی پڑھنا سیکھ کہ بے حُدی اتنا لمبا سفر طے کرنا مشکل ہے۔

(۷) خوشنویسی (بھی حُسنِ ظاہری میں شامل ہے۔

حدیث شریف میں ہے:
الخط الحسن یزید الحق وضحا۔
(اچھا خط حق کو اور واضح کرتا ہے)
وہو بالفتح الضوء والبیاض۔

حدیث شریف میں ہے:
علیکم بحسن الخط فانہ من مفاتیح الرزق۔
(خط بہتر کرو کیونکہ یہ رزق کی چابی ہے)
فقیر (علامہ اسمٰعیل حقی نور اللہ مرقدہٗ) کہتا ہے کہ خوشخطی وہ ہنر ہے کہ ہر ملک اور ہر زمانہ میں مرغوب ہے بہترین خطاطی کمالاتِ بشریہ کا اعلیٰ کمال ہے لیکن یہ مقاصدِ بشریہ میں داخل نہیں۔ بعض مشائخ نے اپنی وجہِ معاش اسی خوشنویسی کو بنایا اور وہ در در کے بھکاری یا دوسروں کے دست نگر نہیں تھے۔ یہ بھی اللہ کے احسانات سے ہے ؎

برو بحسن خطت دل فراخ کن یارا
ز تنگدستی مبر شکوہ اہلِ دنیا را

ترجمہ: اے دوست خطاطی سیکھ کر دل کو فراخ کر، لوگوں کے سامنے اپنی تنگدستی کا شکوہ نہ کر۔

دوسرا معنوی حسن کمال عقل اور رائے صواب وجرأت قلبی وسماحۃ نفس وغیرہ۔

ف: حقائق سلمی میں ہے کہ تواضع بزرگوں کو، سخاوت اغنیاء کو، استغناء فقراء کو، صدق اہلِ ایمان کو اور شوق عشاق کو سجتا ہے۔

ف: امام قشیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ بلند ہمتی اسے نصیب ہوتی ہے جو اس کا طالب ہو علو ہمتی سے تعلق بالمولیٰ مراد ہے نہ کہ دنیا وعقبیٰ کا تعلق ؎

ہمائے چون تو عالی قدر حرص استخوان حیف است
دریغا سایۂ ہمت کہ بر نا اہل افگندی

ترجمہ: تو ہما ہے اور بلند قدر، تجھے ہڈیوں کی حرص نہیں سجتی۔ افسوس کہ تو نے اپنا سایہ کسی نا اہل پر ڈالا۔

ف: بعض نے کہا انسانی کمال، جمال وکمال اور سیہ روئی میں ہے لیکن فقیر (اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ مقام امتنان کے لائق نہیں جیسا کہ اہلِ اذعان سے مخفی نہیں۔
اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ بے شک اللہ تعالیٰ ہر ممکن شے پہ قادر ہے

یہ حکم مذکور کی لطور تحقیق تعلیل ہے اس لیے کہ جملہ ممکنات پہ قدرت دلالت کرتی ہے کہ وہ شے کے زیادہ کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے اور منجملہ اس کی قدرت کے شہوات اور غفلات سے نکال کر دائرۂ علم میں داخل کرنا بھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو جو عاجز سمجھتا ہے وہ کافر ہے۔ دیکھیے حضرت ابراہیم بن ادھم پر پہلے لطف صوری فرمایا تو اسے سلطنت اور جاہ وحشم عطا فرمادیا پھر لطفِ معنوی سے نوازا تو تعلقاتِ دنیوی اور کدوراتِ نفسانی سے نکال کر واصل الیٰ عالم الاطلاق اور داخل درحرم وفاق بنا دیا۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ بہت بڑے بادشاہ تھے اور مال واسباب اور آل و اولاد کی کوئی کمی نہ تھی لیکن ایک دن شکار کے لیے گھر سے نکلے تو پہلے لومڑی اور پھر ہرن کے پیچھے گھوڑا دوڑایا۔ اسی دوران انہیں ہاتفِ غیبی نے آواز دی: اے ابراہیم! کیا تم شکار کے لیے پیدا ہوئے ہو یا اس کا کوئی حکم ہے۔ پھر ان کی زین سے ہاتف بولا کہ اسی لیے پیدا ہوئے ہو یا اس کا تمہیں حکمِ خداوندی ہے؟ یہ سُن کر گھوڑے سے اترے تو آپ کو اپنا چرواہا ملا اس سے اُون کا جُبہ لے کر پہن لیا اور گھوڑا مع سازوسامان اسے دے کر جنگل میں چلے گئے پھر دنیا نے دیکھا کہ کیا سے کیا ہو گئے!

حکایت شجاع کرمانی شاہ ابوالفوارس شاہین بن شجاع کرمانی رضی اللہ عنہ ایک دن شکار کو نکلے۔ آپ کرمان کے بادشاہ تھے۔ شکار کی دُھن میں چلتے چلتے ایک دور دراز جنگل میں تنہا پہنچے۔ آپ کو ایک نوجوان ملا جو درندے پر سوار تھا اور ان کا لاؤ لشکر بھی ان کے اردگرد درندوں کا تھا۔ درندوں نے شاہِ کرمان کو دیکھا، اس کی طرف دوڑے۔ نوجوان نے درندوں کو ڈانٹ کر بادشاہ کے قریب ہو کر علیک سلیک کے بعد کہا: شاہ جی! اتنی غفلت کیوں؟ تم دُنیا میں اتنے غرق ہو گئے کہ خدا تعالیٰ بھی بھول گیا اور آخرت بھی یاد نہ رہی۔ لذتوں میں چُور ہو کر مالک کی خدمت کو بھی بھول گئے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں شاہی اس لیے دی تاکہ اس سے عبادت میں چستی دکھاؤ اس کے ذریعہ تم شغلِ اُخروی میں سبقت لے جاؤ۔ جوان نصیحت کر رہا تھا کہ اچانک ایک بڑھیا پانی کا گلاس لائی۔ گلاس نوجوان کو تھما دیا نوجوان نے تھوڑا سا پانی پی کر باقی بادشاہ کو دے دیا، بادشاہ نے پیا۔ فرماتے ہیں میں نے اس جیسا لذیذ اور ٹھنڈا پانی کبھی نہیں پیا تھا۔ بڑھیا تو پانی دے کر غائب ہو گئی اور نوجوان بدستور شاہِ کرمان کی نصیحت میں لگا رہا اور فرمایا: دیکھیے شاہ جی! یہ دُنیا اور اس کا تمام سرمایہ اللہ تعالیٰ کا ہے لیکن اس نے مجھے عطا فرما کر حکم فرمایا ہے جو چاہو جتنا خرچ کرو۔ اب جب مجھے کوئی ضرورت پڑتی ہے تو دنیا کو بلا کر اس سے اپنی ضرورت کی چیز لے لیتا ہوں۔ یہ بڑھیا دنیا ہی تو تھی کیا تمہیں معلوم نہیں اللہ تعالیٰ نے دنیا کو

علم دے رکھا ہے کہ جو بندہ میری بندگی کرے تو اس کی خادمہ (لونڈی) بن جا اور جو تیری پیروی کرے تو اسے اپنا خادم (غلام) بنالے۔ یہ سُن کر شاہِ کرمان تائب ہُوا۔ پھر جو مرتبہ انہیں ملا وہ دنیا جانتی ہے۔

ف: یہ دونوں بادشاہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی یاد سے گویا فرشتے بن گئے اور یہ آیت (یزید فی الخلق ما یشاء) ان کے حال پر صادق آتی ہے اللہ ہی توفیق بخشنے والا ہے۔

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ ما شرطیہ محلاً منصوب ہے اس کا عامل یفتح ہے الفتح بمعنے بیڑیاں زائل کرنا اور عرف میں بمعنے فتمندی۔ چونکہ یہ ارسال و اطلاق کا سبب ہے۔ اسی لیے استعارۃً یہ ارسال کے معنیٰ میں ہے جیساکہ لا مرسل لہ کا قرینہ بتاتا ہے کہ مرسل' فاتح کی جگہ استعمال ہوا ہے۔ تفسیر الارشاد میں ہے کہ ارسال کو فتح سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ وہ نفیس خزائن اور عزیز ترین مال و منال سے ہے۔ اور رحمۃً کو نکرہ لانے میں اشارہ ہے کہ یہ خزانہ لٹانے کا ہے لیکن ہے تمہاری سمجھ سے بالاتر۔ یعنی وہ جو بھی رحمت کے خزانے لٹائے وہ نعمت ہو یا صحت و عافیت، علم ہو یا حکمت وغیرہ۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر وہ جو اپنی بخشائش (جیسے نعمت و عافیت و صحت) بھیجتا ہے۔ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا مخلوق میں کوئی بھی طاقت نہیں رکھتا کہ اسے روک سکے کیونکہ اسے دنیا سے کوئی شے روکنے والی نہیں۔

ف: بعض نے کہا کہ فتح دو قسم ہے:

(۱) فتح الٰہی یعنی علوم اور ان ہدایات تک پہنچنا جو ثواب و مقامات کا ذریعہ ہیں اسی کو فرمایا:

انا فتحنا لك فتحًا مبینا۔

(بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرمائی)

اور فرمایا:

فعسى الله ان یأتی بالفتح او امر من عنده۔

(تو قریب ہے اللہ فتح لائے یا کوئی امر اسی کی طرف سے آئے)

(۲) فتح دنیوی یعنی لذات بدنیہ تک پہنچنا۔ اسی کو فرمایا:

ما یفتح الله للناس من رحمة الخ

(وہ جو اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے رحمت کھولے)

اور فرمایا:

لفتحنا علیهم برکات من السماء والارض۔

(ہم نے ان پر آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیئے)

فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ موجودات میں سے کوئی بھی اس کے کھولنے کی طاقت نہیں رکھتا اور نہ ہی کوئی کسی کو دے سکتا ہے جس سے وہ روک دے اسے کوئی دینے والا نہیں۔

نکتہ: پہلے جملے میں ضمیر مؤنث اور ثانی میں مذکر اس لیے ہے کہ رحمۃ مؤنث ہے اسی لیے ضمیر مؤنث صحیح ہے لیکن دربارہ مذکر میں رحمۃ مرجع نہیں بلکہ مطلق مملوکہ اشیاء، تو اس میں اشارہ ہے کہ اس کی رحمت اس کے غضب سے مسابق ہے یعنی بحیثیت تعلق کے، ورنہ اس کی دونوں صفات صفات باری تعالیٰ ہیں ان میں ذاتی طور ایک دوسری سے سبقت کا کوئی معنیٰ نہیں۔

مِنْۢ بَعْدِهٖ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی امساک ومنع، جیسے فمن یہدیہ من بعد اللہ میں بعد کے بعد ہدایت مضاف محذوف ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے بعد **وَهُوَ الْعَزِيْزُ** اور وہ ہر شے پر غالب ہے منجملہ ان کے فتح وامساک ہے کوئی ایسا نہیں جو اس کے بالمقابل ہو کر فتح و امساک کر سکے **الْحَكِيْمُ**ؕ صاحب حکمت ہے کہ جیسے اس کی حکمت ومصلحت کا تقاضا ہوتا ہے اسی طرح کرتا ہے۔

وظیفۂ نبوی حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد پڑھتے:

لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شئ قدیر

اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد۔

(اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اس کا ملک ہے اسی کے لیے حمد ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے اے اللہ! جسے تو دے اسے کوئی نہیں روک سکتا اور جس سے تو روکے اسے کوئی نہیں دے سکتا کوشش سے کوئی فائدہ نہیں تجھ سے ہی بزرگی ہے)

شرح الحدیث الجد بالفتح بمعنے الحظ والاقبال (دنیا کا بخت واقبال) یعنی جسے دنیوی بخت و اقبال حاصل ہے اسے اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ ہاں اسے فائدہ ہوگا تو طاعت اور عمل صالح سے۔

حدیث شریف حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے رحمت کے ہاتھ اس امت کے لیے ہمیشہ کھلے رہیں گے یہاں تک کہ جب اچھے لوگ شریروں سے نرمی اور نیک لوگ فاجروں کی تعظیم وتکریم کرنے لگیں گے اور قراء علماء اپنے علم سے معصیت کے درپے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنا دستِ رحمت ان سے کھینچ لے گا۔

تفسیرِ صُوفیانہ صاحبِ کشف الاسرار نے فرمایا کہ اہلِ فہم جانتے ہیں کہ یہ آیت اہلِ ایمان کی فتوح اور اہلِ عرفان کے متعلق ہے فتوح کہتے ہیں بلا طلب و بلا کسب شے کا حاصل ہونا۔

یہ دو قسم ہے:

(۱) مواہب صوریہ، جیسے رزق بلا کسب۔

(۲) مطالب معنویہ، جیسے علم لدنی جو پڑھنے کے بغیر حاصل ہو۔

۱ دست لطفش منبع علم و حکم
بے قلم بر صفحۂ دل زد رقم

۲ علم اہلِ دل نہ از مکتب بود
بلکہ از تلقین خاص رب بود

ترجمہ: (۱) اس کا دستِ لطف علم و حکمتوں کا سرچشمہ ہے قلم کے بغیر دل کی تختی پر لکھ دیا۔

(۲) اہلِ دل کا علم مدرسہ کا محتاج نہیں بلکہ انہیں رب تعالیٰ کی خصوصی تلقین نصیب ہوتی ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ اتنی جدوجہد کرے کہ اسے بغیر مشقت اور تکلیف کے رزق صوری و معنوی نصیب ہو۔

حکایت حضرت شیخ ابو یعقوب بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حرم شریف میں دس دن بھوکا رہا اور نڈھال ہوگیا۔ مجھے نفس نے وسوسہ میں ڈالا کہ کہیں باہر نکل جائیے ممکن ہے کچھ کھانے کو مل جائے۔ ایک وادی کی طرف نکلا تو مجھے گرا ہوا شلجم ملا میں نے اسے اٹھا لیا، ایک شخص میرے قریب بیٹھ گیا اور بند تھیلا میرے آگے ڈال کر کہا یہ آپ کے لیے ہے۔ میں نے پوچھا: میری تخصیص کیسی؟ اس نے کہا کہ ہم سمندر میں دس دن سفر کرتے رہے ایک دن کشتی ڈوبنے لگی سب نے کہا کہ منت مانو، تاکہ ہم ڈوبنے سے بچ جائیں۔ ہر ایک نے جیسے چاہا منت مانی، میں نے منت مانی کہ حرم کے باہر جو شخص مجھے سب سے پہلے ملے گا میں اسے کچھ صدقہ کروں گا چونکہ سب سے پہلے مجھے آپ ہی ملے اس لیے یہ آپ کو دے رہا ہوں، میں نے اُسے کھولا تو اس میں بہترین کیک، بادام اور کباب تھے میں نے ان میں ایک ایک اٹھا کر باقی اسے دے دیا اور کہا: بچوں کو کھلاؤ میری طرف سے ہدیہ ہے پھر میں نے دل میں کہا کہ افسوس میرا رزق مجھے دس روز سے تلاش کر رہا ہے اور میں وادیوں میں بھٹک رہا ہوں ؎

صائب فریب نعمت الوان نمی خوریم
روزیٔ خود ز خوان کرم می خوریم ما

ترجمہ: اے صاحب! ہم قسم قسم نعمتوں سے دھوکا نہیں کھاتے ہم تو روزی اس کے نعمت کے دسترخوان سے کھاتے ہیں۔

اور فرمایا: ؎

کشاد عقدۂ روزی بدست تقدیر است
مکن ز رزق شکایت ازین و آن زنہار

ترجمہ: روزی کی عقدہ کشائی تقدیر کے ہاتھ میں ہے روزی کی شکایت کسی سے نہ کر۔

دُعا: اے اللہ ہمارے لیے بہترین دروازہ کھول اور ہمیں وہاں سے روزی دے جو اپنے محبوبوں کو عطا فرماتا ہے تُو ہی تو رحمت کے دروازے کھولنے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ یَآاَیُّھَاالنَّاسُ عام ہے، لام جنس کی ہے یا اس سے صرف اہلِ مکہ ہی مراد ہیں اس وقت لام عہد کی ہے اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اپنے اوپر کے انعام کو یاد کرو۔

قاعدہ: قرآن مجید میں لفظ نعمت کا لفظ تا کے ساتھ آیا ہے اسے ابنِ کثیر، ابو عمرو، کسائی نے ہاء (وقف) کے ساتھ پڑھا ہے یہاں پہ نعمت بمعنے انعام ہے اگر مصدر کے معنیٰ میں ہو، ورنہ انعام کا اسم ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ نعمت کا حق جان کر اس کی حفاظت اور اس کا اعتراف کرو اور عبادت و اطاعت صرف اسی سے مخصوص سمجھو جس نے تمہیں نعمتوں سے نوازا ہے۔ نعمت عام ہے خارجیہ ہو جیسے مال وجاہ۔ یا بدنیہ ہو جیسے صحت وطاقت یا نعمت نفیسہ جیسے عقل وفہم۔ ھَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰہِ۔ **ربط:** چونکہ نعمت کا ذکر منعم کے ذکر کو مستلزم ہے اسی لیے استفہام انکاری سے یاد دلایا کہ کیا کوئی اللہ کے سوا خالق ہے یعنی کیا خالق حقیقی کے علاوہ کوئی اور خالق موجود ہے یعنی اس کے سوا کوئی اور خالق نہیں۔ خالق مبتداء اور اس کی خبر محذوف ہے۔ من کا اضافہ محض تاکیداً ہے تاکہ عموم کے معنی کی تاکید ہو۔ غیر اللّٰہ، خالق کی محلاً نعت ہے اور مجرور ہو تو بھی لفظاً نعت ہے۔

ردِّ معتزلہ الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ اس میں معتزلہ کا ردّ ہے کیونکہ وُہ کہتے ہیں کہ اپنے افعال کے ہم خود خالق ہیں۔ ان کی تردید آیت میں واضح ہے بلکہ اس میں تاکید کے لیے مِنْ کا اضافہ ہے تاکہ عقیدہ مستحکم ہو کہ صرف اور صرف وہی خالق ہے۔

یَرْزُقُکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وہی تمہیں آسمان و زمین سے روزی بخشتا ہے یعنی آسمان سے بارش اور زمین سے کھیتی کے ذریعے تمہیں رزق عطا ہوتا ہے۔ یہ جدید کلام ہے اس میں سابق کلام کے ساتھ اعراب کا کوئی تعلق نہیں اور نہ اسے خالق کی نعت بنایا جا سکتا ہے کیونکہ

اس کا معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ ایسا خالق ہے کہ اس کا غیر نہیں اور رازق ہے لیکن اس سے غیر اللہ کی رزاقیت کی نفی نہ ہو سکے گی اور نہ ہی اسے مبتدا کی خبر بنایا جائے گا کیونکہ اس کا معنیٰ یہ ہوگا کہ غیر اللہ ایسا خالق نہیں جو روزی دے۔ اس سے بھی غیر اللہ کے وجود کی نفی نہ ہوگی حالانکہ مقصود یہ ہے کہ اس کی ذات کے سوا کوئی نہیں جس کے یہ اوصاف ہوں۔

نکتہ ان اوصاف کو یہاں ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب بندہ یقین کرے گا کہ اس کے سوا نہ کوئی خالق ہے نہ رازق تو اس کے دل کا تعلق غیر اللہ سے نہ ہوگا بلکہ صرف ذات سے متعلق ہو کر صرف اسی کا طالب ہوگا اور نہ کسی سے رزق کی طلب کرے گا بلکہ وہ اپنے سے بھی بیزار ہو کر ظلمات تدابیر اور حیلوں سے محفوظ ہو جائے گا اور نہ ہی اپنے جیسوں کے لیے وہم میں پھنسے گا اس طرح ایسی خرابیوں سے بچ کر تقدیر کے شہود میں مستغرق ہو جائے گا۔

ف : میرے پیر و مرشد اور شیخ محقق نے فرمایا کہ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نفس کے گرفتار! تجھے یاد نہیں کہ تو کچھ نہیں تھا پھر تجھے وجود بخشا۔ اب اگر تو اپنے آپ کو میری درگاہ میں لے آئے اور تمام تدابیر کو ختم کر کے ہماری تدبیر پر اکتفا کرے اور اسی میں اپنی خیر تصوّر کرے تو پھر تمام پریشانیوں سے محفوظ ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل سے ایسے ہی بنا دے۔ (آمین)

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ○ جب تمہیں یقین ہے کہ وہی الوہیت و خالقیت و رزاقیت کا مستحق ہے تو پھر کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو کہ توحید کا دامن چھوڑ کر شرک کے پنجے میں گرفتار ہو رہے ہیں اور اسی حقیقی مالک کی عبادت کو ترک کر کے بت پرستی میں مبتلا ہو رہے ہو وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ اگر کفار اس پر مُصر ہیں کہ وہ تمہاری تکذیب سے باز نہیں آتے تو اے محبوب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) غم نہ کھائیے بلکہ صبر کیجئے فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ کیونکہ تمہارے پہلے رسل کرام کی بھی تکذیب ہوئی حالانکہ وہ بھی بہت عزت والے اور کثیر التعداد تھے مِّنْ قَبْلِكَ تم سے پہلے تو انہوں نے صبر کیا تو کامیاب ہوئے وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ اور صرف اللہ کی طرف جملہ امور لوٹائے جائیں گے۔ الرجع بمعنے الرد۔ بالآخر یہ تمام امور اسی کی طرف لوٹیں گے تو وہی سب کو جزا اور سزا دے گا یعنی صابر کو صبر کی اور تکذیب کرنے والے کو تکذیب کی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے اولیاء کو تسلی کا سبق ہے اور تنبیہ ہے کہ صبر سے ایذا کا دکھ درد ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اور بتایا گیا ہے کہ جیسے تمہیں کفار دکھ پہنچا رہے ہیں ایسے ہی سابق انبیاء علیہم السلام کو بھی دکھ پہنچے انہوں نے صبر کیا تو اللہ نے ان کی مدد فرمائی اور تم بھی صبر کرو گے تو تمہیں بھی مدد ملے گی۔ غرضیکہ تمہیں ان کا طریقہ اپنانا چاہیے ایسے ہی ارباب سلوک کو سبق سیکھنا چاہیے کہ جب انبیاء

علیہم السلام کے ساتھ سفہاء غلط طریق سے پیش آئے اور ان کی اتباع صرف چند معمولی آدمیوں نے کی ایسے ہی تمہاری ارادت میں اگرچند اور معمولی لوگ داخل ہوتے ہیں اور باقی ایذاء دیتے ہیں تو صبر کیجئے کیونکہ اہلِ حقائق کا ہمیشہ سے یہی طریق رہا ہے کہ وہ ایذاء برداشت کرتے آئے بلکہ وہ اسی کو راحت سمجھتے کہ وہ ایذا دینے والوں کا حال چھپاتے ۔ عوام اس طریقے کو جلد قبول کرتے ہیں بخلاف قراءٗ خود بینوں کے، بلکہ علماء ظواہر تو اس کا کھلم کھلا انکار کردیتے ہیں یہ انکار و اقرار عزیز و علیم کی طرف لوٹے گا وہی مبداء معاد کو جانتا اور صرف اپنے ارادے اور حکمت و مصلحت پر تدبیر کرتا ہے ۔

سبق : دانا عشق و اقرار کو اختیار کرتا ہے اگرچہ اسے معلوم ہے کہ اس میں دکھ درد اور ملامت ہے اور نفی و انکار سے دور بھاگتا ہے اگرچہ اس میں راست و سلامت ہے اسی لیے کہ عشق کا قطرہ عابدین کی کروڑوں عبادت سے بہتر ہے ۔ حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے کہا : ؎

ہر چند غرق بحر گناہم ز صد جہت
گر آشنائے عشق شوم غرق رحمتم

ترجمہ : اگرچہ گناہوں کے دریا میں غرق ہوں ۔ اگر عشق سے آشنائی نصیب ہوگئی تو رحمت میں غوطہ لگا رہا ہوں ۔

ف : طریقۂ عشق تفرید کے ساتھ توحید و اثبات ہویت ہے ۔ چنانچہ فرمایا لا الٰہ الا ھو ۔ اس میں اشارہ ہے کہ وہ غائب موجود ہے اگر حواس سے غائب ہے وہ ازل سے موجود ہے وہی معبود ہے وہی ہر مبتدی و منتہی کا ذکر ہے مبتدی کے حق میں تو وہ غائب ہے کیونکہ وہ اہلِ حجاب سے ہے اور منتہی کے حق میں حاضر ہے کیونکہ وہ اہلِ کشف سے ہے اس لیے کہ وہ صرف مطلق ہویت کا مشاہدہ کرتا ہے بظاہر وہ دو حرفوں (ہ ، و) سے مرکب ہے اور عقل میں بھی دو حرفوں (ا ، ی) سے مرکب ہے ۔ ان دونوں کو ملانے سے چار حرف بنتے ہیں ۔ اس میں اشارہ ہے کہ وہ احاطہ تربیعیہ سے محیط ہے یعنی احاطہ اول و آخر و ظاہر و باطن سے اولیت و آخریت عقلی اعتبار سے ہے اس پر الف و یاء دلالت کرتے ہیں اور ظاہریت و باطنیت حسّی اعتبار سے ہیں اس پر ہاؑ و واؤ دلالت کرتے ہیں الف ہاؑ میں پوشیدہ ہے اور یاؑ واؤ میں ۔

مسئلہ : ذکر جہاد سے افضل ہے کیونکہ جہاد و شہادہ کا اجر بہشت ہے ۔ ذاکر خدا تعالیٰ کا ہم نشین ہے ۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

انا جلیس من ذکرنی ۔

(میں اس کا ہم نشین ہوں جو مجھے یاد کرتا ہے)

اور ظاہر ہے کہ شہودِ حق دخولِ جنت سے افضل ہے اسی لیے رویۃ باری تعالیٰ دخولِ جنت کے بعد نصیب

ہو گی۔ لیکن ذکر میں قلب و روح و جمیع قوی کا حضور ضروری ہے ؎

حضور قلب بباید کہ حق شود مشہود
وگرنہ ذکر مجرد نمی دہد یک سود

ترجمہ: حضورِ قلب ضروری ہے تاکہ حق مشہود ہو ورنہ خالی ذکر کوئی فائدہ نہ دے گا۔

تفسیر عالمانہ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ اے لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ یعنی مرنے کے بعد جی اُٹھنا اور جزا و سزا حق ہے یعنی ثابت ہے جس کا خلاف ہرگز نہ ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب و عذاب اور جنت کے درجات اور دوزخ کے درکات اور ملیک مقتدر کے ہاں نشست اور اعلیٰ علیین کے قربات اور اسفل السافلین کا بُعد حق ہے۔ جب کوئی یہ جانے گا تو نزولِ موت سے پہلے اس کی تیاری کرے گا، نہ اسے رزق کی فکر ہوگی نہ وہ اپنے پروردگار پر کفایت شغل کی تہمت لگائے گا بلکہ طاعت کی کثرت سے خوش اور رزق مقسوم پر راضی ہوگا۔

تفسیر عالمانہ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا تمہیں حیاتِ دنیا دھوکا میں نہ ڈالے یعنی تمہیں دنیا کے اسباب کا خیال آخرت کے تصورات سے نہ ہٹا لے حالانکہ تمہیں آخرت کے لیے نیک اعمال کی کوشش کرنی چاہیے اور تمہیں دُنیوی زیب و زینت اور اس کے شہوات ریاضات و مجاہدات و ترک الاوطان طلب حق میں مفارقۃ الاخوان سے دُور نہ کر دے۔

ف: اگرچہ بظاہر حیاتِ دنیا سے نہی ہے لیکن درحقیقت دنیا سے ہی دھوکا کھانے کی نہی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:
یا ابن آدم لا یغرنك طول المهلة فانما یجعل با لاخذ من یخاف الفوت۔

(اے ابنِ آدم! تمہیں لمبی مہلت (زندگی) دھوکا نہ دے جو فوت ہونے سے ڈرتا ہے اسے جلد ہی پکڑا جاتا ہے)

حکایت حضرت علاء بن زیاد فرماتے ہیں کہ میں نے دنیا کو خواب میں دیکھا تو وہ نہایت قبیح اور اندھی اور بوڑھی تھی لیکن دنیوی زیب و زینت سے بھرپور۔ میں نے کہا میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں بتا تو سہی تو ہے کون؟ اُس نے کہا میں دنیا ہوں۔ اگر مجھ سے حقیقی پناہ مانگتا ہے تو درہم و دنانیر اپنے سے دُور رکھ اتنا اپنے پاس رہنے دے جتنا تجھے نان و نفقہ پر یا راہِ حق میں خرچ کرنا پڑے۔

حدیث شریف میں ہے:
الدنیا غنیمة الاکیاس و غفلة الجهال۔

(دنیا سمجھدار کے لیے غنیمت اور جہال کے لیے غفلت کا سبب ہے)
اس لیے کہ سمجھدار دنیا کو مختلف طاعات کے لیے خرچ کرتا ہے گویا وہ دنیا میں طاعات کا بیج بو رہا ہے تاکہ کل قیامت میں اس سے فصل کے ڈھیر اٹھائے۔ اسی لیے حدیث شریف میں فرمایا:

الدّنیا مزرعۃ الآخرۃ۔
(دنیا آخرت کی کھیتی ہے)

۱ نگہ دار فرصت کہ عالم دمیست
دمے پیش دانا بہ از عالمیست

۲ دل اندر دلارام دنیا مبند
کہ ننشست باکس کہ دل برنکند

ترجمہ: (۱) فرصت کو نگاہ میں رکھ اس لیے کہ دنیا ایک لمحہ ہے اسی لیے سمجھدار کے لیے ایک لمحہ تمام عالم دنیا سے بہتر ہے۔
(۲) دنیا بظاہر محبوب ہے اس میں دل نہ لگا یہ جس کے ساتھ بیٹھی ہے اس کا دل توڑا ہے۔

وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ اور اللہ کے کرم و عفو اور وسعت رحمت کو دھوکا نہ دے الْغَرُوْرُ دھوکا دینے والے سے۔

حلِ لغات الغرور بروزن فعول شکور صبور کی طرح مبالغہ ہے یہ شیطان کا نام ہے اس لیے کہ وہ انتہائی دھوکا باز ہے اور غرور مصدر ہے بمعنے دھوکا دینا۔ المفردات میں ہے کہ ہر وہ شے جو انسان کو دھوکا دے جیسے جاہ و مال اور شہوت و شیطان وہ غرور ہے۔ اور شیطان کو بھی الغرور اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ تمام دھوکا بازوں کا سرغنہ ہے۔ اور دنیا کو بھی الغرور کہتے ہیں کہ وہ دھوکا اور نقصان دے کر ہاتھوں سے نکل جاتی ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہیں سب سے بڑا دھوکا باز شیطان دھوکا نہ دے باینطور کہ گناہوں پر اصرار اور دل میں مغفرت کی امید۔ مثلاً کہتا رہے کہ گناہ کیے جاؤ کیونکہ وہ غفور ہے وہ تمام گناہ بخش دے گا اور اسے تمہاری عبادت کی کیا ضرورت ہے اور تمہیں عذاب دے کر اسے کیا فائدہ ہوگا اگرچہ اس کی یہ باتیں اپنی جگہ صحیح ہیں لیکن گناہوں کو ہاتھ لگانا اور بخشش کی امید میں رہنا ایسے ہے جیسے زہر اس خیال پر پینا کہ تریاق مل جائے گا تو زہر اتار دے گا خدانخواستہ زہر پی لے لیکن تریاق نہ ملے تو پھر سوائے مرنے کے چارہ نہیں۔ ایسے ہی گناہ کرے اور بخشش نصیب نہ ہو تو تباہی و بربادی کے سوا چارہ نہ ہوگا۔ مانا کہ اللہ تعالیٰ اکرم الاکرمین ہے لیکن اہلِ کرم کے لیے۔ اور وہ شدید العقاب بھی ہے اہلِ عذاب کے لیے۔

ف: بعض مشایخ نے فرمایا کہ شیطان کے دھوکوں سے ایک تسویف در توبہ، وہ یہ کہ گناہ

کرانے کے بعد یہ کہے کہ توبہ میں دیر کیجئے کیونکہ ابھی تُو جوان ہے نقد عیش کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔

۵

امشب ہمہ شب یار و می و شاہد باش
چوں روز شود توبہ کن و زاہد باش

ترجمہ: آج رات تمام شب محبوب اور شراب میں بسر کیجئے صبح کو توبہ کر کے زاہد بن جانا۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ ایسے دھوکے سے راہِ حق سے نہ بھٹکے اور اس نکتہ الفرصت تمر السحاب (فرصت بادل کی طرح نکل جائے گی) سے غافل نہ ہو۔ ع

عذر با فردا فگندی عمر فردا را کہ دید

(عذر کو کل تک چھوڑ رہا ہے بھلا کسے معلوم ہے کہ کل ہو گی یا نہ)[1]

اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَکُمْ عَدُوٌّ بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تمہارے ساتھ تو اس کی پرانی دشمنی ہے تمہارے باپ آدم علیہ السلام کے ساتھ اس نے کیا کیا۔ ایسے ہی اب بھی تمہاری دشمنی میں کوئی کمی نہیں کرتا۔

ف: لکم کی تقدیم صرف اہمیت کے اظہار کے لیے ہے۔

فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا تم بھی اسے دشمن سمجھو کہ اپنے عقائد و اعمال افعال اس کے خلاف رکھو اور ہر وقت اس سے پُر خطر رہو۔

نسخہ روحانی کسی بزرگ سے سوال کیا گیا کہ شیطان سے کس طرح دشمنی کی جائے انہوں نے فرمایا کہ اس کی آرزو پوری نہ کرو اور اپنے نفس کی مخالفت کرو اور جو کچھ کرو وہ شرع شریف کے موافق اور طبع کے مخالف ہو۔ صرف زبان سے کہنا کہ ہم اس کے دشمن ہیں، کسی کام کا نہیں۔ جب تک قلب و رُوح اور اعضأ سے اس کی مخالفت عملی طور پر نہ کرو۔

شیطان سے دُوری کا نسخہ ذکرِ الٰہی پر مداومت اور پروردگار سے استعانت سے شیطان قریب نہیں آتا کیونکہ جب کُتے کے مالک کی مدد نہ ہو گی کُتے پھاڑ کھائیں گے۔

اِنَّمَا یَدْعُوْا بے شک شیطان بلاتا ہے حِزْبَهٗ اپنے گروہ اور جماعت کو۔

ف: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ شیطان کی جماعت سے ذکر سے روگردانی کرنے والے اور غیر اللہ سے

---

[1] اسی لیے بزرگ فرماتے ہیں کہ آج کا کام کل پر نہ چھوڑو۔ اویسی غفرلہٗ

مشغول ہونے والے۔

لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ○ تاکہ وہ شیطان کی پیروی واتباع سے دائمی طور دوزخ میں رہیں۔

الارشاد میں ہے کہ اس سے شیطان کی عداوت اور اس سے دور رہنے کی تقریر مطلوب ہے اور تنبیہ ہے کہ شیطان کا مقصد اپنی جماعت کو بڑھانا ہے اور دنیوی مشاغل میں غرق ہونے والوں کو یقین ہونا چاہئے کہ جتنا اس میں انہماک اور سرگردانی کرو گے اتنا ہی اُخروی عذاب میں مبتلا ہو گے۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وہ جو کافر ہیں یعنی ایمان کے موجبات کے خلاف ہو کر اس پر اصرار کرتے ہیں لَهُمْ ان کے کفر اور دعوتِ شیطان کو قبول کرنے کی وجہ سے ان کے لیے عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۵ سخت عذاب ہے نقد یا دیر سے۔ نقد تو یوں کہ ان کے قلوب متفرق اور بصائر میں اندھاپن اور پست ہمتی، یہاں تک کہ بت پرستی پہ خوش اور خواہشاتِ نفسانی پہ راضی اور شیطان کی اتباع میں سرمست ہیں اور دیر سے عذاب یوں کہ آخرت میں دوزخ میں جائیں گے اور اس کی سختی و شدت سب کو معلوم ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور وُہ جو ایمان اور یقین پر ثابت قدم ہیں وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور نیک عمل کیے یعنی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اطاعت کی تاکہ نورِ ایمان میں اضافہ ہو لَهُمْ ایمان اور عمل صالح منجملہ اس کے شیطان کے ساتھ دشمنی بھی ہے اس وجہ سے ان کے لیے مَّغْفِرَةٌ بہت بڑی بخشش ہے اور یہ نقد انعام ہے کہ ان کے گناہوں کی پردہ پوشی کی گئی ورنہ ان کی سخت رسوائی ہوتی اور دیر سے مغفرت کا وعدہ یہ کہ ان کے گناہ ان کے عملنامہ سے مٹا دئے جائیں گے اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ تباہ و برباد ہو نے وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ○ اور بہت بڑا اجر کہ جس کا کوئی حساب نہیں کہ آج انہیں آسانی سے عبادت اور دائمی معرفت اور قلب کو زوائد الیقین اور خصوصی احوال اور قسم قسم کے عملیات نصیب ہوتے اور آخرت میں ہر مقصد حاصل بلکہ سوال سے ماسوا۔

ف: کل قیامت میں اولیاء اللہ کا حال بادشاہ کے اس خصوصی لشکر جیسا ہوگا جسے بادشاہ کہے کہ کل مزیّن ہو کر میرے ہاں آنا، جو سب سے زیادہ مزیّن ہوگا اس کو بہت بڑا انعام ملے گا پھر خود بادشاہ اپنی طرف سے خصوصی سامانِ زیب و زینت بھیج کر مخصوص سپاہیوں تک پہنچا دے تو لامحالہ بادشاہ کے ہاں تمام سپاہیوں سے وہی انعام پائیں گے جنہیں بادشاہ نے خود منتخب فرمایا ایسے ہی ان حضرات کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنی طاعت کی توفیق بخشی اور ان کو توجہات صافیہ کی خصوصی توفیق نصیب ہوئی اسی لیے یہ قیامت میں سب سے زیادہ ممتاز اور برگزیدہ ہوں گے۔ اس بندۂ خدا کو بہت زیادہ شکر کرنا چاہیے جسے اللہ تعالیٰ نے خود ہی اپنی خدمت کے لیے چن لیا اور اپنی عبادت و طاعت کی توفیق بخشی۔

سبق : اس زمانہ میں عبادت و طاعت کے راستہ پر چلنے والے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔
حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

نشان اہلِ خدا عاشقیست با خود دار
کہ در مشایخ شہر ایں نشان نمی بینم

ترجمہ : اہلِ خدا کا نشان عاشقی ہے تو اسے محفوظ کر لے کیونکہ شہر کے مشایخ میں یہ نشان نہیں ہے۔

ف : اللہ کے ایسے بندے ہیں جن کے قلوب کی تعمیر ہم و غم ، حزن جن کا وطن اور عشق و محبت جن کے محلات اور بروج ہیں ؎

۱ احبك حبين حب الهوى
وحبا لانك اهل لذاكا

۲ فاما الذى هو حب الهوى
فذكر شغلت به عن سواكا

۳ واما الذى انت اهل له
فكشفك للحجب حتى اراكا

۴ ولا حمد فى ذا ولا ذاك لى
ولكن لك الحمد فى ذا وذاكا

ترجمہ : (۱) میں تجھ سے دو محبتیں کرتا ہوں حبِ ہوا ، دوسری تیری محبت جس کا تو اہل ہے۔

(۲) وہ جو حب ہوا ہے وہ ذکر ہے جس سے میں صرف تجھ میں مشغول رہتا ہوں۔

(۳) وہ تیری محبت حجابات کا کشف ہے یہاں تک کہ تجھے دیکھتا ہوں۔

(۴) نہ یہ حمد میرے لیے نہ وہ ، یہ بھی تیرے لیے اور وہ بھی۔

دعا : ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ ہمارے قلوب کو انواع عمارات سے آباد فرما اور ہمارے بواطن کو اصنافِ ارادات سے مزیّن فرما اور ہمیں اپنے ان خاص بندوں سے اٹھا جن کے لیے بہت بڑا اجر اور ثواب ہے اور اپنی وجہِ جمیل کے انوار کے مطالعہ سے مشرف فرما۔ اول و آخر اور ظاہر و باطن میں یہی امید ہے۔

أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ

تو کیا وہ جس کی نگاہ میں اس کا برا کام آراستہ کیا گیا کہ اس نے اسے بھلا سمجھا ہدایت والے کی طرح ہو جائیگا اس لیے اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہے

مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝٨

اور راہ دیتا ہے جسے چاہے تو تمہاری جان ان پر حسرتوں میں نہ جائے بے شک اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں

وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيْحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا بِهِ

اور اللہ ہے جس نے بھیجیں ہوائیں کہ بادل ابھارتی ہیں پھر ہم اسے کسی مردہ شہر کی طرف رواں کرتے ہیں تو اس کے سبب ہم زمین کو

الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۝٩ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ

زندہ فرماتے ہیں اس کے مرے پیچھے یونہی حشر میں اٹھنا ہے جسے عزت کی چاہ ہو تو عزت تو سب اللہ کے ہاتھ ہے

جَمِيْعًا ؕ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ؕ وَالَّذِيْنَ

اسی کی طرف چڑھتا ہے پاکیزہ کلام اور جو نیک کام ہے وہ اسے بلند کرتا ہے

يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ۝١٠ وَاللّٰهُ

اور وہ جو برے داؤں کرتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اور انہیں کا مکر برباد ہوگا اور اللہ نے

خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ

تمہیں بنایا مٹی سے پھر پانی کی بوند سے پھر تمہیں کیا جوڑے جوڑے اور کسی مادہ کو پیٹ

اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اِلَّا

نہیں رہتا اور نہ وہ جنتی ہے مگر اس کے علم سے اور جس بڑی عمر والے کو عمر دی جائے یا جس کسی کی عمر کم رکھی جائے یہ

فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝١١ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ

سب ایک کتاب میں ہے بے شک یہ اللہ کو آسان ہے اور دونوں سمندر ایک سے نہیں یہ میٹھا ہے خوب میٹھا

سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ؕ وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ

پانی خوشگوار اور یہ کھاری ہے تلخ اور ہر ایک میں سے تم کھاتے ہو تازہ گوشت اور نکالتے ہو پہننے

حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ

کا ایک گہنا اور تو کشتیوں کو اس میں دیکھے کہ پانی چیرتی ہیں تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور کسی طرح حق

تَشْكُرُوْنَ ۝١٢ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ

مانو رات لاتا ہے دن کے حصہ میں اور دن لاتا ہے رات کے حصہ میں اور اس نے کام میں لگائے

وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَالَّذِيْنَ

سورج اور چاند ہر ایک ایک مقرر میعاد تک چلتا ہے یہ ہے اللہ تمہارا رب اسی کی بادشاہی ہے اور اس کے

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ⑬ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ

سوا جنہیں تم پوجتے ہو دانہ خرما کے چھلکے تک کے مالک نہیں تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں

وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ

اور بالفرض سن بھی لیں تو تمہاری حاجت روا نہ کر سکیں اور قیامت کے دن وہ تمہارے شرک سے منکر ہوں گے

وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ⑭

اور تجھے کوئی نہ بتائیگا اس بتانیوالے کی طرح

تفسیر عالمانہ

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ مزین بمعنے سنگارنا، کیا وہ جو سنگارا گیا ہے اس کے لیے سُوْٓءُ عَمَلِهٖ اس کا برا عمل فَرَاٰهُ حَسَنًا اور وہ اسے اچھا سمجھتا ہے۔

سوال : تم نے یہاں پر رؤیۃ کو سمجھنے یعنی گمان کرنے کے معنی میں لیا ہے اس کی وجہ؟

جواب : رؤیت جب متعدی بدو مفعول ہو تو ظن و تخمین و علم کے معنی میں آتا ہے یہاں متعدی بدو مفعول ہے اسی لیے یہ معنیٰ کیا گیا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا وہ جو اپنے کفر کو اچھا سمجھتا ہے اور وہ جو کفر و معاصی کو برا سمجھتا ہے کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ یعنی یہ دونوں برابر نہیں۔ یہاں پر کافی عبارات محذوف ہیں اس لیے کہ قرینہ سابقاً موجود ہے فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ پچھلے مضمون کی تقریر ہے اور ثابت کرتا ہے کہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہیں۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ جسے چاہے گمراہ کرے لیکن اسے جو گمراہی کو اچھا سمجھتا ہے اور اسی طرف اپنا اختیار صرف کرتا ہے تو ایسے کو اللہ تعالیٰ گمراہی کی طرف پھیرتا ہے وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اس لیے کہ اس نے ہدایت کی طرف اپنے ارادہ سے پھیرا اسی لیے اسے اللہ تعالیٰ اعلیٰ علیین کی طرف پہنچاتا ہے فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ فاء سببیہ ہے کیونکہ پہلے کا مضمون نہی عن التحسر کا متقاضی ہے۔

حل لغات

الذهاب بمعنے مرالمضی یعنی چلنا۔ ذہاب النفس موت سے کنایہ ہے۔ الحسرۃ بمعنے شدۃ الحزن علیٰ ما فات الخ شئے کے چلے جانے پر شدید حزن و ندامت۔

جب اس سے جہل ہٹ جائے تو اب محسوس ہوا کہ جو کچھ کیا وہ غلط ہے۔ حسرات مفعول لہ ہے اور جمع اس لیے ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے احوال اور قبیح اعمال سے بہت زیادہ مغموم و محزون ہو جاتے تھے۔ اور یہ آپ کے حزن و تاسف کا موجب تھے۔ علیہم، تذہب کا صلہ ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے؛

هلك عليه حبا ومات عليه حزنا۔

(وہ اس کی محبت سے ہلاک ہُوا اور اس کے غم وحزن سے مرا)

اسے حسرات سے متعلق نہیں کہا جا سکتا اس لیے کہ مصادر پر صلات مقدم نہیں ہوا کرتے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ جب تمہیں معلوم ہو گیا کہ جملہ امور اللہ تعالیٰ کی مشیئت پر ہیں تو ان کی گمراہی اور گناہوں کے اصرار اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالیے اور نہ ہی ان کی تکذیب وانکار سے غم نہ کھائیے۔ خلاصہ یہ کہ اے پیارے نبی علیہ السلام پے درپے کی حسرتوں سے تمہاری جان ہلاک نہ ہو کہ تم ان کے گندے کرتوتوں سے پریشان ہو جاتے ہو کہ ان پر عمل بہت بڑی حسرت کا موجب ہے حالانکہ تم نے ان کی پند ونصیحت میں کمی نہیں کی اور نہ تبلیغ احکام میں کمی کی ہے بلکہ باحسن وجہ تم نے تبلیغ کا حق ادا کیا ہے اسی لیے اب تم پر کسی قسم کی تکلیف اور مشقت نہیں۔ حالانکہ اب یہ دُکھ درد ان کو ہو گا کہ دنیا وآخرت میں ذلیل وخوار ہوں گے کیونکہ وہ اب تمہاری نگاہ سے گر گیا اور جو تمہاری نگاہِ کرم سے گیا وہ اللہ تعالیٰ سے بھی گیا۔ جب اس کا یہ حال ہے تو پھر اس پر کون رحم کرے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ بے شک اللہ تعالیٰ ان کے کرتوتوں کو خوب جانتا ہے اس لیے ان کو جزا بھی قبیح تر ملے گی اگرچہ وہ اپنے کردار کو اچھا سمجھتے تھے لیکن بُری شے کو اچھا سمجھنے سے اچھی نہیں ہو جاتی۔

ف : کافر اپنے خیال میں اپنے اعمال کو اچھا سمجھتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وهم يحسبون انهم يحسنون صنعا۔

(وہ گمان کر رہے تھے کہ وہ نیکی کا کام کر رہے ہیں)

پھر یہ قاعدہ ہے کہ جو دنیا کا راغب حلال وحرام جمع کرتا ہے اور اس کے زوال کا اسے فکر نہیں ہوتا اور نہ اس سے ملتا ہے جب تک دنیا سے رخصت نہ ہو تو اسے اپنا ہر کام اچھا لگتا ہے ؎

شد قوائے جملہ اجزائے جسمت در فنا
باہزاراں آرزو دست وگریبانی ہنوز

ترجمہ : جملہ اجزا کے قویٰ تیرے جسم میں فنا ہیں باوجود ہزار تمناؤں کے تا حال تو دست بگریبان ہے۔

ف : جو اس وہم میں ہو کہ جنت میں نجات ودرجات نصیب ہوں گے تو آرام پائے گا اور وہ صرف اسی وہم میں رہا تو گویا وہ بھی اپنے اعمال کی زینت میں مبتلا ہے اس لیے کہ اپنے رب کی مناجات کی حلاوت سے غافل ہوتا ہے ؎

مائیم وہمیں عاشق ولذت دیدار
زاہد تو برو در طلب خلد برین باش

ترجمہ : ہم ہیں کہ عاشق، لذتِ دیدار میں مست ہیں۔ اے زاہد! تو جا اور بہشت بریں کی طلب میں گزارہ کر۔

تفسیر صوفیانہ جو شہواتِ دنیا میں مست ہے کیا اس جیسا ہو سکتا ہے جو عقبیٰ کے درجات میں خوش ہے۔ پھر یہ اس جیسا نہیں ہو سکتا جو جمالِ مولیٰ میں محوِ خیال ہے۔ یہ اور وہ برابر نہیں اس لیے لازم ہے کہ اس تصور میں مستغرق ہوں جو سب سے زیادہ بہتر ہے یعنی حسنِ مطلق کیونکہ وہ ہر حسن کا مبدا ہے جو وہاں تک پہنچ گیا تو وہ اس کی ذات وصفات وافعال واعمال کے حسن سے منصف ہوا، جس نے اسے پالیا اسے سب کچھ نصیب ہوگیا۔ جسے وہ نہ ملا اسے کچھ نہ ملا خواہ وہ تمام دنیا کا مالک کیوں نہ ہو جائے۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم قدس سرہٗ ایک دن دریائے دجلہ کے کنارے پر بیٹھ کر گدڑی سی رہے تھے آپ کی سوئی دریا میں گر پڑی۔ کسی نے سوال کیا بادشاہ! تو نے شاہی کھو کر کیا پایا؟ آپ نے دریا کی مچھلیوں کو اپنی سوئی لانے کا حکم فرمایا تو دریا سے تقریباً ایک ہزار مچھلیاں سونے کی سوئیاں منہ میں لے کر حاضر ہوگئیں۔ فرمایا: مجھے اپنی اصلی سوئی چاہیے۔ ایک کمزور سی مچھلی نے آپ کی سوئی آپ کے سامنے لاکر رکھ دی۔ فرمایا: یہ تو ادنیٰ ترین مرتبہ ہے بڑے مراتب جو مجھے ملے تم ان سے بے خبر ہو۔

سبق یہ ہدایت خاصہ ونیت خالصہ واعمال صالحہ وحسنِ حال مع اللہ تعالیٰ کا نتیجہ ہے۔ یہ اسے نصیب ہوتا ہے جو راہِ طریقت میں قدم رکھتا ہے اور اپنی اصلاح شریعت سے کرتا ہے اور نفس امارہ کو طریقت پر چلاتا ہے، وہ حسن ہے جسے شرع وعقلِ سلیم اچھا سمجھے اور وہ قبیح ہے جسے یہ دونوں برا کہیں اور اہلِ اہوا و اہلِ بدعت (سیئہ) تو اپنے ہر عمل کو بہتر سمجھتے ہیں کیونکہ انہیں شیطان نے ایسے سمجھایا ہے اس لیے وہ طریقِ ہدایت وسنت سے بھٹک گئے ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنے سیدھے راستے پر چلائے جس پر اہلِ دین قویم چل گئے۔ اور ہمیں اعمالِ حسنہ کی ہدایت بخشے اور اچھے اخلاق سے سنوارے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَاللّٰہُ یہ مبتدا ہے اس کی خبر الَّذِیْٓ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ قرآن مجید میں ارسال دو معنوں میں آتا ہے:

(۱) بھیجنا، جیسے انا ارسلناک۔

(۲) کھولنا، جیسے ارسل الریاح۔

حلِ لغات المفردات میں ہے ارسال انسان اور اشیائے محبوبہ ومکروہہ کے آتا ہے۔ کبھی تخلیہ وترک منع کے لیے آتا ہے جیسے انا ارسلنا الشیاطین علی الکفرین اور ارسال امساک کے

بالمقابل آتا ہے۔ الریاح، ریح کی جمع ہے بمعنے چلنے والی ہوا۔ اس کا اصل روح ہے اس کی جمع ارواح آتی ہے اس کی جمع اریاح کہنا غلط ہے۔

ف : صاحبِ کشف الاسرار نے اس کا ترجمہ لکھا کہ وُہ اللہ جس نے اپنی تدبیر و تقدیر سے لائق اوقات اور مناسب اندازہ پر مختلف مخارج سے مختلف ہوائیں چلائیں، اس سے جنوب و شمال و صبا کی ہوائیں مراد ہیں کہ یہ رحمت کی ہوائیں ہیں اس میں باد دبور شامل نہیں کیونکہ وہ عذاب کی ہوا ہے اور باد جنوب باد شمال کی مخالف سمت سے مطلع سہیل سے مطلع ثریا تک چلتی ہے اور باد شمال بالفتح و بالکسر مطلع شمس سے بنات النعش تک یا مطلع شمس سے مسقط النسر الطائر تک چلتی ہے اور رات کو بہت کم چلتی ہے اور صبا مشرق سے رات کو اس موسم میں چلتی ہے جب دن اور رات برابر ہو جاتے ہیں۔ اسے صبا بھی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ نفوس اس کی طرف مائل ہیں کیونکہ صبا بمعنے میلان ہے یا اس لیے کہ یہ دبور یا کعبہ معظمہ کے دروازے کے بالمقابل ہے یا اس لیے کہ نفوس کو مقبول ہے اور صبا بمعنے قبول (بالفتح) بھی آیا ہے۔

فَتُثِيْرُ سَحَابًا تو وہ بادلوں کو ابھارتی ہیں یعنی زمین و آسمان کے درمیان بارش کے اتارنے کے لیے پھیلاتی ہیں۔ یہ ثار الغبار کا باب مزید ہے بمعنے هاج و انتشر ساطعا یعنی وُہ چمک پر پھیلا۔

تاج المصادر میں ہے الاثارۃ بمعنے گرد و غبار کو پھیلانا اور زمین کی غبار اڑانا اور ہوا کا بادل لانا۔ السحاب وہ جسم جسے اللہ تعالیٰ پانی سے پُر کرے۔ بعض نے کہا وہ بخار جو دریا اور زمین سے اُٹھ کر پہاڑ پر پہنچے اور وہ اسے بند کر کے برف بنا دے جس سے پانی تیار ہو کر نیچے گرے۔ السحب کا حقیقی معنیٰ ہے کھینچنا جیسے سحب الذیل الانسان علی الوجہ (انسان نے دامن کو چہرے کی طرف کھینچا) اور السحاب کو اسی لیے سحاب کہا جاتا ہے کہ وُہ پانی کو کھینچتا ہے۔

سوال : ارسل و سقناہ تو ماضی ہیں اس کے درمیان فتثیر مضارع کیوں؟

جواب : حکایت حال ماضی کے لیے ہے تاکہ وہ صورت بدیعہ کمال قدرت و حکمت پر دلالت کرنے کے لیے ذہن میں پُورے طور اُترے اس لیے کہ اسی خاصیت کے احداث کو بیان کرنا مطلوب ہے۔ اسی لیے اسے اس کی طرف اسناد کیا۔ چنانچہ فرمایا:

فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ۔ السوق بمعنے چلانا۔ اور البلد وہ مکان محدود جو لوگوں کے اجتماعِ اقامت سے متاثر ہو اور اثیر کے اعتبار کی وجہ سے اس کے ظاہر کو بلد بمعنے اثر کہا جاتا ہے البلد المیت وُہ مقامات جہاں کھیتی نہ ہو کہ وہ قحط سے ویران پڑ جائے۔ الراغب نے فرمایا کبھی وہ قوت نامیہ موجودہ جو انگوریوں میں ہوتی ہے کے بالمقابل کو موت کہا جاتا ہے۔

سوال : پہلے صیغہ ارسل غائب کا پھر سقنا صیغہ متکلم کیوں؟

جواب : یہ التفات از غیبۃ الی المتکلم کے قبیل سے ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ جملہ امور اللہ تعالیٰ سے خاص ہیں باقی اشیاء د وسائط و وسائل ہیں ۔

سوال : بلدٍ میّتٍ کو نکرہ کیوں لایا گیا ؟

جواب : ان سے بعض وہ مقامات مراد ہیں جہاں بظاہر پانی کے اسباب مفقود ہوں ۔

فَاَحْیَیْنَا فاء (تینوں) سبب کی ہیں کیونکہ ان کا ماقبل ان کے مدخول کے اسباب میں صرف پہلی سبب پر داخل ہے بخلاف دو آخری فا کے کہ وہ مسبب پہ داخل ہیں بِهٖ تو ہم نے پانی کے ذریعے آباد کیا وہ پانی جو بادل سے اترا ہے ۔

سوال : تم نے پانی کا معنیٰ کہاں سے لے لیا ؟

جواب : سحاب کا لفظ پانی پر دلالت کرتا ہے اس لیے کہ انہیں خارجاً بھی تلازم ہے اور ذہناً بھی یا یہ ضمیر السحاب کی طرف راجع ہے یہ سبب السبب کے قبیل سے ہے ۔

الْاَرْضَ زمین، یعنی ہم نے زمین پانی کے ذریعے سرسبز و شاداب بنایا بَعْدَ مَوْتِهَا اس کے خشک ہو جانے کے بعد كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ○ کاف محلاً مرفوع خبر ہے یعنی اسی احیاء کی طرح کہ جسے تم آنکھوں سے دیکھ رہے ہو ہم مُردوں کو قیامت میں زندہ کر کے قبروں سے اٹھائیں گے ہماری قدرت دونوں کے لیے برابر ہے ۔ یہ آیت کفار کے قیامت میں اُٹھنے کے انکار کا رد اور حجت ہے کہ جس طرح تم اس ویران زمین کو آباد کرنے کے منکر نہیں ہو سکتے ایسے ہی قبور سے زندہ اُٹھنے کے بھی منکر نہ بنو۔

حدیث شریف : ابن رزین عقیلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ! اللہ تعالیٰ مُردوں کو کیسے زندہ کرے گا ؟ تو آپ نے فرمایا : کیا تم اس علاقہ سے کبھی نہیں گزرے کہ پہلے وہ ویران پڑا ہو پھر چند دنوں کے بعد سرسبز و شاداب نظر آتا ہے ۔ میں نے کہا بارہا گزرا ہوں ۔ آپ نے فرمایا : ایسے ہی اللہ تعالیٰ مُردے زندہ کرے گا ۔

تفسیر دیگر بعض نے کہا کہ آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ جیسے یہ زمین پانی سے آباد ہوتی ہے ایسے ہی قیامت میں مُردوں کو پانی سے زندہ کرے گا ۔

حدیث شریف میں ہے اللہ تعالیٰ عرش کے نیچے سے مرد کی منی جیسا پانی نازل کرے گا جس سے ایسے اجسام پیدا ہوں گے جیسے انگوری زمین سے اگتی ہے پھر اسرافیل علیہ السلام کو نفخِ صور کا حکم ہوگا وہ دوسری بار پھونکیں گے ان کے صور کے سوراخوں سے ارواح شہد کی مکھیوں کی طرح نکل کر زمین و آسمان کو بھر دیں گے پھر حکم ہوگا کہ ہر رُوح اپنے جسم میں داخل ہو اس پر تمام ارواح ان اجسام میں داخل ہوں گی جو زمین پر پڑے ہوں گے پھر ناک کے سوراخوں سے داخل ہو کر روح سارے

جسم میں ایسے پھیل جائے گا جیسے زہر جسم کے رونگٹے رونگٹے میں پھیلتی ہے پھر زمین پھٹ جائے گی اس سے جسم اور پاؤں سے ننگے نکلیں گے۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ جب کسی علاقہ کو آباد کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو وہاں ہوا کے ذریعے بادل بھیج کر بارش برساتا ہے ایسے ہی جب کسی دل کو آباد کرنا چاہتا ہے تو اس کے دل پر امید کی ہوا چلا کر اس کے دل کے ارادوں کو ابھارتا ہے پھر اس پر جود کا مینہ برساتا ہے جس سے دل میں بسط کے پھول اور روح کے انوار پیدا کرتا ہے اس سے اس بندے کا دل دائمی عیش اور حضوری سے بسر کرتا ہے ؎

یا رب از ابر ہدایت برسان بارانے
پیشتر زانکہ چو گردیٔ زمان برخیزم

ترجمہ : اے پروردگار! ابرِ ہدایت سے بارش برسا، اس سے پہلے کہ ہم زمان کے گرد سے اٹھیں۔

ف : اس سے وہ ہدایتِ خاصہ مراد ہے جو فیضِ الٰہی سے فنا، تام کے وقت حاصل ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ وہ جو عزت کا خواہشمند ہے۔ امام راغب نے فرمایا العزۃ وہ حالت جو انسان کو مغلوب ہونے سے مانع ہو ارض عزاز بمعنے صلبۃ (سخت زمین) سے ماخوذ ہے۔ العزیز وہ ہمیشہ غالب رہے کسی سے مغلوب نہ ہو اس سے مدح بھی مطلوب ہوتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین۔

(اللہ ورسول (جل جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم) اور اہلِ ایمان کے لیے عزت ہے)

کبھی مذمت بھی کی جاتی ہے جیسے کہا جاتا ہے،

عزۃ الکٰفرین۔

لیکن فرق یہ ہے کہ اللہ ورسول (جل جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے عزت دائمی اور باقی رہنے والی ہے اور کافروں کی عزت مصنوعی جو درحقیقت ذلت ہے۔ آیت میں مشرکین مراد ہیں جو بت پرستی پر اپنے آپ کو معزز سمجھتے تھے اور منافقین بھی جو مشرکین کی طرف سے معزز سمجھے جاتے۔

فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ عزت تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہے جَمِيْعًا سب کی سب، دنیوی عزت ہو یا اخروی۔ کیونکہ اس کے سوا اس کا کوئی مالک نہیں اسی سے ہی طاعت وعبادت اور تقویٰ سے عزت طلب کی جائے۔

سوال : طلبِ عزت کا معنیٰ تم نے کہاں سے لے لیا؟

جواب : دلیل دے کر ضمناً اس کا ذکر ہو گیا کیونکہ جب عزّت اسی کی مِلک ہے تو طلب اسی سے ہونی چاہیے کیونکہ شئے کی طلب اس کے مالک سے ہی ہوتی ہے گویا دلیل مدلول کے قائم ہے۔

ف : دوسری آیت میں عزّت کا اثبات یُوں فرمایا :

وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین ۔

(عزت اللہ ورسول (جل جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اور اہلِ ایمان کے لیے ہے)

ان آیتوں میں تطبیق یُوں ہو گی کہ اللہ تعالیٰ کی عزّت بحیثیت الٰہیت وربوبیت کے ہے اور بحیثیت عطا اور منت اور فضل کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کو ہے [1]

ف : کاشفی مرحوم نے لکھا کہ اس کی عزّت سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان معزز ہیں بوجہ اس کی عزت کے موافق ہونے کے اور جو ذلیل ہیں تو اس کی مخالفت کی وجہ سے ؎

عزیزے کہ ہر کہ از درش سر بتافت ۔۔۔ بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

ترجمہ : وہ عزیز کہ جس نے اس کے دروازے سے منہ موڑا وہ جس دروازہ پہ جائے گا کوئی عزّت نہ پائے گا۔

حدیث شریف میں ہے :

ان ربکم یقول کل یوم انا العزیز فمن اراد عز الدارین فلیطع العزیز۔

(بیشک تمہارا پروردگار روزانہ اعلان فرماتا ہے کہ میں عزیز ہوں جو دارین کی عزت چاہتا ہے وہ عزیز کی اطاعت کرے)

اِلَیۡہِ یَصۡعَدُ الۡکَلِمُ الطَّیِّبُ ربط : اس آیت سے بتایا کہ عزت کی طلب کا ذریعہ ایمان اور اعمالِ صالحہ ہیں یعنی اس کی طرف پاکیزہ کلمے چڑھتے ہیں الیہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور الصعود بمعنے بلند مکان میں جانا ۔ اب وہ عمل جو بندے سے اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچنے کے لیے مستعمل ہوتا ہے جیسے نزول اترنے کو کہا جاتا ہے ۔ لیکن اب اس فضل وکرم پر استعمال ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے بندے کو پہنچے ۔ الکلم بکسر اللام نمر کی طرح اسم جنس ہے ۔ یہی جمہور کا مذہب ہے ۔ اسی لیے واحد مذکر صفت لائی گئی ہے ۔ یہ کلمہ کی جمع نہیں جیسے بعض مذہب ہے اور الطیب وہ شئے جس سے عزّت طلب کی جائے ۔ یعنی کلماتِ طیبہ اللہ تعالیٰ کی طرف جاتے ہیں ان ملائکہ کی طرف نہیں جاتے جو بندوں کے اعمال پر مقرر ہیں اور یہ کلمہ اپنے صاحب کو عزت بخشتا ہے اور اس کو وہ مطلوب حاصل کراتا ہے جس کا وہ طالب ہے ۔

مسئلہ : الکلم دعا و استغفار و قرأۃ القرآن اور ذکر جیسے سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ

---

[1] یہی تطبیق علمِ غیب اور اختیار و تصرف وغیرہ میں ہو گی کہ یہ امور اللہ تعالیٰ کے لیے بحیثیت الٰہیت کے ہیں اور عطاءً و منۃً و فضلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہیں۔

الا اللہ واللہ اکبر و دیگر اُن اوراد و وظائف کو شامل ہے جو کلام طیّب ہو۔

بعض نے کہا کہ الیہ کی ضمیر آسمان کی طرف راجع ہے اس لیے کہ قبولیت کا مقام یہی ہے مقبول کلمات بھی یہاں لکھے جاتے ہیں جیسا کہ فرمایا:

ان کتاب الابرار لفی علیین۔

(بے شک ابرار کی کتاب علیین میں ہے)

اور حضرت خلیل علیہ السلام نے فرمایا:

انی ذاھب الی ربی سیھدین۔

الی ربی سے ملکِ شام مراد ہے یعنی میں اپنے رب یعنی ملک شام کو جا رہا ہوں وہی مجھے ہدایت دے گا کیونکہ اسی نے مجھے شام کو چلے جانے کا حکم دیا ہے۔

ف: کراماً کاتبین بندوں کے اعمال وہاں لے جاتے ہیں جہاں انہیں حکم ہوتا ہے۔

ف: بعض مشایخ نے فرمایا کہ بعض اعمال سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچتے ہیں بعض جنت تک اور بعض عرش تک بعض عرش سے آگے عالمِ مثال سے لوح تک اس کے بعد مقام قلم تک اس کے بعد مقام عماء تک جیسے کسی کے عمل میں صدق و اخلاص ہوتا ہے اسی طرح بلندی نصیب ہوتی ہے جس قدر شہود و عیان زیادہ اتنی ہی بلندی زیادہ۔ اس سے ثابت ہُوا کہ بعض اعمال آسمان اور عالم اجسام سے گزر جاتے ہیں اور ان کی قبولیت کے یہی مقامات ہیں جو اوپر مذکور ہوئے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ سدرۃ المنتہیٰ ایک نہیں کئی ہیں مرتبۂ عماء تک درمیان میں کئی سدرہ ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے قبول اعمال وصحۃ توجہ البال و قوۃ الحال کا سوال کرتے ہیں۔

وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ الرفع کبھی اجسام میں استعمال ہوتا ہے جو نیچے ہوں پھر انہیں اونچا کیا جائے اور کبھی اس کا اطلاق بناء پر ہوتا ہے جب اسے اونچا کیا جائے اور کبھی ذکر میں استعمال ہوتا ہے جب اسے اہمیت دی جائے اور کبھی مرتبہ میں جب اس سے کسی کو شرف نصیب ہو۔ المفردات

ضمیر کا مرجع یرفعہ کی ضمیر میں چند وجوہ ہیں:

(۱) کلم کی طرف راجع ہے کیونکہ اعمال صالحہ توحید کے بغیر غیر مقبول ہیں اس کی تائید اس قرأۃ سے ہوتی ہے جس میں عمل کو منصوب پڑھا گیا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ توحید تو خود بخود بارگاہِ الٰہی میں قبول ہوتی اور عمل صالح کو بھی لے جاتی ہے اس لیے کہ اعمال صالحہ کی قبولیت کا سبب ہے یہی وجہ ہے کہ کفار کے نیک عمل مردود ہیں کیونکہ وہ شرک کی وجہ سے قبول نہیں۔

(۲) ضمیر کا مرجع عمل ہے کیونکہ ایمان اسی سے محقق ہونا اور قوت پکڑتا ہے۔ عمل صالح کے بغیر درجاتِ عالیہ نصیب نہیں ہوتے۔ (الارشاد)

ف : شیخ نے فرمایا کہ توحید طاعت سے قبول ہوتی ہے کیونکہ گناہ کے ہوتے ہوئے توحید غیر مفید ہے یعنی وہ عذاب سے نہیں روکتی۔ لیکن تفسیر ارشاد کا قول اولیٰ ہے کیونکہ اعمال توحید کے لیے بمنزلہ شے کے لذائذ کے لیے قول بلا عمل ایسے ہے جیسے ثرید دسومت کے بغیر یا بادل بارش کے بغیر اور کمان وتر کے بغیر۔

ف : کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ آیت میں اشارہ ہے کہ عمل نیک توحید کے لیے بمنزلہ پھل کے ہے توحید کو قبولیت عمل صالح سے نصیب ہوتی ہے۔ قول بلا عمل ایسے ہے جیسے اخلاص غیر نافع۔

کلم طیب وعمل صالح

(۱) کلم طیب دعا اور عمل صالح صدقۂ مساکین ہے کیونکہ دعا صدقات کے بعد بہت زیادہ مستجاب ہوتی ہے۔

(۲) کلم طیب ائمہ کی دعا اور عمل صالح مقتدیوں کا آمین کہنا ہے۔

(۳) کلم طیب غازیوں کا نعرۂ تکبیر اور عمل صالح ان کا تلوار مارنا۔

(۴) کلم طیب استغفار اور عمل صالح اس میں اظہارِ ندامت ہے ان تمام صورتوں میں عمل صالح اپنے بالمقابل کو درجۂ قبولیت بخشتا ہے۔

ضمیر کے مرجع کی تیسری تقریر

یرفعہ کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے اس لیے کہ وہی عمل قبول کرتا ہے۔ ابن عطیہ نے فرمایا : یہی قول سب سے زیادہ راجح ہے لیکن اس میں عمل صالح کی تخصیص تکلف سے خالی نہیں۔

ف : حل الرموز میں ہے کہ مشایخ فرماتے ہیں کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ خود بخود بارگاہِ حق میں پہنچتا ہے باقی اعمال جیسے اذکار وغیرہ کو ملائکہ لے جاتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

والعمل الصالح یرفعہ۔

یعنی عمل صالح کو اللہ تعالیٰ ملائکہ (کراماً کاتبین وغیرہ) کے ذریعہ قبول فرماتا ہے۔ مروی ہے کہ یتیم اور مظلوم کی دعا اللہ تعالیٰ کے ہاں براہِ راست پہنچتی ہے یعنی اس میں ملائکہ کے واسطے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

ف : بعض مشایخ نے فرمایا کہ یرفعہ کا معنیٰ یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ ذی قدر بناتا ہے جیسے کہا جاتا ہے :

ثوب رفیع و مرتفع۔ یعنی یہ کپڑا بہت قیمتی ہے۔

اس سے مخلص موحد کا عمل ہے کہ وہ قیمتی ہے اور ریاء کار کا عمل ذلیل وخوار ہے

۱ گرت بیخ اخلاص در بوم نیست
ازیں در کسے چوں تو محروم نیست

۲ زر قلب آلودہ بے قیمت است
زریرا کہ خالص بود حرم است

ترجمہ : ۱۔ اگر کسی جگہ اخلاص کی جڑ نہ ہو اس دروازے سے تجھ سا محروم اور

کوئی نہیں۔

۲۔ زر میں ملاوٹ ہو تو وہ بے قیمت ہے۔ زرِ خالص قیمتی ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ من کان یرید العزۃ میں اشارہ ہے انسان پیدائشی طور ذلیل و خوار اور ہر شے کا محتاج ہے انسان جیسا غیروں کا محتاج اور کوئی نہیں۔ اور قلوب سے غیر کی محتاجی ذکرِ الٰہی کے سوا زائل نہیں ہوتی اسی لیے صوفیہ کرام لا الٰہ الا اللہ کی ضرب دل پر لگاتے ہیں جب لا الٰہ کہا جاتا ہے تو دل سے دونوں جہانوں کے تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں جب الا اللہ سے صرف اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ نصیب ہوتی ہے جب دل پر ہر قسم کا تعلق ختم ہو جائے تو کلمہ طیبہ خود بخود بارگاہِ حق میں بندے کو پہنچا دیتا ہے جیسے آگ فلک اثیر سے لوہے اور پتھر کے ٹکراؤ سے نیچے اترتی ہے تو درخت لکڑی وغیرہ کو کھا کر اسے اپنی حقیقت سے نکال کر اپنی حقیقت میں لے جاتی ہے۔ جب لکڑی وغیرہ کی حقیقت بالکل ختم ہو جاتی ہے تو آگ پھر فلک اثیر کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ یہی راز ہے الیہ یصعد الکلم الطیب الخ میں۔

ف: عمل صالح سے ارکان شریعت مراد ہیں۔ اس کا پہلا رکن یہ ہے کہ نورِ الٰہی کی آگ کا اثیر حضرت الٰہی سے اترنا جبکہ لا الٰہ الا اللہ کے لوہے کو دل کے پتھر سے رگڑا جائے تو پھر جب وہی آگ وجودِ انسانی کے درخت میں آتی ہے تو انسان ارکان خمس میں سے کسی ایک رکن کو عمل میں لاتا ہے اور رکن خمس میں سے کسی ایک رکن کو عمل میں لاتا ہے اور رکن خمس میں سے پہلا کلمۂ طیب ہے اور چار باقی مشہور ہیں انہیں ارکانِ اسلام کہا جاتا ہے۔ پہلے کو توحید، دوسرے چاروں کو عمل صالح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہی اصل شجرہ کو ارضِ دنیا سے اکھاڑتے اور ایسا کاٹتے ہیں کہ جن سے انہیں نار کے قبول کرنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے اور نار کے ساتھ شعلے مارتا اور جلاتا ہے یہاں تک کہ بالکل اپنی ہستی کو مٹا کر راکھ بنا دیتا ہے پھر وہ نار انسان کے درخت کو عبور کر کے اثیر الحضرۃ کو لوٹ جاتی ہے۔ چونکہ وہ درخت (انسانی) اسی نار نورِ الٰہی سے جل رہا تھا جسے موسیٰ علیہ السلام نے جانبِ طور سے آگ سمجھا تو جب وہ قریب پہنچے تو بقعہ مبارکہ میں شعلہ کی زبان سے وادیٔ ایمن کے کنارے سے آواز آئی:

انی انا اللہ رب العالمین۔

اس میں تامل کرو گے تو ان شاء اللہ (مسئلہ وحدت الوجود) کو سمجھ جاؤ گے

تفسیر عالمانہ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ۔

حلِ لغات: المکر کسی کو حیلہ کر کے مقصود سے ہٹانا۔ القاموس میں ہے المکر الخدیعہ بمعنے دھوکا۔

ربط: یہاں سے کلمۂ خبیث کی تشریح مطلوب ہے۔ اور برے عمل کو بھی۔ السیّاٰت کا منصوب

ہونا مصدر محذوف کی صفت کی وجہ سے ہے کیونکہ المکو فعل لازم ہے اسے مفعول بہ نہیں چاہیے ۔
اب عبارت یوں ہوگی :

یمکرون المکرات السیّئات ۔

ان مکرات سے قریش مکہ کی وہ دھوکا سازیاں مراد ہیں جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کرتے تھے جیسے دار الندوہ میں بیٹھ کر صلاح و مشورے کرتے رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا جائے یا شہر بدر کیا جائے یا قید کر دیا جائے، جسے اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا :

واذ یمکر بک الذین لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک ۔

(اور جبکہ تمہارے بارے میں باہم مشورہ کرتے تھے کہ تمہیں یا قیدی بنائیں یا شہید کر ڈالیں یا شہر بدر کر دیں)

اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ وہ جو بُرے مکر کرتے لَھُمْ ان کے مکر کی وجہ سے انھیں عَذَابٌ شَدِیْدٌ سخت عذاب ہوگا دنیا میں بھی آخرت میں بھی کہ جس کی کوئی انتہا نہیں اور نہ ہی اس کے مکر کی اسے کوئی پرواہ ہے وَمَکْرُ اُولٰٓئِکَ یہ اشارہ ان مفسدوں کی طرف ہے جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دار الندوہ وغیرہ میں بُری تدبیریں سوچیں اور ان کا مکر ھُوَیَبُوْرُ صرف وہی تباہ و برباد ہوگا نہ اللہ تعالیٰ کی خفیہ تدبیر۔ تفسیر الارشاد میں ہے کہ اس کا بال بیکا نہ ہوگا جس کے متعلق یہ بُری تدبیریں سوچ رہے ہیں ۔

حلِ لغات یبور بمعنے یھلک و یفسد، کیونکہ البوار بمعنے زیادہ گھاٹا اور نقصان ۔ اور ایسا گھاٹا انسان کو تباہی اور فساد کے گھاٹ اتارتا ہے ۔

ف : ضمیر ھُمْ کے بجائے اولٰئک اسمِ اشارہ لانے میں تنبیہ ہے کہ یہ فسادی دوسرے فسادیوں سے نمایاں ہیں یعنی یہ سب سے بڑھ کر اور شہرت یافتہ ہیں ۔ اور کسد کا انجام فساد ہے اسی لیے آیت میں فساد و ہلاک کو البوار سے تعبیر کیا گیا ہے اور ہوا بھی ایسے ہی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پے در پے تباہ و برباد فرمایا جب انہوں نے اس کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے ہجرت پر مجبور کر دیا پھر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مکہ سے نکل جانے پر مجبور کر دیا اور بدر میں قتل کیا اور قیدی بھی بنایا۔ جیسے انہوں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سوچا وہی انہیں خود بھگتنا پڑا، چنانچہ فرمایا :

قل کل یعمل علی شاکلتہ ۔

(ہر ایک کو اپنے کیے کی سزا ملی)

ف : بُرے مکر والوں کا انجام بھی بُرا اور کلمۂ طیب اور عمل صالح والوں کی جزا اعلیٰ یعنی نجات اور

مجاہد اور شہر بن حوشب رحمہما اللہ نے فرمایا کہ آیت سے اہلِ ریا مراد ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ **والذین یمکرون السیأت** میں اشارہ ہے کہ وہ جو مکر سے اپنی نیکیاں ظاہر کرتے اور برائیاں چھپاتے ہیں یعنی برے عقیدے چھپاتے ہیں تاکہ لوگ انہیں نیک اور سچے سمجھیں[1] **لھم عذاب شدید** انہیں سخت عذاب ہوگا کہ وہ جن برے عقاید کو چھپاتے ہیں توان کو ان کی سخت سزا ملے گی اور دوسرا عذاب بایں معنیٰ ہوگا کہ وہ اپنی حقیقت کو چھپا کر حسنات کا اظہار کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا **ومکر اولئک ھو یبور** یعنی ان کا اپنا مکر ہی انہیں تباہ و برباد کر دے گا۔ ورنہ قاعدہ الہیہ ہے کہ معاملات کے مطابق ہی کرامات ظاہر ہوتی ہیں۔

حکایت بایزید حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ایک رات مجھے گھر نور نظر آیا تو میں نے کہا کہ یہ اگر شیطانی ہے تو میں آج اس سے بہتر اور بلند ہمت ہوں کہ اسے مجھ سے کام پڑا ہے اگر تجھ سے ہے تو اسے چھوڑیئے تاکہ خدمت (عبادت) سے کرامت تک پہنچوں۔

سبق خدمت (عبادت) بالخصوص ظہور انوار و کشف و اسرار کا وسیلہ اور سبب ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ ایمان صرف تمنا کا نام نہیں یعنی تصدیق بالقلب مع عمل صالح ایمان کے لیے ضروری ہیں بہرحال تصدیق بالقلب کو پختہ کرنے کے لیے صدق معاملہ یعنی عمل صالح لازم ہے جو صرف زبانی کلامی اور خیالی خالی باتوں میں مست ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو جنگل میں کشتی چلانے کا ارادہ رکھتا ہے ؎

گر ہمہ علم عالمت باشد
بے عمل مدعی و کذابی

ترجمہ: اگر تمام دنیا کا علم تمہیں حاصل ہو اور تم عمل نہیں کرتے تو تم جھوٹے مدعی اور کذاب ہو۔

ہمیں اللہ تعالیٰ شرائع و احکام کے ترک سے محفوظ رکھے اور حدود و آداب عمل و کلام کی رعایت سے مشرف فرمائے۔ وہی ہر مدعا و مراد کو آسان کرنے والا ہے۔

---

[1] جیسے وہابی تبلیغی دیوبندی فرقے کا طریقہ ہے کہ اگر وہ اپنے برے عقاید عوام کے سامنے ظاہر کر دیں تو عوام انہیں منہ نہ لگائیں۔ آزما کر دیکھ لیں۔ اویسی غفرلہٗ

تفسیر عالمانہ وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ مِّنْ تُرَابٍ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا بعث ونشور کی صحت پر دیگر دلیل ہے یعنی ابتداءً مٹی سے آدم علیہ السلام کے ضمن میں تمہاری اجمالی تخلیق فرمائی تاکہ تم مٹی کی طرح متواضع و متخاشع ہوں۔

حدیث شریف میں ہے:

"بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین کو نرم بنایا تاکہ تم اس کے کاندھوں پر چلو اور بنو آدم کو مٹی سے بنایا تاکہ انہیں تواضع سکھائے لیکن انہوں نے تواضع سے انکار کر کے تکبر کیا اور وہ بہشت میں ہرگز داخل نہ ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہوگا۔"

ف: بعض نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ قبر میں مدفون ہوں گے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تم مخلوق میں بارگاہِ حق سے بعید تر ہو کیونکہ مٹی سے ہو اور مٹی تمام مخلوق سے اسفل اور کثیف تر ہے اس لیے کہ اس کے اوپر پانی ہے اور وہ لطیف ہے اور پانی کے اوپر ہوا ہے اور وہ اس سے لطیف تر ہے اور ہوا کے اوپر اثیر ہے اور وہ اس سے لطیف ہے اور اس کے اوپر آسمان ہے اور آسمان اثیر سے لطیف ہے لیکن ان تمام کی لطافت آسمان کی لطافت سے کوئی مشابہت نہیں رکھتی اس لیے کہ عناصر کی لطافت اجسام سے ہے اور آسمان کی لطافت اجرام سے اور اجسام کی لطافت خرق والتیام کے قابل ہے لیکن اجرام کی لطافت خرق والتیام کو قبول نہیں کرتی پھر ہر آسمان کے اوپر دوسرا آسمان ہے ہر پہلے سے دوسرا زیادہ لطیف ہے تمام آسمانوں کے اوپر کرسی ہے اور وہ ان تمام آسمانوں سے لطیف تر ہے کرسی کے اوپر عرش ہے اور وہ کرسی سے لطیف تر ہے اور عرش کے اوپر عالمِ ارواح ہے اور وہ عرش سے لطیف تر ہے لیکن عرش وغیرہ کی لطافت کو عالمِ ارواح کی لطافت سے کوئی مشابہت نہیں کیونکہ عرش وغیرہ کی لطافت اجرام سے ہے عرش وغیرہ اور عالمِ ارواح کی لطافت میں یہ فرق ہے کہ عرش وغیرہ کی لطافت جہات ستہ رکھتی ہے اور عالمِ ارواح کی لطافت میں جہات ستہ نہیں پھر عالمِ ارواح کے اوپر اللہ ہے جو اپنی تمام مخلوق (بندوں وغیرہ) پر غالب ہے اور وہ ارواح سے بھی لطیف تر ہے لیکن اس کی لطافت کو ارواح کی لطافت سے کسی قسم کی مشابہت نہیں کیونکہ ارواح کی لطافت نورانیہ علویہ اور اپنے ماتحت کو ایسے محیط ہے جیسے علم معلوم کو، اور اللہ تعالیٰ تو ہر شے کے اوپر ہے اور وہ ان اوصاف سے منزہ و مقدس ہے کوئی شے اس کی مثل نہیں وہ سمیع و بصیر و علیم ہے۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ نطفہ وہ صاف پانی جو باپ کی پشت اور ماں کے سینے سے خارج ہوتا ہے قلیل ہو یا کثیر۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں تفصیلی طور پر پیدا فرمایا تاکہ

تم پانی کی طرح ہر کمال کو قبول کرنے والے ہو جاؤ۔ یہی حیاۃ کا سر اور عناصر اربعہ کا مبدأ ہے۔

ف: بعض نے کہا کہ ہم نے تمہیں مٹی یعنی آدم سے پیدا کیا کیونکہ وہی تمام مخلوق کی اصل ہے۔ اس کے بعد نطفہ سے یعنی تناسل و توالد کے ذریعہ ذریت آدم پھیلائی۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تمہیں ہم نے اسفل المخلوقات سے پیدا کیا اور یہ نطفہ سے اس لیے کہ تراب درکہ مرکبیہ میں نزول کر کے درکۂ نباتیہ میں پہنچ کر درکۂ حیوانیہ میں آتی ہے پھر وہاں سے درکۂ انسانیہ میں پہنچتی ہے اور درکہ تمام سفلی مخلوق سے اسفل ہے اور تمام مخلوق سے آخر میں پیدا ہوا جیسے درخت کی آخری ٹہنی سب سے آخر میں پیدا ہوتی ہے لیکن سب سے اونچی۔ لیکن وہی تمام درخت کا بیج ہے اس میں صلاحیت ہے کہ اس سے درخت پیدا ہو۔ بیج درخت کے تمام اجزاء کا خلاصہ ہے۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا پھر تمہیں مختلف رنگوں میں بنایا سرخ، سفید، کالے یا مرد اور عورتیں۔ قتادہ نے فرمایا: تمہیں ایک دوسرے کے زن و شوہر بنایا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں ارواح و اجسام کے ازدواج کی طرف اشارہ ہے روح قرب کے اعلیٰ مراتب سے اور جسم درکاتِ بعد میں اسفل ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اقرب الاقربین کو ابعد الابعدین سے ملایا اور جسم کے ظاہر میں حواس خمسہ کو اور اس کے باطن میں قوائے بشریہ کو مرتب فرمایا اور روح کے لیے مدرکات روحانیہ مرتبہ فرمائے تاکہ روح اور قالب عوالم غیب و شہادت کے تمام کو ادراک کریں اور انہیں معلوم ہو کہ عالم غیب و شہادت پر منجانب اللہ کس طرح خلافت کرتی ہے ؎

آدمی شاہ و کائنات سپاہ
مظہر کل خلیفۃ اللہ

ترجمہ: آدمی بادشاہ اور جملہ کائنات اس کی سپاہ ہے۔ یہ مظہر کل اور اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَا نافیہ ہے تَحْمِلُ اور نہیں حاملہ ہوتی مِنْ أُنْثَىٰ عورتوں میں سے۔ من زائدہ ہے استغراق کی نفی اور اس کی تاکید ہے۔ انثیٰ، مذکر کی نقیض ہے۔ انسانی تخلیق کے لیے بوجہ فرجین کے اصل ہیں کما فی المفردات۔

وَلَا تَضَعُ اور نہیں وضع حمل کرتی إِلَّا بِعِلْمِهِ مگر اس کے علم پر، یعنی اس کی مشیت کے تابع ہے۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ یہ محلاً حال ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہر حاملہ کے حمل اور وضع حمل کا علم اسی کو ہے

وہ جانتا ہے کہ اس کا حمل کہاں ہے، کیا ہے، کتنے دن اور کتنی ساعات پیٹ میں رہے گا، اس کے احوال کیا ہیں، کچا نکلے گا، پورے ماہ کا ہو کر پیدا ہوگا، نر ہے یا مادہ ہے وغیرہ۔

وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ ما نافیہ ہے، تعمیر بمعنے عمر دینا معمر بمعنے طویل العمر۔ کبھی معمر کو ابن اللیالی بھی کہتے ہیں من معمر بمعنے من احد ہے من زائد ہے من انثیٰ کی طرح یہ بھی نفی کی تاکید کرتا ہے اور یہ باعتبار تصییر کے ہے یعنی از باب تفعیل ہے یعنی ہر وہ شخص جو بعد کو عمر رسیدہ ہوگا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کوئی بھی لمبی عمر نہیں دیا جاتا وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ اور کوئی بھی عمر میں کم نہیں ہوتا۔

عمر بمعنے زندگی سے تعمیر بدن کی مدت۔

حل لغات

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ آپ عُمْر کو بجزم المیم پڑھتے تھے۔ ویسے دونوں لغتیں مستعمل ہیں جیسے نُکْرٌ و نُکُرٌ اور ضمیر معمر کی طرف راجع ہے۔

سوال: معمر کی جب عمر مقرر ہوگئی پھر اس کا گھٹنا تو محال ہے اور کلام الٰہی میں ایسی عبارت کا ہونا بھی محال ہے۔

جواب: عبارت میں تسامح اور فہم سامع پر بھروسا کے طور ایسی عبارات عرب میں عام اور بلیغ سمجھی جاتی ہیں اور پہلے بھی ہم نے عرض کیا ہے۔ معمر سے ہر وہ شخص مراد ہے جو طویل عمر پانے کے قابل ہو۔ اس کا معنیٰ یہ نہیں کہ اس کی عمر پہلے لمبی تھی پھر گھٹائی جائے بلکہ معنیٰ یہ ہے کہ اس کی وہی عمر جو ابتداء میں کم رکھی گئی۔

اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مگر وہ کتاب یعنی لوح محفوظ یا علم الٰہی میں یا ہر انسان کے صحیفے میں اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ۝ بیشک یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آسان ہے۔ یعنی تخلیق اور اس کا مابعد باوجودیکہ یہ جملہ امور حیران کن ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے آسان ہیں کیونکہ اسے اسباب کی ضرورت نہیں۔ جیسے یہ امور اس کے لیے آسان ہیں تو مرنے کے بعد تمہارا اٹھنا بھی اس کے لیے آسان ہے۔

مسئلہ: بحر العلوم میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ زیادۃ و نقصان اللہ تعالیٰ کے لیے آسان ہے نہ اُسے کوئی روک سکتا ہے اور نہ کسی کی اسے محتاجی ہے۔

ف: آیت میں زیادۃ و نقصان فی العمر میں وہی مفہوم ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے ورنہ ایک ہی انسان میں عمر کا نقصان و زیادۃ نہیں ہوتا۔

بدل جاتی ہیں تقدیریں

بعض علماء نے فرمایا کہ ایک ہی انسان کی عمر مختلف اسباب سے بڑھتی گھٹتی ہے جیسا کہ لوح محفوظ میں لکھ دیا جاتا ہے کہ فلاں نے اگر حج پڑھا تو اس کی عمر ساٹھ سال ہوگی ورنہ چالیس سال کے بعد مرجائے گا۔ اگر حج پڑھے گا تو اس کی عمر ساٹھ سال ہوگی ورنہ چالیس سال کی عمر میں مرجائے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس کی انتہائی ساٹھ سال کی عمر حج نہ

پڑھنے سے چالیس سال ہوئی۔ ایسے ہی عمر کو معلق کیا جاتا ہے کہ اگر اس نے صدقہ دیا یا صلہ رحمی کی تو اس کی عمر اسی سال ہوگی ورنہ پچاس سال۔

حدیث شریف ۱ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الصدقۃ والصلۃ تعمران الدیار وتزیدان فی الاعمار۔

(صدقہ و صلہ رحمی علاقے آباد کرتے ہیں اور زندگیاں بڑھاتے ہیں)

حدیث شریف ۲ میں ہے:

ان المرء لیصل رحمہ وما بقی من عمرہ الا ثلاثۃ ایام فینسئہ اللہ الی ثلاثین سنۃ وانہ لیقطع الرحم وقد بقی من عمرہ ثلاثون سنۃ فیردہ اللہ الی ثلاثۃ ایام۔

(جب کوئی صلہ رحمی کرتا ہے تو اس سے قبل اس کی عمر کے صرف تین دن رہتے ہوں گے لیکن صلہ رحمی کی برکت سے اس کی عمر بڑھا کر تیس سال کر دی جاتی ہے ایسے ہی جب کوئی صلہ رحمی نہیں کرتا تو اس کی عمر تیس سال سے کم کر کے صرف تین دن کر دی جاتی ہے)

حدیث شریف ۳ میں ہے:

برالوالدین یزید فی العمر والکذب ینقص الرزق والدعاء یرد القضاء۔

(والدین کی خدمت گزاری عمر کو بڑھاتی ہے اور جھوٹ رزق کو گھٹاتا ہے اور دعا تقدیر بدل دیتی ہے)

ف: بعض اکابر نے فرمایا کہ علماء میں کسی کا اختلاف نہیں کہ قضاء وقدر کا حکم تمام مخلوق کو شامل بلکہ جمیع موجودات کو حاوی ہے اور ان کے جمیع صفات وافعال واحوال پر اس کے لوازمات طاری ہوتے ہیں۔

سوال: اگر ایسا حال ہے تو مذکورہ بالا احادیث مبارکہ کا کیا جواب ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رزق مقسوم اور اجل معین کے اضافہ کی دعا سے منع فرمایا ہے اور ساتھ ہی حکم فرمایا ہے کہ دوزخ کے عذاب اور قبر کے عذاب وغیرہ سے پناہ مانگو۔ ایسے مختلف مضامین میں تطبیق کیسے ہوگی؟

جواب: مقدورات (تقدیر الٰہی) دو قسم ہے:

(۱) کلیات

(۲) جزئیات تفصیلیہ

کلیات تو صرف انسان کے ساتھ مخصوص ہیں۔ چنانچہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا کہ یہ چار امور میں محصور ہیں ؛

(i) عمر

(ii) رزق

(iii) اجل

(iv) سعادۃ وشقاوۃ

یہ امور کبھی متغیر نہیں ہوتے یعنی گھٹتے بڑھتے نہیں، نہ ہی دُعا کسی قسم کا فائدہ دیتی ہے نہ ہی صلہ رحمی سے اسے کوئی نفع ہے اور احادیثِ مذکورہ میں بالفرض والتقدیر محذوف ہے ۔ یعنی اگر رزق کا بڑھنا یا اجل کا مؤخر ہونا ممکن ہوتا تو صلۂ رحمی وصدقہ سے ہوتا اور ان کو ان میں بہت بڑا دخل ہوتا بہ نسبت اور امور کے ان کو ان پر ترجیح ہوتی لیکن نہ ان کو دخل ہے نہ کسی اور امر کو اور فرض محال کو کسی امر سے متعلق کرنا بہ بنائے حکمت جائز ہوتا ہے جیسے فرمایا ؛

قل ان کان للرحمٰن ولد فانا اول العابدین ۔

(کہہ دیجئے اگر خدا تعالیٰ کی اولاد ہوتی تو سب سے پہلے میں ہی اس کی عبادت کرتا)

ہاں جزئیات اور اس کے لوازم تفصیلیہ کے بعض کا کبھی انسان کے لیے ظہور ہو جاتا ہے اور وُہ بھی اسباب وشروط سے معلق ہو کر جن میں دُعا وکسب وسعی وعمل بھی ہیں یعنی انہیں ان شرائط وغیرہ کے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکے گا ۔

ف : ابن الکمال نے فرمایا کہ نظرِ دقیق سے یہی ثابت ہوتا ہے طویل العمر انسان کے لیے لکھا جاتا ہے کہ اس کا عمر تک پہنچنا نہ پہنچنا دونوں طرح جائز ہے ۔ مثلاً فلاں کام کرے گا تو عمر طویل پائے گا ورنہ کم عمر فوت ہوگا اس تقریر پر تقدیر میں تغییر واقع نہ ہوئی وہ اس لیے کہ انسان کی زندگی انفاس پر مشتمل ہے نہ کہ ایام یا سالوں پر اور سب کو معلوم ہے کہ ایام میں انفاس بڑھتے گھٹتے ہیں کیونکہ انسان کے انفاس مختلف اطوار سے بسر ہوتے ہیں تندرستی اور عافیت اور مرض اور تکالیف سے دوچار ہونا ہی پڑتا ہے ۔

حبس نفس کا راز اس کو سمجھنے کے بعد وہ راز واضح ہو گیا کہ بعض صاحبان حبس نفس کرتے ہیں تو اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ زندگی میں اضافہ ہو اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ صدقہ وصلہ زیادتی عمر کا سبب ہیں ۔

ف : بعض نے کہا ینقص سے مراد عمر کا وہ حصہ جو گزر گیا کیونکہ ہر بندے کے صحیفے میں روزانہ لکھا جاتا ہے کہ اس کا ایک یا دو دن گزر گئے اور باقی اس کی عمر اتنی رہ گئی ۔ چنانچہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہر ذی روح کی زندگی مقرر شدہ ہے تو جتنا وقت گزرتا ہے اتنی ہی اس کی عمر گھٹتی ہے ۔ بعض نے کہا

عمر کے گھٹنے سے وہ زندگی مراد ہے جو بغیر رضائے خدا کے بسر ہو۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

فدائے دوست نکردیم عمر و مال دریغ
کہ کار عشق زما ایں قدر نمی آید

ترجمہ: دوست پر عمر و مال فدا نہ کیا جس کا ہمیں سخت افسوس ہے عشق میں ہم سے یہ بھی نہ ہو سکا۔

اور فرمایا: ؎

اوقات خوش آں بود کہ با دوست بسر رفت
باقی ہمہ بے حاصلے و بے خبرے بود

ترجمہ: وہ اوقات بہتر ہیں جو دوست کے ساتھ بسر ہوئے اس کے سوا باقی اوقات بے حاصلی اور بے خبری کے سوا کچھ نہیں۔

مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ہر دم از عمر گرامی ہست گنج بے بدل
می رود گنج چنیں ہر لحظہ برباد آہ آہ

ترجمہ: عمر گرامی کا ہر لمحہ بے بدل خزانہ ہے ہر لحظہ ایسا خزانہ برباد ہو رہا ہے افسوس صد افسوس۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ ہر دم از عمر می رود نفسی
چوں نگہ می کنم نماندہ بسی

۲ عمر برفست و آفتاب تموز
اندکے ماند و خواجہ غرہ ہنوز

ترجمہ: (۱) عمر سے ایک ایک سانس گھٹ رہا ہے جب میں نے غور کیا تو بہت سا وقت اسی طرح گزر گیا۔

(۲) عمر تو گئی اور سورج گرم وقت تھوڑا رہ گیا لیکن صاحب ابھی دھوکا میں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو بیداری و ہوشیاری بخشے۔ (آمین)

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ دو دریا برابر نہیں۔ بحر ہر وہ فراخ جگہ جو بہت سے پانی کی جامع ہو اسی لیے متوسع فی العلم کو بحر (العلوم) کہا جاتا ہے۔

القاموس میں ہے کہ البحر بمعنے الماء الکثیر، میٹھا ہو یا کڑوا۔

بعض نے کہا دراصل کڑوے پانی کو بحر کہا جاتا ہے۔ میٹھے پر اس کا اطلاق مناسبت سے آتا ہے جیسے شمس و قمر ملا کر قمران کہا جاتا ہے۔

اخوان الصفا میں ہے بحار وہ جگہیں جہاں بہت سا پانی جمع ہو۔

هٰذَا ایک ان کا عَذْبٌ میٹھا ہے فُرَاتٌ بہت زیادہ میٹھا کہ پینے سے پیاس بجھ جائے۔

تاج المصادر میں ہے الفروتۃ بمعنے پانی کا اچھا ہونا۔ صیغہ صفت فعال کے وزن پر آتا ہے اور یہ واحد جمع دونوں کے لیے برابر ہے سَآئِغٌ شَرَابُهٗ اس کا پینا خوشگوار ہے کہ حلق میں آسانی سے اتر جاتا ہے بوجہ میٹھا ہونے کے کیونکہ میٹھا طبع کے موافق ہے اسی لیے اسے قوتِ جاذبہ آسانی سے جذب کرلیتی ہے۔

سائغ بمعنے خوشگوار۔ اہلِ عرب کہتے ہیں ساغ الشراب۔ اس کا مدخل سہل ہے شراب ہر وہ شے جسے پیا جائے۔ یہاں پر شراب سے پانی مراد ہے۔ وَهٰذَا دوسرا ان کا مِلْحٌ کڑوا ہے۔ المفردات میں ہے الملح وہ پانی جس کا ذائقہ معروف طریق سے متغیر ہوا اور وہ منجمد ہو جائے۔ اہلِ عرب کہتے ہیں ملح بمعنے تغیر طعمہ (اس کا ذائقہ متغیر ہوا) اگر وہ منجمد نہ ہو تو کہتے ہیں، ماء ملح۔ اور عرب والے مالح بہت کم استعمال کرتے ہیں۔ پھر یہ لفظ ملاحت کے لیے استعارہ کیا جاتا ہے۔ اسی معنیٰ پر کہتے ہیں رجل ملیح (سا قولہ آدمی) اُجَاجٌ سخت کڑوا۔ جب شے کی نمکینی شدت اختیار کرلے تو وہ شے میں شدت پیدا کرکے کڑواپن پیدا کر دیتی ہے۔ یہ فرات کی نقیض ہے۔

نکتہ: خریدۃ العجائب میں ہے کہ سمندر کے نمکین اور کڑوا ہونے میں ایک حکمت یہ ہے کہ نہ اسے چکھا جائے اور نہ ہی پینے وغیرہ کے کام میں لگایا جائے تاکہ بہت عرصہ ٹھہرنے سے بدبودار نہ ہو جائے۔ اگر ایسا ہو تو اس کی بدبوئی سے زمین کے باسی فنا ہو جائیں۔ اگر وہ میٹھا ہوتا تو لوگ اس سے پانی لیتے، منہ ہاتھ دھوتے اور نہاتے تو بدبو ہوتی۔ اس سے دنیا کا نظام خراب ہو جاتا۔ آنکھ کی روشنی سے اس نکتہ کو سمجھو کہ جس حصہ میں نور ہے کہ جس سے انسان زمین و آسمان اور عالمِ دنیا اور اس کے مختلف رنگ دیکھتا ہے وہ ایک چربی ہے جو آنسو میں ڈوبی ہوئی ہے اور آنسو نمکین پانی ہے تو قادرِ مطلق نے اس چربی کو نمکین پانی سے محفوظ رکھا ہوا ہے۔ اس کی بھی یہی حکمت ہے دیگر بڑے بڑے میٹھے پانی کے انہار بہا دئے۔ لیکن چونکہ وہ ہمیشہ چلتے رہتے ہیں اسی لیے نہ ان کا ذائقہ بدلتا ہے نہ اس میں بدبو ہوتی ہے کیونکہ پانی کا تغیر ایک جگہ پر ٹھہرنے سے پیدا ہوتا ہے وَمِنْ كُلٍّ اور ان دونوں دریاؤں میں سے کہ جن کا ذائقہ مختلف ہے تَاْكُلُوْنَ اے لوگو تم کھاتے ہو لَحْمًا طَرِيًّا تر و تازہ گوشت۔ اس سے مچھلی مراد ہے اور اسے تازگی سے موصوف کرنے کی وجہ یہ ہے کہ زیادہ وقت گزرنے پر بدبودار ہو جاتی ہے۔ اسی لیے اسے تازہ تازہ کھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کی تفصیل سورۂ نحل میں گزر چکی ہے وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ اور سمندر سے تم نکالتے ہو۔

سوال: سمندر کا مفہوم تم نے کہاں سے لے لیا؟
جواب: آنے والا مضمون صرف اسی سے متعلق ہے اور وہ سب کو معلوم ہے اسی لیے ہم نے ترجمہ میں اس کا ذکر کر دیا ہے۔
حِلْيَةً سنگار کی اشیاء جیسے موتی اور مرجان۔
سوال: الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ حلیہ سے موتی نمکین اور کڑوے پانی میں ہوتے ہیں میٹھے خوشگوار پانی میں نہیں ہوتے تو پھر تخرج کی نسبت دونوں کی طرف کیسی۔
جواب: چونکہ سمندر میں بعض میٹھے چشمے ہوتے ہیں جن میں موتی مرجان پکتے ہیں۔
ف: الخریدہ میں ہے کہ لؤلؤ بحر ہند و فارس میں بنتے ہیں اور مرجان سمندر میں درخت کی طرح اگتا ہے جب مرجان کلس ہو جاتا ہے تو زیبق اس میں کچھ سفید ہوتا ہے اور کچھ کالا سیاہ اور کچھ سرخ، یہ سرمہ کی طرح آنکھ میں ڈالا جائے تو آنکھ کی رطوبت چوس لیتا ہے۔
تَلْبَسُوْنَهَا تم وہی زیورات کے طور پر اپنی عورتوں کو پہناتے ہو۔
سوال: خطاب تو مردوں کو ہے تم نے عورتوں کی تخصیص کیسے کر دی؟
جواب: زیورات عورتیں پہنتی ہیں اسی لیے ہم نے ان کی تخصیص کی ہے اور ان کی زیب و زینت بھی مردوں کے لیے ہوتی ہے اسی لیے گویا وہی پہنتے ہیں اسی لیے مردوں کو خطاب ہوا۔

شامی دریا کی گستاخی اور یمنی دریا کا ادب اور اس کا انعام

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شامی دریا کو فرمایا کہ میں نے تجھے پیدا کیا اور تیرے اندر پانی کی فراوانی رکھی تجھ میں اپنے بندوں کو بھیجوں گا جو میری تسبیح و تہلیل اور تحمید و تکبیر کریں گے اے دریا! بتا تو میرے ایسے بندوں سے کیا کرے گا؟ عرض کی، ڈبو دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تجھ پر انہیں سوار کروں گا تو اپنا خطرہ سر میں ڈال۔ پھر یمنی دریا کو فرمایا: میں نے تجھے پیدا کیا تجھ میں میرے بندے آئیں گے اور تسبیح و تہلیل اور تحمید و تکبیر کریں گے بتا اے دریا! تو ان سے کیا کرے گا؟ عرض کی تو میں انہیں سر پہ اٹھا لوں گا۔ اس کے اس ادب پر فرمایا: میں نے تجھے دوسرے دریا پر فضیلت بخشی اور موتی اور مچھلی تجھے دی۔ کذا فی کشف الاسرار۔
وَتَرَى الْفُلْكَ اور تم کشتیوں کو دیکھتے ہو فِيْهِ اس دونوں میں۔
سوال: ہر جگہ ضمیر واحد کی ہے اور مراد جمع ہیں اس کی وجہ؟
جواب: اس سے خطاب اگرچہ واحد کو ہے لیکن مراد اس سے ہر وہ جو دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے خواہ وہ دریا سے نفع اٹھائے یا نہ۔
مَوَاخِرَ اہل عرب کہتے ہیں سفینۃ ماخرۃ، کشتی دریا کو چیرتی اور رینگتی ہوئی چلتی ہے تو اسے ماخرۃ

کہتے ہیں اس کی جمع مواخر ہے (المفردات) لِتَبْتَغُوْا تاکہ تم طلب کرو۔ لام مواخر کے متعلق ہے۔
اب معنی یہ ہوا کہ وہ کشتیاں آگے پیچھے ایک ہی ہوا سے پانی کو چیر کر چلنے والی مِنْ فَضْلِهٖ اس کے فضل سے کہ انہیں پانی میں چلنے کی طاقت بخشتا ہے۔

ف: بحر العلوم میں ہے ابتغاء الفضل سے تجارت مراد ہے کیونکہ وسعت رزق کے لیے ہے۔ یہی بہت بڑا سبب ہے۔

حدیث شریف میں ہے:
میری امت کا نو حصے رزق بیع وشرا میں ہے۔

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ اور تاکہ تم اسی فضلِ الٰہی پر شکر کرو۔ لعل کا حرف ترجی اس لیے لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ہے۔

ف: بحر العلوم میں ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچان کر ان کے حقوق ادا کرو کہ وہ کتنی بڑی قدرت والا ہے کہ اس نے ہلاکت گاہوں کو اعلیٰ منافع اور بہترین معاش کا سبب بنایا ہے۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آیت میں اپنی قدرتوں اور نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے۔

نکتہ: بعض مشایخ نے فرمایا کہ میٹھے کڑوے دریا کی مثال مومن و کافر کی ہے کیونکہ جیسے یہ دو دریا ذائقہ میں برابر نہیں تو اہلِ ایمان اور کافر حلاوتِ ایمان وملوحتِ کفر میں برابر نہیں کیونکہ حلاوتِ ایمانی عرفان بخشتی ہے اور ملوحتِ کفر طغیان اور سرکشی کی طرف کھینچتی ہے کفر نقش سراب جو عین خطا ہے اور ایمان سراسر صواب ہے۔

ف: ومن کل الخ البحرین کی صفت ہے اور ان کے اندر منافع اور نعمتوں کا استطراد ہے یا کڑوے دریا کی مثال دے کر بتایا ہے کہ کافر سے تو یہ بہتر ہے اس لیے کہ اسے میٹھے دریا کے ساتھ بہت سے منافع میں شرکت ہے۔ مثلاً مچھلی کا پایا جانا اور کشتیوں کا چلنا وغیرہ اور کافر تو ہر طرح کے منافع سے محروم ہے۔

چنانچہ فرمایا:

ثم قست قلوبکم من بعد ذالك فھی کالحجارة او اشد قسوة وان من الحجارة لما یتفجر منه الانھار وان منھا لما یشقق فیخرج منه الماء وان منھا لما یھبط من خشیة الله۔

(پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہوئے تو یہ پتھر جیسے یا اس سے بھی سخت تر بعض پتھر تو وہ ہیں کہ ان سے نہریں جاری ہوتی ہیں بعض ان میں وہ ہیں کہ پھٹتے ہیں تو ان سے پانی نکلتا ہے اور بعض وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے گرتے ہیں)

ف: امام ابو اللیث (رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ بعض موقعہ اس سے بہتر شے ظاہر ہوتی ہے یعنی کافر سے مسلمان پیدا ہو جاتا ہے جیسے ولید بن مغیرہ سے حضرت خالد بن الولید اور ابو جہل سے عکرمہ بن

ابی جہل۔ (رضی اللہ عنہما)

تفسیر صوفیانہ آیت میں العذب سے رُوح اور اس کی صفاتِ حمیدہ اور اس کے مشروب واردات ربانیہ کی طرف اور الملح سے نفس اور اس کی صفات مذمومہ اور اس کے مشرب شہوات حیوانیہ کی طرف اشارہ ہے اور ہمارے لیے دو کشتیاں ہیں،

۱۔ شریعت

۲۔ طریقت

شریعت کی کشتی بحر روح سے بحر نفس کی طرف اوامر و نواہی کے بوجھ اٹھا کر چلتی ہے اور طریقت کی کشتی بحر روح سے بحر الحضرۃ الالٰہیہ کی طرف اسرار و حقائق و معانی کے بوجھ اٹھا کر چلتی ہے ان دونوں کا مقصد یہی ہے کہ شریعت و طریقت کے قدموں پر چل کر بارگاہِ حق میں پہنچا جائے۔ کما فی کشف الاسرار۔

ف: دو دریا مختلف یعنی ایک فرات دوسرا اجاج، ان دو دریاؤں کی مثال ہے جو اللہ اور اس کے بندے کے درمیان ہیں:

۱۔ ہلاکت

۲۔ نجات

دریائے ہلاکت میں پانچ کشتیاں رواں دواں ہیں:

(i) حرص

(ii) ریاست

(iii) اصرار بر معاصی

(iv) غفلت

(v) ناامیدی

جو حرص کی کشتی پر بیٹھتا ہے وہ حسرت کے ملک میں پہنچتا ہے، جو ناامیدی کی کشتی پر سوار ہوتا ہے وہ کفر میں پہنچتا ہے ہاں نجات کے دریا میں کنارے لگنے پر عطا ہی عطا نصیب ہوتی ہے۔ جو زہد کی کشتی میں بیٹھتا ہے اسے قربِ الٰہی نصیب ہوتا ہے۔ جو معرفت کی کشتی پر بیٹھتا ہے وہ انس کے ساحل پر اترتا ہے۔ جو توحید کی کشتی پر بیٹھتا ہے وہ مشاہدہ کے ساحل پر پہنچتا ہے۔

پندِ پیرِ طریقت پیرِ طریقت نے مریدوں سے فرمایا، یارو! اب وقت ہے کہ ہم دریائے ہلاکت سے نکل کر نجات کی راہ لیں اور ورطۂ حیرت سے نجات پا کر دائمی نعمتوں میں پہنچیں تا کہ کہیں ہم ان دائمی نعمتوں کو فانی دنیا میں کسی معمولی شے کے عوض بیچ نہ ڈالیں۔ نفس تو بیگانہ ہے اس بیگانہ کی خدمت میں نہ لگے رہیں دل کو بیداری نہ ہو تو وہ بمنزلہ اُلّو کے ہے۔ خبردار! اُلّو سے دُور رہو نفس کو

کوئی آگاہی نہ ہو تو اسے برباد سمجھو اور بربادی میں عمر ضائع نہ کرو۔ اسمی و رسمی حقیقت پر قانع رہو۔ نفس کے پوشیدہ مکر سے خطرے میں رہو۔ خاتمہ اور نفس کی شرارتوں سے ہمیشہ ڈرتے رہو۔ وہ بہترین سخن اور نظم ہے جو ایک نوجوان نے کہی ؎

۱ اے دل ار عافیت باید چنگ ازیں دنیا بدار
پاک بازی پیشہ گیر و راہ دین کن اختیار

۲ پاے در دنیا نہ و بر دوز چشم نام و ننگ
دست در عقبیٰ زن و بر بند راہ فخر و عار

۳ چوں زناں تا کے نشینی بر امید رنگ و بوے
ہمت اندر راہ بند گام زن مردانہ وار

۴ چشم آں نادان کہ عشق آورد بر رنگِ صدف
واللہ آرزوپدش رسد ھرگز بدرِ شاہوار

ترجمہ: (۱) اے دل! اگر تجھے عافیت چاہیے تو دنیا سے ہاتھ اٹھا لے پاکبازی اختیار کرکے دین کا راستہ لے۔

(۲) دُنیا میں رہ کر نام و ننگ پر نگاہ رکھ۔ توجہ آخرت پر ہو، لیکن فخر و عار سے بچتے رہنا۔

(۳) عورتوں کی طرح کب تک رنگ و بُو میں مست رہو گے، ہمت کا دامن پکڑ کر مردانہ وار چلتے رہو۔

(۴) اس بیوقوف کی غلطی ہے کہ جیسے صدف کے رنگ سے عشق ہے، ہاں اسے دُرِ شاہوار کی بجائے ہلاکت ہی نصیب ہوگی۔

ایک اور تقریر بعض عارفین نے فرمایا کہ و مایستوی البحران سے دو وقت مراد ہیں،
(۱) بسط جس کا صاحب راحت و فرحت میں ہے۔
(۲) قبض جس کا صاحب دُکھ اور درد میں ہے۔

یا یہ دونوں جمع ہیں پہلا عبودیت سے موصوف ہے دوسرا شہودِ ربوبیت سے۔ بندہ جب تک قبض میں ہے اس کا سونا غرق شدگان کی طرح اور اس کا کھانا بیماروں جیسا ہے اور اس کا عیش قیدیوں کی طرح کہ خواری اور عاجزی سے زندگی بسر کرتا ہے اور چلتا ہے۔ زاری و زیاں سے بولتا ہے تو انکساری و تذلل سے آنکھیں پُرنم جگر آگ میں دونوں ہاتھوں میں ہلاکت اور سر میں خاک ذلت و خواری انجام ہر وقت اس سے عجز ظاہر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے بسط و انبساط کا سامان پیدا کرکے اس کے دل کو کھولتا ہے تو اس کا دل ہمیشہ مالک سے خوش اور سرِ اطلاع حق سے آراستہ زبان سے شکر بجالاتا ہے اور اللہ تعالیٰ

سے رازونیاز کی باتیں کہتا ہے الٰہی! تو ہی میرا دُکھ سُکھ ہے تُو ہی میری دولت ہے تُو ہی میرا غم و اندوہ اور تو ہی میرا داغ اور تُو ہی میرا چراغ، تو ہی میرا زخم اور تو ہی میری مرہم ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے برازخ وقیود سے خلاص اور وجدان وشہود کی انتہائی منزل تک پہنچنے کا سوال کرتے ہیں وہی رحیم وودود ہے۔

تفسیر عالمانہ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اس سے رات کے بعض اجزاء کا دن میں اور دن کے بعض اجزاء کا رات میں داخل ہونا مراد ہے۔ پھر ایک گھٹتا ہے تو دُوسرا بڑھتا ہے جیسے ربیع وصیف میں ہوتا ہے۔ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اور تابع کیا سورج اور چاند کو، یعنی اپنے حکم کے تابع بنایا۔

ف : بحر العلوم میں ہے کہ سورج وچاند کی تسخیر کا معنٰی یہ ہے کہ انہیں لوگوں کے لیے نافع بنایا کہ انہیں ان کی چال سے سالوں کی گنتی اور دیگر حساب معلوم ہوتا ہے۔

ف : فقیر (صاحبِ رُوح البیان رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ اس سے ان کے ایک دوسرے میں داخل ہونے کی حکمت معلوم ہوئی کہ ان کی حرکت سے اوقاتِ مختلف اور فصول اربعہ ظاہر ہوتے ہیں کہ ان پر ان کی مصلحتوں اور بڑے بڑے امور کا دارومدار ہے۔

ف : سخر کا يُوْلِجُ پر عطف ہے۔ ان کا ماضی ومضارع میں مختلف ہونا بتاتا ہے کہ دن رات کا ایک دوسرے میں داخل ہونا ہر آن میں نیا ہے لیکن ان کی تسخیر کی کوئی گنتی نہیں ہاں تعداد و تجدّد ان کے آثار سے محسوس ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی کی طرف اشارہ فرمایا کہ كُلٌّ ہر ایک یعنی سورج اور چاند يَّجْرِيْ اپنی حرکت خاصہ اور حرکت قسریہ علی المدارات الیومیہ سے بحسب تعداد ایام سال ہمیشہ جاری ہوتا ہے لِاَجَلٍ مُّسَمًّى وقتِ مقررہ تک، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے قیامت تک مقرر فرمایا قیامت کے قیام پر ان کی حرکت ختم ہو جائے گی۔ بعض نے کہا اس سے مراد ان کی حرکت تاغروب مراد ہے کیونکہ ہر روز یہ دونوں غروب کرکے پھر قریب والی سے طلوع کرتے ہیں تو جریان سے وہ حرکتِ خاصہ مراد ہے جو ان کے افلاک میں ہوتی ہے اور اَجَلٍ مُّسَمًّى سے ان کے دَورے کی انتہا مراد ہے جو منازل سال میں سورج طے کرتا ہے چاند انہیں ماہ میں طے کرلیتا ہے جب سال کا آخری دن ہوتا ہے وہاں پر سورج کی حرکت کی انتہا ہوتی ہے ایسے ہی جو دن مہینہ کا آخری ہوتا ہے وہ چاند کی حرکت کی انتہا ہے۔ اب معنٰی یہ ہے کہ ان کی حرکت اجل کے ادراک کے لئے ہے کیونکہ ان کی حرکت ادراک اجل سے مخصوص ہے ذٰلِكُمُ یہ مبتدا ہے اور اس کا اشارہ افعال مذکور کے فاعلوں کی طرف ہے۔ اور یہ اشارہ ہوگا بھی مجازی کیونکہ اشارہ کا اصل یہ ہے کہ وہ محسوسات کی طرف ہو اللہ تعالیٰ کا محسوسات میں ہونا محال ہے اور بعید کا اشارہ اظہارِ عظمت کے لیے ہے

یعنی وہ عظیم الشان ذات جس نے عجیب صنائع کو نئے طریق سے پیدا فرمایا اللّٰہُ خبر ہے
رَبُّکُمْ دوسری خبر ہے لَهُ الْمُلْكُ تیسری خبر ہے یعنی وہ ان صفات کا جامع ہے یعنی وہ معبود ہے،
وہ پروردگار ہے آسمانوں اور زمینوں کے ملکوں کا مالک ہے۔ فلہٰذا اسی کو پہچانو اسی کی عبادت کرو
اور اسی کے احکام کی اطاعت کرو وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ اور جنہیں تم پکارتے اور عبادت کرتے ہو
مِنْ دُوْنِهٖ تمہارا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی عبادت سے متجاوز ہوتے ہو مَا يَمْلِكُوْنَ
مِنْ قِطْمِيْرٍ ○ جو چھلکے کے مالک بھی نہیں۔

القطمیر وُہ سفید اور نرم چھلکا جو گٹھلی پر لفافہ کی طرح چمٹا ہوتا ہے۔ یہ قلت وحقارت کے وقت مثال کے طور بولا جاتا ہے۔ ایسے ہی نقیر گٹھلی کا وہ باریک سا پردہ جو گٹھلی کی پشت پر ہوتا ہے جس سے کھجور اُگتی ہے اور گٹھلی کے کنارے پر بٹے ہُوئے تاگے کی طرح کے ذرۂ بے مقدار کو فتیل کہتے ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ بُت تمہیں گٹھلی کے پرتے جتنا بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتے اِنْ تَدْعُوْهُمْ اگر تم بُتوں کو اعانت اور دفعِ ضرر کے لیے پکارو لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ تو وہ تمہاری پکار سُنتے ہی نہیں کیونکہ وہ پتھر ہیں اور پتھر میں سماع کہاں وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ تمہیں کوئی جواب نہ دے سکیں گے کیونکہ ان کی زبان ہی نہیں تو بولیں گے کیا، یا وہ تمہاری التماس کو پُورا نہ کر سکیں گے کیونکہ نفع دینے سے بالکل عاجز ہیں اس لیے کہ جو اپنے لیے نفع دینے کا مالک نہیں وہ دوسرے کو کیا نفع دے گا۔ جناب کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ وہ نہ ہی ایصالِ منافع پر قادر ہیں نہ ہی دفعیہ مکارہ کے اہل ہیں وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ اور قیامت میں تمہارے شرک کا انکار کریں گے اور کہیں گے:

ماکنتم ایانا تعبدون۔ (تم تو ہماری پرستش نہیں کرتے تھے)

سوال: بُت جب پتھر ہیں تو پھر ان کے لیے ضمیر ذوی العقول کیوں[1]؟

---

[1] وہابیہ چونکہ اولیاء و انبیاء کو اس آیت میں شامل کرتے ہیں تو کہتے ہیں بقول اہلسنت اگر یہاں بُت مراد ہیں تو پھر یہاں اور اس جیسی آیات میں ضمائر ذوی العقول کیوں؟ تو اس کا جواب وہی دیا جائے گا جو حضرت اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں پر لکھا ہے۔

جواب دوم یہ ہے کہ آیت ہذا اور اس جیسی آیات میں جتنے صفات بیان کئے گئے ہیں وہ بُتوں کے لائق ہیں کیونکہ ان کے لیے کہا گیا کہ وہ کسی شے کے مالک نہیں اور انبیاء و اولیاء باذنہٖ تعالیٰ بہت سے امور پر منجانب اللہ مختار ہیں؛ اُن کے لیے کہا گیا وُہ کچھ سُنتے نہیں، انبیاء و اولیاء سنتے ہیں قبور سے باہر کا تو وہابیہ کو بھی انکار نہیں بعد وفات کی تخصیص قرآن میں نہیں اور ان کو جواب دینے کی قدرت نہیں اور انبیاء و اولیاء نے بتوں کی پکار کا جواب دیا فی الحیاۃ بھی بعد المماۃ بھی۔ اویسی غفرلہ

جواب : چونکہ بت پرست اپنی جہالت و غباوت سے بتوں کو ذی فہم و تمیز مانتے تھے نیز اس سے ہر معبود من دون اللہ مراد ہے انسان ہو یا جن یا بت وغیرہ۔ پھر ذوی العقول کے غلبہ سے صیغے اور ضمائر ذوالعقول کے لائے گئے ہیں (بحر العلوم)

وَلَا یُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِیْرٍ ○ اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! اس امر کی تمہیں کوئی مخبر خبر نہ دے گا جیسے تمہیں اس مخبر نے خبر دی ہے۔ اس سے حق تعالیٰ مراد ہے کیونکہ وہی امور کی کُنہ کو جانتا ہے بخلاف دوسرے مخبرین کے کہ وہ شے کی کنہ کو نہیں جانتے۔ اس سے ان کے معبود کے احوال اور ماسوی اللہ کی عبادت کی خبریں مراد ہیں۔

الخبیر کے معانی ۱۔ صاحب لباب نے کہا کہ لفظ مثل اللہ تعالیٰ پر مضاف کر کے استعمال کرنا ناجائز ہے لیکن یہ اضافت محض مثال کے طور پر ہے اور وہ اس کے لیے بولتے ہیں جس کی خبر پر کسی قسم کا اعتبار و اعتماد نہ ہو۔

۲۔ الذروقی نے فرمایا الخبیر وہ ہے جو شے کی کُنہ اور دقائق امور کو جان کر خبر دے اور ان دقائق کے حقائق کو نہ تو حیلے سے جانا جا سکے نہ اس میں کسی کو کسی قسم کا اختیار رہو۔

۳۔ امام غزالی نے فرمایا الخبیر وہ ہے جس سے اخبار باطنہ پوشیدہ نہ ہوں اور ملک و ملکوت میں کوئی شے جاری نہیں ہوتی اور کوئی ذرہ حرکت نہیں کرتا اور کوئی سانس نہیں نکلتا اور نہ ہی سکون پکڑتا ہے مگر ان جملہ امور کا اس کو علم ہوتا ہے ؎

بر احوال نابودہ علمش بصیر
بر اسرار ناگفتہ لطفش خبیر

ترجمہ : احوال نابودہ کو اس کا علم دیکھنے والا ہے اور اسرار ناگفتہ سے اس کا لطف باخبر ہے۔

ف : بندے کو اس اسم سے یہ فائدہ ہے کہ جو اس کے بدن اور قلب پر غش و خیانت اور نقد حال و اضمار شر و اظہار خیر و تحمل باظہار الاخلاص والافلاس کا اجرا ہو ان تمام امور سے باخبر ہو اور ایسے پوشیدہ امور کی خبر حاصل نہیں ہوتی جب تک توحید کا اظہار و اخفاء و تحقیق اور شرک اور اس کے متعلقات سے روگردانی کر کے وصول الی اللہ نہ ہو ؎

غلام ہمت آنم کہ زیر چرخ کبود
ز ہر چہ رنگ تعلق پذیرد آزاد است

ترجمہ : میں اس کی ہمت کا نیازمند ہو جو اس نیلے گنبد کے نیچے ہر رنگ کے تعلق کو قبول کرنے سے آزاد ہے۔

ف : تعلق ماسوی اللہ نہ تو کسی فائدہ کے حاصل کرنے کے لیے نافع ہے اور نہ نقصان پہنچانے کا دافع کیونکہ یہ سب کے سب مخلوق ہیں اور مخلوق عاجز ہے اور قدرت کاملہ صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اسی لیے اسی کی توحید و عبادت و اطاعت اور اسی کے ساتھ تعلق جوڑنا ضروری ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ
اے لوگو تم سب اللہ کے محتاج اور اللہ ہی بے نیاز ہے
الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿١٥﴾ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ﴿١٦﴾ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى
سب خوبیوں سراہا وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور نئی مخلوق لے آئے اور یہ اللہ پر کچھ دشوار نہیں
اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ ﴿١٧﴾ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰی حِمْلِهَا
اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی اور اگر کوئی بوجھ والی اپنا بوجھ بٹانے کو کسی کو بلائے تو اس
لَا یُحْمَلْ مِنْهُ شَیْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰی ؕ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ
کے بوجھ میں سے کوئی کچھ نہ اٹھائے گا اگرچہ قریب رشتہ دار ہو اے محبوب تمہارا ڈر سنانا انہیں کو کام دیتا ہے جو بے دیکھے اپنے رب سے
بِالْغَیْبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَمَنْ تَزَكّٰی فَاِنَّمَا یَتَزَكّٰی لِنَفْسِهٖ ؕ وَاِلَی اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ﴿١٨﴾
ڈرتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور جو ستھرا ہوا تو اپنے ہی بھلے کو ستھرا ہوا اور اللہ ہی کی طرف پھرنا ہے
وَمَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ ﴿١٩﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ﴿٢٠﴾ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ﴿٢١﴾
اور برابر نہیں اندھا اور انکھیارا اور نہ اندھیریاں اور نہ اجالا اور نہ سایہ اور نہ تیز دھوپ
وَمَا یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَمَاۤ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ
اور برابر نہیں زندے اور مردے بے شک اللہ سناتا ہے جسے چاہے اور تم نہیں سنانے والے انہیں
مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ ﴿٢٢﴾ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِیْرٌ ﴿٢٣﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ؕ
جو قبروں میں پڑے ہیں تم تو یہی ڈر سنانے والے ہو اے محبوب بیشک ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا خوشخبری دیتا اور ڈر
وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ ﴿٢٤﴾ وَاِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ
سناتا اور جو کوئی گروہ تھا سب میں ایک ڈر سنانے والا گزر چکا اور اگر یہ تمہیں جھٹلائیں تو ان سے اگلے بھی جھٹلا چکے ہیں
قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتٰبِ الْمُنِیْرِ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ اَخَذْتُ
ان کے پاس ان کے رسول آئے روشن دلیلیں اور صحیفے اور چمکتی کتاب لے کر پھر میں نے کافروں
الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ ﴿٢٦﴾
کو پکڑا تو کیسا ہوا میرا انکار

تفسیر عالمانہ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ الفقراء، فقیر کی جمع ہے جیسے فقارہ، فقیرہ کی جمع ہے۔ فقیر بمعنے مکسور یعنی کمزور حال۔ اور فقار، فقر بمعنی کسی کی پیٹھ توڑنا (تاج المصادر از باب ضرب اور قاموس میں باب کرم (شرف) سے لکھا ہے) امام راغب نے

مفردات میں لکھا کہ افتقر فھو مفتقر و فقیر عرب میں عام مستعمل ہے لیکن فقر (ماضی) استعمال نہیں ہوا اگرچہ قیاس کے تقاضا پر جائز ہے کہ اس طرح بھی مستعمل ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقیر مفتقر کی طرح صیغۂ مبالغہ ہے بمعنے بہت بڑا ذو احتیاج، اور فقر بمعنے حاجت ضروریہ کا ہونا یعنی جس شے کی ضرورت ہے اس کا فقدان الفقراء کا معرف باللام ہونا ان کے فقر میں مبالغہ کے لیے ہے کہ اپنی ضروریات میں بہت بڑے محتاج، گویا صرف یہی ہے اگرچہ باقی اخلاق کی محتاجی بہ نسبت ان کی فقیری کے کالعدم ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے لوگو تم کو اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی محتاجی ہے تمہاری اپنی ذات کے متعلق اور ان امور میں جو تمہیں عارض ہوتے ہیں یا وہ مصائب جن میں تم مبتلا ہوتے ہو کیونکہ ہر حادثہ میں اپنے خالق کی محتاجی ہے وہی اسے پیدا کرتا ہے اور وہی اسے باقی رکھتا ہے اور انسان رزق اور دیگر جملہ منافع دنیوی کے حصول اور تمام تکالیف میں اور عوارض کے دفع کرنے میں اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے ایسے ہی آخرت میں عذاب سے بچاؤ اور مغفرت میں اسی کا محتاج ہے۔ خلاصہ یہ کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال میں اس کے فضل و کرم کا محتاج ہے۔

نکتہ: بعض مشایخ نے فرمایا کہ انتم الفقراء کا ایسا برگزیدہ خطاب ہے کہ سوائے انسان کے اور کسی کو مشرف نہیں فرمایا گیا یہاں تک کہ ملائکہ مقربین کو بھی ایسا خطاب نصیب نہیں اس لیے کہ باقی مخلوق صرف اللہ تعالیٰ کے افعال کی محتاج ہے کہ اسے صرف تخلیق سے تعلق ہے بخلاف انسان کے کہ وہ اس کی ذات و صفات کا محتاج ہے خلاصہ یہ کہ جملہ مخلوق اگرچہ اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے لیکن حقیقی محتاجی یعنی ذات و صفات کا محتاج ہونا صرف انسان سے ہے۔

ایک مثال جیسے ایک بادشاہ جو صاحب جمال ہو اس کے خزائن میں جملہ رعایا کو ضرورت ہے لیکن اس کے عشاق اس کے حسن و جمال پہ فریفتہ اس کی عین ذات کے محتاج ہیں۔ اس معنیٰ پہ رعایا بادشاہ کے افعال کی محتاج ہے لیکن عشاق بادشاہ کے افعال کے بھی محتاج ہیں اور اس کی ذات کے بھی کیونکہ عاشق کو تو صرف معشوق چاہیئے ؎

کام عاشق دولت دیدار یار
قصد زاہد جنت و نقش و نگار

ص ۹۱۶ سے آگے

خاصیت خبیر (۱) اس اسم کی خاصیت یہ ہے کہ ہفتہ بھر اس کا مسلسل ذکر روحانیت کو ایسی جِلا بخشے گا کہ جس خبر کا ارادہ کرے گا اسے حاصل ہو جائے گی وہ خبر سنت سے متعلق ہو یا بادشاہوں سے متعلق یا قلوب سے وغیرہ وغیرہ (شمس المعارف)۔

(۲) جو شخص کسی کے ظلم میں گرفتار ہو تو اس اسم کے ذکر میں کثرت کرے ایذاء دینے سے نجات پائے گا۔ (ان شاء اللہ) شرح الاسماء الحسنیٰ للشیخ الزروقی۔

۲ ہرچہ جز عشق حقیقی شد وبال

ہرچہ جز معشوق باقی شد خیال

۳ ہست در وصلت غنا اندر غنا

ہست در فرقت غم و فقر و عنا

ترجمہ: (۱) عاشق کی مراد یار کی دولتِ دیدار ہے اور زاہد کو جنّت اور نقش و نگار چاہیئے۔
(۲) جس کا عشق حقیقی کے سوا مقصد ہے تو وہ اس کے لیے وبال ہے اور معشوق کے سوا باقی تمام مرادیں صرف وہم و خیال ہیں۔
(۳) تیرا وصال غنا ہی غنا ہے تیرے فراق میں غم و فقر اور دکھ ہے۔

ف: یہ بھی انسان کے کمالات سے ہے کہ اسے جمیع وجوہ اسمائے الٰہیہ سے صرف اسم اعظم کی محتاجی ہے کیونکہ وہ اسی کا مظہر کامل ہے بخلاف دوسرے موجودات کے کہ وہ اپنی استعداد کے مطابق اس کے محتاج ہیں دوسروں کی محتاجی من وجہ ہے اور انسان کی محتاجی من کل الوجوہ ہے۔ اسی لیے **حدیث شریف** میں وارد ہے:

الفقر فخری وبہ افتخر۔

(فقر میرا فخر ہے اور اسی پر میں نازاں ہوں)

اور حدیث معنیً صحیح ہے اگرچہ اس کے الفاظ میں اختلاف ہے۔ اس کی تائید اس **حدیث شریف** سے ہوتی ہے، حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اللھم اغننی بالافتقار الیک ولا تفقرنی بالاستغنا عنک۔

(اے اللہ! مجھے اپنی محتاجی کا غنی بنا دے اور اپنے سے غنا کی طلب کا مجھے فقیر نہ بنانا)

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر فقراء سے یاد فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

(۱) للفقراء المھاجرین۔

(وہ فقراء مہاجرین)

(۲) للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ۔

(وہ فقراء جو راہِ خدا میں روکے گئے)

یہی حقیقی امیری ہے جسے فقیری کے لباس میں ظاہر کیا گیا ہے تاکہ کسی کو ان کی امیری کا علم نہ ہو۔ چنانچہ ان کے حق میں کہا گیا ہے ؎

ارسلانم خوان تا کس بہ نداند کہ کہ ام
(مجھے ارسلان سے پکار تا کہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ میں کون ہوں)

اعجوبہ عصمتِ انبیاء علیہم السّلام پیرانِ طریقت فرماتے ہیں کہ دوستیٔ حق کا دارومدار اسی تلبیس میں مخفی ہے جیسے سلیمان علیہ السلام کو بادشاہی کے رنگ میں دکھایا ورنہ درحقیقت وہ فقیر تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو عصیان کا نام دے کر برگزیدگی میں چھپائے رکھا اور ابراہیم علیہ السلام کو نعمت کے نام سے پکار کر خلّت کے پردے میں مخفی رکھا کیونکہ محبت کے شرائط میں غیرت اہم شرط ہے[1] اسی لیے اپنے محبوبوں کا حال غیروں کو دیکھنے نہیں دیتا۔

فقیر کسے کہتے ہیں جس کی نگاہ وجود پر نہ ہو اور نہ ہی کونین (دونوں جہان) اس کے خیال میں ہو بلکہ اس کی نگاہ ہر وقت اللہ تعالیٰ پر ہو اسے فقیر[2] کہتے ہیں اگرچہ وہ لوگوں کی نظروں میں درویش ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ بہت بڑا غنی (دولت مند) ہے جیسے ہمارے شیخ سیّدنا اویس رضی اللہ عنہ۔ اسی لیے کہا جاتا ہے حقیقی غنا قلب کا غنا ہے تونگری سینے میں چاہیے نہ کہ خزانوں میں۔ صوفیۂ کرام فقیر اس کو کہتے ہیں جو دونوں جہانوں میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی سے کوئی تعلق نہ رکھے اور نہ ہی کسی پر نگاہ ہو اور اپنی ذات وصفات کو چار تکبیر سے ذبح کرے جیسا کہ کسی جواں مرد نے کہا ہے: ؎

۱ نیست عشق لایزالی را دراں دل ہیچ کار
کاو ہنوز اندر صفات خویش ماندست استوار

۲ ہر کہ در میدان عشق نیکواں نامی نہاد
چار تکبیر می کند بر ذات او لیل ونہار

ترجمہ: (۱) عشق لایزالی کو اس دل سے کوئی تعلق نہیں جو ابھی اپنی صفات کے تصوّر میں ہے۔

---

[1] اسی کو بتایا شاعر نے ؎
غیرت از چشم برم کہ روئے تو دیدن ندہم — گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم
(مجھے تو اتنی غیرت ہے کہ تیرا چہرا اپنی آنکھ کو بھی نہ دیکھنے دوں اور نہ کان کو تیری بات سننے دوں) اویسی غفرلہٗ

[2] اسی لیے کہتے ہیں فقیر کا مرتبہ غوثیت وقطبیت سے بالاتر ہے لیکن آج کل عرف میں کمترین کو لکھا جاتا ہے اس لیے دورِ حاضرہ میں کسی کا اپنے آپ کو فقیر کہنا لکھنا پہلے معنیٰ پر نہیں بلکہ دوسرے معنیٰ پر ہے۔ اویسی غفرلہٗ

(۲) جو بھی محبوبوں کی طرح عشق میں قدم رکھتا ہے تو وہ چار تکبیروں شب و روز اپنے آپ کو ذبح کرتا رہتا ہے۔

وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ وہی اللہ علی الاطلاق غنی ہے ہر شے اسی کی محتاج ہے کسی دنیا میں ہر ایک مددگاروں کا محتاج ہے جیسے امیر کی امارت نہیں چل سکتی جب تک اس کے خدام اور نوکر و چاکر نہ ہوں اور تاجر کی تجارت نہیں چل سکتی جب تک اس کے ساتھ کاروباری نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کسی معین و ناصر کی ضرورت نہیں رکھتا۔

معتزلہ کا رد الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ (اہلسنت کا مذہب ہے کہ) اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی کوئی ضرورت اور حاجت نہیں اگر انہیں نہ پیدا کرتا تو بھی اس کی الوہیت میں کوئی فرق نہ آتا اگر انہیں موت دے یا زندہ رکھے انہیں ماموارت کو مکلف بنائے یا نہ۔ جملہ حالتوں میں آپ کوئی حاجت نہیں کیونکہ وہ ان کی ضرورت نہیں رکھتا بخلاف معتزلہ کے کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ انہیں معرفت و شکر کا مکلف نہ بنائے تو اسے حکیم کون کہے گا اس لیے اس نے مکلف بنایا تاکہ اس کی حکمت کا اظہار ہو (گویا اسے اپنے حکیم ہونے کے اظہار کی ضرورت ہے۔ معاذ اللہ) یہ نہایت درجہ کی بے حیائی اور رسوائی ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق کی تخلیق میں اسے نفع حاصل کرنے اور نقصان دور کرنے والے بتاتے ہیں۔ یہی عقیدہ مجوسیوں کا ہے وہ بھی تو یہی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اسی لیے پیدا کیا تاکہ ان کے ذریعے سے اپنے آپ سے شیاطین کی اذیتیں دُور کر سکے۔

الحمید وہ جمیع موجودات کو انعامات سے نوازنے والا ہے اسی لیے وہ عام نعمت اور فضل شامل کی وجہ سے حمد کا مستحق ہے اسی معنی پر غنی بھی ہے اور مغنی بھی۔

ف: حضرت کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ جملہ ممکنات فاعل کی محتاج ہیں اور انتم الفقراء میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ذاتی کمال کی وجہ سے جملہ عالم و عالمیان سے مستغنی ہے واللہ الغنی کا مطلب یہ ہے کہ اس کے کمال اسمائی کا ظہور وجود اعیان ممکنات پر موقوف ہے اس معنی پر اس کی ایجاد ممکنات بہت بڑی نعمت ہے اسی اعتبار سے وہ حمد و ثنا کا مستحق ہے اسی لیے اسے حمید کہا جاتا ہے۔ اسی طرف اس رباعی کا اشارہ ہے ؎

۱ تا خود کرده بجملہ اوصاف عیان
واجب باشد کہ ممکن آید بمیان

۲ ورنہ بکمال ذاتی از آدمیان
فردست و غنی چنانکہ خود کرد بیان

ترجمہ: (۱) تاکہ وہ جملہ اوصاف سے ظاہر ہو واجب ہے کہ ممکن کا ظہور ہو۔

(۲) ورنہ کمال تو اتی آدمیوں سے فرد وغنی ہے جیسا کہ اس نے خود بیان فرمایا ہے۔
اِنْ یَّشَاْ اگر اللہ تعالیٰ چاہے یُذْهِبْكُمْ تمہیں رُوئے زمین سے ختم کر دے اور تم صفحۂ ہستی سے مٹ جاؤ وہ قادر ہے جیسے اس نے تمہیں پیدا کر کے باقی رکھا وَ یَاْتِ اور لائے بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ۝ تمہارے قائم مقام نئی مخلوق۔ تم اسی حالت پر ہمیشہ نہیں رہو گے بلکہ تمہیں طاعت و عبادت پر مداومت کرنی چاہیے۔ اگر اور مخلوق لائے تو وہ بھی تم جیسے آدمی انسان ہوں گے یا کوئی اور مخلوق ہو گی جس کا تمہیں علم بھی نہ ہو یا ایسی مخلوق لائے جسے کسی نے دیکھا نہ سنا۔ اس معنیٰ پر وہ آدمی کی جنس سے نہ ہو۔ جو بھی ہو اس سے اظہارِ غضب ہے تاکہ یہ بھولے ہوئے اپنی غلطیوں اور گناہوں کی غفلت کو دُور کریں۔ نیز اس میں مدعی محبت و طلب کو تنبیہ بھی ہے کہ اگر تم اس کی طلب کا حق ادا نہیں کرو گے تو وہ تم جیسے اور محب و عشاق لائے گا وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ اور تمہارا مٹانا اور دوسروں کو لانا اللہ تعالیٰ کو بِعَزِیْزٍ مشکل نہیں بلکہ اس کے لیے نہایت آسان ہے کیونکہ اسے ہر مقدور پر قدرت ہے وہ شے اور اس کی نقیض پر ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے جب کسی شے کو کہتا ہے ہو جا، تو وہ توقف اور بغیر کسی رکاوٹ کے ہو جاتی ہے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تم سے پہلے لوگوں کو کیسے مٹا کر اوروں کو ان کے قائم مقام بنایا اب قریشِ مکہ کا وقت آگیا ہے ان کو فرمایا یا ایھا الناس اے لوگو! اور فرمایا کہ تم ہر طرح اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو اور وہ جملہ مخلوق سے بے پرواہ ہے، نہ ہی اسے ان کی عبادت کی ضرورت ہے باوجود اینہمہ ان کو سعادت اور ابدی کامیابی کی دعوت دی ہے یعنی ایمان و طاعت کی، اور وہ باوجود محتاجی کے اللہ تعالیٰ کے احکام کے منکر ہیں۔ پھر یہ تباہ نہ ہوں تو اور کیا ہو! لیکن یہ اس کی مشیت پر موقوف ہے اور اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ان کے بعض کو دیگر غزوات میں ان کے بجائے اوروں کو پیدا کیا جنھوں نے اس کے اوامر و نواہی کی پابندی کی اسی لیے وہ اس کے فضل و کرم اور رحمت کے مستحق ہوتے اور یہ افناء و ابقاء یعنی بعض کو فنا کرنا اور دوسروں کو باقی رکھنا تا حال جاری ہے لیکن وہ اس میں عجلت نہیں فرماتا بلکہ ایک عرصہ تک مہلت دیتا ہے وہ صبور ہے مجرموں کی فوراً گرفت نہیں فرماتا تاکہ گناہوں پر اصرار کرنے والے کو توبہ کا موقعہ مل جائے۔

تفسیرِ صوفیانہ آیت میں ہر قسم کے بادشاہوں اور حکام اور افسروں کو وعظ و نصیحت ہے جسے مہلت دی جائے وہ اس پر مغرور نہ ہو کیونکہ جب اس کی گرفت شروع ہوتی ہے تو پھر اس سے کوئی بھاگ نہیں سکتا جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا تارک ہے اسے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی پکڑ کے لیے تیار رکھنا چاہیے۔

سبق : عقلمند پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس سے ہر وقت ڈرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف امر کے ارتکاب کی جرأت نہ کرے جمادات سے کم نہ ہو کہ وہ تسبیح الٰہی میں ہوں اور یہ محروم، حالانکہ انسان تو اشرف المخلوقات ہے۔

حکایت جبل حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھا سامنے ایک پہاڑ نظر آیا آپ نے فرمایا اسے میرا سلام پہنچا کر پانی لے آؤ اگر اس کے پاس ہو تو۔ میں نے اس کے پاس جاکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سلام پہنچایا اور کہا اے پہاڑ! اس نے کہا: لبیک یا رسول اللہ۔ میں نے اس سے پانی کے لیے کہا تو اس نے عرض کی: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا سلام عرض کرنا اور کہنا کہ میں نے جب سے آیت فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ (ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں) سنی ہے اس روز سے میرے ہاں (روتے روتے) پانی ختم ہوگیا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى اور نہ اٹھائے گا کوئی کسی دوسرے کا بوجھ۔ وَزَرَ يَزِرُ اس کی گردان ہے از باب ضرب اور وزر بالفتح وبالکسر بمعنے حمل اور بمعنے گناہ وثقل۔ وازرۃ نفس محذوفہ کی صفت ہے۔ ایسے ہی اُخرٰی بھی نفس کی صفت ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ نہ اٹھائے گا نفس آثم قیامت میں دوسرے نفس کا گناہ کہ جس سے دوسرے کا بوجھ کچھ ہلکا ہو جائے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ قیامت میں ہر ایک اپنا بوجھ (گناہ) خود اٹھائے گا بخلاف دنیا کے کہ اس میں بڑے چھوٹوں سے بوجھ اُٹھواتے ہیں۔

سوال: ولیحملن اثقالھم و اثقالاً مع اثقالھم (اور اٹھائیں گے اپنا بوجھ دوسروں کا بوجھ ملا کر) یعنی گمراہ کرنے والے کا اپنا بوجھ اور دوسرے کو گمراہ کرنے کا بوجھ یہ دونوں بوجھ گمراہ کرنے والا اٹھائیگا۔

جواب: یہ غیر کا بوجھ اٹھانا نہیں بلکہ یہ بھی اس کا اپنا ہے جو اس نے دوسرے کو گمراہ کرنے کا کیا ہے جیسے دوسری آیت میں فرمایا:

واتبعوا سبیلنا ولنحمل خطایاکم۔

(تم ہمارے راستہ کی اتباع کرو ہم تمہارے گناہ سر پر رکھ لیں گے)

اس کے بارے میں خود فرمایا:

وما ھم بحاملین من خطایاھم من شئ۔

(اور وہ ان کے گناہوں سے کوئی گناہ بھی نہیں اٹھائیں گے)

اسی سے وہ جواب مل گیا کہ ظالم پر مظلوم کا گناہ رکھا جائے گا اس لیے کہ یہ گناہ بھی درحقیقت اس کا اپنا گناہ ہے اگرچہ بظاہر اس سے مظلوم کے بوجھ کی تخفیف ہے اور یہ بھی ذنبِ متعدی میں ہوگا۔ (اس کی تفصیل ہم نے سورۂ انعام کے آخر میں درج کی ہے)

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق ہے اور ہر شے کی تخلیق میں خصوصی راز ہے کہ جو ایک مخلوق میں راز ہے وہ دوسری میں نہیں ہر ایک کا اپنا مقصد ہے۔ مثلاً جیسا

بیج ہوگا ویسا ہی پودا اُگے گا ہر بیج میں علٰحدہ علٰحدہ مقصد ہے۔ ایسا نہیں کہ باجرہ بوکر جَو حاصل کیے جائیں۔ کیونکہ جس کا بوجھ ہے وہی اٹھاتے گا وہ دوسرے کا بوجھ اٹھانے کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ کذا فی التاویلات النجمیہ۔

شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

رطب نا ورد چوب خر زهره بار
چه تخم افگنی بر همان چشم دار

ترجمہ: جھاؤ تر کھجور نہیں لائے گی، جیسا بیج ڈالوگے اسی پھل کی امید رکھو۔

تفسیر عالمانہ وَاِنْ تَدْعُ صیغہ واحدہ مونث غائبہ بمعنے لودعت۔ اور اگر بلائے مُثْقَلَۃٌ بوجھ لادا ہُوا نفس جس پر گناہوں کا بوجھ ہے کسی کو یہاں مفعول احداً محذوف ہے۔

ف: امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا: ثقل وخفۃ ایک دوسرے کے متقابل ہیں جو ان میں وزن میں بوجھل ہو جائے تو اسے کہتے ہیں ھُوَ ثقیلٌ (وہ ثقیل ہے) اس کا اصل استعمال اجسام میں ہوتا ہے۔ پھر (مجازاً) معانی میں بھی مستعمل ہے۔ مثلاً کہتے ہیں: اثقلہ الغرم والوزر (اس پر قرض اور گناہ کا بوجھ ہے) اور گناہ کو ثقل اسی لیے کہا جاتا ہے کیونکہ قیامت میں مجرم پر بوجھ ہوگا اور اس نے دنیا میں ثواب کے حصول سے باز رکھا اِلٰی حِمْلِهَا اس کے اٹھانے کے لیے۔ یعنی وہ گناہ جو دنیا میں کیے ان کے اٹھانے کے لیے کہا جائے گا۔

ف: وہ بوجھ جو پیٹھ پر اٹھایا جائے اسے حِمل (بالکسر) اور جو پیٹ میں اٹھایا جائے (جیسے بچہ بچی) اسے حَمل (بالفتح) بولتے ہیں (المفردات)

لَا یُحْمَلْ مِنْهُ شَیْءٌ اس سے کوئی دوسرا کوئی شے بھی اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوگا وَلَوْ وصلیہ ہے کَانَ اگرچہ جسے وُہ اپنا بوجھ اٹھانے کے لیے بلائے گا ذَا قُرْبٰی قریبی رشتہ دار بھی ہو۔

سوال: تم نے یہ معنیٰ کہاں سے لیا (کہ جسے بلایا جلائے)؟

جواب: دعوۃ کے لفظ سے معلوم ہوا۔

ف: ذا قربٰی سے باپ، بیٹا، ماں، بھائی وغیرہ مراد ہیں اس لیے کہ اس وقت ہر ایک کو اپنی فکر ہوگی، جب اپنا بوجھ ہی نہ اٹھایا جائے گا تو دوسرے کا کیسے اٹھائے گا۔

مسئلہ: آیت سے معلوم ہُوا کہ گناہ کا مؤاخذہ صرف مجرم سے ہوگا۔

آیت میں نفی من حیث القرابۃ (رشتہ داری) کے متعلق ہے

اولیاء اللہ سے نسبت کا فائدہ ورنہ متقین (اولیاء و انبیاء) تو اہلِ ایمان کے کام آئیں گے۔

(یہی ہم کہتے ہیں اور صاحبِ روح البیان نے ج ۷، ص ۳۳۶ میں تصریح فرمائی ہے:

وان الاستغاثۃ بالاقربین غیر — یعنی غیر متقین کو اقربین سے استغاثہ

نافعة لغیر المتقین۔
کام نہ دے گا، ہاں متقین کو فائدہ ہوگا۔

نفسی نفسی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ماں باپ بیٹے سے کہیں گے کچھ تو ہمارا بوجھ اٹھالے۔ وہ کہے گا مجھے اپنا بوجھ ہی کافی ہے تمہارا بوجھ کیسے اٹھاؤں! ایسے ہی شوہر اپنی عورت سے کہے گا کہ دنیا میں تو میری بیوی تھی اور بڑی خدمت کرتی تھی۔ اس کی بڑی تعریف کرکے کہے گا مجھے تھوڑی سی نیکی چاہیئے تاکہ اس بُرے حال سے نجات پاؤں۔ عورت کہے گی میں خود بُرے حال میں ہوں، جیسے تجھے نجات کی ضرورت ہے مجھے بھی تو ہے ؎

ہیچ رحمی نہ برادر بہ برادر دارد
ہیچ خیری نہ پدر را بہ پسر می آید
دختر از پہلوی مادر بکند قصد فرار
دوستی از ہمۂ خویش بسر می آید

ترجمہ:۔ بھائی بھائی پر رحم نہ کرے گا، نہ باپ کو بیٹے سے خیر و بھلائی ہوگی۔ بیٹی ماں سے بھاگنے کا ارادہ کرے گی۔ اس وقت تمام دوستی ختم ہوگی۔

نکتہ: الارشاد میں ہے کہ اس میں دوسرے کا بوجھ اٹھانا اختیار سے ہو یا اجبار سے، ہر طرح کی نفی ہے۔ یہی بہتر تفسیر ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ایمان و طاعت نور ہے اور کفر و عصیان ظلمت۔ جب کوئی انسان صفتِ ایمان و طاعت یا کفر و عصیان سے موصوف ہو جائے تو یہ دونوں ایک قسم کے جوہر ہیں، ایک کا جوہر دوسرے کی طرف منتقل نہیں ہو سکتا جیسے پل صراط پر گزرنا اسی جوہر ایمان و کفر سے ہوگا تو جس کے پاس ایمان کا جوہر ہوگا وہ نور بن کر اس کو پل صراط سے صحیح سالم لے جائے گا۔ اور کفر کا جوہر ظلمت ہے تو نور کا جوہر ظلمت والے کو نہ ملے گا اور نہ ہی ظلمت کا جوہر نور والے کو۔

تفسیر عالمانہ اِنَّمَا تُنْذِرُ بے شک اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تم ڈراتے ہو ان ڈراؤنی باتوں سے۔ الانذار کوئی بات کسی کو خوف دلا کر پہنچانا۔ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ ان لوگوں کو جو ڈرتے ہیں رَبَّهُمْ اپنے پروردگار سے بِالْغَيْبِ غائبانہ۔ یہ حال ہے بمعنے غائبین الخ جو عذاب اور امورِ آخرت سے یا تنہائیوں میں لوگوں سے غائب ہیں یعنی وہ خلوتوں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں نہ کہ مجلسوں میں۔ یہ فاعل سے حال ہے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ ان سے عذاب غائب ہے۔ اب یہ مفعول سے حال ہوگا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اور نماز کو اس کے حقوق کے مطابق ادا کرتے ہیں بلکہ نماز کو اپنے لیے مینارِ ہدایت اور بلند علم سمجھتے ہیں۔

نکتہ : کشف الاسرار میں ہے کہ دو جملے مغایر اس لیے ہیں کہ خشیتِ الٰہی ہر وقت ہوتی ہے اور نماز کا وقت خاص ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اے نبی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! تمہارا ڈرانا ان کو مفید ہے جو ان اوصاف سے موصوف ہیں ان کے ماسوا سرکش اور متمرد لوگ اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھائیں گے اگرچہ آپ تمام مخلوق کو ڈرانے پر مامور ہیں۔

سوال : خشیت و نماز کی تخصیص کیوں؟

جواب : یہ اعمالِ حسنہ ظاہرہ و باطنہ کے اصل ہیں کیونکہ نماز دین کا ستون اور خشیت یقین کا شعار ہے اور انسان اللہ تعالیٰ سے اس قدر ڈرتا ہے وہ اس کی معرفت رکھتا ہے۔ چنانچہ فرمایا :

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔

(بے شک اللہ تعالیٰ سے علماٗ ڈرتے ہیں)

اس سے معلوم ہُوا کہ جس دل میں علم و خشوع نہ ہو وہ دل مردہ ہے اس میں انذار اثر انداز نہ ہو گا۔ چنانچہ فرمایا :

لینذر من کان حیا۔

(تاکہ اسے ڈرائے جو زندہ ہے)

لیکن اس کے باوجود خشیت کو ایک دوسری شرط سے مشروط فرمایا ہے یعنی اقامۃ الصلوٰۃ۔ اس سے معلوم ہوا کہ غائبانہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی نشانی یہ ہے کہ نماز کی پابندی ہو۔

حدیث شریف میں ہے : ان بین الرجل و بین الشرك و الکفر ترك الصلوٰۃ۔

(انسان اور کفر و شرک کے درمیان فرق ترکِ صلوٰۃ ہے)

وَمَنْ تَزَكّٰى اور جو گناہوں کی آلائش سے پاک وصاف ہے اور ان انذارات سے اثر لے کر اپنے حال کو طاعات سے سنوارتا ہے **فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ** تو اپنے آپ کو سنوارتا ہے کیونکہ اس کا نفع صرف اسے ملے گا اس لیے جو گرد و غبار میں گھُستا ہے تو صرف وہی گرد آلود ہوتا ہے۔ یہ ایسے ہے جیسے کہا جائے کہ جو زکوٰۃ دیتا ہے اس کا اپنا فائدہ ہے **وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ○** اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہے اور کوئی بھی اس کا اس امر میں شریک نہیں بالاستقلال وہی مالک ہے اسی لئے تزکیہ پر صرف وہی جزاء دے گا۔

تفسیر صُوفیانہ گناہوں سے بچا کر نفس کو سنوارنے کی جزاء بہشت اور اس کے درجات ہیں اور اسے تعلق ماسوی اللہ سے دُور رکھنے کا ثواب جمالِ حق ہے جیسا کہ فرمایا والی اللہ المصیر

جو اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے اختیار سے رجوع کرتا ہے تو وہ اس کے لیے ہر وقت بیقرار رہتا ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ نے فرمایا : ؎

۱ ندادند صاحب دلان دل بپوست
وگر ابلہی داد بے مغز اوست

۲ می صرف وحدت کسے نوش کرد
کہ دنیی و عقبیٰ فراموش کرد

ترجمہ :(۱) کسی صاحبِ دل نے ظاہری حسن کو دل نہیں دیا۔ اگر کسی نے دیا ہے تو وہ بیوقوف ہے۔

(۲) شرابِ وحدتِ خالص جس نے نوش کیا ہے اسے دنیا و عقبیٰ بھول جائے گی۔

ف : لیکن سب کچھ اس کی عنایت سے نصیب ہوتا ہے۔

حکایت حضرت ابراہیم الملہب السائح رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کعبہ معظمہ کا طواف کر رہا تھا تو ایک نوجوان لڑکی کو دیکھا جو کعبہ معظمہ کے پردوں کو پکڑ کر کہہ رہی تھی تُو نے محبت کر کے میرا دل چھین لیا مجھے میرا دل واپس کر دو۔ میں نے اس سے پوچھا تجھے کیسے معلوم ہوا کہ وہ تجھ سے محبت کرتا ہے۔ بولی : عنایت قدیمہ سے میری تلاش میں اس نے بڑے لشکر بھیجے اور بہت بڑا خرچ کر کے مجھے شرک کے شہروں سے نکال کر اپنی توحید میں داخل کیا اور اپنا عرفان بخشا حالانکہ میں تو اس سے بالکل بے خبر تھی یہ اس کی محبت نہیں تو اور کیا ہے۔ میں نے کہا اس سے تیری محبت کا کیا حال ہے؟ کہا : محبت بہت بڑی شے ہے وہ پانی سے زیادہ رقیق اور شہد سے زیادہ لذیذ ہے۔

ف : تزکیۂ نفس سے نفس کے عرفان سے معرفتِ الٰہی نصیب ہوتی ہے جیسا کہ مشہور ہے :

من عرف نفسه فقد عرف ربه۔

(جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے خدا کو پہچان لیا)

ف : بچے کی قدر و منزلت باپ سے زیادہ ہوتی ہے یعنی چھوٹا بچہ پیارا لگتا ہے بہ نسبت باپ کے۔

تفسیر عالمانہ وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۝ اور نابینا اور آنکھوں والا برابر نہیں۔ یہ کافر و مومن کی تمثیل ہے کیونکہ مومن فوز و نجات کے راستہ کو دیکھ کر چلتا ہے اور کافر اس سے محروم ہے۔ تو جیسے نابینا ظاہری آنکھوں سے محرومی کی وجہ سے راستہ نہیں طے کر سکتا اور اندھیارا آسانی سے کر لیتا ہے ایسے ہی کافر حقیقت کی راہ سے بھٹکتا پھرتا ہے اور مومن کو صحیح راستہ نصیب ہے۔ بلکہ کافر تو ظاہری آنکھ سے محروم سے بھی بدتر ہے کیونکہ ظاہری آنکھ کا کیا اعتبار، جبکہ یہ جمیع

حیوانات میں ہیں۔

تفسیر صوفیانہ یہی حال اس کا ہے جو مشاہدہ سے محروم ہے تو وہ بمنزلہ اعمٰی کے ہے اور جسے مشاہدہ حاصل ہے وہ بمنزلہ بصیر کے ہے۔ کاشفی مرحوم نے لکھا کہ کافر یا جاہل یا گمراہ اس کے برابر نہیں جو مومن یا عالم یا صحیح راستہ پر ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَا الظُّلُمٰتُ اور برابر نہیں تاریکیاں۔ یہ لا نفی استواء کی تاکید ہے اور ظلمات ظلمۃ کی جمع ہے یعنی عدمِ نور۔ وَلَا یہ تاکید نفی استواء کے لیے ہے النُّوْرُ ۝ وہ روشنی جو شے کے دیکھنے کی معین و مددگار ہے۔ یہ حق و باطل کی تمثیل ہے یعنی کافر کفر و شرک اور جہل و عصیان و البطلان کی تاریکی میں ہے جسے دائیں بائیں کی خبر نہیں وہ کسی وقت بھی ہلاکتوں سے چھٹکارا نہ پائیگا اور مومن توحید و اخلاص اور علم و طاعت و حقانیت کی روشنی میں ہے اس کے ہاتھ میں شمعیں اور انوار ہیں جہاں چاہے جائے۔

سوال : ظلمات جمع اور نور واحد کیوں ؟

جواب : باطل کے انواع متعدد ہیں اور حق واحد ہے۔ یعنی توحید کے کوئی انواع نہیں۔ کیونکہ موحّد صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے۔ باطل کی فطرت اَن گنت ہے اس سے اشتراک کے مختلف طریقے مراد ہیں۔ مثلاً کوئی ستاروں کا پجاری ہے تو کوئی آگ کا۔ ان میں کوئی بتوں کی پرستش کرتا ہے تو کوئی پتھروں کی وغیرہ وغیرہ۔ اس بطلان کے جمیع طرق کو نور یعنی توحید سے کسی قسم کی مساوات نہیں۔

تفسیر صوفیانہ اس میں ظلمتِ نفس اور نورِ روح کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ محجوب عن الحق غفلات متضاعفہ کی ظلمت میں ہے اور اہل کشف نور روح و یقظہ میں ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ۝ اور نہ سایہ نہ دھوپ۔

نکتہ : اعمٰی کو بصیر پر ظلمات کو نور پر اور ظل کو حرور پر مقدم کرنا فواصل آیات کی وجہ سے ہے اور اس جملہ میں جنۃ و نار اور ثواب و عقاب اور راحت و شدت کی تمثیل ہے۔ ظل بمعنی سایہ۔ امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ظل ہر وہ جگہ جہاں سورج کی دھوپ نہ پہنچے اور فئ وہ جگہ جہاں سے دھوپ ہٹ جائے۔ کبھی ظل سے عز و منعۃ و رفاہیۃ مراد لی جاتی ہے۔ الحرور وہ گرم ہوا جو رات کے وقت ہوتی ہے اور کبھی دن کی گرم ہوا کو بھی کہتے ہیں اور سورج کی گرمی اور دائمی گرمی اور آگ کو بھی کہتے ہیں۔

قاموس میں ہے الحرور بروزن فعول از حر، اس کا اکثر استعمال سموم (لو) پر آتا ہے یعنی وہ گرم ہوا تاثیر سموم سے اشد والتی ہے اور یہ اکثر دن کو ہوتی ہے۔

اب معنٰی یہ ہوا کہ سایہ اور لو برابر نہیں اس لیے کہ سایہ سے نفس کو راحت پہنچتی ہے اور لو سے مشقت

اور درد۔ ایسے مومن کو بہشت سے راحت نصیب ہو گی اور کافر کو دوزخ سے مشقت اور عذاب اس لیے یہ دونوں برابر نہیں۔

تفسیر صُوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بُعد باطن کو جلا دینے میں حرور ہے اور قربِ الٰہی ظل ہے کہ اس سے قلب کو فرحت نصیب ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَا یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ یہ مومن و کافر کی تمثیل پچھلی تمثیلوں سے زیادہ بلیغ ہے اسی لیے فعل کو دوبارہ لایا گیا ہے۔ جمع کے صیغے لانے میں ظاہر کرتا ہے کہ فریقین کے افراد ایک دوسرے کے متباین ہیں۔

حلِ لغات الحی وہ جس میں قوتِ حساسہ ہو، اور المیت جس میں یہ نہ ہو۔ وجہِ تمثیل یہ ہے کہ مومن وہ ہے جو اپنی حیات سے نفع پاتا ہے کیونکہ مومن کا ظاہر ذکر اور باطن فکر ہے۔ اور کافر کا ظاہر بیکار اور باطن باطل۔

ف : یہ علماء و جہال کی تمثیل ہے اور جاہلوں کو مُردوں کی تمثیل تو مشہور ہے ؎

لاتعجبن الجهول خلته

فانه المیت ثوبه کفن

ترجمہ : جاہلوں کی دوستی کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ وہ مردہ ہے اس کے کپڑے اس کا کفن ہیں۔

اس لیے کہ حقیقی حیات وُہی ہے جس سے ارواح و قلوب کو تازگی نصیب ہو۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اسے حکمتیں اور عرفان نصیب ہو صرف اجسام کی حیات کا کوئی اعتبار نہیں اس لیے کہ یہ حیات تو بہائم کو بھی حاصل ہے۔

تفسیر صُوفیانہ بعض مشایخ نے فرمایا کہ حقیقی زندہ وُہ ہیں جنہیں فناء تام کے بعد وصالِ الٰہی کی حیات نصیب ہو۔ یہی لوگ اپنے اختیار سے مرتے ہیں یہ مرنے سے پہلے مرجاتے ہیں یعنی اضطراری موت سے محفوظ ہو جاتے ہیں ان کی موت کا نام یہ ہے کہ وُہ اپنی ذات و افعال و صفات کو ذاتِ حق اور اس کے صفات و افعال میں فنا کر دیتے ہیں بلکہ اپنے وجود کو بالکل ختم کر ڈالتے ہیں ان کے نفوس بالکل فانی ہو جاتے ہیں۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

حدیث شریف من اراد ان ینظر الی میت متحرك فلینظر الی ابی بکر۔

(جو چلتے پھرتے مُردے کو دیکھنا چاہے وُہ ابوبکر کو دیکھ لے) (رضی اللہ عنہ)

مسئلہ : حیاتِ معنوی پر فنا آتی ہی نہیں بخلاف حیاتِ صوری کے کہ وہ خروجِ روح کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔

حکایت ابراہیم ہروی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ کے ہاں بیٹھا تھا کہ بات چل نکلی کسی نے کہا میں نے فلاں سے علم حاصل کیا۔ حضرت بایزید رحمہ اللہ نے فرمایا ان مسکینوں نے مُردوں سے علم پایا اور ہم نے زندہ رب تعالیٰ سے حاصل کیا یعنی علم لدنی جو بلا تکلف اور بلا طلب بطریق الہام حاصل ہوتا ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

۱ نہ مردم ہمیں استخوانند و پوست
نہ ہر صورتے جان و معنیٰ دروست

۲ نہ سلطان خریدار ہر بندہ ایست
نہ در زیر ہر زندہٗ زندہ ایست

ترجمہ :(۱) آدمی ہڈیوں اور پوست کا نام نہیں، نہ ہر صورت میں جان و معنیٰ ہے۔
(۲) بادشاہ ہر بندے کا خریدار نہیں، نہ ہر لباس میں زندہ انسان ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰہَ یُسْمِعُ بے شک اللہ تعالیٰ سناتا ہے۔ اس سے وہ کلام مراد ہے جس سے فہم اور وعظ کا قبول کرنا ہو اور یہ دل کی زندگی سے ہوتا ہے مَنْ یَّشَآءُ جسے سنانا چاہے تو وہ تمہارے انداز سے نفع یاب ہوگا وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ ○ اور تم قبر کے اندر والوں کو نہیں سنانے والے

تحقیق القبر القبر میّت کی قرارگاہ۔ اہلِ عرب کہتے ہیں ، قبرتہ جعلتہ فی القبر (میں نے اسے قبر میں داخل کیا)

یہ کلام ترشیح ہے کفر پر اصرار کرنے والوں کی اموات سے تمثیل ہے اور حضور علیہ السلام کو ان سے پورے طور ناامیدی کا بیان ہے۔ ترشیح اصطلاحِ علم معانی میں وہ استعارہ ہے جو مستعار منہ کے مناسب چیزوں سے مقترن ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قلب پر کفر کی مُہر والے کو مردے سے عدم القدرۃ علی الاجابۃ تشبیہ دی ہے جیسے مُردے سنتے ہیں نہ جواب دیتے ہیں ایسے ہی کفار سنتے ہیں نہ حق کو قبول کرتے ہیں۔

اِنْ نافیہ ہے اَنْتَ اِلَّا نَذِیْرٌ ○ تم تو صرف کافروں کو دوزخ کے عقاب سے ڈرانے والے ہیں اور ان کو سنانا تمہاری ذمہ داری میں داخل نہیں اور نہ ہی آپ مہر شدہ قلب والوں پر قرآن پہنچانے کے ذمہ دار ہیں کیونکہ یہ تو بمنزلہ مُردوں کے ہیں۔

ردِّ وہابیہ اِنَّ اللّٰہ یسمع الخ اور انّک لا تہدی من احببت ولکن اللّٰہ یہدی من یشآء ، اور لیس لک من الامر شیءٌ جیسی آیات الوہیت و نبوت کے مقام کے درمیان امتیاز کے لیے ہے تاکہ امت کو اشتباہ نہ ہو جائے جو ان کی گمراہی کا سبب بن جائے جیسے سابقہ امتیں گمراہ ہوئیں۔ مثلاً بعض نے کہا عزیر ابن اللہ، بعض نے کہا مسیح ابن اللہ۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اِس اُمت پر

رحمت وشفقت کی دلیل ہے اور حسن توفیق کی نشانی ہے (ورنہ یہ بھی ان کی طرح گمراہ نہ ہو جائے)[1]

تحقیق سماع موتیٰ

سوال : اس آیت میں سماع موتیٰ کی نفی ہوتی ہے حالانکہ غزوۂ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے مشرکوں کے متعلق فرمایا کہ ان کے مُردے گڑھوں میں پھینکے جائیں۔ اس کے بعد آپ نے ان کے نام لے لے کر فرمایا :

هل وجدتم ما وعد الله ورسوله حقا فانی وجدت ما وعدنی الله حقا۔

(کیا تم نے اسے حق پایا یا نہ جو اللہ اور اس کے رسول (جل جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے وعدہ فرمایا لیکن میں نے حق پایا جو میرے ساتھ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا)

حضرت عمر نے عرض کیا : (رضی اللہ عنہ)

" یا رسول الله کیف تکلم اجساد ا لا ارواح فیها۔"

(یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! آپ ان اجسام سے باتیں کر رہے ہیں جن میں روح بھی نہیں)

آپ نے فرمایا :

ما انتم باسمع لما اقول منهم غیر انهم لا یستطیعون ان یردوا شیئا۔[2] (روح البیان ج ۷، ص ۳۳۹)

(جو میں کہہ رہا ہوں تم کچھ ان سے زیادہ نہیں سُن رہے فرق صرف اتنا ہے کہ وہ میری باتوں کا جواب نہیں دے سکتے)

ف : اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گڑھے والوں کو سُنا دیا، حالانکہ وہ بھی تو مُردے تھے۔ نیز مرنے کے بعد میّت کو تلقین کا حکم ہے اس سے بھی اسماع ثابت ہے ورنہ تلقین کا کیا معنیٰ !

جواب : اس سوال کے کئی جوابات ہیں :

(۱) ممکن ہے اس وقت اللہ تعالیٰ نے گڑھے والوں کو زندہ فرما دیا ہو جس سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سُنا[3] تاکہ انہیں زجر و توبیخ اور ذلت اور عذاب میں اضافہ اور حسرت ہو، ورنہ میّت من حیث المیّت کی یہ شان نہیں کہ وہ کچھ سُن سکے۔

ف : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی "ما انتم باسمع" الخ سے معلوم ہوا کہ ارواح

---

[1] لیکن وہابیہ نے ان آیات سے لفظی معنی پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اختیار کی نفی کر دی۔ تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی ' میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ

[2] رواہ البخاری

[3] یہ جواب کمزور ہے اس لیے کہ مُردے کو زندہ کرنے کا احتمال ایجاد بندہ ہے اس کے لیے کوئی حدیث نہیں دوسرا اس زندگی کے بعد موت کی تصریح نہیں وغیرہ وغیرہ۔ اویسی غفرلہٗ

بلا اجسام زیادہ سُنتے ہیں بہ نسبت اس کے کہ جب وہ مع الاجسام ہوں اس لیے کہ اجسام میں ان کے حجابات ہوں لیکن اجسام سے نکلنے کے بعد ان کو حجابات حائل نہیں ہوتے اسی لیے بعد از موت زیادہ سُنتے دیکھتے ہیں۔

(۲) موت کے بعد بھی سنانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے (کیونکہ اسماع تخلیق سے متعلق ہے اور خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے) اب معنیٰ یہ ہُوا کہ موت کے بعد رُوح کو جسم سے بہت زیادہ تعلق پیدا کر دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ دنیا کے تعلق سے برزخ کا تعلق بہت زیادہ ہوتا ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں کفار (مُردوں) سے بات چیت کی یا مرنے کے بعد میّت کو تلقین والی حدیث سے ثابت ہوتا ہے ورنہ میّت من حیث المیّت سننے کا نہیں اور نہ ہی ہم اسماع کا حق رکھتے ہیں[1] (واللہ اعلم)

ف : بعض عارفین نے فرمایا کہ آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ اے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ابوجہل کے دل کو اپنی طرف کیسے متوجہ کر رہے ہیں جبکہ اس کا دل خبیث ہے وہ آپ کے جوہرِ قیمتی کو قبول کرنے کی صلاحیت و اہلیت نہیں رکھتا مگر آپ سلمان فارسی (رضی اللہ عنہ) کے دل پر توجہ فرمائیے اس لیے کہ آپ نے ابھی اعلانِ نبوت فرمایا بھی نہیں تھا وہ آپ کے عشق و محبت میں سرگرداں تھا اور آپ کی تلاش میں ملک و ملک چھوڑ کر فقیر و اسیر ہو کر اس نے دنیا چھان ماری اور زبانِ حال سے کہتا پھرتا رہا ؎

۱ گرفت خواہم من زلفِ عنبرینت را
زمشک نقش کنم برگِ یاسمینت را

۲ بتیغ ہندی دست مرا جدا نکنند
اگر بگیرم یک رہ سر آستینت را

ترجمہ: (۱) میں تیری زلفِ عنبریں کا جلوہ چاہتا ہُوں تیری چنبیلی کے پتّے سے مُشک حاصل کروں گا۔

(۲) اگر ہندی تلوار بھی میرا سر جُدا کر دے تب بھی میرا سر تیرے در پہ پہنچ جائے گا پھر کبھی نہ اُٹھے گا۔

اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ بِالۡحَقِّ بیشک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا۔ یہ المرسل (بالکسر) سے حال ہے یعنی درانحالیکہ ہم حق ظاہر کرنے والے ہیں۔ یا المرسل (بالفتح) سے حال ہے یعنی درانحالیکہ آپ حق ظاہر کیے ہوئے ہیں۔ یا مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی آپ کا بھیجنا حق کے ساتھ ہے۔ یا یہ معنیٰ کہ ہم نے آپ کو اس دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے یعنی اسلام یا قرآن۔ بَشِيۡرًا درانحالیکہ آپ اہلِ ایمان

---

[1] یہی تقریر ہم اہلسنّت کرتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

کو بہشت کی خوشخبری سناتے ہیں وَّنَذِيْرًا اور کافروں کو دوزخ کا ڈر سنانے والے ہیں وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اور سابق اُمتوں میں سے کوئی ایسی اُمت نہیں یا گزشتہ زمانے میں سے کوئی نبی ایسا نہیں اِلَّا خَلَا مگر گزرا ہے۔

امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الخلاء وُہ جگہ جس کی کوئی بناء نہ ہو اور ساکن

حلِ لغات کرنے والی کوئی شے نہ ہو۔ الخلو زمان و مکان دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔

جس وقت زمانہ میں ماضی مطلوب ہو تو اس وقت اہلِ لغت خلاء الزمان سے مضی و ذہب مراد لیتے ہیں،

فِيْهَا اس زمانہ میں یا امت میں نَذِيْرٌ ڈرانے والا ہے یا نبی (علیہ السلام) یا عالمِ دین جو انہیں ڈر سنایا کرتے۔

سوال: یہاں پر صرف انذار پر کیوں اکتفاء کیا گیا جبکہ وہ خوشخبری بھی تو سناتے تھے۔

جواب: بعثت کا اہم مقصود انذار ہوتا ہے اسی لیے اس پر اکتفا کیا گیا ہے۔

ف: الکواشی میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد فترت کے دور میں بھی ان کے دین کے داعی اور ایمان والے ہر زمانہ میں رہے۔

مسئلہ: کشف الاسرار میں ہے کہ آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر زمانہ حجت خبریہ سے خالی نہیں رہا، سب سے پہلے آدم علیہ السلام اپنی اولاد کے لیے مبعوث ہوئے ان کے بعد کوئی زمانہ کسی سچے مبلغ سے خالی نہیں رہا یہاں تک کہ دورِ فترت میں بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لیے موجود رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ایحسب الانسان ان یترك سدی۔

(کیا انسان کا خیال ہے کہ اسے بیکار چھوڑا گیا ہے)

کہ اس کے لیے کوئی بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والا نہیں!

سوال: دوسری آیت تو اس کے خلاف ہے۔ وُہ یہ کہ فرمایا:

لتنذر قوماً ما انذر اٰباؤھم فھم غافلون۔

(تاکہ آپ ڈرائیں اس قوم کو جن کے آباء کو کوئی ڈر نہ سنایا گیا اور وُہ غفلت میں چکنا چور ہیں)

جواب: آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے ہر اُمت میں ڈر سنانے والا بھیجا سوائے آپ کی امت کے کہ ان کے لیے آپ کو بھیجا گیا۔ چنانچہ دُوسری آیت اس کی تائید کرتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

وما ارسلنا الیھم قبلك من نذیر۔

(ان کے ہاں آپ سے پہلے کسی ڈرانے والے کو نہیں بھیجا)

اور لتنذر قوما ما انذر اٰباؤھم کا معنیٰ یہ ہے کہ ہر امت عذاب سے تباہ و برباد ہوئی مگر اس کے بعد

کہ ان کے پاس رسل کرام بھیجے گئے کہ انہوں نے انہیں ڈرایا دھمکایا تو پھر وہ نہ ماننے تو تباہ و برباد ہوتے۔
یہی دوسرا معنیٰ انسب ہے کہ اس سے دونوں آیتوں میں تطبیق ہوتی ہے جیسا کہ اس کا ما بعد دلالت کرتا ہے۔ وان یکذبوك اور اگر وہ آپ کی تکذیب کرتی ہے، ورنہ اہلِ فترت کے لیے تو کوئی ڈرانے والا نہیں آیا جیسا کہ ما انذر آباؤھم سے ثابت ہوتا ہے اور پھر یہ معنیٰ بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ پچھلی جس امت کو ڈرایا گیا اور وہ نہ مانی تو پھر وہ تباہ و برباد ہوئی۔ ان آیات کی تطبیق سورۂ یٰسٓ کی آیت میں آئے گی (ان شاء اللہ تعالیٰ)۔

وَاِنْ یُّکَذِّبُوْكَ اگر یہ منکرینِ قریش آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو پروا نہ کیجئے فَقَدْ کَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ان سے پہلے والوں نے بھی تکذیب کی جَآءَتْهُمْ یہ جملہ مستانفہ ہے یا حال ہے یعنی پہلے لوگوں نے تکذیب کی حالانکہ ان کے ہاں رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ان کے ہاں ان کے رسل کرام ایسے معجزات لائے جو ان کے دعویٰ کے صدق اور نبوت کی صداقت پر دلالت کرنے وَبِالزُّبُرِ اور صحیفے لائے جیسے شیث و ادریس و ابراہیم علیہم السلام۔

حلِ لغات زبر، زبود کی جمع ہے بمعنے مکتوب۔ زبرت الکتاب سے ہے بمعنے کتبتہ (میں نے اسے لکھا) مضبوطی سے لکھنا مراد ہے۔ اس لیے جو کتاب الطریق سے ہو اسے زبود سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ المفردات۔

وَبِالْکِتٰبِ الْمُنِیْرِ۝ اور وہ روشن کتاب لائے جو ان احکام و دلائل و مواعظ و امثال و وعد و وعید وغیرہ کو ظاہر کرتی جن کے وہ محتاج تھے جیسے تورات و زبور، لیکن اس سے تفصیل مراد ہے نہ کہ جمع۔ یعنی ان مذکورات میں بعض مکذبین کے پاس آئیں اور بعض ان کے دوسرے بعض کے پاس۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ یہ تمام ان سب کے پاس آئیں ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا پھر میں نے مختلف قسم کے عذابوں سے گرفت کی کافروں کی جو کفر پہ ڈٹ گئے اور اس پر مداومت کی۔ اسم موصول کو ضمیر کے قائم مقام لایا گیا ہے تاکہ ان کی مزید مذمت ہو اور معلوم ہو کہ ان کی گرفت کیوں ہوئی فَکَیْفَ کَانَ نَکِیْرِ۝ تو میرے انکار کا کیا معنیٰ، یعنی وہ میرے عذاب کا کیسے انکار کر سکتے ہیں۔ کشف الاسرار میں ہے کہ ان کا ناخوشی کا اظہار کیوں ہے جبکہ انہوں نے دیکھ لیا کہ سابقہ امم کا کیا حال ہوا۔

ف: ابن الشیخ نے فرمایا یہ استفہام تقریری ہے کیونکہ جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ پچھلے لوگ سخت عذاب میں مبتلا رہے ہے تو استفہام فرمایا تاکہ کفار کو نصیحت حاصل ہو اس میں اپنی تسلی کے ساتھ کفار کو دھمکی بھی دی ہے اور اپنی امت کو نصیحت بھی۔ کیونکہ سمجھدار وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے۔

۱ نیک بخت آنکسے بود کہ دلش
آنچہ نیکی در دست بپذیرد
۲ دیگران را چو پند دادہ شود
او ازاں پند بہرہ برگیرد

ترجمہ : (۱) نیک بخت وہ ہے کہ جس کا دل دوسروں سے نصیحت قبول کرے۔
(۲) دوسروں کو جب نصیحت کی جائے تو اس سے وہ بہت زیادہ حصّہ حاصل کرے۔

ف : آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ یہ تکذیب کوئی نئی نہیں ہے ان سے پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی۔ اور تسلی کی وجہ یہ ہُوئی کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم قریشِ مکہ کی باتوں سے محزون ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس حُزن سے روکا۔ چنانچہ فرمایا :

ولا تحزن علیھم الخ

اس کی وجہ یہ بھی کہ قریشِ مکہ ایمان و طاعت کے لیے مستعد نہیں تھے تو پھر ان سے اس کی توقع ایسے جیسے پتھروں سے جواہرات کی توقع کی جائے ؎

تواں پاک کردن ز زنگ آینہ
ولیکن نیاید ز سنگ آینہ

ترجمہ : آئینہ سے زنگ دُور کرنا آسان ہے لیکن پتھر کو آئینہ بنانا مشکل ہے۔

مسئلہ : اگرچہ نا امیدی ہو لیکن حق اور شرع کے لیے مغموم ہونے کا ثواب ضائع نہیں ہوتا۔

حکایت ایک بی بی حج کے لیے موقف میں تھی تو اسے حیض آگیا، اس نے افسوس سے آہ بھری اسے خواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا : غم نہ کھائیے میں کسی کا اجر ضائع نہیں کرتا میں نے تیری آہ کی وجہ سے تجھے ستر حج کا ثواب بخش دیا۔

ف : جس نبی علیہ السلام کو اُمت سے جتنی تکلیف پہنچے اتنا ہی اسے ثواب زیادہ نصیب ہوتا ہے۔ اگر کسی نبی علیہ السلام کو اُمت نے ستایا اور اس کی دعوت کو نہ مانا تب بھی اسے ثواب ملے گا۔ ایسے ہی ہر ولی کامل کا حال ہے کہ اسے بھی تبلیغ احکام پر جتنی تکلیف پہنچتی ہے اتنا ہی اسے ثواب نصیب ہوتا ہے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً
کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی اتارا تو ہم نے
فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا ۚ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ
اس سے پھل نکالے رنگ برنگ کیا اور پہاڑوں میں راستے ہیں سفید اور سرخ
مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ﴿٢٧﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْأَنْعَامِ
رنگ رنگ کے اور کچھ کالے بھجنگ اور آدمیوں اور جانوروں اور چوپایوں کے
مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَٰلِكَ ۗ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ
رنگ یونہی طرح طرح کے ہیں اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں بیشک اللہ بخشنے والا عزت
غَفُورٌ ﴿٢٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ
والا ہے بے شک وہ جو اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں اور نماز قائم رکھتے اور ہمارے دیئے سے کچھ ہماری
سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّن تَبُورَ ﴿٢٩﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم
راہ میں خرچ کرتے ہیں پوشیدہ اور ظاہر وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جس میں ہرگز ٹوٹا نہیں تاکہ ان کے ثواب انہیں
مِّن فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿٣٠﴾ وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ
بھرپور دے اور اپنے فضل سے اور زیادہ عطا کرے بیشک وہ بخشنے والا قدر فرمانے والا ہے اور وہ کتاب جو ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی
مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿٣١﴾ ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ
وہی حق ہے اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی ہوئی بیشک اللہ اپنے بندوں سے خبردار دیکھنے والا ہے پھر ہم نے کتاب کا وارث
الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۖ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ
کیا اپنے چنے ہوئے بندوں کو تو ان میں کوئی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے اور ان میں کوئی میانہ چال پر ہے اور ان میں کوئی
بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿٣٢﴾ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا يُحَلَّوْنَ
وہ ہے جو اللہ کے حکم سے بھلائیوں میں سبقت لے گیا یہی بڑا فضل ہے بسنے کے باغوں میں داخل ہوں گے وہ ان میں
فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِن ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ۖ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿٣٣﴾ وَقَالُوا الْحَمْدُ
سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور وہاں ان کی پوشاک ریشمی ہے اور کہیں گے سب خوبیاں
لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۖ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ ﴿٣٤﴾ الَّذِي أَحَلَّنَا دَارَ
اللہ کو جس نے ہمارا غم دور کیا بے شک ہمارا رب بخشنے والا قدر فرمانے والا ہے وہ جس نے ہمیں آرام کی جگہ
الْمُقَامَةِ مِن فَضْلِهِ لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ ﴿٣٥﴾ وَالَّذِينَ
اتارا اپنے فضل سے ہمیں اس میں نہ کوئی تکلیف پہنچے نہ ہمیں اس میں کوئی تکان لاحق ہو اور جنہوں نے

كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ

کفر کیا ان کے لیے جہنم کی آگ ہے نہ ان کی قضا آئے کہ مر جائیں اور نہ ان پر اس کا عذاب کچھ

عَذَابِهَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿٣٦﴾ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا

ہلکا کیا جائے ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں ہر بڑے ناشکرے کو اور وہ اس میں چلاتے ہوں گے اے ہمارے رب ہمیں

نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ

نکال کہ ہم اچھا کام کریں اس کے خلاف جو پہلے کرتے تھے اور کیا ہم نے تمہیں وہ عمر نہ دی تھی جس میں سمجھ لیتا جسے سمجھنا ہوتا

وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿٣٧﴾

اور ڈر سنانے والا تمہارے پاس تشریف لایا تھا تو اب چکھو کہ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں

تفسیر عالمانہ

اَلَمْ تَرَ استفہام تقریری ہے یہاں رُویت قلبی ہے۔ یعنی تمہیں معلوم ہے بیشک تُو اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یعنی اے وہ شخص جو اس خطاب کے لائق ہے اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و حکمت سے نازل کیا مِنَ السَّمَآءِ اوپر کی جانب سے، آسمان ہو یا بادل مَآءً پانی یعنی بارش فَاَخْرَجْنَا بِهٖ تو ہم نے پانی کے سبب سے نکالا یہ التفات از غیبت الی التکلم فعل اخراج کی اہمیت کے اظہار کی وجہ سے ہے اس لیے کہ یہ عجیب صفت ہے کہ اس نے کمال قدرت و حکمت سے پیدا فرمایا، اس لیے صیغہ جمع متکلم لایا گیا ہے تاکہ فعل کی ہیبت دلوں پر اثر کرے۔

ف: کاشفی مرحوم نے فرمایا التفات فعل کی تخصیص کی وجہ سے ہے یعنی ہم بہت بڑی قدرت کے مالک ہیں کہ زمین سے انگوری اگاتے ہیں ثَمَرٰتٍ ثمرہ کی جمع ہے درختوں سے پیدا شدہ کھانے کے میوے مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا یہ اثمار کا وصف سببی ہے یعنی ثمرات کے اجناس جیسے انار، سیب، انجیر، انگور وغیرہ یا ان کی قسمیں، کیونکہ ہر ثمر کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں۔ چنانچہ انگور کی پچاس اور کھجور کی سو سے زائد قسمیں ہیں یا اس کی مختلف ہیئات مراد ہیں جیسے زرد، سُرخ، سبز، سفید، سیاہ وغیرہ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ یہ خبر مبتدا ہیں۔

حلِ لغات الجدد جمع ہے جدہ کا (بالضم) کی۔ وہ راستہ جو اپنے قریب والے سے مختلف رنگ رکھتا ہو پہاڑ میں ہو یا اس کے غیر میں۔ الخطۃ گدھے کی پیٹھ کے مختلف رنگ کو کہتے ہیں۔ اور کبھی ہرنی میں دو خوشبو والے راستے ہوتے ہیں جو اس کی پیٹھ اور پیٹ کے رنگ کا فاصلہ بتاتے ہیں۔

ف: جبکہ یہ مبتدا سے پہلے مضاف محذوف ہے۔ یہ در اصل ذو جُدد تھا یعنی پہاڑوں کی وہ لکیریں اور راستے مختلف رنگ والے ہیں جو دوسرے پہاڑ میں نہیں گویا یہ معنیٰ پہاڑ کی طرف راجع ہے کہ اس کے مختلف

راستے ہیں اس لیے کہ بیض جدد کی صفت ہے اور حمر کا بیض پر عطف ہے۔ اس پر تینوں قرائن کو ملا کر حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کو بتایا، کیونکہ اس کا ماقبل ہے فاخرجنا به ثمرات مختلفا الوانها اور اس کا مابعد ہے ومن الناس والدواب والانعام مختلف الوانه - یعنی ان سب کے مختلف رنگ ہیں تو پھر ایسے قرینے کی ضرورت ہے جو ان کے درمیان واسطہ بنے۔ اسی لیے مضاف محذوف کرنا پڑا تاکہ وہ معنیٰ حاصل ہو جو ہم نے بیان کیا۔ اس تقریر کے قرائن ایک دوسرے کے مناسب ہو گئے۔ المفردات میں ہے جدد بمعنے طرائق ظاہرہ اہلِ عرب کہتے ہیں طریق مجدد و بمعنے مسلوک مقطوع یعنی وہ راستہ جس پر چل کر اسے طے کیا جاتا ہے اسی سے جادۃ الطریق ہے۔

ف : الجلالین میں ہے طرائق پہاڑوں میں ایسے ہوتے ہیں جیسے درختوں میں جڑیں ہوتی ہیں۔

بِیْضٌ ابیض کی جمع ہے یہ جدد کی صفت ہے **وَّحُمْرٌ** احمر کی جمع ہے۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ پہاڑوں میں چلنے والوں کے لیے راستے ظاہر ہیں ان میں بعض سپید ہیں اور بعض سُرخ۔ سپید اور سُرخ پہاڑوں میں صاحبِ کشف الاسرار نے جدد کو ان راستوں پر محمول کیا ہے جن پر چلتے ہیں۔ لیکن پہلا معنیٰ زیادہ موزوں ہے کیونکہ یہاں اس حالت کا بیان ہو رہا ہے جو شئے کی خلقی ہے۔ علاوہ ازیں یہ ضروری نہیں کہ وہ پہاڑ سپید ہوں تو اس کے طرائق بھی سپید ہوں کیونکہ طرائق تو جڑوں کی طرح ہیں اس لیے کبھی وہ پہاڑ کے رنگ سے مختلف ہوتی ہیں مثلاً بہت سے پہاڑ سپید ہوتے ہیں لیکن ان کے طرائق ان سے مختلف ہوتے ہیں کبھی اس کے موافق سپید بھی ہوں تو یہ اتفاقی بات ہے۔

مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا ان کے مختلف رنگ ہیں یعنی وہ طرائق سپید و سُرخ آپس میں شدۃ و ضعف میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور بیض و حمر اگرچہ جدد کی صفت ہیں لیکن مختلف الوانها میں سپید و سرخ ہر ایک صفت واقع ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ وہ ہر سرخ و سپید شدت و ضعف میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور بیض و حمر اگرچہ جُدد کی صفت ہیں اس لیے کہ بہت سے سپید اپنے دوسرے سے بہت زیادہ سپید ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہُوا کہ سپید آپس میں ایک دوسرے سے کم و بیش ہوتے ہیں ایسے ہی سرخ کو سمجھئے۔ اسی لیے لفظ الوان جمع کا صیغہ سپید و سرخ کی ضمیر کی طرف مضاف ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ یہ ہر ایک آپس میں ایک دوسرے کے لیے مشکک کلی ہوں گے۔

ف : ممکن ہے کہ یہ جدد کی تیسری صفت ہے اس معنیٰ پر الوانها کی ضمیر جدد کی طرف راجع ہو گی اس تقریر پر یہ بیض و حمر کی تاکید ہے جدد کے مختلف ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کے بعض سپید ہیں اور بعض سُرخ۔ اس اعتبار سے پہاڑوں کے راستوں کے کل دو رنگ ہوں گے سپید و سُرخ۔ انہیں جمع سے لانا محل وقوع متعدد ہونے کی وجہ سے ہے (حواشی ابن الشیخ)۔

ف: فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ جسے حج کے موقعہ پر دیارِ عرب کا سفر کرنا نصیب ہوا ہے اس نے طرائق کے مختلف الوان کا مشاہدہ کیا ہوگا۔

وَغَرَابِيبُ سُودٌ ۝ اس کا عطف جدد پر ہے اس معنیٰ پر جدد اور اس کی صفات قائمہ بیض و حمر کی تفاصیل میں داخل بلکہ اس کا قسیم ہوگا۔ گویا یوں کہا گیا کہ بعض پہاڑ مخطط ہیں اور بعض ذوجدد اور بعض ایک رنگ پر یعنی سیاہ ہیں آیت میں یا تو طرائق الجبال کے الوان ثمرات کے الوان کی طرح مختلف ہیں چنانچہ پہاڑوں کے راستوں کو دُور سے دیکھا جاتا ہے کہ ان کے بعض سفید ہیں بعض سیاہ بعض سرخ، اور خود پہاڑوں کا بھی رنگ مختلف ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر دلالت کرتا ہے (حواشی ابن الشیخ)

حلِ لغات غرابیب غربیب کی جمع ہے جیسے عفریت۔ اہلِ عرب کہتے ہیں: اسود غربیب بمعنے وہ سخت سیاہ جس میں کالے کوّے کی رنگت کی ملاوٹ ہو۔ ایسے ہی کہتے ہیں:

اسود حالک۔

ایسے ہی کہا جاتا ہے:

اصفر فاقع وابیض یقق (بفتحتین) واحمر قان خالص زرد اور بہت زیادہ سفید اور سرخ کو کہا جاتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

ان اللہ یبغض الشیخ الغربیب۔

(بے شک اللہ تعالیٰ بوڑھے کالے سیاہ پر غصہ کرتا ہے)

اس سواد سے سیاہ خضاب مراد ہے [1] (تفسیر القرطبی)

اور مقاصد حسنہ میں ہے کہ اس سے وہ شخص مراد ہے جو بڑھاپے سے متنفر ہے۔ اور سواد اسود کی جمع ہے۔

سوال: اگر غربیب اسود کی فاقع اصفر کی طرح تاکید ہے تو سود غرابیب کہنا چاہیے کیونکہ تاکید مؤکد کے بعد آتی ہے مؤکد سے کبھی مقدم نہیں ہوتی۔

جواب: غرابیب اسم مقدر کی تاکید ہے جس کی مابعد تفسیر کرتا ہے اصل عبارت سود غرابیب سود اس تقریر پر تاکید مؤکد سے مؤخر ہے۔ اضمار کے بعد اظہار میں مزید تاکید ہے کیونکہ تکرار میں مزید تاکید ہوتی ہے

---

[1] میرے دور ۱۴۰۴ھ میں بعض علماء صاحبان سیاہ خضاب کے جواز کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ خود بھی اس کا استعمال کرتے ہیں دوسروں کو بھی دعوت دیتے ہیں۔ فقیر نے اس مسئلہ میں کتاب لکھی ہے "کالا خضاب"۔ اویسی غفرلہٗ

یہ تقریر اس سے بہتر ہے جو کہا جاتا ہے کہ الغرابیب سے سود بدل ہے جیسے اکثر علماء نے کہا ہے یہاں تک کہ صاحبِ قاموس نے بھی یہی لکھا ہے کہ و اما غرابیب سود بدل۔ اس لیے کہ الوان کی تاکید مقدم نہیں ہوا کرتی۔

وَمِنَ النَّاسِ اور بعض لوگوں وَالدَّوَآبِّ اور جانوروں سے وَالْاَنْعَامِ اور چرندوں سے۔ یہ نعم (حرکات کے ساتھ) کبھی اس کی عین ساکن بھی پڑھی جاتی ہے۔ ان سے اونٹ، گائے، بھیڑ بکری مراد ہیں ان کے ماسوا یہ لفظ نہیں بولا جاتا اس معنیٰ پر خچر، گدھا، گھوڑا انعام میں داخل نہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان کے بعض وہ ہیں کہ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ ان کے رنگ مختلف ہیں کہ بعض سپید ہیں بعض سرخ اور بعض سیاہ۔ یہاں الوانہا نہیں کہا کیونکہ یہ ضمیر بعض کی طرف لوٹتی ہے جیسا کہ لفظ مِنْ سے معلوم ہوتا ہے کَذٰلِكَ یہاں کلام مکمل ہوا۔ یہ مصدر تشبیہی ہے مختلف کے لیے ہے۔ یہ مصدر کی صفت مؤکد ہے دراصل عبارت ہے مختلف اختلافا کائنا کذٰلک یعنی اختلاف ثمار و جبال کی طرح۔ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا بے شک اللہ تعالیٰ سے وہ بندے ڈرتے ہیں جو علماء ہیں کیونکہ جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کو نہیں جانتا کہ وہ اشیاء کو پیدا کرتا ہے اور نہ ہی اسے معلوم ہو کہ وہ ایک شے کو دوسری شے کی طرف پھیر سکتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو کس طرح جانتا ہے۔ الارشاد میں ہے کہ یہ آیت انما یخشی اللہ الخ انما تنذر الذین یخشون ربھم بالغیب کا تکملہ ہے کیونکہ انما تنذر الذین الخ مجمل تھی تو انما یخشی اللہ الخ اس کی تعیین ہے کہ اس سے مراد کون لوگ ہیں جبکہ اس سے پہلے طبقات کا اختلاف اور ان کے مراتب کا تباین بیان کیا گیا اوصافِ معنویہ کے لحاظ سے ہو تو طریق تمثیل ہے اوصافِ صوریہ کے لحاظ سے ہو تو بطریق تصریح ہے یعنی ہر ایک کو مکمل طور پر بیان کرنا مطلوب ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے غائبانہ وہ ڈرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں اور اس کے لائق صفات جلیلہ و افعالِ جمیلہ کے عالم ہیں کیونکہ خشیت کا مدار مخشی (جس سے ڈرا جائے) کی معرفت اور اس کی شانوں کے علم پر ہے یہی وجہ ہے کہ جو اس کو زیادہ جانتا ہے وہ اس سے زیادہ ڈرتا ہے۔

حدیث شریف نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
انا اخشاکم للہ واتقاکم لہ۔

(میں (بہ نسبت تمہارے) اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرتا ہوں اور تم سے زیادہ متقی ہوں)

اسی لیے اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ کے بعد ذکر فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ کفار اس معرفتِ الٰہی سے کوسوں دور ہیں اسی لیے انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرانا بے سود ہے۔

ف: مخشی (جس سے ڈرا جائے یعنی اللہ تعالیٰ) کو مقدم کرنا (حالانکہ وہ مفعول ہے) اختصاص اور فاعلیت کے حصر کے لیے ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے صرف علماء ہی ڈرتے ہیں اگر اس کے برعکس ہوتا تو معنیٰ

تبدیل ہو جاتا ہے جو مطلب کے خلاف ہے۔ پہلے کا معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے صرف علماء ہی ڈرتے ہیں اور دوسرے کا معنیٰ ہے کہ مخشی منہ (جس سے ڈرا جائے) صرف اللہ ہی ہے نہ کہ کوئی اور۔

قراۃِ ابی حنیفہ ابوحنیفہ و عمر بن عبدالعزیز و ابن سیرین نے اللہ کو مرفوع اور علماء کو منصوب پڑھا ہے خشیت اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا تعظیم کا استعارہ ہے اس لیے کہ معظم (جس کی تعظیم کی جائے) وہ ہے جس کی ہیبت دل پر چھائی ہوئی ہو۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ علماء کو اپنے بندوں میں سے معظم بناتا ہے جیسے تم میں دل پر ہیبت چھائے ہوئے بندے کی عظمت ہوتی ہے ایسے ہی علماء اللہ تعالیٰ کے نزدیک باعظمت و شرافت ہیں اگرچہ یہ قراۃ شاذہ ہے لیکن بہت ہی زیادہ مفید ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: الخشیۃ بمعنے اختیار۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں علماء کرام کو پسند فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ بیشک اس سے بدلہ لینے پر غالب ہے جو اس کے عذاب سے نہیں ڈرتا غَفُوْرٌ ۝ وہ ڈرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔ یہ وجوب خشیۃ کی تعلیل ہے جیسا کہ یہ معنیٰ دلالت کرتا ہے کہ طغیان پر اصرار کرنے والے کو سزا دینا اور تائب کو بخشنے والا ہے جس نے ثابت کیا ہے کہ اس کی صفت خشیّت ہے (جیسا کہ ابھی قراۃِ ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ میں گزرا)

خشیّت کی مزید تحقیق خشیّۃ بمعنے دل کا دکھ مستقبل میں ناگوار امر کے توقع سے جو کہ بندے کے کثرتِ جنایۃ سے ہوتا ہے اور کبھی محض اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور جلال سے ہوتا ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی خشیّت اسی دوسرے معنیٰ سے ہوتی ہے۔

سبق مومن پر لازم ہے کہ علم باللہ کے حصول میں جدوجہد کرے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ خشیۃ والا ہو اور اسی علم کے مراتب پر خوف و خشیتِ الٰہی نصیب ہوتی ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا گیا کہ ہم میں سے کون زیادہ عالم ہے؟ آپ نے فرمایا:

اخشاکم للہ سبحانہ وتعالیٰ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء۔

(جو تم سے خدا تعالیٰ سے زیادہ خشیت والا ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ سے علماء ہی ڈرتے ہیں)

پھر عرض کی گئی ہم میں سے کون افضل ہے؟ فرمایا:

من اذا ذکرت اللہ اعانک واذا نسیت ذکرک۔

(جب تمہارے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے اور وہ ذکر تمہاری اعانت کرے اور جب تم بھول جاؤ تو وہ تمہیں یاد دلائے)

پھر عرض کی گئی ہم میں شریر کون ہے؟ فرمایا:

الذی اذا ذکرت لم یعنك واذا نسیت لم یذکرك۔

(جو تمہارے سامنے اس کا ذکر ہو تو وہ تمہاری اعانت نہ کرے اور جب تم بھول جاؤ تو وہ یاد نہ دلائے)

پھر عرض کی گئی لوگوں میں شریر ترین کون ہے؟ فرمایا:

اللّٰھم اغفر للعلماء العالم اذا فسد فسد الناس۔

(اے اللہ علماء کو معاف کر دو کیونکہ عالم دین ٹیڑھا ہو تو تمام لوگ فساد کی لپیٹ میں آجاتے ہیں)
(تفسیر ابی اللیث)

علم چنداں کہ بیشتر خوانی
چوں عمل درتو نیست نادانی

ترجمہ: علم چاہے کتنا زیادہ ہی پڑھ لو اگر عمل نہ ہو تو نادان ہو۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں عالم و محقق اور خوف و خشیت میں صادق و مصدق بنائے (آمین)۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ کِتٰبَ اللّٰہِ بیشک وہ جو کتاب اللہ کی تلاوت پر مداومت کرتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ کیونکہ تلاوت عمل کے بغیر غیر مفید ہے۔

مسئلہ: تلاوۃ قرأۃ درس و تدریس اور اورادِ مقررہ سب کو شامل ہے۔

مسئلہ: بچوں کو پڑھانا اور ہجے کرنا قرأۃ میں شامل نہیں۔

مسئلہ: حائض اور نفاس والی اور جنب ہجا کر کے قرآن کے الفاظ پڑھ سکتے ہیں کیونکہ عرف میں ان کو قرآن پڑھنے والا نہیں کہا جاتا۔ یعنی ایک ایک دو دو حرف اور ایک ایک دو دو کلمات علیحدہ کر کے پڑھانا ہجا ہے۔

وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ اور آداب و شرائط کے ساتھ نماز ادا کی۔

سوال: پہلے مضارع اب ماضی، یہ کیوں؟

جواب: اشارہ ہے کہ تلاوت کا کوئی وقت مقرر نہیں اور نماز مقررہ وقت پر ادا کی جاتی ہے۔ ایسے ہی زکوٰۃ کا معاملہ ہے۔ چنانچہ اس میں بھی ماضی ہے۔ فرمایا وَاَنْفَقُوْا اور نیکیوں کے کام میں خرچ کیا یعنی غرباء و مساکین کی اعانت کی مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ اس میں سے جو ہم نے انہیں مال وغیرہ عطا کیا سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً پوشیدہ اور ظاہر۔ علانیہ سِرّ کی ضد ہے اس کا اکثر استعمال معانی میں ہوتا ہے اعیان میں نہیں۔ اہلِ عرب کہتے ہیں:

اعلنتہ فعلن (میں نے اسے ظاہر کیا تو ظاہر ہو گیا)

یعنی چھپ کر اور کھل کر خرچ کیا یا یہ مفعول مطلق ہے بمعنے انفاق سرّ و علانیہ یا بمعنے ذی سر و علانیہ ہے بمعنے مسرّین و معلنین۔ یعنی ان سے جیسے بن پڑتا ہے خرچ کرتے ہیں ارادہ سے اور بلا ارادہ۔

ف : کاشفی مرحوم نے لکھا کہ وہ پوشیدہ طور اس لیے خرچ کرتے ہیں کہ کہیں ریا، نہ ہو اور علانیہ طور اس لیے خرچ کرتے ہیں کہ دُوسروں کو صدقہ دینے کی رغبت ہو لیکن پہلا نوافل میں بہتر ہے اور دوسرا فرائض میں۔

ف : اس میں علم باطن وظاہر کی طرف اشارہ ہے اس میں خرچ کرنے والے کو ترغیب ہے کہ ہر وقت اور ہر آن خرچ کرنے میں لگا رہے۔

یَرْجُوْنَ ان کی خبر ہے تِجَارَۃً طاعت کے عوض ثواب حاصل کرنے کی اُمید رکھتے ہیں۔ تاجر وُہ ہے جو بیع و شرا کرتا ہو اس کا کام ہی تجارت ہے تجارت راس المال میں تصرف کرنا جس میں نفع کی طلب ہو۔

عجوبہ: کلامِ عرب میں تاء کے بعد جیم نہیں آتی سوائے لفظ تجارۃ کے۔

سوال : تجاہ عرب میں مستعمل ہے اس میں بھی تاء کے بعد جیم آئی ہے۔

جواب : یہ دراصل وجاہ تھا واؤ کو تاء سے تبدیل کیا گیا ہے۔

سوال : تجوب میں تاء کے بعد جیم ہے۔

جواب : یہ تاء مضارع کی ہے۔

(خلاصہ یہ کہ تاء و جیم اصلی "تجارۃ" کے سوا کسی لفظ میں یکجا واقع نہیں ہوئے)

لَنْ تَبُوْرَ ○ البوار بہت زیادہ گھاٹا۔ اس کا صیغہ فاعل بائر آتا ہے۔ چونکہ زیادہ گھاٹا ہلاکت و تباہی تک پہنچاتا ہے اسی لیے اسے ہلاک کے بجائے البوار کہا گیا ہے۔ جیسے خذوا الطریق ولو دارت (سیدھا راستہ چلو اگرچہ دُور کا ہو) وتزوجوا البکر ولو بارت (اور باکرہ سے نکاح کرو اگرچہ دکھ ہو) واسکنوا المدن ولو جارت (شہروں میں سکونت اختیار کرو اگرچہ ظلم سہنا پڑے) میں معنوی کی طرف اشارہ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ وہ تجارت ہرگز گھاٹے میں نہ ہوگی اور نہ ہی مطلقاً ان کو کوئی نقصان ہوگا بلکہ قیامت میں ان کے جملہ اعمال کو بہت زیادہ رواج اور ترقی ہوگی۔

ف : الارشاد میں ہے لن تبور تجارۃ کی صفت ہے اسے اس لیے لایا گیا ہے تاکہ یقین ہو کہ ان کا معاملہ عام تجارتوں جیسا نہیں کہ انھیں کبھی گھاٹا اور کبھی نفع لیکن یہ ایسی تجارت ہے کہ اس ہمیشہ نفع ہی نفع ہے اس لیے کہ دُنیوی مال فانی کو دے کر آخرت کا دائمی اجر حاصل کیا گیا ہے اور پھر انھیں ایسے کریم سے اس کے اجر کی امید ہے کہ اس جیسا کوئی کریم نہیں ہے اور پھر اس سے امید ایسی نہیں کہ پوری نہ ہو بلکہ اس سے امید کا پھل یقینی ہے۔

لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ توفیۃ بمعنے پورا دینا، اجو بمعنے ثواب العمل۔ یہ لن تبور کے متعلق ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ ایسے لوگوں کو گھاٹے اور نقصان کی بُو تک نہ پہنچے گی اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ایسا ہو کہ اس میں نیت خالص ہو۔ اور ایسے ہی ہر عمل میں جیسے تلاوت اور نماز کی ادائیگی وغیرہ۔ اسی لیے اس کا لن تبور پر وقف نہیں۔ وَيَزِيْدَهُمْ اور ان کو زیادہ ثواب دے گا مِنْ فَضْلِهٖ اپنے فضل و کرم سے اور خزائنِ رحمت سے جتنا چاہے دے گا کہ جس کا کسی کو وہم و گمان نہ ہوگا بلکہ سمجھیں گے کہ اس کے تو ہم حقدار بھی نہ تھے یہ اس کا لطف و کرم ہے کہ بے انداز اجر عطا فرمایا اور قیامت میں شفاعت کا اذنِ عام فرمانا بھی اسی کا لطف و کرم ہوگا تاکہ جو لوگ جہنم کے مستحق ہیں ان کی ان کے رشتہ دار شفاعت کر کے انہیں دوزخ سے بچالیں اِنَّهٗ غَفُوْرٌ یہ ماقبل کی تعلیل ہے یعنی وہ پورا اجر بلکہ اس سے بڑھ کر کیوں عطا فرماتا ہے اس لیے کہ اس کی شان یہ ہے کہ وہ غفور ہے کہ ان کی کوتاہیوں کو بخشتا ہے۔

ف : بحر العلوم میں ہے کہ اس کی شان یہ ہے کہ ان سے جتنی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں وہ انھیں چھپا دیتا ہے یہاں تک کہ ان کے دلوں سے ان کا تصور مٹا دیتا ہے اور ملائکہ کے دفتروں سے ختم کرا دیتا ہے۔

شَكُوْرٌ ○ ان کی طاعات پر ان کو جزا و ثواب بخشتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ غفور ہے کہ ان سے جو عبودیت میں کوتاہی ہوتی ہے وہ اسے بخش دیتا ہے اور شکور ہے کہ فضلِ ربوبیت کے ساتھ ان کی کوتاہی کے باوجود ان کے عمل کا ثواب دیتا ہے۔

اقسامِ شُکر

ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شکر تین قسم ہے :

(۱) کم درجے والا اونچے مرتبے والے کا شکر کرے طاعت کر کے اور اس کی مخالفت سے بچ کر۔

(۲) ہم مرتبہ کا شکر کہ اس کے احسان کا برابر طور احسان کر کے۔

(۳) اعلیٰ ادنیٰ کا شکر کرے کہ اس کے تھوڑے سے کام سے بہت بڑی خوشی اور رضا کا اظہار کرے۔

ف : اسی لیے بعض مشایخ نے فرمایا کہ شکور وہ ہے جو تھوڑے سے کام پر بہت بڑی خیر و بھلائی عطا فرمائے اور تھوڑے سے وقت میں عمل کرنے پر آخرت میں بے انتہا ثواب پہنچے جسے یقین ہو کہ وہ کریم شکور ہے کہ تو اس کی نعمت کے شکریہ کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے اور ہر وقت اس کی طاعت میں لگا رہے اور رحمت کا طلب گار رہے اور اس کی منت و احسان کا معترف ہو۔

ف : امام غزالی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ادائیگی میں احسن طریقہ یہ ہے کہ اس کے حکم کے خلاف کوئی کام نہ کرے بلکہ طاعات میں زندگی گزار دے۔

درد اور تھکان کا روحانی علاج اس اسم کی خاصیت یہ ہے کہ اسے ۱۴ بار لکھ کر پانی سے دھو کر پیئے اور چھینٹے مارے ۔ جو ضیق نفس اور جسم کی تھکان اور بوجھ محسوس کرتا ہو اللہ تعالیٰ کے حکم سے مذکورہ بالا عمل سے شفا نصیب ہوگی۔

ضُعفِ بصر کا علاج اگر ضعفِ بصر والا مذکورہ بالا طریقہ سے پانی کے چھینٹے آنکھ پر مارے تو (اِن شاء اللہ) شفا پائے گا۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِیٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ اور وہ جو ہم نے تمہاری طرف وحی کی۔ اس مراد قرآن مجید ہے ۔ مِن بیانیہ یا جنسیہ یا تبعیضیہ ہے هُوَ الْحَقُّ حق یعنی صدق ہے کہ اس میں کذب کا امکان ہے نہ شک کا مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ درانحالیکہ وہ اپنے سے پہلی کتب کی تصدیق کرنے والی ہے یعنی ان پہلی کتبِ سماویہ کے موافق ہے جو سابق انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوئی ہیں یعنی اس کے عقاید و اصول انہیں کے مطابق ہیں یہ حال مؤکدہ ہے یعنی میں اسے مصدق ثابت کرنے والا ہوں کیونکہ شے کی حقیقت تصدیق سے جدا نہیں ہوتی اِنَّ اللّٰہَ بِعِبَادِہٖ یہ لَخَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ○ کے متعلق ہے ۔ مقدم ہے بوجہ رعایت فاصلہ کے کہ پہلے جملے را پر ختم ہو رہے ہیں یہ بھی اسی طرح۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ظاہری باطنی امور سے باخبر اور دیکھنے والا ہے یعنی محیط ہے ۔ اگر بفرضِ محال آپ میں نبوت کے منافی احوال ہوتے تو آپ کے پاس ایسی وحی نہ بھیجی جاتی جو سراسر حق اور معجزہ ہے بلکہ دوسری کتبِ سماویہ سے فائق ہے اور اس کا صدق سب کو معلوم ہے ۔ خبر کی تقدیم میں تنبیہ ہے کہ اس میں عمدہ علم و احاطہ یعنی امورِ روحانیہ ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بندوں کو جو اہلِ سعادت و شقاوت ہیں لخبیر جانتا ہے کیونکہ وہ اس کے پیدا کردہ ہیں بصیر جو امور ان سے سرزد ہوتے ہیں اخلاق ہوں یا اعمال، ان کو دیکھتا ہے۔

ف : اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حقانیت جتلا کر اس کی تلاوت پر ثواب اور اس عمل پر اجر کثیر عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے اس لیے جو ان پڑھ ہے اسے تلاوتِ قرآن کا اجر نہیں ملے گا کیونکہ ان پڑھ نہیں بلکہ پڑھا ہوا ہی تلاوت کر سکتا ہے اسی لیے علم حاصل کرنا اور ہر وقت اس میں مشغول رہنا ضروری ہے ۔ حضرت مولانا جامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ؎

۱ چوں ز نفس و حدیثش آبے تنگ
بکلامِ قدیم کن آہنگ

۲ مصحفی جو چو شاہد مہوش
بوسہ زن در کنار خویشش کش

۳ حرف او کن حواس جسمانی
وقف او کن قوائے روحانی

۴ دل بمعنی زبان بلفظ سپار
چشم بر خط نه و نقط بگزار

ترجمہ: (۱) جب تم نفس اور اس کی باتوں سے تنگ آجاؤ تو کلامِ قدیم کی تلاوت کا ارادہ کرلو۔

(۲) محبوب چاند سے چہرہ والے کی طرح مصحف تلاش کرکے اسے بوسہ دے کر بغلوں میں دبا۔

(۳) اس کے حروف کو حواسِ جسمانی جیسا سمجھ اور اس کے وقف کو قوائے روحانی خیال کر۔

(۴) دل کو معانی میں اور زبان کو الفاظ میں مصروف رکھو، آنکھ خط و نقطہ پر چھوڑ۔

خدام القرآن کی شان قیامت میں مروی ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو نور کے گول منبر بچھائے جائیں گے جن کے نزدیک بہشت کی اونٹنی کھڑی کردی جائے گی اور اعلان ہوگا کہ کہاں ہیں خدام القرآن! آؤ ان منبروں پر بیٹھ جاؤ، آج تمہیں کوئی خوف و خطرہ نہیں۔ وہ منبروں پر بیٹھے رہیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے حساب سے فارغ ہوجائے گا۔ پھر محشر کے میدان میں لانے کے لیے قرآن کے خدام کو انہی اونٹنیوں پر بٹھا کر بہشت میں لایا جائے گا۔

درسِ قرآن کی فضیلت حدیث شریف میں ہے: "جب قیامت کا دن ہوگا تو طوق دار نورانی منبر بچھائے جائیں گے ہر ایک منبر کے قریب نورانی بہشتی اونٹنی ہوگی۔ ہر منبر کے قریب اعلان ہوگا کہ قرآن کے حاملین (خدام) کہاں ہیں وہ تشریف لاکر منبروں پر بیٹھیں آج انہیں نہ کوئی گھبراہٹ ہوگی نہ غم، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے حساب سے فارغ ہو۔ حساب سے فراغت کے بعد حکمِ الٰہی ہوگا کہ ان حاملینِ قرآن (خدام القرآن) کو ان نورانی اونٹنیوں پر سوار کرکے بہشت میں لے جاؤ۔"

حدیث شریف میں ہے: "اگر تم سعادت مندوں کا عیش اور شہداء کی موت اور یومِ حشر سے نجات اور قیامت کی گرمی اور گمراہی سے ہدایت چاہتے ہو تو قرآن کا درس دیا کرو۔ کیونکہ وہ رحمان کا کلام ہے اور میزان میں رجحان ہے۔"

مسئلہ: قنیہ میں ہے کہ جن اوقات میں نماز پڑھنا ممنوع ہے ان اوقات میں درود شریف اور دعا و تسبیح افضل ہے۔

مسئلہ: فجر کی نماز کے بعد طلوعِ شمس تک ذکرِ الٰہی وغیرہ مستحب ہے جیسا کہ صوفیہ کرام کی عادت ہے

اگرچہ اس وقت فوت شدہ نمازیں پڑھنا اور سجدۂ تلاوت اور صلوٰۃ جنازہ جائز ہیں لیکن نوافل اور منت کے نفل اور دو رکعت طواف اور وہ نوافل جو توڑ دے تو ان کی ادائیگی اس کی اپنی طرف سے ہے کیونکہ یہ نفل سے ملحق ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو تلاوتِ قرآن کو غنیمت سمجھتے ہیں اور اس کے لطف خطاب سے مشرف ہوئے اور انوار و اسرار سے واصل ہوئے۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ ترتیب و تاخیر کے لیے ہے یعنی بعد اس کے کہ ہم نے تمہاری طرف وحی کی اور بعد کتب اولین کے جیسے کہ اس کا ماقبل ان دونوں کو شامل ہے۔

ف : حضرت ثوری رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ ثُمَّ کا کس جملہ پر عطف ہے آپ نے فرمایا کہ اس کا عطف ارادۂ ازلی اور امر مقضی پر ہے یعنی بعد اس کے کہ ہم نے ازل میں ارادہ کیا اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ یعنی ہم اپنی عظمت کے ساتھ کتاب کے مکمل مالک ہیں یعنی ہم نے یہ ایسی کتاب عطا فرمائی کہ اس میں کسی قسم کا رجوع نہیں۔

حلِ لغات امام راغب نے فرمایا : الوراثۃ کینز کا کسی دوسرے کی طرف عقد کے بغیر منتقل ہونا اور نہ اس امر سے جو عقد کے قائم مقام ہوتا ہے ایسے ہی جو شے میت سے کسی کو ملے ایسے ہی وہ جو کسی کو بغیر تکلیف کے حاصل ہو۔ (اس کا مزید بیان آئے گا)

الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا موصول اپنے صلہ سے مل کر اورثنا کا دوسرا مفعول ہے۔ الاصطفاء بمعنے اچھی شے کو چن لینا۔ اور عبادنا کی اضافت تشریفیہ ہے اگرچہ آدم (علیہ السلام) کی اضافت حقیقی ہے کما فی کشف الاسرار۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ جنہیں ہم نے اپنے بندوں سے چن لیا۔ اس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اُمت مراد ہے کیونکہ جب یہ آیت اُتری تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بہت خوش ہوئے اور تین بار فرمایا ، ربِ کعبہ کی قسم ! اللہ تعالیٰ نے میری امت کو تمام امتوں سے ایسے برگزیدہ بنایا جیسے ان کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمام رسل کرام علیہم السلام پر اور اس کی کتاب کو تمام کتابوں پر۔

مسئلہ : یہ وارث بنانا قرآن مجید تمام کو حفظ کرنے کی خصوصیت نہیں بلکہ اس کا کوئی حصہ خواہ سورۂ فاتحہ ہو کیونکہ صحابہ کرام سب کے سب حافظِ قرآن نہ تھے۔ لیکن ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام کے تمام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ تھے۔ کذا فی المناسبات۔

ف : کاشفی نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے عطیۂ قرآن کو وراثت سے اس لیے تعبیر فرمایا کہ جس طرح وراثت کا مال انسان کو بغیر تکلیف اٹھائے حاصل ہوتا ہے ایسے ہی نعمتِ قرآن امت کو بغیر تکلیف کے حاصل ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے جو اسلام سے بیگانے ہیں اور دشمنانِ خدا ہیں وہ اس میراث سے محروم ہیں اور قرآن کے وارثین کے درجات مختلف ہیں کسی کو اس کے اسرار و رموز سے بہت وافر حصہ نصیب ہوا ، کسی کو

اس سے کم اور کسی کو بہت ہی کم - ع

زیں بزم یکے جرعہ طلب کرد یکے جام

(ترجمہ : اسی بزم سے بعض کو صرف ایک گھونٹ نصیب ہوا، بعض کو ایک جام)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں لفظ میراث اس لیے لایا گیا ہے کہ میراث میں صحت نسب یا صحت سبب بطریقہ مخصوص ضروری ہے اور یہاں سبب کو طاعت اور نسب فضل رب - اہلِ طاعت بہشتی ہیں - چنانچہ فرمایا :

اولٰئك هم الوارثون الذين يرثون الفردوس -

(یہی وہ ہیں جو فردوس کے وارث ہیں)

تو یہی بہشت کے وارث ہیں تو طاعت کے سبب سے، اور اصل سبب وراثت بیعت ہے جو بندوں اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوئی - جیسا کہ فرمایا :

ان الله اشترىٰ من المؤمنين انفسهم واموالهم بان لهم الجنة -

(بے شک اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان سے ان کے نفوس اور مال بہشت کے عوض میں خرید لیا ہے)

یہی وہ ہیں جنھوں نے نفوس و اموال کے ذریعے اطاعت کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اعمال کی جزا کے طور بہشت میں داخل فرمایا اور اہلِ الفضل صرف اہل اللہ ہیں اور ان سے فضل یہ ہوا کہ انہیں محبت و معرفت سے نوازا - چنانچہ فرمایا :

يحبهم ويحبونه -

(وہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اس سے محبت کرتے ہیں)

پھر چونکہ سبب کی وراثت صرف ایک ہے وہ ہے زوجیۃ اور وہ صرف ایک جنس ہے اور وراثت نسبی دو جنس ہیں :

(۱) اصول جیسے آباء و اُمہات

(۲) فروع، جیسے وہ جو اصول سے پیدا ہوں جیسے اولاد، اخوۃ، اخوات اور ان کی اولاد اور چچے اور ان کی اولاد - ان میں بعض عصبات بھی ہیں اور اصحاب الفرائض بھی - اس سے معلوم ہوا کہ مجموعۂ وارثین تین قسم ہیں :

۱ - اصحاب الفرائض بالسبب

۲ - اصحاب الفرائض بالنسب

۳ - اصحاب الباقی یعنی عصبات

ایسے ہی اس وراثت کی بھی تین اقسام ہیں۔ چنانچہ فرمایا فَمِنْهُمْ پس ان کے بعض ہیں جنہیں ہم نے برگزیدہ بنایا ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ کتاب اللہ پر عمل نہ کر کے اپنے نفوس پر ظلم کرتے ہیں۔ یہ وہ ہیں جن کا امر موقوف ہے، چاہے تو انہیں عذاب کرے چاہے تو بہ قبول کرے اس لیے کہ ضروری نہیں کہ تمام وارث کتاب اللہ کی پوری پاسداری کریں کیونکہ بعض اولاد نا اہل بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا:

فخلف من بعدھم خلف ورثوا الکتٰب یاخذون عرض ھذا الادنی و یقولون سیغفر لنا۔

(اپنے پیچھے ایسے نا اہل چھوڑے جو کتاب کے وارث ہو کر اس کے عوض یہی دنیا کا سامان لیتے اور کہتے ہمیں بخش دیا جائے گا)

سوال: کتاب کے وارث اور پھر ظالم، یہ وصف عجیب سا ہے۔

جواب: آدم علیہ السلام برگزیدۂ حق تھے۔ چنانچہ فرمایا:

ان اللہ اصطفیٰ آدم۔

(بیشک ہم نے آدم علیہ السلام کو برگزیدہ بنایا)

برگزیدہ ہو کر اعتراف کر رہے تھے:

ربنا ظلمنا انفسنا (الآیۃ)

حلِ اشکال حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ سے پوچھا گیا کہ کیا عارف باللہ سے بھی صدورِ عصیان ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وکان امر اللہ قدرا مقدورا۔

(اور ہے اللہ کا امر مقدر کیا ہوا)

یعنی اس پر حق پہلے سے ہی مقدر ہو چکا جس کا وقوع ضروری ہے۔

ظلم کی اقسام ظلم کی تین قسمیں ہیں،

(۱) بین الانسان و بین اللہ، ان سب سے بڑا ظلم شرک و کفر و نفاق ہے۔

(۲) ظلم آپس میں

(۳) اپنے آپ پر

یہاں یہی تیسری قسم مراد ہے۔ کما فی المفردات۔

ازالۂ وہم آیت میں ظلوا لہ کی تقدیم دلالت نہیں کرتی کہ یہ آنے والے اقسام سے افضل و اعلیٰ ہے۔ چنانچہ دوسری آیت میں:

فمنکم کافر و منکم مومن۔

(تم میں بعض کافر ہیں اور بعض مومن)

اس میں کافر کی تقدیم و افضلیت کی دلیل نہیں۔ کما فی الاسئلۃ المقحمہ۔

ف: بعض نے کہا کہ ظلم کی تقدیم اس لیے ہے کہ ظلم بمعنے فسق ہے اور فاسق بہ نسبت دوسروں کے زیادہ ہیں یا اس لیے کہ ظلم بمعنے جہل اور خواہشات نفسانیہ اور یہ دونوں انسان کی جبلی ہیں اور دوسری دو صفات (اقتصاد و سبق) عارضی ہیں۔

نکتہ: فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ظلم کی تقدیم اور سبق کی تاخیر اس لیے ہے کہ سابق بالخیرات کو عجب نہ ہو اور ظالم لنفسہ کو نا امیدی نہ ہو بلکہ ایسے کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پُر امید ہونا چاہیے ؎

نیاید از من آلودہ طاعت خالص

ولے برحمت و فضلت امیدواری ہست

ترجمہ: مجھ جیسے آلودۂ گناہ سے طاعت نہیں ہو سکی لیکن تیری رحمت اور فضل و کرم کا بہت زیادہ امیدوار ہوں۔

نکتہ: قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ علمِ میراث کا قانون ہے کہ تقسیم ترکہ میں سب سے پہلے اصحاب الفرائض کا حصہ نکالا جائے اگرچہ اس کا حصہ تھوڑا بھی ہو اسی لیے یہاں ظالم کا آغاز ہوا کہ وہ دوسری دو قسموں سے کم درجہ ہے۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ تقدیم ظالم از روئے فضلِ الٰہی اور اس کی تاخیر از روئے عدل و حق ہے اللہ تعالیٰ کو فضل عدل سے زیادہ محبوب ہے نیز تاخیر سابق بالخیرات اس لیے ہے کہ ثواب کے لحاظ سے دخولِ جناں کو قریب تر ہے یا بایں جہت کہ وہ اپنے عمل پر اعتماد نہ کرے اور نہ ہی اسے طاعت پر عجب ہو اس لیے کہ عجب ایک ایسی آگ ہے کہ طاعت کے ہزاروں خرمن ایک منٹ میں جلا کر رکھ دیتا ہے ؎

اے پسر عجب آتشے عجبست

گرم ساز تنور بو لہبست

ہر کجا شعلۂ از و افروخت

ہر چہ از علم و زہد دید بسوخت

ترجمہ: اے بیٹے! عُجب بہت بڑی آگ ہے یہ بولہبی تنور ہے، جہاں اس سے ایک شعلہ اٹھتا ہے وہاں علم و زُہد کو جلا کر رکھ دیتا ہے۔

وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ اور بعض ان میں وہ ہیں اکثر اوقات کتاب اللہ پر عمل کرتے ہیں یعنی درمیانہ راہ چلتے ہیں، نہ ظالمین سے ہیں نہ سابقین بالخیرات سے۔ الاقتصاد سے ہے بمعنے ہر کام میں میانہ روی۔

سوال : اقتصاد (از افتعال) تو فعل بہ تکلف پر استعمال ہوتا ہے نیکی میں تکلف کیسا ؟

جواب : ظلم کا ترک انسان کے لیے مشکل کام ہے ۔

وَمِنْهُمْ سَابِقٌ یہ سبق سے ہے بمعنے التقدم فی السیر لیکن بطور استعارہ فضیلت کو جمع کرنے کے لیے آتا ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ثواب وجنت ورحمت میں آگے بڑھنے والے ہیں **بِالْخَيْرَاتِ** اعمالِ صالحہ کے ساتھ تعلیم وارشاد الی العلم والعمل کو ملا کر ۔ الخیر وُہ شے جس میں ہر ایک کو رغبت ہو جیسے عقل وعدل وفضل اور شئے نافع ، اس کی نقیض شر ہے ۔

بعض اکابر نے فرمایا کہ خیر دو قسم کی ہے :

اقسامِ خیر (۱) کارِ خیر کو عمل میں لا کر شئے کو حاصل کرنا ۔

(۲) محض فضلِ رب سے تواتر جذبات سے سیر باللہ سیر الی اللہ میں ظالم ومقتصد سے آگے بڑھ جانا ۔ اگرچہ یہ ذکر میں ان دونوں کے بعد ہے جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اعلیٰ کا حال ہے کہ آپ جملہ رسل کرام علیہم السلام کے بعد تشریف لائے لیکن سب سے افضل ہیں ۔ یہی وجہ ہے آپ شبِ معراج بارگاہِ رب العزت میں تمام انبیاء علیہم السلام سے سبقت لے گئے ۔ جیسے آپ نے خود فرمایا اور آپ کی امت تمام امتوں سے آگے بڑھ گئی ۔ جیسا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

نحن الآخرون السابقون ۔

یعنی عالم صورت میں ہم سب سے آخر میں ہیں لیکن عالمِ حقیقت میں ہم سب سے پہلے پہنچیں گے ۔

نکتہ : حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آیت میں ظالم لنفسہ سے شروع کرنے میں اشارہ ہے کہ اس کا تقرب محض اس کے فضل سے نصیب ہوتا ہے ورنہ ظلم کے ہوتے ہوئے برگزیدگی کیسی ۔ اس کے بعد مقتصد فرمایا ۔ اس میں اشارہ ہے کہ برگزیدہ وُہ ہیں جو خوف ورجاء کے درمیان رہتے ہیں مضمون کو سابق بالخیرات پر ختم کرنے میں اشارہ ہے کہ کسی کو اس کی گرفت سے بے خوف نہیں رہنا چاہیے ۔ اور یہ سب کے سب بہشت میں جائیں گے تو کلمۂ اخلاص کی برکت سے اور بس ۔

حدیث شریف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر بیٹھ کر فرما رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

سابقنا سابق ومقتصدنا ناج وظالمنا مغفور لہ ۔

(ہمارے سابق سابق اور ہمارے مقتصد ناجی اور ہمارے ظالم بخشے ہوئے ہیں)

نکتہ : حضرت ابوبکر بن الوراق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کے مراتب کی وجہ سے اسی ترتیب سے مذکور ہوئے اس لیے کہ انسان کے احوال تین ہیں :

۱ ۔ معصیت ۲ ۔ غفلت ۳ ۔ توبہ

آخر میں قرابت نصیب ہوتی ہے جب گناہ کرتا ہے تو ظالمین کی دہلیز پر قدم رکھتا ہے جب توبہ کرتا ہے تو مقتصدین میں شمار ہوتا ہے جب توبہ قبول ہوتی ہے اور وہ کثرت عبادت و مجاہدہ میں معروف ہوتا ہے تو سابقین کی جماعت میں داخل ہوتا ہے۔

ف : سابق دو قسم ہے ،

(۱) پیدائش عیش موت میں سابق

(۲) پیدائش میں سابق لیکن عیش میں ظالم اور موت میں سابق۔

ان دونوں پر ظالم کا اطلاق عارضی ہے کیونکہ پیدائش میں بھی سابق تو مرے بھی سابق تو پھر درمیانی حالت ظالم عارضی ہے بلکہ عبرت تو اس حالت کی ہے جو ازلی و ابدی ہو برزخی حالت کا کوئی اعتبار نہیں اور وہ جو ظالم پیدا ہوا اور ظالم ہو کر زندگی گزاری اور ظالم ہو کر مرا تو وہ کبیرہ کا مرتکب ہوا۔ ایسے لوگوں کے لیے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :

شفاعتی لاھل الکبائر من امتی۔

(میری شفاعت میری اُمت کے اہلِ کبائر کو نصیب ہوگی)

اس تقریر پر مقتصد وہ ہے جو توبہ کر کے مرے اور سابق وہ ہے جو طاعت میں زندگی بسر کرے اور طاعت میں مرے۔ یا سابق وہ ہے جس کی نیکیاں زیادہ ہوں کہ وہ نیکیاں اس کی برائیوں کا کفارہ بن جائیں۔

حدیث شریف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان گرامی :

اما الذین سبقوا فاولٰئک یدخلون الجنۃ یرزقون فیھا بغیر حساب۔

(وہ لوگ جن کی نیکیاں زیادہ ہوں گی وہ بہشت میں داخل ہوں گے اور اس میں انھیں بے حساب رزق دیا جائے گا)

کا یہی مطلب ہے۔ اور مقتصد وہ ہیں جن کا حساب آسان ہو۔ اور ظالم وہ ہیں جن کا حساب قیامت میں طویل تو ہو لیکن بالآخر انہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے بخش دے۔

تینوں مراتب کے مراتب ان تینوں (ظالم ، مقتصد ، سابق) کے متعلق بہت تقریریں ہیں ، ہم چند ایک یہاں بیان کرتے ہیں :

(۱) ظالم لنفسہ سے وہ شخص مراد ہے جو قرآن مجید پڑھتا ہے لیکن سمجھتا کچھ نہیں۔

مقتصد وہ ہے جو پڑھتا بھی ہے اور اسے سمجھتا بھی ہے۔ سابق وہ ہے جو پڑھتا ہے سمجھتا ہے اور اس کی تعلیم عام کرتا ہے۔

(۲) ظالم وہ ہے جو مال کا غنی ہے۔

مقتصد وہ ہے جو دین کا غنی ہے اور سابق وہ ہے جو اپنے رب کے قُرب کا غنی ہے۔

(۳) ظالم وُہ ہے جو نماز کے لیے مسجد میں اس وقت حاضر ہو جب نماز کھڑی ہو جائے۔

مقتصد وُہ ہے جو مسجد میں اذان کے وقت حاضر ہو، سابق وہ ہے جو اذان سے پہلے نماز کیلئے پہنچ جائے۔ پہلا اس لیے ظالم ہے کہ اس نے اجر میں کمی کی (یہ اس کے لیے ہے جو سنتیں پڑھ کر نہ آئے بلکہ غفلت سے وقت گزار دے)

(۴) ظالم وُہ ہے جو غفلت و عادۃ پر عبادت کرے۔

مقتصد وہ ہے جو رغبت و رہبت سے عبادت میں مصروف ہو۔ سابق وہ ہے جو ہیبتِ الٰہی سے عبادت کرے۔

(۵) ظالم وُہ ہے جسے معاش آخرت کے امور سے غافل کر دے۔

مقتصد وُہ ہے جس کی معاش و معاد دونوں برابر ہوں۔ سابق وہ ہے جس کی معاد معاش پہ غالب ہو۔

(۶) ظالم وُہ ہے جو گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے لیکن انہیں حلال نہیں سمجھتا اور نہ ہی ان کی تحریم کا انکار کرتا ہے۔

مقتصد وُہ ہے جو فرائض و واجبات پر اکتفا کرتا ہے نوافل و مستحبات عمل میں نہیں لاتا۔ سابق وہ ہے جو معاصی سے بچ کر طاعت بکثرت کرتا ہے۔

(۷) ظالم وہ ہے جو عذاب و عقاب کے بعد نجات پاتا ہے۔

مقتصد وُہ ہے جو عتاب کے بعد نجات پائے۔ سابق وُہ ہے جو قُربِ الٰہی کے ساتھ نجات حاصل کرتا ہے۔

(۸) ظالم حرام کا تارک، مقتصد شبہات کا تارک، سابق زاید امور کا تارک۔

(۹) ظالم وہ ہے جس کی بُرائیاں زیادہ ہوں۔

مقتصد وُہ ہے جس کی نیکی اور بُرائیاں برابر ہوں۔ سابق وُہ ہے جس کی نیکیاں غالب ہوں۔

(۱۰) ظالم وُہ ہے جس کا ظاہر باطن سے بہتر ہو۔

مقتصد وُہ ہے جس کا ظاہر و باطن برابر ہوں۔ سابق وُہ ہے جس کا باطن ظاہر سے بہتر ہو۔

(۱۱) ظالم لنفسہٖ وُہ ہے جو فتح مکّہ کے بعد ایمان لایا۔

مقتصد وہ ہے جو فتح مکّہ سے پہلے ایمان لایا۔ سابق وہ ہے جس نے فتح مکّہ سے پہلے ایمان لا کر ہجرت کی۔

(۱۲) ظالم سے بدوی مراد ہیں کیونکہ یہ لوگ عموماً جہاد سے محروم رہتے ہیں اور جماعت سے بھی۔

مقتصد سے شہری مراد ہیں جبکہ یہ جمعہ و جماعات میں شامل ہوتے رہتے ہیں۔ سابق سے مجاہد فی سبیل اللہ مراد ہیں۔

(۱۳) ظالم وہ ہے جو حلال و حرام کی تمیز نہ کرے۔
مقتصد وہ ہے جو حلال کمائی سے کھائے۔ سابق سے تارکِ دنیا مراد ہے کیونکہ وُہ سمجھتا ہے کہ اس کی حلال کی کمائی کا حساب ہے اور حرام پر سزا (پھر دنیا کا کیا فائدہ!)

(۱۴) ظالم وہ ہے جو ضرورت سے زیادہ کا طالب ہے۔
مقتصد وُہ ہے جو کفایت شعار ہو۔ سابق وہ ہے جو صرف اللہ پر بھروسا رکھتا ہے اور پھر ہر وقت عبادت میں مصروف رہتا ہے۔

(۱۵) ظالم وہ ہے جو شفاعت سے نجات پائے۔
مقتصد وُہ ہے جو اپنے اعمال صالحہ کی وجہ سے بخشا جائے۔ سابق وہ ہے جو خود بھی اپنی نیکی سے نجات پائے اور دوسروں کی شفاعت کر کے بہشت میں لے جائے۔

(۱۶) ظالم وُہ ہے جو شہوت و معصیت میں زندگی ضائع کرے۔
مقتصد وُہ ہے جو ان دونوں سے زندگی بھر لڑتا رہے۔ سابق وہ ہے جو غلط کاری سے لڑائی رکھے اس لیے کہ صدیقین کی غلط کاریوں سے اور زاہدین کی شہوات سے اور تائبین کی تباہ کاریوں سے جنگ ہے۔

(۱۷) ظالم وُہ ہے جو دُنیا کو ذخیرہ اندوزی کے لیے حاصل کرتا ہے۔
مقتصد وُہ ہے جو دنیا سے لذت حاصل کرنے کے لیے کماتا ہے اور سابق وُہ ہے جو اسے زاہد بن کر ہاتھ بھی نہیں لگاتا۔

(۱۸) ظالم سے مراد وہ انسان ہے جو ایسے امر کا طالب ہو جس کا اسے حکم نہیں۔ مثلاً رزق (کہ اس کی طلب کا حکم نہیں لیکن ۹۹ فیصد انسان اس کی طلب میں حیران و سرگردان ہیں)
مقتصد وُہ ہے جو مامور بہ و غیر مامور بہ ہر دو کا طالب ہے۔ سابق وُہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا و محبت کا طالب ہے۔

(۱۹) کبائر کا مرتکب ظالم ہے، صغائر کا مرتکب مقتصد ہے۔ دونوں سے بچنے والا سابق ہے۔ اس کا قائل امر کو شدید ترین معنیٰ میں لے گیا ہے۔

(۲۰) ظالم وُہ ہے جو غیر کے عیوب کے درپے ہے لیکن اپنی اصلاح نہیں کرتا۔
مقتصد وہ ہے جو دوسرے کے عیوب کے درپے ہوتا ہے لیکن اپنی اصلاح بھی کرتا ہے۔ سابق وہ ہے جو اپنے عیوب کے درپے ہو کر دوسروں کی اصلاح میں لگا رہتا ہے یا وُہ اپنے عیوب کے درپے ہوتا ہے لیکن اسے دوسروں کے متعلق کچھ خبر نہیں ہوتی۔

(۲۱) ظالم جاہل ہے، مقتصد متعلم ہے، سابق عالم ہے۔

(۲۲) ظالم وہ ہے جو انصاف لیتا ہے دیتا نہیں۔ مقتصد وہ ہے جو لیتا بھی ہے دیتا بھی ہے۔ سابق وہ ہے جو دیتا ہے لیکن لیتا نہیں۔

(۲۳) ظالم سے طالبِ نجات، مقتصد سے طالبِ درجات اور سابق سے طالب مناجات مراد ہے۔

(۲۴) ظالم وہ ہے جو از خود اپنے آپ کو دیکھتا ہے۔ مقتصد وہ ہے جو از خود آخرت کو دیکھتا ہے سابق وہ ہے جو از حق حق کو دیکھتا ہے۔

(۲۵) ظالم وہ ہے جو ہمیشہ خوابِ غفلت میں رہتا ہے۔ مقتصد وہ ہے جو کبھی بیدار رہتا ہے۔ سابق وہ ہے جو ہمیشہ بیدار ہے۔

(۲۶) زاہد ظالم ہے اس لیے کہ اس نے دنیوی لذات ترک کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے۔ عارف مقتصد ہے اور سابق محب (عاشق باللہ) ہے۔

(۲۷) ظالم ہے وہ جو بلا کے وقت جزع فزع کرتا ہے اور مقتصد وہ ہے جو بلا کے وقت صبر کرتا ہے اور سابق وہ ہے جو بلا سے لذت پاتا ہے۔

(۲۸) ظالم ہے وہ جو دنیا کی طرف مائل ہے۔ مقتصد وہ ہے جو عقبیٰ کی جانب مائل ہے۔ سابق وہ ہے جو اپنے مولا کی طرف مائل ہے ؎

نعیم ہر دو جہاں میکنند بر ما عرض
دل از میانہ تمنا ندارد الا دوست

ترجمہ: دونوں جہان کی نعمتیں ہمارے سامنے رکھ دیں لیکن ہمارا دل سوائے دوست کے اور کوئی آرزو نہیں رکھتا۔

(۲۹) ظالم ہے وہ جس نے صرف نفس قربان کیا۔ مقتصد وہ ہے جس نے قلب قربان کیا۔ سابق وہ ہے جس نے روح فدا کیا۔

(۳۰) ظالم ہے وہ جسے علم الیقین ہے۔ مقتصد وہ ہے جسے عین الیقین ہے۔ سابق وہ ہے جسے حق الیقین ہے۔

(۳۱) ظالم ہے وہ جو اللہ تعالیٰ کو اپنے نفس کے لیے دوست رکھتا ہے۔ مقتصد وہ ہے جو اسے اس کے لیے دوست رکھتا ہے۔ سابق وہ ہے جو مراد حق پر اپنی مراد ختم کر ڈالے یہاں تک کہ اپنے نفس میں طلب کا وجود مٹا دے بلکہ غلبۂ سلطان حق کی وجہ سے مراد کا وجود بھی باقی نہ رکھے۔

(۳۲) ظالم وہ ہے جو آخرت کو ہفتہ میں یوم جمعہ تک انتظار کرتا ہے۔ مقتصد وہ ہے جو صرف ایک یوم کی مقدار، اور سابق وہ ہے جو ہر وقت آنکھوں کے سامنے دیکھتا ہے۔

(۴۳) ظالم وہ ہے جو میدانِ علم میں ہے۔ مقتصد وہ ہے جو معرفت کے میدان میں ہے۔ سابق ہے وہ جو میدانِ وجد میں ہے۔

(۴۴) ظالم سے سالک، مقتصد سے مجذوب، سابق سے مجذوب سالک مراد ہے کیونکہ سالک خود بخود قریب ہونے والا ہے اور مجذوب حقیقی مقرب ہے اور سالک مجذوب کمالاتِ قرب میں غوطہ زن ہو کر اپنے نفس سے فانی اور اپنے رب کے ساتھ باقی ہے۔

(۴۵) ظالم ہے وہ جو امیدوں کے ڈنڈوں سے مار کھائے ہوئے اور حرص کی تلوار سے قتل کیا ہوا اور بابِ رجاء پر لٹایا ہوا ہے۔ مقتصد وہ ہے جو حسرت کے ڈنڈے کھائے ہوئے اور ندامت کی تلوار سے مقتول اور کرم کے دروازے پر لٹایا ہوا ہے۔ سابق وہ ہے جو محبت کے ڈنڈے کھائے ہوئے اور شوق کی تلوار سے قتل کیا ہوا اور ہیبت کے دروازے پر لٹایا ہوا ہے ؎

۱ اگر عاشقی خواہی آموختن
بکشتن فرج یابی از سوختن

۲ مکن گریہ بر گور مقتول دوست
قل الحمد للہ کہ مقبول اوست

ترجمہ: (۱) اگر عاشقی سیکھنا چاہتا ہے تو فرج کو ذبح کر لے۔ عشق کا جلنا نصیب ہوگا۔

(۲) لیکن مقتول دوست پر آنسو نہ بہاؤ بلکہ الحمد للہ کہو کیونکہ وہ مقبول دوست ہے۔

ف: جملہ اقوال میں عام مومنین ہی مراد ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس نے ظالم لنفسہ سے آدم علیہ السلام اور مقتصد سے ابراہیم علیہ السلام اور سابق سے حضور سید الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد لی ہے اس نے درست نہیں کیا۔ پہلے عام مومنین مراد لے کر بعد میں یہ حضرات مراد لیے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس آیت سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مراد ہے اور وہ حضرات پیغمبر ہیں۔ ہاں ضمائر مومن کی طرف راجع ہوں تو پھر ضمناً یہ حضرات مراد لیے جا سکتے ہیں۔

سوال: کیا یہ کہنا جائز ہے کہ آدم علیہ السلام ظالم لنفسہ تھے؟

جواب: چونکہ انہوں نے اپنے لیے ربنا ظلمنا الخ کہہ کر خود اعتراف فرمایا تو پھر انہیں ظالم لنفسہ فرمایا ہے۔ اگرچہ بتاویل اس کا اطلاق جائز ہے لیکن ادب کے خلاف ہے۔

با ادب باش امام راغب نے فرمایا کہ الظلم بمعنے حق سے متجاوز ہونا جو کہ دائرہ کے لیے بمنزلہ نقطہ کے ہے وہ تجاوز قلیل ہو یا کثیر، اسی لیے اس کا اطلاق گناہِ صغیرہ و کبیرہ دونوں پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

آدم علیہ السلام نے بھی اپنے تجاوز کے متعلق اپنے آپ کو ظالم کہا تو شیطان کو بھی اللہ تعالیٰ نے ظالم کہا لیکن ان دونوں کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔

بِاِذۡنِ اللّٰہِ صاحبِ کشف الاسرار نے اسے تینوں کے متعلق کیا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ظالم کا ظلم اور مقتصد کا قصد اور سابق کی سبقت علم الٰہی اور اس کے ارادہ پر ہے۔ لیکن بہت بڑے اور بزرگ مفسرین نے فرمایا کہ اس کا تعلق سابق سے ہے۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ یہ سب کچھ اس کی تیسیر و توفیق و تمکین پر ہے کہ خیر و بھلائی اسی سے ہے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ یہ وہ مرتبہ ہے کہ قسمت والے کو نصیب ہوتا ہے جو بہت مشکل سے حاصل ہوتا ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ امام قشیری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ظالم! اپنا سر اٹھا اس لیے کہ اگرچہ تو نے ظلم کیا لیکن وہ ظلم تیرے اپنے نفس کی شامت سے ہے اور اے سابق اپنا سر جھکا دے اس لیے کہ اگرچہ تو نے میدان جیت لیا لیکن اس میں تیری قوت و طاقت کو کوئی دخل نہیں تجھے جو کچھ ملا محض میرا فضل اور توفیق ہے اور بس۔

تفسیرِ عالمانہ ذٰلِكَ وہ سبقت بالخیرات هُوَ الۡفَضۡلُ الۡكَبِيۡرُ ۝ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے جسے سوائے اس کے فضل و کرم اور توفیق کے حاصل نہیں ہوتا یا اس سے ایراث و اختیار مراد ہے لیکن اس میں امت کے تمام مومن داخل ہوں گے۔

نکتہ: اسے فضلِ کبیر اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ قرآن افضل الکتب اور امت بھی افضل الامم السابقہ ہے اسی لئے حق بحقدار رسید کے لحاظ سے افضل افضل کو نصیب ہوا۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ظالم کو سابق کے صدقے سے ایراث و اصطفاء و دخول الجنۃ میں اس کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اس میں حکمت دقیقہ یہ ہے کہ اس کا فضل عظیم بھی ظالم کو نصیب ہوگا تو وہ بھی سابق کے صدقے۔

تفسیرِ عالمانہ جَنّٰتُ عَدۡنٍ اہلِ عرب کہتے ہیں، عدن بمکان کذا بمعنے استقر یعنی وہ فلاں مکان میں ٹھہرا۔ اسی سے المعدن ہے بمعنے جواہر کی قرارگاہ (المفردات) یعنی وہ باغات استقرار و ثبات و اقامت کے لیے ہیں وہاں کوچ کر جانے کا کوئی سبب اور علت نہ ہوگی۔ یہ الفضل الکبیر سے بدل ہے اور سبب کو مسبّب کے قائم مقام لایا گیا ہے۔ جنات عدن مبتدا اور اس کی خبر يَدۡخُلُوۡنَهَا جمع کی ضمیر اس لیے ہے کہ سابق سے جنس مراد ہے۔

سوال: تم نے صرف سابقین کیوں مراد لیے حالانکہ اگرچہ ان کا ذکر نہیں لیکن ترک کا بھی قرینہ نہیں تو سابقین کی تخصیص کیوں؟

جواب: تاکہ ان کو اپنی کوتاہی کا احساس ہو اور وہ اپنی کمی پوری کرنے کی سعی کریں۔

(۳۶) بعض نے کہا کہ اصحابِ ثلاثہ سے کافر، منافق، مومن مراد ہیں یا اصحاب المشأمہ و اصحاب المیمنہ اور السابقون الاوّلون سے جو بھی مراد ہوں۔

(۳۷) منافقین، احسان کی متابعت کرنے والے اور اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔

(۳۸) وہ جو عمل نامہ پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا اور وہ جو دائیں یا تھ میں دیا جائے گا۔

ف: ان اقوال پہ ظالم جنت میں داخل نہ ہوگا کیونکہ وہ مؤمن نہیں۔

سوال: آیت میں اصطفا کا لفظ اس کا رد کرتا ہے کہ غیر مومن برگزیدہ کیوں؟

جواب: یہاں تخلیقی اصطفاء مراد ہوگا۔ اور ان کے ہاں رسل علیہم السلام تشریف لائے اور کتابیں بھی نازل ہوئیں۔ یہ بھی ان کے لیے اصطفاء ہے۔ لیکن پہلے اقوال صحیح تر ہیں اس لیے کہ یہ اکثر اہلِ علم کا مذہب ہے (کشف الاسرار)

چنانچہ ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیت میں اصنافِ ثلاثہ سے اہلِ ایمان مراد ہیں۔ ثم اورثنا الکتٰب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی تینوں کتاب (قرآن مجید) دی گئی ہے ایسے ہی یدخلونہا بھی اسی معنیٰ کی تائید کرتا ہے اس لیے کہ اگر صرف دو (مقتصد، سابق) مراد ہوتے تو یدخلانہا فرماتا۔

یہودیانہ سازش

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ آپ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں موجود تھے تو پھر آپ کے ہاں حاضر ہوکر اسلام قبول کیوں نہ کیا؟ کعب احبار رضی اللہ عنہ نے عجیب انکشاف فرمایا۔ وہ یہ کہ میرے والد صاحب مجھے تورات پڑھنے کا حکم فرماتے لیکن اس میں سے چند اوراق پڑھنے کی مجھے اجازت نہ تھی۔ ایک دن میرے والد صاحب کہیں چلے گئے تو میں نے وہی ممنوعہ اوراق کھولے تو ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اُمت کے بارے میں بہت تعریف لکھی تھی کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ امتِ محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تین حصے بنائے گا، ایک کو حساب کے بغیر بخشے گا، دوسرے کو آسان حساب کے بعد داخلِ بہشت فرمائے گا، تیسرے کو ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کی شفاعت سے بخشے گا۔ یہ مضمون دیکھ کر میں نے اسلام قبول کیا اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ مجھے پہلے حصے میں بنا دے اگر اس کا اہل نہ ہوں گا تو دوسرے سے ورنہ تیسرے سے تو محروم نہ ہو جاؤں۔

اس کے بعد میں نے اس کی تائید قرآن مجید میں پائی۔ چنانچہ فرمایا:

ثم اورثنا الکتٰب ۔ الی ان قال یدخلونہا۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے جب اللہ تعالیٰ نے ان تینوں قسموں کا ذکر فرمایا اور پھر جنت اور اس کی نعمت اور زینت کے بعد صیغۂ جمع سے بیان فرمایا تاکہ اس کی کثرت کی طرف اشارہ ہو۔ چنانچہ فرمایا **جنّٰت عدن** (الآیۃ) اس میں تنبیہ ہے کہ بہشت کا داخلہ کسی استحقاق پر نہیں بلکہ اس کا فضل و کرم ہے۔ پھر جنت کی نعمت بھی مختلف مراتب پر ہوگی اور وہ بھی اس

کا فضل ہوگا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے :

ان من اهل الجنة من يرى الله سبحانه فى كل جمعة بمقدار ايام الدنيا مرة ومنهم من يراه فى كل يوم مرة ومنهم من هو غير محجوب عنه لحظة ۔

(قیامت میں بعض لوگ ہر جمعہ سارا دن اللہ تعالیٰ کی زیارت کرتے رہیں گے وہاں ایک دن ساری دنیا کے ایام کے برابر ہوگا اور بعض کو روزانہ زیارت ہوگی اور بعض کو لمحہ بھر بھی اللہ تعالیٰ محجوب نہ ہوگا)

تفسیر عالمانہ یُحَلَّوْنَ تحلیۃ سے ہے بمعنے زیور پہنانا یعنی قیامت میں ان کو سنگار نے آراستہ کرنے پر انھیں زیور پہنائے جائیں گے ہاں وہاں عورتوں اور مردوں میں کوئی فرق نہ ہوگا یعنی قیامت میں ان سب کو زیور پہنائے جائیں گے فِیْھَا بہشتوں میں ۔ ھا کی ضمیر جنّات کی طرف راجع ہے مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَھَبٍ سونے کے کنگن ۔ پہلا مِن تبعیضہ ہے اور دوسرا بیانیہ ۔ اساور، أسورة کی اور وہ سوار کی جمع ہے بروزن کتاب وغراب ۔ یہ دستوارہ کا معرب ہے۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ بعض ان میں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے کیونکہ یہی تمام زیورات سے بہتر ہوں گے۔

سوال : سورہ ھل اتی (دھر) میں دحلوا اساور من فضة (اور چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے) اور آیت ہذا میں سونے کے کنگن مذکور ہیں ۔ یہ دو آیات آپس میں مخالف کیوں ؟

جواب : دونوں (سونے چاندی) پہنانے سے حُسن وزینت میں اضافہ ہوگا یا یہ معنی ہے کہ ان کے بعض کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے ۔ یہ مراتب میں بلند ہوں گے انھیں مقرب کہا جاتا ہے ۔ دوسرے وُہ ہیں جن کو چاندی کے کنگن پہنائیں گے یہ ابرار ہوں گے۔

وَّلُؤْلُؤًا منصوب ہے اس کا عطف اساور کے محل پر ہے لؤلؤ بمعنے موتی بوجہ ان کے چمکدار ہونے کے ۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ وہ موتی بھی پہنائے جائیں گے۔

ف : کاشفی مرحوم نے فرمایا یعنی عجم کے بادشاہ پہنتے ہیں ۔ ایسے ہی بہشتی لوگوں کو موتی پہنائے جائیں گے۔

ف : بعض قرأتوں میں مجرور ہیں ۔ اس کا عطف ذھب پر ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ انھیں ایسے سونے کے زیورات پہنائے جائیں گے جن پر موتیوں کا جڑاؤ ہوگا یا وہ سونا ایسا ہوگا کہ اس کی صفائی موتیوں کی طرح ہوگی کیونکہ موتیوں کا تیار کردہ کنگن نہیں ہوگا ۔ ہاں اس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ موتی پرو کر کنگن کی طرح بنا کر پہنائے جائیں ۔

ف : بحر العلوم میں ہے ذھب پر عطف ہے اس لیے کہ دو طرح کے کنگن پہنائے جائیں گے ۔ بعض سونے کی جنس سے ہوں گے بعض موتیوں کی جنس سے ۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی مشکل نہیں اور بہت سے

دنیوی امور آخرت کے امور کے منافی ہیں اور یہ بھی انھی میں سے ہے۔

وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيْرٌ ۝ اور ان کا لباس ریشم سے ہوگا۔ لیکن وُہ ریشم دنیا کے ریشم سے نہ ہوگا بلکہ وُہ عجیب طرح کا ہوگا جس کا محض نام ریشم ہوگا۔ اور لباس بمعنے وُہ جو پہنا جائے۔ جیسے قمیص و چادر و شلوار وغیرہ۔ الحریر وہ کپڑا جو باریک ہو (المفردات) اور وہ جس کا تانا بانا ریشم کا ہو اگرچہ اسکا اصل یہ ہے کہ وہ ابریشم پختہ سے ہو تب اسے ریشم کہا جائے (کما فی القہستانی)

مسئلہ: ریشم کا استعمال مردوں کو حرام ہے عورتوں کو جائز۔ مرد اسے جنگ میں استعمال کرسکتے ہیں لیکن اس کے ساتھ نماز ادا نہ کریں ہاں اگر دشمن کا خوف سخت ہو یا کوئی ضرورت ہو مثلاً جسم میں خارش و جرب ہو یا جوئیں دفع کرنا مطلوب ہو تو جائز ہے۔

مسئلہ: اگر ریشم جسم کو نہ چھوئے تب بھی نہ پہنے قمیص کا کاج اور بٹن ریشم کا ہو تو جائز ہے۔ جیسے کپڑوں کو منقش کرنے کے لیے ریشم کے تاگے لگائے جاتے ہیں اور کالے ریشم کی پٹی آشوبِ چشم کے لیے باندھنا جائز ہے ایسے ثلج (برف وغیرہ) کو دیکھنے کے لیے کالا ریشم آنکھ پہ باندھنا۔

مسئلہ: ازاربند ریشمی جائز، اور یہ بھی صرف چار انگل کی مقدار تک اجازت ہے۔ بعض نے کہا یہ مقدار ایک جگہ ہو تو اگر مختلف جگہوں پر تھوڑا تھوڑا ہو تو ان کو جمع کر کے چار انگل کی مقدار کر دینا مراد نہیں۔

مسئلہ: امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سر اور پہلو کے نیچے ریشم رکھنا جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک ناجائز ہے۔ اسی کو اکثر مشایخ نے لیا ہے۔ دیواروں اور دروازوں پر ریشم لٹکانے میں مذکورہ بالا اختلاف کی طرح ہے۔

مسئلہ: ریشم کے بستر پر بیٹھنا اور ریشم کے مصلّے پر نماز پڑھنا جائز ہے اور بچّے کے گھوارے پر ریشم کا تہبند رکھنا جائز ہے۔

مسئلہ: جنگ میں مرد کو ریشم پہننے کی عدمِ کراہت پر اجماع ہے خواہ وہ زیادہ ہو یا کم یا برابر یہی صحیح ہے۔ اس کے برعکس ریشم کا استعمال ناجائز ہے۔ یعنی جس کا تانا بانا ریشمی ہو صرف جنگ میں جائز ہے ورنہ ناجائز۔

مسئلہ: بچّے کو ریشم اور سونے وغیرہ کا استعمال مکروہ ہے تاکہ اس کی عادت ہو جائے کیونکہ فعل کا دارومدار عمل کرنے والے پر ہے۔

مسئلہ: جو لباس خلافِ سنّت ہو وُہ بھی مکروہ ہے۔

مسئلہ: رُوئی، کتان اور اُون کا لباس مستحب ہے اور رنگوں میں محبوب تر سفید لباس ہے اور سبز لباس سنّت ہے اور سیاہ لباس بھی درست ہے اور سُرخ لباس کا کوئی حرج نہیں (زاہدی از قہستانی) اس کا مکمل بیان سورۂ حج میں گزرا ہے۔

وَقَالُوا اور بہشت میں حمد کرتے ہوئے کہیں گے۔ ماضی کا صیغہ تحقیق کے لیے ہے۔ یعنی یہ سب کہیں گے کہ اس کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں دوزخ سے نجات بخشی اور بہشت میں داخل فرمایا **الْحَمْدُ لِلّٰهِ** تمام محامد اللہ تعالیٰ کے ہیں وُہ جملہ اوصاف کمالیہ کو محیط اور تمام قدرتوں کا مالک ہے **الَّذِیْٓ اَذْهَبَ** وہ جس نے بہشت میں داخل کر کے ہم سے ہٹائے **عَنَّا الْحَزَنَ** (بفتحتین و بالضم و سکون) سب کا ایک معنیٰ ہے یعنے زمین اور نفس کی خشونت جو غم وحزن سے حاصل ہو اور اس کی نقیض الفرح ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ حزن کو اس لیے حزن کہتے ہیں کہ غم والے اوقات حزن سے بسر ہوتے ہیں اور یہ بہشت میں نہ ہوگا اس لیے کہ جوار حضرت الٰہی میں حزونۃ نہ ہو گی کیونکہ وہاں خوشی اور سرور ہوگا۔

ف : یہاں پر حزن کی جنس مراد ہے دنیوی ہو یا اخروی، جیسے معاش اور زوال نعم اور سیاس اور قوت حلال اور خوف سلطان اور حاسدوں کے خطرہ اور دشمنوں کے بغض اور اعراض و آفات اور وسوسۂ ابلیس اور سیئات اور ردِّ طاعات اور بُرے خاتمہ اور موت اور قیامت کی ہولناکیوں اور دوزخ اور پلصراط کے گزر اور جُدائی وغیرہ اور تدبیر احوال وغیرہ کا حزن۔

حدیث شریف

میں ہے: قبور میں لا الہ الا اللہ پڑھنے والے کو کوئی شے واجب نہیں یعنی کوئی نیکی کرے تو اس کا بدلہ اس کے لیے واجب ہو بلکہ یہ سب اس کا احسان اور فضل وکرم ہے کہ وُہ اپنے بندوں کو بہشت اور اس کے درجات عطا فرماتا ہے کیونکہ یہ تمام اس کی پیدا کردہ ہیں اور بندہ اس کا پیدا کردہ ہے تو پھر وہ اپنے مالک سے کون سی شے کا مطالبہ کرتا ہے کہ فلاں امر اس کا اپنا ہے فلہذا اس کا بدلہ عطا ہو۔ (معتزلہ کا عقیدہ غلط ہے کہ بندے کو عمل کی جزا دینا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔ معاذ اللہ)

ف : حضرت ابوسعید الخراز قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اہلِ معرفت دُنیا میں اہلِ جنّت کی طرح ہوتے ہیں جیساکہ وہ آخرت میں ہوں اسی لیے دنیا میں رہ کر بھی دنیا کے تارک ہوتے ہیں وہ بہشتیوں کی طرح دنیا میں حمد وشکر کے ساتھ بلا خوف اور بلا حزن زندگی بسر کرتے ہیں ؎

جنت نقد است اینجا ذوق ارباب حضور
دردل ایشاں نباشد حزن وغم نفخ صور

ترجمہ : اربابِ حضور کو یہاں پر ہی جنّت نقد کے طور ہے کیونکہ نفخ صور تک انھیں نہ کوئی حزن ہے نہ غم۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ رَبَّنَا بیشک ہمارا رب باوجود ہماری غلطیوں کے ہم پر احسان فرماتا ہے **لَغَفُوْرٌ** گنہگاروں کو بخشتا ہے **شَکُوْرٌ** بہت ثواب دیتا ہے۔

قاعدہ : شکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو بمعنیٰ ثواب دینے کے ہوگا اور پوری جزا بخشنا۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات میں ہے کہ وُہ غفور ہے اپنے نفس پر ظلم کرنے والے کے لیے شکور ہے۔ مقتصد (میانہ رَو) اور سابق (سبقت کرنے والا) کے لیے ظالم لنفسہ کے متعلق اسم کی تقدیم محض ان کے ضعف احوال پر اظہار نرمی کے لیے ہے۔

تفسیر عالمانہ ربط: اہل جنت نے اللہ تعالیٰ کے لیے ایک اور وصف کا ذکر کیا یعنی اس کے شکر کا۔ چنانچہ کہا **اَلَّذِیْٓ اَحَلَّنَا** وہ جس نے ہمیں نازل کیا۔

حل لغات: احلنا بمعنی انزلنا کیونکہ حلت بمعنی نزلت آتا ہے حل الاحمال عند النزول سے پھر اس کی تجرید کرکے صرف نزول کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے، حل حلولا (نازل ہُوا نازل ہونا) واحلہ غیرہ (اور اس نے غیر کو نازل کیا) المحلہ بمعنی مکان النزول (المفردات)

دَارَ الْمُقَامَةِ ٹھہرنے کی جگہ میں۔ یہ احلّ کا دوسرا مفعول ہے ظرف نہیں کیونکہ ظروف محدُود ہوتی ہیں۔

حل لغات: المقامہ (بالضم) مصدر۔ مثلاً کہا جاتا ہے اقام یُقیم اقامۃ ومقامۃ بمعنی دار المقامۃ۔ وہ رہنے سہنے کی جگہ جہاں سے ہمیشہ منتقل نہ ہوسکیں اور نہ ہی وہاں کا مقیم کُوچ کا ارادہ رکھتا ہو اور نہ کوئی دوسرا اس کے لیے ایسا ارادہ کر سکے۔

مِنْ فَضْلِهٖ اپنے فضل سے اور انعام وتفضل سے بغیر اس کے کہ ہماری طرف سے اس پر اعمال کی وجہ سے کوئی شے واجب ہو کیونکہ نیکیوں کی توفیق بھی اسی کی دی ہوئی ہے پھر اس پر کوئی شے واجب کیسی۔ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ دخول جنۃ تو محض اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت سے ہے ہاں درجات کی تقسیم اعمال و حسنات (نیکیوں) سے ہوگی۔ اسے یوں سمجھو کہ ایک شخص کسی کا غلام ہوتا ہے وہ اپنے مالک کی خدمت کرتا ہے خدمت کا بدلہ وعوض اپنے مالک سے نہیں مانگ سکتا ہے اور نہ ہی اسے حق الخدمۃ مانگنے کا حق ہے جب ایک مجازی مالک سے حق الخدمت مانگنے کا غلام کو حق نہیں تو پھر مالک حقیقی سے حقیقی بندہ حق العبادۃ کیسے طلب کرسکتا ہے یا وہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ یہ عوض تو اسے دینا واجب ہے (معاذ اللہ) لیکن معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بندے کی عبادت کا اجر وثواب دینا واجب ہے (معاذ اللہ)

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ **الذی احلنا دار المقامۃ** وہ جس نے ہمیں دار الاقامۃ میں اپنے فضل وکرم سے داخل کیا یعنی جملہ احوال کے پردے کھول دئے تو اس میں ہر ظالم ومقتصد اور سابق داخل ہو گیا اور اس مقام میں پہنچے جہاں اللہ تعالیٰ نے ان سب کو نازل فرمایا تو محض اپنے فضل وکرم سے داخل کیا یعنی جملہ احوال کے پردے کھول دئے تو اس میں ہر ظالم مقتصد اور سابق داخل ہوگیا اور اس مقام میں پہنچے جہاں اللہ تعالیٰ نے ان ہر ایک کو نازل فرمایا تو محض اپنے فضل وکرم سے بندے کی جدوجہد کو کسی قسم کا دخل نہ تھا، نہ ہی اس کے اعمال نے اسے یہاں پہنچایا اگرچہ بہشت میں اعمال صالحہ کے ذریعے داخل ہوا لیکن اعمال صالحہ کی توفیق تو بھی اسی نے دی تو یہ بھی اس کا

فضل وکرم ہوا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے،

قبل من قبل لا لعلة ورد من رد لا لعلة۔

(جسے قبول کیا تو اپنے فضل سے، رد کیا تو اپنی مرضی سے، نہ اس میں کوئی سبب ہے نہ علت)

تفسیر عالمانہ لَا يَمَسُّنَا المس لمس کی طرح ہاتھ لگانا۔ کبھی اس کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جو انسان کو تکلیف پہنچائے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ہمیں نہیں پہنچے گا فِيهَا دار الاقامۃ کسی بھی وقت نَصَبٌ نہ جسم میں کوئی تھکان نہ کوئی درد جیسے دنیا میں ہوتا ہے وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ ۝ اور نہ ہمیں اس میں کوئی سستی ہوگی نہ ڈھیل۔ کیونکہ اس میں کوئی تھکان ہے نہ رکاوٹ بلکہ اس میں دائمی خوشی اور راحت و فرحت ہوگی اور وہ بہشت میں جس شے کو دیکھ کر خواہش کریں گے تو انہیں کہیں جانا نہ پڑے گا بلکہ اپنے کمرے میں ہر شے وافر پائیں گے اور جب کسی شے کو دیکھیں گے تو انہیں آنکھ کو پھیرنے کی ضرورت نہ ہوگی بلکہ وہ شے خود بخود ان کے آگے آجائے گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وفیہا ما تشتہیہ الانفس وتلذ الاعین۔

(اور اس میں وہ ہوگا جو ان کا جی چاہے گا اور ان کی آنکھوں کا لذت و سرور)

نصب و لغوب میں فرق نصب بمعنے نفس مشقت اور لغوب بمعنے جو نفس سے جوارح کو فتور اور سستی پیدا ہو۔ ابوحیان نے فرمایا کہ لغوب تعب البدن کو لازم ہے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا: ؎

علیاء لا تنزل الاحزان ساحتہا

لومسہا حجر مستہ سراء

ترجمہ: ایسی بلند منزل ہے کہ اس کے آنگن میں غم نازل نہیں ہوتے اگر اسے پتھر پہنچیں تو بھی خوشی برستی ہے۔

ف: ثانی کی نفی اول کی نفی کو مستلزم ہے اور منفی فعل کا تکرار ہر ایک کی نفی کے مبالغہ کے لیے ہے۔

بہشت کا منظر ضحاک رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ جب بہشتی بہشت میں داخل ہوں گے تو انہیں بچے اور خدام ملیں گے ایسے خوب صورت کہ گویا کہ وہ موتی خالص ہیں اس کے بعد انہیں ملائکہ کی ملاقات نصیب ہوگی جو رب العالمین کے ہدایا و تحائف ان کے ہاں پیش کریں گے اور ساتھ ہی بہشتی حلے پہنائیں گے۔ جب بہشتی بہشت میں داخل ہونے کا ارادہ کریں گے تو فرشتہ فرمائے گا ٹھہریئے تاکہ آپ کو انگشتریاں پہنائی جائیں۔ اس کے پاس دس انگشتریاں ہوں گی۔ یہ رب العالمین کی طرح ہدیہ و تحفہ ہوگا ان کی ہر انگلی میں علیحدہ علیحدہ انگشتری ڈالی جائے گی۔

انگشتریوں کی تعداد

دس انگشتریوں پر بطریق ذیل لکھا ہوگا:
نمبر ۱ پر لکھا ہوگا،

سلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین۔

(تم پر سلام اور بہشت میں خوش ہو کر داخل ہو جاؤ اور ہمیشہ رہو)

نمبر ۲ پر لکھا ہوگا: ادخلوھا بسلام ذٰلک یوم الخلود۔

(اس میں سلامتی سے داخل ہو اور یہ ہمیشگی کا دن ہے)

نمبر ۳ پر لکھا ہوگا، رفعت عنکم الاحزان والھموم۔

(تم سے حزن و ملال اٹھائے گئے)

نمبر ۴ پر لکھا ہوگا، زوجناکم الحور العین۔

(تمہیں حور عین سے بیاہ جائے گا)

نمبر ۵ پر لکھا ہوگا:

ادخلوھا بسلام آمنین۔

(بہشت میں سلامتی کے ساتھ امن والے ہو کر داخل ہو جاؤ)

نمبر ۶ پر لکھا ہوگا:

انی جزیتھم الیوم بما صبروا۔

(بے شک میں نے تمہیں آج جزا دی)

نمبر ۷ پر لکھا ہوگا:

انھم ھم الفائزون۔ (بیشک وہی لوگ کامیاب ہیں)

نمبر ۸ پر لکھا ہوگا،

صرتم آمنین لا تخافوا ابدا۔

(تم امن والے ہو اور ہمیشہ بے خوف رہو)

نمبر ۹ پر لکھا ہوگا:

رافقتم النبیین والصدیقین والشھداء۔

(تم انبیاء وصدیقین اور شہداء کے رفیق ہوئے)

نمبر ۱۰ پر لکھا ہوگا:

فی جوار من لا یؤذی الجیران۔

(تم ان کی ہمسایگی میں ہو جو اپنے ہمسایوں کو ایذا نہیں پہنچاتے)

پھر فرشتہ کہے گا،

ادخلوا بسلام امنین۔

(بہشت میں امن والے ہوکر داخل ہو جاؤ)

وہ بہشت میں داخل ہوکر کہیں گے،

الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن الخ

قدر والے ہی قدر جانتے ہیں اے جوان مرد! تریاق کی قدر مارگزیدہ جانتا ہے۔ آتشِ سوزاں کی قدر پروانہ کو ہے۔ یوسف کے پیراہن کی قدر یعقوب علیہ السلام جانتے ہیں۔ جو بے قدر ہے اسے لاکھ تریاق دو وہ اسے بیکار سمجھے گا۔ اس مارگزیدہ کو تریاق دو جس کی جان لبوں پر ہے۔ غم خوردہ دل شکستہ کو معلوم ہوگا جب بہشت میں داخل ہوگا اسے بہشت کی قدر معلوم ہوگی۔ اس وقت کہیں گے الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن الخ تھوڑا صبر کیجئے عنقریب ایسے درویش دلریش کو بہشت میں داخل کریں گے اور ولدان وغلمان اس کے استقبال کے لیے آئیں گے اور اسے بہشت کے بلند تخت پر بٹھائیں گے اور بہترین فرش اس کے آگے بچھائیں گے اس کی محنت کی شب ختم ہوگی اور راحت وسعادت کا سورج افقِ کرامت سے طلوع کرے گا اور الطاف وکرم مالک کریم کے بندے پر ہوں گے تو وہ ناز ونعم سے کہے گا الحمد للہ الذی الخ ؎

نماند ایں شب تاریک می رسد سحرش

نماند ابر ز خورشید میرود کدرش

ترجمہ: یہ شبِ تاریک ہمیشہ نہیں رہے گی آخر سحر ہوگی۔ اور سورج پر ہمیشہ بادل نہیں چھائے گا بلکہ چھٹ جائے گا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے انکشاف کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ **وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا** اور وہ جو کافر ہیں۔ یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے وجود یا اس کی وحدت کا انکار کیا **لَهُمْ** انہیں اس کفر جو اکبرالکبائر واقبح القبائح کی وجہ سے **نَارُ جَهَنَّمَ** جہنم کی آگ ہے جس کی مشابہت کوئی آگ نہیں رکھتی **لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ** ان کا دوسری موت سے کوئی فیصلہ نہ ہوگا یعنی ان کے دوزخ میں داخل ہونے کے بعد پھر کوئی موت نہیں آئے گی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے **فَيَمُوْتُوْا** جس سے وہ مرکر عذاب سے راحت پائیں اس کا منصوب ہونا اَنْ مقدر کی وجہ سے ہے اس لیے کہ فیموتوا نفی کا جواب ہے **وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا** اور عذاب سے انہیں تخفیف نصیب نہ ہوگی پل بھر تو کیا آنکھ جھپکنے کی مقدار بھی انہیں عذاب سے فرصت نہ دی جائیگی بلکہ جب آگ بجھنے کو آئے گی تو اسے اور جوش دیا جائے گا یعنی ان کے عذاب کی آگ کا جوش کبھی ٹھنڈا

نہ ہوگا۔ آگ میں ذرا سا بجھنا محسوس ہوگا تو اس میں اور جوش پیدا کردیا جائے گا۔

ازالۂ وہم اس سے یہ وہم نہ ہو کہ آگ کے بجھنے کی دیر ان کو تخفیف مل جائے گی بلکہ اس میں اشارہ ہے کہ ان پر عذاب بدستور رہے گا صرف آگ میں کمی ہوگی تو فوراً پوری کردی جائے گی۔ (کما فی الکشف الاسرار)

ف: عنھم' لا تخفف کا نائب فاعل اور من عذابہا محلاً منصوب یا اس کا بالعکس یا زائد ہو تو مرفوع اور فاعل ہے۔

كَذٰلِكَ اسی شدید جزاء (سزا) خوفناک کے **نَجْزِيْ** ہم جزا (سزا) دیتے ہیں **كُلَّ كَفُوْرٍ ○** ہر بڑے کافر کو یعنی جو کفر میں یا ناشکری میں بڑا تھا اتنی سخت اور بڑی سزا ہوگی کہ اس جیسی سزا اور کسی کو نہ ہوگی **وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا** اور وہ کافر دوزخ میں فریاد رسی چاہیں گے

حلِ لغات اصطراخ افتعال از صراخ بمعنے شدت وجد وجہد سے آواز کرنا۔ اس پر طاء مبالغہ کی ہے جیسے اصطبار و اصطفا و اصطناح و اصطیاد ان سب میں طاء مبالغہ کی ہے اور اصطراخ بمعنے کسی مددگار کو فریاد رسی اور شفاعت کے لیے زور سے پکارنا۔

رَبَّنَا یقولون محذوف ہے، کہیں گے اے ہمارے پروردگار **اَخْرِجْنَا** ہمیں آگ سے نکال اور اس کے عذاب سے بچا اور دنیا کی طرف ہمیں واپس کر دے **نَعْمَلْ صَالِحًا** تاکہ ہم نیک عمل کریں یعنی کفر کی بجائے ایمان لائیں اور معصیت کے بجائے اطاعت کریں۔

سوال: تم نے ایمان کا معنیٰ کہاں سے نکال لیا؟

جواب: چونکہ اعمال کی قبولیت کا دارومدار ایمان پر ہے اسی لیے ہم نے مشہور عقیدہ کے اعتبار سے ایمان کی قید لگائی ہے۔

غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ان کردار کے بجائے دوسرے وہ اعمال کریں گے جو ان کے غیر تھے۔

سوال: یہ لوگ اپنے اعمال کو اب غیر کی قید لگا رہے ہیں حالانکہ اس سے قبل صالح عمل کا اظہار تو کر چکے ہیں۔

جواب: دنیا میں ہر مذہب بلکہ کفار و مشرکین اپنے اعمال کو صالح نیک سمجھتے تھے لیکن آخرت میں جب ظاہر ہوگا کہ ان کے کردار تو الٹا انہیں جہنم میں لے گئے تو پھر اب انہیں کہنا پڑا کہ ہم جو پہلے عمل کرتے تھے ان کو چھوڑ کر ان کے غیر وہ عمل کریں گے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے نیازمندوں سے کرتے تھے۔

اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں جواب ملے گا اور ان کو توبیخ کی جائے گی ہمزہ انکار کا اور نفی وعطف مقدر جملہ پر ہے جیسا کہ مقام کا تقاضا ہے۔ التعمیر بمعنے زندگی دینا۔ حیات سے عمارت بدن کی مدت کو عمر کہا جاتا ہے ما نکرہ موصوفہ

یا مصدریہ ہے۔ اس سے زمانہ مراد ہے جیسے کہا جاتا ہے:

اٰتیک غروب الشمس.

(میں تیرے پاس غروبِ شمس کے وقت آؤں گا)

تذکر بمعنے نصیحت لینا۔ اب معنی یہ ہُوا کہ کیا ہم نے تمہیں مہلت نہیں دی تھی اور تمہیں زندگی نہیں بخشی تھی جس میں تمہیں نصیحت حاصل کرنے کا بہت زیادہ وقت مل گیا تھا کہ اس میں نصیحت پانے والا بخوبی نصیحت پا سکتا تھا اور اپنے حال کی اصلاح کر سکتا تھا اگرچہ اس میں تھوڑے سے وقت میں اصلاح کر لیتے تو آج بہت بڑی زجر و توبیخ سے بچ جاتے۔ یعنی انسان کو سنِ بلوغ کے بعد جب اللہ تعالےٰ کی طرف سے عقل کی نعمت نصیب ہوتی ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ صانع کی مصنوعات میں غور و فکر کر کے سمجھے کہ صرف وہی معبود ہے اور عبادت و طاعت صرف اسی کو لائق ہے پھر جب اٹھارہ بیس سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو عقل و فکر کی قوت مضبوط ہو جاتی ہے اس وقت اس پر حجت قائم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد نظر و فکر جدھر استعمال کرے اس کے اختیار میں ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

اعذر اللہ الی امری و اخر اجلہ حتی بلغ ستین سنۃ۔

(اللہ تعالیٰ بندے کو توبہ و عذر کا وقت دیتا ہے اور اس کی عمر کو بڑھاتا ہے یہاں تک کہ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ جاتا ہے)

(پھر بھی اپنی اصلاح نہیں کرتا) یعنی اتنی بڑی عمر کے باوجود توبہ نہیں کرتا اور نہ ہی اپنی اصلاح کرتا ہے، پھر قیامت میں معذرت کیسی!

نکتہ اور حدیث شریف ساٹھ سال کی تعیین میں اشارہ ہے دُوسری حدیث شریف کی طرف، جیسا کہ فرمایا:

اعمار امتی ما بین الستین الی السبعین۔

(میری اُمت کی عمریں ساٹھ سے ستر سال تک ہیں)

ف: بہت کم ایسے ہیں جو اس عمر سے تجاوز کرتے ہیں۔ ساٹھ سے ستر سال تک نصیحت قبول کرنے کی آخری عمر ہے کیونکہ اس کے بعد ہرم (بڑھاپے) کا دور ہے۔

فرشتے کی پکار حدیث شریف میں ہے:

ان اللہ ملکا ینادی کل یوم و لیلۃ ابناء الاربعین زرع قد دنا حصادہ وابناء الستین ما قدمتم و ما عملتم و ابناء السبعین ھلموا الی الحساب۔

(جب انسان چالیس سال کو پہنچتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے کھیتی کے کاٹنے کا وقت قریب ہو گیا

جب ساٹھ سال کا ہوتا ہے تو کہتا ہے وہی پاؤ گے جو تم نے عمل کیے۔ جب ستر سال کا ہوجاتا ہے تو کہتا ہے حساب کے لیے آؤ)

حکایت غوثِ اعظم قدس سرہٗ حضور سیدنا غوثِ اعظم قدس سرہٗ کے ہاں اگر نوجوان توبہ کے لیے حاضر ہوتا تو فرماتے، تُو نہیں آیا جب تک کہ تجھے بلایا نہیں گیا۔ مشکل سفر سے تُو خود نہیں لوٹا یہاں تک کہ تجھے لوٹایا گیا، اے فلاں! ہم نے تجھے نہیں چھوڑا اس کے لیے جو تُو نے ہمیں چھوڑا اور ہم نے تجھے نہیں بھلایا اس کے لیے جو تم نے ہمیں نہیں بُھلایا تو اپنی عزت میں ہے ہم تیری حفاظت میں پھر ہم نے تجھے اپنے قرب کے لیے متحرک کیا اور تیرے انس سے تیرے پاس آئے — اور جب آپ کے پاس کوئی بُوڑھا توبہ کے لیے کھڑا ہوتا تو فرماتے: اے فلاں! تُو نے خطا کی یہاں تک کہ تُو بوڑھا ہوگیا اور تیرا ہمزاد (جن) سرکش ہوگیا تُو نے ہمیں بچپن سے چھوڑ دیا ہم نے تجھے معذور رکھا تُو ہم سے شباب میں دُور رہا ہم نے تجھے مُہلت دی تُو نے بڑھاپے میں ہم سے بغض رکھا ہم تجھ سے بیزار رہے اگر تُو اب واپس آگیا ہے تو ہم تجھے قبول کرتے ہیں ؎

دل ز دنیا زود تر گردد جوانا نرا خنک
کہنگی از سردئ آبست مانع کوزہ را

ترجمہ: دنیا سے جوانوں کے دل بہت جلد خوش ہوتے ہیں بڑھاپا سردی کی وجہ سے پانی کو کوزے سے روکتا ہے۔

بڑھاپے میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا طریقِ کار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب چالیس سال کو پہنچتے یا بڑھاپے کے آثار پاتے تو عبادت کے لیے جدوجہد تیز کر دیتے اور بستر لپیٹ کر شب بیداری میں وقت گزارتے۔ لیکن چالیس سال کی قید اتفاقی ہے اس سے کم سال سے بھی اگر کوئی عبادت میں جدوجہد شروع کرے تو رکاوٹ نہیں کیونکہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں کیا معلوم کب آجائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو خوابِ غفلت سے بیدار فرمائے۔

وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ اور تمہارے پاس ڈرانے والے آئے۔ اس کا عطف جملہ استفہامیہ پر ہے کہ یہ قد عمرناکم کے معنیٰ میں ہے بایں معنیٰ کہ ہمزہ انکاری جب نفی پر داخل ہو تو تقریر کا فائدہ ہے جیسے:

الم نشرح لك صدرك ووضعنا الخ
(کیا ہم نے تمہارا سینہ نہیں کھولا ...)

اب یہ قد شرحنا الخ کے معنیٰ میں ہے یعنی بیشک ہم نے تمہارا سینہ کھولا۔

ف: آیت میں النذیر (ڈرانے والا) سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ یہی جمہور کا

مذہب ہے یا اس کے ساتھ قرآن اور عقل بھی مراد ہو سکتا ہے کیونکہ یہ دونوں خیر و شر کا فرق بتاتے ہیں یا اس سے رشتہ داروں اور ہمسائیگان اور برادران کی موت یا بڑھاپا مراد ہے۔ لیکن اس سے بڑھاپا مراد لینا عام نہیں کیونکہ اس میں سارے لوگ شامل نہیں ہو سکتے۔

ف: امام شافعی مرحوم نے فرمایا اکثر علماء کہتے ہیں کہ نذیر سے مراد بڑھاپا ہے اس لیے کہ بڑھاپا انسان کی زندگی کے شعلے بجھا دیتا ہے اور یہ زمانہ آئینۂ ذات پر زنگ لاتا ہے۔

۱ نوبت پیری چو زند کوس درد
دل شود از خوشدلی وعیش فرد

۲ در تن و اندام در آید شکست
لرزہ کند پائے ز سستی چو دست

۳ موئے سفید از اجل آرد پیام
پشت خم از مرگ رساند سلام

ترجمہ: (۱) جب بڑھاپا نقارہ بجاتا ہے دل خوشدلی اور عیش سے کمزور پڑجاتا ہے۔

(۲) جسم اور اعضاء میں شکست آجاتی ہے پھر ہاتھ اور پاؤں لرزتے ہیں۔

(۳) سفید بال اجل کا پیام لاتے ہیں کمر کا ٹیڑھا پن موت کا سلام دیتا ہے۔

اعجوبہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کے بال سفید پیدا ہوئے عرض کی: یا اللہ العالمین! یہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ دنیا کا وقار اور آخرت کا نور ہے۔ عرض کی: اے میرے پروردگار! اس نور اور وقار میں اضافہ فرما۔

حدیث شریف میں ہے:

ان اللہ یبغض الشیخ الغربیب۔

(بے شک اللہ تعالیٰ بوڑھے سیاہ بالوں والے سے بغض رکھتا ہے)

یعنی وہ سیاہ بالوں والا جو سفید بالوں کو سیاہ کرتا ہے۔ کما فی المقاصد الحسنۃ۔

اور الکواشی نے لکھا کہ نذیر سے یہ مراد لینا بھی جائز ہے جو انسان کے مختلف دور بدلتے ہیں اس لیے انسان کو ہر دور کے آنے پر متنبہ ہونا چاہیے۔ اسی لیے اہلِ اصول نے کہا کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے دو اقوال میں سے صحیح تر یہ ہے کہ حج فرض ہونے کے بعد تاخیر جائز ہے۔ ہاں اگر گمان غالب ہو کہ اگر اس سال نہ جاؤں گا تو موت آجائے گی تو جلدی کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ: اگر حج سے پہلے فوت ہوا پھر دیکھا جائے گا اگر موت اچانک واقع ہوئی ہے تو گناہ

(بقیہ ص ۹۷۳)

إِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ
بیشک اللہ جاننے والا ہے آسمانوں اور زمین کی ہر چھپی بات کا
عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٣٨﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ
بیشک وہ دلوں کی بات جانتا ہے وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں اگلوں کا
فِي الْأَرْضِ ۚ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكٰفِرِينَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ
جانشین کیا تو جو کفر کرے اس کا کفر اسی پر پڑے اور کافروں کو ان کا کفر ان کے رب کے یہاں نہیں بڑھائے گا مگر
إِلَّا مَقْتًا ۖ وَلَا يَزِيدُ الْكٰفِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا ﴿٣٩﴾ قُلْ أَرَءَيْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِينَ
بیزاری اور کافروں کو ان کا کفر نہ بڑھائے گا مگر نقصان تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو اپنے وہ شریک جنہیں اللہ کے
تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ ۖ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي
سوا پوجتے ہو مجھے دکھاؤ انہوں نے زمین میں سے کون سا حصہ بنایا یا
السَّمٰوٰتِ ۚ أَمْ ءَاتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰى بَيِّنَتٍ مِنْهُ ۚ بَلْ إِنْ يَعِدُ الظّٰلِمُونَ
آسمانوں میں کچھ ان کا ساجھا ہے یا ہم نے انہیں کوئی کتاب دی ہے کہ وہ اس کی روشن دلیلوں پر ہیں بلکہ ظالم آپس
بَعْضُهُمْ بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا ﴿٤٠﴾ إِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا ۚ
میں ایک دوسرے کو وعدہ نہیں دیتے مگر فریب کا بیشک اللہ روکے ہوئے ہے آسمانوں اور زمین کو کہ جنبش نہ کریں اور
وَلَئِنْ زَالَتَآ إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ بَعْدِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿٤١﴾
اگر وہ ہٹ جائیں تو انہیں کون روکے اللہ کے سوا بیشک وہ علم والا بخشنے والا ہے
وَأَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمٰنِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيرٌ لَيَكُونُنَّ أَهْدٰى مِنْ إِحْدَى
اور انہوں نے اللہ کی قسم کھائی اپنی قسموں میں حد کی کوشش سے کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈر سنانے والا آیا تو وہ ضرور کسی نہ کسی
الْأُمَمِ ۖ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيرٌ مَا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا ﴿٤٢﴾ اسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ
گروہ سے زیادہ راہ پر ہوں گے پھر جب ان کے پاس ڈر سنانے والا تشریف لایا تو اس نے انہیں نہ بڑھایا مگر نفرت کرنا اپنی جان کو زمین
وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۚ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ ۚ فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ
میں اونچا کھینچنا اور برا داؤں اور برا داؤں اپنے چلنے والے ہی پر پڑتا ہے تو کاہے کے انتظار میں ہیں مگر اسی کے جو اگلوں
الْأَوَّلِينَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيلًا ﴿٤٣﴾
کا دستور ہوا تو تم ہرگز اللہ کے دستور کو بدلتا نہ پاؤ گے اور ہرگز اللہ کے قانون کو ٹلتا نہ پاؤ گے
أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عٰقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ
اور کیا انہوں نے زمین میں سفر نہ کیا کہ دیکھتے ان سے اگلوں کا کیسا انجام ہوا اور وہ ان سے

وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا
زور میں سخت تھے اور اللہ وہ نہیں جس کے قابو سے نکل سکے کوئی شے آسمانوں اور نہ
فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ۝۴۴ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا
زمین میں بے شک وہ علم وقدرت والا ہے اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے کیے پر
كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰي ظَهْرِهَا مِنْ دَاۗبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَاۗءَ
پکڑتا تو زمین کی پیٹھ پر کوئی چلنے والا نہ چھوڑتا لیکن ایک مقرر میعاد تک انھیں ڈھیل دیتا ہے پھر
اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ۝۴۵ۧ
جب ان کا وعدہ آئے گا تو بیشک اللہ کے سب بندے اس کی نگاہ میں ہیں

ع ۱۶ ۵

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بیشک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کے غیب جاننے والا ہے اس کے ساتھ آسمانوں اور زمینوں کے اندر کی ہر شے کا علم جو شے بندوں سے غیب اور مخفی ہے اس کا علم اس کو محیط ہے تو پھر اس سے ان کا حال کیسے مخفی ہو سکتا ہے اگر وہ دنیا میں دوبارہ لوٹائے جائیں تب بھی وہی کریں گے جس سے انہیں روکا گیا اِنَّهٗ بے شک وہ اللہ تعالیٰ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ سینے والوں کی باتوں کو جانتا ہے۔

سوال : ذوات الصدور کی بجائے ذات الصدور کیوں کہا ؟

جواب : جنس مراد ہے اس لیے کہ ذات ذو کا تثنیہ ہے بمعنے صاحب ۔ اب معنی یہ ہوگا کہ ہر صاحب قلب کی ہر پوشیدہ بات کو جانتا ہے ۔ یہاں موصوف کو حذف کر کے صفت کو اس کے قایم مقام رکھا گیا ہے جو واردات قلوب پر وارد ہوتے ہیں ان کو صاحب کہا ہے اس لیے کہ یہ واردات قلوب کو لازم اور ان میں حلول کرنے والے ہیں جیسے لبن کو ذو الاناء اور عورت کے بچے یعنی جنین کو ذو البطن کہا جاتا ہے اسی معنی پر اضافت ادنیٰ ملابست کی وجہ سے ہے ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ مخلصین کے اخلاص اور صادقین کے صدق کو جانتا ہے اس لیے کہ وہ قلوب کے آسمانوں کے غیب ہیں اور وہ منافقین کے نفاق اور منکرین کے انکار کو جانتا ہے اس لیے کہ وہ نفوس کی زمین کے غیب ہیں اس میں وعدہ وعید ہے پہلا جنت وقربت کا دوسرا نار وفرقت کا حکم ہے ۔

بندوں نے عرض کی یارب ! جس میں خیر نہ ہو اس کا کیا حکم ہے ؟ فرمایا : جس میں خیر نہ ہوگی اسے

جہنم میں داخل کروں گا۔

۱ در خلائق روحہائے پاک ہست
روحہائے شیرۂ کلنساک ہست

۲ واجبست اظہار ایں نیک و تباہ
ہمچناں اظہار گندمہا ز کاہ

ترجمہ: (۱) مخلوق میں روح پاک ہیں روح تو گل کا نچوڑ ہیں۔
(۲) ان میں نیک اور بُرے کا اظہار ضروری ہے جیسے گندم کو گھاس سے نمایاں کرنا ضروری ہے۔

تفسیر عالمانہ هُوَ مبتداء اور اس کی خبر الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ جس نے تمہیں زمین میں دوسروں کا جانشین بنایا ہے خلائف خلیفہ کی جمع ہے اور خلفاء خلیف کی، بمعنے مستخلف یعنی جانشین یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی زمین کا خلیفہ بنا کر اس کے تصرف کی چابیاں تمہارے سپرد فرمائیں اور تمہیں اس پر مسلط فرمایا ہے اور اس کے منافع تمہارے لیے مباح فرمائے یا یہ معنیٰ ہے کہ تمہیں گزشتہ اُمتوں کے لیے اس زمین پر جانشین بنایا ہے، اور متاعِ دُنیا جو ان کے ہاتھ میں تھی اب تمہارے سپرد کر دی ہے تاکہ تم اس کی توحید کا اقرار اور اس کی اطاعت کر کے شکر گزار بندے بنو۔

ص ۹۶۹ سے آگے

نہ ہوگا اگر موت کے آثار محسوس ہوتے تجھے پھر بھی تاخیر کی تو گنہ گار ہوگا کیونکہ دلیل قائم تھی۔
کیونکہ اس کا دل خود گواہ ہے اسی لیے اس نے تنگی خود اختیار کی ہے۔

ف: ایک روایت میں ہے کہ جب دوزخی دوزخ میں شور مچائیں گے اور کہیں گے یا الٰہ العٰلمین ہمیں دنیا میں بھیج دے تاکہ ہم نیک عمل کریں اور یہ فریاد ان کی دنیا کی عمر کے مطابق ہو گی پھر اس پر اللہ تعالیٰ جواب میں فرمائے گا، تمہیں میں نے بڑی زندگی عطا فرمائی تھی اور ڈرانے والے بھیجے۔ عرض کریں گے کہ ہم نے زندگی بھی پائی اور ڈرانے والے بھی دیکھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: فَذُوْقُوْا تو دوزخ کا عذاب چکھو۔ فاء امر کی ترتیب کے لیے ہے جو ذوق کو ماقبل سے ملانے کے لیے ہے فَمَا فاء تعلیلی ہے لِلظّٰلِمِیْنَ کفر و معاصی سے اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں ان کے لیے نہیں مِنْ نَّصِیْرٍ۝ مددگاروں سے جو انہیں عذاب سے بچائیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ وہ دنیا میں نیند میں تھے اسی لیے انہیں عذاب کا ذائقہ محسوس نہیں ہوتا تھا جب مر گئے اور مرنے کے بعد اٹھے اور بیدار ہوئے تو اسے چکھ کر محسوس کیا۔

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ زمین میں افاضل واراذل کے تم نائب ہو۔ افاضل تو اپنے اخلاق ربانیہ اور علوم لدنیہ کے آئینہ میں اس کے جمال صنائع کو ظاہر کرتے ہیں اور اراذل اپنی حرفت اور ہاتھوں کے کسب سے کمال بدائع کو ظاہر کرتے ہیں۔

ف : یہ بھی ان کی خلافت میں سے ہے کہ بہت سے کام اللہ تعالیٰ نے اپنی اپنی مخلوق میں اپنی خلافت کا نائب بنایا ہے۔ مثلاً روٹی کیلئے گندم کو پیدا کر کے انسان کو اپنی خلافت بخشی کہ وہ اسے پیسے اور روٹی پکا کر کھائے۔ ایسے ہی رُوئی پیدا فرمائی تو انسان کو اپنی نیابت میں یہ طاقت بخشی کہ اسے کات کر کپڑا تیار کر کے پہنے اور پہنائے، وغیرہ۔

تفسیر عالمانہ فَمَنْ كَفَرَ پس تم میں جو بھی اس کی نعمت خلافت کا کفر کرے گا کہ اپنے خلیفہ بنانے والے کے امر کا خلاف اور اس کے احکام کی خلاف ورزی اور اپنی خواہش کا اتباع کرے گا فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ تو اس کے کفر کا وبال اور سزا اس پر ہوگی یعنی راندۂ درگاہ اور لعین و ناری ہوگا اور یہ سزا صرف اسے ملے گی اس سے متجاوز ہو کر کسی دوسرے کو سزا نہ ملے گی وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِلَّا مَقْتًا اور ان کے رب کے ہاں ان کا کفر نہ بڑھائے گا مگر غضب کو۔

حلِ لغات المفردات میں ہے المقت بمعنے البغض الشدید۔ اس کے لیے جو قبیح فعل کا مرتکب ہے یعنی ان کا کفر اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اس میں ہمیشہ سزایاب رہیں گے۔

وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا ○ اور کافرین کا کفر نہیں بڑھایا مگر خسارے کو یعنی آخرت کا گھاٹا جو جنّت سے محرومی کا دوسرا نام ہے۔

ف : یہ تکرار تقریر اور تنبیہ کے لیے ہے کہ ان دونوں کے لیے دونوں امر قبیح بالاستقلال وبالاصالۃ ہیں اور ان کی تنکیر تعظیم کے لیے ہے یعنی غضب عظیم کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی غضب نہ ہوگا اور خسارۂ عظیم کہ اس سے زیادہ خسارہ اور کوئی نہ ہوگا۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ کیا تم نے دیکھا ہے شُرَكَاءَكُمُ اپنے معبودوں اور بُتوں کو۔

سوال : شرکائی کے بجائے شرکاءکم کیوں فرمایا؟

جواب : چونکہ انھوں نے بُتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک اپنے گمان فاسد پر بنا رکھا تھا جس کا کوئی قانون اور ضابطہ نہیں۔

الَّذِينَ تَدْعُونَ جنہیں تم پکارتے ہو اور پرستش کرتے ہو مِنْ دُونِ اللَّهِ تمہارا حال یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی پکار و پرستش سے تجاوز کرتے ہو أَرُونِي مجھے خبر دو مجھے دکھاؤ اور اس کی مجھے خبر کرو۔ یہ معنی اس لیے ہے کہ رؤیت علم اخبار کا سبب ہیں اسی لیے ارادۂ اخبار کے معنی میں ہے اور اردنی ادہتم

سے بدل الاشتمال ہے گویا یوں کہا گیا ہے کہ مجھے اپنے بتوں کی خبر دے کر مجھے دکھاؤ مَاذَا خَلَقُوْا
مِنَ الْاَرْضِ انہوں نے زمین کے اجزاء میں سے کوئی حصہ مستقل طور پر پیدا کیا ہو، یہاں استفہام
بمعنے نفی ہے یعنی زمین میں سے کون سی شے کو تمہارے بتوں نے پیدا کیا ہے اَمْ لَهُمْ کیا ان کے لیے
شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ شرکت ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ آسمانوں کے پیدا کرنے میں جس کی وجہ سے
وہ الوہیت میں اُس کے شریک ہیں اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ یا ہم نے انہیں دیا ہے۔ ھُمْ کی ضمیر مشرکین کی طرف
لوٹانا بھی جائز ہے كِتٰبًا کوئی کتاب جس میں لکھا ہو کہ میں نے انہیں اپنا شریک بنایا ہے فَهُمْ عَلٰى
بَيِّنَتٍ مِّنْهُ جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حجت رکھتے ہیں کہ کتاب بتاتی ہے کہ یہ اس کے
شریک بنائے گئے ہیں۔

ربط : دلائل قایم کرنے کے بعد اب بتایا کہ بتوں کی پرستش پر انہیں کس نے ابھارا۔

بَلْ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اِنْ نافیہ ہے يَعِدُ الظّٰلِمُوْنَ نہیں وعدہ کرتے ظالمین یعنی
مشرکین، ان سے ان کے بڑے اور سردار مراد ہیں بَعْضُهُمْ بَعْضًا کسی سے، ان سے ان کے چھوٹے
اور فرمانبردار مراد ہیں اِلَّا غُرُوْرًا ○ مگر دھوکے کا جس کی کوئی اصل نہیں ہوتی۔ مثلاً کہتے ہیں:

هٰؤُلَاءِ شفعاؤنا عند اللہ۔

(یہی اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں)

یہ خالص دھوکا ہے۔ اس سے ان کے آراء کی خفت کا اظہار ہے اور یہ بتانا مطلوب ہے کہ ان کے افعال و
احوال مذموم اور ان کے ارادے خسیس اور ان کے عقول نقصان میں ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے منہ موڑ کر
ما سوی اللہ کی طرف متوجہ ہیں۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ توحید کی تحقیق و تصحیح کرے اور ہر فعل کا فاعل و خالق اللہ تعالیٰ
کو سمجھے۔

حکایت حضرت ذوالنون مصری قدس سرہٗ فرماتے ہیں میں بنی اسرائیل کے جنگل میں میں چل رہا تھا
کہ ایک نوجوان کالے رنگ والی لڑکی کو دیکھا جس کا دامن عشقِ الٰہی سے پُر تھا اور آسمان کی
طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہی تھی، میں نے کہا:

یا اختاہ السلام علیک۔

جواباً کہا:

وعلیک السلام یا ذوالنون۔

میں نے پوچھا:

من این عرفتنی یا جاریہ۔ (مجھے کیسے پہچانا اے لڑکی؟)

اس نے کہا :

یا بطال ان اللہ تعالیٰ خلق الارواح قبل الاجساد بالفی عام ثم ادارھا حول العرش فما تعارف منہا ائتلف وما تناکر منہا اختلف فعرفت روحی روحک فی ذالک الجولان۔

(اے بندۂ خدا بیشک اللہ تعالیٰ نے ارواح اجسام سے دو ہزار سال پہلے پیدا فرمائے پھر انہیں عرش کے گرد گھمایا جس نے کسی کو پہچانا تو آپس میں محبت کی جو نہ پہچان سکا مختلف ہوا۔ اسی دوران میری روح نے تیری روح کو پہچان لیا تھا)

میں نے کہا :

انی لاراک حکیمۃ علمینی شیئاً مما علمک اللہ۔

(تُو دانا معلوم ہوتی ہے مجھے کوئی نصیحت کردو)

اس نے کہا :

یا ابا الفیض ضع علیٰ جوارحک میزان القسط حتی یذوب کل ما کان لغیر اللہ و یبقی القلب مصفی لیس فیہ غیر الرب فحینئذ یقیمک علی الباب و یولیک ولایۃ جدیدۃ و یأمر الخزان لک بالطاعۃ۔

(اے ابو الفیض اپنے جسم پر انصاف کا ترازو رکھ یہاں تک کہ ما سوی اللہ گل جائے اور تیرا قلب ایسا صاف ہو جائے کہ اس میں سوائے رب کے اور کچھ نہ ہو اس وقت تجھے اس کے دروازے پر قیام نصیب ہوگا اور جدید دوستی میں داخل فرمائے گا اور طاعت کے لیے بالمشافہ حکم فرمائے گا)

میں نے کہا :

یا اختاہ زیدینی۔

(اے بہن! کچھ اور۔)

فرمایا :

یا ابا الفیض خذ من نفسک لنفسک و اطع اللہ اذا خلوت یجبک اذا دعوت ولن یستجیب الا من قلب غیر غافل وھو قلب الموحد الحقیقی الذی زال عنہ الشرک مطلقاً۔

(اے ابو الفیض! اپنے لیے اپنے نفس سے کچھ لیجئے خلوت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کیجئے پھر جب بھی اس سے دُعا مانگو گے قبول ہو گی اور جب تمہارا دل غافل ہو تو اس وقت

دُعا قبول نہ ہوگی اور موحد حقیقی وُہ ہے کہ جس کے دل سے مطلقاً شرک مٹ جائے)

؎
اگرچہ آینہٗ داری از براے رخش
ولے چہ سود کہ داری ہمیشہ آینہ تار
بیا بصیقل توحید ز آینہ بزدآے
غبار شرک کہ ناپاک کردد از زنگار

ترجمہ : اگر تمہارے پاس آئینہ ہے اس کا چہرہ سیاہ ہے تو کیا فائدہ، آئیے صیقل سے آئینہ صاف کر لیجئے یعنی شرک کی میل کچیل دُور کیجئے تاکہ تمہارا دل دُنیوی گرد و غبار سے صاف و شفاف ہو۔

اِنَّ اللّٰہَ یُمۡسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بیشک اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کو اپنی قدرت سے محفوظ رکھتا ہے۔ الامساك ارسال کی ضد ہے بمعنے تعلق الشئ وحفظہ۔ اَنۡ تَزُوۡلَا یہ کہ زائل ہوں۔ الزوال بمعنے الذھاب ہر شے کے لیے استعمال ہوتا ہے جو ثابت ہونے کے بعد زائل ہو یعنی اسے گوارا نہیں کہ یہ دونوں اپنی جگہ سے ہٹ جائیں کیونکہ ممکن کا قاعدہ ہے کہ اس کی بقا کے لیے محافظ ضروری ہے اس معنیٰ پر یہ یمسك کا مفعول لہ ہے یا یہ معنیٰ ہے کہ ان کو زوال سے روکتا ہے کیونکہ امساك بمعنے منع بھی آیا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں ؛

امسکت عنہ (میں نے اسے روکا)

اس معنیٰ پر یہ مفعول بہ ہے۔

وَلَئِنۡ زَالَتَا بخدا اگر یہ آسمان و زمین اپنے مراکز و مقامات سے ہٹ جائیں یعنی انھیں چھوڑ جائیں جیسے قیامت میں ہوگا اِنۡ نافیہ ہے اَمۡسَکَہُمَا نہ روکے گا یعنی نہیں کوئی طاقت جو پھر انھیں اپنے مراکز میں لوٹائے مِنۡ اَحَدٍ کوئی ایک من زائدہ ہے ان ہر ایک کے امساک کی تاکید کے لئے ہے مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ ابتدائیہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی حفاظت یا زوال کے بعد جملہ قسم اور شرط دونوں کے جواب کے قائم مقام ہے اِنَّہٗ بیشک اللہ تعالیٰ کَانَ ہے حَلِیۡمًا علیم کہ سزا دینے میں عجلت نہیں فرماتا کفار کے کفر کی غلطیوں کی وجہ سے جن کا وہ ارتکاب کرتے ہیں وہ اس لائق ہیں کہ ان پر زمین و آسمان گر جائیں جبکہ ان کا کفر و شرک بڑا سنگین جُرم ہے غَفُوۡرًا ۝ غفور ہے اس کے لیے جو کلمۂ کفر سے رجوع کرکے کلمۂ توحید کا قائل ہو جائے۔ حلم بمعنے ہیجان الغضب سے ضبط النفس والطبع کرنا۔ کما فی المفردات۔

حلیم وصبور میں فرق مجرم عقوبت پر صبور کی گرفت سے مامون نہیں ہوتا اور حلیم کی گرفت سے مامون ہوتا ہے یعنی آخرت میں صبور کی گرفت کا خطرہ رہتا ہے بخلاف علیم کے نہ اس سے کوئی خطرہ نہیں ہوتا کما فی المفاتیح۔ لیکن یہ اہلِ ایمان کے متعلق ہے بخلاف کفار کے کہ وہ اس لائق نہیں کہ ان کو کوئی خطرہ نہ ہو۔

ف : بحرالعلوم میں ہے کہ الحلیم کا مجازی معنیٰ ہے کہ وہ اپنے بندوں سے اس طرح کرے جو ایک باحوصلہ انسان مجرم کے ساتھ کرتا ہے کہ ان کے جرائم کی کثرت کے باوجود ان کی سزا میں جلدی نہ کرے۔

ف : شرح الاسماء للامام الغزالی رحمہ اللہ میں ہے کہ الحلیم وہ ہے جو عاصیوں کے معاصی اور امر کی مخالفت کو دیکھتے ہوئے اس کا غضب جوش نہ کرے اور نہ ہی غصہ کو عمل میں لائے باوجود بدلہ لینے کی قدرت کے انتقام میں جلد بازی نہ کرے۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ اس اسم کے مطابق اپنے عقاید سنوارے کہ لوگوں کی غلطیوں سے درگزر کرے ان کے جرائم سے چشم پوشی کرے بلکہ ہر ممکن برُے کے ساتھ احسان کرے۔ یہی انسان کا کمال ہے۔

بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر مردے احسن الیٰ من اساء

ترجمہ : برائی کا بدلہ برائی آسان ہے اگر تو جواں مرد ہے تو اس کے ساتھ احسان کر جس نے تیرے ساتھ برائی کی ہے۔

قید سے رہائی ایک آدمی قتل کے کیس میں محبوس تھا اس کے لیے جلد پھانسی کا حکم تھا۔ اُسے روزانہ ہر وقت یہی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ ایک رات نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا آپ نے فرمایا کہ آیت مذکورہ (ان اللہ یمسک الخ) پڑھ تجھے نجات مل جائے گی۔ عرض کی، کتنی بار پڑھوں؟ فرمایا، چار سو بار۔ اس نے پڑھنا شروع کیا، بیس دنوں میں ختم کی تو اُسے رہائی کا پروانہ مل گیا[1]

تفسیر صوفیانہ اس میں اشارہ ہے کہ آسمان وزمین سے ارواح واجسام مراد ہیں جیسے اللہ تعالیٰ عالمِ صورت کے بالا وزیر (آسمان وزمین) کی حفاظت فرماتا ہے۔ ایسے ہی ان کے خلاصہ یعنی عالمِ انسان کی بھی وہی حفاظت فرماتا ہے۔

---

[1] حفاظتِ حمل وغیرہ : فقیر اویسی کا تجربہ ہے کہ یہی آیت حمل کی حفاظت کے لیے لکھ کر پیٹ کے اوپر باندھی جائے تو حمل گرنے سے محفوظ رہتا ہے۔ ایسے ہی ہر بیماری مثلاً دست، قے وغیرہ کو روکنے کیلیے لکھ کر پانی وغیرہ میں دھو کر پلائی جائے، ان شاء اللہ فائدہ ہوگا۔ اویسی غفرلہٗ

ف: اس میں اشارہ ہے کہ مجرم اگرچہ سزا کا مستحق ہے لیکن اسم حلیم کا تقاضا ہے کہ اسے سزا نہ دی جائے بلکہ بالکل اس سے درگزر فرمائے۔ آیت پر مداومت سے فضلِ الٰہی اور جسم و روح پر نزولِ رحمت اور اس کا بقا نصیب ہوتا ہے۔

ف: یاد رہے کہ توحید جملہ عالم کے نظام کا سبب ہے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک ایک بندہ بھی اللہ اللہ کہنے والا موجود ہوگا۔ لیکن اس سے وہ بندہ مراد ہے جو حقیقی توحید کا حامل ہو پھر عالم ظہور عالم بطون کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ جب اہلِ توحید دنیا سے اٹھ جائیں گے تو عالم ظہور عالم بطون کی طرف منتقل ہوگا تو عالم دنیا کو فانی کرکے اس کے اجزاء ریزہ ریزہ کر دئے جائیں گے کیونکہ وہ تو اس وقت جسد بلا روح کی مانند ہوگا اور روح جب جسم سے جدا ہو جاتی ہے تو جسم بہت جلد گل سڑ جاتا ہے۔

ف: آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا بیان ہے کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت کیے ہوئے ہے انہیں گرنے نہیں دیتا اور ضائع نہیں ہونے دیتا۔ انسان چونکہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے اور یہی زمین و آسمان کا بمنزلہ ستون کے ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ عالم ارواح و اجسام کی حفاظت فرماتا ہے۔

اولیاء کے طفیل دنیا قایم ہے

فتوحاتِ مکیہ میں ہے کہ ہر ولایت و شہر یا بستی میں کسی ولی اللہ کا ہونا ضروری ہے کہ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس ولایت اور شہر یا بستی کی حفاظت فرماتا ہے وہاں کے مقیم مومن ہوں یا کافر۔

قیامت کی آخری نشانی

مروی ہے کہ انسان کا وہ آخری بچہ (کہ جس کے بعد ولادت کا سلسلہ منقطع ہوگا) چین میں پیدا ہوگا۔ جب سلسلۂ تولید منقطع ہو جائے گا یعنی مرد اور عورتیں بانجھ ہو جائیں گے اور وہ ان کو دعوتِ اسلام پیش کرے گا لیکن کوئی بھی اس کی بات نہ مانے گا اور یہ عدمِ تولید کا سلسلہ تمام عالمِ دنیا میں پھیل جائے گا، اور اللہ تعالیٰ اس وقت کے مومن مرد و عورت کو موت دے گا تو اس کے بعد لوگ جانوروں کی طرح ہوں گے جنہیں حلال و حرام کی تمیز نہ ہوگی۔ پھر قیامت قایم ہوگی اور دنیا ویران اور خراب ہو جائے گی۔ پھر جملہ امور آخرت کی طرف منتقل ہو جائیں گے ؎

۱ مدار نظم امور جہاں انسانست
جمیع اہلِ جہاں جسم و جاں انسانست

۲ فنائے عالم صورت بہ رحلتش مربوط
مقام بود سماوات کرد بارض ہبوط

ترجمہ: (۱) نظم امور کا مدار انسان ہے تمام اہلِ جہان انسان کا جسم و جان نہیں۔
(۲) عالمِ صورت کا فنا اس کے کوچ سے مربوط ہے آسمان کا ٹھہرنا زمین سے ہے جب

وہ نہ ہوگی یہ بھی نہ ہوگا۔

تفسیر عالمانہ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰہِ اقسم بمعنے حلف۔ یہ قسامۃ سے ہے۔ وہ ایمان (قسمیں) جو مقتول کے اولیاء پر تقسیم ہوتی ہیں پھر ہر حلف قسم کے لیے استعمال ہونے لگا (المفردات) یہ ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہے۔ معنیٰ یہ ہے کہ مکہ کے کفار و مشرکین نے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھائیں جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ مصدر حال کے محل میں ہے یعنی در انحالیکہ وہ قسمیں کھانے والے ہیں۔

حلِ لغات: الجھد بمعنے طاقت ومشقت۔ بعض نے کہا الجھد (بالفتح) بمعنے المشقۃ۔ الجھد (بالضم) بمعنے الوسع۔ الایمان (بالفتح) یمین کی جمع ہے بمعنے الحلف الیمین سے مستعار ہے بمعنے دایاں ہاتھ۔ اس لیے کہ قسم کھانے والا اور معاہدہ کرنے والا اسی کو عمل میں لاتا ہے۔ امام راغب نے فرمایا کہ انہوں نے قسمیں کھائیں اور ان میں اتنی جد وجہد کی کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق اسے عمل میں لائیں۔

ف: اہلِ جاہلیت کا طریقہ تھا کہ وہ اپنے آباء واصنام وغیرہ کی قسمیں کھاتے تھے لیکن جب اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتے تو اسے جہد الیمین (پکی قسم) سے تعبیر کرتے اور یہ ان کے نزدیک بہت سخت قسم تھی۔ جیسا کہ نابغہ نے کہا: ؎

حلفت فلم اترك لنفسك ريبة

وليس وراء الله للمرء مطلب

ترجمہ: میں نے قسم کھائی تیرے لیے مَیں نے شک کی گنجائش نہیں چھوڑی اور اللہ تعالیٰ کے سوا انسان کا اور کوئی مطلوب بھی نہیں۔

یعنی جیسے اللہ تعالیٰ اعلی المطالب ہے ایسے اس کی قسم تمام قسموں سے اعلیٰ ہے۔

مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ سے پہلے جب قریش نے سنا کہ **الجویہ** اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ نے اپنے رسل علیہم السلام کی تکذیب کی تو قسم کھا کر کہا لَئِنْ جَآءَھُمْ نَذِیْرٌ بخدا کہ اگر ان کے ہاں کوئی نبی ڈر سنانے والا تشریف لایا لَیَکُوْنُنَّ اَھْدٰی تو ہوں گے زیادہ ہدایت یافتہ اور بڑے فرمانبردار اور سب سے بہتر دین والے مِنْ اِحْدَی الْاُمَمِ گزشتہ امتوں میں سے یعنی یہود و نصاریٰ وغیرہم میں سے۔ الامم جمع ہے اس سے صرف یہود و نصاریٰ مراد نہیں۔

سوال: اِحدٰی کا اضافہ کیوں، جبکہ من الامم کہنا کافی تھا؟

جواب: اِحدٰی نہ ہوتا تو مِن تبعیضیہ ہو کر بعض مراد ہوتا، اور یہ مقصد کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہاں

صرف یہود و نصاریٰ کی ایک امت ہی مراد نہیں بلکہ جملہ امتیں مراد ہیں۔

سوال: سورۂ انعام کے اواخر میں ہے ان تقولوا انما انزل الکتٰب علی طائفتین من قبلنا (تم کہتے کہ ہم سے پہلے دو گروہوں (یہود و نصاریٰ) پر کتابیں اتاری گئیں) پھر فرمایا او تقولوا لو انا انزل علینا الکتاب لکنا اھدی منھم (یا تم کہتے کہ اگر ہمارے اوپر کتاب ہوتی تو ہم ان سب سے زیادہ ہدایت والے ہوتے) یہ دو آیتیں متخالف کیوں؟

جواب: عموم دو گروہوں (مخصوص) کے منافی نہیں کیونکہ سابقہ اُمم میں سے یہ دونوں بہت زیادہ مشہور تھے ایسے ہی ان کی دو کتابیں دیگر کتب سے مشہور تر تھیں، اسی لیے ان کا خصوصیت سے ذکر کیا گیا۔

ف: بعض نے کہا احدی الامم سے وہ امت مراد ہے جو تمام امتوں سے برگزیدہ و افضل ہو کہ وہ سب سے زیادہ ہدایت و استقامت والی اُمت ہے۔ جیسے اہلِ عرب کہتے ہیں:

للد اهیۃھی احدی الدواھی۔

(وہ عظیم مصیبت جو سب سے بڑی ہو)

یا کہتے ہیں:

العظیمۃ واحد سبع۔

(بڑی مصیبتوں میں سات راتوں میں سے صرف ایک رات)

یا کہتے ہیں:

احدی لیالی عاد فی الشدۃ۔

(عاد پر عذاب کی راتوں میں سب سے سخت عذاب والی رات)

تفسیرِ صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ انسان جبکہ روح و جسد سے مرکب ہے تو اس کی روحانیت کا میلان دین کی طرف اور اس کے جسد کا میلان کفر کی طرف ہے اور اہلِ ایمان و اہلِ کفر اس میلان میں برابر ہیں لیکن کافر اگر کسی وقت دین کے کسی امر کی طرف میلان ہو بھی تو نفسانیت کا غلبہ اسے کفر کی وادی سے باہر نہیں نکلنے دیتا کیونکہ اس کا میلان کفر اس میں گھل مل گیا ہے اسی لیے وہ عارضی میلان بے اثر ہو کر رہ جاتا ہے ایسے ہی مومن جب بشریت کے غلبہ سے کسی دنیوی امر میں مائل ہوتا ہے تو اسے نورِ ایمان مانع ہو کر ایسے میلانِ دنیوی کو ختم کر ڈالتا ہے۔ ایسے ہی مرید صادق جب اس پر قبض کی شدت ہوتی ہے اور اس کا نفس ریاضت و مجاہدہ کی تکالیف سے اکتاتا ہے تو وہ نفس رخصتی امور کی طرف مائل ہو کر معاہدۂ ایزدی سے ہٹ کر شیطانی عہد و پیمان کی زد میں آ جاتا ہے لیکن بعد کو جب معرضِ وفا کی طرف متوجہ ہو کر ایفائے عہد کے لیے

ارادہ کرلیتا ہے۔ جب اس کا یہ ارادہ پختہ ہوجاتا ہے تو عزیمت اس کا ہاتھ پکڑ کر سلسلۂ طلب میں پہنچاتی ہے اس وقت وہ عہدِ الٰہی کی تجدید کرتا ہے اور ذکرِ الٰہی میں مشغول ہوجاتا ہے یہاں ذکر کی چال سے بابِ قلب حضرتِ حق کے لیے کھل جاتا ہے۔ اس کے بعد باطل خیالات مٹ کر حق کا غلبہ حاصل ہوجاتا ہے

تفسیر عالمانہ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ پس جب ان کے ہاں جب افضل المخلوق واشرف الانبیاء والرسل صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے مَّا زَادَهُمْ انہیں نہ بڑھایا ڈرانے والے نے اِلَّا نُفُوْرًا ۝ مگر نفرت کو یعنی تباعد عن الحق والھدی یعنی حق وہدایت سے دوری اسْتِكْبَارًا فِي الْاَرْضِ یہ نفوراً سے بدل یا مفعول لہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے بغاوت اور ایمان سے تکبر یعنی فرمانِ حق سے سرکشی۔

ف: بحر العلوم میں ہے الاستکبار بمعنے تکبر۔ جیسے استعظام بمعنے تعظیم لفظاً ومعناً۔

ف: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مٹی سے پیدا فرمایا ہے اسے لازم ہے کہ وہ اس پر متجاوز نہ ہو ؂

زخاک آفریدت خداوند پاک
پس اے بندہ افتادگی کن چو خاک

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تجھے مٹی سے پیدا فرمایا، پس اے بندۂ خدا! مٹی کی طرح عاجزی کر۔

وَمَكْرَ السَّيِّئِ اس کا استکبار نفوراً پر عطف ہے یہ دراصل مکروا المکر السیئ تھا موصوف کو وصف کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔

حلِ لغات تاج المصادر میں ہے کہ المکر بمعنے رات کا تاریک ہونا۔ اسی سے مَکر بمعنے معروف مشتق ہے کیونکہ فساد کی کوشش اور دھوکا وفریب بھی مخفی طور ہوتا ہے۔

امام راغب نے فرمایا کہ المکر بمعنے کسی کو حیلہ کر کے اس کے مقصد سے پھیرنا، یہ دو قسم ہے:

۱۔ محمود

۲۔ مذموم

محمود یہ کہ اس کے ذریعے کسی اچھے کام کے حصول کی کوشش کی جائے اُسی معنی سے واللہ خیر الماکرین ہے۔

مذموم یہ ہے کہ اس کے ذریعے قبیح امر کے حصول کی کوشش کی جائے۔ آیت میں یہی دوسرا معنی مراد ہے اسی لیے اسے السیئ سے موصوف کیا گیا ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ گرامی کے دفع کرنے میں نہ بڑھایا مگر

بڑے مکر و حیلے نے یعنی اُنھوں نے برا مکر کیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید کرنے کے لیے غلط تدبیریں بنائیں ۔ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ ۔

حلِ لغات القاموس میں ہے :

حاق يحيق حيقا حيوقا و حيقانا بمعنے احاط به كانطاق وحاق بهم العذاب احاط و نزل فلاں کو وہ محیط ہوا جیسے وہ اس کو محیط ہُوا اور انھیں عذاب نے گھیر لیا اور ان پر نازل ہوا۔

کما فی المختار :

الحیق ہر وُہ شے جو انسان کو مکروہ امر گھیر لے۔

اب معنٰی یہ ہوا اور بُرا مکر محیط ہُوا سوائے اس کے اہل کے۔ اس سے خود مکر کرنے والا مراد ہے انھیں یہ سزا بدر میں ملی۔ یعنی بُرا مکر خود مکر کرنے والوں کو محیط ہُوا اور ہر بُرے کو اس کی برائی اردگرد سے گھیر لیتی ہے جو کسی دُوسرے کے لیے بُرا ارادہ کرتا ہے وُہ خود اس میں مبتلا ہوتا ہے[1]۔

ف : بحر العلوم میں ہے کہ اس کا معنٰی یہ ہے کہ وہ مکر برا خود مکر کرنے والے کو چمٹا۔ یہ استثناء مفرغ ہے اسی لیے واجب ہے اس کا مستثنٰی منہ عام اس کی جنس سے مقدر ہو۔ اب عبارت یوں ہوگی :

ولا يحيق المكر السيئ حيقا الا حيقا باهله۔

اسی کی تفسیر حدیث شریف میں ہے :

لا تمكروا ولا تعينوا ماكرا فان الله يقول ولا يحيق المكر السيئ الا باهله ولا تبغوا ولا تعينوا باغيا فان الله يقول انما بغيكم على انفسكم۔

(اے کافرو نہ مکر کرو نہ مکر کرنے والے کی مدد کرو اس لیے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے : بغاوت کرو نہ باغی کی مدد کرو۔ اللہ تعالٰی کا فرمان ہے : تمھاری بغاوت تمھارے سر ہوگی)

حدیث شریف میں ہے :

انصر اخاك ظالما او مظلوما۔

(اپنے بھائی کی مدد کرو وہ ظالم ہو یا مظلوم)

سوال : ظالم کی مدد کا حکم کیسا ؟

جواب : ظالم کی مدد کا مطلب یہ ہے کہ اس کی یُوں مدد کرو کہ اسے شیطان کے وسوسہ سے بچا لو

---

[1] جیسے کہا جاتا ہے : چاہ کن را چاہ درپیش ادریسی غفرلہٗ

کیونکہ وہ اس سے ظلم میں مبتلا ہوگا یعنی وہ ایسا کلام یا کام کرے گا جو نفوس کو اچھا لگے گا، اور وہ ابلیس کے بہکا دے میں آجائے گا۔ اس لیے تم اس کی یوں مدد کرو کہ وہ ابلیس کی شرارت سے بچ جائے۔

حدیث شریف میں ہے:
المکر والخدیعۃ فی النار۔

(مکر و خدیعۃ جہنم میں ہیں)

یعنی مکر اور دھوکا کرنے والے دوزخ میں ہیں کیونکہ یہ دونوں کام کفار کی عادات سے ہیں اس سے اللہ والے نیک لوگ کوسوں دور بھاگتے ہیں۔ عربی مثل مشہور ہے:

من حفر لاخیہ جبا وقع فیہ منکبا۔

(جو دوسرے کے لیے کنواں کھودتا ہے وہ خود اس میں اوندھا گرتا ہے)

خلاصہ یہ کہ شر شریر کو ہی نصیب ہوتا ہے۔ ابن یامین کا اس بارے میں ایک قطعہ مشہور ہے جس کے دو بیت ہم نقل کرتے ہیں: ؎

۱ در باب من ز روے حسد یکدو ناشناس
دمہا زدند و کورہ تزویر تافتند

۲ ز اعمال نفسہم ہمہ نیکی بمن رسید
و ایشاں جزاے فعل بدخویش یافتند

ترجمہ: (۱) میرے لیے دو حاسدوں نے تدبیر بنائی ایک پھونکتا رہا تو دوسرا بھٹی جلاتا رہا۔

(۲) ان کی نیکیاں مجھے مل گئیں لیکن ان دونوں کو برائی کی سزا نصیب ہوئی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جن کے دل غل و غش سے پاک ہیں اور ہمیں خرابیوں اور غلطیوں میں گرنے سے بچائے۔

فَهَلْ يَنْظُرُونَ النظر بمعنے الانتظار ہے۔ تو مکذبین اور مکار انتظار نہیں کرتے **إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ** مگر پہلے لوگوں کی طرح کہ اللہ تعالیٰ کا وہ طریقہ جو امم سابقہ کے لوگوں کے ساتھ برتا کہ ان کے مکذبین اور مکر کرنے والوں کو عذاب میں مبتلا فرمایا۔

حلِ لغات السنۃ بمعنے الطریقۃ۔ اور سنۃ النبی یعنے ان کا وہ طریقہ جس پر وہ چلے (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اللہ تعالیٰ سنت بمعنے حکمت۔

فَلَنْ فاء تعلیلیہ ہے جس عذاب کے انتظار کے حکم کا فائدہ مرتب ہوگا اس کی علت بتائی

جاری ہے تَجِدَ ہرگز نہ پاؤ گے لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَبۡدِیۡلًا ۚ اللہ تعالیٰ کے طریقے میں تبدیلی کہ عذاب کے بجائے رحمت اور معافی عطا فرمائے وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَحۡوِیۡلًا ۝ اور اللہ تعالیٰ کے طریقے میں تغیر نہ پاؤ گے کہ مکذبین کے بجائے کسی اور کو عذاب میں مبتلا کرے طریق برہانی کے طور تبدیل و تحویل کے وجود کی نفی مراد ہے ان دونوں تبدیل و تحویل کی تخصیص مستقل طور ان کی نفی کی تاکید مطلوب ہے۔

مسئلہ: آیت میں تنبیہ ہے کہ اگرچہ فروع شرائع میں بظاہر اختلاف ہے لیکن مقصود کے غرض و غایت میں کوئی اختلاف نہیں غرض و غایت ہے نفوس کی تطہیر اور وصول ثواب الی اللہ و جوار الٰہی کیلیے انہیں تیار کرنا۔ کما فی المفردات۔

اَوَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ ہمزہ انکار کے لیے ہے واؤ کا عطف مقدر پر ہے کہ اقعد ہے یعنی مشرکین عرب گھروں میں بیٹھے رہیں گے کیا زمین پر چل پھر کر نہیں دیکھتے مثلاً شام و یمن و مصر و عراق میں جب تجارت کے لیے جاتے ہیں فَیَنۡظُرُوۡا تو امم ماضیہ کے سرکشوں کے گھروں اور محلوں کے نشانات کو دیکھیں کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ کیسا ہوا انجام برباد اُن لوگوں کا جو ہو گزرے ہیں مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ان سے پہلے انہوں نے رسل کرام علیہم السلام کی تکذیب کی اور ان کے گھروں اور محلوں کے کھنڈرات اور ان کے نشانات موجود ہیں وَکَانُوۡۤا اور حالانکہ وہ (جیسے عاد و ثمود و سبا) تھے اَشَدَّ مِنۡہُمۡ قُوَّۃً قوت و طاقت میں ان سے زیادہ یعنی مکہ والے مشرکین سے ان کی طاقت قوت بہت زیادہ تھی اور عمریں بھی ان کی طویل تھیں لیکن انہیں لمبی عمر نے بچایا نہ قوت و طاقت نے وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعۡجِزَہٗ مِنۡ شَیۡءٍ الاعجاز بمعنے عاجز کرنا۔ لام و من نفی کی تاکید کے لیے ہے۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ یہ ہر طرح سے محال ہے کہ کوئی شے اللہ تعالیٰ کو عاجز کرے اور اس کے حکم سے سر موہٹ سکے فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا ام ما نافیہ کی دوسری تاکید ہے اس کلام میں تین تاکیدیں ہیں فِی الۡاَرۡضِ آسمانوں میں نہ زمینوں میں۔ اس کے حکم سے کسی کو روگردانی کی ہمت نہیں وہ جس پر جیسے چاہے حکم چلائے اِنَّہٗ کَانَ عَلِیۡمًا بیشک وہ بہت علم والا ہے جو کچھ موجود ہے اور جو ہونے والا ہے ہر شے پر اس کی قدرت حاوی ہے اسی لیے ان کے جملہ معاصی کو جانتا ہے انہی کے عمل کے مطابق سزا دے گا وہ ذات جو سابقہ لوگوں کو سزا دے سکتا ہے وہ موجودہ لوگوں کو بھی سزا دے سکتا ہے اگر ان کے اعمال برے ہوں گے تو سزا سے نہیں بچ سکیں گے۔

ف: آیت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو نصیحت فرمائی ہے تاکہ وہ عبرت حاصل کریں ؎

۱ نرود مرغ سوئے دانہ فراز
چوں دگر مرغ بیند اندر بند

۲ پندگیر از مصائب دگراں
تا نگیرند دیگراں ز تو پند

ترجمہ: (۱) وہ پرندہ دانہ کی طرف نہیں جاتا جہاں جانتا ہے کہ وہاں پھانسی لٹکی ہوئی ہے۔
(۲) دوسروں کی مصائب سے نصیحت حاصل کر تاکہ دُوسرے تجھ سے عبرت نہ لیں۔

تفسیر صُوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ولی اللہ کو کبھی خسارہ نہیں ہوتا اور عدو اللہ کبھی نفع نہیں پاتا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو بہت زیادہ فضل سے نوازتا ہے اور دشمنوں کو تباہ و برباد کرتا ہے اور فضل و کرم میں سب سے بڑا فضل توحید الٰہی ہے ایسے ہی اس کے قہر و غضب اور دشمنی کا سب سے بڑا سبب کفر و شرک ہے۔ بعض اکابر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے گزشتہ اُمتوں میں جسے قہر و غضب کا نشانہ بنایا تو دن کے آخری حصہ میں پکڑا اور دشمن کا خسارہ عنین (نامرد) کی نامردی کی طرح ہے اور اللہ تعالیٰ کسی کی گرفت کرتا ہے تو اسے اپنی کوئی خاص ضرورت نہیں ہوتی بلکہ بندوں کا فائدہ مطلوب ہوتا ہے اور اس کا غضب کسی میں ایسے مؤثر ہوتا ہے جیسے نامرد میں نامردی کا مرض کہ جب اس میں وہ مرض موثر ہوکر مستحکم ہوجاتا ہے کہ علاج کے قابل بھی نہ رہے تو اس سے فوائد نکاح جیسی لذت اور نسل ختم ہوجاتے ہیں۔ پھر نکاح کے فوائد میں لوگ مختلف حیثیت رکھتے ہیں اگرچہ نکاح مجموعی طور پر اپنے جملہ فوائد پر مشتمل ہے لیکن بعض تمام فوائد حاصل ہوتے ہیں کہ اس سے لذت بھی پاتا ہے اور بچے بھی حاصل کرتا ہے یا صرف لذت پاتا ہے یا صرف بچے حاصل کرتا ہے اور یہ فوائد ایک گروہ کو حاصل ہوتے ہیں تو دوسرے گروہ کو اس کے علاوہ اور بھی نصیب ہوتے ہیں۔ بعض کو مذکورہ بالا دونوں فوائد ملتے ہیں اللہ تعالیٰ کی گرفت مختلف رہی ایک زمانہ میں ایک طرح کا عذاب ہوتا ہے تو دوسروں کو دوسرے طور۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور شفقت ہے کہ بندوں کی اچانک گرفت نہیں فرماتا تاکہ انہیں معلوم ہو کہ اسے عفو و احسان محبوب ہے وہ اخذ و انتقام عمل میں لاتا ہے تاکہ وہ برائیوں سے باز آئیں اور لطف و کرم اور شفقت و رحمت اس کا شیوۂ کریمی ہے۔ اس کی رحمت غضب پر سبقت کرتی ہے۔ یہ صرف اس لیے ہے تاکہ انہیں عفو و کرم، عدل و انصاف، قہر و غضب اور جمال و جلال کے درمیان فرق معلوم ہو۔ دنیا و آخرت کی گرفت اور مختلف عذابوں میں مبتلا کرنے سے مومن کی تطہیر مطلوب ہوتی ہے اور کافر کو محض سزا۔ کافر تو تطہیر کے اہل نہیں کیونکہ تطہیر معاصی کے متعلق ہوتی ہے اور کفر تطہیر کے قابل نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان افعال سے بچائے جو عذاب و غضب و عقاب کا سبب بنتے ہیں۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ اور اگر اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کی گرفت کرے بِمَا كَسَبُوْا اُن کے گناہوں کی وجہ سے۔ یعنی بوجہ شرک وکفر و معاصی کے جیسے امم سابقہ کی گرفت ہوئی مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا تو زمین پر کسی کو نہ چھوڑے۔ اظہر بمعنے پیٹھ اور ضمیر ارض کی طرف راجع ہے اگرچہ اس کا ذکر صراحۃً نہیں لیکن قرینہ بتاتا ہے کہ گویا وہ مذکور ہے مِنْ دَآبَّةٍ کسی ذی رُوح کو جو بنی آدم میں سے زمین پر چلنے والے ہیں کیونکہ مکلف صرف یہی ہیں اور حد سے بھی یہی تجاوز کرتے ہیں جیساکہ اس کا مابعد اسی پر دلالت کرتا ہے یا اس سے جملہ جاندار مراد ہیں کیونکہ مکلفین کی معاصی کی نحوست تمام اہلِ ارض کو لپیٹ میں لے لیتی ہے وہ جنگل میں ہوں یا آبادی میں یا ہوا میں کہ ان کو قحط وغیرہ میں مبتلا فرمادے۔

جرائم کا بُرا نتیجہ: وارد ہے کہ جو بھی کوئی گناہ کرتا ہے تو قیامت میں اس پر تمام انسانوں اور جانور اور پرندو وحوش وغیرہ دعویٰ کریں گے یہی وجہ ہے کہ نوح علیہ السلام کے طوفان سے تمام حیوانات تباہ ہوئے سوائے ان کے جو نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے۔ یہ بھی مشرکین کے شرک کی نحوست سے ہوا۔

نکتہ: بعض ائمہ نے فرمایا کہ حیوانات انسان کے گناہ سے تباہ نہیں ہوتے۔ چونکہ ان کو انسان کی خدمت کے لیے پیدا کیا گیا ہے تو جب مخدوم نہ رہا تو خدمت کس کی۔ اس لیے انہیں بھی ہلاک کر دیا جاتا ہے۔

وَلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لیکن انہیں ایک وقتِ معین تک (جس کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے) مہلت دی جاتی ہے یعنی قیامت تک فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ جب ان کی ہلاکت کا وقت آجاتا ہے فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ○ تو بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے اسی لیے اس وقت انہیں ان کے اعمال کی جزا و سزا دے گا اگر نیکی ہوگی تو نیک جزا ہوگی اگر بُرائی ہوگی تو بُری سزا ؎

آنرا بلوا مع رضا بنوازد

ایں را بلوا مع غضب بگدازد

لہ جیسے ہمارے دور میں عام عورتیں گھر کا تمام کاروبار سنبھالنے کے ساتھ ساتھ بچے بھی پالتی ہیں اور اپنے شوہروں کے شانہ بشانہ امورِ خانہ داری انجام دیتی ہیں یہاں تک کہ کھیتی باڑی وغیرہ جوانمردی سے کام کرتی ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

۲ کس را بقضائے قدرتش کائے نیست
آنست صلاح خلق کو میسازد

ترجمہ: (۱) کسی کو رضا سے نوازتا ہے تو کسی پر غضب برساتا ہے۔
(۲) کسی کو اس کی قضا سے مقابلہ کی طاقت نہیں اسی کو ہر کام لائق ہے جیسے چاہے مخلوق کو نوازے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ہر انسان سے مؤاخذہ کے اسباب کا صدور ہوتا ہے لیکن وہ کریم اپنے فضل وکرم سے مہلت دیتا ہے لیکن جب بندہ اس سے باز نہیں آتا تو پھر گرفت فرماتا ہے لیکن پھر بھی بہت سے بندوں کو معاف بھی فرما دیتا ہے۔ آیت میں اللہ تعالیٰ کے حلم کا بیان ہے۔ بندوں کو اپنے حلم کی طرف رہبری فرمائی کیونکہ حلم آفات کا حجاب ہے اور اخلاق کے لیے بمنزلہ نمک کے ہے۔

لیڈری کا نسخہ احنف بن قیس اگر قوم کا لیڈر بن گیا تو عقل وحوصلہ کی وجہ سے، یہاں تک کہ اس کے لیے ایک لاکھ تلوار بے نیام رہتی تھی اور لوگ اس کے ہاں آکر پناہ لیتے۔ اسی لیے وہ حلم میں ضرب المثل ہے۔ کسی نے اس سے پوچھا کہ مجھے مروّت کا نسخہ بتائیے۔ کہا: کسب الذم بلا منفعۃ مروّت ہی مروّت ہے۔

زمخشری کی بلاغات زمخشری کی بلاغات میں سے ہے:
"البأس والحلم حاتمی و حنفی والدین والعلم حنیفی و حنفی۔"

اس میں لف ونشر علی الترتیب ہے اس لیے کہ بأس بمعنے شجاعت، اور یہ سخاوت میں ہے اور وہ حاتم کی طرف منسوب ہے کیونکہ شجاعت سخاوۃ النفس سے ہوتی ہے اور سخاوت شجاعت کے بغیر نہیں ہو سکتی اس لیے کہ مال محبوب شے ہے اور اسے وہی خرچ کر سکتا ہے جو اپنے نفس پر غالب ہو اور ظاہر ہے کہ جود حاتم بن عبد اللہ بن سعد طائی کی طرف منسوب ہے، اور حلم احنف مذکور کی طرف اور دین سیدنا ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف اور علم حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے: ؎

۱ الفقہ زرع ابن مسعود وعلقمۃ
حصادہ ثم ابراھیم دوّاس

۲ نعمان طاحنہ یعقوب عاجنہ
محمد خابز والآکل النّاس

ترجمہ : (۱) فقہ کو ابنِ مسعود نے بویا، علقمہ نے اسے کاٹا، ابراہیم نے اسکے دانے صاف کیے۔

(۲) نعمان نے اسے پیسا، یعقوب (ابو یوسف) نے آٹا گوندھا، امام محمد نے روٹی پکائی جسے تمام لوگ کھا رہے ہیں۔

ف : علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ برمحل ہو جیسے کسی نے کہا : ؎

ارى الحلم فى بعض المواضع ذلة

وفى بعضها عزا يسود فاعله

ترجمہ : بعض مواقع پر حوصلہ ذلت ہوتی ہے لیکن بعض موقعوں پر عزت ہوتی ہے جس کے عامل کو سرداری نصیب ہو جاتی ہے۔

مسئلہ : احسان بھی موقعہ و محل پر ہو احسن ہے ؎

ہر آنکس کہ بر دزد رحمت کند   ببازوئے خود کاروان میزند

ترجمہ : جو بھی چور پر رحمت کرتا ہے وہ اپنے ہاتھوں سے قافلہ کو لٹاتا ہے۔

ف : بصیر رؤیت سے ہر موجود کا ادراک کرنے والا۔

خاصیتِ بصیر اس اسم کی خاصیت یہ ہے کہ اس سے توفیق نصیب ہوتی ہے۔ جو اسے نمازِ جمعہ سے پہلے سو بار پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کی بصیرت کھول دے گا اور اسے اچھے قول و عمل کی توفیق بخشے گا۔

اللہ تعالیٰ ہماری بصیرت کو ملکوت کی طرف کھول دے اور ہمارے تعلقات عالمِ ناسوت سے چھڑا دے اور اپنے اسم حلیم کے صدقے ہمارے اوپر حوصلہ فرمائے اور ہمارا خاتمہ بالخیر فرما کر ہمیں اُن لوگوں سے بنا دے جو قلبِ سلیم سے قیامت میں حاضر ہوں۔

اختتامِ تفسیر سورۃ الملائکۃ (صاحبِ روح البیان جناب علّامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ) تفسیر سورۃ الملائکہ (فاطر) رجب شریف کے آخری دنوں میں ۱۱۱۰ھ میں ختم ہوئی۔

تاریخ اختتامِ ترجمہ فقیر اویسی غفرلہٗ اس سورۃ کے ترجمہ سے شبِ سوموار مبارک بوقت اذان نمازِ عشاء ۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۴ھ میں فارغ ہوا۔ الحمد للہ علیٰ ذلک وصلی اللہ علیٰ حبیبہ الاکرم وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وبارک وکرم وسلم۔

انا الفقیر القادری محمد فیض احمد اویسی الرضوی غفرلہٗ ربہ القوی بحرمۃ النبی الامی۔
۱۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۴ھ

سُورَةُ يٰسٓ مَكِّيَّةٌ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اٰيَاتُهَا ٨٣ رُكُوْعَاتُهَا ٥

سورہ یٰسٓ مکیہ ہے اس میں اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا تراسی آیتیں اور پانچ رکوع ہیں

يٰسٓ ۝١ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝٢ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝٣ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝٤

حکمت والے قرآن کی قسم بے شک تم سیدھی راہ پر بھیجے گئے ہو

تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝٥ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝٦ لَقَدْ حَقَّ

عزت والے مہربان کا اتارا ہوا تاکہ تم اس قوم کو ڈر سناؤ جس کے باپ دادا نہ ڈرائے گئے تو وہ بے خبر ہیں بیشک

الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝٧ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِىَ اِلَى

ان میں اکثر پر بات ثابت ہوچکی ہے تو وہ ایمان نہ لائیں گے ہم نے ان کی گردنوں میں طوق کر دیئے ہیں کہ وہ ٹھوڑیوں تک ہیں

الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝٨ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا

تو یہ اوپر کو منہ اٹھائے رہ گئے اور ہم نے ان کے آگے دیوار بنادی اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور انہیں اوپر

فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝٩ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا

سے ڈھانک دیا تو انہیں کچھ نہیں سوجھتا اور انہیں ایک سا ہے تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان

يُؤْمِنُوْنَ ۝١٠ اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِىَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ ٩

لانے کے نہیں تم تو اسی کو ڈر سناتے ہو جو نصیحت پر چلے اور رحمٰن سے بے دیکھے ڈرے تو اسے بخشش اور عزت

وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ۝١١ اِنَّا نَحْنُ نُحْىِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۚ وَكُلَّ شَىْءٍ

کے ثواب کی بشارت دو بے شک ہم مردوں کو جلائیں گے اور ہم لکھ رہے ہیں جو انہوں نے آگے بھیجا اور جو نشانیاں پیچھے چھوڑ گئے

اَحْصَيْنٰهُ فِىْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۝١٢

اور ہر چیز ہم نے گن رکھی ہے ایک بتانے والی کتاب میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ سورہ یٰسٓ مکیہ اور اس کی تراسی آیات ہیں۔

تفسیر عالمانہ یٰسٓ ۝ علی طریق تعدیل واقع ہے کہ اسے کسی اعراب سے واسطہ نہیں، یا یہ سورۃ کا اسم ہے اور اکثر یہی کہتے ہیں اس اعتبار سے یہ محلاً مرفوع مبتدا محذوف کی خبر ہے کہ دراصل ھٰذہٖ یٰسٓ ہے۔ یا منصوب ہے کہ فعل مقدر کا مفعول بہ ہے کہ دراصل اقراء یٰسٓ تھا۔ یہ سورۃ کا نام ہے اس کی تائید حدیث شریف سے ہوتی ہے۔

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف ۱ ان اللہ تعالی قرأ طٰہٰ و یٰسٓ قبل ان خلق آدم بالفی ع ـ م ف د

سمعت الملائکۃ قالوا طوبیٰ لامۃ ینزل علیہم ھذا و طوبیٰ لالسن تتکلم بھذا وطوبیٰ لاجواف تحمل ھذا۔

(اللہ تعالیٰ نے سورۃ طٰہٰ و یٰسٓ کو تخلیق آدم علیہ السلام سے دو ہزار سال قبل پڑھا تو ملائکہ نے سن کر عرض کی مبارک ہو اُس امت کو جس پر نازل ہوگی اور مبارک ہیں وہ زبانیں جو اسے پڑھیں گی اور مبارک ہیں وہ سینے جو اسے محفوظ رکھیں گے)

حدیث شریف ۲ جب دوستانِ خدا بہشت میں قدم رکھیں گے تو بارگاہِ حق سے آواز آئے گی تم نے قرآن بہت سے لوگوں سے سنا اب مجھ سے بھی سنو، تو اُس وقت وہ سورۃ فاتحہ و طٰہٰ و یٰسٓ سنیں گے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کأن الناس لم یسمعوا القرآن حین سمعوا الرحمٰن یتلوہ علیہم۔

(گویا انہوں نے اس سے قبل قرآن سنا ہی نہیں جب اسے خود اللہ تعالیٰ پڑھے گا) کما فی کشف الاسرار۔

تحقیق حروفِ مقطعات (۱) بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ حروفِ مقطعات اسمائے الٰہیہ ہیں۔ جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کہا کرتے:

"یا کھیٰعص یا حمعسق۔"

اس لحاظ سے مقسم بہ مجرور اور اس کی قسم مضمر یا منصوب اور اس کا فعل محذوف ہوگا۔ محذوف سے مراد یہ ہے کہ اس کا اثر بالکل باقی نہ رہے۔ اور مضمر سے مراد یہ ہے کہ اگرچہ وہ مذکور نہیں لیکن اس کا اثر باقی ہے۔ مثلاً اللہ لافعلن اللہ کو منصوب پڑھنا جائز ہے کہ اس میں نزع الخافض ہے اور مقدر قسم کے فعل کی وجہ سے منصوب ہے یا حرف جر کے اضمار کی وجہ سے مجرور ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ مجھے یٰسٓ یعنی اللہ تعالیٰ کی قسم۔

ف: الارشاد میں ہے کہ قسم کے فعل کا محذوف کرتے وقت مقسم بہ کو منصوب پڑھنا ناجائز ہے کیونکہ اس کا مابعد مقسم بہ ہے اور اہلِ عرب دو قسموں کا ایک جگہ لانے کو بُرا سمجھتے ہیں جب تک کہ پہلی کا مقصد ختم نہ ہو دوسری کا لانا ناجائز سمجھتے ہیں۔

(۲) بعض اللہ والے حکماء نے کہا کہ یہ ملائکہ کرام کے اسماء ہیں اور یہ چودہ ہیں جیسا کہ طٰسٓمٓ میں گزرا۔

(۳) بہت سے مفسرین جن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی ہیں فرماتے ہیں کہ یٰسٓ کا معنیٰ ہے یا انسان۔ یہ بنو تمیم کی لغت ہے۔ اس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں غالباً یہ انیسین ہوگا۔ انسان کی تصغیر کیوں؟ اس لیے کہ تصغیر کبھی پیار کے اظہار کے لیے

بھی آتی ہے، کبھی اس سے تعظیم بھی مراد ہوتی ہے اس میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت بھی نہیں اس لیے کہ بولنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہ جو کہنا اور کرتا ہے بہتر ہے اعلیٰ اور برتر ہے۔ اس میں ہزاروں حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ اس اعتبار سے یٰسٓ میں یاء ندائیہ ہے اور سین انیسین کا ایک حصہ ہے۔ اہلِ عرب کا قاعدہ ہے کہ جسے بار بار پکارا جائے تو حرف نداء حذف کرکے منادی کے بعض الفاظ پر اکتفاء کرتے ہیں جیسے قسم میں بعض الفاظ مراد لیتے ہیں۔ مثلاً ایمن اللہ میں مَنُ اللّٰہِ کہتے ہیں اور یہ خطاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کی حیثیت سے ہے۔ جیسے انما انا بشر مثلکم میں اظہارِ بشریت مطلوب ہے کہ آپ جملہ انسانوں میں سے ایک یعنی ان کے ہمشکل[1] ہیں یہ خطاب 'یا انسان' بھی اسی قبیل سے ہے ہاں شرافت نبوت و رسالت کے اعتبار سے دوسرے مقام پر یوں خطاب ہوا کہ یا ایہا النبی، یا ایہا الرسول۔

نکتہ: یہ خطابِ بشریت اس لیے ہے کہ راز مخفی رہے اور نامحرم محبوب کے جمال و کمال سے اطلاع پائیں جیسا کہ کسی نے کہا: ع

ارسلانم خوان تا کش بداند کہ کیم

ترجمہ: مجھے ارسلان کے نام سے پکار تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ میں کون ہوں۔

(۳) ابن الحنفیہ نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ ہے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسا کہ اس کا مابعد انک لمن المرسلین اس کا مؤید ہے۔

حدیث شریف میں ہے:
ان اللہ سمانی بسبعۃ اسماء محمد و احمد و طٰہٰ و یٰس والمزمل والمدثر وعبد اللہ۔

(اللہ تعالیٰ نے میرے سات نام رکھے ہیں:

۱۔ محمد	۲۔ احمد
۳۔ طٰہٰ	۴۔ یٰسٓ
۵۔ مزمل	۶۔ مدثر

۷۔ عبد اللہ)

اس تفسیر کی تائید یوں بھی ہے کہ اہل بیت کو آل یٰسٓ سے یاد کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک شعر میں ہے: ؎

---

[1] ہمشکل ہونا حقیقت مختلف ہونے کو ثابت نہیں کرتا۔ اویسی غفرلہٗ

سلام علیٰ آل طٰہٰ و یٰس　　سلام علیٰ آل خیرالنبیین

ترجمہ: سلام ہو آلِ طٰہٰ و یٰسٓ پر اور خیرالانبیاء کی آل پر

اور کہا گیا ہے: ع

للہ در کم یا آل یاسینا

(ترجمہ: تم پر اللہ کا انعام ہو اے آلِ یاسین)

فقیر (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ) عرض کرتا ہے کہ

صاحبِ روح البیان کی تردید اس سے تائید نہیں ہوتی کہ اس سے فقط اہلِ بیت ہی مراد ہوں کیونکہ اس سے وہ لوگ بھی مراد ہو سکتے ہیں جو سب سے پہلے سورہ یٰسٓ کے برکات سے معزز و مشرف ہوئے۔

(۴) حضرت کاشفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کلامِ عرب میں ایک حرف سے ایک خاص مراد ہوتی ہے مثلاً: ع

قد قلت لہا قفی فقالت ق

ترجمہ: میں نے اسے کہا ٹھہر جا، اس نے کہا قِ (قفت) یعنی میں ٹھہری۔

اس اعتبار سے حرفِ سین "یا سید البشر" یا "یا سید الاولین و الاٰخرین" کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف:

انا سید ولد آدم (میں اولادِ آدم کا سردار ہوں)

اس تفسیر کی مؤید ہے۔ چنانچہ عرائس البیان میں فرمایا کہ اس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعریف خود نہیں فرمائی بلکہ خبر دی ہے کہ حق تعالیٰ نے مجھے اس طرح سے مخاطب فرمایا ہے۔

ف: سین از حروفِ اعتدالیہ ہے زبر و بینات کے درمیان اسے توافق و تساوی ہے اعتدال سوائے اس حرف کے کسی اور حرف میں نہیں اسی لیے یہ حرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائق ہے اس لیے کہ عدالتِ حقیقی آپ کو مسلّم ہے توحید میں بھی اور احکامِ شرع میں ہے ؎

ترا است مرتبۂ اعتدال در ہمہ حال
کہ در خصائص توحید اعدل از ہمۂ

تمکن است ترا در مقام جمع الجمع
بدیں فضیلت مخصوص افضلے از ہمۂ

ترجمہ: آپ کو ہر حال میں مرتبۂ اعتدال مسلّم ہے کیونکہ خصائصِ توحید میں آپ تمام سے اعدل ہیں آپ کو مقام جمع الجمع تمکن حاصل ہے۔ اس فضیلت کی وجہ سے آپ سب سے افضل ہیں۔

ف: کلماتِ سابقہ سے قلب القرآن یعنی یٰسٓ شریف کی خوشبو سے خوشبو حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس کی تفصیل سورۃ کے آخر میں آئے گی اِن شآءَ اللہ تعالیٰ۔

(۵) جناب نعمۃ اللہ نقشبندی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اے وُہ محبوب جسے یقین کے دریا کے چشمے حاصل ہیں اور ان میں انحراف و تلوین سے صحیح و سالم ہو کر پار پہنچے۔

(۶) شیخ نجم الدین قدس سرہٗ نے فرمایا کہ یہ محبوب علیہ السلام کی نبوت کی برکات اور آپ کے رازِ مقدس کی قسم ہے۔

(۷) شیخ البقلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ قدرت ازلیہ و سنائے ربوبیت کی قسم ہے۔

(۸) امام قشیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یٰسٓ کی یاء میں یومِ میثاق کی طرف اور سین میں رازِ مع محبوبان کی طرف اشارہ ہے۔ گویا فرمایا کہ مجھے یومِ میثاق اور رازِ محبوبان اور قرآن کی قسم ہے۔

مقطعات کا عام قاعدہ

ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ اوائل سورۃ کے حروف مقطعہ میں اللہ تعالیٰ نے ادراکِ معانی کی راہ بند کر رکھی ہے ان کے علوم اسی کو خاص ہیں ہم (عوام[1]) اس پر ایمان لائیں اور عقیدہ رکھیں۔ یہ بھی منجملہ قرآن ہے اور ان کے علوم اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کر دیں اور انہیں عبادت کے طور پڑھیں اور اللہ تعالیٰ کا کلام سمجھ کر اس کی فرمانبرداری کریں اور اس کی تعظیم و تکریم میں کوئی کسر نہ چھوڑیں اگرچہ ہم انہیں نہ بھی سمجھیں۔

خواص کا حکم

ینابیع میں لکھا ہے کہ حروفِ مقطعہ کا ہر حرف اسرارِ الٰہیہ کا گنجینہ اور غیوبِ ربانیہ کا خزینہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو آگاہی بخشی اور جبریل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ یہ حروف آپ تک پہنچائیں۔ سوائے اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوبِ اعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی ان کے اسرار سے واقف نہیں[2]

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بالمشافہ گفتگو

شیخ ابن نور الدین قدس سرہٗ اپنے بعض واردات میں بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے حروفِ مقطعات کے متشابہات کے اسرار سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ اور میرے مابین اسرارِ محبت ہیں میں نے عرض کی کہ انہیں اور کوئی جانتا ہے؟ آپ نے فرمایا: انہیں میرے دادا سیدنا ابراہیم علیہ السلام بھی نہیں جانتے۔ یہ وُہ اسرار ہیں کہ ان پر کوئی نبی مرسل مطلع ہُوا نہ کوئی ملک مقرب۔

---

[1] خواص اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں جیسا کہ گزرا اور آتا ہے۔

[2] بعض محبوبانِ خدا یعنی اولیاء اللہ کو آگاہی بخشی گئی جس کی تفصیل گزری اور مزید تفصیل فقیر کی کتاب ازالۃ المشتبہات فی الآیات المتشابہات میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ

مذکورہ بالا بیان کی تائید اس قول سے ہوتی ہے کہ بعض اخبار میں آیا ہے
جبریل رہ گیا حیران کہ جبریل علیہ السلام کھیعص لائے تو پڑھا کاف ۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، علمت (مجھے اس کا علم ہے) ۔ اس نے پڑھا ، ھا ۔ آپ نے فرمایا ، علمت (مجھے اس کا علم ہے) ۔ اس نے پڑھا ، یا ۔ آپ نے فرمایا ، علمت ۔ اس نے پڑھا ، عین ۔ آپ نے فرمایا ، علمت ۔ اس نے پڑھا ، صاد ۔ آپ نے فرمایا ، علمت ۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی ، کیف علمت ما لم اعلم (آپ نے کیسے معلوم کر لیا جسے میں بھی نہیں جانتا)[1]

فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے
تائیدِ مزید از صاحبِ روح البیان کہ اس میں کسی قسم کا شک نہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کمال کے اس مقام پر پہنچے جہاں بہت بڑے کاملین (انبیاء علیہم السلام) نہ پہنچ سکے چہ جائیکہ ان سے کم مراتب افراد (جیسے جبریل علیہ السلام وغیرہ) ۔ جیسے شبِ معراج میں ایسے مواطن و مقامات طے فرمائے جہاں کسی کو کیا مجال ۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایسے علوم پر حاوی ہیں جس کی خوشبو بھی انبیاء اور ملائکہ کرام (علیہم السلام) کو نصیب نہ ہوئی ۔

فان علوم الکل بالنسبۃ
جملہ عالم کے علوم حضور علیہ السلام کے علم کے آگے ایک قطرہ الیٰ علمہ کقطرۃ من البحر فلہ علیہ السلام علم حقائق الحروف بما لا مزید علیہ بالنسبۃ الیٰ ما فی حد البشر و اما غیرہ فلہم علم لوازمہا و بعض حقائقہا بحسب استعداداتہم و قابلیاتہم ۔
(تمام کائنات کے علوم حضور علیہ السلام کے علم کے آگے ایسے ہیں جیسے قطرہ کو دریا سے نسبت ہے کیونکہ آپ کو حقائق الحروف کے وہ علوم حاصل ہیں جو کسی فرد بشر کو حاصل نہیں اگر اوروں کو حاصل ہیں تو حروف کے لوازمات کے علوم یا بعض حقائق ، جیسے جس کی استعداد و قابلیت ہے)
یہ وہ حقیقت حال ہے جو ہماری سمجھ میں نہیں آتی اللہ تعالیٰ ہی ان مخفی امور اور اسرار کو بہتر جانتا ہے جو اس کی کتاب میں ہیں اور اس کا خطاب سب پر محیط ہے ۔

وَالْقُرْاٰنِ مجرور اور مقسم بہ ہے الْحَكِيْمِ ○ بمعنے الحاکم جیسے علیم بمعنے عالم اس لیے وہ جو اس میں احکام ہیں ان کا حکم دیتا ہے یا بمعنے محکم ہے کہ وہ ہر وجہ کے تناقض وعیب و تغیر سے محفوظ ہے چنانچہ فرمایا ،

و انا لہ لحافظون ۔

---

[1] یہ روایت پہلے پارہ میں گزری ہے ۔ اویسی غفرلہٗ

(بیشک ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)

حکیم وہ کتاب جس کا نظم ونسق واسلوب اور معنی ومطلب مستحکم ہو یا اس لیے کہ وہ صاحبِ حکمت ہے یعنی حکمت واسرار پر مشتمل ہے کیونکہ وہ ہر حکمت کا سرچشمہ اور ہر نصیحت کا معدن ہے ۔ اس اعتبار سے یہ نسب کا معنی رکھتا ہے جیسے تمار بمعنے ذی تمر ۔ یا یہ اس قبیل سے ہے کہ کلام کو متکلم کی صفت بخشی گئی ہے یعنی وہ کلام جس کا قائل حکیم ہے ۔

اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اے اکمل الرسل وافضل الکل، یہاں سے آپ کی ذات کی قسم کے بعد بالمشافہ گفتگو فرمائی ۔ یہ جواب قسم ہے اور جملہ کفار کے انکار کا رد ہے جب انہوں نے کہا کہ انك لست مرسلا (تم رسول نہیں ہو اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاں کوئی رسول بھیجا)

ف : الارسال کبھی بمعنے تسخیر آتا ہے جیسے ارسال الریح والمطر ۔ اور کبھی اس کے بعث کے معنی میں آتا ہے جو باختیار ہو جیسے ارسال الرسل ۔ المفردات

اعجوبہ بحر العلوم میں ہے کہ یہ قسم عجائبات سے ہے کہ اس میں بھیجنے والا قسم یاد کرنے والا ہے اور جسے جس کی طرف بھیجا جا رہا ہے وہ مقسم بہ ہیں ۔

ف : یہ بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کی رسالت کی شہادت کے طور ہے جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا : قل کفیٰ باللہ شھیدا بینی و بینکم ۔

قاعدہ : اللہ تعالیٰ نے سابقہ کتب میں کسی بھی نبی (علیہ السلام) کی قسم نہیں کھائی ۔

خصوصیتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ السلام کی رسالت کی قسم یٰسٓ والقرآن الحکیم الخ میں کھائی ہے ۔ یہ بھی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے ۔ انسان العیون

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

ندانم کدامین سخن گویمت
که والاتری زانچه من گویمت
ترا عز لولاک تمکین بس است
ثنائے تو طٰہٰ و یٰسٓ بس است

ترجمہ : میں نہیں جانتا آپ کی تعریف کن الفاظ سے کروں جو کچھ میں کہتا ہوں آپ اس سے بلند و بالا ہیں ۔ آپ کو لولاک کی عزت و عظمت کافی ہے آپ کی ثنا کے لیے طٰہٰ و یٰسٓ کے القاب کافی ہیں ۔

شرحِ شعرِ سعدی طٰہٰ میں تعریف کا معنیٰ یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو عبادت کے لیے قیام فرماتے یہاں تک کہ آپ کے قدم مبارک متورم ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: طٰہٰ بمعنٰے اے طٰہٰ یعنی طالب شفاعت اور ہادی بشر (صلی اللہ علیہ وسلم) ما انزلنا علیك القراٰن لتشقیٰ (ہم نے آپ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑیں۔ لتشقیٰ بمعنے لتقع به فی التعب (تاکہ آپ دکھ میں پڑیں)۔

ف: بعض نے کہا کہ طٰہٰ میں طاٗ کے نو اور ہاٗ کے پانچ عدد ہیں۔ گویا کہا "اے چودھویں کے چاند"۔ اور یٰسٓ کی تعریف کا مفہوم ہم نے اوپر عرض کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی رسالت کی قسم کھائی ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یٰسٓ بمعنے یا سید البشر وغیرہ۔ جس کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے اور وہ بھی منجملہ آپ کی تعریف کے ہے۔

عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ؕ یہ خبر دیگر ہے یعنی آپ صراط مستقیم پر ہیں کیونکہ آپ توحید اور ان شرائع پر متمکن ہیں جو جنت میں لے جانے والی ہیں اور قربتِ الٰہی اور رضائے خداوندی اور لذت ابدی اور لقائے الٰہی بخشتی ہیں۔ اسی مضمون کو دوسرے مقام پر یوں بیان فرمایا:

انك لعلیٰ ھدًی مستقیم۔

(بیشک تم صحیح ہدایت پر ہو)

یعنی تم وہ رسول ہو جن کا راستہ سیدھا اور دین درست اور شریعت پاک اور سیرۃ پسندیدہ ہے۔ کما فی کشف الاسرار۔

سوال: انك لمن المرسلین کے بعد علیٰ صراط مستقیم لانے کی کیا ضرورت تھی جبکہ سب کو معلوم ہے کہ رسول (علیہ السلام) ہوتا ہی وہی ہے جو صراطِ مستقیم پر ہو۔

جواب: تصریح مطلوب ہے تاکہ نظام واحد میں دو صفتیں جمع ہوں یعنی رسالت و استقامت۔ اب معلوم ہوا کہ آپ ان رسل کرام میں سے ہیں جو ایسے راستہ پر ہیں جو ثابت اور سیدھا ہے۔

نکتہ: صراطِ مستقیم کو تنکیر کے ساتھ اس لیے لایا گیا ہے کہ اس کی تفخیم پر تنبیہ ہو یعنی جس راہ پر آپ ہیں اس کی کُنہ تک پہنچنا مشکل ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یٰسٓ سے صراطِ مستقیم تک حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیادت کی طرف اشارہ ہے اور تنبیہ ہے کہ آپ کے کمالات تک کسی کو رسائی نہیں اس لیے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے قسم کے بعد آپ کی رسالت کی گواہی دی۔ انك لمن المرسلین اور ایسے قاب قوسین او ادنیٰ کے قرب تک سیدھے راستہ پر ہے بلکہ کمال قرب تک آپ کا کوئی ہم پلہ نہیں۔

حدیث شریف چنانچہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب و لا نبی مرسل۔

(میرا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت ہوتا ہے کہ وہاں نہ کسی ملک مقرب کو گنجائش ہے نہ کسی نبی مرسل کو)

کیونکہ ہر نبی علیہ السلام کا صراطِ مستقیم کے لیے مقام معین ہے جیسا کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ شبِ معراج ہر آسمان میں بعض انبیاء علیہم السلام کو دیکھا، یہاں تک کہ فرمایا:

رأیت موسیٰ علیہ السلام فی السماء السادسۃ ورأی ابراھیم علیہ السلام فی السماء السابعۃ۔

(میں نے موسیٰ علیہ السلام کو چھٹے آسمان پر دیکھا اور ابراہیم علیہ السلام کو ساتویں پر)

اس میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک نبی علیہ السلام کا مرتبہ بیان فرمایا۔

تفسیر عالمانہ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۝ اس کا منصوب ہونا علی المدح ہے۔ فعل محذوف اعنی کے اعتبار سے اصل عبارت یوں ہے:

اعنی القرآن الحکیم الخ

یہ مصدر بمعنے مفعول یعنی منزل ہے جیسے اہلِ عرب کہتے ہیں:

ھذا الدرھم ضرب الامیر۔

ضرب بمعنے مضروب ہے یعنی یہ وہ درم ہے جس پر امیر کی مہر لگی ہوئی ہے اور اس سے قرآن مراد ہے کیونکہ یہ اذہان میں اتنا سما چکا ہے کہ تنزیل کا نام سنتے ہی سب کو یقین ہو جاتا ہے کہ وہ نازل شدہ قرآن ہی ہے اس اعتبار سے گویا وُہ عین تنزیل ہے۔

نکتہ: تنزیل میں اس کے کثرتِ نزول کی طرف اشارہ ہے کہ وہ قرآن مجید دوسری کتب کی طرح یکبارگی نہیں بلکہ کرّات ومرّات بار بار نازل ہوا ہے جس کی مدت تئیس سال ہے۔ مکہ معظمہ میں تیرہ سال اور مدینہ منورہ میں دس سال۔ کبھی آیت آیت کبھی سورت سورت۔ جتنی ضرورت ہوتی اتنا نازل ہوتا۔

العزیز بمعنے الغالب علی جمیع المقدورات۔ یعنی وہ جمیع مقدورات پر غالب اور بہت بڑا ہے کہ جسے کسی کی اطاعت کی ضرورت نہیں۔ اور جو اس کی مخالفت کرے اور قرآن مجید کی تصدیق نہ کرے تو اس سے بدلہ لے سکتا ہے۔

وظیفہ برائے ہر ضرورت اس اسم کی خاصیت یہ ہے کہ صورۃً وحقیقۃً ومعناً عزت وغنا نصیب ہوتا ہے جو شخص ہر روز چالیس دن چالیس دفعہ پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے گا، اسے عزت بخشے گا اور مخلوق میں اسے کسی کا محتاج نہ بنائے گا۔

ف: الاربعین الادریسیہ میں ہے یا عزیز بمعنے منیع اور جملہ امور پر غالب کہ اس کے آگے آنے الا

کوئی نہ ہو۔

ہلاکتِ اعداء شیخ سہروردی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جس نے سات روز مسلسل ایک ہزار بار روزانہ پڑھا اس کا دشمن تباہ و برباد ہو جائے گا۔ اگر لشکر کے منہ پر ستر بار پڑھ کر دم کیا جائے تو دشمن شکست کھا جائے گا۔

خاصیت اسمِ رحیم الرحیم یعنے اپنے ایمان دار بندوں پر فضل کرنے والا ان پر قرآن نازل کر کے۔ تاکہ انہیں خوابِ غفلت اور خوابِ نسیان سے بیدار کیا جائے۔ اس اسم کی خاصیت مخلوق کے قلوب میں رقت و رحمت پیدا کرنا ہے۔ جو اس پر سو بار مداومت کرے گا اسے رقتِ قلبی و رحمت حاصل ہوگی۔

دفعِ پریشانی جسے کسی ناگوار واقعہ میں خطرہ ہو تو وہ اس اسم کو اسمِ رحمٰن سے ملا کر بکثرت پڑھے یا لکھ کر اپنے پاس رکھے۔

ف : الاربعین الادریسیہ میں ہے یا رحیم یعنے اے ہر فریادی اور دُکھ والے پر رحم کرنے والے اور اس کے فریادرس اور جائے پناہ۔

باغ کے پھلوں میں برکت اس اسمِ رحیم کو لکھ کر پانی میں دھو کر جس درخت پر ڈالا جائے اس کے پھلوں میں برکت ہوگی۔

برائے حُب اس اسمِ رحیم کو لکھ کر جسے پلایا جائے تو پینے والے کو پلانے والے کا اشتیاق ہو جائے گا۔ ایسے ہی اسمِ رحیم کے ساتھ طالب و مطلوب کے ساتھ اس کی ماں کا نام لکھا جائے تو مطلوب کی محبت میں حیران و سرگردان ہو کر طالب کو خود تلاش کر کے ملے گا۔ (کذا قال السہروردی)

ف : الارشاد میں ہے یہاں دو اسموں کی تخصیص اس لیے ہے کہ وہ غلبۂ تام اور رحمتِ عام کا مالک ہے اور ان پر ایمان لانے کی ترغیب و تخصیص ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : و ما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں کہ قرآن مجید نازل کرتا ہے عزیز غنی سے جو اس کے نازل کرنے میں کسی کا محتاج نہ ہو اس لیے کہ وہ رحیم ہے اور اس کی رحمت کا تقاضا ہے کہ وہ قرآن کریم کو نازل کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رسّی ہے جس کو طالبِ صادق تھامتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عزت و عظمت کے پردوں کی طرف رجوع کرتا ہے۔

ف : کشف الاسرار میں ہے کہ وہ بیگانوں کے لیے عزیز اور اہلِ ایمان کے لیے رحیم ہے اگر کسی کے لیے عزیز ہے تو ضروری نہیں کہ اس کے لیے رحیم ہو۔ ہاں جس کے لیے رحیم ہے اس کے لیے عزیز بھی ہے یہی وجہ ہے کہ کافروں کو دنیا میں معلوم نہیں ہو رہا ہے کہ وہ آخرت میں رحیم ہے۔ ہاں اہلِ ایمان کے لیے

جب دیکھیں گے کہ ان کے لیے کتنا رحیم ہے تب سمجھیں گے ؎

دستِ رحمت نقاب خود بکشید
عاشقاں ذوقِ وصل او بچشید

ماند اہلِ حجاب در پردہ
بلاے فراق او مردہ

ترجمہ: دستِ رحمت نے خود پردہ کھینچا تو عشاق نے ذوقِ وصال چکھا اہلِ حجاب ہمیشہ پردے میں رہے بلکہ فراق کی بلائیں مرے۔

تفسیر عالمانہ لِتُنذِرَ تنزیل کے متعلق ہے تاکہ آپ قرآن مجید کے ذریعے ڈرائیں قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ ما نافیہ اور جملہ قوم کی صفت ہے اور ان کی انذار کی محتاجی کی غایت کو بیان کرتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جس کے آباؤ اجداد فترت کی طویل مدت گزارنے کی وجہ سے نہیں ڈرائے گئے اور وہ اہلِ کتاب نہ تھے۔ اس کی تائید وما ارسلنا الیھم قبلک من نذیر (اور ہم نے آپ سے پہلے ان کے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا) یعنی اہلِ عرب۔ اور ھو الذی بعث فی الامیین اور ان کانوا من قبل لفی ضلال مبین سے بھی ہوتی ہے۔

ف: ما کو موصولہ و موصوفہ بھی بنایا جا سکتا ہے کہ یہ لتنذر کا دوسرا مفعول ہے اور اس کا عائد محذوف ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ آپ ڈرائیں اس قوم کو اس عذاب سے جس نے اسے ڈرایا یا وہ عذاب جس نے ان کے آباء و اجداد (بعیدی) کو اسماعیل علیہ السلام کے زمانہ میں ڈرایا۔

سوال: پہلی تفسیر میں آباء کو اقرب اور دوسری میں ان کو ابعد سے تعبیر کرنے کا کیا معنیٰ؟

جواب: تاکہ یہ لازم نہ آئے کہ وہ منذرین وغیر منذرین تھے اس طرح سے معنیٰ غلط ہو جائے گا کیونکہ ان کے آباء اقدمین کے ہاں نذیر آئے بخلاف ان کے آباء اقربین یعنی قریش کے کہ ان کے ہاں نذیر نہیں آئے۔ اس آیت میں اس کی تائید ہے فرمایا:

افلم یدبروا القول ام جاءھم مالم یأت اٰباءھم الاولین۔
(کیا انہوں نے اس حکم میں تدبر نہیں کیا ان کے ہاں آیا ہے وہ جو ان کے آباء اوّل کے ہاں آیا)

سوال: تم نے کہا ہے زمانۂ فترت میں کوئی نبی نہیں آیا حالانکہ یہ تواریخ اور روایاتِ صحیحہ کے خلاف ہے اس لیے کہ ہر زمانہ میں نبی آتے رہے یہاں تک کہ عرب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عیلے

علیہ السلام کے بعد خالد بنی عبس کے پاس بالخصوص نبی مبعوث ہوئے۔ مورخین لکھتے ہیں ان کا مزار پہاڑ کی چوٹی پر جرجان کی جانب میں موجود ہے اسے خدا سے تعبیر کرتے ہیں اور خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نبی کی صفت سے موصوف فرمایا۔ چنانچہ جب ان کی صاحبزادی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اسے آپ نے فرمایا،

یا بنت نبی ضیعہ قومہ۔

(اے نبی کی صاحبزادی! اس کو اس کی قوم نے ضائع کیا)[1] الاسئلۃ المقحمہ

جواب: اس کے مابین تطبیق یوں ہو کہ اُمۃ سے وہ امت مراد ہو جس پر عذاب واقع ہوا اور عذاب سے ان کی جڑ کاٹ دی گئی کیونکہ جس نذیر کے آنے کے بعد امت نے انکار و تکذیب کی وُہ عذاب سے تباہ و برباد ہوئی نیز نذیر کا نہ ہونا کسی خاص علاقہ سے مخصوص نہیں ہوتا بلکہ وُہ جملہ عالم کے لیے یکساں ہوتا ہے (واللہ اعلم)

فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝ اس کا تعلق نفی انذار سے ہے اور اس کا حکم بھی اسی پر مترتب ہے اور ضمیر فریقین کے لیے ہے یعنی ان کے آباء کو کسی نے نہ ڈرایا وہ تو تمام اسی وجہ سے ایمان و رشد و حجِ توحید و ادلۂ بعث سے غافل تھے۔ اور فاء علی الحکم المسبب عما قبلہ پر داخل ہے یعنی نفی متقدم اس کا سبب ہے یعنی عدمِ انذار ان کی غفلت کا سبب ہے۔

حلِ لغات الغفلۃ بمعنے کسی کے دل سے معنی کا نکل جانا۔ اور نسیان بمعنے اس کے پائے جانے کے بعد چلا جانا۔ بعض نے کہا غفلت بمعنے نوم القلب (قلب کی نیند) کیونکہ قلب نیند میں ہو اور زبان بولتی رہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اگر وہ بیدار ہو تو زبان نہ بولے تو پھر کوئی فرق نہیں آتا اور قلب کی بیداری کا یہ ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ شاہد و حافظ و رقیب اور اس کے مصالح کیے قائم ہو۔ حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ رب تال یفوہ بالقرآن
وھو یفضی بہ الی الخذلان

۲ لعنتست این کہ بہر لہجہ و صوت
شود از تو حضور خاطر فوت

۳ فکر حسن غنا برد ہوشت
متکلم شود فراموشت

---

[1] اس نبی یعنی خالد عبسی کی تفصیل فقیر کی کتاب "تاریخ محبوب مدینہ" میں پڑھیے۔ اویسی غفرلہٗ

۴ نشود بر دل تو تا بندہ
کین کلام خدا ست یا بندہ

۵ حکم لعنت ز فعل بے اخلاص
نیست با قارئان قرآن خاص

۶ پس مصلی کہ درمیان نماز
میکند بر خدائے عرض نیاز

۷ چوں در صدق نیست بازو برو
میکند لعنت آن نماز برو

ترجمہ: (۱) بہت سے قرآن کی تلاوت کرنے والے الٹا رسوائی حاصل کرتے ہیں۔
(۲) اسے ہر لفظ پر لعنت پڑتی ہے جبکہ اس سے حضور قلب مفقود ہو۔
(۳) اچھے لہجہ سے تیرا فکر چھن جاتا ہے خود کلام کا مالک تیرے دل سے بھول جاتا ہے۔
(۴) تیرے دل پر اس کے نور کا پرتو نہیں پڑے گا جس سے تمہیں معلوم ہو کہ یہ اس کا کلام ہے۔
(۵) لعنت کا حکم اس فعل پر ہے جس میں اخلاص نہ ہو اور یہ صرف قاری قرآن سے خاص نہیں۔
(۶) مثلاً نمازی جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ عرض و نیاز میں مصروف ہے۔
(۷) اسے اگر خلوص نہیں تو اس پر بھی وہ نماز لعنت کرتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے؛ غفلت تین اعمال میں ہوتی ہے؛

(۱) ذکر اللہ میں
(۲) طلوعِ فجر تا طلوعِ شمس
(۳) دین میں

ف: کشف الاسرار میں ہے:

دو انسان غافل ہیں:

(۱) امورِ دین اور اصلاحِ دین سے بے خبر۔ یہ دونوں دنیوی کاروبار میں سرمست اور سرگردان حیران رہ کر شہواتِ نفسانی میں منہمک اور فکر و عبرت سے دُور۔ انہیں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

والذین هم عن اٰیاتنا غافلون اولٰئك مأواهم النار بما كانوا يكسبون۔
(اور وہ لوگ ہماری آیات سے غافل ہیں وہی لوگ جن کا ٹھکانا جہنم ہے بسبب ان کے

کرتوت کے)

حدیث شریف میں ہے ؛
عجبت لغافل ولیس بمغفول عنہ ۔
(میں اس غافل سے متعجب ہوں کہ جس کا ہر لمحہ کا حساب ہوگا)

(۲) دوسرا غافل وہ ہے جو دنیا میں اچھے کاموں اور ترتیب معاش سے غافل ہو جس کے باطن پر سلطان حقیقت مسلط ہے اور وہ مکاشفہ جلالِ احدیت میں اتنا مستغرق ہے کہ اسے اپنی بھی خبر نہیں اسے دنیا کی خبر ہے نہ آخرت و عقبیٰ سے آگاہی، گویا زبانِ حال سے کہتا ہے ؎

این جہاں دردست عقلست آں جہاں دردست روح
پائے ہمت بر قفائے ھر دو وہ سالار زن

ترجمہ : یہ جہان عقل میں گرفتار اور وہ جہان رُوح میں ۔ اے بھائی ! ان دونوں کی گردن پر قابو پالے (کسی کا نہ ہو صرف خدا کا ہوجا اور بس)

صوفیانہ مقولہ : صوفیہ کرام فرماتے ہیں ؛ صوفی کائن بائن ہے ؎

۱ ہر کہ حق داد نور معرفتش
کائن بائن بود صفتش

۲ جان بحق تن بغیر حق کائن
تن ز حق جاں ز غیر حق بائن

۳ ظاہر او بخلق پیوستہ
باطن او ز خلق بگسستہ

۴ از دروں آشنا و ہمخانہ
وز بروں در لباس بیگانہ

ترجمہ : (۱) جسے اللہ تعالیٰ نور بخشتا ہے وہ کائن بائن ہوتا ہے ۔
(۲) تن جان بحق ہے اور بغیر حق کائن ہے تن حق سے جان ہے غیر حق سے بائن ہے ۔
(۳) اس کا ظاہر خلق سے پیوستہ ہے لیکن باطن میں وہ خلق سے ٹوٹا ہوا ہے
(۴) اندر سے تو پورا آشنا ہے لیکن باہر سے اپنے لباس سے بھی بیگانہ ہے ۔

ف : صوفیہ کرام نے فرمایا کہ یہ صفت درحقیقت بیدار لوگوں کی ہے اگرچہ وہ بظاہر خواب میں ہوں اس لئے کہ عارفین کی آنکھ نہیں سوتی ان کے غیر ہر وقت نیند میں ہیں اگرچہ بیدار رہوں کیونکہ ان کے دل کی آنکھیں بند ہیں ۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم
وصیّتِ نبی برائے علی (صلی اللہ علیہ وسلم ورضی اللہ عنہ) کی وصیتوں میں ایک یہ بھی ہے،
فرمایا: اے علی! مُردوں کے ساتھ نہ بیٹھنا۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: مُردے کون؟ آپ نے فرمایا: جاہل وغافل۔

اے اللہ! ہمیں اہلِ علم وعرفان وایقان وشہود وعیان سے بنا اور دارین میں ہمیں اپنے لقاء سے مشرف فرما اور ملاحظۂ کونین سے ہمیں پھیرئے۔ (آمین)

لَقَدْ لام قسم کا جواب ہے یعنی واللہ لقد، بخدا بیشک حَقَّ الْقَوْلُ ثابت ومتحقق ہوگیا قول عَلٰٓی اَکْثَرِهِمْ ان کے اکثر پر، قوم کے اکثر لوگوں پر جنہیں تم خدا کے عذاب سے ڈراتے ہو یعنی اہلِ مکہ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ وہ ایمان نہیں لائیں گے یعنی باوجود تمہارے ڈرانے کے ان کو دولتِ ایمان نصیب نہ ہوگی فاء ماقبل کے مسبب کے حکم پر داخل ہے۔

ف: اہلِ تفاسیر کا اختلاف ہے کہ قول سے اللہ تعالیٰ کا حکم مراد ہے۔
اب معنیٰ یہ ہُوا کہ وُہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دوزخی ہیں۔ المفردات میں اس سے علمِ الٰہی مراد لیا گیا ہے اور بعض نے اس سے عذاب مراد لیا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ان پر اللہ تعالیٰ نے عذاب واجب کر دیا۔ اور جمہور کہتے ہیں اس سے مراد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو فرمایا:

لاغوینهم اجمعین۔
اور لاملئن جهنم منك وممن تبعك منهم اجمعین۔
(میں ان سب کو گمراہ کروں گا اور میں تجھے اور تیرے تابعداروں سے جہنم بھروں گا)
اور آیت:

ولکن حقت کلمة العذاب علی الکافرین۔
(لیکن کفار پر کلمۂ عذاب ثابت وواجب ہوگیا)

اور یہ شیطان کے تابعداروں کو لازماً ہونا ہے وہ انسان ہوں یا جن۔ چونکہ اہلِ مکہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا علم ہے کہ وہ اس کی اتباع پر اصرار کریں گے اور کفر پر مریں گے اسی لیے یہ امر ان کو لازم ہوگیا لیکن نہ بایں معنیٰ کہ ان کو مجبور کیا جائے گا بلکہ ان کے اختیاری کفر اور اصرار وعدم تاثر از تذکیر وانذار کی وجہ سے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ قولِ مذکور کا وجوب وتحقق اس لیے ثابت ہوا کہ وہ کفر پر موت تک مُصر رہیں گے اسی لیے فرمایا فهم لا یؤمنون، تو یہ درحقیقت اسی تقریر سے متعلق ہے نہ کہ ثبوت قول پر۔
ف: کاشفی مرحوم نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ یہ کفر یا شرک پر مریں گے، جیسے

ابو جہل وغیرہ۔

تفسیر صوفیانہ اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ ہر سعید و شقی اپنی اپنی استعداد کے مطابق اس عالم میں قدم رکھتا ہے اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کے مطابق احوال ظاہر فرماتا ہے وہ کسی کو کسی عمل پر مجبور نہیں کرتا جو کوئی اپنی بھلائی پائے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر کرے جو اس کے خلاف پائے تو اپنے آپ پر ملامت کرے اعمال انسان کے علامات تو ہیں لیکن موجبات نہیں۔ امور کا انجام وہی ہوتا ہے جو ابتداء کی تقدیر میں مکتوب ہے۔

حدیث شریف صحیح حدیث میں ہے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن باہر نکلے تو آپ کے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں، دائیں ہاتھ والی کتاب کے متعلق فرمایا:

"یہ رب العالمین کی طرف سے ہے اس میں اہلِ جنت کے نام ہیں اور ان کے آباء اور قبائل کے نام ہیں ان میں کمی بیشی نہ ہو گی۔"

پھر بائیں ہاتھ والی کتاب کے بارے میں فرمایا:

"یہ رب العالمین کی طرف سے ہے اور اس میں دوزخ والوں کے نام، ان کے آباء و قبائل کے نام درج ہیں ان میں کمی بیشی نہ ہو گی"۔

پھر آپ نے دونوں کتابوں کو ایک طرف رکھ کر فرمایا:

"تمہارا رب اب فارغ ہو گیا ایک گروہ بہشت میں ہو گا اور ایک دوزخ میں۔"

ف: اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ سعادت بہت کم ہیں اور اہلِ شقاوت بہت زیادہ۔ اہلِ سعادت وہ ہیں جنہوں نے ازل میں خطابِ الٰہی اور خطابِ نبی علیہ السلام سُن کر جواب دیا۔

نکتہ: اہلِ سعادت اس لیے قلیل ہیں کہ ایجادِ کائنات کا مقصود ہے کہ بندوں میں سے اپنا خلیفہ بنایا جائے اور خلافت کے لائق ایک ہی ہو سکتا ہے اور وہ سوادِ اعظم ہے۔ جیسے ہم نے اہلِ سعادت سے تعبیر کیا۔

محمدی شان علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام بعض اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیداری میں دیکھا اس نے گویا سب اہلِ قرب کو دیکھا اس لیے کہ آپ جملہ اہلِ قرب کے جامع ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس نے آپ کی اقتداء کی اُسے جملہ انبیاء علیہم السلام کی اقتداء نصیب ہوئی۔

ف: اسلام عمل کا نام ہے اور ایمان تصدیق کا اور احسان رؤیت یا بمنزلہ رؤیت ہے۔ اسی لیے اسلام میں فرمانبرداری اور ایمان میں اعتقاد اور احسان میں اشہاد (مشاہدہ کرنا) شرط ہے۔

ف : جو ایمان لایا اس نے دین کے اعلیٰ مراتب کو پالیا اور جس نے دین کے اعلیٰ مراتب کو پالیا وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلندی اور عزت کو پہنچا۔ اور جو کفر کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کے نور کو بجھاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے نور کو مکمل کرنے والا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

ہرکہ بر شمع خدا آرد پفو
شمع کے میرد لبسوزد پوز او

ترجمہ : جو شمع خدا کو پھونک مار کر بجھاتا ہے شمع تو نہیں بجھ سکتی البتہ پھونک مارنے والے کا چہرہ جل جائے گا۔

ف : جب مشرکین نے یوم اُحد میں اعلان کیا، اعل ھُبل (اے ہبل اونچا ہو)۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ہُبل کو ذلیل و خوار کیا۔

ف : ھُبل ان کا بُت تھا جس کی دورِ جاہلیت میں وُہ پُوجا کرتے تھے۔ اور وہ بُت پتھر سے تیار کیا گیا تھا جسے غلبۂ اسلام کے بعد لوگ باب بنی شیبہ کے عتبۂ سفلی میں پیروں تلے روندتے تھے اور آج وُہ سر کے بل پڑا ہے۔

سبق اگر تم اس راز کو سمجھ سکتے ہو تو الحمد للہ ورنہ خاموش رہو کہ خاموشی میں نجات ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے امور میں جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے جملہ عالم میں جو کچھ ہُوا یا ہو رہا ہے یہ تمام اس کی حکمت کے ماتحت ہے۔ اس نے ہر شے کو مصلحت کے تحت پیدا کیا ہے اور کرتا رہے گا۔ جو اس نے کیا ہے اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرو جس کا اس نے انکار کیا تم بھی اسے بُرا سمجھو گے، اسے غلط کہنے سے بچو (ورنہ نقصان پاؤ گے)

تفسیر عالمانہ اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ بے شک ہم نے بتقاضائے قہر و جلال بنایا یعنی پیدا کیا ان کی گردنوں میں۔

حلِ لغات : اعناق، عنق کی جمع ہے بمعنے گردن۔ اور ھم ضمیر کا مرجع اکثر اہلِ مکہ ہیں۔

اَغْلٰلًا بڑی بیڑیاں۔

حلِ لغات : غُل (بالضم) کی جمع۔ وُہ زنجیر جو ہاتھ کو گردن کے اردگرد باندھی جاتی ہے، عذاب اور تشدد کے طور۔ وُہ زنجیر لوہے کی ہو یا کسی دوسری شے کی۔

القہستانی نے لکھا کہ الغُل یعنی لوہے کی وُہ زنجیر جس سے ہاتھ اور گردن کو ملا کر ایسا مضبوط باندھا جائے کہ مجرم سر بھی نہ ہلا سکے۔

المفردات میں ہے الغُل بمعنے شے کا کسی شے کے درمیان میں ہونا۔ اسی سے ہے الغلل بمعنے جاری پانی۔ اور یہ اس سے مخصوص ہے جو مقید ہو اس میں اعضاء درمیان میں رہیں۔ اور کہا جاتا ہے:

غل فلان بمعنی قید بہ۔ اسے اس سے مقید کیا گیا۔
اور بخیل کو بھی مغلول الید کہتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :
وقالت الیهود ید الله مغلولة غلت ایدیهم۔
(اور یہود نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے بندھے ہوئے
یعنی وُہ بخیل ہے (معاذ اللہ) خدا کرے اُن کے ہاتھ بندھے ہوں یعنی ذلیل وخوار رہوں۔(آمین)
فَهِیَ إِلَى الْأَذْقَانِ فا نتیجہ یا تعقیبیہ ہے۔ الاذقان ذقن کی جمع ہے۔ دو جبڑوں کی اجتماع گاہ بمعنے زنخدان (ٹھوڑی) یعنی بیڑیاں ان کی ٹھوڑیوں تک پہنچیں گی اور ایسی مضبوط جکڑی ہُوئی ہوں گی کہ مجرمین ان کے ہوتے ہُوئے سر ملا سکیں گے نہ اِدھر اُدھر دیکھ سکیں گے۔ خلاصہ یہ کہ بیڑیاں ٹھوڑیوں میں ایسی پیوست ہو جائیں گی کہ مجرمین سر ملا سکیں گے نہ اِدھر اُدھر دیکھ سکیں گے۔
ف : زنجیروں کے ٹھوڑی تک پہنچنے کے دو سبب ہو سکتے ہیں :
(۱) ایسے موٹے اور چوڑے ہوں گے کہ سینہ کو بھر دیں گے جس سے ٹھوڑی تک پہنچنا لازمی امر ہے اسی لئے مجرم سر کو نہ اوپر اٹھا سکے گا نہ نیچے، نہ دائیں بائیں پھیر سکے گا۔
(۲) اس لیے کہ وُہ زنجیریں دونوں ہاتھوں اور سر کو ملا کر جکڑی جائیں گی اور دونوں زنجیروں کا ٹکراؤ ٹھوڑی کے نیچے ہوگا اور وہ اتنا گاڑھا ہو جائے گا کہ سر ملانے کی ہمت نہ ہو سکے گی۔
فَهُمْ مُّقْمَحُونَ ۝ تو وہ سر کو اٹھائے اور آنکھیں بند کئے ہوں گے۔ الاقماح بمعنے سر کو اُوپر اٹھا کر آنکھیں بند رکھنا۔
کہا جاتا ہے : قمح البعیر قموحا فهو قامح۔
یہ اس وقت بولتے ہیں کہ جب اونٹ پانی پی کر تالاب کے نزدیک سر اٹھائے پانی سے سیر ہو کر یا اس کے بہت زیادہ ٹھنڈا ہونے کی وجہ سے یا اس کی طبع کی ناپسندیدگی کی وجہ سے۔ اور کہا جاتا ہے :
واقمحت البعیر۔
یہ اس وقت بولتے ہیں جب اُونٹ کے سر کو پیچھے کر کے باندھا جائے۔ واقمحه الغل یہ اس وقت کہتے ہیں جب کسی کو یُوں باندھا گیا کہ اس کا سر اوپر کو رہا۔
ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ آیت میں اگرچہ صیغہ ماضی ہے لیکن مراد اس سے زمانۂ مستقبل ہے کہ آخرت میں ان کے ساتھ یُونہی ہوگا جیسے دوسرے مقام پہ فرمایا :
وجعلنا الاغلال فی اعناق الذین کفروا۔
(اور ہم کافروں کی گردنوں میں بیڑیاں ڈالیں گے)
مسئلہ : فقہاءِ کرام نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے کہ سزا کے طور پر غلام وغیرہ کی گردن میں لوہا

وغیرہ نہ ڈالا جائے کیونکہ یہ سزا اہلِ نار کے ساتھ مخصوص ہے۔

مسئلہ: فقہائے کرام نے فرمایا کہ اگر کسی غلام وغیرہ (جیسے شاگرد اور چھوٹے بچے) کے بھاگنے کا خطرہ ہو یا اس کی عادت بن گئی ہو تو سزا کے طور نہیں بلکہ اسے بھاگنے سے باز رکھنے یا حفاظت کی وجہ سے گلے میں پھندنا یا زنجیر وغیرہ ڈالی جائے تو بلا کراہت جائز ہے کیونکہ سرکش لوگوں کی حفاظت کے لیے اہلِ اسلام کا یہ طریقہ رہا۔

ف: جمہور مفسرین نے کہا کہ یہ آیت ان اکثر کفار کے لیے تمثیل ہے جو کفر میں ایسے راسخ الاعتقاد تھے کہ جن کا اس سے ہٹنا ناممکن متصور ہو کر حق کی طرف معمولی طور گردن پھیر کر دیکھنا بھی انہیں بُرا محسوس ہو، جیسے مذکورہ بالا قیدی کا حال ہے ایسے ہی ان کا کفر میں ابتلاء ہے۔

ف: امام راغب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ فھم مقمحون سے مذکورہ بالا طرز کے اونٹ سے کفار کی تشبیہ دی گئی ہے یا ایسے اونٹ سے تمثیل دے کر بتایا گیا ہے کہ وہ کفر میں ایسے منہمک ہیں کہ ان کا حق کا ماننا اور راہِ ہدایت پہ آنا ناممکن ہے اور ایسے ہی ان کے انفاق فی سبیل اللہ کا حال ہے۔

مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ گفت اغلالا فھم بہ مقمحون
نیست آں اغلال بر ما از برون

۲ بند پنہاں لیک از آہن را بتر
بند آہن را کند پارہ بتر

۳ بند آہن را تواں کردن جدا
بند غیبی را نداند کس دوا

۴ مرد را زنبور اگر نیشی زند
طبع او آں لحظہ بر دفعی تند

۵ زخم نیش اما چو از ہستی تست
غم قوی باشد نکردد در دست

ترجمہ: (۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا اغلالا فھم مقمحون ۔ وہ اغلال ہم سے باہر نہیں۔

(۲) وہ زنجیریں پوشیدہ ہیں لیکن لوہے سے بھی بدتر ہیں بلکہ وہ لوہے کو ریزہ ریزہ کرنے والی ہیں۔

(۳) اس لیے کہ لوہے کی زنجیریں تو ٹکڑا ٹکڑا ہو سکتی ہیں لیکن غیبی بند کے جدا ہونے کا

علاج کوئی نہیں جانتا۔

(۴) اگر کسی کو بھڑ ڈس لے، ایک وقت تو وہ اس کے درد کے دفع کرنے میں ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔

(۵) لیکن نیش کا زخم جب خود تمہارے اندر ہو تو اس کا غم بہت قوی ہوتا ہے اس کے درست ہونے کی اُمید بہت کم ہوتی ہے۔

ف: حضرت نقشبندی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اغلال سے نفسانی آرزوئیں و تمنائیں اور سلال سے حرص و طمع بہ نقوش و آرائش دنیائے دُنی (کمینی) اور جس سے لذاتِ وہمیہ و شہوات بہیمیہ متعلق ہیں، مراد ہے۔

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا سدًّا بمعنے دیوار و حجاب۔ اسے حفص نے بالفتح اور باقون نے بالضم پڑھا لیکن دونوں کا معنیٰ ایک ہی ہے۔ بعض نے فرق کیا ہے وہ یہ کہ جو انسان بنائیں اسے بالفتح پڑھا جائے، اگر خدا تعالیٰ کی تخلیق سے ہو اسے بالضم پڑھا جائے وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا اور ہم نے بنائی ان کے آگے دیوار اور ان کے پیچھے دیوار فَاَغْشَيْنٰهُمْ تو ہم نے اندھا کر دیا۔ یہاں مضاف محذوف ہے کہ دراصل عبارت یوں تھی: غطینا ابصارھم۔ ہم نے ان کی آنکھیں اندھی کر دیں اور ان پر پردے ڈال دئے۔ الغشاوۃ وہ شے جس سے پردہ ڈالا جائے فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝ فاء ماقبل کے حکم مسبّب پر داخل ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جو شے کسی شے کے ہر جانب سے گھر جائے وہ کسی کو نظر نہیں آتی۔

سوال: آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف دائیں بائیں نہیں دیکھ سکتے تھے حالانکہ جانبین مراد نہیں بلکہ جمیع جہات مراد ہیں تو پھر آیت میں صرف جانبین کی قید کیوں؟

جواب: چونکہ اشرف الجہات اگلی طرف ہوتی ہے اور ظاہر ترین بھی۔ اور پیچھے والی جہت اس کی نقیض ہے اسی لیے ان دونوں کے ذکر کی تخصیص ہوئی، ورنہ جمیع جہات مراد ہیں۔

ف: آیت تمثیل کی تکمیل اور تتمہ ہے۔
اب معنیٰ یہ ہُوا کہ مذکورہ امور کی وجہ سے یہ لوگ کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مستقل تمثیل ہو۔ ہے کیونکہ وہ جوان کے لیے کہا گیا ہے کہ وہ دو دیواروں میں مسدود ہیں ہم نے ان پر ایسے پردے ڈال دئے ہیں کہ اب وہ کسی شے کو دیکھنے کے لائق نہیں ہیں۔ جب ان کا یہ حال ہے تو پھر وہ حق کے آیات و دلالات کو خاک دیکھ سکیں گے۔

ف: امام (فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ) نے فرمایا کہ آیات و دلائل پر غور و فکر کرنا دو قسم ہے:

(۱) سرے سے آیات و دلائل پر نظر نہ پڑے، اسے اس قیدی سے مثال دی گئی جو ایسا جکڑا ہوا ہو

جو خود نہ دیکھ سکتا ہو۔

(۲) وُہ جو دیکھنے پر تو قادر ہے لیکن اسے روک دیا گیا ہو، اسے دوسری تمثیل سے سمجھایا گیا ہے کہ جیسے دیوار کہ اس کے باہر سے اندر چیز نظر نہیں آتی۔ ایسے ہی ان کی حالت ہے کہ یہ دلائل و آیات کو دیکھ نہیں سکتے باوجودیکہ وہ بکثرت ہیں لیکن ہیں محروم۔

ف : دلائل و آیات آفاقی ہیں یا انفسی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

سنریہم ایاتنا فی الآفاق وفی انفسہم ۔

ف : اناجعلنا فی اعناقہم کے بعد وجعلنا من بین ایدیہم الخ میں اشارہ ہے کہ یہ کفار ان دونوں قسم کی آیات و دلائل کی ہدایت سے محروم ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ محققین فرماتے ہیں کہ آگے کی دیوار سے طول امل وطمع بقا اور پیچھے کی دیوار غفلت از جنایات گزشتہ اور ان پر ندامت و استغفار کی قلت جسے یہ دونوں دیواریں گھیر لیتی ہیں اس کی آنکھیں دلائلِ قدرت کو دیکھنے سے عاجز اور فلاح و ہدایت کی راہ تک پہنچنے سے اندھی ہوتی ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱ خلفہم سدا فاغشینا ہمو
می نہ بیند بند را پیش و پس او

۲ رنگ صحرا دارد آں سدی کہ خاست
او نمی داند کہ آں سر قضا ست

۳ شاہد تو سد روئے شاہد است
مرشد تو سد گفت مرشد است

ترجمہ : (۱) سد (دیوار) ان کے پیچھے ہے اس سے ہم نے انہیں چھپایا اسی لیے وُہ آگے اور پیچھے کی کوئی نصیحت نہیں دیکھ سکتے۔

(۲) جیسی دیوار ہے صحرا کا بھی وہی رنگ ہے۔ اُسے معلوم نہیں کہ قضا و قدر کا راز کیا ہے۔

(۳) تیرا شاہد محبوب کا چہرا دیوار ہے تیرا مرشد ہی دیوار ہے۔

شانِ نزول و معجزۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم (۱) مروی ہے کہ ابوجہل نے لات وعزّیٰ کی قسم کھائی کہ اگر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے مسجد حرام میں نماز پڑھتے پایا تو میں پتھر سے آپ کا سر پھوڑ دوں گا تاکہ عرب والوں کی جان چھوٹے۔ ایک دن دیکھا کہ آپ حرم کعبہ معظمہ میں نماز ادا فرما رہے ہیں اس ملعون نے پتھر اٹھایا حضور علیہ السلام کے قریب پہنچا پتھر کو اوپر اٹھایا تاکہ آپ کو دے مارے۔ لیکن جُونہی اس لعین نے پتھر اُوپر اٹھایا تو پتھر اس کی

گردن میں پھنس کر اس کے ہاتھوں سے چپٹ گیا ناامید ہو کر لوٹا تو اس کی قوم بنو مخزوم نے ماجرا پوچھا تو صورت حال بتائی۔ اس کی قوم نے بڑی کوشش کے بعد پتھر اس کی گردن سے نکالا۔ یہ آیت اس کے حق میں نازل ہوئی کہ انا جعلنا فی اعناقھم الخ ہم نے ہی اس کی گردن میں ڈالا اور ہم نے ہی ابوجہل کو اس ارادۂ بد سے واپس کیا۔

(۲) ولید بن مغیرہ مخزومی نے قسم کھائی کہ میں اس پتھر سے (حضرت) محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو (نعوذ باللہ) قتل کر ڈالوں گا۔ لیکن جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچا تو وہ اندھا ہو گیا۔ واپس آیا تو اپنے ساتھیوں کو بھی نہ دیکھ سکتا تھا ساتھیوں نے اسے بلا کر حال پوچھا تو اس نے کہا میں اندھا ہو گیا ہوں اللہ تعالیٰ نے اس کے حق میں وجعلنا من بین ایدیھم الخ نازل فرمائی۔

ف: دونوں آیتوں میں ھُم ضمیر جملہ کافروں کی طرف لوٹانا صحیح ہے اگرچہ کام ایک کا ہے کیونکہ ان کا طریقہ ہے کہ فعل کی نسبت جملہ قوم کی طرف ہوتی ہے۔ مثلاً کہتے ہیں:

بنو فلاں فعلوا کذا۔

حالانکہ وہ کام کرنے والا ایک ہوتا ہے۔

وظیفہ غلبہ بر اعداء علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیت دشمن کے شر سے بچنے کا بہترین وظیفہ ہے کہ پڑھ کر دشمن پر دم کی جائے ان شاء اللہ دشمن کے شر سے حفاظت رہے گی۔

ہجرت و معجزۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شب ہجرت کفار رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی غرض سے آپ کے دولتکدہ پر پہنچے آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر آرام فرمانے کا حکم فرمایا اور خود وجعلنا من بین ایدیھم سد من خلفھم الخ پڑھتے ہوئے دولت کدہ سے باہر تشریف لائے۔ کافر ایسے اندھے رہے کہ آپ کو دیکھ بھی نہ سکے اور آپ اس آیت کی برکت سے ان کے شر سے محفوظ ہو کر مدینہ پاک کی راہ لی۔ (کشف الاسرار)

انسان العیون میں ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنے دولت کدہ سے باہر نکلے تو مٹی مٹھی مبارک میں لے کر اپنے گھر مبارک کے دروازے پر کھڑے ہو کر کافروں کے سروں کی طرف پھینکی اور گھر سے چل پڑے۔ کافر آپ کو دیکھ بھی نہ سکے مٹی پھینکتے وقت آپ پڑھتے تھے یٰسٓ والقرآن الحکیم تا لایبصرون اللہ تعالیٰ نے کافروں کی آنکھیں گویا اندھی کر دیں کہ وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو نہ دیکھ سکے۔

تفسیر عالمانہ وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ اہل مکہ کو آپ کا ڈرسنانا نہ سنانا برابر ہیں۔ ءَ انذرتھم الخ اگرچہ جملہ فعلیہ استفہامیہ ہے

لیکن یہ مصدر مضاف کے معنیٰ میں ہے اور وہ اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے اس اعتبار سے اس سے خبر دینا جائز ہو گیا کیونکہ اب اس کی خبر کی جانب معنیٰ کی طرف کھچ گئی اسی قانون پر ہے تسمع بالمعیدی خیر من ان تراہ (معیدی کی بات سننا اس کے دیکھنے سے بہتر ہے)

ف: ہمزہ استفہام اور ام معنی استواء و تاکید کی تقریر کے لیے ہیں اس لیے کہ استفہام کا معنیٰ استواء و تاکید سے خالی کر لیا گیا ہے جیسے استواء کی خاطر انہیں استفہام سے علٰحدہ رکھا گیا ہے جیسے تخصیص کے لیے حرفِ نداء کو اللھم اغفر لنا ایتھا العصابہ میں طلب کے معنی سے خالی کیا گیا ہے تو جیسے اس حرف میں نداء کا معنیٰ نہیں ایسے ہی ءانذرتہم میں حرفِ استفہام کے باوجود استفہام نہیں۔

لَا یُؤْمِنُوْنَ ○ ایمان نہیں لائیں گے اس لیے اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں مثبت ہے کہ یہ کافر ہو کر مریں گے اور ان کا کفران کے اپنے اختیار سے ہوگا۔ یہ جملہ مستانفہ ما قبل کا مؤکد اور استواء کے معنیٰ کے اجمال کو بیان کرنے والا ہے۔

ف: کشف الاسرار میں ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے تو اسے انذار کوئی فائدہ نہ دے گا۔

قدری بد مذہب سے حضرت عمر بن عبد العزیز کا مناظرہ اور آپ کی کرامت

مروی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے غیلان قدری (بد مذہب) کو بلا کر فرمایا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم قدری مذہب کو ترجیح دیتے ہو۔ کہا لوگ غلط کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے غیلان! سورۂ یٰسٓ کی ابتدائی آیات تا لا یؤمنون پڑھیے۔ غیلان نے پڑھنے کے بعد کہا: اے امیر المؤمنین! مجھے ایسے محسوس ہوتا ہے کہ گویا میں نے اس سے قبل یہ آیات کبھی پڑھی نہیں آپ گواہ ہو جائیے کہ قدری (بد مذہبی) سے توبہ کرتا ہوں۔
حضرت عمر بن عبد العزیز نے کہا:

اللھم ان کان صادقا فتب علیہ وثبتہ وان کان کاذبا فسلط علیہ من لا یرحمہ واجعلہ اٰیۃ للمؤمنین۔

(اے اللہ! اگر وہ سچا ہے تو تو اس کی توبہ قبول فرما اور اسے ثابت قدم رکھ اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر ایسا آدمی مسلط فرما جو اس پر رحم نہ کرے اور اسے اہلِ ایمان کے لیے عبرت بنا)

اس کے بعد اسی غیلان (بد مذہب) کو ہشام بن عبد الملک نے گرفتار کر کے اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں میں نے اسے دمشق کے دروازے پر سُولی پر لٹکے دیکھا۔

سبق حکایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قدری (بدمذہب) کہتے ہیں کہ ہر بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے اس کے جرائم و معاصی اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں نہیں۔

ف: حضرت امام مطرزی المغرب (نام کتاب) میں لکھتے ہیں کہ قدری (بدمذہب) کہتے ہیں کہ القدریہ ایک فرقہ مجبرہ ہے جو ہر امر اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ثابت کرکے جملہ قبائح اس کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ وہ ان سے بلند و بالا اور منزہ و مقدس ہے۔

ربط: انذار قبول نہ کرنے والوں کے بعد ان کا ذکر ہے جو انذار سے فائدہ پاتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ نفع نہ دے گا آپ کا انذار مگر اسے جو قرآن کی اتباع کرے گا تامل کرکے یا اس کے وعظ و تذکیر سے اور وہ شیطان کے قدموں پر چلنے میں اصرار کرے گا وَ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ اور رحمان سے غائبانہ ڈرتا ہے یعنی باوجودیکہ وہ عذاب سے غائب ہے اس نے اسے کبھی دیکھا نہیں لیکن پھر بھی ڈرتا ہے یا یہ کہ اس سے عذاب غائب ہے کہ ابھی اس کے نزول کا وقت نہیں آیا تب بھی ڈرتا ہے بالغیب مفعول سے حال ہے یا یہ معنیٰ ہے کہ وہ لوگوں کی آنکھوں سے غائب ہے یعنی خلوت میں ڈرتا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دھوکا نہیں کھاتا بلکہ سمجھتا ہے کہ وہ منتقم اور قہار ہے اگرچہ وہ رحیم و غفار ہے پھر اس کے عذاب و غضب سے کس طرح بے خوفی ہو باوجودیکہ اس نے فرمایا بھی ہے کہ ان عذاب ربك غير مامون (بیشک تیرے رب کے عذاب سے وہ غیر مامون ہیں)۔

ف: جس پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی کثرت ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہی اسے نصیب ہوتی ہیں تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ کا خوف بھی بہت ہوتا ہے اور پھر اس کو نعمتیں مسلسل نصیب ہوتی رہتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ غائبانہ خشیۃ رحمان سے نصیب ہوتی ہے ورنہ اس کا تقاضا یہ تھا کہ قہر کے ذکر کے بعد ہو خشیت ہو لیکن باوجودیکہ قہر کا ذکر بھی نہیں ہوتا تب بھی وہ خشیت میں ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے وخشی الرحمٰن اور وہ رحمان سے ڈرتا ہے غیبی نور کی وجہ سے جس کا اسے مشاہدہ ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کفر و عصیان کا انجام بربادی ہوتا ہے اور اسے شواہد حق سے حلاوتِ ایمان نصیب ہوتی ہے اور اسے معلوم ہوتا ہے کہ رتبۂ عرفان کی رفعت کتنی ارفع و اعلیٰ ہے۔

تفسیر عالمانہ فَبَشِّرْهُ اسے خوشخبری سناؤ جو قرآن کی اتباع کرتا اور رحمان سے غائبانہ ڈرتا ہے ضمیر واحد کی بوجہ لفظ مَن کے ہے کہ وہ لفظاً مفرد ہے بِمَغْفِرَةٍ اس کے گناہوں کی بہت بڑی مغفرت وَّ اَجْرٍ كَرِيْمٍ ۝ اور بہت بڑا اجر یعنی اس کے اعمال صالحہ سے اللہ تعالیٰ کی وہ بہت بڑی خوشنودی کہ جس کا اندازہ کسی کو معلوم نہیں یعنی بہشت اور اس کے اندر کی وہ نعمتیں جو

جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کے لیے تیار کی ہیں جو اتباع القرآن وخشیۃ الرحمان کے جامع ہیں
فاء لبشارت کی یا اس کے امر کی ماقبل یعنی اتباع الذکر وخشیۃ کی ترتیب کے لیے ہے۔

صاحبِ روح البیان کی تحقیق فقیر (صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ تبشیر دو امور کی دو امور پر مرتب ہے مثلاً تامل فی القرآن یا تاثر عن الوعظ ایمان کی طرف پہنچاتا ہے جو مغفرت کا موجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ شرک کے ماسوا جسے چاہے بخش دے اور خشیت حسنات تک پہنچاتی ہے جو اجر کریم کی موجب ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

جزاءً بما کانوا یعملون ۔
(یہ ان کے اعمال کی جزا ہے)

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ انذار صرف اصحابِ ذکر پر اثر ڈالتا ہے اس لیے کہ انھیں مذکور (ذات حق) کی عظمت کا مشاہدہ نصیب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وعظ تعظیم وتکریم الٰہی کا ان کے دلوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ جب تعظیم الٰہی میں اضافہ ہوتا ہے تو ان میں عبودیت کا بھی اضافہ ہوتا ہے دنیوی پریشانیوں سے ہٹ کر انس مع الرب حاصل کرتا ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ معلوم ہو کہ جنت دارِ جمال وانس وتنزل الٰہی ہے اور نار دارِ جلال وجبروت ہے اسم رب اہل جنت کے ساتھ ہے اور اسم جبّار ہمیشہ اہل نار کے ساتھ ہے۔

حدیثِ قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :
ھؤلاء للجنۃ ولا ابالی وھؤلاء للنار ولا ابالی ۔
(یہ بہشتی ہیں مجھے کوئی پروا نہیں اور یہ دوزخی ہیں مجھے کوئی پروا نہیں)

ف : اللہ تعالیٰ کو اس لیے پروا نہیں کہ اس کی رحمت غضب پر سبقت کر گئی کہ اہلِ توحید کو رحمت اور اہلِ شرک کو غضب نصیب ہوگا۔ یا رحمت سے عدم سے ایجاد کی رحمت مراد ہے اس لیے کہ وہ غضب کے سبب یعنی معاصی وکفر سے پہلے ہے اسی لیے اس کی پروا نہیں جو ان دونوں فریقوں کے ساتھ کرے گا۔

ازالۂ وہم اگر عدم المبالاۃ سے مراد وہ ہو جو کسی کو وہم ہوا ہے تو پھر وہ جرائم پر مواخذہ فرماتا اور نہ ہی اپنے آپ کو غضب سے موصوف فرماتا اور نہ ہی کسی کو بطش شدید ہوتی حالانکہ یہ سب مبالاۃ سے ہوگا اور جس سے مواخذہ ہوگا تو بھی اسی مبالاۃ سے (تو پھر کسی وہم کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی پروا نہیں کہ اس طرح ہو یا اُس طرح) فتوحاتِ مکیہ۔

تفسیر عالمانہ اِنَّآ بیشک ہم اپنی کمال قدرت سے ضمیر جمع کی تعظیم یا کثرت صفات کی وجہ سے ہے بعض نے کہا چونکہ احیاء الموتیٰ میں ملائکہ کو کام سپرد ہوتا ہے اسی لیے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے لیکن نَحْنُ کی تخصیص اس قول کو رد کرتی ہے۔ بحر العلوم میں ہے کہ ضمیر کا تکرار تاکید کے لیے ہے نُحْیِ الْمَوْتٰی ہم ہی مُردوں کو جلائیں گے مرنے کے بعد اور ان کے اعمال کے مطابق انہیں جزا و سزا دیں گے اس وقت اکرام و انتقام کا مظاہرہ ہوگا کہ اہلِ ایمان کو تعظیم و تکریم سے بہشت میں پہنچایا جائے گا اور اہلِ کفر و معاصی کو ذلیل و خوار کر کے دوزخ میں لایا جائے گا۔

احیاء و موت کیا ہے احیاء بمعنے شے کو حس و حرکت کے ساتھ زندہ کرنا۔ اور موت بمعنے شے سے روح نکال لینا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر غنی دولت مند اور بادشاہ ظالم پر میّت کا اطلاق فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

اربع یمتن القلب الذنب علی الذنب وکثرة مصاحبة النساء وحدیثهن و ملاحاة الاحمق تقول له ویقول لك و مجالسة الموتیٰ قیل یا رسول اللہ وما مجالسة الموتیٰ وقال کل غنی مترف و سلطان جائر۔

(چار باتیں قلب کو مُردہ بنا دیتی ہیں:

(۱) گناہ پر گناہ

(۲) عورتوں کے ساتھ بکثرت مصاحبت اور ان سے باتوں میں لگے رہنا۔

(۳) احمق سے ہنسی مذاق

(۴) مُردوں کی صحبت۔

عرض کیا گیا:

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مُردوں کی صحبت کا کیا مطلب؟

آپ نے فرمایا:

ہر غنی مترف اور ہر ظالم بادشاہ مُردہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ اقبال و سعادت مندی کے پانی سے ہم ان قلوب کو زندہ کرتے ہیں جو قساوۃ سے مر چکے ہیں۔ یہاں پر احیاء مجازاً بمعنے الھدایۃ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَنَكْتُبُ اور ہم لکھتے ہیں یعنی لوحِ محفوظ میں محفوظ اور ثابت کرتے ہیں جیسے کہ دوسری آیت دلالت کرتی ہے یا یہ معنیٰ ہے کہ ہمارے رسل (ملائکہ)

یعنی کراماً کاتبین لکھتے ہیں لیکن اس فعل کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف ہونا تو ہیباً ہے کیونکہ حقیقی آمر وہی ہے مَا قَدَّمُوْا وہ جو نیکی و برائی کا ارتکاب کر چکے ہیں۔

سوال : اعمال کی کتابت پہلے اور احیاء الموتٰی بعد کو ہوگا لیکن آیت میں کتابت اعمال کی تاخیر ہے کیوں؟

جواب ، قیامت میں مقصود احیاء ہے اگر احیاء نہ ہوگا تو کتابتِ اعمال کا کیا فائدہ!

وَ اٰثَارَهُمْ اثر الشئ بمعنے حصول المدلول علی الوجود یعنی ان کے وہ آثار جنہیں انہوں نے حسنات سے باقی رکھا جیسے علم جسے انہوں نے پڑھایا کتاب جو انہوں نے لکھی اور تصنیف و تالیف کی یا مال و اسباب جسے وقف کیا یا تعمیرات چھوڑیں جیسے مساجد، رباطات، پل۔ ایسے ہی دیگر بر و احسان اور نیکی کے امور۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا :

۱ نمرد آنکہ ماند پس از وے بجاے
پل و مسجد و خان و مہمان سرائے

۲ ہر آن کو نماند از پسش یادگار
درخت وجودش نیاورد بار

۳ ور گرفت آثار خیرش نماند
نشاید پس از مرگ الحمد خواند

ترجمہ : (۱) وہ نہیں مرا جس نے اپنے پیچھے چھوڑے پل، مسجد، مہمان خانے اور سرائیں۔

(۲) جس کے پیچھے کوئی یادگار نہیں ایسے ہے جیسے درخت تو ہو لیکن اس کا پھل نہ ہو۔

(۳) اگر کوئی مرا ہے لیکن اس کی کوئی اچھی یادگار نہیں تو اس کے مرنے کے بعد فاتحہ خوانی درست نہیں۔

ایسے ہی اٰثارھم سے برائیاں بھی مراد ہیں جیسے وہ ظالمانہ ٹیکس جو ظالم لوگوں نے عوام پر لگائے، سالانہ ہوں (یا ششماہی) یا ماہانہ۔ اور ایسی گلیاں کوچے کھولنا جن سے عوام کو مصائب کا سامنا کرنا پڑے یا ایسی باتیں جو ذکرِ الٰہی سے رکاوٹ کا موجب ہوں ایسے ذکرِ الٰہی میں ایسے طریقے رائج کیے جائیں جو ذکر میں اغلاط یا لہو و لعب کو دخل ہو وغیرہ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ینبأ الانسان یومئذ بما قدم و اخر۔

انسان کو اعمال کی خبر دی جائے گی جن کا وہ مرتکب ہوا اور ان آثار کا پتا دیا جائے جو اس نے اپنے لیے یادگار کے طور پر چھوڑے۔ مثنوی شریف میں ہے :

۱ ہر کہ بنہد سنتِ بد اے فتی
تا در افتد بعد او خلق از عمی
۲ جمع گردد بر وے آں جملہ بزہ
کو سری بود است وایشاں دم غزہ

ترجمہ: (۱) جو طریقۂ بد مقرر کرتا ہے تاکہ خلقِ خدا بے خبری سے اس سے نقصان اٹھائیں۔
(۲) اس کا تمام گناہ اس کے عملنامے میں لکھا جائے گا۔ اے عزیز! جو بوئے گا وہی اٹھائے گا۔

سبق: عقلمند پر لازم ہے کہ وہ اپنے پیچھے ایسے طریقے نہ چھوڑے جس سے لوگ نقصان اٹھائیں، وہ دینی امور ہوں یا دُنیوی۔ اگر خود نہیں چھوڑتا لیکن برے طریقوں سے راضی ہو کر مرتا ہے تو اسے بھی سزا ملے گی کیونکہ جیسی کرنی ویسی بھرنی ہے

۱ از مکافات عمل غافل مشو
گندم از گندم بروید جو ز جو
۲ کین چنین گفتست پیر معنوی
کای برادر ہر چہ کاری بدروی

ترجمہ: (۱) عمل کی جزا سے غافل نہ ہو کیونکہ گندم سے گندم ہی پیدا ہوگی اور جَو سے جو۔
(۲) پیرِ معنوی نے یُونہی فرمایا ہے اے بھائی جو بوئے گا وہی اٹھائے گا۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان آثار سے نمازیوں کا مساجد کو جانا مراد ہے۔ لیکن یوں کہنا مناسب ہے کہ جملہ آثار سے ایک یہ بھی ہے۔ (الارشاد)

حدیث شریف: مروی ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مکانات مسجد شریف سے دُور تھے، اُنہوں نے چاہا کہ نقل مکانی کر کے مسجد شریف کے قریب آجائیں، انھیں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ یکتب خطواتکم و یثیبکم علیہا فالزموا بیوتکم۔

(اللہ تعالیٰ تمہارے دور سے آتے وقت قدم لکھواتا ہے اس پر تمہیں بہت بڑا ثواب عطا فرمائے گا فلہٰذا تم اپنے دُور والے مکان میں رہو)

مسئلہ: اللہ تعالیٰ بندے کے چل کر آنے جانے کی جزا و سزا کو نہیں چھوڑتا، نیکی کے لیے چل کر آؤ یا بُرائی کے لیے۔

حدیث شریف میں ہے :

اعظم الناس اجرا من یصلی ثم ینام ۔

(وہ شخص بہت اجر و ثواب کا مستحق ہے جو نماز پڑھ کر سوتا ہے)

مسئلہ : اس میں اختلاف ہے کہ ایک شخص کا گھر مسجد کے قریب ہے لیکن وہ دور کی مسجد کو چل کر نماز ادا کرتا ہے اس کا ثواب زیادہ ہے یا قریب والی مسجد میں نماز پڑھنے کا ۔ بعض نے پہلے کو ثواب میں ترجیح دی ہے کیونکہ حدیث شریف میں وارد ہے :

لاصلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد ۔

(مسجد کے ہمسایہ کی نماز ناقابل قبول ہے جب تک مسجد میں ادا نہ کرے)

اس لیے کہ یہ مسجد کے حق کا احیاء کرتا ہے دوسرا مسجد کی ہمسائیگی کا حق ادا کرتا ہے ۔

مسئلہ : قریبی مسجد میں جماعت نہیں ہوئی تو بھی اسی میں نماز ادا کرے اسے جماعت کا ثواب مل جائیگا ہاں اگر حصولِ جماعت کے لیے بعید مسجد میں چلا جائے تو یہی افضل ہے کیونکہ پہلی صورت میں ہمسائیگی میں ادائیگی حقوق کا احیاء ہے لیکن دوسری صورت میں جماعت کے ساتھ ادائیگی سنت کا احیاء ہے ۔

مسئلہ : جماعت کا حصول گھر پر ہوتا ہے تو جماعت سے ادائیگی افضل ہے مسجد میں تنہا نماز ادا کرنے سے ۔

مسئلہ : بعض فقہاء کرام نے فرمایا کہ ہمسائیگی مسجد کے لیے چالیس گھر ہر جانب سے شمار ہوتے ہیں ۔ بعض نے کہا جہاں تک مسجد کی اذان کی آواز پہنچتی ہے [1]

مسئلہ : مجمع الفتاوٰی میں ہے کہ کسی کے پڑوس میں دو مسجدیں ہیں تو اس کے لیے قدیم ترین مسجد میں نماز ادا کرنا افضل ہے اس لیے کہ قدیمی مسجد کی عزت و عظمت بہ نسبت جدید مسجد کے زیادہ ہے اگرچہ بحیثیت مسجد کے دونوں برابر ہیں ۔

مسئلہ : جو مسجد زیادہ قریب ہو اس میں نماز ادا کرنا افضل ہے ۔

مسئلہ : فقیہ عالم کو اُس مسجد میں نماز کے لیے جانا بہتر ہے جہاں نمازی تھوڑے ہوں کیونکہ اس کی وجہ سے اس مسجد میں نمازیوں کا اضافہ ہوگا ۔ اگر غیر فقیہ ہو تو وہ مختار ہے جس مسجد میں جانا چاہے جا سکتا ہے ۔

مسئلہ : جس مسجد میں فرائض و تراویح کی پابندی ہو اس میں نماز کی ادائیگی افضل ہے ۔

مسئلہ : گھر پر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کا ثواب کم ہے بہ نسبت مسجد میں نماز با جماعت ادا کرنے کے ۔

---

[1] اس سے سپیکر کے بغیر انسان کی طبعی آواز مراد ہوگی (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب) اویسی غفرلہٗ

حدیث شریف میں ہے، گھر پر یا بازار (دکان وغیرہ) میں نماز ادا کرنے کی بہ نسبت مسجد میں نماز ادا کرنے کا دگنا ثواب ہے ایک روایت میں ستائیس درجے زیادہ ثواب ہے۔

مسئلہ: اس کی وجہ یہ ہے کہ دن رات میں کل فرائض سترہ رکعت اور سنن رواتب (مؤکدہ) دس رکعت ہیں ان کو ملانے سے ستائیس رکعات بنتی ہیں۔

مسئلہ: بعض علماء نے فرمایا کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا واجب ہے۔

حدیث شریف میں ہے، لقد هممت ان آمر رجلا يصلي بالناس وانظر الى اقوام يتخلفون عن الجماعة فاحرق بيوتهم۔

(میرا ارادہ ہوتا ہے کہ کسی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور میں لوگوں کے گھروں میں جا کر دیکھوں کہ کون جماعت سے رہ گیا ہے جماعت میں نہ آنے والوں کے گھروں کو آگ لگادوں)

مسئلہ: اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ نماز باجماعت نہ پڑھنے والوں کے گھروں کو آگ لگانا جائز ہے کیونکہ رسول علیہ السلام کا معصیت پر ارادہ کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ گناہ ہے۔

انتباہ: جب ترک واجب وسنت مؤکدہ پر گھروں کا جلانا جائز ہے تو پھر ترکِ فرائض پر کتنی سزا ہوگی۔

حدیث شریف میں ہے:

بشروا المشائين فى الظلم الى المساجد بالنور التام يوم القيامة۔

(اندھیروں میں مسجد کو جانے والوں کو قیامت میں نورِ تام کی خوشخبری سناؤ)

اس میں اشارہ ہے کہ ہر اندھیری رات نماز باجماعت کے ترک کا عذر نہیں بلکہ شدید اندھیری عذر ہے۔ حدیث پاک میں اطلاق اللفظ اشارہ کرتا ہے کہ جدوجہد افضل ہے ایسے ہی خواہ مخواہ جماعت ترک نہ کرے جب تک قوی عذر نہ ہو۔ جماعت کے ترک اعذار وہی ہیں جو مرض کے لیے تیمم روا رکھتے ہیں۔

مسئلہ: مقطوع الید والرجل ہونا عذر ہے بشرطیکہ ہاتھ اور پاؤں کا کٹنا خلافِ جہت سے ہو۔

مسئلہ: مفلوج ہونا ایسے ہی چلنے کی طاقت نہ ہونا اور اندھا ہونا سخت بارش، کیچڑ، سخت سردی سخت آندھی۔ یہ تمام جماعت کے ترک کے اعذار ہیں۔ یہی صحیح ہیں۔

مسئلہ: ظالم بادشاہ وغیرہ کا خوف کہ جس سے جان یا سخت نقصان کا خطرہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان لوگوں سے بنائے جو زندگی بھر حکم الٰہی بجالانے کے لیے کمربستہ رہتے ہیں۔

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنٰهُ تمام امور (جو انسان وغیرہ عمل میں لاتے ہیں) کو ہم نے ضبط اور بیان کیا ہے۔

ف: ابن الشیخ نے فرمایا کہ احصٰی کا اصل معنٰی ہے عدّ (شمار کرنا) پھر بطور استعارہ بمعنی بیان و حفظ ہے کیونکہ گنتی بھی انہی کے لیے کی جاتی ہے۔

المفردات میں ہے الاحصاء کسی شے کو گنتی سے حاصل کرنا۔ کہا جاتا ہے: احصیت کذا۔ الحصی سے ہے کیونکہ اہلِ عرب گنتی میں کنکریوں کا سہارا لیتے ہیں جیسے ہم انگلیوں سے اشیاء کو گنتے ہیں۔
فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ○ عظیم الشان امر میں جو تمام شے کو ظاہر کرنے والی ہے وہ شے زمانہ ماضی کی ہو یا زمانہ مستقبل کی۔ اس سے لوحِ محفوظ مراد ہے۔ اسے امام اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء و اتباع کی جاتی ہے۔

ف: امام راغب نے فرمایا، امام وہ ہے کہ جس کے اقوال کی اقتداء کی جائے یا افعال کی۔ وہ انسان ہو یا کتاب یا کوئی اور شے۔ اور وہ حق ہو یا باطل۔ اس کی جمع ائمہ آتی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یوم ندعو کل اناس بامامھم۔
(ہر ایک کو ان کے ساتھ بلائیں گے جن کی اُنہوں نے اقتداء کی ہوگی)

بعض نے کہا کہ ہر ایک اپنے عملنامے کے ساتھ بلایا جائے گا۔

ف: وکل شیٔ احصینٰہ الخ لوحِ محفوظ مراد ہے۔ بعض مفسرین نے ایسے کہا ہے۔

ف: الاحصاء میں ترغیب وترہیب ہے اس لیے محصی کسی حال میں بھی غفلت نہیں کرتا وہ ہر وقت ہر لحظہ ہر آن حرکت و سکون میں نگرانی کرتا ہے۔

تسخیر الخلائق کا وظیفہ

اسم محصی تسخیر کی تاثیر رکھتا ہے۔ جو شخص تسخیر القلوب چاہے اسے چاہیے کہ روٹی کے ہر ٹکڑے پر بیس بار پڑھے اور روٹی کے بیس[2] ٹکڑے بنائے[1]

سوال: تسخیر الخلائق کا کیا فائدہ؟
جواب: خلق کی ضرر رسانی سے حفاظت، ان سے منافع کا حصول اور ارشاد و رہبری آسانی سے کی جا سکے گی۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا خلق کی تسخیر کرنا اور ان کو اپنی طرف متوجہ کرنا خواہ وظائف و اوراد کے ذریعے ہو یا کسی اور حیلے سے، نہیں کرنا چاہیے[2] کیونکہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے بہترین تسخیر اپنے نفس امارہ کو اپنے قابو میں لانا ہے یہاں تک کہ نفس امارہ ہر حکم کا پابند اور حق کی اتباع میں تابع ہو جس کا نفسِ امارہ قابو میں نہیں دنیا میں اس جیسا اور کوئی ذلیل نہیں اگرچہ بظاہر لوگوں کا مطاع و مخدوم ہو۔

---

[1] وہ ٹکڑے اپنے لنگر میں ملا کر عوام کو کھلائے۔
[2] فقیر اویسی اور اس کے اسلاف اسی کے قائل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نہ فقیر کبھی ایسا وظیفہ عمل میں لاتا ہے نہ اس کے اسلاف لائے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وکل شیٔ یعنی ہروہ امر جو ہمارے قریب لاتے ہیں احصینٰہ فی امام مبین ہم نے اس کے آثار وانوار لوح محفوظ یعنی اپنے محبوبوں کے قلوب میں ثابت فرمائے ہیں۔

لوح محفوظ کیا ہے انسان کامل کا دل امام مبین اور لوح محفوظ ہے۔ اسی میں انوار الملکوت منقش اور اسرار الجبروت مرتسم ہیں جتنی اس کی وسعت وطاقت ہے اور جیسے کہ عقل کل کو اس کا کشف حاصل ہے۔ لیکن یہ مرتبہ قلب کے تصفیہ کے بعد حاصل ہوتا ہے یہاں تک کہ قلب میں کونین میں سے کسی ایک شے کی ذرہ برابر بھی صورت نہیں ہے اور تصفیہ کا معنٰی ہے ازالۃ التوہم تاکہ متحقق کا ظہور ہو، جو متوہم اور متحقق کو نہیں جانتا وہ ہمیشہ متحقق سے محروم رہے گا۔ حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا:

ے

۱ سگ ہمی شد استخوان بدہان
کردہ رہ بر کنار آب روان

۲ بسکہ آن آب صاف وروشن بود
عکس آن استخوان در آب نمود

۳ برد بیچارہ سگ گمان کہ مگر
ہست در آب استخوان دگر

۴ لب چو بکشاد سوے آن بستاد
استخوان از دہان در آب فتاد

۵ نیست را ہستیٔ توہم کرد
بہر آن نیست ہست را گم کرد

ترجمہ (۱) ایک کتا ہڈی منہ میں لے کر نہر کے کنارے چل رہا تھا۔
(۲) اسے صاف وشفاف پانی میں ہڈی کا عکس نظر آیا۔
(۳) کتے کو گمان ہوا کہ پانی میں اور ہڈی ہے۔
(۴) کتے نے منہ کھول کر اس ہڈی کو بھی اٹھانا چاہا تو منہ والی ہڈی پانی میں گر گئی۔
(۵) جس نے نیست کو ہستی گمان کیا تو نیست کے وہم سے ہستی کو بھی گم کر دیا۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ آئینے کو صاف کرے تاکہ صورۃ الحقیقۃ وحقیقۃ الوجود ظاہر ہو اور اسے کمال عیان وشہود حاصل ہو۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اہل صفوۃ سے بنائے اور کدورات وہفوات سے بچائے وہ ہمارا مقصود اور ہر علم وعمل میں مدعا ہے۔

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿١٣﴾

اور ان سے نشانیاں بیان کرو اس شہر والوں کی جب ان کے پاس فرستادے آئے

إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوا إِنَّا إِلَيْكُم مُّرْسَلُونَ ﴿١٤﴾

جب ہم نے ان کی طرف دو بھیجے پھر انہوں نے ان کو جھٹلایا تو ہم نے تیسرے سے زور دیا اب ان سب نے کہا کہ بیشک ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں

قَالُوا مَا أَنتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَا أَنزَلَ الرَّحْمَٰنُ مِن شَيْءٍ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَكْذِبُونَ ﴿١٥﴾

بولے تم تو نہیں مگر ہم جیسے آدمی اور رحمٰن نے کچھ نہیں اتارا تم نرے جھوٹے ہو

قَالُوا رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّا إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُونَ ﴿١٦﴾ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿١٧﴾

وہ بولے ہمارا رب جانتا ہے کہ بیشک ضرور ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں اور ہمارے ذمہ نہیں مگر صاف پہنچا دینا

قَالُوا إِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَئِن لَّمْ تَنتَهُوا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُم مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٨﴾

بولے ہم تمہیں منحوس سمجھتے ہیں بیشک اگر تم باز نہ آئے تو ضرور ہم تمہیں سنگسار کریں گے اور بیشک ہمارے ہاتھوں تم پر دکھ کی مار پڑے گی

قَالُوا طَائِرُكُم مَّعَكُمْ أَئِن ذُكِّرْتُم بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ﴿١٩﴾

انہوں نے فرمایا تمہاری نحوست تو تمہارے ساتھ ہے کیا اس پر بدکتے ہو کہ تم سمجھائے گئے بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو

وَجَاءَ مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَىٰ قَالَ يَا قَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ ﴿٢٠﴾

اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک مرد دوڑتا آیا بولا اے میری قوم بھیجے ہوؤں کی پیروی کرو

اتَّبِعُوا مَن لَّا يَسْأَلُكُمْ أَجْرًا وَهُم مُّهْتَدُونَ ﴿٢١﴾

ایسوں کی پیروی کرو جو تم سے کچھ نیگ نہیں مانگتے اور وہ راہ پر ہیں

تفسیر عالمانہ وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ اس کے ابتدائی مضمون سے خامدون تک اشارہ ہے کہ وہ اپنے پیاروں سے کس طرح لطف و کرم اور دشمنوں پر کس طرح غیظ و غضب فرماتا ہے۔

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ مشرکین مکہ کو اصحاب القریہ کا قصہ سنا کر نصیحت فرمائیے تاکہ اس سے بچ جائیں کہیں ان پر وہی عذاب نازل نہ ہو جائے جو اصحاب القریہ پر نازل ہوا تھا۔

ف : الارشاد میں ہے کہ ضرب المثل دو طرح استعمال ہوتی ہے :

(۱) ایک عجیب و غریب کو اس جیسے دوسرے حال کی تطبیق میں، جیسے آیت ہذا میں اسی قانون پر

معنیٰ یہ ہُوا کہ اصحاب القریہ کی مثال اہلِ مکہ پر منطبق کیجئے کہ جیسے وُہ کافر میں غالی اور تکذیب الرسل پر اصرار کرنے والے تھے ایسے ہی یہ معنیٰ ان کے حال کے مطابق بنا ہے اس تقریر پر مثلاً اضرب کا مفعول ثانی اور اصحاب القریہ مفعول اوّل ہے۔

سوال: مفعول اوّل کو مؤخر کیوں کیا گیا؟

جواب: تاکہ اس کے ساتھ وہ متصل ہو جو اس کی شرح وتفصیل بتائے۔

(۲) صرف حالت غریبہ کا اظہار مطلوب ہو۔ اس سے اسے کسی دوسرے واقعہ کے ساتھ نظیر دے کر منطبق کرنا مقصود نہیں ہوتا۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ واقعہ عجیبہ وغریبہ بیان کیجئے کہ مثل کے معاملہ میں بیان کرنے کے لائق ہے۔

ف: اصحاب القریہ سے پہلے مضاف محذوف ہے یعنی مثل اصحٰب القریۃ الخ۔ جیسے واسئل القریۃ میں اھل مضاف محذوف ہے کہ دراصل واسئل اھل القریۃ الخ ہے یہ محذوف ملفوظ سے حال یا عطف بیان ہے۔ القریۃ سے روم کی بستیوں میں سے بستی انطاکیہ مراد ہے۔ انطاکیہ (بالفتح والکسر وسکون النون وکسر الکاف وفتح الیاء المخففہ) مرکزی شہر جسے عواصم بھی کہا جاتا ہے جس میں چشموں اور پتھروں کے بڑے بڑے قلعے ہیں۔ اس کے اندر پانچ پہاڑ ہیں اور شہر (اس دور میں) بارہ میل تک پھیلا ہوا ہے کما فی القاموس۔ اور اسے انتاکیہ طاء کے بجائے تاء کے ساتھ بھی کہا جاتا ہے اور اسی ملک کے لوگوں سے اسی طرح سُنا گیا ان کا قصہ مشارع الاشواق میں مذکور ہے۔

ف: امام السُہیلی نے فرمایا کہ انطاکیہ اس انطقیس کی طرف منسوب ہے جس نے اس کی بنیاد رکھی اس کے بعد کثرتِ استعمال کی وجہ سے اور مرورِ ادوار سے انطاکیہ ہو گیا۔

ف: ان کا یہ قصہ ملوک الطوائف کے ایام میں ہُوا۔ (التکملہ)

بحر العلوم میں ہے انطاکیہ ان شہروں سے ہے جو دوزخی ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

اعجوبہ اربع مدائن من مدائن الجنۃ مکۃ والمدینۃ وبیت المقدس وصنعاء الیمن واربع مدائن من مدائن النار انطاکیۃ وعموریۃ وقسطنطینیۃ وظفار الیمن۔

(چار شہر جنتی ہیں:	(۱) مکہ معظمہ	(۳) بیت المقدس
	(۲) مدینہ طیبہ	(۴) صنعاء الیمن
اور چار شہر دوزخی ہیں:	(۱) انطاکیہ	(۳) قسطنطنیہ
	(۲) عموریہ	(۴) ظفار الیمن)

ف: ظفار بروزن قطام، یمن کا وہ شہر جو صنعاء الیمن کے قریب ہے وہاں کے جزع (بالفتح)

یعنی وہ کوڑیاں جن میں سیاہی و سپیدی ہو، جو آنکھوں کے مشابہ ہیں، مشہور ہیں۔ انطاکیہ ان چار شہروں میں سے ایک ہے جن میں نصارٰی کے پادری ہر وقت موجود رہتے تھے، اور وُہ چار شہر یہ ہیں:

۱۔ انطاکیہ ۳۔ اسکندریہ
۲۔ قدس (۴) رومیہ۔ ان کے بعد قسطنطنیہ۔

ف: خریدۃ العجائب میں ہے کہ رومیۃ الکبری بہت بڑا شہر ہے جس میں ایک عظیم گرجا ہے، جس کا طول تین سو ہاتھ ہے ستون خالص تانبے کے ہیں، جن کا اوپر کا پردہ زرد تانبے کا ہے۔ اس میں ایک ایسا گرجا ہے جو بیت المقدس کی ہیئت پر تیار کیا گیا ہے جس میں ایک ہزار غسل خانے اور ایک ہزار سرائیں ہیں۔ بہرحال رومیہ کبرٰی ایک ایسا شہر ہے جس کے اوصاف کا احاطہ نہیں ہو سکتا نہ ہی اس کے محاسن بیان کئے جا سکتے ہیں۔ یہ رومیوں کے لیے ایسا شہر ہے جیسے افرنگیوں کے لیے فرانس۔

ف: ان کے بادشاہوں کی کرسی اور ان کے امور کا اجتماع اور ان کی دیانت اور اس شہر کا فتح ہونا قیامت کی علامات سے ایک ہے۔

إِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ یہ اصحٰب القریۃ سے بدل الاشتمال ہے گویا کہا گیا کہ مرسلین کے آنے کے وقت کی انہیں مثال دیجئے۔ یا مضاف مقدر سے بدل ہے گویا کہا گیا کہ انھیں رسل کرام کے آنے کا وقت یاد دلائیے ان سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے وہ فرستادہ مراد ہیں جنہیں آپ نے اہلِ انطاکیہ کے ہاں بھیجا تھا إِذْ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ یہ پہلے اذ سے بدل ہے یعنی اس وقت جبکہ ہم نے اصحاب القریہ کے ہاں دو رسول بھیجے ان سے حضرت یحیٰی و حضرت یونس (علیہما السلام) مراد ہیں۔

سوال: انہیں بھیجا تو عیسٰی علیہ السلام نے تھا مگر ان کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کیوں کی؟

جواب: چونکہ عیسٰی علیہ السلام کو حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا اس اصل حکم کی وجہ سے اپنی طرف منسوب فرمایا گویا یہ عیسٰی علیہ السلام کے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے رسول تھے۔

مسئلہ: اس کو ایک فقہ کے مسئلہ سے سمجھیے وہ یہ کہ مؤکل نے وکیل کو کہا کہ تم یہ کام جیسے چاہو کر سکتے ہو۔ اس نے جا کر کوئی وکیل بنا لیا تو اب یہ دوسرا وکیل براہِ راست مؤکل کا ہو گا اسے وکیل بھی معزول نہیں کر سکتا، ہاں مؤکل خود اسے معزول کر سکتا ہے۔

فَكَذَّبُوْهُمَا تو پھر انہوں نے ان کی تکذیب کی یعنی رسل کرام ان کے ہاں آئے اور دعوتِ حق پیش کی لیکن انہوں نے بلا سوچے سمجھے نہ صرف رسل کرام کی رسالت کی تکذیب کی ان کی پٹائی بھی کی اور پھر انھیں قید کر دیا فَعَزَّزْنَا ہم نے ان کی قوت بڑھائی۔ یہاں مفعول محذوف ہے جیسا کہ اس کا ما قبل

اس پر دلالت کرتا ہے۔ اس لیے کہ معززہ اور اس کے تدبیر لطیف کا بیان مطلوب ہے اس لیے کہ اس سے حق معزز اور باطل ذلیل ہوتا ہے۔ اہلِ عرب کہتے ہیں، عزز المطر الارض۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب بارش مکمل طور پر زمین پر پھیل جائے۔ اور کہتے ہیں:

ارض عزاز۔ بمعنے سخت زمین۔ و تعزز اللحم اشتد وعزکا نہ حصل یعنی وہ اتنا سختی میں ہے کہ اس تک پہنچنا مشکل ہے۔

تاج المصادر میں ہے: التعزیز والتعزۃ یعنی طاقتور ہونا۔

اسی سے حدیث شریف ہے،

انکم لمعزز بکو۔

بمعنے مشدد۔

بِثَالِثٍ تیسرے سے۔ اس سے شمعون الصفار مراد ہیں انہیں شمعون الصخرہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ حوارئین کے صدر تھے اور حضرت عیسٰی علیہ السلام رفع الی السماء کے بعد یہی ان کے خلیفہ و نائب ہوئے۔

ف: التکملہ میں ہے کہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ تینوں مستقل رسول تھے یا نہیں۔ بعض نے تو انہیں رسل و انبیاء مانا ہے بعض نے کہا کہ وہ عیسٰی علیہ السلام کے حواریوں سے تھے انہیں عیسٰی علیہ السلام نے اہلِ انطاکیہ کے ہاں پیامی بنا کر بھیجا اور چونکہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کا تھا اس لیے اس کی طرف ارسال منسوب فرمایا ورنہ حقیقی طور وہ رسول و نبی نہ تھے ارسال کی نسبت الی اللہ مجازی ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ وہ رسول و نبی نہ تھے، نہ عیسٰی علیہ السلام کے زمانۂ نبوت میں نہ رفع الی السماء کے بعد۔ اسی طرف رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ ہے:

لیس بینی و بینہ نبی۔

(میرے اور اس کے مابین کوئی نبی نہیں)

اس کا احتمال ایک یہ ہے کہ کوئی نبی مستقل شریعت لے کر نہیں آئے گا۔ یہ مستقل شریعت والی نبوت کے منافی نہیں (اس سے قادیانی مرزائی کی نبوت کی تائید نہیں ہوتی کہ زمانۂ ختمِ نبوت سے پہلے کا قاعدہ ہے)

فَقَالُوٓا ان سب نے کہا **إِنَّآ إِلَيۡكُم مُّرۡسَلُونَ** ○ بیشک ہم سب تمہارے پاس بھیجے گئے ہیں چونکہ کافروں نے انکار کیا تو ان کے انکار پر شدید تاکیدیں لائی گئی ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ ان کے دو کی تکذیب گویا کل کی تکذیب ہے بوجہ ان کی ایک بات (اتحاد مذہب حق) کے۔

رفع الی السماء سے پہلے عیسٰی علیہ السلام کی کارروائیاں اللہ تعالیٰ نے عیسٰی علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ میں تمہیں

آسمان پر لے جانا چاہتا ہوں۔ یہ سُن کر آپ نے حواریوں کو مختلف شہروں میں مختلف قوموں کے پاس بھیجنے کا پروگرام بنایا تاکہ خلقِ خدا کو دعوتِ حق دیں ان سب کا رئیس المبلغین شمعون تھا اور ان سب کو شہر نامزد کر کے وصیت فرمائی کہ جب میں آسمان پر چلا جاؤں تو پھر تم اپنے متعینہ علاقے میں چلے جانا اگر تمہیں اس علاقے کی بولی نہ آئے تو تمہیں راستے میں ایک فرشتہ شراب[1] خالص کا پیالہ لیے ملے گا وہ پیو گے تو تمہیں اس علاقے کی بولی آجائے گی۔ ان میں سے دو مبلغوں کو انطاکیہ کو بھیجا گیا۔ وہاں کے لوگ بت پرست تھے۔ کما قال فی کشف الاسرار۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے رفع الی السمائ سے پہلے انطاکیہ میں دو مبلغ بھیجے۔ جاتے وقت مبلغوں نے عرض کی کہ ہم تو ان کی بولی نہیں جانتے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے دعا کی، وُہ نیند سے جاگے تو انھیں وہاں کی بولی از بر تھی اور انہیں فرشتوں نے اٹھا کر انطاکیہ میں پہنچا دیا اور وہ اسی وقت اس علاقے کی بولی بولنے لگے جب وُہ شہر کے قریب ہوئے تو بکریوں کے ایک بوڑھے چرواہے سے ملے وہ حبیب نجار تھا اور بُت تراشتا تھا (یہی صاحب یٰسٓ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سورہ یٰسٓ میں جاء رجل من اقصی المدینۃ الخ سے یاد فرمایا ہے) اس کو مبلغین نے السلام علیکم کہا، پوچھا تم کون ہو؟ فرمایا ہم عیسیٰ علیہ السلام کے مبلغین ہیں ہم تمہارے شہر میں دعوتِ حق پہنچانے آئے ہیں تاکہ تم راہِ راست پر آؤ اور ملت پاک کی پیروی کرو یا درکھو کہ دین حق توحید اور خدائے یکتا کی عبادت کا نام ہے۔ بوڑھے نے کہا: کیا تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل (معجزہ) وغیرہ ہے؟ کہا ہاں۔ بوڑھے نے کہا: کون سا؟ فرمایا: ہم بیماروں کو شفاء دیتے ہیں، مادرزاد اندھوں کو بینا اور برص کے مریضوں کو تندرست کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اذن سے۔ ان کے پاس عیسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے وہی تھا جو انبیاء علیہم السلام کے معجزات ہوتے ہیں۔ بوڑھے نے کہا کہ میرا ایک مجنون بیٹا ہے جو میرے گھر میں ہے اس کے علاج نے اطباء و ڈاکٹر عاجز ہیں تم اسے تندرست بنا دو گے؟ فرمایا: ان شاء اللہ تعالیٰ۔ بوڑھا انھیں گھر لے گیا۔ اُنہوں نے بچے کے لیے دعا فرمائی اور اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا تو وہ باذنہٖ تعالیٰ تندرست ہوگیا ؎

قدم نہادی بر ہر دو دیدہ جا کردی
بیکنفس دل بیمار را دوا کردی

ترجمہ : تُو نے قدم رکھا اور آنکھوں سے دیکھا تو میرے بیمار دل کو پل بھر میں دوائی دے کر شفا دے دی۔

---

[1] اس وقت آپ کی شریعت میں شراب حلال تھی پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ اویسی غفرلہٗ

حبیب نجار ایمان لے آیا

یہ حبیب نجار اپنے بیٹے کی شفاء دیکھ کر ایمان لے آیا۔ اس کی خبر آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ ان دونوں کے ہاتھ سے ہزاروں بیماروں نے شفا پائی یہاں تک کہ ملک کے بادشاہ کو خبر ملی اس کا نام حناطیس الردمی یا انطیخس یا شلاحن تھا۔ اس نے ان مبلغین کو بلا کر حال پوچھا۔ فرمایا: ہم عیسیٰ علیہ السلام کے قاصد ہیں تمہیں رب واحد کی عبادت کی دعوت دینے آئے ہیں۔ کہا: کیا ہمارے معبودوں کے علاوہ کوئی اور رب بھی ہے؟ فرمایا: ہاں وہی رب تو ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا۔ وہی تمہارا معبود ہے، جو اس پر ایمان لاتا ہے بہشت میں داخل ہوتا ہے اور جو اس سے کفر کرتا ہے وہ دوزخ میں جائے گا۔ پھر وہ ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا رہے گا۔ بادشاہ کو اس پر غصہ آگیا اس نے مبلغین کو مار پیٹا اور جیل بھیج دیا۔ ان کی یہ خبر عیسیٰ علیہ السلام کو ملی، آپ نے تیسرے کو بھیج دیا جس کا نام شمعون تھا تاکہ وہ ان دونوں کی مدد کرے۔ اس کے بعد آپ آسمان پر اٹھا لیے گئے (جیسا کہ بعض نے کہا) شمعون اجنبی بن کر انطاکیہ میں آیا اور بادشاہ کے حاشیہ برداروں کے ساتھ نشست و برخاست رکھی یہاں تک کہ وہ شمعون سے مانوس ہو گئے جس کی بادشاہ کو خبر دی گئی اور بادشاہ بھی شمعون سے مانوس ہو گیا۔ شمعون نے پہلے بادشاہ کے دین کی موافقت ظاہر کی یہاں تک کہ ان کے ساتھ بت کے ہاں بھی چلے جاتے وہاں نماز پڑھتے اور خوب آہ و زاری کرتے وہ سمجھتے کہ یہ ان کے دین کا پرستار ہے۔ جیسا کہ شیخ سعدی قدس سرہٗ سومنات کا قصہ سناتے ہیں کہ وہ بھی اس مندر میں تشریف لے گئے اور اجنبی بنے رہے تاکہ ان کی کیفیت حال سے آگاہی ہو ؎

۱ بتک را یکے بوسہ دادم بدست
کہ لعنت برو باد و بر بت پرست

۲ بتقلید کافر شدم روز چند
برہمن شدم در مقالات زند

ترجمہ: (۱) میں نے بت کو بوسہ دیا اور ہاتھ لگایا اور دل میں کہہ رہا تھا بت اور بت پرستوں پر لعنت۔

(۲) چند روز ان کی تقلید میں نہ صرف کافر رہا بلکہ ان کے مقالات زند کا امام بن گیا۔

ایک دن شمعون نے بادشاہ سے کہا: سنا ہے کہ آپ نے دو مردوں کو جیل بھیجا ہے جنہوں نے تیرے معبودوں کے سوا کوئی اور معبود بھی ہے۔ براہِ کرم ان دونوں کو بلا کر میرے سامنے لائیے اور ان سے میری بات کرا دیجئے۔ پھر دیکھیے میں انہیں کیسے خاموش کراتا ہوں۔ بادشاہ نے ان دونوں کو بلایا۔

شمعون کی تبلیغ کا اثر

بعض روایات میں ہے کہ شمعون انطاکیہ میں پہنچتے ہی سیدھا ان دونوں کے پاس چلا گیا اور فرمایا کہ تمہارا مشن یوں کامیاب ہوتا کہ تم نرمی [illegible] لیتے ہو

چو بینی کہ جاہل بکین اندر است
سلامت بتسلیم دین اندر است

ترجمہ: جب دیکھو کہ جاہل غضب میں ہے تو سلامت تسلیم کرنے میں ہے۔

شمعون نے فرمایا: تمہارا حال اس عورت جیسا ہے جس کے ہاں عرصۂ دراز کے بعد بچہ پیدا ہوا اور اس نے اس خوشی میں کہ وہ جلد جوان ہو جائے اُسے روٹی کا ٹکڑا کھلا دیا وہ بچہ فوراً مر گیا۔

یہ کہہ کر شمعون بادشاہ کے پاس چلا گیا اور پھر ان دونوں کو مناظرہ کے لیے بلایا جب وہ آئے تو کہا: تمہیں کس نے بھیجا؟ کہا: اُس خدا نے جس نے سب کو پیدا کیا اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ کہا: اس کی کوئی صفت بیان کرو لیکن مختصر جملہ میں۔ کہا: ہمارا خدا وہ ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے اس کا حکم فرماتا ہے۔ شمعون نے کہا: اس کی کوئی دلیل دو۔ کہا: بادشاہ جو آرزو کرے ہم بفضلہٖ تعالیٰ پوری کر دیں گے یہی ہمارے دعوے کی دلیل ہے۔ چنانچہ بادشاہ کے حکم سے ایسا نوجوان بچہ لایا گیا جس کی آنکھوں کا نہ صرف نور ختم ہو چکا تھا بلکہ چشم خانے بھی مٹ کر چہرہ کی طرح چمڑا بن گئے تھے ماتھا چہرہ برابر ہو گیا تھا انہوں نے نوجوان کے لیے دُعا کی تو آنکھوں کی جگہ پھٹی پھر انہوں نے مٹی کے ڈھیلے بنا کر آنکھوں میں رکھ دیئے بفضلہٖ تعالیٰ وہ نوجوان تندرست ہو گیا اور مکمل بینائی سے دیکھنے لگا۔ اس پر بادشاہ متعجب ہوا بادشاہ کو شمعون نے کہا: کیا تمہارے معبود اس طرح کر سکتے ہیں؟ بادشاہ نے کہا: اے شمعون! آپ سے کیا چھپاؤں، حقیقت یہ ہے کہ ہمارے معبود خود ایسے ہیں کہ نہ کچھ دیکھتے ہیں نہ سُنتے ہیں اور نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان۔[1]

مُردے زندہ ہو گئے بادشاہ نے مذکورہ بالا کرامت دیکھ کر کہا کہ یہاں ایک بچّے کو فوت ہوئے سات دن ہو گئے ہیں اس کا باپ جاگیر پر گیا ہوا ہے بچّے کو ابھی دفن نہیں کیا گیا اس کے باپ کا انتظار ہو رہا ہے۔ مجھ سے مشورہ لیا گیا تو میں نے بھی اس کے انتظار کا ہی کہا ہے۔ کیا ان مبلّغین کا رب اس مُردہ بچّے کو زندہ کر سکتا ہے؟ مبلغین کہنے لگے: کیوں نہیں! بادشاہ کے حکم سے وہ بچہ لایا گیا مبلغین نے کُھلم کھلا دُعا کی اور شمعون نے دل میں۔ اس پر وہ مردہ بچّہ (باذن اللہ تعالیٰ) زندہ ہو گیا اور کہنے لگا: میری جان نکلی تو مجھے سات دوزخوں میں پھرایا گیا اس لیے کہ میں کفر پر مرا۔ اب میں تمہیں کہتا ہُوں کہ شرک سے بچو اور کفر سے توبہ کر کے ایمان لے آؤ۔ ابھی میں آسمان کے دروازے کُھلے دیکھ رہا ہُوں اور عیسٰی علیہ السلام اپنے یاروں کی قبولیت کی سفارش کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں اے اللہ! ان کی مدد فرما اس لیے کہ وہ میرے قاصد ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے زندہ کیا سُن لو میں کہتا ہُوں:

---

[1] غور کیجئے ان قاصدوں نے دلیل تو دینی ہے قدرتِ خدا تعالیٰ کی لیکن وہ خود قدرت دکھا رہے ہیں! اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء کا کرنا درحقیقت اللہ کا کرنا ہے فافہم ولا تکن من الوہابیین۔ اویسی غفرلہٗ

اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان عیسٰی روح اللہ وکلمتہ وان ھٰؤلاء الثلاثۃ رسل اللہ۔

(میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور عیسٰی روح اللہ اور اس کے کلمہ ہیں اور یہ تینوں اللہ تعالیٰ کے رسول کے قاصد ہیں)

بادشاہ نے کہا: وہ تین کون؟

کہا: شمعون اور یہ دو۔

بادشاہ اس سے متعجب ہوا۔ جب شمعون نے کہا کہ بادشاہ اس سے متاثر ہوا ہے تو اپنی تمام حقیقت سنادی اور کہا کہ واقعی میں بھی عیسٰی علیہ السلام کا قاصد ہوں۔ پھر بادشاہ کو پندو نصیحت کی صرف بادشاہ ایمان لایا۔ لیکن[1] اسے پوشیدہ رکھا تاکہ قوم بگڑ نہ جائے اور سرکش لوگ اسے بادشاہت سے نہ ہٹا دیں۔ دوسری برادری نے ایمان لانے کے بجائے مبلغین پر پتھر برسائے اور کہا ان سب کا ایک بیان ہے اور طیش میں آکر حبیب نجار کو شہید کر دیا اور اس لڑکے کے باپ کو بھی جس کے مُردہ بچے کو زندہ کیا گیا تھا کیونکہ وہ بھی ایمان لے آیا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو بھیجا اس نے چیخ ماری تو وہ سب کے سب مر گئے۔ اس کا مکمل قصہ آگے آئے گا (ان شاء اللہ)

ف: وہب بن منبہ اور کعب الاحبار نے فرمایا کہ بادشاہ بدستور کافر رہا اور یہ سب مل کر قاصدوں کے تعذیب و قتل میں کوشاں ہوئے۔ اس کی تائید یوں ہوتی ہے کہ یہ سرکشی و عناد میں بڑھے اور مکابرہ و معارضہ میں لگے رہے۔ اگر بادشاہ اور بعض قوم ایمان لاتی جیسے بعض نے کہا ہے تو پھر وہ بجائے اس کے مبلغین کی موافقت کرتے اور ان کی اعانت کرتے ان کی ہر بات مانتے یا یہ کہ انہیں حبیب نجار کی طرح شہید کرتے لیکن اس بارے میں کوئی نقل صریح نہیں ملتی۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ الناس علی دین ملوکھم (لوگ اپنے بادشاہ کے دین پر ہوتے ہیں) جیسا کہ دلائل و براہین سے واضح ہے۔

قَالُوْا وہ انطاکیہ والے جو ایمان نہیں لائے تینوں سے مخاطب ہوئے اور کہا کہ مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تم نہیں ہو مگر بشر ہم جیسے۔ یہ قصر القلب کے قبیل سے ہے کیونکہ یہ مخاطب کوئی جاہل تو نہ تھے اور نہ ہی بشریت کے منکر تھے لیکن انہیں جاہل و منکر کے قائم مقام قرار دے کر ایسے کہا علاوہ ازیں وہ بشریت و نبوت ایک دوسرے کے منافی سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ انبیاء و رسل بشر نہیں ہوتے۔ اسی لیے[2]

---

[1] کذا قال القشیری

[2] وہابی دیوبندی اہل سنت کے لیے یہی قول نقل کرکے کہتے ہیں کہ سُنّیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ رسول بشر نہیں ہوتے یہ ان کا بہتان ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ رسول بشر ہوتا ہے لیکن وہ ہماری طرح نہیں ہوتا بلکہ اس کی حقیقت نور ہوتی ہے۔ اویسی غفرلہٗ

انہوں نے اس حکم کو الٹ دیا اور کہا تم نہیں ہو مگر بشر ہم جیسے، یعنی تم بشریت پر مقصور ہو تمہارے اندر رسالت کا وصف نہیں ہے جس کا تم دعوٰی کرتے ہو اسی لیے تمہیں ہم پر کوئی فضیلت نہیں جو ثابت کرے کہ تم رسالت کے اہل ہو اور ہم نہیں۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ بشروں کی طرف اپنا رسول بنا کر بھیجتا تو ان سے افضل کو بھیجتا یعنی ملائکہ کو۔ وَمَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَیْءٍ اور رب رحمان نے نہیں نازل فرمایا کسی شے میں سے نہ وحی آسمانی اور نہ ہی رسول جو پیغام پہنچائے تو پھر تم کیسے رسول بن گئے اور ہم پر کیسے تمہاری اطاعت واجب ہو گئی۔ یہ مذکور کلام کا تتمہ ہے۔ یہ بھی انکار کو مستلزم ہے اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ○ نہیں تم مگر اپنے دعوے میں جھوٹے قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ انہوں نے کہا ہمارا رب جانتا ہے وہ علم حضوری کا مالک ہے اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ○ بیشک ہم تمہاری طرف بھیجے ہوئے رسول ہیں اگرچہ تم ہماری تکذیب کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ کے علم کی گواہی دو اور یہ جملہ قسم کے قائم مقام ہے جبکہ اس سے تاکید مطلوب ہوتی ہے اور اس سے ڈرانا مقصود ہوتا ہے کہ ارے خدا کے بندے! تم خدا کے علم کا مقابلہ کر رہے ہو اور لام تاکید کی بڑھائی ان کے شدتِ انکار کا مشاہدہ کرتے ہوئے وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○ اور نہیں ہم پر از جہت رب تعالیٰ، مگر پہنچانا ظاہر یعنی اللہ تعالیٰ کی رسالت کی تبلیغ جو آیات سے ظاہر ہے اور وہ آیات اس کی صحت کی شاہد ہیں اسی لیے دعوٰی کی دلیل ضروری ہے اور وہ ہم دے چکے اور ہم اپنے عہدے سے بھی بری ہو چکے اسی لیے اب ہم پر کوئی مواخذہ نہیں اور تمہارا مجبور کرنا بھی ہمارے بس میں نہیں کہ ہم تمہیں اپنی صداقت پر مجبور کر سکیں اگر ایمان لاؤ تو فبہا ورنہ تم پر عذاب نازل ہو جائے گا اس میں تعریض ان پر کہ وہ حق کا انکار کر رہے ہیں اور یہ کہ حق مخفی بھی نہیں اور نہ ہی اس کی صحت پوشیدہ ہے بلکہ ان کا انکار محض عناد اور جاہلیتِ خالصہ ہے۔ قَالُوْٓا جب کفار کے تمام حیلے ختم ہو گئے اور انبیاء کا جواب نہ دے سکے تو کہا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ تطیّر پرندوں سے فال پکڑنا اس سے ان کا خیال تھا کہ پرندہ صبح کو اڑنے والا خیر کا اور شام کو اڑنے والا شر کا سبب ہے سورۂ نمل میں اس کی تفصیل گزری ہے اس کے بعد ہر نحوست و شوم پر اس کا استعمال ہوتا ہے۔ اب معنٰی یہ ہوا کہ ہم نے تم سے بری فال لی ہے جیسے جاہلوں کا طریقہ تھا کہ جو امر ان کی خواہش نفسانی کے موافق ہوتا اسے بابرکت سمجھتے اگرچہ وہ سراسر شر ہی شر ہوتا اور جو امر ان کی نفسانی شہوات کے مخالف ہوتا اسے منحوس سمجھتے اگرچہ وہ سعادۃ دارین کا گنجینہ و خزینہ ہوتا۔

ف: حضرت نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تمہارے آنے کو ہم نے منحوس سمجھا ہے اس لیے کہ جب سے آئے ہو بارش نہیں ہوئی اور ہمیں جتنی پریشانیاں لاحق ہیں تمہاری وجہ سے ہیں فلہٰذا ہمارے ملک سے نکل کر اپنے وطن کو لوٹ جاؤ اور دعوت و تبلیغ کا سلسلہ بھی بند کر دو اب ہم تم سے کوئی نہ سنیں۔

مسئلہ: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نیک فالی کو اچھا فرماتے لیکن بدفالی کو مکروہ سمجھتے ان میں فرق

یہ ہے کہ فال میں اللہ تعالیٰ پر حسنِ ظن ہوتا ہے اور بدفالی میں غیر اللہ پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ کو ہجرت کر کے تشریف لے جا رہے تھے تو راستہ میں آپ کو بریدہ بن اسلم ملا آپ نے نام پوچھا تو اس نے کہا، بریدہ۔ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

برد امرنا وصلح۔

(ہمارا معاملہ آسان اور اچھا ہوگا)

برد بمعنے سہل ہے اسی سے ہے:

الصوم فی الشتاء الغنیمۃ الباردۃ۔

(موسم سرما کا روزہ غنیمت باردہ ہے)

یعنی اس موسم میں روزہ رکھنا آسان ہے۔

پھر آپ نے اس سے پوچھا: اے نوجوان! تیرے باپ کا کیا نام ہے؟

عرض کی: ابن اسلم۔

آپ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

سلمنا عن کیدھم۔

(ہم ان کے مکر سے بچ کر صحیح وسالم پہنچ گئے)

مسئلہ: فقہ میں ہے اگر ہامہ بولے یا کوئی اور جانور، اس پر کوئی کہے مریض مرجائے گا تو قائل کافر ہو جائے گا۔

مسئلہ: اگر کوئی سفر کو نکلے لیکن واپس آجائے اور کہے کہ میں کوّے کی آواز کی وجہ سے لوٹ آیا ہوں (کہ اس کی آواز سفر کے نقصان پہ دلالت کرتی ہے) لوٹنے والا اس غلط عقیدہ کی وجہ سے کافر ہو جائے گا (یہ بعض فقہاء کا مذہب ہے)

حدیث شریف میں ہے: کسی بندۂ خدا کے دل میں بدفالی کا تصور آجائے تو اُسے چاہیے کہے:

انا عبد اللہ ما شاء اللہ لاقوۃ الا باللہ لا یاتی بالحسنات الا اللہ ولا یذھب بالسیئات الا اللہ اشھد ان اللہ علیٰ کل شیٔ قدیر ثم یمضی بوجھہ۔

(میں اللہ کا بندہ ہوں وہ جو چاہے کوئی قوت نہیں سوائے اللہ کی مدد کے حسنات کو وہی لاتا ہے اور برائیوں کو وہی دفع کرتا ہے میں گواہی دیتا ہوں اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے)

یہ پڑھ کر چل پڑے یعنی جہاں چاہے چلا جائے۔

ف : یمضی با کے ساتھ متعدی ہوا ہے اس لیے کہ یہ المرور کے معنی کو متضمن ہے۔

مسئلہ : جو شخص کہیں جانا چاہتا ہے لیکن بُری فال کی وجہ سے رک گیا ہے تو جس خطرہ سے وہ رک گیا ہے وہی اسے لاحق ہوگا۔ کما فی عقد الدرر

لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا بخدا اگر تم اپنی باتوں سے نہیں رُکو گے **لَنَرْجُمَنَّكُمْ** ہم تمہیں سنگسار کریں گے۔ الرجم بمعنے پتھروں سے مارنا۔ **وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○** اور تمہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔ یعنی اس گمان میں نہ رہو کہ صرف دو تین پتھر مار کر تمہیں چھوڑ دیں گے بلکہ تمہارے اُوپر پتھراؤ ہوتا رہے گا یہاں تک کہ مرجاؤ، یہی دردناک عذاب ہے یا بسبب سنگساری کے تمہیں دردناک عذاب پہنچے گا۔

ف : بعض نے الرجم سے شتم مراد لی ہے یعنی ہم تمہیں صرف گالی گلوچ دیں گے اور گالی دیتے وقت ضربِ شدید کے ذریعے تمہیں موت کے گھاٹ اتاریں گے۔

موچی کی حکایت ایک موچی عطار کی دُکان سے گزرا، جُونہی خوشبو اس کے دماغ میں پہنچی تو وُہ بیہوش ہو کر گر پڑا۔ تماشائی پہنچے۔ چند ایک نے اس کو ہوش میں لانے کی کوشش کی لیکن ع مرض بڑھتا گیا جُوں جُوں دوا کی

اُسے خوشبوئیں سنگھاتے، کوئی فائدہ نظر نہ آیا، حیران تھے کہ یہ بیہوش ہُوا کیوں! اس کے اقارب کو مطلع کیا گیا۔ اس کا بھائی آیا اور کُتے کی خشک ٹٹی پیس کر ساتھ لایا اور اس کی ناک میں ڈال کر پھونک ماری تو وہ موچی نہ صرف ہوش میں آ گیا بلکہ بصحت و عافیت چل پڑا۔

سبق : یہی حال کفار کا ہے، جیسا کہ حضرت جلال الدین رومی قدس سرہٗ نے مثنوی شریف میں فرمایا: ؎

١ ناصحان او را بعنبر یا گلاب
می دوا سازند بهر فتح باب

٢ مرخبیثان را نشاید طیبات
در خور و لائق نباشد اے ثقات

٣ چون ز عطر وحی کم گشتند و گم
بد فغان شان تطیرنا بکم

٤ رنج و بیماریست ما را زین مقال
نیست نیکو وعظتان ما را یقال

٥ گر بیا غازید نصحی آشکار
ما کنیم آن دم شما را سنگسار

۶ ما بلغو و لہو فسربہ کشتہ ایم
در نصیحت خویش را نسرشتہ ایم

۷ ہست قوت ما دروغ و لاف و لاغ
شورش معدہ است مارا زین بلاغ

۸ ہرکرا مشک نصیحت سُود نیست
لا جرم با بُوے بدخو کرد نیست

۹ مشرکانرا زان نجس خواندست حق
کاندرون پشک زادند از سبق

۱۰ کرم کو زادست در سرکین اند
می نکرداند بعنبر خوے خود

ترجمہ : (۱) خیر خواہوں نے اس کا علاج عنبر و گلاب سے کیا تاکہ اس کے دماغ کا دروازہ کھلے۔

(۲) لیکن خبیثوں کو خوشبو سے کیا کام، اے معتبر لوگو! ایسی اشیاء اُن کے لائق نہیں۔

(۳) جب انطاکیہ والے عطرِ وحی سے گم ہوئے اور گمراہ ہوئے ان سے تطیّرنا بکم (تمہاری وجہ سے نحوست ہے) کی آواز اُٹھی۔

(۴) رنج و بیماری تمہاری ان باتوں سے ہے تمہارے وعظ ہمارے لیے مفید اور اچھے نہیں۔

(۵) اگر تم نصیحتیں شروع کرو گے تو ہم تمہیں سنگسار کریں گے۔

(۶) ہم لغو و لہو سے جوان ہوئے تمہاری نصیحتوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔

(۷) ہماری غذا جھُوٹ لاف و گزاف ہے۔ ہمارے معدے کو تمہاری نصیحت سے نقصان ہے۔

(۸) جسے نصیحت کی مشک سے فائدہ نہیں اسے تو بدبُو سے ہی بدخوئی پیدا ہو گی۔

(۹) حق تعالیٰ نے مشرکوں کو نجس (پلید) کہا۔ اندرونی گندگی سے سبق حاصل کیا ہے۔

(۱۰) جو کیڑا گندگی سے پیدا ہو وہ عنبر سے کیسے پیار کرے گا۔

قَالُوْا اہلِ انطاکیہ کو رسل کرام نے فرمایا **طَآئِرُكُمْ** تمہاری شومی کا سبب **مَّعَكُمْ** تمہارے ساتھ ہے ہماری طرف سے نہیں اور وہ تمہارا بُرا عقیدہ اور بُرے اعمال ہیں۔

ف : طائر بمعنے ہر وہ شے جسے شوم سمجھا جائے۔

اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ایک ہمزہ استفہامیہ دوسرا شرطیہ ہے کیا اگر تم نصیحت دیئے جاؤ اور ڈرائے جاؤ جس میں تمہاری سعادت ہے۔ شرط کا جواب محذوف ہے ماقبل کی دلالت پر سہارا کر کے حذف کیا گیا ہے

وہ تطیرتم او توعدتم بالرجم والتعذیب ہے بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ○ بلکہ تم حد سے بڑھنے والے ہو۔ اس سے اعراض ہے جو شرط کا تقاضا ہے یعنی وہ سمجھتے کہ ان کا وعدہ کرنا شومی کا سبب ہے حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے وہ یہ کہ اے کافرو! معاصی و مآثم میں حد سے تجاوز کرنا تمہاری عادت بن گئی ہے۔ اسی وجہ سے تم نحوست کا شکار ہوئے۔ یا تم ظلم و عدوان میں حد سے متجاوز ہوئے تو تمہیں ڈر اور خطرہ لاحق ہوگیا اور جن کی تعظیم و تکریم کرنا اور جنہیں متبرک بنانا تھا تم انھیں منحوس سمجھنے لگ گئے۔

تفسیر صوفیانہ قوم مذکور سے نفس اور اس کے صفات مراد ہیں کیونکہ وہ طبع کی موافقت میں حد سے تجاوز کرتا ہے اور حق کی مخالفت میں ہوتا ہے۔ اسے نفس کی قید میں مہالک میں گر مرنے کی پروا نہیں ہوتی بلکہ وہ الٹا لوگوں کو برے راستہ کی طرف بلاتا ہے ؎

ہر کرا باشد مزاج و طبع سست
او نخواہد ہیچ کس را تن درست

ترجمہ: جس کا مزاج و طبع سست ہو وہ کب تندرست ہو سکتا ہے!

ف: جو نفس سے چھٹکارا پائے گا اور اس کا تزکیہ کرے گا تو کامیاب ہوگا، نہ صرف خود بلکہ اس کے یار دوست بھی کامیاب ہوں گے اسی لیے انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام اسی شغل میں مشغول رہے اور دوسرے لوگوں کو بھی متنبہ فرمایا۔ انھیں گناہوں اور خطاؤں اور اسراف سے دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور انہیں اسلاف کے طریقے پر لے جاتے ہیں نصیحت اہلِ ایمان کو فائدہ دیتی ہے۔

شیخ نوری کی کرامت خلیل کے غلام نے صوفیہ کرام کے بارے میں خلیفۂ بغداد کے سامنے چغلی کھائی کہ وہ (معاذ اللہ) زندیق ہیں اس لیے وہ واجب القتل ہیں۔ خلیفہ سے کہا اگر تو ان کو قتل کردے گا تو یہ بہت بڑا کارنامہ ہوگا اور بہت زیادہ اجر و ثواب ہوگا بادشاہ نے اپنے ملک کے صوفیہ کرام کو گرفتار کرالیا، ان میں حضرت جنید، حضرت شبلی اور حضرت نوری رحمہم اللہ تعالیٰ بھی تھے بادشاہ نے ان کے شہید کرنے کا حکم دیا تو سب سے پہلے حضرت ابوالحسین نوری قدس سرہٗ پیش ہو گئے۔ جلاد نے کہا معلوم ہے تمہیں کہاں لے جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: جتنی دیر میں پہلے میں شہید ہوں گا اتنی دیر میرے ساتھی تو زندہ رہیں گے۔ میں ان کو اپنے اوپر ترجیح دیتا ہوں۔ جلاد نے حیران ہوکر بادشاہ کو جاکر واقعہ سنا دیا۔ بادشاہ بھی سن کر متعجب ہوا اور اس کے تمام حواری بھی۔ قاضی کو فرمایا تم جاکر ان کو آزماؤ۔ قاضی نے فرمایا ان میں سے ایک کو میرے پاس لاؤ تاکہ میں ان سے مسائل پر گفتگو کروں۔ قاضی کے ساتھ گفتگو کے لیے حضرت ابوالحسین نوری قدس سرہٗ بڑھے قاضی نے آپ سے چند فقہی مسائل پوچھے آپ نے دائیں بائیں دیکھ کر پھر دل پر توجہ کی اور تمام سوالات کے جوابات بخوبی سمجھائے۔ اس کے بعد فرمایا اللہ تعالیٰ کے بندے اٹھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بولتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مدد سے ایسی تقریر کی کہ قاضی کو رلا دیا۔ قاضی نے پوچھا آپ نے

پہلے دائیں بائیں دیکھا پھر دل کی طرف متوجہ ہوئے ، کیوں ؟ آپ نے فرمایا : دائیں دیکھا تو فرشتے سے مسائل کا سوال کیا اس نے لاعلمی ظاہر کی پھر بائیں طرف والے سے پوچھا اس نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔ پھر دل کی طرف توجہ کی تو تیرے سوالات منکشف ہوگئے اور وہ جواب میرے دل پر اللہ تعالیٰ سے القاء ہوتے گئے اور میں تجھے جواب دیتا گیا۔ قاضی نے بادشاہ کو رپورٹ دی کہ اگر یہ زندیق ہیں تو پھر دنیا میں کوئی مسلمان نہیں۔ خلیفہ نے تمام صوفیہ کرام کو بلا کر عرض کی کوئی ضرورت ہو تو بیان کرو۔ فرمایا : ہماری ضرورت فقط یہ ہے کہ ہمیں دل سے بھلا دے اور ہمیں اپنے ہدایا قبول کرنے سے معاف فرما۔ خلیفہ ان کی باتوں سے خوب رویا اور انہیں باعزاز و اکرام روانہ کیا۔ جب خلیفہ و قاضی میں عدل و انصاف ہو تو وہ حق کی طرف مائل اور صوفیہ کے خدام بن جاتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ اور آیا شہر انطاکیہ کے دور کے حصے سے رَجُلٌ ایک عظیم الشان مرد۔

نکتہ : رجولیت اور تنکیر اس کی عظمت شان کی وجہ سے ہے ورنہ یہ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں نہ تھا اور اس کا گھر دور انطاکیہ کے دروازہ کے نزدیک تھا۔

نکتہ : دوری کے ذکر میں اشارہ ہے کہ ان بندگانِ خدا کی تبلیغ کا اثر دور دور تک پھیل گیا یہاں تک کہ آنے والا مرد شہر کے آخری کنارے سے آیا اور وہ شہر بارہ میل تک پھیلا ہوا تھا۔

يَسْعٰى درانحالیکہ وہ تیز چلتا تھا۔

حلِ لغات : سعی چلنے اور دوڑنے کی درمیانی چال کا نام ہے کما فی المفردات۔

نسب رجل مذکور وہ حبیب بن مری نجار تھے جو علماء کے نزدیک صاحبِ یٰسٓ کے نام سے مشہور ہیں بعض تواریخ میں اسکندر رومی کی نسل سے لکھا ہے، اسے نجار اس لیے کہا جاتا تھا کہ وہ بت بناتا تھا۔

فقیر (صاحبِ روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ وہ ان رسل کرام کی وجہ سے ایمان لایا اور یہی جمہور کا مذہب ہے حالانکہ حدیث شریف میں ہے :

سباق الامم ثلاثة لم يكفروا بالله طرفة عين علی بن ابی طالب و صاحب یٰسٓ و مؤمن آل فرعون۔

(امتوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے تین ہیں جنہوں نے کبھی کفر نہیں کیا ،

۱۔ علی ابن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) ۲۔ صاحبِ یٰسٓ ۳۔ مومن آل فرعون)

ف : عدمِ کفر سے بتوں کو سجدہ نہ کرنا مراد ہے، یہ کہ اصولِ شرائع کے خلاف ان سے سرزد نہ ہوا۔ نیز بت گری سے بت پرستی ثابت نہیں ہوتی۔

التعریف للسہیلی میں ہے کہ وہ نجار تھے لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو نجار ہو وہ بت پرست بھی ہو۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے چھ سو سال پہلے آپ پر ایمان لایا۔

نعتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ کر ایمان لایا

حبیب نجار کے ایمان بر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا موجب یہ ہوا کہ وہ اہلِ علم تھا اس نے جب اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب پڑھی تو اس میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت دیکھی اور آپ کے مبعوث ہونے کا وقت معلوم کیا تو آپ کا کلمہ پڑھا اور آپ کے سوا کسی اور نبی (علیہ السلام) پر ایمان نہیں لایا۔

پڑھا کلمہ تمہارا یا رسول اللہ

علامہ سیوطی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے کلمہ پڑھنے والے یہ حضرات ہیں:

(۱) حبیب نجار

(۲) قس بن ساعدہ مکہ معظمہ میں۔

حدیث شریف

میں ہے: "اللہ تعالیٰ قس بن ساعدہ پر رحم فرمائے مجھے امید ہے کہ وُہ قیامت میں ایک ہی اُمت میں اُٹھیں گے۔"

(۳) ورقہ بن نوفل ابن عم خدیجہ رضی اللہ عنہا

(۴) زید بن نفیل

(۵) تبع اکبر

قصۂ تُبع اکبر

تبع اکبر مرحوم مدینہ طیبہ سے گزرا اُس کے ساتھ ایک لاکھ تیس ہزار سوار اور ایک لاکھ تیرہ ہزار پیدل لشکر تھا۔ ان میں سے چار سو دانشور، علماءٗ، حکماءٗ نے عہد کیا کہ ہم اس شہر مبارک کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔ حکمت معلوم کی گئی تو کہا یہ وہی مقام ہے جہاں نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے تشریف لاکر مقیم ہوں گے۔ تبع اکبر مرحوم نے ان چار سو کو مکانات بنوا دئیے اور چار سو لونڈیاں آزاد کرکے ان کے نکاح میں دیں اور انہیں دیگر بہت سے انعام واکرام سے نوازا اور ایک خط لکھ کر سربمہر کر ایک بہت بڑے عالم کے سپرد کرکے کہا کہ یہ خط حضور سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش ہو (اگر نہ مل سکیں تو بذریعہ وصیت بعثت در بعثت) اس میں لکھا کہ تُبع آپ پر ایمان لایا اور اس نے آپ کے دین کو قبول کیا۔ اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص مکان بنایا اور لکھا کہ جب آپ مدینہ طیبہ میں تشریف لائیں تو اسی مکان میں اجلالِ نزول اور قیام ہو وُہ مکان جس میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ قیام فرما تھے وہی درحقیقت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا مکان تھا اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اسی بڑے عالم کی اولاد سے تھے۔ اس سے

ثابت ہُوا کہ آپ اپنے ہی مکان میں قیام پذیر ہُوئے ۔ آپ کو اس کی اولاد میں سے کسی سے وہی خط بعثت کے اوائل میں مل گیا تھا یا اس وقت ملا جب آپ ہجرت کرکے مدینہ طیبہ کو تشریف لا رہے تھے تو راستہ میں کسی نے جاکر پہنچایا ۔ جب آپ کو وُہ خط پڑھ کر سُنایا گیا تو آپ نے تین بار فرمایا :

مرحبا بتبع الاخ الصالح ۔

(نیک بخت بھائی تبع مرحبا)

تبع نے بعثتِ نبوی سے ایک ہزار سال پہلے ایمان ظاہر کیا ۔

ف : یہ انصارِ مدینہ انہی چار سو علماء حکماء کی اولاد سے تھے ۔

تُبّع کی صاحبزادیوں کے مزارات

قبل از اسلام صنعاء یمن میں قبر کھودی گئی تو اس میں دو عورتیں پائی گئیں جن کے اجساد ابھی تر و تازہ تھے ان کے سرہانے چاندی کی تختی پر لکھا تھا :

ھذا قبر فلانۃ وفلانۃ ابنتی تبّع ماتتا وھما تشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ ولا تشرکان بہ وعلٰی ذٰلک مات الصالحون قبلھما ۔

(یہ قبر فلانہ اور فلانہ بنت تبع کی ہے وہ مرگئیں اور گواہی دیتی تھیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتی تھیں اور اسی کلمہ پر صالحین ان سے پہلے فوت ہُوئے)

حدیث شریف میں ہے :

من مات فھو یعلم لا الٰہ الا اللّٰہ دخل الجنّۃ ۔

(جو مرا اور اسے علم تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں تو وہ بہشت میں داخل ہوگا)

نکتہ : حدیث شریف میں وھو یؤمن وھو یقول نہیں کہا تاکہ معلوم ہو کہ ہر اہلِ توحید[1] شفاعت کے بغیر بہشت میں داخل ہوگا اگرچہ ان کو ایمان کا وصف نہ بھی ملا ہو، جیسے قس بن ساعدہ وغیرہ کہ ان کے ہاں کسی نبی علیہ السلام کی شریعت موجود نہ تھی کہ اس پر اور اس نبی علیہ السلام پر ایمان لاتے ۔ اس تقریر پر قس رضی اللہ عنہ وغیرہ کو موحد کہیں گے لیکن مؤمن (اصطلاحی) نہیں کہہ سکتے ۔ کذا فی الفتوحات المکیہ ۔

جبیب نجار کے ایمان کا اظہار

جبیب نجار کا ایک جھونپڑا تھا جو شہر سے دُور ایک کونے میں دن کو مزدوری کرتے ۔ آدھا مال راہِ خدا میں خرچ کرتے آدھا اپنے عیال کے لیے رکھتے ۔ گوشۂ تنہائی میں عبادتِ الٰہی بجالاتے ۔ کسی کو خبر تک نہ تھی ۔ یہاں تک کہ جب سُنا

---

[1] اس توحید سے یہ اصطلاح اہلِ تصوف مراد ہے نہ کہ بہ اصطلاحِ وہابیہ (خذلہا اللہ تعالیٰ) ۔ اویسی غفرلہٗ

کہ عیسٰی علیہ السلام کے فرستادگان پر اہلِ انطاکیہ ظلم وستم ڈھا رہے ہیں تو ان کی امداد کے لیے جھونپڑے سے نکل کر ان کے ہاں اظہارِ ایمان کیا۔

اہلِ انطاکیہ کے ظلم کا نمونہ منقول ہے کہ اہلِ انطاکیہ نے ان اہلِ ایمان کے گھروں پر ہلّہ بول دیا ایک ایک کو ان کے گھروں سے نکال کر گلے میں رسّی ڈال کر باہر کھینچ لائے۔ یہ چالیس تھے اور گلے میں بھی سوراخ کر کے رسّیاں ڈالیں اور کھینچتے رہے۔ جبیب نجار پہاڑ کی غار میں عزلت نشین تھے جیسے ابدال پہاڑوں کی غاروں میں عزلت نشین ہوتے ہیں۔ جب سُنا کہ اہلِ ایمان پر ظلم و جفا ہو رہا ہے تو خود بخود ان کے ہاں پہنچ گئے۔

قَالَ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے گویا پُوچھا گیا کہ جبیب نجار نے آکر کیا کہا تو فرمایا اس نے کہا **یٰقَوْمِ** اے میری قوم!

سوال : انھوں نے اپنی قوم سے کیوں خطاب فرمایا؟

جواب : ان کے دل نرم کرنے اور اپنی نصیحت کو قبول بنانے کے ارادہ پر، اور اشارہ سے سمجھایا کہ جو کچھ میں تمھیں کہوں گا اس میں تمہاری بھلائی ہے اور تمہارے لیے کوئی بُرا ارادہ نہیں رکھتا۔

ف : نیز یہ بھی مشہور ہے کہ وُہ اہلِ انطاکیہ میں متقی اور معتدل الاخلاق مشہور تھے۔

اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ○ وُہ جو تمہارے ہاں احکام لے کر آئے ہیں وہ حق پر ہیں فلھذا ان کی اتباع کرو اور رسالت کا عنوان اس لیے اختیار کیا تاکہ انھیں ان کی اتباع کی طرف میلان ہو۔

ف : مروی ہے کہ جب جبیب نجار آئے تو رسولوں سے پُوچھا کہ تم اس وعظ و تقریر پر کچھ مزدوری لیتے ہو؟ فرمایا: نہیں بلکہ ہم تو اعلائے کلمۃ الحق کے لیے آئے ہیں سوائے اظہارِ دین کے ہمارا اور کوئی مقصد نہیں۔

اس پر جبیب نجار نے کہا **اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْئَلُكُمْ** اُن کی اتباع کرو جو تم سے سوال نہیں کرتے **اَجْرًا** اجرت اور مال کا کو نصیحت و تبلیغ کر کے تم سے کچھ لیں **وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ** ○ اور وُہ ہدایت یافتہ ہیں، دین و دنیا کی بھلائی ان کے ہاتھ میں ہے، طریقِ حق پر پہنچے ہُوئے اور خیر و بھلائی تک لے جانے والے ہیں۔ اور جو اپنی دعوت و تبلیغ میں متہم نہ ہو اس کی اتباع واجب ہے اگرچہ وہ رسول (پیغمبر) نہ ہو اور یہ تو رسل کرام اور ہدایت یافتہ ہیں۔

ف : جو کہتے ہیں کہ ایغال کلام کا ایسے جملہ پر ختم کرنا جو ایسے نکتے کا فائدہ دے جس پر اس کے بغیر معنیٰ مکمل ہو جائے تو ان کے نزدیک یہ آیت مثال کے طور پر ہے کیونکہ وھم مھتدون کا معنیٰ کسی سہارے کے بغیر مکمل ہے کیونکہ رسول ہوتا ہی وہی ہے جو ہدایت پر ہو۔ لیکن پھر بھی ترغیب کے لیے اور اتباع پر شوق بڑھانے کے لیے کہا گیا۔ من لا یسئلکم، المرسلین سے بدل ہے اور اتبعوا کا

معمول ہے اور دوسرا اتبعوا پہلے کے لیے تاکید لفظی ہے۔

ف: الارشاد میں ہے کہ تکرار تاکید کے علاوہ اس طرف متوجہ کرنا ہے کہ جو لوگ طمع وغرض کے بغیر تمہیں دین کی طرف لا رہے ہیں وہ اتباع کے لائق ہیں کیونکہ وُہ دنیا و آخرت کے جامع ہیں۔

جاہل ریاکار پیروں کا رَد اس میں جاہل پیروں اور ریاکار سجادہ نشینوں کا رد ہے کہ اپنی دکان چمکانے اور دنیا و دولت بٹورنے کے لیے بیوقوف لوگوں اور احمقوں اور پاگلوں کو طرح طرح کے شعبدے دکھاتے ہیں کما فی التاویلات النقشبندیہ۔

رہ کاروان شیر مرداں زنند ولے جامۂ مردم اینان کنند

عصائے کلیمند بسیار خوار بظاہر چنین زرد روے ونزار

ترجمہ: شیر مردوں کے قافلے لُوٹتے ہیں بلکہ اُن کے کپڑے بھی اتار لیتے ہیں۔
عصائے کلیم کی طرح بسیار خور ہیں بظاہر زرد چہرہ اور کمزور نظر آتے ہیں۔

ربط: جب حبیب نجار نے انہیں نصیحت کی تو انہوں نے کہا کہ تُو ہمارے دین کا مخالف ہو گیا ہے اور ان رسولوں کا فرمانبردار بن گیا ہے۔ آپ نے ان کے جواب میں فرمایا۔ (باقی مضمون پارہ ۲۳ میں پڑھئے)

الحمدللہ کہ فقیر اویسی غفرلہٗ نے پارہ نمبر ۲۲ کے ترجمہ سے بروز سوموار ۹ بجے ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۴ھ میں فراغت پائی۔

وصلی اللہ علیٰ حبیبہ الکریم الرؤف الرحیم سید المرسلین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

فہرست مضامین پارہ نمبر 21,22

اختتام پارہ نمبر ۲۲ ۱۰۳۸

☆☆☆☆☆☆